حدیث ایک مقدس فن ہے جس کی نسبت ایک زندۂ جاوید شخصیت کی طرف ہے۔ کرۂ ارض پر جب تک انسان نامی مخلوق موجود ہے اس وقت تک یہ فن اسی تابندگی اور شادابی کے ساتھ باقی رہے گا۔ کتابتِ حدیث اور ترتیب وتدوینِ حدیث کا وہ سلسلہ جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک سے شروع ہوا تھا بتدریج تبع وتابعین کے دور میں اپنی تکمیل کو پہنچا۔ کتبِ حدیث کی تصنیف وتالیف باقاعدہ شروع ہوئی محدثین نے جانفشانی اور محنت سے عظیم الشان کتب تصنیف کیں جو آج ہمارے درمیان علم و عرفان کا مینارۂ نور بنی ہوئی ہیں جن سے طالبانِ حدیث اکتسابِ فیض کرتے ہیں۔ ''مشکوٰۃ المصابیح'' جو دراصل ''مصابیح السنۃ'' کی مکمل ومدون شکل ہے انہی عظیم الشان کتب میں سے ایک ہے جس میں کتبِ ستہ اور دیگر موثوق بہا کتبِ احادیث سے ۵۹۴۵ احادیث کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ حدیث کی یہ بنیادی کتاب اپنے ابتداء عہد سے آج تک عربی مدارس میں داخلِ نصاب رہی ہے۔

''مظاہر حق جدید'' اردو زبان میں مشکوٰۃ شریف کی مستند، قابلِ اعتماد اور مقبول شرح ہے جو ابتداء تالیف سے علماء، طلباء اور عوام وخواص سب ہی کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ قدیم نسخے کی زبان و بیان کی قدامت اور انداز کے نامانوس اور ناقابلِ فہم ہونے کے باعث کتاب سے استفادہ سخت مشکل تھا اسی احساس کے پیشِ نظر فاضل دارالعلوم دیوبند جناب **مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری** مدظلہم نے اس عظیم کتاب کی ادق زبان اور قدیم اسلوب کو دورِ حاضر کی مہذب، شگفتہ اور سلیس زبان میں تبدیل کیا۔ بامحاورہ وسلیس ترجمہ، تسہیل، قوسین میں تشریح، اضافۂ عنوانات، احادیث کے نمبر شمار اور پیراگراف قائم کر کے اساتذہ وطلباء کے لئے اسے نہایت سہل ومفید بنا دیا۔ درسِ حدیث اور اپنے دامنِ علم کو احادیثِ نبوی ﷺ کے گراں قدر موتیوں سے مالا مال کرنے کے لئے بے مثال کتاب۔

دارالاشاعت کراچی سے جدید تقاضوں کے مطابق کمپیوٹر کتابت، طباعت، کاغذ اور جلد بندی کے اعلیٰ معیار اور اس کے شایانِ شان طریقے پر شائع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لئے ذریعہ نجات اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

E-mail: ishaat@pk.netsolir.com
ishaat@cyber.net.pk

جدید نظرثانی شدہ کمپیوٹر ایڈیشن

زبان و بیان کے نئے اسلوب میں

شرح
مشکوۃ شریف اردو

جلد اوّل

از افادات
علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

تزئین و ترتیب جدید
مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری (فاضل دیوبند)

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : مارچ ۲۰۰۹ء شکیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات ۹۵۲

مصححین : مولانا محمد شفیق صاحب فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن
مولانا محمد اصغر مغل صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
مولانا دلشاد صاحب مدرس دارالعلوم حسینیہ شہداد پور

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
کشمیر بک ڈپو، چنیوٹ بازار فیصل آباد
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی
الفیصل تاجران کتب اردو بازار لاہور
ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ اَمَّا بَعۡدُ

محدث کبیر امام ولی الدین محمد عبداللہ الخطیب التبریزی کا مرتب کردہ مجموعہ احادیث "مشکوٰۃ المصابیح" تمام کتب احادیث میں ایک خاص امتیاز کا حامل ہے اور یہ اپنی تالیف کے وقت سے آج تک خواص و عوام میں مقبول و مشہور اور علم حدیث کے ہر مدرسہ و یونیورسٹی میں ہمیشہ داخل درس رہا ہے۔ اور ہر زمانے کے علماء نے اس کی متعدد مختصر مبسوط شرحیں مختلف زبانوں میں تحریر کی ہیں۔ جیسے ملا علی قاریؒ کی "مرقاۃ المفاتیح" شیخ عبدالحق محدثؒ کی عربی شرح "لمعات" اور فارسی شرح "اشعۃ اللمعات" مولانا ادریس کاندھلوی کی "تعلیق الصبیح" وغیرہ۔

اردو زبان میں بھی مشکوٰۃ کے متعدد تراجم ہوئے لیکن جو خداداد مقبولیت و شہرت "مظاہر حق" کو حاصل ہوئی وہ اور کسی اردو شرح کو نصیب نہیں ہوئی، اور اردو زبان میں صرف یہی شرح مستند اور قابل اعتماد سمجھی گئی ہے۔

"مظاہر حق شرح مشکوٰۃ" حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اسحٰقؒ کے خاص شاگرد نواب محمد قطب الدین خان دہلویؒ کی مشہور و مقبول تالیف ہے۔ جو اپنی تالیف کے وقت سے اب تک علماء طلباء اور عوام و خواص سب ہی کی نگاہوں کا مرکز بنی رہی ہے۔ لیکن تمام تالیف آج سے ایک سو سال پہلے کی اردو زبان میں لکھی ہوئی ہیں، یہ زبان اور انداز تالیف اب سو سال بعد تقریباً نامانوس اور ناقابل فہم ہونے کی وجہ سے اس کتاب سے استفادہ سخت مشکل ہو گیا تھا۔

اور گزشتہ پچیس تیس برسوں سے شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ اٹھے اور اس شرح کی زبان اور ترتیب کو موجودہ زمانہ کے مطابق سہل اور آسان کر دے تو یہ حدیث کی بڑی خدمت اور ایک کارنامہ ہو گا۔

خدا کا شکر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک فرزند مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری نے اس ضرورت کو محسوس کر کے کمر ہمت باندھی اور کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد "مظاہر حق" کو زبان و بیان اور ترتیب کا نیا اسلوب اور نیا لباس عطا فرمایا اور اس کو "مظاہر حق جدید" کے نام سے دیوبند "انڈیا" سے ستر قسطوں میں شائع کرایا، جس کو تمام حلقوں نے بے حد پسند کیا اور اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

لیکن افسوس ہے کہ ایسی عمدہ کتاب کی کتابت و طباعت انتہائی خراب اور کاغذ بالکل گھٹیا لگایا گیا جس کی وجہ سے اس سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔

اب ضرورت تھی "مظاہر حق جدید" کو جدید تقاضوں کے مطابق کتابت، طباعت، کاغذ و جلد بندی کے اعلیٰ معیار پر اس کے شایان شان طریقے پر شائع کیا جائے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب ہم "مظاہر حق جدید" کا مکمل سیٹ پانچ ضخیم جلدوں میں کتابت و طباعت کے اعلیٰ معیار پر دارالاشاعت کراچی سے شائع کر رہے ہیں، اس عکسی اشاعت کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں۔

ترتیبی خصوصیات:۔

1. مظاہر حق قدیم میں صرف لفظی ترجمہ تھا جس کو اب سلیس و بامحاورہ کر دیا گیا ہے۔
2. مظاہر حق قدیم میں بہت سی احادیث کی شرح نہ تھی اب احادیث کی بھی مستند شروح کی مدد سے توضیح و تشریح کر دی گئی ہے۔

طباعتی خصوصیات:۔

3. ہر باب کی حدیث پر نمبر شمار اور حدیث کے مناسب عنوان قائم کیا گیا ہے۔
4. اس عکسی اشاعت میں ہر حدیث پر پہلے نمبر شمار اور عنوان لکھا گیا ہے۔
5. پہلے عربی حدیث نیچے ترجمہ اور پھر تشریح دی گئی ہے تا کہ طلباء کو مطالعہ میں سہولت ہو۔
6. اور پھر نیچے پورے صفحے کی چوڑائی میں حدیث کی شرح کتابت کرائی گئی ہے جس کی وجہ سے ظاہری حسن میں اضافہ اور استفادہ آسان تر ہو گیا ہے۔
7. ہر جلد کے شروع میں تمام احادیث و مضامین کی مفصل فہرست بقید صفحات شامل کی ہے۔
8. پوری کتاب کو کمپیوٹر کتابت پر پیش کیا گیا ہے اور تصحیح کا خاص اہتمام کیا ہے۔
9. عمدہ سفید کاغذ پر عکسی طباعت اور جلدیں نہایت حسین اور مضبوط بنوائی جا رہی ہیں۔

ان خصوصیات کی وجہ سے بلاخوف تردید لکھا جاتا ہے کہ یہ کتاب "مظاہر حق" اپنی تصنیف اول کے وقت سے آج تک ایسی شان و شوکت سے شائع نہیں ہوئی تھی جیسی یہ عکسی اشاعت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس خدمت حدیث کو قبول فرمائے اور لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اور اللہ تعالیٰ صاحب مشکوٰۃ و صاحب مظاہر حق اور اس کے ناشرین اور کاتب و تصحیح و طباعت کرنے والے اصحاب کو اجر عظیم عطا فرمائے اور آخرت میں صاحب حدیث نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

فقط — ناشر

محمد رضی عثمانی

مدیر — دارالاشاعت کراچی ۱

۲۲ ر رجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۷ ر مئی ۱۹۸۲ء
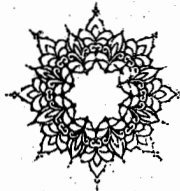
حرف آغاز

یہ ۱۳۷۷ھ کی بات ہے جب میں مادر علمی "دار العلوم دیوبند" کی مقدس آغوش میں "مشکوٰۃ شریف" کے خرمن درس کا خوشہ چین تھا۔ اور غالباً سہ ماہی امتحان کے موقع پر مشکوٰۃ شریف کے بعض مواقع کے حل کرنے کے سلسلہ میں "مظاہر حق" دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی یہ پہلا موقع تھا جب "مظاہر حق" کی زبان و بیان اور قدیم طرز تحریر کو دیکھ کر اس خواہش نے جنم لیا کہ اگر اس عظیم کتاب کی ادق زبان اور قدیم اسلوب و بیان کو موجودہ دور کی مہذب اور شگفتہ و سلیس زبان میں تبدیل کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ حدیث کے ان طلبہ کو اس سے بڑی آسانیاں ہو جائیں گی جو حل مشکلات کے سلسلہ میں اس سے مدد لیتے ہیں بلکہ عوام کا وہ طبقہ بھی اس اردو ترجمہ و شرح کے ذریعہ اس مقدس ذخیرہ "مشکوٰۃ شریف" سے اکتساب فیض کر سکتا ہے جو کہ احادیث نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے علوم و معارف کو اپنی روحانی تشنگی کی سیرابی کا باعث اور اخروی فلاح و نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

اس مقدس جذبہ اور تمنا کی یہ پہلی چنگاری تھی جس نے عزم و ارادہ میں ایک ہلکی سی رمق پیدا کی دن گزرتے رہے اور یہ تمنا بھی ارادوں کے سہارے پروان چڑھتی رہی۔ تا آنکہ گزشتہ سال دار العلوم کی تعلیمی زندگی سے فراغت کے بعد جب کچھ سکون قلب و دماغ اور وقت میسر آیا تو اس ارادہ نے عملی شکل اختیار کر لی۔

اور آخر کار اپنی قلمی کم مائیگی اور علم سے تہی دامنی کے احساس کے باوجود محض خدا کے فضل و کرم اور اس کی مدد کی امید کے سہارے اس عظیم اور اہم کام کی ابتدا کر دی گئی، جس کا پہلا نتیجہ اس وقت حاضر ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ خلف الرشید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نواسہ اور ان کے جانشین حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ دہلوی کا ترجمہ مشکوٰۃ "مظاہر حق" کی اصل بنیاد ہے۔ شاہ اسحٰق کے تلمیذ رشید حضرت علامہ نواب محمد قطب الدین دہلویؒ نے اسی ترجمہ کو مزید اضافوں اور شروح کے ساتھ "مظاہر حق" کی آخری شکل دی تھی اور اب اس کا انتساب ان ہی کی ذات گرامی کی طرف ہوتا ہے۔

اب جبکہ "مظاہر حق" کی جدید ترتیب و تزئین کی گئی تو سب سے پہلا سوال اس کی اشاعت کا تھا اس لئے کہ یہ کتاب مشکوٰۃ شریف کے اصل متن کے ساتھ بڑے سائز کے سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی تھی پھر اس پر مزید شرح و حواشی کے اضافوں کی وجہ سے ضخامت نے اور زیادہ وسعت اختیار کر لی، چنانچہ نہ تو حالات کی مساعدت کہ اتنی ضخیم کتاب یکبارگی اشاعت پذیر ہو سکے اور نہ اس دور کے مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور ان کے مصروف اوقات اس کے مقتضی کہ ایسی عظیم کتاب بیک وقت خریدی جا سکے۔

اس لیے بسیار غور و فکر کے بعد یہ سہل اور سود مند طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اس کتاب کو بالاقساط شائع کیا جائے۔ چنانچہ ہر دو مہینہ کے بعد اس کی ایک قسط "ادارۂ اسلامیات دیوبند" کی طرف سے شائع کی گئی ہے اور مستقل ممبران کی خدمت میں بہت کم قیمت سے ہدیہ کی جاتی رہی[1] اور یہ طریقہ کافی سود مند ثابت ہوا۔

ترتیب و تزئین کے سلسلہ میں اتنی بات عرض کر دینی ضروری سمجھتا ہوں کہ مصنف "مظاہر حق" نے احادیث کا ترجمہ بالکل لفظی کیا تھا اور اس کے ساتھ احادیث کی تشریح میں بہت زیادہ اختصار کے ساتھ کام لیا تھا، اسی طرح اکثر احادیث کو بغیر تشریح کے بھی چھوڑ دیا تھا؛ چنانچہ احقر نے نہ صرف یہ کہ ترجمہ بامحاورہ اور سلیس کیا ہے بلکہ تشریحات کو مزید صاف اور واضح کرتے ہوئے جدید ذہنوں کا خاص خیال رکھا ہے اور جہاں ضرورت سمجھی ان احادیث کی تشریح بھی کر دی ہے جن کے صرف ترجمہ ہی پر صاحب مظاہر حق نے اکتفاء کیا تھا، اس سلسلے میں مشکوٰۃ شریف کی دیگر شروح و تراجم اور حدیث کی دوسری اہم و مستند تصانیف کو سامنے رکھا گیا ہے اور ان سے مدد لی گئی لیکن پھر

---

[1] خدا کا شکر ہے کہ اب پاکستان میں مکمل کتاب پانچ جلدوں میں بیک وقت کتابت، طباعت، کاغذ و جلد بندی کے اعلیٰ معیار پر دار الاشاعت کراچی سے شائع ہو رہی ہے۔ (ناشر)

بھی اگر اس کی تشریحات و ترجمہ میں کسی قسم کی کوتاہی یا غلطی نظر آئے تو اس کا انتساب میری حقیر ذات کی طرف کیا جائے، اس بارہ میں اہل علم سے بطور خاص گزارش ہے کہ میرا قلم اگر حدیث کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکا ہو، یا صاحب مظاہر حق کے مطالب کو پورے حقوق کے ساتھ ادا نہ کر سکا ہو تو متنبہ فرمائیں اور اپنی گرانقدر رہنمائی سے مجھے معزز و مشرف فرمائیں۔

نظر ثانی: ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰) کے شروع میں "مظاہر حق جدید" کی ترتیب و تسوید کا آغاز ہوا تھا اور یہ پہلی قسط منصۂ شہود پر آئی تھی، اب انیس سال کے بعد جب کہ یہ عظیم کتاب قسط وار ترتیب و اشاعت کی تکمیل کے آخری مراحل میں ہے اس قسط کا نظر ثانی شدہ اڈیشن پیش کیا جا رہا ہے، یہ ناکارہ ادائے مفہوم اور انداز بیان کی ان خامیوں، کوتاہیوں اور غلطیوں کا اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہے جو پوری کتاب میں اور بالخصوص ابتدائی قسطوں میں کثرت سے موجود ہیں، ان شاء اللہ اب نظر ثانی کے ذریعہ اپنی فہم و لیاقت کی بساط بھر کوشش ان خامیوں اور غلطیوں کو دور کرنے میں صرف کی جائے گی۔

ذات بے نیاز نے اپنی رحمت بے حساب سے اس ناکارہ علم و عمل کو اپنی نصرت فرمائی، نوازش اور دستگیری سے جس طرح نوازا، اور "مظاہر حق جدید" کو شہرت و مقبولیت کی جو عظیم سرفرازی عطا فرمائی، اس کا کما حقہ، شکر ادا کرنے کی طاقت یہ بے مایہ قلم کہاں سے لائے، رب کریم اپنی رحمت بے حساب ہی سے اس ناکارہ و بے مایہ کی کوشش کو خلعت قبول سے سرفراز فرمائے اور حشر میں رسول عربیؐ کے غلاموں کے غلاموں کی صف میں اٹھائے۔

عبداللہ جاوید

۳، ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ جمعۃ المبارک
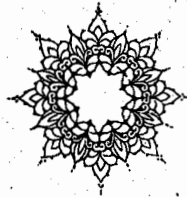
فہرست —— مظاہر حق جدید (جلد اوّل)

عنوان	صفحہ
عرض ناشر	۳
حرف آغاز	۵
مقدمہ —— از مولانا محمد سالم استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند	۲۳
مصنف مظاہر الحق کا دیباچہ	۲۶
حدیث کی دینی و تشریعی حیثیت و اہمیت	۲۷
مشکوٰۃ شریف کی خصوصیت و اہمیت	۳۹
صاحب مظاہر حق اور ان کا سلسلۂ تلمذ	۴۱
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ	۴۱
حضرت شاہ عبدالعزیز ؒ	۴۳
حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب مہاجر مکی ؒ	۴۴
مظاہر حق کے مؤلف علامہ قطب الدین خان ؒ	۴۵
صاحب مصابیح السنۃ امام حسین بن مسعود بغوی ؒ	۴۶
صاحب مشکوٰۃ المصابیح علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ ؒ	۴۷
آئمۂ حدیث	۴۸
امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ	۴۸
امام مسلم ؒ	۵۱
امام مالک ؒ	۵۲
امام شافعی ؒ	۵۳
امام احمد بن حنبل ؒ	۵۴
امام ترمذی ؒ	۵۵
امام ابوداؤد سجستانی ؒ	۵۶
امام نسائی ؒ	۵۶
امام ابن ماجہ ؒ	۵۷
امام دارمی ؒ	۵۸
امام دار قطنی ؒ	۵۸
امام احمد بن حسین بیہقی ؒ	۵۸
امام رزین بن معاویہ ؒ	۵۹
امام نووی ؒ	۵۹
امام ابن جوزی ؒ	۵۹
امام اعظم ابوحنیفہ ؒ	۶۰
اصطلاحات حدیث اور ان کی تعریفات	۶۳
دیباچہ مشکوٰۃ شریف	۶۶
مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث	۷۴
نیت کے مسائل	۷۶
کتاب الایمان	۸۵
ابواب ایمان کا بیان	۸۵
ایمان کا مطلب	۸۵
تکمیل ایمان	۸۵
ایمان و اسلام	۸۵
ایمان کا مدار جاننے پر نہیں ماننے پر ہے	۸۶
بعض صورتوں میں اقرار باللسان ضروری نہیں	۸۶
اعمال کی حیثیت	۸۶
اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے	۹۱
ایمان کی شاخیں	۹۱
مؤمن اور مسلم کا مفہوم	۹۴
درجات محبت	۹۴
ایمان کی لذت	۹۷
ایمان کا لطف	۹۷
اسلام ہی مدار نجات ہے	۹۸

عنوان	صفحہ
دوہرا اجر پانے والے	۹۹
کفار سے جنگ کا حکم	۱۰۰
مسلمان کون ہے؟	۱۰۲
جنت لے جانے والے اعمال	۱۰۳
ایمان کامل	۱۰۳
فرائض اسلام	۱۰۴
اسلام میں مبلغ کا مقام	۱۰۵
احکامات اسلام	۱۰۷
عورتوں کے لئے آپ ؐ کا فرمان	۱۰۷
انسان کو سرکشی زیب نہیں دیتی	۱۰۹
زمانے کو برا مت کہو	۱۱۰
اللہ تعالیٰ کا صبر و تحمل	۱۱۰
توحید کی اہمیت	۱۱۱
دوزخ سے رہائی	۱۱۱
خاتمہ بالایمان جنت کی ضمانت ہے	۱۱۲
نجات کا دارومدار کس بات پر ہے	۱۱۳
قبول اسلام سے سب گناہ مٹ جاتے ہیں	۱۱۴
ارکان دین	۱۱۵
ایمان کامل کیا ہے؟	۱۱۶
سب سے افضل عمل کیا ہے؟	۱۱۷
سچا مؤمن کون ہے؟	۱۱۷
امانت و ایفاء عہد کی اہمیت	۱۱۸
ابدی نجات کی ضمانت	۱۱۸
توحید کی اہمیت	۱۱۹
جنت اور دوزخ کو واجب کرنے والی باتیں	۱۱۹
عقیدۂ توحید پر قائم رہنے والوں کے لئے جنت کی بشارت	۱۱۹
جنت کی کنجی	۱۲۲
کلمۂ توحید نجات کا ذریعہ	۱۲۲
پوری دنیا میں کلمۂ توحید پہنچنے کی پیشین گوئی	۱۲۳
جنت کی کنجی	۱۲۴
نیکی کا اجر	۱۲۵
ایمان کی علامت	۱۲۵
ایمان و اسلام کی باتیں	۱۲۶
ایمان اور اسلام پر مرنے والے جنتی ہیں	۱۲۷
گناہ کبیرہ اور نفاق کی علامتوں کا بیان	۱۲۷
سب سے بڑا گناہ	۱۲۹
والدین کی نافرمانی اور جھوٹی قسم کھانا	۱۳۰
ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو	۱۳۱
شرک کی تعریف اور اقسام	۱۳۲
وہ بدترین گناہ جن کے ارتکاب کے وقت ایمان باقی نہیں رہتا	۱۳۳
منافق کی علامتیں	۱۳۴
نفاق کی قسمیں	۱۳۵
منافق بنانے والی چار باتیں	۱۳۶
منافق کی مثال	۱۳۷
وہ تین باتیں جو ایمان کی جڑ ہیں	۱۳۸
ارتکاب زنا کے وقت ایمان باہر آجاتا ہے	۱۳۹
حضرت معاذؓ کو دس باتوں کی وصیت	۱۴۰
اب کفر ہے یا ایمان؟	۱۴۱
وسوسہ کا بیان	۱۴۲
وسوسہ کی قسمیں	۱۴۲
وسوسوں کی معافی	۱۴۲
وسوسہ کو برا سمجھنا ایمان کی علامت ہے	۱۴۳
شیطان وسوسہ پیدا کرے تو اللہ کی پناہ مانگو	۱۴۳
ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے	۱۴۴
شیطان انسان کی رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے	۱۴۴
ولادت کے وقت بچہ کا رونا شیطانی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے	۱۴۵
میاں بیوی کے درمیان شیطان کا پسندیدہ کام	۱۴۵

عنوان	صفحہ
جزیرۃ العرب میں توحید کی مضبوط بنیاد سے شیطان مایوسی کا شکار	۱۴۶
شیطانی وسوسہ سے محفوظ رہنے پر اللہ کا شکر ادا کرو	۱۴۷
اپنے اندر نیکی کی تحریک پر اللہ کا شکر اور شیطانی وسوسہ کے وقت اللہ کی پناہ چاہو	۱۴۷
وسوسے پیدا ہوں تو شیطان کو دھتکار دو اور اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو	۱۴۸
شیطانی وسوسوں سے چوکنا رہو	۱۴۸
نماز کے دوران شیطان کی خلل اندازی	۱۴۸
وہم اور وسوسہ کو نظر انداز کرکے اپنی نماز جاری رکھو	۱۴۹
تقدیر پر ایمان لانے کا بیان	۱۵۰
عذاب قبر کے ثبوت کا بیان	۱۷۹
کتاب وسنت پر اعتماد کا بیان	۱۹۰
کتاب العلم	۲۲۵
علم کی فضیلت کا بیان	۲۲۵
کتاب الطہارۃ	۲۶۷
پاکیزگی کا بیان	۲۶۷
وضو کے واجب کرنے والی چیزوں کا بیان	۲۷۹
پاخانہ کے آداب کا بیان	۲۹۱
مسواک کرنے کا بیان	۳۱۱
وضو کی سنتوں کا بیان	۳۱۹
نہانے کا بیان	۳۳۷
جنبی کے احکام کا بیان	۳۴۹
پاکی کے احکام کا بیان	۳۵۸
نجاستوں کے پاک کرنے کا بیان	۳۶۸
موزوں پر مسح کرنے کا بیان	۳۷۷
تیمم کا بیان	۳۸۳
غسل مسنون کا بیان	۳۹۲
حیض کا بیان	۳۹۶
مستحاضہ کا بیان	۴۰۳
کتاب الصلوٰۃ	۴۰۹
نماز کا بیان	۴۰۹
اوقات نماز کا بیان	۴۱۹
جلدی نماز پڑھنے کا بیان	۴۲۵
فضائل نماز کا بیان	۴۴۴
اذان کا بیان	۴۵۱
جواب اذان کی فضیلت کا بیان	۴۶۰
احکام اذان کا بیان	۴۷۲
مساجد اور مقامات نماز کا بیان	۴۷۸
سترہ ڈھانکنے کا بیان	۵۰۹
سترہ کا بیان	۵۱۶
سترہ کے بارہ میں آپ ﷺ کا معمول	۵۱۶
سترہ کے سامنے سے گذرنے کا حکم	۵۱۷
سواری کے جانور اور کجاوہ کی پچھلی لکڑی کو سترہ بنا کر نماز پڑھنا	۵۱۷
نمازی کے آگے سے گذرنا بہت بڑا گناہ ہے	۵۱۸
سترہ اور نمازی کے درمیان سے گذرنے والے کو روکنے کا حکم	۵۱۸
سترہ نمازی کی محافظت کرتا ہے	۵۱۹
نمازی کے آگے سے گذرنا نماز کو باطل نہیں کرتا	۵۱۹
عورت، گدھے اور کتے کی تخصیص کی وجہ	۵۱۹
نمازی کے آگے عورت کے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی	۵۲۰
نمازی کے آگے سے گدھے وغیرہ کا گذرنا نماز کو باطل نہیں	

عنوان	صفحہ
کرتا	۵۲۰
عصا کو سترہ کے طور پر گاڑھنے کے بجائے سامنے رکھ لینے میں علماء کا اختلاف	۵۲۰
سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ہونے کی شکل میں سامنے صرف لکیر کھینچنے میں علماء کا اختلاف ہے	۵۲۱
سترہ کو قریب کھڑا کرنا چاہئے	۵۲۱
سترہ پیشانی کے سامنے نہ کھڑا کرنا چاہئے	۵۲۲
نمازی کے سامنے سے کتے اور گدھے کا گذرنا نماز کو باطل نہیں کرتا	۵۲۲
نمازی کے سامنے سے کسی کے گذرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی	۵۲۲
نمازی کے آگے سے گذرنا جرم عظیم ہے	۵۲۳
نمازی کے آگے سے کتنی دوری پر گذرنا چاہئے	۵۲۳
صفت نماز کا بیان	۵۲۴
نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ	۵۲۴
رکوع، سجود وغیرہ میں طمانیت واجب ہے یا فرض؟	۵۲۵
آنحضرتؐ کی نماز کا طریقہ	۵۲۵
قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ اور اس میں ائمہ کا اختلاف	۵۲۶
امام اعظمؒ کے مسلک کی دلیل	۵۲۶
عقبہ شیطان کا مطلب	۵۲۶
تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے	۵۲۷
رفع یدین	۵۲۸
رفع یدین کے مسئلہ میں حنفیہ کی مستدل احادیث و آثار	۵۲۹
جلسۂ استراحت کا مسئلہ	۵۳۲
جلسۂ استراحت سنت ہے یا نہیں؟	۵۳۲
تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کہاں اور کس طرح رکھنے چاہئیں؟	۵۳۲
افضل نماز کون سی ہے؟	۵۳۴
نماز میں قیام افضل ہے یا سجود؟	۵۳۴
آنحضرتؐ کی نماز کا طریقہ	۵۳۴
تکبیر تحریمہ سے پہلے ہاتھ اٹھانے چاہئیں	۵۳۶
سجدہ کی تکمیل زمین پر ناک اور پیشانی ہر دو رکھنے سے ہوتی ہے	۵۳۶
سابہ کی تحقیق	۵۳۶
تکبیر تحریمہ اور ہاتھ اٹھانے کا طریقہ	۵۳۶
ہاتھ باندھنے کا طریقہ	۵۳۶
تعدیل ارکان کی تعلیم	۵۳۷
نماز کے بعد دعا مانگنی چاہئے	۵۳۷
امام تکبیرات باآواز بلند کہے	۵۳۸
رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے	۵۳۹
آنحضرتؐ کا اپنے پیچھے کی چیزوں کو معجزہ کے طور پر دیکھنا	۵۴۰
تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جانے والی چیزوں کا بیان	۵۴۱
تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان آنحضرتؐ کی دعا	۵۴۱
آنحضرت ﷺ کس کس موقع پر کون کون سی دعائیں پڑھتے تھے؟	۵۴۲
تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعا	۵۴۴
آنحضرتؐ نماز میں دو جگہ خاموشی اختیار کرتے تھے	۵۴۶
تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعا	۵۴۶
نماز میں قرأت کا بیان	۵۴۷
کتنی رکعتوں میں قرأت فرض ہے؟	۵۴۷
نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا بیان	۵۴۸
نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے میں ائمہ کے مسلک	۵۴۸
سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ناقص ادا ہوتی ہے	۵۴۸
بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں	۵۴۹
مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟	۵۴۹
امام محمدؒ کے مسلک کی تحقیق	۵۵۰
بسم اللہ باآواز بلند پڑھنی چاہئے یا آہستہ؟	۵۵۱
آمین کہنے کا حکم	۵۵۲

عنوان	صفحہ
مقتدی کی نماز کا طریقہ	۵۵۲
نماز میں قرأت کا طریقہ	۵۵۳
پہلی رکعت کو طویل کرنے کا مسئلہ	۵۵۴
نماز میں آنحضرتؐ کی قیام کی مقدار	۵۵۴
آخری رکعتوں میں قرأت کا مسئلہ	۵۵۵
ظہر کی نماز میں قرأت، مغرب کی نماز کی قرأت	۵۵۵
فقہاء کرام کی جانب سے نمازوں میں تعین قرأت کی دلیل	۵۵۶
فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟	۵۵۷
امام کو مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے	۵۵۸
نماز عشاء کی قرأت	۵۵۸
نماز فجر کی قرأت	۵۵۸
جمعہ کے روز نماز فجر کی قرأت	۵۵۹
نماز فجر کی سنت کی قرأت	۵۶۱
ابتداء نماز میں بسم اللہ پڑھنا	۵۶۱
آمین باآواز بلند کہی جائے یا آہستہ؟	۵۶۲
آمین کی برکت	۵۶۳
آپؐ مغرب میں طویل قرأت بھی کرتے تھے	۵۶۳
معوذتین کی فضیلت	۵۶۳
جمعہ کے روز نماز مغرب کی قرأت	۵۶۴
امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا	۵۶۶
امام کی متابعت ضروری ہے	۵۶۷
سورۂ فاتحہ کی قرأت میں ائمہ کے مسلک	۵۶۷
جو شخص قرأت پر قادر نہ ہو وہ کیا پڑھے؟	۵۶۸
احکام الٰہی پر آپؐ کے عمل کی ایک مثال	۵۶۹
نماز میں کن آیتوں کی قرأت کے بعد کیا کہنا چاہئے؟	۵۶۹
دونوں رکعتوں میں ایک سورۃ پڑھنا	۵۷۰
حضرت عثمانؓ نماز فجر میں سورۂ یوسف کثرت سے پڑھتے تھے	۵۷۱
رکوع کا بیان	۵۷۲
رکوع و سجود ٹھیک طریقہ سے کرنا چاہئے	۵۷۲
آنحضرتؐ کا قومہ و جلسہ	۵۷۳
رکوع و سجود میں قرأت پڑھنے کی ممانعت	۵۷۴
قومہ کی دعا	۵۷۵
تعدیل ارکان کا حکم اور ائمہ کا مسلک	۵۷۶
رکوع و سجود کی تسبیحات	۵۷۶
سجدہ کی کیفیت اور فضیلت کا بیان	۵۷۹
اعضاء سجدہ	۵۷۹
سجدہ میں طمانیت کا حکم	۵۸۰
سجدہ میں ہاتھوں اور کہنیوں کو رکھنے کا طریقہ	۵۸۰
سجدہ میں آنحضرتؐ کی دعا	۵۸۱
سجدہ پروردگار سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے	۵۸۲
سجدۂ تلاوت کے وقت شیطان کی آہ وبکاہ	۵۸۲
کثرت سجدہ جنت میں آنحضرتؐ کی رفاقت کا ذریعہ ہے	۵۸۳
سجدہ کرنے کا طریقہ	۵۸۴
دونوں سجدوں کے درمیان آنحضرتؐ کی دعا	۵۸۶
جلدی جلدی سجدہ کرنے کی ممانعت	۵۸۶
دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء ممنوع ہے	۵۸۷
اقعاء کی تحقیق	۵۸۷
رکوع و سجود میں کمر سیدھی کرنا چاہئے	۵۸۷
دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں	۵۸۸
سجدہ میں دونوں ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟	۵۸۸
تشہد کا بیان	۵۸۸
التحیات میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ	۵۸۸
حنفیہ کے نزدیک شہادت کی انگلی اٹھانے کا طریقہ	۵۸۹
اشارہ کے وقت شہادت کی انگلی کو متحرک نہ رکھنا چاہئے	۵۹۳
اشارہ صرف ایک انگلی سے کرنا چاہئے	۵۹۴

عنوان	صفحہ
قعدہ میں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر نہ بیٹھنا چاہئے	۵۹۴
قعدوں کی مقدار میں فرق	۵۹۴
شہادت کی انگلی شیطان کے لئے باعث تکلیف ہے	۵۹۵
التحیات آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے	۵۹۶
آنحضرت ؐ پر درود بھیجنے کی فضیلت کا بیان	۵۹۶
التحیات میں درود پڑھنا سنت ہے یا فرض؟	۵۹۶
صلوٰۃ و سلام کے الفاظ کا استعمال غیر انبیاء پر جائز ہے یا نہیں؟	۵۹۶
التحیات میں درود پڑھنے کا طریقہ	۵۹۷
آل کی تعریف و تحقیق	۵۹۸
درود بھیجنے کی فضیلت	۵۹۹
امت کا سلام فرشتے آپ ؐ تک پہنچاتے ہیں	۵۹۹
آپ ؐ سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں	۶۰۰
گھروں کو قبر نہ بنایا جائے	۶۰۱
درود نہ بھیجنے پر وعید	۶۰۲
درود و سلام کی فضیلت	۶۰۳
درود و سلام کی کوئی حد مقرر نہیں	۶۰۳
درود کے بعد مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے	۶۰۴
اُمّی کی تحقیق	۶۰۵
درود نہ بھیجنے والا بخیل ہے	۶۰۶
درود آنحضرت ؐ کے پاس پہنچتے ہیں	۶۰۶
درود کی فضیلت	۶۰۷
قبولیت دعا درود پر موقوف ہوتی ہے	۶۰۸
تشہد میں دعا پڑھنے کا بیان	۶۰۸
تشہد میں آنحضرت ؐ کی دعا	۶۰۹
دجال کو مسیح کیوں کہتے ہیں؟	۶۰۹
حضرت عیسیٰؑ کو مسیح کہنے کی وجہ	۶۰۹
قرض سے پناہ مانگنے کی وجہ	۶۱۰
نماز کے بعد کن چیزوں سے پناہ مانگنی چاہئے؟	۶۱۱
تشہد و درود کے بعد کی دعا	۶۱۱
سلام پھیرنے کا بیان	۶۱۲
نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے	۶۱۲
نماز کے بعد کی دعا	۶۱۴
نماز کے بعد مقتدیوں کو امام سے پہلے اٹھ جانا غیر مستحب ہے	۶۱۴
نماز کے بعد کی دعا	۶۱۵
سلام پھیرنے کا طریقہ	۶۱۵
آپ ؐ نماز کے بعد اکثر بائیں طرف پھر کر بیٹھتے تھے	۶۱۶
فرض کے بعد سنتیں پڑھنے کے لئے جگہ بدلنی چاہئے	۶۱۶
آپ ؐ کی تشہد کے بعد کی دعا	۶۱۷
آپ ؐ کا سلام پھیرنے کا طریقہ	۶۱۸
سلام پھیرتے وقت جواب کی نیت	۶۱۹
نماز کے بعد ذکر کا بیان	۶۱۹
نماز کے اختتام پر اللہ اکبر کہنا	۶۲۰
فرض کے بعد آپ ؐ کے بیٹھنے کی مقدار	۶۲۱
فرض نماز کے بعد کی دعا	۶۲۲
نماز کے بعد کن چیزوں سے پناہ مانگنی چاہئے	۶۲۳
نماز کے بعد کی تسبیحات اور ان کی فضیلت	۶۲۴
شکر کرنے والا امیر صبر کرنے والے غریب سے افضل ہے	۶۲۵
قبولیت دعا کا وقت	۶۲۶
ہر نماز کے بعد معوذات پڑھنے کا حکم	۶۲۶
طلوع آفتاب تک ذکر میں مشغول رہنے کی فضیلت	۶۲۶
دو نمازوں کے درمیان وقفہ کرنا چاہئے	۶۲۷
نماز کے بعد کی تسبیح	۶۲۸
آیت الکرسی کی فضیلت	۶۲۹
نماز فجر و مغرب کے بعد ذکر کی فضیلت	۶۳۰
نماز فجر کے بعد ذکر کی فضیلت	۶۳۰

عنوان	صفحہ
نماز میں جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان	۶۳۱
نماز میں چھینک کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا مفسد نماز ہے	۶۳۱
کاہن کی تعریف	۶۳۳
عراف کس کو کہتے ہیں؟	۶۳۳
عمل رمل	۶۳۳
نماز میں سلام کا جواب دینا حرام ہے	۶۳۴
سر یا ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا مفسد نماز نہیں ہے	۶۳۴
نماز میں زمین کو برابر کرنے کا مسئلہ	۶۳۴
نماز میں خصر ممنوع ہے	۶۳۵
خصر کی تعریف	۶۳۵
نماز میں خصر کیوں ممنوع ہے؟	۶۳۵
نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے؟	۶۳۶
نماز میں دعا کے وقت نگاہ آسمان کی طرف نہ اٹھانی چاہئے	۶۳۶
آنحضرتؐ کا نماز میں اپنی نواسی کو کاندھے پر اٹھانا	۶۳۷
ایک اشکال اور اس کا جواب	۶۳۷
نماز میں جمائی کے وقت منہ بند کر لینا چاہئے	۶۳۷
آنحضرتؐ کا جن کے ساتھ ایک واقعہ	۶۳۸
نماز میں کسی خاص موقع پر اشارہ کیا جا سکتا ہے	۶۳۸
نماز میں سلام کا جواب نہ دینا چاہئے	۶۳۹
نماز میں اشارے سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ	۶۳۹
نماز میں سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ ہے	۶۴۰
نماز میں چھینکنے کے بعد حمد کرنا	۶۴۰
جمائی شیطانی اثر ہے	۶۴۱
نماز کے راستہ میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرنے کا حکم	۶۴۱
تشبیک کیا ہے؟	۶۴۱
نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے	۶۴۲
نماز میں نظر سجدہ کی جگہ رکھنی چاہئے	۶۴۲
نماز میں ادھر ادھر دیکھنے پر وعید	۶۴۲
نماز میں کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے	۶۴۳
نماز میں شیطانی اثرات	۶۴۳
رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی	۶۴۴
نماز میں کنکریاں نہ ہٹانے کا حکم	۶۴۴
سجدہ کی جگہ صاف کرنے کے لئے پھونک نہ ماری جائے	۶۴۵
کوکھ پر ہاتھ رکھنا دوزخیوں کے آرام لینے کی صورت ہے	۶۴۵
نماز میں سانپ بچھو کو مارنے کا مسئلہ	۶۴۵
آنحضرتؐ نماز کی حالت میں دروازہ کھولتے تھے	۶۴۶
نماز میں وضو ٹوٹ جانے کا مسئلہ	۶۴۶
آنحضرتؐ کا ایک واقعہ	۶۴۸
سجدہ کی جگہ کو گرمی سے بچانے کے لئے حضرت جابرؓ کا طریقہ	۶۴۸
نماز میں آنحضرتؐ کے ساتھ شیطان کا ایک عجیب معاملہ	۶۴۹
نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ	۶۴۹
سجدہ سہو کا بیان	۶۵۰
رکعتوں کی تعداد بھول جانے کی صورت میں سجدۂ سہو کا حکم	۶۵۰
سجدۂ سہو سلام پھیر کر کرنا چاہئے یا اس کے بغیر	۶۵۵
درود یا دعا سجدۂ سہو سے پہلے پڑھنا چاہئے یا بعد؟	۶۵۵
نماز میں کمی کا شک واقع ہو جانے کی صورت میں کیا کیا جائے	۶۵۷
آنحضرتؐ سے نماز میں کتنی جگہوں پر سہو ہوا تھا؟	۶۵۷
سجدۂ سہو کے وقت کے بارہ میں ائمہ کے مسلک	۶۵۸
قرآن کے سجدوں کا بیان	۶۵۸
سورۂ نجم کا سجدہ	۶۵۹
سورۂ انشقاق اور سورۂ علق کے سجدے	۶۵۹
سجدۂ تلاوت واجب ہے	۶۶۰
آنحضرتؐ کا سورۂ نجم میں سجدہ نہ کرنا	۶۶۰
سورۂ ص کا سجدہ	۶۶۱
قرآن میں کل کتنے سجدے ہیں؟	۶۶۱
ائمہ کے یہاں سجدوں کی تعداد	۶۶۴

عنوان	صفحہ
نماز میں سجدۂ تلاوت کرنا چاہئے	۶۶۴
نماز میں آخر سورۃ میں سجدہ کی آیت آجانے کا مسئلہ	۶۶۵
دو سجدوں کی وجہ سے سورۂ حج کی فضیلت	۶۶۵
سجدۂ تلاوت قاری اور سامع دونوں پر واجب ہوتا ہے	۶۶۶
صرف سجدہ کے وقت تکبیر کہنی چاہئے	۶۶۶
آنحضرتؐ کا مفصل سورتوں میں سجدہ نہ کرنا	۶۶۷
ابوہریرہؓ کی حدیث سے تعارض	۶۶۷
سجدۂ تلاوت کی تسبیح	۶۶۸
سورۃ والنجم کا سجدہ	۶۶۹
سورۂ ص کا سجدہ	۶۶۹
جن اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے انکا بیان	۶۶۹
طلوع و غروب کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے	۶۷۰
شیطان کے دو سینگوں کے درمیان آفتاب نکلنے کا مطلب	۶۷۱
وہ تین اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے	۶۷۱
فجر و عصر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھنی چاہئے	۶۷۱
نماز کے اوقات	۶۷۱
آنحضرتؐ کا عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا	۶۷۳
فجر کی سنتوں کی قضا کا مسئلہ	۶۷۴
خانہ کعبہ کا طواف ہر وقت کیا جاسکتا ہے	۶۷۵
خانہ کعبہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کا مسئلہ	۶۷۶
جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کا مسئلہ	۶۷۶
اوقات مکروہہ	۶۷۷
نماز عصر کے بعد کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں	۶۷۷
عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کی ممانعت	۶۷۷
جماعت کی فضیلت کا بیان	۶۷۸
جماعت فرض واجب ہے یا سنت؟	۶۷۹
جماعت کے احکام و مسائل	۶۷۹
جماعت کی حکمتیں اور فائدے	۶۷۹
ترک جماعت کے عذر	۶۸۰
جماعت کی نماز کا ثواب	۶۸۱
ترک جماعت پر وعید	۶۸۲
نابینا شخص کو بھی جماعت میں شریک ہونے کی تاکید	۶۸۲
سخت سردی و بارش کی وجہ سے جماعت چھوڑ دینا جائز ہے	۶۸۳
کھانا سامنے آجائے تو کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھنی چاہئے	۶۸۳
بول و براز کی حاجت کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے	۶۸۴
فرض نماز کی تکبیر ہو جانے پر دوسری نماز نہیں پڑھنی چاہئے	۶۸۴
عورت کو مسجد میں جانے کی اجازت	۶۸۵
عورتیں خوشبو لگا کر مسجد میں نہ جائیں	۶۸۵
عورتوں کو گھر میں ہی نماز پڑھنا بہتر ہے	۶۸۶
عورت کو کس جگہ نماز پڑھنا افضل ہے؟	۶۸۶
خوشبو لگا کر مسجد میں جانے والی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی	۶۸۶
خوشبو لگا کر باہر نکلنے والی عورتوں کے بارے میں وعید	۶۸۷
فجر اور عشاء کی نمازوں کی فضیلت	۶۸۷
جماعت سے نماز پڑھنے والوں پر شیطان غالب نہیں ہوتا	۶۸۸
بغیر عذر جماعت میں شریک نہ ہونے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی	۶۸۸
جماعت کھڑی ہو جائے اور استنجا کی حاجت ہو تو پہلے استنجا سے فارغ ہونا چاہئے	۶۸۹
تین چیزوں کی ممانعت	۶۸۹
کھانے کی وجہ سے نماز میں تاخیر کی ممانعت	۶۸۹
جماعت سے نماز پڑھنے کی تاکید	۶۹۰
آنحضرتؐ کے افعال کی قسمیں	۶۹۱
جماعت چھوڑنے والا سخت گناہ گار ہوتا ہے	۶۹۱
اذان ہو جانے کے بعد بغیر نماز پڑھے مسجد سے نہ نکلنے کا حکم	۶۹۲
زبان و عمل سے اذان کا جواب نہ دینے والے کی نماز قبول'	

عنوان	صفحہ
نہیں ہوتی	۶۹۲
نابینا شخص کو بھی جماعت نہ چھوڑنی چاہئے	۶۹۳
فجر کی نماز جماعت سے پڑھنا رات بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے	۶۹۳
دو آدمیوں کی جماعت ہو جاتی ہے	۶۹۴
عورتوں کے مسجد جانے کا مسئلہ	۶۹۴
جماعت کے بعض مسائل	۶۹۵
صفوں کے برابر کرنے کا بیان	۶۹۶
صف برابر رکھنے کا حکم	۶۹۶
جب تک ایک صف پوری نہ ہو جائے دوسری صف قائم نہ کی جائے	۶۹۷
صف برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے	۶۹۷
صف برابر نہ رکھنے سے قلوب میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے	۶۹۸
صف کی ترتیب	۶۹۸
مساجد میں شور وغل نہ مچانا چاہئے	۶۹۸
صفیں برابر اور پوری رکھنی چاہئیں	۶۹۹
مرد اور عورت کی بہترین صف کونسی ہے؟	۶۹۹
صفوں میں خلا نہ رکھنا چاہئے	۷۰۰
صفیں پوری کرو	۷۰۰
پہلی صف کی فضیلت	۷۰۰
صف میں دائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے	۷۰۱
آپ صفوں کو برابر کرنے کے بعد نماز شروع کرتے تھے	۷۰۱
نماز میں نرم مونڈھے والے بہتر ہیں	۷۰۱
پہلی صف کے مقابلہ میں دوسری صف کی فضیلت کم ہے	۷۰۲
امام کو بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے	۷۰۳
پہلی صف میں شمولیت کی کوشش نہ کرنے پر وعید	۷۰۳
صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونے والے کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟	۷۰۳
امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ کا بیان	۷۰۴
اگر دو آدمیوں کی جماعت ہو تو دونوں کس طرح کھڑے ہوں؟	۷۰۴
تین آدمیوں کی جماعت	۷۰۴
مقتدی مرد و عورت کس طرح کھڑے ہوں؟	۷۰۵
تین آدمیوں کی جماعت ہو تو ان میں سے ایک امام بن جائے	۷۰۶
امام کے لئے تنہا بلند جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے	۷۰۶
اگر امام نیچے اور مقتدی بلند جگہ پر ہوں تو کیا حکم ہے	۷۰۷
تعلیم کے لئے امام تنہا اونچی جگہ کھڑا ہو سکتا ہے	۷۰۸
اعتکاف میں آپ کی امامت	۷۰۸
صف بندی کا طریقہ	۷۰۹
امامت کا بیان	۷۱۰
امامت کا مستحق کون ہے؟	۷۱۱
نابینا کی امامت جائز ہے	۷۱۳
ناپسندیدہ امام کی نماز قبول نہیں ہوتی	۷۱۴
تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی	۷۱۴
امامت سے گریز قیامت کی علامت ہے	۷۱۵
فاسق کی امامت جائز ہے	۷۱۵
نابالغ کی امامت کا مسئلہ	۷۱۶
آزاد کردہ غلام کی امامت	۷۱۷
وہ لوگ جن کی نماز قبول نہیں ہوتی	۷۱۸
امام پر لازم چیزوں کا بیان	۷۱۸
نماز کو بھاری نہ بنانا چاہئے	۷۱۸
غلط نماز پڑھانے والا امام اپنی غلطی کا خمیازہ خود بھگتے گا	۷۲۰
بوڑھے اور بیمار مقتدیوں کی رعایت امام کے لئے ضروری ہے	۷۲۱
مقتدی کے لئے امام کی تابعداری کے لزوم اور مسبوق کے حکم کا بیان	۷۲۲
امام کی متابعت	۷۲۲
مقتدی امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کریں	۷۲۳
امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں یا	

عنوان	صفحہ
کھڑے ہو کر؟	۴۲۳
آنحضرت ﷺ کی علالت اور حضرت ابوبکرؓ کی امامت کا واقعہ	۴۲۴
کیا نماز کے دوران امامت میں تغیر جائز ہے	۴۲۵
امام سے پہلے سر اٹھانے پر وعید	۴۲۶
مسخ صورت کی ایک عبرتناک مثال	۴۲۶
امام کی موافقت کرنے کا حکم	۴۲۷
رکوع میں شریک ہو جانے والے کی رکعت پوری ہو جاتی ہے	۴۲۸
چالیس روز تک تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے والے کے لئے بشارت	۴۲۸
نفاق سے نجات کا مطلب	۴۲۹
جماعت کی نیت سے مسجد میں جانے والے کو جماعت نہ ملنے کی صورت میں بھی ثواب ملتا ہے	۴۲۹
جماعت کی فضیلت	۴۲۹
آپ ﷺ کی مرض وفات میں حضرت ابوبکرؓ کی امامت کا واقعہ	۴۳۰
امام پر پہل کرنے کی وعید	۴۳۲
دو مرتبہ نماز پڑھنے والے کا بیان	۴۳۲
حضرت معاذؓ کے دو مرتبہ نماز پڑھنے کی حقیقت	۴۳۲
جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھنے کی حقیقت	۴۳۳
دوبارہ نماز پڑھنا باعث ثواب ہے	۴۳۴
دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم	۴۳۵
ایک نماز کو دوبارہ نہ پڑھنے کا حکم	۴۳۶
دوبارہ نماز نہ پڑھنے کی تطبیق گذشتہ احادیث سے	۴۳۶
وہ اوقات جن میں دوبارہ نماز پڑھنا ممنوع ہے	۴۳۶
سنتوں کی فضیلتوں کا بیان	۴۳۷
سنتوں کی تعداد اور ان کے پڑھنے کی فضیلت	۴۳۷
جمعہ کی سنتیں	۴۳۹
آنحضرت ﷺ کے نوافل کی تعداد	۴۳۹
فجر کی سنتوں کی تاکید	۴۴۰
فرض مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا حکم	۴۴۱
جمعہ کے بعد چار رکعت سنتیں پڑھنی چاہئیں	۴۴۱
ظہر کی سنتیں پڑھنے کی فضیلت	۴۴۱
ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھنے کی فضیلت	۴۴۲
نماز فی الزوال کی فضیلت	۴۴۲
عصر کی سنتیں	۴۴۳
عصر کی سنتیں دو رکعت ہیں یا چار رکعت؟	۴۴۳
صلوٰۃ اوابین کی فضیلت	۴۴۳
صلوٰۃ الاوابین کی انتہائی تعداد بیس رکعت ہے	۴۴۴
عشاء کی سنتیں	۴۴۴
ارشاد ربانی "ادبار النجوم" اور "ادبار السجود" سے مغرب کی سنتیں مراد ہیں	۴۴۵
ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنے کا ثواب	۴۴۶
عصر کے بعد دو رکعت نماز	۴۴۶
غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے نفل نماز کا مسئلہ	۴۴۶
نوافل گھروں میں ادا کئے جائیں	۴۴۸
مغرب کی سنتوں میں طویل قرأت	۴۴۹
مغرب کے بعد نفل نماز پڑھنے کی فضیلت	۴۴۹
علیین کیا ہے؟	۴۵۰
فرض و نوافل کے درمیان فرق کرنا چاہئے	۴۵۰
فقہ حنفی میں سنتوں کی تفصیلی تعداد	۴۵۲
رات کی نماز کا بیان	۴۵۳
آپ ﷺ رات میں عشاء و فجر کے درمیان اکثر گیارہ رکعت نماز پڑھتے تھے	۴۵۳
فجر کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان بات چیت کرنے کا مسئلہ	۴۵۴
آپ ﷺ فجر کی سنتوں سے فارغ ہو کر استراحت فرماتے تھے	۴۵۵
رات میں آپ ﷺ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟	۴۵۶
آپ ﷺ تہجد میں ابتدائی دو رکعت ہلکی پڑھتے تھے	۴۵۶

عنوان	صفحہ
آنحضرتؐ کی نماز کا ذکر	۷۵۶
وتر کی تین رکعتیں ہیں	۷۵۸
آنحضرتؐ کی نماز تہجد کی کیفیت	۷۵۸
آنحضرتؐ آخر عمر میں نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے	۷۵۹
نماز تہجد میں آپؐ کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟	۷۵۹
قرآن پڑھنے کی ترتیب	۷۶۰
پہلی رکعت میں سورہ والناس پڑھ لینے کا مسئلہ	۷۶۰
آپؐ کی نماز تہجد کی کیفیت	۷۶۰
نماز تہجد میں زیادہ قیام کی فضیلت	۷۶۱
نماز تہجد میں آپؐ کی قرأت کا طریقہ	۷۶۲
تہجد کی قرأت کے سلسلے میں ابوبکرؓ و عمرؓ کا طریقہ اور آپؐ کی راہنمائی۔	۷۶۳
آپؐ ایک آیت پڑھتے پڑھتے تمام رات کھڑے رہے	۷۶۳
فجر کی سنتیں پڑھ کر داہنی کروٹ پر لیٹ جانا چاہئے	۷۶۴
مداومت عمل	۷۶۴
آپؐ کے رات کے معمول	۷۶۵
آپؐ رات کی نماز میں جو کچھ پڑھتے تھے اس کا بیان	۷۶۶
نماز تہجد میں آپؐ کی دعا	۷۶۶
نیند سے بیدار ہونے کی بعد کی تسبیح اور اس کی فضیلت	۷۶۷
جاگنے کے وقت آپؐ کی دعا	۷۶۸
رات میں بیداری کے بعد ذکر اللہ کی فضیلت	۷۶۸
نماز تہجد سے پہلے آپؐ کی تسبیح و دعا	۷۶۹
رات کے قیام پر رغبت دلانے کا بیان	۷۷۰
رات میں عبادت خداوندی سے روکنے کے لئے شیطان کی مکاریاں	۷۷۰
آپؐ کی کثرت عبادات ادائے شکر کے لئے ہوتی تھی	۷۷۱
عبادت کے بارہ میں حضرت علیؓ کا مقولہ	۷۷۱
رات میں عبادت خداوندی کے لئے نہ اٹھنے والے کی برائی	۷۷۲
عورتوں کے لئے نماز تہجد کا ذکر	۷۷۲
عورتوں کے لئے وعید	۷۷۲
رحمت خداوندی کے نزول و قبولیت دعا کا وقت	۷۷۳
ہر رات میں قبولیت کی ایک ساعت آتی ہے	۷۷۴
حضرت داؤدؑ کی نماز اور ان کے روزے	۷۷۵
رات میں عبادت کے سلسلے میں آپؐ کا معمول	۷۷۵
نماز تہجد پڑھنے کی تاکید و فضیلت	۷۷۶
نماز تہجد پڑھنے والوں کی خوش بختی	۷۷۷
آخری شب میں ذکر کی فضیلت	۷۷۷
شوہر و بیوی دونوں عبادت کے سلسلہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں	۷۷۸
قبولیت دعا کا وقت	۷۷۹
اعمال صالحہ کرنے والوں کے لئے بشارت	۷۷۹
نماز تہجد کے معمول کو ترک کرنے کی ممانعت	۷۸۰
رات میں حضرت داؤدؑ کی عبادت اور ساعت قبولیت	۷۸۰
نماز تہجد کی فضیلت	۷۸۱
تہجد کی نماز برائی سے روکتی ہے	۷۸۲
اہل خانہ کے ہمراہ تہجد پڑھنے کی فضیلت	۷۸۲
امت کے بلند مرتبہ کون لوگ ہیں؟	۷۸۳
رات کی عبادت کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا معمول	۷۸۳
اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان	۷۸۴
مداومت عمل کی فضیلت	۷۸۵
بساط سے باہر عبادت نہ کرنی چاہئے	۷۸۵
اس وقت تک عبادت کرنی چاہئے جب تک اس میں دل لگے	۷۸۵
اونگھنے کی حالت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے	۷۸۶
دین آسان چیز ہے اسے اپنے عمل سے سخت اور ہیبت ناک نہ بناؤ	۷۸۷

عنوان	صفحہ
رات کے بقیہ اوراد و وظائف کو دن میں پڑھ لینا چاہئے	۷۸۷
معذوری کی حالت میں بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم	۷۸۸
بغیر عذر بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے والے کو آدھا ثواب ملتا ہے	۷۸۸
بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں	۷۸۹
نیند آنے تک باوضو ذکر اللہ میں مشغول رہنے والے کی فضیلت	۷۸۹
وہ دو خوش نصیب جن سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے	۷۸۹
نماز میں راحت و سکون	۷۹۱
نماز وتر کا بیان	۷۹۲
نماز وتر واجب ہے یا سنت؟	۷۹۲
نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین رکعتیں	۷۹۲
نماز وتر کا طریقہ	۷۹۲
نماز وتر کی رکعتوں کا مسئلہ	۷۹۳
ایک تشہد کے ساتھ پانچ رکعت پڑھنے کا مسئلہ	۷۹۴
آنحضرتؐ کی نماز تہجد و نماز وتر	۷۹۵
وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا مسئلہ	۷۹۶
وتر رات کی آخری نماز ہونی چاہئے	۷۹۷
وتر کے اوقات	۷۹۷
آنحضرتؐ کی طرف سے حضرت ابوہریرہؓ کو تین باتوں کی وصیت	۷۹۸
آنحضرتؐ شروع رات میں بھی وتر پڑھتے تھے اور آخری رات میں بھی	۷۹۸
نماز تہجد و وتر کی رکعتوں کی تعداد	۷۹۹
نماز وتر واجب ہے	۸۰۰
وتر کی فضیلت	۸۰۰
وتر کی قضاء کا حکم	۸۰۱
آنحضرتؐ وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے	۸۰۱
وتر میں پڑھی جانے والی دعا	۸۰۲
دعاء قنوت کے مسئلہ میں ائمہ کے یہاں مختلف فیہ چیزیں	۸۰۳
نماز وتر کے سلام کے بعد کی تسبیح	۸۰۳
مستقل طور پر کسی خاص دعائے قنوت کو مقرر کر لینے کا مسئلہ	۸۰۴
حضرت معاویہؓ کا ایک رکعت وتر پڑھنا	۸۰۴
وتر پڑھنے کی تاکید	۸۰۵
نماز وتر واجب ہے یا سنت؟	۸۰۵
نماز وتر کی قرأت	۸۰۶
حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ	۸۰۶
بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ایک اور طریقہ	۸۰۶
وتر کے بعد کی دو رکعتیں	۸۰۷
وتر کے بعد دو رکعتوں کی فضیلت	۸۰۷
وتر کے بعد کی دونوں رکعتوں کی قرأت	۸۰۷
قنوت کا بیان	۸۰۸
رحمت عالم کو بددعا کی ممانعت	۸۰۸
کسی آفت کے وقت دعاء قنوت فرض نمازوں میں پڑھنی چاہئے	۸۱۰
دعاء قنوت پڑھنے کا وقت	۸۱۰
قراء سبعون کی شہادت کا واقعہ	۸۱۰
دعاء قنوت کس وقت پڑھی جائے	۸۱۱
آخری نصف رمضان میں اور رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھنے کا مسئلہ	۸۱۲
ماہ رمضان میں قیام کا بیان	۸۱۳
نماز تراویح	۸۱۳
باجماعت نماز تراویح سنت ہے	۸۱۴
رمضان کی راتوں میں عبادت کرنے کی فضیلت	۸۱۶
سنت و نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت اور اس کے اثرات	۸۱۶
رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں آنحضرت کی عبادت	۸۱۷
ماہ شعبان کی پندرھویں شب کی فضیلت	۸۱۸
نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت	۸۱۹
نماز تراویح گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟	۸۱۹

عنوان	صفحہ
حضرت عمرؓ کا نماز تراویح کے لئے جماعت مقرر کرنا	۸۲۰
تراویح کی رکعتوں کی تعداد	۸۲۰
نفل نماز میں سہارا لینا جائز ہے	۸۲۱
نماز تراویح کا انتہائی وقت	۸۲۲
پندرھویں شعبان کی شب میں بنی آدم کی پیدائش و موت لکھی جاتی ہے	۸۲۲
شب برأت میں کینہ توز اور مشرک پروردگار کی رحمت سے محروم ہوتا ہے	۸۲۳
پندرھویں شعبان کے روزے اور شب برات کی عبادت کا حکم	۸۲۴
پندرھویں شعبان کی شب میں نماز الفیہ پڑھنے کی حقیقت	۸۲۵
کسی بھی عمل کے وقت چراغاں کرنا مستحب نہیں ہے	۸۲۶
تراویح کی ختم رات میں نمائشی اجتماع بدعت ہے	۸۲۶
نماز ضحیٰ کا بیان	۸۲۶
ضحیٰ کی دو نمازیں ہیں نماز اشراق اور نماز چاشت	۸۲۶
نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں	۸۲۷
نماز ضحیٰ میں آپؐ کی نماز کی رکعتوں کی تعداد	۸۲۸
نماز ضحیٰ کی فضیلت	۸۲۸
نماز چاشت کا بہتر وقت	۸۲۸
نماز چاشت کی برکت	۸۲۹
نماز اشراق کی فضیلت	۸۳۰
حضرت عائشہؓ اور نماز ضحیٰ	۸۳۱
نماز ضحیٰ کے بارہ میں آپؐ کا معمول	۸۳۱
نفل نماز کا بیان	۸۳۲
تحیۃ الوضو کی فضیلت	۸۳۳
استخارہ کی نماز و دعا	۸۳۳
نماز توبہ کا طریقہ	۸۳۵
مصیبت کے وقت نماز نفل	۸۳۶

عنوان	صفحہ
تحیۃ الوضو کی فضیلت	۸۳۶
نماز حاجت	۸۳۷
نماز تسبیح کا بیان	۸۳۸
نماز تسبیح پڑھنے کا طریقہ	۸۳۸
نماز تسبیح کی فضیلت	۸۳۹
قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کی پرسش ہوگی	۸۴۱
نماز سفر کا بیان	۸۴۲
مسافت قصر	۸۴۲
مدت قصر	۸۴۲
قصر کے کچھ مسائل	۸۴۳
آپؐ کی نماز قصر	۸۴۳
آیت قصر میں خوف کی قید اور اس کی وضاحت	۸۴۴
مدت اقامت	۸۴۵
مسافر حالت سفر میں اگر نفل نماز پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں	۸۴۶
جمع بین الصلوٰتین	۸۴۶
سواری پر نماز پڑھنے کا مسئلہ	۸۴۷
حضرت عثمانؓ کا منیٰ میں قصر نہ کرنا	۸۵۱
قصر رخصت سے زیادہ عزیمت ہے	۸۵۲
قصر خدا کا حکم ہے	۸۵۳
قصر قرآن و سنت سے ثابت ہے	۸۵۳
مسافت قصر کی حد	۸۵۴
سفر میں نفل نماز پڑھنے کا بیان	۸۵۵
جمعہ کا بیان	۸۵۵
نماز جمعہ کی فرضیت	۸۵۶
جمعہ کے دن ساعت قبولیت	۸۵۹
جمعہ کے دن ساعت قبولیت کب آتی ہے	۸۶۰
جمعہ کی فضیلت اور ساعت قبولیت	۸۶۲
فضائل جمعہ	۸۶۴

عنوان	صفحہ
جمعہ کی فضیلت	۸۶۵
جمعہ کی وجہ تسمیہ	۸۶۶
جمعہ کے دن آپؐ پر کثرت سے درود بھیجنا چاہئے	۸۶۷
جمعہ کو مرنے والے مؤمن کے لئے بشارت	۸۶۸
جمعہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے	۸۶۸
جمعہ کی رات روشن رات اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے	۸۶۹
جمعہ کے واجب ہونے کا بیان	۸۶۹
نماز جمعہ ترک کرنے کی وعید	۸۷۰
جمعہ کی اذان سننے والے پر نماز جمعہ واجب ہے	۸۷۰
وہ لوگ جن پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے	۸۷۱
نماز جمعہ کے لئے جماعت فرض ہے	۸۷۱
مذکورہ لوگوں پر جمعہ کیوں واجب نہیں	۸۷۱
تارک جمعہ کے لئے وعید	۸۷۲
نماز جمعہ چھوڑنے والا کچھ اپنا ہی کھوتا ہے	۸۷۲
پاکی حاصل کرنے اور جمعہ کے لئے سویرے جانے کا بیان	۸۷۳
جمعہ کی نماز کے آداب	۸۷۳
جمعہ میں اول وقت آنے والے کی فضیلت	۸۷۵
خطبہ کے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ممنوع ہے	۸۷۵
خطبہ کے وقت خاموشی اختیار کرنے کا مسئلہ	۸۷۵
خطبہ کے وقت کے آداب	۸۷۶
مسجد میں کسی کو اس کی جگہ سے نہ ہٹانا چاہئے	۸۷۶
جمعہ کے روز عمدہ لباس زیب تن کرنا چاہئے	۸۷۷
جامع مسجد پیدل جانا افضل ہے	۸۷۷
جمعہ کے لئے بطور خاص اچھے کپڑے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں	۸۷۸
امام کے قریب بیٹھ کر خطبہ سنو	۸۷۸
گردنوں کو پھلانگنے کی وعید	۸۷۹
خطبہ کے وقت بیٹھنے کا ایک ممنوع طریقہ	۸۷۹
اونگھ آنے کی صورت میں جگہ بدل دینی چاہئے	۸۷۹
کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھاؤ	۸۸۰
آداب جمعہ کی رعایت کرنے والے کے لئے بشارت	۸۸۰
خطبہ کے وقت بات چیت کرنے والوں کے لئے وعید	۸۸۱
خطبہ کے وقت آنحضرتؐ کا کلام اور اس کی وضاحت	۸۸۱
مسلمانوں کے لئے جمعہ عید ہے	۸۸۱
جمعہ کے دن غسل کرنے اور خوشبو لگانے کی اہمیت	۸۸۲
خطبہ اور جمعہ کی نماز کا بیان	۸۸۲
نماز جمعہ کا وقت	۸۸۳
آنحضرتؐ کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان نہیں ہوتی تھی	۸۸۳
آنحضرتؐ دو خطبے پڑھتے تھے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتے تھے	۸۸۴
مختصر مگر پر تاثیر خطبہ خطیب کی دانائی کی علامت ہے	۸۸۴
خطبہ ارشاد فرماتے وقت آنحضرتؐ کی کیفیت	۸۸۵
خطبہ میں آنحضرتؐ قرآن کی آیتیں پڑھا کرتے تھے	۸۸۶
عمامہ باندھ کر خطبہ پڑھنا	۸۸۶
خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کا مسئلہ	۸۸۷
جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی اس نے پوری نماز پائی	۸۸۸
آپؐ کے خطبہ پڑھنے کا طریقہ	۸۸۸
خطبہ کے وقت نمازی خطیب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں	۸۸۹
آنحضرتؐ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے	۸۹۰
خطبہ اور جمعہ کے اوقات	۸۹۰
خطبہ کے وقت ہاتھوں کو بلند نہ کرنا چاہئے	۸۹۱
آنحضرتؐ کا خطبہ کے وقت منبر پر کھڑے ہو کر ابن مسعودؓ کو مسجد میں بلانا	۸۹۱
جمعہ کی نماز نہ ملنے کی صورت میں ظہر کی نماز پڑھ لینے کا مسئلہ	۸۹۲

عنوان	صفحہ
نماز خوف کا بیان	۸۹۲
دشمن کے مدمقابل ہونے کی صورت میں آنحضرتؐ کی نماز اور جماعت	۸۹۲
نماز خوف کا ایک اور طریقہ	۸۹۴
آنحضرتؐ کا حلم	۸۹۵
نماز خوف کا ایک اور طریقہ	۸۹۶
نماز خوف کا آنحضرتؐ کے ساتھ ایک مختص طریقہ	
عیدین کی نماز کا بیان	۸۹۸
عیدین کی نماز	۸۹۹
عیدین کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے	۹۰۰
عیدین کی نماز کے لئے اذان و تکبیر مشروع نہیں ہے	۹۰۰
نماز عیدین سے پہلے یا بعد میں نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ	۹۰۱
عید گاہ میں عورتوں کے جانے کا مسئلہ	۹۰۱
دف بجانے کا مسئلہ	۹۰۲
حدیث سے اہل سماع کا غلط استدلال	۹۰۳
سماع کی حرمت و کراہت	۹۰۴
آنحضرتؐ عید گاہ جانے سے پہلے کھجور تناول فرماتے تھے	۹۰۸
آنحضرتؐ عید گاہ جاتے وقت ایک راستہ سے جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس آتے تھے	۹۰۸
قربانی کا وقت	۹۰۹
قربانی واجب ہے یا سنت؟	۹۰۹
آنحضرتؐ عید گاہ میں قربانی کیا کرتے تھے	۹۱۰
مسلمانوں کے لئے خوشی کے دو دن	۹۱۰
عید میں نماز سے پہلے اور بقر عید میں نماز کے بعد کھانا پینا چاہئے	۹۱۱
تکبیرات عیدین	۹۱۲
امام خطبہ دیتے وقت عصا وغیرہ کا سہارا لے لے	۹۱۳
عید گاہ جانے کا طریقہ	۹۱۴
عذر کی وجہ سے عیدین کی نماز شہر کی مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے	۹۱۴
عید کی نماز تاخیر سے اور بقر عید کی نماز جلدی پڑھ لینی چاہئے	۹۱۴
چاند کی شہادت زوال کے بعد آئے تو نماز عید دوسرے دن پڑھنی چاہئے	۹۱۵
عیدین کی نماز میں اذان و تکبیر نہیں ہے	۹۱۵
عیدین میں خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے	۹۱۶
عیدین کی نماز کا طریقہ	۹۱۷
قربانی کا بیان	۹۱۸
قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہئے	۹۱۸
قربانی کے دنبہ کی صفات	۹۱۸
کس عمر کے جانور کی قربانی کرنی چاہئے	۹۱۹
بکری کے بچہ کی قربانی	۹۱۹
عید گاہ میں قربانی افضل ہے	۹۲۰
قربانی کے حصے	۹۲۰
قربانی کرنے والے کے لئے کچھ ہدایتیں	۹۲۰
عشرہ ذی الحجہ کے نیک اعمال کی فضیلت	۹۲۰
قربانی کے وقت کی دعا	۹۲۱
میت کی طرف سے قربانی جائز ہے	۹۲۲
عیب دار جانور کی قربانی نہ کرنا چاہئے	۹۲۲
حنفیہ کے نزدیک کیسے جانور کی قربانی جائز نہیں	۹۲۳
فربہ جانور کی قربانی بہتر ہے	۹۲۴
جذع کی قربانی کا حکم	۹۲۴
قربانی میں شرکت	۹۲۵
قربانی کی فضیلت	۹۲۵
عشرۂ ذی الحجہ کی عبادتوں کی فضیلت	۹۲۵
بقر عید کی نماز سے پہلے قربانی درست نہیں	۹۲۶
ایام قربانی	۹۲۶
آنحضرتؐ ہمیشہ قربانی کرتے تھے	۹۲۶
قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے	۹۲۷
عتیرہ کا بیان	۹۲۷

عنوان	صفحہ
فرع اور عتیرہ کی ممانعت کرنا	۹۲۷
عتیرہ کسے کہتے ہیں؟	۹۲۷
تنگ دست پر قربانی واجب نہیں	۹۲۸
نماز خسوف کا بیان	۹۲۹
سورج گرہن کے وقت آنحضرتؐ کی نماز	۹۲۹
نماز خسوف کی قرأت	۹۳۰
سورج گرہن کا حقیقی سبب	۹۳۰
گرہن کے وقت آنحضرتؐ کی کیفیت	۹۳۲
نماز کسوف میں آنحضرتؐ کے رکوع و سجود کی تعداد	۹۳۲
سورج گرہن کے وقت آنحضرتؐ کا طریقہ	۹۳۳
سورج گرہن میں غلام آزاد کرنا چاہئے	۹۳۴
نماز کسوف کی قرأت باواز بلند ہو یا آہستہ آواز سے؟	۹۳۴
کرشمہ خداوندی کے ظہور کے وقت سجدہ	۹۳۴
نماز کسوف کے رکوع و سجدہ اور قرأت	۹۳۵
حنفیہ کی مستدل حدیث	۹۳۶
سجدۂ شکر کا بیان	۹۳۶
خوشی کے وقت آنحضرتؐ کا سجدۂ شکر	۹۳۷
کسی مبتلاء بلا کو دیکھ کر اپنی عافیت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے	۹۳۸
امت کے حق میں آنحضرتؐ کی شفقت	۹۳۸
نماز استسقاء کا بیان	۹۳۹
آنحضرتؐ کی نماز استسقاء	۹۳۹
نماز استسقاء کے بارے میں حنفیہ کا مسلک	۹۴۰
دعا کے وقت ہاتھوں کی ہیئت	۹۴۱
بارش کے وقت آنحضرتؐ کی دعا	۹۴۱
بارش کے وقت آنحضرتؐ کا عمل	۹۴۱
استسقاء میں چادر پھیرنے کا طریقہ	۹۴۲
استسقاء کے وقت آنحضرتؐ خشوع و خضوع اور تضرع اختیار کرتے تھے	۹۴۳
بارش کی دعا	۹۴۳
وسیلہ سے بارش کے لئے دعا	۹۴۵
استسقاء کے سلسلہ میں ایک نبی علیہ السلام کا واقعہ	۹۴۵
ہواؤں کا بیان	۹۴۶
ہوا رحمت بھی ہے عذاب بھی	۹۴۶
ابر و ہوا کو دیکھ کر آپؐ کی کیفیت	۹۴۶
تیز ہوا کے وقت آنحضرتؐ کی دعا	۹۴۷
غیب کے پانچ خزانے	۹۴۸
سخت قحط کیا ہے؟	۹۴۸
ہوا کو برا کہنے کی ممانعت	۹۴۸
تیز ہوا کے وقت آپ کی دعا	۹۴۹
ابر کے وقت کی دعا	۹۵۰
گرج کے وقت کی دعا	۹۵۰

تمت بالخیر

مقدمہ

از

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ علم حدیث کی باضابطہ تدوین عہد نبوی ﷺ میں نہیں ہوئی حالانکہ اس کے برخلاف قرآن کریم کی باضابطہ تدوین وکتابت عہد نبوت میں خود آنحضرت ﷺ کے حکم سے ہوتی رہی ہے۔ جس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ قرآن کریم اپنے الفاظ و معانی ہر دو کے اعتبار سے حق تعالیٰ جل شانہ کا نازل فرمودہ ہے، آپ کے اس کی کتابت پر بطور خاص توجہ فرمانے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کے اعجازی الفاظ کا متبادل یا مترادف لانا طاقت بشری سے خارج ہے۔ ارشاد ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝۔ (الشعراء ۲۶: ۱۹۳، ۱۹۴)

"اس (قرآن کو) امانت دار فرشتہ "جبرئیل" لے کر آیا ہے آپ کے قلب پر تاکہ آپ (بھی) منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں۔"

یا ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۔ (القیامۃ ۷۵: ۱۷ تا ۱۹)

"ہمارے ذمہ (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا اور آپ کی زبان سے اس کا پڑھوا دینا (جب یہ ہمارے ذمہ ہے) تو جب ہم اسے پڑھنے لگا کریں (یعنی ہمارا فرشتہ پڑھنے لگا کرے) تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجیے پھر اس کا بیان کروا دینا بھی ہمارا ذمہ ہے۔"

اور حدیث کلام رسول ہے اگرچہ معانی کے اعتبار سے وہ بھی ملہم من اللہ ہیں جیسا کہ خود نص صریح اس پر شاہد ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (النجم ۵۳: ۳، ۴)

"اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔"

یا حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نبوت کے لب گویا سے جو چیز بھی سنتا تھا اس کو فوراً لکھ لیا کرتا تھا اور یہ لکھنا پڑھنے ہی کے لئے ہوتا تھا۔ لیکن مجھے بعض قریشیوں نے اس سے روکا اور کہا رسول اللہ ﷺ بشر ہیں، آپ بہت سی باتیں بحالت رضا، اور بہت سی باتیں بحالت غضب بھی فرماتے ہیں لیکن کل یہ سب کچھ دین شمار ہونے لگے گا اس لئے لکھنا مناسب نہیں، ابن عمرو فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس بات کا ذکر بارگاہ نبوت میں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے دہان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، کہ "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس منہ سے کوئی بات کسی حال میں خلاف حق نہیں نکل سکتی"۔

دوسری چیز یہ بھی تھی کہ عرب قوم اپنی ذکاوت ذہانت کے لحاظ سے جس عالمگیر امتیاز کی حامل تھی اس میں ان کی برابری کی کوئی قوم دعویدار بھی پیدا نہیں ہوئی۔ ہر چیز سن کر بجنسہ محفوظ کر لینا چونکہ نسلوں سے چلا آ رہا تھا اس لیے قوت حفظ، فصاحت وبلاغت اور انتقال ذہنی غیر معمولی بڑھ گیا تھا اس لئے اگر اس دور کے لحاظ سے قوت حافظہ پر اعتماد کو آج کے حفظ کی بے اعتمادی پر قیاس کیا جائے تو یہ قرین دانش نہیں کہلا سکتا۔

اسی وجہ سے قرون اولیٰ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کی تاحد نہایت تحقیق و تجسس علم مجلسی کا رکن اساسی بن گیا تھا نیز

رواۃ حدیث کا حال عہد صحابہ وتابعین میں جس قدر خود رواۃ کے اہل شہر کو معلوم ہوتا تھا، دوسروں کو اس درجہ واقفیت کے وسائل فراہم نہیں تھے۔ پھر راویوں میں حجازی بھی تھے، شامی بھی تھے، عراقی بھی تھے اور مصری بھی تھے لیکن اختلاف مساکن کے باوجود ان میں سے ہر ایک کا شمار اعیان میں ہی ہوتا تھا۔

اس باب میں محدثین کے یہاں حجازی اسناد کو جس اہمیت اور اعتماد کا حامل سمجھا گیا ہے وہ بہر لحاظ دوسری اسناد سے ممتاز ہے امام مالکؒ نے جو سب سے پہلے حجازی اسناد کو بنیادی اہمیت دیتے ہوئے احکام شرعیہ پر مشتمل احادیث کو تدوین وترتیب کے ساتھ جمع فرمایا جو "موطا امام مالک" کے نام سے معروف ومتداول ہے۔

پھر امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری کا دور آیا تو انہوں نے اپنی کڑی شرائط کی کسوٹی پر پرکھ کر نہ صرف حجازی عراقی اور شامی اسناد کی تمام روایات ہی کو لے کر علم حدیث کے دامن کو غیر معمولی وسعت بخشی بلکہ اخلاقیات، عقائد، عبادات، معاملات، عقوبات، تعبیر خواب تفسیر، قرأت وغیرہ کے ہر موضوع پر فراہم شدہ روایات کو اپنی جامع کے لئے وجہ امتیاز بنایا اور تمام عنوانات کے لئے مستقل ابواب قائم فرمائے اور آج یہ ہی کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ بجا طور پر کہلاتی ہے۔

امام مسلمؒ بھی امام بخاریؒ کے نقش قدم پر چلے، البتہ شرائط قبول میں امام بخاریؒ کے مقابلے پر فی الجملہ تسہیل اور تکرار احادیث کو حذف کر کے مختلف اسناد کو یکجا جمع کر دیا، یہ حسن ترتیب اس درجہ مقبول ہوئی کہ بعض حضرات نے اس حسن ترتیب ہی کی وجہ سے مسلم کو بخاری پر ترجیح دی ہے لیکن واقعہ یہی ہے کہ صحت اسناد اور متنوع عنوانات وجامعیت کے لحاظ سے بخاری مسلم پر فائق تر ہے۔

تیسرے دور میں علم حدیث کے ممتاز حاملین میں ابوداؤد سجستانیؒ، ابوعیسیٰ ترمذیؒ اور ابوعبدالرحمٰن نسائیؒ صف اوّل میں نظر آتے ہیں البتہ ان حضرات کے یہاں بخاری ومسلم کی نسبت تنقید واسناد میں تشدد بہت کم ہے لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی نے کسی متروک العمل حدیث کو اپنی مصنفات میں ہرگز نہیں لیا۔

یہ چھ کتب ہیں یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، ابوداؤد، موطا امام مالک اور نسائی کہ جو علم حدیث کی بنیادی اور اصل کتب میں شمار ہوتی ہیں اور طبقات اہل علم میں "صحاح ستہ" کے نام سے معروف ہیں۔

صاحب مشکوٰۃ علامہ ولی الدین ابوعبداللہ محمد ابن عبداللہ الخطیب التبریزی نے ۷۳۷ھ میں صحاح ستہ اور دیگر مشہور کتب حدیث میں جو احادیث قابل استناد اور قابل اعتماد سمجھی گئی ہیں ان کو اپنی کتاب میں جمع فرما کر امت کو ایک بہترین ہدیہ علمی سے استفادہ کا موقع دیا، "مشکوٰۃ المصابیح" کا ابتدائے عہد سے لے کر آج تک مقبول اور متداول رہنا مصنف علام کے حسن اخلاص پر ایک بین دلیل ہے۔ حدود ہند میں ایک طویل وقت وہ بھی گزرا ہے کہ یہاں مدار علم حدیث صرف مشکوٰۃ المصابیح اور مشارق الانوار سمجھی جاتی رہی ہیں۔ حجۃ الاسلام مولانا شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جب علم حدیث کی اشاعت پر توجہ صرف فرمائی اور ارباب علم کو دیگر عظیم کتب حدیث پر اطلاع ہوئی تب سے صحاح ستہ کے بعد مشکوٰۃ کا ثانوی مقام پیدا ہوا لیکن اس کے باوجود اس کی درسی اہمیت سے کبھی صرف نظر نہیں کیا گیا، آج بھی جب کہ صحاح ستہ اور دیگر لاتعداد علم حدیث کی کتابیں سرزمین وطن پر عام ہیں، مشکوٰۃ کی افادیت ناقابل انکار ہے اسی افادۂ عامہ نے ہر دور کے ارباب علم کو اس کتاب کی خدمت پر مجبور کیا۔ چنانچہ ملا علی قاری نے "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "شرح مشکوٰۃ فارسی" اور "لمعات شرح مشکوٰۃ عربی" علامہ حسین ابن محمد بن عبداللہ الطیبی نے "طیبی شرح مشکوٰۃ" اور "مظاہر حق شرح مشکوٰۃ" (اردو) کے مؤلف نواب قطب الدین خان دہلوی تلمیذ شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلویؒ نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ نے متن مشکوٰۃ مع ترجمہ لکھ کر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح مشکوٰۃ کا خلاصہ اردو زبان میں تحریر فرمایا جس کی اردو خواں حضرات کے لئے افادیت اس وقت سے آج تک ناقابل انکار رہی ہے، زبان وبیان کی قدامت بھی بسا اوقات افادیت کو مضمحل بنا دیتی ہے اور آج جبکہ دین اور علم دین سے برگشتگی کے دواعی اپنی قہرمانی قوتوں کے ساتھ مسلط ہیں، تو اہل نظر کی نظر میں ایسی خدمتوں کی اہمیت دوچند ہو جایا

کرتی ہے اور وہ اس کوشش میں لگ جاتے ہیں کہ حقائق دین کو وقت کے ان وسائل کے ذریعہ امت کے ذہن سے قریب تر کر دیں کہ جن کو کسی درجہ بھی عوامی ذہن نے اپنا رکھا ہے اور حقیقتاً خدام دین کے اسی جذبے نے حالات و وقت کے برخلاف ان سے ناقابل انکار اور قابل صد ہزار تعجب عظیم خدمات انجام دلادی ہیں۔

یہ امر باعث مسرت ہے کہ نوجوان عزیز مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری فاضل دیوبند نے ایک بڑی اور عوامی علمی اور دینی خدمت کے احساس کے تحت "مظاہر حق" ترجمہ و شرح مشکوٰۃ کو وقت کی صاف و سلیس زبان میں پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے عزم و ہمت میں برکت عطا فرمائے اور ان کی اس خدمت کو قبول و مقبول فرمائے۔ آمین!

احقر

محمد سالم

مدرس دارالعلوم و ناظم ادارۂ تاج المعارف دیوبند

مؤرخہ

۸ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۶۰ء یوم پنجشنبہ
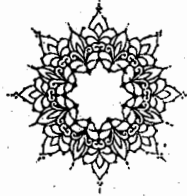
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مصنف مظاہر حق کا دیباچہ حصول برکت کے لئے ان ہی کی زبان میں پیش کیا جارہا ہے)

الحمدللہ الذی ارسل رسولہ الکریم لیھدینا الی الصراط المستقیم
وصلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحٰبہ اجمعین ط

بعد اس کے مسکین محمد قطب الدین شاہ جہاں آبادی عرض کرتا ہے کہ کتاب مشکوٰۃ شریف علم حدیث میں عجب نافع کتاب ہے، کہ ہر مضمون کی حدیثیں اس میں مندرج ہیں اس کا ترجمہ عدیم النظیر میرے استاد بزرگوار مولانا مخدومنا مکرمنا حضرت حاجی محمد اسحٰق نواسہ حضرت شیخ عبدالعزیزؒ کے نے بیچ زبان ہندی کے بین السطور میں لکھا تھا لیکن کاتبوں سے اس کی صحت میں فرق آنے لگا۔ مرضی جناب موصوف کی ایسی پائی کہ اگر یہ بطور شرح کے لکھا جاوے بہتر ہے اس لئے اس ہیچمدان نے ترجمہ اس کا عبارت عربی سے علیحدہ کرکر لکھا اور فائدے مختصر مناسب مقام کے شروح مشکوٰۃ وغیرہ سے مثل مرقاۃ شرح ملا علی قاری اور ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق اور حاشیہ جمال الدینؒ کے اور سوائے ان کے سے زیادہ کرکر کے خدمت عالی میں عرض کی اور جناب ممدوح نے بھی کچھ فائدے لکھے تھے تبرکا اس میں درج کیے اور نام اس کا "مظاہر حق" رکھا گیا کہ اس میں تاریخ اس کی نکلتی ہے۔ یا اللہ اس کو قبول فرما اور ہم سب کو اس سے دارین میں فائدہ مند کر اور سند اس کتاب مستطاب کی یہ ہے کہ کتاب اضعف العباد محمد قطب الدین بن محی الدین احراری الدہلوی غفر اللہ لہما نے حضرت مخدومی معظمی مکرمی مولوی محمد اسحٰقؒ سے، اور انہوں نے پڑھی حضرت شیخ عبدالعزیزؒ سے اور ان کو اجازت ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے اور ان کو شیخ ابوطاہرہ مدنی رحمہ اللہ سے اور ان کو شیخ ابراہیم کردیؒ سے اور ان کو شیخ احمد قشاشیؒ سے اور ان کو شیخ احمد بن عبدالقدوس شناویؒ سے اور ان کو سید غضنفر بن سید جعفر نہروانیؒ سے اور ان کو شیخ محمد سعید معروف بمیر کلاںؒ سے کہ اپنے وقت میں شیخ مکہ کے تھے اور ان کو سید نسیم الدین میرک شاہؒ سے اور ان کو اپنے والد بزرگوار سید جمال الدین عطاء اللہ بن سید غیاث الدین فضل اللہ بن سید عبدالرحمٰن سے اور ان کو اپنے عم عالی مقدار سید اصیل الدین عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللطیف بن جلال الدین یحیٰی شیرازی الحسنی سے اور ان کو مسند وقت اور محدث عصر شرف الدین عبدالرحیم الجرہنی الصدیقیؒ سے اور ان کو علامہ عصر امام الدین مبارک شاہ سادجی صدیقیؒ سے اور ان کو مؤلف کتاب ولی الدین محمد عبداللہ الخطیب التبریزیؒ سے۔

(یا اللہ مجھ کو اور ان سب کو بخش اور خطائیں ہماری معاف فرما)۔

حسبنا اللہ و نعم الوکیل علی اللہ توکلنا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط اللھم صل علی سیدنا محمد واٰلہ واصحابہ صلوۃ تنجینا بھا من جمیع الاھوال والافات وتقضی لنا بھا من جمیع الحاجات وتطھرنا بھا من جمیع السیئات وترفعنا بھا عندک اعلی الدرجات وتبلغنا بھا اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیٰوۃ وبعد الممات ط انک علٰی کل شیئ قدیر ط

حدیث کی دینی و تشریعی حیثیت و اہمیت

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے آخری پیغمبر اور رسول ہیں جنہوں نے خدائے تعالیٰ کے حکم سے دنیا والوں کو توحید، خدا پرستی اور ایمان و ایقان کی راہ سے روشناس کرایا۔ آپ کی بعثت مبارک ایسے وقت میں ہوئی جب کہ دنیا سے خدا پرستی اٹھ چکی تھی اور بت پرستی کا بول بالا تھا، خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش کے بجائے پتھروں کے تراشے ہوئے فانی بتوں کے آگے انسان کی باعظمت پیشانی جھک رہی تھی، اچھی باتوں کو چھوڑ کر لوگ فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ حسن اخلاق اور بھلائی کی جگہ ظلم و تشدد اور فتنہ و فساد کا دور دورہ تھا، سلوک و احسان بہیمیت و بربریت کے آگے گھٹنے ٹیک چکے تھے۔

ایسے نازک اور سخت وقت میں خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی کتاب "قرآن مجید" دے کر دنیا والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا، آپ ﷺ نے قرآن کی لافانی روشنی سے دنیا کو صحیح راستہ دکھایا۔ اس کی ابدی تعلیمات سے کفر و شرک کی اکڑی ہوئی گردنوں کو خدائے واحد کے سامنے لاجھکایا فسق و فجور میں گم انسانوں کو اخلاق و احسان کے شعور سے نوازا۔ ظلم و تشدد کے عادی حیوان نما انسانوں کو لازوال امن و آشتی اور محبت و موانست کے لالہ زار میں لاکھڑا کیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے اس دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ ایسا انقلاب جو تمام عالم کے لئے باعث رحمت و راحت تھا اور ایک عالمگیر دین اس سرزمین پر پھیلایا۔ ایسا دین جو پوری انسانی برادری کے عین فطرت اور عین مزاج تھا۔

وہ دین کیا تھا؟ قرآن کریم اور اس کی عظیم ہدایت! اور وہ "عظیم انقلاب" تھا۔ آپ کی پاک تعلیمات اور آپ ﷺ کا مقدس اسوہ! جس کو "حدیث" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پوری اُمت اس پر متفق ہے کہ قرآن ایک جامع اور کامل ہدایت ہے جس میں اسلامی احکام و ہدایات اور شریعت اصولی و اساسی طور پر مذکور ہیں، نیز جس طرح "قرآن" اسلام کا اصولی رہنما اور دین کا دستور اساسی ہے اسی طرح وہ ظاہرًا اور معنًی ایک معجزہ بھی ہے۔

مطلب یہ کہ جس طرح ظاہرًا قرآن کی فصاحت و بلاغت و زبان و بیان کا اعجاز، الفاظ کی نشست و برخاست، جملوں کی ترکیب و ساخت نے قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کے چیلنج کے سامنے دنیا والوں کی عقل و فہم کی جولانیوں کو ناکارہ اور فصحائے عرب کی فصاحت و بلاغت کو نکما کر دیا کہ قرآن کی ایک سورت یا ایک جملہ کی بھی کوئی مثال پیش نہ کر سکا اور نہ رہتی دنیا تک کوئی پیش کر سکتا ہے، اسی طرح اس کی معنوی وسعتوں اور ہمہ گیر گہرائیوں کے سامنے بھی انسانی ذہن و فکر عاجز ہے کہ قرآن جیسی جامع علوم و معارف اور حاوی احکام و اصول کتاب یا اس کے کسی جز جیسا کوئی جز بھی نہ کوئی پیش کر سکا اور نہ کوئی پیش کر سکتا ہے۔

یہ قرآن کا اعجاز ہی ہے کہ اس کی ایک ایک آیت اور ایک ایک حرف میں علوم و معارف کے بیکراں دریا کھپے ہوئے ہیں جن کی وسعتوں اور گہرائیوں کا یہ عالم ہے کہ مسلسل چودہ صدی سے علوم و معارف اور حکمات و نکات کے بے پناہ ذخیرے مسلسل نکلتے چلے آرہے ہیں اور ہنوز ان کی تہ اور گہرائی کا کوئی پتہ نہیں۔ جس کی جامعیت کا یہ حال ہے کہ اس کے ایک لفظ لفظ سے بے شمار مسائل و احکام کا استنباط ہر دور میں کیا جاتا ہے پھر بھی اس کی ہمہ گیری شان، مزید چھان بین اور تحقیق و تدقیق کی متقاضی رہتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اتنے بے شمار اور لفظ لفظ میں سموئے ہوئے علوم و معارف کا نکال لانا، آیتوں کے اجمال کی تفصیل کرنا، عموم میں تقیید کرنا، مراد کو واضح کرنا اور ابہام کو دور کرنا، ارکان و شرائط اور اسباب و موانع کی تفصیلات بیان کرنا، ہرباب کے غیر متناہی جزئیات کا تعیّن کرنا، فرائض و واجبات اور مستحبات و سنن کی تمام تفصیلات اور ان کے احکام بیان کرنا یہ تمام امور جو قرآن کی تفصیل و تشریح اور اس کی توضیح کے لئے ضروری تھے، عوام الناس کے ناقص فہم سے بلند و بالا تھے جہاں تک ان کی رسائی ناممکن تھی۔

اگر تمام دنیا کے انسان قل فاتوا بسورة من مثله کا چیلنج کا جواب اس لئے نہیں دے سکے اور قرآن جیسا کلام یا اس کے علوم جیسے

معارف اس لئے مثال کے طور پر بھی پیش نہیں کر سکے کہ ان کے محدود ذہن و ذکاء اور علم و عقل میں وہ وسعت و گہرائی اور ہمہ گیری نہیں کہ قرآن جیسے معجزانہ کلام کا ان سے صدور ہو سکے، تو ان کی تنگیٔ فہم اور ذہن و فکر کی محدودیت اس قابل بھی نہیں ہو سکتی کہ وہ قرآن کے معجزانہ بنیادی اور اصولی جملوں سے نکلتے ہوئے حقائق و معارف کا ادراک اور وجوہ معانی میں سے مراد و غیر مراد کا تعین محض اپنے فہم کے بل بوتہ پر کر سکیں۔

معلوم ہوا کہ جب قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے اصول کی تشریح عام انسان کی عقل و فہم سے بعید ہے تو لامحالہ قرآن کے معنی و مطالب اور اس کی مراد حاصل کرنے کے لئے رسول ﷺ کی توضیح و تشریح اور آپ کے ارشادات کا محتاج ہونا نیز انہیں اپنے لئے قرآنی فہم کے لئے رہبر ماننا ضروری ہوگا کیونکہ اگر قرآن کی حیثیت اس درجہ کی ہوتی کہ ہر کس و ناکس اس کے معنی و مقصود کو بغیر کسی رہنمائی اور روشنی کے حاصل کر سکتا تو رسول ﷺ کی بعثت نعوذ باللہ ایک حد تک غیر ضروری قرار پا جاتی، بلکہ یہ ہوتا کہ قرآن کریم سرچشمہ ہدایت براہ راست دنیا میں اتار دیا جاتا اور ہدایت چاہنے والے اس سے خود استفادہ کر لیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ہدایت کے لئے رسول کی بعثت ایک لازمی اور ضروری چیز ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ بغیر رسول کی رہنمائی اور واسطہ کے کتاب اللہ سمجھی جا سکے اور ہدایت کا مقصد حاصل ہو سکے، اسی لئے خداوند قدوس جب اپنی کتاب کو رسول پر نازل کرتا ہے تو پہلے اس کے مقاصد و مطالب فرشتہ کے ذریعے اس پر واضح کر دیتا ہے اور اس کے رموز و کنایات اور حکمات کو بذریعہ وحی منکشف کر دیتا ہے۔ پھر رسول اس پر مامور کیا جاتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق کو کتاب کی تعلیم دے اور اس کی تشریح و توضیح کر کے ہدایت کو عام کرے، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسان بن عطیہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

کان الوحی ینزل علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ویحضرہ جبریل بالسنۃ التی تفسر ذلک۔

(ترجمان السنۃ ۱/ ۱۲۳)

"آنحضرت ﷺ پر وحی آیا کرتی تھی اور جبریل آپ کے پاس وہ سُنت لے کر آیا کرتے تھے جو اس کی تفسیر کر دیتی تھی۔"

خود قرآن کریم سے ثابت ہے کہ آنحضور ﷺ کی بعثت کا بڑا مقصد یہ ہے کہ کلام اللہ کی پہلے خود تلاوت کریں پھر اس کی تعلیمات سے دنیا والوں کو روشناس کرائیں اور اس کے معنی و مطالب دنیا پر واضح کریں۔ ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ (آل عمران آیت ۱۶۴)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان و کرم کیا جب کہ ان میں انہیں میں سے پیغمبر بھیج دیا جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و عقل کی باتیں سکھاتا ہے۔"

گویا آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں کلام اللہ کی تلاوت اور اس کی تعلیم و تعلّم ہی ایک عظیم مقصد ہے۔ نہ صرف یہ مقصد ہے بلکہ حاصل نبوت ہے اس لئے کہ نبی اُمّت کی ہدایت کتاب کی تعلیم کی روشنی ہی میں کر سکتا ہے۔ بارگاہ الوہیت سے جو فرمان اور جو احکام بذریعہ وحی کتاب کی شکل میں آتے ہیں اسی کو اُمّت تک پہنچانا اور اس پر پہلے خود عمل کر کے دنیا والوں کو عمل کرانا ہی دراصل نبی کا فریضہ ہے۔ مصلح اور ہادی کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ قوم کی ہدایت کرے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے اس تعلیم پر خود عمل کرے جس کے ذریعہ وہ اپنا فریضہ ادا کر رہا ہے پھر دوسروں کو عمل کرنے کی دعوت دے۔ اسی کو باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی یہ شان ہے کہ ہماری جانب سے جب کوئی حکم یا فرمان پہنچتا ہے تو حضور ﷺ پہلے اس کو پڑھتے ہیں، اس کو سمجھتے ہیں، مرادات خداوندی کو حاصل کرتے ہیں اور اس پر پہلے خود عمل پیرا ہوتے ہیں، پھر اس تعلیم کو اُمّت کے سامنے رکھتے ہیں۔ خدا کی جانب سے آئے ہوئے احکام کو

پہنچاتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ پہنچاتے ہیں بلکہ تشریح و توضیح، اور اس کی تفصیل اپنے عمل سے اپنے فعل سے، اپنے قول سے کرتے ہیں تاکہ قوم کو اس پر عمل کرنا آسان و سہل ہو جائے۔

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ رسول قرآن کی تشریح کرے اور اس کے مطالب و مفہوم کو بیان کر کے مراد و مقصد کا تعین کرے بلکہ صرف عام انسانی عقل و فہم پر اسے چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً وہ لوگ جن کی ہدایت کے لئے قرآن نازل کیا گیا تھا زندگی بھر اس کی مراد کو نہ پا سکتے اور نہ اس کے مطالب و مقاصد حاصل کر سکتے اور قرآن کریم جو سرچشمہ ہدایت ہے اور صرف عمل کے لئے نازل کیا گیا تھا محدود انسانی ذہن و فکر کے لئے دماغی کد و کاوش کا مشغلہ بن کر رہ جاتا جس کے نتیجہ میں نسل انسانی ان مدارج اور ترقیات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتی جو قرآن کی ہدایت کے ذریعہ ان کے لئے مقدر ہو چکی تھیں۔

چنانچہ آیت بالا سے یہی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں ایمان والوں پر یہ احسان کیا کہ ایمان جیسی دولت اور قرآن جیسی ہدایت سے نوازا، وہیں یہ بھی انعام فرمایا کہ خود انہیں اپنی منزل کی راہ تلاش کرنے کی ذمہ داری نہیں سونپی بلکہ ان میں سے ایک رسول بھیج دیا، جس نے منزل تک ان کی رہنمائی کی اور پھر قرآن نازل کر کے اس کے مراد کے تعین اور اس کے مقاصد کی وضاحت کا بار بھی انسان کے ضعیف عقل و فہم پر نہیں ڈالا بلکہ عالم کے سب سے بڑے معلّم کو ان کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ قرآن کی تعلیم دے۔ اور اس کے معنی و مطالب اور مقاصد سے دنیا والوں کو آگاہ کرے۔ حدیث کا قرآن کی شرح اور اس کا بیان ہونا قرآن اور زیادہ وضاحت سے ثابت کر رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (النحل ۱۶: ۴۴)

"ہم نے قرآن آپ پر اس لئے اتارا کہ آپ لوگوں کے لئے اس کتاب کے معنی و مطالب بیان فرمائیں کہ جو ان کی ہدایت کے لئے اتاری گئی تاکہ لوگ اس میں غور و فکر کر سکیں۔"

یعنی اے محمد ﷺ! ہم نے یہ کتاب جو آپ پر اتاری ہے وہ جس طرح تمام انبیاء کرام کے صحیفوں کی اجمالی یادداشت ہے اسی طرح وہ شریعت اسلامی کا دستور اساسی ہے جس میں دین و شریعت کے احکام و مسائل اور علوم و معارف اعجازی شان سے اس کے ایک ایک لفظ اور سطر میں سموئے ہوئے ہیں چونکہ ہر شخص ان کی گہرائی اور حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے اس کے بیان و تفصیل اور تشریح کی ذمہ داری بھی آپ ﷺ ہی کو سونپی جا رہی ہے اس لئے کہ آپ پر اس کے تمام رموز و نکات اور اسرار و حکم بذریعہ وحی منکشف کر دیئے جاتے ہیں اور ہم نے آپ ﷺ کو حقیقت شناسی اور جزرسی کی وہی طاقت و قوت دی ہے جو اس کے شارح کو ملنی چاہئے، نیز چونکہ آپ کے ذہن و فکر اور عقل و فہم کی تربیت ہم نے بطور خاص اسی لئے کی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ اس کے مشکلات کی شرح اس کے علوم کی تفسیر اس کے مرادات کا تعین، اس کے مسائل و احکام کا استنباط کیجئے اور مرادات خداوندی کا اظہار فرما کر عمل کی راہ پیدا کیجئے۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن عرب میں نازل کیا گیا تھا جہاں کی مادری زبان ہی عربی تھی لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ "جب قرآن کے اصل مخاطب عرب تھے اور قرآن جن کے سامنے اپنی دعوت پہلے پیش کر رہا تھا وہ باعتبار زبان و لسان کے فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر تھے تو ان کو قرآن کی تشریح و توضیح یا اس کی تفصیل کرنے کے لئے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں تھی" ناسمجھی کی بات ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی ناسمجھ شخص یہ کہہ دے کہ جب آئین سازوں نے اصولی طور پر ایک دستور اساسی مرتب و منظور کر کے ملک پر لاگو کر دیا ہے تو پھر اس دستور کے ہوتے ہوئے قانون ساز اداروں کے ان ذیلی قوانین اور سربراہ مملکت کے جاری کردہ ان فرامین و ہدایات کی کوئی ضرورت نہیں ہے جن سے حکومت کی مشینری چل رہی ہے اور جو مستقل الگ کوئی قانون نہیں ہوتے۔ بلکہ اسی دستور اساسی کی تشریح و توضیح اور اس کی تفصیل ہوتے ہیں، ظاہر ہے اس طرح کی بات اس شخص کے دماغ میں آسکتی ہے جو نہ صرف یہ کہ علم و عقل سے کوسوں دور، بلکہ ماحول اور حالات سے قطعاً ناآشنا بھی ہو اور پھر یہ تو مادی اور انسانی قانون ہے جو انسانی دماغ کا اختراع ہوتے ہیں

لیکن یہ آسمانی دستور اساسی یعنی قرآن تو خدائے تعالیٰ کا براہ راست اتارا ہوا نظام حیات اور قانون ہے جس کے بارے میں پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ کتاب نہ صرف الفاظ کے اعتبار سے اعجازی حیثیت رکھتی ہے بلکہ معنوی حیثیت سے بھی معجزہ ہی معجزہ ہے جس کے ایک ایک لفظ کی گہرائی میں علوم و معارف اور احکام و مسائل کے وہ گراں بہا خزانے پوشیدہ ہیں جن تک انسانی ذہن و فہم کی رسائی ناممکن ہے۔

حدیث کی اسی صفت بیان و توضیح کے پیش نظر امام مکحولؒ کا قول امام اوزاعیؒ سے منقول ہے کہ:

الکتاب احوج الی السنة من السنة الی الکتاب۔ (ترجمان السنة ۱/۱۲۲)

"کتاب اللہ سُنّت کی طرف زیادہ محتاج ہے بہ نسبت سُنّت کے کتاب اللہ کی طرف۔"

حافظ ابو عمرؒ اس مقولہ کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ:

یرید انها تقضی علیه و تبین المراد منه۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ سُنّت قرآن کی مراد بیان کرتی ہے۔"

امام شاطبیؒ بھی اس قول کی توضیح کرتے ہوئے آخر میں یہی لکھتے ہیں کہ:

فکان السنة بمنزلة التفسیر و الشرح لمعانی احکام الکتاب۔ (ترجمان السنة ۱/۱۲۴)

"گویا سُنّت کتاب اللہ کے احکام کے لئے بمنزلہ تفسیر اور شرح کے ہے۔"

اس تفصیل نے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کی تفصیل و تشریح جو حدیث و سُنّت کی صورت میں ہے، وہ منجانب اللہ ایک فریضہ تھا جس پر آنحضور ﷺ کو مامور کیا گیا تھا جس سے آپ ﷺ ذمہ دارانہ طور پر عہدہ برآ ہوئے، لہٰذا نبی کریم ﷺ کی اسی تفصیل و تشریح کا نام خواہ بصورت قولی یا فعلی، یا بصورت تقریر، قرآن کی اصطلاح میں "بیان" ہے جو لتبین للناس مانزل الیهم سے مستنبط ہوتا ہے اور خود آنحضرت ﷺ کی اصطلاح میں "حدیث" اور "سنت" ہے جو آنحضور کے ارشاد حدثوا عنی الخ اور علیکم بسنتی الخ سے مفہوم ہوتا ہے۔

نیز قرآن اور مذکورہ بالا اقوال سے یہ ثابت ہوگیا کہ حدیث دراصل قرآن کی شارح ہے کیونکہ قرآن اگر متن ہے تو حدیث اس کی شرح قرآن اگر اصول ہے تو حدیث اس کی تفصیل، لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ حدیث مبہمات قرآنی کے لئے ایضاح ہے، مجملات قرآنی کے لئے تفصیل ہے مشکلات قرآنی کے لئے تفسیر ہے اور مخفیات قرآنی کے لئے اظہار ہے۔

گویا حدیث کے بغیر یہ ناممکن ہے کہ عام ذہن و فکر کی رسائی قرآن حکیم کے مضمرات، مرادات اور رموز و کنایات تک ہو جائے، اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ:

"جس طرح نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس تمام دنیا کے لئے مینارۂ نور اور آپ ﷺ کا وجود پورے عالم کے لئے رحمت ہے اسی طرح آپ ﷺ کی حدیث، آپ ﷺ کی سنت، آپ ﷺ کا مقدس اسوہ، اُمّت کے لئے مشعل ہدایت ہے اور آپ ﷺ کے اقوال و ارشادات پر عمل، آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی باعث سعادت اور کلید جنّت ہے۔"

حدیث کی حجیت: "ایمان باللہ" اور "ایمان بالرسول" شریعت اسلامی کی بنیاد کے یہ دو ستون ہیں یعنی مؤمن و مسلمان بننے کے لئے جس طرح خدا کی وحدانیت اور اس کی الوہیت پر یقین کامل اور اس کی تمام صفات پر اعتقاد راسخ ضروری ہے اسی طرح رسول پر ایمان لانا اور اس کی رسالت و نبوت کی صدق دل سے تصدیق کرنا بھی لازم ہے۔

رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اعتقاد و یقین ہو کہ رسول خدا کا برگزیدہ اور سب سے محبوب بندہ ہے جس کو خدا نے

انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنی کتاب دے کر اس دنیا میں مبعوث کیا ہے۔ نیز تکمیل ایمان کے لیئے اس اعتقاد و یقین کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ رسول کی پوری پوری اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔ وہ جو حکم دے اس کو بلاچون وچرا مانا جائے۔ وہ جو فیصلہ کرے اس پر سر تسلیم خم کر دیا جائے اور اس کی بتائی ہوئی تعلیمات اور اس کے لائے ہوئے اسوہ پر بلاشک و شبہ عمل کرنا مدار نجات جانا جائے۔

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ (الحشر ۵۹:۷)

"رسول (ﷺ) نے جو کچھ تمہیں دیا ہے، پکڑے رہو اور جس سے انہوں نے روکا ہے رک جاؤ۔"

قرآن میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، وہیں رسالت پر ایمان لانے کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا۔ (النساء ۴:۱۳۶)

"اے ایمان والو! ایمان لاؤ (یعنی اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم رہو) اللہ اور اس رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری (اور یاد رکھو کہ) جو انکار کرے گا اللہ تعالیٰ کا اور ملائکہ کا اور اس کی کتابوں کا اور اس رسولوں کا اور یوم آخرت کا تو وہ دور کی گمراہی میں پڑے گا۔"

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ ط۔ (النساء ۴:۱۵۲)

"اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر اور ان میں کوئی تفریق نہ کی، وہی لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اجر دے گا۔"

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ (الحجرات ۴۹:۱۵)

"مؤمن بس وہی ہیں جو یقین رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر۔"

وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا۔ (الفتح ۴۸:۱۳)

"اور جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے ان منکروں کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔"

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ۔ (النساء ۴:۱۷۰)

"اے لوگو! بے شک تمہارے پاس حق کے ساتھ رسول آیا، پس اس پر ایمان لاؤ (کیونکہ) اسی میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس طرح خدا تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اس کے رسول اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا بھی لازم ہے اور جو لوگ خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے یا رسول کی تصدیق نہیں کرتے وہ کافر و منکر ہیں جن کے لئے خدا کی جانب سے سخت عذاب اور دائمی خسران و نقصان کی وعید ہے۔

نیز جس طرح آنحضرت ﷺ کی رسالت کی تصدیق اور آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کی قرآن نے پر زور دعوت دی ہے اسی طرح آنحضور ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کی بھی تاکید کی ہے اور آپ ﷺ کے ہر فیصلہ و حکم کو ماننا ایمان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ۔ (محمد ۴۷:۳۳)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔"

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۔ (الانفال ۸:۱)

"اور اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو، اگر تم ایمان والے ہو۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ۔ (الانفال ۸:۲۰)

"اے ایمان والو! حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا اور منہ نہ پھیرو اس سے درانحالیکہ تم سنتے ہو۔"

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النسآء ۴:۸۰)

"جس نے رسول کا حکم مانا تو بلاشبہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ (النسآء ۴:۵۹)

"اے ایمان والو! حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور حکم مانو رسول کا اور اپنے میں سے حاکموں کا پس اگر جھگڑو تم کسی بات میں تو رجوع کرو اللہ (تعالیٰ) اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف۔"

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء ۴:۶۵)

"پس قسم ہے آپ کے پروردگار کی کہ وہ مؤمن نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ وہ اپنے آپس کے نزاع میں آپ کو حکم نہ بنائیں (اگر وہ آپ کو حکم بنالیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) وہ آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں گے اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں گے۔"

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (الاحزاب ۳۳:۳۶)

"کسی ایمان والے مرد اور عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کوئی حکم دے دیں تو ان کو اپنے معاملہ کا اختیار باقی رہے اور جو نافرمانی کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی تو وہ بلاشبہ کھلا ہوا گمراہ ہو گیا۔"

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایمان کے بارے میں تین چیزوں کو ضروری قرار دے رہے ہیں۔

❶ خدا کی ذات اور اس کے ملائکہ اور کتاب پر ایمان لانے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے رسول کی رسالت اور نبوت پر پورا پورا ایمان لایا جائے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاتا یا آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ مؤمن نہیں ہے۔

❷ خدائے تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری ہے اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کے احکام مان رہا ہے یا آپ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے تو گویا وہ خدا تعالیٰ کی بھی اطاعت و فرمانبرداری کر رہا ہے اگر کوئی آنحضور ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا اور آپ ﷺ کے احکام سے روگردانی کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خدا تعالیٰ کی اطاعت نہیں کر رہا ہے اور خدائے تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص خدا کے احکام کو نہیں مانتا یا اس کی اطاعت نہیں کرتا وہ ضلالت و گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

❸ اگر آپس میں جھگڑا ہو یا باہمی نزاع کی شکل ہو تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ کے رسول کی طرف رجوع کریں، خدا کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی روشنی میں اپنے جھگڑوں کا تصفیہ کریں، رسول کی طرف رجوع کے یہ معنی ہوں گے

کہ رسول کو اپنا حکم بنائیں اور رسول جو کچھ فیصلہ کرے اس کو تسلیم کریں اور رسول کے فیصلہ کے بعد کسی کو چوں وچرا کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ایمان کی علامت یہی ہے کہ اپنے جملہ نزاعات اور اپنے اختلاف میں نبی کریم ﷺ کو ایسا حکم اور فیصلہ کن قرار دے کہ آپ ﷺ کے فیصلہ کے بعد کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے اور اس فیصلہ سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کرے۔

لہٰذا اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ تکمیل ایمان کے لئے خدا کی ذات اور اس کے ملائکہ وکتاب پر ایمان لانے کے ساتھ رسول کی رسالت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے وہیں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جس طرح کتب الٰہیہ جو خدا کی جانب سے بندوں کی ہدایت کے لئے رسول پر نازل کی جاتی ہیں، اور ملائکۃ اللہ کی وحی جو خدا کا پیغام پیغمبروں تک پہنچاتی ہے شریعت میں حجت ہے اسی طرح انبیائے کرام کے ارشادات بھی قطعًا حجت ہیں۔ کیونکہ جس شے پر ایمان لانا ضروری اور لازم قرار دیا جارہا ہو وہ حجت ہوگی، اسی طرح نبی کے فیصلے اور احکام بھی حجت ہوں گے کیونکہ خدائے تعالیٰ کا بندوں کو بار بار حکم دینا کہ تم اپنے تمام نزاعات اور اختلافات میں رسول کو حکم بناؤ اور ان کے فیصلوں کو تسلیم کرو اور وہ جو حکم دیں ان پر عمل کرو خود ان کی حجیت کو ثابت کر رہا ہے۔

اگر آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال اور احکام حجت نہ ہوتے تو نہ تو رسول کی رسالت پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا جاتا اور نہ ان کے احکام کی پیروی کو ایمان کی علامت بتایا جاتا اور یہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ ایمان اسی شے پر لایا جا سکتا ہے جو حجت قاطعہ ہو اور اطاعت وفرمانبرداری اسی چیز کی کی جا سکتی ہے جو واجب التسلیم ہو، اگر وہ شے جس پر ایمان لایا جا رہا ہے یا جس کی پیروی کی جارہی ہے حجت قاطعہ اور واجب التسلیم نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر ایمان لانے یا اس کی پیروی کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں ہوتے۔

نیز اگر یہ مان لیا جائے کہ نبی کا افعال واقوال جن کے مجموعہ کا نام "حدیث" ہے شریعت اسلام میں حجت نہیں ہیں تو وہ لوگ جو نبی کو نہیں مانتے یا نبی کے اقوال و افعال کی پیروی نہیں کرتے ان کو کافر نہیں کہنا چاہئے اس لئے کہ جو چیز حجت نہیں ہے اور جس کا واجب التسلیم ہونا یقینی نہیں ہے، ان کے انکار کو کفر کیسے مستلزم ہو سکتا ہے حالانکہ آیات قرآنی میں ان لوگوں کو صفائی کے ساتھ کافر اور گمراہ کہا جارہا ہے جو نبی کے احکام کی پیروی نہیں کرتے یا اس کے فیصلوں کو جو اقوال کی شکل میں ہوتے ہیں واجب التسلیم نہیں مانتے۔

پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے ساتھ نبی کے بتائے ہوئے احکام، ان کی تعلیمات وہدایات اور ان کے ارشادات جن کو "حدیث" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے شریعت میں مستقل حجت ہے، لہٰذا اس کو ماننا اور اس کو واجب التسلیم جان کر اس پر عمل کرنا جزو ایمان ہے اور اس سے اعراض کرنا یا اس کی حجیت سے انکار کرنا یا اس کو قابل رد جاننا کفر ونفاق اور ضلالت کو مستلزم ہے جس کے بارے میں خداوند کریم اعلان کر رہا ہے۔

فَاِنَّآ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ سَعِيۡرًا ۝۔ (القرآن الحکیم)

"ہم نے ان منکروں کے لئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔"

حدیث کی تدوین وکتابت: اگر تاریخ وسیر کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حدیث کی کتابت اور اس کی تدوین وترتیب نبی کریم ﷺ کی حیات مبارک ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ آپ ﷺ کے اقوال و ارشادات صحابہ قلمبند کیا کرتے تھے اور احادیث مبارکہ کو لکھ کر ان کو حفاظت سے اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ جو درس گاہ نبوت کے جلیل القدر طالبعلم اور بارگاہ رسالت میں ہمہ وقت کے حاضر باش خادم تھے آنحضرت ﷺ کی احادیث کثرت سے روایت کرتے ہیں ان کے پاس احادیث نبوی کا سرمایہ سب سے زیادہ تھا اور وہ خود بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس مجھ سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی احادیث محفوظ نہیں ہیں۔ اور اس کی وجہ حضرت ابوہریرہؓ یہی بیان کرتے ہیں کہ۔

فانه کان یکتب ولا اکتب۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۲)

وہ احادیث کو لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ ہی کے بارہ میں حضرت ابوہریرہؓ کا ایک دوسرا بیان ہے کہ:

فانی کنت اعی بقلبی و کان یعی بقلبه و یکتب بیده۔ (طحاوی ج ۲ ص ۳۸۴)

عبداللہ بن عمروؓ (آنحضرت ﷺ کی احادیث) لکھا بھی کرتے تھے اور ان کو حفظ بھی کیا کرتے تھے اور میں صرف یاد ہی کر لیا کرتا تھا، لکھتا نہ تھا۔

پھر روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا حدیث کی کتابت کرنا از خود نہ تھا بلکہ آنحضرت ﷺ سے انہوں نے باقاعدہ کتابت حدیث کی اجازت لی تھی جب بارگاہ رسالت سے اجازت مل گئی اور آپ ﷺ کا ایماء ہوا تو آپ ﷺ کے ارشادات کو صحابہ لکھنے لگے چنانچہ ابوہریرہؓ کی اسی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

استاذن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فی ذلک فاذن له۔

انہوں نے (یعنی حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے) کتابت حدیث کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی تھی۔

اسی طرح خود عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قید العلم قلت وما تقییده؟ قال الکتابة۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۰)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ علم کو مقید کرو۔ میں نے عرض کیا کہ علم کو مقید کس طرح کیا جا سکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو لکھ کر (محفوظ کر لیا جائے)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کتابت حدیث کے سلسلہ میں خود اپنا واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ:

کنت اکتب کل شئی اسمعه من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ارید حفظه فنهتنی قریش وقالوا اتکتب کل شیئ تسمعه ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بشر یتکلم فی الغضب والرضاء فامسکت من الکتابة۔ فذکرت ذلک الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاومأ باصبعه الی فیه فقال اکتب فو الذی نفسی بیده ما یخرج منه الا الحق۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۷)

"میں جتنی باتیں آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنتا تھا یاد رکھنے کے لئے ان کو لکھ لیا کرتا تھا میرے اس طرز عمل کی جب قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم ہر چیز کو جو رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو لکھ لیا کرتے ہو۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ آدمی ہیں، آپ ﷺ غصہ کی حالت میں بھی ہوتے ہیں اور خوشی کی حالت میں بھی، لہٰذا میں لکھنے سے رک گیا اور اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھو اور اپنے دہان مبارک کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا "خدا کی قسم اس سے کسی حالت میں بھی ناحق اور غلط بات نہیں نکل سکتی"۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے علاوہ دوسرے صحابہؓ نے بھی جب آنحضرت ﷺ سے کتابت حدیث کی اجازت لی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ ایک صحابی حضرت رافع بن خدیجؓ کا بیان ہے کہ ہم نے بارگاہ نبوت میں درخواست پیش کی کہ یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ کی زبان مقدس سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں اور اس کو قلمبند کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے اس عمل کے بارہ میں آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟ یعنی ہم آپ ﷺ کے ارشادات کو لکھتے رہیں یا نہیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اکتبوا ولا حرج۔ (کنز العمال ج ۵ ص ۲۲۳)

"لکھتے رہو اس میں کوئی حرج نہیں۔"

نیز حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ:

ایک شخص دربار رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے آپ ﷺ کی احادیث یاد نہیں رہتیں تو آنحضرت ﷺ نے اس کو حکم دیا:

استعن بیمینک۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۰)

"اپنے ہاتھ سے مدد لو یعنی لکھ لیا کرو۔"

بہر حال ان منقولات کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں حدیث کی کتابت شروع ہو گئی تھی اور آپ ﷺ کے ارشادات مبارکہ و احادیث مقدسہ کی حفاظت کے لئے متعدد صحابہ نے ان کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا اور آپ ﷺ جو کچھ فرماتے یا جو احکام دیتے صحابہ ان کو لکھ کر محفوظ کر لیا کرتے تھے۔

یہ تو خیر صحابہ کا عمل اور ان کا طریقہ تھا، خود نبی کریم ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے مسائل و احکام پر مشتمل کچھ مجموعے تیار کرا کر اپنے عمال کو اور دوسری جگہوں پر بھیجنے کا حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے ترمذی میں روایت ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے کے لئے ایک کتاب الصدقہ لکھوائی تھی جس میں جانوروں کی زکوٰۃ سے متعلق احادیث تھیں لیکن ابھی عاملوں کے پاس پہنچنے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ آپ ﷺ کی وفات کا سانحہ پیش آگیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے جانشین ہوئے تو انہوں نے اس پر عمل کیا"۔ (ج ۱ ص ۹۹)

نیز حضرت عبداللہ بن عکیمؓ سے منقول ہے کہ:

اتانا کتاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان لا تنتفعوا من المیتۃ باھاب ولا عصب۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲۰۶)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آپ کا ایک نوشتہ مبارک ہمارے (قبیلہ کے) پاس پہنچا جس میں یہ حدیث بھی تھی کہ مردار جانوروں کی (بے پکائی ہوئی) کھال اور پٹھے کو کام میں مت لاؤ۔

طحاوی شریف کی ایک روایت ہے کہ:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کتب الی اھل الیمن بکتاب فیہ الفرائض والسنن والدیات وبعث بہ مع عمرو بن حزم۔ (۲/۴۱۷)

آنحضرت ﷺ نے ایک صحیفہ لکھوا کر عمرو بن حزمؓ کے ہاتھ اہل یمن کے پاس بھیجا تھا، اس نوشتہ میں فرائض و سنن اور خون بہا کے مسائل تھے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب صحابہ کا دور آیا تو اس وقت حدیث کی کتاب اور تدوین کا کام باقاعدہ شروع ہو گیا چنانچہ صحابہؓ نے آپ ﷺ کے ارشادات کو جمع کرنے اور ان کی حفاظت کرنے میں پورے انہماک کا ثبوت دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کے بارہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ انہوں نے آنحضور ﷺ کی زندگی میں حدیث کی کتابت نہیں کی لیکن آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے تمام ارشادات اور احادیث کی حفاظت کے لئے ان کو انہوں نے لکھ کر یا دوسرے سے لکھوا کر ایک نوشتہ میں محفوظ کر لیا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ:

تحدث عند ابی ھریرۃ بحدیث فاخذ بیدی الی بیتہ فارانا کتبا من حدیث للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال ھذا ھو مکتوب عندی۔ (فتح الباری ج۱ ص۱۴۸)

"ابوہریرہؓ سے حدیث کے بارے میں گفتگو ہوئی تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور حدیث نبوی کی کئی کتابیں دکھا کر فرمایا کہ دیکھو یہ میرے پاس لکھی ہوئی موجود ہیں۔"

حضرت ابوہریرہؓ کی جمع کی ہوئی احادیث کی کتابوں کے بارے میں بشیر ابن نہیک کی بھی شہادت ہے کہ:

کنت اٰخذ الکتب من ابی ھریرۃ فاکتبھا فاذا فرغت قرأتھا علیہ فاقول الذی قراتہ علیک اسمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقول نعم۔ (طحاوی ج۲ ص۳۸۵)

"میں حضرت ابوہریرہؓ سے احادیث کی کتاب عاریتًا لے کے نقل کرتا تھا۔ نقل سے فارغ ہو کر ابوہریرہ کو سب سناتا تھا اور عرض کیا کرتا تھا کہ میں نے آپؓ کو جو کچھ سنایا ہے وہ سب آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ہاں۔"

حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں بھی منقول ہے کہ ان کے پاس چند صحیفے تھے جن میں آنحضور ﷺ کی احادیث لکھی ہوئی تھیں چنانچہ حضرت عکرمہؒ سے ایک روایت ترمذی میں ہے کہ:

ان نفرًا قدموا علی ابن عباس من اھل الطائف بکتاب من کتبہ فجعل یقرأ علیھم فیقدم و یؤخر فقال انی بلیت لھذہ المصیبۃ فاقرأوا علی فان قراءتی بہ کقراءتی علیکم۔ (طحاوی ج۲ ص۲۳۸)

"طائف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ان کے چند صحیفے لے کر حاضر ہوئے (جن میں حدیثیں لکھی ہوئی تھیں اور کہا کہ آپ ہمیں سنا دیں) حضرت ابن عباسؓ نے پڑھنا شروع کیا لیکن (ان کی نگاہ کمزور ہو چکی تھی) اس لئے وہ پڑھ نہ سکے اور فرمایا کہ تم لوگ خود سنا دو، تمہارا سنانا اور میرا پڑھنا جواز روایت کے حق میں دونوں برابر ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن محمد عقیل راوی ہیں کہ:

کنا ناتی جابر بن عبداللہ فنسالہ عن سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنکتبھا۔ (طحاوی ۳۸۴/۲)

ہم لوگ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے اور ان سے آنحضرت ﷺ کی حدیثوں کو پوچھ پوچھ کر لکھا کرتے تھے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایتیں منقول ہیں جن سے متعدد صحابہ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات احادیث نبوی کی کتابت کیا کرتے تھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست اکتساب فیض فرما کر علوم و معارف کے جوگراں بہا موتی ارشادات و احادیث کی شکل میں حاصل کئے تھے، آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد اس سرمایہ کو اپنے سینہ سے سفینہ میں منتقل کرتے رہے۔

صحابہؓ کے بعد جب حضرات تابعین کا دور آیا تو حدیث کی کتابت و تدوین اور زیادہ اہتمام و انصرام سے کی جانے لگی، حضرات تابعین رحمہم اللہ نے احادیث نبوی کے ذخیرہ کو جمع کرنے اور ان کی تدوین و کتابت میں بہت زیادہ دل جمعی سے کام لے کر اس سلسلہ کو اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیا۔ تذکرۃ الحفاظ میں ابوالزناد (تابعی) سے منقول ہے کہ:

کنا نطوف مع الزھری علی العلماء ومعہ الالواح والصحف یکتب کلما سمع۔ (ج۱ ص۱۰۳)

"ہم زہریؒ کے ساتھ علماء کے پاس حدیثیں سننے کے لئے جایا کرتے تھے۔ زہریؒ اپنے ساتھ تختیاں اور کاغذ رکھتے تھے جو کچھ سنتے تھے، سب

لکھ لیا کرتے تھے۔"

امام زہریؒ کے بارہ میں صالح بن کیسان (تابعی) کا بیان ہے کہ:

اجتمعت انا والزھری ونحن نطلب العلم فقال لی تعال حتی نکتب السنن فکتبنا ماجاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (کنزالعمال ج۵ ص۲۳۸)

"زمانۂ طالب علمی میں میرا اور زہریؒ کا ساتھ تھا، زہریؒ نے مجھ سے کہا کہ آؤ احادیث لکھیں۔ چنانچہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی احادیث لکھیں۔"

ترمذی کی ایک روایت ہے کہ:

قال رجل للحسن عندی بعض حدیثک اَرْوِیہ عنک فقال نعم۔ (ج۲ ص۲۳۹)

ایک شخص حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے پاس آپ کی بیان کردہ کچھ حدیثیں لکھی ہوئی ہیں، میں ان کی روایت آپ سے کر سکتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ ہاں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حدیث کی ترتیب و تدوین اور اس کی کتابت کے سلسلہ میں ایک مستقل لائحہ عمل تیار کیا اور حدود خلافت میں تمام گورنروں اور قاضیوں کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں حدیث کی ترتیب و تدوین اور ان کو جمع کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ فتح الباری کی روایت ہے کہ:

کتب عمر بن عبدالعزیز الی الافاق انظر واحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعوہ۔ (ج۱ ص۱۴۰)

"حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام اطراف سلطنت میں یہ فرمان بھیجا کہ نبی کریم ﷺ کی تمام احادیث تلاش و جستجو کے بعد جمع کر لی جائیں۔"

چنانچہ ابوبکر بن حزمؒ (جو اس وقت خلافت کی جانب سے مدینہ کے امیر و قاضی تھے) کے پاس یہ فرمان پہنچا، تو انہوں نے احادیث کو جمع کرنا شروع کیا اس طرح ترتیب و تدوین کے بعد ان احادیث کے کئی مجموعے ان کے پاس تیار ہو گئے مگر ابھی دربار خلافت میں ان کو بھیجنے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتقال ہو گیا۔

تابعین کے زمانہ کے بعد تبع تابعین کے دور کو دیکھ لیجئے یہ وہ دور ہے کہ حدیث کی ترتیب و تدوین اور اس کی کتابت کا سلسلہ اپنے عروج پر تھا اور محدثین کثرت سے کتابت حدیث کے مقدس فریضہ میں مشغول تھے اور آنحضور ﷺ کے ارشادات و احادیث کو جمع کرنے کا کام بڑے انہماک سے جاری تھا اور ان حضرات کے پاس احادیث کا ایک بہت بڑا سرمایہ جمع ہو گیا۔

عبدالرزاق کا بیان ہے کہ:

کتبت من معمر عشرۃ الاف حدیث۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۷۵)

"میں نے معمر سے دس ہزار حدیثیں سن کر لکھی ہیں۔"

تذکرۃ الحفاظ ہی میں حضرت ابن المبارکؒ کے متعلق منقول ہے کہ:

وکانت کتبہ التی حدث بھا نحوا من عشرین الف حدیث۔ (ج۱ ص۲۵۱)

"انہوں نے اپنی لکھی ہوئی جن حدیثوں کی روایت کی اور لوگوں کو سنایا ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔"

عبدالسلام بن حرب کے بارہ میں ابو حاتم رازی کا بیان ہے کہ:

كتب عنه ابو نعيم الو فامن الحديث۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص۲۴۶)

"ابو نعیم نے ان سے کئی ہزار حدیثیں سن کر لکھی ہیں۔"

اس دور میں کتابت حدیث کا اہتمام کس قدر تھا؟ اس کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے:

قال ابراهيم بن موسٰى قدم الثورى الى اليمن فقال اطلبوا لى كتابا سريع الخط۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص۳۱۷)

ابراہیم بن موسیٰ راوی ہیں کہ امام ثوریؒ جب یمن گئے تو (حدیث کی کتابت کے لئے انہیں ایک کاتب کی ضرورت تھی) انہوں نے وہاں کہا کہ میرے لئے ایک زود نویس کاتب کو تلاش کرو۔

چنانچہ اسی وقت ہشام بن یوسف سریع الخط اور زود نویس تھے ان کا بیان ہے کہ لوگوں نے مجھے امام ثوریؒ کی خدمت میں پیش کیا تو میں نے ان کی جمع کردہ احادیث کو قلمبند کیا۔

ایسے ہی تذکرۃ الحفاظ میں ابوداؤد کی روایت ہے کہ:

لم يكن لحماد بن سلمة كتاب الا كتاب قيس بن سعد۔ (ج ا ص۱۸۳)

حماد بن سلمہ کے پاس قیس بن سعد کی کتاب تھی (جس میں ان کی جمع کی ہوئی احادیث تھیں)۔

بہر حال ان روایات سے معلوم ہوا کہ کتابت حدیث اور اس کی ترتیب و تدوین کا وہ سلسلہ جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک سے شروع ہوا تھا، بتدریج تبع تابعین کے دور میں اپنی تکمیل کو پہنچ گیا تھا اور کثرت سے علماء و محدثین کام میں مصروف تھے۔ چنانچہ احادیث کی کتابوں کی تصنیف و تالیف بھی اسی دور میں باقاعدہ شروع ہوئی اور مختلف علماء نے آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ کے متفرق گوشوں پر کتابیں تصنیف کیں۔

چنانچہ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق کے بارہ میں منقول ہے کہ ان بزرگوں نے اسی دور میں غزوات اور سیرت نبوی ﷺ کے موضوع پر اپنی کتابیں تصنیف کیں، ان کے بعد ۱۵۷ھ اور ۱۸۸ھ کے درمیانی عرصہ میں امام اوزاعی، امام ابن المبارک، امام سفیان ثوری، حماد بن سلمہ اور جریر بن عبدالحمید نے احادیث کی عظیم الشان کتابیں تصنیف کیں۔

اور تقریباً یہی زمانہ ہے جب کہ امام مالکؒ نے اپنی شہرۂ آفاق اور فن حدیث کی عظیم کتاب "مؤطا" کی تالیف کی۔ تذکرۃ الحفاظ ہی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں معافی ابن عمران موصلی نے اپنی مہتم بالشان تصانیف کتاب السنن کتاب الزہد، کتاب الادب، کتاب الفتن وغیرہ لکھیں۔

اور امام یوسفؒ کی تصانیف کتاب الآثار، کتاب الحج، کتاب الخراج اور امام محمدؒ کی تصانیف کتاب الآثار مؤطا، کتاب الحج وغیرہ اسی وقت معرض وجود میں آئیں۔

اس کے بعد پھر بتدریج احادیث کی کتابوں کی تصنیف جاری رہی اور محدثین نے جانفشانی اور محنت سے احادیث نبوی کو جمع کیا اور ان کی ترتیب و تدوین کر کے وہ اہم اور عظیم الشان کتب تصنیف کیں جو آج ہمارے درمیان علم و عرفان کا مینارۂ نور بنی ہوئی ہیں جن سے طالبان حدیث اکتساب فیض کرتے ہیں اور اپنے دامن علم کو احادیث نبوی ﷺ کے گراں قدر موتیوں سے مالامال کرتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف

کی خصوصیت واہمیت

مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا جو مجموعہ اب سے صدیوں پیشتر مرتب ہوا تھا اس کی شادابی و تازگی میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا۔

یوں تو خود "حدیث" ایک ایسا مقدس فن ہے اور اس کی نسبت ایک ایسی زندۂ جاوید شخصیت کی طرف ہے کہ جب تک اس کرۂ ارضی پر انسان نامی ایک مخلوق موجود ہے اور اس میں زندگی کا اثر اور شعور و احسان کا نشو ونما پایا جاتا ہے اس وقت یہ فن اسی تابندگی و شادابی کے ساتھ باقی رہے گا، پھر احایث میں جیسا کہ معلوم ہے، مصنفات اور کتابوں کے درجات میں ہر محدث نے اپنے مخصوص نقطہ نظر کے لحاظ سے کتاب کو ترتیب دیا ہے۔ مثلاً امام بخاریؒ حدیث کی روایت کے پہلو بہ پہلو اپنی قوت فکری کا مجتہدانہ مظاہرہ کرتے ہیں۔ امام مسلمؒ ایک حدیث کے متعدد طرق کو جمع کر دیتے ہیں۔ امام احمد اپنی مسند میں ایک باب میں جس قدر بھی احادیث مروی ہیں ان سب کو جمع فرما دیتے ہیں اسی طرح بقیہ کتب احادیث کی امتیازی خصوصیات ہیں اور ہر ایک کے کچھ انفرادی فوائد ہیں۔

لیکن "مشکوٰۃ المصابیح" کے نام سے احادیث کا جو گلدستہ ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ نہ صرف صحاح ستہ بلکہ دیگر موثوق بہا کتب احادیث مثلاً شعب الایمان بیہقیؒ، مسند رزینؒ وغیرہ وغیرہ کا وافر ذخیرہ اس میں موجود ہے۔

پھر دوسری خوبی جو بیک نظر سامنے آجاتی ہے یہ ہے کہ اس کتاب میں ان احادیث کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا کہ جن کے سمجھنے میں ایک عام قاری کو دشواری ہو بلکہ بعض لوگ تو اس طرف گئے ہیں کہ یہ مجموعہ ابتدائی تعارف یا ایک مشغول زندگی کے لئے احادیث نبویہ سے علمی و عملی تعلق پیدا کرنے کی غرض سے معرض وجود میں لایا گیا تھا۔ چنانچہ آج بھی عربی مدارس میں اس کو صحاح ستہ سے مقدم کر کے پڑھایا جاتا ہے اور اس کا یہی سبب ہے کہ تعارف کا ابتدائی اور اولین مرحلہ ایک ایسی کتاب کے ذریعہ طے پائے کہ جس میں نہ اتنا اطناب ہو کہ جس سے صرف منتہی ہی فائدہ اٹھا سکیں اور نہ اتنا ایجاز ہو کہ جس سے عام ذہن مکدر ہو کر رہ جائے۔

ایک دوسری حیثیت سے بھی اس پر نظر ڈالئے۔ اگر صحیح بخاریؒ کو یہ فخر حاصل ہے کہ مشکلات میں اس کا ختم کرایا جاتا ہے تو مشکوٰۃ کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ صوفیہ کے حلقہ میں زیر درس رہی ہے۔ اکابر صوفیہ نے اپنی اذکار و اشغال سے معمور زندگی میں حدیث کے اس مجموعہ کو اس وجہ سے سامنے رکھا ہے کہ اس میں فن کی دوسری کتابوں کی طرح ایجاز و اطناب نہیں ہے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں، ہندوستان کے شمال میں آزادی کی جو اولین کوشش کی گئی ہے اور جس کی سربراہی خانوادۂ محمدی کے ایک گل سرسید حضرت سید احمد بریلوی برد اللہ مضجعہ کر رہے تھے ان کا اپنے مجاہدین کے سلسلہ میں یہ معمول تھا کہ مشکوٰۃ شریف کا التزاماً درس ہوا کرتا تھا۔ درس کی حقیقی ذمہ داری تو شاہ اسمٰعیل شہید کے سر تھی لیکن نکات و حکمات کا اظہار خود سید مرحوم بھی فرمایا کرتے تھے۔

حجۃ اللہ البالغہ جو علوم اسرار الہیہ اور حکمات شرعیہ کے موضوع پر عدیم النظیر کتاب ہے اس کے متعلق اہل نظر کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ دراصل مشکوٰۃ کی شرح ہے۔ جن لوگوں نے ترتیب کتاب سے ہٹ کر استخراج حدیث کے انداز پر گہری نظر رکھی ہے وہ جانتے ہیں کہ شاہ صاحب بالعموم مشکوٰۃ شریف ہی کی احادیث کو سامنے رکھ کر اپنے جواہر ریزے اُمت کے سامنے رکھتے ہیں۔

پھر اس کتاب پر حواشی تقریباً بخاری و مسلم کے بعد سب سے زیادہ لکھے گئے ہیں۔ بعض شارحین نے تو صرف اس لئے مشکوٰۃ کو اختیار کیا کہ اس میں وہ جامعیت ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا۔

مشکوٰۃ شریف کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ حلقے جو بظاہر اس کے مرتب اور مدون کے مسلک کے خلاف مسلک رکھتے ہیں اس کتاب کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور آج سے نہیں بلکہ جب سے یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی تھی اس کی خوبی کا یہی عالم رہا ہے۔

مشکوٰۃ کا کتاب الفتن کے نام سے جو حصّہ ہے وہ تو برابر اہل نظر کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتا رہا ہے اگر لوگوں نے خالص اس موضوع پر کچھ لکھا ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ مشکوٰۃ کی کتاب الفتن کو سامنے رکھ کر لکھا ہے چنانچہ اس باب میں کثرت کے ساتھ آثار صحابہ وتابعین منقول ہیں۔

عوامی یعنی عملی زندگی کے سلسلہ میں آپ دیکھیں گے کہ وہ باب نہایت تفصیلی ہیں جن کی ہمیشہ شبانہ روز ضرورت پیش آتی رہتی ہیں مثلاً دعا واستغفار، اعتصام بالکتاب والسنۃ اسماء اللہ اور اس قسم کے دوسرے ابواب۔

مشکوٰۃ شریف دراصل "مصابیح السنۃ" کی مکمل ومدون شکل ہے جس میں امام محی السنۃ، قامع البدعۃ ابو محمد حسن بن مسعود الفراء، البغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتب فقہ کے ابواب کی ترتیب پر اہم اور عظیم الشان احادیث کا ذخیرہ جمع کیا تھا۔

امام بغویؒ نے مصابیح کی ترتیب دو فصلوں پر قائم کی تھی۔ پہلی فصل میں انہوں نے شیخین یعنی بخاری ومسلم رحمہما اللہ کی روایت کردہ احادیث کو نقل کیا تھا اور دوسری فصل میں دیگر ائمہ ومحدّثین مثلاً امام ابوداؤدؒ وامام ترمذیؒ سے مروی احادیث کو جمع کیا تھا۔ نیز انہوں نے صرف احادیث کے نقل پر اکتفا کیا، نہ تو کتاب کے حوالے دیئے تھے اور نہ راوی کے نام ذکر کیئے۔

لہٰذا آٹھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم اور رفیع المرتبت محدّث ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزیؒ نے اس کتاب کو از سر نو ترتیب وتدوین کے لئے اختیار کیا۔

آپ نے سب سے پہلے تو اس کتاب میں ایک تیسری فصل کا اضافہ کیا اور اس میں نہ صرف یہ کہ دوسرے ائمہ اور محدّثین کی احادیث کو نقل کیا بلکہ خود شیخین یعنی بخاریؒ ومسلمؒ کی ان احادیث کا بھی اضافہ فرمایا جنہیں اصل کتاب مصابیح میں امام محی السنۃؒ نے چھوڑ دیا تھا۔

دوسرے آپ نے ہر حدیث کے بعد اس کتاب یا محدّث کا حوالہ دیا جن سے وہ حدیث نقل کی گئی تھی۔

تیسرے حدیث سے پہلے راوی کا نام ذکر کیا جن سے وہ حدیث روایت کی گئی تھی۔

اس طرح کتاب کی اہمیت زمین سے آسمان پر پہنچ گئی۔

مشکوٰۃ شریف کو جو عظمت ورفعت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس وقت سے یہ معرض وجود میں آئی ہے جب سے اور آج تک عربی مدارس، اسلامی درس گاہیں اپنے نصاب درس میں اس کو شامل کرنا ضروری سمجھتی رہی ہیں چنانچہ آج بھی تمام عربی مدارس میں یہ کتاب صحاح ستہ سے مقدم کر کے پڑھائی جاتی ہے۔

اصل کتاب "مصابیح السنۃ" میں چار ہزار چار سو چونتیس (۴۴۳۴) حدیثیں نقل کی گئی تھیں۔ بعد میں علامہ خطیب تبریزیؒ نے جن احادیث کا اضافہ کیا ہے ان کی تعداد ایک ہزار پانچ سو گیارہ (۱۵۱۱) ہے اس طرح مشکوٰۃ شریف کی تمام احادیث کی تعداد ۵۹۴۵ ہوئی۔
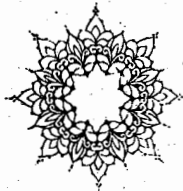
صاحب مظاہر حق اور ان کا سلسلۂ تلمذ

"خاندان ولی اللّٰہی" اسلامیان ہند کی علمی تاریخ کا وہ تابناک باب ہے جس کی شعاعوں نے صحیح معنوں میں سب سے پہلے ہندوستان کی سرزمین پر "علم حدیث" کی جوت جگائی اور جس کے افراد آسمان علم و معرفت پر آفتاب و مہتاب بن کر چمکے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ جن کی ذات گرامی ہندوستان کے محدّثین کے لئے مدار سند ہے اور آپ کے قابل صد فخر صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ نے "خاندان ولی اللہ" کی علمی عظمت کو چار چاند لگائے۔ اور حضرت شاہ اسحٰقؒ جو شاہ عبدالعزیزؒ کی مسند درس کے صدر نشین اور ان کے جانشین قرار پائے۔ اس عظیم خاندان کی وہ ہستیاں ہیں جن کے تذکرے ہندوستان میں "خدمت حدیث" کے ہر سلسلہ کا جلی عنوان بنتے ہیں۔ نیز "مظاہر حق" کے مؤلف مولانا نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کا سلسلۂ تلمذ بھی یہی ہے۔ اس مناسبت سے ان عظیم ہستیوں کے مختصر احوال پیش کئے جا رہے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۴، شوال ۱۱۱۴ھ چہار شنبہ کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم حضرت شیخ عبدالرحیمؒ نے جو اپنے وقت کے ایک جلیل القدر عالم اور زبردست صوفی تھے، آپ کی تربیت اپنے مخصوص انداز میں فرمائی۔ سب سے پہلے آپ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل کیے گئے جہاں آپ نے قرآن شریف کی تعلیم شروع کی۔ چونکہ آپ فطری طور پر علم سے دلچسپی رکھتے تھے اور روز ازل سے آپ کے فطری جوہر ربانی قابلیتوں سے آراستہ و درخشاں ہو چکے تھے اس لئے آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کر لیا۔ ادھر والد محترم کی مخصوص تربیت نے یہ جوہر دکھایا کہ آپ نے اس چھوٹی سی عمر میں آداب اخلاق کی منزلیں طے کر لیں جہاں تک بڑی بڑی عمریں بھی نہیں پہنچتیں، رہن، سہن، نشست و برخاست اور گفتگو کے آداب و طریقے کم سنی ہی کی حالت میں حاصل ہو گئے تھے۔ آپ کا عام قاعدہ تھا کہ اس عمر میں بھی جب کسی بڑے سے بات کرتے خواہ وہ کسی مرتبہ و درجہ کا آدمی کیوں نہ ہوتا احساس ادب سے نگاہیں نیچے جھکی ہوئی ہوتیں۔ سوالات کا جواب نہایت باوقار اور متین لہجہ میں دیتے۔ دوستوں اور ساتھیوں سے بھی گفتگو تہذیب و شائستگی کے حدود سے تجاوز نہ کرتی تھی۔

عمر کی ساتویں منزل میں پہنچے تو فارسی کی درسی کتابیں شروع کرائی گئیں اور چند ہی روز میں تمام کتابیں ختم کر ڈالیں، ایک سال کے قلیل عرصہ میں فارسی کے علوم میں رسوخ حاصل کر لیا۔ فارسی کی درسی کتب سے فراغت کے بعد صرف و نحو کی ابتدائی کتابوں پر عبور حاصل کیا دس سال کی عمر میں آپ شرح ملا پڑھنے لگے تھے۔

آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ دس سال کی عمر میں آپ صرف و نحو کے علوم پر اس طرح حاوی ہو گئے تھے کہ بڑے بڑے صرفی اور نحوی جو اپنے علم و فضل کی بناء پر عظمت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے آپ سے ان فنون کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ اس کے بعد معقولات کی کتابیں شروع کیں۔ یہاں پہلے ہی طبیعت خداداد پائی تھی۔ چنانچہ جودت ذہن اور ذکاوت طبع نے اس مرحلہ کو بھی تھوڑے ہی عرصہ میں طے کرا دیا۔

چودہ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہو گئی لیکن اس کے باوجود تحصیل علم کا سلسلہ اسی شغف سے جاری رہا۔ چنانچہ شادی ہی کے سال آپ نے تفسیر بیضاوی اپنے والد محترم سے پڑھی اور اس کے ساتھ ان علوم میں بھی کامل دستگاہ حاصل کی جو ان دنوں ہندوستان میں مقبول اور علماء دہلی کے زیر درس تھے اسی سال والد بزرگوار سے بیعت بھی ہو گئے اور مشائخ نقشبندیہ کے سلسلۂ وظائف میں مشغول

ہوئے۔ علم تصوف پر آپ نے باقاعدہ تحقیق کی اور اس میں بھی مہارت تامہ کے بعد وہ رموز ونکات اور حکمات پیدا کیں کہ بڑے بڑے مشائخ، صلحاء، اور علماء اس کمسن صوفی کے سامنے اپنی جبین عقیدت جھکانے لگے۔
جب چودہ سال کی عمر میں تمام علوم متعارفہ و متداولہ سے فراغت حاصل کرلی۔ ادھر سلوک و طریقت کی منزلوں کے بھی مراحل طے کرلئے تو والد بزرگوار حضرت شیخ عبدالرحیمؒ نے ایک دعوت عام کی جس میں اہل شہر اور بڑے بڑے علماء فضلاء اور قضاۃ بطور خاص مدعو کئے گئے اور اسی دعوت میں والد بزرگوار نے اپنے اس ہونہار اور لائق بیٹے کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور درس کی عام اجازت مرحمت فرمائی۔
والد محترمؒ کے انتقال کے بعد آپ ان کی مسند درس کے صدر نشین قرار پائے اور دینیات و معقولات کی کتب کا درس دینا شروع کیا تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے درس کا شہرہ ہوگیا اور دور دور سے طالبان علم آپ کے پاس آکر علم کی دولت سے اپنا دامن بھرنے لگے۔
ہندوستان میں علم حدیث کی بنیاد اگرچہ شیخ عبدالحق دہلویؒ نے ڈالی اور اسی لئے مؤرخین اولیت کا سہرا بھی انہیں کے سر باندھتے ہیں مگر برصغیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کا اصل سہرا خاندان ولی اللہ کے سر ہے اگر ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور اس وقت کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت پورے ہندوستان پر جہالت و ضلالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے علم نبوی کو بالکل ترک کردیا تھا یہاں تک کہ اسلام بھی ان میں برائے نام باقی رہ گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اس ماحول میں حدیث و قرآن کے علوم کی ترویج کی تا بحد انتہا جدوجہد کی۔ لیکن حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ شیخؒ اس خرابی و تاریکی کو دور نہ کرسکے جو صدیوں سے مسلمانوں کے دلوں میں جم گئی تھی اور انجام کار وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ لیکن چونکہ ہندوستان کی سرزمین کو علم حدیث کی مقدس شعاعوں سے منور ہونا تھا اس لئے ان کے انتقال کے بعد خدا نے اس عمارت کا معمار ایک اور کھڑا کردیا جس کی بنیاد حضرت شیخ عبدالحقؒ نے ڈالی تھی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ کے والد محترم حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے پرانی دہلی میں اس مقام پر جو آج کل "مہندیوں" کے نام سے مشہور ہے ایک مدرسہ کی بنیاد "مدرسہ رحیمیہ" کے نام سے ڈالی جس میں علم حدیث کی باضابطہ تعلیم شروع ہوئی۔ طلبہ اچھی خاصی تعداد میں حدیث پڑھنے کے لئے آنے لگے۔ اور لوگوں میں علم حدیث سے کافی دلچسپی بھی پیدا ہوگئی مگر حضرت شاہ عبدالرحیم نے "حدیث" کو پھیلانے کی جتنی زیادہ سعی و کوشش کی اتنی کامیابی ان کو نصیب نہیں ہوئی۔
آخر کار شاہ ولی اللہؒ نے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں جس کی بنیاد خود ان کے والد ماجد شیخ عبدالرحیمؒ ڈال گئے تھے، طلبہ کو درس دینا شروع کیا اور بارہ سال تک پورے انہماک اور ذوق و شوق کے ساتھ علم نبوی کے چشمۂ فیوض سے نہ صرف یہ کہ ہندوستان بلکہ عرب و عجم کے طلبہ کو سیراب فرمایا۔
اگرچہ بارہ سال کے اس طویل عرصہ میں آپ کا علمی کمال عروج کو پہنچ چکا تھا اور دینی و عقلی علوم میں حیرتناک حد تک ملکہ پیدا ہوگیا تھا جس کے سامنے وقت کے بڑے بڑے علماء عقیدت سے سر جھکاتے تھے لیکن علم کی جویا طبیعت نے بس نہیں کی اور علم حدیث کی مزید تحصیل کے لئے دیار مقدس کے لئے رخت سفر باندھا اور مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوگئے۔
۱۱۴۳ھ میں آپ حرمین شریفین کی زیارت سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد کامل ایک سال تک حرم محترم اور حرم نبوی کی مجاورت کر کے روحانی فیوض و برکات حاصل کرتے رہے اور پھر تحصیل علم کے لئے علماء و صلحاء کی طرف متوجہ ہوئے، سب سے پہلے آپ شیخ محمد وفداللہ ابن شیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے وقت کے جلیل القدر محدث اور حرمین میں استاذ العلماء مانے جاتے تھے۔ استاذ نے بڑی عزت و احترام کے ساتھ خوش آمدید کہا اور شیخ صاحبؒ نے مؤطا یحییٰ بن یحییٰ پوری سنا کر اس کی اور شیخ محمد بن محمد ابن سلیمان کی تمام روایت کی اجازت حاصل کی۔
اس کے بعد آپ شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ، فصاحت و بلاغت

جیسی صفات کی بنا پر اہل عرب میں بڑی عظمت کے مالک مانے جاتے تھے اور علم حدیث میں اپنا امتیازی مقام رکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان سے نہ صرف یہ کہ علم حدیث حاصل کیا اور علمی مذاکرے کر کے مزید اکتساب فیض کیا بلکہ تصوف و سلوک کے اعلیٰ منازل بھی طے کئے۔ چنانچہ وہاں سے فراغت کے بعد جب آپ رخصت ہونے لگے تو استادؒ نے احادیث کی اجازت دی اور خرقہ خلافت اپنے ہاتھ سے پہنا کر پر نم آنکھوں سے گرانقدر نصائح کے ساتھ رخصت کیا۔

اسی سلسلہ میں آپ شیخ تاج الدین قلعی حنفی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بخاری شریف کے علاوہ احادیث کی دیگر موثوق بہا کتب کی بھی اجازت لی۔

حرمین کے جلیل القدر محدّثین اور علماء کے فیوض روحانی سے بہرہ ور ہو کر ان کے چشمۂ علم سے پوری طرح فیض یاب ہو کر آپ ۱۱۴۴ھ میں دوبارہ حج کی نعمت سے مشرف ہوئے۔ اور ۱۱۴۵ھ کے ابتدا میں وطن کی مراجعت فرما ہوئے اور ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ یوم جمعہ کو دہلی رونق افروز ہوئے۔

حرمین سے واپسی کے بعد آپ کے درس حدیث نے ایک نئی شکل اختیار کر لی یا یوں کہا جائے کہ علم حدیث کی جس روشنی سے آپ کا قلب و دماغ پوری تابانی کے ساتھ منور ہو چکا تھا اس کی شعاعیں دہلی کے مدرسہ رحیمیہ سے پھوٹ پھوٹ کر اطراف عالم کو منور کرنے لگیں۔ اس طرح شاہ صاحب نے پوری شان و شوکت اور عزت و عظمت کے ساتھ حدیث کے مسند درس پر بیٹھ کر حدیث نبوی کے علوم و معارف کو پورے ہندوستان میں پھیلایا اور باقاعدہ اس کی اشاعت کی جس کی تنویریں آج تک ہندوستان کو پر نور بنا رہی ہیں۔

کل نفس ذائقة الموت کے تحت جب آپ کا بھی پیمانۂ حیات لبریز ہو گیا تو بعمر ۶۳ سال ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی اور دہلی میں سپرد خاک کئے گئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے چار مشہور اور جلیل القدر صاحبزادے تھے شاہ عبدالعزیزؒ شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالغنیؒ۔ اگرچہ یہ چاروں حضرات علم و فضل، فہم و فراست، قوت تقریر، نصاحت تقریر، تقویٰ و تقدس، امانت و دیانت میں یکتا اور لاثانی سمجھے جاتے ہیں لیکن ان سب میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ عظمت و منزلت اور علم و فضل کے لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں۔ اور یہی وہ ذات گرامی ہے جس نے اپنے خاندان کو تمام علمی دنیا میں روشناس کرایا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اس عظیم خاندان میں شاہ عبدالعزیز کا وجود نہ ہوتا تو یہ خاندان گمنامی کے دائرہ سے نکل کر عزت و عظمت اور شہرت و ناموری کے اس مرتبہ کو کبھی نہیں پہنچ سکتا تھا اور جو تاریخی شہرت آج اسے حاصل ہے کبھی حاصل نہ ہوتی۔

آپ کی مبارک پیدائش ۱۱۵۹ھ میں ہوئی اور شاہ ولی اللہ جیسے عظیم باپ اور مقدس ہستی کے زیر سایہ نشو و نما کے ابتدائی مراحل طے ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل کئے گئے اور قرآن شریف کی تعلیم شروع ہوئی چونکہ آپ نہ صرف نسبی طور پر بلکہ فطری طور پر نہایت ذہین، سلیم الطبع، خوش فہم اور بے حد طباع تھے اس لئے بہت ہی کم سنی میں قرآن کریم کی تعلیم پوری کر لی۔ قرآن کی تعلیم کے بعد فارسی کی ابتدائی تعلیم مکمل کی اور اس کے بعد دو تین سال کے مختصر عرصہ میں صرف و نحو کی کتابیں ختم کر ڈالیں۔ اس کے بعد آپ کی باقاعدہ تعلیم شاہ ولی اللہ کے ایک قابل خلیفہ کے زیر نگرانی شروع ہوئی۔ تقریباً دو سال کے عرصہ میں آپ نے عربی کے مختلف فنون میں حیرت انگیز ترقی اور کامیابی حاصل کر لی۔

تیرہ سال کی عمر میں آپ معمولی درسی تعلیم کے علاوہ صرف و نحو، فقہ، اصول، منطق، کلام، عقائد، ہندسہ، ہیئت، ریاضی جیسے عظیم الشان فنون سے فراغت حاصل کر چکے تھے۔ ان علوم سے فراغت کے بعد آپ اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہو

گئے اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ دو سال کے عرصہ میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تمام حدیث کی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھ لیں، آپ کی عمر مشکل سے پندرہ سال کی ہوگی کہ تمام علوم و فنون کی تکمیل کر ڈالی۔

چونکہ آپ کے خاندان میں علوم نقلیہ کے علاوہ علوم عقلیہ کا بھی رواج تھا اور شاہ ولی اللہؒ کی درس گاہ میں جہاں حدیث و تفسیر کے علوم پورے شغف و انہماک سے پڑھائے جاتے تھے وہاں منطق، ریاضی کی تعلیم بھی اعلیٰ پیمانہ پر دی جاتی تھی اس لئے شاہ عبدالعزیزؒ اس چھوٹی سی عمر میں ایک لائق ریاضی دان اور قابل منطقی بھی بن گئے تھے اور تاریخ و جغرافیہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔

شاہ عبدالعزیزؒ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل اور باطنی کمالات کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ دارالبقاء کو سدھار گئے۔ شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ان کی مسند درس کے جانشین شاہ عبدالعزیز صاحبؒ قرار پائے۔ گو شاہ ولی اللہؒ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر صرف سترہ برس تھی لیکن آپ علمی تبحر، علمی کمالات اور باطنی رسوخ کی بناء پر بڑے بڑے علماء آپ کے در دولت کی جبیں سائی کیا کرتے تھے اور کثرت سے طلبہ اطراف عالم سے آکر آپ کے چشمۂ علوم سے اپنی علمی تشنگی کی سیرابی کیا کرتے تھے۔

آپ کے بارہ میں صاحب اتحاف النبلاء کی شہادت ہے کہ در حقیقت علم حدیث کا بیج ہندوستان کی بنجر اور سخت زمین میں آپ کے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بویا اور آپ نے اس کی اپنے خون جگر سے آبیاری کر کے اسے نہایت خوشنما اور نونہال پودا بنا دیا جو چند دنوں میں سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگا اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں دور دور کے لوگ اس کے پھول و پھل سے دامن لبریز کر کے جانے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنے دوسرے علمی کمالات کے علاوہ فن خطابت میں خداداد ملکہ رکھتے تھے، آپ کی سحر آمیز خطابت موافق و مخالف دونوں کے قلوب کو مسخر کر لیا کرتی تھی، اس کے ساتھ ہی آپ کا حافظہ گویا لوح تقدیر کا انمٹ نسخہ تھا کہ جو کتاب پڑھ لی یا جو بات سن لی، جوں کی توں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔

بہر حال آپ کی ذات والاصفات خاندان ولی اللہ کے معدن علم کا وہ گوہر آبدار تھی جس کی تنویریں آج تک اسلامیان ہند کے قلوب کو ضیا پاش کر رہی ہیں اور اس کے ساتھ ہی آپ کی بیش بہا تصانیف علم و فضل کے ان گرانبہا موتیوں سے مزین ہیں جن کی آب و تاب تمام عالم کی نظروں کو خیرہ کر رہی ہیں۔

علم و فضل، زہد و تقویٰ، شان و شوکت، عزت و عظمت سے بھرپور آپ کی زندگی نے اپنے ایام حیات بڑی شان سے پورے کئے اور سات شوال ۱۲۴۸ھ یوم یکشنبہ کو صبح کے وقت اپنی شاندار علمی تاریخ کے ساتھ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ آپ کے تین صاحبزادیاں تھیں، دوسری صاحبزادی کا عقد شیخ محمد افضل صاحبؒ سے ہوا تھا ان ہی کے بطن سے حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب پیدا ہوئے۔

مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ کی تاریخ ولادت ۶ ذی الحجہ ۱۱۹۷ھ ہے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے چونکہ کوئی لڑکا نہیں تھا اس لئے آپ کی تمام تر توجہات مولانا محمد اسحٰقؒ پر صرف ہوتی تھیں اور ان کی تربیت بھی آپ نے اپنے اسی انداز سے کی جس طرح خاندان ولی اللہ کے دوسرے افراد کی کی گئی۔

آپ ابتدائی تعلیم کے بعد علم حدیث کی تعلیم کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے، تعلیم سے مکمل فراغت کے بعد مسند درس کو اپنی تمکین سے اعزاز بخشا اور مسلسل بیس برس تک شاہ صاحبؒ کے سامنے ہی جدید ذہن و فکر کے حامل طلبہ کو حدیث

کا درس اپنے مخصوص انداز میں دیتے رہے۔

سُنّت نبوی کا اتباع اور رسول اللہ ﷺ سے کمال محبّت آپ کی زندگی کا مابہ الامتیاز مقام تھا۔ چنانچہ آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ آپ سے نادانستہ بھی کبھی خلاف سُنّت کاموں کا صدور نہیں ہوا کرتا تھا، چونکہ فیاضی قدرت نے حسن سیرت کے علاوہ حسن صورت کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا اس لئے چہرہ کی شگفتگی آپ کی نجابت اور شرافت کی غمازی کیا کرتی تھیں۔ اور آپ کا چہرہ دیکھ کر لوگوں کو یقین ہوا کرتا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی صحبت کا فیض جن مقدس ہستیوں نے پایا ہے وہ یقیناً اسی صورت و سیرت کے ہوں گے۔

جب حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے سفر آخرت قبول فرمایا تو مخلوق خدا نے خاندان ولی اللہی کی سیادت کا عمامہ آپ کے سر پر رکھا اور شاہ صاحبؒ کے جانشین قرار دیے گئے۔ تمام معتقدین اور شاگردوں نے آپ کی طرف رجوع کیا اور آپ کے چشمۂ علوم سے اکتساب فیض کرنے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے جانشین ہونے کی وجہ سے آپ کو وہی عزّت و عظمت حاصل ہوئی جو اس عظیم خاندان کے دوسرے پیشواؤں کو حاصل تھی لیکن اس شان و شوکت، ثروت و رفعت اور جاہ و جلال کی موجودگی کے باوجود محض خدائے تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضاجوئی کے لئے آپ نے دیارِ مقدس کی طرف سفر ہجرت کا ارادہ فرمایا اور مع اہل و عیال حجاز تشریف لے گئے وہاں آپ نے فرائض حج ادا کئے مگر کچھ دنوں کے بعد ہندوستان تشریف لے آئے۔

یہاں پہنچتے ہی مخلوق خدا نے گھیر لیا اور آپ اپنے وعظ و نصائح کے ذریعہ ان کی روحانی تربیت فرماتے رہے لیکن جب ہندوستان کی پوری فضا پر رسوم و بدعات اور ضلالت و گمراہی کی تاریکی چھا گئی اور اسلامی شعار بے دینی و بدکرداری کی بھینٹ چڑھنے لگے تو آپ بالکل ہی دل برداشتہ ہو گئے اور یہاں سے ہجرت کا مصمم ارادہ فرمایا۔ گو شہر کے تمام باشندے اور خود سلطان وقت نے بہ منت و سماجت کوشش کی کہ آپ ہندوستان سے تشریف نہ لے جائیں مگر آپ نہ مانے اور تمام اہل و عیال اور لواحقین کے پورے قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار فرمائی اور وہیں ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرمایا۔

مظاہر حق کے مؤلف حضرت علّامہ نواب محمد قطب الدین خاں دہلوی رحمہ اللہ

آپ دہلی کے ایک صاحب حیثیت اور باوجاہت خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے اجداد ہمیشہ سے بارگاہ سلطان کے مقرب رہے اور اپنی خدمات جلیلہ کے صلہ میں بڑے بڑے مناصب اور عہدے حاصل کئے۔ مولانا بھی دربار دہلی میں بڑی عزّت و عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور بادشاہ وقت کی نظروں میں آپ کی بڑی وقعت تھی۔

آپ کی پیدائش ۱۲۱۹ھ کی ہے ابتدائی تربیت کے بعد حصول علم کے لئے حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰقؒ محدّث دہلوی کی خدمت میں دئے گئے اور ان سے اکتساب فیض کیا اور علم حدیث میں کمال حاصل کیا، ان کے علاوہ حرمین شریفین کے علماء کے چشمہ علوم سے بھی مستفیض ہوئے۔

شریعت کا اتباع آپ کی زندگی کا امتیازی مقام تھا وضع قطع میں اپنے استاد کے سچے پیرو تھے اور ان سے اتنے مشابہ کہ جس نے حضرت مولانا اسحٰقؒ کو نہیں دیکھا تھا آپ کو دیکھ کر سکون حاصل کرتا تھا۔ علم و فضل کے اعلیٰ مرتبہ پر ہونے کے علاوہ تواضع و انکسار، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور اخلاق و علم کے اعلیٰ اوصاف کے حامل تھے۔

آپ کی علمی زندگی کا سب سے شاندار کارنامہ مشکوٰۃ شریف کا اردو ترجمہ اور شرح "مظاہر حق" ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے جو آپ کے علم و فضل کی شاہکار ہیں۔ آخر میں آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں ۱۲۸۹ھ میں وفات پائی۔

صاحب مصابیح السنۃ

امام محی السنۃ قامع البدعۃ حضرت ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بغشور کے رہنے والے تھے جو خراسان میں ہرات و مرد کے درمیان ایک گاؤں ہے اسی بنا پر آپ بغوی کی نسبت سے مشہور ہیں امام محی السنۃ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے ایک جلیل القدر عالم، فقید المثال محدث اور رفیع الشان مفسر تھے، فقہ، حدیث اور تفسیر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اسی بنا پر اس وقت کے تمام محدثین و مفسرین اور علماء آپ کو اپنا پیشوا اور امام سمجھتے تھے۔ نیز اس وقت "مفتیِ اعظم" کے عظیم منصب پر بھی آپ ہی فائز تھے۔

ان علوم کے علاوہ فن قرأت میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے اور ایک باکمال و صاحب فن مجود و قاری تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ کے علم و فضل کے اس عظیم منصب پر فائز ہونے کے باوجود اور اپنے تمام تر دینی و دنیاوی جاہ و جلال کے باوصف، مزاج میں انتہا درجہ کی سادگی بے تکلفی اور انکسار رکھتے تھے۔

زہد و تقویٰ کے اعلیٰ مراتب کے حامل تھے۔ قلب میں خشیت الٰہی اور خوف آخرت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ عشق نبوی سے زندگی کا ہر گوشہ منور تھا۔ دنیا کے عیش و راحت سے کوسوں دور رہتے تھے۔ حالانکہ دنیاوی طور پر بھی جاہ و حشمت کا جو مقام آپ کو حاصل تھا اس کی بنا پر اگر آپ چاہتے تو دنیا کی تمام نعمتیں اور راحتیں آپ کے قدموں میں ہوتیں لیکن زہد و استغناء کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ہمیشہ خشک روٹی کھا کر زندگی کے ایام پورے کئے، آپ کے کمال زہد و استغناء کی اس کیفیت کو دیکھ کر جب شاگردوں نے عرض کیا کہ آپ خشک روٹی کھاتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے آپ کے قلب و دماغ اور اعصاب پر ضعف کا غلبہ ہو جائے اور دین و اسلام کی جو خدمت آپ انجام دے رہے ہیں اس میں عدم قوت اور ضعف کی وجہ سے اضمحلال پیدا ہو جائے تو اس کے بعد آپ نے صرف اتنی تبدیلی کی کہ خشک روٹی روغن زیتون سے لگا کر کھا لیا کرتے تھے۔

"محی السنۃ" کا عظیم لقب آپ کو براہ راست بارگاہ رسالت سے ملا تھا۔ مؤرخین و محدثین لکھتے ہیں کہ آپ جب اپنی مشہور کتاب "شرح السنۃ" کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو ایک روز خواب میں سرکار دو عالم نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت حضور ﷺ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ دعائیہ جملہ ارشاد فرمایا "جس طرح تم نے میری سُنّت کو اپنی تصنیف کے ذریعہ زندہ کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ رکھے"۔ جب ہی سے آپ "محی السنۃ" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

آپ کی زندگی کا سب سے مشہور کارنامہ آپ کی مشہور تصنیف "مصابیح السنۃ" ہے جو مشکوۃ شریف کی بنیاد اور متن ہے۔ آپ نے صحاح ستہ اور دیگر مستند و معتبر کتابوں سے احادیث کے اس ذخیرہ کو جمع کر کے کتب فقہ کے ابواب پر مرتب فرمایا، آپ کی دوسری عظیم تصنیف تفسیر معالم التنزیل ہے جو قرآن کی تفاسیر میں ایک وقیع درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی وفات ۵۱۶ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔
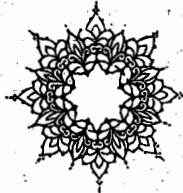
صاحبِ مشکوٰۃ المصابیح

علامہ ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزیؒ

آپ کا نام نامی "محمد" ہے۔ بعض حضرات نے "محمود" لکھا ہے لیکن زیادہ صحیح اور مشہور "محمد" ہی ہے، کنیت ابو عبداللہ اور لقب "ولی الدین" ہے۔ والد ماجد کا نام عبداللہ ہے۔ نسباً "عمری" ہیں اور "خطیب تبریزی" سے مشہور ہیں۔

آپ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم، بلند پایہ محدث، فصاحت وبلاغت کے امام، زہد وتقویٰ سے متصف اور اعلیٰ اخلاق وعادات کے حامل تھے۔ اپنے زمانہ کے یگانۂ روزگار شیوخ اور اساتذہ سے اکتساب علم کیا اور جن بے شمار لائق وفائق تلامذہ کو اپنے علم وعرفان سے مستفید کیا ان میں مبارک شاہ ساوی ؒ سرفہرست ہیں۔

آپ کے علم وفضل کا سب سے بڑا شاہکار "مشکوٰۃ المصابیح" ہے جو مشکوٰۃ کے نام سے مشہور ہے اور حدیث کی بنیادی کتاب مانی جاتی ہے۔ آپ کی اس عظیم کتاب کو دنیائے اسلام میں اعتبار وقبولیت کا جو مقام نصیب ہوا اس کا ایک اندازہ مشکوٰۃ کے تراجم، شروح اور حواشی کی اس طویل فہرست سے لگایا جاسکتا ہے: مثلاً ① الکاشف عن حقائق السنن "از علامہ حسن بن محمد الطیبیؒ"۔ ② "شرح مشکوٰۃ" از ابوالحسن علی بن محمد علم الدین بخاریؒ۔ ③ "منہاج المشکوٰۃ" از شیخ عبدالعزیز ابہریؒ۔ ④ "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" از شیخ نورالدین علی بن سلطان محمد ہروی معروف بہ ملا علی قاریؒ۔ ⑤ "شرح مشکوٰۃ" از شیخ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن جو ہیثمیؒ۔ ⑥ "حاشیہ مشکوٰۃ" از سید شریف علی بن محمد جرجانیؒ۔ ⑦ "حاشیہ مشکوٰۃ" از شیخ محمد سعید بن المجدد الف ثانیؒ۔ ⑧ "ہدایۃ الرواۃ الی تخریج المصابیح والمشکوٰۃ" از شیخ ابوالفضل احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانیؒ۔ ⑨ "لمعات التنقیح" (عربی) اور ⑩ "اشعۃ اللمعات" (فارسی) از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ⑪ "التعلیق الصبیح" از مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ ⑫ "مرعاۃ المفاتیح" از مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری۔ ⑬ "ازیقۃ النجاۃ شرح مشکوٰۃ" از شیخ عبدالنبی عماد الدین محمد شطاریؒ۔ ⑭ "زنیۃ النکاۃ فی شرح المشکوٰۃ" از سید محمد ابوالمجد محبوب عالم احمد آبادی۔ ⑮ "مظاہر حق" (اردو) از علامہ نواب محمد قطب الدین خاں دہلویؒ۔ ⑯ "ترجمہ مشکوٰۃ" (جلد اول) از مولانا کرامت علی جونپوریؒ۔

صاحب مشکوٰۃ خطیب تبریزی کا سال وفات تحقیق سے معلوم نہ ہوسکا۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ آپ کی وفات ۷۳۷ھ کے بعد ہوئی ہے کیونکہ بروز جمعہ ماہ رمضان ۷۳۷ھ اس کتاب کی تألیف سے فراغت ہوئی۔ لہٰذا اس کے بعد ہی کسی سال آپ کی وفات ہوئی ہوگی۔ بعض حضرات نے اندازہ سے ۷۴۸ھ سال وفات ذکر کیا ہے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ۷۴۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔
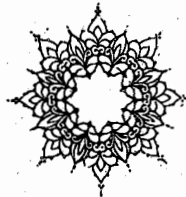
ائمۂ حدیث

مشکوٰۃ شریف میں جن ائمۂ حدیث کی کتابوں کی منتخب احادیث جمع کی گئی ہیں وہ خصوصیت سے تیرہ ہیں۔ یعنی: امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ترمذیؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ، امام دارمیؒ، امام دار قطنیؒ، امام بیہقیؒ، امام رزین ابن معاویہؒ، ان کے علاوہ امام نوویؒ اور امام ابن جوزیؒ کا ذکر بھی اس فہرست میں آتا ہے۔ ان تمام ائمہ حدیث کے احوال مختصر طور پر نقل کئے جا رہے ہیں۔

مصابیح السنۃ یا مشکوٰۃ شریف کی کسی حدیث کی روایت یا نقل کا کوئی تعلق اگرچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے نہیں ہے اور اس لئے مذکورہ بالا فہرست میں ان کا نام شامل نہیں ہے لیکن ائمہ دین اور محدثین عظام کے ذکر جمیل کا کوئی بھی سلسلہ ہمارے نزدیک اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا تذکرہ اس میں شامل نہ ہو اس لئے ائمۂ حدیث کی اس فہرست کے آخر میں ان کا اجمالی تذکرہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاریؒ کا اصل نام محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ ہے اور باختلاف روایت ۱۳ یا ۱۶ شوال ۱۹۴ھ جمعہ کے روز بعد نماز عصر پیدا ہوئے۔ آپ جعفی قوم سے مشہور ہیں کیونکہ آپ کے پردادا مغیرہ جن بزرگ کے ہاتھ پر اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے تھے وہ جعفی قوم میں سے تھے اور ان کا نام یمان جعفی تھا، یمان جعفی اس زمانہ میں بخارا کے سردار تھے اس لئے جو کوئی ان کے ہاتھ پر ایمان لاتا تھا انہی کی قوم کی طرف اپنا انتساب کرتا تھا اس لئے حضرت امام بخاریؒ بھی جعفی مشہور ہوئے۔

حضرت امام بخاریؒ کی بینائی بچپن ہی میں جاتی رہی تھی جس سے ان کی والدہ بہت زیادہ غمگین اور پریشان رہا کرتی تھیں۔ ایک دن اسی حالت حزن و ملال میں ان کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں "خوش ہو کہ خدا نے تیری آہ و زاری اور گریہ و بکار پر رحم کیا اور تیری دعا قبول ہوئی یعنی تیرے بیٹے کی بینائی واپس کر دی"۔ ان کی والدہ صبح اٹھیں تو ان کو اپنے لاڈلے کی آنکھیں روشن ملیں۔ دس برس کی عمر میں جب کہ آپ مکتب میں پڑھتے تھے اسی وقت سے یہ کیفیت تھی کہ جہاں حدیث سنتے اسے فوراً یاد کر لیتے۔ چنانچہ اسی وقت سے انہوں نے حدیثیں یاد کرنی شروع کر دی تھیں۔

جب مکتب کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ بخارا میں ایک محدث اور عالم داخلیؒ بہت شہرت رکھتے ہیں، امام بخاریؒ ان کے پاس جانے لگے، ان ہی دنوں داخلیؒ اپنی کتاب جو حدیث کے فن میں تھی اور جس میں حدیثیں لکھی ہوئی تھیں لوگوں کے سامنے پڑھا کرتے تھے ایک دن داخلیؒ لوگوں کے درمیان بیٹھے احادیث رسول اللہ ﷺ سنا رہے تھے اور حدیث کا بیان کرتے وقت جب انہوں نے سند شروع کی تو کہا: سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم فوراً امام بخاریؒ نے ٹوکا اور بولے کہ ابوزبیر، ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔ داخلیؒ اس نو عمر بچہ کی زبان سے یہ سن کر شش و پنج میں پڑ گئے پھر گھر میں گئے اور کتاب اٹھا کر لائے اور کہا کہ واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اب تم بتاؤ کہ یہ سند کس طرح ہے؟ امام بخاریؒ نے کہا کہ اصل اس طرح ہے، سفیان عن ابی الزبیر عن عدی عن ابراھیم داخلیؒ نے کتاب دیکھی اور کہا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو۔ یہ سند اسی طرح ہے۔ اس وقت حضرت امام بخاریؒ کی عمر صرف گیارہ برس کی تھی، داخلیؒ کی حیرت کی انتہا نہیں تھی کہ یہ چھوٹی سی عمر کا لڑکا کس قدر قوی الحافظہ اور ذہین ہے تاہم وہ خوش بھی بہت ہوئے اور امام بخاریؒ کی بہت تعریف و تحسین بھی کی۔

سولہ برس کی عمر میں ابن مبارک اور وکیع کی کتابیں یاد کر ڈالیں اور اپنی والدہ اور اپنے بھائی احمد کے ہمراہ حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت کے بعد والدہ اور بھائی تو واپس آ گئے لیکن آپ حصول حدیث کے سلسلہ میں حجاز ٹھہر گئے، اٹھارہ برس کی عمر میں آپ نے کتابیں تصنیف کرنی شروع کر دی تھیں۔ جب ہی آپ نے ایک کتاب صحابہؓ و تابعینؒ کے عظیم کارناموں اور واقعات اور ان کے اقوال و احوال پر مشتمل تصنیف کی جس کا نام کتاب التاریخ رکھا، آپ نے اس کتاب کا مسودہ تیار کیا پھر اس کو مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کے روضۂ مبارک کے قریب چاندنی راتوں میں صاف کیا۔

حامد بن اسمٰعیلؒ جو اپنے زمانہ کے رفیع المرتبت محدث تھے ان کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں امام بخاریؒ حدیث حاصل کرنے کے لئے اپنے اساتذہ کے پاس جایا کرتے تھے میں بھی ان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ امام بخاریؒ کا دستور تھا کہ وہ اپنے ہمراہ قلم دوات نہیں رکھتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ تم حدیث حاصل کرنے کے لئے اساتذہ کے پاس اس وقت ذوق و شوق سے جاتے ہو لیکن قلم دوات اپنے پاس نہیں رکھتے ہو تو اس سے فائدہ کیا ہوگا کیونکہ جب تک حدیثیں تم لکھو گے نہیں، یاد نہیں ہوں گی۔ اگر تم حدیثوں کو یاد رکھنا چاہتے ہو تو ان کو لکھنا چاہئے۔ حامد بن اسمٰعیل کا بیان ہے کہ سولہ روز کے بعد امام بخاریؒ نے مجھ سے کہا کہ اس عرصہ میں تم نے جتنی حدیثیں لکھ لی ہیں، سب میرے پاس لاؤ اور پھر اپنی لکھی ہوئی حدیثوں کا میرے ذہن میں محفوظ حدیثوں سے مقابلہ کرو۔ حامدؒ نے اس عرصہ پندرہ ہزار حدیثیں لکھ لی تھیں، بخاری نے وہ سب حدیثیں اپنے حافظے میں پڑھنی شروع کیں، حامد بن اسمٰعیلؒ کہتے ہیں: ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ امام بخاریؒ اپنی یاد کی ہوئی احادیث کو ہماری لکھی ہوئی حدیثوں سے درست کرتے لیکن ہوا یہ کہ ہم نے اپنی لکھی ہوئی حدیثیں ان کے حافظے اور یادداشت کی حدیثوں سے صحیح کیں۔ اور وہ پندرہ ہزار حدیثیں بغیر ایک لفظ کے فرق کے سنا گئے۔ حدیثیں سنانے کے بعد امام بخاریؒ فرمانے لگے کہ تم لوگ سمجھتے تھے کہ میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں اور خواہ مخواہ اتنی محنت کرتا ہوں۔ احمد بن اسمٰعیلؒ کہتے ہیں کہ مجھے اسی دن یقین ہو گیا تھا کہ یہ شیخ بہت ہونہار اور بافضیلت ہے اس کی برابری کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

"بخاری شریف" جو امام بخاریؒ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اور جو کتاب اللہ (قرآن شریف) کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب مانی گئی ہے اس کی تالیف کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن امام بخاریؒ اپنے استاد اسحٰق بن راہویہؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسحٰق بن راہویہؒ کے شاگردوں نے آپس میں کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کی توفیق دیدے کہ جس میں مختصر طریقہ پر حدیثیں جمع کر دی گئی ہوں اور حدیثیں باعتبار اپنی صحت و اعتماد کے اعلیٰ درجہ کی ہوں تو کیا ہی اچھا ہو۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ تمام صحیح اور معتبر و مستند حدیثیں ایک جگہ جمع ہو جائیں گی۔ دوسرے طالب حدیث بلا کسی شبہ اور کھٹک کے ان کو حاصل کر سکتا ہے۔ اور ان پر عمل کر سکتا ہے۔ نیز اسے کسی حدیث کے بارہ میں کسی عالم یا محدث سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟

مجلس تو برخاست ہو گئی، سب لوگ چلے گئے لیکن بخاریؒ کے دل میں خواہش مچلنے لگی اور انہوں نے اس اہم اور عظیم کام کو کرنے کا ارادہ کر لیا اور کتاب کی تصنیف شروع کر دی۔

اس وقت آپ کے پاس محفوظ احادیث کا سرمایہ تقریباً چھ لاکھ کی تعداد میں تھا چنانچہ ان میں سے ان احادیث کو جو باعتبار صحت و سند کے اعلیٰ درجہ کی تھیں، آپ نے اپنی کتاب میں جمع کیا اور جو احادیث آپ کے معیار صحت پر پوری نہ اتر سکیں ان کو ترک کر دیا۔ اس طرح ابن راہویہؒ کی مجلس میں امام بخاریؒ کے ساتھیوں کی مقدس خواہش کا نتیجہ "جامع بخاری" کی شکل میں معرض وجود میں آیا۔

حضرت امام بخاریؒ کا اس کتاب کی تالیف کے وقت یہ معمول تھا کہ آپ پہلے غسل کرتے پھر دو رکعت نفل پڑھتے پھر اس کے بعد ایک حدیث کو نقل کرتے۔ اس طرح بخاری شریف میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس کو نقل کرنے سے پہلے امام بخاریؒ نے غسل نہ کیا ہو اور دو رکعت نفل نماز نہ پڑھی ہو۔ سولہ سال کی مدت میں آپ اس عظیم تصنیف سے فارغ ہوئے۔ آپ کی زندگی میں تقریباً نوے ہزار لوگوں نے بلاواسطہ آپ سے حدیثیں حاصل کرنے کا شرف پایا۔

اس زمانہ میں بخارا کا حاکم خالد بن احمد ز علی تھا اس نے حضرت امام بخاریؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرے گھر تشریف لا کر میرے لڑکوں کو اپنی کتاب بخاری اور دیگر تصانیف مثلاً کتاب التاریخ وغیرہ پڑھایا کریں۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ یہ علم حدیث ہے۔ میں یہ چیز حدیث کی عظمت کے خلاف سمجھتا ہوں کہ تمہارے گھر حدیث پڑھانے آؤں۔ اگر تمہیں ایسا ہی شوق ہے تو اپنے لڑکوں کو میری مجلس میں بھیجا کرو تاکہ وہ دوسروں کی طرح وہاں بیٹھ کر حدیث کا درس حاصل کریں۔ حاکم بخارا کے لئے امام بخاریؒ کا یہ جواب تازیانہ سے کم نہیں تھا، تاہم اس نے کہلا بھیجا کہ میں اس پر تیار ہوں لیکن یہ خیال رہے کہ جس وقت میرے لڑکے آپ کے پاس حاضر ہوں اس وقت کوئی دوسرا آپ کے پاس نہ آسکے۔ بلکہ دروازہ پر باقاعدہ سنتری کا پہرہ ہو کہ وہ دوسروں کو اس وقت درس میں آنے سے روکے۔ یہ بات میرے لئے بالکل ناقابل برداشت ہے کہ جس مجلس میں میرے لڑکے ہوں، اسی مجلس میں عوام اور دوسرے کم حیثیت لوگ آکر ان کے برابر بیٹھیں۔ امام بخاریؒ نے حاکم مذکور کی یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا۔ اور یہ فرمایا کہ یہ علم پیغمبر ﷺ کی میراث ہے اس میں پوری اُمت برابر کی شریک ہے اس کو حاصل کرنے میں کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ حاکم بخارا امام بخاریؒ کا یہ جواب پاکر سخت مشتعل ہوا اور اس نے طے کر لیا کہ جس طرح بھی ہو اس "خود سر" عالم کو مزہ چکھا کر چھوڑنا ہے۔

ایسے علماء کی کسی زمانہ میں کمی نہیں رہی ہے جو دولت و جاہ اور شہرت حاصل کرنے کے لئے اپنے ضمیر کو حکومت وقت کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں اور محض اپنے ذاتی فائدہ اور نفسانی اغراض کی خاطر نہ صرف یہ کہ اپنی جبیں علم کو حکومت کی ذلیل چوکھٹ پر ٹیک دیتے ہیں بلکہ اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے دوسرے علماء حق کی پگڑیاں اچھالنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہی حال امام بخاریؒ کے ساتھ بھی ہوا۔ ایسے علماء جو بظاہر امام کے رفیق کار اور ہمدرد تھے لیکن سردار بخارا کی دولت کی جھنکار پر سب کچھ کرنے کے لئے تیار تھے اور ان کو سردار نے اپنے ساتھ لے کر امام بخاریؒ کے علم و فضل پر طعن و تشنیع شروع کی اور امام بخاریؒ کے مسلک اور اجتہاد پر تنقیدیں کرنے لگا آخر کار ان ہی علماء کی مدد سے ایک فہرست الزام تیار کی گئی جس کی بناء پر امام بخاریؒ کو بخارا سے شہر بدر کر دیا گیا۔

امام بخاری جس وقت شہر سے باہر ہو رہے تھے تو آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ "خداوندا! میں یہ معاملہ تیرے سپرد کرتا ہوں" چنانچہ ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہی سردار خالد بن احمد خلیفۂ وقت کے حکم سے معزول کر دیا گیا، نہ صرف یہ بلکہ خلیفہ کا حکم ہوا کہ اس کو گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں اس کو تشہیر کرو۔ چنانچہ اس کا انجام یہ ہوا۔

اسی طرح ایک عالم حریث بن ورقہ جو امام بخاریؒ کے خلاف سازش میں حاکم کا ساتھی تھا وہ بہت بری طرح ذلیل و خوار ہوا۔ ایک اور دوسرا عالم بھی اس سازش میں شریک تھا اس کا انجام بھی یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے قہر نے بشکل آفت و بلا اس کو اپنی گرفت میں لے لیا، اور اس کے تمام بچے مر گئے۔

امام بخاریؒ بخارا سے نکل کر نیشاپور پہنچے، آپ کی خودداری اور استغناء نے نیشاپور کے حاکم کو بھی ناراض کر دیا اس لئے نیشاپور بھی چھوڑنا پڑا اور آخر کار آپ نے سمرقند سے چھ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں خرتنگ میں اقامت اختیار کی، اسی جگہ آپ کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہو گیا۔ اور رمضان کی آخری تاریخ عید کی رات ۲۵۶ھ میں بعمر ۶۲ سال آپ واصل بحق ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کے اساتذہ کی تعداد کثیر ہے، بڑے اور جلیل القدر اساتذہ میں خصوصیت کے ساتھ اسحٰق بن راہویہؒ، علی بن مدینی، احمد بن حنبل، اور یحییٰ بن معین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسماء ذکر کئے جاتے ہیں۔

خطیب ابوبکر بغدادی نے اپنی مسند کے حوالے سے عبدالواحد طراوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا۔ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! آپ یہاں کس کے انتظار میں کھڑے ہیں؟ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم محمد بن اسمٰعیل کا انتظار کر رہے ہیں، عبدالواحد کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد امام بخاریؒ کے وصال کی خبر مجھے ملی اور جب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا

کہ عین اسی وقت امام بخاریؒ کا انتقال ہوا تھا جب کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں امام بخاریؒ کا منتظر پایا تھا۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اپنے ترجمہ میں اس خواب کو لکھتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ جس وقت امام بخاریؒ کو دفن کیا گیا تو ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور وہی خوشبو بہت عرصہ تک قبر مبارک کی مٹی سے آتی رہی۔

بہت سے حضرات نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے بخاری شریف کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے چنانچہ محمد بن احمد مروزی ایک روز رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان سو رہے تھے۔ خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں "اے ابوزید! تو کتاب شافعی کا درس کب تک دے گا، آخر میری کتاب کا درس کیوں نہیں دیتا" یہ ڈرے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ پر قربان! آپ کی کون سی کتاب ہے کہ جس کا درس مجھے دینا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "جامع محمد بن اسمٰعیل (یعنی بخاری شریف)" امام الحرمین سے بھی اسی قسم کا خواب نقل کیا جاتا ہے۔

امام بخاریؒ کی تصنیفات کئی ہیں ان میں سب سے عظیم اور جلیل القدر تصنیف تو صحیح بخاری شریف ہے جس کو تمام دنیائے اسلام میں شہرت دوام حاصل ہے دوسری کتاب التاریخ ہے۔ تیسری کتاب الادب ہے، چوتھی کتاب رفع یدین، اسی طرح اور بھی بہت سی کتابیں امام بخاریؒ کی تصنیف کی ہوئی ہیں جو آپ کے علم و فضل کا شاہکار ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی مسلم بن حجاج ہے اور کنیت ابوالحسین ہے، قشیری قوم سے ہیں اور نیشاپور آپ کا وطن ہے آپ ۲۰۴ھ یا ۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ بھی جلیل القدر محدث تھے اور فن حدیث کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، ابوحاتم رازی، ترمذی اور ابوبکر بن خزیمہ آپ کے مایۂ ناز شاگردوں میں ہیں۔ ابوحاتم رازی نے امام مسلمؒ کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے ان کے حالات دریافت کئے امام مسلمؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نواز رکھا ہے، مجھ پر جنّت کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور جنّت کی وسعتیں میرے لئے وقف ہیں جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔

ابو علی زاغنی نے امام مسلمؒ کی وفات کے بعد ایک معتبر اور متقی شخص کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہاری نجات کس چیز کی بنا پر ہوئی انہوں نے اپنے ہاتھ میں کچھ اوراق لے رکھے تھے اسے آگے کرتے ہوئے اور دکھاتے ہوئے کہا کہ اس چیز کی وجہ سے یہ صحیح مسلم شریف کے اجزاء تھے۔

کتاب تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دن امام مسلمؒ کی مجلس میں ایک حدیث کا ذکر ہوا لوگوں نے امام مسلمؒ سے اس حدیث کے بارہ میں دریافت کیا۔ امام مسلمؒ کو اس وقت وہ حدیث یاد نہیں تھی وہاں سے اٹھ کر مکان میں تشریف لائے۔ ایک ٹوکرا کھجوروں کا بھر کر اپنے پاس رکھ لیا اور حدیث تلاش کرنے لگے۔ اس میں سے آپ ایک ایک کھجور کھاتے رہے اور حدیث تلاش کرتے رہے آخر کار وہ حدیث مل گئی لیکن اس اثناء میں پورا ٹوکرا کھجوروں کا ختم کر گئے۔ تلاش حدیث میں اتنا مستغرق ہوئے کہ اس کا بھی دھیان نہ رہا کہ اتنی کھجوریں کہاں ہضم ہوں گی۔ آخر کار آپ کے انتقال کا یہی سبب ہوا۔ چنانچہ ۲۴ رجب ۲۶۱ھ بروز اتوار اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور واصل بحق ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امام مسلمؒ کا سب سے اہم اور عظیم کارنامہ جامع صحیح مسلم شریف ہے جو حدیث کی ایک عظیم اور بخاری کی طرح سب سے صحیح کتاب ہے اس کے علاوہ بھی آپ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں مثلاً مسند کبیر، جامع کبیر، کتاب العلل، کتاب اوہام محدثین، کتاب تمیز، کتاب من لیس لہ الا راو واحد، کتاب طبقات مخضرمین، کتاب الاسماء والکنی، کتاب الوحدان، کتاب حدیث عمرو بن شعیب، کتاب مشائخ مالک، کتاب مشائخ ثوری وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں ہیں جو آپ نے تصنیف کی ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی مالکؒ ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے مالک بن انس بن مالک بن ابوعامر بن عامر بن الحارث بن غیمان بن خیثل الخ آپ کے پردادا ابوعامر کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل تھا لیکن محدث ذہبی نے تجرید الصحابہ میں ان کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ میں نے یہ کہیں منقول نہیں پایا کہ ابوعامر صحابی تھے مگر اتنا ثابت ہے کہ ان کی پیدائش آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔

ابوعامر کے لڑکے مالک تابعی ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ سے ان کی منقول روایتیں آتی ہیں، شیخ محمد ابراہیم بن خلیل نے شرح مختصر خلیل میں ابوعامر کے بارے میں لکھا ہے کہ امام مالک کے پردادا ابوعامر صحابی ہیں اور بدر کے علاوہ تمام غزوات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ حضرت امام مالکؒ اصبحی قوم میں سے ہیں، آپ کی پیدائش ۹۳ھ میں ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام مالکؒ دو یا تین برس حالت حمل میں رہے ہیں۔

امام مالکؒ علم حدیث کے حاصل کرنے میں بہت حریص تھے اور اتباع سُنّت پیغمبر ﷺ ان کی زندگی کا مابہ الامتیاز مقام تھا۔ شروع میں جب علم حدیث کے طلب کا شوق بہت زیادہ تھا اور گھر میں اتنی وسعت نہیں تھی کہ باقاعدہ تعلیم حاصل کر سکیں تو امام مالکؒ نے اپنے گھر کی کڑیاں بیچ دیں اور ان کے پیسوں سے کتابیں خریدیں، بعد میں حضرت امام مالکؒ کا ستارۂ شہرت جب عروج پر پہنچا اور مخلوق خدا نے ان کو اپنا مرجع بنایا تو زندگی کی ہر آسائش و راحت قدموں میں نچھاور ہونے لگی۔ حضرت امام موصوفؒ کا حافظہ بہت تیز اور قوی تھا۔ خود فرماتے تھے کہ جس چیز کو میں ایک مرتبہ یاد کر لیتا ہوں پھر زندگی بھر اسے نہیں بھولتا۔

حضرت امام مالکؒ نے صرف سترہ برس کی عمر میں حدیث کا درس دینا شروع فرمادیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام موصوف کے درس حدیث کے ابتدائی ایام میں ہی مدینہ کی ایک شریف و نیک اور معزز عورت کا انتقال ہوا۔ میت کو غسل دیا جانے لگا اور دوران غسل جب غسالہ کا ہاتھ میت کی شرمگاہ پر پہنچا تو اس کم بخت نے کہا کہ یہ عورت زانیہ تھی اور اپنی زندگی میں حرامکاری کیا کرتی تھی، جوں ہی اس نے یہ کہا اس کا وہ ہاتھ میت کی شرمگاہ پر چپک کر رہ گیا۔ غسالہ بہت پریشان ہوئی۔ اس نے لاکھ چاہا کہ ہاتھ ہٹائے لیکن اس کا ہاتھ وہاں سے علیحدہ نہیں ہوا۔ یہ بڑا عجیب واقعہ تھا لوگوں نے علماء وقت سے رجوع کیا اور تدبیر دریافت کی۔ لیکن کوئی بھی کچھ نہیں بتا سکا۔ آخر کار امام مالکؒ کی خدمت میں لوگ حاضر ہوئے اور صورت حال بیان کی۔ امام مالکؒ کی ذہانت نے فوراً علاج تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ اس غسالہ نے ایک نیک اور پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائی ہے جس پر عذاب خداوندی اس شکل میں ظاہر ہوا۔ اب اس کا علاج یہی ہے کہ اس پر حد تہمت جاری کی جائے۔

چنانچہ جب حد تہمت کے طور پر اس کو اسی کوڑے مارے گئے تو اس کا ہاتھ وہاں سے علیحدہ ہوا۔ اس وقت سے لوگ حضرت امام کے علم و فضل کے قائل ہو گئے اور آپ کے کمال و فضل کا ڈنکا چاروں طرف بجنے لگا۔

حضرت امام مالکؒ نے اپنے ہاتھ سے ایک ہزار حدیثیں لکھی تھیں جو تمام محدثین میں صرف آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ کمال ادب کی بناء پر حضرت امام موصوف نے حرم مدینہ میں کبھی استنجاء نہیں کیا۔ قضاء حاجت کے لئے ہمیشہ باہر تشریف لے جاتے تھے، البتہ حالت بیماری میں جب بہت مجبور ہوتے تھے تو وہیں استنجاء فرمالیا کرتے تھے۔

حدیث میں آپ کی مایۂ ناز کتاب "مؤطا" کو تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے آپ سے سنا ہے اور حدیث میں آپ سے سند لی ہے آپ کے وصال کے بعد بھی اس کتاب کو دنیائے اسلام میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور اہل علم اس سے فیض یاب ہوئے، اور ہو رہے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی محمد اور کنیت ابوعبداللہ ہے، شافعی کے نام سے مشہور ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے محمد بن ادریس بن عباس ابن عثمان شافع بن سائب بن عبید بن عبدیزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف القریشی المطلبی۔ شافع کو مطلبی کہتے ہیں کیونکہ ان کے جد اعلیٰ کا نام مطلب تھا جو ہاشم بن عبد مناف کے بھائی تھے۔ چنانچہ وہ ہاشم جو مطلب کے لڑکے ہیں ان کی اولاد میں حضرت امام شافعیؒ ہیں اور وہ ہاشم جو عبد مناف کے لڑکے اور مطلب کے بھائی ہیں نبی کریم ﷺ کے جد اعلیٰ ہیں۔ اس طرح نبی کریم ﷺ اور حضرت امام شافعیؒ کے سلسلۂ نسب عبد مناف پر جاکر مل جاتے ہیں۔

شافع نے جو امام شافعیؒ کے جد اعلیٰ ہیں حضرت رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا تھا اور ان کے باپ سائب بھی نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے بلکہ بدر میں جب حق و باطل کے درمیان معرکۂ کارزار گرم ہوا تو قریش (کفار) کی جانب سے بنی ہاشم کے علم بردار یہی سائب تھے جنگ بدر میں جب کفار کو شکست ہوئی اور بے شمار لوگ اسیر بنائے گئے تو ان قیدیوں میں سائب بھی تھے پھر بعد میں فدیہ ادا کر کے رہا ہوئے اور اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔

حضرت امام شافعیؒ کی پیدائش مبارک ۱۵۰ھ میں غزہ کے مقام پر ہوئی۔ بعض کے نزدیک آپ کی پیدائش عسقلان میں ہوئی ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ منٰی میں آپ کی پیدائش کے قائل ہیں پھر مکہ لے جائے گئے جہاں آپ کی پرورش ہوئی اور یہاں کے مقدس ماحول میں آپ کا نشوونما ہوا۔ سات برس کی عمر میں آپ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا اور دس برس کی عمر میں مؤطا امام مالک کو یاد کر لیا۔ فقہ کی تعلیم آپ نے مسلم بن خالد سے حاصل کی جو اس زمانہ میں مفتی تھے۔ پندرہ برس کی عمر میں آپ کو وقت کے مشاہیر علماء اور مشائخ سے فتویٰ نویسی کی اجازت حاصل ہوگئی تھی۔ بعد میں تحصیل علم کے شوق میں مدینہ منورہ کی طرف اختیار فرمایا اور وہاں امام مالکؒ کی خدمت میں علم کے حصول میں منہمک ہوگئے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابتداء عمر میں مجھے شعر و شاعری کا بہت شوق تھا اور بہت زیادہ اشعار ذہن میں محفوظ ہوگئے تھے جن کو ہر وقت پڑھا کرتا تھا اسی زمانہ میں ایک دن کعبہ مکرمہ کے سایہ میں بالکل تنہا بیٹھا تھا کہ اچانک پیچھے سے ایک ندا آئی، امام صاحبؒ فرماتے ہیں۔ میں نے بہت غور سے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے:

یا محمد علیک بالثقۃ ودع الشعر۔

"اے محمد! اس چیز کو اختیار کرو جو سچی و مستحکم ہے، شعر و شاعری چھوڑ دو۔"

اسی طرح امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بالغ ہونے سے پہلے میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ مجھے آواز دے رہے ہیں۔ میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! حضور ﷺ نے سوال فرمایا کہ تم کس قبیلہ سے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ ہی کے قبیلہ سے ہوں۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک آؤ اور اپنا منہ کھولو۔ میں فوراً آنحضرت ﷺ کے پاس گیا اور اپنے منہ کھول دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے دہن مبارک کا لعاب مقدس میرے منہ میں ڈالا اور فرمایا کہ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت و سعادت سے نوازے۔ حضرت امام شافعیؒ اس مبارک خواب کا اثر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر مجھ سے علم حدیث اور عربی ادب میں کبھی کوئی غلطی واقع نہیں ہوئی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں امام مالکؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو امام مالکؒ نے میری گفتگو اور قیافے سے شناخت کرنے کے بعد سوال فرمایا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا نام محمد ہے۔ اس کے بعد امام مالکؒ نے ارشاد فرمایا کہ اے محمد تقویٰ اختیار کرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور گناہوں سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ اُمت محمدیہ میں تمہیں بڑی شان و عظمت کا مالک بنائے گا،

بہر حال میں امام مالکؒ کی خدمت میں بہت عرصہ تک تحصیل علم میں مشغول رہا، حصول علم سے فراغت کے بعد جب واپس ہونے لگا اور امام مالکؒ سے واپسی کی اجازت چاہی تو امام موصوف نے رخصت کے وقت مجھ کو نصیحت فرمائی کہ:

"اے نوجوانو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں نور ڈالا ہے لہٰذا تم پر واجب ہے کہ اس نور کی حفاظت کرو، دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ گناہ کی تاریکی اس نور کو ڈھانک لے اور وہ جاتا رہے۔"

امام مالکؒ سے رخصت ہو کر آپ بغداد پہنچے اور وہاں کے عالموں سے حدیث و فقہ کی مزید تعلیم حاصل کی، وہاں سے مکہ آئے اور مکہ سے پھر دوبارہ بغداد تشریف لے گئے، کچھ عرصہ کے بعد مصر چلے گئے، جہاں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور وہاں آپ نے مہتم بالشان تصانیف کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ آپ نے اصول دین پر چودہ کتابیں تصنیف فرمائیں اور فروع دین کے مبحث میں تقریباً ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: کہ میں حدیث میں ناسخ و منسوخ، خاص و عام اور مفصل و مجمل کا علم نہ رکھتا تھا مگر جب امام شافعیؒ کی صحبت اختیار کی تو مجھے ان چیزوں کا پتہ چلا۔

حضرت امام اعظمؒ کے شاگرد رشید حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے مجھ سے حضرت امام اعظم کی تصنیف "کتاب اوسط" عاریتاً لی اور پوری کتاب کو ایک رات اور ایک دن میں یاد کر لیا۔ حضرت امام شافعیؒ کی وفات آخر رجب ۲۰۴ھ جمعہ کے دن مصر میں ہوئی اور اسی دن سپرد خاک کئے گئے، ان کی ۱۱۴ تصانیف میں سے "کتاب الام" خاص اہمیت رکھتی ہے۔

آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں حضرت امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں ان کے علاوہ اور بھی اساتذہ ہیں جن سے امام موصوف نے حدیث کا علم حاصل کیا ہے۔ شاگردوں میں امام احمد بن حنبلؒ، ابوسفیان ثوریؒ اور مزنیؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد نے امام صاحب سے اکتساب فیض کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور اسم مبارک "احمد" ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: احمد بن حنبل بن حلال بن اسد ادریس بن عبداللہ ابن حبان اسد بن ربیعہ بن نزار بن سعد بن عدنان الخ۔

آپ کے علم و فضل کے بارہ میں اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے وقت میں حدیث و فقہ کے پیشوا اور مقتدا تسلیم کئے جاتے تھے بے حد عابد و زاہد اور متقی و پرہیز گار تھے۔ آپ کی عبادت میں خشوع و خضوع بہت ہوتا تھا، بغداد میں آپ کی پرورش ہوئی اور وہیں طلب علم اور تحصیل حدیث کے مراحل طے کئے اس کے بعد حدیث کی سماعت اور ان کے حاصل کرنے کی غرض سے کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن اور شام و دیگر جزائر کا طویل سفر اختیار فرمایا اور ہر جگہ کے مشہور علماء و محدثین سے احادیث کی سند حاصل فرمائی۔

آپ کے اساتذہ میں یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ اور امام شافعی ہیں جن سے آپ نے احادیث روایت فرمائی امام احمد بن حنبل کے مخصوص تلامذہ امام بخاری، مسلم بن حجاج قشیری، ابوزرعہ اور ابوداؤد سجستانی ہیں، ان حضرات نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔

حضرت اسحٰق بن راہویہؒ کی آپ کے بارے میں رائے تھی کہ امام احمد بن حنبلؒ خدا اور بندوں کے درمیان حجت یعنی دلیل ہیں۔ امام شافعیؒ کی شہادت تھی کہ میں نے بغداد میں پرہیز گاری، تقویٰ اور علم میں احمد بن حنبلؒ سے زیادہ کسی دوسرے کو نہیں پایا۔

احمد بن سعید دارمی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پیغمبر خدا ﷺ کی احادیث کو زیادہ یاد رکھنے والا امام احمد بن حنبلؒ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو نہیں دیکھا۔

حضرت ابوداؤد سجستانیؒ سے منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ کی صحبت میں بیٹھنا آخرت کی صحبت اختیار کرنے کے مترادف ہے کیونکہ ان کی مجلس میں سوائے امور دین کے ذکر اور گفتگو کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے کمال فقر اختیار کیا اور ستر برس تک استغناء و توکل کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے باوجود اپنی جلالت شان اور عظمت کے کبھی عیش و آرام کی تمنا نہیں کی اور نہ کبھی کسی سے کچھ قبول کیا۔

محمد بن موسیٰ ناقل ہیں کہ اہل مصر نے حسن بن عبدالعزیز کے واسطے ایک لاکھ اشرفیاں سونے کی بطور میراث کے کئی جانوروں پر لاد کر بغداد بھیجیں حسن بن عبدالعزیز نے ان میں سے کئی تھیلیاں ایک ایک ہزار اشرفی کی امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں بھیجیں اور عرض کیا کہ یہ مال مجھ کو حلال طریقہ پر میراث میں ملا ہے اس میں کچھ حصہ آپ بھی قبول فرمائیے اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات میں صرف فرمائیے امام احمد بن حنبلؒ نے انکار فرمادیا اور ان میں سے ایک اشرفی بھی قبول نہیں کی اور فرمایا کہ مجھے اس کی قطعاً حاجت نہیں ہے۔ اسی طرح بہت سے واقعات نقل کئے گئے ہیں جن سے آپ کے صبر و توکل، استغناء و تقویٰ اور پرہیزگاری کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش مبارک ۱۶۴ھ میں بغداد میں ہوئی۔ اور ۲۴۱ھ میں جمعہ کے روز بغداد ہی میں وصال فرمایا اور اسی روز عصر کے بعد سپرد خاک کر دیے گئے۔

آپ کی تصانیف میں مشہور کتاب "مسند" ہے جو محدثین کے نزدیک ایک بہت اہم تصنیف ہے جس میں آپ نے تیس ہزار سے زائد احادیث نقل کی ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوعیسیٰ اور اسم گرامی محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ ضحاک ترمذی ہے۔ شہر ترمذ کی طرف نسبت کی وجہ سے ترمذی کے نام سے مشہور ہیں۔ امام ترمذیؒ بڑے پایہ کے محدث ہیں۔ آپ کی جلالت اور رفعت شان کا اندازہ حدیث کی مشہور و مستند کتاب ترمذی شریف سے لگایا جاسکتا ہے جس کے آپ مصنف ہیں۔ ترمذی شریف محدثین کے نزدیک حدیث کی ایک اہم اور باعظمت کتاب ہے اور مندرجہ ذیل خصوصیات کی بناپر صحاح ستہ کی دیگر کتب پر فوقیت رکھتی ہے۔

اوّل تو یہ کہ آپ نے احادیث کو نقل کرتے ہوئے ان راویوں کے نام ضرور لکھے ہیں جن سے وہ احادیث ان کو حاصل ہوئی ہیں، تاکہ احادیث کی حیثیت باعتبار مشہور متواتر اور احاد کے روشن ہو جاوے۔

دوسرے یہ کہ حدیث کو نقل کرنے کے ساتھ اس سے اخذ شدہ مسئلہ میں علماء کا اختلاف اور ان کے مذاہب بھی نقل کئے ہیں۔

تیسرے یہ کہ ہر موقع پر راوی کے احوال بھی لکھے ہیں کہ یہ راوی ضعیف ہے اور یہ قوی ہے، اسی طرح حدیث کا حال بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے، اور غریب ہے یا منکر ہے، روایت حدیث کے سلسلے میں امام موصوف اور نبی کریم ﷺ کے درمیان جو واسطے ہیں وہ کم سے کم تین ہیں اور زیادہ سے زیادہ دس ہیں، چنانچہ ایک حدیث ایسی ہے جس میں صرف تین واسطے ہیں۔ جس حدیث کو روایت کرتے وقت نبی کریم ﷺ تک درمیان میں تین واسطے ہوں اس حدیث کو ثلاثی کہتے ہیں۔

جن محدثین سے آپ نے احادیث روایت فرمائی ہیں ان میں قتیبہ بن سعید، محمود بن غیلان، محمد بن بشار، احمد بن منیع اور محمد بن مثنی بطور خاص ذکر کئے جاتے ہیں ان کے علاوہ دوسرے علماء اور محدثین بھی ہیں جن سے آپ نے احادیث نقل کی ہیں۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے جن میں سے محمد بن احمد اور حیثم بن کلیب خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ نے اپنی "جامع ترمذی شریف" تصنیف فرما کر حجاز، عراق اور خراسان کے علماء کی خدمت میں بھجوائی جہاں وقعت و احترام اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی۔

آپ کی ایک تصنیف شمائل نبوی ﷺ بھی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی سیرت مقدسہ اور حلیہ مبارکہ بیان کیا گیا ہے آپ کی پیدائش مبارک ۲۰۹ھ میں ہوئی اور ۲۷۹ھ میں وصال فرمایا۔

امام ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوداؤد اور اسم مبارک سلیمان بن اشعث بن اسحٰق بن بشیر ہے۔ چونکہ آپ علاقہ سجستان کے رہنے والے تھے اس لئے اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے، آپ نے طلب علم اور حصول حدیث کے شوق میں وطن سے نکل کر بہت سے ممالک کا سفر کیا۔ عراق، خراسان، شام، مصر اور حجاز کے علماء و محدثین کے ہاں حاضر ہوئے اور احادیث سن کر ان سے روایت کی اجازت لی۔ آپ نے بڑے جلیل القدر علماء اور محدثین سے احادیث روایت کی ہیں جیسے مسلم بن ابراہیم، سلیمان بن حرب، یحیٰی بن معین اور امام احمد بن حنبلؒ، آپ سے روایت کرنے والے حضرات میں ابوعبدالرحمٰن نسائی اور احمد بن محمد کا نام خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

امام ابوداؤد کا اصل وطن بصرہ ہے، بعد میں بغداد بھی تشریف لے گئے اور وہیں اپنی عظیم کتاب "سنن ابوداؤد" تصنیف فرمائی، وہاں کے لوگوں نے جب سنن ابوداؤد کو امام موصوف کی سند کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ کو سنایا تو انہوں نے بہت زیادہ پسندیدگی کا اظہار فرمایا، خود امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کی پانچ لاکھ احادیث میں نے علماء و محدثین سے نقل کی ہیں، ان میں سے وہ ایک ہزار چھ سو احادیث جو اپنی صحت کے اعتبار سے سب سے معتبر اور مستند تھیں اپنی کتاب میں جمع کیں اور ان میں سے بھی چار احادیث ایسی ہیں جو تمام احادیث کے برابر ہیں یعنی دین و شریعت کی تمام باتیں اور حکمتیں مجملاً ان چار حدیثوں میں آگئی ہیں۔

1. انما الاعمال بالنیات۔
2. من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔
3. لا یکون المؤمن مؤمنا حتی رضی لاخیہ مایرضی لنفسہ۔
4. ان الحلال بین وان الحرام بین وبینھما مشتبھات۔

ابوبکر خلالؒ کی شہادت آپ کے بارے میں یہ تھی کہ امام ابوداؤد اپنے زمانہ میں پیشوا تھے اور نہایت ہی منصف مزاج و پرہیزگار تھے۔ نیز فن حدیث میں بہت زیادہ بصیرت اور کمال و مہارت رکھتے تھے اور فن حدیث میں ان کی کتاب بہت جلیل القدر مرتبہ کی ہے یہاں تک کہ بخاری و مسلم کے بعد ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ امام ابوداؤد کی پیدائش ۲۰۲ھ کی ہے اور آپ کا وصال ۱۶ شوال ۲۷۵ھ کو ہوا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن اور اسم گرامی احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان ہے چونکہ آپ خراسان کے ایک شہر "نسا" کے رہنے والے تھے اس لئے نسائیؒ کے نام سے مشہور ہیں آپ کی پیدائش ۲۱۴ھ یا ۲۱۵ھ میں ہوئی۔

آپ نے بھی حصول علم کی خاطر بہت ممالک کا سفر اختیار فرمایا اور اپنے وقت کے مشہور اور جلیل القدر علماء و محدثین کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حدیث کی دولت سے مالا مال ہوئے اس سلسلہ میں آپ خراسان، حجاز، عراق، جزیرہ شام اور مصر گئے اور وہاں کے علماء سے تحصیل علم کیا۔

جب سب سے پہلے آپ طلب علم اور حصول حدیث کے لئے قتیبہ بن سعید کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اس وقت آپ کی عمر

صرف پندرہ برس کی تھی۔ قتیبہ بن سعید کے یہاں ایک برس دو مہینے رہ کر ان سے اکتساب فض کیا۔ امام نسائیؒ رحمہ اللہ شافعی المذہب تھے جیسا کہ ان کی تصنیف مناسک الحج سے معلوم ہوتا ہے۔

آپ ہمیشہ صوم داؤدی رکھتے تھے صوم داؤد اس کو کہتے ہیں کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن نہ رکھے، باوجود اتنے زیادہ روزے رکھنے کے آپ بے انتہا قوت کے مالک تھے چنانچہ چار عورتیں آپ کے نکاح میں تھیں اور ہر عورت کے پاس ایک رات رہا کرتے تھے، ان کے علاوہ باندیاں بھی تھیں۔

امام نسائیؒ جب اپنی تصنیف سنن کبریٰ سے فارغ ہوئے تو ایک دن ان کے یہاں کے ایک امیر نے ان سے سوال کیا کہ آپ نے جو یہ کتاب تصنیف کی ہے اس میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ امام موصوف نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ بعض صحیح ہیں اور بعض حسن۔ اس امیر نے آپ سے درخواست کی کہ ان تمام احادیث میں جو حدیثیں نہایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہوں ان کو آپ میرے لئے الگ نقل کر دیجئے چنانچہ آپ نے اسی سلسلہ میں سنن مجتبیٰ تصنیف فرمائی۔

آپ کی وفات بڑے مظلومانہ اور درد انگیز طریقہ پر ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے آپ کے زمانہ میں بنی امیہ کی سلطنت تھی جو حضرت علیؓ کے خلاف تھے آپ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں حضرت علیؓ کے اوصاف و مناقب اور ان کے مبارک احوال بیان کیے گئے تھے کتاب کی تصنیف سے فراغت کے بعد آپ نے جمعہ کے روز جامع دمشق میں وہاں کے لوگوں کے سامنے اس کتاب کو پڑھنے کا ارادہ کیا، تاکہ اس سے عوام کے ذہن و فکر کی اصلاح ہو سکے اور حضرت علیؓ کے متعلق جو غلط اور گمراہ کن خیالات لوگوں کے ذہن میں سلطنت بنی امیہ کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے، وہ دور ہو سکیں۔

چنانچہ ایک دن مسجد میں مجمع کے سامنے آپ نے وہ کتاب پڑھنی شروع کی۔ ابھی تھوڑی ہی سی پڑھ پائے تھے کہ ایک آدمی درمیان مجمع سے اٹھا اور سوال کیا کہ آپ نے علیؓ کے اوصاف و مناقب تو اس کتاب میں لکھ دیے مگر یہ تو بتائیے کہ حضرت معاویہؓ کے مناقب بھی لکھے ہیں یا نہیں؟۔

امام نسائی نے جواب دیا کہ مجھے امام معاویہؓ کی عظمت و فضیلت بھی تسلیم ہے اور ان کی نجات سے انکار نہیں لیکن ان کے مناقب حضرت علیؓ کے مقابلہ میں اتنی اہمیت نہیں رکھتے کہ میں ان کو لکھوں، بعض حضرات نے امام نسائیؒ کا جواب اس طرح بھی نقل کیا ہے کہ امام موصوف نے فرمایا: حضرت معاویہؓ کے فضائل و مناقب میرے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔

امام نسائیؒ کا یہ کہنا تھا کہ پورا مجمع برافروختہ اور شعلہ بداماں ہو گیا اور آپ پر ٹوٹ پڑا۔ اور آپ کو اتنا زدوکوب کیا کہ اٹھنے کی بھی سکت باقی نہ رہی آخر کار ان کے خدام اٹھا کر مکان پر لائے۔ مکان پر پہنچتے ہی آپ نے کہا کہ مجھے اسی وقت مکہ لے چلو تاکہ میری موت اسی دیار مقدس میں یا اس کے راستہ میں ہو۔ چنانچہ آپ کو مکہ لے جایا گیا اور وہیں ۱۳ صفر ۳۰۳ھ بروز دوشنبہ شہادت کا مرتبہ پا کر وصال فرمایا اور صفا و مروہ کے درمیان سپرد خاک کئے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور اسم گرامی محمد بن یزید بن ماجہ ہے آپ قزوین کے رہنے والے تھے جو عراق و فارس کے درمیان ایک شہر ہے اور ربعی قبیلہ سے تھے جو ربیعہ بالولا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے آپ فن حدیث کے مقتدا اور پیشوا مانے جاتے تھے اور حافظ حدیث تسلیم کئے جاتے ہیں۔ امام مالکؒ کے تلامذہ سے آپ نے حدیث کا علم حاصل کیا اور اس سلسلہ میں بہت سے ممالک کا سفر اختیار فرمایا۔

آپ کی مایۂ ناز تصنیف "ابن ماجہ" نصاب حدیث کی ایک اہم کتاب مانی جاتی ہے۔ ابن ماجہ شریف کو بھی بعض محدثین و علماء نے

صحاح ستہ میں شمار کیا ہے اس کتاب میں آپ سے ثلاثی احادیث بھی کافی تعداد میں منقول ہیں۔ چونکہ ابن ماجہ میں ایک حدیث منکر بلکہ موضوع نقل کی گئی ہے اس لئے بعض حضرات اس کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کرتے۔

آپ کے وطن قزوین کی فضیلت میں بعض لوگوں نے بہت زیادہ حدیثیں نقل کی ہیں لیکن محققین و محدثین کے نزدیک وہ سب موضوع ہیں آپ کی پیدائش ۲۰۹ھ میں ہوئی اور ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ بروز دوشنبہ انتقال فرمایا۔ واللہ اعلم۔

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو محمد اور اسم گرامی عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل سمرقندی الدارمی ہے۔ سمرقندی نسبت ہے شہر سمرقند کی طرف جہاں کے آپ رہنے والے تھے اور دارمی قبیلہ کی نسبت ہے۔

آپ بھی ایک جلیل القدر محدث اور عالم تھے۔ تقویٰ و تقدس اور زہد و قناعت کے اوصاف جمیلہ سے مزین تھے، آپ تصنیف کی بھی احادیث کی کتابوں میں ایک ممتاز مقام کی مالک ہے۔

آپ کے اساتذہ میں ابن ماجہؒ، حبان بن ہلالؒ، نضر بن شمیلؒ اور حیوۃ بن شریح ہیں، آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے جن میں امام مسلمؒ امام ترمذیؒ جیسے جلیل القدر محدثین بھی ہیں، آپ کی پیدائش ۱۸۱ھ کی ہے اور وفات ۲۵۵ھ نبوی میں ہوئی۔

اسحٰق بن احمد بن خلیفہ سے منقول ہے کہ میں حضرت امام بخاریؒ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی کے انتقال کی خبر پہنچی۔ امام بخاری نے غم و اندوہ سے سر نیچے جھکالیا اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ امام بخاریؒ پر اتنا اثر تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رخسار پر بہنے لگے۔

امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوالحسن اور اسم گرامی علی بن عمر دار قطنی ہے۔ آپ بھی علم حدیث میں جلیل القدر شخصیت اور صاحب فضل و کمال شمار کئے جاتے ہیں۔ خصوصیت سے حدیث کی علت اور راویوں کے احوال کی معرفت میں یکتا تھے آپ کی مشہور تصنیف "دار قطنی" ہے جو فن حدیث کی معتبر و مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اپنی تصنیف میں ایک حدیث کو کئی کئی سندوں سے بیان کرتے ہیں۔

آپ نے بھی طلب علم کے سلسلہ میں دور دراز جگہوں کا سفر اختیار فرمایا چنانچہ کوفہ، بصرہ، شام، واسط، مصر اور اسلام کے دیگر شہروں میں تشریف لے گئے جہاں کے مشہور علماء سے احادیث حاصل کیں۔

دار قطن بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے جس کے آپ باشندہ تھے اسی لئے دار قطنی سے مشہور ہیں، عربی میں قطن روئی کو کہتے ہیں چونکہ یہ محلہ روئی کی منڈی تھا اس لئے دار قطن کہلاتا تھا۔

آپ کے تلامذہ میں ابو نعیم، ابوبکر، برقانی، جوہری، قاضی ابوالطیب طبری، حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری وغیرہ مشہور حضرات ہیں آپ کی پیدائش بغداد میں ۳۰۵ھ یا ۳۰۶ھ میں ہوئی ہے اور وفات بھی بغداد ہی میں ۲۲ ذیقعدہ ۳۵۰ھ کو ہوئی، بعض روایت میں آپ کی تاریخ وفات ۸ ذیقعدہ یوم جمعرات ہے۔ واللہ اعلم۔

امام احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوبکر ہے اور اسم شریف احمد بن حسین بیہقی ہے آپ بھی علماء و محدثین کے نزدیک ایک امام و مقتدا کی حیثیت رکھتے ہیں

آپ کا علمی مرتبہ اور فضل و کمال اہل علم کے یہاں مسلم ہے۔
آپ کی تصانیف کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہے۔ چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا کہ آپ نے سات ہزار رسالے دین و شریعت کے مختلف گوشوں پر تحریر فرمائے ہیں جن سے آپ کی وسعت علمی، تبحرفن اور فضل کمال کا اندازہ ہوتا ہے، آپ کی مشہور تصانیف میں خاص کتابیں یہ ہیں: کتاب مبسوط، کتاب السنن، کتاب دلائل النبوۃ، کتاب معرفت علوم حدیث، کتاب بعث والنشور، کتاب آداب، کتاب فضائل صحابہ، کتاب فضائل اوقات، کتاب شعب الایمان اور کتاب اخلاقیات وغیرہ۔
آپ کی پیدائش مبارک ماہ شعبان ۳۸۴ھ میں ہوئی اور وفات ۴۵۶ھ میں بمقام نیشاپور ہوئی۔

امام رزین بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوالحسین اور نام رزین بن معاویہ العبدری ہے۔ قریش کا ایک مشہور قبیلہ عبدالدار تھا۔ رزین چونکہ اسی قبیلہ سے تھے، اس لئے اس کی طرف نسبت کی وجہ سے عبدری کہے جاتے تھے۔
یہ بھی ایک جلیل القدر محدّث اور صاحب فضل و کمال عالم تھے ان کی وفات ۵۳۰ھ میں ہوئی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوزکریا اور اسم گرامی یحیٰی بن اشرف حزامی ہے۔ آپ کا لقب محی الدین ہے، حزام آپ کے اجداد میں سے کسی کا نام تھا۔ اسی نسبت سے آپ کے خاندان والے حزامی کہلاتے تھے "نوو" دمشق کے قریب شام میں ایک مقام ہے جہاں کے آپ رہنے والے تھے۔ اس نسبت سے آپ کو نووی کہا جاتا ہے۔
آپ اپنے وطن نوو میں اوّل عشرہ محرم ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴ رجب ۶۷۷ھ یوم چہار شنبہ میں وصال فرمایا۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوالفرج، اسم گرامی عبدالرحمٰن بن علی حنبلی صدیقی ہے اور ابن جوزی کے نام سے مشہور ہیں جو ایک مقام فرضۃ الجوزی کی طرف منسوب ہے۔
آپ ایک جلیل القدر عالم، صاحب فضل فقیہ اور باکمال محدث تھے، آپ کے فضل و کمال اور وسعت علم پر علماء کا اتفاق ہے، حدیث تفسیر فقہ، سیر، اخبار مواعظ میں بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں اور ان تمام علوم و فنون میں اپنے وقت کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں، نیز اہل علم کے نزدیک آپ کی فصاحت و بلاغت مسلم ہے۔
"موضوعات حدیث" پر آپ نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں آپ نے موضوع احادیث جمع کی ہیں، اسی طرح آپ کی ایک تصنیف "تلبیس ابلیس" ہے جس میں بدعت اور خلاف سُنّت اعمال پر بحث کی گئی ہے اور ان کا رد کیا گیا ہے نیز اس کتاب میں "اقوام شیطانی" کا دلچسپ بیان بھی ہے اور صوفیاء کے منکرین، مبتدعین اور ضالین کا زبردست رد کیا گیا ہے۔
امام ابن جوزیؒ بے حد ذہین اور ذکی تھے آپ کی ذہانت و ذکاوت کے واقعات سے سیر و تواریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، آپ ذہانت کا ایک واقعہ سیر کی کتابوں میں منقول ہے کہ ایک دن ایک سنی اور شیعہ میں جھگڑا ہوا، سنی کا دعوی تھا کہ حضرت ابوبکرؓ زیادہ افضل تھے، شیعہ حضرت علیؓ کی تفضیل ثابت کر رہا تھا، معاملہ بحث و مباحثہ اور اختلاف رائے سے گزر کر مخاصمت کی شکل اختیار کر گیا۔ آخر کار فریقین اس

پر تیار ہو گئے کہ ابن جوزی کو حکم بنایا جائے اور وہ جو فیصلہ کریں، اس کو حق تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ ایک دن جب کہ ابن جوزیؒ منبر وعظ پر پندونصائح فرمارہے تھے درمیان سے فریقین میں کا ایک شخص کھڑا ہوا اور ان سے دریافت کیا کہ: من افضل الصحابۃ؟ (یعنی صحابہ میں زیادہ فضیلت والا کون ہے؟)۔

ابن جوزی کا معاملہ شناس ذہن سوال کی نزاکت سمجھ گیا، چونکہ اس وقت حکومت شیعوں کی تھی اس لئے ابن جوزیؒ نے جواب اس انداز سے دیا کہ نہ تو سنی کے خلاف ہو کہ حق کی مخالفت لازم آئے اور نہ شیعہ سمجھے کہ جواب میرے خلاف ہے اور اس کے نتیجے میں ایذا رسانی یا فتنہ وفساد کی نوبت آجائے۔ ابن جوزیؒ نے نہایت حکیمانہ اور مدبرانہ جواب دیا ارشاد فرمایا کہ:

افضل صحابۃ رسول اللّٰہ الذی بنتہ فی بیتہ۔

"یعنی صحابہ رسول اللہ ﷺ میں زیادہ افضلیت والا وہ ہے کہ اس کی بیٹی اس کے گھر میں تھی۔"

امام ابن جوزیؒ صرف یہ کہہ کہ فوراً چلے گئے تاکہ اس جملہ کی تشریح نہ کرنی پڑے، ادھر ہر فریق اپنی جگہ خوش اور مطمئن، کہ فیصلہ میرے عقیدہ کے موافق ہوا۔ یعنی سنی یہ سمجھا کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ افضل وہ ہے جس کی بیٹی نبی کریم ﷺ کے گھر میں تھی، چونکہ حضرت ابوبکرؓ کی دختر حضرت عائشہ صدیقہؓ نبی کریم ﷺ کے گھر میں تھیں۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ افضل ہیں، شیعہ نے اس جملہ سے یہ مطلب اخذ کیا کہ زیادہ افضل وہ ہے جس کے گھر میں نبی کریم ﷺ کی دختر تھیں اور چونکہ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے نکاح میں تھیں اس لئے حضرت علیؓ زیادہ افضل ہوئے۔

بہر حال ابن جوزیؒ کے ذکی ذہن نے اس جملہ میں ضمائر سے کام لے کر اس سوال کا بلیغانہ جواب دیا جس سے فتنہ وفساد تک پہنچنے والی یہ بحث خوشگوار نتیجہ پر ختم ہوگئی اور خطرناک نتیجہ پر پہنچنے والا یہ شروہیں رفع ہوگیا، آپ کی پیدائش ۵۱۷ھ میں ہوئی، اور وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔"۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام "نعمان" ہے، "ابوحنیفہ" کنیت ہے اور "امام اعظم" لقب ہے۔ والد کا نام "ثابت" اور دادا کا نام "زوطی" ہے۔

زوطی ملک فارس (ایران) کے رہنے والے تھے اور مذہباً پارسی تھے۔ اسلام کی روشنی جب عرب کی حدود سے نکل کر عجم پہنچی، اور اس کی کرنوں نے سرزمین فارس کو منور کیا، تو دوسرے بہت سے اہل فارس کے ساتھ زوطی نے بھی اسلام قبول کر لیا، اسلام لانے کے بعد جب خاندان کے کچھ افراد نے پریشان وہراساں کیا اور دین پر عمل کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے لگے تو زوطی نے ہجرت کی نیت سے ترک وطن کیا اور اپنا ملک فارس چھوڑ کر بیوی اور کچھ نقد اسانہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور کوفہ شہر دار الخلافہ کی حیثیت سے اسلام کی عظمت وجلالت کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ زوطی اپنے سفر ہجرت کے دوران کوفہ پہنچے، تو مکہ معظمہ کا ارادہ موقوف کر کے یہیں کی مستقل سکونت اختیار کر لی اور گزر اوقات کے لئے کپڑے کی تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

۴۰ھ کے اوائل میں زوطی کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام باپ نے ثابت رکھا۔ ثابت کے عنفوان شباب میں زوطی انتقال کر گئے اور پھر ثابت کے یہاں ۸۰ھ میں ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام والدین نے "نعمان" رکھا، آگے چل کر اس بچہ نے، ابوحنیفہ کے کنیت اختیار کی۔ اور "امام اعظم" کے لقب سے مشہور ہوا۔ امام ابوحنیفہؒ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے تشریف لے گئے ہوئے ستر سال کے قریب ہو چکے تھے اور اگرچہ اکثر صحابہ کرامؓ بھی اس دنیا سے رخت سفر باندھ چکے تھے مگر تین صحابی

(۱) حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ ﷺ، (۲) حضرت سہل بن سعد انصاریؓ، (۳) حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہؓ حیات تھے۔ حضرت امام اعظمؒ نے ان میں سے دو صحابیوں حضرت انسؓ اور حضرت ابوطفیل عامرؓ سے ملاقات کی اور ان کی صحبت کا شرف حاصل کر کے مرتبۂ تابعیت سے سرفراز ہوئے جو ائمہ اربعہ میں تنہا آپ کا امتیاز ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی۔ جب کچھ ہوشیار ہوئے تو والد نے تجارت کے مشغلہ میں لگا دیا، ابھی سولہ سال کی عمر تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا اور تمام تجارتی کاروبار سنبھالنے کی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آگئی۔ چونکہ طبیعت کے بہت ذہین اور محنتی تھے اس لئے بہت جلد کاروبار میں نمایاں ترقی کی، دکان کے ساتھ کپڑے کا ایک کارخانہ بھی قائم کر لیا اور زندگی بڑے آرام و ترفہ کے ساتھ گزرنے لگی۔

بیس سال کی عمر کے بعد باضابطہ تحصیل علم کا شوق ابھرا اور جب کہ آپ کسی کام کو جا رہے تھے، راستہ میں کوفہ کے مشہور عالم اور قاضی علامہ شعبیؒ سے ملاقات ہو گئی۔ علامہ نے پوچھا: میاں صاحبزادے! تم کس سے پڑھتے ہو؟ ابوحنیفہؒ نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ میں کسی سے نہیں پڑھتا ہوں۔ علامہ شعبیؒ نے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا، مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو، اس نصیحت نے امام ابوحنیفہ کے دل پر گہرا اثر کیا، گھر آئے، والدہ سے تمام ماجرا بیان کیا اور تحصیل علم کے لئے کسی مدرسہ میں جانے کی اجازت مانگی، والدہ پہلے سے ہی علم اور اہل علم کی دلدادہ تھیں۔ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور اجازت دے دی۔ امام صاحب جو ابتداء مذہبی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کر چکے تھے، حدیث و فقہ کا علم حاصل کرنے کے لئے استاد کی تلاش میں لگ گئے۔ اور بخت و وقت نے ان کو کوفہ کے سب سے مشہور عالم اور استاد وقت حضرت حمادؒ کے حلقہ شاگردی میں داخل کر دیا۔ قابل استاد نے لائق شاگرد کے فطری جوہر پہچان کر خصوصی توجہ مبذول کی اور امام ابوحنیفہؒ نے کامل دو برس تک حضرت حمادؒ کے درس میں شامل رہ کر فقہ کی مکمل تعلیم حاصل کی۔ اس مختصر سے زمانہ میں امام صاحبؒ نے اپنی غیر معمولی ذہانت طبع کے باعث نہ صرف یہ کہ فقہ میں کامل درک حاصل کر لیا بلکہ اپنی اجتہادی قابلیت کا مظاہرہ بھی شروع کر دیا تھا۔ آپ نے فقہ کی تعلیم کے ساتھ حدیث پڑھنے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا کیونکہ آپ خوب جانتے تھے کہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق حدیث کی تکمیل کے بغیر ناممکن ہے چنانچہ آپ کوفہ کے محدثین کی طرف متوجہ ہوئے اور علم نبوت کے اس عظیم مرکز کا کوئی محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے آپ نے زانوائے شاگردی تہ نہ کیا ہو۔ محدثین کوفہ میں خصوصیت سے امام شعبیؒ، سلمہ بن کہیلؒ، محارب بن دثارؒ، ابواسحٰق سبیعیؒ، عون بن عبداللہ، سماک بن حربؒ، ابراہیم ابن محمدؒ، عدی بن ثابتؒ، اور موسیٰ بن ابی عائشہؒ کے نام بہت مشہور ہیں جن سے امام ابوحنیفہؒ نے علم حدیث حاصل کیا۔ کوفہ کے بعد آپ بصرہ تشریف لے گئے جہاں مشہور امام حدیث اور تابعی حضرت قتادہؒ اور امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت شعبہؒ کے درس میں شامل ہو کر ان کے فیض صحبت سے بہت بڑا فائدہ اٹھایا، بصرہ کے محدثین میں ان دونوں حضرات کے علاوہ آپ کے استادوں میں عبدالکریم بن امیہ اور عاصم بن سلیمانؒ کے نام بھی پائے جاتے ہیں۔ کوفہ اور بصرہ سے فارغ ہو کر امام ابوحنیفہؒ نے حرمین کے لئے رخت سفر باندھا اس وقت آپ کی عمر ۲۴ سال کے لگ بھگ تھی۔ پہلے آپ مکہ مکرمہ پہنچے اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کے درس میں شریک ہوئے، مکہ مکرمہ میں حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کا حلقۂ درس بہت وسیع اور مشہور تھا اور ان کی خصوصی عظمت و شہرت اس اعتبار سے تھی کہ ان کو دو سو حضرات صحابہؓ کے علاوہ مکہ مکرمہ میں اور بھی حضرات محدثین سے حدیث کی سند حاصل کی۔ جن میں حضرت عکرمہؒ کا نام بہت نمایاں ہے۔ مکہ مکرمہ سے فارغ ہو کر آپ نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا اور جناب رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں شرف حاضری سے بہرہ ور ہو کر مدینہ کے علماء و شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بالخصوص حضرت امام باقرؒ اور ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادقؒ کے درس و مجالس سے آپ نے زیادہ اکتساب علم و فیض کیا۔ اور حضرت سالم بن عبداللہؒ اور حضرت سلیمانؒ سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ حدیث میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ و شیوخ کی فہرست بہت وسیع ہے اور بعض حضرات نے چار ہزار تک تعداد بیان کی ہے۔

بعض طبقوں میں یہ بات مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ کی فن حدیث میں کوئی تصنیف نہیں ہے اور یہ کہ وہ "اہل الرائے" تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث سے ان کو تعلق کم تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ شہرت بے بنیاد ہے اور دانستہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ فی الواقع امام اعظم ابوحنیفہ کو علم حدیث میں جو رتبہ حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جس کثرت سے ان کی مسندیں لکھی گئی ہیں کسی کی نہیں لکھی گئیں، اور ان ائمہ وقت اور حفاظ حدیث نے لکھیں جو خود اس قابل تھے کہ ان کی مسندیں لکھی جاتیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابوحنیفہ کا ہمسر ہوسکتا ہے تو صرف امام مالک ہیں۔ یہ سب مسندیں کتاب الآثار کے علاوہ ہیں جو علم حدیث میں امام اعظم کی مشہور اور نہایت پایہ کی تصنیف ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات سب کو تسلیم ہے کہ "مجتہد وہی شخص ہوسکتا ہے جو قرآن، حدیث، آثار، تاریخ لغت اور قیاس ان پانچ چیزوں پر کامل عبور رکھتا ہو" ظاہر ہے کہ امام اعظم کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس پر اُمت کا اجماع ہے۔ ایسی صورت میں ان پر قلت حدیث کا طعن نادانی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

حافظ ذہبی نے امام اعظم کے رفیق درس مسعر بن کرام کا قول نقل کیا ہے کہ "میں نے اور امام ابوحنیفہ نے ساتھ ساتھ علم حدیث حاصل کیا، وہ ہم پر غالب رہے اور زہد میں بھی وہ ہم پر فائق رہے" امام جرح و تعدیل حضرت یحییٰ بن سعید قطان فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم! امام ابوحنیفہ اس اُمت میں اس علم کے سب سے بڑے عالم ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول سے وارد ہوا ہے۔ "مکی بن ابراہیم نے امام ابوحنیفہ کو اعلم اہل زمانہ بتایا ہے" ابوالمحاسن شافعی نے اپنی کتاب کے ایک باب میں امام صاحب کی روایت حدیث کی کثرت اور ان کا اعیان حفاظ حدیث میں ہونا بیان کیا ہے۔ یہ چند ائمہ حدیث کے اقوال ہیں جن سے حدیث میں حضرت امام اعظم کی بلند پایہ حیثیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت امام صاحب ۱۴۲ھ میں بغداد تشریف لائے اور تیسرے عباسی خلیفہ منصور نے آپ کی خدمت میں عہدۂ قضا پیش کیا۔ ابتدا میں آپ نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر منصور کی طرف سے زیادہ جبر کیے جانے پر آپ نے اس جلیل القدر عہدہ کو قبول کر لیا اور پھر پہلے ہی دن دارالقضاء سے اٹھ کر سیدھے منصور کے پاس آئے اور اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔ منصور کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور اس نے اسی وقت آپ کو قید خانہ بھجوا دیا۔ مسلسل چار سال آپ قید خانہ میں رہے۔ اور اس قید کے دوران منصور نے رجب ۱۵۰ھ میں آپ کو زہر دلوادیا۔ جب آپ نے زہر کا اثر محسوس کر لیا تو فوراً سجدہ میں گر گئے، اور اسی حالت میں انتقال فرما گئے۔

تاریخ انتقال ۱۵/رجب ۱۵۰ھ ہے۔ مزار مبارک آج بھی بغداد میں مرجع خلائق ہے۔
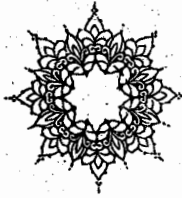
اصطلاحات حدیث اور ان کی تعریفات

حدیث کی تعریف

سب سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ حدیث کی تعریف کیا ہے یعنی علماء کے نزدیک "حدیث" کسے کہتے ہیں؟ علماء و محدثین کی اصطلاح میں نبی کریم ﷺ کے قول، فعل، سیرت احوال اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔

قول و فعل کے معنی ظاہر ہیں یعنی نبی کریم ﷺ کے ارشادات مبارکہ اور آپ کے افعال مقدسہ۔

سیرت یعنی نبی کریم ﷺ کے خصائل اور عادتیں یا آپ کی شکل و صورت کی تفاصیل۔

احوال یعنی آنحضور ﷺ کی زندگی کے حالات وواقعات۔

تقریر اسے کہتے ہیں کہ کسی صحابی نے آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی تو نبی کریم ﷺ نے اس پر سکوت فرمایا یعنی آپ ﷺ نے نہ تو صحابی کے اس قول و فعل کی تردید فرمائی اور نہ اس کی توثیق فرمائی، اصطلاح محدثین میں اسی کو "تقریر" کہا جاتا ہے۔ ان تمام چیزوں کے مجموعہ کو "حدیث" کہا جاتا ہے اور حدیث کی تمام کتابوں میں انہیں چیزوں پر مشتمل روایتیں ہوتی ہیں بعض علماء و محدثین کے نزدیک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول و فعل اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔

صحابی: اس خوش نصیب انسان کو صحابی کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو۔

تابعی: اس خوش قسمت شخص کو تابعی کہتے ہیں جس کو بحالت ایمان کسی صحابی سے شرف ملاقات حاصل ہوا ہو اور ایمان ہی پر خاتمہ ہوا ہو۔

تبع تابعی: ان حضرات کو کہتے ہیں جنہوں نے بحالت ایمان کسی تابعی سے ملاقات کی ہو اور ایمان ہی پر فوت ہوئے ہوں۔

حدیث باعتبار الفاظ کے دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ سند یا اسناد اور متن۔

سند یا اسناد: متن حدیث کے سلسلۂ رواۃ یعنی نبی کریم ﷺ سے لے کر صاحب کتاب تک حدیث کو روایت کرنے والوں کے سلسلہ کو سند یا اسناد کہتے ہیں۔

متن: حدیث کے ان الفاظ کو متن کہتے ہیں جو نبی کریم ﷺ سے اب تک بجنسہ نقل ہوتے چلے آئے ہیں مثلاً:

حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب قال حدثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ۔

اس حدیث میں "حدثنا" سے "ابی ہریرۃ" تک اسناد ہے اور اس کے بعد سے آخر تک کے حصہ کو متن کہیں گے۔

بلحاظ اسناد حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ مرفوع، موقوف، مقطوع۔

مرفوع: جس حدیث کی روایت کا سلسلہ نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے اسے حدیث مرفوع کہتے ہیں جیسے کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، نبی کریم ﷺ نے یہ کام کیا، نبی کریم ﷺ نے اس قول و فعل پر تقریر فرمائی۔ یعنی سکوت فرمایا۔ یا یہ کہا جائے "کہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً ثابت ہے، یا حضرت ابن عباسؓ نے اس حدیث کو رفع کیا" تو اس حدیث کو جس کی سند نبی کریم ﷺ پر جا کر

ختم ہوتی ہو، حدیث مرفوع کہا جائے گا۔
موقوف: جس حدیث کی روایت کا سلسلہ صحابی پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اسے حدیث موقوف کہتے ہیں مثلاً اس طرح کہیں کہ "ابن عباسؓ نے فرمایا، ابن عباسؓ نے اس طرح کیا"۔ یا ایسے ہی کہا جائے کہ "یہ حدیث ابن عباسؓ پر موقوف ہے"۔
مقطوع: اسی طرح جس حدیث کی سند تابعی تک پہنچ کر ختم ہو جائے اسے حدیث مقطوع کہتے ہیں، بعض حضرات کے نزدیک "موقوف اور مقطوع" کو اثر بھی کہتے ہیں یعنی اس طرح "حدیث" کا اطلاق تو صرف نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریر پر ہوگا اور صحابی و تابعی کے اقوال، افعال اور تقریر کو "اثر" کہا جائے گا۔
رواۃ کے اعتبار سے حدیث کی پانچ قسمیں ہیں: ① متصل، ② منقطع، ③ معضل، ④ معلق، ⑤ مرسل۔
حدیث متصل: اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کے راوی شروع سے آخر تک پورے ہوں اور درمیان میں سے کوئی راوی چھوٹ نہ گیا ہو۔
حدیث منقطع: اس حدیث کو کہیں گے جس کی اسناد سے ایک یا متعدد راوی متفرق مقام سے ساقط ہو گئے ہوں۔
حدیث معضل: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی اسناد سے دو یا دو سے زائد راوی ایک ہی مقام سے بتصرف یا بلا تصرف مصنف ساقط ہوں۔
حدیث معلق: وہ حدیث ہے جس کی اوائل سند سے بتصرف مصنف ایک یا متعدد راوی ساقط ہوں۔
حدیث مرسل: اس حدیث کو کہیں گے جس کی اخیر سند سے تابعی کے بعد کوئی راوی ساقط ہو جیسے کوئی تابعی حدیث روایت کرتے ہوئے کہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔
مرتبہ اور درجہ کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں:
❶ صحیح، جو اعلیٰ مرتبہ کی حدیث ہوتی ہے۔
❷ حسن، جو اوسط مرتبہ کی ہوتی ہے۔
❸ ضعیف، جو ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔
حدیث صحیح: وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی مصنف کتاب سے لے کر آنحضرت ﷺ تک سب کے سب صاحب عدالت اور صاحب ضبط ہوں، نیز حدیث کی روایت کے وقت مسلمان عاقل بالغ ہوں۔
"صاحب عدالت" کا مطلب یہ ہے کہ وہ صاحب تقویٰ و تقدس ہو، جھوٹ نہ بولتا ہو، گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور اگر بتقاضائے بشریت کبھی گناہ کبیرہ صادر ہو گیا ہو تو اس سے توبہ کر لی ہو، گناہ صغیرہ سے حتی الامکان اجتناب کرتا ہو اور ان پر دوام نہ کرتا ہو، اسباب فسق و فجور سے پرہیز کرتا ہو، صاحب مروت ہو یعنی ایسے کام نہ کرتا ہو جو اسلامی معاشرہ میں معیوب سمجھے جاتے ہوں۔ مثلاً بازار میں ننگے سر گھومنا، سرِ راہ سب کے سامنے بیٹھ کر پیشاب کرنا، راستہ چلتے ہوئے یا بر سر بازار کھڑے ہو کر کھانا پینا وغیرہ۔
"صاحب ضبط" کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہایت ہوشیار و سمجھدار ہو، قوی حافظہ رکھتا ہو تاکہ حدیث کے الفاظ بجنسہ یاد رکھ سکے۔ اور روایت حدیث کے وقت کسی قسم کی بھول چوک اور شک و شبہ کی گنجائش نہ رہ سکے۔
مصنف کتاب سے لے کر آنحضرت ﷺ تک جتنے راوی ہیں اگر ان صفات و خصوصیات کے معیار پر پورے اترتے ہوں تو ان کی روایت کردہ حدیث "صحیح" کہلائے گی۔
اب اگر یہ تمام صفتیں راوی میں پوری پوری پائی جائیں گی تو اس کی روایت کردہ حدیث کو "صحیح لذاتہ" کہیں گے لیکن راوی میں اگر ان صفات میں سے کسی شق سے کوئی کمی یا قصور ہو اور وہ کمی اور قصور کثرت طرق سے پوری ہو جاتی ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث کو "صحیح

لغیرہ" کہیں گے۔

حدیث حسن: مصنف کتاب سے لے کر آنحضرت ﷺ تک راویوں میں سے کسی ایک راوی میں ان مذکورہ بالا صفات میں سے کوئی کمی یا قصور ہو اور وہ کثرت طرق سے پوری بھی نہ ہوتی ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث کو "حدیث حسن" کہا جاتا ہے۔

حدیث ضعیف: حدیث صحیح اور حدیث حسن کی مذکورہ بالا شرائط میں سے ایک یا زیادہ شرائط اگر راوی میں مفقود ہوں مثلاً حدیث کا راوی صاحب عدالت نہیں ہے یا صاحب ضبط نہیں ہے تو اس کی روایت کردہ حدیث "ضعیف" کہلائے گی۔

باایں حیثیت کہ ہم تک پہنچی، حدیث کی چار قسمیں ہیں۔ متواتر، مشہور، عزیز، غریب۔

متواتر: وہ حدیث ہے جس کو ابتداء سے انتہا تک یکساں بلا تعیّن عدد اسانید کثیرہ سے اتنے راویوں نے روایت کیا ہو کہ جن کا جھوٹ پر متفق ہونا یا ان سے اتفاقیہ بھی جھوٹ کا صادر ہونا عقلاً محال ہو۔

مشہور: وہ حدیث غیر متواتر جس کے راوی ہر طبقہ میں کم از کم تین یا تین سے زیادہ ہوں، بعض محدثین کے نزدیک "مشہور" کو مستفیض بھی کہتے ہیں۔

عزیز: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں کم از کم دو ضرور ہوں۔

غریب: وہ حدیث ہے جس کی اسناد میں کسی جگہ صرف ایک ہی راوی ہو جس کا کوئی شریک نہ ہو، غریب کو "فرد" بھی کہتے ہیں۔

باعتبار اختلاف کے حدیث کی چار قسمیں ہیں، شاذ، محفوظ، منکر، معروف۔

شاذ: وہ حدیث ہے جس کا راوی تو ثقہ ہو مگر وہ کسی ایسے ثقہ راوی کی حدیث کے خلاف ہو جو ضبط وغیرہ وجوہ ترجیح میں بڑھا ہوا ہو۔

محفوظ: وہ حدیث ہے جس کا راوی اوثق ہو مگر وہ ایسے راوی کی حدیث کے خلاف ہو جو ضبط وغیرہ وجوہ ترجیح میں اس سے کم تر ہو۔

منکر: وہ حدیث ہے جس کا راوی ضعیف ہو اور وہ ایسے راوی کی حدیث کے خلاف ہو جو قوی راوی ہے۔

معروف: وہ حدیث ہے جس کا راوی قوی ہو اور وہ ایسے راوی کی حدیث کے خلاف ہو جو ضعیف ہے۔

اصطلاحات حدیث کا یہ اجمالی تعارف ہے، یوں تو حدیث کی اصطلاحات بہت زیادہ ہیں جو حدیث کی مختلف تقسیم پر مبنی ہیں لیکن ان سب کا یہاں ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا اور دوسرے یہ کہ صرف ان ہی اصطلاحات پر اکتفا کر لیا جائے تو اس کتاب کے سمجھنے اور حدیث کی حقیقت کو جاننے کے لئے کافی ہوگا نیز دوسری تمام اصطلاحات کا سمجھنا بھی عوام کے لئے بہت مشکل ہوگا اس لئے یہاں ان ہی اصطلاحات کی تعریف پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

صحاح ستہ: فن حدیث کی وہ چھ کتابیں جو باعتبار نقل حدیث کے اعلیٰ درجہ کی ہیں اور جن کی نقل کردہ احادیث محدثین کی تحقیق اور نقد و نظر کی کسوٹی پر سب سے اعلیٰ اور صحیح مرتبہ کی ثابت ہوئی ہیں "صحاح ستہ" کہلاتی ہیں، بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف صحاح ستہ میں شامل ہیں۔

بعض حضرات بجائے ابن ماجہ شریف کے مؤطا امام مالکؒ کو صحاح ستہ میں شمار کرتے ہیں، بخاری اور مسلم کے علاوہ صحاح ستہ کی دیگر کتب میں صحیح حسن، ضعیف تینوں درجے کی احادیث ہیں جن کی تشریح و توضیح ہر ایک صاحب کتاب نے اپنی اپنی جگہ کر دی ہے۔

دیباچہ مشکوٰۃ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ۔

"تمام تعریفیں اللہ ہی کو زیبا ہیں ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے طالب اور بخشش کے خواستگار ہیں۔"

تشریح: خداوند قدوس کی تعریف اور اس کی توصیف جیسی کہ اس کی شان کے مناسب اور لائق ہے کسی بندہ سے ادا نہیں ہوسکتی اسی لئے مصنف خداوند تعالیٰ سے مدد کا طالب ہے کہ اس کی زبان وبیان کو اتنی طاقت وقوت ملے جس سے وہ اپنے پروردگار کی حقیقی تعریف و توصیف کر سکے۔ نیز اگر بتقاضائے بشریت اس کی تعریف وتوصیف میں کچھ کوتاہی ولغزش ہو جائے جو شان الوہیت کے منافی ہو تو اس سے مصنف بخشش اور معافی کا خواستگار ہے۔

وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

"اور ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنی بداعمالیوں سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔"

تشریح: یعنی یہ کہ ہماری یہ حمد وتعریف جو محض خالصۃً للہ اور حصول سعادت کے لئے ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں نفس کی شرارت سے ریا کا دخل ہو جائے۔ اسی طرح وہ برے اعمال جو بتقاضائے بشریت صادر ہوتے رہتے ہیں، جیسے کلام باطل، بری باتیں، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت، طاعات وعبادات میں سستی، حرام ومکروہ افعال کا صدور، تو ان تمام چیزوں سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔

"جس کو اللہ نے سیدھا راستہ دکھا دیا اس کو کوئی بھٹکانے والا نہیں ہے۔ اور جس کو اللہ نے بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا اس کو سیدھا راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے۔"

وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ شَھَادَۃً تَکُوْنُ لِلنَّجَاۃِ وَسِیْلَۃً وَلِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ کَفِیْلَۃً وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہُ الَّذِیْ بَعَثَہٗ وَطُرُقُ الْاِیْمَانِ قَدْ عَفَتْ اٰثَارُھَا وَخَبَتْ اَنْوَارُھَا وَوَھَنَتْ اَرْکَانُھَا وَجُھِلَ مَکَانُھَا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ گواہی جو نجات کے لئے وسیلہ اور بلندی درجات کی ضامن ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنا رسول بنا کر بھیجا جب ایمان کی راہوں کے نشان مٹ چکے تھے، اس کی روشنیاں بجھ چکی تھیں، اس کے آثار ہلکے پڑ گئے تھے اور اس کی بتائی ہوئی منزل نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔"

تشریح: "ایمان کے راستہ سے مراد انبیاء کرام اور ان کے متبعین وپیروکار یعنی علماء وصلحاء ہیں۔ اس کی روشنیاں بجھ جانے" اور "اس کے آثار ہلکے پڑ جانے" سے مراد یہ ہے کہ ایمان ودین کی روشنی پھیلانے والی وہ تمام تعلیمات وہدایات جو انبیاء کرام اس دنیا میں لے کر آئے تھے، فراموش کر دی گئی تھیں، ان سچی تعلیمات وہدایات کے حامل علماء وصلحاء کا وجود ناپید سا ہو گیا تھا، جو کوئی گنا چنا عالم ونیک انسان کہیں پایا جاتا تو سماج ومعاشرہ میں اس کو اہمیت نہیں دی جاتی تھی، وہ لوگوں کو نیکی وبھلائی کی جو تلقین کرتا اور اچھے کام اور اچھی باتوں کی جو تعلیم دیتا اس کو کوئی سننے تک کا روادار نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح دین وایمان سے تنفر، گناہ ومعصیت کی کثرت اور ظلم وجہالت کا اندھیرا

پوری کائنات انسانی پر اس طرح پھیل گیا تھا کہ دنیاوی فلاح و سعادت اور اخروی نجات و سرفرازی کی وہ منزل ہی عام نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی تھی جو تخلیق بنی نوع انسان کا مقصد اور دین و ایمان کا منتہائے مقصود ہے۔

فَشَيَّدَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ مِنْ مَعَالِمِهَا مَاعَفَا وَشَفٰى مِنَ الْعَلِيْلِ فِيْ تَايِيْدِ كَلِمَةِ التَّوْحِيْدِ مَنْ كَانَ عَلٰى شَفَا۔

"پس نبی کریم ﷺ نے ان مٹے ہوئے نشانوں کو از سرنو نمایاں کیا اور کلمۂ توحید سے اس بیمار کو شفاء پہنچائی جو ہلاکت کے کنارے پہنچ چکا تھا۔"

تشریح: یعنی پوری انسانیت کفر و شرک کی معصیت اور بداعمالیوں کے گناہ میں مبتلا ہو کر روحانی طور پر بیمار ہو چکی تھی اور قریب تھی کہ ہلاکت کی کھائی "دوزخ" میں چلی جائے کہ نبی کریم ﷺ نے ایمان و توحید کی تعلیم کے ذریعہ اس کو مکمل تباہی سے بچالیا اور فلاح و نجات کے راستہ پر لگادیا۔

وَاَوْضَحَ سُبُلَ الْهِدَايَةِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّسْلُكَهَا وَاَظْهَرَ كُنُوْزَ السَّعَادَةِ لِمَنْ قَصَدَ اَنْ يَّمْلِكَهَا۔

"اور اس شخص کے لئے ہدایت کے راستہ کو روشن کیا جو اس پر چلنے کا ارادہ کرے اور اس شخص کے واسطے نیک بختی کے خزانے ظاہر کرے جو اس کے مالک ہونے کا قصد کرے۔"

تشریح: "نیک بختی کے خزانے" سے مراد ایمان نیک اعمال، عبادات اور معارف ہیں جو آخرت کے لئے گنج گراں مایہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ جو کوئی اس خزانہ کو حاصل کر لیتا ہے وہ اس کی دولت سے سرفراز ہو جاتا ہے اور اس کے بدلے میں آخرت کی ابدی سعادت یعنی رضائے مولی اور جنت کا حقدار ہوتا ہے۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ التَّمَسُّكَ بِهَدْيِهٖ لَا يَسْتَتِبُّ اِلَّا بِالْاِقْتِفَآءِ لِمَا صَدَرَ مِنْ مِّشْكٰوتِهٖ وَالْاِعْتِصَامَ بِحَبْلِ اللّٰهِ لَا يَتِمُّ اِلَّا بِبَيَانِ كَشْفِهٖ۔

بعد ازاں جاننا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے اسوہ کو اختیار کرنا اسی وقت معتبر ہو سکتا ہے کہ اس چیز کا کامل اتباع کیا جائے جو آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ظاہر ہوئی تھی یعنی آپ ﷺ کے ارشادات و احکام، اسی طرح خدا کی رسی یعنی قرآن کریم پر اعتماد اور اس پر عمل جب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ اس کی تشریح و توضیح احادیث نبوی سے ہو۔

تشریح: نبی کریم ﷺ کی سنّت اور آپ کے راستہ پر لگنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ آپ ﷺ کے احکام و ہدایات کی پیروی نہ کی جائے اور آپ ﷺ کی احادیث پر پوری طرح عمل نہ ہو اس لئے کہ جب آپ ﷺ کے احکام کی پیروی نہ ہوگی، آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل نہ ہوگا، آپ ﷺ کے نقش قدم کو اختیار نہیں کیا جائے گا تو آپ ﷺ کے راستہ پر چلنا کیسے نصیب ہوگا اور جو شخص آپ ﷺ کے راستہ پر چل ہی نہیں پائے گا اس کو سنّت نبوی ﷺ اور اسوۂ رسول ﷺ کے اتباع کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کے احکام و فرمان پر عمل اور ان کا سمجھنا جب ہی ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے احکام و فرمان کی جو تشریح و توضیح اپنے اقوال و افعال اور کردار سے فرمائی ہے پہلے اس کو سمجھا اور جانا جائے۔ چونکہ قرآن کریم میں احکامات اجمالی اور اصولی طریقہ پر بیان کیے گئے ہیں اور اس اجمال کی تفصیل اور اصول کی تشریح یا مرادات خداوندی کا بیان نبی کریم ﷺ ہی کر سکتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ پہلے حدیث کا علم حاصل کیا جائے اور پھر اس کے ذریعہ قرآن کی تعلیمات سے استفادہ اور ان پر عمل کیا جائے۔

وَكَانَ كِتَابُ الْمَصَابِيْحِ الَّذِيْ صَنَّفَهُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ قَامِعُ الْبِدْعَةِ اَبُوْمُحَمَّدِ الْحُسَيْنُ ابْنُ مَسْعُوْدِ الْفَرَّاءُ الْبَغْوِيُّ رَفَعَ اللّٰهُ دَرَجَتَهٗ اَجْمَعَ كِتَابٍ صُنِّفَ فِيْ بَابِهٖ وَاَضْبَطَ لِشَوَارِدِ الْاَحَادِيْثِ وَاَوَابِدِهَا۔

"امام محی السنۃ (سُنّت کو زندہ کرنے والے) قامع البدعۃ (بدعت کو دور کرنے والے) ابو محمد حسین الفراء بغوی (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے) نے جو کتاب (مصابیح) تالیف فرمائی تھی وہ اپنے فن کی ایک جامع کتاب تھی جس میں امام موصوف نے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ منتشر اور متفرق احادیث کو جمع فرمایا تھا۔"

تشریح: شوارد شارد کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں بھاگنے والا اونٹ، ایسے ہی اوابد کے معنی وحشی جانور کے ہیں یہاں ان الفاظ کو بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ شوارد سے مراد وہ احادیث ہیں جو اصول کی کتابوں میں نقل تھیں۔ چونکہ ان کتابوں تک ہر ایک طالب علم حدیث کی رسائی مشکل ہوتی تھی اس لئے کسی حدیث کے بارہ میں یہ معلوم کرنا کہ کس کتاب میں اور کس جگہ نقل ہے، بڑا دشوار تھا۔ گویا وہ احادیث طالب حدیث کی نظر سے بھاگی ہوئی یعنی پوشیدہ تھیں، اس لئے انکو "شوادر" کے لفظ سے تعبیر کیا ایسے ہی "اوابد" سے مراد وہ احادیث ہیں جن کے معنی و مقصود طالب حدیث کے فہم سے بہت بالا تھے اور جن کا سمجھنا طالب علم کے لئے مشکل تھا، اس لئے ان احادث کو "اوابد" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

یہ مشکلات طالب حدیث کے لئے بہت دقت طلب اور پریشان کن تھیں اور ان کی وجہ سے حدیث کو حاصل کر لینا ہر شخص کے بس کی بات نہیں تھی اس لئے امام محی السنۃ نے ان متفرق احادیث کو جمع کیا اور اپنی کتاب مصابیح میں جس باب کے مناسب جو حدیث تھی وہاں نقل کر دیا، تاکہ ایک طالب علم حدیث کو کسی حدیث کی تلاش میں اصول کی بڑی بڑی کتابوں میں سرگرداں نہ ہونا پڑے اور ان کے معنی و مطالب سمجھنے میں اس کو آسانی ہو جائے۔

وَلَمَّا سَلَكَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ طَرِيْقَ الْاِخْتِصَارِ وَحَذَفَ الْاَسَانِيْدَ تَكَلَّمَ فِيْهِ بَعْضُ النُّقَادِ۔

"اور جب مصنف نے (نقل حدیث کے وقت) اختصار کے طریقہ کو اختیار کیا اور اسناد کو حذف کر دیا تو اس پر بعض محدثین و ناقدین نے اعتراض کیا۔"

تشریح: اسناد سے مراد یہ ہے کہ جب حدیث بیان کی جاتی ہے یا نقل کی جاتی ہے تو حدیث سے پہلے اس صحابی کا نام ذکر کیا جاتا ہے جس نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، اسی طرح صحابی سے لے کر مصنف کتاب تک جتنے روایت کرنے والے ہوتے ہیں ان کے سلسلہ کو بھی سند و اسناد کہا جاتا ہے چونکہ مصنف مصابیح نے اپنی تالیف میں حدیث جمع کرتے وقت اختصار سے کام لیا تھا اور صرف نقل حدیث پر اکتفا کرتے ہوئے سند کے ذکر کو ترک کر دیا تھا اس لئے محدثین کی جانب سے اعتراض ہوا، کیونکہ کسی حدیث کی حیثیت کو جاننے اور پہچاننے کا مدار صرف سند پر ہوتا ہے جب تک یہ سند نہ دیکھ لی جائے کہ یہ حدیث کس راوی نے روایت کی ہے اس وقت تک حدیث کے بارہ میں یہ حکم لگانا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف بہت مشکل ہے۔

وَاِنْ كَانَ نَقْلُهٗ وَاِنَّهٗ مِنَ الثِّقَاتِ كَالْاَسْنَادِ لٰكِنْ لَيْسَ مَافِيْهِ اِعْلَامٌ كَالْاَغْفَالِ فَاسْتَخَرْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى وَاسْتَوْفَقْتُ مِنْهُ فَاَوْدَعْتُ كُلَّ حَدِيْثٍ مِنْهُ فِيْ مَقَرِّهٖ فَاَعْلَمْتُ مَآ اَغْفَلَهٗ كَمَا رَوَاهُ الْاَئِمَّةُ الْمُتْقِنُوْنَ وَالثِّقَاتُ الرَّاسِخُوْنَ مِثْلُ اَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيِّ وَاَبِى الْحُسَيْنِ مُسْلِمِ بْنِ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيِّ وَاَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ الْاَصْبَحِيِّ وَاَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدِ بْنِ اِدْرِيْسَ الشَّافِعِيِّ وَاَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ الشَّيْبَانِيِّ وَاَبِىْ عِيْسٰى مُحَمَّدِ بْنِ عِيْسٰى التِّرْمِذِيِّ وَاَبِىْ دَاوٗدَ سُلَيْمَانَ بْنِ الْاَشْعَثِ السِّجِسْتَانِيِّ وَاَبِىْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَحْمَدَ بْنِ شُعَيْبٍ النَّسَائِيِّ وَاَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيْدَ ابْنِ مَاجَةَ الْقَزْوِيْنِيِّ وَاَبِىْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيِّ وَاَبِى الْحَسَنِ عَلِيِّ بْنِ عُمَرَ الدَّارَ قُطْنِيِّ وَاَبِىْ بَكْرٍ اَحْمَدَ بْنِ الْحُسَيْنِ الْبَيْهَقِيِّ وَاَبِى الْحَسَنِ رَزِيْنِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْعَبْدَرِيِّ وَغَيْرِهِمْ وَقَلِيْلٌ مَّا هُوَ۔

"اگرچہ مصنف کا حدیث کو بغیر سند کے نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سند کے ساتھ نقل کیا ہو، کیونکہ وہ نقل حدیث کے معاملہ میں ثقہ اور معتمد محدثین میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن پھر بھی جو چیز بے نشان ہو وہ نشان والی چیز کے درجہ میں نہیں ہو سکتی۔ اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اور اس کی توفیق کا طلبگار ہوا۔ میں نے ہر حدیث کو جس باب سے اس کا تعلق تھا اسی باب میں نقل کیا اور علماء و محدثین نے جس طرح اس کو روایت کیا اسی طرح میں نے بھی مع سند اور حوالۂ کتاب کے اس کو ذکر کیا، مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام دارقطنی، امام بیہقی، امام رزین بن معاویہ عبدری۔ ان ائمہ اور محدثین نے جس طرح اپنی کتابوں میں حدیث کو نقل کیا ہے اسی طرح میں نے ان کی کتابوں سے حدیث کو لے کر اس کتاب میں جمع کر دیا۔ ان ائمہ اور محدثین کے علاوہ کچھ دوسرے محدثین بھی ہیں جن کی کتابوں سے احادیث نقل کی گئی ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔"

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ صاحب مصابیح نے جب اپنی کتاب میں حدیث کو جمع کرتے وقت ان کی سند اور حوالۂ کتاب کے ذکر کو چھوڑ دیا تو اس پر محض محدثین اور ناقدین نے اعتراض کیا اس لئے صاحب مشکوٰۃ نے جب مصابیح میں دیگر حدیثوں کا اضافہ کیا تو انہوں نے ساتھ ہی یہ التزام بھی رکھا کہ ہر حدیث کی سند ضرور لکھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کتاب کا حوالہ بھی دیا جس سے حدیث لی گئی تھی اور طریق وہی اختیار کیا جو ان کتابوں کے مصنفین مثلاً امام بخاری، امام مسلم وغیرہ نے اختیار کیا تھا، اس طرح نئی ترغیب و تدوین کے ساتھ یہ کتاب معرض وجود میں آئی جو مشکوٰۃ کی موجودہ شکل میں موجود ہے۔

وَاِنِّیْ اِذَا نَسَبْتُ الْحَدِیْثَ اِلَیْھِمْ کَاَنِّیْ اَسْنَدْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَنَّھُمْ قَدْ فَرَغُوْا مِنْہُ وَاَغْنَوْنَا عَنْہُ۔

"اور حقیقت یہ ہے کہ جب میں نے نسبت کر دی ان احادیث کی ان ائمہ و محدثین کی طرف تو گویا اس کی سند پہنچا دی نبی کریم ﷺ تک، کیونکہ ان ائمہ نے (اپنی کتابوں میں) سند ذکر کر کے ہم کو اس سے مستغنی کر دیا ہے۔"

تشریح: یہاں شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ محدثین و ناقدین نے صاحب مصابیح پر اعتراض ہی یہ کیا تھا کہ انہوں نے نقل حدیث کے وقت تمام سند کے ذکر کا التزام نہیں کیا۔ تو اب بھی وہ بات باقی رہ گئی کیونکہ صاحب مشکوٰۃ نے بھی صرف صحابی اور کتاب کے حوالہ کے ذکر کو کافی جانا تمام سند نہیں ذکر کی، اسی کا جواب مصنف نے دیا ہے کہ جن ائمہ و محدثین سے یہ احادیث لی گئی ہیں انہوں نے خود ہی سند کے سلسلہ میں تلاش و جستجو اور نقد و نظر کے بعد اس مرحلہ کو طے کر لیا تھا اور ان حضرات نے اپنی کتابوں میں چونکہ اسناد ذکر کر دی ہیں اس لئے ان کی ذکر کردہ سند کو کافی سمجھتے ہوئے اب ہمیں تمام اسناد ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

وَسَرَدْتُ الْکُتُبَ وَالْاَبْوَابَ کَمَا سَرَدَھَا وَاقْتَفَیْتُ اَثَرَہٗ فِیْھَا۔

"اور میں نے اس کتاب کی ترتیب وہی رکھی جو صاحب مصابیح نے رکھی تھی اور اس سلسلہ میں ان ہی کے نقش قدم کی پیروی کی ہے۔"

تشریح: عام طریقہ یہ ہے کہ جس کتاب میں مختلف موضوعات و مباحث سے متعلق مضامین ہوتے ہیں ان کو ان موضوعات و مباحث کے اعتبار سے کتاب و ابواب میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ لفظ "کتاب" کے ذریعہ جو عنوان قائم کیا جاتا ہے، اس کے تحت وہ مختلف ابواب ہوتے ہیں جو اگرچہ ایک ہی موضوع سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے مضامین و مباحث کی نوعیت و تفصیل الگ الگ ہوتی ہے۔ مثلاً "طہارت" ایک موضوع ہے اور اس موضوع سے متعلق مختلف النوع صورتیں اور ان کے احکام و مسائل ہیں جیسے وضو، غسل، تیمم وغیرہ، تو سب سے پہلے "کتاب الطہارۃ" کا عنوان قائم ہوتا ہے اور پھر اس کے تحت ان مختلف النوع صورتوں اور ان کے احکام و مسائل پر مشتمل مضامین کو نقل کرنے کے لئے ابواب قائم کیے جاتے ہیں جیسے "باب الوضو" باب الغسل اور باب التیمم وغیرہ۔

لہٰذا صاحب مصابیح نے اپنی تصنیف میں جس ترتیب کے ساتھ کتاب اور ابواب کے عنوان قائم کیے تھے اسی ترتیب سے صاحب

مشکوٰۃ نے بھی کتاب اور ابواب کے عنوان قائم کیے ہیں۔

وَقَسَمْتُ كُلَّ بَابٍ غَالِبًا عَلٰى فُصُوْلٍ ثَلَاثَةٍ اَوَّلُهَا مَا اَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاكْتَفَيْتُ بِهِمَا وَاِنِ اشْتَرَكَ فِيْهِ الْغَيْرُ لِعُلُوِّ دَرَجَتِهِمَا فِي الرِّوَايَةِ۔

"اور میں نے ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل میں ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جن کو شیخین یعنی بخاریؒ اور مسلمؒ نے روایت کیا ہے یا ان دونوں میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہے اگرچہ ان حدیثوں میں بعض ایسی بھی ہیں جن کو دوسرے محدثوں نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس فصل میں میں نے صرف شیخین کے ذکر پر اکتفا کیا ہے کیونکہ شیخین کا درجہ تمام محدثین سے بلند ہے۔"

تشریح : مشکوٰۃ میں "متفق علیہ" کی اصطلاح اس حدیث کے لئے ہے جو ایک ہی صحابی سے بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے۔ اگر صحابی کا اختلاف ہو یعنی بخاری میں تو ایک صحابی سے منقول ہے اور مسلم میں دوسرے صحابی سے تو اس روایت کو متفق علیہ نہیں کہیں گے، اگرچہ حدیث ایک ہی ہو۔

وَثَانِيْهَا مَا اَوْرَدَهُ غَيْرُهُمَا مِنَ الْاَئِمَّةِ الْمَذْكُوْرِيْنَ وَثَالِثُهُمَا مَا اشْتَمَلَ عَلٰى مَعْنَى الْبَابِ مِنْ مُلْحَقَاتٍ مُنَاسِبَةٍ مَعَ مُحَافَظَةٍ عَلَى الشَّرِيْطَةِ وَاِنْ كَانَ مَاثُوْرًا عَنِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ۔

اور دوسری فصل میں وہ احادیث نقل کی ہیں جن کو شیخین یعنی بخاریؒ و مسلمؒ کے علاوہ دوسرے مذکورہ ائمہ میں سے کسی اور نے روایت کیا ہے اور تیسری فصل میں احادیث کے علاوہ صحابہ و تابعین کے ان اقوال و آثار کو بھی جمع کیا گیا ہے جو باب کے مناسب اور لائق تھے لیکن آثار و خبر کو شامل کرتے ہوئے شرائط حدیث کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

تشریح : مصابیح میں دو ہی فصلیں تھیں لیکن تیسری فصل صاحب مشکوٰۃ نے بڑھائی ہے۔ صاحب مصابیح نے احادیث جمع کرتے وقت یہ ترتیب اختیار کی تھی کہ پہلی فصل میں انہوں نے صحاح کی احادیث جمع کی تھیں۔ اور "صحاح" ان کے نزدیک وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں مذکور ہو۔ دوسری فصل میں انہوں نے حسان احادیث نقل کی ہیں، ان کی اصطلاح میں "حسان" وہ احادیث ہیں جن کو بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر مستند اور معتبر اور ثقہ ائمہ نے روایت کیا ہو جیسے ترمذی، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ۔ احادیث کی یہ اصطلاح صرف صاحب مصابیح کے یہاں ہیں۔ دیگر محدثین اور علماء کے یہاں یہ اصطلاح نہیں پائی جاتیں۔

تیسری فصل صاحب مشکوٰۃ نے بڑھائی ہے اس فصل میں صاحب مشکوٰۃ نے اس کا التزام نہیں کیا ہے کہ حدیث مرفوع حضرت ﷺ ہی نقل کی جائیں، بلکہ صحابہ اور تابعین کے ایسے اقوال و افعال اور تقریر بھی اس فصل میں نقل کی ہیں جو باب کے مناسب ہیں لیکن صاحب مشکوٰۃ نے اس فصل میں بھی یہ التزام کیا ہے کہ پہلے راوی کا نام ضرور لکھا ہے خواہ صحابی ہو یا تابعی، اسی طرح آخر میں کتاب کا حوالہ دیا ہے، کہ کس کتاب سے یہ حدیث لی گئی ہے۔

ثُمَّ اِنَّكَ اِنْ فَقَدْتَّ حَدِيْثًا فِيْ بَابٍ فَذٰلِكَ عَنْ تَكْرِيْرٍ اُسْقِطُهٗ۔

"پھر تحقیق اگر کسی باب میں کوئی حدیث نہ پائی جائے تو سمجھا جائے کہ اسے میں نے تکرار کی وجہ سے نقل نہیں کیا ہے۔"

تشریح : یعنی اگر ایسا ہو کہ ایک حدیث مصابیح کے ایک باب میں تو موجود ہے لیکن مشکوٰۃ کے اسی باب میں نہیں ہے تو یہ اس لئے، کہ صاحب مشکوٰۃ نے وہ حدیث کسی دوسرے باب میں ہونے کی وجہ سے یہاں نقل نہیں کی۔

وَاِنْ وَجَدْتَّ اٰخَرَ بَعْضُهٗ مَتْرُوْكًا عَلٰى اخْتِصَارِهٖ اَوْ مَضْمُوْمًا اِلَيْهِ تَمَامُهٗ فَعَنْ دَاعِيْ اِهْتِمَامٍ اَتْرُكُهٗ وَاُلْحِقُهٗ۔

"اور اگر پاؤ تم ایک حدیث کہ اس کا بعض حصہ اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے یا اس میں بقیہ حصہ اس حدیث کا ملا دیا گیا ہے تو یہ

حذف کرنا اور ملانا خاص مقصد کے تحت ہے۔"

تشریح: مطلب یہ کہ کسی خاص مقصد کے تحت اگر کسی جگہ حذف و الحاق ضروری سمجھا گیا تو وہاں ایسا کیا گیا۔ مثلاً ایک بڑی حدیث ہے جس کا کچھ حصّہ تو ایسا ہے جو باب کے مناسب ہے تو اسے وہاں نقل کر دیا گیا اور بعض حصّہ ایسا ہے جو مناسب باب نہیں ہے تو اسے ترک کر دیا گیا ہے۔ یا حدیث کا ایک ٹکڑا اس باب کے مناسب ہے اور دوسرا ٹکڑا کسی دوسرے باب سے متعلق ہے تو ایسی شکل میں وہاں حدیث کو اختصار کے ساتھ جو باب سے متعلق تھی بیان کیا گیا ہے۔ اس حالت میں بھی پیروی صاحب مصابیح کی گئی ہے لیکن جہاں ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے تو پوری حدیث نقل کر دی گئی ہے اگرچہ وہاں صاحب مصابیح نے اختصار سے کام لیا ہو۔

وَاِنْ عَثَرْتَ عَلٰى اخْتِلَافٍ فِي الْفَصْلَيْنِ مِنْ ذِكْرِ غَيْرِ الشَّيْخَيْنِ فِي الْاَوَّلِ وَذِكْرِهِمَا فِي الثَّانِيْ فَاعْلَمْ اَنِّيْ بَعْدَ تَتَبُّعِيْ كِتَابَيِ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيْحَيْنِ لِلْحُمَيْدِيِّ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ اعْتَمَدْتُّ عَلٰى صَحِيْحَيِ الشَّيْخَيْنِ وَمَتْنَيْهِمَا۔

"اور اگر دونوں فصلوں میں اختلاف نظر آئے یعنی غیر شیخین کی احادیث تو فصل اوّل میں ذکر کی گئی ہوں اور شیخین کی احادیث کو فصل ثانی میں نقل کیا گیا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ یہ اختلاف غلطی یا غفلت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ یہ میں نے حمیدی کی کتاب جمع بین الصحیحین اور کتاب جامع الاصول میں بسیار تلاش و تحقیق اور تتبع کے بعد کیا ہے اور اس سلسلہ میں میں نے بخاری و مسلم کے اصل نسخوں اور ان کے متن پر اعتماد کیا ہے۔"

تشریح: صاحب مصابیح نے تو یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ فصل اوّل میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو شیخین یعنی امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ سے ان کی کتاب میں روایت کی گئی ہیں اور فصل ثانی میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو شیخین ــــــــ کے علاوہ دوسرے ائمہ سے مذکور ہیں لیکن مشکوٰۃ میں بعض جگہ ایسا بھی ہے کہ فصل اوّل میں وہ احادیث جن کو صاحب مصابیح نے شیخین کی طرف نسبت کرتے ہوئے نقل کیا ہے صاحب مشکوٰۃ نے ان کو دوسرے ائمہ کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے جیسے باب سنن وضو کی فصل اوّل میں یا باب فضائل قرآن میں، اسی طرح بعض جگہ فصل ثانی کی احادیث کو شیخین کی طرف منسوب کیا ہے جیسے باب مایقرأ بعد التکبیر یا باب الموقف وغیرہ میں، تو اس ردوبدل اور فرق کے بارہ میں صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ میری غلطی یا سہو کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ میں نے کتاب جمع بین الصحیحین اور کتاب جامع الاصول نیز بخاری و مسلم کے اصل نسخوں اور ان کے متنوں میں کافی تلاش و تحقیق کی، چنانچہ ان کتابوں میں جن احادیث کو شیخین کی طرف منسوب نہیں کیا گیا ہے اور انہیں صاحب مصابیح نے فصل اوّل میں شیخین کی طرف منسوب کیا ہے تو میں نے ان احادیث کو مشکوٰۃ میں شیخین کی طرف منسوب کرنے کے بجائے ان کے اصل راوی و ناقل کی طرف منسوب کیا ہے۔ ایسے ہی جن احادیث کو صاحب مصابیح نے شیخین کے علاوہ دوسرے ائمہ کی طرف منسوب کر کے فصل ثانی میں نقل کیا تھا اور وہ حدیث مجھے ان کتب مذکورہ میں شیخین کی طرف منسوب ملیں تو میں نے ان کو شیخین کی طرف منسوب کر دیا اور چونکہ مجھے اپنی تحقیق و جستجو پر اعتماد تھا اس لئے میں نے یہ سوچ کر مصابیح کی نقل کے خلاف ایسا کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ صاحب مصابیح سے نقل حدیث کے وقت سہو ہو گیا ہو۔

وَاِنْ رَاَيْتَ اخْتِلَافًا فِيْ نَفْسِ الْحَدِيْثِ فَذٰلِكَ مِنْ تَشَعُّبِ طُرُقِ الْاَحَادِيْثِ۔

"اور اگر اختلاف اصل حدیث میں نظر آئے تو یہ احادیث کی اسناد میں اختلاف کی وجہ سے ہوگا۔"

تشریح: یعنی صاحب مصابیح نے ایک حدیث روایت کی اور وہی حدیث جب صاحب مشکوٰۃ نے نقل کی تو دونوں کے الفاظ میں فرق نکلا یعنی صاحب مصابیح کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ کچھ اور ہیں اور صاحب مشکوٰۃ کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ دوسرے ہیں تو اس بارہ میں صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ یہ فرق دراصل سندوں کے اختلاف کی بنا پر ہوا ہے، یعنی صاحب مصابیح کو وہ روایت جس سند سے پہنچی ہے اس میں وہ الفاظ ہیں جن کو انہوں نے نقل کیا ہے اور مجھے اس سند سے یہ روایت پہنچی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں، جو میں نقل کر رہا ہوں۔

وَلَعَلِّیْ مَا اطَّلَعْتُ عَلٰی تِلْكَ الرِّوَایَةِ الَّتِیْ سَلَكَهَا الشَّیْخُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَلِیْلاً مَا تَجِدُ اَقُوْلُ مَا وَجَدْتُ هٰذِهِ الرِّوَایَةَ فِیْ كُتُبِ الْاُصُوْلِ اَوْوَجَدْتُ خِلَافَهَا فَاِذَا وَقَفْتَ عَلَیْهِ فَانْسِبِ الْقُصُوْرَ اِلَیَّ لِقِلَّةِ الدِّرَایَةِ لَآ اِلٰی جَنَابِ الشَّیْخِ رَفَعَ اللّٰهُ قَدْرَهٗ فِی الدَّارَیْنِ حَاشَا لِلّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

"اور ہو سکتا ہے کہ جس روایت کو شیخؒ نے نقل کیا ہے وہ مجھے نہ ملی ہو مگر ایسا کم ہو گا کہ وہ روایت مجھے نہ ملی ہو یا مجھے اصول کی کتابوں میں شیخ کی نقل کردہ روایت کے خلاف وہ روایت ملی ہو لیکن یہ اختلاف اگر معلوم ہو تو خطا و قصور کی نسبت میری کوتاہی علم کی بنا پر میری طرف کی جائے اور شیخؒ کو غلطی سے منزہ سمجھا جائے اس سے خدا تعالیٰ کے لئے پاکی ہے۔"

تشریح: اصول کی کتابوں سے مراد وہی مذکورہ کتب یعنی بخاری و مسلم ہیں یعنی اگر ایسا ہو کہ جس روایت کو صاحب مصابیح نے نقل کیا ہے، مجھے وہ روایت نہ ملی ہو یا ان کی نقل کردہ وہ روایت اور میری نقل کردہ روایت میں کوئی اختلاف نظر آئے تو اس میں غلطی اور قصور کی نسبت میری ہی جانب کی جائے۔ صاحب مصابیح کو غلطی اور خطا کا مرتکب قرار نہ دیا جائے اور صاحب مشکوٰۃ کا یہ کہنا کہ غلطی اور قصور کی نسبت میری جانب کی جائے، خلوص نیت اور اعتراف حقیقت کی بنا پر ہے اس میں ریا و غیرہ کا دخل نہیں ہے جیسا کہ حَاشَا لِلّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ سے اشارہ کر دیا ہے۔

رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ اِذَا وَقَفَ عَلٰی ذٰلِكَ نَبَّهَنَا عَلَیْهِ وَاَرْشَدَنَا طَرِیْقَ الصَّوَابِ۔

"خدا کی رحمت ہو اس شخص پر جسے وہ روایت معلوم ہو اور ہمیں مطلع کر کے راہ حق بتائے۔"

تشریح: یعنی اگر کسی شخص کو وہ روایت معلوم ہو جو صاحب مصابیح نے نقل کی ہے اور مجھے نہیں معلوم ہوئی ہے تو اس کو چاہیے کہ اگر ہماری زندگی میں اسے معلوم ہو تو ہمیں بتا دے اور مرنے کے بعد ہماری کتاب میں اس کا اضافہ کر دے۔

وَلَمْ اٰلُ جُهْدًا فِی التَّنْقِیْرِ وَالتَّفْتِیْشِ بِقَدْرِ الْوُسْعِ وَالطَّاقَةِ وَنَقَلْتُ ذٰلِكَ الْاِخْتِلَافَ كَمَا وَجَدْتُ۔

"میں نے اپنی تحقیق و تدقیق اور تلاش و جستجو میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور اپنی وسعت و طاقت کے مطابق پوری چھان بین کی اور یہ اختلاف میں نے جیسا پایا ویسا ہی نقل کر دیا۔"

تشریح: یعنی میں نے اصول کی کتابوں میں جیسا پایا اور جس طرح نقل دیکھا، شیخؒ کی تقلید محض سے ہٹ کر ویسا ہی یہاں ذکر کر دیا، اگر کوئی یہ اعتراض کر بیٹھے کہ اگر صاحب مشکوٰۃ زیادہ تتبع کرتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ان کو وہ روایتیں نہ ملتیں، تو اس کا جواب خود صاحب مشکوٰۃ نے دے دیا کہ جہاں تک میری رسائی اور ہمت و طاقت تھی میں نے اس سے بڑھ کر تحقیق و تلاش کی، اور اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی۔

وَمَا اَشَارَ اِلَیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ غَرِیْبٍ اَوْضَعِیْفٍ اَوْغَیْرِهِمَا بَیَّنْتُ وَجْهَهٗ غَالِبًا وَمَا لَمْ یُشِرْ اِلَیْهِ مِمَّا فِی الْاُصُوْلِ فَقَدْ قَفَیْتُهٗ فِیْ تَرْكِهٖ اِلَّا فِیْ مَوَاضِعَ لِغَرْضٍ۔

"اور جن احادیث پر شیخؒ نے ضعیف یا غریب وغیرہ کا حکم لگایا ہے میں نے ان کا سبب بیان کر دیا ہے اور جن احادیث و اصولی امور کی جانب شیخ نے کوئی اشارہ نہیں کیا تو میں نے بھی شیخ کی پیروی کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا ہے مگر بعض مقامات پر مجبوری کی بنا پر میں نے توضیح کر دی ہے۔"

تشریح: یعنی صاحب مصابیح نے بعض احادیث کے بارہ میں نقل کیا تھا کہ فلاں غریب ہے اور فلاں ضعیف ہے یا شاذ و منکر کا حکم لگا دیا تھا تو صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ میں اس کی توضیح کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ حدیث غریب کیوں ہے یا ضعیف کیوں ہے اور ان احادیث کو شاذ و

منکر کیوں کہا گیا اور کچھ ایسی احادیث بھی تھیں جن کو صاحب مصابیح نے نہ تو ضعیف و غریب کہا تھا اور نہ ہی شاذ و منکر، بلکہ انہیں ایسا ہی چھوڑ دیا تھا تو صاحب مشکوٰۃ نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے ان کی کوئی توضیح نہیں کی بلکہ انہیں اسی طرح نقل کر دیا۔ البتہ بعض مجبوریوں کی بنا پر کچھ ایسے مقامات پر بھی صاحب مشکوٰۃ نے توضیح کر دی ہے جہاں صاحب مصابیح نے سکوت اختیار کیا ہے مثلاً بعض لوگوں نے طعن و کلام کیا کہ فلاں حدیث موضوع ہے یا باطل ہے تو مجبوراً صاحب مشکوٰۃ نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے ان کی تشریح و توضیح ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے کی کہ یہ حدیث صحیح یا حسن ہے اور یہ ضعیف یا غریب ہے۔

وَرُبَمَا تَجِدُ مَوَاضِعَ مُهْمَلَةً وَذٰلِكَ حَيْثُ لَمْ اَطَّلِعْ عَلٰى رَاوِيْهِ فَتَرَكْتُ الْبَيَاضَ فَاِنْ عَثَرْتَ عَلَيْهِ فَاَلْحِقْهُ بِهٖ اَحْسَنَ اللّٰهُ جَزَآءَكَ۔

"اور کچھ ایسے مقام بھی ملیں گے کہ وہاں حدیث کے بعد میں نے کتاب کا حوالہ نہیں دیا کیونکہ باوجود تحقیق و تلاش کے میں راوی کے نام سے واقف نہیں ہو سکا لہٰذا وہ جگہ میں نے چھوڑ دی ہے پس اگر تمہیں راوی کے نام کا علم ہو تو اس جگہ اس کا حوالہ دے دینا اس کے لئے اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائیں گے۔"

وَسَمَّيْتُ الْكِتٰبَ بِمِشْكٰوةِ الْمَصَابِيْحِ۔

"اور اس کتاب کا نام میں نے مشکوٰۃ المصابیح رکھا ہے۔"

تشریح: مصابیح مصباح کی جمع ہے جس کے معنی چراغ کے ہیں اور مشکوٰۃ کے معنی طاقچہ ہے۔ جس طرح طاقچہ میں چراغ رکھا جاتا ہے اسی طرح کتاب مصابیح، مشکوٰۃ میں رکھی ہوئی ہے۔

وَاَسْأَلُ اللّٰهَ التَّوْفِيْقَ وَالْاِعَانَةَ وَالْهِدَايَةَ وَالصِّيَانَةَ وَتَيْسِيْرَ مَا اَقْصِدُهٗ۔

"اس کتاب کی تصنیف کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے نیک توفیق، اس کی مدد اور ہدایت کا طلبگار ہوں اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے خطا و قصور سے حفاظت اور مشکلات کی آسانیوں کے لئے دعا کرتا ہوں۔"

وَاَنْ يَّنْفَعَنِىْ فِى الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ وَجَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ حَسْبِىَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔

"اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند قدوس اس زندگی میں اور مرنے کے بعد مجھے بھی اور ہر مسلمان مرد و عورت کو نفع پہنچائے اور اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی اور بہتر کارساز ہے اور برائی سے بچنے کی طاقت اور نیک کام کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو تمام امور پر غالب اور حکمت والا ہے۔"

تشریح: زندگی میں نفع تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کتاب کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور ان احادیث پر عمل کرنے کی توفیق دے اور مرنے کے بعد کا نفع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی برکت سے مغفرت و بخشش اور جنّت کی نعمت سے نوازے اور اپنے بے پایاں رحمت کے دروازے کھول دے۔

مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث

(۱) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَانَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِامْرَأَۃٍ یَتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَاھَاجَرَ اِلَیْہِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عمرؓ بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام کاموں کا مدار نیت پر ہے (یعنی عمل کا ثمرہ نیت پر مرتب ہوتا ہے) لہٰذا جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے (بہ نسبت خالص) ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول ہی کے لئے ہوگی اور جس شخص نے دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہوگی جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مشکوٰۃ شریف کے مصنفؒ اس حدیث کو باب سے پہلے لائے ہیں جس سے ان کا مقصد اس کی طرف اشارہ ہے کہ طالب کو چاہئے کہ اس علم (حدیث شریف) کو حاصل کرنے کے لئے اپنی نیت کو پہلے خالصۃً للہ کرے پھر اس کے حصول میں منہمک ہو، اس حدیث کی فضیلت و اہمیت پر محدثین کا اتفاق ہے بلکہ بعض علماء نے تو اس حدیث کو نصف علم کا درجہ دیا ہے۔

ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لئے دارالکفر کے اپنے وطن کو ترک کر کے دارالاسلام کو اپنا وطن بنالے اور وہاں جا کر بس جائے، پس اگرچہ ہجرت کرنے والا شخص اپنی نیت میں مخلص ہے اور اس کی ہجرت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے تو ثواب پائے گا اور اس کا یہ عمل عند اللہ مقبول ہوگا لیکن اگر نیت میں کھوٹ ہے اور ہجرت (یعنی ترک وطن) سے اس کا مقصد طلب دنیا یا حصول جاہ و زر ہے تو یقیناً وہ ثواب سے محروم رہے گا، لیکن اگر طلب دنیا اور خواہش نفس کے ساتھ رضائے حق کی نیت بھی کر لیتا ہے تو ثواب ملے گا۔

اس حدیث میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، ایک شخص مدینہ میں ایک عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ اس عورت کا نام اُمّ قیس تھا۔ اسی مناسبت سے وہ شخص مہاجر اُم قیس کہا جاتا تھا، جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اُمّ قیس نامی عورت کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ اُمّ قیس نے اس شرط پر منظور کیا کہ وہ مدینہ ہجرت کر کے آجائے، تب شادی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ ہجرت کر کے مدینہ آگیا اور اُمّ قیس سے شادی کی، اس کے بعد سے وہ شخص مہاجر اُمّ قیس کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اس حدیث میں لفظی اختلاف ہیں جو متعدد نسخوں میں کئی طرح سے وارد ہیں۔ بعض جگہ انما الاعمال بالنیات ہے اور انما الاعمال بالنیۃ اور العمل بالنیۃ بھی مروی ہے۔ بہرحال یہ اختلاف لفظی ہے جس کا اثر معنی اور مفہوم پر کچھ نہیں پڑتا۔

حدیث کے پہلے دونوں جملوں کا ایک ہی مطلب ہے دراصل انما لامرئ مانوی سے تاکید کی جارہی ہے، پہلے جملہ کی عمل بغیر نیت کے معتبر نہیں ہوگا یعنی جو شخص جیسی نیت کرے گا ویسا ہی اس کا اجر پاوے گا، چنانچہ ایک عمل میں جتنی نیت کرے گا، اتنے ہی ثواب اسے حاصل ہوں گے۔ مثلاً:

لے آپ کا اسم مبارک عمر، کنیت ابوحفص اور لقب فاروق اعظم ہے۔ آپ قریش کی شاخ عدی کے قبیلے سے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر فاروق کے سلسلۂ نسب کعب بن لوئی پر جا کر ملتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ کو متفقہ طور پر دوسرا خلیفہ منتخب کیا گیا۔ ہجرت کے تیئسویں سال ۲۷ ذی الحجہ کو بدھ کے دن آپ مسجد نبوی میں فجر کی نماز پڑھارہے تھے کہ ایک بدبخت نصرانی ابولؤلؤ نے آپ پر خنجر سے حملہ کیا اور آپ نے شہادت پائی۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۶۳ برس تھی۔

❶ ایک شخص کا کوئی عزیز قرابتی غریب و مفلس ہے اس غریب کی وہ مدد اس نیت سے کرتا ہے کہ ایک غریب کی لوجہ اللہ مدد کرنا کار ثواب ہے تو اس کو اسی کا ثواب ملے گا لیکن اگر وہ اس کے ساتھ ہی صلہ رحمی کی بھی نیت کرتا ہے کہ اس کی لوجہ اللہ مدد کرنا کار ثواب ہے ہی مگر اس سے میرے ایک عزیز کی پریشانیاں بھی دور ہو جائیں گی تو اب محض یہ نیت کرنے سے اس کو دو ثواب ملیں گے۔

❷ اسی طرح مسجد میں جانے کی کئی نیتیں ہو سکتی ہیں اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ثواب ملتا ہے مثلاً ایک شخص مسجد میں جاتا ہے تو وہ نیت کرے کہ چونکہ فرمایا گیا ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، جہاں آنے والا گویا اللہ تعالیٰ کی زیارت کو آتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کریم ہے اور کریم کے لئے مہمان کی ضیافت ضروری ہوتی ہے لہٰذا میں بھی اس کا امیدوار ہوں تو اس کو یہ ثواب حاصل ہو جائے گا۔

اور نیت کرے جماعت کے انتظار کا، چونکہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص جماعت کا انتظار کر رہا ہے وہ گویا حالت نماز میں ہے، پس اس نیت سے اس کا ثواب مل جائے گا۔

اور نیت کرے کہ کان و آنکھ اور تمام اعضاء بازار و سڑک میں گناہ میں گرفتار ہوتے اور یہاں مسجد میں آکر محفوظ ہو جائیں گے، مسجد میں آتے ہی اعتکاف کی نیت کرلے کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو چاہئے کہ اعتکاف کی نیت کرلیا کرے اور جن علماء کے نزدیک اعتکاف کی مدت کم سے کم ایک ساعت ہے ان کے یہاں وہ اعتکاف معتبر ہو گا تو یہ ثواب بھی کہیں نہیں گیا (مسجد میں دخول کے وقت اعتکاف کی نیت کرنا اور پھر اس پر ثواب ملنا در حقیقت خداوند قدوس کی جانب سے مسلمانوں کے لئے ایک نعمت ہے کہ جو بغیر محنت کئے ہوئے حاصل ہوتی ہے مگر افسوس کہ مسلمان اس سے غافل ہیں) یا اسی طرح جانتا ہے کہ مسجد میں آتے وقت اور مسجد سے نکلتے وقت مسنون دعائیں پڑھنا یا نبی کریم ﷺ پر صلوۃ و سلام بھیجنا سعادت کا باعث ہے تو اگر دخول مسجد کے وقت اس کی بھی نیت کرلے تو اس کا بھی ثواب ملے گا۔

اور نیت کرے کہ مسجد میں تنہائی اور سکون نصیب ہوتا ہے جہاں ذکر اللہ، تلاوت قرآن یا وعظ و نصیحت باطمینان کیا جا سکتا ہے تو اس کا ثواب بھی ملے گا کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص صبح مسجد میں ذکر و وعظ کے لئے جاتا ہے تو گویا وہ مجاہد فی سبیل اللہ کے مرتبہ کا ہوتا ہے یا کوئی جماعت مسجد میں بیٹھ کر تلاوت قرآن میں مشغول ہو اور آپس میں تذکیر و نصیحت کرتے رہیں تو اس جماعت کو ملائکہ ڈھانک لیتے ہیں اور رحمت خداوندی کا ان پر سایہ ہوتا ہے۔

اسی طرح نیت کرے کہ وضو کر کے مسجد میں نماز کے لئے جانے سے حج اور عمرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اور نیت کرے کہ مسجد میں لوگوں کے اجتماع سے افادہ و استفادہ بالعلم اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مواقع میسر آتے ہیں، نیت کرے وہاں مسلمان بھائیوں سے ملاقات کی اور ان پر سلام و رحمت پہنچانے کی۔

اور نیت کرے محاسبۂ نفس اور تفکر فی الآخرات اور اپنے گناہوں سے استغفار کی کیونکہ مسجد میں سکون اور دل جمعی سے یہ کام ہو سکتا ہے جو دوسری جگہ مشکل ہے۔

بہر حال مسجد میں آنے کا عمل ایک ہے لیکن چونکہ نیتیں الگ الگ ہو کر بہت زیادہ ہیں اس لئے ثواب ان سب نیتوں کا ملے گا گویا عمل ایک اور بہ سبب نیت ثواب اتنے زیادہ۔

اور پھر مسجد تو عبادت کی جگہ ہے اور ان امور کا تعلق بھی عبادت اور آخرت سے ہے لہٰذا ان پر ثواب تو ملتا ہی ہے لیکن اگر ان چیزوں میں بھی نیک نیت کرلے جن کا تعلق زینت جسمانی یا دنیاوی امور سے ہے تو خدا کی بے پایاں رحمت سے وہاں بھی ثواب ملتا ہے۔ مثلاً جمعہ کو یا عام طور پر خوشبو لگائے گا اور اس کے ساتھ یہ بھی نیت کرلے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے اس لئے میں بھی خوشبو لگاتا ہوں۔

اور نیت کرے اس خوشبو کے لگانے سے کہ اس سے مسجد کی تعظیم بھی ہوگی۔

اور نیت کرے کہ جو شخص میرے پاس بیٹھے گا خوشبو پاکر خوش ہوگا۔

اور نیت کرے کہ کوئی شخص محض میرے خوشبو نہ لگانے کے سبب بدبو کی وجہ سے میری غیبت کرے گا اور میں خوشبو لگا کر اس کو غیبت کے گناہ سے باز رکھتا ہوں۔

اور نیت کرے کہ تازہ خوشبو سے دماغ کے معالجہ کی کہ خوشبو سے میرا دماغ تر و تازہ ہوگا اور میں جس مجلس وعظ نصیحت میں بیٹھوں گا اس کی وجہ سے کام کی باتیں اچھی ذہن نشین ہوں گی۔

یہاں بھی خوشبو لگانے کا عمل ایک ہی ہے اور جس کا تعلق محض انسانی جذبہ و خواہش اور دنیاوی امور سے ہے لیکن اگر اس کے ساتھ یہ تمام نیک نیتیں کرلی جائیں تو ان پر بھی الگ الگ ثواب کا مستحق ہوگا، اسی طرح ہر عمل میں مختلف نیتیں ہو سکتی ہیں جن پر بے شمار ثواب کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔

اور اگر کوئی عمل محض لذت جسمانی اور خواہش نفسانی کے لئے کرتا ہے تو ثواب کی دولت سے تو محروم رہے ہی گا بلکہ مستحق ملامت و عتاب بھی ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ عمل کا مدار یعنی اس پر ثواب ملنا صرف نیت کے اوپر ہے جیسی نیت کرے گا ویسا ہی اس پر ثمرہ مرتب ہوگا۔

نیت کے مسائل

مسئلہ: اس حدیث میں جن اعمال کے بارے میں نیت کو ضروری قرار دیا گیا ہے ان سے اعمال مقصودہ مراد ہیں یعنی ایسے عمل جن کا کرنا شریعت میں مطلوب اور مقصود ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ پس اس قسم کے عمل بغیر نیت کے معتبر نہیں ہوں گے اور نہ خدا کے نزدیک مقبول و صحیح ہوں گے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز بغیر نیت کے پڑھتا ہے تو نہ تو اس کی نماز صحیح ہوگی اور نہ عنداللہ مقبول ہوگی اور اسی طرح نہ بغیر نیت کے زکوٰۃ ادا ہوگی اور نہ بغیر نیت کے روزہ و حج صحیح ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ نیت کی ضرورت اور احتیاج اعمال مقصودہ میں ہوگی کیونکہ بغیر نیت کے اعمال کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

اعمال مقصودہ کے مقابلہ میں اعمال غیر مقصودہ ہیں یعنی ایسے اعمال جن کا کرنا مقصد نہ ہو بلکہ ان کا کرنا کسی خارجی امر کی بنا پر ضروری ہے جیسے غسل اور وضو کہ یہ فی نفسہ اور بذاتہ مقصود نہیں ہوتے بلکہ غسل کی ضرورت پاکی کے لئے ہوتی ہے اور وضو کی ضرورت نماز کے لئے۔

اب علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ان اعمال غیر مقصودہ یعنی غسل اور وضو میں نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ کے نزدیک وضو اور غسل میں نیت ضروری ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ فرض ہے لہٰذا اگر غسل یا وضو بغیر نیت کے ہوا تو وہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک غسل اور وضو بغیر نیت کے معتبر ہوں گے کیونکہ ان کے نزدیک نیت فرض نہیں ہے بلکہ سُنّت اور مستحب ہے لہٰذا اگر وضو یا غسل بغیر نیت کے کیا گیا تو ادا ہو جائے گا۔

شریعت میں نیت سے مراد تقرب الی اللہ کا قصد کرنا ہے یعنی جو کام کرے صرف اللہ کے لئے کرے اور اس کے حکم کی بجا آوری اور اس کی رضا کی طلب کے لئے کرے۔

نیت کے معنی دل سے قصد کرنے کے ہیں، نیت میں صرف دل سے قصد کرنا کافی ہوتا ہے زبان سے کہنا شرط نہیں، عبادات میں اگر محض زبان سے کہا اور دل میں نیت کی تو عبادت معتبر نہ ہوگی چنانچہ کتاب مجمع میں لکھا ہے کہ صرف زبان سے کہنے کا اعتبار نہیں ہوگا، اب علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ دل سے قصد اور نیت کرنے کے ساتھ زبان سے کہنا سُنّت ہے یا مستحب یا مکروہ ہے۔

چنانچہ اس میں تین قول ہیں، فتح القدیر میں ہے کہ نیت کا زبان سے کہنا نہ تو نبی ﷺ سے منقول ہے اور نہ صحابہ کرام سے، اور اس کا

ذکر نہ کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے اور نہ حدیث ضعیف سے اور نہ چاروں امام اس کا قائل ہیں۔

کتاب مفید نے نقل کیا ہے کہ بعض مشائخ نے اس کو مکروہ کہا ہے اور بعض نے مستحب، سو جنہوں نے مستحب کہا ہے ان کے نزدیک بھی صرف اسی قدر کہنا مستحب ہے کہ اللھم انی ارید صلوة کذا فیسر ھالی و تقلبھامنی مگر اس قسم کی عبارت بھی حدیث شریف میں صرف حج کی نیت کے لئے منقول ہے، دیگر عبادات کے ثابت اور منقول نہیں ہے۔

بہرحال نیت کا یہ مقدمہ اور بیان کتاب اشباہ میں مفصل لکھا ہے، اس سلسلہ میں مترجم کی تحقیق یہ ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اور ائمہ کرام رحمہم للہ تعالیٰ سے نماز یا روزہ میں نیت یا زبان سے کہنا منقول نہیں ہے اور بعد میں علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا یہ سُنّت ہے یا مستحب اور یا مکروہ اور یا بدعت ہے تو فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کے سُنّت یا بدعت ہونے میں علماء کا اختلاف ہو یعنی بعض یہ کہیں کہ یہ بدعت ہے اور بعض کہیں کہ سُنّت ہے تو احتیاط اس جگہ یہ ہے کہ ایسی چیز کو ترک کر دینا ہی مناسب ہے۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری میں بھی ایسا ہی نقل کیا گیا ہے اسی طرح اگر سُنّت و مستحب ہونے میں بھی اختلاف ہو تو ترک کر دینا ہی اولیٰ ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے ترجمہ مشکوٰۃ میں فرمایا ہے کہ علماء اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ نماز میں نیت کا پکار کر کہنا مشروع نہیں ہے۔ نیز حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ محدثین نے کہا ہے کہ حدیث کی کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے نیت زبان سے کہی ہو۔

لہٰذا آنحضرت ﷺ کی سُنّت کا اتباع اسی میں ہے کہ نیت دل سے کرے اور اسی پر اکتفا کرے کیونکہ جس طرح رسول خدا ﷺ کے کیے ہوئے فعل کا اتباع کرنا اطاعت رسول ہے اسی طرح یہ بھی نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے کہ جس فعل کو نبی کریم ﷺ نے کبھی نہ کیا ہو اس پر عمل نہ کیا جاوے اور چاہئے کہ اس پر دوام اصرار نہ کیا جاوے جو شارع سے ثابت نہیں ہے۔

مسئلہ: نیت کا اثر عبادات میں مرتب ہوتا ہے، حرام کام میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا اور نہ اس کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔ اگر کسی مباح چیز میں عبادت کی نیت کرلے یا اس چیز میں نیت کرلے جو عبادت کے لئے وسیلہ ہوتی ہے اور اس پر نیت کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے اور ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ: وضو میں نیت کرنا سُنّت ہے اب اس میں اختلاف ہے کہ وضو کے لئے نیت کب کرے چنانچہ بعض علماء کے نزدیک منہ کے دھونے کے وقت نیت کرنی چاہئے لیکن بہتر یہ ہے کہ شروع وضو میں ہاتھ دھونے کے وقت نیت کرلی جائے تاکہ منہ دھونے سے پہلے بھی سُنّت کا ثواب حاصل ہو جائے۔ غسل میں بھی نیت سُنّت ہے مناسب یہ ہے کہ وضو شروع کرنے کے وقت غسل میں نیت کرے، تیمم میں نیت کرنا فرض ہے۔ جس وقت تیمم کے لئے ہاتھ مٹی پر رکھے اس وقت نیت کرلینی چاہیے اس کے بعد ہاتھ کو منہ اور ہاتھوں پر پھیر لے۔

مسئلہ: نیت کے لئے کئی چیزیں شرط ہیں۔ ① اسلام۔ کیونکہ مسلمانوں کی عبادت مقبول ہوتی ہے، کافر کی عبادت نہ تو صحیح ہوتی ہے اور نہ مقبول ہوتی ہے۔ ② تمیز۔ یعنی اتنی عقل رکھتا ہو کہ عبادت اور غیر عبادت میں فرق سمجھتا ہو اسی لئے دیوانے اور تمیز نہ کرنے والے لڑکے کی عبادت معتبر نہیں ہوتی۔ ③ علم۔ یعنی جس چیز کو کر رہا ہے اس کی حقیقت اور اہمیت جانتا ہو چنانچہ ایک شخص نماز کی اہمیت اور اس کی فرضیت سے لاعلم ہے اگرچہ نیت کرتا ہے لیکن اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی اور ④ چوتھی چیز یہ کہ نیت کے منافی کوئی چیز نہ کرے۔ مثلاً کوئی اسلام لائے اور عبادت کرنے کے بعد معاذاللہ مرتد ہو گیا تو اس کا سب علم اور عبادت ضائع ہو جائے گا اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی نے نماز شروع کی یا روزہ رکھا لیکن درمیان میں توڑ ڈالا تو نماز اور روزہ دونوں باطل ہو جائیں گے، کیونکہ عبادت کے درمیان سے بغیر مکمل کیے ہوئے ختم کر دینا نیت کے منافی ہے۔

مسئلہ: فرض نماز میں نیت چار چیزوں کی ہوتی ہے، ایک نماز پڑھنے کی، دوسرے فرض نماز پڑھنے کی، تیسری تعیّن وقت مثلاً ظہر کی یا عصر یا مغرب کی، چوتھے اگر مقتدی ہو تو اقتدا کی، ان چار چیزوں کو نماز شروع کرنے کے وقت دل میں رکھے اور نیت کرے، اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کا بھی دھیان دل میں نہ رہا تو نماز نہیں ہوگی۔

مسئلہ: عبادت واجبہ میں نیت کا حکم فرض کی طرح ہے یعنی واجب کا متعین کرنا ضروری ہے جیسے فرض کا تعیّن کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: سُنّت مطلق نماز کی نیت سے اور نفل کی نیت سے صحیح ہو جاتی ہے خواہ سُنّت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ، اس میں دونوں برابر ہیں۔

مسئلہ: رمضان کے روزہ میں خواہ نیت نفل کی کی گئی ہو یا واجب کی یا مطلقاً نیت نہیں کی۔ ہر حال میں روزہ رمضان ہی کا ادا ہوگا یعنی ایک تو یہ کہ رمضان کا روزہ ہے اور نیت بھی رمضان ہی کے روزہ کی ہے اس میں تو ادائے روزہ میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے کہ روزہ تو رمضان کے مہینہ میں رکھ رہا ہے لیکن نیت اس نے نفل روزہ کی کرلی یا کسی واجب جیسے نذر وغیرہ کی نیت کی، یا یہ کہ مطلقاً نیت ہی نہیں کی تو ایسی شکل میں بھی فقہاء لکھتے ہیں کہ روزہ رمضان ہی کا مانا جائے گا اور رمضان کا روزہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ: رمضان کے روزہ کی نیت بھی رات میں بھی کر سکتا ہے اور صبح بھی دوپہر تک یعنی نصف النہار سے پہلے پہلے نیت کی جاسکتی ہے۔ شرع میں دن کی ابتدا طلوع صبح صادق سے اور انتہاء غروب آفتاب پر ہوتی ہے لہٰذا نیت دن کے پہلے نصف حصہ میں کر سکتا ہے، اسی طرح نفل اور نذر معین کے روزے کی نیت بھی رات میں اور دن میں نصف النہار سے پہلے پہلے کی جاسکتی ہے۔ لیکن رمضان کے قضاء نذر مطلق اور کفارے کے روزوں کی نیت صرف رات میں کرنی چاہئے ان روزوں کی نیت دن میں معتبر نہ ہوگی۔

نذر معین کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی خاص دن کو روزے کے لیے متعین کرے یعنی یہ ارادہ کرے کہ فلاں جمعہ کو یا فلاں پیر، اور فلاں تاریخ کو میں روزہ رکھوں گا گویا اس نے ایک دن تعیّن کر کے روزے کو اپنے اوپر لازم اور واجب کرلیا ہے تو یہ صورت نذر معین کہلاتی ہے۔

نذر مطلق کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص پر ایک یا کئی روزے واجب ہوں، یا یہ کہے کہ اگر میرا فلاں عزیز اچھا ہو گیا تو میں روزہ رکھوں گا تو اس شکل میں وہ جب چاہے روزہ رکھ سکتا ہے۔ چونکہ اس میں کسی دن کا تعیّن نہیں ہوتا لہٰذا اسے نذر مطلق کہتے ہیں۔

مسئلہ: زکوٰۃ کی نیت کی دو شکلیں ہیں ایک تو یہ کہ جب زکوٰۃ کی رقم دینے لگے تو اس وقت ادائے زکوٰۃ کی نیت کرے دوسری شکل یہ ہے کہ اپنے مال میں سے زکوٰۃ کے لئے ایک حصہ الگ نکالتا ہے کہ اس میں سے زکوٰۃ دیتا رہوں گا تو اس صورت میں مال کو الگ نکالتے وقت ادائے زکوٰۃ کی نیت کرنی چاہئے، زکوٰۃ کا مال دیتے وقت نیت ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ: کسی نے ایک مستحق کو زکوٰۃ کا مال دیا لیکن دیتے وقت اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تھی تو اب بعد میں اگر وہ زکوٰۃ کی نیت کرتا ہے تو وہ نیت اسی وقت معتبر ہوگی جب کہ اس مستحق کے پاس وہ مال موجود ہو اور اس نے اسے صرف نہ کیا ہو لیکن اگر مستحق کے پاس صرف ہو گیا ہے اور اس کے پاس موجود نہیں ہے تو پھر بعد میں زکوٰۃ کی نیت معتبر نہ ہوگی اور زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

مسئلہ: صدقہ فطر باعتبار مصرف اور نیت کے زکوٰۃ ہی کی طرح ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ صدقہ ذمی[1] یا کافر کو دیا جاسکتا ہے مگر زکوٰۃ ذمی کافر کو دینا درست نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک عبادت کے درمیان دوسری عبادت کی نیت کرنا درست ہے مثلاً ایک شخص فرض یا نفل پڑھ رہا ہے اور نماز پڑھنے کے دوران اس نے روزہ کی نیت بھی کرلی تو یہ نیت معتبر ہوگی اور نماز فاسد نہیں ہوگی۔

---

[1] ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جو جزیہ (ٹیکس) ادا کرے اور اسلامی ریاست کا وفادار شہری ہو۔

مسئلہ: عبادت مثل نماز وغیرہ میں صرف شروع نیت کرنی چاہیے اس کے ہر ہر جزاور رکن کے لئے نیت ضروری نہیں۔کیونکہ اس سے نماز میں خلل پڑسکتا ہے۔

مسئلہ: ایک شخص نے فرض نماز شروع کی، درمیان میں اسے خیال ہوا کہ یہ نفل ہے اور پھر نیت کر کے نفل نماز پوری کی، تو اس صورت میں اس کی نماز فرض ادا ہوگی کیونکہ درمیان نماز میں شبہ کا واقع ہونا معتبر نہیں ہوتا ہے چنانچہ اس کے بارے میں کتاب اشباہ میں نہایہ سے ایسا ہی منقول ہے۔

مسئلہ: بعضی عبادتیں ایسی ہیں کہ ان میں صرف دل سے نیت کرنا کافی نہیں ہوتا جب تک زبان سے بھی نہ کہے مثلاً نذر ہے کہ اگر ایک شخص نذر کی نماز پڑھتا ہے یا روزہ رکھتا ہے اور نیت صرف دل سے کرتا ہے تو اس طرح نذر ادا نہیں ہوتی جب کہ زبان سے نہ کہے کہ اتنی نمازیں نذر کی میرے ذمہ ہیں یا اتنے روزے نذر کے مجھے رکھنے ہیں یا اتنے نمازیوں کو کھانا کھلانا ہے یا مثلاً اسی طرح وقف ہے کوئی شخص بھی اپنی کسی ملکیت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کرتا ہے تو اگر وہ صرف دل میں نیت کرے کہ میں نے فلاں چیز خدا کی راہ میں وقف کی تو یہ وقف معتبر نہ ہوگا جب تک کہ وہ زبان سے ادا نہ کرے کہ میں یہ چیز خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر رہا ہوں۔

عبادت کے علاوہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں دل سے نیت کرنے کا سرے سے اعتبار ہی نہیں ہوتا بلکہ ان میں زبان سے کہنا ہی ضروری اور کافی ہوتا ہے مثلاً طلاق اور عتاق۔ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے لیکن زبان سے نہیں کہتا صرف دل میں نیت کر لیتا ہے کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرتا ہے مگر زبان سے کچھ نہیں کہتا صرف دل میں عتاق کی نیت کرتا ہے تو اس طرح نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ عتاق جب تک زبان سے یہ نہ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی یا میں نے تجھے آزاد کیا تو اس طرح یہاں صرف زبان سے کہنے کا اعتبار کیا جاوے گا اور محض زبان سے کہنا کافی ضروری ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کوئی چیز اپنے استعمال کے لئے خریدی مثلاً لونڈی اپنی خدمت کے لئے خریدی یا کپڑا اپنے پہننے کے واسطے خریدا یا اپنے پڑھنے کے لئے کتاب خریدی یا اسی طرح جانور خریدا اپنی سواری کے لئے تو ان چیزوں کو اپنے استعمال کے لئے خریدتا ہے اور دل میں یہ بھی خیال ہے کہ اگر ان چیزوں کی قیمت زیادہ ملی اور نفع ہوا تو میں اس کو بیچ دوں گا تو ایسی صورت میں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

مسئلہ: ایک شخص کو رمضان کے چاند ہونے کی تحقیق نہیں ہوسکی، صبح ہونے پر اسے تردد ہوا کہ خبر نہیں آج رمضان کا دن ہے یا نہیں، اب وہ نیت کرتا ہے کہ اگر آج رمضان کا پہلا دن ہو تو میرا روزہ ہے اور اگر شعبان کا آخری دن ہو تو روزہ نہیں ہے تو روزہ کے لئے اس کی یہ نیت درست نہیں ہوگی ہاں اگر اسے روزہ کے وصف میں شک ہو یعنی وہ اس طرح نیت کرے کہ اگر آج شعبان کا دن ہے تو نفل کے روزہ کی نیت کرتا ہوں اور اگر رمضان کا دن ہے تو فرض روزہ کی نیت کرتا ہوں تو اس طرح کی نیت معتبر اور درست ہوگی، اگر وہ دن رمضان کا ہوا تو اس کا فرض روزہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ: کسی امر مباح کا وصف باعتبار نیت اور قصد کے مختلف ہوتا ہے اگر کسی مباح کو اطاعت کی نیت سے کیا جائے تو وہ مباح بھی اطاعت میں شامل ہے۔ مثلاً، کھانا، سونا، حلال مال کی کمائی، یا اپنی بیوی سے صحبت، اگر ان امور میں جو امر مباح ہیں ان کے کرنے کے وقت عبادت اور خدا تعالیٰ کی اطاعت و رضا کی نیت کر لی جائے تو یہی مباح چیزیں عبادت ہو جاتی ہیں اور ان پر ثواب ملتا ہے لیکن اگر امر مباح میں اطاعت و رضائے الٰہی کی نیت نہیں کرتا تو پھر اس پر کوئی ثواب نہیں ملتا۔

مسئلہ: ایک شخص اپنی بیوی کو کنایہ کے الفاظ کے ذریعہ طلاق دیتا ہے تو اس میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا یعنی اگر اس کی نیت طلاق کی تھی تو طلاق پڑ جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہیں تھی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر بصراحت طلاق کے الفاظ ادا کر رہا ہے تو پھر اس میں

نیت کی ضرورت نہیں ہوگی اور طلاق بغیر نیت کے واقع ہو جائے گی۔

مسئلہ: حالت جنابت میں قرآن شریف کا قرأت کے ارادہ کے بغیر صرف ذکر کی نیت سے پڑھنا درست ہے لیکن بارادۂ قرأت بغیر نیت ذکر پڑھنا درست نہیں ہے بلکہ یہ حرام ہے۔

مسئلہ: اگر تجارت کی نیت ایسے ماحول میں کی ہو جو زمین کی پیداوار ہے خواہ وہ زمین عشری ہو یا خراجی اور یا کرایہ کی ہو، یا عاریۃً ہو تو ایسے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

مسئلہ: تجارت کی نیت اگر کوئی شخص ایسی جنس میں کرتا ہے جو اسے کسی ماحول کے عوض کے بغیر ملی ہو مثلاً کسی نے اسے ہبہ کیا ہو یا صدقہ دیا ہو یا اسے خُلع اور مہر کے ذریعے حاصل ہوا ہو یا ایسے ہی کسی وصیت کے سلسلہ میں اسے کچھ مال ملا ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اگرچہ اس پر ایک سال کیوں نہ گزر جائے مگر جب وہ مال فروخت ہوگا اور اس کے عوض میں جو چیز حاصل ہوگی، خواہ وہ بصورت نقد ہو یا بصورت جنس تو اس پر ایک سال گزر جانے کے بعد زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

مسئلہ: ایک شخص کی ملکیت میں کچھ ایسے جانور ہیں جو سال کے اکثر حصے جنگل میں چرتے ہیں، اگر ان جانوروں سے اس کا مقصد دودھ یا بچے حاصل کرنا ہے تو اس میں جانوروں کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر اس نے ان سے تجارت کی نیت کی ہو تو اس میں تجارت کی زکوٰۃ ہوگی۔ بشرطیکہ جب اس نے ان جانوروں کو خریدا تھا تو اس وقت بھی اس کی نیت تجارت ہی کی رہی ہو کیونکہ اگر ان جانوروں کے خریدنے کے وقت اس کی نیت سواری یا بار برداری کی رہی ہو تو پھر ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص خوشی سے زکوٰۃ نہیں دیتا ہے تو زکوٰۃ وصول کرنے والے کو جو امام وقت کی طرف سے مقرر ہے اس سے زبردستی زکوٰۃ حاصل کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اگر اس نے زبردستی زکوٰۃ وصول کر لی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ میں اختیار شرط ہے۔ ہاں اس شخص کو جو خود سے زکوٰۃ نہیں دیتا ہے زکوٰۃ وصول کرنے والا قید کر سکتا ہے تاکہ وہ زکوٰۃ دینے پر راضی ہو جائے اور زکوٰۃ خود بخود ادا کرے۔

بعض ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حاکم زبردستی زکوٰۃ وصول کرے اور اس کو زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے لیکن ایسی روایتیں ضعیف ہیں۔ معتمد اور معتبر روایت یہی ہے کہ زبردستی زکوٰۃ وصول کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

مسئلہ: جمعہ کے خطبہ کے لئے نیت ضروری ہے۔ اگر ایک شخص خطبہ کے لئے منبر پر کھڑا ہو اور کھڑے ہونے کے بعد اسے چھینک آئی۔ اس نے الحمد اللہ کہا، تو چونکہ یہ الحمد للہ اس نے چھینک کے لئے کہا ہے اور خطبہ کی نیت نہیں کی ہے۔ اس لئے اس کا خطبہ میں شمار نہیں ہوگا۔

اسی طرح عیدین کے خطبہ میں بھی نیت ضروری ہے۔ اگر عیدین میں منبر پر کھڑے ہو کر بغیر نیت کے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی تو خطبہ ادا نہیں ہوگا جب تک کہ خطبہ کی نیت نہ کرے۔

مسئلہ: ایک شخص انگور کے رس کی تجارت کرتا ہے جس سے شراب بنائی جاتی ہے۔ اگر اس کی نیت محض تجارت کی ہے اور اس کا مقصد اس تجارت سے یہ نہیں ہے کہ اس سے شراب بنائی جائے تو یہ تجارت صحیح ہوگی اور اگر اس کی تجارت ہی یہ ہے کہ اس سے شراب بنائی جائے تو یہ تجارت حرام ہوگی۔

اسی طرح اگر ایک شخص انگور کا درخت لگاتا ہے اور اس کی نیت یہ ہے کہ لوگ انگور کھائیں گے یا انگور کی تجارت کروں گا تو یہ صحیح ہے اور اگر وہ انگور کا درخت اس نیت سے لگاتا ہے کہ اس سے شراب بنائی جائے گی تو یہ حرام ہوگا۔

ایسے ہی انگور کا شیرہ سرکہ بنانے کی نیت سے نکالتا ہے تو صحیح ہے اور اگر شراب بنانے کی غرض سے انگور کا شیرہ نکالا جائے گا تو یہ حرام ہو گا۔

ایک شخص کسی مسلمان سے کسی ناراضگی یا لڑائی کی بنا پر ملاقات نہ کرے تو یہ اس کے حق میں حرام ہے ہاں اگر اس کا ملاقات نہ کرنا اس بنا پر نہ ہو تو اگر بہت عرصہ تک بھی ملاقات نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک عورت اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسری میت کے موقع پر اگر تین دن سے زیادہ بناؤ سنگار اور زیب و زینت محض سوگ منانے یا ماتم داری کے لئے چھوڑتی ہے تو یہ حرام ہے۔ ہاں اگر یہ مقصد نہیں ہے بلکہ ایسے ہی اضطراراً زیب و زینت ترک کیے ہوئے ہے تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: کسی میت کے موقع پر مباح چیزیں ترک کر دینا مثلاً اچار نہ ڈالنا، چرخہ نہ کاتنا، دال نہ دھونی، چارپائی پر نہ سونا، سویاں نہ بنانی پکانی اور نہ بھونی یا اسی طرح چہلم یا ششماہی تک شادی، نکاح، عقیقہ، ختنہ نہ کرنا، یہ سب رسم محض ہیں جو حرام ہیں۔

البتہ ان کے ترک کرنے میں اگر یہ نیت نہیں ہے بلکہ کسی امر خارجی کی بنا پر یا یونہی ان سے اجتناب کیا جائے تو حرج نہیں ہے لیکن شادی و نکاح میں کسی طرح بھی تاخیر مناسب نہیں کیونکہ یہ سُنّت ہے اور سُنّت جتنی جلدی ادا ہو اتنا ہی اچھا ہے اور باعث ثواب ہے۔

مسئلہ: نماز جنازہ کی نیت اس طرح ہوتی ہے "میں نماز جنازہ پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے واسطے اور دعا اس میت کے واسطے"۔

مسئلہ: سجدہ تلاوت میں تعیّن کرنا کہ فلاں تلاوت کا سجدہ ہے ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ: مقتدی کی نماز امام کی اقتداء کی نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی لیکن امامت بغیر نیت امامت کے صحیح ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ امام کی اقتداء کی نیت کرے اس کے بغیر اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی لیکن امام کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ مقتدی کی امامت کی نیت کرے۔ ہاں اگر امام کو معلوم ہے کہ پیچھے عورتیں بھی میری اقتداء میں نماز پڑھیں گی تو جب اس کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ عورتوں کی امامت کی نیت کرے۔ اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کی، تو عورتوں کی نماز نہیں ہوگی۔

بعض علماء نے جمعہ اور عیدین کی نماز کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا ہے یعنی اگر امام جمعہ و عیدین کی نماز میں عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے تو عورتوں کی اقتداء درست ہے اور ان کی نماز ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں کسی کی امامت نہیں کروں گا اس نے نماز شروع کی پیچھے سے ایک شخص آکر اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگا تو اس کی یہ اقتداء ٹھیک ہے اور نماز ہو جائے گی، اب رہا سوال قسم کا کہ وہ ٹوٹی یا نہیں؟ تو اس کی قسم قضاء تو ٹوٹ گئی لیکن دیانةً نہیں ٹوٹی، یعنی قاضی اس کی قسم کے ٹوٹ جانے کا حکم لگا دے گا لیکن عند اللہ وہ گنہگار نہیں ہو گا اور اگر اس شخص نے نماز سے پہلے کسی کو اپنی قسم کا گواہ بنا لیا تو پھر قضاء بھی نہیں ٹوٹے گی۔

اگر وہ قسم کھانے والا شخص جمعہ کی نماز میں لوگوں کا امام بنا تو نماز صحیح ہو جائے گی لیکن قضاء اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اگر ایسے شخص نے جنازہ کی نماز کی امامت کی تو قسم بالکل نہیں ٹوٹے گی اسی طرح سجدۂ تلاوت میں بھی نہیں ٹوٹے گی۔

ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کا امام نہیں بنوں گا، نماز میں دوسرے لوگوں کی امامت کی اور نیت یہی ہے کہ اس شخص کا امام نہیں ہوں بلکہ دوسرے لوگوں کا امام ہوں لیکن اس شخص نے اس کی لاعلمی میں آکر اس کے اقتداء کر لی تو اس امام کی قسم ٹوٹ جائے گی اگرچہ اس نے اقتداء اس کی لاعلمی ہی میں کی ہو۔

مسئلہ: ہبہ کے لئے نیت شرط نہیں ہے اگر ایک شخص نے کسی کو کوئی چیز ازراہ مذاق بخش دی تو وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی اور ہبہ صحیح

ہو گا۔

کسی نے ایک لاعلم شخص کو بخشش کے الفاظ سکھلا دیے اس کو معلوم نہیں تھا کہ ان الفاظ سے ہبہ ہو جاتا ہے پس اگر وہ شخص ان الفاظ کا تلفظ کرتا ہے تو اس طرح ہبہ نہیں ہو گا لیکن یہ ہبہ کا صحیح نہ ہونا اس لئے نہیں ہے کہ یہاں نیت نہیں پائی گئی بلکہ اس لئے کہ یہاں ہبہ کی شرط مفقود ہے اور جب شرط نہیں پائی گئی تو ہبہ بھی صحیح نہیں ہو گا اور ہبہ کی شرط رضامندی اور خوشی ہے۔

اگر کوئی شخص کسی سے زبردستی کر رہا ہے کہ فلاں چیز مجھے دے دے اور زبردستی اس سے لے بھی لی تو یہ ہبہ صحیح نہیں ہو گا بخلاف طلاق اور عتاق کے کہ حالت زبردستی میں بھی طلاق اور عتاق واقع ہو جاتے ہیں یعنی اگر کسی سے زبردستی طلاق لی جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

مسئلہ: نماز جنازہ میں اگر مقتدی ذکر کی نیت سے سورۂ فاتحہ بارادۂ قرأت پڑھتا ہے تو یہ حرام نہیں اگرچہ امام اعظمؒ کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنا حرام ہے لیکن چونکہ یہاں وہ سورۂ فاتحہ بارادۂ قرأت نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ بہ نیت ذکر پڑھ رہا ہے اس لئے اس کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی پر یہ مسئلہ بھی مبنی ہے کہ اگر جنبی مرد یا عورت یا حیض و نفاس والی عورت قرآن کی آیت بارادۂ ذکر اور دعا کے لئے پڑھے تو درست ہے اور اگر بارادہ قرأت قرآن کے پڑھے تو یہ درست نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک شخص کوئی چیز خریدنے کسی دکان پر آیا۔ دکاندار نے اپنا سامان مثلاً کپڑے کا تھان یا غلہ کی بوری وغیرہ اس کے سامنے کھولی اور گاہک کو رغبت دلانے کی خاطر اپنے سامان کو دیکھ دیکھ کر سبحان اللہ کہنے لگا یا درود سلام پڑھنے لگا تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ: ایک شخص معمول کی خوراک سے بھی زیادہ کھانا کھاتا ہے اگر اس زیادتی کی وجہ محض خواہش نفسانی ہے تو یہ مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر اس سے اس کی نیت یہ ہے کہ کل روزہ رکھوں گا یا اس کا مقصد یہ ہے کہ میرے ساتھ جو مہمان کھانا کھا رہا ہے وہ بھی میری طرح زیادہ کھائے اور بھوکا نہ رہے تو یہ مستحب ہے۔

مسئلہ: ایک مسلمان کو کسی کافر نے اپنی ڈھال بنا کر آگے کھڑا کر لیا، کوئی دوسرا مسلمان جو کافر کے مدمقابل ہے ادھر تیر چلاتا ہے تو اس سے اگر اس کا ارادہ مسلمان کا قتل ہے تو یہ حرام ہے اور اگر اس کا مقصد اس تیر کے چلانے سے کافر کو ہلاک کرنا ہے تو یہ حرام نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک شخص کو کوئی چیز راستہ میں پڑی ہوئی ملی اگر وہ شخص اس چیز کو اس نیت سے اٹھاتا ہے کہ اس کے مالک کو ڈھونڈ کر یہ چیز اس کے حوالہ کر دوں گا تو یہ جائز ہے اور اگر اس نیت سے اٹھاتا ہے کہ اس کے مالک کو نہیں دوں گا بلکہ اپنے پاس رکھوں گا تو یہ ناجائز ہے اور یہ شخص وہ چیز اٹھا کر غاصب اور گنہگار ہو گا۔

مسئلہ: اگر کتاب کو حفاظت کی نیت سے تکیہ بناتا ہے تو یہ مکروہ نہیں ہے اور اگر حفاظت کی نیت نہیں ہے تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ: ایک شخص خرجی[1] پر بیٹھ گیا جس میں قرآن شریف تھا اگر وہ قرآن شریف کی حفاظت کی غرض سے اس پر بیٹھا ہے تو مکروہ نہیں ہے اور اگر حفاظت کی نیت سے نہیں بیٹھا تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ: ایک شخص کھانا چھوڑ دیتا ہے اس کا یہ کھانا چھوڑنا اگر پرہیز اور دوا کی وجہ سے ہے، یا یہ کہ اس کو خواہش اور بھوک نہیں اس لئے کھانا چھوڑے ہوئے ہے تو ان صورتوں میں مستحق ثواب نہیں ہو گا۔ ہاں اگر وہ بارادۂ روزہ کھانا ترک کیے ہوئے ہے تو اس پر ثواب ملے گا۔

---

[1] خرجی اس تھیلے کو کہتے ہیں جس میں غلہ وغیرہ ڈال کر گھوڑے اور ٹٹو وغیرہ پر لادتے ہیں

مسئلہ: کوئی شخص مسجد میں محض آرام کرنے کے لئے بیٹھا ہے تو اس پر کوئی ثواب نہیں اور اگر نماز کے انتظار کی نیت یا اعتکاف کی نیت سے بیٹھا ہے تو اس پر ثواب کا مستحق ہوگا۔

مسئلہ: کسی جانور کو ایک تو محض کھانے کی نیت سے ذبح کیا جائے تو یہ مباح ہوگا لیکن اسی جانور کو ذبح کرنا عبادت کی غرض سے ہو مثلاً قربانی تو یہی ثواب کا باعث ہوگا۔ یا جانور ذبح کرے کسی مردہ یا زندہ شخص کی تعظیم اور چڑھاوے کی غرض سے تو یہ حرام بلکہ ایک قول کے مطابق کفر ہوگا۔

مسئلہ: نماز میں رکعت کی تعداد اور سجدوں کی تعداد کی نیت ضروری نہیں ہے اور نہ اس نیت کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً ایک شخص ظہر کی نماز پڑھتا ہے اور نیت کرتا ہے کہ "میں نماز پڑھتا ہوں ظہر کی تین رکعت" تو اس کی نماز ظہر کی صحیح ہو جائے گی اور تین رکعت کی نیت لغو ہو جائے گی۔

مسئلہ: ایک شخص نے کسی متعین امام کے اقتداء کی نیت کی لیکن بعد میں اسے معلوم ہوا کہ جس امام کی نیت کی تھی یہ وہ امام نہیں ہے بلکہ دوسرا امام ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے امام کو دیکھا اور اقتداء کی نیت کی کہ میں اس امام کے پیچھے کہ اس کا نام زید ہے نماز پڑھتا ہوں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ زید نہیں ہے تو جب بھی نماز درست ہو جائے گی۔

اسی طرح مقتدی امام سے بہت دور ہے کہ امام کو نہیں دیکھ سکتا اور نیت اسی طرح کی کہ امام کے پیچھے کہ اس کا نام زید ہے نماز پڑھتا ہوں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ زید نہیں ہے تو جب بھی نماز درست ہو جائے گی۔

کسی شخص نے نیت کی کہ میں نماز پڑھتا ہوں پیچھے اس شاب یعنی جوان کے لیکن اتفاق سے وہ شیخ یعنی بوڑھا نکلا تو نماز درست نہیں ہوگی۔ البتہ اگر اس کا عکس ہو کہ نیت تو کرے شیخ یعنی بوڑھے کی اور ہو شاب یعنی جوان تو نماز درست ہو جائے گی کیونکہ شاب کو بھی باعتبار اس کے علم اور فضل اور بزرگی کے شیخ کہا جاتا ہے بخلاف شیخ کے کہ اس کے لئے شاب کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ: ایک شخص نے خالصۃً للہ نماز شروع کی درمیان میں ریا کا خیال پیدا ہو گیا تو نماز اس کی پہلی نیت کی معتبر ہوگی۔ ریا یہ ہے کہ اگر تنہا ہو تو نماز نہ پڑھے اور اگر لوگوں کے ساتھ ہو تو نماز پڑھے۔

یا اسی طرح اگر تنہا نماز پڑھتا ہے تو اچھی طرح نہیں پڑھتا اور اگر چند آدمیوں کے ساتھ پڑھتا ہے تو اچھی طرح پڑھتا ہے۔ بہر حال اس کو اصل نماز کا ثواب ملے گا ہاں حسن نماز کا ثواب نہ ملے گا۔

مسئلہ: اگر کسی کو نماز کے بارے میں شک ہوا کہ نماز پڑھی ہے یا نہیں تو اس کو وقت کے اندر دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے اور اگر شک واقع ہوا کہ رکوع یا سجدہ کیا یا نہیں؟ اور وہ حالت نماز ہی میں ہے تو اس کو چاہیے کہ رکوع یا سجدہ دوبارہ کر لے اور اگر یہ شک نماز کے بعد واقع ہوا تو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

یا اسی طرح شک ہوا کہ خبر نہیں تکبیر تحریمہ کہی یا نہیں یا وضو ہوا ہے یا نہیں یا شک ہوا کہ کپڑے پر نجاست لگی ہے یا نہیں یا ایسے ہی تردد ہوا کہ سر پر مسح کیا ہے یا نہیں؟ تو ان سب صورتوں میں یہ دیکھا جائے گا کہ یہ شک کا واقع ہونا پہلی مرتبہ ہے یا بار بار ایسا ہی شک واقع ہوتا رہتا ہے۔ اگر پہلی مرتبہ یہ شک واقع ہوا ہے تو نماز از سر نو پڑھے اور اگر اکثر ایسا ہی شک برابر ہوتا رہتا ہے تو دوبارہ از سر نو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ: کسی معصیت اور گناہ کا محض قلب میں خیال آنے کے پانچ درجے ہیں:

اوّل ہاجس۔ یعنی دل میں کسی گناہ کے خیال کا اضطراراً آجانا۔

دوم خاطر۔ یعنی دل میں کسی گناہ کا خیال (قصداً) لانا۔

سوم حدیث نفس۔ یعنی کسی گناہ کے بارے میں تردد ہونا کہ آیا یہ گناہ کیا جائے یا نہیں۔
چہارم ’’ہم‘‘۔ یعنی اس تردد میں کسی ایک جانب کو ترجیح دینا۔
پنجم۔ عزم۔ یعنی قصد گناہ کو تقویت دینا۔

تو شریعت میں ہاجس، خاطر، حدیث نفس، ان تینوں پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی عذاب ملے گا۔ ہاجس پر تو مواخذہ اس لئے نہیں ہوتا کہ دل میں خیال کا آنا یا قلب میں وسوسہ کا پیدا ہونا کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اس معاملہ میں انسان مجبور ہے لہٰذا اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

’’خاطر اور حدیث نفس‘‘ پر مواخذہ نہ ہونا اُمت محمدیہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے یعنی اس اُمت پر جہاں خدا تعالیٰ کے اور بہت سے فضل و کرم ہیں وہیں یہ بھی ایک بڑا فضل ہے کہ اس اُمت سے ان دونوں پر مواخذہ کو ختم کر دیا گیا ہے۔

’’ہم‘‘ میں فرق ہوگا یعنی اگر جانب خیر کو ترجیح دے رہا ہے تو اس پر ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اگر برائی کو ترجیح دے رہا ہے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ بھی اس اُمت پر خدا تعالیٰ کا احسان ہے البتہ عزم کے بارے میں محققین علماء کا قول ہے کہ اس پر مواخذہ ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الایمان

ایمان کے ابواب

ایمان کا مطلب: "ایمان" کے معنی ہیں، یقین کرنا، تصدیق کرنا، مان لینا۔ اصطلاح شریعت میں "ایمان" کا مطلب ہوتا ہے، اس حقیقت کو تسلیم کرنا اور ماننا کہ اللہ ایک ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود اور پروردگار نہیں، اس کے تمام ذاتی وصفاتی کمالات برحق ہیں۔ محمد (ﷺ) اللہ کے آخری رسول اور نبی ہیں، ان کی ذات صادق و مصدوق ہے اور یہ کہ آپ ﷺ کتاب وسُنت کی صورت میں اللہ کا جو آخری دین وشریعت لے کر اس دنیا میں آئے اس کی حقانیت وصداقت شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

تکمیل ایمان: محدثین کے نزدیک "ایمان" کے تین اجزاء ہیں: "تصدیق بالقلب" یعنی اللہ کی وحدانیت، رسول ﷺ کی رسالت اور دین کی حقانیت میں دل سے یقین رکھنا اور اس یقین و اعتماد پر دل ودماغ کا مطمئن رہنا۔ "اقرار باللسان" یعنی اس دلی یقین و اعتقاد کا زبان سے اظہار، اعتراف اور اقرار کرنا۔ "اعمال بالجوارح" یعنی دین وشریعت کے احکام وہدایات کی جسمانی بجا آوری کے ذریعہ اس دلی یقین و اعتقاد کا عملی مظاہرہ کرنا۔ ان تینوں اجزاء سے مل کر "ایمان" کی تکمیل ہوتی ہے اور جو شخص اس ایمان کا حامل ہوتا ہے اس کو "مؤمن و مسلمان" کہا جاتا ہے۔

ایمان اور اسلام: کیا ایمان اور اسلام میں کوئی فرق ہے یا یہ دونوں لفظ یکساں مفہوم کو ادا کرتے ہیں؟ اس سوال کا تفصیلی جواب، تفصیلی بحث کا متقاضی ہے جس کا یہاں موقع نہیں ہے۔ خلاصہ کے طور پر اتنا بتادینا کافی ہے کہ ظاہری مفہوم ومصداق کے اعتبار سے تو یہ دونوں لفظ تقریباً یکساں مفہوم کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن اس اعتبار سے ان دونوں کے درمیان فرق ہے کہ "ایمان" سے عام طور پر تصدیق قلبی اور احوال باطنی مراد ہوتے ہیں جب کہ "اسلام" سے اکثر وبیشتر ظاہری اطاعت وفرمانبرداری مراد لی جاتی ہے اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ "وحدانیت، رسالت اور شریعت کو ماننے اور تسلیم کرنے" کا جو باطنی تعلق دل ودماغ سے قائم ہوتا ہے اس کو "ایمان" سے تعبیر کرتے ہیں اور اس باطنی تعلق کا جو اظہار عمل جوارح کے ذریعہ ظاہری احوال سے ہوتا ہے اس کو "اسلام" سے تعبیر کرتے ہیں، ایک محقق کا قول ہے تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح "اعضاء" پر نمودار ہوجائے تو اس کا نام "اسلام" ہے اور اسلام جب دل میں اتر جائے تو "ایمان" کے نام سے موسوم ہوجاتا ہے۔ حاصل یہ کہ حقیقت ایک ہے مواطن کے اعتبار سے اس کو کبھی "ایمان" کہا جاتا ہے اور کبھی "اسلام" اسی لئے ایمان اور اسلام ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں، نہ تو ایمان کے بغیر اسلام معتبر ہوگا اور نہ اسلام کے بغیر ایمان کی تکمیل ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھے، ہر سال زکوٰۃ بھی ادا کرے، استطاعت ہو تو حج بھی کر ڈالے اور اسی طرح دوسرے نیک کام کرکے اپنی ظاہری زندگی کو "اسلام" کا مظہر بنائے ہوئے ہو مگر اس کا باطن "قلبی تصدیق و انقیاد" سے یکسر خالی ہو اور کفر و انکار سے بھرا ہوا ہو تو اس کے یہ سارے اعمال بیکار محض قرار پائیں گے اسی طرح اگر کوئی شخص ایمان یعنی قلبی تصدیق و انقیاد تو رکھتا ہے مگر عملی زندگی میں اسلام کا مظہر ہونے کے بجائے سرکشی ونافرمانی کا پیکر اور کافرانہ ومشرکانہ اعمال کا مجسمہ بنا ہوا ہے تو اس کا ایمان بار

آور نہیں ہوگا۔

بعض اہل نظر نے "ایمان اور اسلام" کی مثال "شہادتین" سے دی ہے یعنی جیسے کلمۂ شہادت میں دیکھا جائے تو شہادت وحدانیت الگ ہے اور شہادت رسالت الگ ہے۔ لیکن ان دونوں کا ارتباط و اتحاد اس درجہ کا ہے کہ شہادت رسالت کے بغیر شہادت وحدانیت کار آمد نہیں، اور شہادت وحدانیت کے بغیر شہادت رسالت کا اعتبار نہیں۔ ٹھیک اسی طرح "ایمان" اور "اسلام" کے درمیان دیکھا جائے تو بعض اعتبار سے فرق محسوس ہوتا ہے لیکن ان دونوں کا ارتباط و اتحاد اس درجہ کا ہے کہ اعتقاد باطنی (یعنی ایمان) کے بغیر صرف اعمال ظاہرہ (اسلام) کھلا ہوا نفاق ہیں اور اعمال ظاہرہ کے بغیر اعتقاد باطن کفر کی ایک صورت ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں کے مجموعہ کا نام "دین" ہے۔

ایمان کا مدار "جاننے" پر نہیں "ماننے" پر ہے: ایمان کے بارے میں اس اہم حقیقت کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ تصدیق یعنی ماننے کا نام ایمان ہے نہ کہ محض علم یا معرفت یعنی جاننے کا۔ مطلب یہ کہ ایک شخص جانتا ہے کہ "اللہ" ہے اور یکتا ہے وہی پروردگار اور معبود ہے، محمد (ﷺ) اللہ کے سچے بندے اور اس کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے جس دین و شریعت اور تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، وہ مبنی بر حقیقت و صداقت ہے۔ مگر وہ شخص دل سے ان باتوں کو نہیں مانتا، ان پر اعتقاد نہیں رکھتا، اس کا قلب ان باتوں کے اذعان و قبول سے خالی ہے تو اس شخص میں "ایمان" کا وجود نہیں مانا جائے گا اس کو مؤمن نہیں کہا جائے گا۔ مؤمن تو وہی شخص ہو سکتا ہے جو ان باتوں کو سچ اور حق بھی جانے اور دل سے مانے اور تسلیم بھی کرے۔ جب داعی حق ﷺ نے اسلام کی دعوت پیش کی تو تمام اہل عرب بالخصوص اہل کتاب (یہود و نصاری) الوہیت کے بھی قائل تھے اور یہ بات بھی خوب جانتے تھے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے سچے اور آخری رسول ہیں اور جو دین و شریعت پیش کر رہے ہیں وہ حق اور سچ ہے۔ مگر ان میں سے جو لوگ حسد و عناد رکھنے کے سبب ان حقائق کو مانتے اور تسلیم نہیں کرتے تھے ان کے دل و دماغ میں ایمان کا نور داخل نہیں ہو سکا اور وہ کافر کے کافر ہی رہے، ان حقائق کا "جاننا" ان کے کوئی کام نہ آیا۔

بعض صورتوں میں "اقرار باللسان" کی قید ضروری ہے: جن حقائق کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کا زبان سے اقرار کرنا گو وجود ایمان کے لئے ضروری ہے لیکن بعض حالتوں میں یہ زبانی اقرار (اقرار باللسان) ضروری نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص گونگا ہے اور اس کے قلب میں تصدیق تو موجود ہے لیکن زبان سے کوئی لفظ ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو ایسے شخص کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کا ایمان زبانی اقرار کے بغیر بھی معتبر مانا جائے گا، اسی طرح کوئی شخص جانی خوف یا کسی واقعی مجبوری کی بنا پر زبان سے اپنے ایمان کا اقرار نہیں کر سکتا تو اس کا ایمان بھی زبانی اقرار کے بغیر معتبر ہوگا۔

"اعمال" کی حیثیت: وجود ایمان کی تکمیل کے لئے "اعمال" بھی لازمی شرط ہیں کیونکہ تصدیق قلب اور زبانی اقرار کی واقعیت و صداقت کا ثبوت "اعمال" ہی ہیں۔ یہی عملی ثبوت ظاہری زندگی میں اس فیصلہ کی بنیاد بنتا ہے کہ اس کو مؤمن و مسلمان کہا جائے اسی بنا پر یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص دعوائے ایمان و اسلام کے باوجود ایسے اعمال کرتا ہے جو خالصۃً کفر کی علامت اور ایمان و اسلام کے منافی ہیں، یا جن کو اختیار کرنے والے پر کافر ہونے کا یقین ہوتا ہے تو وہ شخص کافر ہی شمار ہوگا اور ایمان و اسلام کا دعوی غیر معتبر مانا جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حدیث جبرئیل

① عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ

عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِسْلَامِ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْاَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمَارَتِهَا قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا عُمَرُ اَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ اَبُوْهُرَيْرَةَ مَعَ اخْتِلَافٍ وَفِيْهِ وَاِذَا رَاَيْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ الْبُكْمَ مُلُوْكَ الْاَرْضِ فِيْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَرَاَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْاٰيَةَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن (ہم صحابہ) رسول خدا ﷺ کی مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص ہمارے درمیان آیا جس کا لباس نہایت صاف ستھرے اور سفید کپڑوں پر مشتمل تھا اور جس کے بال نہایت سیاہ (اور چمکدار) تھے، اس شخص پر نہ تو سفر کی کوئی علامت تھی (کہ اس کو کہیں سے سفر کر کے آیا ہوا کوئی اجنبی شخص سمجھا جاتا) اور نہ ہم سے کوئی اس کو پہچانتا تھا (جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کوئی مقامی شخص یا کسی کا مہمان بھی نہیں تھا)، بہر حال وہ شخص نبی کریم ﷺ کے اتنے قریب آکر بیٹھا کہ آپ ﷺ کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا لئے اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی[1] دونوں رانوں پر رکھ لئے (جیسے ایک سعادت مند شاگرد اپنے جلیل القدر استاد کے سامنے باادب بیٹھتا ہے اور استاد کی باتیں سننے کے لئے ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے) اس کے بعد اس نے عرض کیا اے محمد (ﷺ)! مجھ کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمائیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اس حقیقت کا اعتراف کرو اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور پھر تم پابندی سے نماز پڑھو (اگر صاحب نصاب ہو تو) زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور زادراہ میسر ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ اس شخص نے یہ سن کر کہا آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس (تضاد) پر ہمیں تعجب ہوا کہ یہ شخص (ایک لاعلم آدمی کی طرح پہلے تو) آپ ﷺ سے دریافت کرتا ہے اور پھر آپ ﷺ کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے (جیسے اس کو ان باتوں کا پہلے سے علم ہو) پھر وہ شخص بولا اے محمد (ﷺ)! اب ایمان کی حقیقت بیان فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو دل سے مانو اور اس بات میں یقین رکھو کہ برا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے وہ نوشتہ تقدیر کے مطابق ہے۔ اس شخص نے (یہ سن کر) کہا آپ (ﷺ) نے سچ فرمایا۔ پھر بولا اچھا اب مجھے یہ بتائیے کہ احسان کیا ہے آنحضرت نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو (یعنی اتنا حضور قلب میسر نہ ہو سکے) تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا قیامت کے بارے میں مجھے بتائیے (کہ کب آئے گی) آپ ﷺ نے فرمایا اس بارے میں جواب دینے والا، سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا (یعنی قیامت کے متعلق کہ کب آئے گی، میرا علم تم سے زیادہ نہیں جتنا تم جانتے ہو اتنا ہی مجھ کو معلوم ہے) اس کے بعد اس شخص نے کہا اچھا اس (قیامت) کی کچھ نشانیاں ہی مجھے بتا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا لونڈی اپنے آقا یا مالک کو جنے گی اور برہنہ پا، برہنہ جسم مفلس و فقیر اور بکریاں چرانے والوں کو تم عالیشان مکانات و عمارت میں فخر و غرور کی زندگی بسر کرتے دیکھو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص چلا گیا اور میں نے (اس کے بارہ میں آپ سے فوراً دریافت نہیں کیا بلکہ) کچھ دیر توقف کیا، پھر آپ ﷺ نے خود ہی مجھ سے پوچھا عمر رضی اللہ عنہ!

---

[1] نسائی کی روایت ہے کہ پھر اس نے اپنے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوائے مبارک پر رکھے۔

جانتے ہو سوالات کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ جبرئیل ﷺ تھے جو (اس طریقہ سے) تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ (مسلمؒ) اس روایت کو حضرت ابوہریرہؓ نے چند الفاظ کے اختلاف و فرق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں۔ (آنحضرت ﷺ نے قیامت کی نشانیوں کے بارے میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ) جب تم برہنہ پا برہنہ جسم اور بہرے گونگے لوگوں کو زمین پر حکمرانی کرتے دیکھو (تو سمجھ لینا کی قیامت قریب ہے) اور قیامت تو ان پانچ چیزوں میں سے ایک ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں رکھتا۔ اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ آخر تک پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے: اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور بارش کا کب برسائے گا اور وہی (حاملہ) کے پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے (کہ لڑکا ہے یا لڑکی) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کسی شخص کو نہیں معلوم کہ کس زمین میں اسے موت آئے گی۔ بیشک اللہ ہی جاننے والا اور خبردار ہے)۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث حدیث جبرئیل کہلاتی ہے کیونکہ یہ حدیث اس سوال و جواب (انٹرویو) پر مشتمل ہے جس کے ذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بڑی خوبی کے ساتھ اسلام و ایمان کی حقیقت اور دین کی اساسی باتوں کا تعارفی خاکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی زبان مبارک سے دنیا والوں کے سامنے پیش کرایا ہے۔

حدیث میں سب سے پہلے ایمان اور اسلام کی حقیقت بیان ہوئی ہے جس سے ایمان اور اسلام کے درمیان یہ فرق بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ایمان کا تعلق تو باطن یعنی قلبی تصدیق و اعتقاد سے ہے اور اسلام کا تعلق ظاہر یعنی اعمال اور جسمانی اطاعت و فرمانبرداری سے ہے۔

"اللہ کو ماننے" کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اس کی ذات اور اس کی صفات برحق ہیں، عبادت و پرستش کی سزاوار صرف اسی کی ذات ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی اس کا ہمسرو شریک نہیں۔

"فرشتوں کو ماننے" کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق "فرشتوں" کے نام سے موجود ہے یہ فرشتے لطیف اور نورانی اجسام ہیں، ان کا کام ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی تعمیل کرنا ہے۔

"کتابوں کو ماننے" کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں اور وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبروں پر جو کتابیں نازل فرمائی ہیں اور جن کی تعداد ایک سو چار ہے۔ وہ سب کلام خداوندی اور احکام و فرامین الٰہی کا مجموعہ ہیں اور ان میں چار کتابیں تورات، انجیل، زبور، اور قرآن مجید سب سے اعلیٰ و افضل ہیں اور پھر ان چاروں میں سب سے اعلیٰ و افضل "قرآن مجید" ہے۔

"رسولوں کو ماننے" کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اول الانبیاء حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تک تمام نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کے سب سے سچے، سب سے پیارے اور سب سے افضل بندے ہیں جن کو اس نے اپنے احکام و ہدایات دے کر مختلف زمانوں، مختلف علاقوں اور مختلف قوموں میں مبعوث کیا اور انہوں نے ان خدائی احکام و ہدایات کے تحت دنیا والوں کو ابدی صداقت و نجات کا راستہ دکھانے اور نیکی و بھلائی پھیلانے کا اپنا فریضہ پورے طور پر ادا کیا اور یہ کہ ان تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں جو کسی خاص زمانہ، کسی خاص علاقہ اور کسی خاص قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے، بلکہ اللہ کا ابدی دین "اسلام" لے کر تمام دنیا اور پوری کائنات کی طرف مبعوث ہوئے اور تاقیامت ان ہی کی نبوت اور انہی کی شریعت جاری و نافذ رہے گی۔

"یوم آخرت یعنی قیامت کے دن" سے مراد وہ عرصہ ہے جو مرنے کے بعد سے قیامت قائم ہونے اور پھر جنت میں داخل ہونے تک پر مشتمل ہے۔ "قیامت کے دن کو ماننے" کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ شریعت اور شارع نے مابعد الموت اور آخرت کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے یعنی موت کے بعد پیش آنے والے احوال مثلاً قبر اور برزخ کے احوال، نفخ صور، قیامت، حشر و نشر، حساب و کتاب اور پھر جزاء و سزا کا فیصلہ اور جنت و دوزخ یہ سب اٹل حقائق ہیں اور جن کا وقوع پزیر ہونا اور پیش آنا لازمی امر ہے۔ اس میں شک

اور شبہ نہیں۔

"تقدیر میں یقین رکھنے" کا مطلب اس حقیقت کو دل سے تسلیم کرنا ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب نوشتۂ تقدیر کے مطابق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوتا ہے، آج جو بھی عمل سرزد ہوتا ہے خواہ وہ نیکی کا ہو یا بدی کا، خالق کائنات کے علم اور تقدیر میں وہ ازل سے موجود ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ مجبور و مضطر ہے۔ کاتب تقدیر نے انسان کو "مختار" بنایا ہے۔ یعنی اس کے سامنے نیکی و بدی کے دونوں راستے کھول کر اس کو اختیار دے دیا ہے کہ چاہے وہ نیکی کے راستہ پر چلے، چاہے بدی کے راستہ پر، اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ نیکی کے راستہ پر چلو گے تو جزاء و انعام سے نوازے جاؤ گے جو اللہ کا فضل و کرم ہوگا اور اگر بدی کے راستہ پر چلو گے تو سزا اور عذاب کے مستوجب بنو گے اور دوزخ میں ڈالے جاؤ گے جو عدل خداوندی کے عین مطابق ہوگا۔

"احسان" سے مراد وہ جوہر (اخلاص) ہے جس سے ایمان و اسلام کی ظاہری صورت یعنی عبادت الٰہی کا صحیح معیار اور حسن قائم ہوتا ہے اور عبادت کا یہی صحیح معیار اور حسن درحقیقت بندہ کو معبود کا کامل تقرب اور عبدیت کا حقیقی مقام عطا کرتا ہے۔ بندہ اپنی عبادتوں کو اس جوہر سے کس طرح آراستہ و مزین کر سکتا ہے؟ اس کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو تو اس طرح کرو جس طرح کوئی نوکر یا غلام اپنے آقا اور مالک کی خدمت اس کو اپنے سامنے دیکھ کر کرتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ اگر شفیق آقا نظر کے سامنے ہو اور غلام اس کو دیکھ رہا ہے تو اس کے فرض کی انجام دہی کی کیفیت ہی دوسری ہوتی ہے اس وقت غلام نہ صرف یہ کہ پوری طرح چاق و چوبند مؤدب اور پابند ہوتا ہے بلکہ کام کرنے کا اس کا انداز بھی پوری طرح والہانہ اور مخلصانہ ہوتا ہے اس کے برخلاف اگر آقا نظر کے سامنے نہ ہو تو غلام اگرچہ موفوضہ خدمت انجام ضرور دیتا ہے مگر اس صورت میں نہ تو وہ اتنا چاق و چوبند، مؤدب اور پابند ہوتا ہے اور نہ اس کے کام کرنے کے انداز میں اس قدر والہانہ اور مخلصانہ کیفیت ہوتی ہے۔ پس اسی نکتہ کے پیش نظر اگر بندہ عبادت کے وقت ایسی کیفیت و حالات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ تو خشوع و خضوع اور تضرع کی تمام ترکیفیات خود بخود اس کی عبادت میں پیدا ہو جائیں گی اور اس طرح اس کی عبادت حقیقی عبادت کا درجہ پائے گی اور اس عبادت کا بنیادی مقصد بھی حاصل ہوگا۔ عبادت کے اس مرتبہ کو "حقیقی احسان" کہا گیا ہے جس کو ارباب تصوف "مشاہدہ و استغراق" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عبادت کا یہ سب سے اونچا مرتبہ و مقام ہے جہاں تک رسائی اتنی آسان نہیں ہے اس لئے نسبۃً آسان طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم عبادت کرو تو یہ دھیان میں رکھو کہ جس ذات کی عبادت تم کر رہے ہو اس کے سامنے تم کھڑے ہو اور اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے تمہاری ایک ایک بات پر اس کی نظر ہے اور تمہاری تمام حرکات و سکنات میں سے کچھ بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے، اس یقین و اعتقاد سے بھی تمہاری عبادت میں خشوع و خضوع اور تضرع بڑی حد تک پیدا ہو جائے گا اور عبادت کا حق ادا ہوگا۔ حدیث میں عبادت کی اسی کیفیت کو "احسان" سے تعبیر کیا گیا ہے جو حقیقی احسان یعنی مشاہدہ و استغراق کا ثانوی درجہ ہے۔

حدیث میں ان چاروں فرائض کا بھی ذکر ہے جو ہر مسلمان و مؤمن پر اس تفصیل کے ساتھ عائد ہوتا ہے کہ نماز اور روزہ تو وہ دو بدنی فرض عبادتیں ہیں جن کا تعلق ہر عاقل و بالغ مسلمان سے ہے جو بھی شخص ایمان اور اسلام سے متصف ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس پر فرض ہے کہ وہ پانچوں وقت کی نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرے اور جب رمضان آئے تو اس مہینے کے پورے روزے رکھے۔ باقی دو فرض عبادتیں یعنی زکوٰۃ اور حج وہ مالی عبادتیں ہیں جن کا تعلق صرف اس مؤمن و مسلمان سے ہے جو ان کے بقدر مالی استطاعت و حیثیت رکھتا ہو۔ مثلاً زکوٰۃ اس مسلمان پر فرض ہوگی جو صاحب نصاب ہو۔ اور حج اس مسلمان پر فرض ہوگا جو صاحب نصاب ہی نہیں بلکہ اپنی تمام ضروریات زندگی سے فراغت کے بعد اتنا سرمایہ رکھتا ہو کہ بغیر کسی تنگی و پریشانی کے آمد و رفت اور سفر کے دوسرے تمام اخراجات برداشت کر سکتا ہو۔ علاوہ ازیں سفر حج کی پوری مدت کے لئے اپنے اہل و عیال اور لواحقین کے تمام ضروری اخراجات کے بقدر رقم یا سامان و اسباب ان کو دے کر جا سکتا ہو۔ زاد راہ اور فرضیت حج کی اس طرح کی دوسری شرائط پوری ہو جائیں تو باقی دشواریاں جیسے سفر کا طویل اور پر

صعوبت ہونا، درمیان میں سمندر یا دریا کا حائل ہونا وغیرہ، حج کی فرضیت کو ساقط نہیں کر سکتیں۔

قیامت کی کچھ اہم نشانیاں بتائی گئی ہیں کہ جب یہ آثار ظاہر ہونے لگیں اور یہ علامتیں دیکھ لی جائیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس عالم کے خاتمہ کا وقت قریب آگیا ہے اور یہ دنیا اپنے وجود کے آخری دور سے گزر رہی ہے۔ پہلی علامت یا نشانی تو یہ بتائی گئی ہے کہ "لونڈی اپنے آقا یا مالک کو جنے گی" اس کا ایک مطلب تو غلامی کے زمانہ اور رواج کے سیاق میں لیا جاسکتا ہے کہ لوگ کثرت سے باندیاں رکھیں گے اور ان باندیوں سے اولاد بھی بہت جنوائیں گے، پھر انہی اولاد میں سے جو لوگ بڑے ہو کر مال و جائداد اور حکومت و طاقت کے مالک بنیں گے وہ لاعلمی میں اپنی انہی ماؤں کو جنہوں نے ان کو جنم دیا ہوگا، باندیوں کے طور پر خریدیں گے۔ اور اپنی خدمت میں رکھیں گے۔ اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب معاشرہ میں جنسی بے راہ روی عام ہو جائے، مرد و زن تمام اخلاقی اور انسانی پابندیوں کو توڑ کر بے محابہ ناجائز تعلقات پیدا کریں اور اس کے نتیجہ میں ایسے ناجائز بچے کثرت سے پیدا ہونے لگیں جن کو نہ اپنے باپ کی خبر ہو اور نہ اپنی ماں کو جانتے ہوں اور پھر وہی بچے بڑے ہو کر لاعلمی میں اپنی انہی ماؤں کو ملازمہ اور نوکرانی بنائیں جن کو انہوں نے جنا تھا تو سمجھو کہ قیامت قریب آگئی ہے۔ دوسری علامت "برہنہ پا، برہنہ جسم، مفلس و فقیر اور بکریاں چرانے والوں کا ایوان حکومت اور عالیشان مکانات و محلات کا مالک ہونا" بتایا گیا ہے۔ اس کے مطلب یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ شریف النسل، عالی خاندان اور مہذب و معزز لوگ انقلاب عالم کا شکار ہو کر غربت و افلاس اور بے روزگاری و پریشانی حالی کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں، اپنی حیثیت و وقعت کھو چکے ہیں اور معاشرتی و سماجی سطح پر کسی اثر و رسوخ کے حامل نہیں رہ گئے ہیں اور ان کے مقابلہ پر وہ لوگ کہ جو کل تک حسب و نسب، شرافت و نجابت، نسل و خاندان اور تہذیب و شائستگی کے اعتبار سے نہایت بے حیثیت و بے وقعت تھے، تعلیمی و اخلاقی طور پر کمتر و پسماندہ سمجھے جاتے تھے۔ غیر منصفانہ سیاست و انقلاب کی بدولت حکومت و اقتدار کے مالک بن بیٹھیں۔ دغا و فریب کے ذریعہ مال و دولت اور بڑی بڑی جائدادوں پر قابض اور عالی شان مکانات و محلات کے مکین ہو گئے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ طاقت و حکومت، مال و دولت اور پر عیش زندگی نے ان کو گھمنڈی شیخی خوار بنا دیا ہے، حقیقی شرافت و نجابت رکھنے والے غریب و مفلس لوگوں کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کو ذلیل کرتے ہیں اور ان کی تباہی و رسوائی کے بد سے بدتر حالات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو سمجھنا کہ اب اس دنیا کے خاتمہ کا وقت قریب آگیا ہے۔ اسی تفصیل کو علامہ طیبیؒ نے چند جملوں میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قیامت کی علامتیں بتانے والے حدیث کے یہ دونوں جملے دراصل انقلاب حالات سے کنایہ ہیں یعنی جب اتنا انقلاب رونما ہو جائے کہ اپنی اولاد اپنا آقا اور حاکم بن جائے۔ اور شرفاء کی جگہ کمتر و ذلیل لے لیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب تمام عالم پر ایک عظیم انقلاب کا وقت قریب آگیا ہے جسے قیامت کہا جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ: اس حدیث میں شریعت محمدی ﷺ کی اساس اور دین کی بنیادی باتوں کو بتایا گیا ہے یعنی "ایمان" کی تعریف بیان کی گئی کہ یہ ان عقائد و نظریات سے تعبیر ہے جن کو جاننے اور ماننے کے بعد کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور مؤمن بنتا ہے "اسلام" کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس سے وہ عملی ذمہ داریاں (فرائض) مراد ہیں جو مؤمن پر عائد ہوتے ہیں اور ان عملی ذمہ داریوں یعنی فرائض کی انجام دہی ہی پیرو اسلام یعنی مسلمان بناتی ہے۔ اس کے بعد "احسان" کی وضاحت کی گئی جس کو "اخلاص" سے (یا تصوف سے بھی) تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس کیفیت کا نام ہے جو صحیح عقائد و نظریات سے وابستگی اور شریعت کی اتباع و فرمانبرداری کے بعد توجہ الی اللہ کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔ اور بندہ کو اپنے معبود کا تقرب عطا کرتی ہے۔ درحقیقت یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں، اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی خوشنودی اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک اللہ اور اللہ کے رسول کے جاری و نافذ کئے ہوئے احکام و ہدایات پر پوری طرح عمل نہ کیا جائے اور "عمل" اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس وقت تک "حسن قبول" کا درجہ نہیں پا سکتے جب تک اللہ کی طرف کامل توجہ نہ ہو اور پورے داخلی و خارجی وجود پر خوف و خشیت الٰہی اور حضور قلب کی کیفیت طاری نہ ہو اور ان دونوں کا اس وقت تک کوئی اعتبار نہیں ہوگا جب تک فکر و عقیدہ صحیح نہ ہو۔ اور دل و دماغ ایمان و یقین سے روشن نہ ہوں۔ پس

کامل مؤمن یا کامل مسلمان وہی شخص مانا جائے گا جس کے دل ودماغ میں ایمان یعنی صحیح اسلامی عقائد ونظریات کا نور موجود ہو، پھر وہ ان فرائض کو پوری طرح ادا کرے اور ان احکام وہدایات کی کامل اطاعت کرے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ جاری ونافذ کئے ہیں اور پھر ریاضت ومجاہدہ یعنی ذکروشغل اور اوراد وظائف کے ذریعہ اخلاص، توجہ الی اللہ اور رضاء مولی کے حصول کی جدوجہد کرے جس سے ایمان واسلام میں حسن وکمال اور بلند قدری ملتی ہے۔

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے

(۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ[1] روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اول اس بات کا دل سے اقرار کرنا اور گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، دوم پابندی کے ساتھ نماز پڑھنا، سوم زکوٰۃ دینا، چہارم حج کرنا، پنجم رمضان کے روزے رکھنا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "اسلام" کی تشبیہ "عمارت" سے دی جاسکتی ہے کہ جس طرح کوئی بلند وبالا اور خوشنما عمارت اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ اس کے نیچے بنیادی ستون نہ ہوں، اسی طرح اسلام کے بھی پانچ بنیادی ستون ہیں جن کے بغیر کوئی شخص اپنے اسلام کو وجود و بقا نہیں دے سکتا، ان ہی پانچ ستونوں کو اس حدیث میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور وہ ہیں: عقیدۂ توحید ورسالت، نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ۔ جو شخص خود کو مؤمن ومسلمان بنانا اور قائم رکھنا چاہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی اعتقادی وفکری اور عملی و اخلاقی زندگی کی اساس ان پانچوں ستونوں کو قرار دے۔ پھر جس طرح کسی عمارت کی شان وشوکت اور دیدہ زیبی وخوشنمائی در و دیوار کے نقش ونگار اور طاق و محراب کی آرائش وزیبائش پر منحصر ہوتی ہے اسی طرح اسلام کے حسن وکمال کا انحصار بھی ان اعمال پر ہے جن کو واجبات ومستحبات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں حدیث میں چونکہ اسلام کی بنیادی چیزوں کا ذکر مقصود تھا اس لے اس موقع پر ان واجبات ومستحبات کا ذکر نہیں کیا گیا۔

ایمان کی شاخیں

(۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ[2] کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایمان کی شاخیں ستر سے کچھ اوپر ہیں ان میں سب سے اعلیٰ درجہ کی شاخ زبان ودل سے اس بات کا اقرار و اعتراف ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے کم درجہ کی شاخ کسی تکلیف دینے والی چیز کا راستہ سے ہٹا دینا ہے نیز شرم وحیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں ایمان کے شعبوں اور شاخوں کی تعداد بتائی گئی ہے یعنی وہ چیزیں مل کر کسی کو ایمان و اسلام کا مکمل پیکر اور خوشنما مظہر بناتی ہیں۔ یہاں تو صرف ان شعبوں اور شاخوں کی تعداد بتلائی گئی ہے لیکن بعض احادیث میں ان کی تفصیل بھی منقول ہے اور وہ اس

---

[1] آپ اسلام کے دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں آپ کی پیدائش سال نبوت سے ایک سال پہلے مکہ معظمہ میں ہوئی تھی ۷۳ یا ۷۴ھ میں وصال فرمایا

[2] آپ کا اصل نام عبدالرحمٰن بن صخر ہے کنیت ابوہریرہؓ ہے۔ ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں آپ نے مدینہ میں وصال فرمایا۔

طرح ہے:

پہلی چیز تو بنیادی ہے یعنی اس حقیقت کا دل و دماغ میں اعتقاد و یقین اور زبان سے اقرار و اظہار کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کی ذات و صفات برحق ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، بقاء اور دوام صرف اسی کی ذات کے لئے ہے جب کہ کائنات کی تمام چیزیں فنا ہو جانے والی ہیں، ایسے ہی اللہ کے رسولوں، اس کی کتابوں اور فرشتوں کے بارے میں اچھا اعتقاد اور حسن یقین رکھنا اور ان کو برحق جاننا، آخرت کا عقیدہ رکھنا کہ مرنے کے بعد قبر میں برے اور گنہگار لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اچھے اور نیک بندوں پر اس کا انعام و اکرام ہوتا ہے۔ قیامت آئے گی اور اس کے بعد حساب و کتاب کا مرحلہ ضرور آئے گا، اس وقت ہر ایک کے اعمال ترازو میں تولے جائیں گے جن کے زیادہ اعمال اچھے اور نیک ہوں گے ان کو پروانۂ جنت داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، جن کے زیادہ اعمال برے ہوں گے، ان کی فرد جرم ان کے بائیں ہاتھ میں تھمادی جائے گی۔ تمام لوگ پل صراط پر سے گزریں گے۔ مؤمنین صالحین ذات باری تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ نیک اور اچھے لوگ بہشت میں پہنچائے جائیں گے اور گنہگاروں کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔ جس طرح جنتی (مؤمن) بندے جنت میں ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام اور اس کی خوشنودی سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اسی طرح دوزخی لوگ (کفار) ہمیشہ ہمیشہ اللہ کے مسلط کئے ہوئے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

ایمان کے شعبوں اور شاخوں میں سے یہ ہے کہ اللہ سے ہر وقت لولگائے رہے اور اس سے محبت رکھے اگر کسی غیر اللہ سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے یا کسی سے دشمنی رکھے تو اللہ کے لئے رکھے۔ نبی کریم ﷺ سے کامل محبت اور آپ ﷺ کی عظمت و برتری، اور افضلیت میں پورا یقین رکھے۔ آپ ﷺ کی سُنت پر عمل کرنا، آپ کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنا اور آپ ﷺ کے ارشادات، آپ ﷺ کی تعلیمات کو رواج دینا اور پھیلانا بھی آپ ﷺ سے محبت رکھنے کی دلیل ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی علامت اس طرح رچ بس جائے کہ اس محبت کے مقابلہ میں دنیا کی کسی بھی چیز اور کسی بھی رشتہ کی محبت کوئی اہمیت نہ رکھے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی علامت اتباع شریعت ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کی تعمیل کرتا ہے اور شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے اللہ، اور رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے لیکن جو شخص اللہ اور رسول کے احکام و فرمان کی تابعداری نہ کرتا ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ اس کا دل اللہ و رسول کی پاک محبت سے بالکل خالی ہے۔

یہ بھی ایمان کی ایک شاخ ہے کہ جو بھی عمل کیا جائے خواہ وہ بدنی ہو یا مالی، قولی ہو یا فعلی اور یا اخلاقی وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے ہو، نام و نمود یا کسی دنیاوی غرض سے نہ ہو بس جہاں تک ہو سکے اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ نفاق اور ریا کا اثر عمل کے حسن و کمال اور تاثیر کو ختم کردے گا۔

مؤمن کا دل ہمہ وقت خوف خدا اور خشیت الٰہی سے بھرا ہوا ہو اور اس کے فضل و کرم اور رحمت کی امیدوں سے معمور رہنا چاہیے، اگر بتقاضائے بشریت کوئی بری بات یا گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر فوراً خلوص دل سے توبہ کے بعد آئندہ کے لئے گناہوں سے اجتناب کا عہد کرے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے اور اپنے اچھے عمل اور نیک کام میں اللہ کی رحمت اور اس کے انعام و اکرام سے آس لگائے رہے۔ درحقیقت یہ ایمان کا ایک بڑا تقاضہ ہے کہ جب کبھی کوئی گناہ دانستہ یا نادانستہ سرزد ہو جائے تو فوراً احساس ندامت و شرمندگی کے ساتھ خدا کے حضور اپنے گناہ سے توبہ کرے اور معافی و بخشش کا طلبگار ہو، اس لئے کہ ارتکاب گناہ کے بعد توبہ کرنا شرعاً ضروری اور لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے اگر اللہ نے اولاد عنایت فرمائی تو فوراً عقیقہ کرے، اگر نکاح کیا تو ولیمہ کرے، اگر قرآن مجید حفظ یا ناظرہ ختم کیا تو خوشی و مسرت کا اظہار کرے، اللہ نے اگر مال دیا ہے تو زکوۃ ادا کرے۔ عید کی تقریب میں صدقۃ الفطر

دے اور بقر عید میں قربانی کرے۔

یہ بھی ایمان کا تقاضہ ہے کہ وعدہ کرے تو اسے پورا کرے، مصیبت پر صبر کرے، اطاعت و فرمانبرداری کے لئے ہر مشقت برداشت کرے، گناہوں سے بچتا رہے۔ تقدیر اور اللہ کی مرضی پر راضی رہے، اللہ پر توکل کرے، بڑوں اور بزرگوں کی تعظیم و احترام، چھوٹوں اور بچوں سے شفقت و محبت کا معاملہ کرے اور کبرو غرور، نخوت و تکبر کو چھوڑ کر کسر نفسی و تواضع اور حلم و بردباری اختیار کرے۔

"حسن اسلام" اور "تکمیل ایمان" کے مدارج میں سے یہ بھی ہے کہ برابر کلمۂ توحید و شہات کا ورد رکھے۔ قرآن شریف پڑھے اگر جاہل ہو تو عالم سے علم کی دولت حاصل کرے اگر عالم ہو تو جاہلوں کو تعلیم دے، اپنے مقاصد میں کامیابی کے لئے خدا سے مدد کا طلب گار ہو اور دعا مانگے اور اس کا ذکر کرتا رہے، اپنے گناہوں سے استغفار اور فحش باتوں سے بچتا رہے، ہر وقت ظاہری و باطنی گندگیوں سے پاک رہے۔

نمازوں کا پڑھنا خواہ فرض ہوں یا نفل، اور وقت پر ادا کرنا، روزہ رکھنا، چاہے نفل ہو یا فرض، ستر کا چھپانا، صدقہ دینا خواہ نفلی ہو یا لازمی، غلاموں کو آزاد کرنا، سخاوت و ضیافت کرنا، اعتکاف میں بیٹھنا، شب قدر اور شب برات میں عبادت کرنا، حج و عمرہ کرنا، طواف کرنا۔ دار الحرب یا ایسے ملک سے جہاں فسق و فجور، فحش و بے حیائی اور منکرات و بدعات کا زور ہو، دار الاسلام کی طرف ہجرت کر جانا، بدعتوں سے بچنا اپنے دین کو بری باتوں سے محفوظ رکھنا، نذروں کا پورا کرنا۔ کفاروں کا ادا کرنا، حرام کاری سے بچنے کے لئے نکاح کرنا۔ اہل و عیال کے حقوق پورے طور پر ادا کرنا، والدین کی خدمت کرنا، اور ہر طرح ان کی مدد کرنا اور خبر گیری رکھنا، اپنی اولاد کی شریعت کے مطابق تربیت کرنا، اپنے ماتحتوں سے حسن سلوک کرنا، اپنے حاکموں، افسروں اور مسلمان سرداروں کی تابعداری کرنا اور بشرطیکہ خلاف شرع چیزوں کا وہ حکم نہ دیں۔ غلام اور باندی سے نرمی اور بھلائی سے پیش آنا، اگر صاحب اقتدار اور حاکم و جج ہو تو انصاف کرنا، لوگوں میں باہم صلح صفائی کرانا، اسلام سے بغاوت کرنے والوں اور دین سے پھرنے والوں سے قتل و قتال کرنا، اچھی باتوں کی تبلیغ کرنا، بری باتوں سے لوگوں کو روکنا، اللہ کی جانب سے مقرر کی ہوئی سزاؤں کا جاری کرنا، دین و اسلام میں غلط باتیں پیدا کرنے والوں اور اللہ و رسول کا انکار کرنے والوں سے حسب قوت و استطاعت خواہ ہتھیار سے خواہ قلم و زبان سے جہاد کرنا، اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کرنا، امانت کا ادا کرنا، مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کرنا، وعدہ کا مطابق فرض پورا کرنا، پڑوسی کی دیکھ بھال کرنا اور اس کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا، لوگوں کے سات بہترین معاملہ کرنا، حلال طریقہ سے مال کمانا اور اس کی حفاظت کرنا، مال و دولت کو بہترین مصرف میں اور اچھی جگہ خرچ کرنا۔ فضول خرچی نہ کرنا، سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا، جب کسی کو چھینک آئے تو "یرحمک اللہ" کہنا، خلاف تہذیب کھیل کود اور برے تماشوں سے اجتناب کرنا، لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانا اور راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹا دینا تاکہ راہ گیروں کو تکلیف و نقصان نہ پہنچے، یہ سب ایمان کے شعبوں اور اس کی شاخیں ہیں۔

راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کے ہٹانے کا یہ مطلب ہے کہ اگر راستہ میں پتھریا کانٹے پڑے ہوں جس سے راہ گیر کو تکلیف پہنچتی ہو یا نجاست و غلاظت پڑی ہو یا ایسی کوئی بھی چیز پڑی ہو جس سے راستہ چلنے والوں کو نقصان پہنچے تو مؤمن کا یہ فرض ہے کہ انسانی و اخلاقی ہمدردی کے ناتے اس کو ہٹا دے اور راستہ صاف کر دے۔ اور اسی طرح خود بھی ایسی کوئی چیز راستہ میں نہ ڈالے جو راستہ چلنے والوں کے لئے تکلیف کا باعث ہو اور عارفین کی رمز شناس نگاہوں نے تو اس سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ انسان اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے صاف کرلے جو توجہ الی اللہ اور معرفت کے راستہ کی رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں اور اپنے قلب سے برائی و معصیت کے خیال تک کو کھرچ کر پھینک دے۔

بہر حال یہ تمام باتیں ایمان کے شعبے ہیں جن پر مؤمن کو عمل کرنا نہایت ضروری ہے اس لئے کہ ایمان کی تکمیل اور اسلام کا حسن انہی چیزوں سے پیدا ہوتا ہے اگر کوئی شخص ان باتوں سے خالی ہے اور اس کی زندگی ان کی شعاعوں سے منور نہیں ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کے ایمان کی تکمیل نہیں ہوئی اس کو چاہیے کہ اللہ کی مدد اور اس کی توفیق چاہ کر ان اہم باتوں کو اختیار کرے۔

مؤمن اور مسلم کا مفہوم

④ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ[1] راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا "کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا) سے مسلمان محفوظ رہیں اور اصل مہاجر وہ ہے جس نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے"۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ مسلمانوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ (کے ضرر) سے مسلمان محفوظ رہیں۔"

تشریح: حدیث کے پہلے جزء میں اس طرف اشارہ ہے کہ "مؤمن اور مسلمان" محض اس کا نام نہیں ہے کہ کوئی شخص محض کلمہ پڑھ لے اور کچھ متعین اعمال و ارکان ادا کر لے بلکہ اسلامی شریعت اپنے پیروؤں سے ایک ایسی بھرپور زندگی کا تقاضا کرتی ہے جس کا حامل ایک طرف عقائد و اعمال کے لحاظ سے اللہ کا "حقیقی بندہ" کہلانے کا مستحق ہو تو دوسری طرف وہ انسانیت کے تعلق سے پوری طرح امن و آشتی کا نمونہ اور محبت و مروت کا مظہر ہو، امن و امانت، اخلاق و رواداری، ہمدردی و خیر سگالی کا اپنی عملی زندگی میں اس طرح اظہار کرے کہ دنیا کا ہر انسان اس سے خوف زدہ رہنے کے بجائے اس کو اپنا ہمدرد، بہی خواہ اور مشفق سمجھے، اور کیا مال کیا جان و آبرو، ہر معاملہ میں اس کو پورا اعتماد اور اطمینان رکھے۔

اس حدیث میں ہاتھ اور زبان کی تخصیص اس لئے ہے کہ عام طور پر ایذا رسانی کے یہی دو ذریعے ہیں ورنہ یہاں ہر وہ چیز مراد ہے جس سے تکلیف پہنچ سکتی ہے خواہ وہ ہاتھ ہوں یا زبان یا کوئی دوسری چیز۔

حدیث کے دوسرے جزء میں "حقیقی مہاجر" کی تعریف کی گئی ہے یوں تو مہاجر ہر اس شخص کو کہیں گے جس نے خدا کی راہ میں اپنا وطن، اپنا گھر اور اپنا ملک چھوڑ کر دار الاسلام کو اپنا وطن بنا لیا ہو، یہ قربانی اسلام عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کے لئے بے شمار جزاء و انعام کا حقدار مانتا ہے لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس ہجرت کے علاوہ ایک ہجرت اور ہے جس کا زندگی کے ساتھ دوامی تعلق رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے مؤمن ان سے پرہیز کرتا رہے اور اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نفسانی خواہشات کو بالکل ترک کر کے پاکیزہ نفسی اختیار کرے ایسا شخص حقیقی مہاجر کہلانے کا مستحق ہوگا۔

درجات محبت

⑤ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ[2] بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں بن سکتا جب

---

[1] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ جلیل القدر صحابی، رفیع المرتبت عالم، بلند پایہ مجاہد اور بڑے مرتبہ کے متقی و عابد تھے آپ مہاجر ہیں۔ آپ کے سن وفات میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ تذکرۃ الحفاظ کی روایت کے مطابق مصر میں ۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

[2] حضرت انس بن مالک بن نضرؓ انصاری ہیں اور مدینہ کے اصل باشندہ تھے۔ آپ کی عمر جب دس سال کی تھی تو آپ کی والدہ ام سلیم بنت ملحان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ ۹۲ھ میں انتقال فرمایا۔

تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" (بخاری ومسلم)

تشریح : "محبت" ایک تو طبعی ہوتی ہے جیسے اولاد کو باپ کی یا باپ کو اولاد کی محبت۔ اس محبّت کی بنیاد طبعی وابستگی و پسند اور فطری تقاضہ ہوتا ہے۔ اس میں عقلی یا خارجی ضرورت اور دباؤ کا دخل نہیں ہوتا۔ اس کے بر خلاف ایک محبت عقلی ہوتی ہے جو کسی طبعی و فطری وابستگی اور تقاضے کے تحت نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی عقلی ضرورت و مناسبت اور خارجی وابستگی کے تحت کی جاتی ہے۔ اس کی مثال مریض اور دوا ہے یعنی بیمار شخص دوا کو اس لئے پسند نہیں کرتا کہ دوا لینا اس کا طبعی اور فطری تقاضہ ہے بلکہ یہ دراصل عقل کا تقاضا ہوتا ہے کہ اگر بیماری ختم کرنا ہے اور صحت عزیز ہے تو دوا استعمال کرنی ہوگی خواہ اس دوا کی تلخی اور کڑواہٹ طبیعت پر کتنا ہی بار کیوں نہ ہو، اسی طرح اگر کسی شخص کے جسم کا کوئی حصّہ پھوڑے پھنسی کے فاسد مادہ سے بھر گیا ہو تو وہ آپریشن کے لئے اپنے آپ کو کسی ماہر جراح اور سرجن کے حوالہ اس لئے نہیں کرتا کہ اس کی نظر میں آلات جراحی کی چمک دمک اچھی لگتی ہے یا اس کی طبیعت اپنے جسم کے اس حصہ پر نشتر زنی کو پسند کرتی ہے بلکہ یہ عقل ودانائی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اگر جسم کو فاسد مادہ سے صاف کرنا ہے تو خود کو اس جراح یا سرجن کے حوالہ کر دینا ضروری ہے کسی چیز کو عقلی طور پر چاہنے اور پسند کرنے کی وہ کیفیت جس کو "عقلی محبت" سے تعبیر کرتے ہیں، بعض حالات میں اتنی شدید، اتنی گہری اور اتنی اہم بن جاتی ہے کہ بڑی سے بڑی طبعی محبت اور بڑے سے بڑے فطری تقاضے پر بھی غالب آجاتی ہے۔ پس یہ حدیث ذات رسالت سے جس محبّت اور وابستگی کا مطالبہ کر رہی ہے وہ علماء و محدّثین کے نزدیک یہی "عقلی محبت" ہے لیکن کمال ایمان ویقین کی بنا پر یہ "عقلی محبت" اتنی پر اثر، اتنی بھرپور اور اس کی قدر جذباتی وابستگی کے ساتھ ہو کہ "طبعی محبت" پر غالب آجائے۔ اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کی کسی ہدایت اور کسی شرعی حکم کی تعمیل میں کوئی خونی رشتہ جیسے باپ کی محبت، اولاد کا پیار یا کوئی بھی اور طبعی تعلق رکاوٹ ڈالے تو اس ہدایت رسول اور شرعی حکم کو پورا کرنے کے لئے اس خون کے رشتے اور طبعی تقاضا و محبت کو یکسر نظر انداز کر دینا چاہیے، ایمانیات اور شریعت کے نقطۂ نظر سے یہ بہت بڑا مقام ہے اور یہ مقام اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب ایمان و اسلام اور حب رسول ﷺ کا دعوی کرنے والا اپنے نفس کو احکام شریعت اور ذات رسالت میں فنا کر دے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا و خوشنودی کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد حیات نہ ہو۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ کا فرمان جاری ہوتا ہے کہ اہل ایمان جہاد کے لئے نکلیں، اس حکم کی تعمیل میں اہل ایمان، دشمنان دین سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں پہنچتے ہیں۔ جب دونوں طرف سے صف آرائی ہوتی ہے اور حریف فوجیں آمنے سامنے آتی ہیں تو کسی مسلمان کو اپنا لڑکا دشمن کی صف میں نظر آتا ہے اور کسی کو اپنا باپ۔ اب ایک طرف تو وہ طبعی محبت ہے، جو کیسے گوارا کر لے کہ اپنی تلوار اپنے باپ یا اپنی ہی اولاد کے خون سے رنگ جائے، دوسری طرف حکم رسول ہے کہ دشمن کا کوئی بھی فرد تلوار کی زد سے امان نہ پائے چاہے وہ اپنا باپ یا بیٹا کیوں نہ ہو، تاریخ کی ناقابل تردید صداقت گواہی دیتی ہے کہ ایسے نازک موقع پر اہل ایمان پل بھر کے لئے بھی ذہنی کشمکش میں مبتلا نہیں ہوتے، ان کو یہ فیصلہ کر لینے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی کہ حکم رسول ﷺ کے سامنے نہ باپ کی محبّت کوئی معنی رکھتی ہے نہ اولاد کی۔ اور پھر میدان جنگ میں باپ کی تلوار بے دریغ اپنی اولاد کا خون بہاتی نظر آتی ہے اور بیٹا اپنے باپ کو موقع نہیں دیتا کہ بچ کر نکل جائے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تکمیل ایمان کا مدار حب رسول پر ہے جس شخص میں ذات رسالت سے اس درجہ کی محبت نہ ہو کہ اس کے مقابلہ پر دنیا کے بڑے سے بڑے رشتے، بڑے سے بڑے تعلق اور بڑی سے بڑی چیز کی محبّت و چاہت بھی بے معنی ہو، وہ کامل مسلمان نہیں ہو سکتا، اگرچہ زبان اور قول سے وہ اپنے ایمان و اسلام کا کتنا ہی بڑا دعوی کرے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے جب یہ حدیث سنی تو عرض کیا "یا رسول اللہ! دنیا میں صرف اپنی جان کا علاوہ آپ ﷺ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں" یعنی دنیا کے اور تمام رشتوں اور چیزوں سے زیادہ میں آپ ﷺ کی محبت رکھتا ہوں مگر اپنی جان سے زیادہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اب بھی کامل مؤمن نہیں ہوئے

اس لئے کہ یہ مرتبہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ میں تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا ہو جاؤں"۔ ان الفاظ نبوت نے جیسے آن واحد میں حضرت عمرؓ کے دل و دماغ کی دنیا اتھل پتھل کر دی ہو، وہ بے اختیار بولے۔ "یارسول اللہ! آپ ﷺ پر میری جان قربان آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں، نبی کریم ﷺ نے پھر ان کو بشارت سنائی کہ اے عمرؓ! اب تمہارا ایمان کامل ہوا اور تم پکے مؤمن ہو گئے۔"

اور صرف عمر فاروقؓ ہی نہیں، تمام صحابہؓ اسی کیفیت سے معمور اور حب رسول سے سرشار تھے، ان کی زندگیوں کا مقصد ہی آپ ﷺ کے ایک اشارۂ ابرو پر اپنی جانوں کو نچھاور کر دینا تھا، بلاشبہ دنیا کا کوئی مذہب اپنے راہنما اور پیروؤں کے باہمی تعلق اور محبت کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس بلاشک صحابہؓ کے لئے شمع کی سی تھی جس پر وہ پروانہ وار نچھاور ہونا ہی اپنی سعادت و خوش بختی تصور کیا کرتے تھے۔ اسلام کے اس دور کی شاندار تاریخ اپنے دامن میں بے شمار ایسے واقعات چھپائے ہوئے ہے جو رسول اکرم ﷺ سے صحابہ کرامؓ اجمعین کی جذباتی وابستگی اور والہانہ محبت و تعلق کی شاندار غمازی کرتے ہیں۔

غزوۂ احد کا واقعہ ہے۔ میدان جنگ میں جب معرکہ کارزار گرم ہو اور حق کی مٹھی بھر جماعت پر باطل کے لشکر جرار نے پوری قہرمانی طاقت سے حملہ کیا تو دیکھا گیا ہے کہ ایک انصاری عورت کے شوہر، باپ اور بھائی تینوں نے جام شہادت پیا اور رسول اکرم ﷺ کی ذات پر دیوانہ وار فدا ہو گئے، یہ دل گداز خبر اس عورت کو بھی پہنچائی گئی مگر اللہ رے ایمان کی پختگی اور رسول اکرم ﷺ کی محبت کا اثر کہ بجائے اس کہ وہ عورت اپنے لواحقین کی شہادت پر نالہ و شیون اور ماتم و فریاد کرتی اس نے سب سے پہلے یہ سوال کیا:

"خدارا مجھے یہ بتاؤ کہ میرے آقا اور سردار رسول اللہ ﷺ (آپ ﷺ پر میری جان قربان) تو بخیر ہیں؟۔"

لوگوں نے کہا۔ ہاں "آپ ﷺ سلامت ہیں" مگر اس سے اسکی تسکین نہ ہوئی اور بے تابانہ کہنے لگی:

"اچھا چلو! میں اپنی آنکھوں سے دیدار کر لوں تو یقین ہو گا" اور جب اس نے اپنی آنکھوں سے چہرۂ انور کی زیارت کر لی تو بولی:

کل مصیبة بعدك جلل۔ —— "جب آپ زندہ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔"

ایک مرتبہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یارسول اللہ! آپ ﷺ مجھے اپنے اہل و عیال اور مال سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ مجھے آپ ﷺ کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک کہ یہاں آکر آپ ﷺ کے روئے انور کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی نہیں کر لیتا۔ مگر اب تو یہی غم کھائے جاتا ہے کہ وفات کے بعد آپ ﷺ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے، وہاں میری آنکھیں آپ ﷺ کا دیدار کیسے کر سکیں گی۔ جب ہی یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (النساء ٦٩)

"جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا مانتے ہیں وہ (آخرت میں) ان لوگوں ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام ہیں یعنی نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی صحبت بڑی غنیمت ہے۔"

آپ ﷺ نے ان صحابی کو یہ بشارت سنادی۔

عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ جو صاحب اذان کے لقب سے مشہور تھے اپنے باغ میں کام کر رہے تھے کہ اسی حالت میں ان کے صاحبزادہ نے آکر یہ اندوہ ناک خبر سنائی کہ سرور دو عالم ﷺ وصال فرما گئے۔ عشق نبوی سے سرشار اور محبت رسول سے سرمست، یہ صحابی اس جان گداز خبر کی تاب ضبط نہ لا سکے، بے تابانہ ہاتھ فضا میں بلند ہوئے اور زبان سے یہ حسرت ناک الفاظ نکلے: خداوندا اب مجھے

بینائی کی دولت سے محروم کر دے تاکہ یہ آنکھیں جو سرکار دو عالم ﷺ کے دیدار سے مشرف و منور ہوا کرتی تھیں اب کسی دوسرے کو نہ دیکھ سکیں (ترجمہ السنۃ)۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبی کریم ﷺ سے محبّت و تعلق کا وہی مقام حاصل تھا جو اس حدیث کا منشاء ہے اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ ایمان کی سلامتی اور اپنے اسلام میں مضبوطی پیدا کرنا چاہتا ہے تو نبی کریم ﷺ کی محبت و عقیدت سے اپنے دل کو معمور کرے اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے ہی کو مدار نجات جانے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبّت کا معیار اتباع شریعت اور اتباع رسول ہے جو شخص شریعت پر عمل نہیں کرتا اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر نہیں چلتا، وہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نعوذ باللہ اسے حضور ﷺ سے محبت نہیں ہے۔

ایمان کی لذت

(۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَّا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ يَّكْرَهُ اَنْ يَّعُوْدَ فِى الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انس راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس شخص میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہوگا، اول یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ کسی بندہ سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کے لئے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اسے اللہ نے کفر کے اندھیرے سے نکال کر ایمان و اسلام کی روشنی سے نواز دیا تو اب وہ اسلام سے پھر جانے کو اتنا ہی برا جانے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبّت اس درجہ رچ بس جائے کہ ان کے ماسوا تمام دنیا اس کے سامنے ہیچ ہو۔

اسی طرح یہ شان بھی مؤمن کامل ہی کی ہو سکتی ہے کہ اگر وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اگر کسی سے بغض و عداوت رکھتا ہے تو وہ بھی اللہ کی راہ میں غرض کہ اس کا جو بھی عمل ہو صرف اللہ کے لئے ہو اور اس کے حکم کی تکمیل میں ہو۔

ایسے ہی ایمان کا پختگی کے ساتھ دل میں بیٹھ جانا اور اسلام پر پختگی کے ساتھ قائم رہنا اور کفر و شرک سے اس درجہ بیزاری و نفرت رکھنا کہ اس کے تصور و خیال کی گندگی سے بھی دل پاک و صاف رہے، ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔

اسی لئے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ ایمان کی حقیقی دولت کا مالک اور اس پر جزاء و انعام کا مستحق تو وہی شخص ہے جو ان تینوں اوصاف سے پوری طرح متصف ہو اور ایمان کی حقیقی لذت کا ذائقہ وہی چکھ سکتا ہے جس کا دل ان چیزوں کی روشنی سے منور ہو۔

ایمان کا لطف

(۷) وَعَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَّضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عباس[1] بن عبد المطلب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو اپنے پروردگار، اسلام کو اپنا دین اور

---

[1] آپ حضرت عبد المطلب کے صاحبزادے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ بارہ رجب ۳۲ھ جمعہ کے دن آپ کا انتقال ہوا۔

محمد (ﷺ) کو اپنا رسول خوشی سے مان لیا تو (سمجھو کہ) اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔" (مسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی ذات و صفات پر ایمان محمد عربی ﷺ کی رسالت و نبوت میں یقین و اعتقاد، دین و شریعت کی حقانیت و صداقت پر کامل اعتماد اور اسلامی تعلیمات و احکام کی پیروی، اس کیفیت کے ساتھ ہونی چاہیے کہ دل و دماغ کے کسی گوشہ میں کوئی دباؤ، کوئی گھٹن، کوئی تکدر اور کوئی ناگواری ذرہ برابر محسوس نہ ہوتی ہو۔ رضا و رغبت، اطمینان خاطر اور دماغی و ذہنی سکون کی وہ لہر پورے داخلی و خارجی وجود میں سرایت کئے ہوئے ہو، جو کسی انمول چیز کے حاصل ہو جانے پر دل و دماغ اور جسم کے پورے وجود کو مسرت و شادمانی اور احساس سرفرازی سے سرشار کر دیتی ہے۔ یہ بہت اہم بات ہے اس کو ہر حالت میں مدنظر رکھنا چاہئے۔ اس ایمان و یقین اور عمل آوری میں اگر کسی طرح کا کوئی انقباض اور تکدر پیدا ہوا تو سمجھو کہ ایمان کی روح رخصت ہوئی، ایسے شخص پر اگرچہ ظاہری طور سے ایمان و اسلام کے احکام نافذ ہوں گے مگر "اخلاص" سے خالی ہونے کے سبب نہ اس کا ایمان کامل سمجھا جائے گا اور نہ اس کو "حسن اسلام" نصیب ہوگا اور نہ ایمان و یقین کی حقیقی لذت سے وہ لطف اندوز ہو سکے گا۔

اسلام ہی مدارِ نجات ہے

⑧ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ یَھُوْدِیٌّ وَلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس اُمت میں سے جو شخص بھی خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، میری نبوت کی خبر پائے اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے بغیر مر جائے، وہ دوزخی ہے۔" (مسلم)

تشریح: اسلام ایک آفاقی مذہب ہے جس کے دائرہ اطاعت میں آنا تمام کائنات کے لئے ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا ہوا ایک ایسا بین الاقوامی قانون ہے جس کی پیروی دنیا کے ہر شخص پر لازم ہے، اسی طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت اور آپ ﷺ کی نبوت بھی چونکہ عالمگیر اور بین الاقوامی ہے۔ ہر دور کے لئے، ہر قوم کے لئے اور ہر طبقہ کے لئے، اس میں کسی کا استثناء نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنا سب پر یکساں فرض ہے، خواہ کوئی کسی قوم کسی ملک اور کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

اس حدیث میں یہودی اور نصرانی یعنی عیسائی کا ذکر اس بنا پر کیا گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں خود اپنا ایک دین اور ایک شریعت رکھتی تھیں ان کی اپنی اپنی آسمانی کتابیں تھیں جن کو مدار عمل و نجات ماننے کا ان کو خدائی حکم تھا، اس لئے ان کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ قومیں جو خود اپنے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت اور اللہ کی جانب سے بھیجی ہوئی کتابوں کی تابع ہیں اور جن کا دین بھی آسمانی دین ہے، جو اللہ تعالیٰ ہی کا اتارا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ کے آخری دین اسلام کے نفاذ اور خاتم النبیین ﷺ کی ہمہ گیر بعثت کے بعد جب ان قوموں کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں اور شریعت اسلام کے دائرہ میں آئے بغیر ان کی نجات ممکن نہیں تو پھر وہ قومیں پیغمبر اسلام اور شریعت اسلام پر ایمان و عمل کے بغیر ابدی نجات کیسے پا سکتی ہیں جو کسی آسمانی دین کی پابند بھی نہیں ہیں جن کے پاس کسی پیغمبر کی لائی ہوئی کوئی کتاب بھی نہیں ہے اور جو اللہ کے بھیجے ہوئے کسی نبی و رسول کی پیرو بھی نہیں ہیں۔

ایک بات اور بھی ہے۔ یہودی اور عیسائی کہا کرتے تھے کہ اللہ برگزیدہ پیغمبر موسیٰ اور عیسیٰ کے پیروکار اور اللہ کی اتاری ہوئی کتاب شریعت تورات و انجیل کے متبع ہونے کی وجہ سے ہم تو خود "نجات یافتہ" ہیں۔ جنت تو ہمارا پیدائشی حق ہے، ہمیں کیا ضرورت ہے کہ محمد ﷺ کو اپنا رسول مانیں اور اسلام کو اپنا دین، اس حدیث کے ذریعہ ان کے اس غلط عقیدہ و خیال کی بھی تردید کی گئی ہے اور ان پر

واضح کر دیا گیا کہ پیغمبر اسلام کی بعثت کے بعد تو نجات ان ہی لوگوں کی ہوگی جو دین اسلام کو مانیں گے اور اس پر عمل کریں گے کیونکہ محمد عربی ﷺ کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ سابقہ شریعتیں منسوخ ہو جائیں، تمام مذاہب کالعدم ہو جائیں اور تمام کائنات کو صرف ایک مذہب "دین اسلام" کے دائرہ میں لایا جائے جو اللہ کا سب سے آخری اور سب سے جامع و مکمل دین ہے۔

دوہرا اجر پانے والے

⑨ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَهُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمَنَ بِنَبِیِّهٖ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ اِذَا اَدّٰی حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِیْهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَةٌ یَطَأُهَا فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَادِیْبَهَا وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهٗ اَجْرَانِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابو موسیٰ[1] اشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کو دو دو اجر ملیں گے۔ اس اہل کتاب (یہوی اور عیسائی) کو جو (پہلے) اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا پھر محمد (ﷺ) پر ایمان لایا۔ اس غلام کو جو اللہ کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے آقاؤں کے حق کو بھی ادا کرتا رہے۔ اس شخص کو جسکی کوئی باندی تھی اور وہ اس سے صحبت کرتا تھا۔ پہلے اس کو اچھا ہنر مند بنایا پھر اس کو خوب اچھی طرح تعلیم دی اور پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تو یہ بھی دوہرے اجر کا حقدار ہوگا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مقصد ان تین طرح کے لوگوں کو بشارت دینا ہے جن کو اوروں کے مقابلہ پر نیک عمل کا دوہرا اجر ملتا ہے۔ ان میں پہلی قسم کے لوگ وہ اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) ہیں جو پہلے تو اپنے دین میں تھے اور پھر دعوت اسلام پا کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ان کو دوہرے اجر کی بشارت اس بنا پر دی گئی ہے کہ ان کا پہلے اپنے نبی کو پختہ دل سے ماننا، اس نبی کی لائی ہوئی کتاب و شریعت پر عمل کرنا اور اس نبی سے اعتقادی وابستگی و تعلق رکھنا اور پھر خاتم النبیین ﷺ کی رسالت و نبوت اور اللہ کے آخری دین اسلام کی دعوت پا کر صدق دل سے اس کا حلقہ بگوش ہو جانا، نہ صرف یہ کہ ان کے کمال انقیاد و اطاعت اور ان کی فکری و ذہنی سلامت روی کی علامت ہے بلکہ اس معنی میں ان کے قلبی و عملی ایثار کا غماز بھی ہے کہ اپنے سابقہ نبی اور سابقہ دین سے عقیدت و تعلق اور زبردست جذباتی لگاؤ کے باوجود انہوں نے دعوت اسلام پا کر اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنی زندگی کا دھارا کدم موڑ دیا اور اب اپنے اعتقاد کی باگ ڈور دین اسلام کے سپرد کر دی، جب تک ان کے سامنے اسلام کی دعوت نہیں آئی تھی وہ اپنے دین ہی کو اللہ کا دین سمجھ کر اس کے حلقہ بگوش رہے اور جب اسلام کی دعوت ان کے سامنے آئی تو انہوں نے اس کو اللہ کا آخری دین جان کر اپنے پچھلے دین کو چھوڑنے میں کسی ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب سے کام نہیں لیا بلکہ فطرت سلیم کی آوز پر لبیک کہہ کر محمد ﷺ عربی کے غلاموں میں شامل ہو گئے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعام کے طور پر ان کو ہر نیک عمل پر دوہرے اجر کا مستحق قرار دیا، ایک اجر تو اپنے پہلے نبی پر ایمان رکھنے کے سبب اور دوسرا اجر پیغمبر آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کا۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں یہ خصوصیت اور امتیاز صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ وہ اپنے تصورات و اعتقادات اور اپنی تعلیمات کی بنیاد "انکار" پر نہیں "اقرار" پر رکھتا ہے یعنی وہ آسمانی دینوں میں کسی رقابت یا رسولوں میں کسی تفریق کی خلیج حائل نہیں کرتا وہ تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق پر زور دیتا ہے اور اللہ کی جانب سے بھیجے گئے تمام رسولوں کی رسالت پر ایمان لانے کی تاکید کرتا ہے، اسلام کے برخلاف دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے اعتقادات و نظریات کو دیکھا جائے تو یہ بات جاننے میں دیر نہیں لگتی کہ ان کے یہاں کوئی شخص اسوقت تک مذہب کا سچا پیرو اور حقیقی تابعدار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس کے ماسوا دوسرے مذاہب کے اعتقاد و تصورات کی بنیادوں کو بالکل ہی مسمار نہ کر دے اور دوسرے رسولوں و پیغمبروں کی رسالت کا سرے سے انکار نہ

---

[1] آپ جلیل القدر صحابی ہیں، پہلی ہجرت حبشہ میں شریک تھے۔ ذی الحجہ ۴۴ھ میں مکہ میں انتقال ہوا۔

کردے، اسلام تو ایمان و اعتقاد کے پہلے ہی مرحلہ میں اپنے پیروؤں سے اس بات کا اقرار کراتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی رسول ﷺ، اللہ کی جانب سے مخلوق کی ہدایت کے لئے آئے ان میں کسی قسم کی تفرق نہ کی جائے گی، ان کی لائی ہوئی شریعتوں کو اپنے اپنے زمانہ کے لئے حق اور واجب التسلیم مانا جائے گا، وہ اپنے متبعین کو احساس صداقت کا یہ شعور بخشتا ہے کہ آسمانی مذاہب میں کوئی پارٹی بندی نہیں ہے سب ایک ہی صداقت کی کڑیاں ہیں نیز وہ اپنے ماننے والوں کو واضح طور پر آگاہ کر دیتا ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہی ہو گی کہ دوسرے آسمانی مذاہب کی تصدیق بھی کی جائے اور سابقہ تمام انبیاء کی صداقت کو مانا جائے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر کوئی یہودی یا عیسائی ایمان لائے اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت کا صدق دل سے اقرار کرے۔ تو اپنے نبی پر لایا ہوا اس کا پہلا ایمان رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ وہ اس پر اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جائے گا لیکن وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت کی اگر تصدیق نہیں کرتا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان نہیں لاتا تو نہ صرف یہ کہ وہ کفر و انکار کی بنا پر دائمی عذاب کا مستوجب گردانا جائے گا بلکہ اس کا اپنے نبی پر لایا ہوا ایمان بھی رائیگاں اور بیکار سمجھا جائے گا اور اس پر کسی قسم کے اجر و ثواب کا استحقاق پیدا نہیں ہو گا کیونکہ جس طرح تمام انبیاء پر ایمان لانا اور ان کی رسالت کی تصدیق کرنا لازم ہے اسی طرح عمل اور پیروی پیغمبر اسلام ﷺ کی شریعت پر ضروری ہے اور مدار نجات صرف اسلام کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔

دوسرے شخص کے لئے دوہرے اجر کی بشارت کا سبب بھی واضح ہے یعنی یہ کہ ایک غلام کے لئے نہ صرف سماجی روایتی اور دنیاوی حیثیت سے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مالک و آقا کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور اس کے احکام کی پوری پوری تعمیل کرے بلکہ اسلامی تعلیم کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ مالک و آقا کے عائد شدہ حقوق کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی یا سستی نہ کرے، لہٰذا ایک غلام جب اپنے آقا کے حقوق کی پوری نگہداشت کرتا ہے اور حقوق کی ادائیگی کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے حقیقی مالک اور پروردگار اللہ رب العالمین کے احکام کی بجا آوری بھی پورے حقوق کے ساتھ کرتا ہے اور اس کے عائد کئے ہوئے تمام فرائض کی تکمیل میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا تو وہ دوہرے اجر کا استحقاق پیدا کر لیتا ہے۔

اب رہ گیا تیسرا شخص تو اس کو بھی دوہرے اجر کا مستحق اس بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ اول تو اس نے ایک باندی کو آزاد کیا جو نہ صرف یہ کہ انسانیت اور فطرت کے اعتبار کے تقاضا کو پورا کرنا ہے بلکہ اسلامی اخلاق کے اعلیٰ اصول و قواعد پر عمل کرنا بھی ہے، دوسرے یہ کہ اس باندی کو آزاد کر کے اور پھر اس سے شادی کر کے اس نے انسانی ہمدردی، اسلامی مساوات، اور بلند اخلاقی کا اس طرح اعلیٰ ثبوت دیا کہ ایسی عورت کو جو سماجی حیثیت سے ایک کمتر، بے وقعت اور ذلیل بن کر رہ گئی تھی، اچھی تربیت، اعلیٰ تعلیم اور پھر آزادی و شادی کی گرانقدر دولت سے نواز کر دنیا کی باعزت اور سوسائٹی و معاشرہ کی شریف و معزز عورتوں کے برابر بھی لا کھڑا کیا، اس طرح اس نے اگر ایک طرف انسانیت اور اخلاق کے تقاضے کو پورا کیا، تو دوسری طرف اسلامی تعلیم کی روح کو بھی اجاگر کیا پس اس کے اس ایثار کی بناء پر شریعت نے اس کو بھی دوہرے اجر کا استحقاق عطا کیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے دوہرے اجر کے بارے میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کے نامۂ اعمال میں جزاء اور ثواب کی یہ دوگنی اضافت اس طرح ہو گی کہ ان کو ہر عمل پر دوسروں کے مقابلہ میں دوہرا ثواب ملے گا، مثلاً اگر کوئی دوسرا شخص نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے یا کوئی اور نیک کام کرتا ہے تو اس کو عمومی بشارت کے تحت دس ثواب ملیں گے لیکن یہی عمل تینوں کریں گے تو ان کو ہر ایک عمل پر بیس بیس ثواب ملیں گے۔

کفار سے جنگ کا حکم

(۱۰) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَآءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ

الاسلَام وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلاَّ اَنَّ مُسْلِمًا لَمْ يَذْكُرْ اِلاَّ بِحَقِّ الْاِسْلاَم۔

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیا گیا ہے کہ میں (دین دشمن) لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے (بھیجے ہوئے) رسول ہیں نیز نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور پھر جب وہ ایسا کرنے لگیں تو انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچالیا، ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے تحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے (وہ جانے کہ ان کا اسلام صدق دل سے تھا یا محض اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے دکھلاوے کا تھا) (بخاری و مسلم) مسلم کی روایت میں "الا بحق الاسلام" کے الفاظ نہیں ہیں۔"

تشریح: یہ دنیا اللہ کی حقیقی ملکیت ہے وہی اس زمین کا شہنشاہ اور تمام کائنات کا حاکم مطلق ہے اس کی زمین پر رہنے کا حق اسی کو حاصل ہے جو اس کی حاکمیت کو تسلیم کر کے اس کے قوانین کی پیروی کرتا ہے اس کے احکام کی تابعداری کرتا ہے، اس کے اتارے ہوئے نظام و شریعت کے تحت زندگی گزارتا ہے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول اور پیغمبر کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے۔ اس دنیا میں پیغمبروں کی بعثت کا اصل مقصد روئے زمین پر حقیقی شہنشاہ اور حاکم مطلق (اللہ تعالیٰ) کی حاکمیت کا نفاذ کرنا ہوتا ہے، پیغمبر کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ دین و شریعت کی صورت میں حاکمیت الٰہ کا جو مشن لے کر آیا ہے اس کو ہر ممکن جدوجہد کے ذریعہ پھیلائے لوگوں کو اپنے دین دائرہ میں لانے کی پوری سعی کرے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ اس کی اس جدوجہد اور سعی کے نتیجہ میں جو معاشرہ بن گیا ہے اس پر دنیا کے کسی غیر دینی روایت و قانون اور کسی شخصی و گروہی بالادستی کی حکمرانی قائم نہ ہونے پائے بلکہ صرف خدائی حکمرانی یعنی دین و شریعت کی حکومت قائم ہو اور پھر کسی کو اس بات کی اجازت نہ ہو کہ وہ دین و شریعت کا دشمن و معاند بن کر اس معاشرہ (اسلامی ریاست) میں رہ سکے جو لوگ تمرد و سرکشی اختیار کریں اور خدائی حکمرانوں کے تحت آنے سے منکر ہوں ان کے خلاف وہی کاروائی کی جائے جو کسی بھی معاشرہ میں آئین و حکومت کے باغیوں کے خلاف ہوتی ہے، اسی حقیقت کو آنحضرت نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں خدائی حکمرانی باغیوں اور دین و شریعت کے دشمنوں کے خلاف اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک وہ اپنی سرکشی اور دشمنی کو ترک کر کے ہمارے معاشرہ یعنی (اسلامی ریاست) میں رہنے کے حقوق حاصل نہ کرلیں اور انہیں یہ حقوق ملنے کی ایک تو یہی صورت ہے کہ وہ کفر و عناد کے بجائے ایمان و اسلام اختیار کرلیں یعنی صدق دل سے اس بات کا اقرار اور زبان سے اظہار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، پھر اپنے عمل سے ثابت کریں کہ ان کا یہ اقرار اور زبان سے اظہار مخلصانہ ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکام کی پیروی کریں، خصوصاً پابندی سے نماز پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں، اور دوسرے فرائض پر عمل کریں۔ دوسری صورت (جس کا ذکر اس حدیث میں تو نہیں ہے لیکن دوسرے مواقع پر ثابت ہے) یہ ہے کہ اگر وہ لوگ ایمان و اسلام کے دائرہ میں نہیں آنا چاہتے مگر اسلامی ریاست میں اپنی وطنیت اور بود و باش کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دینی و مذہبی طور پر نہ سہی مگر سماجی و معاشرتی طور پر اسلامی ریاست کے تابعدار اور امن پسند باشندہ رہنے کا اقرار کریں جس کی علامت اس ٹیکس کی پابندی سے ادائیگی ہے جس کو اصطلاح میں "جزیہ" کہا جاتا ہے اس ٹیکس کی ادائیگی اسلامی ریاست میں کسی غیر مسلم کے تمام انسانی، سماجی اور شہری حقوق کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ اگر کوئی شخص جزیہ نہ دینا چاہے تو اس کا متبادل یہ ہے کہ وہ اپنی محکومیت و مغلوبیت کا اقرار کر کے کسی خاص معاہدہ کے تحت سربراہ ریاست (رسول) سے صلح کرلے اور پناہ لے کر اسلامی ریاست میں رہے، اسلامی قانون اپنے مخصوص رحم و کرم کی بناء پر اس کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کی ذمہ داری لے لے گا۔

بہر حال حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص ایمان و اسلام کے دائرہ میں داخل ہو جائے یا جزیہ ادا کر کے اور پناہ لے کر اسلامی ریاست کا باشندہ ہو اس کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کی ذمہ داری ریاست کے اوپر ہوگی۔ اور ریاست اپنے اسلامی قانون کے تحت

اس کے تمام انسانی، سماجی اور شہری حقوق کی نگہداشت کرے گی لیکن جہاں تک قانونی جرائم، سماجی بے اعتدالیوں اور بشری خطاؤں کا تعلق ہے ان پر ہر حال میں مواخذہ ہوگا خواہ ان کا مرتکب کوئی مسلمان ہو یا ذمی کافر، اس معاملہ میں کسی کے ساتھ رعایت و چشم پوشی نہیں ہوگی، مثلاً اگر کوئی مسلمان یا ذمی کسی کو ناحق قتل کر دیتا ہے تو اس کو قصاص (سزا) میں قتل کر دیا جائے گا یا ایسے ہی کوئی زنا کرے گا تو اس پر حد جاری کی جائے گی اور اس کو پوری سزا دی جائے گی یا کسی نے کسی کا مال زبردستی ہڑپ کر لیا تو اس سے اس کا مال مالک کو واپس دلایا جائے گا، گویا قانون کی عملداری ہر حال میں قائم کی جائے گی جو شخص بھی خلاف ورزی کرے گا اس کو ضرور سزا دی جائے گی اسلامی حقوق اور قوانین کے نفاذ کے معاملہ میں کسی تخصیص اور رعایت کا سوال پیدا نہیں ہوگا۔

حدیث کے آخر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ شریعت اپنے قانون کے نفاذ میں ظاہری حیثیت پر حکم لگاتی ہے، اور باطنی حالت کو اللہ کے سپرد کر دیتی ہے یعنی اگر کوئی شخص جان و مال کی حفاظت یا کسی غرض کے تحت بظاہر مسلمان بن جاتا ہے اور دل میں کفر و نفاق ہے تو اسلامی قانون اس کو مسلمان ہی تسلیم کرے گا، دل کا معاملہ اللہ کے سپرد رہے گا، اگر واقعی اس کے دل میں کھوٹ ہوگا تو آخرت میں اس کو نفاق کی سزا یقیناً ملے گی، وہاں مواخذۂ خداوندی سے نہ بچ سکے گا۔

یہ حدیث اس مسئلہ کی بھی دلیل ہے کہ ملحدوں اور زندیقوں کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے یعنی اگر کوئی ملحد و زندیق آکر یہ کہے کہ میں الحاد و زندقہ سے توبہ کرتا ہوں تو اس کی توبہ قبول کر کے اس کی جان لینے سے اجتناب کیا جائے گا۔

ویسے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں، ان میں سے ظاہر تر قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے الحاد کا اظہار کیا اور اپنی زبان سے ایسے الفاظ نکالے جن سے اس کا منکر خدا اور منکر دین ہونا معلوم ہوتا ہو پھر جلد ہی اس نے الحاد و زندیقی سے برأت کی اور برضا و رغبت توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول ہوگی اور اگر اس کی توبہ محض جان بچانے کے لئے اور اسلامی قانون کی سزا سے بچنے کے لئے ہو تو پھر اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

مسلمان کون ہے؟

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارے ذبیحوں کو کھائے وہ مسلمان ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول کے عہد و امان میں ہے۔ پس جو شخص اللہ کے عہدہ و امان میں ہے تم اس کے ساتھ عہد شکنی مت کرو۔" (بخاری)

تشریح: اصل ایمان اگرچہ "تصدیق قلبی" کا نام ہے لیکن یہ ایک اندرونی کیفیت اور قلبی صفت ہے جس کا تعلق باطن سے ہے، اسی طرح "اقرار" اگرچہ زبان سے متعلق ہے مگر وہ بھی ایک قیمتی چیز ہے لہٰذا دو دینوں میں کھلا ہوا امتیاز ان کے علیحدہ علیحدہ شعار ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اسلامی معاشرہ میں نماز پڑھنا اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرنا اہل کتاب کے مقابلہ پر سب سے زیادہ امتیازی عمل ہے، اسی طرح معاشرتی لحاظ سے جس عمل اور طریقہ میں اہل کتاب مسلمانوں سے کھلا ہوا احتراز کرتے تھے وہ ان کا ذبیحہ تھا کہ مسلمانوں کا ذبحہ کیا ہوا گوشت اہل کتاب نہیں کھاتے تھے لہٰذا اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اگر عبادات میں وہ ہماری طرح قبلہ کی طرف رخ کرنے لگیں اور معاشرتی لحاظ سے وہ ہم سے اتنا قریب آجائیں کہ ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے لگیں تو یہ اس بات کی کھلی ہوئی شہادت ہوگی کہ وہ ہمارا دین پورے یقین کے ساتھ قبول کر چکے ہیں اور ایمان ان کے قلب کی گہرائیوں تک پہنچ گیا ہے جس کا اظہار نہ صرف یہ کہ زبان سے بلکہ ان کے عمل سے بھی ہو رہا ہے تو اب مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دائرہ اسلام میں پوری طرح داخل ہو گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور

اللہ کے رسول کے ساتھ ان کا عہد و اقرار ہو گیا ہے ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ اللہ اور اللہ کے رسول نے لے لیا ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی بد معاملگی یا برا سلوک نہ کریں، نہ ان کو ستائیں نہ تکلیف دیں اور نہ ان کے ساتھ ایسا طور طریقہ رکھیں جس سے ان میں کسی قسم کا خوف وہراس یا دل شکستگی پیدا ہو، ان کے ساتھ کسی بھی طرح کی بد معاملگی اور بد سلوکی در حقیقت اللہ کے عہد کو توڑنے اور اس عہد شکنی کا الزام اللہ پر عائد کرنے کے مترادف ہوگی۔

جنّت لے جانے والے اعمال

(۱۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتٰی اَعْرَابِیٌّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَقَالَ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا وَّتُقِیْمُ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَتُؤَدِّی الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا اَزِیْدُ عَلٰی هٰذَا شَیْئًا وَّلَا اَنْقُصُ مِنْهُ فَلَمَّا وَلّٰی قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی هٰذَا۔ (متفق علیه)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کے کرنے سے میں جنّت میں داخل ہو جاؤں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، فرض نماز پڑھو فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو" یہ سن کر دیہاتی نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نہ تو اس پر کچھ زیادہ کروں گا اور نہ اس میں سے کچھ کم کروں گا، جب وہ دیہاتی چلا گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی جنّتی آدمی کو دیکھنے کی سعادت اور مسرت حاصل کرنا چاہے وہ اس شخص کو دیکھ لے"۔ (بخاری)

تشریح: یہاں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس دیہاتی کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ فرمایا مگر شہادتین کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ بغیر شہادتین کے جنّت میں داخل ہونا ناممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو وہ دیہاتی یقیناً مسلمان ہوگا جو ایمان لانے کے بعد جنّت میں داخل کرنے والے عمل کے بارے میں سوال کر رہا تھا دوسرے یہ کہ سب ہی جانتے ہیں کہ بغیر شہادتین کے تمام اعمال بیکار ہیں اور اس کے بغیر جنّت میں دخول ہی ممکن نہیں اس لئے شہادتین کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

یہاں صرف تین فرائض ذکر کئے گئے ہیں، بقیہ فرائض کا ذکر نہیں کیا گیا؟ تو ہو سکتا ہے کہ جس وقت اس دیہاتی نے سوال کیا تھا اس وقت تک یہی تین چیزیں فرض ہوئی ہوں گی اور بقیہ فرائض بعد میں مشروع ہوئے ہوں گے، زیادتی اور کمی نہ کرنے کا عہد در حقیقت اس دیہاتی کے اعتقاد کی پختگی اور قلبی تصدیق کے مضبوط ہونے کی دلیل تھا گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے دل میں ایمان و اسلام کی لذت اور اس کی حقانیت و صداقت کی کیفیت اور آپ ﷺ کے احکام و فرمان کی بجا آوری کا داعیہ اس مضبوطی اور پختگی کے ساتھ ہے کہ نہ تو اس سوال پر کسی قسم کی زیادتی کی حاجت ہے اور نہ جواب کی مانعیت و جامعیت اور اس کی اہمیت کسی قسم کی کمی کی روادار ہے! چنانچہ اس دیہاتی کے یقین کی اسی کیفیت اور اس کی اسی شیفتگی و گرویدگی اور احکام و شریعت کے تئیں اس کے اسی جذبۂ اطاعت کو دیکھ کر لسان نبوت نے اس مخلص انسان کے جنّتی ہونے کی بشارت سنائی اور اعلان فرمایا کہ اگر کسی شخص کو تمنا ہو کہ جنّتی آدمی کو دیکھے اور کسی جنّتی کو دیکھنے کی مسرت اور سعادت حاصل کرنا چاہے تو اس شخص کو دیکھ لے۔

ایمان کامل

(۱۳) وَعَنْ سُفْیَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِیِّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِّیْ فِی الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَّا اَسْاَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ وَفِیْ رِوَایَةٍ غَیْرَكَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سفیانؓ[1] بن عبداللہ الثقفیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا یارسول اللہ! مجھ کو اسلام کی کوئی ایسی بات بتادیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھ کو کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے اور ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ "آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے" آپ ﷺ نے فرمایا "زبان و دل سے اس بات کا اقرار کرو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس اعتراف و اقرار پر قائم رہو۔" (مسلم)

تشریح: یعنی سب سے پہلے مرتبہ تو یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت کی گواہی دو اور اس کی ذات اور تمام صفات پر صدق دل سے اعتراف و اعتقاد کے ساتھ ایمان لاؤ، یہ ایمان باللہ کی اعتقادی صورت ہے اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ جو شریعت اتاری ہے اس کی صداقت و حقانیت میں کامل یقین رکھو اور اس کو قبول کرکے احکام رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، اللہ اور اللہ کا رسول جس چیز کے کرنے کا حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ پھر یہ کہ اعتقاد و اطاعت کوئی وقتی و عارضی چیز نہ ہو بلکہ ان پر پختگی کے ساتھ قائم و دائم رہو اور زندگی کے کسی بھی لمحہ میں ان سے انحراف نہ کرو۔

فرائض اسلام

(۱۴) وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّاْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهٖ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى دَنَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ يَسْاَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهٗ قَالَ لَآ اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكٰوةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا فَقَالَ لَآ اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَآ اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرَّجُلُ اِنْ صَدَقَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت طلحہؓ[2] بن عبید اللہ فرماتے ہیں اہل نجد میں سے ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جس کے سر کے بال پریشان تھے، ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سن رہے تھے لیکن (فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے) یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گیا تو ہم نے سنا کہ وہ اسلام کے (فرائض) کے بارہ میں سوالات کر رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا "رات دن کی پانچ نمازیں (فرض) ہیں"۔ (یہ سن کر) اس شخص نے کہا "کیا ان نمازوں کے سوا مجھ پر کچھ اور نمازیں بھی فرض ہیں" آپ نے فرمایا نہیں! "مگر نفل نمازیں تمہیں پڑھنے کا اختیار ہے" پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اور ماہ رمضان کے روزے (فرض) ہیں"۔ اس شخص نے کہا "کیا ان روزوں کے سوا کچھ اور روزے مجھ پر فرض ہیں" آپ نے فرمایا "نہیں! مگر نفل روزے کا تمہیں اختیار ہے" راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد زکوۃ کا ذکر فرمایا، اس نے عرض کیا، "اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی صدقہ فرض ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! مگر نفل صدقہ کا تمہیں اختیار ہے" اس کے بعد وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ خدا کی قسم! میں نہ تو اس پر کچھ زیادتی کروں گا اور نہ اس میں سے کچھ کمی کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "اگر اس شخص نے سچ کہا ہے تو نجات پا گیا ہے اور کامیاب ہو گیا"۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: جیسا کہ پہلے ایک حدیث کی تشریح میں گزرا، یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ جس وقت اس شخص نے سوال کیا تھا اس وقت تک اتنے ہی فرائض مشروع ہوئے ہوں گے اسی طرح نماز وتر و عیدین وغیرہ بھی واجب نہ ہوئی ہوں گی اسی واسطے اس شخص نے اس میں

---

[1] آپ کی کنیت ابو عمر ہے۔

[2] آپ کی کنیت ابو محمد قریشی تیمی اور لقب طلحۃ الخیر ہے۔ ۶۴ سال کی عمر میں ۳۶ھ میں وفات پائی۔

زیادتی اور کمی نہ کرنے کا وعدہ کیا یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ شخص کسی قوم کا نمائندہ اور ایلچی بن کر اسلام کی حقیقت اور فرائض جاننے آیا تھا تاکہ واپس جا کر اپنی قوم کو بھی اسلامی تعلیمات اور فرائض سے آگاہ کرے اسی لئے اس نے واپسی کے وقت کہا کہ نہ تو میں اس میں زیادتی کروں گا اور نہ کمی کروں گا، یعنی آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے یا جو احکام و فرمان دیے ہیں وہ اسی طرح اپنی قوم تک پہنچا دوں گا، ان میں نہ تو اپنی طرف سے کوئی زیادتی کروں گا اور نہ کوئی کمی۔

اسلام میں مبلغ کا مقام

⑮ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِالْقَيْسِ لَمَّا اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ الْقَوْمُ اَوْ مَنِ الْوَفْدُ قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ اَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نَّاْتِيَكَ اِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ فَمُرْنَا بِاَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرْ بِهٖ مَنْ وَّرَآءَنَا وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ وَسَاَلُوْهُ عَنِ الْاَشْرِبَةِ فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ اَمَرَهُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُّبَّآءِ وَالنَّقِيْرِ وَالْمُزَفَّتِ وَقَالَ احْفَظُوْهُنَّ وَاَخْبِرُوْا بِهِنَّ مَنْ وَّرَآءَكُمْ۔ (متفق علیہ ولفظہ للبخاری)

"اور حضرت ابن عباس[1] بیان کرتے ہیں کہ جب وفد عبد القیس نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں مدینہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں یا یوں پوچھا کہ یہ کس قبیلہ کا وفد ہے؟ (راوی کو شک ہوا کہ آپ ﷺ نے یہاں، قوم کا لفظ فرمایا یا وفد کا) لوگوں نے جواب دیا کہ "قبیلہ ربیعہ کے افراد ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا خوش آمدید اور (چونکہ تم لوگ خوشی سے مسلمان ہو کر آئے اس لئے) نہ دنیا میں تمہارے لئے رسوائی ہے اور نہ آخرت کی شرمندگی، اہل وفد نے عرض کیا: یارسول اللہ! چونکہ ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان "کفار مضر" کا (مشہور جنگ جو) قبیلہ پڑتا ہے اس لئے ہم آپ کی خدمت میں جلد جلد حاضر نہیں ہوسکتے صرف ان مہینوں میں آسکتے ہیں جن میں لڑنا حرام ہے لہٰذا آپ ﷺ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے ایسے احکام ہمیں عطا فرمادیجئے جن پر ہم خود بھی عمل کریں اور ان لوگوں کو (بھی) ہم اس سے آگاہ کردیں جن کو اپنے پیچھے (وطن و قوم میں) چھوڑ آئے ہیں اور اس پر عمل کرنے سے ہم جنت میں داخل ہو جائیں (اور اسی کے ساتھ) انہوں نے (ان) برتنوں کی بابت بھی پوچھا (جن میں نبیذ بنائی جاتی تھی کہ کون سے استعمال میں لائے جاسکتے ہیں، اور کون سے نہیں) آپ ﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع کیا اول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا حکم دیا اور فرمایا جانتے ہو اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے مطلب کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: (اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا) اس حقیقت کی شہادت دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پابندی سے نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا (ان چار باتوں کے علاوہ بعد میں آپ ﷺ نے) مال غنیمت میں سے پانچویں حصے کے دینے کا حکم بھی فرمایا۔ اور ان چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا: لاکھ کئے ہوئے برتنوں سے، کدو کے تونبوں سے درخت کی کھوکھلی جڑوں سے بنائے ہوئے برتنوں سے، رال کئے ہوئے برتنوں سے، اور فرمایا: ان باتوں کو اچھی طرح یاد کر لو اور جن مسلمانوں کو اپنے پیچھے (وطن میں) چھوڑ آئے ہو ان کو بھی ان باتوں سے آگاہ کر دو۔" (بخاری و مسلم، الفاظ بخاری کے ہیں)

تشریح: اسلام کی آواز جب مکہ اور مدینہ کی چہار دیواریوں سے نکل کر دوسرے علاقوں میں پہنچی تو مختلف مقامات کے قبیلوں اور قوموں کے افراد وفد کی شکل میں اسلامی تعلیمات کی حقیقت اور پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت کی صداقت کو جاننے اور سمجھنے کے لئے دربار رسالت

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا حضرت عباس[رض] کے صاحبزادے ہیں جو خیر الامت کے لقب سے مشہور ہیں، ستر برس کی عمر میں بمقام طائف وفات پائی۔

میں حاضر ہونے لگے۔ یہ وفود دینی تعلیمات اور اسلامی فرائض کو نبی کریم ﷺ سے حاصل کرتے اور اپنے علاقوں اور قبیلوں میں واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کرتے۔

احادیث میں ایسے بہت سے وفود کا ذکر آتا ہے جو اس سلسلہ میں دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام کی آواز کو دور دراز کے علاقوں اور قبیلوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے، ایسا ہی ایک وفد عبدالقیس ہے جس کا تذکرہ اس حدیث میں کیا جارہا ہے۔ عبدالقیس دراصل سربراہ وفد کا نام تھا انہی کی نسبت سے یہ وفد مشہور ہوا۔ یہ لوگ بحرین کے باشندہ تھے۔ اور آپ ﷺ کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوئے پہلی مرتبہ فتح مکہ سے پہلے ۵ھ میں، اس وقت ان کی تعداد ۱۳ یا ۱۴، تھی۔ دوسری مرتبہ ۸ھ یا ۹ھ میں جب ان کی تعداد چالیس تھی یہی وہ وفد ہے جس کے قبیلہ کی مسجد میں اسلام میں مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ قائم ہوا ہے چنانچہ بخاری کی روایت ہے:

اول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم في مسجد عبدالقيس بجواثى من البحرين۔

"مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین کے مقام جواثی میں عبدالقیس کی مسجد میں قائم ہوا ہے۔"

اس وفد کی آمد کے سلسلہ میں یہ منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ تمہارے پاس ابھی ایک ایسا قافلہ آنے والا ہے جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ ان کو دیکھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو انہیں تیرہ آدمیوں کا ایک قافلہ آتا ہوا نظر پڑا، جب قافلہ قریب آگیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو آنحضرت ﷺ کی بشارت سنائی اور قافلہ کے ساتھ ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے، اہل قافلہ کی نظر جوں ہی روئے انور ﷺ پر پڑی سب کے سب بے تابانہ آپ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے اور فرط اشتیاق سے اپنا سامان اسی طرح چھوڑ کر دیوانہ وار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے دست مبارک چومنے لگے، حضرت عبدالقیس جو امیر قافلہ تھے اگرچہ نو عمر تھے لیکن سب سے پیچھے رہ گئے تھے، انہوں نے پہلے سب کے اونٹ باندھے پھر اپنا بکس کھولا، سفر کے کپڑے اتارے اور دوسرا لباس تبدیل کیا پھر سکون و وقار کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دیا آدمی بدشکل تھے۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھائی تو انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آدمی کی محبت صرف اس کے ڈھانچہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس کی قدر و قیمت اس کے دو چھوٹے اعضاء بتاتے ہیں اور وہ "زبان و دل" ہیں، "آپ ﷺ نے فرمایا" تم میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ و رسول پسند کرتے ہیں یعنی دانائی اور بردباری۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ خصلتیں مجھ میں پیدائشی ہیں یا کسبی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "پیدائشی۔"

اس قبیلہ کے افراد کو اپنے وطن سے مدینہ آنے کے لئے "کفار مضر" کے قبیلے کے پاس سے گزرنا پڑتا تھا اس قبیلہ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ بہت زیادہ جنگ جو تھا۔ ان کی آبادی کے قریب سے جو بھی گزرتا تھا ان سے جنگ ہونی ضرور تھی اسی لئے اس وفد نے کہا چونکہ ہمارے لئے عام دنوں میں آنا بہت مشکل ہے، اس لئے بار بار نہیں آسکتے، صرف ان ہی مہینوں میں آسکتے ہیں جو عرب میں اشہر حرام سمجھے جاتے ہیں۔ اہل وفد کو جن چیزوں کی تعلیم دی گئی وہ چار ہیں:

① اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ ② نماز۔ ③ روزہ۔ ④ زکوۃ۔ حج کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن بعض محدثین نے اس حدیث میں "حج البیت" کے الفاظ ذکر کئے ہیں جس کو حافظ ابن حجرؒ نے شاذ قرار دیا ہے۔

ان لوگوں کو ایک حکم بعد میں جو بطور خاص دیا گیا وہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کرنے کا تھا اور ان کو یہ حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ یہ لوگ اکثر جہاد کیا کرتے تھے اور کفار سے مقابلہ آرائی کے نتیجہ میں مال غنیمت حاصل کرتے تھے۔

جن چار چیزوں سے ان لوگوں کو منع کیا گیا وہ چار برتن تھے جن کے استعمال کی ان دنوں ممانعت تھی اصل میں یہ مخصوص قسم کے برتن ہوتے تھے جو اہل عرب کے ہاں شراب بنانے اور شراب رکھنے کے کام میں آتے تھے۔ چونکہ شراب حرام ہو چکی تھی اس لئے ان برتنوں

کے استعمال سے بھی منع فرمادیا گیا تاکہ اس سے شراب کی موجودگی یا شراب کے استعمال کا شبہ نہ ہو سکے مگر جب بعد میں شراب کی حرمت مسلمانوں کے دلوں میں پختگی کے ساتھ بیٹھ گئی اور ان برتنوں کے بارہ میں بھی یہ احتمال نہ رہا کہ یہ برتن خاص طور پر شراب ہی کے لئے بنائے جاتے ہیں تو ان کا استعمال مباح قرار دیا گیا، لہٰذا اب یہ حکم منسوخ مانا جائے گا۔

احکامات اسلام

(۱۶) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَحَوْلَہٗ عِصَابَۃٌ مِّنْ اَصْحَابِہٖ بَایِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَّا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ وَلَا تَاْتُوْا بِبُھْتَانٍ تَفْتَرُوْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ وَاَرْجُلِکُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِیْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰی مِنْکُمْ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا فَعُوْقِبَ بِہٖ فِی الدُّنْیَا فَھُوَ کَفَّارَۃٌ لَّہٗ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا ثُمَّ سَتَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ فَھُوَ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَآءَ عَفَا عَنْہُ وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَہٗ فَبَایَعْنَاہُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبادہ[1] بن صامتؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی اس جماعت کو جو آپ ﷺ کے گرد بیٹھی ہوئی تھی (مخاطب کر کے) فرمایا۔ مجھ سے ان باتوں پر بیعت (عہد و اقرار) کرو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے (افلاس کے ڈر سے) اپنے بچوں کو قتل نہ کرو گے، جان بوجھ کر کسی پر بہتان تراشی نہ کرو گے اور شریعت کے مطابق تمہیں جو احکام دوں گا اس کی نافرمانی نہیں کرو گے پس تم میں سے جو شخص اس عہد و اقرار کو پورا کرے گا اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے (کہ آخرت میں اپنے انعامات سے نوازے گا) اور جو شخص (سوائے شرک کے) ان میں سے کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے اور پھر دنیا میں اس کو اس گناہ کی سزا بھی مل جائے (جیسے حد وغیرہ جاری ہو) تو یہ سزا اس کے (گناہ) کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرنے والے کے گناہ کی پردہ پوشی فرمائی (اور دنیا میں اسے سزا نہ ملی) تو اب یہ خدا کی مرضی پر منحصر ہو گا کہ چاہے تو وہ (از راہ کرم) آخرت میں بھی درگزر فرمائے اور چاہے اسے عذاب دے (راوی کہتے ہیں کہ ہم نے ان سب شرطوں پر) آپ ﷺ سے بیعت کی۔" (بخاری و مسلم)

عورتوں کے لئے آپ ﷺ کا فرمان

(۱۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَضْحٰی اَوْفِطْرٍ اِلَی الْمُصَلّٰی فَمَرَّ عَلَی النِّسَآءِ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْٓ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ مَا رَاَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِیْنٍ اَذْھَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدَاکُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِیْنِنَا وَعَقْلِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَلَیْسَ شَھَادَۃُ الْمَرْاَۃِ مِثْلَ نِصْفِ شَھَادَۃِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِکِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِھَا قَالَ اَلَیْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِکِ مِنْ نُقْصَانِ دِیْنِھَا۔ (متفق علیہ)

"اور ابوسعید[2] خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) عید یا بقر عید کی نماز کے لئے عید گاہ تشریف لائے تو عورتوں کی ایک جماعت کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ (جو نماز کے لئے ایک الگ گوشہ میں جمع تھیں) اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا "اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ و خیرات کرو کیونکہ میں نے تم سے اکثر کو دوزخ میں دیکھا ہے" (یہ سن کر) ان عورتوں نے کہا، یا رسول اللہ! اس کا سبب؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تم لعن وطعن بہت کرتی ہو اور اپنے شوہروں کو نافرمانی و ناشکری کرتی رہتی ہو اور میں نے عقل و دین میں

---

[1] مشہور انصاری صحابہ میں سے ہیں جو بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ میں شریک تھے اہل صفہ کے معلم تھے، آپ نے ۷۲ سال کی عمر پا کر ۳۴ھ میں وفات پائی۔
[2] آپ کا اصل نام سعد بن مالک بن شیبان ہے، ابوسعید آپ کی کنیت ہے اور خدری کی نسبت سے مشہور ہیں۔ ۷۴ھ میں جمعہ کے روز ۸۴ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

کمزور ہونے کے باوجود ہوشیار مرد کو بے وقوف بنا دینے میں تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا" (یہ سن کر) ان عورتوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہماری عقل اور ہمارے دین میں کیا کمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا ایک عورت کی گواہی آدھے مرد کی گواہی کے برابر نہیں ہے (یعنی کیا ایسا نہیں ہے کہ شریعت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر سمجھی جاتی ہے) انہوں نے کہا، جی ہاں ایسا ہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس کی وجہ عورت کی عقل کی کمزوری ہے اور کیا ایسا نہیں ہے کہ جس وقت عورت حیض کی حالت میں ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے، انہوں نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ اس کے دین میں نقصان کی وجہ ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: اسلام کے ابتدائی زمانہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ ہی مسجد میں نماز ادا کرتی تھیں اس لئے عید یا بقر عید کی نماز کے لئے بھی عورتیں عید گاہ آئی تھیں اور چونکہ وہ الگ ایک کونہ میں بیٹھی ہوئی تھیں اور خطبہ کی آواز ان تک نہیں پہنچی تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ احکام اور دینی ضروریات کی باتیں ان تک پہنچائی جائیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو وعظ و نصیحت سے مشرف فرمایا۔

اکثر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جہاں ایک دو مل کر بیٹھیں، کسی تقریب یا عورتوں کے مجمع میں پہنچیں بس ایک دوسرے کی غیبت کرنا، دنیا بھر کی برائی و بھلائی بیان کرنا اور لعن وطعن کی بوچھاڑ کرنا شروع کر دیتی ہیں اور پھر ان کا زیادہ تر وقت ان خرافاتی باتوں میں گزرتا ہے۔ اسی طرح یہ بڑا روگ بھی ان عورتوں میں پایا جاتا ہے کہ ان کا شوہر ان کی آسائش اور ان کے راحت و آرام کے لئے کتنے ہی پاپڑ بیلے، کتنی ہی مشقت و محنت کر کے ان کی ضروریات کی تکمیل کرے۔ اور ان کو خوش رکھنے کے لئے کتنی ہی مصیبتیں اٹھائے مگر ان کی زبان سے کبھی بھی شوہروں کا شکر ادا نہیں ہوتا، ہمیشہ ناشکری ہی کے الفاظ ان کی زبان سے نکلتے ہیں، رہی شوہروں کی نافرمانی کی بات تو یہ برائی بھی عورتوں میں کچھ کم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں عورتوں کے ایک بہت بڑے عیب کی غمازی کرتی ہیں۔ جس سے ان کی آخرت تباہ ہوتی ہے اور جو ان کو اللہ کے عذاب کا مستوجب بناتا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ان کے اس خاص عیب کی نشان دہی فرمائی اور ان سے فرمایا کہ تمہارے اندر اس قسم کی جو باتیں ہیں ان کو ہلکا مت جانو، بلکہ یہ وہ گناہ ہیں جن کی وجہ سے اللہ کا عذاب تم پر ہوگا اور تم قہر خداوندی میں گرفتار ہو کر دوزخ میں دھکیل دی جاؤ گی اور تمہاری ان ہی باتوں کے سبب دوزخ میں تم عورتوں کی تعداد مردوں کی بنسبت زیادہ ہوگی، لہٰذا تم صدقہ و خیرات کرتی رہا کرو تاکہ ایک طرف تو اس کی برکت سے تمہارے اندر ان باتوں کی کمی آئے اور یہ عیب جاتا رہے دوسری طرف اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہو اور تمہارے گناہوں کی بخشش ہو۔

لعن (طعن) کے معنی ہیں، اللہ کی رحمت سے دور کرنا۔ حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کسی کو لعن طعن کرنا انتہائی بری حرکت ہے چنانچہ شریعت کا حکم ہے کہ کسی شخص کو متعین کر کے اس پر لعنت نہ بھیجی جائے چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ کسی متعین کافر پر بھی لعنت بھیجنے کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ نہیں کہا سکتا کہ کب اس کو ایمان و اسلام کی توفیق ہو جائے اور وہ کفر و شرک کی لعنت سے نکل کر اللہ کی رحمت کے سایہ میں آجائے۔ ہاں جو شخص کفر کی حالت میں مر گیا ہو اور اس کا کفر پر مرنا یقینی طور پر معلوم ہو تو اس پر لعنت بھیجی جاسکتی ہے اسی طرح نفس برائی پر لعنت بھیجی جاسکتی ہے یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ کفر پر اللہ کی لعنت یا یہ کہ کافروں پر اللہ کی لعنت۔

عورتوں میں "عقل کی کمی" یا ان کے "دینی نقصان" کا اظہار عورتوں کی تحقیر کے لئے ہرگز نہیں ہے بلکہ قدرت کے اس تخلیقی توازن کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے جو مردوں اور عورتوں کے درمیان جسمانی و طبعی فرق صنفیت کی بنیاد ہے اور یہ فرق صنفیت دراصل فطرت کا تقاضا ہے جس کے بغیر نوع انسانی کا ذاتی و معاشرتی نظام زندگی برسر اعتدال نہیں رہ سکتا، خالق کائنات نے جسمانی، طبعی، عقلی اور دینی طور پر مرد کو عورت کی بہ نسبت جو برتر درجہ دیا ہے اور جس کا ثبوت اس حدیث سے واضح ہے وہ انسانی معاشرہ کے اعتدال و توازن کی برقراری کے لئے ہے نہ کہ شرف انسانیت میں کسی فرق کے اظہار کے لئے، اس شرف میں مرد و عورت دونوں کی یکساں حیثیت ہے اور دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔

انسان کو سرکشی زیب نہیں دیتی

⑱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى كَذَّبَنِیْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِیْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ فَاَمَّا تَكْذِيْبُهٗ اِيَّایَ فَقَوْلُهٗ لَنْ يُعِيْدَنِیْ كَمَا بَدَأَنِیْ وَلَيْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ اِعَادَتِهٖ وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِيَّایَ فَقَوْلُهٗ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا .... وَاَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِّیْ كُفُوًا اَحَدٌ وَفِیْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِيَّایَ فَقَوْلُهٗ لِیْ وَلَدٌ وَسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَةً اَوْ وَلَدًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم (انسان مجھ کو جھٹلاتا ہے اور یہ بات اس کے شایان نہیں اور میرے بارے میں بدگوئی کرتا ہے حالانکہ یہ اس کے مناسب نہیں ہے، اس کا مجھ کو جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے مجھ کو (اس دنیا میں) پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح وہ (آخرت میں) مجھ کو دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کر سکتا حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں مشکل نہیں ہے۔ اور اس کا میرے بارے میں بدگوئی کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھ کو کسی نے جنا اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے اور ابن عباس کی روایت میں اس طرح ہے "اور اس (انسان) کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کا بیٹا ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔" (بخاری)

تشریح: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی اور یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک مرتبہ پیدا ہو کر مرجانے والوں اور اس دنیا سے اپنا وجود ختم کر دینے والوں کو دوبارہ حیات ملے اور نئی دنیا (آخرت) کے لئے ان کا وجود پھر عمل میں آئے یا اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے "بیٹا" ثابت کرتے ہیں اور اس کا عقیدہ رکھتے ہیں جیسے عیسائیوں کا کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، یا یہودیوں کا کہنا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کی اولاد ہیں، درحقیقت فکر و عقیدہ کی بے راہ روی ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا اور اس کی ذات پر بہتان باندھنا ہے۔ جھوٹ کی نسبت تو اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی کتابوں اور اپنے سچے پیغمبروں کے ذریعہ قیامت کی واضح خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ ہر ذی روح کو مرنا ہے اور پھر آخرت میں دوبارہ زندہ ہو کر ایک نئی حیات پانا ہے جو ابدی ہوگی، اب اگر کوئی شخص قیامت کا انکار کرتا ہے یا حیات بعد الموت کو ناممکن سمجھتا ہے تو دراصل وہ ظاہر کرتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ جھوٹا ہے جس نے یہ غلط باتوں کی ہمیں خبر دی ہے اسی طرح یہ تصور قائم کرنا اور کہنا کہ جو شخص ایک مرتبہ پیدا ہو کر نیست و نابود ہو چکا ہے وہ دوبارہ وجود نہیں پا سکتا، درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت قادریت و خالقیت کا انکار کرنا ہے۔ ان نادانوں کی عقل میں یہ موٹی بات نہیں آتی کہ جو خالق کسی چیز کو عدم سے نکال کر وجود کا لباس پہنا سکتا ہے وہ اسی چیز کو جبکہ وہ ٹوٹ پھوٹ کر اپنا قلب کھو چکی ہو، دوبارہ قالب اور وجود عطا کیوں نہیں کر سکتا، محدود قدرت رکھنے والا انسان بھی کسی چیز کی تخلیق میں اگر کوئی دقت اور مشکل محسوس کرتا ہے تو پہلی مرتبہ کی تخلیق میں محسوس کرتا ہے جب کہ اسی چیز کو دوبارہ بنانا اس کے لئے چنداں مشکل نہیں ہوتا، پھر لامحدود طاقت و قدرت رکھنے والے خلاق عالم کو اپنی کسی تخلیق کے دوبارہ وجود دینے میں بھلا کیا دقت ہو سکتی ہے۔ واضح ہو کہ "پہلی مرتبہ" اور "دوسری مرتبہ" کی یہ تفصیل انسان کے اعتبار سے اور محض سمجھانے کے لئے ہے اس کا تعلق حق تعالیٰ کی ذات سے ہرگز نہیں ہے وہ تو قادر مطلق ہے، کسی چیز کو پیدا کرنا نہ اس کے لئے پہلی مرتبہ مشکل ہے اور نہ دوسری مرتبہ۔

اللہ کے بارے میں بدگوئی کے ذریعہ اس کی ذات پر بہتان باندھنا اس اعتبار سے ہے کہ جب اس نے واضح طور پر بتایا ہے کہ وہ تنہا، بے نیاز اور بے کفو ہے اور یہ کہ نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ اس نے کسی کو جنا تو پھر کسی کو اس کا بیٹا بنانا یا اس کو کسی کا باپ بتانا اس کی ذات پر بہتان تراشی نہیں تو اور کیا ہے، یہ انسان کی ذہنی پستی اور فکر و خیال کی گراوٹ کی بات ہے کہ وہ اپنے خالق اور اپنے پروردگار کی طرف

ایسی چیزوں کی نسبت کرے جس سے اس کی ذات پاک ہے، بے نیاز ہے۔

زمانہ کو بُرا مت کہو

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ یُؤْذِیْنِی ابْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِیَدِیَ الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ابن آدم (انسان) مجھے تکلیف دیتا ہے (اس طرح کہ) کہ وہ زمانہ کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ (کچھ نہیں وہ) تو میں ہی ہوں، سب تصرفات میرے قبضہ میں ہیں اور شب و روز کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے"۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: جاہلوں کی عادت ہے کہ وہ انسانوں کی اپنی پیدا کی ہوئی پریشانیوں اور مصیبتوں کو برائی کی صورت میں زمانہ اور وقت کے سر تھوپ دیتے ہیں اور اپنی زبان سے اس طرح کے الفاظ نکالتے ہیں "زمانہ خراب ہے، بہت برا وقت ہے" اس طرح وقت اور زمانہ کو برا کہنا نہایت غلط ہے کیونکہ زمانہ اور وقت تو کچھ بھی نہیں ہے، اصل متصرف حق تعالیٰ کی ذات ہے جس کے قبضہ میں لیل و نہار کی گردش ہے اور اسی گردش لیل و نہار کا نام زمانہ اور وقت ہے، اگر زمانہ اور وقت کو متصرف سمجھ کر برا کہا جاتا ہے تو متصرف چونکہ حق تعالیٰ ہے اس لئے وہ برائی حق تعالیٰ کی طرف جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا صبر و تحمل

(۲۰) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی یَسْمَعُهُ مِنَ اللّٰهِ یَدْعُوْنَ لَهُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْهِمْ وَیَرْزُقُهُمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا تکلیف دہ کلمات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر و تحمل کرنے والا کوئی نہیں، لوگ اس کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہیں وہ اس پر بھی (ان سے انتقام نہیں لیتا بلکہ) ان کو عافیت بخشتا ہے اور روزی پہنچاتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: خداوند قدوس کی ذات اس سے پاک اور بالاتر ہے کہ کوئی انسان اگر اپنے قول و فعل سے اس کو تکلیف پہنچانا چاہے، تو وہ کامیاب ہو جائے یا کوئی شخص اس کو نقصان پہنچانا چاہے تو اسے نقصان پہنچ جائے اس لئے یہاں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ واقعی اس کو انسان کے قول فعل سے تکلیف پہنچتی ہے اور وہ صبر و تحمل کرتا ہے اور نہ اس حدیث کا مقصد اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ اصل منشاء انسانی دل و دماغ کو جھنجھوڑنا اور عقل و شعور کو بیدار کرنا ہے کہ جب اللہ کی اپنی بنائی ہوئی مخلوق اسی کے پیدا کئے ہوئے انسان اسی کے خزانۂ قدرت سے مستفید ہونے والے لوگ اپنے قول و فعل سے اللہ کو ایذا پہنچانے کے سامان تیار کرتے ہیں اس کو تکلیف دینے کا ارادہ کرتے ہیں جیسے اس کی نافرمانی کرنا اس کے احکام و ہدایات اور اس کے دین کا مذاق اڑانا اور اس کی طرف ان چیزوں کی نسبت کرنا جن سے اس کی ذات بالکل پاک اور منزہ ہے مثلاً کسی کو اس کا بیٹا بتانا، کسی کو اس کا جوڑا قرار دینا تو یہ ایسی باتیں ہیں کہ جن پر اس کا غضب اگر بھڑک اٹھے تو نہ صرف ان لوگوں کا تمام نظام زندگی تہ و بالا کر کے رکھ دے بلکہ پوری کائنات کو پل بھر میں نیست و نابود کر ڈالے۔ مگر اس کے برداشت و تحمل کو دیکھو کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے کے بجائے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کرتا، کسی کی روٹی روزی بند نہیں کرتا، کسی کو زندگی کے وسائل و ذرائع سے محروم نہیں کرتا، جس طرح اس کے نیک اور اطاعت گزار بندے اس کے فضل و کرم کے سایہ میں ہیں اسی طرح بدکار اور سرکش بندے بھی اس کے خزانۂ رحمت سے پل رہے ہیں اس کی نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

توحید کی اہمیت

(۲۱) وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِي وَ بَيْنَهُ اِلَّا مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَامُعَاذُ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت معاذؓ[1] کہتے ہیں کہ (ایک سفر کے دوران سواری کے) گدھے پر میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میرے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان کجاوے کا پچھلا حصہ حائل تھا، آنحضور ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا معاذؓ! جانتے ہو بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا۔ بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ جس نے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرایا، اسے عذاب نہ دے (یہ سن کر) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں یہ خوشخبری لوگوں کو سنادوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤ کیونکہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے (اور عمل کرنا چھوڑدیں گے)۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: عرب کے گدھے ہماری طرف کے گھوڑوں سے بھی زیادہ تیز اور طاقتور ہوتے ہیں اس لئے وہاں سواری کے لئے گدھے بھی استعمال کئے جاتے تھے اور ان پر سواری کی جاتی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے اللہ کو ایک مان لیا اس کی الوہیت و ربوبیت اور اس کی بھیجی ہوئی رسالت پر ایمان لے آیا اور اس کی عبادت و پرستش میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو اس پر اللہ کا عذاب نہیں ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آیا اور شرک کا مرتکب نہیں ہوا تو اس پر دوزخ کی آگ بالکل حرام ہو جائے گی۔ اگرچہ وہ کتنا ہی بدعمل اور بدکار ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین اور کفار کی طرح اس پر ہمیشہ کے لئے عذاب مسلط نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

دوزخ سے رہائی

(۲۲) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَدِيْفُهٗ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا قَالَ مَامِنْ اَحَدٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَآ اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذًا يَّتَّكِلُوْا فَاَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے اس وقت جب کہ (سفر کے دوران) سواری پر تھے اور آپ ﷺ کے پیچھے معاذؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا "اے معاذ" انہوں نے کہا "حاضر ہوں یارسول اللہ" آنحضور ﷺ نے پھر فرمایا "اے معاذ" معاذ نے عرض کیا "یارسول اللہ حاضر ہوں" آپ ﷺ نے پھر تیسری مرتبہ مخاطب فرمایا "اے معاذ" معاذ نے پھر کہا "یارسول اللہ حاضر ہوں" آنحضور ﷺ نے اسی طرح تین مرتبہ معاذؓ کو مخاطب کرنے کے بعد فرمایا "اللہ کا جو بندہ سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے" (یہ سن کر) معاذؓ نے عرض کیا

[1] آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے لیکن معاذ بن جبل کے نام سے معروف ہیں انصاری صحابی ہیں۔ ۴۸ سال کی عمر میں ۱۸ھ میں وفات پائی۔

"یارسول اللہ! (ﷺ) کیا میں اس (خوشخبری) سے لوگوں کو آگاہ کردوں تاکہ وہ اس بشارت کو سن کر خوش ہو جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں لوگ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے" (حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آخر کار معاذؓ نے اس خوف سے کہ حدیث چھپانے کا) گناہ نہ ہو اپنی وفات کے وقت اس حدیث کو بیان کردیا تھا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضور ﷺ نے معاذ کو بار بار اس لئے مخاطب فرمایا تاکہ ان کے دل و دماغ میں مضمون کی اہمیت و عظمت بیٹھ جائے اور وہ جان لیں کہ جو بات کہی جانے والی ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ سرسری طور پر سن لی جائے بلکہ اس کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کو پوری توجہ سے سنا جائے اور دل و دماغ کی گہرائیوں تک اس کو پہنچایا جائے۔

فرمایا گیا کہ جس نے اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا اقرار صدق دل سے کرلیا اور اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جائے گی لیکن محض یہ تصدیق و اقرار ہی حرمت نار کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ اس شہادت و تصدیق کے ساتھ ساتھ اس کے جو تقاضے ہیں ان کو بھی پورا کیا جائے یعنی دین و شریعت کی پوری پیروی کی جائے اور احکام خداوندی و فرمان رسول کی فرمانبرداری کی جائے اور یہ شہادت و تصدیق جن فرائض کو عائد کرتے ہیں ان پر عمل کیا جائے، اس طرح خدا کا فضل و کرم دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا، اسی لئے جب حضرت معاذؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس بشارت کو عام لوگوں تک پہنچانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ لوگ اس خوشخبری کو سن کر اسی پر بھروسہ کرلیں گے اور عمل کرنا چھوڑدیں گے جس کا نتیجہ عذاب خداوندی ہے یا پھر وہی تاویل کی جائے گی جو پہلے کی گئی کہ عقیدۂ توحید و رسالت دوزخ کے ابدی عذاب سے نجات کا ضامن ہے یعنی جس طرح کفار و مشرکین دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ جلائے جائیں گے اس طرح توحید و رسالت پر ایمان رکھنے والوں کو دوزخ کی آگ میں ہمیشہ کے لئے نہیں ڈالا جائے گا، ان میں سے جس شخص نے شریعت پر عمل نہیں کیا ہوگا اور فرائض و واجبات کو پورا نہیں کیا ہوگا اس کو اس عرصہ کے لئے جو اللہ چاہے گا دوزخ میں ڈالا جائے گا اور جب وہ اپنی سزا پوری کرلے گا تو پھر اس کو ہمیشہ کے لئے جنّت میں بھیج دیا جائے گا۔

خاتمہ بالایمان جنّت کی ضمانت ہے

(۲۳) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِ ثَوْبٌ اَبْیَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَیْتُهٗ وَقَدِ اسْتَیْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ وَکَانَ اَبُوْذَرٍّ اِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا قَالَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوذر غفاری[1] کہتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ ایک سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے (اس وقت تو میں واپس چلا آیا) پھر دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ ﷺ بیدار ہو چکے تھے آپ ﷺ نے (مجھ کو دیکھ کر) فرمایا جس شخص نے صدق دل سے لا الہ الا اللہ (یعنی اللہ کی وحدانیت کا سچے دل سے اعتراف و اقرار کیا) اور اسی عقیدہ پر اس کا انتقال ہو گیا تو وہ ضرور جنّت میں داخل کیا جائے گا "میں نے عرض کیا" اگرچہ اس نے چوری اور زنا (جیسے بڑے گناہوں) کا ارتکاب کیا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، خواہ وہ چوری اور زنا کے جرم کا مرتکب کیوں نہ ہو۔ میں نے پھر (تعجب سے) سوال کیا، اگرچہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب ہی کیوں نہ کیا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں خواہ وہ چوری اور زنا کے جرم کا مرتکب کیوں نہ ہو؟ میں نے (پھر سہ بارہ بہت حیرت سے) عرض کیا، اگرچہ اس نے چوری اور زنا کے جرم کا ارتکاب کیا ہو؟ (تیسری مرتبہ بھی) آپ ﷺ نے یہی فرمایا "ہاں خواہ وہ

---

[1] اصل نام جندب بن جنادہ ہے اور ابوذر غفاری کی کنیت سے مشہور ہیں، آپ مکہ میں بالکل ابتداء اسلام میں ایمان سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ آپ کا انتقال ۳۲ھ میں ہوا ہے۔

چوری اور زنا کے مرتکب کیوں نہ ہوا ہو اور خواہ ابوذرؓ کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ (راوی کہتے ہیں کہ) جب بھی حضرت ابوذرؓ یہ حدیث بیان کرتے (بطور فخر) اس آخری فقرہ "خواہ ابوذرؓ کو کتنا ہی ناگوار گزرے" ضرور نقل کرتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے اور اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کے فضل و کرم سے کوئی بعید نہیں کہ وہ اس شخص کو جنت میں داخل کر دے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا تھا مگر مرتے وقت اس کا دل ایمان و یقین کی روشنی سے منور تھا، تاہم محدثین اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس کی بخشش و مغفرت اس کے ایمان کی بنا پر تو ہر حال میں ہوگی یعنی اس کو ابدی نجات سے سرفراز کیا جائے گا مگر دنیا میں اس نے جو گناہ کئے ہوں گے اور جن بد اعمالیوں کا مرتکب ہوا ہوگا پہلے ان کی سزا اس کو بھگتنی ہوگی۔ چنانچہ ابوذر غفاریؓ کو اسی لئے تعجب ہو رہا تھا اور وہ بار بار پوچھ رہے تھے کہ کیا کوئی شخص محض اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان و اقرار کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا خواہ اس نے شریعت کی اطاعت نہ کی ہو اور بڑے بڑے گناہوں کا مرتکب رہا ہو؟ مگر حقیقت میں نگاہ نبوت اللہ کی وسیع و بیکراں رحمت کو دیکھ رہی تھی کہ بڑے بڑے سرکش اور بدکار انسان جنہوں نے پوری زندگی اللہ و رسول کے احکام سے سرکشی میں گزاری، جن کی عمر کا کوئی حصہ شریعت کی اطاعت میں نہیں گزرا انہوں نے جب آخر میں ندامت و شرمندگی اور خلوص دل سے توبہ کر لی اور مرتے وقت ان کا دل ایمان و یقین کے نور سے منور ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت نے اس توبہ و انابت اور ایمان و یقین کی بدولت جس نے سچائی اور اخلاص کے ساتھ ان کے اندر کی دنیا میں اکدم انقلاب برپا کر دیا تھا ان کی پوری زندگی کی سرکشی اور بدکاریوں کو معاف کر دیا اور اپنے فضل و احسان کے سایہ میں لے کر ان کو ابدی نجات سے سرفراز کر دیا۔

نجات کا دار و مدار کس پر ہے

۲۴ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ وَابْنُ اَمَتِهٖ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَّالنَّارُ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ۔ (متفق علیہ)

"اور عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس بات کی گواہی دے (یعنی زبان سے اقرار کرے اور دل سے سچ جانے) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور کوئی اس کا شریک نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور (اس بات کی بھی شہادت دے کہ) عیسیٰ علیہ السلام (بھی) اللہ کے بندے اور رسول اور اللہ کی لونڈی (مریم) کے بیٹے اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی جانب ڈالا تھا اور اللہ کی بھیجی ہوئی روح ہیں اور یہ کہ جنت و دوزخ حق (اور واقعی چیزیں) ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں ضرور داخل کرے گا خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہی ہے کہ ابدی نجات کا دار و مدار ایمان و عقائد کی اصلاح پر ہے اس میں کسی قسم کی کوتاہی قابل معافی نہیں ہو سکتی، ہاں اعمال کی کمزوریاں رحمت خداوندی سے معاف ہو سکتی ہیں۔

ایمان کی بنیاد چونکہ توحید کو ماننا اور اس کی شہادت دینا اس لئے سب سے پہلے اسے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت و ربوبیت پر صدق دل سے اعتقاد رکھا جائے پھر اس کے بعد رسالت کا درجہ ہے تو ضروری ہے کہ رسول کی رسالت پر ایمان لایا جائے اسی طرح تمام رسولوں کی رسالت پر ایمان رکھنا بھی نجات کے لئے ضروری ہے۔ یہاں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر علامت کے طور پر بھی ہے اور ایک خاص وجہ سے بھی دراصل ان کے بارے میں ایک گروہ (یعنی عیسائیوں) کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ ابن اللہ ہیں۔ اس باطل عقیدہ کی تردید کے لئے ان کا ذکر کیا گیا اور وضاحت کر دی گئی کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ تو اللہ کے بیٹے ہیں اور نہ اللہ ان کے اندر حلول کئے ہوئے ہے بلکہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جسے اس نے اپنی ایک باندی مریم علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا کیا

اسی لئے ان کو "کلمۃ اللہ" کہا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش بغیر باپ کے صرف اللہ کے حکم "کلمہ کن" سے ہوئی۔ "روح اللہ" ان کو اس لئے نہیں کہا گیا کہ ان کے اندر اللہ کا کوئی جزو یا اللہ کی روح شامل ہے بلکہ "روح اللہ" آپ کا لقب اس لئے قرار دیا گیا کہ آپ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے اور مٹی کی چڑیاں بنا کر اور ان میں جان ڈال کر اڑا دیا کرتے تھے۔ عقیدۂ توحید و رسالت کے بعد تصور آخرت کا عقیدہ بھی بنیادی ہے یعنی اس بات پر ایمان و یقین رکھنا کہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا برحق ہے اور جنت و دوزخ واقعی چیزیں ہیں، یہ وہ عقائد ہیں جن کو ماننا، صدق دل سے ان پر ایمان رکھنا اور خلوص نیت سے ان کو تسلیم کرنا ابدی نجات کا ضامن ہے۔ ان عقائد کو مانتے ہوئے اگر اعمال کی کوتاہیاں بھی ہوں تو اس صورت میں بھی اس حدیث نے جنت کی بشارت دی ہے۔ لیکن جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے یہ بات طے ہے کہ جو عملی کوتاہیاں اور بد اعمالیاں رحمت خداوندی سے معاف نہیں ہوں گی ان پر سزا ضرور ملے گی مگر سزا پوری ہونے کے بعد اس کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ لہٰذا اس حدیث کو اس مفہوم میں لینا چاہیے کہ اگر ان عقائد کے ماننے کے بعد کسی نے اعمال بھی اچھے کئے، شریعت کی پیروی کرتے ہوئے تمام احکام بجالایا اور خلاف شرع کوئی کام نہیں کیا تو بغیر کسی عذاب و سزا کے اسے جنت میں داخل کیا جائے گا اور اگر کسی نے ان عقائد کو ماننے کے بعد اعمال اچھے نہ کئے شریعت کی پابندی نہیں کی، اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کی فرمانبرداری نہیں کی تو وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتے گا مگر آخر کار اسے بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

قبول اسلام سے سابقہ گناہ مٹ جاتے ہیں

(۲۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اُبْسُطْ یَمِیْنَکَ فَلِاُبَایِعَکَ فَبَسَطَ یَمِیْنَہٗ فَقَبَضْتُ یَدِیْ فَقَالَ مَالَکَ یَا عَمْرُو قُلْتُ اَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا؟ قُلْتُ اَنْ یُّغْفَرَ لِیْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ یَا عَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ وَاَنَّ الْھِجْرَۃَ تَھْدِمُ مَاکَانَ قَبْلَھَا وَاَنَّ الْحَجَّ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَالْحَدِیْثَانِ الْمَرْوِیَّانِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ وَالْاٰخَرُ الْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ سَنَذْ کُرُھُمَا فِیْ بَابِ الرِّیَاءِ وَالْکِبْرِ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

"اور حضرت عمرو بن العاص[1] کہتے ہیں کہ (جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روشنی سے میرے قلب و دماغ کو منور کیا تو) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ! لائیے اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ (ﷺ) سے اسلام کی بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے (یہ سن کر) اپنا ہاتھ (جب) بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ ﷺ نے (حیرت سے) فرمایا عمرو یہ کیا؟ میں نے عرض کیا!" یا رسول اللہ (ﷺ)! میں کچھ شرط کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا (میں چاہتا ہوں) کہ میرے (ان) تمام گناہوں کو معاف کر دیا جائے (جو میں نے اسلام سے پہلے کئے تھے) آپ ﷺ نے فرمایا اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام ان تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو قبول اسلام سے قبل کئے گئے ہوں، ہجرت ان تمام گناہوں کو دور کر دیتی ہے جو اس (ہجرت) سے پہلے کئے گئے ہوں اور حج ان تمام گناہوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے جو اس حج سے پہلے کئے گئے ہوں (مسلم) اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ دونوں حدیثیں یعنی "قال اللہ تعالیٰ ان اغنی الشرکاء عن الشرک الخ" اور "الکبریاء ردائی الخ" ریاء اور کبر کے باب میں نقل کی جائیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

تشریح: ایک شخص اگر اپنی زندگی کا ایک اچھا خاصا حصہ کفر و شرک میں گزار کر بعد میں اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوتا ہے، تو کیا اس کے زمانۂ اسلام سے پہلے کے اعمال پر مواخذہ ہوگا؟ یعنی کفر و شرک اور گناہ و معصیت جو اس سے پہلے صادر ہوتے رہے ہیں ان پر عذاب ہوگا یا نہیں؟ اس حدیث نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ اسلام کی روشنی پہلی تمام تاریکی کو خواہ وہ کفر و شرک کا اندھیرا ہو یا گناہ و معصیت کی

---

[1] آپ مشہور و معروف قریشی صحابی ہیں آپ کی کنیت ابوعبداللہ یا ابومحمد بیان کی گئی ہے آپ کا سن وفات ۴۳ھ بیان کیا جاتا ہے۔

ظلمت، آن واحد میں ختم کر ڈالتی ہے اور صرف ایک کلمہ کی بدولت جو خلوص دل سے نکلا ہو، انسان کا قلب و دماغ بالکل مجلّٰی ہو جاتا ہے، نہ وہاں شرک کی ظلمتوں کا کوئی نشان رہ جاتا ہے اور نہ گناہ و معصیت پر عذاب کا کوئی خدشہ، لیکن اتنی بات جان لینی چاہیے کہ بخشش اور مغفرت کا تعلق ذنوب اور گناہوں سے ہے، ان حقوق کے ساتھ نہیں ہے جو قرض، امانت، عاریت اور خرید و فروخت کے سلسلے میں اس کے ذمہ ابھی باقی ہیں کیونکہ اسلام ان مطالبات کی ادائیگی کو معطل نہیں کرتا جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے بلکہ اسلام لانے کے بعد بھی اس پر لازم رہے گا کہ وہ ان مطالبات کی ادائیگی کرے جو اس کے اوپر اسلام لانے سے پہلے واجب ہوئے تھے، البتہ اس حدیث کے تحت ایسے حقوق العباد آسکتے ہیں جو زنا، چوری اور قتل و غارتگری کی صورت میں زمانۂ اسلام سے قبل ناحق ضائع کر دیئے گئے تھے، اسلام کے بعد ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

اسلام کی دولت سے مستفیض ہونے کے بعد بھی چونکہ ایک مسلمان سے بتقاضائے بشریت گناہ سرزد ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے کفارہ کے لئے اس حدیث نے حج اور ہجرت دو ایسے عمل بتادیے کہ اگر یہ دونوں کام اپنی تمام شرائط کے ساتھ پورے کئے جائیں تو یہ حقوق اللہ کے لئے کفارہ بن جائیں گے بلکہ حج کے بارے میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے یہ حقوق العباد کے لئے بھی کفارہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنے خزانۂ قدرت سے صاحب حقوق کو اس کے حقوق دے کر اس بندہ کو ان حقوق سے دستبرداری دلادے اور اسے معاف کر دے۔ (ترجمان السنۃ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

ارکانِ دین

(۲۶) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُّدْخِلُنِیَ الْجَنَّۃَ وَیُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَاَلْتَ عَنْ اَمْرٍ عَظِیْمٍ وَاِنَّہٗ لَیَسِیْرٌ عَلٰی مَنْ یَسَّرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ تَعْبُدُ اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلَاۃَ وَتُؤْتِی الزَّکَاۃَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَیْتَ ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی اَبْوَابِ الْخَیْرِ الصَّوْمُ جُنَّۃٌ وَالصَّدَقَۃُ تُطْفِئُ الْخَطِیْئَۃَ کَمَا یُطْفِئُ الْمَآءُ النَّارَ وَصَلَاۃُ الرَّجُلِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ ثُمَّ تَلَا (تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ) حَتّٰی بَلَغَ یَعْمَلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّکَ بِرَأْسِ الْاَمْرِ وَعَمُوْدِہٖ وَذِرْوَۃِ سَنَامِہٖ قُلْتُ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ رَأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُہُ الصَّلَاۃُ وَذِرْوَۃُ سَنَامِہِ الْجِھَادُ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُکَ بِمِلَاکِ ذٰلِکَ کُلِّہٖ قُلْتُ بَلٰی یَا نَبِیَّ اللّٰہِ فَاَخَذَ بِلِسَانِہٖ وَقَالَ کُفَّ عَلَیْکَ ھٰذَا فَقُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَکَلَّمُ بِہٖ قَالَ ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَا مُعَاذُ وَھَلْ یُکَبُّ النَّاسُ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ اَوْعَلٰی مَنَاخِرِھِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِھِمْ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

"حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی عمل ایسا بتادیجئے جو مجھ کو جنت میں لے جائے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے، آپ ﷺ نے فرمایا "حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے ایک بہت بڑی چیز کا سوال کیا ہے لیکن جس پر اللہ تعالیٰ آسان کر دے اس کے لئے یہ بہت آسان بھی ہے" پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز پابندی کے ساتھ ادا کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور خانہ کعبہ کا حج کرو، پھر اس کے بعد فرمایا اے معاذ! کیا تمہیں خیر و بھلائی کے دروازوں تک نہ پہنچادوں (تو سنو) روزہ (ایک ایسی) ڈھال ہے (جو گناہ سے بچاتی ہے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھتی ہے) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے (اور اسی طرح) رات (تہجد) میں مؤمن کا نماز پڑھنا (گناہ کو ختم کر دیتا ہے) پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس میں تہجد گزاروں اور رات میں اللہ کی عبادت کرنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس پوری آیت کا ترجمہ ہے): ان

(مؤمنین صالحین) کے پہلو (رات میں) بستروں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف و امید سے پکارتے اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان (مؤمنین صالحین) کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ ان کے اعمال کا صلہ (انعام) ہے جو وہ کرتے تھے، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں اس چیز (یعنی دین) کا سر اور اس کے ستون اور اس کے کوہان کی بلندی نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! ضرور بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس چیز (دین) کا سر اسلام ہے، اس کے ستون نماز ہے اور اس کوہان کی بلندی جہاد ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا تمہیں ان تمام چیزوں کی جڑ نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا ہاں اللہ کے نبی ضرور بتایئے آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور (اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا، اس کو بند رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ہم اپنی زبان سے جو بھی لفظ نکالتے ہیں ان سب پر مواخذہ ہوگا، آپ نے فرمایا معاذ! ثکلتک امک[1] (تمہاری ماں تمہیں گم کردے اچھی طرح جان لو کہ) لوگوں کو ان کے منہ کے بل یا پیشانی کے بل دوزخ میں گرانی والی اسی زبان کی (بری) باتیں ہوں گی۔" (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں "دین" کی تصویر بڑے نفسیاتی انداز میں اجاگر کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کسی جسمانی وجود کا مدار "سر" پر ہوتا ہے کہ اگر سر کو اڑا دیا جائے تو جسمانی وجود بھی باقی نہیں رہے گا، اسی طرح "ایمان و اسلام" یعنی عقیدۂ توحید و رسالت دین کے لئے بمنزلہ سر کے ہیں کہ اگر توحید و رسالت کے اعتقاد کو ہٹا دیا جائے تو دین کا وجود بھی باقی نہیں رہے گا، پھر جس طرح کسی جسمانی وجود کو برقرار رکھنے اور کارآمد بنانے کے لئے "ستون" اولین اہمیت کا حامل ہوتا ہے اسی طرح دین کا ستون نماز ہے۔ نماز ہی وہ بنیادی طاقت ہے جو دین کے وجود کو وابستہ اور قائم رکھتی ہے اگر نماز کو ہٹا دیا جائے تو دین کا وجود اپنی اصلی حالت کی برقراری سے محروم ہو جائے۔ اور پھر جس طرح کسی جسمانی وجود کو باعظمت بنانے اور اس کی شوکت بڑھانے کے کسی امتیازی اور منفرد وصف و خصوصیت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح جہاد وہ ضرورت ہے جس پر دین کی عظمت و شوکت اور ترقی و وسعت کا انحصار ہے اگر جہاد کو (خواہ وہ قلم سے ہو یا زبان سے اور خواہ تلوار سے ہو یا تبلیغی جدوجہد سے) اہل اسلام کے ملی وصف سے خارج کر دیا جائے تو دین ایک بے شکوہ اور بے اثر ڈھانچہ بن کر رہ جائے۔

حدیث کا آخری حصہ "زبان" سے متعلق اس ہدایت پر مشتمل ہے جو دین کو اضمحلال اور دینی گندگی کو گھن سے بچانے کے لئے ایک بڑے نفسیاتی نکتہ کی غماز ہے۔ مطلب یہ کہ دین کے وجود، دین کے بقا اور دین کی عظمت و شوکت کو پہنچانے کی جڑ زبان ہے زبان کو قابو میں رکھنا دین و دنیا کی فلاح و نجات کا پیش خیمہ ہے اور زبان کو بے قابو چھوڑ دینا خود کو دین و دنیا کی تباہی کی طرف دھکیل دینا ہے لہٰذا لازم ہے کہ زبان بند رکھی جائے یعنی منہ سے ایسے الفاظ نہ نکالے جائیں جو برائی فحاشی اور بدکلامی کے حامل ہوں، وہ برے کلام جو کفر آمیز یا گناہ اور فحاشی کے ہوں، یا کسی کی غیبت کرنا، جھوٹ بولنا اور یا الزام تراشی کرنا ایسی برائیاں ہیں جن سے زبان و ذہن کی حفاظت نہ کی گئی تو سمجھ لو دوزخ کا عذاب سامنے ہے۔ دین و دنیا کی بھلائی چاہنے والے اور ابدی نجات و سعادت کے طلب گار اسی لئے اپنی زبان پر قابو رکھتے ہیں کہ نہ معلوم کب اس سے کوئی ایسا لفظ و کلام نکل جائے جس سے کفر بکنا یا گناہ و معصیت کی بات کہنا لازم آجائے اور پھر اس کی پاداش میں اللہ کا عذاب بھگتنا پڑے۔ درحقیقت "زبان" بہت بڑی وجہ سعادت بنتی ہے جب اس سے نیک کلام اچھی باتیں، خیر و بھلائی کے الفاظ اور وعظ و نصیحت کے جملے نکلتے ہیں، دنیا و آخرت میں اسی انسان کا رتبہ بلند مانا جاتا ہے جو "زبان" کی عظمت و تقدیس کو ہر حال میں ملحوظ رکھے۔ بدکلامی اور بری باتوں سے بہر صورت اجتناب کرتا ہو۔

ایمان کامل کیا ہے؟

(۲۷) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰی لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ

[1] یہ ایک محاورہ ہے جو عربی زبان میں اظہار تعجب کے لئے بولا جاتا ہے۔

اِسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ عَنْ مُعَاذِبْنِ اَنَسٍ مَعَ تَقْدِیْمٍ وَتَاخِیْرٍ وَفِیْہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ اِیْمَانَہٗ۔

"اور حضرت ابی امامہؓ[1] کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ ہی کے لئے محبت کرے اور اللہ ہی کے لئے بغض وعداوت رکھے اور اللہ ہی کے لئے خرچ کرے اور اللہ ہی کے لئے خرچ نہ کرے تو یقیناً اس نے ایمان کو کامل کیا" (ابوداؤد) اور ترمذی نے اس روایت کو معاذ بن انسؓ سے کسی قدر تقدیم وتاخیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں "تو یقیناً اس نے اپنے ایمان کو کامل کیا۔"

تشریح: مطلب یہ کہ بندہ جو کام بھی کرے محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرے، اس کا کوئی بھی فعل وعمل کسی غرض فاسد، جذبۂ نام ونمود اور نمائش وریا کے تحت نہ ہو۔ مثلاً اگر وہ کسی سے محبت وتعلق رکھتا ہے یا کسی سے دشمنی وعداوت رکھتا ہے تو اس کی بنیاد محض نفس کی خواہش یا کسی دنیاوی مقصد وغرض پر نہ ہو بلکہ یہ دیکھے کہ کس شخص سے محبت رکھنا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور کس سے نفرت ودشمنی رکھنا اللہ کو مطلوب ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے نیک وصالح اور فرمانبردار بندوں سے محبت کرنا چونکہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اس لئے وہ اس شخص سے محبت وتعلق رکھے جو نیک، صالح، اطاعت گزار اور مخلص مؤمن ومسلمان ہو اور چونکہ ایسے شخص سے بغض وعداوت رکھنا ہی اللہ کو مطلوب ہے جو سرکش ونافرمانبردار ہو اس لئے اس سے بغض وعداوت رکھے اور اس سے محبت کا تعلق قائم نہ کرے۔ اسی طرح اپنا مال خرچ کرنے اور خرچ نہ کرنے کے بارہ میں بھی اللہ ہی کی رضا وخوشنودی کو سامنے رکھے یعنی اگر خرچ کرے تو ایسی جگہ اور ایسے مصارف میں خرچ کرے جہاں خرچ کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور جن مصارف میں خرچ کرنا اللہ کو مطلوب وپسندیدہ ہے، جہاں خرچ کرنا نہ صرف یہ کہ کوئی ثواب کا کام نہیں ہے بلکہ گناہ کو لازم کرتا ہے وہاں خرچ کرنے سے اجتناب کرے اور کسی ایسے شخص یا جماعت کے ساتھ مالی امداد ومعاونت نہ کرے جو اللہ کی نظر میں مقبول وپسندیدہ نہ ہو یہی وہ چیز ہے جس کو تکمیل ایمان کا باعث قرار دیا گیا ہے۔

سب سے افضل عمل کیا ہے

(۲۸) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "(باطنی) اعمال میں سب سے افضل مرتبہ اس عمل کا ہے کہ اللہ ہی کے لئے (کسی سے) محبت ہو اور اللہ ہی کے لئے (کسی سے) بغض وعداوت رکھی جائے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اگر بندہ کا احساس اتنا لطیف اور اس کا جذبہ اتنا پاکیزہ ہو جائے تو ظاہر ہے کہ قدم قدم پر یہی روشنی اس کی راہنمائی کرتی رہے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بری باتوں اور گناہوں سے بچتا رہے گا اور اچھی باتیں اور نیک کام کرتا رہے گا اسی لئے اس جذبہ کو بہترین عمل قرار دیا گیا ہے۔

سچا مؤمن کون ہے

(۲۹) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَآئِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَزَادَ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ بِرِوَایَۃِ فُضَالَۃَ وَالْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ وَالْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ الْخَطَایَا وَالذُّنُوْبَ۔

---

[1] اصل نام صدی بن عجلان بن حارث ہے مگر اپنی کنیت ابوامامہ سے مشہور ہیں، آپ قبیلہ باہلہ کی ایک شاخ سہم سے تعلق رکھتے تھے اس لئے آپ "باہلی سہمی" کہلاتے تھے آپ کی وفات ۸۱ھ میں بیان کی گئی ہے۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" (کامل اور سچا) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا سے) مسلمان محفوظ رہیں اور (پکا و صادق) مؤمن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و اپنے مال کو مامون سمجھیں" (ترمذی و نسائی) اور شعب الایمان میں بیہقی نے فضالہؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں اور (حقیقی) مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی اطاعت و عبادت میں اپنے نفس سے جہاد کیا اور (اصل) مہاجر وہ ہے جس نے تمام چھوٹے اور بڑے گناہوں کو ترک کر دیا۔"

تشریح: صحیح معنی میں مؤمن وہی ہے جس کا وجود مخلوق خدا کے لئے باعث اطمینان و راحت ہو، لوگوں کو اس پر پورا پورا اعتماد بھروسہ ہو۔ اس کی امانت و دیانت، عدالت و صداقت اور اخلاق و پاکیزگی اس طرح نمایاں ہو کہ نہ تو کسی کو اپنے مال کے ہڑپ کر لئے جانے کا خوف ہو اور نہ کسی کو اس کی طرف سے اپنی جان و آبرو کے نقصان کا خدشہ، اور نہ کسی کے دل میں اس کی جانب سے کسی اور طرح کا خوف و ہراس ہو۔

حقیقی مجاہد بھی وہ نہیں ہے جو دشمنوں سے جنگ کرتا ہے بلکہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس امارہ سے جہاد کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی خاطر نفس کی تمام خواہشات کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

ایسے ہی حقیقی مہاجر بھی وہ ہے جس نے ان تمام چیزوں کو ترک کر دیا ہے جن سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے منع کر رکھا ہو اس لئے کہ ہجرت کی حکمت یہی ہے کہ مؤمن طاعت الٰہی میں بغیر کسی رکاوٹ کے مصروف رہے اور اللہ نے جن چیزوں سے منع کر دیا ہے ان سے بچتا رہے۔ مہاجر کی حقیقی شان یہی ہے۔

امانت اور ایفاء عہد کی اہمیت

(۳۰) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا خطبہ کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں ایفاء عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔" (شعب الایمان)

تشریح: امانت و دیانت اور ایفاء عہد وہ اعلیٰ اوصاف ہیں جن کا ہر مسلمان و مؤمن میں ہونا ضروری ہے ان اوصاف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بھی وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے یا خطبہ دیا کرتے تھے، تو امانت و دیانت اور ایفائے عہد کے بارہ میں ضرور تاکید فرمایا کرتے تھے اس لئے مؤمن کی فطرت ہی امانت و دیانت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے اندر ان اوصاف کے جوہر فطری طور پر ہوتے ہیں جو زندگی کے ہر موڑ پر نیکی و بھلائی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اسی طرح ایفاء عہد بھی فطرت سلیم اور ایمان کا خاصہ ہے اسی لئے فرمایا گیا کہ جس شخص کے اندر یہ اوصاف نہیں ہوں گے وہ دین و ایمان کی حقیقی لذت سے بھی لطف اندوز نہیں ہو سکے گا، تاہم اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا ایمان بالکل ہی ختم ہو جائے گا بلکہ ان اوصاف کی اہمیت و عظمت کی بنا پر مبالغہ سے کام لیا گیا اور تاکیداً اس طرح فرمایا گیا تاکہ ان کی اہمیت دلوں میں بیٹھ جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ابدی نجات کی ضمانت

(۳۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ

مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ النَّارَ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جس شخص نے (سچے دل سے) اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ (اپنے فضل و کرم سے) اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔" (مسلم)

توحید کی اہمیت

(۳۲) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ وُھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عثمانؓ بن عفانؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔ "جس شخص نے اس (پختہ) اعتقاد پر وفات پائی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ جنّتی ہے۔" (مسلم)

جنّت اور دوزخ کو واجب کرنے والی باتیں

(۳۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثِنْتَانِ مُوْجِبَتَانِ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْمُوْجِبَتَانِ قَالَ مَنْ مَّاتَ یُشْرِكُ بِاللّٰہِ شَیْئًا دَخَلَ النَّارَ وَمَنْ مَّاتَ لَا یُشْرِكُ بِاللّٰہِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا" دو باتیں (جنّت اور دوزخ کو) واجب کرنے والی ہیں، "ایک صحابیؓ نے عرض کیا" یارسول اللہ (جنّت و دوزخ کو) واجب کرنے والی وہ دو باتیں کونسی ہیں؟" آپ نے فرمایا "پہلی بات تو یہ کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا تھا تو وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا (اور دوسری بات یہ کہ) جس شخص کی وفات اس حال میں ہوئی کہ اس نے کسی کو اللہ کا شریک نہ کیا تھا تو وہ جنّت میں جائے گا۔" (مسلم)

تشریح: ان احادیث کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لایا اور اللہ کی وحدانیت اور اس کے ساتھ ساتھ رسول کی رسالت کا عہد و اقرار کیا اور پھر اس عہد و اقرار کے تمام تقاضوں کو پورا کیا یعنی شریعت و دین کی پوری پوری پیروی کی اور پھر اسی اعتقاد و اطاعت پر اس کی موت آئی تو یہ یقیناً جنّتی ہے۔ اس کی نجات میں بظاہر کوئی شبہ نہیں ہوگا لیکن اگر ایمان و اسلام کے بعد اس سے عمل کی کوتاہیاں سرزد ہوئیں یا شریعت پر عمل نہیں کیا مگر خاتمہ اس کا بھی ایمان پر ہوا تو اس کی بھی ابدی نجات تو یقیناً ہوگی لیکن اس سے دنیا میں جو کچھ بداعمالیاں ہوئیں یا گناہ سرزد ہوئے ان پر اس کو آخرت کی سزا بھگتنی ہوگی، سزا کے بعد پھر ہمیشہ کے لئے جنّت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابدی نجات کا دارومدار ایمان پر ہے اگر ایمان صحیح ہے اور اسی حالت میں موت واقع ہوئی ہے تو ابدی نجات میں کوئی شک نہیں۔ اور اگر کسی نے شریعت پر عمل نہیں کیا، احکام خداوندی و احکام رسول کی پیروی نہیں کی تو اس پر سزا کا ہونا بھی یقینی ہے مگر اس سزا کا تعلق بھی ایک محدود مدت سے ہوگا، سزا پوری کرنے کے بعد وہ بھی ابدی نجات کی سعادت سے نوازا جائے گا۔

عقیدۂ توحید پر قائم رہنے والوں کے لئے جنّت کی بشارت

(۳۴) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ فِیْ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ

---

[۱] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے خلیفہ اور مشہور و معروف صحابی ہیں، حضورؐ کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں آئیں اسی وجہ سے آپ کا لقب ذوالنورین ہے۔ واقدی کے بیان کے مطابق ۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں بروز جمعہ آپ کو باغیوں نے مدینہ منورہ میں شہید کیا۔

[۲] معروف انصاری صحابی ہیں آپ کے والد کا نام عبداللہ اور آپ کی کنیت ابوعبداللہ بیان کی گئی ہے۔ ۹۴ سال کی عمر میں ۶۲ھ میں وفات پائی۔

اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ بَیْنِ اَظْھُرِنَا فَاَبْطَأَ عَلَیْنَا وَخَشِیْنَا اَنْ یُّقْتَطَعَ دُوْنَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا فَکُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ اَبْتَغِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَتَیْتُ حَائِطًا لِلْاَنْصَارِ لِبَنِی النَّجَّارِ فَدُرْتُ بِہٖ ھَلْ اَجِدُ لَہٗ بَابًا فَلَمْ اَجِدْ فَاِذَا رَبِیْعٌ یَدْخُلُ فِیْ جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَۃٍ۔ وَالرَّبِیْعُ الْجَدْوَلُ قَالَ فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَاشَأْنُکَ قُلْتُ کُنْتَ بَیْنَ اَظْھُرِنَا فَقُمْتَ فَاَبْطَأْتَ عَلَیْنَا فَخَشِیْنَا اَنْ تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا فَفَزِعْنَا فَکُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَاَتَیْتُ ھٰذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ کَمَا یَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَھٰٓؤُلَآءِ النَّاسُ وَرَآئِیْ فَقَالَ یَا اَبَاھُرَیْرَۃَ وَاَعْطَانِیْ نَعْلَیْہِ فَقَالَ اِذْھَبْ بِنَعْلَیَّ ھَاتَیْنِ فَمَنْ لَقِیْکَ مِنْ وَرَآءِ ھٰذَا الْحَائِطِ یَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُسْتَیْقِنًا بِھَا قَلْبُہٗ فَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ فَکَانَ اَوَّلَ مَنْ لَقِیْتُ عُمَرَ فَقَالَ مَا ھَاتَانِ النَّعْلَانِ یَآ اَبَاھُرَیْرَۃَ فَقُلْتُ ھَاتَانِ نَعْلَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِیْ بِھِمَا مَنْ لَقِیْتُ یَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُسْتَیْقِنًا بِھَا قَلْبُہٗ بَشَّرْتُہٗ بِالْجَنَّۃِ فَضَرَبَ عُمَرُ بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَخَرَرْتُ لِاسْتِیْ فَقَالَ ارْجِعْ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ فَرَجَعْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَجْھَشْتُ بِالْبُکَاءِ وَرَکِبَنِیْ عُمَرُ وَاِذَا ھُوَ عَلٰی اَثَرِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَالَکَ یَا اَبَاھُرَیْرَۃَ قُلْتُ لَقِیْتُ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُہٗ بِالَّذِیْ بَعَثْتَنِیْ بِہٖ فَضَرَبَ بَیْنَ ثَدْیَیَّ ضَرْبَۃً خَرَرْتُ لِاسْتِیْ فَقَالَ ارْجِعْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عُمَرُ مَا حَمَلَکَ عَلٰی مَا فَعَلْتَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَبَعَثْتَ اَبَاھُرَیْرَۃَ بِنَعْلَیْکَ مَنْ لَقِیَ یَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُسْتَیْقِنًا بِھَا قَلْبُہٗ بَشَّرَہٗ بِالْجَنَّۃِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَاِنِّیْ اَخْشٰی اَنْ یَّتَّکِلَ النَّاسُ عَلَیْھَا فَخَلِّھِمْ یَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَخَلِّھِمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) چند صحابہ رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے اور ہمارے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی تھے کہ رسول اللہ ﷺ اچانک ہمارے درمیان سے اٹھے اور کہیں باہر تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ کو گئے ہوئے بہت دیر ہو گئی (اور واپس تشریف نہیں لائے) تو ہمیں سخت تشویش ہوئی کہ کہیں ہماری غیر موجودگی میں کسی دشمن کی جانب سے آپ (ﷺ) کو کوئی ایذا نہ پہنچ جائے (اس خیال سے) ہم گھبرائے اور اٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ سب سے پہلا شخص میں تھا جو گھبرا اٹھا اس لئے (سب سے پہلے) میں رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں باہر نکلا اور ڈھونڈتا ہوا قبیلہ بنی نجار کے ایک انصاری کے باغ کے قریب پہنچ گیا (اس خیال سے کہ شاید آپ ﷺ اس باغ کے اندر ہوں) میں نے (اندر جانے کے لئے) چاروں طرف دروازہ تلاش کیا مگر (اضطراب اور گھبراہٹ میں) دروازہ نظر نہیں آیا۔ اچانک ایک نالی نظر آئی جو باہر کے کنوئیں سے باغ کے اندر جا رہی تھی لہٰذا میں سمٹ سکڑ کر اس نالی میں داخل ہوا اور اس کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے (اس طرح اچانک اپنے سامنے مجھے دیکھ کر حیرت سے) فرمایا، ابوہریرہ تم؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ (ﷺ) ہمارے درمیان تشریف فرما تھے پھر آپ (ﷺ) اٹھے اور چل دیے۔ جب بہت دیر ہو گئی اور واپس نہیں ہوئے تو ہم گھبرا گئے کہ کہیں ہماری عدم موجودگی میں (خدا نخواستہ) آپ (ﷺ) کسی حادثہ سے دوچار نہ ہو جائیں اور سب سے پہلے گھبراہٹ مجھ پر طاری ہوئی چنانچہ آپ (ﷺ) کو ڈھونڈھتا ہوا اس باغ تک آنکلا (یہاں دروازہ نظر نہیں آیا) تو لومڑی کی طرح سکڑ کر (نالی کے راستہ سے) اندر گھس آیا، بقیہ لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہوں گے (یہ سن کر) آپ ﷺ نے اپنی دونوں جوتیاں نکال کر مجھے دیں اور فرمایا "اے ابوہریرہ! جاؤ اور ان جوتیوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ (تاکہ لوگ جان لیں کہ تم میرے پاس سے آئے ہو) اور باغ کے باہر جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد سے یہ گواہی دیتا ہوا تمہیں ملے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اس کو جنّت کی بشارت دے دو۔" (حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس پیغام کو لے کر میں باہر نکلا تو) سب سے پہلے حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا ابوہریرہ! یہ جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ جوتیاں رسول اللہ ﷺ کی ہیں آپ نے مجھے یہ جوتیاں (نشانی کے طور پر) دے کر اس لئے بھیجا ہے کہ جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ

یہ گواہی دیتا ہوا ملے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو میں اس کو جنت کی بشارت دے دوں (یہ سنتے ہی) عمرؓ نے میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سرین کے بل نیچے گر پڑا اور پھر انہوں نے کہا ابوہریرہ جاؤ واپس جاؤ۔ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس لوٹ آیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ادھر عمرؓ کا خوف مجھ پر سوار ہی تھا اب کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آپہنچے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے (یہ حالت دیکھ کر) فرمایا۔ "ابوہریرہ! کیا ہوا!" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (میں آپ (ﷺ) کا پیغام لے کر باہر نکلا تو) سب سے پہلے میری ملاقات عمرؓ سے ہوئی۔ میں نے آپ (ﷺ) کا وہ پیغام ان تک پہنچایا (انہوں نے اس کو سنتے ہی) میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سیرین کے بل زمین پر آپڑا اور پھر انہوں نے کہا کہ واپس چلے جاؤ، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے (حضرت عمرؓ سے) پوچھا "عمرؓ تم نے ایسا کیوں کیا؟" انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) پر میرے ماں باپ قربان، کیا واقعی آپ (ﷺ) نے ابوہریرہ کو اپنی جوتیاں دے کر اس لئے بھیجا تھا کہ جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوا ملے اس کو یہ جنت کی بشارت دے دیں؟ آنحضرت نے فرمایا، ہاں! عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا نہ کیجئے، مجھے ڈر ہے کہ لوگ کہیں اسی بشارت پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں (اور عمل کرنا ہی چھوڑ دیں) اس لئے آپ (ﷺ) انہیں (زیادہ سے زیادہ) عمل میں لگا رہنے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اگر تمہارا یہی مشورہ ہے) تو پھر لوگوں کو عمل میں لگا رہنے دو۔" (مسلم)

تشریح: آنحضرت نے جنت کی جو بشارت حضرت ابوہریرہ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچانا چاہی تھی اس کا تعلق عقیدۂ توحید اور ایمان باللہ میں اخلاص اور پختگی کے ساتھ تھا، مطلب یہ کہ جس شخص نے اس کیفیت کے ساتھ اللہ کو ایک اور اپنا معبود پروردگار مان لیا اور اسی عقیدہ پر آخر تک قائم رہا کہ نہ تو وہ اپنے دل و دماغ میں کسی قسم کی کوئی گرانی، تنگی اور دباؤ محسوس کرتا ہے اور نہ اس عقیدہ کے تئیں کسی شک وشبہ کا شکار ہوتا ہے بلکہ اس کے قلب و ذہن اور احساس و فکر کی دنیا اعتماد اور اطمینان و مسرت سے سرشار رہتی ہے، کسی دنیاوی غرض و مفاد وریاء، ونمائش اور نفاق کے بجائے خلوص وللّٰہیت اور رضائے الٰہی کا جذبہ اور تقاضا ہی اس کے ایمان اور عقیدہ کی بنیاد ہے تو ایسا شخص یقیناً جنت کی ابدی سعادتوں کا حقدار ہوگا۔

رہا سوال حضرت عمر فاروقؓ کے رویہ کا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے قاصد حضرت ابوہریرہؓ کو اس بشارت کی اشاعت سے کیوں روک دیا اور یہ کہ ان کا رویہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں رکاوٹ ڈالنے اور ذات رسالت پناہ کی عظمت وحرمت کے منافی طرز عمل اختیار کرنے کے مترادف تھا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس بشارت کا تعلق دین وشریعت کے کسی حکم و مسئلہ کے نفاذ و اشاعت سے تھا یا کسی خاص جذبہ واحساس کے اظہار سے۔ ظاہر ہے وہ کسی مسئلہ کی مشروعیت کی بات نہیں تھی کسی حلال یا حرام کا حکم بیان کرنا نہیں تھا، کسی فرض یا واجب کو نافذ کرنا نہیں تھا بلکہ وہ تو محض رحمت دو عالم ﷺ کی نہایت شفقت ومحبت کا ایک جذبہ تھا جو اہل ایمان کے تئیں بے اختیار امنڈ آیا تھا اور اس (بشارت) کی صورت میں ایک ایک صاحب ایمان تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ یہ بشارت جب حضرت عمرؓ تک پہنچی اور انہوں نے فوری طور پر محسوس کیا کہ گو یہ بشارت اپنی جگہ ایک اہم حقیقت ہے لیکن مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس ابتدائی مرحلہ میں اس کو عام مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیا جائے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس مصلحت وحکمت کا اظہار کر دیا جائے جس پر رحمت عالم ﷺ کی نہایت محبت وشفقت کا شدید جذبہ غالب آگیا ہے، لہٰذا انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت ابوہریرہؓ کو واپس کر دیا اور پھر فوراً آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، صورت حال کی تحقیق کے بعد جب یہ اطمینان ہو گیا کہ ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مامور تھے اور آپ ﷺ ہی نے یہ بشارت عطا فرمائی تھی تو انہوں نے اپنے محسن اور رسول کے مشن کی کامیابی اور مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک مخلص اور بیدار مغز خادم کی حیثیت سے اپنا مشورہ بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ پھر یہ ہوا کہ جوں ہی حضرت عمرؓ نے اپنے مشورے میں اس مصلحت کی طرف توجہ دلائی خود آنحضرت ﷺ کا ذہن بھی ادھر منتقل ہو گیا اور آپ ﷺ خود بھی فرما ہی چکے تھے کہ اگر اس طرح کی بشارت عام مسلمانوں تک پہنچ گئی تو وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور عمل

کرنا چھوڑ دیں گے (دیکھئے اسی باب کی حدیث ۲۱) لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے ایک صائب الرائے مشیر اور مخلص خادم کے مشورے کی قدر دانی فرمائی اور اس بشارت کی اشاعت کا حکم واپس لے لیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اس بشارت کی جگہ کسی شرعی حکم کی اشاعت کا معاملہ ہوتا یا کسی فرض وواجب چیز کے نفاذ کی بات ہوتی تو خود حضرت عمرؓ کو اس میں رکاوٹ ڈالنے کی نہ جرأت ہوتی۔ اور نہ وہ حضرت ابوہریرہؓ کو واپس کر کے اس اشاعت کو روک دیتے بلکہ ایک سچے و مخلص مؤمن اور فرمانبردار خادم کی حیثیت سے سب سے پہلے اس کو قبول کرتے اور اس فرمان رسالت کی اشاعت میں خود لگ جاتے اور بفرض محال حضرت عمرؓ اگر ایسے معاملہ میں بھی وہی رویہ اختیار کرتے تو پھر بارگاہ رسالت میں نہ ان کے اس رویہ سے چشم پوشی ہوتی، اور نہ ان کے کسی مشورے اور رائے کو اہمیت اور قبولیت کا درجہ ملتا۔ کیونکہ دینی احکام اور شرعی ہدایات میں نہ کسی مشورے اور رائے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کسی کی رائے اور مشورہ کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔ پس یہ بات کہ بارگاہ رسالت میں حضرت عمر کی رائے کو اہمیت دی گئی اور ان کا مشورہ قبول ہوا، خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے مذکورہ رویہ سے نہ ان کی شان صحابیت پر کوئی فرق پڑا اور نہ رسول اللہ کی حکم عدولی ہوئی لہٰذا اس حدیث سے اگر کوئی شخص اس طرح کی بات ثابت کرتا ہے تو اس کی اپنی نادانی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس حدیث سے اگر ایک طرف اللہ کی بے پایاں رحمت اور اُمت کے تئیں رسول اللہ ﷺ کی انتہائی محبت و شفقت کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری طرف حضرت عمرؓ کی اصابت رائے، فہم و فراست، بصیرت و دانائی اور امر حق میں ان کی صاف گوئی اور اظہار خیال کی جرأت پر بھی روشنی پڑتی ہے جو ان کا خصوصی وصف کمال ہے۔

جنّت کی کنجی

(۳۵) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِیْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

(رواہ احمد)

"اور حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے مجھ سے فرمایا (سچے دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جنت کی کنجیاں (حاصل کرنا) ہے۔" (احمدؒ)

کلمۂ توحید نجات کا ذریعہ

(۳۶) وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ تُوُفِّیَ حَزِنُوْا عَلَیْهِ حَتّٰی کَادَ بَعْضُهُمْ یُوَسْوِسُ قَالَ عُثْمَانُ وَکُنْتُ بَعْضَهُمْ فَبَیْنَا اَنَا جَالِسٌ مَرَّ عَلَیَّ عُمَرُ وَسَلَّمَ فَلَمْ اَشْعُرْ بِهٖ فَاشْتَکٰی عُمَرُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ ثُمَّ اَقْبَلَا حَتّٰی سَلَّمَا عَلَیَّ جَمِیْعًا فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ مَا حَمَلَكَ عَلٰی اَنْ لَا تَرُدَّ عَلٰی اَخِیْكَ عُمَرَ سَلَامَهٗ قُلْتُ مَا فَعَلْتُ فَقَالَ عُمَرُ بَلٰی وَاللّٰهِ لَقَدْ فَعَلْتَ قَالَ قُلْتُ وَاللّٰهِ مَا شَعَرْتُ اَنَّكَ مَرَرْتَ وَلَا سَلَّمْتَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ صَدَقَ عُثْمَانُ قَدْ شَغَلَكَ عَنْ ذٰلِكَ اَمْرٌ فَقُلْتُ اَجَلْ قَالَ مَا هُوَ قُلْتُ تَوَفَّی اللّٰهُ تَعَالٰی نَبِیَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ نَسْأَلَهٗ عَنْ نَجَاةِ هٰذَا الْاَمْرِ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ قَدْ سَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقُمْتُ اِلَیْهِ وَقُلْتُ لَهٗ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا قَالَ اَبُوْبَکْرٍ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا نَجَاةُ هٰذَا الْاَمْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَبِلَ مِنِّی الْکَلِمَةَ الَّتِیْ عَرَضْتُ عَلٰی عَمِّیْ فَرَدَّهَا فَهِیَ لَهٗ نَجَاةٌ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت عثمانؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو صحابہؓ کی ایک جماعت پر رنج و حزن کا اتنا غلبہ تھا کہ ان میں بعض لوگوں کے بارہ میں تو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں شک و شبہ میں گرفتار نہ ہو جائیں (یعنی اس واہمہ کا شکار ہو جائیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو دین و شریعت کا قصہ بھی تمام ہو گیا) حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے ایک میں بھی

تھا۔ چنانچہ (اس عظیم حادثہ سے سخت پریشان خیال اور غم و اندوہ کا بت بنا) میں بیٹھا تھا کہ (اسی حالت میں) حضرت عمر میرے پاس سے گزرے اور مجھ کو سلام کیا، (حواس باختہ ہونے کی وجہ سے) مجھے پتہ نہیں چلا (کہ وہ کب میرے پاس سے گزرے اور کب سلام کیا) حضرت عمرؓ نے اس بات کی شکایت حضرت ابوبکرؓ سے کی، حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ میرے پاس آئے اور دونوں نے مجھے سلام کیا، حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے پوچھا، تم نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے کہا! ایسا نہیں ہوا۔ (یعنی مجھے اس کا علم نہیں کہ عمرؓ نے آکر مجھے سلام کیا ہو اور میں نے جواب نہ دیا ہو) حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا! بخدا مجھے قطعًا اس کا احساس نہیں کہ آپ میرے پاس آئے تھے اور نہ ہی آپ نے سلام کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا عثمانؓ سچ کہتے ہیں، (لیکن معلوم ہوتا ہے کہ) کسی خاص وجہ نے تمہیں اس سے باز رکھا (کہ نہ تو عمرؓ کے آنے کی تمہیں خبر ہوئی اور نہ تم ان کے سلام کا جواب دے سکے) میں نے کہا! ہاں ہو سکتا ہے، انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا (سرکار دو عالم ﷺ کی وفات ہی کیا کم صبر آزما تھی کہ اب یہ غم بھی کھائے لیتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن ہم آپ ﷺ سے یہ دریافت نہ کر سکے کہ اس معاملہ یعنی عبادت میں وسوسوں کا پیدا ہونا، شیطان کا بہکانا، یا دوزخ کی آگ) سے نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ ابوبکرؓ نے فرمایا! (تم غم نہ کھاؤ) میں اس بارہ میں آں حضور ﷺ سے پہلے پوچھ چکا ہوں، حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ) میں (بے اختیار) کھڑا ہو گیا اور بولا: آپ پر میرے ماں باپ قربان، واقعی آپ ہی (آنحضور سے کمال رکھنے اور حصول علم کے غلبۂ شوق کی وجہ سے) اس بارہ میں سوال کرنے کے لئے لائق تر تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا! میں نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ! اس معاملہ میں نجات کی کیا صورت ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس شخص نے (خلوص دل کے ساتھ) ہم سے وہ کلمۂ توحید قبول کر لیا جسے میں نے چچا ابوطالب کے سامنے پیش کیا تھا اور انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا تھا تو وہ کلمہ اس شخص کی نجات کا ضامن ہوگا۔" (احمد)

تشریح: گویا کلمۂ توحید کے یہ فضائل و برکات ہیں کہ جس شخص نے اس کلمہ کو صدق دل سے اور پختہ اعتقاد کے ساتھ قبول کر لیا اور اس کے تقاضوں کو پورا کر کے دین کے فرائض پر عمل کیا تو وہ کلمۂ آخرت میں اس کی نجات کا ضامن ہوگا اور کلمہ گو اس کی برکتوں سے وہاں کی سعادتوں سے نوازا جائے گا اور اگر اس کلمہ کا ورد رکھا جائے اور اس کو اکثر پڑھا جاتا رہے اور للہ کا ذکر پابندی سے رہے تو دنیا میں بھی اس کی برکت اس طرح ظاہر ہوگی کہ اس کلمہ کی بدولت فکر و خیال اور عمل پر شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہو پائے گا کہ نہ واہمے اور وسوسے پیدا ہوں گے، نہ نماز و عبادت کے دوران خیالات بھٹکتے پھریں گے اور نہ دل و دماغ شکوک و شبہات کی آماجگاہ بنیں گے بلکہ اس مبارک ورد و ذکر سے ذات الٰہی کی معرفت حاصل ہوگی، آخرت سے لگاؤ ہوگا اور رسول برحق ﷺ سے محبت و تعلق کی خاص کیفیت پیدا ہوگی۔

پوری دنیا میں کلمہ توحید پہنچنے کی پیشگوئی

(۳۷) وَعَنِ الْمِقْدَادِ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَذُلِّ ذَلِيْلٍ اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا قُلْتُ فَيَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت مقدادؓ[1] سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا! زمین کے اوپر کوئی گھر، خواہ وہ مٹی کا ہو یا خیمہ کا، ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کے کلمہ کو معزز کی عزت کے ساتھ اور ذلیل کی رسوائی کے ساتھ داخل نہ کرے (چنانچہ جو لوگ اس کلمہ کو بخوشی اور صدق دل سے قبول کر لیں گے) ان کو اللہ تعالیٰ معزز مفتخر بنائے گا اور اس کلمہ کا اہل قرار دے گا اور (جو لوگ بخوشی قبول

[1] آپ مقداد بن اسود کندی کے نام سے مشہور ہیں اور قدیم الاسلام ہیں، مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام جرف میں بعمر ۷۰ سال انتقال ہوا نعش مبارک وہاں سے مدینہ منورہ لائی گئی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

نہیں کریں گے) ان کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے گا اور وہ لوگ اس کلمہ کے مطیع و فرمانبردار ہونے پر مجبور ہوں گے (بایں طور کہ وہ جزیہ ادا کر کے ہی اسلامی ریاست میں رہ سکیں گے) میں نے (یہ سن کر) کہا: پھر تو چاروں طرف اللہ ہی کا دین ہو گا۔" (احمد)

تشریح: "زمین" سے مراد "جزیرۃ العرب" ہے، اسی طرح مٹی اور خیمہ کے گھر سے مراد جزیرۃ العرب کے شہر اور گاؤں ہیں یعنی پورے عرب میں صرف ایک دین "اسلام" کا بول بالا ہو گا اور صرف اسی کے پیرو متبعین سرزمین عرب پر ہوں گے کوئی مکان خواہ اس شہر کا ہو یا دیہات کا ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ نہ پہنچا دے گا اگر کوئی بخوشی اور برغبت ایمان لے آئے گا اور اسلام قبول کر لے گا تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کا مرتبہ بلند ہو جائے گا اور خدائے تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں جگہ اس کو عزت و سرفرازی سے نوازیں گے، لیکن جو لوگ غرور و سرکشی اختیار کریں گے یعنی اس کلمہ کو قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوں گے اور رضا و رغبت کے ساتھ دین کے تابعدار نہیں ہوں ہوں گے وہ ذلت کا طوق خود اپنے گلے میں ڈالیں گے بایں طور پر کہ جب تمام جزیرۃ العرب پر دین اسلام کی عملداری ہو جائے گی تو وہ کافر و سرکش لوگ جزیہ کی ادائیگی کی صورت میں اسلامی نظام حکومت کا تابعدار بننے پر مجبور ہوں گے اور اس طرح نہ صرف اس دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو بے وقعت اور کم تر بنا دے گا بلکہ آخرت میں بھی ان کو اپنی رحمت سے دور رکھے گا اور سخت عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل و رسوا کرے گا۔

جنّت کی کنجی

(۳۸) وَعَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ قِيْلَ لَهُ اَلَيْسَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لَيْسَ مِفْتَاحٌ اِلَّا وَلَهٗ اَسْنَانٌ فَاِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَهٗ اَسْنَانٌ فُتِحَ لَكَ وَاِلَّا لَمْ يُفْتَحْ لَكَ۔ (رواہ البخاری فی ترجمۃ باب)

"اور حضرت وہبؒ بن منبہ[1] سے روایت ہے کہ کسی نے ان سے سوال کیا، کیا لا الہ الا اللہ جنّت کی کنجی نہیں ہے؟ وہبؒ نے کہا بے شک، لیکن کنجی میں دندانے بھی ضروری ہیں پس اگر تم ایسی کنجی لے کر آئے جس میں دندانے موجود ہیں تو (یقیناً) اس سے جنّت کے دروازے کھل جائیں گے ورنہ تمہارے جنّت کے دروازے نہیں کھلیں گے۔" (بخاری ترجمۃ الباب)

تشریح: حضرت وہب بن منبہ اپنی مجلس وعظ و نصیحت میں لوگوں کو عمل کی اہمیت بتا رہے تھے اور اس کے ترک پر تنبیہ کر رہے تھے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک (حدیث ۳۵) کا سہارا لے کر کہا کہ آپ تو عمل کے بارے میں اس شدومد کے ساتھ متنبّہ فرما رہے ہیں حالانکہ لا الہ الا اللہ جنّت کی کنجی ہے یعنی جس نے صدق دل سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کر لیا وہ جنّت کا حقدار ہو گیا خواہ اس کی عملی زندگی دوسری نیکیوں اور صالح اعمال سے بھرپور ہو یا نہ ہو۔

اس پر وہب بن منبہؒ نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ لا الہ الا اللہ جنّت کی کنجی ہے، لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کنجی اس وقت کام کرتی ہے جب کہ اس میں دندانے بھی ہوں۔ اگر کسی کنجی میں دندانے نہیں ہیں تو ظاہر ہے اس سے قفل نہیں کھل سکتا، اسی طرح لا الہ الا اللہ اگر جنّت کی کنجی ہے تو اس کنجی کے دندانے شریعت کے احکام و فرائض ہیں۔ پس جو شخص شریعت کے احکام و قوانین پر عمل نہیں کرے گا تو گویا وہ آخرت میں ایسی کنجی لے کر آئے گا جس میں داندانے نہیں ہوں گے اور جب اس کی کنجی میں دندانے نہیں ہوں گے تو وہ جنّت کا دروازہ کھول نہیں پائے گا۔ جنّت کا دروازہ اسی صورت میں کھلے گا جب کلمۂ توحید کی صداقت کا ایمان موجود ہو، زبان سے اس ایمان کا اقرار ہو اور عملی زندگی اس ایمان کی مظہر ہو بایں طور کہ دین و شریعت کی اتباع اور فرمانبرداری ایک ایک عمل سے ظاہر ہو۔

یا پھر دندانوں سے مراد نیک اعمال ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ جب تک اعمال نیک نہ ہوں گے، جنّت کے دروازے ابتداء میں نہیں کھل سکتے، ہاں بعد میں جب بد اعمالیوں کی سزا مل جائے گی اور گناہ و معصیت کے دھبے دھل جائیں گے تو جنّت کے دروازے

---

[1] وہب بن منبہ تابعی ہیں کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ ۱۱۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

کھول دیے جائیں گے۔

نیکی کا اجر

(۳۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُکُمْ اِسْلَامَهٗ فَکُلُّ حَسَنَةٍ یَعْمَلُهَا تُکْتَبُ لَهٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَکُلُّ سَیِّئَةٍ یَعْمَلُهَا تُکْتَبُ بِمِثْلِهَا حَتّٰی لَقِیَ اللّٰهَ۔ (متفق علیه)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (صدق دل اور اخلاص نیت کی بنا پر) اپنے ایمان کو اچھا بنالیتا ہے تو وہ بھی جو نیک عمل کرتا ہے اس پر اس کے اعمالنامہ میں اس جیسی دس سے لے کر سات سو تک نیکیوں کا زائد اجر لکھا جاتا ہے اور وہ جو برا عمل کرتا ہے اس پر اس کے نامۂ اعمال میں اس ایک ہی عمل کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے۔"
(بخاری و مسلم)

تشریح: اس اُمت کو اللہ نے اپنے فضل و کرم اور خصوصی احسان کے تحت جن خاص انعامات سے نوازا ہے ان میں سے ایک بہت بڑا انعام یہ بھی دیا ہے کہ جب کوئی شخص مخلص اور صادق مؤمن نیک عمل کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کی رحمت بے حساب اس کا اجر صرف اسی ایک عمل کے برابر دینے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اس جیسے دس عمل کا ثواب اس کو دیا جاتا ہے اور اس پر بھی بس نہیں ہوتا بلکہ جوں جوں ایمان میں صدق و استقامت اور عمل میں خلوص و نیک نیتی بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اجر و انعامات بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی نیک عمل پر سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر عنایت فرمائے جاتے ہیں، بلکہ بعض حالات میں تو یہ اضافہ سینکڑوں اور ہزاروں کی حد سے بھی تجاوز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اگر حرم پاک میں کوئی نیک عمل کیا جائے تو اس مقدس جگہ کی عظمت و فضیلت کے طفیل میں اس پر ایک لاکھ اجر لکھے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر مؤمن سے بتقضائے بشریت کوئی برائی سرزد ہو جاتی ہے تو اس کا گناہ اضافہ کے ساتھ نہیں لکھا جاتا بلکہ جیسی برائی سرزد ہوتی ہے ویسا ہی یا اتنا ہی گناہ لکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس احسان کرم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

ایمان کی عظمت

(۴۰) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا الْاِیْمَانُ قَالَ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَیِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا الْاِثْمُ قَالَ اِذَا حَاكَ فِیْ نَفْسِكَ شَیْئٌ فَدَعْهُ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: (یا رسول اللہ) ایمان کی سلامتی کی علامت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! جب تمہاری نیکی تمہیں بھلی لگے۔ اور تمہاری برائی تمہیں بری لگے تو (سمجھو کہ) تم (پکے) مؤمن ہو، پھر اس شخص نے پوچھا، یا رسول اللہ! گناہ (کی علامت) کیا ہے؟ آنحضور نے فرمایا! جب کوئی بات تمہارے دل میں کھٹک اور تردد پیدا کرے (تو سمجھو کہ وہ گناہ ہے) لہٰذا اس کو چھوڑ دو۔" (احمدؒ)

تشریح: سوال کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسی واضح علامت بتادی جائے جس کے ذریعہ ایمان کی سلامتی و استقامت کا اندازہ کیا جاسکے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اپنے اندر یہ کیفیت پاؤ کہ جب کوئی اچھا کام کرتے ہو تو تمہارا قلب و دماغ اس کام کی بھلائی کو خود محسوس کرتا ہے اور ایک خاص قسم کی طمانیت اور آسودگی پاتا ہے۔ احساس و شعور کی دنیا اللہ کی طرف سے نیکی کی توفیق اور مدد پانے پر فرحاں و شاداں اور رب کریم کی خوشنودی و قربت کی طلب گاری و امیدواری سے معمور ہو جاتی ہے۔ یا یہ کہ جب بتقضائے بشریت تم سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جاتا ہے جو واضح طور پر گناہ و معصیت کا کام سمجھا جاتا ہے تو فوراً تمہارا دل اللہ کے خوف سے بھر جاتا ہے اور

پروردگار کی ناراضگی کا احساس کر کے شرمسار و نادم ہو جانا تو سمجھ لو کہ ایمان تمہارے دل و دماغ میں رچ بس گیا ہے اور تم پکے مؤمن ہو گئے ہو۔ کیونکہ اور بدی کے درمیان امتیاز کرنا اور ثواب اور گناہ کا احساس و شعور پیدا کرنا صرف ایمان کے خاصہ ہے۔ اخروی جزا اور سزا کا اعتقاد جو قلب مؤمن میں ہوتا ہے، وہ غیر مؤمن کے قلب میں نہیں ہوتا۔

دوسرے سوال کا مطلب دراصل یہ تھا کہ مؤمن کو اپنی روزمرہ زندگی میں بعض ایسی چیزوں سے واسطہ پڑ جاتا ہے جن کے بارہ میں واضح طور پر علم نہیں ہوتا کہ آیا یہ چیز شرعی نقطہ نظر سے برائی کے حکم میں ہے اور اس سے کوئی گناہ لازم آتا ہے یا اس کو اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے تو ایسے مشتبہ عمل کی برائی یا بھلائی کو پہچاننے کی علامت کیا ہے؟ اس کے جواب میں سرکار دو عالم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ سچے اور پاکباز مؤمن کا قلب دراصل فطرت کی ایسی پاکیزہ لوح ہے جس پر صرف اسلامی اطاعت و فرمانبرداری اور نیکی و بھلائی ہی کے نقوش ابھر سکتے ہیں، اگر گناہ و معصیت کا ہلکا سا دھبہ بھی وہاں پہنچتا ہے تو اس کو کوئی جگہ نہیں ملتی اور وہ کھٹک و تردد کی صورت میں منڈلاتا پھرتا ہے پس کسی بھی عمل اور چیز کے بارے میں اگر یہ کیفیت ظاہر ہو کہ فطرت سلیم اس کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتی، قلب اس کا بوجھ محسوس کرتا ہے اور دماغ میں خلش و تردد پیدا ہو گیا ہے تو جانو کہ وہ عمل برائی کا حامل ہے اور گناہ و معصیت کو لازم کرنے والا ہے، اور نجات و فلاح اسی میں ہے کہ اس چیز کو فوراً چھوڑ دیا جائے یہی وجہ ہے کہ ارباب باطن اور اولیاء اللہ قلب و دماغ کی صفائی اور پاکیزگی کی بنا پر کسی عمل کی پوشیدہ ترین برائی کو بھی پہچان لیتے ہیں اور کسی بھی ایسی چیز کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے جو گناہ و معصیت کا ہلکا سا شائبہ بھی رکھتا ہو۔ ان کے ہاں "مشتبہ عمل" سے بھی اسی درجہ کا اجتناب برتا جاتا ہے، جتنا اجتناب وہ کھلے ہوئے برے اعمال سے کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دل و دماغ برائی کے شائبہ کو بھی بھانپ لیتا ہے اور ان کو اطمینان قلب اور عمل کا سرور صرف اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب ان کا کوئی قدم راہِ مستقیم سے ہٹا ہوا نہیں ہوتا اور ان کا کوئی کام دین و شریعت کی روح کے منافی نہیں ہوتا۔

ایمان و اسلام کی باتیں

(۴۱) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ مَّعَكَ عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ قَالَ حُرٌّ وَ عَبْدٌ قُلْتُ مَا الْاِسْلَامُ قَالَ طِيْبُ الْكَلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ قُلْتُ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَ السَّمَاحَةُ قَالَ قُلْتُ اَيُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ قَالَ قُلْتُ اَيُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ قَالَ قُلْتُ اَيُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ قَالَ قُلْتُ اَيُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ قَالَ قُلْتُ فَاَيُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ عُقِرَ جَوَادُهٗ وَاُهْرِيْقَ دَمُهٗ قَالَ قُلْتُ اَيُّ السَّاعَاتِ اَفْضَلُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت عمروؓ بن عبسہؓ راوی ہیں کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! دعوت اسلام کے آغاز میں، اس دین (اسلام) پر آپ ﷺ کے ساتھ کون تھا؟ آپ نے فرمایا ایک آزاد (ابوبکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ)۔ میں نے عرض کیا اسلام کی علامت کیا ہے؟ فرمایا پاکیزہ کلامی اور (مساکین کو) کھانا کھلانا، میں نے عرض کیا ایمان کی باتیں کیا ہیں؟ فرمایا! "صبر اور سخاوت" (یعنی بری باتوں سے باز رہنا اور طاعت فرمانبرداری پر مستعد ہونا) میں نے کہا کون سا مسلمان بہتر ہے؟ فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذاء) سے مسلمان محفوظ رہیں، میں نے کہا: ایمان میں بہتر چیز کیا ہے؟ فرمایا "اچھے اخلاق" میں نے کہا "نماز میں کون سی چیز بہتر ہے؟ فرمایا دیر تک کھڑے رہنا، میں نے کہا کون سی ہجرت بہتر ہے؟ فرمایا" یہ کہ تم اس چیز کو چھوڑ دو جس سے تمہارا پروردگار ناخوش ہوتا ہے میں نے کہا جہاد میں افضل کون ہے! فرمایا وہ شخص افضل ہے جس کا گھوڑا مارا جائے اور خود بھی شہید ہو جائے۔ میں نے کہا: سب سے افضل کون سا وقت ہے! آپ ﷺ نے فرمایا نصف شب کا آخری حصہ۔" (احمدؒ)

---

[1] آپ کا نام عمرو ہے عنبسہ کے بیٹے ہیں اور ابو نجیح آپ کی کنیت ہے۔ اور حضرت علی کے دور خلافت میں انتقال فرمایا۔

ایمان اور اسلام پر مرنے والا جنّتی ہے

(۴۲) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ لَقِیَ اللّٰہَ لَا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَ یُصَلِّی الْخَمْسَ وَیَصُوْمُ رَمَضَانَ غُفِرَ لَہٗ قُلْتُ اَفَلَا اُبَشِّرُھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ دَعْھُمْ یَعْمَلُوْا۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا! جس شخص نے اللہ کی طرف اس حال میں کوچ کیا کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرا رکھا تھا۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا تھا اور رمضان کے روزے رکھتا تھا تو وہ بخش دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو خوش خبری سنا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور عمل میں لگا رہنے دو۔" (احمدؒ)

تشریح: اس بخشش کا تعلق گناہ صغیرہ سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اس کی بھی امید ہے کہ اگر وہ چاہے گا تو کبیرہ گناہ بھی بخش دے گا۔ ویسے گناہ کبیرہ کی سزا بھگتنے کے بعد ہی بخشش اور جنت کا استحقاق ملے گا۔ اسی لئے جب حضرت معاذ ابن جبلؓ نے اس بشارت کو عام کرنے کی اجازت چاہی تو آنحضرت ﷺ نے منع فرمادیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اسی بشارت پر بھروسہ کر بیٹھیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں یا بد اعمالی میں مبتلا ہو جائیں اور گناہ و معصیت کا ارتکاب کرنے لگیں اور پھر عذاب کے مستوجب بن جائیں۔

اس حدیث میں حج اور زکوٰۃ کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ ان فرائض کا تعلق خاص طور پر صاحب استطاعت اور مالدار لوگوں سے ہے چونکہ عمومی طور پر ہر شخص زکوٰۃ و حج کی ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتا اس لئے صرف ان فرائض کو ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق بلا تخصیص امیر و غریب ہر شخص سے ہے جیسے نماز روزہ کہ اس میں امیر و غریب کسی کی تخصیص نہیں ہے یہ سب پر فرض ہیں۔

(۴۳) وَعَنْہُ اَنَّہٗ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِیْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰہِ وَتُبْغِضَ لِلّٰہِ وَتُعْمِلَ لِسَانَکَ فِیْ ذِکْرِ اللّٰہِ قَالَ وَمَاذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ وَتَکْرَہُ لَھُمْ مَا تَکْرَہُ لِنَفْسِکَ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ایمان کی اعلیٰ باتیں کیا ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (کسی سے) تمہاری محبت بھی اللہ کے لئے ہو اور بغض و عداوت بھی اللہ ہی کے لئے ہو اور تم اپنی زبان کو (خلوص دل سے) خدا کے ذکر میں مشغول رکھو، انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کے علاوہ اور کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا دوسروں کے لئے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اس کو دوسروں کیلئے بھی ناپسند کرو۔" (احمدؒ)

تشریح: ایمان کی بہترین باتیں یہی ہیں کہ ہر حالت میں اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کا حصول مد نظر ہو۔ یعنی جو کام کیا جائے خواہ وہ مالی ہو یا بدنی اور یا اخلاقی۔ محض خدا کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔ علاوہ ازیں مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق و انسانیت کی اعلیٰ اقدار کا حامل ہو بایں طور کہ ہر ایک کا خیر خواہ بنے اور پوری برادری کی بھلائی و بہتری کو ایسا ہی اچھا جانے جیسا کہ اپنی ذات کی بھلائی کو اور دوسروں کے لئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اسی طرح جس چیز کو اپنے لئے مضر سمجھتا ہو اور اسے ناپسند کرتا ہو دوسروں کے لئے بھی اس کو ناپسند کرے اور ان کے لئے مضر جانے۔

باب الکبائر و علامات النفاق

گناہ کبیرہ اور نفاق کی علامتوں کا بیان

"گناہ کبیرہ" کے معنی ہیں۔ بڑے گناہ! چنانچہ اصطلاح شریعت میں "گناہ کبیرہ" اس بڑے فعل کو کہتے ہیں جس کا ارتکاب کرنے والا

حد یعنی شریعت کی متعین کردہ سزا کا مستوجب ہوتا ہے، یا جس کے ارتکاب پر قرآن و حدیث میں سخت وعید و تنبیہ مذکور ہو، یا جس کے ارتکاب کو شریعت نے بطور مبالغہ ارتکاب کفر سے تعبیر کیا ہو (جیسے قصداً نماز ترک کرنے پر حدیث میں یہ وعید آئی ہے مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ یعنی جس شخص نے نماز قصداً ترک کردی وہ کافر ہو گیا) یا جس کا فساد و نقصان گناہ کبیرہ کے فساد و نقصان کے برابر یا اس سے زیادہ ہو، یا جس کی ممانعت دلیل قطعی کے ساتھ ثابت ہو اور جس کا اختیار کرنا حرمت دین کی ہتک کا موجب ہو پس جس فعل اور بات میں ان میں سے کوئی بھی چیز پائی جائے گی اس کو گناہ کبیرہ یعنی بڑا گناہ کہیں گے اور جس فعل یا بات میں ان میں سے کوئی چیز نہیں پائی جائے گی اور وہ اسلامی تعلیمات اور دینی تقاضا کے خلاف ہو گی اس کو گناہ صغیرہ یعنی چھوٹا گناہ کہا جائے گا یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بعض اعتبار سے اگرچہ گناہ کبیرہ کے مختلف درجات ہیں کہ بعض کبیرہ گناہ تو بہت ہی برے اور نہایت ہی قابل نفرت ہیں اور بعض گناہ نسبۃً کچھ ہلکے درجہ کے ہیں لیکن شریعت کی نظر میں قابل مواخذہ و گرفت اور موجب عذاب ہونے کے اعتبار سے سب یکساں نوعیت رکھتے ہیں۔

احادیث میں ایک جگہ تمام کبیرہ گناہوں کا تعین اور تفصیل کے ساتھ ذکر موجود نہیں ہے، بلکہ موقع محل کی مناسبت یا کسی سائل کو جواب میں آنحضور کی طرف سے بیان کردہ کبیرہ گناہ کچھ تو جا بجا احادیث و روایت میں منقول ہیں اور کچھ دوسرے مواقع پر مذکور ہیں۔ بعض علماء مثلاً مولانا جلال الدین دوانی نے کبیرہ گناہوں کی جو فہرست مرتب کی ہے وہ مختصراً یوں ہے۔

① اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا یعنی کسی کو اس کی عبادت یا اس کی صفات میں شریک کرنا مثلاً استعانت (مدد چاہنے) میں، علم میں، قدرت میں، تصرف میں، تخلیق میں، پکارنے میں، نام رکھنے میں، ذبح کرنے میں، نذر ماننے میں اور لوگوں سے امور سونپنے میں کسی کو بھی وہ درجہ اور حیثیت دینا جو صرف اللہ تعالیٰ کی سزاوار ہے۔ ② گناہ پر اصرار و دوام کی نیت رکھنا۔ ③ ناحق کسی کو قتل کرنا ④ زنا کرنا۔ ⑤ لواطت کرنا۔ ⑥ چوری کرنا۔ ⑦ جادو سیکھنا اور جادو کرنا۔ ⑧ شراب پینا اور نشہ آور اشیاء کا استعمال کرنا۔ ⑨ محارم یعنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، نانی اور خالہ وغیرہ سے نکاح کرنا۔ ⑩ جوا سیکھنا اور جوا کھیلنا۔ ⑪ دار الحرب سے ہجرت نہ کرنا۔ ⑫ دشمنان دین سے ناروا دوستی اور تعلق رکھنا۔ ⑬ طاقت و قوت اور غالب حیثیت رکھنے کے باوجود دشمنان دین سے جہاد نہ کرنا۔ ⑭ سود کھانا۔ ⑮ خنزیر اور مردار کے گوشت کا استعمال کرنا۔ ⑯ نجومی اور کاہن کی تصدیق کرنا۔ ⑰ ناحق کسی کا مال ہڑپ کر لینا۔ ⑱ پاکباز مرد یا پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت دھرنا۔ ⑲ جھوٹی گواہی دینا۔ ⑳ کسی عذر شرعی کے بغیر قصداً رمضان کا روزہ نہ رکھنا یا روزہ توڑنا۔ ㉑ جھوٹی قسم کھانا۔ ㉒ قطع تعلق کرنا۔ ㉓ ماں باپ کو ستانا اور ان کی نافرمانی کرنا۔ ㉔ جنگ کے موقع پر دشمنان دین کے مقابلہ سے فرار اختیار کرنا۔ ㉕ یتیموں کا مال ناحق کھانا۔ ㉖ ناپ تول میں خیانت کرنا۔ ㉗ نماز کو وقت پر نہ پڑھنا۔ ㉘ مسلمانوں سے ناحق لڑنا جھگڑنا۔ ㉙ ذات رسالت مآب ﷺ پر جھوٹا الزام لگانا۔ ㉚ رسول، کتاب اللہ اور فرشتوں کا انکار کرنا یا ان کا مذاق اڑانا۔ ㉛ احکام دین اور مسائل شریعت کا انکار کرنا۔ ㉜ فرائض پر عمل نہ کرنا یعنی نماز نہ پڑھنا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا، رمضان کے روزے نہ رکھنا اور استطاعت کا باوجود حج نہ کرنا۔ ㉝ صحابہؓ یا کسی صحابیؓ کو برا کہنا۔ ㉞ بلا عذر کتمان شہادت کرنا۔ ㉟ رشوت لینا۔ ㊱ میاں بیوی کے درمیان نفاق ڈلوانا۔ ㊲ حاکم کے سامنے کسی کی چغل خوری کرنا۔ ㊳ غیبت کرنا۔ ㊴ اسراف میں مبتلا ہونا۔ ㊵ رہزنی کا ارتکاب کرنا۔ ㊶ دین کے نام پر یا کسی دنیوی غرض کے تحت روئے زمین پر فتنہ و فساد پھیلانا۔ ㊷ گناہ صغیرہ پر اصرار و دوام اختیار کرنا۔ ㊸ کسی کو گناہ کی طرف راغب کرنا یا گناہ کے ارتکاب میں مدد دینا۔ ㊹ ہارمونیم، طبلہ، اور دوسرے ممنوع باجوں کے ساتھ گانا۔ ㊺ نہاتے وقت دوسروں کے سامنے ستر کھولنا۔ ㊻ مالی مطالبات و واجبات کی ادائیگی میں بخل کرنا۔ ㊼ خودکشی کرنا۔ ㊽ اپنے اعضاء بدن میں سے کسی عضو کو ضائع کرنا اور تلف کر دینا۔ ㊾ منی اور پیشاب کی گندگی سے صفائی اور پاکی حاصل نہ کرنا۔ ㊿ تقدیر کو جھٹلانا۔ (۵۱) اپنے سردار اور حاکم سے عہد شکنی کرنا۔ (۵۲) کسی کی ذات اور نسب میں طعنہ زنی کرنا۔ (۵۳) غرور اور تکبر کے تحت پائینچے لٹکانا۔ (۵۴) لوگوں کو گمراہی کی طرف بلانا۔ (۵۵) میت پر نوحہ کرنا۔ (۵۶) برے طریقے اور بیہودہ رسمیں رائج کرنا۔ (۵۷) دھار دار آلہ سے کسی مسلمان کی طرف اشارہ کرنا۔ (۵۸) کسی کو خصی کر دینا۔

(۵۹) اپنے بدن کے کسی حصہ کو کاٹنا۔ مثلاً داڑھی منڈانا یا ناک وغیرہ تھوڑی سی کاٹ ڈالنا۔ (۶۰) اپنے محسن سے احسان فراموشی کرنا۔ (۶۱) حدود حرم میں ان کاموں کو کرنا جن کی ممانعت ہے۔ (۶۲) حدود حرم میں جاسوسی کرنا۔ (۶۳) نرد کھیلنا یا ایسا کوئی بھی کھیل کھیلنا جو بالاتفاق حرام ہو۔ (۶۴) کسی مسلمان کو کافر کہنا یا اس کو کسی ایسے الفاظ سے مخاطب کرنا جو صرف کافر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (۶۵) اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باری میں عدل نہ کرنا۔ (۶۶) جلق کرنا (مشت زنی کرنا)۔ (۶۷) غلہ وغیرہ کی گرانی سے خوش ہونا۔ (۶۸) جانوروں کے ساتھ بد فعلی کرنا۔ (۶۹) عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا۔ (۷۰) دنیا کی محبت میں مبتلا ہونا۔ (۷۱) امرد پر بری نظر رکھنا۔ (۷۲) دوسروں کے گھر میں جھانکنا۔ (۷۳) صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے گھر کے اندر داخل ہونا۔ (۷۴) دیوثی اور قرم ساقی کرنا۔ (۷۵) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی اچھے کاموں کی تبلیغ و تلقین اور برے کاموں سے روکنے) کا فریضہ باوجود قدرت کے انجام نہ دینا۔ (۷۶) پڑھنے کے بعد قرآن مجید کو بھلا دینا۔ (۷۷) جانوروں کو آگ میں جلانا۔ (۷۸) عورت کا بغیر عذر شرعی اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا۔ (۷۹) مرد کا عورت پر ظلم کرنا۔ (۸۰) اللہ کی رحمت و مغفرت سے ناامید ہونا۔ (۸۱) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا۔ (۸۲) علماء اور حفاظ کی توہین و تحقیر کرنا۔ (۸۳) بیوی سے ظہار کرنا، بعض علمائے کبائر کی فہرست میں کچھ اور گناہوں کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہاں اختصار کے پیش نظر اسی فہرست پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

سب سے بڑے گناہ

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَّا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الذَّنْبِ اَکْبَرُ عِنْدَاللّٰہِ قَالَ اَنْ تَدْعُوَ لِلّٰہِ نِدًّا وَّھُوَ خَلَقَکَ قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَکَ خَشْیَۃَ اَنْ یَّطْعَمَ مَعَکَ قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تُزَانِیَ حَلِیْلَۃَ جَارِکَ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَصْدِیْقَھَا (وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ الْاٰیَۃَ)

(الفرقان ۶۸، متفق علیہ)

"حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا، یا رسول اللہ (ﷺ)! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! یہ کہ جس اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ تم کسی کو اس کا شریک ٹھہراؤ پھر اس شخص نے پوچھا! اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا! یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خیال سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔ پھر اس نے پوچھا، اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! یہ کہ تم اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرو (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ) سرکار ﷺ کے اسی ارشاد کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی (جس کا ترجمہ ہے) وہی بندگان خاص ہیں جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہیں ٹھہراتے، اور جس جاندار کو قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں (اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ گناہ کے وبال میں پڑے گا)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں چند ایسی باتوں کی نشان دہی کی گئی جو اخلاق و انسانیت کے اعتبار سے بھی نہایت پستی اور گراوٹ کی علامت ہیں اور شریعت نے بھی ان کو سب سے بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے اور جن کا ارتکاب کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا مستوجب قرار پاتا ہے۔ سب سے بڑا گناہ جس بات کو بتایا گیا ہے وہ کسی کو اپنے خالق اور پروردگار کا شریک ٹھہرانا ہے اور ان تدعو للہ ندا کی تشریح

---

[۱] اسم گرامی عبداللہ بن مسعود اور کنیت ابوعبدالرحمن ہے، آپ کو حضورؐ نے جنت کی بشارت دی ہے آپ نے ۳۲ھ بعمر کچھ اوپر ساٹھ سال بمقام مدینہ میں انتقال فرمایا۔

میں علماء نے لکھا ہے کہ شریک ٹھہرانے کا مطلب ذات وصفات اور عبادت میں کسی کو اللہ کا ہمسرو ہم تاب بنانا ہے مثلاً عبادت وبندگی اور اظہار عبدیت کے جو طریقے اور جو افعال صرف ذات باری تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں۔ وہ طریقے اور افعال اللہ کے سوا کسی اور کے لئے بھی اختیار کرنا یا جس طرح اللہ کو "یا اللہ" کہہ کر یاد کیا جاتا ہے، اسی طرح کسی غیر اللہ کو پکارنا اور یاد کرنا، اور یا جس طرح اللہ تعالیٰ حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے اسی طرح کسی اور کو بھی حاجت روا مان کر یوں فریاد رسی کرنا کہ اے فلاں میری یہ حاجت پوری کر، میری مدد کردو وغیرہ وغیرہ۔

دوسرا بڑا گناہ یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو اس خوف سے موت کے گھاٹ اتار دے کہ وہ میرے سر کا بوجھ بنے گی، اس کو کھلانا پلانا پڑے گا، اور اس کی پرورش وتربیت کی معاشی ذمہ داریاں برداشت کرنا پڑیں گی، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ظالمانہ طریقہ رائج تھا کہ لوگ افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔

تیسرا بڑا گناہ یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے۔ یوں تو مطلقاً زنا ایک بڑا گناہ ہے اور اس پر سخت سزا مقرر ہے۔ لیکن پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا تو بہت ہی بڑا گناہ ہے جس طرح کہ مطلقاً ناحق قتل کرنا ایک بڑا گناہ ہے، لیکن اپنی اولاد کو قتل کر دینا نہایت ہی بڑا گناہ ہے۔

والدین کی نافرمانی اور جھوٹی قسم کھانا

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَبَائِرُ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَنَسٍ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ بَدَلَ الْيَمِيْنِ الْغَمُوْسِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، ناحق کسی کو مار ڈالنا اور جھوٹی قسم کھانا بڑے گناہ ہیں (بخاری) اور حضرت انسؓ کی روایت میں "جھوٹی قسم کھانا" کے بجائے "جھوٹی گواہی دینا" کے الفاظ ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "عقوق" کے ایک معنی ایذا دینے کے بھی آتے ہیں۔ لہٰذا شریعت نے نہ صرف یہ کہ والدین کی نافرمانی کو بڑا گناہ قرار دیا ہے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ مسلمان ماں باپ کو نہ کوئی اذیت پہنچائی جائے اور نہ ان کو ناحق ستایا جائے، ویسے کافر ماں باپ کو بھی اذیت پہنچانے سے روکا گیا ہے، لیکن ان کو کفر کی لعنت سے نکالنے اور قبول اسلام پر آمادہ کرنے کے لئے ان کے ساتھ تھوڑے بہت سخت برتاؤ کی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ سخت برتاؤ قطعی طور پر ناگزیر ہو اور اخلاق وانسانیت سے گرا ہوا نہ ہو۔

تفسیر عزیزی میں ارشاد ربانی وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا حکم بطور خاص تین باتوں کو شامل ہے، اور یہ کہ ان کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائے خواہ ہاتھ سے ہو یا زبان وغیرہ سے، یعنی نہ تو ان کو مار پیٹ کر تکلیف پہنچائے اور نہ ان کے ساتھ بدزبانی وبدکلامی کرے، دوسرے یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے جان ومال دونوں طرح سے ان کی خدمت کرے، اور تیسرے یہ کہ ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اور وہ جس وقت اور جس ضرورت سے بلائیں فوراً ان کے پاس حاضر ہو جائے۔ تاہم علماء نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ والدین کی خدمت کا حکم اس شرط کے ساتھ ہے کہ اگر ماں باپ اولاد کے محتاج ہوں اور اولاد اتنی قوت واستطاعت رکھتی ہو کہ ان کی ہر طرح کی خدمت کر سکے تو ان کی خدمت کرنا اس پر واجب ہے اور اگر یہ صورت ہو کہ نہ تو والدین اس کے محتاج ہوں اور نہ اولاد اس پر قادر ہے تو اس پر ان کی خدمت واجب نہیں ہے اسی طرح والدین کی حکم برداری کا مسئلہ بھی اس وضاحت کے ساتھ ہے کہ اگر وہ اچھے کام کا حکم دیں یا خلاف شرع چیزوں سے روکیں یا شرع کے خلاف حکم نہ دیں تو ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے لیکن اگر وہ خلاف شرع چیزوں کا حکم دیں مثلاً واجبات کو ترک کرنے کے لئے کہیں یا فرض حج کرنے سے روک

دیں اور منع کریں تو ان چیزوں میں ان کی اطاعت نہ کرنی چاہیے اگر سُنّت مؤکدہ کو چھوڑنے کے لئے کہیں مثلاً نماز کی جماعت میں شریک ہونے سے روکیں، یا عرفہ کے روزہ کو منع کریں تو اس میں زیادہ صحیح قول یہ ہے اس طرح کا حکم دو ایک مرتبہ مان لینے اور ان کی اطاعت میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن ان چیزوں کی اگر وہ عادتِ ہی ڈالوادیں یا ہمیشہ منع کرتے رہیں تو ان کا حکم نہ مانے۔ ہاں اگر وہ کسی نفلی عبادت سے روکیں اور کہیں کہ اس کی بجائے ہماری خدمت میں رہو تو ان کی حکم برداری کرنی چاہیے۔

"یمین غموس" اس جھوٹی قسم کو کہتے ہیں جس کا تعلق گزشتہ چیز سے ہو، مثلاً کوئی شخص کسی فعل کے بارہ میں اس طرح قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں نے فلاں کام نہیں کیا ہے۔ درآنحالیکہ واقع میں اس نے وہ کام کیا ہے تو یہ "یمین غموس" کہلائے گی اس کی سخت ممانعت ہے کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اسی طرح جھوٹی گواہی دینا بھی ایک بہت بڑا گناہ ہے جو اللہ کے سخت عذاب کا مستوجب بناتا ہے۔

ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ قَالَ اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبَا وَاَكْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (لوگو) سات ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو، پوچھا گیا یارسول اللہ! وہ سات ہلاک کرنے والی باتیں کون سی ہیں؟ فرمایا کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا۔ (۲) جادو کرنا۔ (۳) جس جان کو مار ڈالنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا۔ (۴) یتیم کا مال کھانا۔ (۵) جہاد کے دن دشمن کو پیٹھ دکھانا۔ (۶) پاکدامن ایمان والی اور بے خبر عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اسلامی اعتقادات و نظریات اور بدیہی مسلمات کو دل سے ماننا، زبان سے اقرار کرنا اور عائد شدہ فرائض پر عمل کرنا ایمان ہے اور ان پر بدیہی مسلمات میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنا کفر ہے اب اگر اس کلیہ کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایمان کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ دین کے بدیہی مسلمات زبان و دل سے مان لئے جائیں اور اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ برخلاف اس کے کہ کفر کی صورتیں کئی ہیں اور دین کی بدیہیات میں سے اگر کسی ایک بات کا بھی انکار کر دیا جائے خواہ بقیہ سب کا اقرار موجود ہے تو بھی کفر عائد ہو جاتا ہے پھر علماء کی تصریح ہے کہ کفر صرف قول ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعض افعال بھی موجب کفر ہو سکتے ہیں، چنانچہ فقہاء ایسے افعال پر بھی کفر کا حکم لگا دیتے ہیں جو قلبی و اعتقادی کفر کے صحیح ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔

یوں تو کفر کی ہر قسم انسانیت کے دامن پر سب سے بدنما داغ ہے لیکن اس کی جو قسم سب سے بدتر ہے وہ شرک ہے یعنی خدا تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کی عبادات اور اس کی حدود عظمت میں کسی کو شریک بنا لینا نہ صرف اعتقادی حیثیت سے ایمان و اسلام سے صریح بیزاری کا اظہار ہے، بلکہ فطرت پر ایک بہت بڑا ظلم اور عقل و دانش سے سب سے بڑی بغاوت بھی ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کر کے اس کی فطرت کو کفر و شرک کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف رکھا ہے، اب اگر انسان اپنی فطرت کو شرک کی نجاست سے ملوث کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی فطرت اور اپنے ضمیر کی صداقت آمیز آواز کا گلا گھونٹ کر مذہب و انسانیت دونوں حیثیت سے تباہی و بربادی کے غار میں گرتا ہے۔

اس لئے پروردگار عالم کا اٹل فیصلہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں ہر کوتاہی و لغزش قابل معافی ہو سکتی ہے۔ مگر شرک کا جرم ہرگز معافی نہیں ہوگا جس کی سخت سزا مشرک کو بھگتنی ہوگی۔ اور خدا تعالیٰ کی پاک جنّت میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (القرآن الحکیم، النساء ۱۱۶)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس جرم کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے وہاں اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا۔"

چونکہ شرک انسانی فطرت سے سعادت و نیک بختی کا تخم جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور انسان کی روحانی ترقی کی تمام استعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے نیز خود قرآن کی نظر میں شرک خدا تعالیٰ پر سب سے بڑا افتراء اور سب سے بڑھ کر بے دلیل اور خلاف ضمیریات اور نفس انسان کے لئے ابدی موت ہے اس لئے حدیث میں جن ہلاکت خیز باتوں کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں شرک کا جرم سر فہرست ہے۔

شرک کی تعریف اور اقسام

اس موقعہ پر مناسب ہے کہ شرک کی تعریف اور اس کی اقسام کی کچھ تفصیل بیان کر دی جائے، شرح عقائد میں ہے کہ اصطلاح شریعت میں شرک، اسے کہتے ہیں کہ خدائی اختیارات میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرائے جیسا کہ مجوسی اہرمن و یزداں کو مانتے ہیں یا خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو بھی پرستش و عبادت کے لائق جانے جیسا کہ بت پرست عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ شرک کفر کی ایک قسم ہے اور اسی لئے شریعت میں شرک کفر کے معنی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق ؒ نے اپنے ترجمہ مشکوٰۃ میں شرح عقائد کی بیان کردہ شرک کی ان دونوں قسموں کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں شرک سے مراد کفر ہے، خیالی میں بھی اس کی تصریح ہے اور مولانا عصمۃ اللہ ؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں کہ شریعت کی اصطلاح میں "شرک" اسے کہتے ہیں کہ جو صفات خاص باری تعالیٰ عزاسمہ کے ساتھ مختص ہیں ان کو خدا کے علاوہ کسی دوسرے میں بھی ثابت کرے، جیسے خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو بھی عالم الغیب جانے۔ یا جس طرح دنیا کی ہر شے پر خدا کو قادر مانتا ہے کسی دوسرے کو بھی قادر جانے، یا جیسے خدا تعالیٰ کو اپنے ارادہ کے ساتھ دنیا کی تمام چیزوں پر متصرف جانتا ہے، ایسے ہی کسی دوسرے کو بھی متصرف جانے۔ مثلاً کسی کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھے کہ فلاں نے نظر کرم کے ساتھ مجھ سے برتاؤ کیا اس لئے مجھ کو مال و زر کی وسعت اور خوشی حاصل ہو گئی یا فلاں نے مجھ کو پھٹکار دیا تھا تو اس کے سبب میں بیمار ہو گیا یا میرا مقدر پھوٹ گیا، وغیرہ وغیرہ۔

خدا کی ذات اور صفات اور خدائی اختیارات میں شرک کے علاوہ تفسیر عزیزی میں شرک کی اور جو اقسام ذکر کی گئی ہیں۔ ان میں ایک تو یہی ہے کہ عبادت میں کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جائے، یا کسی کا نام تقرب و فضیلت کے طریقہ پر خدا کے نام کی طرح لیا جائے اور اس کو خدا کا ہمسر قرار دیا جائے۔ مثلاً کسی کو اٹھتے بیٹھتے و مصائب و مشکلات میں اس کا نام لے کر اسے یاد کرے ایسے ہی کسی کا نام بجائے عبداللہ یا عبدالرحمن کے بندہ فلاں یا عبد فلاں رکھا جائے اس کو "شرک فی التسمیہ" کہتے ہیں یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے اور اس کی نذر مانی جائے، یا بلاوجہ شر کے دفعیہ اور حصول منفعت کے لئے خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو پکارا جائے اور ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ یا علم و قدرت میں خدا کے نام کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا جائے جیسے کوئی کہے مَاشَآءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ یعنی جو خدا چاہے اور تم چاہو وہی ہوگا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ کسی ناواقف نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اسی طرح کے الفاظ کہے تو آپ ﷺ بہت افروختہ ہوئے اور فرمایا کہ تم نے مجھے خدا کا شریک ٹھہرا دیا اور فرمایا کہ اس طرح کہو:

مَاشَآءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ۔

"یعنی جو صرف خدا چاہے گا وہی ہو گا۔"

بعض کبیرہ گناہوں کو بھی شرک کہا گیا ہے، جیسے حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص نے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھائی اس نے یقیناً شرک کیا، یا کہا جاتا ہے کہ بد شگونی لینا شرک ہے یا منقول ہے کہ ریا کاری شرک ہے، یا اسی طرح منقول ہے کہ جو عورت اپنے خاوند

کی محبت کے لئے ٹوٹکہ کرے شرک ہے گویا یہ گناہ اپنے مہلک اثرات کی بنا پر شرک کی طرح ہیں اس لئے ان سے اجتناب بھی اتنا ہی ضروری ہے، جتنا شرک سے۔

اسی طرح وہ افعال جو اگرچہ شرک حقیقی یعنی کفر کے دائرے میں تو نہ آتے ہوں لیکن مشرکین اور بت پرستوں کے افعال و اعمال کے مشابہ اور ان کے ہم مثل سمجھے جاتے ہیں تو ان سے بھی شرک ہی کی طرح پرہیز ضروری ہے، جیسے علماء اور بادشاہ کے آگے جبین سائی کرنا یا ان کے سامنے آکر زمین کو چوسنا یا ان کو سجدہ تعظیم کرنا۔ چونکہ یہ افعال حرام اور گناہ کبیرہ ہیں اس لئے ان کا ارتکاب کرنے والا بھی گناہ گار اور مستوجب عذاب ہوگا، اور جو لوگ اس طرح کے افعال سے خوش ہوں گے اور قدرت کے باوجود ان افعال کے ارتکاب کو روکنے کی کوشش نہیں کریں گے وہ بھی گناہ گار ہوں گے، یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگر علماء یا بادشاہ پیروں کے آگے جبین سائی کرنا اور زمین کو بوسہ دینا عبادت و تعظیم کی نیت سے ہوگا تو اس کو صریحاً کفر کہا جائے گا اگر عبادت و تعظیم کی نیت سے نہیں بلکہ محض اظہار ادب کے لئے ہوگا تو اس پر کفر کا اطلاق نہیں ہوگا لیکن گناہ کبیرہ ضرور کہلائے گا۔

اس حدیث میں دوسرا ہلاکت خیز فعل سحر بتایا گیا ہے۔ سحر کے بارہ میں علماء کہتے ہیں کہ جس طرح سحر اور جادو کرنا حرام اور ہلاکت خیز چیز ہے اسی طرح جادو سیکھنا اور سحر کا علم حاصل کرنا بھی حرام ہے، جو آخرت میں ہلاکت کا موجب بنے گا، شرح عقائد کے حاشیہ "خیالی" میں لکھا ہے کہ سحر کرنا کفر ہے، اور صحابہؓ وغیرہ کی ایک جماعت تو اس پر متفق ہے کہ ساحر کو فوراً مار ڈالنا چاہیے۔ جب کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر ساحر اس طرح کا ہو جس سے کفر لازم آتا ہو اور ساحر اس سے توبہ نہ کرے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہئے۔ اسی طرح نجوم، کہانت رمل اور شعبدہ بازی کی تعلیم حاصل کرنا، ان چیزوں کو اختیار کرنا اور ان سے روزی اور پیسہ کمانا اور نجومی و کاہن وغیرہ سے سوالات کرنا اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر اعتقاد رکھنا بھی حرام ہے۔

حدیث میں دشمن کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کرنے کے مذموم فعل کو بھی ہلاکت کا موجب بتایا گیا ہے اس لئے کہ جس شخص نے اتنی بزدلی اور پست ہمتی دکھائی کہ عین اس موقع پر جب کہ اس کو ایمانی شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا، دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہوا وہ دراصل اپنی اس مذموم حرکت کے ذریعہ اہل اسلام کی رسوائی کا سبب بنا لہٰذا اس کو آخرت کے عذاب اور ہلاکت کا مستوجب گردانا جائے گا۔ اس سلسلہ میں جہاں تک تفصیلی مسئلہ کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان کے مقابلہ میں دو کافر ہوں تو اس کو ان کے مقابلے سے راہ فرار اختیار کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ ہاں اگر مقابلہ پر دشمن دو سے زیادہ کی تعداد میں ہوں تو پھر بھاگنا حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے مگر اس میں اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ وہ اس صورت میں بھی پیٹھ نہ دکھلائے بلکہ مقابلہ کرے خواہ جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔

وہ بدترین گناہ جن کے ارتکاب کے وقت ایمان باقی نہیں رہتا

(۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيْهَا اَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاِيَّاكُمْ اِيَّاكُمْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَا يَقْتُلُ حِيْنَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ يُنْزَعُ الْاِيْمَانُ مِنْهُ قَالَ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ ثُمَّ اَخْرَجَهَا فَاِنْ تَابَ عَادَ اِلَيْهِ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ وَقَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ لَا يَكُوْنُ هٰذَا مُؤْمِنًا تَامًّا وَلَا يَكُوْنُ لَهٗ نُوْرُ الْاِيْمَانِ۔ (هذا لفظ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، اور چھینا جھپٹی کرتا ہے اور لوگ اس کو (کھلم کھلا) چھینا جھپٹی کرتے

ہوئے دیکھتے ہیں (لیکن خوف و دہشت کے مارے بے بس ہو جاتے ہیں اور چیخ و پکار کے علاوہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے) تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا پس تم (ان گناہوں سے) بچو۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ (قتل کرنے والا جب ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ عکرمہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے (یہ حدیث سن کر) پوچھا کہ اس سے ایمان علیحدہ کس طرح کر لیا جاتا ہے، تو انہوں نے کہا اس طرح (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کیں اور پھر ان انگلیوں کو ایک دوسری سے علیحدہ کر لیا اس کے بعد انہوں نے فرمایا! اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو ایمان اس طرح واپس آجاتا ہے، اور (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنی انگلیوں کو پھر ایک دوسری میں داخل کر لیا۔ نیز ابو عبد اللہ (یعنی امام بخاریؒ) نے کہا ہے کہ (اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ) وہ شخص ارتکاب معصیت کے وقت مؤمن کامل نہیں رہتا اور اس میں سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا، مؤمن کا قلب ایک ایسے حساس اور پاکیزہ ظرف کی مانند ہے جس میں صرف ایمان کا نور ٹھہر سکتا ہے، ایمان کے منافی کوئی بھی چیز دراندازی ہونے کی کوشش کرتی ہے تو نہ قلب مؤمن اس کا روادار ہوتا ہے اور نہ نور ایمان اس کو برداشت کرتا ہے، چنانچہ وہ بدترین اور سنگین گناہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہوا، ایسی منافی ایمان باتیں ہیں جن کا تحمل نور ایمان کسی حالت میں نہیں کر سکتا، ادھر انسان ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب شروع کرتا ہے کہ ادھر نور ایمان اس کے قلب سے رخصت ہو جاتا ہے اور پھر جب تک کہ اس گناہ پر نادم و شرمندہ ہو کر آئندہ کے لئے خلوص دل سے توبہ نہیں کر لیتا ایمان کی وہ نورانی کیفیت جو ارتکاب گناہ سے قبل اس کو حاصل تھی، اس کے قلب میں واپس نہیں آتی۔ اسی صورت حال کو حضرت ابن عباسؓ نے اپنی انگلیوں کی مثال کے ذریعہ واضح کیا، انہوں نے پہلے اپنے ایک ہاتھ کے پنجہ کو دوسرے ہاتھ کے پنجہ میں داخل کیا اور دکھایا کہ یہ گویا ارتکاب معصیت سے قبل کی حالت ہے کہ نور ایمان مؤمن کے قلب میں جاگزیں ہے پھر انہوں نے دونوں پنجوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے بتلایا کہ جس طرح یہ پنجہ دوسرے پنجہ سے الگ ہو گیا ہے، اسی طرح ارتکاب معصیت کے وقت نور ایمان مؤمن کے قلب سے علیحدہ ہو جاتا ہے، اور پھر انہوں نے دوسرے پنجوں کو ایک دوسرے میں داخل کر دیا اور کہا کہ جس طرح یہ پنجے پھر ایک دوسرے میں داخل ہو گئے ہیں اسی طرح اگر مؤمن ارتکاب معصیت کے بعد توبہ کر لیتا ہے تو اس کا نور ایمان پہلے کی طرح اپنی جگہ واپس آجاتا ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے لکھا ہے کہ ارتکاب معصیت کے وقت ایمان کے باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ مرتکب معصیت کامل مؤمن نہیں رہ جاتا اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے (ترجمان السنۃ) اور یہی حاصل امام بخاریؒ کے قول کا ہے جو روایت کے آخری فقرہ سے معلوم ہوا۔

منافق کی علامتیں

⑤ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ زَادَ مُسْلِمٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّہٗ مُسْلِمٌ ثُمَّ اتَّفَقَا اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا! منافق کی تین علامتیں ہیں، اس کے بعد مسلمؒ نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا "اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے" اس کے بعد بخاریؒ و مسلمؒ دونوں متفق ہیں (وہ تین علامتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔" (متفق علیہ)

تشریح: جب بھی کوئی اصلاحی تحریک انقلابی رفتار سے آگے بڑھنے لگتی ہے اور معاشرہ پر اس کا تسلط پھیلتا جاتا ہے تو اس کے متفقین اور مخالفین کے درمیان ایک تیسرا طبقہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، یعنی ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس تحریک کے مکمل ہمنوا بن جاتے ہیں اور کامل ذہنی و جسمانی وابستگی کے ساتھ اس کے دائرہ اثر و اطاعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کے مقابلہ پر دوسرا طبقہ مخالفین کا ہوتا ہے جو

تحریک کی کھلم کھلا مخالفت کرتا ہے اور اپنی پوری طاقت اور تمام تر وسائل کے ساتھ علانیہ طور پر تحریک کے داعیوں اور حامیوں کے مد مقابل رہتا ہے، اور ان دونوں کے درمیان جو تیسرا طبقہ پیدا ہوتا ہے وہ ان روباصفت لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو نہ اس تحریک کے دل سے حامی بنتے ہیں اور نہ کھلم کھلا مخالفت پر خود کو قادر پاتے ہیں اس طرح کے لوگ اپنی ذہنی و قلبی وابستگی اپنے سابقہ عقائد و نظریات ہی کے تئیں رکھتے ہیں لیکن جسمانی طور پر حامیان تحریک کی صفوں میں شامل ہو جاتے ہیں، یہی صورت حال اسلام کو بھی پیش آئی پیغمبر اسلام کی مکی زندگی کے بعد جب مدنی زندگی ـــــــــــــ کا آغاز ہوا اور اسی کے ساتھ دعوت اسلام کی تحریک انقلابی رفتار سے آگے بڑھنے لگی اور اہل اسلام کو بھی طاقت و شوکت میسر آنے لگی تو یہ تیسرا طبقہ پیدا ہو گیا۔ پہلے مکہ میں ایک طرف تو وہ خوش نصیب لوگ تھے جنہوں نے کامل صدق و اخلاص کے ساتھ دعوت اسلام کو قبول کیا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے فدا کار خادم بنے۔ یہ خوش نصیب تعداد میں بھی کم تھے اور مادی وسائل و ذرائع سے محروم بھی تھے، ان کے مقابلہ پر اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے دعوت اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور اس پر بس نہ کر کے دعوت اسلام کی بھرپور مخالفت پر کمربستہ تھے، ان لوگوں کو طاقت و شوکت بھی حاصل تھی اور تمام تر مادی وسائل و ذرائع کی پشت پناہی بھی۔ چنانچہ یہاں ان کو اسلام کی کھلم کھلا دشمنی سے کوئی امر مانع نہیں تھا اور اہل اسلام کی مخالفت سماجی طور پر کسی خطرہ یا نقصان کا باعث بھی نہیں تھی۔ لیکن اب مدینہ آنے کے بعد دعوت اسلام کا ماحول دوسرا ہو گیا، تحریک کامیابی سے آگے بڑھتی رہی، متفقین اور ہمنواؤں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ طاقت و شوکت بھی بڑھنے لگی اور سماجی طور پر اہل اسلام کو غلبہ بھی ملنے لگا۔ لہٰذا اب اسلام کے مخالفین اور معاندین کو بھی عداوت کی شکل بدل دینی پڑی۔ انہوں نے یہ مستقل پالیسی بنالی کہ بظاہر تو اسلام کے نام لیوا بن جاؤ اور مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگو۔ مگر اندرونی طور پر مخالفین اسلام یعنی کافروں کے ہمنوار ہو اور خفیہ معاندانہ کارروائیوں کے ذریعہ دعوت اسلام کی راہ میں کانٹے بچھاتے رہو، چنانچہ یہی سے "نفاق" کی بنیاد قائم ہوئی اور اس طرح کے لوگوں کو اسلام میں "منافق" کہا گیا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح کسی بھی تحریک کے لئے "نفاق" سب سے بڑا گھن ثابت ہوتا ہے اسی طرح اسلام کے حق میں یہ طبقۂ منافقین سب سے زیادہ نقصان رساں ثابت ہوا، ابتداء میں تو ان منافقین کا مکروہ چہرہ مسلمانوں کے سامنے چھپا رہا، جب ان کی منافقانہ پالیسی اور عیارانہ کاروائیوں نے اسلام اور مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچانا شروع کیا اور اسلام کے خلاف ان کی خفیہ نقل و حرکت کا علم ہونے لگا تو ان کی شخصیتیں سامنے آنے لگیں اور پھر تو اس طبقہ کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ ان کے نام پر مستقل ایک سورت "المنافقین" نازل کی گئی، اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں جابجا منافقوں سے خبردار کیا گیا اور ان کی ریشہ دوانیوں اور تباہ کاریوں سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا۔

نفاق کی قسمیں

جس طرح ایمان اور کفر کی مختلف قسمیں اور صورتیں ہیں اسی طرح "نفاق" کی بھی کئی قسمیں ہیں ایک تو اعتقادی نفاق ہے اور یہی حقیقی نفاق ہے یعنی بظاہر اللہ کی توحید، رسالت، فرشتے، اور حشر و نشر کے اعتقاد رکھنے کا دعوی کرنا مگر اندر ان تمام اعتقادی مسلمات کا پورا پورا انکار و انحراف مضمر ہونا۔ یہی وہ نفاق ہے جو آنحضرت ﷺ کے دور میں تھا۔ اسی نفاق کو قرآن مجید نے کفر بھی کہا ہے اور اسی نفاق کے بارہ میں یہ وعید آئی ہے کہ دوزخ میں منافقین کا ٹھکانا کافروں سے بھی نیچے ہوگا، پھر یہ ہوا کہ ان منافقین کے جو عادات و خصائل اور طور طریقے تھے ان پر بھی نفاق کا اطلاق کیا جانے لگا۔ کیونکہ ان میں سے اکثر باتیں وہی ہیں جو انسان کی اخلاقی اور عملی زندگی کو عیب دار بنا دیتی ہیں جو اسلام کی تعلیمات، اعلی انسانی اقدار اور امانت و دیانت کے صریح منافی ہونے کے سبب ایمان و اسلام سے ذرا بھی میل نہیں کھاتیں۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی دینی زندگی میں انحطاط کا دور آیا اور انہوں نے ان باتوں کو اختیار کرنا شروع کر دیا جو منافقین اسلام کا خاصہ تھیں تو ارباب اصطلاح نے نفاق کی ایک اور قسم متعین کی اور اس کا نام "عملی نفاق" رکھا۔

پس حدیث بالا میں جس چیز کے خلاف تنبیہ کرنا مقصود ہے اس سے یہی "عملی نفاق" مراد ہے۔ مطلب یہ کہ بات چیت میں دروغ

گوئی اختیار کرنا، وعدہ کا پورا کرنا، اور امانتوں میں خیانت کرنا ان بری عادتوں میں سے ہیں جو ایک منافق میں تو پائی جاتی ہیں لیکن کسی مؤمن میں ان کا پایا جانا عجوبہ سے کم نہیں۔ لہٰذا اگر مسلمان دانستہ یا نادانستہ طور پر ان میں سے کسی بری عادت کا شکار ہے تو اس کو فوراً اپنا احتساب کرنا چاہیے اور اس بری عادت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے ورنہ آخرت میں سخت عذاب بھگتنا ہوگا۔

منافق بنانے والی چار باتیں

⑥ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں چار باتیں ہوں گی وہ پورا منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جائے گی (تو سمجھ لو) اس میں نفاق کی ایک خصلت پیدا ہوئی تاوقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے (اور وہ چار باتیں یہ ہیں) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب قول و اقرار کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب جھگڑے تو گالیاں بکے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہاں بھی نفاق سے مراد "عملی نفاق" ہے یعنی اگر کوئی مؤمن و مسلمان ان چار بری باتوں کا شکار ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ پورے طور پر عملی نفاق میں مبتلا ہے اور عملاً منافق بن گیا ہے اور اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت و عادت اس کے اندر پیدا ہو جائے تو جانو کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت پیدا ہوگئی ہے، لہٰذا متنبہ کیا جاتا ہے کہ جس کے اندر خواہ یہ تمام خصلتیں جمع ہوگئی ہوں یا ایک خصلت ہو وہ جان لے کہ اب اس کا نقشہ زندگی منافق کے مطابق ہوتا جا رہا ہے۔ اگر وہ ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے اندر ان خصلتوں کا ہونا مناسب نہیں ہے اور اگر وہ اپنی دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان باتوں کو فوراً چھوڑ دے۔

منافق کی مثال

⑦ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيْرُ اِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَاِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان (ماری ماری) پھرتی ہے کہ (اپنے نر کی تلاش میں) کبھی اس طرف مائل ہو جاتی ہے اور کبھی اس طرف۔" (مسلمؒ)

تشریح: منافق کی مثال اس بکری سے دی گئی ہے جو اپنے نر کی تلاش میں ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہے اسی طرح منافق کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے سامنے چونکہ صرف دنیا کا لالچ اور مال و جان کی حفاظت کا مقصد ہوتا ہے اس لئے وہ مادہ صفت بن کر کبھی تو مسلمانوں کی آغوش میں آکر پناہ لیتا ہے اور کبھی کافروں کے گروہ میں جا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے، نفاق سے نفرت پیدا کرنے کے لئے ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ بہت مؤثر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

⑧ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ يَهُوْدِيٌّ لِصَاحِبِهٖ اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ اِنَّهُ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهُ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَاهُ عَنْ تِسْعِ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوْا اِلٰى ذِيْ سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهُ وَلَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَاْكُلُوا الرِّبَا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصَنَةً وَلَا تَوَلَّوْا لِلْفِرَارِ يَوْمَ الزَّحْفِ وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةً۔ الْيَهُوْدَ اَنْ لَّا تَعْتَدُوْا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَقَالَا نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكُمْ اَنْ تَتَّبِعُوْنِيْ؟ قَالَ اِنَّ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهٗ اَنْ لَّا يَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ نَبِيٌّ وَاِنَّا نَخَافُ اِنْ تَبِعْنَاكَ اَنْ يَقْتُلَنَا الْيَهُوْدُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"حضرت صفوان[1] بن عسال کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک یہودی نے اپنے ایک (یہودی) ساتھی سے کہا کہ آؤ اس نبی ﷺ کے پاس چلیں! اس کے ساتھی نے کہا! انہیں نبی نہ کہو، کیونکہ اگر انہوں نے سن لیا (کہ یہودی بھی مجھے نبی کہتے ہیں) تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوشی سے پھولے نہیں سمائیں گے) بہر حال وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے نو واضح احکام کے بارہ میں سوال کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، جس جان کو مار ڈالنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، کسی بے گناہ کو قتل کرانے کے لئے (اس پر غلط الزام عائد کر کے) حاکم کے پاس مت لے جاؤ، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، پاک دامن عورت کو (زنا کی) تہمت نہ لگاؤ، میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ اور اے یہودیو! تمہارے لئے خاص طور پر واجب ہے کہ یوم شنبہ کے معاملہ میں (حکم الٰہی سے) تجاوز نہ کرو، راوی کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) دونوں یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پیر چوم لئے اور بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ واقعی نبی ہیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا، (جب تمہیں میری رسالت پر یقین ہے تو) میری اتباع سے تم کو کون سا امر مانع ہے؟ انہوں نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ داؤد نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبی ہوا کرے لہٰذا ہم ڈرتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کی پیروی کریں تو یہودی ہمیں مار ڈالیں گے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے اللہ کی جانب سے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ نبوت کی دلیل کے طور پر ان کو جو دو بڑے معجزے عطا کئے گئے تھے ان میں ایک عصاء تھا "عصا" حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ تھا جس کے ذریعہ وہ بڑے بڑے کام انجام دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب فرعون کی جانب سے ان کے اور اس زمانہ کے مشہور ساحروں اور جادوگروں کے درمیان مقابلہ ہوا تو خدا نے ان کو عصا ہی کے ذریعے اس طرح کامیابی عنایت فرمائی کہ ان جادوگروں نے جب اپنے سحر و جادو کے بل بوتہ پر رسیوں کو سانپ بنا کر زمین پر ڈالا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جس نے دیکھتے دیکھتے ایک عظیم اور ہیبت ناک اژدہے کا روپ دھار کر تمام سانپوں کو نگل لیا۔ اس طرح ان کا دوسرا بڑا معجزہ "ید بیضا" تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا دست مبارک بغل میں ڈال کر باہر نکالتے تو وہ آفتاب کی مانند شعاعیں بکھیرنے لگتا تھا۔ اتنے بڑے معجزوں کے باوجود جب ان کی قوم راہ راست پر نہیں آئی تو خدا نے ان کو بلائے عام میں اس طرح مبتلا کر دیا کہ ان پر قحط مسلط کر دیا، اور ان کے پھلوں کی پیداوار میں کمی کر دی پھر بعد میں جب ان کی سرکشی اور نافرمانیاں اور زیادہ بڑھیں تو ان پر مختلف قسم کے عذاب بھیجے جانے لگے۔ مثلاً بارش اتنی کثرت سے برسادی گئی کہ طوفان نے ان کو آگھیرا، ان کے کھیتوں پر ٹڈیاں بھیج دی گئیں جس کی وجہ سے ان کی تیار فصل تباہ و برباد ہونے لگی، یا ان کے غلوں میں گھن کا کیڑا لگا دیا جس نے ان کے غلوں کے انبار کو ختم کرنا شروع کر دیا، ان پر مینڈک کا عذاب بھیج دیا گیا کہ ان کی ہر چیز میں خواہ کھانے کی ہو یا پینے کی مینڈک ہی مینڈک ہو گئے اور پھر ان کا پانی خون کر دیا گیا کہ جب بھی وہ پانی پیتے وہ خون کی شکل اختیار کر لیتا۔ بہر حال یہ نو چیزیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور ان کی نبوت کی خاص نشانیاں تھیں۔

اس حدیث میں ان دونوں یہودیوں نے جن نو واضح احکام کے بارے میں سوال کیا، ان سے یا تو وہی احکام مراد تھے جو آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمائے یا پھر ان کی مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انہی نو معجزات اور نشانیوں کے بارہ میں سرکار دو

[1] صفوان بن عسالؓ مرادی کی نسبت سے مشہور ہیں حضرت علیؓ کے دور خلافت میں آپ کا انتقال ہوا۔

عالم ﷺ کی زبان مقدس سے آگاہی اور توثیق حاصل کرنا تھی اس صورت میں کہا جائے گا کہ یا تو خود آنحضرت ﷺ نے ان کا ذکر اس لئے ہیں کیا کہ یہ قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں اور جو ضروری احکام تھے ان کا حکم ان کو بتادیا، یا یہ کہ ان کے سوال کے جواب میں ان نو چیزوں کا ذکر فرما کر پھر ان کو اپنی طرف سے یہ احکام دیے اور راوی نے ان کے مشہور ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔ رہی اس خاص حکم کی بات جو آنحضرت نے مذکورہ نو احکام کے علاوہ خاص طور پر یہودیوں کو دیا تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح تمام قوموں کے لئے ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لئے مخصوص تھا اسی طرح یہودیوں کے لئے بھی شنبہ کا دن عبادت کے لئے متعین کر دیا گیا تھا اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس دن خدا کی عبادت میں مشغول رہا کریں چونکہ یہ قوم شکار کا خاص ذوق اور شغف رکھتی تھی اس لئے ان کو اس دن شکار سے بھی منع کر دیا گیا، لیکن اس قوم نے اس حکم کو کوئی اہمیت نہیں دی اور سخت ممانعت کے باوجود اس دن مچھلی وغیرہ کا شکار کرنے لگے، خدا کی جانب سے ان کو بار بار متنبہ کیا گیا لیکن جب نہیں مانے تو آخر کار ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا! اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کو اس کے بارہ میں بطور خاص تاکید کی کہ تم اس معاملہ میں خدا کی قائم کی ہوئی حد سے تجاوز نہ کرو اور چونکہ تمہیں اس دن شکار کھیلنے سے منع کر دیا گیا ہے اس لئے اس ممانعت پر عمل کرو اور اس حکم کی نافرمانی مت کرو۔

ان یہودیوں کا آنحضرت ﷺ سے احکام سن کر آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا بطور قبول ہو رصدق دل سے نہیں تھا بلکہ اپنے علم کے اظہار اور اعتراف کے طور پر تھا۔ مطلب یہ کہ یہودیوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا نبی مرسل ہونا پڑھ لیا تھا اور وہ خوب جانتے تھے کہ محمد واقعۃً اللہ کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول ہیں۔ مگر یہ ان کی بدبختی تھی کہ اس صحیح علم کے باوجود ان کو قبول اسلام کی توفیق نہیں ہوتی تھی اور تعصب و ہٹ دھرمی نے ان کو اتنا اندھا کر دیا تھا کہ ان کو بالکل سامنے کی راہ حق نظر نہیں آتی تھی۔ چنانچہ ان دونوں یہودیوں نے بھی اس موقع پر بس اتنا ہی کیا کہ اپنے علم کا اعتراف کر لیا اور گواہی دی کہ آپ ﷺ واقعۃً اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ ظاہر ہے کہ محض علم ہونا یا اپنے علم کا اعتراف کرنا وجود ایمان کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ رہا ان دونوں یہودیوں کا یہ کہنا کہ حضرت داؤد نے یہ دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ ایک نبی ہوا کرے اور ان کی یہ دعا چونکہ یقیناً قبول ہوئی ہو گی اس لئے ان کی اولاد میں سے کسی کا نبی ہونا بھی یقینی ہے اور جب وہ نبی ظاہر ہو گا اور تمام یہودی اس نبی کے تابع و مطیع ہو کر شوکت و غلبہ پائیں گے تو پھر ہماری شامت آجائے گی۔ یعنی تمام یہودی ہمیں اس جرم میں مار ڈالیں گے کہ ہم نے آپ کا دین کیوں قبول کیا۔ اس خوف سے ہم آپ ﷺ پر ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ ظاہر ہے یہ ان دونوں یہودیوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف ایک غلط بات کی نسبت کرنا اور یقینی طور پر کہ ایک مفروضہ اور واہمہ تھا۔ حضرت داؤد نے ہرگز یہ دعا نہیں کی تھی اور وہ اس طرح کی دعا کرتے بھی کیسے، انہوں نے تو خود تورات اور زبور میں پڑھ رکھا تھا کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں اور ان کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہے۔

وہ تین باتیں جو ایمان کی جڑ ہیں

⑨ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ الْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُذْبَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُقَاتِلَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَالْاِيْمَانُ بِالْاَقْدَارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تین باتیں ایمان کی جڑ ہیں ① جو شخص لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لے اس سے جنگ و مخاصمت ختم کر دینا، اب کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اس پر اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ لگاؤ ② جب سے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جہاد ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اس اُمت کے آخر میں ایک شخص آکر دجال سے جنگ کرے گا۔ کسی عادل (بادشاہ) کے عدل یا کسی ظالم کے ظلم کا بہانہ لے کر جہاد ختم نہیں کیا جا سکتا ③ اور تقدیر پر ایمان

لانا۔" (ابوداؤد)

تشریح: کسی مسلمان کو کافر کہنے کی ممانعت اس حدیث نے واضح طور پر ثابت کر دی ہے، مطلب یہ کہ جس طرح اچھے کام کرنے والے کافر کو مسلمان کہنا منع ہے تاوقتیکہ وہ توحید و رسالت کا اقرار نہ کرے اسی طرح کسی مسلمان کو صرف اس کی بداعمالیوں کی بنا پر کافر کہنا بھی سخت جرم ہے جب تک کہ وہ عقیدہ کفریہ کا اعلان نہ کرے پس لَاتُکَفِّرْهُ بِذَنْبٍ (کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو) کے الفاظ میں تو "خارجیوں" کی تردید ہے۔ جن کا کہنا ہے کہ مؤمن اگر گناہ کا مرتکب ہو جائے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور وَلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ (اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اسے خارج اسلام قرار دو) کے الفاظ میں (معتزلہ) کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے خارج از اسلام ہو جاتا ہے اگرچہ کافر نہیں ہوتا۔ مرتکب گناہ کبیرہ کے لئے وہ ایک درمیانی درجہ مانتے ہیں، یعنی نہ تو اس کو مسلمان کہتے ہیں اور نہ کافر۔ بہرحال خارجیوں اور معتزلہ سے قطع نظر موجودہ دور کے ان مسلمانوں کو بھی اس حدیث کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنا چاہیے جو کفر سازی کے کارخانے چلاتے ہیں اور اپنے مکتب فکر کے علاوہ دوسرے تمام مسلمانوں کو بے دریغ کافر قرار دیتے ہیں۔ یہ شقی القلب محض ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کے تحت نہ صرف عام مسلمانوں کو بلکہ علماء حق اور اولیاء اللہ تک کو کافر کہنے سے ذار نہیں جھجکتے۔ ان لوگوں کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنا چاہئے کہ جب لسان نبوت نے عاصی مسلمان کو بھی کافر کہنے سے سخت منع فرمایا ہے تو پھر ان بزرگان دین اور پیشوا اسلام کا کافر کہنا کہ جن کی زندگیوں کا تمام حصہ مذہب کی خدمت و اشاعت میں گزرتا ہے اور جو ان کو کافر نہ کہے اس کو بھی کافر کہنا احکام شریعت اور فرمان رسالت سے کتنا مضحکہ خیز معاملہ ہے جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ عذاب خداوندی اور خسران آخرت کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکتا۔

حدیث میں جن باتوں کو ایمان کی جڑ فرمایا گیا ہے ان میں سے پہلی بات تو وہی ہے جس کی وضاحت اوپر ہوئی۔ دوسری بات "جہاد" ہے، اس بارہ میں ارشاد نبوت کا مطلب یہ ہے کہ اب روئے زمین پر دین حق (جو اللہ کا آخری اور کامل دین ہے) کے ظاہر ہو جانے اور رسول خدا کی رسالت کا اعلان ہو جانے کے بعد سے اس وقت تک کہ آخر میں قیامت کے قریب دجال مارا نہ جائے، یاجوج ماجوج ظاہر ہو کر فنا کے گھاٹ نہ اتر جائیں اور یہ روئے زمین دین کے ایک ایک دشمن اور منکر سے پاک نہ ہو جائے، جہاد برابر جاری رہے گا۔ جہاد کی فرضیت اور اہمیت اس صورت میں بھی ختم نہیں ہوگی جب کہ کوئی اسلامی سربراہ مملکت ظالم و جابر ہو۔ اگر دشمنان دین کے خلاف وہ جہاد کا اعلان کر دے تو اس کو ماننا اور اس کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا شرعی طور پر ضروری ہوگا۔ یہ نہیں کہ اس کے ظلم و جبر کا بہانہ لے کر جہاد میں شریک اور مددگار بننے سے انکار کر دیا جائے اسی طرح اگر کسی دشمن دین قوم کا سربراہ اور بادشاہ اتفاق سے عادل اور منصف مزاج ہو تو ہر چند کہ بادشاہ کا عدل امن و انصاف کا باعث ہوتا ہے، لیکن اسلام کی شوکت بڑھانے اور دین کا بول بالا کرنے کے لئے اس عادل بادشاہ کی قوم کے خلاف بھی جہاد کو غیر ضروری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تیسری بات تقدیر پر اعتقاد و یقین رکھنا ہے یعنی ایمان کی سلامتی کے لئے یہ یقین رکھنا اشد ضروری ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو بھی حادثات و واقعات پیش آتے ہیں وہ سب قضا و قدر الٰہی کے تحت ہے۔

ارتکاب زنا کے وقت ایمان باہر آجاتا ہے

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زَنَی الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِیْمَانُ فَکَانَ فَوْقَ رَاْسِهٖ کَالظُّلَّةِ فَاِذَا خَرَجَ مِنْ ذٰلِكَ الْعَمَلِ رَجَعَ اِلَیْهِ الْاِیْمَانُ۔ (رواہ الترمذی والبوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے اور پھر جب وہ اس معصیت سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔" (ترمذی، ابوداؤدؒ)

تشریح: حافظ ابن تیمیہؒ نے اس موقع پر بڑی اچھی مثال دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک گناہ گار کی مثال ایسی ہے۔ جیسی آنکھیں بند کرنے کے بعد ایک بینا شخص اپنی آنکھیں بند کرے تو اسے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اور اس لحاظ سے یہ بینا اور ایک نابینا دونوں برابر ہو جاتے ہیں، نہ یہ دیکھتا ہے نہ وہ، لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا آنکھوں کی روشنی ہی نہیں رکھتا اور بینا اگرچہ روشنی تو رکھتا ہے مگر غلاف چشم کی وجہ سے وہ روشنی کام نہیں کرتی اسی طرح ایک مؤمن کے نور بصیرت پر جب بہیمیت و ضلالت کا حجاب پڑ جاتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت اور طاعت کا فرق نہیں پہنچانتا۔

اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مؤمن جس حالت میں زنا کرتا ہے اس کا نور ایمانی بہیمیت و معصیت کی تاریکی سے ایسا مدہم پڑ جاتا ہے کہ اسے بھی معصیت کرنے میں کوئی باق نہیں رہتا اور جب بندہ اس معصیت کے بعد صدق دل سے توبہ کر لیتا ہے تو یہ حجاب بہیمیت پر چاک ہو جاتا ہے، اور نور ایمانی پھر جگمگانے لگتا ہے۔ (ترجمان السنۃ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت معاذؓ کو دس باتوں کی وصیت

⑪ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ کَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیْكَ وَاِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَھْلِكَ وَمَالِكَ وَلَا تَتْرُکَنَّ صَلَاۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلَاۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِاَتْ مِنْہُ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّہٗ رَأْسُ کُلِّ فَاحِشَۃٍ وَاِیَّاكَ وَالْمَعْصِیَۃَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِیَۃِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰہِ وَاِیَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ ھَلَكَ النَّاسُ وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِیْھِمْ فَاثْبُتْ وَاَنْفِقْ عَلٰی عِیَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْھُمْ عَصَاكَ اَدَبًا وَاَخِفْھُمْ فِی اللّٰہِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، چنانچہ فرمایا: ① اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں جان سے مار ڈالا جائے اور جلا دیا جائے ② اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تمہیں اپنے اہل اور مال چھوڑ دینے کا حکم دیں ③ جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑو کیونکہ جو شخص عمداً نماز چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں ④ شراب مت پیو کیونکہ شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے ⑤ اللہ کی نافرمانی اور گناہ سے بچو کیونکہ نافرمانی کرنے سے اللہ کا غصہ اتر آتا ہے۔ ⑥ جہاد میں دشمنوں کو ہرگز پیٹھ نہ دکھلاؤ اگرچہ تمہارے ساتھ کے تمام لوگ ہلاک ہو جائیں۔ ⑦ جب لوگوں میں موت (وباء کی صورت میں) پھیل جائے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہو یعنی ان کے درمیان سے بھاگو مت۔ ⑧ اپنے اہل و عیال پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرتے رہو۔ ⑨ تادیباً اپنا ڈنڈا ان سے نہ ہٹاؤ۔ ⑩ اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انہیں ڈراتے رہو یعنی اہل و عیال میں سے کسی کو سزاءً یا تادیباً کچھ مارنا پیٹنا ضروری ہو تو اس سے پہلو تہی نہ کرو اور ان کو اچھی اچھی باتوں کی نصیحت و تلقین کرتے رہا کرو اور دین کے احکام و مسائل کی تعلیم دیا کرو اور ان کو بری باتوں سے بچانے کی کوشش کرو۔" (احمدؒ)

تشریح: شرک اپنی برائی کے اعتبار سے کس قدر خطرناک ہے اور اخروی حیثیت سے کتنی ہلاکت خیزی رکھتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو وصیت فرمائی کہ اگر تمہیں جان سے مار ڈالے جانے کا بھی خطرہ ہو یا تمہیں آگ میں ڈالا جا رہا ہو تو بھی تم توحید کے معاملہ میں اپنے عقیدہ سے ایک انچ نیچے مت اترنا بلکہ موت کی پروا کئے بغیر اپنے اعتقاد پر پختگی کے ساتھ قائم رہنا، تاہم جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے تو کہا جاتا ہے کہ حضرت معاذؓ چونکہ اپنی فطرت کے اعتبار سے شریعت کی پیروی میں انتہائی متنت تھے اور کسی بھی مسئلہ کے اسی پہلو کو اختیار کرتے تھے جو اولیٰ ہوتا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے مزاج اور ذوق کے

مطابق اس قدر اہمیت کے ساتھ ان کو حکم دیا، ورنہ ایسے موقع پر جب کہ اپنے ایمان و اسلام کا اظہار اپنی موت کو دعوت دینے والا اور کفرو شرک کا کلمہ زبان سے ادا کئے بغیر جان نہ بچتی ہو تو اس کی اجازت ہے کہ کفرو شرک کا کوئی کلمہ زبان سے ادا کرے بشرطیکہ دل میں ایمان پوری طرح موجود رہے۔ "والدین کی اطاعت و فرمانبرداری" کی بھی اہمیت و تاکید ہی کو ظاہر کرنے کے لئے بطور مبالغہ فرمایا گیا کہ اگر ماں باپ تمہیں تمہارے اہل و عیال سے الگ ہو جانے یا تمہیں تمہارے مال و اسباب اور املاک و جائداد سے دستبردار ہو جانے کا بھی حکم دیں تو اس حکم کی اطاعت کرو، اس بارے میں بھی اصل مسئلہ یہ ہے کہ ماں باپ کا یہ حکم ماننا واجب نہیں ہے تاکہ حرج و نقصان میں مبتلا ہونا لازم نہ آئے۔ "فرض نماز" کی اہمیت جتلانے کے لئے فرمایا گیا کہ اگر تم جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑ دو گے تو پھر اپنے آپ کو دنیا اور آخرت میں خدا کی ذمہ داری سے باہر سمجھو، دنیا میں تم اس اعتبار سے کہ اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کے قانون کے تحت جس تعزیر کے مستوجب قرار پاؤ گے اس میں اللہ کی طرف سے کوئی امن و عافیت تمہیں نہیں ملے گی اور آخرت میں اس اعتبار سے کہ وہاں ترک نماز کے سبب خود اللہ تمہیں عذاب میں گرفتار کرے گا۔ "دشمن کو پیٹھ دکھانے" کے بارے میں "جیساکہ پہلے بھی گزرا" یہ مسئلہ ہے کہ اگر دشمن دو تہائی تک بھی زائد ہوں یعنی ایک مسلمان کے مقابلہ پر دو دشمن دین ہوں تو اس صورت میں مقابلہ سے ہٹ جانا اور راہ فرار اختیار کرنا کسی مسلمان کو ہرگز جائز نہیں ہے ہاں اگر ایک کے مقابلہ میں دو سے زائد ہوں تو پھر تباہی کا خطرہ دیکھ کر مقابلہ سے ہٹ جانا اور جان بچانے کے لئے راہ فرار اختیار کر لینا جائز ہو گا۔ پس آنحضرت ﷺ نے معاذؓ کو یہ حکم مبالغہ کے طور پر دیا کہ تم کسی بھی صورت میں اپنے دشمن کو پیٹھ مت دکھانا خواہ تمہارے تمام ساتھی شہید ہو جائیں اور دشمن کے مقابلہ پر تم تنہا ہی کیوں نہ رہ جاؤ اس حدیث میں ایک اعتقادی کمزوری کی بھی نشان دہی کی گئی ہے اور اس کے خلاف حضرت معاذؓ کو متنبہ کیا گیا۔ یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی آبادی میں کوئی وبا پھیل جاتی ہے اور موتیں کثرت سے واقع ہونے لگتی ہیں تو عوام دہشت زدہ ہو کر اپنے گھربار چھوڑ دیتے ہیں اور اس آبادی سے نکل بھاگتے ہیں۔ اس بارے میں بھی اصل مسئلہ یوں ہے کہ جو لوگ اس آبادی میں پہلے سے مقیم نہ ہوں بلکہ دوسری جگہوں پر ہوں تو ان کے لئے جائز ہے کہ وہ اس آبادی سے دور رہیں اور وہاں نہ آئیں لیکن جو لوگ پہلے ہی سے آبادی میں مقیم ہوں ان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ موت کے خوف سے اس آبادی کو چھوڑ دیں اور وہاں سے نکل بھاگیں، کیونکہ وبازدہ آبادی سے نکل بھاگنا ایسا ہی گناہ ہے جیسا دشمن کے مقابلہ سے بھاگ کھڑا ہونے کا بلکہ جو شخص اس اعتقاد سے بھاگے گا کہ اگر یہاں رہا تو مر جاؤں گا اور یہاں سے نکل بھاگنے پر موت سے بچ جاؤں گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اب کفر ہے یا ایمان

⑭ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اِنَّمَا النِّفَاقُ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَاِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ وَالْاِيْمَانُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ نفاق کا حکم آنحضرت ﷺ کے عہد پر ختم ہو گیا لہٰذا اب تو (دو ہی صورتیں ہوں گی کہ) کفر ہو گا یا ایمان۔"

(بخاریؒ)

تشریح: عہد رسالت میں بعض مصلحتوں کی بنا پر منافقین کو مسلمانوں ہی کے حکم میں رکھا جاتا تھا اور ان کی ریشہ دوانیوں و سازشوں سے چشم پوشی کی جایا کرتی تھی، لیکن اب یہ حکم باقی نہیں رہا، فرض کرو اگر کسی مسلمان کے بارے میں یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ شخص مؤمن نہیں ہے، بلکہ حقیقی منافق ہے تو اس پر کفر و ارتداد کا حکم لاگو ہو گا اور اسلامی حکومت اس کو سزائے موت دے دے گی۔

---

[1] آپ کا اسم گرامی حذیفہ بن یمان ہے اور کنیت ابو عبداللہ عیسی ہے۔ آپ کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد چالیسویں دن ۳۶ھ میں ہوئی۔

بَابٌ فِي الْوَسْوَسَةِ

یہ باب وسوسہ کے بیان میں ہے

"وسوسہ" گناہ یا کفر سے متعلق اس خیال کو کہتے ہیں جو دل میں گزرے یا شیطان دل و دماغ میں ڈالے اس کے مقابلہ پر "الہام" اس اچھے اور نیک خیال کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے دل و دماغ میں ڈالا جاتا ہے۔

وسوسہ کی قسمیں

وسوسہ کی مختلف صورتیں اور نوعیتیں ہوتی ہیں اور اسی اعتبار سے علماء نے اس کی الگ الگ قسمیں متعین کی ہیں چنانچہ وسوسہ کی ایک قسم تو "ضروری یعنی اضطراری" ہے اور دوسری قسم "اختیاری" ہے۔ ضروری یا اضطراری وسوسہ اس کو کہتے ہیں کہ کسی گناہ کا یا ایمان و یقین کے منافی کسی بات کا خیال اچانک اور بے اختیار دل و دماغ میں گزر جائے اس کو اصطلاحی طور پر "ہاجس" سے تعبیر کیا جاتا ہے اس (ہاجس) کی معافی گزشتہ امتوں میں بھی رہی ہے اور اس اُمت میں بھی ہے اور اگر وہی برا خیال دل و دماغ میں ٹھہر جائے اور خلجانی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کو "خاطر" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ (خاطر) بھی اُمت سے معاف ہے۔ "اختیاری وسوسہ" اس کو کہتے ہیں کہ کسی گناہ یا ایمان و یقین کے منافی کسی بات کا خیال دل و دماغ میں پیدا ہو، ٹھہرا رہے، لگاتار رہے۔ مستقل خلجان کرتا رہے، طبیعت کی خواہش بھی اس کے کرنے کی ہو اور ایک گونہ لذت و محبت بھی اس کے تئیں محسوس ہو۔ اختیاری وسوسہ کی یہ صورت "ہم" کہلاتی ہے اور یہ بھی صرف اس اُمت سے معاف ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں اور جب تک یہ عملی صورت اختیار نہ کرے اس پر کوئی گناہ نامۂ اعمال میں نہیں لکھا جاتا۔ بلکہ اگر عمل کا قصد ہو جائے اور پھر اپنے آپ کو عمل سے باز رکھے تو اس کے عوض نیکی لکھی جاتی ہے۔ "ہم" کے مقابلہ پر اختیاری وسوسہ کی دوسری صورت کا نام عزم ہے یعنی انسانی طبیعت اور نفس کا کسی برے خیال اور بری بات کو اپنے اندر کرنا اور جمالینا اور نہ صرف یہ کہ اس خیال سے نفرت و کراہیت نہ ہو بلکہ اس پر عمل کرنے کا ایسا پختہ ارادہ کر لینا کہ اگر کوئی خارجی مانع نہ ہو اور اسباب و ذرائع مہیا ہوں تو وہ یقینی طور پر عملی صورت اختیار کر لے وسوسہ کی یہ صورت ایسی ہے جو قابل مواخذہ ہے لیکن اس مواخذہ کی نوعیت عملی طور پر ہونے والے مواخذہ سے ہلکی ہوگی، مطلب یہ کہ وسوسہ جب تک اندر رہے گا اس پر کم گناہ ہوگا اور جب اندر سے نکل کر عملی صورت اختیار کرے گا تو گناہ زیادہ ہوگا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ وسوسہ کی مذکورہ بالا تقسیم ان افعال و اعمال کی نسبت سے ہے جن کے وقوع اور صدور کا تعلق ظاہری اعضاء جسم سے ہے جیسے زنا اور چوری وغیرہ وغیرہ جو باتیں دل و دماغ کا فعل کہلاتی ہیں جیسے برا عقیدہ اور حسد وغیرہ وغیرہ تو وہ اس تقسیم میں داخل نہیں ہیں ان کے ہمیشہ استمرار پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

وسوسوں کی معافی

(۱) وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ بِهٖ اَوْ تَتَكَلَّمْ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لوگوں کے ان وسوسوں کو

معاف کر دیا ہے جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں جب تک کہ وہ ان وسوسوں پر عمل نہ کریں اور ان کو زبان پر نہ لائیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

وسوسہ کو برا سمجھنا ایمان کی علامت ہے

② وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ فِيْ اَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ يَتَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ اَوَقَدْ وَجَدْتُمُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ذَاكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کے چند صحابی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اپنے دلوں میں بعض ایسی باتیں (یعنی وسوسے) پاتے ہیں جس کا زبان پر لانا بھی ہم برا سمجھتے ہیں۔ سرکار نے پوچھا! کیا تم واقعی ایسا پاتے ہو۔ (کہ جب کوئی ایسا وسوسہ تمہارے اندر پیدا ہوتا ہے تو خود تمہارا دل اس کو ناپسند کرتا ہے اور اس کا زبان پر لانا بھی تم برا جانتے ہو؟) صحابہؓ نے عرض کیا! جی ہاں تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھلا ہوا ایمان ہے۔" (مسلمؒ)

شیطان وسوسے پیدا کرے تو اللہ کی پناہ مانگو

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِي الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتّٰى يَقُوْلَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ؟ فَاِذَا بَلَغَهٗ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ تا آنکہ پھر وہ یوں کہتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب نوبت یہاں تک آجائے تو اس کو چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے اور اس سلسلہ کو ختم کر دے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: شیطان انسان کے روحانی ارتقاء کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کا بنیادی نصب العین ہی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو، جو اللہ کی ذات و صفات پر ایمان و یقین رکھتے ہیں، ورغلانے اور بہکانے میں لگا رہے، یہی نہیں کہ وہ فریب کاری کے ذریعہ انسان کے نیک عمل اور اچھے کاموں میں رکاوٹ اور تعطل پیدا کرنے کی سعی کرتا رہے بلکہ اس زبردست قدرت کے بل پر کہ جو حق تعالیٰ نے تکوینی مصلحت کے تحت اس کو دی ہے۔ وسوسہ اندازی کے ذریعہ انسان کی سوچ' فکر اور خیالات کی دنیا میں مختلف انداز کے شبہات اور برائی بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جن لوگوں کی سوچ' فکر اور خیالات کے سرچشموں پر ایمان و یقین کی مضبوط گرفت ہوتی ہے وہ اپنے ایمان کی فکری اور شعوری طاقت سے شیطان کے وسوسوں کو ناکارہ بنا دیتے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں جہاں بعض شیطانی وسوسوں کی نشان دہی کی گئی ہے وہیں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جو ان وسوسوں کو غیر مؤثر اور ناکارہ بنانے سے تعلق رکھتا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ پہلے تو شیطان اللہ کی مخلوقات اور موجودات کے بارہ میں وسوسہ اندازی کرتا ہے، مثلاً فکر و خیال میں یہ بات ڈالتا ہے کہ انسان کا وجود کس نے بنایا، یہ زمین و آسمان کی تخلیق کس کا کارنامہ ہے، چونکہ اللہ کی ذات و صفات پر ایمان رکھنے والوں کی عقل سلیم کائنات کی تمام مخلوقات و موجودات کی تخلیقی و تکوینی نوعیت کا بدیہی شعور و ادراک رکھتی ہے اس لئے مخلوقات کی حد تک شیطان کی وسوسہ اندازی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن معاملہ وہاں نازک ہو جاتا ہے جب یہ سلسلہ نازک ہو کر ذات باری تعالیٰ تک پہنچ جائے اور وسوسہ شیطانی دل و دماغ سے سوال کرے جب یہ زمین و آسمان اور ساری مخلوقات اللہ کی پیدا کردہ ہیں تو پھر خود اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا گیا کہ جوں ہی یہ وسوسہ پیدا ہو اپنے اللہ سے پناہ مانگو اور اپنے ذہن سے اس فاسد خیال کو فوراً جھٹک دو تاکہ وسوسۂ شیطانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اللہ کی پناہ چاہنے کا مطلب محض زبان سے چند الفاظ ادا کر لینا نہیں ہے بلکہ یہ کہ ایک طرف تو اپنے فکر و خیال کو یکسو کر کے اس عقیدہ و یقین کی گرفت میں دے دو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے، وہ واجب الوجود ہے اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور

دوسری طرف ریاضت و مجاہدہ اور ذات باری تعالیٰ کے ذکر و استغراق کے ذریعہ اپنے نفس کے تزکیہ اور ذہن و فکر کے تحفظ اور سلامتی کی طرف متوجہ رہو۔ وسوسہ کی راہ روکنے کا ایک فوری مؤثر طریقہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجلس بدل دی جائے۔ یعنی جس جگہ بیٹھے یا لیٹے ہوئے اس طرح کا وسوسہ پیدا ہو وہاں سے فوراً ہٹ جائے اور کسی دوسری جگہ جا کر کسی کام اور مشغلہ میں لگ جائے اس طرح دھیان فوری طور پر ہٹ جائے گا اور وسوسہ کی راہ ماری جائے گی۔

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! لوگ ہمیشہ اپنے دل میں مخلوقات وغیرہ کے بارے میں خیالات پکارتے رہیں گے، یہاں تک کہ کہا جائے گا (یعنی دماغ میں یہ وسوسہ آئے گا) کہ اس تمام مخلوق کو خدا نے پیدا کیا ہے (تو) خدا کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس شخص کے دل و دماغ میں اس قسم کا کوئی خیال اور وسوسہ پیدا ہو تو وہ یہ کہے کہ میں خدا تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: شیطان کی وسوسہ اندازی اور گمراہ کن خیالات کی یورش سے بچنے کے لئے ایک طریقہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسے موقع پر (میں اللہ پر اس کے رسول پر ایمان لایا) پڑھنا چاہیے، اس کلمہ کے ورد کے ذریعہ زبان یہ اقرار و اعتراف کرے گی کہ میں اللہ کی ذات پر اور اس کے سچے رسول پر ایمان رکھتا ہوں جس نے ہمیں آگاہ کیا ہے کہ اس کی ذات واجب الوجود ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا بلکہ تمام جہاں کا اور تمام چیزوں کا وہی خالق ہے وہی دل و دماغ میں ان باتوں کی صحت و صداقت کا یقین راسخ ہوگا اور ذہن و فکر کو برے خیالات سے تحفظ و سلامتی حاصل ہوگی جس کے سبب شیطان اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے

⑤ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِيَّايَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ ایک ہمزاد جنوں (شیطان میں سے اور ایک ہمزاد فرشتوں میں سے مقرر نہ کیا گیا ہو، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی لیکن خدا نے مجھ کو اس (جن مؤکل) سے مقابلہ کرنے میں مدد دے رکھی ہے اس لئے میں اس (کے مکر و فریب اور اس کی گمراہی) سے محفوظ رہتا ہوں، بلکہ یہاں تک کہ) وہ بھی مجھے بھلائی کا مشورہ دیتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ مؤکل ہوتے ہیں ان میں سے ایک تو فرشتہ ہے جو نیکی و بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور انسان کو اچھی باتیں و نیک کام سکھاتا ہے اور اس کے قلب میں خیر و بھلائی کی چیزیں ڈالا رہتا ہے، اس کو "ملہم" کہتے ہیں، دوسرا ایک جن (شیطان) ہوتا ہے، جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو برائی کے راستہ پر ڈالتا رہتا ہے۔ چنانچہ وہ گناہ و معصیت کی باتیں بتاتا ہے اور دل میں برے خیالات و غلط وسوسے پیدا کرتا رہتا ہے اس کا نام "وسواس" ہے۔

شیطان انسان کی رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے

⑥ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے اندر شیطان اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جیسے رگوں میں خون گردش کرتا

رہتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ شیطان انسان کو بہکانے کی کامل قدرت رکھتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ مختلف ظاہری صورتوں میں اچھے انسانوں اور نیک بندوں کو نیکی و بھلائی کے راستہ پر چلنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے بلکہ انسان کی داخلی کائنات میں گھس کر اس کے ذہن و فکر اور اس کے قلب و دماغ کو پراگندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ولادت کے وقت بچہ کا رونا شیطانی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ بَنِیْ آدَمَ مَوْلُوْدٌ اِلَّا یَمَسُّهُ الشَّیْطَانُ حِیْنَ یُوْلَدُ فَیَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّیْطَانِ غَیْرَ مَرْیَمَ وَابْنِهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی آدم کے یہاں جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو چھوتا ہے جس کی وجہ سے بچہ چیخ اٹھتا ہے لیکن ابن مریم (حضرت عیسی علیہ السلام) اور ان کی ماں کو شیطان نے نہیں چھوا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: شیطان کے چھونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ولادت کے وقت بچہ کی کوکھ میں اپنی انگلیاں اس طرح مارتا ہے کہ بچہ تکلیف محسوس کرتا ہے اور چلا چلا کر رونے لگتا ہے۔ اس شیطانی ایذا کا شکار ہر بچہ ہوتا ہے۔ صرف حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے حضرت عیسی علیہ السلام اس شیطانی عمل سے محفوظ رہے تھے ان دونوں کا محفوظ رہنا بظاہر اس دعا کی مقبولیت کا نتیجہ تھا جو حضرت مریمؑ کی والدہ نے کی تھی اور جس کو قرآن نے یوں نقل کیا ہے۔

اِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ (آل عمران ۳۶)

"(اے خدا) میں اس مریمؑ کو اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔"

حدیث میں مریمؑ اور عیسی علیہ السلام کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کی والدہ سے صراحۃً دعا منقول ہے اس لئے حضور ﷺ نے بھی صراحۃً اس کے قبول ہونے کو ظاہر فرمادیا ہے۔ لہٰذا یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے انبیاء کو شیطان نے بوقت ولادت چھوا ہو اور ان کو تکلیف پہنچائی ہو۔

یہاں یہ اشکال بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اگر شیطان کو اتنی قدرت ہو تو وہ سب کو ہلاک کردے۔ کیونکہ شیطان کو صرف اتنی ہی قدرت دی گئی ہے وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرسکتا اور نہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی کو اس سے زیادہ تکلیف پہنچا کر ہلاک کردے، دوسرے شیطان کے مقابلہ میں ملائکہ بھی تو ہوتے ہیں جو نگہبانی کرتے ہیں اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کو جتنی قدرت دی گئی ہے اس سے تجاوز کرجائے اور اپنے کسی مہلک ارادہ میں کامیاب ہوجائے۔

⑧ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صِیَاحُ الْمَوْلُوْدِ حِیْنَ یَقَعُ نَزْغَةٌ مِنَ الشَّیْطَانِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! ولادت کے وقت بچہ اس لئے چلاتا ہے کہ شیطان اس کو کچوکے لگاتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

میاں بیوی کے درمیان شیطان کا پسندیدہ کام

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اِبْلِیْسَ یَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَآءِ ثُمَّ یَبْعَثُ سَرَایَاهُ یَفْتِنُوْنَ النَّاسَ فَاَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً اَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً یَجِیْئُ اَحَدُهُمْ فَیَقُوْلُ فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا فَیَقُوْلُ مَاصَنَعْتَ شَیْئًا قَالَ ثُمَّ یَجِیْئُ اَحَدُهُمْ فَیَقُوْلُ مَاتَرَكْتُهُ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَیْنَهُ وَبَیْنَ اِمْرَاَتِهٖ قَالَ فَیُدْنِیْهِ مِنْهُ وَیَقُوْلُ نِعْمَ اَنْتَ قَالَ الْاَعْمَشُ اَرَاهُ قَالَ

فَيَلْتَزِمُهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابلیس اپنا تخت حکومت پانی (یعنی سمندر) پر رکھتا ہے۔ پھر وہاں سے اپنی فوجوں کو روانہ کرتا ہے تاکہ لوگوں کو فتنہ اور گمراہی میں مبتلا کریں۔ اس کی فوجوں میں ابلیس کا سب سے بڑا مقرب وہ ہے جو سب سے بڑا فتنہ انداز ہو۔ ان میں سے ایک واپس آکر کہتا ہے۔ میں نے فلاں فلاں فتنے پیدا کئے ہیں، ابلیس اس کے جواب میں کہتا ہے: تو نے کچھ نہیں کیا، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے! میں نے (ایک بندہ کو گمراہ کرنا شروع کیا اور) اس وقت تک اس شخص کا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہ ڈلوادی۔ آنحضرت فرماتے ہیں کہ ابلیس (یہ سن کر) اس کو اپنے قریب بٹھالیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے اچھا کام کیا (حدیث کے ایک راوی) اعمشؒ کہتے ہیں میرا خیال ہے جابرؓ نے بجائے (فیدنیہ کے) فیلتذمہ (پس ابلیس اس کو گلے لگالیتا ہے) کے الفاظ نقل کیے تھے۔" (مسلم)

تشریح: جدائی ڈلوانے سے مراد لڑائی جھگڑے کے ذریعہ مرد کی زبان سے ناسمجھی میں ایسے الفاظ ادا کر دینا ہے جن سے اس کی بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے۔ طلاق بائن میں عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے، اس سے شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرد اپنی جہالت کے سبب اس عورت کو اپنے نکاح میں داخل سمجھتے ہوئے اس سے صحبت کرتا رہے جو دراصل حرام کاری ہوتی ہے اور اس طرح کے لوگوں کی حرام کاری کے نتیجہ میں ناجائز اولاد پیدا ہوتی رہے، جس سے روئے زمین پر ناجائز اولاد کی تعداد بڑھتی رہے اور وہ ناجائز پیدا ہونے والے لوگ دنیا میں فسق و فجور اور گناہ و معصیت زیادہ سے زیادہ پھیلاتے رہیں۔

جزیرۃ العرب میں توحید کی مضبوط بنیاد سے شیطان مایوسی کا شکار!

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ اَيِسَ مِنْ اَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں مصلی (یعنی مسلمان) اس کی پرستش کریں لیکن ان کے درمیان فتنہ و فساد پھیلانے سے مایوس نہیں ہوا ہے۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ جزیرۃ العرب میں ایمان و اسلام کی جڑیں اتنی مضبوط ہو گئیں ہیں اور توحید کا کلمہ یہاں کے لوگوں کے دل و دماغ میں اس طرح جم گیا ہے کہ اب اس خطہ ارض میں بت پرستی جیسی لعنت کبھی نظر نہیں آئے گی چنانچہ اس بارہ میں شیطان نے بھی اپنی شکست تسلیم کر لی ہے اور وہ اس بات سے قطعًا مایوس ہو گیا ہے کہ یہاں کے مؤمن و مسلمان اس کے بہکاوے میں آکر بت پرستی اور دوسری کھلی ہوئی مشرکانہ حرکتوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں، لیکن بہر صورت بہکانا اور ورغلانا چونکہ شیطان کی فطرت ہے اس لئے اس نے جزیرۃ العرب کے لوگوں میں اپنا مشن ختم نہیں کیا ہے اور اس بات میں پر امید ہے کہ ان کے درمیان طرح طرح جذبات ابھار کر ان کو آپس میں لڑایا جا سکتا ہے۔ ان کو افتراق و انتشار کے فتنوں میں مبتلا کیا جا سکتا ہے۔

اس حدیث کے پس منظر میں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ زمانہ رسالت سے لے کر آج تک کبھی بھی جزیرۃ العرب میں بت پرستی نہیں ہوئی۔ کھلے ہوئے مشرکانہ اعمال کا کبھی مظاہرہ نہیں ہوا۔ یہ دوسری بات ہے کہ شیطان کمزور عقیدہ لوگوں کو ایمان و اسلام سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو گیا، کچھ لوگ مرتد ہو گئے ہوں لیکن ان میں سے بھی کوئی بت پرست ہو گیا ہو ایسا ہر گز نہیں ہوا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

شیطانی وسوسہ سے محفوظ رہنے پر اللہ کا شکر ادا کرو

⑪ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَآءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّیْ اُحَدِّثُ نَفْسِیْ بِالشَّیْءِ لَاَنْ اَکُوْنَ حُمَمَۃً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَتَکَلَّمَ بِہٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ اَمْرَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابیؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا (یا رسول اللہ) میں اپنے اندر ایسا (برا) خیال پاتا ہوں کہ زبان سے اس کے اظہار کے بجائے جل کر کوئلہ ہو جانا مجھ کو زیادہ پسند ہے۔ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا! اللہ کا شکر ادا کرو جس نے اس خیال کو وسوسہ کی حد تک رکھا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: شیطان نے ان صحابیؓ کے اندر کوئی برا خیال ڈال دیا ہوگا جس سے ان کے ایمان کی حسیاتی کیفیت بے چین ہو گئی ہوگی اور وہ بھاگتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو تسلی دی کہ اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو اللہ کا بڑا فضل ہے کہ تمہارا ایمانی احساس و شعور پوری طرح بیدار ہے اور اس برے خیال کو خود تمہارے دل و دماغ نے قبول نہیں کیا اور وہ "وسوسہ" کی حد سے آگے بڑھنے نہیں پایا۔ اس طرح کے وسوسہ پر نہ کوئی مواخذہ ہے اور نہ کسی نقصان کا خدشہ، اس کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف قرار دیا ہے، ہاں اگر وہ برا خیال وسوسہ کی حد سے آگے بڑھ کر تمہاری زبان یا عمل سے ظاہر ہو جاتا تو پھر تمہارے لئے خطرہ کی بات تھی۔

اپنے اندر نیکی کی تحریک پر اللہ کا شکر ادا کرو اور شیطان کی وسوسہ اندازی کے وقت اللہ کی پناہ چاہو

⑫ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلشَّیْطَانِ لَمَّۃً بِابْنِ اٰدَمَ وَلِلْمَلَکِ لَمَّۃً فَاَمَّا لَمَّۃُ الشَّیْطَانِ فَاِیْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَکْذِیْبٌ بِالْحَقِّ وَاَمَّا لَمَّۃُ الْمَلَکِ فَاِیْعَادٌ بِالْخَیْرِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِکَ فَلْیَعْلَمْ اَنَّہٗ مِنَ اللّٰہِ فَلْیَحْمَدِ اللّٰہَ وَمَنْ وَجَدَ الْاُخْرٰی فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ثُمَّ قَرَأَ اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَاءِ (البقرۃ ۲۶۸) رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان پر ایک تصرف تو شیطان کا ہوا کرتا ہے اور ایک تصرف فرشتہ کا شیطان کا تصرف تو یہ ہے کہ وہ برائی پر ابھارتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہے کہ وہ نیکی پر ابھارتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا جو شخص (نیکی پر فرشتہ کے ابھارنے کی) یہ کیفیت اپنے اندر پائے تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے (ہدایت) ہے اس پر اس کو اللہ کا شکر بجالانا چاہیے اور جو شخص دوسری کیفیت (یعنی شیطان کی وسوسہ اندازی) اپنے اندر پائے تو اس کو چاہیے کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرے پھر آپ ﷺ نے یہ قرآنی آیت پڑھی (جس کا ترجمہ ہے) شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور گناہ کے لئے اکساتا ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: فرشتہ کے ابھارنے کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ نیکی کی اہمیت اور نیکی پر ملنے والے اجر و انعام کی کشش ظاہر کرتا ہے اور انسان کے احساس و شعور میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اللہ کا سچا دین ہی انسانیت کی بقا و ترقی کا ضامن ہے اللہ کے رسول جو شریعت لے کر آئے ہیں اسی میں بنی آدم کی دنیاوی اور آخروی نجات پوشیدہ ہے۔ اگر اپنی فلاح و نجات چاہتے ہو تو برائی کے راستہ سے بچو اور نیکی کے راستہ کو اختیار کرو۔ شیطان کا ابھارنا یہ ہوتا ہے کہ وہ راہ حق کو تاریک کر کے دکھاتا ہے وسوسہ اندازی کے ذریعہ دین کی بنیادی باتوں مثلاً توحید، نبوت

آخرت اور دوسرے معتقدات میں تردد و تشکیک پیدا کرتا ہے۔ نیکی کو بدنما صورت میں اور بدی کو اچھی شکل و صورت میں پیش کرتا ہے، انسانی دماغ میں یہ بات بٹھانے کی سعی کرتا ہے کہ اگر ان چیزوں کو اختیار کرو گے جو نیکی سے تعبیر کی جاتی ہیں تو پریشانیاں اٹھاؤ گے، تکلیفیں، برداشت کرو گے، مثلاً توکل و قناعت کی زندگی اختیار کرو گے اور اپنے اوقات کو دنیا سازی میں صرف کرنے کی بجائے اللہ کی عبادت اور دین کی خدمت میں لگاؤ گے تو تم نہ مال و دولت حاصل کر پاؤ گے اور نہ دنیا کی کوئی آسائش و راحت اٹھا پاؤ گے، الٹے فقر و محتاجگی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

وسوسے پیدا ہوں تو شیطان کو تھتکار دو اور اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو

⑬ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ النَّاسُ یَتَسَآءَلُوْنَ حَتّٰى یُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَاِذَا قَالُوْا ذٰلِكَ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ثُمَّ لِیَتْفُلْ عَنْ یَّسَارِهٖ ثَلَاثًا وَّلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَسَنَذْكُرُ حَدِیْثَ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِ فِیْ بَابِ خُطْبَةِ یَوْمِ النَّحْرِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا! لوگ (پہلے تو مخلوقات وغیرہ کے بارے میں) پوچھا پوچھی کریں گے۔ اور پھر آخر میں یہ سوال کھڑا کیا جائے گا کہ ساری مخلوقات کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو خود اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جب یہ سوال کھڑا کیا جائے تو تم کہو اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ کسی نے اس کو جنا ہے۔ اور کوئی اس کا ہمسر (یعنی جوڑا نہیں ہے) پھر اپنی بائیں طرف تین بار تھتکار دو۔ اور شیطانِ مردود سے اللہ کی پناہ مانگو۔ (ابوداؤد) اور (صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں) کہ عمرو ابن احوصؓ کی روایت (جس کو صاحب مصابیح نے یہاں نقل کیا تھا) ہم اس کو (خطبہ یوم النحر) کے باب میں نقل کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ (کیونکہ وہ روایت اسی باب کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے)۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

شیطانی وسوسوں سے چوکنا رہو

⑭ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَنْ یَّبْرَحَ النَّاسُ یَتَسَآءَلُوْنَ حَتّٰى یَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا یَزَالُوْنَ یَقُوْلُوْنَ مَا كَذَا مَا كَذَا حَتّٰى یَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ۔

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! لوگ آپس میں پوچھا پوچھی کرتے رہیں گے (یعنی شیطانی وسوسوں کی صورت میں ان کے اندر اس طرح کے خیالات پیدا ہوتے رہیں گے) کہ جب ہر چیز کو خدا نے پیدا کیا (تو) خدائے بزرگ و برتر کو کس نے پیدا کیا؟ (بخاریؒ و مسلمؒ کی روایت میں یوں ہے! انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ ﷺ کی اُمت کے لوگ (اگر شیطان کے وسوسہ اندازی سے چوکنا نہ رہے تو پہلے) یوں کہیں گے کہ یہ کیا ہے؟ اور یہ کیسے ہوا؟ (یعنی مخلوقات کے بارے میں تحقیق و تجسس کریں گے) اور پھر آخر میں یہ کہیں گے کہ تمام چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو خدائے بزرگ و برتر کو کس نے پیدا کیا ہے؟۔"

نماز کے دوران شیطان کی خلل اندازی

⑮ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ حَالَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ صَلَاتِیْ وَبَیْنَ قِرَآءَتِیْ

يُلَبِّسُهَا عَلَيَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهٗ خِنْزَبٌ فَاِذَا اَحْسَسْتَهٗ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَاتْفُلْ عَلٰى يَسَارِكَ ثَلاَثًا فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَذْهَبَهُ اللّٰهُ عَنِّيْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عثمانؓ ابن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان شیطان حائل ہو جاتا ہے اور ان چیزوں میں شبہ ڈالتا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ شیطان ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے۔ پس جب تمہیں اس کا احساس ہو (کہ شیطان وسواس و شبہات میں مبتلا کرے گا) تو تم اس (شیطان مردود) سے خدا کی پناہ مانگو اور بائیں طرف تین دفعہ تھتکار دو۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق) میں نے اسی طرح کیا تو خدا تعالیٰ نے مجھے اس کے وسواس و شبہات سے محفوظ رکھا۔" (مسلمؒ)

وہم اور وسوسہ کو نظر انداز کر کے اپنی نماز جاری رکھو

(۱۶) وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَهٗ فَقَالَ اِنِّيْ اَهِمُ فِيْ صَلاَتِيْ فَيَكْبُرُ ذٰلِكَ عَلَيَّ فَقَالَ لَهٗ اِمْضِ فِيْ صَلاَتِكَ فَاِنَّهٗ لَنْ يَذْهَبَ ذٰلِكَ عَنْكَ حَتّٰى تَنْصَرِفَ وَاَنْتَ تَقُوْلُ مَا اَتْمَمْتُ صَلاَتِيْ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت قاسمؒ بن محمدؒ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے اپنی نماز میں وہم ہوتا رہتا ہے (یعنی کبھی تو یہ شک ہوتا ہے کہ میری نماز درست ادا نہیں ہوئی کبھی یہ وہم ہو جاتا ہے کہ ایک رکعت پڑھنے سے رہ گئی ہے) اس کی وجہ سے مجھے گرانی ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا (تم اس طرح کے خیال پر دھیان نہ دو اور) اپنی نماز پوری کرو، اس لئے کہ وہ (شیطان) تم سے جب ہی دور ہوگا کہ تم اپنی نماز پوری کر لو اور کہو کہ ہاں میں نے اپنی نماز پوری نہیں کی۔" (مالکؒ)

تشریح: نماز ہی وہ سب سے اہم عبادت ہے جس میں اللہ کے نیک بندوں کو بہکانے اور ورغلانے کے لئے شیطان اپنی سعی و کوشش سب سے زیادہ صرف کرتا ہے یہ شیطان کی تخریب کاری ہوتی ہے۔ جو عام لوگوں کو نماز کے دوران پوری ذہنی یکسوئی سے محروم رکھتی ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز کی نیت باندھتے ہی دل و دماغ میں دنیا بھر کے خیالات کا اجتماع ہونا شروع ہو جاتا ہے، وہ باتیں جو کبھی یاد نہیں آتیں نماز ہی کے دوران ذہن میں کلبلانے لگتی ہیں۔ شیطان طرح طرح کے وسوسے اور خیالات پیدا کرتا رہتا ہے، کبھی تو یہ پھونک دیتا ہے کہ نماز مکمل نہیں ہوئی ہے بلکہ ایک رکعت یا دو رکعت چھوٹ گئی ہے، کبھی یہ وہم گزار دیتا ہے کہ نماز صحیح نہیں ہوئی ہے۔ فلاں رکن ترک ہو گیا ہے۔ قرأت میں فلاں آیت چھوٹ گئی ہے۔ اس وسوسہ اندازی سے شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نمازی اپنی نماز کا سلسلہ منقطع کر دے اور نیت توڑ دے۔ شیطان کی اس تخریب کاری سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب شیطانی اثر سے اس طرح کے واہمے اور شکوک پیدا ہوں تو اپنی نماز کا سلسلہ منقطع نہ کرو، نیت نہ توڑو، بلکہ نماز پوری کرو اور شیطان سے کہو کہ ہاں میں غلطی کر رہا ہوں، نماز میری درست نہیں ہو رہی ہے لیکن میں نماز پڑھوں گا اور تیرے کہنے پر عمل نہیں کروں گا۔ علما لکھتے ہیں کہ یہ طریقہ شیطانی اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے بہت ہی کارگر ہے۔ اس لئے کہ اس طرح شیطان نمازی سے مایوس ہو جاتا ہے اور جب وہ یہ جان لیتا ہے کہ یہ میرے قبضے

۱؎ عثمان بن ابی العاص کی کنیت ابو عبداللہ ہے قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے ہیں اسی لئے ثقفی کہلاتے ہیں آپ اپنے قبیلہ ثقیف کے وفد کے ہمراہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کر کے ہدایت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد آنحضرت نے ان کو اپنے قبیلہ کا امیر مقرر کر دیا تھا وفات نبوی کے بعد جب اہل طائف ارتداد کی طرف مائل ہونے لگے تو عثمان بن ابی العاص ہی کی ذات تھی جس نے ان کو ارتداد سے باز رکھا آپ نے بصرہ میں ۵۱ھ میں وفات پائی۔

۲؎ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اور محمد بن ابوبکرؓ کے صاحب زادے ہیں، مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک آپ بھی ہیں اکابر اور جلیل القدر تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے یحییٰ بن سعیدؒ کا قول ہے کہ ہم نے مدینہ میں قاسم بن محمدؒ سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا بعمر ۷۰ سال ۱۰۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

میں آنے والا نہیں ہے تو اس کے پاس سے ہٹ جاتا ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ نمازی کو یقین ہے کہ میں نماز ٹھیک پڑھ رہا ہوں، نماز کے ارکان و افعال اور قرأت میں کوئی کوتاہی یا غلطی واقع نہیں ہو رہی ہے اور اگر واقعی اس کی نماز میں کوئی کوتاہی واقع ہو رہی ہے یا ارکان کی ادائیگی میں غلطی ہو رہی ہے اور اس کا احساس ہو رہا ہے تو اس غلطی و کوتاہی کو دور کرنا اور نماز کی صحت و درستی کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔

دراصل اس حکم (کہ شیطانی خلل اندازی سے صرف نظر کر کے اپنی نماز پوری کرو) کا بنیادی مقصد اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ شیطان سے چوکنا رہو، اس کو اثر انداز ہونے کا موقع نہ دو، اپنے دل و دماغ کو اتنا پاکیزہ اور مجلّی رکھو کہ شیطانی وسوسوں اور واہموں کو راہ نہ ملے۔ نماز اس قدر ذہنی یکسوئی توجہ اور حضور قلب کے ساتھ پڑھو کہ شیطان تمہارے پاس آنے کا ارادہ ہی نہ کرے۔ اس حکم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ غیر درست عمل کو درست نہ کرو اور سہل انگاری دکھاؤ۔

بَابُ الْاِیْمَانِ بِالْقَدْرِ

تقدیر پر ایمان لانے کا بیان

تقدیر پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے یعنی وجود ایمان کے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ بندوں کے تمام اعمال خواہ وہ نیک ہوں یا بد، ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھ دیے گئے ہیں، بندہ سے جو عمل بھی سرزد ہوتا ہے وہ خدا کے علم و اندازہ کے مطابق ہوتا ہے، لیکن خدا نے انسان کو عقل و دانش کی دولت سے نواز کر اس کے سامنے نیکی اور بدی دونوں راستے واضح کر دیے ہیں اور ان پر چلنے کا اختیار دے دیا اور بتا دیا کہ اگر نیکی کے (راستہ کو) اختیار کرو گے تو خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہوگا جس پر جزاء و انعام سے نوازے جاؤ گے اور اگر بدی کے راستہ کو اختیار کرو گے تو یہ خدا کے غضب اور اس کی ناراضگی کا باعث ہوگا جس کی وجہ سے سزا اور عذاب کے مستحق گردانے جاؤ گے۔

اب اس واضح اور صاف ہدایت کے بعد جو شخص نیکی و بھلائی کے راستہ کو اختیار کرتا ہے تو وہ از راہ فضل و کرم خدا کی رحمت سے نوازا جائے گا اور اس پر خدا کی جانب سے فلاح و سعادت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اگر کوئی عقل کا اندھا اپنے کسب و اختیار سے برائی کے راستہ کو اختیار کرتا ہے تو وہ از راہِ عدل سزا کا مستوجب ہوگا اور اسے عذاب و تباہی کے غار دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تقدیر کا مسئلہ عقل و فکر کی رسائی سے باہر ہے کیونکہ یہ خدا کا ایسا ایک راز ہے جس کا انسانی عقل میں آنا تو درکنار اسے نہ تو کسی مقرب فرشتہ پر ظاہر کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کا بھید کسی پیغمبر اور رسول کو معلوم ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں زیادہ غور و فکر کرنا اور اس میدان میں عقل کے گھوڑے دوڑانا جائز نہیں ہے بلکہ تحقیق و جستجو کے تمام راستوں سے ہٹ کر صرف یہ اعتقاد رکھنا ہی فلاح و سعادت کا ضامن ہے کہ خدا نے یہ مخلوق پیدا کر کے ان کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے، ایک گروہ وہ ہے جو اچھے اعمال اور نیک کام کرنے کی بنا پر خدا کی جنت اور اس کی نعمتوں کا مستحق ہوگا جو محض اس کا فضل و کرم ہوگا۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جو برے اعمال کے کرنے کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا جو عین عدل ہوگا۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے قضاء و قدر کے بارہ میں سوال کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا "یہ ایک بڑا راستہ ہے اس پر نہ چلو" اس شخص نے "پھر یہی سوال کیا" "انہوں نے فرمایا" یہ ایک گہرا دریا ہے، اس میں نہ اترو وہ شخص نہ مانا اور اس نے پھر سوال کیا۔ آخر میں حضرت علیؓ نے فرمایا، "یہ خدا کا ایک راز ہے جو تم سے پوشیدہ ہے اس لئے اس کی تفتیش و تحقیق میں مت پڑو"۔

لہٰذا اخروی سعادت اسی میں ہے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں خدا اور خدا کے رسول نے جو کچھ بتایا ہے اور جن اعتقادات کو ماننے کے

لئے کہا ہے اس پر عمل پیرا ہو جائے، ورنہ اپنی عقل کے تیر چلانا در حقیقت گمراہی کا راستہ اختیار کرنا اور تباہی و بربادی کی راہ پر لگنا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیروں کو لکھا ہے۔ اور "فرمایا" (اس وقت) اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔" (مسلمؒ)

تشریح: ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات اجسام ظاہری اور مادیات کی ثقاوت سے پاک ہے اس لئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ خدا نے خود اپنے ہاتھ سے تقدیریں لکھ دی تھیں، بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی ان کی تقدیریں قلم کو جاری ہونے کا حکم دے کر اس کے ذریعہ لوح محفوظ میں ثبت کر دی تھیں، یا یہ کہ فرشتوں کو حکم دے کر ان سے تقدیریں لکھوا دی تھیں۔

یہاں پچاس ہزار برس کی مدت تحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے کثرت مدت مراد ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے بہت پہلے ان سب کی تقدیریں لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں۔

منقول ہے کہ زمین و آسمان اور تمام مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے تمام پانی ہی پانی تھا اور کہا جاتا ہے کہ پانی کا استقرار ہوا پر تھا اور ہوا خدا کی قدرت پر قائم تھی۔ اس لئے فرمایا گیا کہ اس عالم میں ازل سے لے کر ابد تک ہونے والے تمام واقعات و اعمال اسی وقت خدا کے علم میں تھے۔ جب کہ یہ زمین و آسمان بھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور اس کا عرش پانی پر تھا جس کے درمیان کوئی دوسری چیز حائل نہیں تھی۔

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّى الْعِجْزِ وَالْكَيْسِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہوتی ہے، یہاں تک کہ دانائی اور نادانی۔" (مسلمؒ)

③ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَّ اٰدَمُ وَمُوْسٰى عِنْدَ رَبِّهِمَا فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى قَالَ مُوْسٰى اَنْتَ اٰدَمُ الَّذِيْ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُّوْحِهٖ وَاَسْجَدَ لَكَ مَلٰٓئِكَتَهٗ وَاَسْكَنَكَ فِيْ جَنَّتِهٖ ثُمَّ اَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيْئَتِكَ اِلَى الْاَرْضِ قَالَ اٰدَمُ اَنْتَ مُوْسٰى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَاتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ وَاَعْطَاكَ الْاَلْوَاحَ فِيْهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا فَبِكَمْ وَجَدْتَّ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ قَالَ مُوْسٰى بِاَرْبَعِيْنَ عَامًا قَالَ اٰدَمُ فَهَلْ وَجَدْتَّ فِيْهَا وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى قَالَ نَعَمْ قَالَ اَفَتَلُوْمُنِيْ عَلٰٓى اَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ اَنْ اَعْمَلَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَنِيْ بِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (عالم ارواح میں) آدم و موسیٰ علیہما السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے مناظرہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ وہی آدم ہیں جن کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا آپ میں اپنی روح پھونکی تھی، فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا تھا، اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا تھا اور پھر آپ نے اپنی خطاء سے لوگوں کو زمین پر اتروا دیا تھا (یعنی اگر آپ خطا نہ کرتے تو یہاں زمین پر نہ اتارے جاتے اور آپ کی اولاد اس دنیا میں نہ پھیلتی بلکہ جنت میں رہتی) آدم علیہ السلام نے کہا تم وہی موسیٰ تو ہو جن کو خدا نے اپنے منصب رسالت سے نواز کر برگزیدہ کیا

اور ہم کلامی کے شرف سے مشرف فرمایا تھا اور تم کو وہ تختیاں دی تھیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا اور پھر تم کو سرگوشی کے لئے تقرب کی عزت بخشی تھی، اور کیا تم جانتے ہو خدا نے میری پیدائش سے کتنے عرصہ پہلے تورات کو لکھ دیا تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا" چالیس سال پہلے! آدم علیہ السلام نے پوچھا" کیا تم نے تورات میں یہ لکھے ہوئے الفاظ نہیں پائے وَعَصٰی آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی (یعنی آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہ ہوگیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں۔ آدم علیہ السلام نے کہا پھر تم مجھ کو میرے اس عمل پر کیوں ملامت کرتے ہو جس کو خدا نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میرے لئے لکھ دیا تھا،" آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا" اس دلیل سے) آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔" (مسلم)

تشریح: حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جو دلیل پیش کی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا نے چونکہ میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے یہ لکھ دیا تھا کہ میں شیطان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے بہک جاؤں گا اور خدا کے حکم کی نافرمانی کر کے شجر ممنوع کا استعمال کر لونگا۔ لہٰذا اس میں میرے کسب و اختیار کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ گمراہی میرے مقدر میں لکھی گئی تھی اس لئے اس کا مجھ سے صادر ہونا لازم و ضروری تھا لہٰذا میں مورد الزام نہیں ٹھہر سکتا۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گمراہی کو میری پیدائش سے بھی پہلے میرے لئے لوح محفوظ میں مقدر فرما دیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ضرور بروقت وقوع پذیر ہوگی، لہٰذا جب وقت مقدر آپہنچا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ امر مقدر اور اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف وہ عمل ممنوع سرزد نہ ہوتا چنانچہ تم مجھ پر یہ الزام تو ڈال رہے ہو اور تمہیں سبب ظاہری یعنی میرا کسب و اختیار تو یاد رہا لیکن اصل چیز یعنی مقدر سے تم صرف نظر کر گئے۔

حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام کا مناظرہ اس عالم دنیا میں نہیں ہوا جہاں اسباب سے قطع نظر درست نہیں ہے بلکہ یہ مناظرہ عالم بالا میں ان دونوں کی روحوں کے درمیان ہوا تھا۔ اسی لئے یہاں یہ بات بطور خاص ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر کوئی عاصی و گناہ گار اس قسم کی دلیل کا سہارا لینے لگے تو وہ اس کے لئے کار آمد نہیں ہوگی، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا معاملہ اس جہان میں تھا جہاں وہ اسباب کے مکلف نہیں تھے اور پھر ان کی یہ خطاء بارگاہ الوہیت سے معاف بھی کردی گئی تھی، لہٰذا یہاں تو کسب و اختیار اور ابواب کی بنا پر مواخذہ ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو تختیاں اتری تھیں وہ زمرد کی تھیں اور ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ستر اونٹوں پر لادی جاتی تھیں، ان تختیوں میں ان کی قوم کے لئے خدا کی جانب سے احکام و مسائل لکھے ہوئے تھے، ان تختیوں میں جو مضامین مذکور تھے وہ قدیم ہیں لہٰذا چالیس سال کی تحدید ان مضامین کے بارہ میں نہیں ہوگی بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ مضامین جو ان تختیوں پر لکھے گئے تھے ان کے لکھنے کی مدت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چالیس سال قبل ہے۔

(۴) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ وَاَجَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ فَوَالَّذِيْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ صادق و مصدوق سرکار دو عالم ﷺ نے ہم سے فرمایا۔ تم میں سے ہر شخص کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ (پہلے) اس کا نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمع رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں یعنی چالیس دن کے بعد وہ جما ہوا خون بنتا ہے۔ پھر اتنے ہی دنوں کے بعد وہ لوتھڑا ہو جاتا ہے، پھر خداوند تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو چار باتوں کے لکھنے کے لئے بھیجتا ہے، چنانچہ وہ فرشتہ

اس کے عمل اس کی موت (کا وقت) اس کے رزق (کی مقدار) اور اس کا بدبخت و نیک بخت ہونا خدا کے حکم سے اس کی تقدیر میں لکھ دیتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تم میں سے ایک آدمی جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا آگے آتا ہے۔ اور وہ دوزخیوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے، اور تم میں ایک آدمی دوزخیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا سامنے آتا ہے اور وہ جنتیوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ایسا کم ہوتا ہے کہ لوگ بھلائی کے راستہ کو چھوڑ کر برائی کا راستہ اختیار کرتے ہوں لیکن خدا کی رحمت کاملہ کے صدقے اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو لوگ بدبختی و برائی کے راستہ کو اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں وہ بھلائی کی طرف آجاتے ہیں اور نیکی کے راستہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔

اس حدیث نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ابدی نجات و عذاب کا دار و مدار خاتمہ پر ہے، اگر کسی کی پوری زندگی گناہ و معصیت یا کفر و شرک میں گزری لیکن اس نے آخر وقت میں صدق دل سے اپنی بد اعمالیوں اور گمراہی پر نادم و شرمسار ہو کر نیک بختی و سعادت کے راستہ کو اختیار کر لیا تو وہ نجات پا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص تمام عمر نیکی و بھلائی کرتا رہا اور اس کی تمام زندگی خدا اور خدا کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزری لیکن آخر وقت میں وہ شیطان کی گمراہی یا اپنے نفس کی شرارت سے گمراہ ہو گیا اور اس نے اپنی حیات کے آخری لمحوں کو برائی و بدبختی کی بھینٹ چڑھا دیا تو وہ اپنی زندگی بھر کی نیکیوں کے باوجود عذاب خداوندی میں مبتلا کیا جائے گا۔

لہٰذا اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ بھلائی و بہتری اور اخروی نجات اسی میں ہے کہ بندہ ہمیشہ اطاعت الٰہی اور فرمان نبوی ﷺ کی بجا آوری میں مصروف رہے، اس کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی حدود شریعت سے تجاوز کرنے نہ پائے اور ہر آنے والے لمحہ کو یہ سوچ کر کہ شاید میری زندگی کا یہ آخری لمحہ ہو نیکی و بھلائی میں صرف کرتا رہے تاکہ خاتمہ بالخیر کی سعادت سے نواز جائے۔

اس موقع پر اتنی بات اور بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جو لوگ قضا و قدر کے مسئلوں کو دیکھ کر یہ نظریہ قائم کر بیٹھے ہیں کہ جب نجات و عذاب، نیک بختی و بدبختی اور جنت و دوزخ کا ملنا تقدیری چیز ہے تو عمل کی کیا ضرورت ہے؟ وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں چنانچہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی جو اس مسئلہ کی حقیقت کو نہیں سمجھ پائے تھے سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے اس قسم کی بات کہی تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم عمل کئے جاؤ کیونکہ جس کے مقدر میں جو کچھ لکھا ہے اس پر اس کو اختیار بھی دیا گیا ہے۔

یعنی قضا و قدر پر بھروسہ کر کے تمہارا عمل میں توقف کرنا یا عمل سے انکار کرنا کوئی کار آمد نہیں ہوگا اس لئے کہ احکام شارع کی جانب سے وارد ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی تم کو سوچنے سمجھنے کی قابلیت اور نیکی و بدی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت بھی دی گئی ہے، نیز تمہارے اندر قصد و جہد کا مادہ بھی پیدا کیا گیا ہے تاکہ تم ان اسباب کے ذریعہ عمل کر سکو، لہٰذا اب اگر تم قضا و قدر کا سہارا لے کر اسباب سے قطع نظر کر دو گے اور اعمال کو چھوڑ دو گے تو تباہی و بربادی کے غار میں جا گرو گے۔ ہاں یہ خدا کی یقیناً کوئی مصلحت ہوگی جس کی حقیقت و حکمت کو تو وہی جانتا ہے کہ ایک طرف تو اس نے قضا و قدر کے مسئلہ کو سامنے کر دیا دوسری طرف اعمال و افعال کے کرنے کا حکم دیا اور پھر اس مسئلہ میں تحقیق و تفتیش کرنے سے بھی منع فرما دیا، اور پھر قضا و قدر کے سہارے اعمال کی ضرورت سے انکار کر دیا جائے تو اس کا کیا جواب ہوگا کہ خدا کی جانب سے شریعت کا اتارنا، احکام بھیجنا اور رسولوں کی بعثت جن کا مقصد احکام خداوندی پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہوتا تھا بلا وجہ ہوئی کیونکہ جب محض تقدیر پر بھروسہ ہوگا کہ جس کے مقدر میں جنت میں جانا لکھا ہوگا وہ جنت میں یقیناً جائے گا اور جس کے مقدر میں دوزخ لکھی ہوگی اور دوزخ میں یقیناً جائے گا تو ان رسولوں کی بعثت اور احکام و اعمال کی بجا آوری کی تاکید کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے

گی، لہٰذا اس حیثیت سے بھی دیکھا جائے تو یہ خیال غلط ثابت ہوگا۔

بہر حال جس طرح اور بہت سے اسرار الٰہی ہیں کہ ان کی بندوں کو خبر نہیں ہے اسی طرح یہ بھی ایک راز ہے جو بندوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، اس لئے کسی کے ظاہری عمل کو دیکھ کر اس کے جنتی یا دوزخی ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا بلکہ یہ خدا کی مرضی پر موقوف ہے کہ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاءُ (یعنی وہ جس کو چاہے (بد اعمالیوں کی بنا پر) عذاب میں مبتلا کردے اور جس کو چاہے اپنے فضل و کرم سے بخش دے)۔

⑤ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سہل[1] بن سعدؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، بندہ دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے لیکن وہ جنتی ہوتا ہے اور جنتیوں کے سے کام کرتا ہے لیکن وہ دوزخی ہوتا ہے کیونکہ (نجات و عذاب کا) دار و مدار خاتمہ کے عمل پر ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث نے پہلی حدیث کی توثیق کر دی ہے کہ اعمال سابق کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ ان اعمال کا اعتبار ہوگا جس پر خاتمہ ہوا ہے اس لئے کسی کی نجات و عذاب کا دار و مدار اس کے خاتمہ پر ہوگا، خاتمہ بالخیر ہوگا تو خدا کی نعمتوں اور اس کی جنت کی سعادت سے نوازا جائے گا اور اگر خدانخواستہ خاتمہ خیر پر نہیں ہوا تو پھر عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

چنانچہ اس حدیث نے صراحۃً یہ بات واضح کر دی کہ بندہ کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اطاعت الٰہی میں مصروف رہے اور ہر وقت معاصی و گناہ سے بچتا رہے اس لئے کہ نامعلوم اس کا وقت آخر کب آ جائے، اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو کہ اچانک موت کا زبردست پنجہ اس کا گلا دبوچ لے اور اسے توبہ کی بھی مہلت نہ ملے جس کے نتیجہ میں وہاں کے دائمی خسران و عذاب میں گرفتار ہو جائے۔

⑥ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ دُعِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جَنَازَةِ صَبِيٍّ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طُوْبٰى لِهٰذَا عُصْفُوْرٌ مِّنْ عَصَافِيْرِ الْجَنَّةِ لَمْ يَعْمَلِ السُّوْٓءَ وَلَمْ يُدْرِكْهُ فَقَالَ اَوَغَيْرُ ذٰلِكَ يَا عَآئِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْٓ اَصْلَابِ اٰبَآئِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْٓ اَصْلَابِ اٰبَآئِهِمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہ[2] فرماتی ہیں کہ ایک انصاری بچہ کے جنازہ پر سرکار دو عالم ﷺ کو بلایا گیا، میں نے کہا، یا رسول اللہ! اس بچہ کو خوشخبری ہو، یہ تو جنت کی چڑیوں میں کی ایک چڑیا ہے، جس نے کوئی برا کام نہیں کیا اور نہ برائی کی حد تک پہنچا۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا" عائشہ! کیا اس کے سوا کچھ اور ہوگا؟ یعنی اس کے جنتی ہونے کا جزم و یقین نہ کرو کیونکہ خدا نے جنت کے لئے مستحق لوگوں کو پیدا کیا ہے جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے اور دوزخ کے لئے بھی مستحق لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: بظاہر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ میں داخل ہونا نیک و بد عمل پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ تقدیری معاملہ ہے خدا نے ایک جماعت کے لئے ازل ہی سے جنت لکھ دی ہے اس لئے وہ جنت میں جائے گی خواہ وہ نیک اعمال کریں یا نہ کریں، اسی طرح ایک گروہ دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو دوزخ میں یقیناً جائے گا خواہ اس کے اعمال بد ہوں یا نہ ہوں۔ لہٰذا یہ لڑکا اگر دوزخ کے

---

[1] سہل بن سعد بن مالکؓ کا پہلا نام حزن تھا لیکن بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل رکھا، کنیت ابوالعباس اور بعض نے ابویحییٰ بھی لکھی ہے مدینہ میں ۸۸ھ میں بعمر ۹۶ سال آپ کا انتقال ہوا ہے۔

[2] ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذی شان صاحبزادی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی اور محبوب زوجہ مطہرہ ہیں جن کا لقب صدیقہ ہے۔ آپؓ کی وفات کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ ۵۷ھ، ۵۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے اور جنت البقیع میں مدفون ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

لئے پیدا کیا گیا تھا تو وہ دوزخ میں یقیناً جائے گا اگرچہ اس سے اب تک اعمال بد صادر نہیں ہوئے ہیں۔

لیکن اس کے برخلاف اکثر آیات و احادیث اور علماء کے متفق علیہ اقوال ایسے ہیں جن سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مسلمان بچہ اگر کمسنی کی حالت میں انتقال کر جائے تو وہ یقیناً جنتی ہے بلکہ کفار و مشرکین کے کمسن بچوں کے بارہ میں بھی صحیح یہی مسئلہ ہے کہ وہ بھی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

لہٰذا اب اس حدیث کی توجیہ یہی کی جائے گی کہ چونکہ حضرت عائشہؓ نے اس کے جنتی ہونے پر اس عزم و یقین کے ساتھ حکم لگایا تھا کہ گویا انہیں غیب کا علم ہے اور خدا کی مصلحت و مرضی کی رازداں ہیں، اس لئے سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے اس جزم و یقین پر یہ تنبیہ فرمائی کہ تم اپنے اس وثوق کی بنیاد پر گویا غیب دانی کا اقرار کر رہی ہو، جو کسی بندہ کے لئے مناسب نہیں ہے یا زیادہ صحیح توجیہ اس حدیث کی یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد اس وقت تک ہوگا جب تک بچوں کے جنتی ہونے کا حکم وحی کے ذریعہ معلوم نہیں ہوا تھا (اللہ اعلم)

(۷) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى الْاٰيَةَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت علی[۱] کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے ہر شخص کی جگہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ میں لکھ دی ہے۔ (یعنی یہ معین ہو گیا کہ کون لوگ جنتی ہیں اور کون لوگ دوزخی ہیں) صحابہؓ نے عرض کیا" یارسول اللہ! کیا ہم اپنے نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کر بیٹھیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تم عمل کرو اس لئے کہ جو شخص جس چیز کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس پر اسے آسانی اور توفیق دی جاتی ہے لہٰذا جو شخص نیک بختی کا اہل ہوتا ہے خدا اس کو نیک بختی کے اعمال کی توفیق دیتا ہے اور جو شخص بد بختی کا اہل ہوتا ہے اس کو بد بختی کے اعمال کا موقع دیا جاتا ہے اس کے بعد آنحضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) "جس نے خدا کی راہ میں دیا، پرہیزگاری کی اور اچھی بات (دین و اسلام) کو سچ مانا، اس کے لئے ہم آسانی کی جگہ (جنت) آسان کر دیں گے لیکن جس نے بخل کیا اور (خواہشات نفسانی و دنیاوی چمک دمک میں پھنس کر) آخرت کی نعمتوں سے بے پروائی کی، نیز عمدہ بات (دین و اسلام) کو جھٹلایا تو اس کے لئے ہم مشکل جگہ (دوزخ کی راہ) آسان کر دیں گے۔" الخ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا منشاء یہ تھا کہ تم لوگ تقدیر پر بھروسہ کر کے عمل چھوڑنے کو جو کہتے ہو وہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ جنت و دوزخ کا پہلے مقدر میں لکھا جانا اور ہر ایک کے بارہ میں معین ہو جانا کہ کون نیک بخت ہے اور کون بد بخت، اعمال کو ترک کرنے کا باعث نہیں ہے اس لئے کہ خدا نے اپنی ربوبیت و الوہیت کے اظہار کے طور پر جو کچھ احکام دیے ہیں اور جو فرائض بندوں پر عائد کئے ہیں اس پر عمل کرنا اور احکام کی پیروی کرنا بمقتضائے عبودیت بندوں پر لازم و ضروری ہے کیونکہ عمل ہی کو نیک بختی و بد بختی کا نشان قرار دیا گیا ہے کہ جو کوئی عمل کرے گا اس کو نیک بخت سمجھا جائے گا اور جو عمل نہیں کرے گا اس کو بد بخت سمجھا جائے گا اور پھر یہ بھی تقدیری معاملہ ہے کہ خدا نے جس کے مقدر میں نیک بخت ہونا لکھ دیا ہے وہ یقیناً اعمال کو پورا کرے گا اور جس کے مقدر میں بد بخت ہونا لکھا گیا ہے وہ اعمال کو چھوڑ کر گمراہی میں جا پڑے گا۔

جہاں تک ثواب و عذاب کا معاملہ ہے وہ خدا کی مرضی اور اس کی مصلحت پر موقوف ہے وہ جو بھی معاملہ کرے گا اس پر اسے اختیار

---

[۱] امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی، آپ کی سب سے لاڈلی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر اور چوتھے خلیفہ راشد ہیں ان کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے آخر عشرہ رمضان ۴۰ھ میں آپ نے انتقال فرمایا اور شہادت کا درجہ پایا، اس وقت آپ کی عمر واقدی کی تحقیق کے مطابق ۶۳ برس کی تھی تین دن کم پانچ سال تک آپ خلیفہ رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ہوگا اس میں کسی کے جبر و اکراہ کو دخل نہیں ہوگا۔

⑧ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ حَظَّهٗ مِنَ الزِّنَا اَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مُحَالَةَ فَزِنَا الْعَیْنِ النَّظْرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنّٰی وَتَشْتَهِیْ وَالْفَرْجُ یُصَدِّقُ ذٰلِكَ وَیُكَذِّبُهٗ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ كُتِبَ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ نَصِیْبُهٗ مِنَ الزِّنَا مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لَا مُحَالَةَ اَلْعَیْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظْرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْیَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا وَالْقَلْبُ یَهْوٰی وَیَتَمَنّٰی وَیُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ وَیُكَذِّبُهٗ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "خدا نے انسان کی تقدیر میں جتنا حصہ زنا کا لکھ دیا ہے وہ ضرور اس سے عمل میں آئے گا، آنکھوں کا زنا تو نامحرم کی طرف دیکھنا ہے اور زبان کا زنا نامحرم عورتوں سے شہوت انگیز باتیں کرنا، اور نفس آرزو و خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس آرزو کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) کی ایک روایت ہے کہ "آدمی کی تقدیر میں زنا کا جتنا حصہ لکھ دیا گیا ہے اس کو وہ ضرور عمل میں لائے گا۔ آنکھوں کا زنا (نامحرم کی طرف) دیکھنا ہے، کانوں کا زنا (نامحرم عورت سے شہوت انگیز باتیں سننا ہے اور زبان کا زنا نامحرم عورت سے شہوت انگیز) باتیں کرنا ہے اور ہاتھوں کا زنا (نامحرم عورت کو برے ارادہ سے) چھونا ہے اور پاؤں کا زنا (بدکاری کی طرف) جانا ہے اور دل خواہش و آرزو کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔"

تشریح: اصل زنا تو یہی ہے کہ کسی نامحرم عورت سے بدکاری میں مبتلا ہو، لیکن اصطلاح شریعت میں ان حرکات و اعمال کو بھی مجازاً زنا کہا جاتا ہے جو حقیقی زنا کے لئے اسباب کا درجہ رکھتے ہیں یا جو اس تک پہنچاتے ہیں، مثلاً کسی نامحرم عورت سے شہوت انگیز باتیں کرنا، یا بری نظر سے اس کی طرف دیکھنا، یا گندے خیال کے ساتھ اس کی باتیں سننا، یا برے ارادہ سے اس کا ہاتھ چھونا، یا اسی طرح گندے خیالات کے ساتھ کسی نامحرم عورت کے پاس جانا، یہ سب چیزیں چونکہ حقیقی زنا کی محرک بنتی ہیں جو آگے چل کر بدکاری میں مبتلا کرا دیتی ہیں اس لئے ان کو بھی مجازاً زنا کہا جاتا ہے، تاکہ ان حرکات و اسباب کی نفرت و کراہت دلوں میں بیٹھ جائے اور لوگ ان سے بھی بچتے رہیں۔

بہرحال حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے مقدر میں زنا کا جتنا حصہ لکھ دیا جاتا ہے وہ اسے عمل میں لاتا ہے، اب چاہے تو اس کے مقدر میں محض مجازی زنا لکھا ہو یا حقیقی زنا، لیکن خدا جن کو ان قبیح افعال سے محفوظ رکھتا ہے وہ ان سے باز رہتے ہیں اور وہ ان چیزوں سے بھی پرہیز کرتے رہتے ہیں جن کی موجودگی میں کسی معصیت و گناہ کے خیال کا بھی شائبہ پایا جاتا ہو جو گناہ و معصیت کی طرف لے جانے کا سبب بنتے ہوں۔

"شرم گاہ کی تصدیق و تکذیب" کا مطلب یہ ہے کہ جب نفس انسانی ہوا و ہوس کا غلام بن جاتا ہے اور وہ غلط و حرام فعل کی خواہش کرتا ہے تو اگر شرم گاہ اس کے اس غلط و ناجائز خواہش پر عمل کرتی ہے اور زنا میں مبتلا ہو جاتی ہے تو یہی اس کی تصدیق ہوتی ہے، یا اگر کسی احساس و شعور اور ضمیر خدا کے عذاب سے لرزاں اور اس کے خوف سے بھرا ہوا ہوتا ہے تو شرمگاہ نفس کی خواہش کی تکمیل سے انکار کر دیتی ہے اور وہ بدکاری میں مبتلا نہیں ہوتا یہ اس کی تکذیب ہوتی ہے۔

⑨ وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ الْحُصَیْنِ اَنَّ رَجُلَیْنِ مِنْ مُزَیْنَةَ قَالَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ مَا یَعْمَلُ النَّاسُ الْیَوْمَ وَیَكْدَحُوْنَ فِیْهِ اَشَیْءٌ قُضِیَ عَلَیْهِمْ وَمَضٰی فِیْهِمْ مِنْ قَدَرٍ سَبَقَ اَوْفِیْمَا یَسْتَقْبِلُوْنَ بِهٖ مِمَّا اٰتَاهُمْ بِهٖ نَبِیُّهُمْ وَثَبَتَ الْحُجَّةُ عَلَیْهِمْ فَقَالَ لَا بَلْ شَیْءٌ قُضِیَ عَلَیْهِمْ وَمَضٰی فِیْهِمْ وَتَصْدِیْقُ ذٰلِكَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ (الشمس ۷، ۸۔ رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرانؓ[1] بن حصینؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ قبیلہ مزینہ کے دو شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ!

---

[1] آپ کا اسم گرامی عمران ابن حصین اور کنیت ابونجید ہے آپ فتح خیبر کے سال اسلام کی نعمت سے مشرف ہوئے تھے بمقام بصرہ ۵۱ھ میں وفات پائی۔

ہمیں یہ بتائیے کہ آج (دنیا میں) لوگ عمل کرتے ہیں اور اعمال کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ کیا یہ وہی شئے ہے جس کا حکم ہو چکا ہے اور نوشتہ تقدیر بن چکا ہے یا یہ عمل ان احکام کے موافق ہیں جو آئندہ ہونے والے ہیں جن کو اس کا نبی ﷺ لایا ہے اور جن پر دلیل قائم ہو چکی ہے "آنحضرت ﷺ نے فرمایا" نہیں یہ وہی شے ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور نوشتہ تقدیر بن چکا ہے اور اس کی تصدیق کتاب اللہ کی اس آیت سے ہوتی ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (القرآن الحکیم)۔ (ترجمہ) قسم ہے (انسان کی) جان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو بنایا پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں کا) القاء کیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: سوال یہ تھا کہ یارسول اللہ ہمیں یہ بتلا دیجئے کہ دنیا میں لوگ جتنے اعمال کرتے ہیں خواہ وہ اعمال خیر ہوں یا اعمال بد کیا یہ وہی ہیں جو ان کے لئے ازل ہی میں مقدر ہو چکے تھے اور اب وقت پر وقوع پذیر ہوتے ہیں یا یہ وہ چیزیں ہیں جو ازل میں تو ان کے لئے نوشتہ تقدیر نہیں بنی تھیں بلکہ اب جب رسول آئے اور انہوں نے خدا کی جانب سے دیئے گئے معجزات کے ذریعہ اپنی صداقت کا اعلان اور ان احکام و اعمال کے کرنے کا حکم دیا تو یہ اعمال وقوع پذیر ہونے لگے تو ایسی شکل میں کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ اعمال بندوں کے مقدر میں پہلے سے نہیں لکھے ہوئے تھے بلکہ اپنے اختیار سے یہ اعمال کرتے ہیں چاہے وہ اچھے اعمال ہوں یا برے اعمال؟۔

بارگاہ رسالت سے جواب دیا گیا کہ یہ اعمال وہی ہیں جو ازل ہی سے بندوں کے مقدر میں لکھ دیئے گئے ہیں اور اب اسی نوشتہ تقدیر کے مطابق اپنے اپنے وقت پر صادر ہوتے رہتے ہیں۔

⑩ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ رَجُلٌ شَابٌّ وَاَنَا اَخَافُ عَلٰى نَفْسِي الْعَنَتَ وَلَا اَجِدُ مَا اَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَآءَ كَاَنَّهٗ يَسْتَاْذِنُهٗ فِي الْاِخْتِصَاءِ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّيْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّيْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّيْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِ عَلٰى ذٰلِكَ اَوْذَرْ۔ (رواه البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا، "یارسول اللہ میں ایک جوان مرد ہوں اور میں اپنے نفس سے ڈرتا ہوں کہ بدکاری کی طرف مائل نہ ہو جائے اور میرے اندر اتنی استطاعت نہیں ہے کہ کسی عورت سے شادی کر لوں" گویا ابوہریرہؓ اپنے اندر سے قوت مردمی ختم کر دینے کی اجازت مانگتے تھے ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے یہ سن کر سکوت فرمایا، میں نے دوبارہ یہی کہا تو آپ ﷺ پھر خاموش رہے، میں نے پھر عرض کیا اس مرتبہ بھی آپ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا میں نے پھر اسی طرح عرض کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ابوہریرہ! جو کچھ ہونا ہے (اسے تمہارے مقدر میں لکھ کر) قلم خشک ہو چکا ہے لہٰذا تمہیں اختیار ہے کہ قوت مردمی ختم کرو یا نہ کرو۔" (بخاریؒ)

تشریح: سرکار دو عالم ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے مقدر میں جو کچھ ہونا لکھا ہے وہ پورا ہو گا، اگر خدا نخواستہ کسی بدکاری میں مبتلا ہونا تمہارے لئے نوشتہ تقدیر بن چکا ہے تو یہ قبیح فعل تم سے ضرور صادر ہو گا، اور اگر قضاء و قدر نے تمہاری پاکدامنی اور معصیت سے حفاظت لی ہے تو چاہے تم اپنی قوت مردمی ختم کر کے نامرد بن جاؤ، یا اس فعل سے باز رہو، تمہارا نفس تمہیں نہیں بہکا سکتا اور تم پاک دامن رہو گے اسی طرف جف القلم کہہ کر اشارہ فرمایا گیا۔

اس حدیث میں اصل میں اس طرف تنبیہ اور تہدید مقصود ہے کہ اسباب و تدبیر کو تقدیر کے مقابلہ پر لانا اور نوشتہ تقدیر سے لاپرواہ ہو کر اس سے بھاگنا جائز نہیں ہے۔

⑪ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِيْ اٰدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهٗ كَيْفَ يَشَآءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ۔ (رواه مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تمام انسانوں کے دل خدا کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جیسے ایک انسان کا دل ہے اور وہ (اپنی انگلیوں سے) جس طرح چاہتا ہے قلوب کو گردش میں لاتا ہے" اس کے بعد آں حضور ﷺ نے دعا کے طور پر یہ فرمایا۔ "اے دلوں کو گردش میں لانے والے خدا! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے خدا کے کمال قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ وہ تمام چیزوں پر قادر ہے اور سب پر متصرف ہے یہاں تک کہ قلوب کے رخ اور دل کی دھڑکنیں تک بھی اسی کے اختیار میں ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے لئے انگلیوں کا استعمال یہاں مجازاً ہوا ہے کیونکہ اس کی پاک وصاف ذات مادیات اور اجسام کی ثقالت سے پاک ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام قلوب خدا کے قبضہ و تصرف میں ہیں، وہ جس طرف چاہتا ہے دلوں کو پھیر دیتا ہے کسی قلب کو گناہ و معصیت اور بدکاری کی طرف مائل کر دینا بھی اسی کی صفت ہے اور کسی قلب کو عصیان و سرکشی کے جال سے نکال کر اطاعت و فرمانبرداری اور نیکوکاری کے راستہ پر بھی اسی کا کام ہے وہ جس طرح چاہتا ہے گمراہی و ضلالت کے اندھیرے میں پھینک دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت و راستی کے مرغزاروں میں چھوڑ دیتا ہے۔

⑫ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْیُنَصِّرَانِهٖ اَوْیُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ یَقُوْلُ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔ (الروم ۳۰۔ متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے (یعنی امر حق کو قبول کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح ایک چارپایہ جانور پورا چارپایہ بچہ دیتا ہے، کیا تم اس میں کوئی کمی پاتے ہو" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ) یہ اللہ تعالیٰ کی اس بنائی کے موافق ہے جس پر اللہ نے آدمیوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا یہ دین مستحکم ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: خدائے تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فطرت پر کی ہے اور فطرت صرف امر حق یعنی ایمان و اسلام کو قبول کر سکتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس فطرت پر ہوتا ہے لیکن خارجی اثر سے وہ فطرت کے تقاضوں سے دور ہو جاتا ہے اور خلاف اصول و فطرت طریقوں پر چلنے لگتا ہے یعنی اگر اس کے ماں باپ مجوسی ہوتے ہیں تو وہ بھی ان کے مذہب میں رنگ جاتا ہے۔

چنانچہ مثال کے طور پر فرمایا کہ جس طرح کسی جانور کے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی اصلی حالت میں پیدا ہوتا ہے اس کے اندر کسی قسم کی کوئی کمی یا کوئی نقصان نہیں ہوتا، ہاں اگر خارجی طور پر کوئی اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے یا اس کے جسم میں کوئی عیب پیدا کر دے تو وہ اپنی اصلی اور تخلیقی حالت کھو دیتا ہے، اسی طرح انسان پیدائش کے وقت اپنی اصلی فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا ماحول، اس کی سوسائٹی یعنی ماں باپ وغیرہ اس کے احساسات و شعور اور اس کے عقائد پر اپنے مذہب کا رنگ چڑھا کر اس کے ذہن و فکر اور قلب و دماغ کو غلط راستہ پر موڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی اصلی اور تخلیقی فطرت پر قائم نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے، ہاں اگر ایسا نہیں ہوتا اور اس کے ماں باپ مسلمان ہوتے ہیں تو وہ بھی مسلمان رہتا ہے۔

⑬ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ یَّنَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَیَرْفَعُهٗ یُرْفَعُ اِلَیْهِ عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّیْلِ حِجَابُهُ النُّوْرُ لَوْ كَشَفَهٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰی اِلَیْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکار دو عالم ﷺ نے خطبہ دیا اور پانچ باتیں ارشاد فرمائیں۔ خدا تعالیٰ سوتا نہیں ہے، اور سونا اس کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ وہ ترازو کو بلند و پست کرتا ہے، دن کے عمل سے پہلے رات کے عمل اور رات کے عمل سے پہلے دن کے عمل اس کے پاس پہنچا دیے جاتے ہیں اور اس کا حجاب نور ہے جسے اگر وہ اٹھا دے تو اس کی ذات پاک کا نور مخلوقات کی تاحد نگاہ تمام چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: ترازو کو بلند و پست کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خداوند قدوس کسی بندہ پر رزق کی وسعت کرتا ہے اور اسے مال و زر کی فراوانی سے نوازتا ہے اور کسی پر اسباب معیشت اور رزق کے دروازے تنگ کر کے اسے محتاجی و تنگدستی میں مبتلا کر دیتا ہے، اسی طرح کسی بندہ کو وہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور نیکوکاری کی بدولت عزت و عظمت اور شرف و فضیلت سے نوازتا ہے اور کسی گناہ گار بندہ کو اس کی سرکشی و نافرمانی اور بدکاری کی بنا پر اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور اسے تباہی و بربادی کے غار میں ڈال دیتا ہے۔

ایسے ہی "دن کے عمل سے پہلے رات کے عمل سے پہلے دن کے عمل اس کے پاس پہنچا دیئے جانے" کا مطلب یہ ہے کہ بندہ سے جو کوئی عمل سرزد ہوتا ہے وہ فوراً بلا تاخیر بارگاہ الوہیت تک پہنچ جاتا ہے یعنی ابھی سورج بھی نہیں نکلتا اور کوئی عمل صادر ہونے بھی نہیں پاتا کہ رات کے عمل جو بندہ سے سرزد ہوئے ہیں اوپر پہنچ چکے ہوتے ہیں، اسی طرح رات شروع بھی نہیں ہوتی کہ دن کے عمل وہاں پہنچ جاتے ہیں، اب جو نیک عمل اور اچھا ہوتا ہے اسے قبولیت کے شرف سے نواز کر اس پر جزاء و انعام کا پروانہ صادر کر دیا جاتا ہے اور اس پر عذاب و سزا کا حکم دے دیا جاتا ہے۔

⑭ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدُ اللّٰهِ مَلاٰی لَا تَغِیْضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ اَرَاَیْتُمْ مَا اَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ فَاِنَّهٗ لَمْ یَغِضْ مَا فِیْ یَدِهٖ وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ وَبِیَدِهِ الْمِیْزَانُ یَخْفِضُ وَیَرْفَعُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ یَمِیْنُ اللّٰهِ مَلاٰی وَقَالَ ابْنُ نُمَیْرٍ مَلْاٰنُ سَحَّآءُ لَا یَغِیْضُهَا شَیْءٌ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ (یعنی اس کا خزانہ) بھرا ہوا ہے، دن اور رات ہر وقت خرچ کرنا بھی اس میں کمی پیدا نہیں کرتا، کیا تم نہیں دیکھتے؟ کہ جب سے کہ اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور جب کہ اس کا عرش (بھی) پانی پر تھا، کتنا خرچ کیا ہے، لیکن (اتنا زیادہ) خرچ کرنے کے باوجود جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے (یعنی اس کا خزانہ) اس میں کمی نہیں ہوئی ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں ترازو ہے جسے وہ بلند و پست کرتا ہے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) اور مسلم کی روایت ہے "خدا کا داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے"۔ اور ابن نمیرؒ کی روایت میں ہے (خدا کا ہاتھ بھرا ہوا، اور ہمیشہ دینے والا ہے، رات اور دن خرچ کرنے کے باوجود) اس میں کوئی چیز کمی نہیں کرتی۔"

تشریح: ابن نمیرؒ حضرت امام مسلمؒ کے استاد ہیں، ان کی سند سے جو حدیث ہے اس میں بجائے مَلاٰی کے مَلْآن کا لفظ ہے اور ان الفاظ میں کچھ تقدیم و تاخیر بھی ہے ویسے از روئے لغت مَلاٰی ہی صحیح ہے اور یہی الفاظ مناسب ہے۔

⑮ وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَرَارِی الْمُشْرِکِیْنَ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا کَانُوْا عَامِلِیْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کی اولاد کے بارہ میں پوچھا گیا (کہ مرنے کے بعد دوزخ میں جائیں گے یا جنت میں) آپ ﷺ نے فرمایا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے (اگر زندہ رہتے تو وہ کیا عمل کرتے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یعنی یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے کہ اگر وہ اس صغر سنی کی حالت میں نہ مرتے اور زندہ رہتے تو بڑے ہو کر کیا عمل کرتے، لہٰذا اب ان

کے ساتھ جو معاملہ ہوگا اسی کے مطابق ہوگا اور یہ کہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ آیا وہ جنت میں جاتے ہیں یا دوزخ میں، وہاں کی حالت کسی بندہ کو کیا معلوم!۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا ہوگا جب کہ ابھی تک مشرکوں کی اولاد کے بارہ میں وحی کے ذریعہ کچھ معلوم نہیں ہوا تھا۔

اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن صحیح اور اولیٰ یہی ہے کہ اس بارہ میں توقف کرنا چاہیے یعنی نہ تو ان کو دوزخی کہا جائے اور نہ جنتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۱۶) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهٗ اُكْتُبْ قَالَ مَآ اَكْتُبُ قَالَ اُكْتُبِ الْقَدَرَ فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَآئِنٌ اِلَی الْاَبَدِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔

"حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا خدا نے سب سے پہلے جس چیز کو پیدا کیا وہ قلم تھا، پھر اس (قلم) کو لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے کہا، "الٰہ العالمین! کیا لکھوں" بارگاہ الوہیت سے جواب ملا "تقدیر لکھو!" لہٰذا اس قلم نے ان چیزوں کو لکھا جو (اب تک) ہو چکی ہیں اور ان چیزوں کو لکھا جو آئندہ ہونے والی ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے غریب ہے۔"

(۱۷) وَعَنْ مُسْلِمِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ سُئِلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ الْاٰیَةَ قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُسْئَلُ عَنْهَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّیَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰٓؤُلَآءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ یَعْمَلُوْنَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ بِیَدِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّیَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰٓؤُلَآءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ یَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَجُلٌ فَفِیْمَ الْعَمَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اِسْتَعْمَلَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰی یَمُوْتَ عَلٰی عَمَلٍ مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَیُدْخِلُهٗ بِهِ الْجَنَّةَ وَاِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اِسْتَعْمَلَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰی یَمُوْتَ عَلٰی عَمَلٍ مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ النَّارِ فَیُدْخِلُهٗ بِهِ النَّارَ۔ (رواہ مالک والترمذی وابوداؤد، الاعراف ۱۷۲)

"اور حضرت مسلم بن یسارؒ راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ سے اس آیت (وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۝) (الاعراف ۱۷۲)

"ترجمہ "اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور (سب کچھ سمجھ عطا کر کے) ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں! ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید سے محض بے خبر تھے) کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ جب اس آیت کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ سے سوال کیا گیا تو میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا کہ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پیٹھ پر داہنا ہاتھ پھیرا اور اس میں سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا کہ میں نے ان کو جنت کے لئے اور جنتیوں کے سے اعمال کرنے کے لئے جو وہ کریں گے پیدا کیا ہے۔ پھر اپنا ہاتھ آدم علیہ السلام کی پشت پر پھیرا اور اس میں سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا کہ میں نے ان کو دوزخ کے لئے اور دوزخیوں کے سے کام کرنے کے لئے جو وہ کریں گے پیدا کیا ہے۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا "یارسول اللہ! پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں ہی کے سے عمل کراتا ہے یہاں تک کہ اس (بندہ) کی وفات

جنتیوں جیسے اعمال پر ہو جاتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کی بنا پر اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے سے اعمال صادر کراتا ہے یہاں تک کہ وہ اہل دوزخ جیسے اعمال پر مرجاتا ہے لہٰذا اسے ان اعمال کی بناء پر دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔" (مؤطا مالک، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: یہ عہد میثاق عالم ارواح میں ہوا تھا جیسا کہ دیگر احادیث میں آتا ہے کہ خداوند قدوس نے تمام روحوں کو جو ازل سے لے کر ابد تک دنیا میں آنے والی تھیں ننھی ننھی چیونٹیوں کی شکل میں جمع کیا اور پھر ان کو عقل و دانائی بھی عنایت فرمائی اور اپنی ربوبیت والوہیت کا سب سے اقرار کرایا۔

اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ ازل سے ابد تک دنیا میں جتنے بھی انسان پیدا ہوں گے سب کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی تھی مثلاً آنحضرت ﷺ کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی اور ان کی پشت سے ان کی اولاد اسی طرح قیامت تک جتنے انسان پیدا کئے جائیں گے سب کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی۔

داہنے ہاتھ کے پھیرنے کے معنی یہ ہیں کہ خداوند قدوس نے فرشتہ کو داہنا ہاتھ پھیرنے کا حکم دیا تھا ورنہ خدا تعالیٰ کی نورانی ذات ہاتھ پیر کی ظاہری ثقالت سے پاک وصاف ہے۔ یا پھر یہ کہا جائے کہ اس سے اپنی قوت وقدرت کا اظہار مقصود ہے۔

(۱۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفِیْ یَدَیْہِ کِتَابَانِ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا ھٰذَانِ الْکِتَابَانِ قُلْنَا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ یَدِہِ الْیُمْنٰی ھٰذَا کِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ فِیْھَا اَسْمَآءُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَاَسْمَآءُ اٰبَآئِھِمْ وَقَبَآئِلِھِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰٓی اٰخِرِھِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْھِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْھُمْ اَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِیْ فِیْ شِمَالِہٖ ھٰذَا کِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ فِیْہِ اَسْمَآءُ اَھْلِ النَّارِ وَاَسْمَآءُ اٰبَآئِھِمْ وَقَبَآئِلِھِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰٓی اٰخِرِھِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْھِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْھُمْ اَبَدًا فَقَالَ اَصْحَابُہٗ فَفِیْمَ الْعَمَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنْ کَانَ اَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْہُ فَقَالَ سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَاِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّۃِ یُخْتَمُ لَہٗ بِعَمَلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَاِنْ عَمِلَ اَیَّ عَمَلٍ وَاِنَّ صَاحِبَ النَّارِ یُخْتَمُ لَہٗ بِعَمَلِ اَھْلِ النَّارِ وَاِنْ عَمِلَ اَیَّ عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدَیْہِ فَنَبَذَھُمَا ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّکُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکار دو عالم ﷺ باہر تشریف لائے آپ ﷺ کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں اور (صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا جانتے ہو یہ دونوں کتابیں کیا ہیں "ہم نے عرض کیا" یارسول اللہ! ہمیں کیا معلوم آپ ﷺ ہی بتا دیجئے (یہ کتابیں کیا ہیں) آپ ﷺ نے اس کتاب کے بارہ میں فرمایا جو داہنے ہاتھ میں تھی کہ یہ خدا کی جانب سے ہے جس میں اہل جنت ان کے باپ اور ان کے قبیلوں کے نام لکھے ہوئے ہیں پھر آخر میں جمع بندی کر دی گئی ہے لہٰذا اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی، اس کے بعد بائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا کہ یہ خدا کی جانب سے ایک ایسی کتاب ہے جس پر اہل دوزخ ان کے باپ اور ان کے قبیلوں کے نام لکھے ہیں پھر آخر میں جمع بندی کر دی گئی ہے۔ لہٰذا اب نہ تو اس میں کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی۔ یہ (سن کر) صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! اگرچہ یہ چیز پہلے سے ہی طے ہو چکی ہے (کہ جنت و دوزخ کا مدار نوشتہ تقدیر پر ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا (دین و شریعت کے مطابق اپنے اعمال کو) اچھی طرح مضبوط کرو اور (حق تعالیٰ کا) تقرب حاصل کرو، اس لئے کہ جنتی کا خاتمہ اہل جنت کے اعمال پر ہوتا ہے خواہ (زندگی میں) اس نے کیسے ہی (نیک یا بد) عمل کئے ہوں اور دوزخی کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر ہوتا ہے خواہ اس کے اعمال جیسے بھی رہے ہوں، پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا اور کتابوں کو رکھ دیا یعنی پیچھے ڈال دیں اور فرمایا "تمہارا پروردگار بندوں کے بارے میں یہ پہلے سے طے کر چکا ہے کہ ایک جماعت جنتی ہے اور ایک جماعت دوزخی ہے۔" (ترمذی)

تشریح: کتابوں کو پیچھے ڈال دینا اہانت کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس طرف اشارہ مقصود تھا کہ بارگاہ الوہیت سے اس معاملہ میں کہ دوزخ

وجنتی کون کون لوگ ہیں ازل ہی میں حکم ہو چکا ہے اور جو نوشتہ تقدیر بن چکا ہے۔

ظاہری طور پر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ کے دست مبارک میں واقعی کتابیں تھیں جن کو آپ ﷺ نے صحابہ کو دکھلا بھی دیا تھا۔ لیکن ان کے اندر جو مضمون لکھے ہوتے تھے وہ نہیں دکھلائے تھے، لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حقیقت میں کتابیں نہیں تھیں بلکہ آپ ﷺ نے مثال کے طور پر اس انداز سے فرمایا تاکہ یہ مسئلہ صحابہؓ کے ذہن نشین ہو جائے۔

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ خِزَامَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْهَا وَدَوَآءً نَتَدَاوٰی بِهٖ وَتُقَاةً نَتَّقِیْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَیْئًا قَالَ هِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

"اور ابی خزامہؒ[1] اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ عملیات جن کو ہم (شفاء کے لئے) پڑھواتے ہیں اور وہ دوائیں جن کو ہم (حصول صحت کے لئے) استعمال کرتے ہیں اور وہ ہر چیزیں جن سے ہم حفاظت حاصل کرتے ہیں (مثلاً ڈھال اور زرہ وغیرہ ان کے بارے میں مجھے بتائیے کہ کیا یہ سب چیزیں نوشتہ تقدیر میں کچھ اثر انداز ہو جاتی ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ یہ چیزیں بھی نوشتہ تقدیر ہی کے مطابق ہیں)۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: جواب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بیماری وغیرہ امر مقدر ہیں، اسی طرح ان کا علاج اور ان سے حفاظت کے اسباب بھی نوشتہ تقدیر ہی کے مطابق ہوتے ہیں یعنی جس طرح کسی شخص کے مقدر میں کوئی بیماری لکھ دی گئی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی نوشتہ تقدیر بن چکا ہے کہ یہ بیمار فلاں وقت میں اپنی بیماری کا علاج کرے گا اور یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ اس علاج و معالجہ سے اسے فائدہ ہوگا یا نہیں، اگر فائدہ ہونا لکھا ہے تو فائدہ ہو جائے گا اور فائدہ ہونا نہیں لکھا ہے تو نہیں ہوگا، اس لئے اگر کسی بیمار نے اپنی بیماری کا علاج کیا اور اسے فائدہ نہیں ہوا تو اسے سمجھنا چاہیے کہ تقدیر میں شفا نہیں لکھی تھی! لہٰذا معلوم ہوا کہ بیماری میں علاج کرنا، یا اپنی حفاظت کے لئے خارجی اسباب کا سہارا لینا نوشتہ تقدیر کے خلاف نہیں ہے۔

تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کا مسئلہ یہ ہے کہ تعویذ گناہ ہے اگر قرآن کی آیتوں اور احادیث کی دعاؤں کے مطابق ہوں یا جھاڑنا، پھونکنا اور دم کرنا اگر اسماء و صفات الٰہی اور قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ نیز ان کو مؤثر حقیقی سمجھنے کا عقیدہ بھی نہ ہو یعنی یہ یقین نہ رکھتا ہو کہ ان چیزوں سے یقیناً فائدہ ہوگا خواہ مرضی الٰہی ہو یا نہ ہو بلکہ یہ عقیدہ ہو کہ شفاو صحت کا عطا کرنے والا تو خدا ہے یہ صرف اسباب و تبرک کے درجہ میں ہیں تو ایسی شکل میں یہ چیزیں جائز ہوں گی، اگر اس کے برخلاف ہو کہ جھاڑنا پھونکنا اور تعویذ گنڈے غیر شرعی ہوں یعنی اس میں غیر اللہ کی مدد لی جاتی ہو تو یہ حرام ہوگا۔

(۲۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدْرِ فَغَضِبَ حَتّٰی احْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰی کَاَنَّمَا فُقِیَ فِیْ وَجْنَتَیْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَیْکُمْ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حِیْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ اَنْ لَّا تَنَازَعُوْا فِیْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) ہم قضاء و قدر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے کہ سرکار دو عالم ﷺ تشریف لے آئے (ہمیں اس مسئلہ میں الجھا ہوا دیکھ کر) آپ ﷺ کا چہرۂ انور غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انار کے دانے آپ ﷺ کے رخسار مبارک پر نچوڑ دیے گئے ہیں (اسی حالت میں) آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں اس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور میں اسی لئے تمہارے پاس (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہوں؟ جان لو تم سے پہلے کے لوگ اس لئے ہلاکت کی وادی میں پھینک دیئے گئے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں الجھنا اپنا مشغلہ بنا لیا تھا، لہٰذا میں تمہیں اس بات کی قسم دیتا ہوں (اور پھر دوبارہ) قسم دیتا ہوں کہ تم اس مسئلہ پر بحث نہ کیا کرو (ترمذیؒ) اور ابن

[1] ابی خزامہ تابعی ہیں ان کے والد کا نام عمیر ہے جو صحابی ہیں اور جن سے ابوخزامہ روایت کرتے ہیں ابی خزامہ سے زہریؒ روایت کرتے ہیں۔

ماجہ نے اسی طرح کی روایت عمرو بن شعیب سے نقل کی ہے جو انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔"

تشریح: صحابہ آپس میں تقدیر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے بعض صحابہ تو یہ کہہ رہے تھے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے نوشتہ تقدیر کے مطابق ہیں تو پھر ثواب و عذاب کا ترتب کیوں ہوتا ہے؟ جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے اور کچھ حضرات یہ کہہ رہے تھے کہ اس میں خدا کی کیا مصلحت و حکمت ہے کہ بعض انسانوں کو تو جنّت کے لئے پیدا کیا اور بعض انسانوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے؟ کچھ صحابہؓ نے اس کا جواب دیا کہ یہ اس لئے ہے کہ انسانوں کو کچھ اختیارات بھی اعمال کے کرنے اور نہ کرنے کا دے دیا ہے، کچھ نے کہا یہ اختیار کس نے دیا؟۔

بہرحال اس قسم کی گفتگو ہو رہی تھی اور اپنی عقل و دانش کے بل بوتہ پر خدا کے اس راز و مصلحت کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب ان کو اس بحث مباحثہ میں مشغول پایا تو غصہ و غضب سے چہرہ مقدس سرخ ہو گیا اس لئے صحابہ کو بتلا دیا گیا کہ یہ تقدیر کا مسئلہ خدا کا ایک راز و بھید ہے جو کسی پر ظاہر نہیں کیا گیا ہے لہٰذا اس میں اپنی عقل لڑانا اور غور و تحقیق گمراہی کی راہ اختیار کرنا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس لئے دنیا میں نہیں بھیجا گیا ہوں کہ تقدیر کے بارہ میں بتاؤں اور تم اس میں بحث و مباحثہ کرو، میری بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام تم لوگوں تک پہنچا دوں اور اطاعت فرمانبرداری کی راہ پر تمہیں لگاؤں۔ دین و شریعت کے فرائض و اعمال کے کرنے کا تمہیں حکم دوں، لہٰذا ایک سچے و مخلص ہونے کے ناطے پر صرف اتنا ہی فرض ہے کہ تم ان احکام و فرائض پر عمل کرو اور جن اعمال کے کرنے کا تمہیں حکم دوں اس کی بجا آوری میں لگے رہو، تم اس تقدیر کے مسئلہ میں مت پڑو پس اتنا ہی اعتقاد تمہارے لئے کافی ہے کہ یہ خدا کا ایک راز ہے جس کی حقیقت و مصلحت وہی جانتا ہے، اس کو اسی کی مرضی پر چھوڑ دو۔

آخر حدیث میں صاحب مشکوۃ نے ابن ماجہ کی اسی طرح کی روایت کردہ حدیث کی سند کا ذکر کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث شعیب نے اپنے دادا سے نقل کی ہے جو عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں اور شعیب سے ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں اس طرح "عن ابیہ" کی ضمیر عمرو بن شعیب کی طرف راجع ہوگی اور "عن جدہ" کی ضمیر شعیب کی طرف راجع ہوگی اس لئے کہ عمر اپنے دادا سے روایت نہیں کرتے ہیں کیونکہ ان کے دادا محمد بن عبداللہ سے وہ روایت منقول نہیں ہے، یہ سلسلہ نسب اس طرح ہے عمر بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔

اس کی تشریح اس لئے یہاں ضروری ہے کہ دوسری احادیث میں اس طرح کی عبارات میں "عن جدہ" کی ضمیر عمرو ابن شعیب کی طرف راجع ہوتی ہے لیکن یہاں اس کے برخلاف ہے۔

(۲۱) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ مِنْ قَبْضَۃٍ قَبَضَھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَرْضِ فَجَآءَ بَنُوْٓا اٰدَمَ عَلٰی قَدْرِ الْاَرْضِ مِنْھُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْیَضُ وَالْاَسْوَدُ وَبَیْنَ ذٰلِکَ وَالسَّھْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ایک مٹھی (مٹی) سے کی جو ہر جگہ کی زمین سے لی گئی تھی لہٰذا آدم کی اولاد (انہیں) زمین کے موافق پیدا ہوئی چنانچہ (انسانوں میں) بعض سرخ، بعض سفید، بعض کالے، بعض درمیانہ رنگ کے، بعض نرم مزاج، بعض تند مزاج بعض پاک اور بعض ناپاک ہیں۔"

(احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: حضرت آدم کی تخلیق کے وقت ایک فرشتہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ ایک مٹھی بھر کے مٹی لے آئیں چنانچہ وہ تمام روئے زمین سے ہر خطہ و ہر جگہ کی تھوڑی تھوڑی مٹی اپنی مٹھی میں بھر لائے اسی سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی اسی لئے آدم

کی اولاد میں مختلف رنگ و نسل اور مختلف طبائع کے انسان پیدا ہوتے ہیں کوئی کالا ہوتا ہے تو کوئی گورا اور کسی کا رنگ گندمی ہوتا ہے اسی طرح کچھ انسان اپنی طبیعت و مزاج کے اعتبار سے نرم خو، خوش اخلاق اور میٹھی زبان کے ہوتے ہیں کچھ لوگوں کی طبیعت سخت و تیز اور غیر معتدل ہوتی ہے، بعض انسان فطرتاً پاک و صاف ہوتے ہیں اور بعض گندگی و نجاست سے ملوث رہتے ہیں اور یہ فرق و اختلاف اسی بنیادی مادہ کی وجہ سے ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی تھی۔

(۲۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِيْ ظُلْمَةٍ فَاَلْقٰى عَلَيْهِمْ مِنْ نُّوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ اهْتَدٰى وَمَنْ اَخْطَاَهٗ ضَلَّ فَلِذٰلِكَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ۔

(رواہ احمد والترمذی)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق (جن و انس) کو اندھیرے میں پیدا کیا اور پھر ان پر اپنے نور کا پرتو ڈالا، لہٰذا جس کو اس نور کی روشنی میسر آگئی وہ راہ راست پر لگ گیا اور جو اس کی مقدس شعاعوں سے محروم رہا وہ گمراہی میں پڑا رہا، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تقدیر الٰہی پر قلم خشک ہو چکا ہے (کہ اب تقدیر میں تغیر و تبدل ممکن نہیں)۔" (احمدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: اندھیرے سے مراد نفس امارہ کی ظلمت ہے کہ انسان کی جبلت میں خواہشات نفسانی اور غفلت کا مادہ رکھا تھا لہٰذا جس کا قلب و دماغ ایمان و احسان کی روشنی سے منور ہو گیا اور اس نے طاعت الٰہی سے خدا کی ذات کا عرفان حاصل کر لیا تو وہ نفس امارہ کے مکر و فریب اور اس کی ظلمت سے نکل کر خدا پرستی و نیکوکاری کے لالہ زار میں آگیا اور جو اپنے نفس کے مکر و فریب میں پھنس کر طاعت الٰہی کے نور سے محروم رہا وہ گمراہی میں پڑا رہ گیا۔

(۲۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَآءُ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ اکثر و بیشتر بطور دعا کے یہ فرمایا کرتے تھے۔ اے قلوب کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ! میں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ (ﷺ) پر ایمان لائے اور آپ (ﷺ) کے لائے ہوئے دین و شریعت پر بھی ایمان لائے تو کیا اب بھی ہمارے بارہ میں آپ (ﷺ) ڈرتے ہیں (کہ کہیں ہم گمراہ نہ ہو جائیں) آپ ﷺ نے فرمایا بے شک قلوب اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں (یعنی اس کے تصرف و اختیار میں ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو گردش میں لاتا رہتا ہے)۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: حضرت انسؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ تو بالکل معصوم اور محفوظ ہیں۔ نعوذ باللہ کسی گمراہی کا شائبہ بھی آپ ﷺ کے اندر نہیں آسکتا ظاہر ہے کہ یہ دعا آپ ﷺ ہمارے لئے ہی کرتے ہوں گے کہ کہیں ہم دنیا کی چمک دمک میں پھنس کر اپنے دین و ایمان سے گمراہ نہ ہو جائیں تو کیا ایسی شکل میں جب کہ آپ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں اور ہم آپ ﷺ کی رسالت اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی صداقت کا اعتقاد رکھتے ہیں، نیز ہمارے قلوب ایمان و ایقان کی حقیقی کیفیت سے سرشار ہیں ہمارے گمراہ ہونے کا کیا خدشہ ہو سکتا ہے؟ اس پر سرکار دو عالم ﷺ نے جواب دیا کہ قلوب کے رخ خدا کے ہاتھ میں ہیں اور جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیرتا رہتا ہے، نہ معلوم کس کے قلب کا رخ گمراہی کی طرف کب ہو جائے اس لئے دعا مانگنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ دل کو ہمیشہ سلامتی کی راہ پر لگائے رہے اور گمراہی کی طرف نہ مڑنے دے۔

(۲۴) وَعَنْ اَبِی مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَلْبِ کَرِیْشَۃٍ بِاَرْضٍ فَلَاۃٍ یُقَلِّبُھَا الرِّیَاحُ ظَھْرًا لِبَطْنٍ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دل کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی پَر کسی میدان میں پڑا ہو اور ہوائیں اس کی پیٹھ سے پیٹ اور پیٹ سے پیٹھ کی طرف پھرتی رہتی ہیں۔" (احمدؒ)

تشریح: اسی طرح دلوں کا حال ہے کہ کبھی وہ برائی سے بھلائی کی طرف رخ کر لیتے ہیں اور کبھی بھلائی سے برائی کے راستہ پر جا لگتے ہیں۔

(۲۵) وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ وَیُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَیُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے۔ (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (۲) اور میں بلاشبہ خدا کی جانب سے بھیجا ہوا رسول ہوں اور حق (دین اسلام) لے کر اس دنیا میں آیا ہوں۔ (۳) موت اور مرنے کے بعد (میدان حشر میں) اٹھنے پر ایمان لانا۔ (۴) اور تقدیر پر ایمان لانا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: موت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کو یقینی جانے کہ اس دنیا کی تمام زندگی عارضی اور فانی ہے جو اپنے وقت پر ختم ہو جائے گی۔ اور اس دنیا میں جو کچھ ہے سب ایک دن فنا کے گھاٹ اتر جائے گا یا اس سے یہ مراد ہے کہ اس بات پر صدق دل سے یقین و اعتقاد رکھا جائے کہ موت کا ایک دن مقرر ہے اور وہ خداوند کے حکم سے آتی ہے کوئی بیماری، حادثہ یا تکلیف موت کا حقیقی سبب نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں بادی النظر میں ظاہری اسباب ہوتے ہیں کسی انسان کی زندگی اور موت کلیۃً خدا کے ہاتھ میں ہے جب تک اس کا حکم ہوتا ہے زندگی رہتی ہے اور جب وہ چاہتا ہے موت بھیج کر زندگی ختم کر دیتا ہے۔

(۲۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اُمَّتِیْ لَیْسَ لَھُمَا فِی الْاِسْلَامِ نَصِیْبٌ اَلْمُرْجِئَۃُ وَالْقَدَرِیَّۃُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری اُمت میں دو فرقے ایسے ہیں جن کو اسلام کا کچھ بھی حصہ نصیب نہیں ہے اور وہ "مرجیہ و قدریہ" ہیں، ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: اسلام میں ایک گروہ "مرجیہ" کے نام سے مشہور ہے، یہ فرقہ اعمال کے سلسلہ میں اسباب کا قائل نہیں ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ کسی عمل اور فعل کی نسبت بندہ کی جانب ایسی ہی ہے جیسے کسی فعل کی نسبت جمادات کی طرف کر دی جائے یعنی جس طرح ایک لکڑی پتھر، روڑہ ہے کہ اس کو جس طرف پھینک دیجئے یا جدھر کو لڑھکا دیجئے وہ لڑھکتا چلا جائے گا اس کو اپنے پھینکے جانے اور لڑھکائے جانے میں کوئی دخل و اختیار نہیں ہے، بلکہ وہ پھینکنے والے اور لڑھکانے والے کے قبضہ و قدرت میں ہے، اسی طرح ایک بندہ ہے کہ اس کو اپنے کسی عمل اور فعل میں کوئی دخل اور اختیار نہیں ہے بلکہ وہ محض اور بے اختیار ہے، قدرت اس سے جیسے عمل صادر کراتی ہے وہ کرتا ہے وہ نہ کسی عمل کے از خود کرنے پر قادر ہے اور نہ کسی عمل سے باز رہنا اس کے اختیار میں ہے۔

اس کے مقابل ایک دوسرا فرقہ "قدریہ" ہے جو سرے سے تقدیر ہی کا منکر ہے، اس جماعت کا مسلک یہ ہے کہ بندہ کے اعمال میں تقدیر الٰہی کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ بندہ خود اپنے اعمال کا خالق اور اپنے افعال میں مختار و قادر ہے۔ وہ جو کچھ عمل کرتا ہے اپنی قدرت و اختیار کی بنا پر کرتا ہے۔ یہی مسلک "معتزلہ اور روافض" کا بھی ہے۔

یہ دونوں فرقے اسلامی نقطۂ نظر سے اپنے اپنے مسلک میں راہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں اس لئے کہ اگر مرجیہ کے اعتقادات کو

مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب بندہ سے اختیار و قدرت اور ارادہ و مشیت کی نفی کر کے اسے اینٹ پتھر اور لکڑی اور غیر ذی ارادہ مخلوق کی طرح مان لیا گیا اور بندہ کے ہر فعل میں اختیار و قدرت کلیۃً خدا کا مانا گیا یا صاف لفظوں میں یہ کہا جائے کہ گویا صفات خالق کو سامنے رکھ کر صفات عبد سے انکار کر دیا گیا تو قدرتی طور پر یہ بات ماننی پڑے گی کہ بندہ سے سرزد شدہ افعال خود بندہ کے نہیں کہلائے جائیں گے بلکہ ان کو خدا کے افعال کہا جائے گا خواہ وہ فعل کسی قسم کا ہو اور کسی بھی عضو سے صادر ہوا ہو لہٰذا جب بندہ دیکھے گا تو کہا جائے گا کہ وہ نہیں دیکھ رہا ہے بلکہ خدا دیکھ رہا ہے جب بندہ کھائے گا تو ماننا پڑے گا کہ وہ نہیں کھا رہا ہے، بندہ جب سنے گا تو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ نہیں سن رہا ہے بلکہ خدا سن رہا ہے، بندہ جب سوئے گا تو یہی کہا جائے گا کہ وہ نہیں سو رہا ہے بلکہ خدا سو رہا ہے تو گویا بندہ سے کوئی فعل بھی جب سرزد ہوگا تو یہی کہنا ہوگا کہ وہ اس بندہ سے نہیں بلکہ درحقیقت خدا سے سرزد ہو رہا ہے۔ اور چونکہ یہ سب وجود کے آثار ہیں جن سے غافل کے موجود ہونے کا پتہ چلتا ہے تو خلاصہ یہ نکلے گا کہ بندہ اگرچہ موجود ہے لیکن حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے، بلکہ وہ خالق اور افعال کے درمیان ایک ایسا ذریعہ ہے جو ان افعال کے اظہار کے لئے واسطہ بن رہا ہے بلکہ موجود تو صرف خدا کی ذات ہے ورنہ تمام کا تمام کالعدم ہے۔

لہٰذا یہ ساری حجت وحدۃ الوجود اور کثرت موجودات کی نفی پر آکر ختم ہو جائے گی جس کو بعض جاہل صوفیاء کی اصطلاح میں "ہمہ اوست" کہتے ہیں جس کا حاصل کثرت موجودات اور اعیان ثابت کا برملا انکار اور ساری کثرتوں کو ایک فرضی اور وقتی کارخانہ تصور کر لینا نکل آتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ گویا اس کائنات میں ہر چیز موجود ہو کر بھی کالعدم اور معدوم ہی ہے، موجود صرف ذات واحد ہی ہے اور کوئی نہیں اس کا نتیجہ اصطلاحی الفاظ میں یہ ہے کہ دائرہ وجود میں وجود کی صرف ایک ہی نوع رہ جائے جسے واجب الوجود کہتے ہیں اور ممکن الوجود کا کوئی نشان و پتہ ہی نہ رہے بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے معدوم محض ہو کر رہ جائے۔

اب ظاہر ہے کہ ایجاد خداوندی یا فیضان وجود جسے تخلیق کہتے ہیں ممکن ہی پر ہو سکتا ہے اس لئے کہ اسی میں قبول وجود کی صلاحیت ہے لیکن چونکہ وہ بمعنی معدوم محض ہو گیا ہے جس پر آثار وجود اور آثار زندگی ظاہر نہیں ہو سکتے، تو اب ایجاد کس پر واقع ہو اور تخلیق کس چیز کی عمل میں آئے؟ نیز ایجاد کے بعد ابقاء خداوندی یعنی تدبیر و تصرف اور ربوبیت وغیرہ ایسی وہ تمام صفات حق جن کا تعلق مخلوق سے تھا کس پر واقع ہوں گی؟ اور کہاں اپنی تجلیات دکھلائیں گی؟ جب کہ ذات خداوندی کے سوا کسی غیر کا پتہ نہیں کہ وہ ان صفات کا مورد و مظہر بن سکے، لہٰذا اس شکل میں ماننا پڑے گا کہ ایجاد و ابقاء کی تمام صفات معاذ اللہ معطل و بیکار ثابت ہو گئیں ہیں اور تعطل اگر عدم نہیں تو کالعدم ضرور ہے، با بالفاظ دیگر افعال باری کا عدم ہے جو انتہائی نقص ہے۔

اور جب کہ یہ تمام فعلی کمالات صفات وجود کے آثار تھے جو ذات حق سے منتفی ہو گئے تو بلاشبہ وجود خداوندی ان کی نفی سے ناقص ٹھہرا اور خدا کی بے عیب ذات کتنے ہی کمالات مثلاً ظہور صفات اور افعال سے کوری رہ گئی جن پر معبودیت کا کارخانہ قائم تھا اور ظاہر ہے کہ نقص صفات اور نقص افعال کے ساتھ خدائی جمع نہیں ہو سکتی، تو ایسی ناقص ذات کو خدا نہیں کہہ سکتے، نتیجہ یہ نکلا کہ نہ خالق رہا اور نہ مخلوق رہی۔

غور کیجئے کہ مرجیہ کے نظریات نے بندہ کو مجبور محض اور بے اختیار تصور کیا اور اس کے تمام افعال و اعمال کی ذمہ داری تقدیر الٰہی کے سر ڈال دی، نتیجہ یہ نکلا کہ اگر انہوں نے بندہ کے اختیار و قدرت کا انکار کیا تھا تو انجام کار خدا کی صفات افعال ایجاد، ترزیق اور قیومیت و تدبیر وغیرہ سے ہاتھ دھونا پڑا۔

اب ذرا "قدریہ" کے مسلک کی تنقیح بھی کر لیجئے اس جماعت نے مرجیہ کا رد عمل کرتے ہوئے اس سلسلہ میں محض صفات عبد کو سامنے رکھا، اور صفات معبود سے صرف نظر کر لیا، یعنی بندہ کے اختیارات و قدرت، ارادہ مشیت اور فعل و عمل کو اس درجہ میں مستقل اور آزاد بتلایا کہ اس میں خدا کے ارادہ و قدرت اور اختیار و فعل کو دخل ہی نہیں حتیٰ کہ بعض غالی قدریہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ خدا کو بندہ

کے افعال کا علم بھی اس وقت ہوتا ہے جب بندہ اسے کر لیتا ہے، گویا بندہ کے استعمال اختیار کی حد تک نہ خدا میں ارادہ ہے، نہ قدرت کو اختیار ہے نہ مشیت، حتیٰ کہ نہ سابق علم نہ خبر۔

لہٰذا مرجیہ نے تو تقدیر سے مثلاً صفات خالق ارادہ، علم، قدرت، اختیار وغیرہ کو خدا سے وابستہ کر کے بندے کو ان سے کورا مان لیا اور قدریہ نے ان صفات کو بندہ سے مستقلاً وابستہ کر کے خدا کو ان سے خالی مان لیا۔

غور کیجئے! اس کا بھی نتیجہ وہی (نعوذ باللہ) عدم محض، تعطل خالص، اور خدائی ذات میں زبردست نقصان اور اس کی صفات میں کوتاہی نکلا۔ اس لئے کہ اتنی بات تو ظاہر ہے کہ بندہ منٹ بھر میں سینکڑوں اچھے برے افعال اور حرکات و سکنات مختلف اندازوں سے کر گزرتا ہے جس کے عمر بھر کے افعال و حرکات کی گنتی ناممکن ہے، پھر انسانی تصرفات کی حدود اسی عالم تک نہیں ہیں، اس لئے کہ بعض ایسے متعدی افعال بھی ہیں جن میں انسان دوسری اشیاء کائنات کو مفعول بناتا ہے ظاہر ہے ان اشیاء عالم میں جو اس کے تسخیر و تصرف میں آتی ہیں، زمین سے لے کر آسمان تک ساری ہی مخلوقات داخل ہیں۔

لہٰذا سارے انسانوں کے یہ تمام افعال جو سارے ہی عالموں میں پھیلے ہوئے ہیں اور بقول قدریہ یہ انسانوں کی ایسی مخلوقات ہیں جن کی ایجاد و تخلیق میں خدا کا دخل تو کیا ہوتا ان پر اس کا نہ زور چل سکتا ہے اور نہ ہی اسے ان کی پیدائش سے پہلے ان کا علم ہی ہوتا ہے گویا انسان جو خود اپنی تخلیق میں بے بس ہے اسے تو ان کی تخلیق کا ارادہ کرتے وقت علم ہو جاتا ہے کہ اسے کیا اور کب پیدا کرنا ہے، مگر نعوذ باللہ خدا اتنا بے خبر اور لاعلم کہ اسے یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کون سی چیز کب پیدا ہوئی اور کون سا فعل کب صادر ہوا۔

اس صورت میں یقیناً انسان کی تخلیق کا شمار خدا کی مخلوقات کے شمار سے بڑھ جائے گا، اس لئے کہ خدا تو انسان کا خالق ہے اور انسان تمام افعال و اشیاء کا خالق ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کی نسبت سے ان کا افعال بلاشبہ کروڑوں گنا زیادہ ہیں، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ انسانی مخلوقات خدا کی مخلوقات سے زیادہ نہ ہو جائے اور پھر مخلوقات بھی ایسی کہ خدائی سرحد سے بالکل خارج جس پر اس کا کوئی بس نہ ہو بلکہ علم قدیم بھی نہ ہو پس اس معاملہ میں کہنا پڑے گا کہ خدا تو بے بس ہو گیا اور انسان مختار کل ہو گیا، بندہ تو خدائی حدود میں آ گیا اور خدا بندوں کی صف میں جا بیٹھا، یعنی بندہ کا زور تو خدا کی خدائی پر چل گیا کہ اس نے افعال و اشیاء کی تخلیقات کر ڈالیں اور خدا کا بس اپنی خدائی پر بھی نہ رہا کہ اسے ان مخلوقات کے وجود میں آنے کا علم بھی نہ ہو سکا اور اس مقام پر آ کر اس کا ارادہ، قدرت، مشیت اور اختیار وغیرہ سب بے کار اور معطل ہو کر رہ گئے۔ (ماخوذ از مسئلہ تقدیر مصنفہ حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ)

یہ ہے ان دونوں فرقوں کے مسلک کی حقیقت اور اس کا انجام ظاہر ہے کہ یہ دونوں نظریے اپنی اپنی جگہ اسلامی نقطہ نظر سے نہ صرف یہ کہ حد اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں بلکہ گمراہی کی طرف بڑھے ہوئے بھی ہیں جس کا نتیجہ عذاب خداوندی اور خسران آخرت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

ان دونوں کے مقابلے میں اہل سنّت و الجماعت کا مسلک بالکل صاف اور صحیح ہے علماء حق کہتے ہیں کہ تمام افعال و اعمال کا خالق خداوند قدوس ہے اور کاسب بندہ ہے یعنی دنیا میں جتنی چیزیں وقوع پذیر ہوتی ہیں یا ہونے والی ہیں وہ سب خدا کے حکم اور اس کے ارادہ و علم سے ہوتی ہیں، اسی طرح بندوں سے جو کچھ افعال سرزد ہوتے ہیں خواہ وہ افعال نیک ہوں یا افعال بد سب نوشتہ تقدیر کے مطابق بروقت وقوع پذیر ہوتے ہیں لیکن بندہ کو عقل و دانش، فہم و فراست اور نیک و بد میں امتیاز پیدا کرنے کی صلاحیت عطا فرما کر اس کے سامنے دونوں راستے واضح کر دیے ہیں اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ اگر نیکی و بھلائی کے راستے کو اختیار کرو گے تو سعادت و نیک بختی سے نوازے جاؤ گے اور اگر کوئی برائی و بدی کے راستے کو اختیار کرو گے تو عذاب خداوندی میں گرفتار کئے جاؤ گے لہٰذا بندہ اسباب کسب کے اعتبار سے اپنے ہر عمل و فعل میں مختار ہے۔

گویا اہل سنّت و الجماعت بندہ کو بیک وقت مختار بھی کہتے ہیں اور مجبور بھی مگر اس درمیانی انداز سے کہ اسے نہ مختار مطلق جانتے ہیں نہ

مجبور محض یعنی ایک طرف سے اسے مختار مان کر زنجیر تقدیر سے پابستہ بھی کہتے ہیں اور دوسری طرف اسے مجبور کہہ کر اینٹ و پتھر کی طرح بے حس بھی تسلیم نہیں کرتے۔

بہر حال اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فرقے یعنی مرجیہ اور قدریہ کافر ہیں لیکن حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحقیق کے مطابق علماء کا قول مختار یہ ہے کہ یہ دونوں فرقے کافر نہیں ہیں البتہ فاسق ہیں کیوں کہ یہ فرقے بھی قرآن وحدیث ہی سے تمسک کرتے ہیں اور اپنے نظریات میں تاویل و توضیح کر کے کفر کے دائرہ سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کے بارہ میں کہا جائے گا کہ اس سے ان فرقوں کی زجر و ملامت مقصود ہے اور ان کے غلط عقائد کی گمراہی کو واضح کرنا ہے جس میں اس شدت و سختی کے ساتھ ان کے مذہب کا رد کیا جارہا ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث کی صحت میں بھی کلام کیا ہے۔

حضرت شاہ اسحٰق کی تحقیق اس کے برخلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ علماء محققین ان فرقوں پر کفر کا حکم لگاتے ہیں اور ان کو خارج الاسلام مانتے ہیں لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ان کا کفر آیا تاویلی ہے یا ارتدادی۔

(۲۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ وَذٰلِكَ فِي الْمُكَذِّبِيْنَ بِالْقَدَرِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ میری اُمت میں (خدا کے دردناک عذاب) زمین میں دھنس جانا اور صورتوں کا مسخ ہو جانا بھی ہوگا اور یہ عذاب ان لوگوں پر ہوگا جو تقدیر کے منکر ہیں (ابوداؤد) امام ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔"

تشریح: زمین میں دھنس جانا اور صورتوں کا مسخ ہو جانا خدا تعالیٰ کی جانب سے بہت سخت عذاب ہیں جو اس اُمت سے پہلے دوسری امتوں پر ان کی سرکشی اور حد سے زیادہ نافرمانی کی بنا پر ہو چکے ہیں، اس اُمت میں بھی آخر زمانہ میں خدا سے تمرد و سرکشی اور بغاوت و نافرمانی حد سے زیادہ بڑھ جائے گی تو ان فرقوں پر یہ عذاب ہو سکتا ہے۔

لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسخ و خسف جیسے دردناک عذاب میری اُمت پر ہوئے تو ان دونوں فرقوں پر ہوں گے۔

(۲۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، فرقہ قدریہ اس اُمت کے مجوس ہیں لہٰذا اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کے لئے نہ جاؤ اور اگر وہ مرجائیں تو ان کے جنازہ میں شریک مت ہونا۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث سے قدریہ کی صریح گمراہی اور ان کی ضلالت واضح ہے کہ ان کو اس اُمت کا مجوس قرار دیا گیا مجوس ایک آتش پرست قوم ہے جو دو خدا مانتی ہے ایک وہ خدا جو نیکی و بھلائی کا پیدا کرنے والا ہے، اس کو یزداں کہتے ہیں۔ دوسرا وہ خدا جو برائی و بدی کا پیدا کرنے والا ہے، اس کو اہرمن یعنی شیطان کہتے ہیں۔

لہٰذا جس طرح مجوسی تعدد اللہ کے قائل ہیں اسی طرح قدریہ بھی بے انتہا خالقوں کے قائل ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک ہر بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اسی طرح جتنے بندے ہوں گے اتنے ہی خالق ہی ہوں گے، نیز جس طرح قدریہ خالق خیر الگ اور خالق شر الگ مانتے ہیں اسی طرح قدریہ بھی کہتے ہیں کہ خیر و بھلائی کا پیدا کرنے والا تو خدا ہے اور شر و برائی کا پیدا کرنے والا شیطان اور انسانی نفس ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اس فرقہ سے کلیۃً اجتناب کرنا ضروری ہے اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کے لئے

نہیں جانا چاہیے اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہونا چاہیے گویا غمی خوشی کسی موقع پر بھی ان کے ساتھ نہ رہنا چاہیے اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا معاشرتی میل جول رکھنا جائز ہے۔

چنانچہ وہ حضرات جو اس جماعت کو کافروں کے زمرہ میں داخل کرتے ہیں اس حدیث کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں یعنی مسلمانوں کو ان کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع کرتے ہیں۔

اور جو حضرات ان کو کافر نہیں بلکہ فاسق کہتے ہیں وہ اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس حدیث کا مقصد اس جماعت کی گمراہی و ضلالت کو بیان کرنا اور ان کی زجر وملامت میں شدت کا اظہار کرنا ہے۔

لیکن حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ محققین کا قول یہی ہے کہ نہ تو ان کی عیادت میں جائے اور نہ ان کے جنازہ میں شریک ہو اور جہاں تک ہو سکے ان سے قطع تعلق رکھے۔

(۲۹) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجَالِسُوْا اَهْلَ الْقَدْرِ وَلَا تُفَاتِحُوْهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قدریہ کی ہم نشینی اختیار نہ کرو اور نہ ان کو اپنا حکم (ثالث) بناؤ۔"

(ابوداؤد)

تشریح: قدریہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، ان سے مجالست کرنا اور ان کی ہم نشینی اختیار کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ان کی مجلسوں میں شریک ہونے سے یہ ظاہر ہوگا کہ ان سے محبت و موانست ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے مناسب نہیں ہے کہ کسی گمراہ جماعت سے تعلق قائم کریں اور ان سے انس و محبت کا برتاؤ کریں۔

اس لئے کہ جب ان کے ساتھ رہنا سہنا ہوگا اور ان کی ہم نشینی اختیار کی جائے گی تو ان کے غلط نظریات اور گمراہ اعتقادات کا اثر ان پاس بیٹھنے والوں پر بھی ہوگا اور ان کی گمراہی اہل مجلس کے اعتقاد و اعمال پر بھی اثر انداز ہوگی۔ اور ہو سکتا ہے کوئی شیطانی مکر و فریب میں آکر ان کے اعتقادات کو تسلیم کرے، اس لئے بنیادی طور پر ان کی مجالست و موانست سے بھی منع فرما دیا گیا ہے۔

اسی طرح حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے کسی تنازعہ میں اہل قدر کو حاکم نہ بنائیں اور نہ ان کو اپنا ثالث مقرر کریں لاتفاتحوھم کے معنی بعض حضرات یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو نہ پہلے سلام کرو اور نہ از خود ان سے بات چیت شروع کرو۔ واللہ اعلم۔

(۳۰) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ يُجَابُ الزَّائِدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللّٰهِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ لِيُعِزَّ مَنْ اَذَلَّهُ اللّٰهُ وَيُذِلَّ مَنْ اَعَزَّهُ اللّٰهُ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحُرَمِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِيْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَدْخَلِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ۔ (بیہقی، رزین)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ چھ شخص ایسے ہیں جن پر میں لعنت بھیجتا ہوں اور خدا نے بھی ان کو ملعون قرار دیا ہے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ (پہلا) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (دوسرا) تقدیر الٰہی کو جھٹلانے والا۔ (تیسرا) وہ شخص جو زبردستی غلبہ پانے کی بنا پر ایسے شخص کو معزز بنائے جس کو اللہ نے ذلیل کر رکھا ہو اور اس شخص کو ذلیل کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت و عظمت کی دولت سے نواز رکھا ہو۔ (چوتھا) وہ شخص جو (حدود اللہ سے تجاوز کر کے اس چیز کو حلال جانے جسے اللہ نے حرام کیا ہو۔ (پانچواں) وہ جو میری اولاد سے وہ چیز (قتل) حلال جانے جو اللہ نے حرام کی ہے۔ اور (چھٹا) وہ شخص جو میری سُنّت کو چھوڑ دے۔"

(بیہقی، رزینؒ)

تشریح: حدیث میں جن اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے وہ اپنے ان غلط عقائد اور گمراہ کن اعمال کی بنا پر شریعت کی نظر میں اتنے مجرم ہیں کہ سرکار دو

عالم ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور نہ صرف یہ کہ دربار رسالت سے ان پر پھٹکار برسائی گئی ہے بلکہ وہ بارگاہ الوہیت سے بھی راندہ درگاہ کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ کسی شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا ہوگا کہ آپ ﷺ ان لوگوں پر لعنت کیوں بھیجتے ہیں؟ تو اس پر آپ ﷺ نے یہ جواب دیا کہ چونکہ خداوند قدوس نے ان کو اپنے اعمال کی بنا پر ملعون قرار دیا ہے اس لئے یہ اسی کے مستحق ہیں کہ رسول بھی ان کو ملعون قرار دے اور ظاہر ہے نبی کے لسان مقدس سے نکلی ہوئی ہر دعا اور ہر بددعا باب قبولیت تک پہنچ کر رہتی ہے اس لئے جس پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم لعنت بھیجیں اس کی دنیا بھی برباد ہوگی اور دین بھی تباہ ہو جائے گا اسی طرف کل نبی یجاب کہہ کر اشارہ فرمایا گیا ہے۔

ویسے تو اس حدیث میں جس ترکیب کے اعتبار سے یہ جملہ معترضہ واقع ہو رہا ہے اور اس کے مقصد لعنت میں شدت ہے۔ پہلا شخص جسے ملعون قرار دیا جا رہا ہے وہ قرآن میں زیادتی کرنے والا ہے، خواہ وہ قرآن میں الفاظ کی زیادتی کرے یا قرآن کی آیتوں کے ایسے معنی بیان کرے جو کتاب اللہ کے مفہوم کے خلاف اور منشاء الٰہی کے برعکس ہوں۔

تیسرا شخص وہ ہے جو زبردستی غلبہ حاصل کرے اور اپنی ظاہری شان و شوکت کے بل بوتہ پر ان لوگوں کو معزز کرے جو خدا کی نظروں میں ذلیل ہیں اور ان لوگوں کو ذلیل کرے جو خدا کے یہاں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں اور اس تیسرے شخص سے مراد ایسے بادشاہ اور ظالم حاکم ہیں جو اپنے اغراض و مقاصد کی بنا پر حکومت و دولت کے نشہ میں خدا کے ان صالح و نیک بندوں اور مسلمانوں کو ذلیل خوار کرتے ہیں جو خدا کے نزدیک بڑی عزت و عظمت کے مالک ہوتے ہیں اور ایسے کافروں، جاہلوں اور بدکار لوگوں کو عزیز رکھتے ہیں جو خدا کی نظر میں سخت ذلیل ہوتے ہیں۔

چوتھا شخص وہ ہے جو خدا کی قائم کی ہوئی حدود سے تجاوز کرتا ہے یعنی ان چیزوں کو حلال سمجھتا ہے جو خدا کی جانب سے حرام کر دی گئی ہیں مثلاً بیت اللہ مکہ میں جن باتوں کو خدا نے ممنوع قرار دیا ہے جیسے کسی جانور کا شکار کرنا، درخت وغیرہ کاٹنا، یا بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا، ان کو وہ حلال سمجھتا ہو، ایسے ہی سرکار دوعالم ﷺ کی اولاد کے بارہ میں جن چیزوں کو خدا نے حرام کیا ہے ان کو حلال کرتا ہو یعنی آنحضرت کی اولاد کی عزت و تعظیم کرنا ضروری ہے لیکن کوئی شخص نہ کرنے کو جائز سمجھے یا ان کو تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا گیا ہے ان کو تکلیف پہنچانا حلال جانے تو اس پر بھی لعنت فرمائی گئی۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص میری اولاد میں سے ہونے کے باوجود ان افعال کو حلال جان کر کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس طرح اس کا مقصد سیدوں کو تنبیہ کرنا ہے کہ یہ لوگ سرکار دوعالم ﷺ کی اولاد میں ہونے کے ناطے گناہ و معصیت سے بچتے رہیں، اس لئے کہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں اس قوم کو گناہ و معصیت زیادہ برائی و تباہی کا باعث ہیں کیونکہ ان کا نسبی تعلق براہ راست آنحضرت ﷺ سے ہے۔

اسی طرح پانچواں ملعون وہ شخص قرار دیا گیا ہے جو ان چیزوں کو حرام سمجھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو۔

چھٹا ملعون اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جو سُنّت نبوی کو ترک کرتا ہو۔

اس کا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص سستی اور کسل کی بنا پر سُنّت کو ترک کرتا ہو وہ گناہ گار ہے اور جو شخص سُنّت کو نعوذ باللہ ناقابل اعتناء سمجھ کر چھوڑتا ہو تو وہ کافر ہے لیکن اس لعنت میں دونوں شریک ہیں۔ مگر یہ کہا جائے گا کہ جو شخص ازراہ کسل و سستی سُنّت چھوڑتا ہے اس پر لعنت کرنا زجر و توبیخ کے لئے ہے اور جو شخص ناقابل اعتناء سمجھ کر سُنّت کو ترک کرتا ہے اس پر حقیقۃً لعنت ہوگی ہاں اگر کوئی شخص کسی وجہ سے کسی وقت سُنّت کو ترک کر دے تو اس پر گناہ نہیں ہوگا لیکن یہ بھی مناسب نہیں ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ وعید سُنّت مؤکدہ کے ترک کرنے پر ہے۔

(۳۱) وَعَنْ مَطَرِ بْنِ عُكَامِسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ يَمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهُ

اِلَيْهَا حَاجَةً۔ (رواہ احمد والترمذی)

"اور حضرت مطرؓ بن عکاسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی موت کو کسی زمین میں مقدر کر دیتا ہے تو اس زمین کی طرف اس کی حاجت کو بھی پورا کر دیتا ہے تاکہ وہاں جانے پر مجبور ہو اور وہاں جا کر موت کا شکار ہو۔" (احمدؒ، ترمذیؒ)

(۳۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذَرَارِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ؟ قَالَ مِنْ اٰبَائِهِمْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِلَا عَمَلٍ قَالَ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ قُلْتُ فَذَرَارِيُّ الْمُشْرِكِيْنَ؟ قَالَ مِنْ اٰبَائِهِمْ قُلْتُ بِلَا عَمَلٍ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ (جنّت و دوزخ کے سلسلہ میں) مسلمان بچوں کا کیا حکم ہے؟" آپ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں یعنی وہ اپنے باپوں کے ساتھ جنت میں ہیں"میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بغیر کسی عمل کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ بچے جو کچھ کرنے والے تھے، میں نے پھر پوچھا اچھا مشرکوں کی اولاد کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ بھی اپنے باپوں کے تابع ہیں۔ میں نے (تعجب سے) پوچھا، بغیر کسی عمل کے؟ آپ نے فرمایا خدا ہی بہتر جانتا ہے وہ بچے جو کچھ کرنے والے تھے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہؓ کا منشاء ان مؤمنین اور مشرک بچوں کے بارہ میں معلوم کرنا تھا جو حالت کمسنی میں اس دنیا سے کوچ کر گئے تھے اور جن سے کوئی عمل خیر یا عمل بد صادر نہیں ہوا تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ کے جواب کے بعد حضرت عائشہؓ کو تعجب ہوا کہ مسلمان بچے بغیر کسی عمل کے بہشت میں کس طرح داخل ہو جائیں گے تو اس پر آنحضرت ﷺ نے واللّٰہ اعلم بما کانو اعاملین (یعنی خدا خوب جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے) کہہ کر قضا و قدر کی طرف اشارہ فرما دیا کہ وہ جو کچھ عمل کرنے والے تھے وہ نوشتہ تقدیر میں محفوظ ہو چکا ہے، گو اس وقت بالفعل ان سے عمل سرزد نہیں ہوئے ہیں لیکن جو کچھ عمل وہ زندگی کی حالت میں کرتے وہ خدا کے علم میں ہوں گے اس لئے ان کے جنتی ہونے پر تعجب نہ کرو۔

مشرک بچوں کے بارے میں علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں سرکار دو عالم ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے باپوں کے تابع ہیں، آخرت کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اور وہی جانتا ہے کہ وہاں ان کے ساتھ کیسا برتاؤ ہو گا اس لئے ان کے بارہ میں کوئی حکم یقین کے ساتھ نہیں لگایا جا سکتا۔

(۳۳) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَائِدَةُ وَالْمَوْءُوْدَةُ فِي النَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ زندہ بچہ کو گاڑنے والی (عورت) اور وہ جس کو گاڑا گیا دونوں دوزخ میں ہیں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں زندہ بچوں کو دفن کر دینے کا دردناک طریقہ جاری تھا، خصوصاً لڑکی کو تو پیدا ہوتے ہی منوں مٹی کے نیچے اندوہ ناک طریقہ پر دبا دیا جاتا تھا جب اسلام کی مقدس روشنی نے ظلم و جہل کی تمام تاریکیوں کو دور کیا تو یہ غیر انسانی طریقہ بھی ختم کر دیا گیا، اس کے بارے میں یہ حدیث وعید ہے اور زندہ بچوں کو دفن کر دینے والوں کو دوزخی قرار دے رہی ہے۔

"گاڑنے والی" سے مراد وہ عورت ہے جس نے بچہ کو زمین میں دفن کیا مثلاً دائی یا نوکرانی وغیرہ اور موؤدہ، جس کو گاڑا گیا، سے مراد وہ عورت ہے جس نے اسے جنا ہے یعنی اس بچہ کی ماں جس کے حکم سے اس کو زمین میں دفن کیا گیا ہو۔

یا اس سے مراد وہی بچی ہے جس کو گاڑ دیا گیا ہے کہ جس طرح اس کے والدین دوزخی ہیں اسی طرح جب وہ بھی کمسنی کی حالت میں اس

ؒ مطر ابن عکاس السلمی کا شمار کوفیوں میں ہوتا ہے ان سے صرف ہی ایک حدیث منقول ہے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

دنیا سے ختم کر دی گئی تو اپنے باپ کی طرح دوزخی ہوئی جیسا کہ اس سے پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت کمسنی میں جو بچہ اس دنیا سے چلا جاتا ہے وہ اپنے باپ کے تابع ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۳۴) عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فَرَغَ اِلٰی کُلِّ عَبْدٍ مِنْ خَلْقِہٖ مِنْ خَمْسٍ مِنْ اَجَلِہٖ وَعَمَلِہٖ وَمَضْجَعِہٖ وَاَثَرِہٖ وَرِزْقِہٖ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابو درداء[۱] راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر ایک بندے کے متعلق پانچ باتوں سے (تقدیر لکھ کر) فارغ ہو گیا۔ (۱) اس کی موت (کہ کب آئے گی)۔ (۲) اس کے (نیک وبد) اعمال۔ (۳) اس کے رہنے کی جگہ۔ (۴) اس کی واپسی کی جگہ۔ (۵) اور اس کا رزق۔" (احمدؒ)

تشریح: ہر انسان کی پیدائش سے بھی بہت پہلے ازل ہی میں اس کے مقدر میں پانچ چیزیں لکھ دی گئی ہیں جن میں اب نہ کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی تغیر و تبدل ممکن ہے چنانچہ ہر انسان کی تقدیر میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اس کی عمر کتنی ہے اور موت کب آئے گی اب جو وقت اور جو لمحہ موت کا لکھ دیا ہے اس میں ایک سیکنڈ اور ایک پل بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی، اسی طرح انسان کے نیک و بد اعمال بھی اس کی پیدائش سے پہلے ہی نوشتہ تقدیر ہو چکے ہوتے ہیں، کہ اس سے اعمال کیسے صادر ہوں ہوں گے، جتنے نیک اعمال لکھ دیئے گئے ہیں وہ یقیناً صادر ہوں گے اور جتنے بد اعمال لکھ دیے گئے ہیں وہ بھی اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوں گے۔

ہر انسان کے قیام کی جگہ اور اس کے حرکات و سکنات کا مقام بھی پہلے سے متعین ہو چکا ہوتا ہے کہ کس زمین اور کس خطہ میں اس کا وجود و قیام ہوگا اور کس روئے زمین پر اس کی زندگی کے اعمال و افعال صادر ہوں گے، انسان کا رزق بھی اس کی نوشتہ تقدیر کے مطابق ہی حصہ میں آتا ہے جس کے مقدر میں جتنا اور جس قسم کا رزق لکھ دیا گیا ہے وہ ضرور اس تک پہنچے گا اگر تھوڑا ہی رزق لکھا ہے تو کم ہی ملے گا اور زیادہ لکھ دیا گیا ہے تو زیادہ ملے گا اسی طرح اگر کسی کے مقدر میں حلال رزق لکھا گیا ہے تو وہ حلال رزق ہی کھائے گا اور اگر حرام رزق لکھ دیا گیا ہے تو وہ حرام رزق کھائے گا۔ یا رزق سے مراد یہ ہے کہ بندہ کو اس کی زندگی میں جو کچھ منافع و آسانیاں اور راحت و آرام سے پہنچنے والے ہیں سب اس کی تقدیر میں پہلے ہی لکھ دیے گئے ہیں۔

(۳۵) وَعَنْ عَآئِشَۃَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ تَکَلَّمَ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الْقَدَرِ یُسْئَلُ عَنْہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ لَّمْ یَتَکَلَّمْ فِیْہِ لَمْ یُسْئَلْ عَنْہُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص تقدیر کے مسئلہ میں بحث و مباحثہ کرے گا قیامت میں اس سے باز پرس ہوگی اور جو (شخص اس پر ایمان لا کر) خاموشی اختیار کرے گا وہ اس مواخذہ سے بچ جائے گا۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: اس حدیث کا مقصد تقدیر کے مسئلہ میں غور و فکر اور تحقیق و تجسس سے منع کرنا ہے کہ خدا کے اس راز میں جو بندوں پر ظاہر نہ کرنا ہی مصلحت خداوندی ہے زیادہ بحث و مباحثہ کرنا یا اپنی عقل کی پیروی کرنا آخرت کے لئے کوئی کار آمد نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا غور و فکر یا تحقیق و تجسس خسران آخرت اور قیامت میں باز پرس کا باعث ہے اس لئے فلاح و سعادت اسی میں ہے کہ تقدیر پر ایمان لایا جائے اور خاموشی اختیار کر کے عمل میں مصروف رہے۔

---

[۱] آپ کا نام عویمر ہے لیکن اس میں بہت اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے اصل نام عامر ابن مالک ہے اور عویمر لقب ہے لیکن یہ اپنی کنیت ابو داؤد سے مشہور ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے دو سال قبل دمشق میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔

(۳۶) وَعَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اَتَيْتُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهُ قَدْ وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنَ الْقَدَرِ فَحَدِّثْنِي لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُذْهِبَهُ مِنْ قَلْبِي فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوَاتِهِ وَاَهْلَ اَرْضِهِ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَلَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ وَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَاَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَلَوْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِي عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن دیلمی[1] رحمہ اللہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب[2] (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے دل میں تقدیر کے بارہ میں کچھ شبہات پیدا ہو رہے ہیں (کہ جب تمام چیزیں نوشتہ تقدیر کے مطابق ہیں تو پھر یہ ثواب یا عذاب کیسا؟) اس لئے آپ کوئی حدیث بیان کیجئے تاکہ (اس کی وجہ سے) شاید اللہ تعالیٰ میرے دل کو اس شبہ (کی گندگی) سے پاک کردے۔ (یہ سن کر) انہوں نے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب میں مبتلا کرے تو وہ ان پر کسی طرح کا ظلم کرنے والا نہیں ہے (یعنی وہ اہل زمین اور اہل آسمان کو کتنا ہی عذاب دے اسے ظالم نہیں کہا جائے گا) اور اگر وہ ان کو اپنی رحمت سے نواز دے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے یقیناً بہتر ہوگی، اور اگر تم خدا کی راہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو تمہارا یہ عمل خیر خدا کے نزدیک اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک کہ تم تقدیر پر کامل اعتقاد و ایمان نہ رکھو اور یہ سمجھ لو کہ جو کچھ تم کو پہنچا ہے وہ (رکنے) اور خطا کرنے والا نہ تھا اور جو چیز رک گئی اور تمہیں نہیں پہنچی تو (سمجھو کہ) وہ تمہارے مقدر میں نہیں تھی، اور اگر تم اس حالت میں مرجاؤ کہ اس کے خلاف عقیدہ ہو (یعنی تقدیر پر کامل ایمان نہ ہو) تو یقیناً دوزخ میں جاؤ گے، ابن دیلمی کہتے ہیں کہ ابی بن کعب کا یہ بیان سن کر میں عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے بھی یہی بیان کیا پھر خذیفہ بن یمان کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہی کہا اور پھر میں زید بن ثابت کے پاس پہنچا انہوں نے اس قسم کی حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا۔" (احمدؒ، ابوداؤد، ابن ماجہؒ)

تشریح: حدیث کے الفاظ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ الخ کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو کچھ حاصل ہو اس کے بارے میں یہ نہ کہو کہ اسے میں نے اپنی سعی و کوشش سے حاصل کیا ہے اور اگر کوئی چیز تمہیں نہ ملے تو یہ مت کہو کہ اگر یہ کوشش اور جدوجہد کرتا تو ضرور اسے حاصل کر لیتا اس لئے کہ جو کچھ تم تک پہنچا ہے اس میں تمہاری سعی و کوشش کو دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ نوشتہ تقدیر کے مطابق پہنچتا ہے اور جو چیز تمہیں نہیں ملی وہ چونکہ ہمارے تمہارے مقدر میں نہیں تھی اس لئے وہ تمہاری کوشش سے بھی نہیں ملتی اس لئے یہ جان لینا چاہیے کہ کسی چیز کا حاصل ہونا اور نہ ملنا سب تقدیر الٰہی کے مطابق ہے۔

(۳۷) وَعَنْ نَّافِعٍ اَنَّ رَجُلًا اَتَى ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ اِنَّهُ بَلَغَنِيْ اَنَّهُ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ كَانَ قَدْ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ اَوْفِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ اَوْ قَذْفٌ فِيْ اَهْلِ الْقَدَرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت نافع[3] کی روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس شخص نے دین میں (کوئی) نئی بات نکالی ہے اگر واقعی اس نے دین میں (کوئی) نئی بات پیدا

---

[1] حضرت ابن دیلمی رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اسم گرامی ضحاک بن فیروز دیلمی ہے آپ کا شمار یمن کے تابعین میں ہوتا ہے۔
[2] حضرت ابی بن کعب انصاری و خزرجی ہیں کنیت ابوالمنذر ہے جو سرکار دو عالم ﷺ نے رکھی تھی آپ کی وفات حضرت عثمان کے دور خلافت میں ہوئی۔
[3] حضرت نافع کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے ۱۱۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

کی ہے۔ تو میری طرف سے (جواب میں) اسے سلام نہ پہنچاؤ، اس لئے کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری اُمت میں سے یا یہ فرمایا کہ اس اُمت میں سے (خدا کے دردناک عذاب زمین میں دھنس جانا، اور صورت کا مسخ ہو جانا یا سنگساری اہل قدر) (یعنی تقدیر کا انکار کرنے والوں) پر ہوگا۔ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح و غریب ہے۔"

تشریح: آنے والے نے حضرت ابن عمرؓ تک جس شخص کا سلام پہنچایا تھا اس کے بارہ میں حضرت ابن عمرؓ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اس نے اپنی طرف سے دین میں نئی باتیں پیدا کی ہیں یعنی وہ تقدیر کا انکار کرتا ہے۔ لہٰذا حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے سلام کے جواب میں میرا سلام اس تک نہ پہنچانا کیونکہ ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم ایسے لوگوں سے سلام کلام نہ کریں اور نہ ان سے تعلقات قائم کریں جو بدعتی ہوں اور خدا، خدا کے رسول کی قائم کی ہوئی حدود سے تجاوز کرتے ہوں۔

چنانچہ علماء اسی حدیث کی بنا پر اس بات کا حکم لگاتے ہیں کہ فاسق و فاجر و اہل بدعت کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے بلکہ سُنّت بھی نہیں ہے اور چونکہ ان کے ساتھ یہ معاملہ ان کی تنبیہ کے لئے ہے اس لئے ان سے ترک ملاقات بھی جائز ہے۔

(۳۸) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلَتْ خَدِيْجَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَلَدَيْنِ مَاتَالَهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمَا فِي النَّارِ قَالَ فَلَمَّا رَأَى الْكَرَاهَةَ فِيْ وَجْهِهَا قَالَ لَوْ رَأَيْتِ مَكَانَهُمَا لَا بْغَضْتِهِمَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَلَدِيْ مِنْكَ قَالَ فِي الْجَنَّةِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَوْلَادَهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَوْلَادَهُمْ فِي النَّارِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ۔

(رواہ احمد)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ حضرت خدیجہؓ[1] نے سرکار دو عالم ﷺ سے اپنے دونوں بچوں کے بارہ میں پوچھا جو زمانہ جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) مر گئے تھے (کہ وہ جنتی ہیں یا دوزخی) سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ وہ دونوں (بچے) دوزخ میں ہیں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے چہرہ کا رنگ (اپنے بچوں کے بارہ میں یہ سن کر) بدلا ہوا (یعنی ان کو رنجیدہ) دیکھا تو فرمایا، اگر تم ان (بچوں) کے ٹھکانے اور ان کا حال دیکھو کہ وہ کس طرح خدا کی رحمت سے دور ہیں تو تم کو ان (بچوں) سے نفرت ہو جائے، پھر حضرت خدیجہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اچھا میری وہ اولاد جو آپ ﷺ سے پیدا ہوئی ہے (قاسم اور عبداللہ) "آپ نے فرمایا" وہ جنت میں ہیں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ مؤمنین اور ان کی اولاد جنت میں ہیں اور مشرکین کی اولاد دوزخ میں ہیں، اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (القرآن) "ترجمہ" جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کی اطاعت کی (تو) ہم ان کی اولاد کو (جنت میں) انہیں کے ساتھ رکھیں گے۔" (احمدؒ)

(۳۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهٗ فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهٖ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ اِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِيْصًا مِّنْ نُوْرٍ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰى اٰدَمَ فَقَالَ اَيْ رَبِّ مَنْ هٰؤُلَاءِ فَقَالَ ذُرِّيَّتُكَ فَرَاٰى رَجُلًا مِّنْهُمْ فَاَعْجَبَهٗ وَبِيْصُ مَابَيْنَ عَيْنَيْهِ قَالَ اَيْ رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ دَاوٗدُ فَقَالَ اَيْ رَبِّ كَمْ جَعَلْتَ عُمْرَهٗ قَالَ سِتِّيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ زِدْهُ مِنْ عُمْرِيْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا انْقَضٰى عُمْرُ اٰدَمَ اِلَّا اَرْبَعِيْنَ جَاءَهٗ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَالَ اٰدَمُ اَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمْرِيْ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَوَلَمْ تُعْطِهَا ابْنَكَ دَاوٗدَ فَجَحَدَ اٰدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهٗ وَنَسِيَ اٰدَمُ فَاَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهٗ وَخَطَأَ اٰدَمُ وَخَطَأَتْ

---

[1] ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خدیجہ بنت خویلد قریشیہ اور اسدیہ ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ ہیں، حضرت خدیجہؓ کا سب سے بڑا امتیازی شرف یہ ہے کہ آپ تمام مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لائی ہیں۔ آپ کا انتقال ہجرت سے تین سال پہلے مکہ مکرمہ رمضان کے مہینہ میں ۶۵ سال کی عمر میں ہوا۔

ذُرِّيَّتَهٗ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا (تو) ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا (یعنی فرشتہ کو ہاتھ پھیرنے کا حکم دیا) چنانچہ اس کی پشت سے وہ تمام جانیں نکل پڑیں جن کو آدم علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ قیامت تک پیدا کرنے والا تھا اور ان میں سے ہر ایک شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی چمک رکھی، پھر ان سب کو آدم علیہ السلام کے روبرو کھڑا کیا (ان سب کو دیکھ کر) آدم علیہ السلام نے پوچھا، پروردگار! یہ کون ہیں؟ پروردگار نے فرمایا، یہ سب تمہاری اولاد ہیں۔ آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان غیر معمولی چمک ان کو بہت بھلی لگ رہی تھی، پوچھا پروردگار! یہ کون ہے؟ فرمایا "یہ داؤد علیہ السلام" ہیں۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا، میرے پروردگار! تو نے ان کی عمر کتنی مقرر کی ہے؟ فرمایا "ساٹھ برس" حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا، میرے پروردگار! اس کی عمر میں میری عمر سے چالیس سال زیادہ کر دے راوی کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر میں چالیس سال باقی رہ گئے تو موت کا فرشتہ ان کے پاس آیا، حضرت آدم نے اس سے کہا، کیا ابھی میری عمر میں چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ ملک الموت نے کہا، کیا آپ (ﷺ) نے اپنی عمر میں سے چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیے تھے؟ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے انکار کیا اور ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے اور آدم علیہ السلام (اپنے عہد کو) بھول گئے اور انہوں نے شجر ممنوعہ کو کھالیا اور ان کی اولاد بھی بھولتی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نے خطاء کی تھی اور ان کی اولاد بھی خطاء کرتی ہے۔" (ترمذی)

(۴۰) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ حِیْنَ خَلَقَهٗ فَضَرَبَ کَتِفَهُ الْیُمْنٰی فَاَخْرَجَ ذُرِّیَّةً بَیْضَآءَ کَاَنَّهُمُ الذَّرُّ وَضَرَبَ کَتِفَهُ الْیُسْرٰی فَاَخْرَجَ ذُرِّیَّةً سَوْدَآءَ کَاَنَّهُمُ الْحُمَمُ فَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ یَمِیْنِهٖ اِلَی الْجَنَّةِ وَلَآ اُبَالِیْ وَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ کَتِفِهِ الْیُسْرٰی اِلَی النَّارِ وَلَآ اُبَالِیْ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے داہنے مونڈھے پر ہاتھ (دست قدرت) مارا (مارنے کا حکم دیا) اور اس سے سفید اولاد نکالی جیسے کہ وہ چیونٹیاں تھیں، پھر بائیں مونڈھے پر ہاتھ مارا اور اس سے سیاہ اولاد نکالی جیسے کہ وہ کوئلہ تھے، پھر خدا نے دائیں طرف والی اولاد کے بارہ میں فرمایا کہ جنتی ہیں اور مجھ کو اس کی پرواہ نہیں ہے اور ان (آدم علیہ السلام) کے بائیں مونڈھے والی اولاد کے بارہ میں فرمایا کہ یہ دوزخی ہیں اور مجھ کو اس کی پرواہ نہیں ہے۔" (احمدؒ)

(۴۱) وَعَنْ اَبِیْ نَضْرَةَ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُقَالُ لَهٗ اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ دَخَلَ عَلَیْهِ اَصْحَابُهٗ یَعُوْدُوْنَهٗ وَهُوَ یَبْکِیْ فَقَالُوْا لَهٗ مَا یُبْکِیْكَ اَلَمْ یَقُلْ لَّكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُذْ مِنْ شَارِبِكَ ثُمَّ اَقِرَّهٗ حَتّٰی تَلْقَانِیْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ قَبَضَ بِیَمِیْنِهٖ قَبْضَةً وَّاُخْرٰی بِالْیَدِ الْاُخْرٰی وَقَالَ هٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَهٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَلَآ اُبَالِیْ وَلَآ اَدْرِیْ فِیْ اَیِّ الْقَبْضَتَیْنِ اَنَا۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابونضرہؒ[1] راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص جن کا نام عبداللہ تھا، کے پاس ان کے دوست ان کی عیادت کے لئے گئے (تو انہوں نے دیکھا) کہ وہ (ابوعبداللہؓ) رو رہے تھے۔ انہوں نے کہا، کہ آپ کو کس چیز نے رونے پر مجبور کیا (کیونکہ آپ سے سرکار دو عالم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا کہ تم اپنے لب (مونچھوں) کے بال پست کرو اور اسی پر قائم رہو یہاں تک کہ تم مجھ سے (جنت میں) ملاقات کرو۔ ابوعبداللہؓ نے کہا، ہاں! لیکن میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ (بھی) فرماتے سنا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے

---

[1] حضرت ابونضرہ بن منذر بن مالک العبدی کا شمار بصرہ کے جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے آپ کا انتقال حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ دنوں پہلے ہوا ہے۔

اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی میں ایک جماعت لی اور فرمایا کہ یہ (داہنے ہاتھ کی جماعت) جنّت کے لئے ہے اور بائیں ہاتھ کی جماعت دوزخ کے لئے ہے اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے، یہ کہہ کر ابوعبداللہ نے فرمایا، میں نہیں جانتا کہ میں کس مٹھی میں ہوں (یعنی داہنی مٹھی میں ہوں یا بائیں مٹھی میں ہوں)۔" (احمدؒ)

تشریح: حضرت ابوعبداللہ صحابی بیمار ہوئے ان کے کچھ دوست و احباب مزاج پرسی کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں، ان لوگوں نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا کہ آپ کو تو سرکار دوعالم ﷺ کی صحابیت کا شرف حاصل ہے اور پھر مزید یہ کہ آنحضرت ﷺ نے آپ سے یہ فرمایا تھا کہ تم اپنی مونچھوں کو پست ہلکی کراتے رہنا اور اسی پر قائم رہنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر یا جنّت میں مجھ سے تم ملاقات کرو تو گویا آپ کو جنّت میں سرکار دوعالم ﷺ سے ملاقات کی بشارت دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جنّت میں داخل ہونا اور اس عظیم سعادت سے بہرہ ور ہونا بغیر اسلام کے ہو نہیں سکتا، تو معلوم ہوا کہ آپ کا خاتمہ بالخیر ہوگا اور آپ ایمان و اسلام کے ساتھ اس دنیا سے کوچ کریں گے، لہٰذا پھر رونا کیوں؟ اور یہ فکر و غم کیسا؟ اس کا جواب مردِ حق آگاہ نے یہ دیا کہ صحیح اور بجا ہے اور اس بشارت کی صداقت کا اعتقاد بھی ہے لیکن پروردگار عالم بے نیاز ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کی مرضی میں کسی کا دخل نہیں ہے اور پھر خدا تعالیٰ نے خود یہ فرمایا ہے کہ میں جس کو چاہوں جنّت کی سعادت سے نوازدوں اور جس کو چاہوں دوزخ کے حوالہ کردوں اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ تو مجھے بھی یہ خوف کھائے جارہا ہے کہ نامعلوم میرا کیا حشر ہو؟ اور دل اس خوف سے لرزاں اور آنکھیں ڈر سے اشک بار ہیں کہ نہ جانے خدا نے میرے مقدر میں کیا لکھ رکھا ہے۔

یہ ان کے جواب کا حاصل تھا، لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت کے تصور اور خوف خدا کے غلبہ سے اس بشارت کو بھول گئے ہوں اور انہیں اس کا احساس نہ رہا ہو کہ لسان نبوت نے مجھے اس بشارت جیسی عظیم سعادت سے بھی نواز رکھا ہے۔

علامہ طیبی علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مونچھیں ہلکی کرانا سُنّت مؤکدہ ہے اور اس عمل پر قائم رہنا اور ہمیشہ اس کو کرتے رہنا جنّت میں دخول اور وہاں سرکار دوعالم ﷺ کے زیر سایہ ہونے کا ذریعہ ہے۔

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اس ایک سُنّت کو ترک کرنے سے یعنی مونچھیں پست و ہلکی نہ کرانے سے ایسی عظیم سعادت اور اتنی بڑی فلاح ہاتھ سے جاتی ہے چہ جائیکہ سُنّت کو ہمیشہ ترک کرتا رہے، اس لئے کہ ترک سُنّت پر اصرار، الحاد و زندقہ تک پہنچاتا ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

(۴۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَخَذَ اللّٰهُ الْمِيْثَاقَ مِنْ ظَهْرِ اٰدَمَ بِنَعْمَانَ يَعْنِيْ عَرَفَةَ فَاَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهٖ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذَرَأَهَا فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قُبُلًا قَالَ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ اَوْتَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ (رواہ احمد، الاعراف ۱۷۲)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میدان عرفہ کے قریب مقام نعمان میں آدم علیہ السلام کی اس اولاد سے جو ان کی پشت سے نکلی تھی عہد لیا چنانچہ آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ساری اولاد کو نکالا جن کو (ازل سے ابد تک) پیدا کرنا تھا اور ان سب کو چیونٹیوں کی طرح آدم علیہ السلام کے سامنے پھیلا دیا پھر خدا نے ان سے روبرو گفتگو کی، فرمایا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ آدم کی اولاد نے کہا، بے شک آپ ہمارے رب ہیں پھر خدا نے فرمایا، یہ شہادت میں نے تم سے اس لئے لی ہے کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے غافل و ناواقف تھے یا تم یہ نہ کہو کہ ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے شرک کیا تھا اور ہم ان کی اولاد تھے ہم نے ان کی اطاعت کی تھی، کیا تو باطل پرستوں کے اعمال کے سبب ہلاک کرتا ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: خدائے تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم قیامت میں یہ دلیل نہیں دے سکتے کہ چونکہ ہمارے باپ دادا نے شرک کیا تھا

اس لئے ہم بھی انہیں کے ساتھ رہے، یا ہم تو اپنے باپ دادا کے پیروکار اور ان کے تابع ہیں انہوں نے جو راستہ اختیار کیا ہوا تھا ہم بھی اسی پر چل رہے تھے لہٰذا اس کفر و شرک کے اصل ذمہ دار ہمارے باپ دادا ہیں جنہوں نے ہمیں اس راستہ پر ڈالا اس اعتبار سے مورد الزام وہ ٹھہر سکتے ہیں، ہم ان کی وجہ سے عذاب و دوزخ کے مستحق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ عذاب کے حقیقی مستحق تو وہی لوگ ہیں جو اس راہ کے پیش رو تھے۔

پس اے شرک و کفر کرنے والو! جان لو کہ قیامت کے دن یہ حجت تمہارے لئے کارآمد نہیں ہو سکے گی کیونکہ اسی لئے ہم نے تم سے اپنی توحید کا اقرار پہلے ہی کرالیا ہے اور تم اس پر شہادت دے چکے ہو، نیز اسی عہد و اقرار کی توثیق اور اس کی یاد دہانی کے لئے ہر دور میں دنیا کے تمام حصوں اور تمام طبقوں میں انبیاء علیہم السلام تشریف لائے تاکہ وہ بنی نوع انسان کو اس کا اپنا عہد و اقرار یاد دلائیں اور ان کو صحیح راستہ پر لگائیں۔

(۴۲) وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ قَالَ جَمَعَھُمْ فَجَعَلَھُمْ اَزْوَاجًا ثُمَّ صَوَّرَھُمْ فَاسْتَنْطَقَھُمْ فَتَکَلَّمُوْا ثُمَّ اَخَذَ عَلَیْھِمُ الْعَھْدَ وَالْمِیْثَاقَ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ ((اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی)) قَالَ فَاِنِّیْٓ اُشْھِدُ عَلَیْکُمُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وَاُشْھِدُ عَلَیْکُمْ اَبَاکُمْ اٰدَمَ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَمْ نَعْلَمْ بِھٰذَا اِعْلَمُوْٓا اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ غَیْرِیْ وَلَا رَبَّ غَیْرِیْ وَلَا تُشْرِکُوْا بِیْ شَیْئًا اِنِّیْ سَاُرْسِلُ اِلَیْکُمْ رُسُلِیْ یُذَکِّرُوْنَکُمْ عَھْدِیْ وَمِیْثَاقِیْ وَاُنْزِلُ عَلَیْکُمْ کُتُبِیْ قَالُوْا شَھِدْنَا بِاَنَّکَ رَبُّنَا وَاِلٰھُنَا لَارَبَّ لَنَا غَیْرُکَ وَلَآ اِلٰہَ لَنَا غَیْرُکَ فَاَقَرُّوْا بِذٰلِکَ وَرُفِعَ عَلَیْھِمْ اٰدَمُ یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ فَرَاَی الْغَنِیَّ وَالْفَقِیْرَ وَحَسَنَ الصُّوْرَةِ وَدُوْنَ ذٰلِکَ فَقَالَ رَبِّ لَوْلَا سَوَّیْتَ بَیْنَ عِبَادِکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَحْبَبْتُ اَنْ اُشْکَرَ وَرَاَی الْاَنْبِیَآءَ فِیْھِمْ مِثْلَ السُّرُجِ عَلَیْھِمُ النُّوْرُ خُصُّوْا بِمِیْثَاقٍ اٰخَرَ فِی الرِّسَالَةِ وَالنُّبُوَّةِ وَھُوَ قَوْلُہٗ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ اِلٰی قَوْلِہٖ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ کَانَ فِیْ تِلْکَ الْاَرْوَاحِ فَاَرْسَلَہٗ اِلٰی مَرْیَمَ عَلَیْھَا السَّلَامُ فَحُدِّثَ عَنْ اُبَیٍّ اَنَّہٗ دَخَلَ مِنْ فِیْھَا۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابی بن کعبؓ اس آیت: وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ ترجمہ: (جب تمہارے پروردگار نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی)۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خدا نے (اولاد آدم کو) جمع کیا اور ان کو طرح طرح کا قرار دیا (یعنی کسی کو مالدار کسی کو غریب کرنے کا ارادہ کیا پھر ان کو شکل و صورت عطا کی اور پھر گویائی بخشی، اور انہوں نے باتیں کیں پھر ان سے عہد و پیمان کیا اور پھر ان کو اپنے اوپر گواہ قرار دے کر پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اولاد آدم نے کہا، بے شک! (آپ ہمارے رب ہیں) خدائے تعالیٰ نے فرمایا، میں سات آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو تمہارے سامنے گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو بھی شاہد قرار دیتا ہوں اس لئے کہ قیامت کے دن کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے ناواقف تھے (اس وقت) تم اچھی طرح جان لو کہ نہ تو میرے سوا کوئی معبود ہے اور نہ میرے سوا کوئی پروردگار ہے، (اور خبردار) کسی کو میرا شریک قرار نہ دینا، میں تمہارے پاس عنقریب اپنے رسول بھیجوں گا، جو تمہیں میرا عہد و پیماں یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا (یہ سن کر) اولاد آدم نے کہا، ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے اور تو ہی ہمارا معبود ہے، تیرے سوا نہ تو ہمارا کوئی پروردگار ہے اور نہ تیرے علاوہ ہمارا کوئی معبود ہے، چنانچہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد نے اس کا اقرار کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے اوپر بلند کر دیا گیا وہ (اپنی نگاہیں بلند کئے ہوئے) اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی اولاد امیر بھی ہیں اور فقیر بھی اور خوبصورت بھی ہیں اور بدصورت بھی (یہ دیکھ کر انہوں نے عرض کیا، پروردگار اپنے تمام بندوں کو تو نے یکساں کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "میں اسے پسند کرتا ہوں کہ میرے بندے میرا شکر ادا کرتے رہیں" پھر آدم علیہ السلام نے انبیاء کو دیکھا جو چراغوں کی مانند روشن تھے اور نور ان کے اوپر جلوہ گر تھا ان سے خصوصیت کے ساتھ رسالت و نبوت کے لئے عہد و پیماں لئے گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰھِیْمَ

وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ (قرآن حکیم) ترجمہ: اور جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد و پیمان لیا اور آپ محمد (ﷺ) سے اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام سے اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام بن مریم سے (بھی) عہد و پیمان لیا، ان روحوں کے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے چنانچہ ان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیج دیا، حضرت ابی بیان کرتے ہیں کہ یہ روح حضرت مریم علیہا السلام کے منہ کی طرف سے ان کے جسم میں داخل ہو گئی۔" (احمدؒ)

تشریح: حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان ارواح میں فرق دیکھا کہ انہیں کی اولاد میں سے کوئی تو سرمایہ دار اور صاحب دولت ہے اور کوئی غریب و مفلس تو انہیں حیرت ہوئی اور انہوں نے بارگاہ الوہیت میں عرض کیا کہ الٰہ العٰلمین! سب میری اولاد میں سے ہیں اور یہ سبھی تیرے بندے ہیں پھر ان میں یہ فرق کیوں؟ کوئی صاحب حیثیت ہے اور کوئی لاچار، کسی کو عزت و دولت دے رکھی ہے اور کسی کو غربت و مفلسی!۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان میں فرق پیدا کرنے کی ایک حکمت ہے اور اس میں ایک مصلحت ہے اور وہ یہ کہ اگر میں سب کو یکساں پیدا کر دیتا تو یہ شکر ادا نہ کرتے اور جب ایک انسان میں وہ صفات و خصائل پیدا کر دیے جائیں گے جو دوسرے انسانوں میں نہیں ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر شکر ادا کیا کریں گے مثلاً تنگدست اور مفلس میں تقوی، اطاعت الٰہی کا مادہ، سکونِ قلب و دماغ اور دنیا سے بے فکری ہوتی ہے، جو کسی غنی اور مالدار میں نہیں ہوتی اسی طرح غنی و مالدار کو دولت کی فراوانی اور اسباب معیشت کی آسانیاں حاصل ہوتی ہیں جو غریب و محتاج کو میسر نہیں۔

لہٰذا! جس کے اندر جو خصائل ہوں گے اور وہ ان کی لذت سے ناآشنا ہوگا، دوسرے کے اندر اس کا فقدان دیکھ کر اس نعمت پر شکر گزار ہوگا جس کی بناء پر خدا کی رحمت کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

(۴۴) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَتَذَاکَرُمَا یَکُوْنُ اِذْقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَکَانِہٖ فَصَدِّقُوْہُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَیَّرَ عَنْ خُلُقِہٖ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِہٖ فَاِنَّہٗ یَصِیْرُ اِلٰی مَاجُبِلَ عَلَیْہِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ ہم سرکار دو عالم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے آئندہ وقوع پذیر ہونے والی باتوں پر گفتگو کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے (ہماری باتوں کو سن کر) فرمایا۔ جب تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے سرک گیا ہے تو اسے سچ مان لو لیکن جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کی خلقت بدل گئی ہے تو اس کا اعتبار نہ کرو اس لئے کہ انسان اسی چیز کی طرف جاتا ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: صحابہ آپس میں بیٹھے ہوئے یہ بحث کر رہے تھے کہ جو چیز آئندہ پیدا ہونے والی یا جو باتیں وقوع پذیر ہونے والی ہیں، کیا وہ نوشتہ تقدیر کے مطابق ہوتی ہیں یا از خود بغیر قضاء قدر کے واقع ہوتی ہیں، سرکار دو عالم ﷺ بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے آپ ﷺ نے ان کی بحث سن کر فرمایا کہ ہر چیز نوشتہ تقدیر کے مطابق بروقت وقوع پذیر ہوتی ہے اور مثال کے طور پر فرمایا کہ ایک انسان اپنی جس جبلت اور خلقت پر پیدا ہوتا ہے اسی پر ہمیشہ قائم رہتا ہے اور اسی کی طرف اس کا حقیقی میلان رہتا ہے۔ مثلاً جس کو خدا نے عقلمند و دانا پیدا کیا اور اس کی سرشت و فطرت میں عقل و دانش کا مادہ ودیعت فرمایا اور اس کی تقدیر میں فہم و فراست کے جوہر رکھ دیئے گئے تو وہ کبھی بے وقوف و احمق نہیں ہو سکتا، اسی طرح جس شخص کی جبلت و حماقت کے سانچے میں ڈھلی ہو اور جس کو فطرتاً بیوقوف و بلید پیدا کیا گیا ہو وہ عقل مند و دانشور نہیں ہو سکتا۔

ہاں ایسے افراد جو اپنی ریاضت و مشقت اور ذاتی محنت و کوشش کی بنا پر عقل کی دولت حاصل کر لیتے ہیں یا اصحاب عقل و دانش کی صحبت اختیار کر کے ان اوصاف کے حامل ہو جاتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، اس لئے کہ یہاں بحث جبلت اور خلقت کی ہے کہ جس انسان کو جس خصلت و فطرت پر پیدا کر دیا گیا وہ اس سے الگ نہیں رہ سکتا اور نہ اس جبلت و خصلت میں تغیر و تبدل ممکن ہے۔ رہا اپنی ذاتی محنت و

کوشش یا اصحاب عقل وفہم کی صحبت، تو یہ ایک دوسری چیز ہے کیونکہ یہ بھی نوشتہ تقدیر کے مطابق ہی ہے یعنی جس شخص کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے کہ یہ اپنی محنت وکوشش یا کسی عقل مند ودانشور کی صحبت وقربت کی بنا پر صاحب عقل بنے گا وہ یقیناً اس وصف کو حاصل کرلے گا لیکن جس کی تقدیر میں بے وقوف رہنا ہی لکھ دیا گیا ہے یا جس کی جبلت میں حماقت رکھ دی گئی ہے اس میں نہ اپنی محنت وکوشش کام کرتی ہے اور نہ کسی عقل مند کی قربت وصحبت۔

(۴۵) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَا يَزَالُ يُصِيْبُكَ فِيْ كُلِّ عَامٍ وَجَعٌ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ الَّتِيْ اَكَلْتَ قَالَ مَآاَصَابَنِيْ شَيْءٌ مِنْهَا اِلَّا وَهُوَ مَكْتُوْبٌ عَلَيَّ وَاٰدَمُ فِيْ طِيْنَتِهٖ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ام سلمہؓ[1] سے روایت ہے کہ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ (ﷺ) نے جو زہر آلود بکری کھائی تھی (جو خیبر میں ایک یہودیہ نے کھلائی تھی) ہر سال اس کی وجہ سے آپ (ﷺ) کو تکلیف ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا جو چیز (یعنی اذیت وتکلیف یا بیماری) مجھ کو پہنچتی ہے وہ میرے لئے اسی وقت لکھی گئی تھی جب کہ آدم مٹی کے اندر تھے (یعنی میری تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا)۔" (ابن ماجہ)

بَابُ اِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ

عذاب قبر کے ثبوت کا بیان

عذاب قبر قرآن و احادیث سے ثابت ہے اس میں کوئی شبہ اور کلام نہیں، یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ یہاں قبر سے مراد محض ڈیڑھ دو گز کا گڑھا نہیں ہے بلکہ قبر کا مطلب عالم برزخ ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان ایک عالم ہے اور یہ عالم ہر جگہ ہو سکتا ہے جیسے بعض لوگ ڈوب جاتے ہیں، جلادیے جاتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو ان پر بھی عذاب مسلط کیا جاتا ہے یہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کو زمین میں دفن کیا جاتا ہے صرف ان پر ہی عذاب ہوتا ہے اور جو لوگ دوسرے طریقے اختیار کرتے ہیں وہ عذاب سے بچ جاتے ہیں۔

عذاب قبر کی تصدیق کے درجات میں صحیح اور اولیٰ مرتبہ اس بات کا اعتقاد ویقین رکھنا ضروری ہے کہ قبر میں دفن کرنے کے بعد خدا کے نیک بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور جو لوگ بدکار وگناہ گار ہوتے ہیں ان پر خدا کا سخت عذاب نازل کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں منکر نکیر، عذاب دینے والے فرشتے اور سانپ وبچھو جو بدکردار لوگوں پر مسلط کئے جاتے ہیں اور جن کا وجود احادیث سے ثابت ہے۔ یہ سب صحیح اور واقعی چیزیں ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

یہ جان لینا چاہئے کہ کسی چیز کو دیکھ لینا اور اس کا مشاہدہ میں آجانا ہی اس کی صداقت کی دلیل نہیں ہوتا، اس لئے ان چیزوں کے بارہ میں یہ بات دل میں جاگزیں کرلینا کہ جب ان چیزوں کو آنکھ سے دیکھا نہیں جاتا اور یہ مشاہدہ میں نہیں آتیں تو ان کا اعتبار کیسے کیا جائے؟ بالکل غلط اور خلاف عقل ہے، اس لئے کہ اتنی بات تو ظاہر ہے کہ عالم بالا کی چیزوں کا مشاہدہ کرلینا، عالم ملکوت کو بچشم دیکھ لینا ان ظاہری آنکھوں کے بس کی بات نہیں ہے، ان کو مشاہدہ کرنے کے لئے چشم حقیقت کی ضرورت ہے ہاں یہ بات بھی ناممکن نہیں ہے کہ اگر خدا چاہے تو ان دونوں ظاہری آنکھوں سے بھی عالم ملکوت کو دکھلا سکتا ہے۔

پھر دوسرے یہ کہ اسی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کو ہم بظاہر دیکھ نہیں پاتے اور نہ آنکھیں ان کا مشاہدہ کرتی ہیں، لیکن اس کے باوجود اس کا ادراک بھی ہوتا ہے اور اس کی حقیقت بھی تسلیم ہوتی ہے مثلاً ایک شخص عالم خواب میں دنیا بھر کی چیزیں دیکھ اور سن لیتا ہے، ہر طرح کے غم ومصیبت اور لذت وآرام محسوس کرتا ہے لیکن دوسرا اسے نہیں دیکھ سکتا، یا اسی طرح کسی شخص کو کوئی

---

[1] ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قریشیہ اور مخزومیہ ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، ۵۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

تکلیف پہنچتی ہے یا اسے لذت حاصل ہوتی ہے یا وہ کسی غم وچین کا احساس کرتا ہے لیکن اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا ایک دوسرا شخص اس سے بے خبر رہتا ہے اور وہ اس کا ادراک و احساس نہیں کر سکتا۔

نیز زمانۂ نبوت میں سرکار دو عالم ﷺ کے پاس وحی آتی تھی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے لیکن وہیں مجلس میں بیٹھے ہوئے صحابہ نہیں دیکھتے تھے اور نہ ان کی ظاہری آنکھیں حضرت جبرئیل کا مشاہدہ کرتی تھیں، لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام ان پر ایمان لاتے تھے۔

ٹھیک اسی طرح عذاب قبر کا معاملہ ہے، وہاں جو کچھ بندے کے ساتھ ہوتا ہے اس دنیا میں اس کا ادراک کیا جا سکتا ہے اور نہ ان آنکھوں سے اسے دیکھا جا سکتا ہے، بس یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ عذاب قبر کے بارہ میں خدا اور خدا کے رسول نے جو کچھ بتایا ہے وہ سب مبنی بر حقیقت اور یقینی چیزیں ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

(۱) عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ اِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ نَزَلَتْ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ يُقَالُ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ وَنَبِيِّ مُحَمَّدٌ۔ (متفق علیہ)

"حضرت براءؓ بن عازبؓ[1] راوی ہیں کہ سرکار کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس وقت قبر میں مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور یہی مطلب ہے اس ارشاد ربانی کا یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (القرآن) ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ثابت و قائم رکھتا ہے جو ایمان لاتے ہیں مضبوط و محکم طریقہ پر ثابت رکھنا دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ عذاب قبر کے بیان میں نازل ہوئی ہے (چنانچہ قبر میں مردہ سے) سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آیت مذکورہ میں بالقول الثابت سے مراد کلمۂ شہادت ہے یعنی جب مؤمن سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا پروردگار کون ہے، اور تیرا پیغمبر کون ہے اور تیرا دین کیا تو ان تینوں سوالوں کا جواب اسی کلمۂ شہادت میں ہے۔

آیت کے دوسرے جز کا مطلب یہ ہے جو لوگ ایمان و یقین کی روشنی سے اپنے قلوب کو منور کر لیتے ہیں اور جن کے دل میں ایمان و اسلام کی حقانیت راسخ اور پختہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دونوں جگہ ان پر رحمت خداوندی کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

دنیاوی زندگی میں اس کا فضل تو یہ ہے کہ وہ اپنے ان نیک بندوں کو کلمۂ اسلام کی حقانیت کے اعتقاد پر قائم رکھتا ہے اور ان کے دل میں ایمان و اسلام کی وہ روح اور طاقت بھر دیتا ہے کہ دنیاوی امتحان و آزمائش کے سخت سے سخت موقع پر بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی وہ اپنی جانوں کو قربان کر دینا اور آگ میں ڈالے جانا پسند کرتے ہیں لیکن اپنے ایمان و اعتقاد میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کرنا گوارہ نہیں کرتے۔

---

[1] اسم گرامی براء بن عازب اور کنیت ابوعمارہ ہے مدینہ کے باشندہ اور انصاری ہیں جنگ بدر میں آپ شریک نہیں ہو سکے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صغر سنی کی وجہ سے روک دیا تھا سب سے پہلے غزوہ احد میں شریک ہوئے ہیں۔

اخروی زندگی میں اس کی رحمت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ خدا کی بے شمار نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں اور عالم برزخ میں جب قبر کے اندر ان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ ٹھیک جواب دیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ کی نجات اور اکرام خداوندی کے مستحق قرار دے دیے جاتے ہیں۔

(۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰی عَنْهُ اَصْحَابُهٗ وَاِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ؟ لِمُحَمَّدٍ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَيُقَالُ لَهُ اُنْظُرْ اِلٰی مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَآ اَدْرِیْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَايَقُوْلُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَهٗ لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرُ الثَّقَلَيْنِ۔ (متفق علیہ ولفظہ للبخاری)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اعزا و احباب واپس آتے ہیں تو وہ (مردہ) ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور اس کے پاس (قبر میں) دو فرشتے آتے ہیں اور ان کو بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص محمد ﷺ کے بارہ میں کیا کہتے تھے؟ اس کے جواب میں بندہ مؤمن کہتا ہے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ (محمد ﷺ) بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس بندہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھو جس کو خدا نے بدل دیا ہے اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں جگہ دی گئی ہے۔ چنانچہ وہ مردہ دونوں مقامات (جنت و دوزخ) کو دیکھتا ہے۔ اور جو مردہ منافق یا کافر ہوتا ہے اس سے بھی یہی سوال کیا جاتا ہے کہ اس شخص (یعنی محمد ﷺ) کے بارہ میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ اس کے جواب میں کہتا کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو لوگ (مؤمن) کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا اس سے کہا جاتا ہے نہ تو نے عقل سے پہچانا اور نہ تو نے قرآن شریف پڑھا؟ یہ کہہ کر اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے کہ اس کے چیخنے اور چلانے کی آواز سوائے جنوں اور انسانوں کے قریب کی تمام چیزیں سنتی ہیں۔" (بخاری و مسلم، الفاظ بخاری کے ہیں)

تشریح: جب انسان اس دنیا کی عارضی زندگی ختم کر کے دوسری دنیا میں پہنچتا ہے تو اس کی سب سے پہلی منزل قبر ہوتی ہے، جسے علم برزخ بھی کہا جاتا ہے، مردہ کو قبر میں اتارنے کے بعد جب اس کے عزیز و اقارب واپس لوٹتے ہیں تو اس میں خدا کی جانب سے وہ قوت سماعت دیدی جاتی ہے جس کے ذریعہ وہ ان لوٹنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا رہتا ہے اس کے بعد منکر نکیر قبر میں آتے ہیں اور اس سے دوسرے سوالات کے علاوہ سرکار دو عالم ﷺ کے بارہ میں پوچھتے ہیں کہ ان کے متعلق تمہارا اعتقاد کیا ہے، اگر مرد مؤمن صادق ہوتا ہے تو وہ صحیح جواب دے دیتا ہے اور اگر وہ کافر ہے تو جواب نہیں دے پاتا بعد میں نتیجہ سنا دیا جاتا ہے کہ صحیح جواب دینے والا خدا کی رحمت اور اس کی نعمتوں کا مستحق قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ اس کی آخری منزل جنت کی طرف اس کی راہنمائی کر دی جاتی ہے، غلط جواب دینے والا خدا کے غضب کا مستحق قرار دے دیا جاتا ہے اور اسے اس کی آخری منزل دوزخ کی راہ دکھادی جاتی ہے۔

حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ مردہ سے پوچھتے ہیں کہ "تم اس شخص محمد ﷺ کے بارہ میں کیا کہتے تھے" تو اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی شہرت کی وجہ سے آپ ﷺ کی طرف معنوی اشارہ ہوتا ہے یا پھر یہ اس وقت سرکار دو عالم ﷺ کو مثالی صورت میں مردہ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ ایک مؤمن کے لئے موت کی آرزو سب سے بڑی نعمت ہوگی اس لئے کہ وہ اس کی وجہ سے اس عظیم سعادت سے بہرہ ور ہوگا اور سرکار دو عالم ﷺ کے دیدار سے منور و مشرف ہوگا اور حقیقت تو یہ ہے کہ عاشقان رسول کے بے تاب و بے چین قلوب کے لئے اس کے اندر ایک زبردست بشارت ہے۔ بقول شاعر ؎

شب عاشقان بیدل چہ قدر دراز باشد تو بیا کہ اول شب در صبح باز باشد

"ترجمہ" عشاق کی شب ہجر کس قدر طویل ہوتی ہے۔ تو جلدی آ۔ یہ اول شب ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ صبح ہو جائے۔

اس سوال و جواب کے بعد کامیاب مردہ یعنی مسلمانوں کو دونوں جگہیں یعنی جنت و دوزخ دکھلائی جاتی ہیں اور وہ دونوں مقامات دیکھتا ہے تاکہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اگر خدا کی رحمت اس کے شامل حال نہ ہوتی اور وہ اہل دوزخ میں سے ہوتا تو اس دوزخ میں ڈال دیا جاتا جہاں خدا کے دردناک عذاب میں مبتلا ہوتا لیکن اس نے دنیا میں چونکہ نیک کام کئے اور سچا مخلص مؤمن بن کر رہا اس کے نتیجے میں خدا کے فضل و کرم سے اسے جنّت کی نعمت عظمیٰ سے نوازا جارہا ہے نیز ایک طرف تو وہ دوزخ اور اس کے ہیبت ناک منظر کی طرف دیکھے گا دوسری طرف جنّت اور اس کی خوشگوار و مسرور کن فضا کی طرف نظر اٹھائے گا تاکہ اس کے دل میں جنّت کی نعمت کی قدر ہو۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب قبر میں معذب مردہ پر عذاب نازل کیا جاتا ہے یعنی فرشتے لوہے کے گرزوں سے اس کو مارتے ہیں تو اس کے چیخنے چلانے کی آواز انسان نہیں سن پاتے، اس کی حکمت یہ ہے کہ جن و انس غیب کی چیزوں پر ایمان لانے کے مکلف ہیں اگر ان کو آواز سنائی دے، یا وہاں کے حالات کا علم اس دنیا میں ہو جائے تو پھر ایمان بالغیب جاتا رہے گا۔ نیز اگر قبر کے حالات کا احساس انسانوں کو ہونے لگے تو خوف و ہیبت ناکی کی وجہ سے دنیا کے کاروبار میں ہلچل مچی رہے گی اور سلسلہ معیشت منقطع ہو جائے گا۔

صحیح احادیث میں مؤمنین کی نجات اور کافروں و منافقین کے عذاب کے بارہ میں ہی ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس نجات کا تعلق مؤمنین صالحین سے ہے لیکن فاسق و گناہ گار مؤمنین کے بارہ میں احادیث میں کچھ مذکور نہیں ہے کہ آیا ان پر عذاب کیا جاتا یا ان کی بھی نجات ہو جاتی ہے، البتہ علماء کہتے ہیں کہ فاسق مؤمن جواب میں تو مؤمن صالحین کا شریک ہے لیکن نعمتوں کی بشارت، جنّت کے دروازے کھلنے وغیرہ میں ان کا شریک نہیں ہے یا اگر ان چیزوں میں بھی ان کا شریک ہو تو پھر مرتبہ و درجہ میں ان سے کم تر ہو گا بلکہ اس پر تھوڑا بہت عذاب بھی ہو سکتا ہے۔ ہاں جس فاسق و گناہ گار کو اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بخش دے اور اس کی مغفرت کر دے۔

(۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو (قبر کے اندر) صبح اور شام اس کا ٹھکانہ اس کے سامنے لایا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنّت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ اس کا انتظار کر، یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اٹھا کر وہاں بھیجے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلّٰى صَلَاةً اِلَّا تَعَوَّذَ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی اور اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا اور پھر اس نے حضرت عائشہؓ سے کہا "عائشہ! اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے محفوظ رکھے!" حضرت عائشہؓ نے سرکار دو عالم ﷺ سے عذاب قبر کا حال پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں قبر کا عذاب حق ہے! حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے کوئی نماز پڑھی ہو اور قبر کے عذاب سے پناہ نہ مانگی ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہؓ کو عذاب قبر کا حال معلوم نہیں ہو گا چنانچہ جب اس یہودی عورت نے ان سے اس کا تذکرہ کیا تو وہ بڑی حیران ہوئیں اور سرکار دو عالم ﷺ سے اس کے بارہ میں سوال کیا جس کا جواب دیا گیا کہ قبر کا عذاب حق اور یقینی ہے، یعنی اس بات کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ قبر میں گناہ گار لوگوں پر خدا کی جانب سے طرح طرح کے عذاب مسلط کئے جاتے ہیں اور اس کا احساس و ادراک

اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے پناہ مانگنے کے بارے میں احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کو بھی پہلے سے قبر کے عذاب کا حال معلوم نہ ہوا ہو، اس کے بعد بذریعہ وحی آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا ہو جس کے بعد سے آپ ﷺ نے پناہ مانگنی شروع کر دی اور ظاہر ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تو قبر میں اس قسم کا کوئی معاملہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لئے کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کا پناہ مانگنا محض اُمت کی تعلیم کے لئے تھا کہ جب خدا کا محبوب و برگزیدہ بندہ اور اس کا پیارا رسول بھی عذاب قبر سے پناہ مانگ رہا ہے تو اُمت کے تمام لوگوں کو چاہئے کہ عذاب قبر سے پناہ مانگتے رہیں۔

یا پھر یہ کہا جائے گا کہ عذاب قبر کا حال آنحضرت ﷺ کو پہلے سے معلوم تھا اور پوشیدہ طور پر اس سے پناہ بھی مانگتے ہوں گے جس کی حضرت عائشہؓ کو خبر نہیں ہوگی، بعد میں حضرت عائشہؓ کے سوال کے بعد آپ ﷺ نے کھلے طور پر پناہ مانگنی شروع کر دی ہو تا کہ دوسرے بھی متنبہ ہوں اور عذاب قبر سے پناہ مانگتے رہیں۔

⑤ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَآئِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَهٗ وَنَحْنُ مَعَهٗ اِذْ حَادَتْ بِهٖ وَكَادَتْ تُلْقِيْهِ وَاِذَا اَقْبُرٌ سِتَّةٌ اَوْ خَمْسَةٌ فَقَالَ مَنْ يَّعْرِفُ اَصْحَابَ هٰذِهِ الْاَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ فَمَتٰى مَاتُوْا قَالَ فِي الشِّرْكِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا اَنْ لَّا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ اَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔ (رواه مسلم)

"اور حضرت زیدؓ[1] بن ثابتؓ راوی ہیں کہ (ایک روز) جب کہ آنحضرت ﷺ بنی نجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ اچانک خچر بدک گیا اور قریب تھا کہ آپ ﷺ کو گرا دے، ناگہاں پانچ چھ قبریں نظر آئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ان قبر والوں کو کوئی جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا، "میں جانتا ہوں!" آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ کب مرے ہیں؟ (یعنی حالت کفر میں مرے ہیں یا ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں) اس شخص نے عرض کیا۔ یہ تو شرک کی حالت میں مرے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا، یہ اُمت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے (یعنی ان لوگوں پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے) اگر مجھ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ تم (مردوں کو) دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں ضرور اللہ سے یہ دعا کرتا کہ وہ تم کو بھی عذاب قبر (کی اس آواز) کو سنا دے جس کو میں سن رہا ہوں، اس کے بعد آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا آگ کے عذاب سے خدا کی پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا، ہم آگ کے عذاب سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا، قبر کے عذاب سے خدا کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ عذاب قبر سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا، ظاہری اور باطنی فتنوں سے خدا کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ ہم دجال کے فتنہ سے خدائے تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: نبی کا احساس و شعور اور اس کی قوت ادراک دنیا کے تمام لوگوں سے بہت زیادہ قوی ہوتی ہے چونکہ اس کے احساس ظاہری و باطنی میں وہ قدرتی طاقت ہوتی ہے جس کی بناء پر وہ اس دنیا سے بھی آگے عالم غیب کی چیزوں کا ادراک کر لیتا ہے اس لئے اس کی ظاہری آنکھوں کے ساتھ ساتھ باطنی آنکھیں بھی اتنی طاقت ور ہوتی ہیں کہ وہ غیب کی ان چیزوں کو بھی دیکھ لیتا ہے جسے خدا تعالیٰ اسے دکھانا چاہتا ہے۔

چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کہیں سفر میں جا رہے تھے جب آپ ﷺ کا گزر ایک قبرستان پر ہوا تو وہاں آپ کی چشم بصیرت نے ادراک کر لیا کہ ان قبروں میں مردوں پر عذاب ہو رہا ہے اور پھر آپ ﷺ نے صحابہؓ کو تلقین کی کہ وہ عذاب قبر سے پناہ مانگتے رہیں۔

---

[1] زید بن ثابت انصاری خزرجی ہیں آپ کاتب وحی ہیں۔ آپ کی وفات ۴۲ھ یا ۴۵ھ میں ہوئی۔

عذاب قبر کی شدت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری آنکھیں اس کا مشاہدہ کر لیں اور تمہارے کان اس کو سن لیں تو تم اپنی عقل و دماغ سے ہاتھ دھو بیٹھو اور تم اس کی شدت و سختی کا محض احساس ہی کر کے بے ہوش ہو جاؤ گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس خوف و ہراس کی وجہ سے مردوں کو دفن کرنا بھی چھوڑ دو گے اگر مجھے اس کا خدشہ نہ ہوتا تو میں یقیناً تمہیں اس عذاب کا مشاہدہ بھی کرا دیتا اور تمہیں سنوا بھی دیتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

⑥ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَآ اُقْبِرَ الْمَیِّتُ اَتَاهُ مَلَکَانِ اَسْوَدَانِ اَزْرَقَانِ یُقَالُ لِاَحَدِهِمَا الْمُنْکَرُ وَلِلْاٰخَرِ النَّکِیْرُ فَیَقُوْلَانِ مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَاِنْ کَانَ مُؤْمِنًا فَیَقُوْلُ هُوَ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَیَقُوْلَانِ قَدْ کُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ هٰذَا ثُمَّ یُفْسَحُ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِیْ سَبْعِیْنَ ثُمَّ یُنَوَّرُ لَهٗ فِیْهِ ثُمَّ یُقَالُ لَهٗ نَمْ فَیَقُوْلُ اَرْجِعُ اِلٰی اَهْلِیْ فَاُخْبِرُهُمْ فَیَقُوْلَانِ نَمْ کَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِیْ لَا یُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَیْهِ حَتّٰی یَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ وَاِنْ کَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُ مِثْلَهٗ لَآ اَدْرِیْ فَیَقُوْلَانِ قَدْ کُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ فَیُقَالُ لِلْاَرْضِ الْتَئِمِیْ عَلَیْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَیْهِ فَتَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ فَلَا یَزَالُ فِیْهَا مُعَذَّبًا حَتّٰی یَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب مردہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس کالی کیری آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں وہ دونوں اس مردہ سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص یعنی محمد ﷺ کی نسبت کیا کہتے تھے؟ اگر وہ شخص مؤمن ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے (رسول) ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، (یہ سن کر) وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں۔ ہم جانتے تھے کہ تو یقیناً یہی کہے گا، اس کے بعد اس کی قبر کی لمبائی اور چوڑائی میں ستر ستر گز کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس مردہ سے کہا جاتا ہے کہ (سو جاؤ) مردہ کہتا ہے (میں چاہتا ہوں) کہ اپنے اہل و عیال میں واپس چلا جاؤں تاکہ ان کو (اپنے اس حال سے) باخبر کر دوں۔ فرشتے اس سے کہتے ہیں تو اس دولہا کی طرح سو جا جس کو صرف وہی شخص جگا سکتا ہے جو اس کے نزدیک سب سے محبوب ہو یعنی ہر کسی کا جگانا اچھا نہیں لگتا کیونکہ اس سے وحشت ہوتی ہے البتہ جب محبوب جگاتا ہے تو اچھا لگتا ہے، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اس کو اس جگہ سے اٹھائے۔ اور اگر وہ مردہ منافق ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا تھا وہی میں کہتا تھا لیکن میں (اس کی حقیقت کو) نہیں جانتا (منافق کا یہ جواب سن کر) فرشتے کہتے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ یقیناً تو یہی کہے گا، (اس کے بعد) زمین کو مل جانے کا حکم دیا جاتا ہے، چنانچہ زمین اس مردہ کو اس طرح دباتی ہے کہ اس کی دائیں پسلیاں بائیں اور بائیں پسلیاں دائیں نکل آتی ہیں اور اسی طرح ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس جگہ سے اٹھائے۔" (ترمذی)

تشریح: قبر میں فرشتے ہیبت ناک اور خوفناک شکل میں آتے ہیں تاکہ ان کے خوف اور شکل کی وجہ سے کافروں پر ہیبت طاری ہو جائے اور وہ جواب دینے میں بدحواس ہو جائیں لیکن یہ مؤمنوں کے لئے آزمائش و امتحان ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو ثابت قدم رکھتا ہے اور وہ نڈر ہو کر صحیح جواب دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کامیاب ہو جاتے ہیں اس لئے کہ وہ دنیا میں خدا سے ڈرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قبر میں ہر قسم کے خوف و ہراس سے نڈر ہو جاتے ہیں۔

مردہ کے جواب میں فرشتوں کا یہ کہنا کہ "ہم جانتے ہیں کہ تو یقیناً یہی کہے گا" یا تو اس بناء پر ہوگا کہ پروردگار عالم کی جانب سے ان کو خبر دی جاتی ہوگی کہ فلاں مردہ یہ جواب دے گا اور فلاں مردہ وہ جواب دے گا، یا وہ مردہ کی پیشانی اور اس کے آثار سے یہ معلوم کر لیتے ہیں

کہ مؤمن کی پیشانی پر نور ایمانی کی چمک اور سعادت و نیک بختی کا نشان ہوتا ہے اور کافر و منافق کے چہرہ پر پھٹکار برستی ہے۔

مؤمن جب صحیح جواب دے دیتا ہے اور اس پر خدا کی رحمت اور اس کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں تو اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو اس اچھے معاملہ اور عظیم نعمت کی خبر دے دے جیسا کہ جب کوئی مسافر کسی جگہ راحت و سکون پاتا ہے اور وہاں عیش و آرام کے سامان اسے ملتے ہیں تو اس کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ کاش اس وقت میں اپنے اہل و عیال اور اعزاو اقرباء کے پاس جاتا تاکہ انہیں اپنے اس آرام و راحت سے اور چین و سکون سے مطلع کر دیتا۔ اس لئے مؤمن مردہ اپنے اہل و عیال کے پاس واپس جانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

(۷) وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَادِيْنُكَ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا يُدْرِيْكَ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَاٰمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الْاٰيَةَ قَالَ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ فَافْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ فَيُفْتَحُ لَهٗ قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ رُّوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْسَحُ لَهٗ فِيْهَا مَدَّ بَصَرِهٖ وَاَمَّا الْكَافِرُ فَذَكَرَ مَوْتَهٗ قَالَ وَيُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَادِيْنُكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا قَالَ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهٗ ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهٗ اَعْمٰى اَصَمُّ مَعَهٗ مِرْزَبَةٌ مِّنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَّصَارَ تُرَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً يَّسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت براء بن عازبؓ راوی ہیں آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ ﷺ نے فرمایا (قبر میں) مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ "تیرا رب کون ہے؟" وہ جواب دیتا ہے "میرا رب اللہ ہے!" پھر فرشتے پوچھتے ہیں "تیرا دین کیا ہے؟" وہ جواب میں کہتا ہے، "میرا دین اسلام ہے" پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں، جو شخص (خدا کی طرف سے) تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ کون ہے؟ وہ کہتا ہے "وہ خدا کے رسول ہیں" پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں یہ تجھے کس نے بتایا وہ کہتا ہے میں نے خدا کی کتاب پڑھی اور اس پر ایمان لایا اور اس کو سچ جانا، (یعنی جو کلام اللہ پر ایمان لائے گا وہ رسول اللہ ﷺ پر پہلے ایمان لائے گا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا۔ یثبت اللّٰہ الذین امنوا بالقول الثابت (الآیۃ) یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ثابت قدم رکھتا ہے جو ثابت بات پر ایمان لائے (اخیر آیت تک) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ آسمان سے پکارنے والا (یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کے حکم سے فرشتہ) پکار کر کہتا ہے میرے بندے نے سچ کہا لہٰذا اس کے لئے جنّت کا فرش بچھاؤ اور اس کو جنّت کی پوشاک پہناؤ، اور اس کے واسطے جنّت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ جنّت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (اس جنّت کے دروازہ سے) اس کے پاس جنّت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور حد نظر تک اس قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے اب رہا کافر! تو آنحضرت ﷺ نے اس کی موت کا ذکر کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ، پھر اس کی روح اس کے جسم میں ڈالی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں، "تیرا رب کون ہے؟" وہ کہتا ہے، ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں "تیرا دین کیا ہے؟" وہ کہتا ہے، ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں، یہ شخص کون ہے (جو خدا کی جانب سے) تم میں بھیجا گیا تھا، وہ کہتا ہے "ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا" پھر آسمان سے ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، یہ جھوٹا ہے اس کے لئے آگ کا فرش بچھاؤ، آگ کا لباس اسے پہناؤ اور اس کے واسطے ایک دروازہ دوزخ کی طرف کھول دو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ

دوزخ سے اس کے پاس گرم ہوائیں اور لوئیں آتی ہیں، اور فرمایا اور اس کی قبر اس کے لئے تنگ کردی جاتی ہے، یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی پسلیاں ادھر نکل آتی ہیں، پھر اس پر ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا ایسا گرز ہوتا ہے کہ اس کو اگر پہاڑ پر مارا جائے تو وہ پہاڑ مٹی ہو جائے اور وہ فرشتہ اس کو اس گرز سے اس طرح مارتا ہے کہ (اس کے چیخنے چلانے کی آواز) مشرق سے مغرب تک تمام مخلوقات سنتی ہے مگر جن و انسان نہیں سنتے اور اس مارنے سے وہ مردہ مٹی ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر اس کے اندر روح ڈالی جاتی ہے۔" (احمدؒ و ابوداؤد)

تشریح: ہاہ ہاہ ایک لفظ ہے جو عربی میں دہشت زدہ اور متحیر شخص بولتا ہے جیسے اردو میں حیرت و دہشت کے وقت آہ، ہائے اور وائے وائے بولا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس وقت کافر اتنا خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ اس کی زبان سے ہیبت ناکی سے خوف و حسرت کے الفاظ نکلتے ہیں اور وہ صحیح جواب نہیں دے پاتا اور وہ کہتا ہے کہ "میں نہیں جانتا" اس کے اس جواب پر ندائے غیب سے اس کو جھوٹا قرار دیا جاتا ہے، اس لئے کہ دین اسلام کی آواز مشرق سے لے کر مغرب تک پہنچی اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنا مشن چار دانگ عالم میں پھیلایا اور تمام دنیا اس آفاقی و آسمانی مذہب سے باخبر تھی، اسکے باوجود اس کا یہ کہنا کہ میں کچھ نہیں جانتا یا مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا، سراسر کذب اور جھوٹ ہے۔

قبر میں عذاب کے جو فرشتے مقرر کئے جاتے ہیں وہ اندھے اور بہرے ہوتے ہیں، اس کی حکمت یہ ہے کہ وہ نہ تو مردہ کے چیخنے چلانے کی آواز سن سکیں اور نہ اس کے حال کو دیکھ سکیں تاکہ رحم نہ آسکے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معذب مردہ کے جسم میں بار بار روح ڈالی جاتی ہے تاکہ اس پر عذاب شدید سے شدید ہو سکے اور یہ اس چیز کا انجام ہے کہ وہ دنیا میں عذاب قبر کا انکار کیا کرتا تھا اور اس کو جھٹلایا کرتا تھا۔ (نعوذ باللہ)۔

⑧ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ بَكٰى حَتّٰى يَبُلَّ لِحْيَتَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ تَذْكُرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِيْ وَتَبْكِيْ مِنْ هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَّمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عثمانؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو (خوف خدا سے) اس قدر روتے کہ ان کی ڈاڑھی (آنسوؤں) سے تر ہو جاتی، ان سے کہا گیا کہ آپ جب جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور اس جگہ کھڑے ہو کر روتے ہیں (اس کے جواب میں) انہوں نے کہا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے، آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے لہٰذا جس نے اس منزل سے نجات پائی اس کو اس کے بعد آسانی ہے اور جس نے اس منزل سے نجات نہیں پائی اس کو اس کے بعد سخت دشواری ہے "حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا" کہ میں نے کبھی کوئی منظر قبر سے زیادہ سخت نہیں دیکھا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، اور ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔)

تشریح: یعنی قبر پر کھڑے ہو کر انسان عیش و عشرت کو بھول جاتا ہے اور دنیا کی بے ثباتی پر اس کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خوف خدا سے اپنے قلب کو لرزاں پاتا ہے اور آخرت سے لگاؤ محسوس کرتا ہے نیز قبر عیش و عشرت سے متنفر کرتی ہے اور محنت و مشقت اور یاد الٰہی میں مصروف رکھتی ہے۔ اسی کو فرمایا گیا ہے سب سے زیادہ سخت جگہ قبر ہے۔

⑨ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهٗ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْاَلُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو کر (لوگوں سے) فرماتے

اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو، یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت اس کو ثابت قدم رکھے اس لئے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جاتا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندوں کی طرف سے مردہ کے لئے دعائے استغفار کار آمد اور مفید ہے چنانچہ اہل سُنّت و الجماعت کا یہی مسلک ہے۔

یہ دعا نیز مردہ کی استقامت و اثبات کے لئے دعا، تلقین میت کے علاوہ ہیں جو دفن کرنے کے بعد کرتے ہیں تلقین میت کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ تلقین اکثر حنفیہ کے یہاں ثابت نہیں ہے لیکن اکثر شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے، چنانچہ دفن کرنے کے بعد تلقین میت کے سلسلے میں ایک حدیث ابوامامہ صحابیؓ سے وارد ہوئی ہے جسے علامہ سیوطیؒ نے جمع الجوامع میں طبرانی سے ذکر کیا ہے اور ابن نجار، ابن عساکر اور دیلمی نے بھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی انتقال کر جائے اور اسے دفن کر چکو تو ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہو اور کہے "اے فلاں ابن فلاں" مردہ یہ الفاظ سنتا ہے لیکن جواب نہیں دیتا، وہ شخص پھر کہے "اے فلاں ابن فلاں" اس مرتبہ مردہ کہتا ہے خدا آپ پر رحم کرے، ارشاد فرمائیے، لیکن تم اسے نہیں سنتے۔ اس کے بعد اس شخص کو کہنا چاہئے، اے فلاں! اس کلمہ کو یاد کرو جس پر تم اس دنیا سے سدھارے اور وہ لا الہ الا اللّٰہ و ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ کی شہادت ہے نیز تم اس پر راضی ہوئے کہ خدا تمہارا پروردگار ہے محمد ﷺ تمہارے ساتھی پیغمبر ہیں، اسلام تمہارا دین ہے اور قرآن تمہارا راہبر امام ہے جب یہ کہا جاتا ہے تو منکر و نکیر میں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے کہ چلو اس بندہ کے سامنے سے باہر نکلو! اس سے ہمیں کیا سروکار کیونکہ حق تعالیٰ کی جانب سے اس کو تلقین کی جا رہی ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا! یا رسول اللہ! اگر ہم میت کی ماں کا نام نہ جانتے ہوں تو کیا کہیں اور اس کی نسبت کس طرف کریں؟ آنحضرت نے فرمایا، حوا کی طرف نسبت کرو اس لئے کہ وہ سب کی ماں ہیں۔

نیز تلقین میت کے سلسلہ میں اس کے علاوہ قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر سورہ بقرہ کا "مفلحون" اور آمن الرسول سے آخر سورت تک پڑھنا بھی منقول ہے اور اگر قرآن شریف پورا پڑھا جائے تو یہ سب سے افضل و بہتر ہے بعض علماء نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر وہاں کسی بھی مسئلہ کا ذکر کیا جائے تو یہ بھی فضیلت کا باعث اور رحمت خداوندی کے نزول کا سبب ہوگا۔

(۱۵) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیُسَلَّطُ عَلَی الْکَافِرِ فِیْ قَبْرِہٖ تِسْعَۃٌ وَّتِسْعُوْنَ تِنِّیْنًا تَنْهَسُهٗ وَتَلْدَغُهٗ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ لَوْ اَنَّ تِنِّیْنًا مِنْهَا نَفَخَ فِی الْاَرْضِ مَا اَنْبَتَتْ خَضِرًا۔ رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ نَحْوَهٗ وَقَالَ سَبْعُوْنَ بَدَلَ تِسْعَۃٌ وَّتِسْعُوْنَ۔

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، کافر کے اوپر اس کی قبر میں ننانوے اژدہاء مسلط کئے جاتے ہیں جو اس کو قیامت تک کاٹتے اور ڈستے ہیں اور وہ اژدہاء ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک اژدہا زمین پر پھنکار مارے تو زمین سبزہ اگانے سے محروم ہو جائے، دارمیؒ اور ترمذیؒ سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے لیکن اس میں بجائے ننانوے کے ستر کا عدد ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ حِیْنَ تُوُفِّیَ فَلَمَّا صَلّٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَوُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَسُوِّیَ عَلَیْہِ سَبَّحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِیْلًا ثُمَّ کَبَّرَ فَکَبَّرْنَا فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ کَبَّرْتَ فَقَالَ لَقَدْ تَضَایَقَ عَلٰی هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰی فَرَّجَهُ اللّٰہُ عَنْهُ۔

(رواہ احمد)

"حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ حضرت سعد بن معاذؓ کی وفات کے بعد ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ ان کے جنازہ پر گئے، جب آنحضرت ﷺ جنازہ کی نماز پڑھ چکے اور حضرت سعدؓ کو قبر میں اتار کر قبر کی مٹی برابر کر دی گئی تو سرکار دو عالم ﷺ تسبیح (یعنی سبحان اللہ) پڑھتے رہے پھر آپ ﷺ نے تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کہی ہم نے بھی تکبیر کہی، پھر آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ آپ (ﷺ) نے تسبیح کیوں پڑھی اور پھر تکبیر کیوں کہی؟ فرمایا اس بندۂ صالح پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی پھر خدا نے ہماری تسبیح و تکبیر کی وجہ سے اسے کشادہ کر دیا۔" (احمدؒ)

تشریح: تسبیح و تکبیر سے خدا کا غضب رحمت میں اور اس کا غصہ شفقت میں بدل جاتا ہے اور وہاں مقدس کلموں کی بدولت اپنی رحمت و نعمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

چنانچہ اسی لئے خوف و دہشت کے موقع پر یا کسی خوفناک چیز کو دیکھ کر تکبیر کہنی مستحب ہے۔ تسبیح و تکبیر کا جتنا ورد رکھا جائے گا اتنا ہی خدا کی رحمت سے قریب ہوتا جائے گا اور دنیاوی آفات و بلا نیز غضب خداوندی سے دور ہوتا جائے گا۔

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الَّذِيْ تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَشَهِدَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِّنَ الْمَلَآئِكَةِ لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فُرِّجَ عَنْهُ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ (یعنی سعد ابن معاذؓ) وہ شخص ہیں جن کے لئے عرش نے حرکت کی (یعنی اس کی جب پاک روح آسمان پر پہنچی تو اہل عرش نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا) اور ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور ان کے جنازے پر ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے اور ان کی قبر تنگ کی گئی۔ پھر یہ تنگی دور ہوئی اور آنحضرت ﷺ کی برکت سے ان کی قبر کشادہ ہو گئی۔"

(۱۳) وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا فَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِيْ يُفْتَنُ فِيْهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذٰلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّةً رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ هٰكَذَا وَزَادَ النَّسَآئِيُّ حَالَتْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اَنْ اَفْهَمَ كَلَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَكَنَتْ ضَجَّتُهُمْ قُلْتُ لِرَجُلٍ قَرِيْبٍ مِّنِّيْ اَيْ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ مَاذَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ قَوْلِهٖ قَالَ قَالَ قَدْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ قَرِيْبًا مِّنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔

"اور حضرت اسماءؓ[1] بنت ابی بکرؓ راوی ہیں کہ ایک دن سرکار دو عالم ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور قبر کے فتنہ کا ذکر فرمایا جس میں انسانوں کو مبتلا کیا جاتا ہے چنانچہ اس ذکر سے مسلمان (خوف زدہ ہو کر روتے) اور چلاتے رہے، یہ روایت بخاری کی ہے اور نسائی نے اتنا اور زیادہ بیان کیا ہے کہ (خوف و دہشت کی وجہ سے) مسلمانوں کے چیخنے اور چلانے کے سبب میں آنحضرت ﷺ کے الفاظ کو نہ سن سکی، جب یہ چیخنا چلانا بند ہوا تو میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا، خدا تمہیں برکت عطا فرمائے (یعنی تمہارے علم و حلم میں زیادتی ہو، آخر میں آنحضرت ﷺ نے کیا فرمایا؟) اس شخص نے کہا آپ ﷺ نے فرمایا، مجھ پر یہ وحی آئی ہے کہ تم قبروں کے اندر فتنہ میں ڈالے جاؤ گے یعنی تم کو آزمایا جائے گا اور یہ آزمائش و امتحان فتنہ دجال کے قریب قریب ہو گا۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح فتنہ دجال اپنی تباہی و بربادی اور نقصان و خسران کی بناء پر سخت ہلاکت آفریں اور تباہ کن ہو گا، اسی طرح فتنہ قبر بھی ہول و دہشت اور اپنی شدت و سختی کی بنا پر بہت زیادہ خوفناک ہو گا، لہٰذا خدا تعالیٰ سے دعا مانگنی چاہئے کہ وہ ایسے سخت و نازک وقت میں اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور اس امتحان و آزمائش میں ثابت قدم رکھے۔

(۱۴) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَيَجْلِسُ

[1] آپ حضرت ابو بکرؓ صدیق کی ذی شان صاحبزادی حضرت زبیر بن عوام کی زوجہ مطہرہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی والدہ محترمہ ہیں آپ اپنی بہن عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ مکہ معظمہ میں آپ اسلام لائیں تھیں۔ آپ نے مکہ میں بعمر ۱۰۰ سال انتقال فرمایا۔

يَمْسَحُ عَيْنَيْهِ وَيَقُوْلُ دَعُوْنِيْ اُصَلِّيْ۔ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب مردہ (مؤمن) کو قبر کے اندر دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے سامنے غروب آفتاب کا وقت پیش کیا جاتا ہے، چنانچہ وہ مردہ ہاتھوں سے آنکھوں کو ملتا ہوا اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے چھوڑ دو تاکہ میں نماز پڑھ لوں۔" (ابن ماجہ)

تشریح: باعمل مؤمن مردہ جس وقت قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو وہ جس طرح دنیا میں ایمان و اسلام پر قائم رہا اور فرائض اسلام کی ادائیگی سے کبھی غافل نہ رہا، اسی طرح قبر میں بھی اسے سب سے پہلے نماز ہی یاد آتی ہے چنانچہ جب منکر و نکیر اس کے پاس قبر میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ سوال و جواب سے پہلے نماز ادا کرنے کے لئے کہتا ہے کہ پہلے میں نماز پڑھ لوں اس کے بعد تمہیں جو کچھ کہنا سننا ہو کہو سنو یا سوال و جواب کے بعد وہ یہ الفاظ کہتا ہے اور وہ یہ خیال کرتا ... کہ میں اپنے گھر والوں کے درمیان بیٹھا ہوں، اس کے شعور و احساس میں سب سے پہلے نماز ہی آتی ہے۔ یہ حالت اس کی رعایت حال پر دلالت کرتی ہے کہ گویا وہ ہنوز دنیا میں ہی ہے اور سو کر ابھی اٹھا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو بندہ دنیا میں پکا نمازی ہوگا، اور جس کی نماز کبھی قضا نہیں ہوتی ہوگی، قبر میں بھی حسب عادت اسے پہلے نماز ہی یاد آئے گی۔

دفن کے بعد مردہ کے سامنے غروب آفتاب کا وقت پیش کرنا اس کی حالت مسافر اور تنہائی کی مناسبت کی وجہ سے ہے چنانچہ جب کوئی مسافر کسی شہر میں شام کو پہنچتا ہے تو وہ حیرانی و پریشانی کے عالم میں چاروں طرف دیکھتا ہے کہ کہاں جاؤں اور کیا کروں؟ جیسا کہ شام غریباں مشہور ہے ؎

تو زلف راکشادی و تاریک شد جہاں ۔۔۔ اکنوں فتاد شام غریباں کجا روند

اور ؎

نماز شام غریباں چو گریہ آغازم ۔۔۔ بہائے ہائے غریبانہ گر بہ پردازم

⑮ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَيِّتَ يَصِيْرُ اِلَى الْقَبْرِ فَيُجْلَسُ الرَّجُلُ فِيْ قَبْرِهٖ مِنْ غَيْرِ فَزَعٍ وَلَا مَشْغُوْبٍ ثُمَّ يُقَالُ لَهٗ فِيْمَ كُنْتَ فَيَقُوْلُ كُنْتُ فِي الْاِسْلَامِ فَيُقَالُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جَآءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَصَدَّقْنَاهُ فَيُقَالُ لَهٗ هَلْ رَاَيْتَ اللّٰهَ فَيَقُوْلُ مَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَّرَى اللّٰهَ فَيُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ فَيَنْظُرُ اِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰى مَا وَقٰكَ اللّٰهُ ثُمَّ يُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ فَيَنْظُرُ اِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيْهَا فَيُقَالُ لَهٗ هٰذَا مَقْعَدُكَ عَلَى الْيَقِيْنِ كُنْتَ وَعَلَيْهِ مُتَّ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيُجْلَسُ الرَّجُلُ السُّوْٓءُ فِيْ قَبْرِهٖ فَزِعًا مَشْغُوْبًا فَيُقَالُ لَهٗ فِيْمَ كُنْتَ فَيَقُوْلُ لَآ اَدْرِيْ فَيُقَالُ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُهٗ فَيُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ فَيَنْظُرُ اِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيْهَا فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰى مَا صَرَفَ اللّٰهُ عَنْكَ ثُمَّ يُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ اِلَى النَّارِ فَيَنْظُرُ اِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ عَلَى الشَّكِّ كُنْتَ وَعَلَيْهِ مُتَّ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ (رواہ ابن ماجہ)

"حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جب مردہ قبر کے اندر پہنچتا ہے (یعنی اسے دفن کر دیا جاتا ہے) تو (نیک) بندہ قبر کے اندر اس طرح اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے کہ نہ تو وہ لمحہ بھر خوفزدہ ہوتا اور نہ گھبرایا ہوا، پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ "تم کس دین میں تھے؟" وہ کہتا ہے میں دین اسلام میں تھا! پھر اس سے پوچھا جاتا ہے "یہ شخص محمد ﷺ کون ہیں؟" وہ کہتا ہے محمد (ﷺ) خدا کے رسول ہیں جو خدا کے پاس سے ہمارے لئے کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے اور ہم نے ان کی تصدیق کی۔ پھر اس سے سوال کیا جاتا

ہے کہ کیا تم نے اللہ کو دیکھا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ، خدا تعالیٰ کو تو کوئی نہیں دیکھ سکتا! اس کے بعد اس کے لئے ایک روشن دان دوزخ کی طرف کھولا جاتا ہے اور وہ ادھر دیکھتا ہے اور آگ کے شعلوں کو اس طرح بھڑکتا ہوا پاتا ہے گویا اس کی لپیٹیں ایک دوسرے کو کھا رہی ہیں اور اس سے کہا جاتا ہے، اس چیز کو دیکھو جس سے اللہ نے تجھے بچایا ہے، پھر اس کے لئے ایک کھڑکی جنت کی طرف کھول دی جاتی ہے، وہ جنت کی تروتازگی اور اس کی چیزوں کو دیکھتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے، یہ تمہارا ٹھکانہ ہے کیونکہ (تمہارا اعتقاد مضبوط اور اس پر) تمہیں کامل یقین تھا اور اسی (یقین و اعتماد) کی حالت میں تمہاری وفات ہوئی اور اسی حالت میں تمہیں (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ اور بدکار بندہ اپنی قبر میں خوف زدہ اور گھبرایا ہوا اٹھ کر بیٹھتا ہے پس اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس دین میں تھا؟ وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا، پھر اس سے پوچھا جاتا ہے "یہ شخص (محمد ﷺ) کون تھے" وہ کہتا ہے، میں لوگوں کو جو کچھ کہتے سنتا تھا وہی میں کہتا تھا، اس کے بعد اس کے لئے بہشت کی طرف ایک روشن دان کھولا جاتا ہے جس سے وہ بہشت کی تروتازگی اور اس کی چیزوں کو دیکھتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے، اس چیز کی طرف دیکھ جسے خدا نے تجھ سے پھر لیا ہے پھر اس کے لئے دوزخ کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ آگ کے تیز شعلے ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں۔ اور اس سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے اس شک کے سبب جس میں تو مبتلا تھا اور جس پر تو مرا اور اسی پر تو اٹھایا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔" (ابن ماجہؒ)

بَابُ الْاِعْتِصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ
کتاب و سُنّت پر اعتماد کرنے کا بیان

کتاب سے مراد کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے اور سُنّت سے مراد آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال ہیں جن کے مجموعہ کا نام حدیث ہے ان کو شریعت، طریقت، حقیقت کہتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مؤمن و مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اعتقاد و ایمان پختہ اور کامل ہو کہ قرآن و سُنّت نے جو راستہ بتا دیا ہے اس پر پورے یقین کے ساتھ چلنا اور شریعت نے جو حدود قائم کر دی ہیں ان کے اندر پورے اعتقاد کے ساتھ رہنا ہی عین فلاح و سعادت سمجھے، اپنی طرف سے ایسے راستے پیدا کرنا جو سراسر منشاء شریعت کے خلاف ہوں، یا ایسے طریقے اختیار کرنا جو قرآن و سُنّت کے صحیح راستے سے الگ ہوں نہ صرف یہ کہ ایمان و اعتقاد کی سب سے بڑی کمزوری ہے بلکہ دعوی اسلام کے برخلاف بھی ہے۔

چنانچہ اس حدیث میں ان لوگوں کو مردود قرار دیا جا رہا ہے جو محض اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض کی بنا پر دین و شریعت میں نئے نئے طریقے رائج کرتے ہیں اور ایسی غلط باتوں کا انتساب شریعت کی طرف کرتے ہیں جن کا اسلام میں سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا۔

مثلاً کوئی شخص اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتا ہے اور اپنی فہم کے مطابق اسلام میں ایسی نئی چیزیں پیدا کرتا ہے جس کا ثبوت نہ تو قرآن و سُنّت سے ظاہراً ہے اور نہ معناً اور نہ اس کی سند کسی اسلامی نظریہ سے مستنبط ہے تو اسے مردود قرار دیا جائے گا۔ ہاں حدیث کے الفاظ مالیس منہ نے

اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ایسی چیزیں پیدا کرنا، یا ایسے نظریے قائم کرنا جو کتاب سُنّت کی منشاء کے خلاف اور ان کے برعکس نہ ہوں ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی نکیر قائم کی جا سکتی ہے۔

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ بعد ازاں جاننا چاہئے کہ بے شک سب سے بہتر بات خدا کی کتاب ہے، سب سے بہترین راستہ محمد (ﷺ) کا راستہ ہے اور سب سے بدترین چیز وہ ہے جس کو (دین میں) نیا نکالا گیا ہو اور ہر بدعت (اپنی طرف سے دین میں پیدا کی ہوئی نئی بات) گمراہی ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرمار ہے ہوں گے، چنانچہ سب سے پہلے آپ ﷺ نے خدا کی حمد و تعریف کی ہوگی پھر امابعد یعنی بعد ازاں کہہ کر یہ حدیث اس طرح ارشاد فرمائی۔

بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا وجود آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں نہ رہا بلکہ آپ ﷺ کے بعد مختلف زمانوں میں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ بدعت کی دو قسمیں ہیں "بدعت حسنہ" اور "بدعت سیئہ" یعنی اگر ایسی چیزیں نکالی گئی ہیں جو اسلامی اصول و قوائد کے مطابق ہوں اور قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہوں تو ان کو بدعت حسنہ کہتے ہیں، اور جو چیزیں منشاء شریعت کے برعکس اور قرآن و حدیث کے برخلاف ہوں ان کو بدعت سیئہ کہتے ہیں اور یہی بدعت گمراہی و ضلالت اور خداوند کے رسول کی ناراضگی کا باعث ہے، چنانچہ حدیث میں کل بدعۃ ضلالۃ سے مراد یہی بدعت سیئہ ہے ایسی بدعت سے اجتناب ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ بعض بدعت ایسی ہیں جو واجب بھی ہیں مثلاً علم نحو کی تعلیم کہ اس کے بغیر کلام اللہ سمجھنا ناممکن ہے اس لئے قرآنی علوم و معارف کو سمجھنے کے لئے علم نحو حاصل کرنا ضروی ہے۔

اس کے برخلاف بعض بدعات حرام ہیں مثلاً قدریہ و جبریہ کے مذاہب اور ان کے افکار و نظریات جو قرآن و سُنّت کے بالکل برخلاف ہیں بلکہ ان کے مذاہب کا رد کرنا بدعت واجبہ ہے۔

بعض بدعات مستحب ہیں جیسے خانقاہیں قائم کرنا اور وہاں معرفت الی اللہ کے لئے لوگوں کے قلوب کو راہ حق پر لگانا، یا مدرسے قائم کرنا جہاں مسلمان بچوں کو دینی تعلیم و تربیت دینا، یا اسی طرح ایسے تمام کار خیر اور اچھی چیزیں جن کی فی الوقت ضرورت مسلم ہو اور وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود نہ رہی ہوں۔

کچھ بدعت مکروہ بھی ہیں مثلاً کلام اللہ اور مساجد پر نقش و نگار بنانا اور ان کی تزئین و آرائش کے لئے غیر مسنون طریقے اختیار کرنا، بعض بدعت مباح بھی ہیں، جیسے صبح کے بعد مصافحہ کرنا لیکن یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے حنفیہ کے یہاں صبح کے بعد کا مصافحہ کرنا مکروہ ہے۔

بدعت کے سلسلہ میں امام شافعیؒ نے بڑا اچھا تجزیہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں جو نئی بات پیدا کی جائے یعنی بدعت اگر وہ کتاب کے مخالف صحابہ کے اقوال کے منافی اور اجماع اُمّت کے برعکس ہو تو وہ ضلالت و گمراہی ہے اور جو چیزیں ایسی نہ ہوں ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

③ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ ثَلَاثَۃٌ مُلْحِدٌ فِی الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَمُطَّلِبٌ دَمَ امْرِیءٍ مُّسْلِمٍ بِغَیْرِ حَقٍّ لِیُھْرِیْقَ دَمَہٗ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مغضوب (وہ لوگ جن سے خدا سخت ناراض ہے) تین ہیں۔ ① حرم میں کجروی کرنے والا۔ ② اسلام میں ایام جاہلیت کے طریقوں کو ڈھونڈھنے والا۔ ③ کسی مسلمان کے خون ناحق کا طلب گار تاکہ اس کے خون کو بہائے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث میں تین آدمیوں کو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مغضوب قرار دیا جا رہا ہے، پہلا شخص تو وہ ہے جسے خدا نے اپنے گھر یعنی بیت اللہ میں حاضری کی سعادت بخشی مگر وہ بیت اللہ کی نہ تو عظمت کرتا ہے اور نہ حدود حرم میں ممنوع چیزوں سے پرہیز کرتا ہے بلکہ وہ حرم میں کجروی کرتا ہے یعنی ایسی چیزیں اختیار کرتا ہے جو ایک طرف تو اس مقدس جگہ کی شان عظمت کے منافی ہیں اور دوسری طرف احکام شریعت کی کھلی خلاف ورزی کے مترادف ہیں مثلاً وہاں لڑائی جھگڑا کرنا، شکار کرنا، یا کوئی بھی مطلق گناہ اور قانون شریعت کی خلاف ورزی کرنا۔

دوسرا شخص وہ ہے جس کو خدا نے ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا اور اس کے قلب کو یقین و اعتقاد کی روشنی سے منور کیا مگر وہ اسلام میں ان چیزوں کو اختیار کرتا ہے جو خالص زمانہ جاہلیت کا طریقہ اور غیر اسلامی رسمیں تھیں جیسے نوحہ کرنا، یا مصائب و تکالیف کے وقت چاک گریبان ہونا، برے شگون لینا، اور نوروز کرنا، یا ایسی رسمیں کرنا جو خالص کفر کی علامت ہوں (جیسے اولیاء اللہ کے مزار پر عرس کرنا، وہاں چراغاں کرنا، قبروں پر روشنی کا انتظام کرنا، غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز کرنا محرم و شب برات میں غلط رسمیں ادا کرنا۔ وغیرہ وغیرہ)۔

تیسرا شخص وہ ہے جو کسی مسلمان کا ناحق خون بہانے کا طلب گار ہو یعنی کسی مسلمان کو قتل کرنے کا مقصد محض خون ریزی ہو اور کوئی دوسرا مقصد نہ ہو، اگرچہ محض قتل ہی کوئی چھوٹا جرم نہیں ہے اس پر بھی بڑی وعید ہے مگر جب مقصد صرف خون ریزی ہو تو یہ جرم شریعت کی نظر میں اور زیادہ قابل نفریں ہو جاتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب محض خون ریزی کی خواہش اور طلب ہی اتنا بڑا جرم ہے تو اس جرم کو کر گزرنا یعنی واقعۃً کسی کا ناحق خون بہا دینا کتنا بڑا جرم ہوگا اور اس کی کتنی سخت سزا ہوگی؟۔

④ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قِیْلَ وَمَنْ اَبٰى قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰى۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میری اُمت جنت میں داخل ہوگی مگر وہ شخص جس نے انکار کیا اور سرکشی کی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، پھر پوچھا گیا "وہ کون شخص ہے جس نے انکار کیا اور سرکشی کی" آپ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے میری اطاعت و فرمانبرداری کی وہ جنت میں داخل ہوا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا اور سرکشی کی۔" (بخاریؒ)

تشریح: صحابہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ قبول کرنے والا اور سرکشی اختیار کرنے والا کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ جس نے میری اطاعت نہیں کی اور میرے احکام و فرمان سے روگردانی کی وہ سرکش ہے جو جنت کا مستحق نہیں ہوگا بلکہ اپنی سرکشی اور نافرمانی کی بناء پر خدا کے عذاب کا مستوجب گردانا جائے گا۔

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَآءَتْ مَلٰٓئِكَةٌ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَآئِمٌ فَقَالُوْآ اِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هٰذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوْا لَهٗ مَثَلًا قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهٗ نَآئِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَیْنَ نَآئِمَةٌ وَالْقَلْبَ یَقْظَانُ فَقَالُوْا مَثَلُهٗ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا وَّجَعَلَ فِیْهَا مَاْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِیًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِیَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَكَلَ مِنَ الْمَاْدُبَةِ وَمَنْ لَّمْ یُجِبِ الدَّاعِیَ لَمْ یَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ یَاْكُلْ مِنَ الْمَاْدُبَةِ فَقَالُوْا اَوِّلُوْهَا لَهٗ یَفْقَهُهَا قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهٗ نَآئِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَیْنَ نَآئِمَةٌ وَالْقَلْبَ یَقْظَانُ فَقَالُوا الدَّارُ الْجَنَّةُ وَالدَّاعِیْ مُحَمَّدٌ فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَیْنَ النَّاسِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (کچھ) فرشتے آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ ﷺ سو رہے تھے فرشتوں نے آپس میں کہا۔ تمہارے اس دوست یعنی آنحضرت ﷺ کے متعلق ایک مثال ہے اس کو ان کے سامنے بیان کرو، دوسرے فرشتوں نے کہا، وہ سوئے ہوئے ہیں (لہٰذا بیان کرنے سے کیا فائدہ) ان میں سے بعض نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے، پھر اس نے

کہا، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے گھر بنایا اور لوگوں کے کھانا کھانے کے لئے دسترخوان چنا اور پھر لوگوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا لہٰذا جس نے بلانے والے کی بات کو مان لیا وہ گھر میں داخل ہوگا اور کھانا کھائے گا اور جس نے بلانے والے کی بات کو قبول نہ کیا وہ نہ گھر میں داخل ہوگا اور نہ کھانا کھائے گا یہ سن کر فرشتوں نے آپس میں کہا، اس کو (وضاحت کے ساتھ) بیان کرو تاکہ یہ اسے سمجھ لیں، بعض فرشتوں نے کہا بیان کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ وہ تو سوئے ہوئے ہیں۔ دوسروں نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے اور پھر کہا، گھر سے مراد تو جنّت ہے اور بلانے والے سے مراد محمد ﷺ ہیں جس نے محمد ﷺ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔"

(بخاریؒ)

تشریح: اس شخص سے مراد جس نے گھر بنایا اور دسترخوان چنا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح دسترخوان اور کھانے سے مراد بہشت کی نعمتیں ہیں چونکہ یہ ظاہری طور پر مفہوم ہو رہے ہیں اس لئے ان کی وضاحت نہیں کی گئی آخر میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی لوگوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی کافر و مؤمن حق و باطل اور صالح و فاسق میں آپ ﷺ فرق کرنے والے ہیں۔

(۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْأَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّآ اُخْبِرُوْا بِہَا کَاَنَّہُمْ تَقَالُّوْھَا فَقَالُوْٓا اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُھُمْ اَمَّآ اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّھَارَ اَبَدًا وَلَآ اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ فَلَآ اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَآءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْھِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔

(متفق علیہ)

"حضرت انسؓ راوی ہیں کہ تین شخص آنحضرت ﷺ کی بیویوں کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان سے آنحضرت ﷺ کی عبادت کا حال دریافت کریں، جب ان لوگوں کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال بتلایا گیا تو انہوں نے آپ کی عبادت کو کم خیال کر کے آپس میں کہا۔ آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں ہم کیا چیز ہیں اللہ تعالیٰ نے تو ان کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے ہیں، ان میں سے ایک نے کہا، اب میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا، اور میں دن کو ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا، ان میں آپس میں یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا، تم لوگوں نے ایسا ویسا کہا ہے، خبردار! میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، اور تم سے زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہوں (لیکن اس کے باوجود) میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں میں (رات میں) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں (یہی میرا طریقہ ہے لہٰذا) جو شخص میرے طریقہ سے انحراف کرے گا وہ مجھ سے نہیں (یعنی میری جماعت سے خارج ہے)۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: تین صحابی یعنی حضرت علی، حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ازواج مطہرات کی خدمت میں آنحضرت ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئے جب ان لوگوں کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو اسے انہوں نے کم خیال کرتے ہوئے کہا کہ کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ ﷺ؟ یعنی عبادت کے مقابلہ میں ہمیں سرکار دو عالم ﷺ کی ذات اقدس سے کیا نسبت؟ اس لئے کہ آپ ﷺ کو تو اتنی بھی عبادت کی حاجت نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ سراپا معصوم اور مغفور ہیں آپ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہ بارگاہ الوہیت میں سے پہلے ہی بخش دیے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔

"تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دے۔"

چنانچہ ان تینوں نے حسب طبیعت ایک ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور یہ خیال کیا کہ عبادت میں اتنی زیادتی عرفان حق کا باعث اور تقرب الی اللہ کا واحد ذریعہ ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں اس سے منع فرما دیا اس لئے کہ عبادت وہی معتبر اور قابل تحسین ہوگی جو خدا اور خدا کے رسول کی قائم کردہ حدود کے اندر ہو اور جتنی عبادت کے لئے بندہ کو مکلف کیا گیا ہے اتنی عبادت ہی تقرب الی اللہ کا باعث ہوگی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ ڈرتا ہوں، تقویٰ تم سے زیادہ اختیار کئے ہوئے ہوں، خوف خدا میرے دل میں تم سے زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود بھی میری عبادت اور میری ریاضت ان ہی حدود کے اندر ہے جو خدا نے قائم کر دی ہے، اسی لئے میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سونے کے وقت سوتا بھی ہوں اور بقضائے فطرت عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔

چنانچہ کمال انسانیت یہی ہے کہ بندہ علائق سے تعلق رکھے، عورتوں سے نکاح بھی کرے لیکن اس شان کے ساتھ کہ ایک طرف تو ان کے حقوق میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہو اور دوسری طرف حقوق اللہ میں بھی فرق نہ آئے اور نہ توکل کا دامن ہاتھ سے چھوٹے، اسی چیز کو آنحضرت ﷺ نے پورے کمال کے ساتھ عملی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کر دیا تاکہ اُمت بھی اسی طریقہ پر چلتی رہے۔

اور پھر آخر میں آپ ﷺ نے صاف طور پر اعلان فرما دیا کہ یہ میرا طریقہ ہے اور یہی میری سنت، اب جو شخص میری سُنت سے انحراف کرتا ہے، میری بتائی ہوئی حدود سے تجاوز کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ میری سُنت اور میرے طریقہ سے بیزاری و بے رغبتی کر رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسا شخص میری جماعت سے خارج ہے اسے مجھ سے اور میری جماعت سے کوئی نسبت نہیں۔

اس ارشاد نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ علائق دنیا سے بالکل منہ موڑ لینا اور رہبانیت کا طریق اختیار کر لینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ انسانی زندگی کا شیرازہ بکھر جائے گا بلکہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں بھی کوتاہی ہوگی اور عبادت کا جو اصلی حق ہے وہ ادا نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاقؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استنباط کیا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ تینوں صحابہؓ نے جن چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ عبادت ہی کی قسم سے تھیں لیکن چونکہ یہ سُنت کے طریقہ کے خلاف اور اس سے زیادہ تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو پسند نہیں فرمایا اور اس سے منع فرما دیا، لہٰذا اولیٰ یہی ہے کہ جو عبادت آں حضرت ﷺ سے منقول ہو، اور جس طرح ثابت ہو اسی طرح ادا کرے اس میں اپنی طرف سے کمی زیادتی نہ کرے۔

(۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيْهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَصْنَعُهٗ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهٗ خَشْيَةً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک کام کیا اور اس کی اجازت دے دی لیکن کچھ لوگوں نے اس سے پرہیز کیا جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور خدا کی حمد و تعریف کے بعد فرمایا۔ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ اس چیز سے پرہیز کرتے ہیں جسے میں کرتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں اللہ تعالیٰ کی مرضی و نامرضی کو ان سے زیادہ جانتا ہوں اور ان سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: روزہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا ہوگا یا سفر میں روزہ نہ رکھا ہوگا چونکہ ان چیزوں کی اجازت ہے اور شریعت نے اس کی رخصت دی ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے خود بھی اس پر عمل فرمایا اور لوگوں کو بھی اس کی اجازت دے دی کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں لیکن کچھ لوگوں نے ازراہ احتیاط ان کو جائز نہ سمجھا ہوگا جب آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ اس کے باوجود کہ میں لوگوں سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور کمال اخلاق میرے اندر موجود ہے لیکن میں شریعت کی طرف سے دی گئی آسانی اور رخصت پر عمل کرتا ہوں تو وہ لوگ کون ہوئے ہیں جو اس رخصت و اجازت پر عمل نہ کریں۔

اگر معنوی حیثیت سے ان آسانیوں اور رخصت کی حقیقت پر غور کیا جائے جو شریعت نے ایسے مواقع پر دے رکھی ہیں تو اس میں بڑی عجیب حکمتیں نظر آئیں گی۔ مثلاً یہ کہ ایسے مواقع پر دراصل بندہ کے عجز و ناچارگی اور ضعف بشریت نیز رفاہیت نفس کا اظہار ہوتا ہے جو خدا کے نزدیک بہت محبوب شے ہے اسی لئے سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ اسے پسند کرتا ہے کہ رخصتوں یعنی آسانیوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ عزیمتوں یعنی اولیٰ چیزوں پر عمل کئے جانے کو پسند کرتا ہے۔

⑧ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُؤَبِّرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت رافع[1] بن خدیج بیان کرتے ہیں کہ (جب) سرکار دو عالم ﷺ مدینہ تشریف لائے اس وقت مدینہ کے لوگ کھجور کے درختوں میں تابیر کیا کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا، تم یہ کیا کرتے ہو؟ اہل مدینہ نے عرض کیا، ہم ایسا ہی کرتے رہے ہیں، آں حضرت ﷺ نے فرمایا، اگر تم ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو، چنانچہ لوگوں نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر اسے چھوڑ دیا اور اس سال پھل کم آیا، راوی کہتے ہیں کہ اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا، میں بھی ایک آدمی ہوں لہٰذا جب میں تمہیں کسی ایسی چیز کا حکم دوں جو تمہارے دین کی ہو تو اسے قبول کرلو، اور جب میں کوئی بات اپنی عقل سے تمہیں بتاؤں تو سمجھ لو کہ میں بھی انسان ہوں۔"
(مسلمؒ)

تشریح: کھجور کے درختوں میں ایک درخت نر ہوتا ہے اور دوسرے مادہ ہوتے ہیں۔ مدینہ والے یہ کیا کرتے تھے کہ نر درخت کا پھول مادہ درختوں پر جھاڑتے یا ان میں لگا دیتے تھے اس سے ان کا خیال تھا کہ پھل زیادہ آتے ہیں اسی کو تابیر کرنا کہا جاتا ہے، آخر حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ میں بھی ایک انسان ہوں دنیاوی اسباب کے سلسلہ میں مجھ سے خطا بھی واقع ہو سکتی ہے اور صواب بھی، مگر میں کسی دنیاوی معاملہ میں اپنی کسی ایسی اجتہادی رائے کا اظہار کروں جو وحی کے زیر حکم نہ ہو تو اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے چنانچہ اس معاملہ میں آپ ﷺ نے جب دیکھا کہ یہ چیز امور جاہلیت میں سے ہے اور اس کی تاثیر پھلوں کی کمی و زیادتی میں کچھ معقول نظر نہیں آتی اور اس کا خیال نہیں فرمایا کہ شاید اس کی تاثیر کچھ منجانب اللہ ہی سے ہوتی ہو اس لئے آپ ﷺ نے اس کو ترک کر دینے کے لئے فرمایا لیکن حکم نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ اگر یہ عمل نہ کرو تو بہتر ہوگا۔

جب تجربہ کے بعد آپ ﷺ نے یہ دیکھ لیا کہ یہ تو ایک قدرتی چیز ہے کہ جب نر درخت کے پھلوں کو مادہ درخت میں لگا دیتے ہیں تو اس سے پھل کثرت سے آتے ہیں اور اس عمل کے خلاف خدا کی جانب سے کوئی وعید نہیں آئی ہے تو آپ ﷺ نے سکوت فرمایا۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دنیا کی طرف التفات نہ تھا اور نہ آپ کی غرض دنیا تھی بلکہ امور آخرت کے مسائل و احکام اور دینی معاملات میں آپ ﷺ کو زیادہ اہتمام تھا۔

---

[1] حضرت رافع بن خدیج انصاری اوسی ہیں جس وقت حق و باطل کے درمیان جنگ بدر ہوئی اس وقت یہ بہت کم سن تھے ۷۴ھ میں بعمر ۸۶ سال انتقال فرمایا۔ (اسد الغابہ)

بعض دوسری احادیث میں اس واقع کے بیان کے سلسلہ میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا انتم اعلم باموردنیا کم یعنی تم اپنی دنیا کے امور کو خوب جانتے ہو! اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ دنیاوی امور کی طرف مجھے التفات نہیں ہے ورنہ جہاں تک رائے و عقل کا معاملہ ہے اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے آنحضرت ﷺ دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں سب سے زیادہ عقل مند و صائب الرائے تھے۔

⑨ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ کَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰی قَوْمًا فَقَالَ یَا قَوْمِ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَیْشَ بِعَیْنَیَّ وَاِنِّیْ اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ فَالنَّجَآءَ النَّجَآءَ فَاَطَاعَہٗ طَآئِفَۃٌ مِّنْ قَوْمِہٖ فَاَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰی مَھَلِھِمْ فَنَجَوْا وَکَذَّبَتْ طَآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ فَاَصْبَحُوْا مَکَانَھُمْ فَصَبَّحَھُمُ الْجَیْشُ فَاَھْلَکَھُمْ وَاجْتَاحَھُمْ فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِہٖ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِیْ وَکَذَّبَ مَا جِئْتُ بِہٖ مِنَ الْحَقِّ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری اور اس چیز کی مثال جسے دے کر خدا نے مجھے بھیجا ہے (یعنی دین و شریعت) اس شخص کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا، اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں ننگا (یعنی بے غرض) ڈرانے والا ہوں، لہٰذا تم اپنی نجات کو تلاش کرو، چنانچہ اس کی قوم کی ایک جماعت نے اس کی فرمانبرداری کی اور راتوں رات آہستہ آہستہ نکل گئی اور نجات پالی ان میں سے ایک گروہ نے اس کو جھٹلایا اور صبح تک اپنے گھروں میں رہا صبح کو لشکر نے آکر ان کو پکڑ لیا اور ہلاک کر ڈالا (یہاں تک کہ) ان کی جڑیں کھود ڈالیں یعنی ان کی نسل تک کا خاتمہ کر دیا، چنانچہ یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے میری فرمانبرداری کی اور جو (احکام) میں لایا ہوں ان کی پیروی کی، اور اس شخص کی بھی یہی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق بات (یعنی دین و شریعت) میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ننگا ڈرانے والے کی اصل یہ ہے کہ عرب میں قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص کسی لشکر کو اپنی قوم پر حملہ کے لئے آتا ہوا دیکھتا تو کپڑے اتار کر سر پر رکھ لیتا اور بالکل ننگا ہو کر چلاتا ہوا اپنی قوم کی طرف آتا تاکہ لوگ خبردار ہو جائیں اور دشمن کی اچانک آمد سے بچاؤ کی شکل پیدا کر سکیں۔ اسی کو ننگا ڈرانے والا کہا جاتا تھا، اس کے بعد سے یہ کسی ناگہانی اور خوفناک حادثہ کے پیش آنے میں صرف ایک ضرب المثل بن گیا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ پر یہ مثال بالکل صحیح و صادق تھی کہ آپ ﷺ فرمانبردار اور اطاعت گزار کو جنت اور رضاء مولی کی بشارت اور نافرمانبردار و سرکش جماعت کو خدا کے عذاب و غضب کی خبر دینے میں بالکل سچے تھے۔

⑩ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَھَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَھٰذِہِ الدَّوَآبُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْھَا وَجَعَلَ یَحْجُزُھُنَّ وَیَغْلِبْنَہٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْھَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْھَا (ھٰذِہٖ رِوَایَۃُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُھَا وَقَالَ فِیْ اٰخِرِھَا قَالَ فَذٰلِکَ مَثَلِیْ وَمَثَلُکُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ ھَلُمَّ عَنِ النَّارِ ھَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْھَا)۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میری مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے آگ روشن کی چنانچہ جب آگ نے چاروں طرف روشنی پھیلا دی تو پروانے اور دوسرے وہ جانور جو آگ میں گرتے ہیں آکر آگ میں گرنے لگے آگ روشن کرنے والے شخص نے ان کو روکنا شروع کیا لیکن وہ (نہیں رکتے بلکہ اس کی کوششوں پر) غالب رہتے ہیں اور آگ میں گر پڑتے ہیں اسی طرح میں بھی تمہاری کمریں پکڑ کر تمہیں آگ میں گرنے سے روکتا ہوں اور تم آگ میں گرتے ہو۔

یہ روایت بخاری کی ہے اور مسلم میں بھی ایسی ہی روایت ہے البتہ مسلم کی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بالکل ایسی ہی مثال میری اور تمہاری ہے میں تمہاری کمریں پکڑے ہوں کہ تمہیں آگ سے بچاؤں اور یہ کہتا ہوں کہ دوزخ سے بچو میری

طرف آؤ، دوزخ سے بچو میری طرف آؤ لیکن مجھ پر تم غالب آتے ہو اور آگ میں گر پڑتے ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے حرام اور ممنوع چیزوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے لیکن جس طرح کوئی شخص آگ جلائے اور اس شخص کے روکنے کے باوجود پروانے آگ میں گرتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح باوجودیکہ میں تمہیں برے راستہ سے ہٹاتا ہوں اور برے کام سے روکتا ہوں لیکن تم اسی ممنوع اور غیر پسندیدہ چیزوں کو کرتے ہو! اسی طرح دوزخ کی آگ میں گرنے کی کوشش کرتے ہو۔

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ مَابَعَثَنِی اللّٰہُ بِہٖ مِنَ الْھُدٰی وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ الْغَیْثِ الْکَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَکَانَتْ مِنْھَا طَآئِفَۃٌ طَیِّبَۃٌ قَبِلَتِ الْمَآءَ فَاَنْبَتَتِ الْکَلَا وَالْعُشْبَ الْکَثِیْرَ وَکَانَتْ مِنْھَا اَجَادِبُ اَمْسَکَتِ الْمَآءَ فَنَفَعَ اللّٰہُ بِھَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْھَا طَآئِفَۃً اُخْرٰی اِنَّمَا ھِیَ قِیْعَانٌ لَا تُمْسِکُ مَآءً وَلَا تُنْبِتُ کَلَأً فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ فَقُہَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ وَنَفَعَہٗ مَابَعَثَنِی اللّٰہُ بِہٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ یَرْفَعْ بِذٰلِکَ رَاْسًا وَلَمْ یَقْبَلْ ھُدَی اللّٰہِ الَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِہٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اس چیز کی مثال جسے خدا نے مجھے دے کر بھیجا ہے یعنی علم اور ہدایت کثیر بارش کی مانند ہے جو زمین پر ہوئی چنانچہ زمین کے اچھے ٹکڑے نے اسے قبول کر لیا یعنی اپنے اندر جذب کر لیا، اور اس سے بہت زیادہ خشک و ہری گھاس پیدا ہوئی اور زمین کا ایک ٹکڑا ایسا سخت تھا کہ اس کے اوپر پانی جمع ہو گیا اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا اور لوگوں نے اسے پیا اور پلایا اور کھیتی کو سیراب کیا اور یہ (بارش کا پانی) زمین کے ایسے ٹکڑے پر بھی (پہنچا) جو چٹیل سخت میدان تھا نہ تو اس نے پانی کو روکا اور نہ گھاس کو اگایا لہٰذا یہ سب (مذکورہ مثالیں) اس شخص کی مثال ہے جس نے خدا کے دین کو سمجھا اور جو چیز خدا تعالیٰ نے میری وساطت سے بھیجی تھی اس نے اس سے نفع اٹھایا پس اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا، اور اس شخص کی مثال ہے جس نے خدا کے دین کو سمجھنے کے لئے تکبر کی وجہ سے سر نہیں اٹھایا اور خدا تعالیٰ کی ہدایت کو جو میرے ذریعہ بھیجی گئی تھی قبول نہیں کیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس میں دو قسم کے آدمی ذکر کئے گئے ہیں ایک تو دین سے فائدہ اٹھانے والے اور دوسرے دین سے فائدہ نہ اٹھانے والے، اسی طرح مثال مذکورہ میں زمین دو قسم کی بیان کی گئی ہے، زمین کی ایک قسم تو وہ ہے جو پانی سے فائدہ اٹھاتی ہے، دوسرے وہ جو پانی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی پھر فائدہ اٹھانے والی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اگانے والی اور دوسری نہ اگانے والی۔

ٹھیک اسی طرح علم دین سے بھی فائدہ اٹھانے والے دو طرح کے ہوتے ہیں، پہلا وہ شخص جو عالم بھی ہو اور عابد و فقیہ اور معلّم بھی۔ اس پر زمین کے اس ٹکڑے کی مثال صادق آتی ہے جس نے پانی کو اپنے اندر جذب کر لیا، خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی نفع پہنچایا نیز گھاس بھی اگائی۔ اسی طرح اس شخص نے بھی علم [illegible] سے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی اپنے علم سے مستفیض کیا۔ دوسرا وہ شخص ہے جو عالم و معلّم ہو مگر عابد و فقیہ نہ ہو، نہ تو وہ نوافل وغیرہ میں مشغول ہوا اور نہ اس نے اپنے علم میں تفقہ یعنی سمجھ بوجھ پیدا کی، اس کی مثال زمین کے اس حصّہ کی مانند ہے جس میں پانی جمع ہو گیا اور لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ یا پھر زمین کا وہ حصّہ جس نے پانی کو جذب بھی کیا اور گھاس بھی اگائی وہ مجتہدین کی مثال ہے کہ جنہوں نے علم حاصل کیا، پھر بہت سے مسائل کا استنباط کیا اس سے خود بھی منتفع ہوئے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔

اور زمین کے اس حصّہ کی مثال جس میں پانی جمع ہوا، محدثین ہیں کہ انہوں نے علم حدیث حاصل کیا اور اس علم کو بعینہٖ دوسرے لوگوں تک پہنچا دیا، ان دونوں کے مقابلہ میں تیسرا شخص وہ ہے جس نے ازراہ غرور و تکبر خدا کے دین کے سامنے اپنی گردن نہیں جھکائی، نہ اس نے علم دین کی طرف کوئی توجہ و التفات کی اور نہ اس نے خدا و خدا کے رسول کے پیغام کو سنا اور نہ اس پر عمل کیا اور نہ علم کی روشنی دوسروں تک پہنچائی، اب چاہے یہ دین محمدی میں داخل ہو یا نہ ہو اور یا کافر ہو، اس کی مثال زمین شور کی ہے کہ جس نے نہ پانی کو قبول کر کے

اپنے اندر جذب کیا، نہ پانی کو جمع کیا اور نہ کچھ اگایا۔

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "هُوَالَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ" وَقَرَأَ اِلٰى "وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ" قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا رَاَيْتِ۔ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمُ اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ (متفق علیہ، ال عمران ۷)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی هُوَالَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ترجمہ: یہ وہ (خدا) ہے جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی کہ جس کی بعض آیات محکم ہیں۔ اور آخر آیت وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ال عمران ۷) اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر صاحب عقل، تک پڑھی، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ یہ آیت پڑھ کر، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جس وقت تو دیکھے اور مسلم کی روایت میں ہے "جب تم دیکھو" کہ لوگ ان آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں جو متشابہ ہیں تو (تم سمجھو کہ یہ) وہ لوگ ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے (کجرو یا گمراہ) رکھا ہے لہٰذا ان لوگوں سے بچتے رہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے:

هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (ال عمران ۳:۷)

"اور وہی (آیات محکمات) اصل کتاب ہیں اور بعض آیات متشابہ ہیں۔ ایسے لوگ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں، حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ آیات متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور ان کی اصل مراد کو پانے کے لئے اپنی عقل کے تیر چلاتے ہیں ان کو خدا نے کجرو یعنی گمراہ کہا ہے جیسا کہ آیت بالا فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ سے معلوم ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم میں دو طرح کی آیتیں ہیں اول "آیات محکمات" یہ وہ آیتیں ہیں جس کے معنی و مطلب ظاہر ہوتے ہیں ان میں اخفاء و ابہام نہیں ہوتا، دوسری آیات متشابہات ہیں یعنی جن کے معنی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ان کی حقیقی مراد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے جیسے يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ وغیرہ۔

لہٰذا جو لوگ نیک اور صالح ہوتے ہیں اور جن کے قلوب ایمان و ایقان کی روشنی سے پوری طرح منور ہوتے ہیں وہ آیات محکمات کے معنی و مطالب کو سمجھتے بھی ہیں اور ان پر ایمان بھی لاتے ہیں اور آیات متشابہات پر پوری رسوخ و ایقان کے ساتھ ایمان لا کر ان کے معنی و مطالب اور حقیقی مراد کا علم اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ وہی بہتر جاننے والا ہے۔

لیکن جن لوگوں کے قلوب میں کجی ہوتی ہے اور جن کے ذہن گمراہ ہوتے ہیں وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ان میں اپنی طرف سے غلط تاویلیں کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس حدیث اور مذکورہ بالا آیات شریفہ کا یہی خلاصہ اور مطلب ہے۔

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ هَجَّرْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَالَ فَسَمِعَ اَصْوَاتَ رَجُلَيْنِ اخْتَلَفَا فِيْ اٰيَةٍ فَخَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرَفُ فِيْ وَجْهِهِ الْغَضَبُ فَقَالَ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْكِتَابِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو ایک (متشابہ) آیت میں اختلاف کر رہے تھے یعنی اس کے معنی میں جھگڑ رہے تھے، آں حضرت ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے (اس وقت) آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر غصہ کے آثار نمایاں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم سے پہلے کے لوگ کتاب (الٰہی) میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس سے مراد وہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے قلوب شک میں گرفتار ہوں، یا ایمان میں کمزوری پیدا ہو اور آپس میں فتنہ و فساد اور دشمنی کا سبب نیز کفر و بدعت کا باعث ہو، جیسے نفس قرآن میں اختلاف کرنا، اس کے معنی و مطالب میں فرق پیدا کرنا، ظاہر ہے کہ ان چیزوں میں نہ تو اجتہاد جائز ہے اور نہ اختلاف کرنا صحیح ہے، ہاں علمائے مجتہدین کے اختلاف صحیح ہیں جو خدا کی رحمت کا باعث اور دین و شریعت میں وسعت کا ذریعہ ہیں، چنانچہ صحابہؓ سے اس طرح کا اجتہادی اختلاف جو فائدہ مند ہے، منقول ہے جو جائز تھا اور جس کی وجہ سے بے شمار مسائل کا استنباط ہوا اور اُمّت ان سے منتفع ہوئی۔

⑭ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ الْمُسْلِمِیْنَ فِی الْمُسْلِمِیْنَ جُرْمًا مَنْ سَاَلَ عَنْ شَیْءٍ لَمْ یُحَرَّمْ عَلَی النَّاسِ فَحُرِّمَ مِنْ اَجْلِ مَسْاَلَتِہٖ۔ (متفق علیہ)

"اور سعد بن ابی وقاصؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، مسلمانوں میں سب سے بڑا گناہ گار وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کا سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے سے وہ حرام ہوگئی ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ وعید آپ ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمائی جو آپ ﷺ سے ازراہ سرکشی سوالات کرتے تھے یا ان کا سوال کرنا محض تصنع کی وجہ سے ہوتا تھا جیسا کہ بنی اسرائیل نے بقرہ کے بارے میں حضرت موسیٰ سے سوال کیا تھا۔ ہاں جن لوگوں کا سوال کرنا واقعۃً علم حاصل کرنے یا کسی ضرورت کی بنا پر ہوتا تھا وہ اس میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان کو تو اپنے صحیح سوالات کی بنا پر ثواب ملتا تھا۔

⑮ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَاْتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَاؤُکُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاہُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ آخری زمانہ میں ایسے فریب دینے والے اور جھوٹے لوگ ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جنہیں نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے باپوں نے سنا ہوگا لہٰذا ان سے بچو اور ان کو اپنے آپ سے بچاؤ تاکہ وہ تمہیں نہ گمراہ کریں اور نہ فتنہ میں ڈالیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زہد و تقدس کا پُرفریب لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو بہکائیں گے، عوام سے کہیں گے کہ ہم علماء اور مشائخ میں سے ہیں اور ہمیں خدا کے دین کی طرف بلاتے ہیں، نیز جھوٹی حدیث اپنی طرف سے وضع کر کے لوگوں کے سامنے بیان کریں گے، یا پچھلے بزرگوں کی طرف غلط باتیں منسوب کر کے لوگوں کو دھوکا دیں گے، باطل احکام بتلائیں گے اور غلط عقیدوں کا بیج لوگوں میں بوئیں گے۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اگر وہ ایسے لوگوں کو پائیں تو ان سے بچیں، ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے مکر و فریب سے نیک لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیں یعنی شرک و بدعت میں مبتلا کر دیں۔

اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ دین کے حاصل کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے، نیز بدعتی اور ایسے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہئے جو ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کی بنا پر دین و مذہب کے نام پر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں اور ان سے ربط و ضبط نہ رکھنا چاہئے۔

چوں بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

(۱۶) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَأُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا الْاٰيَةَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے (جو یہودیوں کی زبان ہے اور مسلمانوں کے لئے اس کی تفسیر عربی زبان میں کیا کرتے تھے سرکار دو عالم ﷺ نے ان کا یہ عمل دیکھ کر صحابہ سے فرمایا)۔ تم اہل کتاب کو نہ تو سچا جانو اور نہ ان کو جھٹلاؤ (صرف) یہ کہو کہ ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم پر نازل کی گئی، ایمان لائے (آخر آیت تک)۔" (بخاریؒ)

تشریح: پوری آیت یہ ہے:

قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ (سورۃ بقرہ ۲: ۱۳۶)

"(مسلمانو!) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو عطا ہوئی ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدائے واحد) کے فرمانبردار ہیں۔"

آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے سامنے اہل کتاب (یعنی یہودی) تورات کی کسی عبارت کا ترجمہ و تفسیر کریں تو ان کو نہ جھٹلاؤ اور نہ ان کو سچ جانو بلکہ یہ آیت کریمہ پڑھو اور ان کو سچا اس لئے نہ جانو کہ یہ لوگ کتاب الٰہی میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ تمہارے سامنے جس عبارت کا ترجمہ و تفسیر کر رہے ہیں، اس کو انہوں نے بدل دیا ہو، اور ان کو جھٹلاؤ اس لئے نہیں کہ اگرچہ انہوں نے تورات میں تغیر و تبدل کر رکھا ہے لیکن پھر بھی وہ کتاب الٰہی ہے اور حق ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ شاید وہ سچ اور صحیح عبارت نقل کر رہے ہوں۔

(۱۷) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، انسان کے جھوٹ بولنے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جس بات کو سنے (بغیر تحقیق کے) اسے نقل کر دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی جھوٹ نہ بولتا ہو لیکن اس کی عادت یہ ہے کہ جو کچھ سنے بغیر تحقیق و تفتیش کے اسے نقل کر دیتا ہے اور لوگوں میں اسے مشہور کر دیتا ہے تو جھوٹ بولنے کے لئے یہی بہت ہے، کیونکہ سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر لینا اور بغیر تحقیق کے اس کو پھیلا دینا جھوٹ کا پہلا زینہ ہے، جو شخص ایسی عادت میں مبتلا ہوگا وہ یقیناً جھوٹ کی لعنت میں بھی گرفتار ہوگا کیونکہ وہ جو کچھ سنتا ہے اس میں سب سچ نہیں ہوتا کچھ جھوٹ بھی ہوتا ہے اور جب وہ سچ کے ساتھ جھوٹ کو نقل کرتا ہے تو وہ بھی جھوٹ ہوتا ہے۔

دراصل اس کا مقصد اس بات سے منع کرنا ہے کہ جس چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو اور اس کی صداقت کا علم نہ ہو تو اسے بیان کرنا یا اس کی تشہیر کرنا نہیں چاہئے۔

(۱۸) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَّبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِيْ اُمَّتِهٖ قَبْلِيْٓ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحَابٌ يَّاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَآءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ مجھ سے پہلے کسی قوم میں خدا نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے مددگار اور دوست اسی قوم سے نہ ہوں جو اس (نبی) کے طریقہ کو اختیار کرتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے پھر ان (دوست و مددگار) کے بعد ایسے ناخلف (نالائق) لوگ پیدا ہوتے جو لوگوں سے ایسی بات کہتے جس کو خود نہ کرتے اور وہ کام کرتے جن کا انہیں حکم نہیں ملا تھا (جیسا کہ علماء سوء اور امراء و سرداروں کا طریقہ ہے) لہٰذا (تم سے)۔ جو خاص ان لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو شخص ان لوگوں سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو شخص ان لوگوں سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور اس کے علاوہ (جو شخص ان کے خلاف اتنا بھی نہ کر سکے اس) میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: ہاتھ سے جہاد کا مطلب تو ظاہر ہے، زبان سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے غلط عقائد و اعمال کی بنا پر ان کو تنبیہ کرے اور ان کو اس سے منع کرے اور ان کی برائی بیان کرتا رہے اسی طرح دل سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ ایسی غلط چیزوں کو برا جانے جو دین و شریعت کے خلاف ہوں اور دل میں ان کے کرنے والوں سے بغض و نفرت رکھے۔

آخر میں فرمایا گیا کہ جس شخص کا احساس اتنا مردہ ہو جائے کہ وہ غلط چیزوں کو دل سے بھی برا نہ جانے تو اس کا صاف مطلب یہ ہو گا کہ اس کے دل میں ایمان کی ہلکی سی روشنی بھی موجود نہیں ہے اس لئے کہ کسی غلط عقیدہ و عمل کو برا نہ جاننا گویا اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ وہ اس بری بات سے راضی اور خوش ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کفر کا خاصہ ہے۔

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًى كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَیْئًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے (کسی کو) ہدایت کی طرف بلایا اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس کو جو اس کی پیروی اختیار کرے، اور اس (پیروی کرنے والے) کے ثواب میں کچھ بھی کم نہ ہو گا۔ اور جو (کسی کو) گمراہی کی طرف بلائے اس کو اتنا ہی گناہ ہو گا جتنا کہ اس کو جو اس کی اطاعت کریں اور ان کے گناہ میں کچھ بھی کم نہ ہو گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: یعنی جو شخص کسی بھلائی کا باعث اور ذریعہ ہو گا اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس بھلائی پر عمل کرنے والے کو، لیکن ہدایت و راستی کی طرف بلانے والے کو جو ثواب ملے گا اس کی وجہ سے اس کی پیروی کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہو گی، کیونکہ اطاعت کرنے والوں کو جو ثواب ملے گا اور ان کے عمل صالح کی بنا پر ہو گا اور جو ثواب و بھلائی کی طرف بلانے والے کو ہو گا وہ اس کی دعوت و تبلیغ کی بنا پر ہو گا۔ یہی حال ان لوگوں کے گناہ کا ہے جو لوگوں کو غلط عقائد و اعمال کی طرف بلاتے ہیں اور خلاف شرع طریقہ پر عوام کو چلاتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَّسَیَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اسلام غربت میں شروع ہوا اور آخر میں بھی ایسا ہی ہو جائے گا۔ لہٰذا غرباء کے لئے خوشخبری ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء غریبوں سے ہوئی اور آخر میں بھی اسلام غریبوں میں ہی رہ جائے گا۔ یعنی ابتداء اسلام میں مسلمان غریب اور کم تھے جس کی وجہ سے انہیں اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں کی طرف ہجرت کرنی پڑی، اسی طرح آخر میں بھی ایسا ہی ہو گا کہ اسلام غریبوں ہی کی طرف لوٹ آئے گا، لہٰذا ان غرباء کے لئے جن کے قلوب ایمان و اسلام کی روشنی سے پوری طرح منور ہوں گے خوش بختی و سعادت ہے۔ اس لئے کہ آخر زمانہ میں یہی بے چارے اسلام پر ثابت قدم رہیں گے اور کتاب و سُنّت کے علوم و معارف

سے اپنی زندگیوں کو منور کریں گے۔

(۲۱) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا يَأْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ((ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ)) فِيْ كِتَابِ الْمَنَاسِكِ وَحَدِيْثَيْ مُعَاوِيَةَ وَجَابِرٍ ((لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ)) فِيْ بَابِ ثَوَابِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْشَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایمان مدینہ کی طرف اس طرح سمٹ آئے گا جس طرح سانپ بل کی طرف سمٹتا ہے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ذرونی ماترکتکم ہم کتاب مناسک (حج) میں ذکر کریں گے، نیز حضرت معاویہؓ و جابرؓ کی دونوں حدیثیں لا یزال من امتی الخ اور لا یزال طائفۃ من امتی۔ بھی اس اُمت کے ثواب کے باب میں ذکر کریں گے انشاء اللہ: یعنی یہ حدیثیں صاحب مصابیح نے اسی باب میں ذکر کی تھیں لیکن ہم نے ان کو ان بابوں میں ذکر کیا ہے۔"

تشریح: دشمنان اسلام کے مصائب اور مظالم سے اہل ایمان کے بھاگنے اور ایمان پر ثابت قدم رہنے کی مثال آنحضرت ﷺ نے سانپ سے دی ہے اس لئے کہ دوسرے جانوروں کے مقابلہ میں سانپ تیز بھاگتا ہے اور بہت سمٹ کر بل میں جاتا ہے اور پھر مشکل ہی سے وہ بل سے نکالا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی یا تو ابتدائے ہجرت کے وقت کے لئے تھی یا پھر آخر زمانہ کے بارہ میں جب مسلمان بہت کم رہ جائیں گے اور سب سمٹ سمٹا کر مدینہ چلے جائیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

(۲۲) وَعَنْ رَبِيْعَةَ الْجُرَشِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اُتِيَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهٗ لِتَنَمْ عَيْنُكَ وَلْتَسْمَعْ اُذُنُكَ وَلْيَعْقِلْ قَلْبُكَ قَالَ فَنَامَتْ عَيْنَايَ وَسَمِعَتْ اُذُنَايَ وَعَقَلَ قَلْبِيْ قَالَ فَقِيْلَ لِيْ سَيِّدٌ بَنٰى دَارًا فَصَنَعَ فِيْهَا مَأْدُبَةً وَّاَرْسَلَ دَاعِيًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَرَضِيَ عَنْهُ السَّيِّدُ وَمَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَاْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَسَخِطَ عَلَيْهِ السَّيِّدُ قَالَ فَاللّٰهُ السَّيِّدُ. وَمُحَمَّدٌ الدَّاعِيْ وَالدَّارُ الْاِسْلَامُ. وَالْمَأْدُبَةُ الْجَنَّةُ۔

(رواہ الدارمی)

"حضرت ربیعہ[1] الجرشیؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں فرشتے دکھلائے گئے اور آپ ﷺ سے کہا گیا (یعنی فرشتوں نے کہا) چاہئے کہ آپ کی آنکھیں سوئیں، آپ (ﷺ) کے کان سنیں اور آپ (ﷺ) کا دل سمجھے، آپ (ﷺ) نے فرمایا، تو میری آنکھیں سوئیں، میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے سمجھا، پھر آپ نے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا (یعنی مثال کے طور پر فرشتوں نے میرے سامنے بیان کیا) کہ ایک سردار نے گھر بنایا اور کھانا تیار کیا پھر ایک بلانے والے کو بھیجا (تاکہ وہ لوگوں کو بلائے) لہٰذا جس نے بلانے والے کی دعوت کو قبول کیا وہ گھر میں داخل ہوا اور کھانے میں سے کھایا اور سردار اس سے خوش ہوا، اور جس نے بلانے والے کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ نہ گھر میں داخل ہوا اور نہ کھانے میں سے کھایا اور نہ ہی اس سے سردار خوش ہوا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اس مثال میں سردار سے مراد خدا ہے، بلانے والے سے مراد محمد (ﷺ) ہیں، گھر سے مراد اسلام ہے اور کھانے سے مراد جنت ہے۔" (دارمیؒ)

تشریح: چاہئے کہ آپ (ﷺ) کی آنکھیں سوئیں یعنی اپنی آنکھوں سے اور کچھ نہ دیکھئے، نہ کسی بات پر کان رکھئے اور نہ دل میں کوئی دوسرا سوال جمائیے فرشتوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ خوب غور و خوض اور حضور دل کے ساتھ اس مثال کو سنیے جو ہم بیان کرنے والے ہیں تاکہ یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے، اس پر آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ فنامت عینای یعنی میری آنکھیں سوئیں الخ، اسی

---

[1] آپ کا نام گرامی ربیعہ بن الغمار ہے کچھ لوگوں نے انہیں ربیعہ بن عمرو بھی لکھا ہے ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے خرج راہط کے دن انتقال ہوا تھا۔

مضمون کی وہ حدیث جو پہلی فصل میں گزری اس کی مذکورہ مثال میں گھر سے جنت اور کھانے سے بہشت کی نعمتیں مراد لی گئی تھیں، اس حدیث میں گھر سے مراد اسلام لیا گیا ہے اور کھانے سے جنت مراد لی گئی ہے اس لئے کہ مکان بہشت میں داخل ہونے کا سبب اور ذریعہ ہے اس لئے اسے گھر کی تمثیل دی گئی ہے مادبہ کے معنی مہمان کے کھانے کے ہیں، دونوں حدیث میں اس سے مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔

(۲۳) وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْ نَہَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ مَاوَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اتَّبَعْنَاہُ۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ والبیہقی فی دلائل النبوۃ)

"اور حضرت ابورافعؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے چھپر کھٹ (مسہری) پر تکیہ لگائے ہوئے ہو اور میرے ان احکام میں سے جن کا میں نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے کوئی حکم اس کے پاس پہنچے اور وہ (اسے سن کر) یہ کہہ دے کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو کچھ ہمیں خدا کی کتاب میں ملا ہم نے اس کی اطاعت کی۔"

(احمدؒ، ابوداؤد، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، بیہقیؒ)

تشریح: چھپر کھٹ پر لگائے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ازراہ غرور و تکبر بے فکر ہو کر بیٹھا نہ رہے اور نہ طلب علم و حصول حدیث میں کوتاہی کرے اور نہ دینی علوم کو ترک کرے اور ازراہ جہالت و نادانی میرے کسی ایسے حکم کے بارے میں جو قرآن میں صراحت کے ساتھ موجود نہ ہو یہ نہ کہنے لگے کہ کتاب اللہ کے علاوہ میں اور کچھ نہیں جانتا اور نہ اس کے سوا کسی دوسری چیز کی پیروی کرتا ہوں اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ان جاہل اور متکبر و بے فکرے لوگوں کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی ہے جو ان احکام پر عمل کرنے میں شک و شبہ کا اظہار کریں گے یا ان کی اطاعت میں کسل و سستی کا اظہار کریں گے جو صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود نہ ہوں گے اور ان کی ظاہر بین نظریں قرآنی علوم کے اسرار و معانی کی حقیقت تک پہنچنے سے قاصر رہیں گی۔

چنانچہ وہ لوگ یہ خیال کریں گے کہ دین و شریعت کے احکام و مسائل صرف قرآن ہی میں منحصر و مذکور ہیں حالانکہ وہ عقل کے اندھے یہ نہیں جانتے کہ بہت سے مسائل و احکام قرآن مجید میں موجود نہیں ہیں وہ صرف حدیث میں صراحت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، اسی لئے علماء اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح احکام شرائع کے لئے قرآن دلیل و حجت ہے اسی طرح حدیث بھی دلیل و حجت ہے کیونکہ جس طرح قرآن آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا ہے، اسی طرح احادیث کے علوم و معارف بھی بارگاہ الوہیت ہی سے نازل ہوئے ہیں اور دونوں وحی ہیں۔

(۲۴) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْکَرِبَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ((اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ، اَلَا یُوْشِکُ رَجُلٌ شَبْعَانَ عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ: عَلَیْکُمْ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ، فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْہُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْہُ، وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا حَرَّمَ اللّٰہُ اَلَا لَا یَحِلُّ لَکُمُ الْحِمَارُ الْاَھْلِیُّ وَلَا کُلُّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلَا لُقَطَۃُ مُعَاھِدٍ اِلَّا اَنْ یَّسْتَغْنِیَ عَنْھَا صَاحِبُھَا، وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ، فَعَلَیْھِمْ اَنْ یَّقْرُوْہُ فَاِنْ لَّمْ یَقْرُوْہُ فَلَہٗ اَنْ یُّعْقِبَھُمْ بِمِثْلِ قِرَاہُ)) رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَی الدَّارِمِیُّ نَحْوَہٗ، وَکَذَا ابْنُ مَاجَۃَ اِلٰی قَوْلِہٖ ((کَمَا حَرَّمَ اللّٰہُ))۔

"اور حضرت مقدامؓ بن معدیکربؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل، خبردار، عنقریب اپنے چھپر کھٹ پر پڑا ایک پیٹ بھرا شخص کہے گا کہ بس اس قرآن کو اپنے اوپر لازم جانو (یعنی فقط قرآن ہی کو سمجھو اور اس پر

[1] آپ کا اسم گرامی اسلم ہے ابورافع کنیت ہے یہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے علامہ سیوطیؒ کے قول کے مطابق حضرت علی کے دور خلافت میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

[2] اسم گرامی مقدام بن معدیکرب اور کنیت بھی معدیکرب ہے، آپ صحابی ہیں شام میں ۸۷ھ میں بعمر ۹۱ سال آپ کا انتقال ہوا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمل کرو) اور جو چیز تم قرآن میں حلال پاؤ اس کو حلال جانو اور جس چیز کو تم قرآن میں حرام پاؤ اسے حرام جانو حالانکہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے حرام فرمایا ہے وہ اس کے مانند ہے جسے خدا نے حرام کیا، خبردار! تمہارے لئے نہ اہلی (گھریلو) گدھا حلال کیا اور نہ کچلی رکھنے والے درندے، اور نہ تمہارے لئے معاہد یعنی وہ قوم جس سے معاہدہ کیا گیا ہو کا لقطہ حلال کیا ہے مگر وہ لقطہ حلال ہے جس کی پرواہ اس کے مالک کو نہ ہو، اور جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو اس قوم پر لازم ہے کہ اس کی مہمانی کریں۔ اگر وہ مہمانی نہ کریں تو اس شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ مہمانی کے مانند ان سے حاصل کرے۔ (ابوداؤد) دارمی نے بھی ایسی روایت نقل کی ہے اور اسی طرح حدیث بھی مجھے بارگاہ الوہیت سے عطا ہوئی ہے۔"

تشریح: "قرآن کا مثل" حدیث ہے یعنی جس طرح قرآن مجید مجھ پر نازل کیا گیا ہے اسی طرح حدیث بھی مجھے بارگاہ الوہیت ہی سے عطا ہوئی ہے لیکن فرق یہی ہے کہ قرآن وحی ظاہر ہے اور حدیث وحی پوشیدہ۔ لہٰذا واجب العمل دونوں ہیں الالا یحل سے بطور مثال کے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان چیزوں کی حرمت قرآن میں کہیں مذکور نہیں ہے میں نے ہی ان کی حرمت بیان کی ہے جس پر عمل کرنا واجب و ضروری ہے۔

اہلی گدھا اسے کہتے ہیں جو گھر میں رہتا ہے یہ حرام ہے گدھا وحشی جسے گود خر کہتے ہیں۔ ان سب کی حرمت احادیث ہی سے ثابت ہے معاہد اس کافر کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدۂ صلح و امان ہوا ہو، خواہ وہ کافر ذمی ہو یا غیر ذمی، اس کے بارہ میں فرمایا کہ اس کا لقطہ حلال نہیں ہے، ہاں اگر لقطہ ایسی چیز ہے جس سے اس کا مالک بے نیاز و بے پرواہ ہو جیسے گٹھلی، چھلکے، گاجر، مولی یا ایسی ہی کوئی حقیر چیز تو اس کے لے لینا جائز ہے لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو راستہ میں گری پڑی پائی جائے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص کسی کے یہاں مہمان جائے تو میزبان پر اس کی مہمانداری لازم ہے علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم فرض نہیں ہے بلکہ ایسا کرنا مستحب و اولیٰ ہے، اسی طرح یہ حکم دینا کہ اگر میزبان مہمان نوازی نہ کر سکے تو میزبان کے لئے جائز ہے کہ وہ اس میزبان سے مہمانداری کا عوض وصول کرلے یعنی اس سے روپیہ پیسہ لے لے۔

اس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ یا تو ایسی شکل میں جائز ہوگا جب کہ مہمان ایسا مضطر و لاچار ہو کہ اگر میزبان سے وہ کچھ نہ لے تو اس کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ جواز کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا لیکن اب منسوخ ہے۔

(۲۵) وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ((اَيَحْسِبُ اَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَظُنُّ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا اِلَّا مَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ؟ اَلَا وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ اَمَرْتُ وَوَعَظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ اَشْيَآءَ اِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ اَوْ اَكْثَرُ، وَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا بِاِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَآءِهِمْ وَلَا اَكْلَ ثِمَارِهِمْ اِذَا اَعْطَوْكُمُ الَّذِيْ عَلَيْهِمْ)) رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ اَشْعَثُ بْنُ شُعْبَةَ الْمَصِيْصِيُّ قَدْ تُكُلِّمَ فِيْهِ۔

"اور حضرت عرباضؓ[1] بن ساریہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ (خطبہ کے لئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے چھپر کھٹ پر تکیہ لگائے ہوئے یہ خیال رکھتا ہے کہ خدا نے وہی چیزیں حرام کی ہیں جو قرآن میں ذکر کی گئی ہیں، خبردار! خدا کی قسم! بلاشک میں نے حکم دیا، میں نے نصیحت کی اور میں نے منع کیا چند چیزوں سے جو مثل قرآن کے ہیں بلکہ زیادہ ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ حلال نہیں کیا کہ تم اہل کتاب کے گھروں میں اجازت حاصل کئے بغیر چلے جاؤ اور نہ تمہارے لئے ان عورتوں کو مارنا حلال ہے اور نہ تمہارے لئے ان کے پھلوں کا کھانا جائز کیا ہے جب کہ وہ اپنا مطالبہ ادا کر دیں جو ان کے ذمہ تھا۔ (ابوداؤد) اور ان کی سند میں اشعث بن شعبہ مصیصی ہیں جن کے بارے میں کلام کیا گیا ہے کہ وہ ثقہ ہیں یا نہیں؟۔"

---

[1] حضرت عرباض ابن ساریہ کی کنیت ابونجیح ہے اور سلمی ہیں آپ اہل صفہ سے تھے۔ ان سے تابعین کی ایک بڑی جماعت روایت حدیث کرتی ہے ۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

تشریح: ان اللہ لم یحل سے آخر تک آنحضرت ﷺ نے چند احکام دیے ہیں وہ یہ کہ اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل ہو کر ان کو نہ ستاؤ اور نہ ان کو پریشان کرو اور نہ ان کے گھر والوں کو ستاؤ اور نہ تکلیف پہنچاؤ اسی طرح ان کے مال کو نہ لو جب کہ وہ جزیہ ادا کریں۔

ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ یہ احکام قرآن میں مذکور نہیں ہیں بلکہ میں نے دیے ہیں اور ان چیزوں سے میں نے منع کیا ہے اور ان پر عمل کرنا واجب و ضروری ہے۔ ان احکام سے یہ کہہ کر اعراض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ قرآن میں چونکہ موجود نہیں ہیں اس لئے واجب العمل بھی نہیں ہیں۔

آخر روایت میں لفظ رواہ کے بعد مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں جگہ خالی ہے اس لئے کہ صاحب مشکوٰۃ کو اس حدیث کے راوی کا علم نہ ہوا ہوگا۔ لیکن بعد میں میرک شاہ نے مذکورہ عبارت لکھ دی ہے۔

(۲۶) وَعَنْهُ قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً، ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَأَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَأَوْصِنَا فَقَالَ: ((أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا الصَّلَاةَ۔

"اور حضرت عرباض بن ساریہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے اور ہم کو نہایت موثر انداز میں نصیحت کی کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دلوں میں خوف پیدا ہو گیا، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) گویا نصیحت کرنے والے کی یہ (آخری نصیحت ہے) لہٰذا ہم کو وصیت فرما دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا، میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہو، اور تم کو مسلمان سردار جو کہے سننے اور بجالانے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ وہ (سردار) حبشی غلام ہو تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ اختلاف بھی دیکھے گا ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میرے اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم جانو اور اسی طریقہ پر بھروسہ رکھو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور تم (دین میں) نئی نئی باتیں پیدا کرنے سے بچو اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) مگر اس روایت میں ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں کیا ہے یعنی ان کی روایت میں حدیث کے الفاظ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مذکور نہیں ہیں بلکہ حدیث وعظنا موعظة سے شروع ہوتی ہے۔"

تشریح: راوی کے قول کَأَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ (گویا کہ رخصت کرنے والے کی آخری نصیحت ہے) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص کوچ کرنے والا ہوتا ہے تو بروقت رخصت وعظ و نصیحت کے بیان میں کمال کوشش کرتا ہے تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بھی اس وقت اس انداز سے وعظ و نصیحت بیان فرمائی ہے گویا آپ کا وقت رحلت قریب ہے لہٰذا اس سے پہلے کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے جائیں ہمیں ایسی وصیتیں فرما دیجئے جو دین و دنیا دونوں جگہ ہمارے لئے رہبر ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمان سردار و حاکم کی اطاعت و فرمانبرداری ہر حال میں ضروری ہے، الایہ کہ خلاف شریعت باتوں کا حکم نہ دے چنانچہ بطور مبالغہ فرمایا کہ اگرچہ مسلمان سردار حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اس کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری ہے۔ دانتوں سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو پورے عزم و یقین اور پختگی کے ساتھ اپنے اوپر لازم کر لیا جائے۔

(۲۷) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ: ((هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ)) ثُمَّ خَطَّ

خُطُوْطًا عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَالَ ((هٰذِهٖ سُبُلٌ، عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِّنْهَا شَيْطَانٌ يَّدْعُوْ اِلَيْهِ)) وَقَرَأَ: ((وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ)) اَلْاٰيَةَ۔ (رواہ احمد والنسائی والدارمی)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (ہمیں سمجھانے کے لئے) ایک (سیدھا) خط کھینچا اور فرمایا۔ یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر آپ ﷺ نے اس خط کے دائیں اور بائیں کئی (چھوٹے اور ٹیڑھے) خطوط کھینچے اور فرمایا۔ یہ بھی راستے ہیں جن میں سے ہر ایک راستہ پر شیطان (بیٹھا ہوا) ہے جو اپنے راستہ کی طرف بلاتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ترجمہ: اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا اس کی پیروی کرو اور (دوسرے) راستے کی پیروی نہ کرو تاکہ اس میں کے راستے تمہیں منتشر نہ کریں۔" (احمدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: خط مستقیم جو آنحضرت ﷺ نے پہلے کھینچا تھا وہ راہ خدا کی مثال ہے جس سے صحیح عقائد اور نیک و صالح، اعمال مراد ہیں اور دوسرے چھوٹے و ٹیڑھے خطوط راہ شیطان کی مثال ہیں جن سے گمراہی و ضلالت کے راستے مراد ہیں۔

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ)) رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ قَالَ النَّوَوِيُّ فِيْ ((اَرْبَعِيْنِهٖ)) هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ رَوَيْنَاهُ فِيْ ((كِتَابِ الْحُجَّةِ)) بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

"اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک پورا مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز (دین و شریعت) کی تابع نہیں ہوتیں جس کو میں (خدا کی جانب سے لایا ہوں یہ حدیث شرح السنۃ میں روایت کی گئی ہے اور امام نوویؒ نے اپنی "چہل حدیث" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جس کو ہم نے کتاب الحجۃ میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)۔"

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کامل اس شخص کا ہوتا ہے جو دین و شریعت کا پوری طرح پیرو اور ان کی صداقت و حقانیت کا ایقان و اعتقاد پورے رسوخ کے ساتھ رکھتا ہو، نیز اس کی زندگی کے ہر پہلو میں خواہ اعتقادات و عبادات ہوں یا اعمال و عادات سب میں کمال رضا و رغبت اور بخوشی دین و شریعت ہی کارفرما ہوں اور ظاہر ہے کہ روحانی پاکیزگی و لطافت اور عرفانی عروج کا یہ مرتبہ اس شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس کا قلب و دماغ خواہشات نفسانی کی تمام گندگی و ثقالت سے پاک و صاف ہو کر نور الٰہی کی مقدس روشنی سے جگمگا اٹھے، چنانچہ اولیاء اللہ اور صالحین حقیقت و معرفت کے اسی عظیم مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔

(۲۹) وَعَنْ بِلَالِ بْنِ حَارِثٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ اَحْيَا سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِيْ قَدْ اُمِيْتَتْ بَعْدِيْ فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَّمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً لَا يَرْضَاهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ۔

"اور حضرت بلال[1] بن حارث مزنیؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے میری کسی ایسی سُنّت کو زندہ کیا (یعنی رائج کیا) جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تھی تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس سُنّت پر عمل کرنے والوں کو ملے گا بغیر اس کے کہ اس (سُنّت پر عمل کرنے والوں) کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے۔ اور جس شخص نے گمراہی کی کوئی ایسی نئی بات (بدعت) نکالی جس سے اللہ اور اس کا

[1] اسم گرامی بلال بن حارث اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، آخر میں آپ نے بصرہ میں سکونت اختیار فرمائی تھی حضرت معاویہؓ کے آخر زمانہ میں ۶۰ھ بعمر اسی سال ۔۔ کا انتقال ہوا۔

رسول خوش نہیں ہوتا تو اس کو اتنا ہی گناہ ہو گا جتنا کہ اس بدعت پر عمل کرنے والوں کو گناہ ہو گا بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی کی جائے۔ (ترمذیؒ) اور اس روایت کو ابن ماجہؒ نے کثیر بن عبداللہ بن عمر سے اور عمر نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سُنّت پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور سُنّت کو رائج کرنے والے کو بھی اس کے برابر ثواب ملتا ہے، اسی طرح بدعت پر عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوتی اور بدعت پیدا کرنے والے کے نامہ اعمال میں اس کے برابر گناہ لکھا جاتا ہے۔

یہاں سُنّت سے مراد مطلق دین کی بات ہے خواہ وہ فرض ہو یا واجب وغیرہ جیسے کہ نماز جمعہ کہ لوگوں نے اسے چھوڑ رکھا ہو اور اسے تبلیغ و ارشاد کے ذریعہ قائم کیا جائے یا ایسے ہی مصافحہ اور دیگر مسنون چیزیں جو متروک العمل ہو چکی ہوں، ان سب کو رائج کرنا بے شمار حسنات کا موجب ہے۔

(۳۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((اِنَّ الدِّيْنَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّيْنُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْاُرْوِيَّةِ مِنْ رَاْسِ الْجَبَلِ اِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ، وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَآ اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ)) (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عمر بن عوفؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بلاشبہ دین (اسلام) حجاز (مکہ و مدینہ اور اس کے متعلقات) کی طرف اس طرح سمٹ آئے گا جس طرح کہ سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ آتا ہے، اور دین حجاز میں اس طرح جگہ پکڑ لے گا جیسے کہ بکری پہاڑ کی چوٹی پر جگہ پکڑ لیتی ہے اور دین ابتداء میں غریب پیدا ہوا تھا اور آخر میں ایسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ ابتداء میں تھا، چنانچہ خوشخبری ہو غریبوں کو وہی اس چیز (یعنی میری سنت) کو درست کر دیں گے جس کو میرے بعد لوگوں نے خراب کر دیا ہو گا۔" (ترمذیؒ)

(۳۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ كَمَآ اَتٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَّنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ وَاِنَّ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ ((مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَاَبِيْ دَاوٗدَ عَنْ مُعَاوِيَةَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَاِنَّهٗ سَيَخْرُجُ فِيْٓ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ تَتَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْاَهْوَآءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ لَا يَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ اِلَّا دَخَلَهٗ))

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بلاشبہ میری اُمّت پر (ایک ایسا زمانہ آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا اور دونوں میں ایسی مماثلت ہو گی) جیسا کہ دونوں جوتے بالکل برابر اور ٹھیک ہوتے ہیں یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بد فعلی کی ہو گی تو میری اُمّت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا ہی کریں گے اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے میری اُمّت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور وہ تمام فرقے دوزخی ہوں گے ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہو گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا! یا رسول اللہ (ﷺ) جنتی فرقہ کون سا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس میں میں اور میرے اصحاب ہوں گے۔ (ترمذیؒ) اور احمد و ابوداؤد نے جو روایت معاویہؓ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ بہتر گروہ دوزخ میں جائیں گے اور ایک گروہ جنت میں جائے گا اور وہ جنتی گروہ "جماعت" ہے اور میری اُمّت میں کئی قومیں پیدا ہوں گی جن میں خواہشات یعنی عقائد و اعمال میں بدعات اسی طرح سرائیت کر جائیں گی جس طرح ہڑک والے میں ہڑک سرایت کر جاتی ہے کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ اس سے باقی نہیں رہتا۔"

تشریح: بنی اسرائیل اور اس اُمّت کی مماثلت کو جوتوں کی برابری سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح بنی اسرائیل کے لوگ اپنے زمانہ میں بداعمالیوں میں مبتلا تھے اسی طرح ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ جب اس اُمّت کے لوگ بھی بالکل بنی اسرائیل کی طرح ہو جائیں گے اور ان کے عقائد و اعمال میں ان سے بالکل مطابقت ہو جائے گی۔

یہاں ماں سے حقیقی ماں مراد نہیں بلکہ باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں مراد ہے اس لئے کہ حقیقی ماں سے اس قسم کا معاملہ بالکل بعید ہے کیونکہ اس میں شرعی رکاوٹ کے ساتھ طبعی رکاوٹ بھی ہوتی ہے۔

اسی طرح "امتی" سے مراد اہل قبلہ ہیں یعنی جو مسلمان سمجھے جاتے ہیں۔ اس شکل میں کُلُّهُمْ فِي النَّارِ یعنی وہ تمام فرقے دوزخ میں ہوں گے کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ سب اپنے غلط عقائد اور بداعمالیوں کی بنا پر دوزخ میں داخل کئے جائیں گے، لہٰذا جس کے عقائد و اعمال اس حد تک مفسد نہ ہوں گے کہ وہ دائرہ کفر میں آتے ہوں تو اللہ کی رحمت سے وہ اپنی مدت سزا کے بعد دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔

آخر حدیث میں جنتی گروہ کو "جماعت" کہا گیا ہے اور اس سے مراد اہل علم و معرفت اور صاحب فقہ حضرات ہیں ان کو "جماعت" کے نام سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ یہ حضرات کلمہ حق پر جمع ہیں اور دین و شریعت پر متفق ہیں، اس موقع پر مناسب ہے کہ حدیث میں مذکورہ تہتر فرقوں کی تفصیل کر دی جائے۔

اہل اسلام میں بڑے گروہ آٹھ ہیں۔ ① معتزلہ۔ ② شیعہ۔ ③ خوارج۔ ④ مرجیہ۔ ⑤ بخاریہ۔ ⑥ جبریہ۔ ⑦ مشبہہ۔ ⑧ ناجیہ، پھر یہ آٹھوں گروہ چھوٹے چھوٹے فرقوں پر اس طرح منقسم ہیں۔

① معتزلہ کے بیس فرقے ہیں۔ ② شیعہ کے بائیس فرقے ہیں۔ ③ خوارج کے بیس فرقے ہیں۔ ④ مرجیہ کے پانچ فرقے ہیں۔ ⑤ بخاریہ کے تین فرقے ہیں اور۔ ⑥ جبریہ۔ ⑦ مشبہہ صرف ایک ایک ہی فرقے ہیں ان میں کئی فرقے نہیں ہیں اور آٹھواں فرقہ ناجیہ بھی صرف ایک ہے اور وہ اہل سُنّت والجماعت ہیں جو جنتی ہیں۔ اس موقع پر ان فرقوں کے عقائد بھی اجمالی طور پر سن لیجئے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے تمام اعمال کا خالق ہے کاسب نہیں ہے نیز ان کا عقیدہ ہے کہ بندہ صالح کو ثواب دینا اور بدکار بندہ کو عذاب دینا خدا پر واجب اور ضروری ہے اسی طرح اس فرقہ کے لوگ باری تعالیٰ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں، مرجیہ کا عقیدہ ہے کہ جس طرح کافر کے لئے اس کے صالح اور نیک اعمال کارآمد نہیں ہیں اسی طرح مؤمن کو اس کے اعمال بد کچھ نقصان و ضرر نہیں پہنچاتے اور نہ اس کے ایمان میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے، بخاریہ اللہ تعالیٰ کے تمام صفات کمال کا انکار کرتے ہیں اور کلام الٰہی کو حادثات مانتے ہیں۔ جبریہ کا عقیدہ ہے کہ بندہ مجبور محض ہے اسے اپنے کسی عمل پر کوئی اختیار نہیں ہے، مشبہہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوق کے مشابہ کرتے ہیں اور ذات باری تعالیٰ کی جسمیت کے قائل ہیں، نیز ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں حلول کرتا ہے، اور شیعہ اور خوارج کے عقائد مشہور ہی ہیں، یعنی شیعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تفضیل کے قائل ہیں، اب ان میں بھی کئی فرقے ہیں، شیعہ کے بعض فرقے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمرؓ پر فضیلت و فوقیت دیتے ہیں لیکن شیخین کی تکفیر نہیں کرتے مگر دوسرے فرقے حضرت ابوبکر و عمرؓ کی تکفیر کے بھی قائل ہیں۔ (نعوذ باللہ) نیز بعض شیعہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن اپنی مکمل صورت میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کی بعض وہ آیتیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں تھیں، حذف کر دی گئی ہیں، خوارج حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دشمن جماعت کو کہتے ہیں یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تکفیر کے قائل ہیں (نعوذ باللہ)۔

اس موقع پر ایک خاص اشکال کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے:

ایک ایسا شخص جو جاہل تھا اسلام کی دولت سے مشرف ہوا، اس کے سامنے اہل سُنّت والجماعت بھی ہیں اور شیعہ کی جماعت بھی ہے دونوں اس کے سامنے اپنے حق پر ہونے کے دلائل قرآن و سُنّت سے پیش کرتے ہیں، وہ نو مسلم حیران ہے کہ وہ دونوں میں سے کسے حق جانے اور کس کے دلائل کی تصدیق کرے جب کہ وہ علم سے بالکل بے بہرہ ہے، اس کا سیدھا حل یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو

صراحت کے ساتھ اہل سُنّت و الجماعت کے حق ہونے کی دلیلیں پیش کرتی ہیں اور وہ چیزیں ایسی صاف اور ظاہر ہیں کہ ان کا مشاہدہ عام لوگوں کو بھی ہوا کرتا ہے لہٰذا وہ ان میں غور کرے تو اس کے سامنے اہل سُنّت کی حقانیت آشکارا ہو جائے گی۔

مثلاً ایک سب سے بڑی کھلی نشانی جو آج سب کے سامنے مشاہد ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے اور وہ اہل سُنّت والجماعت ہی کے حصہ میں ہے یعنی قرآن کریم کے جتنے بھی حافظ ہوتے ہیں وہ سنی ہوتے ہیں آج تک کسی شیعہ کو حافظ نہیں دیکھا گیا اس لئے کہ ان کی قسمت میں اس عظیم نعمت سے محرومی لکھی ہوئی ہے، ہو سکتا ہے کہ لاکھوں میں کوئی ایک شیعہ حافظ نکل آئے تو یہ نادر ہے جس کا اثر کلیہ پر نہیں پڑتا کیونکہ النادر کالمعدوم نادر نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔

دوسرے یہ بھی ایک کھلی ہوئی بات ہیں کہ دین محمدی اور شریعت مصطفوی کے ائمہ اور رکن دین جتنے علماء اور اولیاء تھے وہ سب سنی تھے اور ان میں سے بعض ائمہ وعلماء کے شیعہ بھی معتقد ہیں۔ اگر مسلک اہل سُنّت والجماعت میں کوئی کجی یا نقص ہو تو وہ حضرات یقیناً اس مسلک کو اختیار کئے ہوئے نہ ہوتے۔

تیسرے اسلامی شعار مثلاً جمعہ، جماعت عیدین وغیرہ علی الاعلان اور کھلے بندوں صرف سنی ہی ادا کرتے ہیں اور شیعہ ان نعمتوں سے محروم وبے نصیب ہیں۔

چوتھے مکہ ومدینہ جو دین اسلام کا مبداء اور مرکز ہے اور وہاں کے باشندے اپنی بزرگی وعظمت کے لحاظ سے ضرب المثل ہیں وہاں کے لوگ بھی اسی مسلک کے پابند ہیں اگر شیعہ مسلک اچھا ہوتا تو وہ لوگ یقیناً سنی نہ ہوتے بلکہ شیعہ مسلک کے پابند ہوتے۔

اسی طرح دوسرے فرقے بھی اپنی حقانیت کے دعوے کرتے ہیں لیکن ان کا جواب یہی ہے کہ کسی کی حقانیت وبطلان پر محض دعوی کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک اس دعوی کی قوی دلیل نہ ہو۔

اہل سُنّت والجماعت کی حقانیت کی دلیل یہ ہے کہ یہ دین اسلام جو ہم تک پہنچا ہے وہ نقل کے ساتھ پہنچا ہے اس میں محض عقل کافی نہیں ہے لہٰذا تواتر اخبار اور احادیث وآثار میں تلاش وجستجو اور تنقیع کے بعد یہ بات متیقن ہوگئی ہے کہ صحابہؓ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ اسی مسلک واعتقاد پر تھے، دوسرے باطل فرقے سب بعد میں پیدا ہوئے، نہ تو صحابہ ان باطل فرقوں کے مسلک کے پابند تھے اور نہ دیگر نیک وصالح لوگ ان فرقوں کے ساتھ تھے اگر صحابہؓ اور تابعین کے زمانوں میں ان میں سے بعض باطل فرقے پیدا ہوئے تو ان لوگوں نے ان سے اپنی انتہائی نفرت وبیزاری کا اظہار کیا یہاں تک کہ ایسے غلط عقائد ومسلک کے لوگوں سے ان حضرات نے تمام تعلق وروابط منقطع کر ڈالے، نیز صحاح ستہ کے حضرات مصنفین ودیگر محدثین علمائے ربانین اور اولیائے کاملین تمام کے تمام اہل سُنّت والجماعت کے عقائد ومسلک کے پابند تھے۔

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر اہل سُنّت والجماعت کا مسلک حق نہ ہوتا اور ان کے عقیدے صحیح نہ ہوتے تو کروڑہا پدم ہا پدم لوگ اس مسلک حق کے پابند نہ ہوتے جن میں صحابہؓ بھی تھے اور تابعین بھی، بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی تھے اور علمائے محدثین بھی، عقلاء ودانش مند بھی تھے اور عوام بھی۔

بہرحال مسلک اہل سُنّت والجماعت کے حق ہونے کی چند مثالیں ہیں ان کے علاوہ بھی بے شمار مثالیں ہیں جو اہل سُنّت والجماعت کی حقانیت پر شاہد عادل ہیں، اگر نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض سے الگ ہٹ کر تلاش حق کے حقیقی جذبہ سے اہل حق کی اس جماعت کے عقائد کو دیکھا جائے تو ان کی حقانیت عیاں ہو جائے گی ورنہ بقول شاعر ۔

ہشیار کو اک حرف نصیحت ہے کافی   ناداں کو کافی نہیں دفتر نہ رسالہ

اس حدیث کے ان تمام فرق باطلہ کے لوگوں کو ہڑک والوں سے مشابہت دی گئی ہے اس لئے کہ جس طرح ہڑک والے پر ہڑک غالب ہوتی ہے اور پانی سے بھاگتا ہے نتیجہ میں وہ پیاسا ہو جاتا ہے اسی طرح جھوٹے مذاہب اور باطل مسلک والوں پر بھی خواہشات

نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے وہ علم و معرفت کے لالہ زاروں سے بھاگ کر جہل و گمرائی کی وادیوں میں جاگرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی روحانی موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ دین و دنیا دونوں جگہ خدا کی رحمت سے محروم رہتے ہیں۔

(۳۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِيْ - اَوْ قَالَ ((اُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ)) (رواه الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میری اُمت کو یا (بجائے میری اُمت کے) یہ فرمایا کہ اُمت محمدیہ کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت سے الگ ہے وہ جنتیوں کی جماعت سے الگ کر کے تنہا دوزخ میں ڈالا جائے گا۔" (ترمذی)

تشریح: "اللہ کے ہاتھ" سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی جانب سے توفیق و تائید اور حفاظت و مدد جماعت پر ہوتی ہے اس امت مرحومہ پر خدا کی جانب سے جہاں بہت سے احسانات ہیں وہیں اس کا یہ بھی بڑا کرم ہے کہ اُمت کے تمام لوگ کبھی ناحق اور غلط باتوں پر جمع نہیں ہوتے یہ جب بھی کسی چیز پر اتفاق کرتے ہیں وہ حق بات ہوتی ہے۔

(۳۳) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ مِنْ حَدِيْثِ اَنَسٍ وَابْنُ عَاصِمٍ فِيْ كِتَبِ السُّنَّةِ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بڑی جماعت کی پیروی کرو! اس لئے کہ جو جماعت سے الگ ہوا وہ تنہا آگ میں ڈالا جائے گا ابن ماجہ نے یہ حدیث کتاب السنۃ سے حدیث انس و ابن عاصم سے روایت کی ہے۔"

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ انہی اعتقادات کی پیروی کرنی چاہئے جو اکثر علماء کے نزدیک حق ہوں اسی طرح ایسے اقوال و افعال کو قبول کرنا چاہئے جو جمہور علماء سے ثابت ہوں۔ اس حدیث میں لفظ رواہ کے بعد اصل مشکوۃ میں جگہ خالی تھی اس لئے کہ صاحب مشکوۃ کو اس کتاب کا نام معلوم نہیں ہوا تھا جس سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے بعد میں میرک شاہ نے مذکورہ عبارت نقل کی ہے۔

(۳۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((يَابُنَيَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ)) ثُمَّ قَالَ ((يَابُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِيْ وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ))

(رواه الترمذی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ اے میرے بیٹے! اگر تم اس پر قدرت رکھتے ہو کہ صبح سے لے کر شام تک اس حال میں بسر کرو کہ تمہارے دل میں کسی سے کینہ نہ ہو تو ایسا ہی کرو! پھر فرمایا، اے میرے بیٹے! یہی میری سُنت ہے لہٰذا جس شخص نے میری سُنت کو محبوب رکھا اس نے مجھ کو محبوب رکھا اور جس نے مجھ کو محبوب رکھا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔"

(ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سُنت اور آپ ﷺ کے طریقہ کو پسند کرنا اور اسے محبوب رکھنا آنحضرت ﷺ سے محبت رکھنے کا سبب اور جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت جیسی نعمت عظیم کے حصول کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب آپ ﷺ کی سُنت کو پسند کرنے پر یہ خوشخبری ہے تو سُنت نبوی ﷺ پر عمل کرنا کتنی بڑی سعادت و خوش بختی کی بات ہوگی۔ ذرا غور کرنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی سُنت کو پسند کرنے والوں کا کتنا بڑا مرتبہ ہے وہ یہ ہے کہ انہیں جنت میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت و معیت کا شرف حاصل ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ دونوں جہان کی تمام نعمتیں اگر ایک طرف ہوں اور دوسری طرف یہ نعمت ہو تو یقیناً سعادت و خوشی کے اعتبار سے یہ نعمت بڑھ جائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی مقدس سُنت کو محبوب رکھنے اور اس پر عمل

کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم سب اس نعمت سے بہرہ ور ہو سکیں۔ (آمین)۔

(۳۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ)) رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتٰبِ الزُّهْدِ لَهٗ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری اُمت کے بگڑنے کے وقت جس شخص نے میری سُنّت کو دلیل بنایا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ تو بیہقی نے یہ روایت اپنی کتاب زہد میں ابن عباس سے نقل کی ہے۔"

تشریح: ایسے عظیم اجر کے ملنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ایک شہید دین اسلام کو زندہ رکھنے اور اس کی شان و شوکت کو بڑھانے کی خاطر دنیا کی تمام مصیبتیں جھیلتا ہے یہاں تک کہ اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے، اسی طرح جب کہ دین میں رخنہ اندازی ہونے لگے اور فتنہ فساد کا دور دورہ ہو تو سُنّت کو رائج کرنے اور علوم نبوی کو پھیلانے میں بے شمار مصائب و تکالیف کا سامنا ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات اس سے بھی زیادہ مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں اس لئے اس عظیم اجر کی بشارت دی جارہی ہے اس حدیث میں بھی لفظ رواہ کے بعد مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں جگہ خالی ہے مگر مذکورہ عبارت میرک شاہؒ نے بڑھادی ہے۔

(۳۶) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ: اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِيْثَ مِنْ يَهُوْدَ تُعْجِبُنَا اَفَتَرٰى اَنْ نَكْتُبَ بَعْضَهَا؟ فَقَالَ: اَمُتَهَوِّكُوْنَ اَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى؟ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَآءَ نَقِيَّةً وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت جابرؓ، آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں حضرت عمرؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم یہود کی حدیثیں سنتے ہیں اور وہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہوتی ہیں کیا آپ ﷺ اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان میں سے بعض کو لکھ لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تم بھی اسی طرح حیران ہو جس طرح یہود اور نصاری حیران ہیں۔ (جان لو کہ) بلاشبہ میں تمہارے پاس صاف و روشن شریعت لایا ہوں، اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی میری پیروی پر مجبور ہوتے۔" (احمدؒ، بیہقیؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہود و انصاری حیران ہیں کہ انہوں نے خدا کی کتاب کو اور اپنے پیغمبر کی حقیقی تعلیم کو چھوڑ دیا ہے اور اپنے خود غرض و لالچی علماء کی خواہشات کے مطیع ہو گئے ہیں، کیا اسی طرح تم بھی متحیر ہو کہ اپنے دین کو ناقص و نامکمل سمجھ کر دوسروں کے دین و شریعت کے محتاج ہو رہے ہو، حالانکہ میری لائی ہوئی شریعت اتنی مکمل اور واضح ہے کہ اگر آج موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی میری شریعت کے پابند اور میرے احکام کے مطیع ہوتے۔

(۳۷) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ اَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِيْ سُنَّةٍ وَاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهٗ دَخَلَ الْجَنَّةَ)) فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا الْيَوْمَ لَكَثِيْرٌ فِي النَّاسِ؟ قَالَ: وَسَيَكُوْنُ فِيْ قُرُوْنٍ بَعْدِيْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے حلال (رزق) کھایا، سُنّت کے طریقہ پر عمل کیا اور اس کی زیادتیوں سے لوگ امن میں رہے تو وہ جنّت میں داخل ہوگا ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! ایسے لوگ تو آج کل بہت ہیں! آپ نے فرمایا، اور میرے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: حلال رزق کا مطلب یہ ہے کہ خواہ تجارت ہو یا ملازمت یا کوئی دوسرا ذریعہ معاش، ہر جگہ ایماندار و دیانت کے دامن کو پکڑے رہے۔ اور حدود شریعت سے تجاوز نہ کرے نیز ایسی کوئی صورت اختیار نہ کرے جس سے اس کی کمائی حرام ہو جائے جیسے اگر کوئی شخص تجارت میں خرید و فروخت کے وقت میں ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جو شریعت کی نظر میں جائز نہیں ہیں تو اس کا کمایا ہوا مال پاک و حلال

نہیں رہے گا۔ ہاں اگر اس کا طرزِ عمل خلاف شریعت نہیں ہوتا تو اس کی کمائی حلال ہوگی۔

شرعی نقطۂ نظر سے تجارت میں حلال کمائی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی مال کو فروخت کرتے وقت نہ تو عقد بیع سے پہلے نہ عقد بیع کے وقت اور عقد بیع کے بعد کوئی ایسی شکل اختیار کرے جو شرعی طور پر مفسد بیع ہو تو اس کا کمایا ہوا مال حلال وطیب ہوگا اور اگر اس کے برخلاف عمل کیا تو اس کی کمائی حلال نہیں ہوگی۔ مثلاً کسی تاجر نے کسی چیز کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا اور عقد بیع سے پہلے دھوکہ اور فریب دینے کا خیال کیا۔ جیسے جس چیز کو فروخت کر رہا ہے اس میں کوئی عیب ہے لیکن اس نے اس کو نہ ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تو اگرچہ عقد بیع کے وقت ایجاب وقبول شرعی طور پر ہوا ہو مگر اس کی اس فاسد نیت کی وجہ سے اس کا کمایا ہوا مال حلال نہیں ہوگا۔ یا اسی طرح فروخت کے وقت جب کہ عقد بیع واقع ہو رہا تھا یا عقد بیع کے بعد تاجر نے کوئی فاسد شرط لگا دی جو جائز نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس کا کمایا ہوا مال حلال نہیں ہوگا جیسے دکاندار نے کسی چیز کو فروخت کیا اور خریدار سے کہا کہ بیع ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ ایک بوتل شراب مجھے دیا کرنا تو چونکہ یہ شرعی طور پر جائز نہیں ہے اس لئے اس کا حاصل کیا ہوا مال حلال نہیں ہوگا۔

بہرحال مطلب یہ ہے کہ خرید وفروخت کے سلسلہ میں ان تینوں اوقات میں ایسا طریقہ اختیار نہ کرنا چاہئے جو خلاف شریعت ہو تاکہ اس کا کمایا ہوا مال حلال رہے۔ پھر یہ تجارت ہی پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ اسی طرح ملازمت اور زراعت وغیرہ کا معاملہ بھی ہے کہ وہاں ایسے طریقے اختیار نہ کئے جائیں جو حلال رزق کے حصول میں رکاوٹ بنیں۔

حدیث میں دخول بہشت کے لئے دوسرا وصف یہ قرار دیا گیا ہے کہ سُنّت کی پوری پوری پیروی ہو یعنی جو بھی کام کیا جائے یا جو بھی بات کہی جائے وہ سُنّت نبوی کے مطابق ہو۔ گویا انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو خواہ وہ عبادات کا ہو یا معاملات یا معاشرت کا، سب میں سُنّت نبوی کی جھلک اور اتباع رسول کا جذبہ موجود ہو۔

چنانچہ جن اعمال کے بارہ میں احادیث وارد ہوئی ہیں ان کے مطابق ہی عمل کیا جائے یہاں تک کہ بیت الخلاء جانے اور راستہ کو کسی تکلیف دہ چیز سے صاف کرنے کے بارہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں یا جو سُنّت منقول ہے اس پر عمل کرے اور ان کے احکام کو بجا لائے۔

آخر حدیث میں صحابی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں تو ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو مذکورہ اوصاف سے متصف ہونے کی وجہ سے اس بشارت کے مستحق ہیں لیکن ہمارے بعد ایسے لوگ پائے جائیں گے یا نہیں؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے یعنی اس اُمت سے خیر و بھلائی بالکل ختم نہیں ہو جائے گی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں جب کہ فتنہ فساد کا دور دورہ ہوگا، ایسے لوگوں کی کمی ہو جائے گی لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ ایسے اللہ والے لوگ اس دنیا میں رہیں گے جو حدیث وسُنّت کے طریقہ پر اپنی زندگی گزاریں گے اور ایمان ودین پر پورے یقین کے ساتھ قائم و دائم رہیں گے۔

(۳۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ((اِنَّکُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَکَ مِنْکُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِهٖ هَلَكَ ثُمَّ یَاْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِهٖ نَجَا)) (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم ایسے زمانہ میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص ان احکام کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے جو دیئے گئے ہیں تو وہ ہلاک ہو جائے گا لیکن ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اگر کوئی شخص ان احکام کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے گا تو نجات پا جائے گا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث سے عہد رسالت اور مابعد کے فرق کا پتہ چلتا ہے، عہد نبوی ﷺ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا چرچا اتنی شدت اور کثرت کے ساتھ تھا کہ ذرا سی لغزش بھی ہلاکت وتباہی کا باعث بن سکتی تھی لیکن زمانہ آخر میں جب کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں

اضمحلال پیدا ہو جائے گا تو اس وقت اتنا فرق ہو جائے گا کہ اگر کوئی شخص احکام کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے تو یہ اس کی نجات کے لئے کافی ہو گا۔

(۳۹) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ((مَاضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًی کَانُوْا عَلَیْهِ اِلَّا اُوْتُوا الْجَدَلَ)) ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ ((مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ))

(رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہدایت پانے اور ہدایت پر قائم رہنے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی مگر اس وقت جب کہ اس میں جھگڑا پیدا ہوا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ (قرآن) ترجمہ: وہ تمہارے لئے نہیں بیان کرتے مثال مگر جھگڑنے کے لئے بلکہ وہ جھگڑالو قوم ہی ہے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات اور شرعی مسائل میں جھگڑنا نہیں چاہئے اور نہ ہر کس و ناکس کو ان میں اپنی عقل کے تیر چلانے چاہئیں کیونکہ زمانہ ماسبق میں ہدایت یافتہ اقوام کی گمراہی کا بیشتر سبب یہی ہوتا تھا کہ لوگ دینی معاملات میں جھگڑتے رہتے تھے اور یہ حرکت علماء سوء اور نفسانی خواہشات کے تابع لوگ کیا کرتے تھے اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دینی معاملات میں تفرقہ پیدا ہو اور لوگ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگیں تاکہ غلط عقائد اور باطل مذاہب کو فروغ دیں اور حق کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکیں۔

آپ ﷺ نے جو آیت تلاوت فرمائی اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ یعنی (اے مشرکین) تم اور وہ غیر اللہ جنہیں تم پوجتے ہو دوزخ کے ایندھن ہیں، نازل ہوئی تو مشرکین بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جتنے غیر اللہ معبود ہیں وہ سب دوزخ میں جائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نصاریٰ کے معبود ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں لہٰذا وہ بھی اس آیت کے مطابق دوزخ میں جائیں گے اور ہمارے بت حضرت عیسیٰ سے بہر حال بہتر نہیں ہیں اس لئے ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے بت بھی حضرت عیسیٰ کے ساتھ دوزخ میں جائیں۔

مشرکین کے اس غلط نظریہ کے رد میں آیت مذکورہ مَاضَرَبُوْهُ لَكَ الایة نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ یہ مشرک لوگ اس آیت کو سن کر تم سے جو بحث کرتے ہیں اور اپنی طرف سے غلط معنی مراد لے رہے ہیں وہ محض ان کی ہٹ دھرمی اور ضد ہے اور یہ مخاصمت و مجادلت کے طور پر ایسی غلط بات کہہ رہے ہیں حالانکہ یہ صاحب زبان ہیں اور عربی زبان کے اصول و قواعد انہیں معلوم ہیں اور وہ بھی جانتے ہیں کہ ماتعبدون سے پتھر وغیرہ کے بت مراد ہیں اس لئے کہ لفظ ما خود اس پر دال ہے کہ یہ حکم غیر ذوی العقول معبودوں یعنی پتھروں وغیرہ کے بتوں کے بارہ میں ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خدا کے دیگر نیک بندے اس میں شامل ہیں۔

(۴۰) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَیُشَدِّدُ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ فَتِلْكَ بَقَایَاهُمْ فِی الصَّوَامِعِ وَالدِّیَارِ ((رَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنَاهَا عَلَیْهِمْ)) (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ فرمایا کرتے تھے، تم اپنے نفس پر سختی نہ کرو اس لئے کہ پھر خدا بھی تم پر سختی کرے گا، ایک قوم (یعنی بنی اسرائیل) نے اپنے نفس پر سختی کی تھی چنانچہ اللہ نے بھی اس پر سختی کی۔ پس آج جو لوگ صوموں اور دیار میں پائے جاتے ہیں یہ انہیں لوگوں نے پیدا کیا ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنی جانوں کو خواہ مخواہ زیادہ محنت و مشقت میں مبتلا نہ کرو یعنی ریاضت و مجاہدہ میں ایسے طریقے اختیار نہ کرو جن کو تمہارے قویٰ برداشت کرنے کے اہل نہ ہوں اور نہ تمہارا نفس اتنی محنت و مشقت برداشت کر سکتا ہو اور اسی طرح ایسی چیزوں کو

اپنے اوپر حرام نہ کرو جو خدا نے تمہارے لئے مباح قرار دی ہیں اس لئے کہ اگر تم اپنی طرف سے اپنی جانوں پر سختی کرو گے اور زیادہ محنت و مشقت میں پڑو گے تو خدا انہیں چیزوں کو تمہارے اوپر فرض کرے گا لیکن تمہارے اندر اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ تم ان کے حقوق ادا کر سکو، نتیجہ میں آخرت کی تباہی وہلاکت اپنے ذمہ لے لو گے۔

صومہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں عیسائی عبادت کیا کرتے ہیں جسے گرجا کہا جاتا ہے اور دیار یہود کے عبادت کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں اسی طرح رہبانیت اسے کہتے ہیں کہ عبادت و ریاضت بہت زیادہ کی جائے اپنے نفس کو مشقتوں اور تکلیفوں میں ڈالا جائے دنیا سے بالکل بے تعلق ہو جائے تمام لوگوں سے اپنے کو منقطع کر لے ٹاٹ کے پیراہن استعمال کرے، گردن میں زنجیر باندھ لے قوت مردانگی کو ختم کرنے کے لئے نفسانی خواہشات کو مار ڈالنے کے لئے بالکل غیر فطری طور پر جنسی محرکات کو منقطع کر ڈالے اور دنیاوی زندگی کو یکسر چھوڑ کر جنگل و پہاڑ پر جا کر بسیرا ڈال لے، جیسا کہ رہبانیت اہل کتاب نے اپنے اوپر ضروری کر رکھی تھی اور ان کے عابد و زاہد لوگ ایسا کیا کرتے تھے لیکن چونکہ رہبانیت اسلام کے فطری اصولوں سے بالکل جدا اور الگ ہے اس لئے شریعت نے کبھی اس کو جائز قرار نہیں دیا۔

لہٰذا آنحضرت ﷺ نے رہبانیت اسلام میں ناجائز قرار دی ہے اور فرمایا ہے لا رھبانیة فی الاسلام یعنی اسلام میں رہبانیت جائز نہیں ہے، بلکہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رہبانیت کسی بھی آسمانی دین میں ضروری نہیں تھی بلکہ خود اس دین کے ماننے والے رہبانیت کو اپنی دینی و دنیاوی فلاح و کامیابی کا ذریعہ سمجھتے تھے، چنانچہ یہود و نصاریٰ میں بھی لوگوں نے خود ہی ان چیزوں کا اختراع کیا تھا اور ایسی مشقتیں و تکلیفیں اپنے اوپر لازم کر لی تھیں جو شریعت کی جانب سے ان پر فرض نہ کی گئی تھیں لیکن یہ قومیں چونکہ فطرتاً غیر مستقل مزاج، خواہشات نفسانی کی پابند اور آزاد طبع واقع ہوئی ہیں اس لئے وہ اپنے اوپر خود فرض کی ہوئی چیزوں کو بھی پورا نہ کر سکیں ان کے ذہن و قوی نہ ان کے حقوق ادا کر سکے اور نہ وہ ان پر مستقل مزاجی سے قائم رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اپنے دین سے بھی ہاتھ دھونا پڑا چنانچہ اکثر عیسائی اپنے دین سے منحرف ہو گئے اور انہوں نے یہودی مذہب قبول کر لیا بہت سے یہودی رہبانیت کو چھوڑ چھاڑ کر نصرانیت کی طرف مائل ہو گئے کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے دین پر قائم رہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا اور آپ ﷺ پر ایمان لائے۔

بہرحال آنحضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اسی طرح تم رہبانیت کو اختیار نہ کرو اور نہ غیر شرعی فطری مشقتوں میں اپنی جانوں کو مبتلا کرو بلکہ شریعت نے جو حدود متعین کر دی ہیں انہیں کے اندر اپنی زندگی گزارو اور خداوند کے رسول نے جو فرائض بتائے ہیں وہی ادا کرتے رہو۔

(۴۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ((نَزَلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰى خَمْسَةِ اَوْجُهٍ حَلَالٍ وَّحَرَامٍ وَّمُحْكَمٍ وَّمُتَشَابِهٍ وَّاَمْثَالٍ فَاَحِلُّوا الْحَلَالَ وَحَرِّمُوا الْحَرَامَ وَاعْمَلُوْا بِالْمُحْكَمِ وَاٰمِنُوْا بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوْا بِالْاَمْثَالِ)) هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ وَرَوَى الْبَیْهَقِیُّ فِیْ ((شُعَبِ الْاِیْمَانِ)) وَلَفْظُهٗ: فَاعْمَلُوْا بِالْحَلَالِ وَاجْتَنِبُوا الْحَرَامَ وَاتَّبِعُوا الْمُحْكَمَ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، قرآن کریم پانچ صورتوں پر نازل ہوا ہے۔ (۱) حلال۔ (۲) حرام۔ (۳) محکم۔ (۴) متشابہ۔ (۵) امثال۔ لہٰذا تم حلال کو حلال جانو، حرام کو حرام جانو، محکم پر عمل کرو، متشابہ پر ایمان لاؤ، اور امثال (قصوں) سے عبرت حاصل کرو، یہ الفاظ مصابیح کے ہیں اور بیہقی نے جو روایت شعب الایمان میں نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ لہٰذا حلال پر عمل کرو، حرام سے بچو اور محکم کی پیروی کرو۔"

تشریح: قرآن شریف اپنے اسلوب و بیان کے اعتبار سے پانچ طرح کی آیتوں پر مشتمل ہے۔ (۱) ایسی آیتیں جن میں حلال کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے احکام بتائے گئے ہیں۔ (۲) ایسی آیتیں جن میں حرام کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے احکام بتائے گئے ہیں۔ (۳) ایسی آیتیں جن کے معنی و مطالب میں کوئی ابہام و اشتباہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے مقصد و مراد کو صاف واضح کرتی ہیں جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (یعنی

نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو) اس حدیث میں ایسی ہی آیتوں کو محکم کہا گیا ہے۔ ④ ایسی آیتیں جن کی مراد واضح نہیں ہے اور نہ ان کے معنی و مطالب کسی پر ظاہر کئے گئے ہیں جیسے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (یعنی اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) حدیث میں ایسی ہی آیتوں کو متشابہ کہا گیا ہے ان کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ ایسی آیتوں کے معنی و مطالب کے کھوج کرید میں نہ لگو بلکہ ان پر صرف ایمان لاؤ اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے جو معنی مراد ہیں وہی حق اور صحیح ہیں اگرچہ ہماری رسائی ان تک نہیں ہے۔ ⑤ ایسی آیتیں جن میں پچھلی آیتوں کے حالات و واقعات کا ذکر کیا گیا ہے یعنی نیک اقوام کی فلاح و کامرانی اور بداقوام کی تباہی و بربادی کے واقعات بتائے گئے ہیں ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان واقعات سے تم عبرت پکڑو اور دیکھو کہ خدا نے اپنے نیک و صالح بندوں پر اپنی رحمتوں و نعمتوں کی کیسی بارش کی اور بدکار و سرکش قوموں کو تباہی و بربادی اور ہلاکت کی وادیوں میں کس عبرت ناک طریقہ سے پھینک دیا۔

(۴۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((اَلْاَمْرُ ثَلَاثَةٌ اَمْرٌ بَيِّنٌ رُشْدُهٗ فَاتَّبِعْهُ وَاَمْرٌ بَيِّنٌ غَيُّهٗ فَاجْتَنِبْهُ وَاَمْرٌ اُخْتُلِفَ فِيْهِ فَكِلْهُ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)) (رواہ احمد)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، امر تین طرح کے ہیں۔ ① وہ امر جس کی ہدایت ظاہر ہے اس کی پیروی کرو۔ ② وہ امر جس کی گمراہی ظاہر ہے اس سے بچو۔ ③ وہ امر جو مختلف فیہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔" (احمدؒ)

تشریح: وہ امر جس کی ہدایت ظاہر ہے ایسی چیزیں ہیں جن کا حق و صحیح ہونا واضح طور پر آیات و احادیث سے ثابت ہو جیسے نماز روزہ، زکوٰۃ و حج، وغیرہ کا فرض و واجب ہونا، ان کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی پیروی کرو، اسی طرح وہ امر جس کی گمراہی ظاہر ہے ایسی چیزیں ہیں جن کا باطل و فاسد ہونا واضح طور پر معلوم ہو جیسے کفار کی رسموں اور ان کے طور طریقوں پر عمل کرنا، ان سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

تیسرا امر مختلف فیہ ہے یعنی ایسی چیزیں جن کا حکم واضح طور پر کچھ ثابت نہ ہو بلکہ پوشیدہ اور مشتبہ ہو، بعض لوگوں نے اس کی تعریف یہ کی ہے امر مختلف فیہ وہ چیزیں ہیں جن کے احکام خدا اور خدا کے رسول نے نہ بتائے ہوں بلکہ لوگ اس کے تعیین میں اختلاف کرتے ہوں جیسے آیات متشابہات یا وقت قیامت کا تعین وغیرہ، اس کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے کہ ایسی چیزوں میں اپنی طرف سے کچھ نہ کہو بلکہ ان کے حقیقی مراد و مفہوم کا تعین خدا کے سپرد کرو وہی بہتر جاننے والا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۴۳) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((اِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ وَاِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ)) (رواہ احمد)

"حضرت معاذ بن جبلؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے جس طرح بکری کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ اس بکری کو اٹھا کر لے جاتا ہے جو ریوڑ سے بھاگ نکلی ہو یا ریوڑ سے دور چلی گئی ہو یا ریوڑ کے کنارے پر ہو اور تم پہاڑ کی گھاٹیوں (یعنی گمراہی) سے بچو نیز جماعت اور مجمع کا ساتھ پکڑے رہو۔" (احمدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح بھیڑیا جب کسی ایسی اکیلی بکری کو پالیتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو گئی ہو تو وہ اس پر بہت دلیر ہو جاتا ہے اور اسے اٹھا کر لے جاتا ہے اسی طرح جب کوئی شخص علماء دین کی جماعت اور ان کے گروہ سے انحراف کر کے الگ ہو جاتا ہے اور اپنی عقل و فہم کے بل بوتے پر نئے نئے مذاہب نکالتا ہے اور نت نئے مسلک پیدا کرتا ہے تو اس پر شیطان کو پوری طرح اختیار و تسلط ہو جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص شیطان کے چنگل میں پوری طرح آکر گمراہی کی انتہائی گہری گھاٹیوں پر جا گرتا ہے۔

اس لئے آخر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ پہاڑ کی گھاٹیوں سے بچو یعنی اسلام کی صاف و سیدھی راہ کو چھوڑ کر ایسی گھاٹیوں میں نہ جا بیٹھو جو

ضلالت وگمراہی سے بھری ہوئی ہوں۔

(۴۴) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ((مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ)) (رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی (یعنی ایک ساعت کے لئے بھی) جدا ہوا، اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: یعنی جو شخص کسی مرحلہ پر بھی جماعت سے الگ ہوا ہوگا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ اب اسلام کی قیود اور احکام کی پابندی سے بھی آزاد ہو جائے گا اور اپنی ذہنی و فکری اور عملی طاقتوں کو ایسے رخ پر موڑ دے گا جہاں نہ کوئی قید ہوگی اور نہ کسی کی پابندی بلکہ وہ خود رو، آزاد اور دین شریعت کا غیر پابند بن جائے گا۔

(۴۵) وَعَنْ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ، مُرْسَلًا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ((تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا: کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ رَسُوْلِہٖ)) (رواہ فی الموطا)

"اور حضرت مالک بن انسؒ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔ وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) اور سُنّت رسول اللہ (احادیث) ہیں۔" (مؤطا)

(۴۶) وَعَنْ غُضَیْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثُّمَالِیِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ((مَآ اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَۃً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُھَا مِنَ السُّنَّۃِ فَتَمَسُّکٌ بِسُنَّۃٍ خَیْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَۃٍ)) (رواہ احمد)

"اور حضرت غضیف[1] بن حارث ثمالی راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب کوئی قوم (دین میں) نئی بات نکالتی ہے (یعنی ایسی بدعت جو سُنّت کے مزاحم ہو) تو اس کے مثل ایک سُنّت اٹھالی جاتی ہے۔ لہٰذا سُنّت کو مضبوط پکڑنا نئی بات نکالنے (بدعت) سے بہتر ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: سُنّت پر عمل کرنا اگرچہ وہ معمولی درجہ کی ہو بدعت پیدا کرنے اور بدعت پر عمل کرنے سے بہتر ہے اگرچہ وہ بدعت حسنہ ہو اس لئے کہ سُنّت نبوی کے اتباع و پیروی سے روح میں جلا پیدا ہوتا ہے جس کے نور سے قلب و دماغ منور ہوتے ہیں اس کے برخلاف بدعت ظلمت و گمراہی کا سبب ہے مثلاً بیت الخلاء میں آداب سُنّت و شرع کے مطابق جانا، سرائیں بنانے اور مدرسے قائم کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص ان آداب کی رعایت کرتا ہوا بیت الخلاء جاتا ہے جو حدیث سے منقول ہیں تو وہ سُنّت پر عمل کرنے والا کہلائے گا۔ برخلاف اس کے کہ اگرچہ مدرسے قائم کرنا اور خانقاہیں بنانا بہت بڑا کام ہے۔ لیکن چونکہ وہ بدعت حسنہ ہے، اس لئے اس معمولی سی سُنّت پر عمل کرنے والا اتنے بڑے کام کرنے والے سے افضل ہوگا اس لئے کہ آداب سُنّت کا خیال کرنے والا اور سُنّت کی پیروی کرنے والا مقام عروج اور قرب الٰہی کی طرف ترقی کرتا ہے مگر سُنّت کو ترک کرنے والا مقام علیا سے نیچے گرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی چیزیں جو افضل و اعلیٰ ہوتی ہیں وہ انہیں ترک کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک مقام آجاتا ہے کہ وہ قساوت قلبی کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے جسے رائن اور طبع کہتے ہیں۔

سید جمال الدینؒ سے بھی یہی منقول ہے نیز وہ لکھتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ جس نے آداب سُنّت کی رعایت کی مثلاً اس کا بیت الخلاء جانا بھی آداب سُنّت کے مطابق ہے تو خدا کی جانب سے یہ توفیق دی جاتی ہے کہ وہ اس سے اعلیٰ سُنّت پر عمل کرے۔ چنانچہ توفیق الٰہی کا وہی نور اعلیٰ مقامات کی طرف اس کی راہ نمائی کرتا رہتا ہے آخر کار وہ منزل مقصود تک جا پہنچتا ہے۔ اور جو شخص کسی معمولی سُنّت کو بھی

[1] اسم گرامی غضیف ابن حارث ثمالی ہے اور کنیت ابواسماء ہے آپ صحابی ہیں اور انصار سے ہیں۔

ترک کرتا ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر یہ خامی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دوسری اعلیٰ و افضل چیزوں کو بھی ترک کرتا رہتا ہے اور اس کی سلامتی قلب ترک سُنّت کی ظلمت میں پھنس کر تنزل کرتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ مقام رین وطبع تک جا گرتا ہے۔

مُلّا علی قاریؒ نے اس موقع پر بڑی اچھی بات کہی ہے کہ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ کسل و سستی کی وجہ سے سُنّت کو ترک کرنا ملامت و عتاب کا باعث ہے اور سُنّت کو ناقابل اعتناء سمجھ کر اس پر عمل کرنا معصیت اور عذاب خداوندی کا سبب ہے اور سُنّت کا انکار بدعتی ہونے کا اظہار ہے لیکن اگر کسی بدعت کو خواہ وہ بدعت حسنہ کیوں نہ ہو ترک کر دیا جائے تو یہ تمام باتیں لازم نہیں آتیں۔

گویا سُنّت کو ترک کرنا بے شمار نقصان و فساد کا باعث ہے مگر بدعت کو ترک کرنا کوئی اثر نہیں ڈالتا اس لئے اس سے معلوم ہوا کہ سُنّت پر عمل کرنا خواہ وہ کتنی ہی معمولی ہو، فلاح و سعادت اور بہتری کا باعث ہے اور بدعت پر عمل کرنا خواہ وہ حسنہ ہو اس کے مقابلہ میں بہتر نہیں ہے۔

(۴۷) وَعَنْ حَسَّانَ، قَالَ: مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِيْ دِيْنِهِمْ اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيْدُهَا اِلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت حسانؓ[1] فرماتے ہیں، کہ جب کوئی قوم اپنے دین میں نئی بات (یعنی ایسی بدعت سیئہ جو سُنّت کے مزاحم ہو) نکالتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی سُنّت میں سے اس کا مثل نکال لیتا ہے (یعنی جب کوئی بدعت سیئہ پیدا ہوتی ہے تو اس کے مثل سُنّت دینا سے اٹھالی جاتی ہے) اور پھر وہ سُنّت قیامت تک اس کی طرف واپس نہیں کی جاتی۔" (دارمیؒ)

(۴۸) وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ)) رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا۔ (رواہ البیہقی)

"اور حضرت ابراہیم بن میسرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ستون کو گرا دینے میں مدد کی۔" (بیہقیؒ)

تشریح: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی بدعتی کی توقیر و عزت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں اسے سُنّت کی عزت و احترام کا کوئی خیال نہیں ہے اس طرح وہ سُنّت کی تحقیر کا باعث ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سُنّت کی تحقیر اسلام کی عمارت کو اجاڑنا ہے اسی پر اہل سُنّت کی تحقیر کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پابند شرع و سُنّت کی توہین کرتا ہے تو وہ دین و سُنّت کی عمارت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص بدعتی کی تحقیر و تذلیل کرے تو یہ اس بات کا اظہار ہوگا کہ اسے سُنّت سے محبت ہے جو دین اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کا سبب ہے جس پر اسے بے شمار حسنات کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

(۴۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللّٰهِ ثُمَّ اتَّبَعَ مَا فِيْهِ هَدَاهُ اللّٰهُ مِنَ الضَّلَالَةِ فِي الدُّنْيَا وَوَقَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُوْءَ الْحِسَابِ وَفِيْ رِوَايَةٍ، قَالَ: مَنِ اقْتَدٰى بِكِتَابِ اللّٰهِ لَا يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَشْقٰى فِي الْاٰخِرَةِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ ((فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى)) (رواہ رزین)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا اور پھر اس چیز کی پیروی کی جو اس (کتاب اللہ) کے اندر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں گمراہی سے ہٹا کر راہ ہدایت پر لگائے گا (یعنی اس کو ہدایت کے راستہ پر ثابت قدم رکھے گا اور گمراہی سے بچائے گا) اور قیامت کے دن اس کو برے حساب سے بچائے گا (یعنی اس سے مواخذہ نہیں ہوگا) اور ایک روایت میں ہے جس شخص نے کتاب اللہ کی

---

[1] اسم گرامی حسان ابن ثابت ہے اور کنیت ابوالولید ہے انصاری اور خزرجی ہیں بعض حضرات نے کہا ہے کہ کنیت ابوالحسام ہے حضرت حسانؓ کی وفات حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۰ھ میں ہوئی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ وفات پچاس ہجری میں ہوئی ہے۔

پیروی کی تو نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا (یعنی اسے عذاب نہیں دیا جائے گا) اس کے بعد ابن عباسؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ترجمہ: جس شخص نے میری ہدایت (یعنی قرآن) کی پیروی کی نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) بدبخت ہوگا۔" (رزین)

تشریح: چونکہ قرآن کریم کا پڑھنا باعث سعادت اور اس پر عمل کرنا ذریعۂ نجات ہے اس لئے جو شخص قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھے اور قرآن کو سمجھنے کی جو شرائط ہیں ان کے مطابق اس کے علوم و معارف کو حاصل کرے اور پھر قرآن کریم نے جو احکام بتائے ہیں ان پر عمل کرے اور ہدایت کا جو راستہ متعین کر دیا ہے اس پر چلتا رہے تو اس کے لئے دین و دنیا دونوں جگہ سعادت و رحمت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ دنیا میں اس پر خدا کی جانب سے رحمت ہوگی کہ وہ چونکہ قرآن کو اپنا راہبر بنا رکھے گا اس لئے گناہ و معصیت سے بچتا رہے گا برائی کے راستے کو چھوڑ دے گا جس کا نتیجہ آخرت میں یہ ہوگا کہ وہاں اس پر خدا کی بے شمار رحمتوں کا سایہ ہوگا نہ تو حساب و کتاب کی سختی ہوگی اور نہ عذاب میں مبتلا ہوگا اور یہی بندہ کے حق میں سب سے بڑی فلاح و سعادت ہے۔

⑤⓪ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ((ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَعَنْ جَنْبَتِي الصِّرَاطِ سُوْرَانِ فِیْهِمَا اَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ وَعَلَى الْاَبْوَابِ سُتُوْرٌ مُرْخَاةٌ وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ یَقُوْلُ اِسْتَقِیْمُوْا عَلَى الصِّرَاطِ وَلَا تَعَوَّجُوْا وَفَوْقَ ذٰلِكَ دَاعٍ یَدْعُوْ كُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ اَنْ یَفْتَحَ شَیْئًا مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ قَالَ: وَیْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ فَاِنَّكَ اِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ)) ثُمَّ فَسَّرَهُ فَاَخْبَرَ ((اَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْاِسْلَامُ وَاَنَّ الْاَبْوَابَ الْمُفَتَّحَةَ مَحَارِمُ اللّٰهِ وَاَنَّ السُّتُوْرَ الْمُرْخَاةَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَاَنَّ الدَّاعِيَ عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْاٰنُ وَاَنَّ الدَّاعِيَ مِنْ فَوْقِهٖ هُوَ وَاعِظُ اللّٰهِ فِيْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ)) رَوَاهُ رَزِیْنٌ وَاَحْمَدُ وَالْبَیْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ وَكَذَا التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ اِلَّا اَنَّهٗ ذَكَرَ اَخْصَرَ مِنْهُ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے (وہ یہ کہ) ایک سیدھا راستہ ہے اور اس کے دونوں طرف دیواریں ہیں۔ ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور راستہ کے سر پر پکارنے والا کھڑا ہے جو پکار پکار کر کہتا ہے، سیدھے راستہ پر چلے آؤ، غلط راستے پر نہ لگو! اس پکارنے والے کے اوپر (یعنی اس کے آگے کھڑا ہوا) ایک دوسرا پکارنے والا ہے، جب کوئی بندہ ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو وہ (دوسرا پکارنے والا) پکار کر کہتا ہے، تجھ پر افسوس ہے! اس کو نہ کھول اگر تو اسے کھولے گا تو اس کے اندر داخل ہو جائے گا (اور وہاں سخت تکلیف میں ہوگا) پھر آنحضرت ﷺ نے اس مثال کی وضاحت کی اور فرمایا، سیدھا راستہ سے مراد اسلام ہے (جس کو اختیار کر کے جنت میں پہنچتے ہیں) اور کھلے ہوئے دروازوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے (جس کو اختیار کرنا تکمیل اسلام کے منافی ہے) اور (دروازوں پر) پڑے ہوئے پردوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود ہیں اور راستہ کے سرے پر جو پکارنے والا کھڑا ہے اس سے مراد قرآن کریم ہے اور وہ دوسرا پکارنے والا جو پہلے پکارنے والے کے آگے کھڑا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت کرنے والا فرشتہ ہے جو ہر مؤمن کے دل میں ہے۔ زرینؒ، احمدؒ اور بیہقیؒ نے اس روایت کو شعب الایمان میں نواس بن سمعان سے نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے بھی انہیں سے روایت کی ہے مگر ترمذیؒ نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔"

تشریح: شرعی احکام زیادہ تر دو ہی قسموں سے متعلق ہیں یعنی حلال و حرام اور ان دونوں کو شریعت نے وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے جو چیزیں حلال ہیں ان کے بارہ میں بھی اعلان کر دیا گیا ہے اور جو چیزیں حرام ہیں ان کی بھی تصریح کر دی گئی ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ جس طرح حلال چیزوں پر عمل کر کے خدا کی خوشنودی و رضا کے مستحق ہو گے اسی طرح حرام چیزوں کو اختیار کر کے سزا کے مستوجب گردانے جاؤ گے جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں ان کے اور بندوں کے درمیان خدا نے اپنے احکام سے حدیں قائم کر دی ہیں تاکہ بندے اس سے تجاوز

کر کے محرمات کے ارتکاب کے مجرم نہ ہوں، انہی حرام چیزوں اور حدود کو جو احکام الٰہی ہیں اس مثال میں دروازوں اور پردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اسی طرح مثال مذکورہ میں فرمایا گیا ہے کہ ہر مؤمن کے دل پر ایک فرشتہ ہوتا ہے جو قلب کا محافظ ہوتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ بندہ کو نیکی کے راستہ پر لگانے کی سعی کرے اس کو تائید الٰہی اور توفیق خداوندی کہتے ہیں اگر کسی بندے کے ساتھ تائید الٰہی و توفیق خداوندی نہ ہو تو انسان کتنا بھی چاہے ہدایت کے راستہ پر نہیں لگ سکتا۔ چنانچہ مثال میں قرآن کو راہبر بتایا گیا ہے مگر اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ قرآن کی ہدایت بھی اسی وقت کار آمد ہوتی ہے جب کہ بندہ کے ساتھ تائید الٰہی اور توفیق خداوندی بھی شامل ہو۔ قرآن تو راستہ بتا دیتا ہے اور سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے مگر اس سے نصیحت حاصل کرنا اور اس راہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچنا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب بندہ کے دل میں خدا کی جانب سے ہدایت ڈال دی جائے۔

(۵۱) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْمَاتَ فَاِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْآ اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَّاَعْمَقَهَا عِلْمًا وَّاَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلَا قَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ اَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَاِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ۔ (رواه رزین)

"اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی طریقہ کی پیروی کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ ان لوگوں کی راہ اختیار کرے جو مر گئے ہیں کیونکہ زندہ آدمی (دین میں) فتنہ سے محفوظ نہیں ہوتا اور وہ لوگ جو مر گئے ہیں (اور جن کی پیروی کرنی چاہئے) آنحضرت ﷺ کے اصحاب ہیں، جو اس اُمّت کے بہترین لوگ تھے، دلوں کے اعتبار سے انتہا درجہ کے نیک، علم کے اعتبار سے انتہائی کامل اور بہت کم تکلّف کرنے والے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے منتخب کیا تھا لہٰذا تم ان کی بزرگی کو پہچانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے آداب و اخلاق کو اختیار کرتے رہو (اس لئے کہ) وہی لوگ ہدایت کے سیدھے راستہ پر تھے۔" (رزینؒ)

تشریح: مرے ہوئے لوگوں سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور زندوں سے ابن مسعودؓ کے زمانہ کے لوگ اور تابعین مراد ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے یہ ارشاد تابعین کے سامنے از راہ نصیحت فرمایا تھا اور ہو سکتا ہے کہ اس دور میں چونکہ باطل فرقے جنم لینے لگے تھے جو صحابہ کرام کی ذات اقدس کے پاک دامن پر گندگی و غلاظت کے چھینٹے ڈالتے تھے جیسا کہ رافضی اور ملحدین کے گروہ اس ناپاک مشغلہ میں لگے ہوئے تھے اس لئے ابن مسعودؓ نے ان کے غلط الزامات اور صحابہؓ پر باندھے گئے، بہتان کی رد میں صحابہؓ کی عظمت و بزرگی اور ان کی فضیلت کا اظہار فرمایا۔

چنانچہ ابن مسعودؓ شہادت دے رہے ہیں کہ صحابہؓ اُمّت کے بہترین اور انتہا درجہ کے نیک لوگ تھے۔ یعنی ان کے قلوب ایمان و اسلام کی روشنی سے پوری طرح منور تھے خلوص و استقامت کے اوصاف سے متصف تھے ایمان کامل کی دولت سے مشرف تھے اور زہد و تقدس و خشیت الٰہی سے ان کی زندگیاں معمور تھیں۔

پھر دوسری بات یہ کہ یہی وہ مقدس جماعت تھی جس نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اور خدا کے دین کو پھیلانے میں معین و مددگار رہے، جس کے نتیجہ میں انہیں جن جانکاہیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا وہ ظلم و ستم اور تشدد و بربریت کے جس دور سے گزرے اور انہوں نے اسلام کی اشاعت و بقاء کے سلسلہ میں جو قربانیاں دیں وہ اسلامی تاریخ کا سب سے تابناک باب ہے۔

چنانچہ اسلامی تاریخ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ ان مقدس حضرات کو رسول خدا ﷺ کی معاونت اور رفاقت اور دین و اسلام

کی تبلیغ و اشاعت کے صلہ میں کتنی سختیوں اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، زندگی کی کوئی ایسی تکلیف نہ تھی جس میں یہ مبتلا نہ کئے گئے ہوں، کوئی ایسی آزمائش نہ تھی جس سے انہیں سابقہ نہ پڑا ہو اور یہ سب خدا کی جانب سے محض اس لئے تھا کہ ان کے قلوب کو خوب جانچ، پرکھ لیا جائے اور دیکھ لیا جائے کہ جس عظیم مشن کے چلانے کے لئے ان کو منتخب کیا جارہا ہے اور جس رسول کی رفاقت جیسے عظیم منصب کے لئے ان کو پسند کیا جارہا ہے ان کے ذہن و فکر اور دل و دماغ اس کے اہل ہیں یا نہیں، ان کے قلوب سختیوں کو برداشت کرنے کے قابل اور مشکلات پر صبر و شکر کرنے والے ہیں یا نہیں، چنانچہ ان کو امتحان میں ڈالا گیا ہے، آزمائش کی گئی اور وہ حضرات امتحان و آزمائش کے ہر مرحلہ سے کامیاب گزرے اور مصیبت و سختی کی ہر بھٹی سے کندن ہو کر نکلے، ان کے صبر و رضا کا جب امتحان لیا گیا تو ایسے صابر و شاکر نکلے کہ بڑی سے بڑی سختی اور سخت سے سخت مصیبت پر بھی ان کے قدم میں لغزش آنے کی بجائے اور استقامت پیدا ہوئی اور وہ اپنے ایمان و اسلام پر پورے ایقان و اعتماد کے ساتھ قائم و مضبوط رہے ان کے اسی عظیم وصف کی شہادت قرآن نے اس طرح دی ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى۔ (الحجرات ۳)

"یہ صحابہؓ وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کے واسطے جانچ لیا ہے۔"

اگر علم و فضل کی کسوٹی پر ان سختیوں کو پرکھا جائے تو بلا مبالغہ نتیجہ یہی قائم کرنا پڑے گا کہ ہر صحابی علم و معرفت، فہم و فراست، تدبر و تفکر، عقل و دانش کا مینارۂ نور تھا جن سے دنیا نے ظلم و جہل کے اس ماحول میں تعلیم و ترقی و تہذیب و شرافت اور انسانیت کی روشنی حاصل کی۔ چنانچہ کوئی حدیث و تفسیر میں یکتا تھا تو کوئی فقہ و قرأت کا امام کسی کے اندر تصوف و فرائض کا علم پورے کمال کے ساتھ تھا تو کسی کے اندر معانی و ادب کا بحر بیکراں موجزن تھا، غرض کہ ہر ایک اپنی جگہ علمی حیثیت سے بھی کامل و اکمل تھا۔ اور پھر یہ آنحضرت ﷺ کے شرف و صحبت کا اثر اور آپ ﷺ کی نگاہ کرشمہ ساز کا کمال تھا کہ نہ صرف مرد صحابی بلکہ عورت صحابیہ بھی اپنی اپنی جگہ علم و معرفت کے آفتاب ہدایت تھے جن سے بڑے بڑے صحابی روشنی حاصل کرتے تھے۔

روحانی و اخروی عظمت و سعادت کے اس عظیم مرتبہ پر ہوتے ہوئے ان مقدس حضرات کی بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ عملی دنیا میں بھی دولت و ثروت، اقتدار و حکمرانی اور ملک و وجاہت کے باوجود انہیں ننگے پاؤں پھرنے میں عار تھا اور نہ زمین و فرش پر نماز پڑھنے، لیٹنے بیٹھنے میں کوئی شرم محسوس ہوتی تھی۔ سادگی کی حد تھی کہ مٹی لکڑی کے برتن و باسن میں انہیں کھانے پینے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا، دوسرے لوگوں کا جھوٹا کھانا اور پینا ان کے نزدیک کوئی معیوب چیز نہ تھی، آداب گفتگو کی یہ کیفیت تھی کہ ہر ایک کی نجی بات چیت نے بھی کبھی شرافت و تہذیب کا دامن نہیں چھوڑا، بیکار گفتگو، لایعنی باتیں، لغو باتوں سے کوسوں دور رہتے کلام و گفتگو وہی کرتے جو ضروری اور بامقصد ہو صاف گوئی اس درجہ کی تھی کہ جو مسئلہ انہیں معلوم نہ ہوتا نہایت صفائی سے کہہ دیتے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہے آج کل کی طرح خواہ مخواہ تکلف کر کے لچھے دار تقریریں کر کے مسئلے کو غلط سلط بیان نہیں کرتے تھے بلکہ وہ جسے اپنے سے افضل سمجھتے تھے نہایت خلوص کے ساتھ سائل کو ان کے پاس بھیج دیتے کہ ان سے دریافت کرلو، حصول علم کا اتنا شوق تھا کہ جس کو وہ علم میں اپنے سے بڑا سمجھتے، خواہ وہ عمر میں کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، استفادہ کے لئے اس کے پاس جانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ان کے یہاں زندگی کے کسی بھی شعبہ میں تصنع و بناوٹ نام کو بھی نہیں ہوتی تھی یہاں تک کہ وہ لوگ اگر قرآن پڑھتے تو وہ بھی کسی تصنع و بناوٹ کے بغیر اس کے پورے حقوق و آداب کو ملحوظ رکھ کر خالص عربی لہجہ میں پڑھتے تھے یہ نہیں تھا کہ خواہ مخواہ آواز بنا کر راگ و سر کے ساتھ پڑھتے ہوں۔

یہی حال ان کے باطن کا تھا چونکہ انہیں براہ راست سرکار دوعالم ﷺ سے قرب و صحبت کا شرف حاصل تھا اس لئے ان کے قلوب چودہویں کے چاند کی طرح مجلی و مصفا ہو کر ہمہ وقت یاد الٰہی اور ذکر اللہ میں مصروف رہتے تھے، ان کے افکار عرفان و حقیقت کی انتہائی بلندیوں پر تھے،

آج کل کے جاہل صوفیاء اور پیروں کی طرح وہ دکھلانے کے لئے حال میں آکر رقص نہ کرتے تھے نہ ہوہا کا شور وشغب کرتے تھے اور نہ وہ اپنے قلوب کی صفائی کے لئے ہارمونیم کے ساز پر، طبلہ کی تھاپ پر اور قوالی کی تان پر حصول معرفت کا دعوی کرتے تھے جیسا کہ آج کے دور میں اہل اللہ کے مزارات پر ان لغویات سے تصوف و طریقت کے نام پر سرور کیف حاصل کیا جاتا ہے اور نہ وہ کسی اسکیم و تنظیم کے باعث حلقہ وغیرہ بنا کر مسجد و گھر میں ذکر جہر کرتے تھے بلکہ نہایت سادگی کے ساتھ جسے جہاں موقع مل جاتا وہیں یاد الٰہی میں نہایت صبرو سکون کے ساتھ مشغول ہو جانا ان کی اسی سادگی اور خلوص کی وجہ سے بظاہر تو ان کے اجسام فرش پر نظر آتے مگر ان کی روحیں عرش پر سیر کرتی ہوتیں، ان کے ظاہری بدن لوگوں کے ساتھ ہوتے مگر ان کے قلوب مقام قرب کی انتہائی بلندیوں پر ہوتے۔

صحابہؓ کا طرز معاشرت بھی تصنع و بناوٹ اور تکلّف سے بالکل پاک وصاف تھا، انہیں جو میسر آتا وہی کھالیتے جو مل جاتا وہی پہن لیتے، موٹا چھوٹا کپڑا ہو وہ پہن لیا، عمدہ ملا اسے استعمال کر لیا، یہ نہیں تھا کہ دنیا کو دکھلانے کے لئے یا اپنے زہد و تقدس کا رعب جمانے کے لئے حرقہ، گڑری یا ایسے ہی لباس اپنے اوپر لازم کر رکھے ہوں، ہاں جیسے بھی لباس میسر ہوتا وہ اسے بھی استعمال کرتا، کھانے پینے میں یہ تامل تھا کہ حلال رزق جیسا بھی ہوتا تھا کھاتے تھے، مزیدار اور لذیذ چیزیں مثلاً گوشت دودھ اور میوہ وغیرہ خدا کی نعمتیں اگر میسر ہوتیں تو انہیں بھی نہایت ذوق و شوق سے کھاتے اور اگر روکھا سوکھا دال دلیا ہی خدا دے دیتا تو اسے بھی نہایت صبروشکر سے کھالیتے۔

بہر حال عبادات ہوں یا معاملات، اخلاق و عادات ہوں، یا معیشت و معاشرت، زندگی کے ہر پہلو میں ان کے یہاں خلوص اور بے تکلفی و سادگی تھی اور انہوں نے اپنے نظام حیات کو ایسے سانچے میں ڈھال رکھا تھا جو خالص اسلامی دینی اور اخلاقی تھا اور یہ سب نگاہ نبوت کی کرشمہ سازی اور اس ذات اقدس کی صحبت کا اثر تھا جو خود اپنے قول ادبنی ربی فاحسن تادیبی (یعنی خداوند تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور ادب کے انتہائی درجہ پر پہنچایا) کے مطابق ادب و اخلاق اور تہذیب و شرافت کے تمام جواہر ازل ہی سے اپنے اندر سموئے ہوئے تھے کہ جو قوم دنیا کی سب سے زیادہ غیر مہذب، غیر متمدن، اور غیر ترقی یافتہ تھی، اصلاح و تربیت کے ذریعہ اسے تہذیب و تمدن اور اخلاق و احسان کے اس مقام رفیع تک پہنچا دیا جہاں نہ صرف یہ کہ وہ خود ایک کامل اور عظیم قوم ثابت ہوئی بلکہ دنیا کی دوسری قوموں نے اس کے نقش قدم کو اپنے لئے جادۂ منزل بنا کر تہذیب و تمدن کی انتہائی بلندیوں پر بسیرا کیا۔

چنانچہ اس حدیث میں ابن مسعودؓ لوگوں کو یہی ہدایت فرمارہے ہیں کہ اگر تم ہدایت کا راستہ چاہتے ہو، فلاح کی منزل کے خواہش مند ہو، عرفان الٰہی اور حب رسول کے انتہائی مقام پر پہنچنا چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ اسی مقدس جماعت کے راستہ کو اختیار کرو، انہی کے اخلاق و عادات کو اپنے لئے جادۂ منزل جانو، انہی کی متابعت و پیروی کو کامیابی و کامرانی کا ذریعہ سمجھو اور ان کی عقیدت و محبت سے زندگی کے ہر گوشہ کو منور کرو۔

اس جگہ اتنی بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے ارشاد سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابہؓ انتقال فرماگئے ہیں انہیں کی پیروی واطاعت کرنی چاہئے۔ حالانکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ پیروی کے لائق صحابہؓ کی جماعت ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں مردوں کی تخصیص صرف اس لئے کی گئی ہے کہ اکثر صحابہؓ اس وقت انتقال فرما چکے تھے ورنہ یہاں زندہ اور مردہ دونوں مراد ہیں۔

اس حدیث سے صحابہؓ کی انتہائی عظمت اور فضل و کمال کا اظہار ہوتا ہے چونکہ تمام مخلوق اور تمام انسانوں میں یہ سب سے افضل تھے اور حق و صداقت کے قبول کرنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم ان میں موجود تھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی رفاقت کے لئے منتخب فرمایا اور قرآن میں بایں طور پر ان کے فضل و کمال کی شہادت دی کہ:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا۔ (الفتح ۲۶)

"اور ان (صحابہؓ) کو پرہیز گاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اس کے مستحق اور اہل تھے۔"

بعض آثار میں آیا ہے کہ پروردگار عالم نے تمام بندوں کے قلوب پر نظر فرمائی چنانچہ آنحضرت ﷺ کا قلب مبارک سب سے زیاد منور روشن اور پاک وصاف تھا تو نور نبوت اس میں ودیعت فرمایا اور صحابہ کے قلوب بھی بہت زیادہ پاک وصاف اور اہل ولائق تھے تو ان کو اپنے نبی کی رفاقت کے لئے پسند فرمایا۔

اور اتنی بات تو ہم آج خود جانتے ہیں کہ ایک شخص جب کسی پیر برحق کا مرید ہوتا ہے تو باوجودیکہ وہ پہلے سے بالکل خالی اور کورا ہوتا ہے مگر پیر کی صحبت اور اس کی خدمت و اطاعت گزاری کی وجہ سے وہ کتنے اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ صحابہؓ کرام اپنی زندگیاں آنحضرت ﷺ کی محبت میں اور اپنی عمریں آپ ﷺ کی خدمت میں صرف کر دیں اور فضل و کمال حاصل نہ کریں۔

(۵۲) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنُسْخَۃٍ مِنَ التَّوْرَاۃِ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ہٰذِہٖ نُسْخَۃٌ مِّنَ التَّوْرَاۃِ فَسَکَتَ فَجَعَلَ یَقْرَأُ وَوَجْہُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَغَیَّرُ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ثَکِلَتْکَ الثَّوَاکِلُ مَا تَرٰی مَا بِوَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ؟ فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ((وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ بَدَالَکُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْہُ وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ وَلَوْ کَانَ حَیًّا وَاَدْرَکَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ)) (رواہ الدارمی)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عمر ابن خطابؓ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس تورات کا ایک نسخہ لائے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ تورات کا نسخہ ہے، آنحضرت ﷺ خاموش رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے (تورات کو) پڑھنا شروع کر دیا۔ ادھر غصہ سے آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک متغیر ہونے لگا (یہ دیکھ کر) حضرت ابوبکرؓ نے کہا عمر! گم کرنے والیاں تمہیں گم کریں۔ کیا تم آنحضرت ﷺ کے چہرۂ اقدس (کے تغیر) کو نہیں دیکھتے۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے چہرۂ منور کی طرف نظر ڈالی اور (غصہ کے آثار دیکھ کر کہا) میں اللہ کے غضب اور اس کے رسول کے غصہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، قسم ہے ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر موسیٰ تمہارے درمیان ظاہر ہوتے تو تم ان کی پیروی کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے (جس کے نتیجہ میں) تم سیدھے راستہ سے بھٹک کر گمراہ ہو جاتے اور (حالانکہ) اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میرا زمانۂ نبوت پاتے تو وہ (بھی) یقیناً میری (ہی) پیروی کرتے۔" (دارمیؒ)

تشریح: جملہ ثکلتک الثواکل (گم کرنے والیاں تمہیں گم کریں) اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے موت کے لئے بددعا ہے لیکن یہ ایک اہل عرب کا محاورہ ہے جو اپنے اصل معنی و مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ ایسے مواقع پر بولا جاتا ہے جب اپنے کسی بے تکلف دوست سے کسی کو تعجب کا اظہار مقصود ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے بے تکلف مخاطب سے ایسے موقع پر جب کہ وہ کسی ظاہری بات کو بھی نہیں سمجھ رہا ہوتا یہ کہے کہ مجھے بڑا تعجب ہے کہ یہ کھلی ہوئی بات بھی تم نہیں سمجھ رہے ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب و سنّت کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ اور حکماء اور فلاسفہ کی کتابوں کی طرف بے ضرورت رجوع کرنا اور ان کی طرف التفات کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ یہ گمراہی کی بات ہے۔

(۵۳) وَعَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ((کَلَامِیْ لَا یَنْسَخُ کَلَامَ اللّٰہِ وَکَلَامُ اللّٰہِ یَنْسَخُ کَلَامِیْ وَکَلَامُ اللّٰہِ یَنْسَخُ بَعْضُہٗ بَعْضًا))

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میرا کلام، کلام اللہ کو منسوخ نہیں کرتا اور کلام اللہ میرے کلام کو منسوخ کر دیتا ہے اور کلام اللہ کا بعض حصہ بعض کو منسوخ کرتا ہے۔"

تشریح: نسخ کے معنی لغت میں کسی شے کو مٹانے یا نقل و تحویل کے آتے ہیں جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ نسخت الریح اثار القوم۔ کہ ہوا نے لوگوں کے پاؤں کے نشان مٹا دیے یا اسی طرح بولتے ہیں نسخ الکتاب الی کتاب کہ ایک جگہ سے کتاب کو دوسری طرف نقل کیا۔ علماء کی اصطلاح میں نسخ اسے کہتے ہیں کہ کسی حکم شرعی کا اصلاح دین کی خاطر کسی دوسرے حکم کے ذریعہ تغیر و تبدل کیا جائے۔ یا کسی حکم کو نافذ کرنا کہ جس کے اور اس سے پیشتر کا حکم جو مقدم تھا اٹھ جائے اول حکم کو منسوخ اور دوسرے حکم کو ناسخ کہتے ہیں۔

نسخ کی چار قسمیں ہیں۔ ① کتاب اللہ کا نسخ کتاب اللہ کے ساتھ۔ ② حدیث کا نسخ حدیث کے ساتھ۔ ③ کتاب اللہ کا نسخ حدیث کے ساتھ۔ ④ حدیث کا نسخ کتاب اللہ کے ساتھ۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ مثلاً پہلے کوئی حکم قرآن میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتارا گیا لیکن بعد میں کسی خاص مصلحت کی وجہ سے قرآن کی کسی دوسری آیت نے آکر اس حکم کو منسوخ کر دیا، اب اس کی بھی دو شکلیں ہوں گی، یا تو وہ آیت قرآن میں باقی رہے اور صرف تلاوت کی جاتی رہے مگر اس کا حکم کالعدم قرار دیا گیا۔ یا یہ کہ حکم کے ساتھ آیت بھی منسوخ کر دی گئی اور اسی طرح نسخ کی دوسری شکل یہ ہے کہ حدیث کے کسی حکم کو حدیث ہی کے ذریعہ منسوخ کر دیا گیا ہو، تیسری شکل نسخ کی یہ ہے کہ قرآن کے کسی حکم کو حدیث کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے منسوخ فرمایا ہو، لیکن اس میں کسی قسم کا یہ اشکال پیدا نہیں ہو سکتا کہ حکم الٰہی کو رسول جو ایک انسان ہوتا ہے کس طرح کالعدم قرار دے سکتا ہے یہ اشکال وہیں رفع کر گیا ہے جہاں یہ بتلا دیا گیا ہے کہ حدیث بظاہر تو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے مجموعہ کا نام ہے لیکن حقیقت میں حدیث بھی وحی من اللہ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن ایسی وحی ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی اور جس کا مضمون براہ راست بارگاہ الوہیت سے اترتا ہے لیکن الفاظ رسول کے ہوتے ہیں اس صورت میں یہ حدیث متعارض نظر آئے گی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث قرآن کے حکم کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اس کا جواب یہی ہوگا کہ حدیث میں لفظ کلامی سے مراد آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو خود آنحضرت کی ذاتی رائے اور اجتہاد کے طریقہ پر وارد ہو، نہ کہ وہ ارشاد جو بطور وحی آپ ﷺ کے قلب پر القاء فرمایا گیا ہے اس تاویل کے بعد یہ تعارض رفع ہو جائے گا۔ یا پھر یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ حدیث خود منسوخ ہے لہٰذا اس سے اس کلیہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

چوتھی شکل نسخ کی یہ ہے کہ حدیث کے کسی حکم کو کتاب اللہ کے ذریعہ منسوخ قرار دے دیا گیا ہو، یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ کسی قانون میں تبدیلی یا کسی حکم کی منسوخی دو وجہ سے ہوتی ہے اول تو یہ کہ قانون بناتے وقت بانی قانون سے کوئی فروگزاشت یا غلطی ہو گئی جس کی وجہ سے بعد میں اس قانون میں تبدیلی اور منسوخی ضروری قرار دی گئی۔

ظاہر ہے کہ کلام اللہ میں یہ محال ہے اس لئے کہ خدا کی علیم و خبیر ذات کسی قسم کی غلطی، بھول چوک یا فروگزاشت سے بالکل منزہ و پاک و صاف ہے اس لئے جو بھی قانون بنائے گا یا جو بھی حکم دے گا وہ بالکل صحیح و کامل ہوگا اس میں کسی غلطی کا امکان بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح رسول کے بتائے ہوئے احکام میں بھی یہ چیز نہیں ہو سکتی کیونکہ ایسے احکام جن کا تعلق دینی امور سے ہوتا ہے وہ براہ راست بارگاہ الوہیت سے نازل ہوئے ہیں اور دربار رسالت سے ان کا انعقاد عمل میں آتا ہے گویا وہ خود بھی احکام اللہ کے مرتبہ کے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اسی طرح حدیث کے احکام کی پیروی کرنا بھی ضروری اور لازم ہے لہٰذا حدیث کے احکام میں بھی کسی حکم کی تبدیلی کا سبب یہ نہیں ہو سکتا کسی قانون و حکم کی تبدیلی و منسوخی کی دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ محکوم کی حالت بدلنے سے مصلحت بھی بدل گئی اس لئے قانون بھی بدل گیا جیسے کہ مریض کی حالت بدل جانے پر نسخہ بھی بدل دیا جاتا ہے۔

مثلاً ایک قانون بنایا گیا یا کوئی حکم دیا گیا اس وقت ماحول اس قسم کے قانون کا متقاضی تھا، یا محکوم کے ذہن مزاج اسی حکم کے لائق تھے مگر بعد میں جب ماحول میں تبدیلی آگئی، محکوم کے ذہن و مزاج بھی دوسرا رخ اختیار کر گئے تو اب بانی قانون کی مصلحت بھی بدل گئی لہٰذا اس نے محکوم اور ماحول کی بھلائی اور اصلاح کی خاطر اس سے پہلے قانون کو بدل دیا اور اس جگہ کسی دوسرے قانون کو لاگو کر دیا ظاہر ہے کہ ایسا

نسخ صحیح اور جائز ہوگا اس میں کسی قسم کا کوئی عقلی و نقلی اشکال پیدا نہیں ہو سکتا اور یہی تبدیلی و تفسیر اور نسخ قرآن و احادیث کے احکام میں ہوتے ہیں لہٰذا ان میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

(۵۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((اِنَّ اَحَادِيْثَنَا يَنْسَخُ بَعْضُهَا بَعْضًا كَنَسْخِ الْقُرْاٰنِ))

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہماری (بعض) احادیث بعض کو اس طرح منسوخ کرتی ہیں جیسا کہ (قرآن کے بعض حصہ کو) قرآن منسوخ کرتا ہے۔"

(۵۵) وَعَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَآئِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَآءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا)) رَوَى الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ الدَّارَ قُطْنِيُّ۔

"اور حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ[1] راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے چند فرائض کو فرض کیا ہے لہٰذا تم ان کو ضائع نہ کرو (یعنی ان کو نہ چھوڑو یا ان کے شرائط و ارکان کو ترک نہ کرو، یا یہ کہ ان فرائض میں نمائش و ریا، شک و شبہ اور غرور و تکبر نہ کرو) اور چند چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں (یعنی ان کو اختیار کرنا گناہ قرار دیا ہے) لہٰذا تم ان کے نزدیک بھی مت جاؤ، اور چند حدود مقرر کی ہیں (مثلاً قصاص وغیرہ) لہٰذا تم ان سے تجاوز نہ کرو (یعنی ان میں اپنی طرف سے کمی و زیادتی نہ کرو) اور چند چیزوں کے بارہ میں بھول کر نہیں (بلکہ دانستہ) اختیار کیا ہے (یعنی کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارہ میں وضاحت نہیں کی گئی کہ وہ حرام ہیں یا حلال اور یا واجب ہیں، لہٰذا ان چیزوں میں تم اپنی طرف سے) بحث نہ کرو۔ مذکورہ تینوں حدیثیں دار قطنی نے روایت کی ہیں۔

[1] آپ کے نام میں بہت زیادہ اختلاف ہے بعض نے جرہم بن ثابت کہا ہے اور بعض نے جرثوم بن ثابت اور عمر ابن جرثوم لکھا ہے بہرحال یہ اپنی کنیت ابو ثعلبہ سے مشہور ہیں، ۷۵ھ میں بعہد عبدالملک بن مروان ان کا انتقال ہوا ہے۔
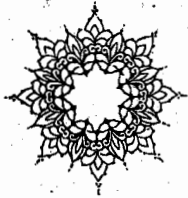
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب العلم

علم اور اس کی فضیلت کا بیان

علم کیا ہے؟ یہ وہ عظیم وصف ہے جو انسان کو نہ صرف یہ کہ شرافت و تہذیب کا سرمایہ بخشتا ہے عزت و عظمت کی دولت سے نوازتا ہے، اخلاق و عادات میں جلا پیدا کرتا ہے اور انسانیت کو انتہائی بلندیوں پر پہنچاتا ہے، بلکہ قلب انسانی کو عرفان الٰہی کی مقدس روشنی سے منور کرتا ہے، ذہن و فکر کو صحیح عقیدے کی معراج بخشتا ہے اور دل و دماغ کو خدا پرستی و اطاعت گزاری کی راہ مستقیم پر لگاتا ہے۔

اسلام! جو انسان کے لئے ترقی و عظمت کی راہ میں سب سے عظیم مینارہ نور ہے، وہ اس عظیم وصف کو انسانی برادری کے لئے ضروری قرار دیتا ہے اور اس کے حصول کو دینی و دنیوی ترقی و کامیابی کا زینہ بناتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام ہر اس علم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اسلامی عقیدہ و عمل سے مزاحم ہوئے بغیر انسانی معراج کا ضامن ہو، اسلام کسی بھی علم کے حصول کو منع نہیں کرتا۔ لیکن ایسے علم سے وہ بیزاری کا اظہار بھی کرتا ہے جو ذہن و فکر کو گمراہی کی طرف موڑ دے یا انسان کو خدا کے رسول سے ناآشنا رکھ کر دہریت کے راستہ پر لگا دے۔

یہاں (کتاب العلم) کا عنوان قائم کر کے جس علم کی ضرورت و فضیلت پر مشتمل، احادیث بیان کی جا رہی ہیں وہ ”علم دین ہے“ جو شریعت کی نظر میں بنیادی اور ضروری حیثیت رکھتا ہے۔ دینی علم دوسرے علوم کے مقابلے میں اسلام کی نظر میں سب سے مقدم اور ضروری ہے جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد منقول ہے۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔

”علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

ظاہر ہے کہ اسلام جس زندگی کا تقاضا کرتا ہے اور انسان کو عبودیت کی معراج پر دیکھنا چاہتا ہے وہ علم دین ہی پر موقوف ہے علم دین ہی کی بنا پر انسان، انسان بنتا ہے اور بندہ اپنی حقیقت کو پہچان کر ذات حق کا عرفان حاصل کرتا ہے، نیز عقیدہ و عمل کی تمام راہیں اسی سے نکلتی ہیں جس پر چل کر بندہ اپنے پروردگار کا حقیقی اطاعت گزار، رسول کا فرماں بردار اور دین و شریعت کا پابند بنتا ہے۔

(علم دین) جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر مشتمل ہے۔ اس کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ اول (مبادی) یعنی وسائل، دوم (مقاصد) مبادی۔ اس علم کو کہتے ہیں جس کے حصول پر کتاب و سنت کی معرفت موقوف ہے، یعنی جب تک یہ علم حاصل نہ کیا جائے قرآن و حدیث کے علوم و معارف کا عرفان حاصل نہیں ہو سکتا مثلاً لغت، صرف و نحو وغیرہ کے علوم کہ جب تک ان کو حاصل نہ کیا جائے اور ان پر نظر نہ ہو کتاب و سنت کا علم صحیح طور پر نہیں آسکتا اور نہ ان کے حقیقی منشا، و مقصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

مقاصد۔ وہ علم ہے جو عقائد، اعمال اور اخلاق سے متعلق ہے۔ یعنی یہی وہ علم ہے جو مقصود بالذات اور فی نفسہ ضروری ہے اور اسی کو حاصل کر کے دین و شریعت کی پابندی کا سیدھا راستہ سامنے آتا ہے۔ "ان سب کو علم معاملات" بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک "علم مکاشفہ" بھی ہوتا ہے۔ یہ دراصل وہ نور ہوتا ہے جو علم پر عمل کرنے سے قلب میں پیدا ہوتا ہے جس کی مقدس روشنی سے ہر چیز کی حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور احوال کی معرفت پیدا ہوتی ہے اس علم مکاشفہ کو علم حقیقت اور علم وراثت بھی کہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ مَالَمْ يَعْلَمْ۔

"جو شخص علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کا علم نصیب کرتا ہے جو نہ جانا جاتا ہے اور نہ پڑھا جاتا ہے۔"

بہرحال، علم ظاہر و علم باطن کی جو اقسام مشہور ہیں وہ یہی ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اور ان دونوں میں بدن و روح اور پوست و مغز کی نسبت ہے۔ نیز علم کی فضیلت میں جو آیتیں وارد ہیں، یا جو احادیث منقول ہیں وہ ان تمام اقسام کو مراتب درجات کے تفاوت کے ساتھ شامل ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ)) (رواہ البخاری)

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ اور بنی اسرائیل سے جو قصے سنو لوگوں کے سامنے بیان کرو یہ گناہ نہیں ہے اور جو شخص قصداً میری طرف جھوٹ بات منسوب کرے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لے۔" (بخاری)

تشریح: آیت سے مراد وہ حدیث ہے جو بظاہر چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن افادیت کے اعتبار سے علوم و معارف کے بحر بیکراں اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتی ہیں جیسے ایک چھوٹی سی حدیث ہے کہ مَنْ صَمَتَ نَجَا یعنی جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ یا اسی طرح دوسری مختصر مگر جامع احادیث گویا اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ تم میری کسی ایسی حدیث کو پاؤ جو باعتبار جمع الفاظ کے بہت چھوٹی اور مختصر ہو مگر اس کو دوسروں تک ضرور پہنچاؤ اور اس کی افادیت سے دوسروں کو روشناس کراؤ۔ علماء لکھتے ہیں اس حدیث کا اصل مقصد علم کو پھیلانے اور دوسروں کو علم کی روشنی سے منور کرنے کی ترغیب دلانا ہے کہ جہاں تک ہو سکے علم کے پھیلانے اور دین کی بات کو پہنچانے میں سعی و کوشش کرنی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ تم جس بات کو دوسروں تک پہنچا رہے ہو اگرچہ وہ بہت مختصر ہے مگر کیا تعجب کہ اسی سے اس کی دنیا بھی سنور جائے اور دین بھی بن جائے اور وہ راہ ہدایت کو پالے جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ ایک شخص کی ہدایت ہوگی اور وہ راہ راست پر لگ جائے گا بلکہ اس کی وجہ سے تمہیں بھی اجر ملے گا اور بے شمار حسنات سے نوازے جاؤ گے۔

حدیث میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ اگر بنی اسرائیل سے کوئی قصہ سنو یا تمہیں ان سے کوئی واقعہ معلوم ہو تو تم اس کو لوگوں سے بیان کر سکتے ہو مگر ان کے احکام وغیرہ کو نقل کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ گذشتہ احادیث میں گزر چکا ہے۔ اس لئے کہ کسی واقعہ یا قصہ کو محض خبر کے طور پر بیان کر دینا شرعی امور میں کوئی نقصان پیدا نہیں کرتا مگر ان کے احکام کو نقل کرنا یا ان کی تبلیغ کرنا شریعت محمدی کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے کیونکہ جب اس دنیا میں شریعت محمدی کا نفاذ ہو گیا ہے تو اب تمام دوسری شریعتیں منسوخ اور کالعدم قرار دے دی گئی ہیں۔ لہٰذا شریعت محمدی کو چھوڑ کر دوسری شریعت کے احکام و اعمال کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ آخر حدیث میں

آنحضرت ﷺ کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنے پر نہایت سخت الفاظ میں زجر و توبیخ فرمائی گئی ہے۔
چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص میری طرف کسی غلط بات کا انتساب کرتا ہے اور مجھ پر بہتان باندھتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ جہنم کی آگ میں جلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اس لئے کہ ایسا بدبخت جو دنیا کی سب سے بڑے صادق و مصدوق ہستی پر بہتان باندھتا ہے وہ اسی سزا کا مستحق ہے کہ اسے جہنم کے شعلوں کے حوالے کر دیا جائے۔
اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے علماء متفقہ طور پر یہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کی طرف کسی ایسی بات یا ایسے عمل کی نسبت کرنا جو واقعہ میں آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور ایسا کاذب انسان خدا کے سخت عذاب میں گرفتار کیا جائے گا اور بعض علماء مثلاً امام محمد جوینیؒ نے تو اس جرم کو اتنا قابل نفرت اور سخت خیال کیا ہے کہ وہ ایسے شخص کے بارے میں کفر کا حکم لگاتے ہیں۔
حدیث "من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار" یعنی جو شخص قصدًا میری طرف جھوٹ بات کی نسبت کرے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بڑے پایہ اور اونچے درجہ کی حدیث ہے اور اس کا شمار متواترات میں ہوتا ہے بلکہ دوسری متواتر حدیثیں اس کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی ہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث کو صحابہؓ کی ایک بہت بڑی جماعت نقل کرتی ہے چنانچہ بعض محدّثین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو باسٹھ صحابہؓ نے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

(۲) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ وَالْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ بِحَدِيْثٍ يُرٰى اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ)۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سمرہؓ[1] بن جندب اور مغیرہؓ[2] بن شعبہ رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص میری (طرف منسوب کر کے کوئی ایسی) حدیث بیان کرے جس کے بارے میں اس کا یہ خیال ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹے آدمیوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی حدیث کو لوگوں کے سامنے بیان کرے اور اس کی اشاعت کرے جو واقعۃً میری حدیث نہیں ہے اور پھر اس کو یہ معلوم بھی ہو کہ میں جو حدیث بیان کر رہا ہوں وہ حقیقت میں آنحضرت ﷺ کی حدیث نہیں ہے بلکہ وضع کی گئی ہے تو وہ شخص جس نے یہ جھوٹی حدیث وضع کی ہے اس لئے جھوٹا ہے کہ اس نے ذات رسالت کی طرف غلط اور جھوٹ بات کی نسبت کی ہے تو یہ شخص بھی جو اس حدیث کو بیان کر رہا ہے اس لئے جھوٹا اور کذاب ہے کہ وہ اشاعت کر کے اور یہ جان کر بھی کہ یہ غلط حدیث ہے دوسروں تک پہنچا کر اس شخص کی مدد کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح جھوٹی حدیث بنانے والا خدا کے عذاب میں گرفتار ہو گا اسی طرح اس کو بیان کرنے والے سے بھی آخرت میں مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سخت سزا دی جائے گی۔

(۳) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَآ اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ)) (متفق علیہ)

"اور حضرت معاویہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص کے لئے خدا تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور میں (علم کو) تقسیم کرنے والا ہوں عطا کرنے والا تو خدا ہی ہے۔" (بخاری و مسلم)

---

[1] نام گرامی سمرہ ابن جندب اور کنیت ابوسعد ہے ۵۸ھ، ۵۹ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ (اسد الغابہ)
[2] نام گرامی مغیرہ بن شعبہ ہے کنیت ابوعبداللہ اور بعض حضرات کے قول کے مطابق ابوعیسیٰ ہے ۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ (اسد الغابہ)

تشریح: اس حدیث سے علم اور عالم کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ جس شخص کو خداوند تعالیٰ خیرو بھلائی کے راستہ پر لگانا چاہتا ہے اسے علم کی دولت عنایت فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے کہ وہ کسی شخص کو دینی امور یعنی احکام شریعت اور راہ طریقت و حقیقت کی سمجھ عنایت فرمادے جو ہدایت و راستی اور خیرو بھلائی کی سب سے بڑی شاہراہ ہے۔

حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ علم کا مبداء حقیقی تو باری تعالیٰ کی ذات ہے میرا کام تو صرف یہ ہے کہ میں دینی مسائل اور شرعی احکام لوگوں تک پہنچادوں اور حدیث بیان کردوں۔ اب آگے خدا تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ جسے جتنا چاہے ان پر عمل کرنے کی توفیق اور غورو فکر کی صلاحیت عنایت فرمائے۔

④ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ((اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِیَارُهُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُهُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا)) (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ آدمی کان ہیں جس طرح سونے اور چاندی کی کان ہوتی ہے جو لوگ ایام جاہلیت میں بہتر تھے وہ زمانہ اسلام میں بھی بہتر ہیں اگر وہ سمجھیں۔" (مسلم)

تشریح: انسان کو معدن یعنی کان سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تشبیہ نیک اخلاق و عادات اور صفات و کمالات کی استعداد و صلاحیت کے تفاوت میں دی گئی ہے کہ جس طرح ایک کان میں لعل و یاقوت پیدا ہوتے ہیں تو دوسری کان میں سونا، چاندی اور بعض کان میں چونا، سرمہ، پتھر وغیرہ ہی پیدا ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی ذات ہے کہ بعض تو اپنے اخلاق و عادات اور صفات و کمالات کی بنا پر باعظمت اور باشوکت ہوتے ہیں بعض ان سے کچھ کم درجہ کے ہوتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان صفات میں انتہائی کمتر و بے وقعت ہوتے ہیں۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لانے سے پہلے حالت کفر میں بہترین خصائل و عادات کے مالک تھے مثلاً سخاوت و شجاعت، اخلاق و دیانتداری اور محبت و مروت کی بہترین صفات سے متصف تھے تو وہ اسلام لانے کے بعد بھی ان صفات کی بناء پر بہترین قرار دیئے گئے ہیں۔

ٹھیک ایسے ہی جیسے کہ سونا اور چاندی جب تک کان میں پڑے رہتے ہیں کہ وہ خاک میں پڑے رہنے کی وجہ سے اپنی اصلی حالت میں نہیں ہوتے جب انہیں کان سے نکال لیا جاتا ہے اور بھٹی میں ڈال کر تپایا جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی اصلی صورت میں آجاتے ہیں بلکہ ان کی آب و تاب میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب تک کوئی شخص کفر کی ظلمت میں چھپا رہتا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی باوقار ہو اور اس کے اندر کتنی ہی سخاوت ہو، کتنی ہی شجاعت ہو اسے برتری حاصل نہیں ہوتی، مگر جب کفر کے تمام پردوں کو چاک کر کے ظلم سے باہر نکلتا ہے اور ایمان و اسلام کو قبول کر کے علم دین میں کمال حاصل کر لیتا ہے اور پھر اپنے آپ کو ریاضت و مجاہدہ اور دینی محنت و مشقت کی بھٹیوں کے حوالہ کر دیتا ہے تو اس کے بعد نہ صرف یہ کہ وہ اپنی اصل حالت میں آجاتا ہے بلکہ علم و معرفت کی روشنی سے اس کا قلب و دماغ منور ہو جاتا ہے اور وہ عزت کی انتہائی بلندیوں پر جا پہنچتا ہے۔

⑤ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ((لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَیُعَلِّمُهَا)) (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دو شخصوں کے بارے میں حسد کرنا ٹھیک ہے ایک تو وہ شخص جسے خدا نے مال دیا اور پھر اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ دوسرا وہ شخص جسے خدا نے علم دیا چنانچہ وہ اس علم کے مطابق حکم کرتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حسد اسے کہتے ہیں کہ "کسی دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ آرزو کی جائے کہ یہ نعمت میرے پاس آجائے اور اس کے پاس سے ختم ہو جائے۔" ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بری خصلت اور انتہائی ذلت نفس کی بات ہے۔ اسلام جو اخلاق، پاکیزگی کا سب سے بڑا علمبردار ہے اس غیر اخلاقی اور ذلیل خصلت کو پسند نہیں کرتا اور اس سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ حسد کے مقابلہ میں غبطہ ہے۔ غبطہ اسے کہتے ہیں کہ کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ آرزو کی جائے کہ جیسی نعمت اس کے پاس ہے خدا اس نعمت سے مجھے بھی سرفراز فرمائے۔ شریعت اس کو جائز قرار دیتی ہے مگر یہ بھی اچھی باتوں مثلاً نیک اخلاق وعادات، بہترین خصائل اور فضل وکمال کے بارے میں جائز ہے چنانچہ اس حدیث میں جس حسد کے بارے میں فرمایا گیا ہے وہ غبطہ ہے۔

⑥ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةِ اَشْیَآءٍ: صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْلَهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ ① صدقہ جاریہ ② علم جس سے نفع حاصل کیا جائے ③ صالح اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے۔" (مسلم)

تشریح: ایسے اعمال جن کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہوتا ہے ان کے اثرات مرنے کے بعد دنیا ہی میں ختم ہو جاتے ہیں مثلاً نماز، روزہ وغیرہ ایسے اعمال ہیں جو انسان کی زندگی میں ادا ہوتے تھے گو کہ ان کا ثواب بایں طور باقی رہتا ہے کہ وہ ذخیرہ آخرت ہو جاتے ہیں اور مرنے کے بعد اس پر جزاء ملتی ہے مگر ان کا سلسلہ مرنے کے بعد آئندہ جاری نہیں رہتا۔ کیونکہ زندگی میں جب تک یہ اعمال ہوتے تھے اس کا ثواب ملتا رہتا تھا جب زندگی ختم ہو گئی تو یہ اعمال بھی ختم ہو گئے اور جب یہ اعمال ختم ہو گئے تو اس پر جزاء سزا کا ترتب بھی ختم ہو گیا۔

لیکن کچھ اعمال ایسے بھی ہیں جن کے ثواب کا سلسلہ نہ صرف یہ کہ زندگی میں ملتا ہے بلکہ مرنے کے بعد باقی وجاری رہتا ہے۔ ایسے ہی اعمال کے بارے میں اس حدیث میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تین اعمال ایسے ہیں کہ زندگی ختم ہو جانے کے بعد بھی ان کے ثواب کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور مرنے والا برابر اس سے منتفع ہوتا رہتا ہے۔

پہلی چیز صدقہ جاریہ ہے، یعنی اگر کوئی شخص خدا کی راہ میں زمین وقف کر گیا ہے یا کنواں وتالاب بنوا گیا ہے یا ایسے ہی مخلوق خدا کے فائدہ کی خاطر کوئی دوسری چیز اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جب تک یہ چیزیں قائم رہیں گی اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا۔

دوسری چیز علم نافع ہے یعنی کسی ایسے عالم نے وفات پائی جو اپنی زندگی میں لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتا رہا اور پھر اپنے علوم ومعارف کو کسی کتاب کے ذریعہ محفوظ کر گیا جو ہمیشہ لوگوں کے لئے فائدہ مند اور رشد وہدایت کا سبب بنی ہے یا کسی ایسے شخص کو اپنا شاگرد بنا گیا جو اس کے علم کا صحیح وارث ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو زندگی ختم ہونے کے بعد اس کے لئے سرمایہ وسعادت ثابت ہوں گی اور جن کا ثواب اسے وہاں برابر ملتا رہے گا۔

تیسری چیز اولاد صالح، ہے ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لئے سب سے بڑی سعادت اور وجہ افتخار اس کی اولاد صالح ہی ہوتی ہے اس لئے کہ صالح اولاد نہ صرف یہ کہ ماں باپ کے لئے دنیا میں سکون وراحت کا باعث بنتی ہے بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے وسیلہ نجات اور ذریعہ فلاح بھی بنتی ہے اور وہ اس طرح سے کہ لائق ونیک لڑکا اپنے والدین کی قبروں پر جاتا ہے وہاں فاتحہ پڑھتا ہے دعائے مغفرت کرتا ہے، قرآن پڑھ کر ان کو بخشتا ہے اور ان کی طرف سے خیرات وصدقات کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں مردہ کے لئے ثواب کا باعث ہیں جن سے وہ اخروی زندگی میں کامیاب ہوتا ہے۔

⑦ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً

مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَآئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ وَمَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ)) (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص دنیا کی سختیوں میں سے کسی مسلمان کی کوئی سختی اور تنگی دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن وہاں کی سختیاں اس سے دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندوں کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرتا رہتا ہے اور جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کے راستہ کو آسان کر دیتا ہے اور جب کوئی جماعت خدا کے گھر (مسجد یا مدرسہ) میں قرآن پڑھتی پڑھاتی ہے تو اس پر (خدا کی جانب سے) تسکین نازل ہوتی ہے۔ رحمت خداوندی اس کو اپنے اندر چھپالیتی ہے اور فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ اس جماعت کا ذکر ان (فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس رہتے ہیں اور جس نے عمل میں تاخیر کی آخرت میں اس کا نسب کام نہیں آئے گا۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی عظمت و برتری کا پتہ چلتا ہے، اسلام اپنی تعلیمات کے ذریعہ پوری انسانی برادری کے درمیان محبت و مروت، انسانی ہمدردی و رواداری، امداد و معاونت اور حسن سلوک کی اعلیٰ روح پیدا کرنا چاہتا ہے تا کہ انسان اخلاق و محبت کی ایک کڑی میں منسلک ہو کر پورے امن و سکون اور چین و راحت کے ساتھ حقوق عبدیت ادا کر سکیں۔

چنانچہ فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم قیامت کے دن کی سختی سے بچنا چاہتے ہو تو تم اپنے اس بھائی کی خبر گیری کرو جو دنیا کی سختی میں پھنسا ہوا ہے، اگر اس پر کوئی سخت وقت آپڑا ہے تو اس کی مدد کرو۔ اگر وہ زندگی کی کسی الجھن میں پھنسا ہوا ہے تو اسے چھٹکارا دلاؤ۔ اگر وہ مصائب و تکلیف میں مبتلا ہے تو ان کو اس سے دور کرو۔ اس لئے کہ حسن سلوک کا یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر تم آخرت کی سختیوں سے نہایت آسانی کے ساتھ گزر جاؤ گے۔

اعلان کیا جارہا ہے کہ اگر تم دین و دنیا دونوں جگہ کی آسانیاں چاہتے ہو، اگر تم اس کے متمنی ہو کہ دنیا کی کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چومے اور آخرت کی فلاح و سعادت تمہارے حصہ میں آئے تو اپنے اس بھائی کی مدد کرو جو تنگدست ہے۔ مفلسی و قلاشی کے جال میں پھنسا ہوا ہے، بے روزگاری و تباہ حالی کی چکی میں پس رہا ہے، مثلاً اگر وہ مقروض ہے اور خدا نے تمہیں وسعت دی ہے تو اس کا قرض ادا کر دو۔ اگر کوئی خود تمہارا مقروض ہے اور تم جانتے ہو کہ وہ قرض ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو تم اس کا قرض معاف کر دو، اگر کوئی انتہائی تباہ حال و پریشان ہے تو اس کی مدد کر کے تنگدستی سے اسے چھٹکارا دلاؤ۔ اگر کوئی اپنی ناداری و مفلسی کی بناء پر اپنی کسی سخت ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا تو تم اس کی اس ضرورت کو پورا کر دو اور پھر دیکھو خدا کی رحمت کس طرح بڑھ کر تمہیں اپنے دامن میں چھپاتی ہے۔ دنیا کی عزت و عظمت تمہارے قدموں میں کھیلتی نظر آئے گی اور زندگی کی ہر آسانی تمہارے لئے مہیا ہوگی اور نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی خدا کی رحمت تمہارے ساتھ ہوگی، وہاں کی ہر سختی اور ہر آزمائش میں تمہارا ہی حسن سلوک مددگار و معاون ہوگا اور تم وہاں کے ہر امتحان میں کامیاب رہو گے۔ اسی طرح فرمایا گیا ہے کہ اگر تم دنیا و آخرت میں اپنے عیوب کی پردہ پوشی چاہتے ہو تو تم دنیا میں اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرو۔ یعنی کسی کے عیب کو لوگوں کے سامنے بیان کر کے اسے رسوا اور ذلیل نہ کرو۔ یا اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اسے لوگوں کے سامنے ظاہر کر کے اور بر سرعام اچھال کر اسے شرمندہ نہ کرو کیونکہ یہ خدا کا معاملہ ہے وہ اگر چاہے گا تو اسے دنیا ہی میں یا آخرت میں سزا دے گا ورنہ اپنی رحمت سے اسے معاف کر دے گا۔

یا پردہ پوشی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی ناداری و مفلسی کی بنا پر لباس کی نعمت سے محروم ہے اور اتنا تنگدست و غریب ہے کہ اپنے

ستر کو بھی نہیں چھپا سکتا تو چاہئے کہ اپنے اس نادار بھائی کی ستر پوشی کرے اس لئے کہ جو اپنے بھائی کی ستر پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا میں اور قیامت میں اس کے عیوب اور گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے گا اور آخر میں عمومی طور پر یہ کلیہ بتا دیا گیا ہے کہ جب تک کوئی بندہ اپنے کسی بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اور خدا کی مخلوق کی خبر گیری میں مصروف رہتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت رہتی ہے۔

حدیث میں طلب علم اور طالب علم کی فضیلت بھی ظاہر فرمائی جا رہی ہے، چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو شخص علم دین کے حصول کے لئے اپنے وطن و شہر کو چھوڑ کر عزیز و اقارب سے جدا ہو کر اور عیش و آرام پر لات مار کر حصول علم کے جذبہ سے باہر نکلتا ہے اور تلاش علم کے لئے راہ مسافرت پر گامزن ہوتا ہے تو خداوند قدوس اس کی ریاضت و مشقت اور جان کاہی و پریشانی کی وجہ سے اس پر بہشت کی راہ آسان کر دیتا ہے یعنی طالب علم کی کوششوں کے صلہ میں اسے جنت میں داخل کیا جائے گا یا یہ کہ اسے خداوند کی جانب سے اس عظیم سعادت کی توفیق ہوگی کہ اس نے جس علم کی تلاش میں اتنی مصیبتوں اور پریشانیوں کو برداشت کیا اس پر وہ نیک عمل بھی کرے جو جنت میں داخل ہونے کا سبب اور باعث ہے۔

اسی طرح جو لوگ مساجد و مدارس میں حصول علم میں منہمک ہوتے ہیں اور قرآن کے علوم و معارف سے استفادہ کرنے اور دوسروں کو پڑھانے میں مشغول ہوتے ہیں ان پر خدا کی جانب سے بے پایاں رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان پر خدا کی جانب سے تسکین کا نزول ہوتا ہے یعنی طلب علم کے سلسلہ میں ان کے اندر خاطر جمعی اور دل بستگی ودیعت فرمائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کے قلوب دنیا کے عیش و عشرت، راحت و آرام اور غیر اللہ کے خوف و ڈر سے پاک و صاف ہو کر ہر وقت خدا کی طرف لو لگائے رہتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل نور الٰہی کی مقدس روشنی سے جگمگا اٹھتے ہیں نیز فرشتے ان کی عزت و توقیر کرتے ہیں اور فرط عقیدت سے ان لوگوں کو گھیرے رہتے ہیں اور پھر خداوند قدوس اس مقدس جماعت کا تذکرہ جو درس و تدریس میں مشغول ہوتی ہے اپنے ان فرشتوں کے درمیان کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں، یہ اس جماعت کی انتہائی عظمت و فضیلت کی دلیل ہے۔

آخر حدیث میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی و کامرانی اور فلاح و سعادت کا دارومدار عمل پر ہے۔ اگر دنیا میں عمل خیر میں کوتاہی نہیں تو آخرت میں عزت و عظمت کا حقدار ہوگا اور دنیا میں کسی نے عمل میں کوتاہی کی اگرچہ وہ دنیا میں کتنا ہی با اقبال و با عظمت کیوں نہ رہا ہو اور کتنا ہی بڑا حسب و نسب والا کیوں نہ ہو آخرت میں اس سے باز پرس ہوگی اور وہاں دنیا کی عالی نسبی اور وجاہت کچھ کام نہیں دے گی ۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی — کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(یعنی اے جامی) جب تم اسیر عشق ہو گئے تو حسب و نسب کے چکر میں نہ پڑو کیونکہ اس راہ میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں ہے۔

⑧ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اُسْتُشْهِدْتُّ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُّقَالَ جَرِيْئٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ اِنَّكَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ)) (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن پہلا شخص جس پر (خلوص نیت کو ترک کر دینے کا)

حکم لگایا جائے گا وہ ہو گا جسے (دنیا میں) شہید کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ (میدان حشر میں) وہ پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی (دی ہوئی) نعمتیں یاد دلائے گا جو اسے یاد آجائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کام کیا؟ یعنی اللہ اسے اپنی نعمتیں جتا کر الزاماً فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکرانہ میں کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں تیری راہ میں لڑا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے کیونکہ تو اس لئے لڑا تھا تاکہ تجھے بہادر کہا جائے چنانچہ تجھے (بہادر کہا گیا) اور تیرا اصل مقصد مخلوق سے حاصل ہوا اب مجھ سے کیا چاہتا ہے، پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل کھینچا جائے، یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا، پھر (دوسرا) وہ شخص ہو گا جس نے علم حاصل کیا، دوسروں کو تعلیم دی اور قرآن کو پڑھا چنانچہ اسے بھی (خدا کے حضور میں) لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی عطا کی ہوئی) نعمتیں یاد دلائے گا جو اسے یاد آجائیں گی پھر خدا پوچھے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور تیرے ہی لئے قرآن پڑھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے تو علم محض اس لئے حاصل کیا تھا تاکہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لئے پڑھا تھا تاکہ تجھے لوگ قاری کہیں، چنانچہ تجھے (عالم وقاری) کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر (تیسرا) وہ شخص ہو گا جس کو اللہ نے (معیشت میں) وسعت دی اور ہر قسم کا مال عطا فرمایا۔ اس کو بھی خدا کے حضور میں لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی عطا کی ہوئی) نعمتیں یاد دلائے گا جو اسے یاد آجائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں نے کوئی ایسی راہ نہیں چھوڑی جس میں تو خرچ کرنا پسند کرتا ہو اور تیری خوشنودی کے لئے میں نے اس میں خرچ نہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے خرچ اس لئے کیا تاکہ تجھے (سخی) کہا جائے اور تجھے (سخی) کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔" (مسلم)

تشریح: اعمال میں نیت کا کیا درجہ ہے؟ اور خلوص کی کتنی ضرورت ہے؟ اس حدیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے بندہ کتنے بڑے سے بڑا عمل خیر کرے، بڑی سے بڑی نیکی کر ڈالے لیکن اگر اس کی نیت بخیر نہیں ہے تو اس کا وہ عمل اور نیکی کسی کام نہیں آئے گی خدا کو وہی عمل پسند ہے جس میں محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کی نیت ہو اور جذبہ اطاعت خلوص سے بھرپور ہو، ورنہ جو بھی عمل بغیر اخلاص اور بغیر نیت خیر کیا جائے گا چاہے وہ کتنا ہی عظیم عمل کیوں نہ ہو بارگاہ الوہیت سے ٹھکرا دیا جائے گا اور اس پر کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہو گا بلکہ الٹا عذاب خداوندی میں گرفتار کیا جائے گا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔

(۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ((اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا یَنْتَزِعُہٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُھَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا)) (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ علم کو (آخری زمانہ میں) اس طرح نہیں اٹھالے گا کہ لوگوں (کے دل و دماغ) سے اسے نکال لے بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو (اس دنیا سے) اٹھالے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے لہٰذا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔" (بخاری ومسلم)

(۱۰) وَعَنْ شَقِیْقٍ قَالَ: کَانَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ یُذَکِّرُ النَّاسَ فِیْ کُلِّ خَمِیْسٍ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ یَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُّ اَنَّکَ ذَکَّرْتَنَا فِیْ کُلِّ یَوْمٍ قَالَ اَمَا اِنَّہٗ یَمْنَعُنِیْ مِنْ ذٰلِکَ اِنِّیْ اَکْرَہُ اَنْ اُمِلَّکُمْ وَاِنِّیْ اَتَخَوَّلُکُمْ بِالْمَوْعِظَۃِ کَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَخَوَّلُنَا بِھَا مَخَافَۃَ السَّآمَۃِ عَلَیْنَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت شقیقؒ[1] راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کے روز لوگوں کے سامنے وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے (ایک روز) ایک شخص نے عرض کیا۔ اے ابو عبدالرحمن! میری خواہش ہے کہ آپ ہمارے درمیان روزانہ وعظ و نصیحت کیا کریں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں ایسا اس لئے نہیں کرتا کہ اس سے تم لوگ تنگ ہو جاؤ گے، میں نصیحت کے معاملہ میں تمہاری خبر گیری اس طرح کرتا ہوں جیسا کہ ہماری نصیحت کے معاملہ میں آنحضرت ﷺ ہماری خبر گیری کیا کرتے تھے اور ہمارے اکتا جانے کا خیال رکھتے تھے۔"

(بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ کے معاملہ میں اعتدال سے کام لینا چاہئے۔ ہر وقت اور ہر موقعہ پر وعظ و نصیحت نہیں کرنی چاہئے اس لئے کہ اس سے لوگوں کے دل اچاٹ ہو جاتے ہیں اور وہ اکتا جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی بات دل جمعی و سکون خاطر سے نہیں سنتے اس لئے ان پر کوئی اچھا اثر بھی مرتب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس معاملہ میں ڈانٹ ڈپٹ، لعنت پھٹکار اور بد مزاجی و بد اخلاقی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے مخاطب کے ذہن پر برا اثر پڑتا ہے جس سے بجائے اس کے کہ وہ اس کا کوئی نیک اثر قبول کرے اور زیادہ منحرف ہو جاتا ہے۔

جو نصیحت اپنے وقت پر اور نہایت اخلاق و متانت اور انتہائی محبت و شفقت سے کی جاتی ہے دراصل وہی مخاطب کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کا بہترین ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ وَاِذَا اَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب کوئی بات کہتے تو اس کو تین مرتبہ فرماتے یہاں تک کہ لوگ اسے اچھی طرح سمجھ لیتے اور جب آپ ﷺ کسی جماعت کے پاس آتے اور سلام کرنے کا ارادہ فرماتے تو تین مرتبہ سلام کرتے۔" (بخاری)

تشریح: اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ ہر گفتگو کے موقع پر ایسا عمل اختیار فرماتے ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کوئی بہت اہم بات فرماتے ہوں گے یا کسی خاص مسئلہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہوگی، یا کوئی دینی حکم بیان کرنا ہوتا ہوگا اور یہ ارادہ ہوتا ہو کہ اس بات کو بطور خاص بیان کرنا ہے یا یہ خیال گزرتا ہو کہ لوگوں نے بات اچھی طرح سنی نہ ہوگی تو آپ ﷺ تین مرتبہ اعادہ فرماتے اور اس بات کو بار بار کہتے تا کہ لوگ خوب سن لیں اور اچھی طرح سمجھ لیں۔

ایسے ہی تین مرتبہ سلام اس طرح کرتے تھے کہ ایک سلام تو آپ ﷺ اس وقت کرتے تھے جب مکان میں اندر جانے کی اجازت طلب فرماتے تھے، دوسرا سلام تحیۃ کرتے تھے (یہ سلام ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے) اور تیسرا سلام رخصت کے وقت کرتے تھے۔

(۱۲) وَعَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهٗ اُبْدِعَ بِيْ فَاحْمِلْنِيْ فَقَالَ مَا عِنْدِيْ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اَدُلُّهٗ عَلٰى مَنْ يَّحْمِلُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ)) (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو مسعودؓ انصاریؓ[2] راوی ہیں کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری سواری چلنے سے عاجز ہوگئی ہے آپ ﷺ مجھے سواری عنایت فرما دیجئے! آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے (کہ تمہیں دے دوں) ایک

---

[1] شقیق ابن مسلمہ نام اور کنیت ابو وائل ہے۔ آپ تابعی ہیں حجاج کے زمانہ میں وفات ہوئی بعض کہتے ہیں کہ ۹۹ھ میں وفات پائی ہے۔

[2] آپ کا اسم گرامی عقبہ ابن عمرہ ہے مگر یہ بھی کنیت ابو مسعود انصاری سے مشہور ہیں۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال ہوا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں ہوئی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اسے ایسا شخص بتلاتا ہوں جو اسے سواری دے دے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی بھلائی کی طرف راہ نمائی کرے تو اسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس بھلائی پر عمل کرنے والے کو۔" (مسلم)

(۱۳) وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ كُنَّا فِيْ صَدْرِ النَّهَارِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَآءَ قَوْمٌ عُرَاةٌ مُجْتَابِي النِّمَارِ اَوِ الْعَبَآءِ مُتَقَلِّدِي السُّيُوْفِ عَامَّتُهُمْ مِنْ مُضَرَ بَلْ كُلُّهُمْ مِنْ مُضَرَ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا رَاٰى بِهِمْ مِنَ الْفَاقَةِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَاَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ وَاَقَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ (يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ) اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ (اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا. وَالْاٰيَةَ الَّتِيْ فِي الْحَشْرِ اِتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ) تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِّنْ دِيْنَارِهٖ، مِنْ دِرْهَمِهٖ، مِنْ ثَوْبِهٖ، مِنْ صَاعِ بُرِّهٖ، مِنْ صَاعِ تَمْرِهٖ حَتّٰى قَالَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ قَالَ فَجَآءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ بِصُرَّةٍ كَادَتْ كَفُّهٗ تَعْجِزُ عَنْهَا بَلْ قَدْ عَجَزَتْ ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ حَتّٰى رَاَيْتُ كَوْمَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَثِيَابٍ حَتّٰى رَاَيْتُ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَلَّلُ كَاَنَّهٗ مُذْهَبَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جریرؓ[1] راوی ہیں کہ (ایک روز) ہم دن کے ابتدائی حصہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک قوم آپ ﷺ کی خدمت میں آئی جو ننگے بدن تھی اور عبا یا کمبل لپیٹے ہوئے تھی اور گلے میں تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔ ان میں سے اکثر بلکہ سب کے سب قبیلہ مضر کے لوگ تھے۔ ان پر فاقہ کا اثر دیکھ کر آنحضرت ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا آپ ﷺ (ان کے لئے کھانے کی تلاش میں) گھر میں تشریف لے گئے اور (جب گھر میں کچھ نہ ملا) تو واپس تشریف لائے اور حضرت بلالؓ کو (اذان کہنے کا) حکم دیا، حضرت بلالؓ نے آذان کہی اور تکبیر پڑھی اور جمعہ کی یا ظہر کی نماز پڑھی گئی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور یہ آیت پڑھی یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، الایۃ ترجمہ! "اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا ہے۔" پوری آیت تلاوت کی جس کا آخری حصہ یہ ہے۔ "البتہ اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے۔" اور پھر یہ آیت آپ ﷺ نے پڑھی جو سورۂ حشر میں ہے وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ الایۃ ترجمہ! "(اے ایمان والو!) اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے۔" پھر آپ ﷺ سے فرمایا۔ "خیرات کرے آدمی اپنے دینار میں سے، اپنے درہم میں سے، اپنے کپڑے میں سے، اپنے گیہوں کے پیمانے میں سے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ خیرات کرے اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک انصاری شخص دینار یا درہم سے بھری ہوئی ایک تھیلی لایا جس کے وزن سے اس کا ہاتھ تھکنے کے قریب تھا بلکہ تھک گیا تھا۔ پھر لوگوں نے پے در پے چیزوں کا لانا شروع کر دیا یہاں تک کہ میں نے دو تولے غلہ اور کپڑے کے (جمع شدہ) دیکھے پھر میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کا چہرہ اقدس (خوشی کی وجہ سے) کندن کی طرح چمک رہا تھا، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اسلام میں کسی نیک طریقہ کو رائج کرے تو اسے اس کا بھی ثواب ملے گا اور اس کا ثواب بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے لیکن عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس شخص نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو رائج کیا تو اسے اس کا بھی گناہ ہوگا اور اس شخص کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ لیکن عمل کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔" (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جو پہلی آیت تلاوت فرمائی وہ سورۂ نسا میں ہے، اس آیت میں خیرات کرنے اور قرابت داروں سے حسن

---

[1] آپ کا اسم گرامی جریر بن عبداللہ ہے اور کنیت ابو عمرو یا ابو عبداللہ ہے قبیلہ بجیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چالیس دن قبل اسلام کی نعمت سے مشرف ہوئے تھے اور مقام قرقیسیا میں ۵۱ھ یا ۵۴ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو خیرات کرنے اور آنے والی جماعت کی امداد واعانت پر ترغیب دلائی۔

شروع حدیث میں راوی کا بیان ہے کہ آنے والی جماعت کمبل یا عبا لپیٹے ہوئے تھی۔ راوی کا اشتباہ ہے کہ یا تو حدیث میں لفظ النمار ہے یا العباء ہے۔ بہرحال دونوں کمبل کی قسمیں ہیں اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا اِلَّا کَانَ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ کِفْلٌ مِّنْ دَمِھَا لِاَنَّہٗ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَسَنَذْکُرُ حَدِیْثَ مُعَاوِیَۃَ لَا یَزَالُ طَآئِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فِیْ بَابِ ثَوَابِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

"اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص ظلم کے طریقہ پر قتل کیا جاتا ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے قابیل پر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔ (بخاری و مسلم) (اور معاویہ ؓ کی وہ حدیث جس کی ابتداء یہ ہے "لایزال امتی" ہم انشاء اللہ "باب ثواب هذه الامة" میں بیان کریں گے۔"

تشریح: انسانی ظلم و ستم کی تاریخ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل کی زندگی سے شروع ہوتی ہے جس نے اپنی ایک انتہائی معمولی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور انسانی تاریخ کا یہ سب سے پہلا خونی واقعہ تھا جس نے ناحق خون بہانے کی بنیاد ڈالی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب کوئی نیک طریقہ رائج کرتا ہے تو اسے اس نیک کام کا ثواب بھی ملتا ہے، اسی طرح برا طریقہ رائج کرنے والے کو خود اس عمل کا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والے کا بھی گناہ ملتا ہے۔

اسی لئے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ جب بھی کوئی شخص ظلم کے طریقہ پر قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ قابیل پر بھی ہوتا ہے اس لئے کہ ناحق خون بہانے اور ظلم و ستم کے ساتھ قتل کا اول موجد وہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۱۵) عَنْ کَثِیْرِ بْنِ قَیْسٍ قَالَ: کُنْتُ جَالِسًا مَعَ اَبِی الدَّرْدَآءِ فِیْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا اَبَا الدَّرْدَآءِ اِنِّیْ جِئْتُکَ مِنْ مَدِیْنَۃِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِحَدِیْثٍ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ تُحَدِّثُہٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا جِئْتُ لِحَاجَۃٍ قَالَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ فِیْہِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیْقًا مِّنْ طُرُقِ الْجَنَّۃِ وَاِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا رِضًی لِّطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالْحِیْتَانُ فِیْ جَوْفِ الْمَآءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِیَآءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ وَسَمَّاہُ التِّرْمِذِیُّ قَیْسَ بْنَ کَثِیْرٍ۔

"حضرت کثیر ابن قیس کہتے ہیں کہ میں (ایک صحابی) حضرت ابو درداؓ کے پاس دمشق (شام) کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے شہر سے آپ کے پاس ایک حدیث کے لئے آیا ہوں جس کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسے آپ سرکار دو عالم ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ آپ کے پاس میرے آنے کی اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہے (یہ سن کر) حضرت ابو درداؓ نے فرمایا۔ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے یہ سنا کہ جو شخص کسی راستہ کو (خواہ وہ لمبا ہو یا مختصر) علم دین حاصل کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہشت کے راستہ پر چلاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں اور

عالم کے لئے ہر وہ چیز جو آسمانوں کے اندر ہے (یعنی فرشتے) اور جو زمین کے اوپر ہے (یعنی جن و انس) اور مچھلیاں جو پانی کے اندر ہیں دعائے مغفرت کرتی ہیں اور عابد پر عالم کو ایسی ہی فضیلت ہے جیسے کہ چودھویں کا چاند تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے اور عالم انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء وراثت میں دینار و درہم نہیں چھوڑ گئے ہیں، ان کا ورثہ علم ہے لہٰذا جس نے علم حاصل کیا اس نے کامل حصہ پایا۔ احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ اور ترمذیؒ نے راوی کا نام قیس ابن کثیر ذکر کیا ہے (لیکن صحیح کثیر بن قیس ہی ہے جیسا کہ صاحب مشکوۃ نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: صحابی کی خدمت میں آنے والے کی علمی طلب اور حصول دین کے حقیقی جذبہ کا اظہار ہوتا ہے کہ اس نے آتے ہی سب سے پہلے یہی کہا تھا کہ آپ کے پاس آنے سے میری غرض کوئی دینوی منفعت یا محض ملاقات نہیں ہے بلکہ میں تو علم دین کے حصول کا حقیقی اور پر خلوص جذبہ لے کر آیا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ کی زبان سے سرکار دو عالم ﷺ کی مقدس حدیث سن کر اپنے قلب و دماغ کو علوم نبوی کی ایک روشنی سے منور کروں۔

ہو سکتا ہے کہ طالب مذکور نے جس حدیث کے سننے کی طلب کی تھی وہ حدیث انھوں نے اجمالی طور پر سنی ہو اب ان کی خواہش یہ تھی کہ اس کو تفصیلی طور پر سن لیں یا یہ کہ وہ حدیث انھوں نے تفصیل کے ساتھ ہی (کسی دوسرے سے) سن رکھی ہو مگر اس جذبہ کے ساتھ حضرت ابوالدرداء کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حدیث کو بلا واسطہ صحابیؓ سے سنیں۔

ابودرداء نے سائل کے جواب میں جو حدیث بیان فرمائی ہو سکتا ہے کہ وہ یہی حدیث ہو اور یہی حدیث اس کا مطلوب ہو، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث جو یہاں نقل کی گئی ہے وہ طالب کا مطلوب نہ ہو بلکہ چونکہ طالب نہایت مشقت و پریشانی برداشت کر کے اور دور دراز کا سفر طے کر کے طلب علم اور حصول حدیث کی خاطر آیا تھا۔ اس لئے اس کی سعادت و خوش بختی کے اظہار کے طور پر اس کا ثواب بیان کیا اور اس کی مطلوبہ حدیث انھوں نے بیان کی وہ چونکہ اس باب کے مناسب نہیں تھی اس لئے مصنف کتاب نے اسے یہاں نقل نہیں کیا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب طالب علم، علم کی خاطر اپنے گھر سے نکلتا ہے اور راہ مسافرت اختیار کرتا ہے تو فرشتے اس کی رضامندی کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اس کی تشریح میں کہا جاتا ہے کہ یا تو واقعی طالب علم کے شرف و عزت کی خاطر فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں یا پھر طالب علم کی عظمت اور اس کی طرف رحمت خداوندی کے نزول کے لئے یہ کنایہ ہے۔

نیز فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں خدا کی جتنی بھی مخلوق ہے سب کی سب عالم کی مغفرت کے لئے دعا کرتی ہے۔ اس کے بعد پھر صراحت کی گئی کہ پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی اس کے لئے استغفار کرتی ہیں ظاہر ہے کہ زمین کی مخلوق میں مچھلیاں بھی شامل ہیں ان کو بظاہر الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی مگر اس میں نکتہ یہ ہے کہ اس سے دراصل عالم کی انتہائی فضیلت و عظمت کا اظہار مقصود ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ پانی کا برسنا جو رحمت خداوندی کی نشانی اور نعمت الٰہی کی علامت ہے اور دنیا کی اکثر آسانیاں و راحتیں جو اسی سے حاصل ہوتی ہیں اور تمام خیر و بھلائی جو اس کے علاوہ ہیں سب کی سب عالم ہی کی برکت سے ہیں یہاں تک کہ مچھلیوں کا پانی کے اندر زندہ رہنا جو خود قدرت خداوندی کی ایک نشانی ہے، علماء ہی کی برکت کی بنا پر ہے۔

اس حدیث میں عالم اور عابد کے فرق کو بھی ظاہر کرتے ہوئے عابد پر عالم کو فوقیت اور برتری دی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم کا فائدہ متعدی ہے یعنی اس کا فیضان صرف اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں ہے اسی لئے عالم اور عابد کو چاند ستاروں سے مشابہت دی گئی ہے کہ جس طرح چودھویں کا چاند جب اپنی پوری تابانی اور جلوہ ریزی کے ساتھ آسمان پر نمودار ہوتا ہے تو دنیا کی تمام مخلوق اس سے مستنیر ہوتی ہے اور اس کی روشنی تمام جگہ پہنچتی ہے جس سے دنیا فائدہ اٹھاتی ہے مگر ستارہ خود اپنی جگہ تو روشن و منور ہوتا ہے مگر اس کا فیضان اتنا عام نہیں ہوتا کہ اس کی روشنی تمام جگہ پھیل سکے اور سب کو فائدہ پہنچا سکے۔

اگر کوئی یہ اشکال کر بیٹھے کہ عالم اور عابد میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ اگر کوئی عالم محض علم پر بھروسہ کر بیٹھے اور علم پر نہ عمل کرے تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسی طرح عابد بغیر علم کے عابد نہیں ہو سکتا کیونکہ عبادت کی حقیقی اور اصلی روح علم ہی میں پوشیدہ ہے اس لئے عبادت بغیر علم کے صحیح طور پر ادا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جو عالم بالکل باعمل ہوگا وہی عابد بھی ہوگا اور جو عابد ہوگا وہی عالم باعمل بھی ہوگا۔ اس لئے دونوں میں فرق کیا ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عالم سے مراد وہ شخص ہے جو تحصیل علم کے بعد عبادات ضروریہ مثلاً فرائض واجبات اور سنن و مستحبات پر اکتفا کر کے اپنے اوقات کا بقیہ حصہ درس و تدریس میں مشغول رکھتا ہے یعنی اس کا کام درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور دین کی ترویج و اشاعت ہوتا ہے۔ اور عابد سے مراد وہ شخص ہے جو تحصیل علم کے بعد اپنی زندگی کا تمام حصہ صرف عبادت ہی عبادت میں صرف کرتا ہے، نہ اسے علم کی اشاعت سے دلچسپی ہوتی ہے اور نہ تعلیم و تعلّم اس کا مقصد ہوتا ہے بلکہ وہ ہمہ وقت عبادت ہی میں مشغول رہتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر علم کی اشاعت اور تعلیم و تعلّم کی فضیلت کا گہرا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ عمل افادیت کے اعتبار سے سب سے بلند مقام رکھتا ہے اور جو ہر حال میں عبادت پر افضل ہے جیسا کہ اکثر احادیث سے بھی ثابت ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ عالم اور عابد میں اس اعتبار سے فرق ہے اور عابد پر عالم کو فوقیت حاصل ہے۔

شرح السنۃ میں حضرت سفیان ثوریؒ کا قول منقول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں آج طالب علم سے افضل کوئی دوسری چیز نہیں جانتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا لوگوں کے خلوص نیت میں فضیلت نہیں ہے۔ انھوں نے فرمایا طلب علم خود نیت کا سبب ہے یعنی نیت اس سے اپنے آپ ہی سنور جاتی ہے۔

چنانچہ بعض علماء کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ انھوں نے کہا ہم نے علم غیر اللہ کے لئے حاصل کیا مگر بعد میں وہ اللہ ہی کے لئے ہو گیا، یعنی ہماری نیت پہلے مخلص اور صاف نہیں تھی مگر جب طلب علم کا حقیقی جذبہ پیدا ہوا اور علم کی روشنی نے قلب کو منور کیا تو نیت مخلص اور صحیح ہو گئی۔

علم کی فضیلت کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں علم کا طلب کرنا نماز نفل سے افضل ہے کیونکہ وہ علم جسے طلب کیا جا رہا ہے یا تو وہ فرض عین ہوگا یا فرض کفایہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں نفل سے بہر حال افضل ہیں۔

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاہِلِیِّ قَالَ ذُکِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ: اَحَدُھُمَا عَابِدٌ وَالْاٰخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَآئِکَتَہٗ وَاَھْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتَّی النَّمْلَۃَ فِیْ جُحْرِھَا وَحَتَّی الْحُوْتَ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ الدَّارِمِیُّ عَنْ مَکْحُوْلٍ مُرْسَلًا وَلَمْ یَذْکُرْ رَجُلَانِ وَقَالَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ ثُمَّ تَلَا ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ (اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا) وَسَرَدَ الْحَدِیْثَ اِلٰی اٰخِرِہٖ۔ (ترمذی)

"اور حضرت ابی امامہ باہلیؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم (یعنی آپ سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں افضل کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ میری فضیلت اس شخص پر جو تم میں سے ادنیٰ درجہ کا ہو۔ پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور آسمانوں و زمین کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں اس شخص کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی (یعنی علم دین) سکھاتا ہے ترمذی اور دارمی نے اس روایت کو مکحول سے مرسل طریقہ پر نقل کیا ہے جس میں لفظ رجلان کا ذکر نہیں ہے اور کہا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عابد پر عالم کو ایسی ہی فضیلت ہے جیسی مجھے تمہارے میں سے ادنیٰ آدمی پر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ترجمہ: "خدا کے بندوں میں علماء ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔" اور پھر پوری حدیث آخر تک اسی

طرح بیان کی ہے۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو بہت زیادہ عظمت و فضیلت حاصل ہوتی ہے اور اسے عابد پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے عابد اور عالم دونوں میں یہ فرق ظاہر کیا ہے کہ جس طرح میں تم میں سے اس شخص پر فضیلت رکھتا ہوں جو تم میں سے سب سے ادنیٰ درجہ کا ہو اسی طرح ایک عالم بھی عابد پر فضیلت رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ایک ادنیٰ شخص پر جو فضیلت حاصل ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اب اس کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ ایک عالم کو عابد پر فضیلت کس مرتبہ اور درجہ کی ہوگی۔

آخر حدیث میں کہا گیا ہے کہ اسی حدیث کو دارمیؒ نے مکحول سے بطریق مرسل نقل کیا ہے اور اس میں اس حدیث کے ابتدائی الفاظ رجلان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے یعنی ان کی روایت میں یہ الفاظ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم بلکہ ان کی روایت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتی ہے۔

(۱۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ النَّاسَ لَکُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ رِجَالًا یَاْتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ یَتَفَقَّھُوْنَ فِی الدِّیْنِ فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِھِمْ خَیْرًا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لوگ تمہارے (یعنی صحابہؓ کے) تابع ہیں اور بہت سے لوگ علم دین سیکھنے اطراف عالم سے تمہارے پاس آئیں گے۔ لہٰذا جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا۔" (ترمذی)

تشریح: اس ارشاد کا مقصد صحابہؓ کو یہ بتانا ہے کہ میرے بعد چونکہ تمہاری ہی ذات دنیا کے لئے راہ بر و راہنما ہوگی اور تم ہی لوگوں کے پیشوا و امام بنو گے اس لئے تمام دنیا کے لوگ تمہارے پاس علم دین طلب کرنے اور میری احادیث حاصل کرنے آئیں گے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ وہ آئیں تو تم ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو، ان کی نگہداشت اور تربیت میں کوتاہی نہ کرو، اور ان کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کرو، نیز ان کے قلوب کو علم دین کی اس مقدس روشنی سے جس سے تمہارے قلوب براہ راست فیضیاب ہو چکے ہیں منور کرو۔

(۱۸) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْحَکِیْمِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَاِبْرَاھِیْمُ بْنُ الْفَضْلِ الرَّاوِیْ یُضَعَّفُ فِی الْحَدِیْثِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ (دین میں) فائدہ دینے والی بات دانش مند آدمی کا مطلوب ہے لہٰذا وہ جہاں اسے پائے اس کا مستحق ہے۔ اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس حدیث میں ایک راوی ابراہیم ابن فضل ہیں جن کو (روایت حدیث میں) ضعیف خیال کیا جاتا ہے۔" (ترمذی و ابن ماجہؒ)

تشریح: یہ حدیث دانشمندی اور صاحب فہم انسان کو یہ احساس و شعور بخش رہی ہے کہ جب کسی سے دین کی کوئی فائدہ مند بات سنی جائے تو عقل کا یہ تقاضہ ہونا چاہئے کہ فوراً اسے قبول کر کے اس پر عمل کیا جائے اس لئے کہ عقل و خرد کا یہی تقاضا انسان کی معراج کا ضامن ہوتا ہے۔ یہ انتہائی بے وقوفی اور کم ظرفی کی بات ہے کہ اگر کوئی مفید اور بہتر بات کسی ایسے شخص سے سنی جائے جو اپنے سے کمتر و کم رتبہ ہو تو اس کو اس لئے ناقابل اعتناء اور ناقابل عمل قرار دے دیا جائے کہ وہ بڑی بات اور چھوٹا منہ ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اس بہتر و حق بات کو تو قابل قبول عمل جانے جو حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے صاحب عقل و تقدس ہستی سے منقول ہو۔ مگر جب وہی بات اپنی کسی کنیز اور لونڈی سے سنے تو اسے ناقابل اعتناء سمجھے تو وہ شخص مغرور و متکبر کہلائے گا۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش گر نوشت ست پند بر دیوار

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔
(رواه الترمذی وابن ماجة)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایک فقیہ (یعنی عالم دین) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔" (ترمذیؒ وابن ماجہؒ)

تشریح: مقابلہ کا یہ مسلم اصول ہے کہ کامیابی اس شخص کے حصہ میں آتی ہے جو اپنے مدمقابل کے داؤ پیچ سے بخوبی واقف ہو اور اس کا توڑ جانتا ہو۔

چنانچہ ہم خود دیکھتے ہیں کہ مقابلہ کے اکھاڑہ میں وہ شخص جو اپنے ظاہری قویٰ اور جسم کے اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا اپنے اس مقابل کو پچھاڑ دیتا ہے جو جسم وبدن کے اعتبار سے اس سے کئی گنا زیادہ طاقت ور ہوتا ہے کیونکہ وہ جب مقابلہ میں آتا ہے تو اس کا دماغ بنیادی طور پر مقابل کے ہروار سے بچاؤ کی شکل اور اس کے ہرداؤ کا جواب اپنے خزانہ میں رکھتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کامیابی اسی ہی سے ہوتی ہے۔

دنیا میں باطنی طور پر انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے جو اپنے مکرو فریب کی طاقت سے لوگوں کو گمراہی کی وادی میں پھینکتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو شیطان کے مکرو فریب سے واقف نہیں ہوتے اور اس کی طاقت و قوت کا جواب نہیں رکھتے وہ گمراہ ہو جاتے ہیں مگر ایسے لوگ جو ان کے ہرداؤ کا جواب رکھتے ہیں اور اس کی طاقت و قوت کی شہ رگ پر ان کا ہاتھ ہوتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ خود اس کی گمراہی سے محفوظ رہتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی محفوظ رکھتے ہیں اور یہ لوگ وہی عالم ہوتے ہیں جن کے قلب و دماغ نور الٰہی کی مقدس روشنی سے منور اور ان کے ذہن و فکر علم و معرفت کی طاقت سے بھرپور ہوتے ہیں۔

اسی لئے اس حدیث میں فرمایا جارہا ہے کہ شیطان کے مقابلہ میں ایک ہزار عابد جتنی طاقت رکھتے ہیں اتنی طاقت تنہا ایک عالم کے پاس ہوتی ہے کیونکہ جب شیطان لوگوں پر اپنے مکرو فریب کا جال ڈالتا ہے اور انھیں خواہشات نفسانی میں پھنسا کر گمراہی کے راستہ پر لگادینا چاہتا ہے تو عالم اس کی چال سمجھ لیتا ہے چنانچہ وہ لوگوں پر شیطان کی گمراہی کو ظاہر کرتا ہے اور ایسی تدابیر انھیں بتا دیتا ہے جن پر عمل کرنے سے وہ شیطان کے ہر حملے سے محفوظ رہتے ہیں۔

برخلاف اس کے وہ عابد جو صرف عبادت ہی عبادت کرنا جانتا ہے اور علم و معرفت سے کوسوں دور ہوتا ہے وہ تو محض اپنی ریاضت ومجاہدہ اور عبادت میں مشغول رہتا ہے اسے یہ خبر بھی نہیں ہونے پاتی کہ شیطان کس چور دروازے سے اس کی عبادت میں خلل ڈال رہا ہے اور اس کی تمام سعی و کوشش کو ملیامیٹ کر رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر وہ عبادت میں مشغول رہتا ہے، مگر لاعلم ہونے کی وجہ سے وہ شیطان کے مکرو فریب میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اس لئے نہ وہ خود شیطان کی گمراہی سے محفوظ رہتا ہے اور نہ وہ دوسروں کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔

(۲۰) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ اَهْلِهٖ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيْرِ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ اِلٰى قَوْلِهٖ مُسْلِمٍ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مَتْنُهٗ مَشْهُوْرٌ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ اَوْجُهٍ كُلُّهَا ضَعِيْفٌ۔

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور نا اہل کو علم سکھانا ایسا ہے جیسے کوئی شخص سور کے گلے میں جواہرات، موتیوں اور سونے کا ہار ڈال دے۔ (ابن ماجہ) اور بیہقی نے اس روایت کو شعب الایمان میں لفظ "مسلم" تک نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے اور اسناد ضعیف ہیں اور یہ حدیث مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے اور وہ سب ضعیف ہیں۔" (ابن ماجہ)

تشریح : اس حدیث سے علم کی اہمیت و عظمت اور اس کی ضرورت واضح ہوتی ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ انسان جس مقصد کے لئے خلیفۃ اللہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہے وہ بغیر علم کے پورا نہیں ہو سکتا۔ انسان بغیر علم کے نہ خدا کی ذات کو پہنچانتا ہے اور نہ اسے اپنی حقیقت کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ یہاں علم سے مراد "علم دین" ہے جس کی ضرورت زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ میں پڑتی ہے، مثلاً جب آدمی مسلمان ہوتا ہے یا احساس و شعور کی منزل کو پہنچتا ہے تو اسے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت حاصل کرے اور عرفان الٰہی کی مقدس روشنی سے قلب و دماغ کی ہر ظلمت و کجروی کو ختم کرے۔ اسی طرح رسول کی نبوت و رسالت کا جاننا یا ایسی چیزوں کا علم حاصل کرنا جن پر ایمان و اسلام کی بنیاد ہے اس کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

پھر جب عملی زندگی سے اسے واسطہ پڑتا ہے تو اسے ضرورت ہوتی ہے کہ اعمال کے احکام کا علم ہو۔ یعنی جب نماز کا وقت آئے گا تو اس پر نماز کے احکام و مسائل سیکھنا واجب ہو گا۔ جب رمضان آئے گا تو روزے کے احکام معلوم کرنا اس کے لئے ضروری ہو گا۔ اگر خدا نے اسے مالی وسعت دی ہے اور صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ کے مسائل جاننا ضروری ہو گا، جب شادی کی تو بیوی کو گھر میں لایا تو حیض و نفاس کے مسائل طلاق وغیرہ اور ایسی چیزیں جن کا تعلق میاں بیوی کی باہمی زندگی اور ان کے تعلقات سے ہے ان کا علم حاصل کرنا واجب ہو گا۔

اسی طرح تجارت و زراعت اور خرید و فروخت کے احکام و مسائل سیکھنا بھی واجب ہو گا گویا زندگی کا کوئی شعبہ ہو خواہ اعتقادات ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا تعلقات، تمام چیزوں کی بصیرت حاصل کرنا اور ان کو جاننا سیکھنا اس پر فرض ہو گا، اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کی وجہ سے وہ ہر جگہ حدود شریعت سے تجاوز کرتا رہے گا اور دینی احکام و مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر اس کا ہر فعل و عمل خلاف شریعت ہو گا جس کی وجہ سے وہ سخت گناہ گار ہو گا۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں علم سے مراد علم اخلاص اور آفات نفس کی معرفت ہے۔ یعنی ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفس کی تمام برائیوں مثلاً حسد، بغض، کینہ اور کدورت کو پہنچانیں اور ان چیزوں کا علم حاصل کریں جو اعمال خیر کو فاسد کرتی ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم کی مقدس روشنی تو انھیں کے نصیب میں ہوتی ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں اور جن کی صلاحیت طبع کا میلان اس طرف ہوتا ہے نیز جس کی جتنی استعداد و صلاحیت ہوتی ہے اسے علم سے اتنا ہی حصہ ملتا ہے۔ لہٰذا علم سکھانے میں اس بات کا خیال بطور خاص رکھنا چاہئے کہ جس کی جتنی استعداد ہو اور وہ جس معیار کی صلاحیت رکھتا ہو اسی اعتبار سے اسے علم سکھایا جائے۔ یہ نہ ہونا چاہئے کہ کسی شخص کی استعداد و صلاحیت تو انتہائی کم درجہ کی ہے مگر علم اسے انتہائی اعلیٰ و ارفع سکھایا جا رہا ہو اسی طرح ہر علم کے سکھانے کا موقع و محل ہوتا ہے۔ جو علم جس موقع پر ضروری ہو اور جس علم کا جو محل ہو اس کے مطابق سکھایا جائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص عوام اور جہلاء کے سامنے یکبارگی تصوف کے اسرار و معانی اور اس کی باریکیاں بیان کرنے لگے تو انھیں اس سے فائدہ ہونا تو الگ رہا اور زیادہ گمراہ ہو جائیں گے۔

(۲۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِی الدِّيْنِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ دو خصلتیں ایسی ہیں جو منافق میں جمع نہیں ہوتیں۔ ایک تو خلق نیک دوسری دینی سمجھ۔" (ترمذی)

تشریح : اس حدیث میں اس بات کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ یہ دو وصف چونکہ ایسے ہیں جو مخلص مؤمن ہی کا حصہ ہیں اس لئے ہر

مسلمان کو چاہئے کہ وہ دونوں خصلتوں کو اپنے اندر پیدا کر دے یعنی نیک عادتیں، اچھے اخلاق اور بہترین اوصاف کے جوہر اپنے اندر سموئے اور علم حاصل کر کے دینی سمجھ پیدا کرے۔

علامہ تور بشتیؒ فرماتے ہیں کہ تفقہ فی الدین یعنی دینی سمجھ کی حقیقت یہ ہے کہ دل میں دین کی معرفت جاگزیں ہو پھر زبان سے اس کا اظہار ہو اور اس کے مطابق عمل کرے جس کے سبب سے خوف خدا اور تقویٰ حاصل ہو۔

(۲۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے نکلا تو وہ جب تک کہ (گھر) واپس نہ آجائے خدا کی راہ میں ہے۔" (ترمذیؒ، دارمیؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر ماں باپ کی محبّت و شفقت سے منہ پھیر کر اور اپنے گھر بار کی تمام راحتیں ترک کر کے علم دین حاصل کرنے کے لئے اپنے وطن و شہر سے نکلتا ہے خواہ وہ علم فرض عین ہو یا فرض کفایہ یعنی ضرورت و حاجت سے زیادہ، تو وہ طالب علم مجاہد فی سبیل اللہ کے مرتبہ کا ہوتا ہے جو ثواب خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کو ہوتا ہے وہی ثواب اس طالب کو بھی ملتا ہے، اس لئے کہ جس طرح ایک مجاہد سر پر کفن باندھ کر محض اس جذبہ سے میدان جنگ میں پہنچتا ہے کہ وہ خدا کے دین کو سربلند کرے اور خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے نام کا بول بالا کرے اسی طرح طالب علم محض اس مقصد کے لئے علم دین حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے تاکہ وہ اپنے نفس کی تمام خواہشات کو ختم کر کے اور کسر نفسی اختیار کر کے علم الٰہی کی مقدس روشنی سے ظلم و جہل کی تمام تاریکیوں کو دور کر دے، خدا کے دین کو تمام عالم میں پھیلائے اور شیطان کے مکر و فریب سے لوگوں کو محفوظ رکھ کر شیطان کو ذلیل و خوار کرے۔ لہٰذا یہ جب تک علم حاصل کر کے اپنے گھر واپس نہیں آجاتا برابر میدان جہاد کا ثواب حاصل کرتا رہتا ہے۔

پھر اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جب طالب علم حصول علم سے فارغ ہو کر اپنے گھر واپس آجاتا ہے تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ اور درجہ پاتا ہے کیونکہ جب وہ تعلیم کو مکمل کر کے لوٹتا ہے تو دنیا میں علم و معرفت کی روشنی پھیلانے، لوگوں کو تعلیم دینے اور انسانی زندگی کو علم و عمل سے کامل کرنے کے لئے ایک مصلح اور معلّم کی حیثیت میں آتا ہے جس کی وجہ سے وہ وارث انبیاء کے معزز و مقدس لقب سے نوازا جاتا ہے۔

(۲۳) وَعَنْ سَخْبَرَةَ الْاَزْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِّمَا مَضٰى رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ ضَعِيْفُ الْاِسْنَادِ وَاَبُوْدَاوٗدَ الرَّاوِيُّ يُضَعَّفُ۔

"اور حضرت سنجرہؓ[1] ازدیؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص علم طلب کرتا ہے تو وہ اس کے گزرے ہوئے (صغیرہ) گناہوں کے لئے کفارہ ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابوداؤد (روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔"

(۲۴) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَّسْمَعُهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ مؤمن بھلائی (یعنی علم) سے سیر نہیں ہوتا وہ اس کو سنتا (یعنی حاصل کرتا) ہے یہاں تک کہ اس کی انتہا جنّت ہوتی ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: طلب علم، ایمان کا خاصہ ہے چونکہ ایمان نور ہی نور ہے اس لئے وہ علم کو جو نور الٰہی ہے پوری طرح سے اپنے اندر جذب کر لینا چاہتا

---

[1] اسم گرامی سنجرہؓ اور کنیت ابوعبداللہ ہے آپ ازدی ہیں بعض اسدی بتاتے ہیں

ہے۔ اسی لئے فرمایا جارہا ہے کہ جب انسان کا قلب ودماغ ایمان کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے تو وہ علم و معرفت کے نور سے انسانی معراج کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ جانا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مؤمن کا پیٹ علم سے کبھی نہیں بھرتا وہ جوں جوں علم کی بلندیوں پر پہنچتا رہتا ہے اس کی خواہش و تمنا یہی رہتی ہے کہ وہ اس منزل کی آخری حدود تک پہنچ جائے اگرچہ علم کا میدان چونکہ اتنا وسیع ہے کہ اگر انسان اپنی بڑی سے بڑی زندگی کے ساتھ بھی ایک لمحہ گزارے بغیر اس میں دوڑتا رہے تو وہ اس کی انتہائی حدود کو نہیں پہنچ سکتا، مگر اس کے باوجود مؤمن تمام عمر علم کی تلاش میں رہتا ہے اور وہ عمر کے آخری حصے تک علم کے دامن کو چھوڑنا نہیں چاہتا یہاں تک کہ اس کی زندگی اپنے مقررہ وقت پر آکر ختم ہو جاتی ہے اور وہ علم اس صادق طلب اور سچی دھن کے عوض جس میں وہ زندگی بھر مصروف رہا جنت کی ابدی سعادتوں سے نوازا جاتا ہے۔

درحقیقت اس حدیث میں طالب علم اور اہل علم کے لئے بڑی عظیم بشارت ہے کہ یہ لوگ اس دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوتے ہیں اور رضائے مولیٰ سے ان کا دامن پر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل اللہ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک حصول علم میں منہمک رہے ہیں باوجودیکہ ان کی علمی فضیلت و عظمت انتہائی درجہ کی ہوتی تھی مگر وہ اس سعادت کے حصول کی خاطر طلب علم میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔

اس سلسلہ میں اتنی بات بھی ذہن میں رکھ لینی چاہئے کہ علم کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ اپنے بہت سے گوشوں پر حاوی ہے اس لئے وہ حضرات جو تصنیف و تالیف اور تعلیم و تعلّم میں مشغول رہتے ہیں وہ بھی دراصل طالب علم میں ہی مشغول ہوتے ہیں اس لئے ان کو بھی طلب علم اور تکمیل علم کا ثواب ملتا ہے اور وہ اسی زمرہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

(۲۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهٗ ثُمَّ كَتَمَهٗ اُلْجِمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ۔ (ورواه ابن ماجة عن انس)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی جو اسے معلوم تھی مگر اس نے چھپایا (یعنی بتایا نہیں) تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔ ابوداؤدؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث میں ایسے عالم کے بارے میں وعید بیان کی جارہی ہے جو دینی باتیں معلوم ہونے کے باوجود لوگوں کو نہیں بتاتا اور سائل کو جواب نہیں دیتا۔ مگر یہ وعید ایسے علم کے بارے میں ہے جس کی تعلیم ضروری اور واجب ہو۔ مثلاً کوئی شخص اسلام لانے کا ارادہ کرے اور کسی عالم سے کہے کہ اسلامی تعلیمات سے مجھے آگاہ کرو اور بتاؤ کہ اسلام کیا چیز ہے یا وہ نماز کے وقت عالم سے پوچھتا ہے کہ نماز کے جو احکام و مسائل ہیں ان سے مجھے آگاہ کرو، یا کسی حلال و حرام چیز کا کوئی فتویٰ معلوم کرنا چاہتا ہے تو ان سب چیزوں کا جواب دینا اور جہاں تک اسے معلوم ہوں صحیح صحیح بات بتانا عالم کے لئے ضروری اور واجب ہے۔ البتہ نوافل و مباح چیزوں کے بارے میں یہ حکم نہیں ہوگا۔

(۲۶) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِیُجَارِیَ بِهِ الْعُلَمَآءَ اَوْلِیُمَارِیَ بِهِ السُّفَهَآءَ اَوْیَصْرِفَ بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَیْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ۔

"اور حضرت کعب ابن مالکؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے علم کو اس غرض سے حاصل کیا کہ اس کے ذریعے علماء پر فخر کرے، بیوقوفوں سے جھگڑے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔ ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: علم اپنی لطافت اور نورانیت کے سبب ریاکاری، خود نمائی، غرور و تکبر اور بے جا فخر و مباہات کی غلاظتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ جب علم کی اوّلین کرن یہی چاہتی ہے کہ وہ انسان کے دل و دماغ سے ظلم و جہل کی ہر تاریکی کو دور کر دے تو یہ کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے کہ ایک عالم جس کے دماغ میں علم کی مقدس روشنی بھری ہو، ان غیر اسلامی و غیر اخلاقی چیزوں کا مظاہرہ کرے۔ علم کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک انسان تہذیب و شرافت اور تعلیم و ترقی کی انتہائی بلندیوں پر ہونے کے باوجود بھی سراپا انکسار متواضع بنا رہے، ریاکاری و خود نمائی سے الگ رہے اور اخلاق و احسان کی زندگی اختیار کئے رہے۔

اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی علم محض دنیوی منفعت اور ذاتی وجاہت و عزت کی خاطر حاصل کرتا ہے۔ اگر اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ علم حاصل کرنے کے بعد لوگ ہماری طرف متوجہ ہوں، عوام پر اپنی علم دانی کا سکہ جما کر ان سے مال و دولت حاصل کیا جائے علم کو دنیا کے کاروبار اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے آلہ کار بنایا جائے اور نہ صرف یہ بلکہ علم حاصل کرنے کے بعد وہ علماء حق کے ساتھ غرور و تکبر کا معاملہ کرتا ہے، جاہلوں سے خواہ مخواہ الجھتا رہتا ہے، لوگوں کے سامنے بے جا فخر و مباہات کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تو ایسے عالم کو کان کھول کر سن لینا چاہئے کہ چاہے وہ دنیاوی اعتبار سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائے اور تقدیر الٰہی اس کی خواہشات اور اغراض کی تکمیل کرا دے مگر آخرت میں اس کی نیت کے اس کھوٹ کی وجہ سے اس سے سخت باز پرس ہوگی وہاں نہ اس کا علم کام آئے گا اور نہ اس کی سیادت و وجاہت بلکہ اس کو اس عدم اخلاص کی سزا بایں طور بھگتنی ہوگی کہ اسے جہنم کے شعلوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔

ہاں، ایسا شخص جو پہلے اپنی نیت میں مخلص تھا، اس کے ارادہ میں کسی قسم کا کوئی کھوٹ نہیں تھا اور اس کا مقصد حاصل کرنے سے محض اعلاء کلمۃ اللہ اور رضائے مولیٰ تھا مگر بعد میں بتقاضائے فطرت و انسانی جبلت اس کی نیت میں کھوٹ پیدا ہو گیا اور اس میں نمود و نمائش اور ریاکاری کا اثر ہو گیا تو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ اس معاملہ میں بہرحال وہ معذور ہے۔

(۲۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا یُبْتَغٰی بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَایَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَعْنِیْ رِیْحَهَا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجۃ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس نے اس علم کو جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کی جاتی ہے، اس غرض سے سیکھا کہ وہ اس کے ذریعہ دنیا کی متاع حاصل کرے تو قیامت کے دن سے اسے جنّت کی خوشبو بھی میسر نہیں ہوگی۔“

(احمدؒ، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: جو کوئی علم دین محض اس لئے حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ دنیا کی دولت و عزت سمیٹے اور اسے حصول دنیا کے لئے وسیلہ بنائے تو اس کے لئے یہ وعید بیان فرمائی جا رہی ہے۔

ہاں اگر علم دینی نہ ہو دنیاوی ہو تو اس کو اس مقصد کے لئے کہ اسے حصول دنیا کے لئے وسیلہ اور ذریعہ معاش بنا لیا جائے گا حاصل کرنا کوئی برا نہیں ہے لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ وہ علم ایسا نہ ہو جس کے حصول کو شریعت درست قرار نہیں دیتی۔ مثلاً علم نجوم وغیرہ یا دوسرے ایسے علوم جو عقیدہ و عمل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں یہ کہنا کہ ایسا عالم جس کی نیت حصول علم کے سلسلہ میں خالصاً للہ نہ ہو اسے جنّت کی خوشبو بھی میسر نہیں آئے گی، یہ کنایہ ہے بہشت میں عدم دخول سے اور مبالغہ ہے محرومی جنّت میں اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص مخلص اور مقرب بندوں کے ہمراہ، بغیر عذاب کے جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔

(۲۸) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَیْرُ فَقِیْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ۔ ثَلَاثٌ لَایَغُلُّ عَلَیْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ، اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنَّصِیْحَةُ لِلْمُسْلِمِیْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ فَاِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِیْطُ مِنْ وَرَآئِهِمْ رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ

الْمَدْخَلِ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اِلَّا اَنَّ التِّرْمِذِيَّ وَاَبَا دَاوُدَ لَمْ يَذْكُرَا ثَلَاثٌ لَا يَغُلُّ عَلَيْهِنَّ اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس بندہ کو تازہ رکھے (یعنی اس کی قدر و منزلت بہت کافی ہو اور اسے دین و دنیا کی خوشی و مسرت کے ساتھ رکھے) جس نے میری کوئی بات سنی اور اسے یاد رکھا اور ہمیشہ یاد رکھا اور اس کو جیسا سنا ہو بہو لوگوں تک پہنچایا۔ کیونکہ بعض حامل فقہ (یعنی علم دین کے حامل) فقیہ (یعنی سمجھ دار) نہیں ہوتے اور بعض حامل فقہ ان لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہہ (سمجھ دار) ہوتے ہیں۔ اور تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا۔ ایک تو عمل خاص طور پر خدا کے لئے کرنا، دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنا اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا۔ اس لئے کہ جماعت کی دعا ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔" (شافعیؒ، بیہقیؒ در مدخل)

تشریح: مطلب یہ کہ حدیث کو محفوظ اور یاد رکھنے والے بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو خود زیادہ سمجھ دار نہیں ہوتے اور بعض سمجھ رکھتے ہیں لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ جس کے سامنے حدیث بیان کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ سمجھ رکھتا ہے لہٰذا چاہئے کہ حدیث جس طرح سنی جائے اسی طرح دوسروں تک اسے پہنچایا جائے تاکہ جس کو حدیث پہنچائی جا رہی ہے اور جس کے سامنے بیان کی جا رہی ہے وہ حدیث کا مطلب بخوبی سمجھ لے۔ اس حدیث نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ راویان حدیث کو چاہئے کہ وہ حدیث کو جن الفاظ میں سنیں بعینہ انہیں الفاظ میں نقل کریں۔

"یَغُلُّ" اگر یاء کے زبر اور غین کے زیر کے ساتھ ہو تو اس کے معنی حقد یعنی کینہ کے ہوتے ہیں اور اگر یا کے پیش اور غین کے زبر کے ساتھ ہو یا حرف یا کے زبر اور غین کے پیش کے ساتھ ہو تو اس کے معنی خیانت کے ہو جاتے ہیں چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ مؤمن ان تین چیزوں میں خیانت نہیں کرتا یعنی مؤمن کے اندر یہ تینوں چیزیں ضرور پائی جاتی ہیں اور جب مؤمن سے یہ تینوں اعمال صادر ہوتے ہیں تو اس میں کینہ داخل نہیں ہوتا کہ وہ اسے ان چیزوں سے منحرف کر دے۔

"خلوص عمل" کا مطلب اور اس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ بندہ جو عمل کرے وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضاء کے لئے کرے۔ اس کے علاوہ اس کا مقصد کوئی دوسرا نہ ہو، نہ کوئی دنیوی غرض ہو اور نہ کوئی اخروی منفعت صرف رضائے مولا ہی سامنے ہو اور وہی حاصل مقصد پھر اس میں بھی دو درجے ہو جاتے ہیں۔ عام لوگوں کا جو خلوص عمل ہوتا ہے وہ خاص یعنی اہل اللہ کے خلوص عمل سے کمتر درجہ کا ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی ریاضت و مجاہدہ اور تعلق مع اللہ کی بنا پر خلوص کی انتہائی بلندیوں تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کا طریقہ یہ ہے کہ حتی المقدور اپنے دوسرے بھائیوں کو خیر و بھلائی کی نصیحت کرتا رہے اور انھیں سیدھی راہ پر لگانے کی کوشش کرتا رہے، نیز دنیاوی اعتبار سے ان کی امداد و اعانت کرے اور ان کی ہر مشکل میں خبر گیری رکھے۔

"مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے" کے معنی یہ ہیں کہ زندگی کے ہر مرحلہ پر اجتماعیت کے اصول پر کاربند رہے اور اپنے آپ کو کبھی انفرادیت کی راہ پر نہ ڈالے، علماء دین اور علمائے اُمّت کے متفقہ عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی موافقت کرتا رہے اور ان کے ساتھ رہے۔ مثلاً نماز جمعہ اور جماعت وغیرہ میں ان لوگوں کے ہمراہ رہ کر اجتماعیت کو فروغ دے تاکہ اسلامی طاقت و قوت میں بھی اضافہ ہو اور رحمت خداوندی کے نزول کا سبب بھی ہو کیونکہ جماعت پر خدا کی رحمت ہوتی ہے۔

لفظ مِنْ وَرَائِهِمْ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں میم کے زیر کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں زبر کے ساتھ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے جماعت کو مسلمانوں کی دعا گھیرے ہوئے ہے جس کی بنا پر وہ شیطان کی گمراہی سے بچتے ہیں۔ اس میں اس بات پر تنبیہہ مقصود ہے کہ جو کوئی علمائے دین اور صلحائے اُمّت کی جماعت سے اپنے آپ کو الگ کر لیتا ہے اس کو نہ جماعت کی برکت میسر ہوتی ہے اور نہ مسلمانوں کی دعا حاصل ہوتی ہے۔

(۲۹) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى لَهُ مِنْ سَامِعٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکار دوعالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تازہ رکھے (یعنی خوش اور باعزت رکھے) جس نے مجھ سے کوئی بات سنی اور جس طرح سنی تھی اسی طرح اس کو پہنچادیا چنانچہ اکثر وہ لوگ جنھیں پہنچادیا جاتا ہے سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (ترمذیؒ ابن ماجہؒ) اور دارمیؒ نے اس حدیث کو ابوداؤد سے روایت کیا ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ کی مقدس احادیث کو سننا، ان کے احکام پر عمل کرنا اور ان احادیث کو دوسرے لوگوں تک پہنچانا سعادت وبرکت اور دین ودنیا میں فلاح وکامیابی کا ذریعہ ہے اس پر پوری اُمت کا عقیدہ وایمان ہے کہ احادیث نبوی کی تعلیم وتعلّم دونوں جہان کی خوش نصیبی اور رضائے الٰہی کا سبب ہے لیکن اس کے باوجود علماء لکھتے ہیں کہ اگر حدیث کے حاصل کرنے، اس کے یاد رکھنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے میں اگر بفرض محال کوئی فائدہ نہ ہوتا تو احادیث کی عظمت ورفعت کی بنا پر دین ودنیا دونوں جگہ حصول برکت ورحمت کے لئے آنحضرت ﷺ کی یہ مقدس دعا ہی کافی ہوتی۔

(۳۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَّجَابِرٍ وَلَمْ يَذْكُرْ اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میری جانب سے حدیث بیان کرنے سے بچو مگر اس حدیث کو بیان کرو جسے تم (سچ) جانو۔ چنانچہ جس شخص نے (جان کر) مجھ پر جھوٹ بولا اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔ (ترمذیؒ) اور ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے اور (حدیث کے پہلے جزء) میری جانب سے حدیث بیان کرنے سے بچو جسے تم جانو کا ذکر نہیں کیا ہے۔"

تشریح: مقصد یہ ہے کہ حدیث کے بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے اور جس حدیث کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو کہ واقعی یہ حدیث آپ ﷺ ہی کی ہے اسے لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے۔ انہی احادیث کو بیان کرنا چاہئے جن کے بارے میں یقین یا ظن غالب کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ وہ آپ ﷺ ہی کی حدیث ہے تاکہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کی طرف غلط حدیث کی نسبت نہ ہو اور نہ آپ ﷺ کی جانب جھوٹ بات کا انتساب ہو جس پر خدا کی جانب سے سخت عذاب کی قید ہے۔

(۳۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ الترمذیؒ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے قرآن کے اندر اپنی عقل سے کچھ کہا اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس شخص نے بغیر علم کے قرآن میں کچھ کہا اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: جس طرح حدیث بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینے کی ہدایت کی گئی ہے اسی طرح قرآن کا ترجمہ کرنے اور اس کی تفسیر بیان کرنے کے بارے میں بھی اسی احتیاط سے کام لینے کی ہدایت فرمائی جارہی ہے کہ آیات کی وہی تفسیر بیان کی جائے جو احادیث سے ثابت اور علماء اُمت سے منقول ہوا ہو اور جس پر نقلاً سند موجود ہو۔ یہ نہ ہونا چاہئے کہ آیتوں کی تفسیر اور ان کے مطالب ومقاصد بیان کرنے میں اپنی عقل اور رائے کو دخل دیا جائے کیونکہ اس طرح قرآن کے معنی ومفہوم میں فرق پیدا ہو جاتا ہے جو عذاب خداوندی کا موجب ہے۔

(۳۲) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَأَ۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت جندب[1] راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور وہ حقیقت و واقع کے مطابق بھی ہو تو اس نے تب بھی غلطی کی۔" (ترمذیؒ و ابوداؤدؒ)

تشریح: یعنی کسی شخص نے قرآن کی کسی آیت کی ایسی تفسیر بیان کی جو نہ تو احادیث سے ثابت تھی اور نہ علمائے اُمّت سے منقول بلکہ محض اپنی عقل و رائے پر بھروسہ کر کے آیت کی تفسیر بیان کر دی مگر اتفاق سے اس کی بیان کردہ تفسیر صحیح اور حقیقت و واقعہ کے بالکل مطابق ہوئی کہ اس سے آیت کے معنی و مطالب میں کوئی غلطی نہیں ہوئی تو اس کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ بھی اس نے غلطی کی کیونکہ تفسیر گو صحیح ہوئی مگر چونکہ اس نے قصدًا اپنی عقل اور رائے کو قرآن کی تفسیر میں دخل دیا اور تفسیر کا جو شرعی قاعدہ و طریقہ ہے اس سے انحراف کیا اس لئے وہ بھی خطا کار کے حکم میں شامل کیا جائے گا۔ مجتہد کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ اگر مجتہد اپنے اجتہاد میں غلطی بھی کر جائے تو اس پر نہ صرف یہ کہ کوئی مواخذہ نہیں بلکہ اسے ثواب بھی ملتا ہے۔

"تفسیر" اسے کہتے ہیں کہ آیت کے جو معنی و مطالب بیان کئے جائیں اس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ آیت کی مراد اور اس کا حقیقی مطلب یہی ہے اور یہ بات سوائے اہل تفسیر کی نقل کے جس کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچی ہو درست نہیں ہے یعنی ایسا یقین اور اطمینان اسی تفسیر پر صحیح ہوگا جو اجلہ علماء اور مستند مفسرین سے منقول ہو کیونکہ انھوں نے وہی معنی و مطالب بیان کئے ہیں جو براہ راست سرکار دو عالم ﷺ سے منقول ہیں اور جو واسطہ بالواسطہ ان تک پہنچے ہیں۔

"تاویل" اسے کہتے ہیں کہ کسی آیت کے معنی و مطالب بیان کرتے ہوئے بطریق احتمال کے یہ کہا جائے کہ میں جو معنی بیان کر رہا ہوں اور آیت کی جو تفسیر کر رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ مراد اصلی یہی ہو۔ یہ چیز درست اور صحیح ہے لیکن یہ بھی جب ہی صحیح ہوگی کہ بیان کردہ تفسیر قواعد عربی اور شرع کے مطابق ہو۔

(۳۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمِرَاءُ فِي الْقُرْاٰنِ كُفْرٌ۔ (رواہ ابوداؤد و احمد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا۔ قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔" (احمدؒ و ابوداؤدؒ)

تشریح: ان لوگوں کا دائرہ کفر کے قریب کر دیا گیا ہے جو قرآن کے معنی و مطالب اور مقاصد و مراد کے تعین میں جھگڑتے رہتے ہیں اور جس کی عقل میں جو آتا ہے اس کو حق اور صحیح سمجھتے ہوئے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نیز ایسے کم فہم لوگوں کو جب ظاہری طور پر قرآن کی آیتوں میں معنی و مقصد کے لحاظ سے فرق نظر آتا ہے تو وہ ان میں سے ایک آیت کو ناقابل اعتناء، ناقابل قبول اور ناقابل استشہاد قرار دے کر دوسری آیت کو راجح قرار دے دیتے ہیں۔ گویا اس طرح وہ قرآن ہی کی ایک آیت سے دوسری آیت کو ساقط کر دیتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسا کرنا شرعی نقطۂ نظر سے انتہائی جرم ہے بلکہ ایسی شکل میں جبکہ دو آیتوں میں باہم اختلاف و تضاد نظر آئے تو حتی الامکان دونوں میں تطابق اور توافق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر کسی کے لئے یہ ممکن نہ ہو تو اسے یہ اعتقاد کر لینا چاہئے کہ یہ میری کم علمی اور بدفہمی کی بنا پر ہے اور حقیقی مفہوم و مراد کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سونپ دے کہ وہی بہتر جاننے والے ہیں۔

مثلاً اہل سُنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ خیر اور شر سب خدا ہی کی جانب سے ہے اور وہ اپنے اس عقیدہ کی بنیاد اس آیت پر رکھتے ہیں کہ ارشاد ربانی ہے۔

---

[1] آپ کا اسم گرامی جندب ابن عبداللہ ابن سفیان بجلی علقی ہے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور یزید کے حامیوں میں جو جنگ چل رہی تھی اس وقت یہ حیات تھے اس فتنہ کے چار دن بعد آپ کا انتقال ہوا ہے۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔

"یعنی (اے محمد ﷺ) فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔"

اہل سُنّت والجماعت کا یہ عقیدہ اور ان کی دلیل بالکل صحیح اور صاف واضح ہے۔ لیکن اہل قدر اس کی تردید کرتے ہیں اور اس کے برخلاف اپنا عقیدہ یہ قائم کئے ہوئے ہیں کہ خیر کا خالق خدا ہے اور شر کا خالق خدا نہیں ہے اور شر کا خالق خود انسان ہے اور اپنے عقیدہ کی بنیاد اس آیت پر رکھتے ہیں جو بظاہر پہلی آیت کے متضاد ہے یعنی ارشادِ ربانی ہے۔

مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔

"جو کچھ از قسم نیکی تمہیں پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ از قسم برائی تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی جانب سے ہے۔"

بہر حال اس قسم کے اختلافات اور آیتوں میں تضاد پیدا کرنا منع ہے بلکہ یہ چاہئے کہ اس قسم کی آیتوں میں ایسی آیت پر عمل کیا جائے جس پر مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہو اور دوسری آیت میں ایسی تاویل کی جائے جو شرع کے مطابق ہو، جیسا کہ انھیں دونوں مذکورہ بالا آیت میں دیکھا جائے کہ پہلی آیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ خیر و شر تمام اللہ ہی کی جانب سے ہے اور ہر چیز تقدیر الٰہی کے مطابق ہی ہوتی ہے اس پر عمل کیا جائے۔

اور دوسری آیت کی یہ تاویل کی جائے کہ دراصل اس آیت کا تعلق ماقبل کی آیت سے ہے کہ اس میں منافقین کی برائی اور ان کا عقیدہ بیان کیا جارہا ہے کہ ان منافقوں کو کیا ہوا ہے جو کہ اس چیز کو جو صحیح اور واضح ہے نہیں سمجھتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ نیکی و بھلائی تو خدا کی طرف سے ہے اور برائی خود بندہ کے نفس کی جانب سے ہے۔ گویا اس طرح دونوں آیتوں میں تطبیق ہو جائے گی۔ اس طرح دیگر آیتوں میں بھی مطابقت پیدا کی جائے۔

(۳۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَدَارَؤُوْنَ فِي الْقُرْاٰنِ فَقَالَ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا۔ ضَرَبُوْا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ وَاِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللّٰهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوْا بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُوْلُوْا وَمَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوْهُ اِلٰى عَالِمِهٖ۔ (رواہ احمد وابن ماجۃ)

"حضرت عمرو[1] ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک جماعت کے بارے میں سنا کہ وہ آپس میں قرآن کے بارے میں بحث کر رہے ہیں اور جھگڑ رہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تم سے پہلے کے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے انھوں نے کتاب اللہ کے بعض حصہ کو بعض پر مارا (یعنی آیات میں تضاد اور اختلاف ثابت کیا کہ فلاں آیت فلاں آیت کے مخالف ہے اور یہ آیت فلاں آیت کے مخالف ہے) اور بے شک کتاب اللہ کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا تم قرآن کے بعض حصہ کو بعض سے نہ جھٹلاؤ، اور اس کے بارے میں جتنا تم جانتے ہو اس کو بیان کرو اور جو نہیں جانتے ہو اسے جاننے والوں کی طرف سونپ دو۔" (احمدؒ و ابن ماجہ)

تشریح: جیسا کہ اس سے پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ جن لوگوں کا علم ناقص ہوتا ہے اور جن کے ایمان و عقیدہ میں کمزوری اور ذہن و فکر میں کمی ہوتی ہے وہ آیات میں باہم اختلاف پیدا کرتے رہتے ہیں اور آیت کے حقیقی مفہوم و مراد سے ہٹ کر ان کے ناقص ذہن و فکر میں جو مفہوم آتا ہے اسے بیان کرتے ہیں اور پھر اسی طرز پر اپنے نظریات و اعتقادات کی بنیاد بھی رکھ دیتے ہیں جس کی مثال ماقبل کی حدیث میں بیان کی جاچکی ہے۔

اس کے بارے میں یہاں بھی فرمایا جارہا ہے کہ اگر تمہیں کچھ آیتوں میں اختلاف نظر آئے تو ان میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ

---

[1] عمرو ابن شعیب تابعی ہیں، عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان سے ہیں۔

ساقط نہ کرو اور نہ اس کی تکذیب کرو بلکہ جہاں تک تمہارا علم مدد کر سکے ان میں تطبیق پیدا کرو، اگر ایسا نہ کر سکو تو پھر تم بجائے اس کے کہ اس میں اپنی عقل و سمجھ کے تیر چلاؤ اس کے حقیقی معنی و مفہوم کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کی جانب سونپ دو، یا پھر ایسے علماء و صلحاء جو علم کے اعتبار سے تم سے اعلیٰ و افضل ہوں اور تم پر فوقیت رکھتے ہیں ان سے رجوع کرو۔

(۳۵) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ لِكُلِّ اٰيَةٍ مِّنْهَا ظَهْرٌ وَّ بَطْنٌ وَلِكُلِّ حَدٍّ مُّطَّلَعٌ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قرآن کریم سات طرح پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے ہر آیت ظاہر ہے اور باطن ہے، اور ہر حد کے واسطے ایک جگہ خبر دار ہونے کی ہے۔" (شرح السنۃ)

تشریح: دنیا کی ہر زبان میں فصاحت و بلاغت اور لب و لہجہ کے اعتبار سے مختلف اسلوب اور مختلف لغات ہوتی ہیں۔ اسی طرح عربی زبان کی بھی سات لغات عرب میں مشہور تھیں، اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ قرآن کریم سات طرح یعنی سات لغات پر نازل ہوا ہے۔ اس سات لغات کی تفصیل اس طرح ہے۔ لغت قریش، لغت طے، لغت ہوازن، لغت اہل یمن، لغت ثقیف، لغت ہذیل اور لغت بنی تمیم۔

قرآن کریم سب سے پہلے قریش کی لغت کے مطابق نازل ہوا تھا جو سرکار دو عالم ﷺ کی لغت تھی لیکن جب تمام عرب میں اس لغت کے مطابق قرآن کا پڑھا جانا اس لئے دشوار و مشکل ہوا کہ ہر قبیلہ اور ہر قوم کی اپنی ایک مستقل لغت اور زبان کے لب و لہجہ کا الگ الگ انداز تھا تو سرکار دو عالم ﷺ نے بارگاہ الوہیت میں درخواست پیش کی کہ اس سلسلہ میں وسعت بخشی جائے تو حکم دے دیا گیا کہ ہر شخص قرآن کو اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکتا ہے چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ تک اسی طرح چلتا رہا اور لوگ اپنی اپنی لغت کے اعتبار سے قرآن پڑھتے رہے۔

لیکن جب حضرت عثمانؓ نے کلام اللہ کو جمع کیا اور اس کی کتابت کرا کر اسلامی سلطنت کے ہر ہر خطہ میں اسے بھیجا تو انہوں نے اسی لغت کو مستقل قرار دیا جس پر حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم اور حضرت عمر فاروقؓ کے مشورہ سے قرآن کو جمع کیا تھا اور وہ لغت قریش تھی، حضرت عثمانؓ نے یہ حکم بھی فرمایا کہ تمام لغات منسوخ کر دی جائیں صرف اسی ایک لغت کو باقی رکھا جائے۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ کے حکم کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ قرآن صرف ایک لغت میں جمع ہو گیا جس سے دنیا کے ہر خطہ کے لوگوں کے لئے آسانیاں ہو گئیں بلکہ اس کی وجہ سے ایک بڑے فتنہ کی جڑ بھی ختم کر دی گئی اور فتنہ یہ تھا کہ لغات کے اختلافات کی وجہ سے مسلمان آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے تھے اور نوبت بانیجا رسید کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنی لغت کے خلاف قرآن پڑھتا دیکھتا تو یہ سمجھ کر کہ صرف میرے قبیلہ ہی کی لغت صحیح ہے اسے کافر کہہ دیا کرتا تھا، چنانچہ لغت قریش کے علاوہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا بقیہ تمام لغات ختم کر دی گئیں اور اگر کوئی لغت باقی بھی رہی تو وہی رہی جس پر صحابہ کا اتفاق رہا اور جو سند متصل اور تواتر کے ساتھ آخر میں قراء سبعہ تک پہنچی اس کے علاوہ لغت میں مکرر یعنی مالہ و ادغام وغیرہ کا اختلاف بھی باقی رہا جو آج تک قراء سبعہ میں موجود ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ قرآن سات طرح پر نازل ہوا ہے تو سات طرح سے مراد وہ سات قرأتیں ہیں جو قراء، سبعہ پڑھتے ہیں، پھر علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگرچہ قرأتیں سات سے زیادہ ہیں لیکن یہاں سات کی تحدید اس لئے کی گئی ہے کہ اختلاف کی بھی سات ہی قسمیں ہیں جن کی طرف یہ سات قرأتیں راجع ہیں۔ جیسے (۱) کلمہ کی ذات میں اختلاف یعنی کلمہ میں کمی و زیادتی میں۔ (۲) جمع اور مفرد کا اختلاف (۳) مذکر اور مؤنث کا اختلاف (۴) صرفی اختلاف یعنی تخفیف و تشدید اور فتح و کسرہ وغیرہ کا اختلاف جیسے مَيِّتٌ اور مَيْت، يَقْنُطُ اور يَقْنِطُ (۵) اعراب کا اختلاف (۶) حروف کا اختلاف جیسے لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ میں نون کی تشدید اور تخفیف (۷) ادائیگی لغات کا اختلاف جیسے تفخیم اور امالہ وغیرہ۔

حدیث کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ ہر آیت کا ظاہر ہے اور باطن ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں جو تمام اہل زبان سمجھتے ہیں اور ایک باطنی معنی ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے وہی بندگان خاص سمجھتے ہیں جن کے قلب و دماغ معرفت کی روشنی سے بھرپور ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا گیا ہے کہ ہر حد کے واسطے ایک جگہ خبردار ہونے کی ہے حد کے معنی طرف اور نہایت کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر ایک ظاہر اور باطن کی ایک حد اور نہایت ہے اور حد و نہایت کے لئے ایک مطلع یعنی ایسا مقام ہے جس پر پہنچنے اور اس کے حاصل کرنے کے بعد آدمی اس حد اور نہایت پر مطلع ہوتا ہے۔

چنانچہ ظاہر کا مطلع یعنی وہ مقام جس پر پہنچ کر حد اور نہایت معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ عربی زبان اور اس کے اصول و قواعد سیکھے جائیں، علم صرف و نحو حاصل کیا جائے کہ قرآن کے ظاہری معنی انہیں سے متعلق ہیں، نیز ہر آیت کا شان نزول اور ناسخ و منسوخ کا علم حاصل کرے، یا اسی طرح وہ دوسری چیزیں ہیں جن پر قرآن کے ظاہری معنی کے سمجھنے کا انحصار ہے۔

باطن کا مطلع یہ ہے کہ ریاضت و مجاہدہ کیا جائے، قرآن کے ظاہری معنی اور ان کے احکام کا اتباع اور ان پر عمل کیا جائے نفس کو تمام برائی اور گناہ و معصیت سے پاک و صاف کیا جائے دل کو عبادت خداوندی اور رضائے الٰہی کے نور سے جلا بخشی جائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے حصول کے بعد قرآن کے باطنی علوم اور اس کے اصرار و معارف کا قلب انسان پر انکشاف ہوتا ہے۔

امام محی السنۃؒ نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ حدیث کے الفاظ "ظہر" سے مراد قرآن کے الفاظ ہیں اور "بطن" سے مراد الفاظ کی تاویل ہے۔ "مطلع" سے مراد فہم یعنی وہ سمجھ ہے جس کی وجہ سے قرآن کے اندر غور و فکر کرنے والے پر قرآن کے جن علوم و معنی اور تاویل کا انکشاف ہوتا ہے وہ دوسروں پر نہیں ہوتا۔

(۳۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعِلْمُ ثَلَاثَۃٌ اٰیَۃٌ مُّحْکَمَۃٌ اَوْسُنَّۃٌ قَائِمَۃٌ اَوْ فَرِیْضَۃٌ عَادِلَۃٌ وَمَا کَانَ سِوٰی ذٰلِکَ فَھُوَ فَضْلٌ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ علم تین ہیں (۱) آیت محکم (یعنی مضبوط)۔ (۲) سُنّت قائمہ (۳) فریضہ عادلہ۔ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دین کے علم تین ہیں، یا یہ کہ علم دین کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ "آیت محکم" وہ آیتیں ہیں جو مضبوط اور غیر منسوخ ہیں، اس سے کتاب اللہ کی طرف اشارہ ہے جو کہ اصل قرآن آیات محکمات ہی ہیں اس لئے یہاں صرف انھیں کو ذکر کیا گیا ہے اور وہ دوسرے علوم جو اس کے لئے وسیلہ ہیں وہ بھی اس کے ساتھ متعلق ہیں۔ "سنت قائمہ" یعنی وہ حدیث جو متن اور اسناد کی مخالفت کے ساتھ ثابت ہیں۔

"فریضہ عادلہ" سے اشارہ ہے قیاس اور اجماع کی طرف جو کتاب و سُنّت سے مستنبط ہوتا ہے۔ اس کو فریضہ اس لئے کہا گیا ہے قیاس و اجماع پر بھی عمل کرنا اسی طرح واجب ہے جس طرح کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ پر چنانچہ "عادلہ" کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایسا فریضہ جو کتاب و سنت کے مثل اور عدیل ہے۔

بہر حال حدیث کی توضیح یہ ہوئی کہ دین کے اصول چار ہیں جس پر دین و شریعت کی پوری بنیاد ہے۔ (۱) کتاب یعنی قرآن مجید (۲) سنت یعنی احادیث (۳) اجماع (۴) قیاس اور اس کے علاوہ جو بھی علم ہو گا وہ زائد اور دینی حیثیت سے بے معنی ہو گا۔

(۳۷) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِکٍ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَقُصُّ اِلَّا اَمِیْرٌ اَوْ مَامُوْرٌ اَوْ مُخْتَالٌ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَاہُ الدَّارِمِیُّ عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَوْ مُرَآءٍ بَدَلَ اَوْ مُخْتَالٍ۔

"اور حضرت عوف[1] بن مالک اشجعیؓ راوی ہیں سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تین آدمی قصہ بیان کریں گے، حاکم یا محکوم یا تکبر کرنے والا۔ اور دارمیؒ نے اس حدیث کو عمرو بن شعیبؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے اور دارمی کی روایت میں لفظ "مختال" یعنی تکبر کرنے والا کی بجائے "او مراء" (یا ریا کار) ہے۔"

تشریح: قصہ بیان کرنے سے مراد وعظ و نصیحت کرنا اور حکایات و قصص بیان کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وعظ و تقریر عموماً تین آدمی کرتے ہیں ان میں سے دو حق پر ہیں یعنی حاکم و محکوم۔ ان ہی لوگوں کو وعظ بیان کرنا چاہئے۔ تیسرا شخص متکبر ہے اس کو وعظ نہیں کہنا چاہئے کیونکہ وہ وعظ کہنے کا اہل نہیں ہے۔

گویا حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ وعظ کہنا اول تو امیر یعنی حاکم کا حق ہے کیونکہ وہ رعیت پر سب سے زیادہ مہربان ہوتا ہے۔ اور رعایا کی اصلاح کے امور کو بخوبی جانتا ہے۔ اگر حاکم خود وعظ نہ کہے تو علماء میں سے جو عالم تقوی و تقدس میں سب سے افضل و اعلیٰ ہو اور دنیاوی طمع نہ رکھتا ہو، وہ اسے مقرر کرے گا تاکہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا رہے، لہٰذا "مامور" سے مراد ایک تو وہ عالم ہو گا جس کو حاکم وقت نے رعایا کی اصلاح کے لئے مقرر کیا ہو یا مامور سے مراد دوسرا وہ شخص ہے جو منجانب اللہ مخلوق کی ہدایت اور اصلاح کے لئے مامور کیا گیا ہو، جیسے علماء اور اولیاء اللہ جو لوگوں کے سامنے وعظ بیان کیا کرتے ہیں اور مخلوق خدا کی اصلاح و ہدایت میں لگے رہتے ہیں۔ لہٰذا اس حدیث سے ایسے لوگوں پر زجر و توبیخ مقصود ہے جو طلب جاہ اور دولت کی خاطر وعظ بیان کیا کرتے ہیں حالانکہ نہ وہ علمی حیثیت سے اس عظیم منصب کے اہل ہوتے ہیں اور نہ عملی طور پر وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ لوگوں کی اصلاح کر سکیں۔ وعظ بیان کرنا صرف انہی دو آدمیوں کا حصہ ہے اور یہی اس کے مستحق اور اہل ہیں۔ ان کے علاوہ جو وعظ بیان کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ از راہ فخر و تکبر اور حصول جاہ و منفعت کی خاطر یہ کام کر رہا ہے جو عذاب خداوندی کا باعث ہے۔

(۳۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُهٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاهُ وَمَنْ اَشَارَ عَلٰی اَخِیْهِ بِاَمْرٍ یَعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِیْ غَیْرِهٖ فَقَدْ خَانَهٗ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا ہو گا تو اس کا گناہ اس شخص پر ہو گا جس نے اس کو (غلط) فتویٰ دیا ہے اور جس شخص نے اپنے بھائی کو کسی ایسے کام کے بارے میں مشورہ دیا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ اس کی بھلائی اس میں نہیں ہے تو اس نے خیانت کی۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مثلاً ایک جاہل آدمی کسی عالم کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آیا عالم نے سائل کو اس کے سوال کا صحیح جواب نہیں دیا بلکہ کم علمی یا کسی دوسری وجہ سے غلط مسئلہ بتا دیا۔ اس جاہل نے یہ نہ جانتے ہوئے کہ یہ مسئلہ غلط ہے۔ اس پر عمل کر لیا تو اس کا گناہ اس جاہل آدمی پر نہیں ہو گا بلکہ اس عالم پر ہو گا جس نے اسے غلط مسئلہ بتا کر غلط عمل کرنے پر مجبور کیا لیکن شرط یہ ہے کہ عالم نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی ہو۔

حدیث کے دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے کسی بھائی کی بدخواہی اس طرح چاہی کہ اسے اس چیز کا مشورہ دیا جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ اس کی بھلائی اس میں نہیں ہے بلکہ دوسرے امر میں ہے تو یہ اس کی خیانت ہے وہ اپنے غیر اخلاقی و غیر شرعی عمل کی بنا پر خائن کہلائے گا۔

(۳۹) وَعَنْ مُعَاوِیَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْاُغْلُوْطَاتِ۔ (رواه ابوداؤد)

---

[1] اسم گرامی عوف بن مالک اشجعی ہے کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ بعض حضرات نے ابوحماد اور بعض نے عمرو بھی لکھا ہے۔ دمشق میں ۷۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ (اسد الغابہ)

"اور حضرت امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مغالطہ دینے سے منع فرمایا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مقصد اس چیز پر تنبیہ ہے کہ علماء سے ایسے مسائل نہ پوچھے جائیں جو مشکل اور پیچیدہ ہونے کی وجہ سے انھیں مغالطہ میں ڈال دیں یا جن سے سائل کا مقصد ہی علماء کو پریشان کرنا اور ان کو مغالطہ میں ڈالنا ہو اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض حضرات جن کے قلب و دماغ علماء کی عزّت و عظمت سے خالی ہوتے ہیں وہ انھیں آزمائش میں ڈالنے یا لوگوں کے سامنے ان کی ہتک کرانے کے لئے ان کے سامنے ایسے مسائل بنا بنا کر پیش کرتے ہیں جن میں وہ چکرا جاتے ہیں اور مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ابتداءً ایسا سوال کیا تو یہ حرام ہے کیونکہ اس سے ایک مؤمن کی ایذا رسانی اور ذہنی تکلیف کا سامان فراہم ہوتا ہے، نیز یہ فتنہ و فساد اور عداوت و نفرت کا سبب ہے، دوسرے یہ کہ ایسے مواقع پر از راہ فخر و تکبر اپنی فضیلت و قابلیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں حرام ہیں۔

لیکن اگر ایسی شکل ہے کہ دوسرے نے اس سے ایسا سوال کیا اور اس نے اس کے جواب میں الزامًا ایسا ہی سوال کیا تو یہ حرام نہیں ہے۔

(۴۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْفَرَآئِضَ وَالْقُرْاٰنَ وَ عَلِّمُوا النَّاسَ فَاِنِّیْ مَقْبُوْضٌ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم فرائض (یعنی فرض چیزیں یا علم فرائض) اور قرآن کریم سیکھ لو اور دوسروں کو بھی سکھلاؤ اس لئے کہ میں قبض کیا جاؤں گا (یعنی اس عالم سے اٹھا لیا جاؤں گا۔" (ترمذیؒ)

(۴۱) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَشَخَصَ بِبَصَرِهٖ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ قَالَ هٰذَا اَوَانٌ یُخْتَلَسُ فِیْهِ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰى لَا یَقْدِرُوْا مِنْهُ عَلٰى شَیْءٍ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم سرکار دو عالم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا۔ یہ وقت ہے کہ علم آدمیوں میں سے جاتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ علم کے ذریعہ کسی چیز پر قدرت نہ رکھیں گے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: یہاں علم سے مراد وحی ہے اور اشارہ ہے اپنی وفات کی طرف یعنی آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی گویا آپ ﷺ وحی کے منتظر تھے۔ چنانچہ بارگاہ الوہیت سے وحی نازل ہوئی اور خبر دے دی گئی کہ اب آپ (ﷺ) کی اجل آگئی ہے اور آپ (ﷺ) اس دنیا سے رخصت ہو کر واصل بحق ہونے والے ہیں اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ وقت آگیا ہے کہ اس دنیا سے وحی منقطع ہو جائے گی۔

(۴۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رِوَایَةً یُوْشِكُ اَنْ یَّضْرِبَ النَّاسُ اَكْبَادَ الْاِبِلِ یَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلَا یَجِدُوْنَ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِیْنَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ جَامِعِهٖ قَالَ ابْنُ عُیَیْنَةَ اَنَّهٗ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ وَمِثْلُهٗ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَقَالَ اِسْحٰقُ ابْنُ مُوْسٰى وَسَمِعْتُ ابْنَ عُیَیْنَةَ اِنَّهٗ قَالَ هُوَ الْعُمَرِیُّ الزَّاهِدُ وَاِسْمُهٗ عَبْدُ الْعَزِیْزِ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایۃً منقول ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے جبکہ لوگ علم حاصل کرنے کے لئے اونٹوں کے جگر کو پھاڑ ڈالیں گے لیکن مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی کو نہیں پائیں گے۔ (ترمذیؒ) اور جامع ترمذیؒ میں ابن عیینہؓ سے منقول ہے کہ مدینہ کے وہ عالم مالک ابن انسؒ ہیں اور عبدالرزاق نے بھی یہی لکھا ہے اور اسحٰق ابن موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے ابن عیینہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مدینہ کا وہ عالم عمری زاہد ہے (یعنی وہ حضرت عمر فاروقؓ کے خاندان سے ہے جن کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "روایۃً منقول" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے تو یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے مرفوعًا ہی روایت کی ہے۔ لیکن حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد کو حضرت ابوہریرہؓ کے الفاظ چونکہ یاد نہیں رہے اس لئے انھوں نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا۔

"اونٹوں کے جگر کو پھاڑنے" کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگوں کے درمیان علم کا چرچہ بڑھے گا اور حصول علم کا شوق افزوں ہوگا تو لوگ دور دراز کا سفر کریں گے اور علم کی خاطر دنیا بھر کی خاک چھانتے پھریں گے، یا یہ کہ درِ علم تک جلد پہنچ جانے کے لئے اونٹوں کو تیزی سے چلائیں گے اور تیز گامی کے ساتھ علم کی منزل مقصود تک پہنچیں گے۔

حدیث کے الفاظ کے مصداق میں کلام ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ مدینہ کے عالم سے زیادہ کوئی بڑا عالم نہیں ملے گا تو مدینہ کے عالم سے کون مراد ہے؟

حضرت سفیان بن عیینہ جو حضرت امام مالکؒ کے اصحاب اور حضرت امام شافعیؒ کے شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے مراد حضرت امام مالکؒ کی ذات محترم ہے۔ اسی طرح حضرت عبدالرزاق جو حدیث کے جلیل القدر اور مشہور امام ہیں یہی فرماتے ہیں کہ حدیث میں جس "عالم مدینہ" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد حضرت امام مالکؒ ہی ہیں۔

لیکن حضرت ابن عیینہ کے ایک شاگرد حضرت اسحٰق بن موسٰیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عیینہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "عالم مدینہ سے مراد حضرت عمری زاہد ہیں۔" جن کا اسم گرامی عبدالعزیز بن عبداللہ ہے۔ چونکہ یہ حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں اس لئے عمری کہا جاتا ہے اور "زاہد" ان کی صفت ہے اس لئے کہ یہ اپنے زمانہ میں مدینہ کے ایک جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے پائے کے زاہد و متقی شخص تھے ان کا نسب اس طرح ہے۔ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرو بن حفص بن عاصم بن عمر فاروقؓ۔

بہرحال امام ترمذیؒ نے یحیٰی کے واسطہ سے ابن عیینہ کا جو قول نقل کیا ہے وہ اس قول کے مخالف ہے جو ابن عیینہ سے اسحٰق بن موسیٰ نقل کرتے ہیں اس طرح حضرت ابن عیینہ کے اقوال میں اختلاف ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے عیینہ سے جو قول نقل کیا ہے، وہ باعتبار ظن کے ہے یقینی اور حتمی طور پر ان لوگوں نے نقل نہیں کیا ہے۔

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد صحابہ اور تابعین کے دور کے اعتبار سے ہے کہ ان کے زمانوں میں مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی دوسری جگہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ صحابہ اور تابعین کے بعد جب علم کی مقدس روشنی مدینہ سے نکل کر اطراف عالم میں پھیلی تو اس کے نتیجہ میں دیگر ممالک اور دوسرے شہروں میں ایسے ایسے عالم و فاضل پیدا ہوئے جو اپنے علم و فضل اور دینی فہم و فراست کے اعتبار سے مدینہ کے عالموں سے بڑھے ہوئے تھے۔

اس حدیث کے ظاہری معنی جو ارشاد نبوی ﷺ سے زیادہ قریب اور انسب ہیں یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا مقصد اس ارشاد سے اس بات کی خبر دینا ہے کہ آخر زمانہ میں علم اپنی وسعت و فراخی کے باوجود صرف مدینہ منورہ میں منحصر ہو جائے گا جیسا کہ دیگر احادیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۳) وَعَنْهُ فِيْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس اُمت کے نفع کے واسطے ہر سو برس پر ایک شخص کو بھیجتا ہے جو اس کے دین کو تازہ کرتا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اکثر علماء نے اس حدیث سے یہ مفہوم مراد لیا ہے کہ ہر زمانہ میں اُمت کے اندر اپنے علم و فضل کے اعتبار سے سب میں ممتاز ایک ایسا شخص موجود ہوتا ہے جو دین کو نکھارتا اور تجدید کرتا ہے جسے مجدد کہا جاتا ہے۔ مجدد اپنے زمانہ میں دین کے اندر ہر پیدا ہونے والی برائی اور خرابی کو دور کرتا ہے۔ بدعت اور رسم و رواج کے جو گہرے پردے دین کی حقیقت پر پڑ جاتے ہیں وہ اپنے علم و معرفت کی قوت سے نھس چاک کرتا ہے اور اُمت کے سامنے پورے دین کو نکھار کر اور صاف و ستھرا کر کے اس کی اپنی اصلی شکل میں پیش کر دیتا ہے۔

چنانچہ بعض حضرات نے تعیّن بھی کیا ہے کہ فلاں صدی میں فلاں مجدد پیدا ہوا تھا اور فلاں صدی میں فلاں مجدد موجود تھا۔ بعض علماء نے حدیث کے معنی کو عمومیت پر محمول کیا ہے، یعنی خواہ دین کی تجدید کرنے والا کوئی ایک شخص واحد ہو خواہ کوئی جماعت ہو جو دین میں پیدا کی گئی برائیوں اور خرابیوں کو ختم کرے۔

(۴۴) وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعُذْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرٍ فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ فِيْ بَابِ التَّيَمُّمِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ (رواہ)

"اور حضرت ابراہیم بن عبدالرحمن عذری راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہر آئندہ آنے والی جماعت میں سے اس کے نیک (یعنی ثقہ اور معتمد) لوگ اس علم (کتاب وسنت) کو حاصل کریں گے اور وہی لوگ اس (علم) کے ذریعہ (آیات واحادیث میں) حد سے گزرنے والوں کی تحریف کو باطلوں کی افتراء پردازی کو اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کریں گے، (اس حدیث کو بیہقیؒ نے اپنی کتاب "مدخل" میں حدیث بقیۃ بن ولید سے نقل کیا ہے اور انھوں نے معان بن مرفاعہ سے اور انھوں نے ابراہیم بن عبدالرحمن عذری سے نقل کیا ہے) اور حضرت جابرؓ کی روایت (جس کی ابتداء یہ ہے) فانما شفاء العی السوال ہم باب تیمم میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۴۵) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔ (رواہ الدارمی)

"حضرت حسنؓ بصریؒ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص کی موت اس حال میں آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو اور (وہ علم) اس غرض سے (حاصل کر رہا ہو) کہ وہ اس کے ذریعہ اسلام کو رائج کرے گا تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہو گا اور وہ مرتبہ نبوت ہے۔" (دارمیؒ)

(۴۶) وَعَنْهُ مُرْسَلًا قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِيْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ اَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ، وَالْاٰخَرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ اَيُّهُمَا اَفْضَلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِيْ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِيْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت حسن بصریؒ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ سے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے بارے میں سوال کیا گیا، ان میں سے ایک تو عالم تھا جو فرض نماز پڑھتا تھا پھر بیٹھ کر لوگوں کو علم سکھاتا تھا۔ اور دوسرا شخص وہ تھا جو دن کو تو روزے رکھتا تھا اور تمام رات عبادت کیا کرتا تھا (چنانچہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا) کہ ان دونوں میں بہتر کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اس عالم کو جو فرض نماز پڑھتا ہے اور بیٹھ کر لوگوں کو علم سکھلاتا ہے اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات میں عبادت کرتا ہے ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی کہ مجھے تمہارے میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر فضیلت حاصل ہے۔" (دارمیؒ)

تشریح: بنی اسرائیل کے مذکورہ دونوں عالم یوں تو اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ہم رتبہ تھے مگر فرق یہ تھا کہ ایک عالم نے تو اپنی زندگی کا

---

[1] حضرت حسن بصری تابعی ہیں آپ کی پیدائش مدینہ میں ہوئی تھی۔ ۱۱۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

مقصد صرف عبادت خداوندی بنالیا تھا چنانچہ وہ دن رات ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہا کرتا تھا بندگان خدا کی اصلاح و تعلیم سے اسے غرض نہیں تھی، مگر دوسرا عالم فرض عبادت بھی پوری طرح ادا کرتا تھا اور اپنے اوقات کا بقیہ حصّہ لوگوں کی اصلاح و تعلیم میں بھی صرف کیا کرتا تھا۔ لہٰذا دونوں میں افضل اسی شخص کو قرار دیا گیا ہے جو خود بھی اپنے علم پر عمل کرتا تھا اور دوسروں کو بھی علم سکھلا کر انھیں راہ ہدایت پر لگاتا تھا۔

(۴۷) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِيْهُ فِي الدِّيْنِ اِنِ احْتِيْجَ اِلَيْهِ نَفَعَ وَاِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ اَغْنٰى نَفْسَهٗ۔ (رواه رزين)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بہتر شخص وہ ہے جو دین کی سمجھ رکھتا ہو۔ اگر اس کے پاس کوئی حاجت لائی گئی تو اس نے نفع پہنچایا اور اگر اس سے بے پروائی برتی گئی تو اس نے بھی اپنے نفس کو بے پرواہ رکھا۔" (رزین)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک عالم کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کا محتاج کر کے اپنی حیثیت کو کمتر نہ کرے، نیز غلط اغراض و مقاصد کی خاطر عوام کی مصاحبت کی طرف میلان نہ رکھے اور نہ ان سے کسی دنیاوی غرض منافع کی طمع کرے۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اپنے آپ کو عوام سے بالکل بے تعلق کر لیا جائے اور اپنے علم سے مخلوق خدا کو محروم رکھا جائے۔ بلکہ اگر عوام دینی ضروریات کے سلسلے میں صرف اسی کے محتاج ہوں اور اس کے علاوہ کسی دوسرے عالم کے نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کا رجوع اس کی طرف ہو تو اس چاہئے کہ وہ لوگوں کے درمیان جائے اور ان کی دینی و اسلامی ضروریات کو پورا کرکے انہیں نفع پہنچائے۔

ہاں اگر عوام خود اس سے لاپرواہی برتیں کہ نہ انھیں اس سے فائدہ اٹھانے کی خواہش ہو اور نہ وہ اس کے محتاج ہوں تو چاہئے کہ وہ بھی ان سے بے پروائی برتے اور ان سے ترک تعلق کر کے اپنے اوقات کو عبادت خداوندی میں مشغول رکھے یا پھر خدمت علم دین کی خاطر دینی کتابوں کے مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں منہمک ہو کر اس ذریعہ سے علم کی روشنی پھیلائے۔

(۴۸) وَعَنْ عِكْرِمَةَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ حَدِّثِ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ اَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ فَاِنْ اَكْثَرْتَ فَثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَلَا اُلْفِيَنَّكَ تَاْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيْثٍ مِنْ حَدِيْثِهِمْ فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيْثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ وَلٰكِنْ اَنْصِتْ فَاِذَا اَمَرُوْكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُوْنَهٗ وَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ فَاِنِّيْ عَهِدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهٗ لَا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ۔ (رواه البخاری)

"اور حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے عکرمہؓ سے فرمایا۔ تم ہر جمعہ کو ایک بار لوگوں کے سامنے حدیث بیان کرو۔ اگر اسے قبول نہ کرو (یعنی ہفتہ میں ایک بار وعظ و نصیحت کو کافی نہ جانو تو ہفتہ میں) دو بار اور بہت کرو تو (ہفتہ میں تین بار وعظ و نصیحت ———— کر سکتے ہو) اور تم لوگوں کو اس قرآن سے تنگ نہ کرو (یعنی ہفتہ میں تین بار سے زیادہ وعظ و نصیحت بیان کر کے لوگوں کو ملول نہ کرو) اور میں تمہیں اس حالت میں نہ پاؤں کہ تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ اپنی باتوں میں مشغول ہوں اور تم ان کی باتوں کو منقطع کر کے ان کے سامنے وعظ و نصیحت شروع کر دو اور (اس طرح) تم ان کو کبیدہ خاطر کرو۔ ایسے موقع پر تمہیں چاہئے کہ تم خاموش رہو البتہ وہ اگر تم سے وعظ و نصیحت کی فرمائش کریں تو جب تک اس کے خواہش مند ہوں تم ان کے سامنے حدیث بیان کرو اور تم دعا میں مقفّٰی عبارت سے صرف نظر کرو اور اس سے بچو، چنانچہ میں نے معلوم کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے (یعنی دعا میں مقفّٰی عبارت استعمال نہیں کرتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: جیسا کہ پچھلے صفات میں گزر چکا ہے اس حدیث میں بھی اسی پر زور دیا جا رہا ہے کہ وعظ و نصیحت کے معاملہ میں اعتدال اور موقع و ماحول کی رعایت ضروری ہے اور اثر اندازی کے اعتبار سے دعوت و تبلیغ کا یہ بنیادی پتھر ہے جس پر تبلیغ کی کامیابی کا پورا دارومدار ہے۔

اس سلسلہ میں خاص طور پر یہ بتایا جارہا ہے کہ اگر کچھ لوگ کسی بات چیت اور آپس کی گفتگو میں مشغول ہوں تو ایسے موقع پر پہنچ کر وعظ و نصیحت شروع نہیں کر دینی چاہئے، چاہے ان کی بات چیت دنیاوی امور سے متعلق ہو یا دینی باتوں پر مشتمل ہو۔ اگر وہ دین کی بات میں مشغول ہیں تو ظاہر ہے کہ بدرجہ اولیٰ ان کی بات کو منقطع کرنا اور اس میں خلل انداز ہونا خواہ وہ تبلیغ ہی کی خاطر کیوں نہ ہو مناسب نہیں ہوگا۔ اگر بات چیت کا موضوع خالص دنیا بھی ہو تو ایسا کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ جب ایک آدمی اپنی کسی ضروری گفتگو میں مشغول ہو اور وہاں پہنچ کر وعظ و نصیحت شروع کر دی جائے تو گفتگو میں خلل پڑنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ وہ بتقاضائے بشریت اسے گوارہ نہ کرے اور وہ ایسے موقع پر قرآن و حدیث کی باتیں سننا پسند نہ کرے جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ خواہ مخواہ گناہ میں مبتلا ہوگا بلکہ اس کے قلب پر دین کی عظمت و اہمیت کا نقش بھی قائم نہ ہوگا۔

ہاں اگر مصلحت کا تقاضا ہی یہ ہو کہ انھیں اس گفتگو سے باز رکھا جائے تو پھر ایسا انداز اور طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس سے انھیں ناگواری بھی نہ ہو اور وہ اس کلام و گفتگو سے رک بھی جائیں، غرض کہ نظر مصلحت ضرورت وقت پر رکھنی چاہئے۔

ویسے جہاں تک ابن عباسؓ کے قول کا تعلق ہے اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ ان کا عکرمہؒ کو حکم دینا اکثر کے اعتبار سے تھا یعنی یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ اکثر و بیشتر لوگ محض دنیاوی باتوں ہی میں مشغول رہا کرتے تھے۔

"دعا میں مقفّٰی عبارت" کا مطلب یہ ہے کہ دعا تاثیر کے اعتبار سے وہی بہتر ہوتی ہے جو بغیر تصنع و بناوٹ کے سیدھی سادھی ہو اور دل کی گہرائیوں سے نکلی ہو۔ اس لئے دعا کی عبارت کو شعر و شاعری کا رنگ دینا، الفاظ میں قافیہ اور تکلف نہیں کرنا چاہئے۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی ان دعاؤں پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ جو مقفّٰی و مسجع ثابت ہیں اور جن میں قافیہ بندی بھی ہے۔ اس لئے یہ چیزیں تو آنحضرت ﷺ سے بے تکلف اور از خود صادر ہوتی تھیں ان میں آپ ﷺ کے تکلف اور کوشش کو دخل نہیں ہوتا تھا۔

(۴۹) وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَاَدْرَكَهٗ كَانَ لَهٗ كِفْلَانِ مِنَ الْاَجْرِ فَاِنْ لَّمْ يُدْرِكْهُ كَانَ لَهٗ كِفْلٌ مِّنَ الْاَجْرِ۔ (رواہ الدارمی)

"حضرت واثلہؓ بن اسقع سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص علم کا طالب ہو اور اسے علم حاصل بھی ہو گیا تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور اگر اسے علم حاصل نہ ہو تو اس کو ایک حصہ ثواب ملے گا۔" (داریؒ)

تشریح: دو ثواب اس طرح ملیں گے کہ ایک ثواب تو طلب علم اور اس کی مشقت و محنت کا ہوگا جو اس نے حصول علم کے سلسلے میں اٹھائی ہیں اور دوسرا ثواب علم کے حاصل ہونے کا اور پھر دوسروں کو علم سکھلانے کا ہوگا یا دوسرا ثواب عمل کا ہوگا جو اس نے علم پر کیا ہے۔ ہاں اس شخص کو جسے اس کی طلب اور کوشش کے باوجود علم حاصل نہیں ہوا صرف ایک ثواب اس کی محنت و مشقت ہی کا ملے گا۔

بہر حال اتنی بات تو طے ہے کہ بہر تقدیر طلب علم میں لگے رہنا چاہئے۔ اگر علم حاصل ہو گیا تو نور علیٰ نور کہ اسے دو، دو ثواب ملیں گے اور اگر علم حاصل نہ ہوا تو یہی کیا کم ہے کہ طلب علم میں مرجانا بھی سعادت ہے۔

گرچہ نہ تواں بد دست رہ برون   شرط یاری ست در طلب مردن

(۵۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَ وَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ اَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْبَيْتًا لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْنَهَرًا اَجْرَاهُ اَوْصَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِیْ صِحَّتِهٖ وَحَيَاتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ۔ (رواہ ابن ماجۃ والبیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ مؤمن کو اس کے جس عمل یا جن نیکیوں کا مرنے کے بعد ثواب پہنچتا ہے اس میں ایک تو علم ہے جس کو اس نے سیکھا اور رواج دیا تھا، دوسرے نیک اولاد ہے جس کو اپنے بعد چھوڑا۔ تیسرے قرآن ہے جو

وارثوں کے لئے چھوڑا ہو۔ چوتھے مسجد ہے جس کو اپنی زندگی میں بنالیا گیا ہو، پانچویں مسافر خانہ ہے جس کو اس نے تعمیر کیا ہو، چھٹے نہر ہے جس کو اس نے جاری کیا ہے اور ساتویں وہ خیرات ہے جس کو اس نے اپنی اپنی تندرستی اور زندگی میں اپنے مال سے نکالا ہو، ان تمام چیزوں کا ثواب اس کے مرنے کے بعد اس کو پہنچتا ہے۔" (ابن ماجہؒ، بیہقیؒ)

تشریح: قرآن کے حکم میں شرعی کتابیں بھی داخل ہیں، اس طرح مسجد کے حکم میں علماء کے قائم کردہ مدرسے اور خانقاہیں جو ذکر اللہ و ترکیہ نفس کے لئے ہوں شامل ہیں یعنی ان سب کا ثواب بھی مرنے کے بعد برابر پہنچتا رہتا ہے۔

(۵۱) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنَّهُ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهُ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَلَبْتُ كَرِيْمَتَيْهِ اَثَبْتُهُ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ وَفَضْلٌ فِيْ عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ فَضْلٍ فِيْ عِبَادَةٍ وَمِلَاكُ الدِّيْنِ الْوَرَعُ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی (خفی) بھیجی ہے کہ جو طلب علم کے لئے راستہ اختیار کرے تو میں اس پر جنت کے راستے کو آسان کر دوں گا اور جس شخص کی میں نے دونوں آنکھیں چھین لی ہوں (یعنی کوئی شخص نابینا ہو گیا ہو) تو اس دنیاوی نعمت سے محرومی اور اس پر صبر و شکر کی بناء پر میں اس کا بدلہ اسے جنت دوں گا اور علم کے اندر زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے اور دین کی جڑ پرہیز گاری ہے۔" (بیہقی)

تشریح: ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص علم دین کے حصول کے لئے کسی راستہ کو اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کی راہ آسان کر دے گا یعنی دنیا میں معرفت و حقیقت کی دولت سے نوازا جائے گا اور عبادت خداوندی کی توفیق عنایت فرمائی جائے گی تاکہ وہ اس کے سبب جنت میں داخل ہو سکے، یا اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسے شخص پر آخرت میں جنت کے دروازے کا راستہ اور جنت میں جو محل اہل علم کے لئے مخصوص ہے اس کی راہ آسان کر دی جائے گی۔

گو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں علم کی جو راہ ہے وہی آخرت میں جنت کی بھی راہ ہے اور علم کے دروازوں کے علاوہ جنت کی تمام راہیں بند ہیں یعنی بغیر علم کے جنت میں داخل ہونا مشکل ہے مگر شرط یہی ہے کہ علم خلوص نیت اور للّٰہیت کے جذبہ سے حاصل کیا گیا ہو اور پھر اس عمل کی توفیق بھی ہوتی ہو ورنہ علم بغیر خلوص اور بغیر عمل کے کوئی حقیقت نہیں رکھے گا اور اس کا مصداق ہو گا کہ ؏

چار پایہ بروکتا بے چند

آخر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دین کی اصل اور جڑ ورع (یعنی پرہیز گاری) ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حرام، منکرات اور طمع سے بچنا چاہئے تاکہ عبادات میں ریا اور عدم اخلاص پیدا نہ ہو۔

(۵۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ اِحْيَائِهَا۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ رات میں تھوڑی دیر علم کا درس دنیا کی تمام رات کو زندہ رکھنے سے بہتر ہے۔" (دارمیؒ)

تشریح: یعنی تمام رات نماز پڑھنے اور عبادت خداوندی میں مشغول رہنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ تھوڑی دیر تک آپس میں تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس کا مشغلہ رکھا جائے اسی حکم میں حصول مقصد کے لئے علم کا لکھنا یعنی تصنیف و تالیف اور دینی و علمی کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی داخل ہے۔

(۵۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَاَمَّا

هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِ الْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکار دو عالم ﷺ کا گزر دو مجلسوں پر ہوا، جو مسجد نبوی میں منعقد تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ دونوں بھلائی پر ہیں لیکن ان میں سے ایک (نیکی میں) دوسرے سے بہتر ہے۔ ایک جماعت عبادت میں مصروف ہے، خدا سے دعا کر رہی ہے اور اس سے اپنی رغبت کا اظہار کر رہی ہے (یعنی حصول مقصد کے لئے خدا کی طرف امید ہے اور حصول مقصد خواہش الٰہی پر موقوف ہے) لہٰذا اگر خدا چاہے تو انہیں دے اور اگر چاہے نہ دے۔ اور دوسری جماعت فقہ یا علم حاصل کر رہی ہے اور جاہلوں کو علم سکھا رہی ہے، چنانچہ یہ لوگ بہتر ہیں اور میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آنحضرت ﷺ خود بھی ان میں بیٹھ گئے۔"

(دارمیؒ)

تشریح: ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ صحابہ کی دو جماعتیں الگ الگ بیٹھی ہوئی ہیں ایک جماعت تو ذکر و دعا میں مشغول تھی اور دوسری جماعت مذاکرۂ علم میں مشغول تھی آپ ﷺ نے ان دونوں میں سے اس جماعت کو بہتر قرار دیا جو مذاکرۂ علم میں مشغول تھی اور پھر نہ صرف یہ کہ زبان ہی سے ان کی فضیلت کا اظہار فرمایا بلکہ خود بھی اس جماعت میں بیٹھ کر علماء کی مجلس کو مزید عزت و شرف کی دولت بخشی۔

علم اور عالموں کی اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ سردار انبیاء ﷺ نے عابدوں کی مجلس کو چھوڑ کر عالموں ہی کی ہم نشینی اختیار فرمائی ہے اور اپنے آپ کو ان ہی میں سے شمار کیا۔

گدایان را ازیں معنی خبر نیست ــ کہ سلطان جہاں با ماست امروز

(۵۴) وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاحَدُّ الْعِلْمِ الَّذِيْ اِذَا بَلَغَهُ الرَّجُلُ كَانَ فَقِيْهًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِيْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا فِيْ اَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيْهًا وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَّشَهِيْدًا۔

"اور حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ علم کی مقدار کیا ہے کہ جب انسان اتنا علم حاصل کرے تو فقیہہ (عالم) ہو جائے اور آخرت میں اس کا شمار زمرہ علماء میں ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص میری اُمت کو فائدہ پہنچانے کے لئے امردین کی چالیس حدیثیں یاد کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں فقیہ اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کا شفاعت کرنے والا اور (اس کی اطاعت پر) گواہ بنوں گا۔"

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ اس سے مراد چالیس حدیثوں کا دوسرے لوگوں تک پہنچانا ہے اگرچہ وہ یاد نہ ہوں چنانچہ اس حدیث کے پیش نظر بہت سے علماء نے چالیس احادیث جمع کر کے لوگوں تک پہنچائی ہیں اور اس طرح وہ قیامت میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور گواہی کے امیدوار ہوئے ہیں۔

(۵۵) وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِيْ اٰدَمَ وَاَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهُ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَمِيْرًا وَّحْدَهُ اَوْقَالَ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔

"اور حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے (صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ سخاوت کے معاملہ میں سب سے بڑا سخی کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سخاوت کرنے میں اللہ تعالیٰ سب سے بڑا سخی ہے اور بنی آدم میں سب سے بڑا سخی میں ہوں، پھر لوگوں میں میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ شخص ہو گا جس نے علم سیکھا

اور اسے پھیلایا۔ وہ شخص قیامت کے دن ایک امیر یا فرمایا کہ ایک گروہ کی طرح آئے گا۔"

تشریح: آخر روایت میں راوی کو شک ہو گیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے امیر او حدہ فرمایا امۃ واحدۃ فرمایا یعنی ایسا شخص جس نے علم سیکھا اور اس کو لوگوں کے درمیان پھیلایا تو اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آخرت میں ایک امیر کی مانند آئے گا کہ وہ کسی کے تابع نہیں ہو گا بلکہ اس کے ساتھ تابع اور خدام ہوں گے یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ وہ تن تنہا شخص ایک گروہ و جماعت کی مانند ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ مخلوق خدا کے درمیان معزز و مکرم ہو گا اور آخرت میں بصد شوکت و حشمت آئے گا۔

(۵۶) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ فِي حَدِيْثِ اَبِي الدَّرْدَاءِ هٰذَا مَتْنٌ مَشْهُوْرٌ فِيْمَا بَيْنَ النَّاسِ وَلَيْسَ لَهٗ اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ حرص کرنے والے دو شخص ہیں جن کا پیٹ نہیں بھرتا۔ ایک علم میں حرص کرنے والا کہ اس کا پیٹ کبھی علم سے نہیں بھرتا، اور دوسرا دنیا کی حرص کرنے والا کہ اس کا پیٹ دنیا سے کبھی نہیں بھرتا۔ مذکورہ بالا تینوں حدیثیں بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت کی ہیں۔ حضرت امام احمدؒ نے حضرت ابو داؤدؓ کی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا متن لوگوں میں مشہور ہے مگر اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔"

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کے طرق متعدد ہیں جن میں بعض کو دوسرے بعض کی بنا پر تقویت ملی ہے لیکن ویسے بھی یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

(۵۷) وَعَنْ عَوْنٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْيَا وَلَا يَسْتَوِيَانِ اَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزْدَادُ رِضًى لِلرَّحْمٰنِ وَاَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَتَمَادٰى فِي الطُّغْيَانِ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى قَالَ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت عون راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ دو حریص ہیں جن کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، ایک عالم اور دوسرا دنیا دار لیکن یہ (درجہ میں) برابر نہیں ہیں کیونکہ عالم تو خدا کی خوشنودی و رضامندی کو زیادہ کرتا ہے اور دنیا دار سرکشی میں زیادتی کرتا ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دنیا دار کے حق میں (دلیل کے طور پر) یہ آیت پڑھی۔ (آیت کا ترجمہ) خبردار! انسان البتہ سرکشی کرتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو (کثرت مال کی بنا پر لوگوں سے) غنی دیکھتا ہے حضرت عون کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے دوسرے یعنی عالم کے حق میں یہ آیت پڑھی۔ (آیت کا ترجمہ) خدا کے بندوں میں عالم خدا سے ڈرتے ہیں۔" (دارمیؒ)

(۵۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُنَاسًا مِنْ اُمَّتِيْ سَيَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ وَيَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَقُوْلُوْنَ نَاْتِي الْاُمَرَاءَ فَنُصِيْبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِيْنِنَا وَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنٰى مِنَ الْقَتَادِ اِلَّا الشَّوْكُ كَذٰلِكَ لَا يُجْتَنٰى مِنْ قُرْبِهِمْ اِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ كَاَنَّهٗ يَعْنِي الْخَطَايَا۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میری اُمت میں بہت سے لوگ دین میں سمجھ یعنی دین کا علم حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم امراء کے پاس جا کر ان کی دنیا اور (دولت) میں سے اپنا حصّہ حاصل کریں گے اور اپنے دین کو ان سے یکسو رکھیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا (کہ دین و دنیا ایک جگہ جمع ہو جائیں اور امراء کی صحبت میں بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے) جیسا کہ جس طرح خار دار درخت سے صرف کانٹا ہی حاصل ہو سکتا ہے اسی طرح امراء کی صحبت سے نہیں حاصل ہوتا مگر! حضرت محمد ابن صباح کہتے ہیں کہ گویا آنحضرت ﷺ کی مراد (لفظ الا کے بعد) خطایا تھی۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے الا کے بعد کسی لفظ کا تکلم نہیں فرمایا چنانچہ حضرت محمد بن صباح جو ایک جلیل القدر محدث اور حضرت امام بخاریؒ وامام مسلمؒ جیسے ائمہ حدیث کے استاد ہیں۔ اس کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مراد لفظ الا کے بعد خطایا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے اسے حذف فرمایا اور اس کا تکلم نہیں کیا۔ اس طرح حدیث کے آخری الفاظ اب اس طرح ہو جائیں گے لا یحتنی من قربھم الا الخطایا یعنی امراء کی صحبت سے حاصل نہیں ہوتا مگر گناہ۔

اب رہا سوال یہ کہ آپ ﷺ نے لفظ خطایا کو حذف کیوں فرمایا۔ تو اس میں ایک نکتہ ہے اور وہ یہ کہ اس میں اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ امراء کی صحبت کا نقصان اتنا زیادہ ہے کہ اسے زبان سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس اُمت میں ایسے بھی عالم پیدا ہوں گے جن کا مقصد حصول علم سے محض یہ ہوگا کہ وہ علم حاصل کر کے اور قرآن پڑھ کر امراء کے پاس جائیں اور ان کے سامنے اپنی بزرگی و فضیلت کا اظہار کر کے ان سے مال و دولت حاصل کریں اور علم کا جو حقیقی منشاء و مدعا ہوگا یعنی مخلوق خدا کی ہدایت اور عوام الناس کی بغیر کسی لالچ اور طمع کے دینی راہبری اس سے انھیں قطعًا کوئی مطلب نہ ہوگا۔ اور جب ان سے کہا جائے گا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ بیک وقت تفقہ فی الدین اور امراء کی قربت و صحبت جمع ہو جائے؟ تو وہ جواب میں یہ کہیں گے کہ ہم ان سے مال و دولت تو حاصل کریں گے مگر اپنے دین کو ان سے بچائیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے حالانکہ یہ امر محال ہے۔

(۵۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَوْاَنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوا الْعِلْمَ وَوَضَعُوْهُ عِنْدَ اَهْلِهٖ لَسَادُوْابِهٖ اَهْلَ زَمَانِهِمْ وَلٰكِنَّهُمْ بَذَلُوْهُ لِاَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنَالُوْا بِهٖ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوْا عَلَيْهِمْ سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ اٰخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُوْمُ (فِيْ) اَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِيْ اَيِّ اَوْدِيَتِهَا هَلَكَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مِنْ قَوْلِهٖ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا اگر اہل علم (یعنی علماء) علم کی حفاظت کریں اور علم کو اس کے اہل ہی (یعنی قدر دانوں) کے سامنے رکھیں تو وہ بے شک اپنے علم کے سبب دنیا والوں کے سردار بن جائیں لیکن (علماء) نے اگر ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے علم کو دنیا داروں پر خرچ کیا تاکہ اس کے ذریعہ وہ دنیا (یعنی جاہ و جلال) کو حاصل کریں اور علم کا حقیقی مقصد یعنی دنیا والوں کی ہدایت و نصیحت کو موقوف کر دیں تو وہ دنیا والوں کی نظر میں ذلیل ہوئے۔ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اپنے مقاصد میں سے صرف ایک مقصد یعنی آخرت کے مقصد کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی مقصد کو پورا کر دیتا ہے اور جس شخص کے مقاصد پراگندہ ہوں جیسے کہ دنیا کے حالات ہیں تو پھر اللہ کو پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ خواہ کسی جنگل (یعنی دنیا کی کسی حالت) میں ہلاک ہو۔ (ابن ماجہ، بیہقی نے اس حدیث کو شعب الایمان میں ابن عمرؓ سے قول "من جعل الھموم" سے آخر تک روایت کیا ہے۔"

(ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح: یہ حدیث علماء کو احساس و شعور کی ایک دولت بخش رہی ہے اور علم کے سب سے اعلیٰ و بلند مقام کی نشاندہی کر رہی ہے چنانچہ ابن مسعودؓ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ علماء اپنا مرتبہ و مقام پہچانیں اور وہ جس عرفانی مقام پر فائز ہیں اس کی اہمیت و نزاکت کا احساس کریں۔ اس لئے کہ علم دین جن بلند و اعلیٰ احساسات کا حامل ہے اسی طرح وہ اپنا ظرف بھی بلند و اعلیٰ چاہتا ہے۔ علم کی شان عظمت ہی یہ ہے کہ وہ قدر دانوں اور باشعور اشخاص کے پاس رہے۔ اگر حصول جاہ و جلال کی خاطر علم کو دنیا دار سرداروں اور ظالموں کی چوکھٹ کا سجدہ ریز بنایا جاتا ہے تو یہ علم کی سب سے بڑی توہین اور عالم کی سب سے بڑی ذلت ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ ایک بات اس سے بڑی فرما رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیاوی اعتبار سے سرداری، شوکت و حشمت اور عزت و عظمت کوئی بڑی چیز نہیں ہے بلکہ اصل اور حقیقی سرداری و امارت تو وہ ہے جو فضل و کمال اور بزرگی کے اعتبار سے ہو یہی وجہ ہے کہ علماء کی

یہ شان نہیں ہوا کرتی کہ وہ بادشاہ و امیر بنیں یا حاکم و سردار ہوں، وہ تو علم و فضل اور بزرگی کی طاقت سے دنیا کے روحانی تاجدار ہوتے ہیں اور لوگوں کے دل و دماغ پر حکمران ہوتے ہیں اور ان کے ماسواء ان کے زیر قدم، زیر قلم اور ان کی عقل و احکام کے تابع دار ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن شاہد ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ (المجادلۃ ۵۸: ۱۱)

"یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے ان کے جو ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند کرتا ہے۔"

آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ بندہ کا احساس اور اس کا شعور اتنا پاکیزہ اور لطیف ہو جانا چاہئے کہ اس کے دل و دماغ کے ایک ایک گوشہ میں صرف ایک ہی مقصد کی روشنی ہو اور وہ مقصد آخرت ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہ ہو اور کوئی غرض نہ ہو تو پھر خدا کی جانب سے اس پر دنیاوی وسعت کے دروازے بھی خود بخود کھول دیئے جاتے ہیں۔

لیکن بندہ کا دل و دماغ اگر اتنا پراگندہ ہو کہ وہ ہمہ وقت دنیا کی چیزوں میں تو لگا رہے اور دنیا کے تفکرات میں مستغرق رہے تو خدا کی جانب سے اس کے ساتھ کوئی اچھا معاملہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ خدا اس سے اتنا بے تعلق ہو جاتا ہے کہ اگر وہ بندہ دنیا کی کسی تکلیف اور کسی بھی مصیبت میں ہلاک ہو جائے تو خدا کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی اور نہ دنیاوی اعتبار سے اور نہ دینی اعتبار سے رحمت خداوندی کی نظر کرم اس کی طرف ہوتی ہے۔ اس طرح وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ کے خسران و نقصان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۶۰) وَعَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰفَةُ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ وَاِضَاعَتُهٗ اَنْ تُحَدِّثَ بِهٖ غَيْرَ اَهْلِهٖ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلاً۔

"اور حضرت اعمش راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا علم کی آفت بھولنا ہے اور علم کا ضائع کرنا یہ ہے کہ اس کو نااہل کے سامنے بیان کیا جائے۔" (دارمیؒ نے بطریق ارسال کیا ہے)

تشریح: علم کے حاصل ہونے سے پہلے تو بہت سی آفات اور مصیبتیں ہوتی ہیں لکل شئی افة وللعلم افات یعنی ہر چیز کی ایک ہی آفت ہوتی ہے مگر علم کے لئے بہت سے آفات ہیں۔ لیکن حصول علم کے بعد ایک ہی آفت ہے اور وہ نسیان یعنی بھولنا ہے اور یقیناً کسی چیز کا حاصل ہو جانے کے بعد زائل ہو جانا اور ذہن میں آکر پھر محو ہو جانا زبردست روحانی اذیت ہے۔

دراصل اس حدیث سے اس پر تنبیہ مقصود ہے کہ طالب علم اور اہل علم کو چاہئے کہ وہ ایسی باتوں سے اجتناب کریں جو نسیان کا سبب ہیں یعنی گناہ و معصیت سے بچیں اور ان چیزوں میں دل نہ لگائیں جو ذہن و فکر کو غافل کر دیتی ہیں جیسے دنیا کی سحر آفرینیوں اور خواہشات نفسانی میں دلچسپی لینا چنانچہ حضرت امام شافعیؒ نے اسی مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی

ترجمہ: "میں نے اپنے استاد وکیعؒ سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ترک معصیت کی نصیحت کی۔"

فان العلم فضل من الله وفضل الله لا یعطی لعاص

ترجمہ: "کیونکہ علم تو خدا کا ایک فضل ہے اور خدا کا فضل گناہ گار کے حصہ میں نہیں آتا۔"

آخر حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ علم کو اس کے نااہل اور ناقدردان کے سامنے پیش کرنا دراصل علم کو ضائع کرنا ہے اور نااہل وہ شخص ہے جو نہ تو علم کو سمجھتا ہے اور نہ علم کی قدر جانتا ہے لہٰذا جب اس کے سامنے علم پیش کیا جائے گا تو علم ضائع ہوگا۔ اس لئے علم انہی کو سکھانا چاہئے جو اس کے اہل اور قدردان ہوں، یعنی وہ علم سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ بھی ان کے اندر موجود

ہو۔

(۶۱) وَعَنْ سُفْيَانَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لِكَعْبٍ مَنْ اَرْبَابُ الْعِلْمِ؟ قَالَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ بِمَا يَعْلَمُوْنَ قَالَ فَمَا اَخْرَجَ الْعِلْمَ مِنْ قُلُوْبِ الْعُلَمَآءِ قَالَ الطَّمَعُ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت سفیان راوی ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت کعبؓ سے فرمایا کہ (تمہارے نزدیک) صاحب علم کون ہے حضرت کعبؓ نے جواب دیا وہ لوگ جو اپنے علم کے موافق عمل کریں، پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کون سی چیز عالموں کے دلوں سے علم کو نکال لیتی ہے؟ حضرت کعبؓ نے جواب دیا۔ "لالچ"۔" (دارمیؒ)

تشریح: حضرت عمرؓ کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ علماء کے دلوں سے نور علم اور علم کی عظمت و برکت کو نکالنے والی کونسی چیز ہے اور وہ کیا شے ہے جس کی موجودگی علم کے منافی ہے؟ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ "لالچ۔" وہ بری خصلت ہے جو علم کے نور کو عالم کے دل سے ضائع کر دیتی ہے۔ کیونکہ جب کسی عالم کے اندر جاہ و جلال کی محبت اور لالچ اور دنیاوی اسباب عیش و عشرت کی طمع پیدا ہو جائے گی تو پھر علم کا نور اور علم کی برکت اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور عالم کے دل و دماغ علم کی حقیقی روشنی سے منور نہ رہ سکیں گے۔

(۶۲) وَعَنِ الْاَحْوَصِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَا تَسْئَلُوْنِيْ عَنِ الشَّرِّ وَسَلُوْنِيْ عَنِ الْخَيْرِ يَقُوْلُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت احوص بن حکیم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم ﷺ سے "برائی" کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے برائی کے بارے میں مت پوچھو بلکہ بھلائی کے بارے میں سوال کرو۔ اور ان جملوں کو آپ ﷺ نے تین بار ادا فرمایا۔ خبردار! بدلوگوں میں بدترین برے عالم ہیں اور بھلے لوگوں میں سب سے بہتر بھلے علماء ہیں۔" (دارمیؒ)

تشریح: صحابی کے سوال کا مقصد یا تو نفس برائی کے بارے میں دریافت کرنا تھا جیسا کہ ترجمہ سے معلوم ہوا یا وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ بدترین آدمی کون ہے؟ اور جواب کو دیکھتے ہوئے یہی مقصد زیادہ واضح ہے۔ آپ ﷺ نے اس طرح کے سوال سے منع فرمایا، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ چونکہ سرکار دو عالم ﷺ کی ذات اقدس سراپا رحمت اور سراپا خیر ہے اس لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ آپ ﷺ سے محض بدی اور برائی ہی کا سوال کیا جاتا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے برائی اور بھلائی دونوں کے بارے میں جواب دے کر اسی طرف اشارہ فرمایا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علماء کی ذات چونکہ عوام کے اندر ایک معیار اور نمونہ ہوتی ہے اور لوگ ان کے تابع و معتقد ہوتے ہیں، لہٰذا عالم کی ہر صفت اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اثرات دوسروں تک بھی پہنچتے ہیں، عالم اگر نیک اخلاق و عادات اور اچھے خصائل کا ہوتا ہے تو اس کے ماننے والے اور اس کی اتباع کرنے والے بھی نیک اخلاق و عادات کے مالک ہوتے ہیں اور خدانخواستہ عالم بد اخلاق، بدکردار ہو جائے تو پھر اس کے جراثیم دوسرے تک پہنچتے ہیں اور اس کے ماننے والے بھی اسی کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

(۶۳) وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَا يَنْتَفِعُ بِعِلْمِهِ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا کے نزدیک مرتبہ میں سب سے بدتر وہ عالم ہے جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا۔" (دارمیؒ)

تشریح: یا تو اس سے مراد وہ عالم ہے جس نے ایسا علم سیکھا جو فائدہ پہنچانے والا نہیں ہے۔ یعنی غیر شرعی علوم اس نے حاصل کئے جو نفع بخش نہیں ہیں یا پھر وہ عالم مراد ہے جس نے علم تو شرعی اور دینی حاصل کیا مگر اس پر عمل نہیں کیا۔

لہٰذا ایسے عالم کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ قیامت کے روز مرتبہ کے اعتبار سے وہ خدا کے نزدیک سب سے بدتر ہو گا یعنی یہ جاہل سے بھی زیادہ برا ہو گا یہی وجہ ہے کہ اس پر جو عذاب ہو گا وہ جاہل کے عذاب سے سخت ہو گا، جیسا کہ منقول ہے۔

ویل للجاهل مرة و ویل للعالم سبع مرات۔

یعنی جاہل کے لئے ایک مرتبہ بربادی ہے اور عالم کے لئے سات مرتبہ بربادی ہے، نیز یہ وارد ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ اور سب سے شدید عذاب جس پر ہو گا وہ ایسا عالم ہے کہ جسے اللہ نے علم دیا اور اس نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔

(۶۴) وَعَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ عُمَرُ هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْاِسْلَامَ قُلْتُ لَا قَالَ يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ۔ (رواه الدارمی)

"اور حضرت زیاد بن حدیر راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اسلام کی عمارت کو ڈھانے والی کیا چیز ہے؟ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم! حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ عالم کا پھسلنا (یعنی کسی مسئلہ میں عالم کا غلطی کرنا اور اس کا گناہ کرنا، منافق کا کتاب اللہ میں جھگڑنا اور گمراہ سرداروں کا حکم جاری کرنا اسلام (کی عمارت) کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔" (دارمیؒ)

تشریح: اسلام کی عمارت کو ڈھا دینے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے جو پانچ بنیادی اصول ہیں، یعنی کلمہ، توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ وہ بیکار محض ہو کر رہ جائیں، چنانچہ جب عالم اپنے حقیقی فرائض یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی کو اپنی خواہشات نفسانی کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے تو ان چیزوں میں سستی اور فساد واقع ہو جاتا ہے۔

اسی طرح منافق یعنی وہ شخص جو بظاہر تو اسلام کا دم بھرتا ہے مگر اندرونی طور پر وہ کفر و بدعت کا پوری طرح ہمنوا ہوتا ہے۔ جب قرآن میں جھگڑتا ہے باایں طور پر وہ قرآن کے معنی و مفہوم کی غلط تاویلات کر کے احکام شرعیہ کو رد کرتا ہے تو اس سے ارکان اسلام میں سستی اور دین میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

اسی زمرہ میں وہ روافض اور خوارج نیز دیگر باطل عقائد کے لوگ بھی داخل ہیں جو اپنی خواہشات نفسانی اور ذاتی اغراض کی خاطر غلط سلط تاویلیں کر کے دین و شریعت میں شک و شبہہ کا بیج بوتے ہیں۔

(۶۵) وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ الْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذٰلِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ۔ (رواه الدارمی)

"اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ علم جو دل کے اندر رہتا ہے یہ علم تو نفع دیتا ہے اور دوسرا وہ علم ہے جو زبان کے اوپر رہتا ہے یہ علم آدمی پر خدائے عزوجل کی دلیل و حجت ہے۔" (دارمیؒ)

تشریح: حضرت حسن بصریؒ نے علم کی جو دو قسمیں کی ہیں ان میں سے پہلے کو علم باطن کہا جاتا ہے اور دوسرے کو علم ظاہر چنانچہ جب تک ظاہر کی اصلاح نہیں ہوتی علم باطن نے کچھ میسر نہیں آتا، اسی طرح جب تک باطن کی اصلاح نہیں ہو جاتی علم ظاہر کی تکمیل نہیں ہوتی۔

ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ یہ دونوں علم اصل اور بنیادی ہیں اور ان دونوں میں اس درجہ کا ارتباط و تعلق ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا، جس طرح ایمان و اسلام کہ ایک دوسرے کے بغیر صحیح نہیں ہوتے یا جیسے دل و جسم کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے ٹھیک اسی طرح ان دونوں علوم کا آپس میں ارتباط و تعلق ہے۔ (ملا قاری)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ نفع دینے والا علم وہ ہوتا ہے کہ جب اس کی روشنی سے دل منور ہو جاتا ہے تو دل کے وہ پردے اٹھ جاتے ہیں جو حقائق اشیاء کی معرفت و فہم کے لئے مانع ہیں۔

علم نافع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو علم معاملہ جو عمل کا باعث ہوتا ہے اور دوسرا علم مکاشفہ جو عمل کا اثر ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے دل میں یہ نور علم ڈال دیتا ہے اور حضرت حسن بصریؒ نے جس علم کو نافع قرار دیا ہے وہ یہی علم ہے اور جو علم زبان کے اوپر ہوتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جو نہ تو تاثیر رکھتا ہے اور نہ دل میں نورانیت پیدا کرتا ہے۔

علم چوں بر تن زند ماری شود   علم چوں بر دل زند یاری شود

چنانچہ اسی علم کو کہا جا رہا ہے کہ یہ بندوں پر خدا کی جانب سے حجت اور دلیل ہے کہ خدا بندوں کو الزام دیتے ہوئے فرمائے گا کہ میں نے تو تمہیں علم دیا تھا تم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ جاہل کے لئے ایک بار بربادی ہے اور عالم کے لئے سات بار کیونکہ یہ دیدہ و دانستہ گمراہ ہوا۔

(۲۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ فِیْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ یَعْنِیْ مَجْرَی الطَّعَامِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے دو باسن (یعنی دو طرح کے علم) یاد رکھے ہیں، ان میں سے ایک کو تمہارے درمیان میں نے پھیلا دیا ہے اور دوسرا علم وہ ہے کہ اگر میں اسے بیان کروں تو میرا یہ گلا کاٹ ڈالا جائے۔" (بخاریؒ)

تشریح: پہلے علم سے مراد تو علم ظاہر ہے جس کا تعلق احکام و اخلاق وغیرہ سے ہے۔ دوسرے علم کے دو مفہوم لئے جا سکتے ہیں اول تو یہی کہ اس سے مراد وہ علم باطن ہے جس کے اسرار و معانی عوام سے ان کے ناقص فہم کی بنا پر پوشیدہ ہیں اور وہ علم خواص علماء عارفین کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کو آنحضرت ﷺ نے بتایا تھا کہ میرے بعد ایک جماعت کی طرف سے ایک زبردست فتنہ اٹھے گا جس سے بدعات کی بنیاد پڑ جائے گی۔ حضرت ابوہریرہؓ کو اس قوم اور اس قوم کے افراد کے ناموں کا بھی علم تھا چنانچہ ہو سکتا ہے کہ اس سے حضرت ابوہریرہؓ کی مراد یہی علم ہو جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اگر میں اسے لوگوں کے سامنے بیان کر دوں گا تو میری جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

(۲۷) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ یٰاَیُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَیْئًا فَلْیَقُلْ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ یَعْلَمْ فَلْیَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ فَاِنَّ مِنَ الْعِلْمِ اَنْ تَقُوْلَ لِمَا لَا تَعْلَمُ اللّٰهُ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِنَبِیِّهٖ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ۔ (متفق علیہ، سورۃ ص ۸۶)

"اور مروی ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا) اے لوگو! جو شخص کسی بات کو جانتا ہو تو چاہئے کہ وہ اسے بیان کر دے، اور جو نہ جانتا ہو تو چاہئے کہ وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اس لئے کہ جس چیز کا اسے علم نہیں ہے، اس کے بارے میں اللہ زیادہ جانتا ہے۔ کہنا بھی علم کی ایک قسم ہے (یعنی معلوم کا غیر معلوم سے تمیز کرنا بھی علم کی ایک قسم ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے واسطے فرمایا ہے کہ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ (سورہ ص ۸۶) ترجمہ: "یعنی اے محمد (ﷺ) کہہ دیجئے کہ میں اس قرآن پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس آیت کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ خدا نے جو کچھ علم مجھے دیا اور جتنا مجھے سکھا دیا اور پھر اس کو پھیلانے اور لوگوں کو سکھانے کا حکم دیا اسی کو لوگوں تک پہنچاتا اور انہیں سکھاتا ہوں، اس کے علاوہ میں کسی دوسری چیز کا دعویٰ اپنی طرف سے نہیں کرتا اور نہ ان چیزوں سے بحث کرتا ہوں جو مشکل اور سخت ہونے کی وجہ سے عوام کے فہم سے بلند و بالا ہیں کیونکہ ایسا کرنا خواہ مخواہ کا تکلف کرنا ہے۔

(۲۸) وَعَنِ ابْنِ سِیْرِیْنَ قَالَ اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِیْنَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم (یعنی کتاب و سنت کا علم) دین ہے۔ لہٰذا جب تم اس کو حاصل کرو تو یہ دیکھ لو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس ارشاد سے دراصل اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ جب علم حاصل کرنے کا ارادہ کرو یا حدیث حاصل کرو تو اس بات کو خوب اچھی طرح جانچ پرکھ لو کہ تم جس سے علم حاصل کر رہے ہو وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ آیا وہ قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ جب تمہیں اس عالم راوی کے حالات کا پوری طرح علم ہو جائے اور سمجھ لو واقعی وہ دیندار، پرہیزگار اور قوی الحافظہ ہے تو اس سے علم حاصل کرو۔ اس طرح ہر کس وناکس کو اپنا استاد نہ بناؤ اور ہر شخص سے حدیث کی روایت نہ کرو خصوصاً اہل بدعت، نفسانی خواہشات کے غلام اور غیر دیندار لوگوں سے اس معاملہ میں اجتناب برتو۔

(۶۹) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اسْتَقِيْمُوْا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيْدًا وَإِنْ أَخَذْتُمْ يَمِيْنًا وَشِمَالاً لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلاَلاً بَعِيْدًا۔ (رواہ البخاری)

"اور مروی ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے قاریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے قاریوں کی جماعت سیدھے رہو! اس لئے کہ تم سبقت لے گئے ہو دور کی سبقت اگر تم (سیدھے راستہ سے ہٹ کر) ادھر ادھر ہو گئے تو البتہ بڑی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔" (بخاریؒ)

تشریح: یہ ان صحابہ کرامؓ سے خطاب ہے جو ابتداء ہی میں اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئے تھے۔ چونکہ ان لوگوں نے شروع ہی میں کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ اس لئے یہ اپنے فضل وکمال کی بنا پر ان لوگوں سے سبقت لے گئے ہیں جو بعد میں مسلمان ہوئے ہوں گے اگرچہ ان کے اعمال بھی ان ہی جیسے ہوں گے لیکن بعد کے لوگ پہلے والوں کے مرتبہ ودرجہ کو ان کے سبقت اسلام کی بناء پر نہیں پہنچ سکتے۔

بہرحال انھیں مقدس حضرات کو حضرت حذیفہؓ مخاطب فرمارہے ہیں کہ تم لوگ شریعت، طریقت اور حقیقت کی راہ پر مستقیم رہو اس لئے کہ استقامت کرامت سے بہتر ہے۔

استقامت کے معنی یہ ہیں کہ اچھے عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہا جائے، نفع دینے والے علم اور عمل صالح پر مداومت اختیار کی جائے، اخلاص خالص رکھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزوں سے دھیان ہٹا کر حق تعالیٰ کے ساتھ لو لگائے رہے۔

(۷۰) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ قَالَ وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ أَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَدْخُلُهَا قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَاءُوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَكَذَا ابْنُ مَاجَةَ زَادَ فِيْهِ وَإِنَّ مِنْ أَبْغَضِ الْقُرَّاءِ إِلَى اللّٰهِ تعالىٰ الَّذِيْنَ يَزُوْرُوْنَ الْأُمَرَاءَ قَالَ الْمُحَارِبِيُّ يَعْنِي الْجَوَرَةَ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے (صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا۔ تم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو جب الحزن یعنی غم کے کنویں سے صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! غم کا کنواں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں ایک نالہ ہے جس سے دوزخ دن میں چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اس میں کون داخل ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ قرآن پڑھنے والے جو اپنے اعمال کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) اور ابن ماجہؒ کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں خدا کے نزدیک مبغوض ترین وہ قاری ہیں جو سرداروں سے ملاقات کرتے ہیں اس حدیث کے راوی حاربی نے کہا ہے کہ سرداروں سے مراد ظالم سردار ہیں۔"

(ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "جب الحزن" دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے جو بہت گہری ہے اور کنوئیں کے مشابہ ہے یہ اتنی زیادہ ہیبت ناک اور وحشت ناک ہے کہ دوزخی تو الگ رہے خود دوزخ دن میں چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے چنانچہ فرمایا جارہا ہے کہ وہ قاری جو اپنا عمل یعنی قرآن پڑھنا محض دکھلاوے و ریا کے لئے کرتے ہیں اسی وحشت ناک وادی میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ اسی حکم میں ریاکار عالم اور عابد بھی داخل

ہیں، کیونکہ علم کی اصل بنیاد تو قرآن ہی ہے اسی طرح عبادت بھی قرآنی احکام ہی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے عالم اور عابد جو ریاکار ہیں وہ بھی انھیں قاریوں کے ہمراہ اسی کنواں کا لقمہ بنیں گے۔

"سرداروں سے ملاقات" کا مطلب یہ ہے کہ جو قاری سرداروں سے محض حب جاہ و مال اور دنیاوی طمع و لالچ کی خاطر ملتا ہے وہ خدا کے نزدیک مبغوض ترین ہے۔ ہاں اگر سرداروں سے ملنا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے ہو یا بطریق جبر اور ان کے شر کے دفعیہ کے لئے ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

نیز یہاں سرداروں سے بھی وہی سردار مراد ہیں جو ظالم اور جابر ہوں، نیک بخت سردار یا عادل امیر و حاکم کا یہ حکم نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے امراء و سردار جو خدا کے نیک بندے ہوں ان سے ملاقات کرنا عبادت میں داخل ہے۔

(۷۱) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاءُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت علیؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عنقریب لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اسلام میں سے صرف اس کا نام باقی رہ جائے گا اور قرآن میں سے صرف اس کے نقوش باقی رہیں گے۔ ان کی مسجدیں (بظاہر تو) آباد ہوں گی مگر حقیقت میں ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے کی مخلوق میں سے سب سے بدتر ہوں گے۔ انھیں سے (ظالموں کی حمایت و مدد کی وجہ سے) دین میں فتنہ پیدا ہوگا اور انھیں میں لوٹ آئے گا (یعنی انھیں پر ظالم) مسلط کر دیئے جائیں گے۔" (بیہقیؒ)

تشریح: یہ حدیث اس زمانہ کی نشان دہی کر رہی ہے جب عالم میں اسلام تو موجود رہے گا مگر مسلمانوں کے دل اسلام کی حقیقی روح سے خالی ہوں گے، کہنے کے لئے تو وہ مسلمان کہلائیں گے مگر اسلام کا جو حقیقی مدعا اور منشاء ہے اس سے کوسوں دور ہوں گے۔ قرآن جو مسلمانوں کے لئے ایک مستقل ضابطہ حیات اور نظام عمل ہے اور اس کا ایک ایک لفظ مسلمانوں کی دینی و دنیاوی زندگی کے لئے راہ نما ہے۔ صرف برکت کے لئے پڑھنے کی ایک کتاب ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ یہاں "رسم قرآن" سے مراد یہی ہے کہ تجوید و قرأت سے قرآن پڑھا جائے گا، مگر اس کے معنی و مفہوم سے ذہن قطعاً نا آشنا ہوں گے، اس کے اوامر و نواہی پر عمل بھی ہوگا مگر قلوب اخلاص کی دولت سے محروم ہوں گے۔

مسجدیں کثرت سے ہوں گی اور آباد بھی ہوں گی مگر وہ آباد اس شکل سے ہوں گی کہ مسلمان مسجدوں میں آئیں گے اور جمع ہوں گے لیکن عبادت خداوندی، ذکر اللہ اور درس و تدریس جو بناء مسجد کا اصل مقصد ہے وہ پوری طرح حاصل نہیں ہوگا۔

اسی طرح وہ علماء جو اپنے آپ کو روحانی اور دینی پیشوا کہلائیں گے۔ اپنے فرائض منصبی سے ہٹ کر مذہب کے نام پر اُمت میں تفرقے پیدا کریں گے، ظالموں اور جابروں کی مدد و حمایت کریں گے۔ اس طرح دین میں فتنہ و فساد کا بیج بو کر اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کریں گے۔

(۷۲) وَعَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَالَ ذٰلِكَ عِنْدَ اَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَنُقْرِئُهٗ اَبْنَآءَنَا وَيُقْرِئُهٗ اَبْنَآءُنَا اَبْنَاءَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ زِيَادُ اِنْ كُنْتُ لَاَرَاكَ مِنْ اَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ اَوَلَيْسَ هٰذِهِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى يَقْرَأُوْنَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ لَا يَعْمَلُوْنَ بِشَيْءٍ مِّمَّا فِيْهِمَا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ نَحْوَهٗ وَكَذَا الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ۔

(رواہ احمد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت زیاد بن لبیدؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے کسی چیز (یعنی فتنہ اور ابتلاء) کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا یہ اس وقت ہوگا جبکہ علم جاتا

رہے گا۔ (یہ سن کر) میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! علم کس طرح جاتا رہے گا؟ حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائیں گے۔ ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ زیاد! تمہیں تمہاری ماں گم کردے! میں تو تمہیں مدینے کے لوگوں میں بڑا سمجھ دار سمجھتا تھا کیا یہود و نصاریٰ توریت وانجیل کو نہیں پڑھتے ہیں۔ لیکن ان کی کتابوں کے اندر جو کچھ ہے (یعنی احکام) اس میں سے وہ کسی چیز پر عمل نہیں کرتے۔ (احمدؒ، ابن ماجہؒ) اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی ہی روایت زیاد سے اور اسی طرح دارمیؒ نے ابی امامہؓ سے نقل کی ہے۔" (احمدؒ، ابن ماجہؒ، ترمذیؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت زیاد کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے میرے کلام کا منشاء جانے بغیر یہ خیال کرلیا کہ صرف قرآن کا پڑھ لینا اور اس کا علم حاصل کرلینا ہی کافی ہے یعنی جس نے قرآن پڑھ لیا اور اس کا علم حاصل کرلیا گویا اس نے اس پر عمل بھی کرلیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ محض قرآن کو پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اصل چیز تو اس کا اتباع اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے اور یہی چیز اس وقت مفقود ہوگی، چنانچہ قرآن کو مسلمان پڑھیں گے اور اس کا علم بھی حاصل کریں گے مگر ان کا عمل قرآن کے مطابق نہیں ہوگا جس طرح کہ یہود ونصاریٰ کہ وہ بھی اپنی کتابوں یعنی توریت وانجیل کو پڑھتے ہیں اور اس کا علم بھی حاصل کرتے ہیں لیکن ان کے احکام پر ذرہ برابر بھی عمل نہیں کرتے۔

(۷۳) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ فَاِنِّیْ امْرُءٌ مَّقْبُوْضٌ وَالْعِلْمُ سَیُقْبَضُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتّٰی یَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِیْ فَرِیْضَةٍ لَّا یَجِدَانِ اَحَدًا یَّفْصِلُ بَیْنَهُمَا۔ (رواه الدارمی والدارقطنی)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ علم کو سیکھو اور سکھلاؤ، علم فرائض (یا فرض احکام) کو سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھلاؤ (اسی طرح) قرآن کو سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھلاؤ۔ اس لئے کہ بے شک میں ایک شخص ہوں جو اٹھایا جاؤں گا اور علم بھی اٹھالیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو شخص ایک فرض چیز میں اختلاف کریں گے اور کسی کو ایسا نہ پائیں گے جو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرے (یعنی علم کے کم ہوجانے اور فتنوں کے بڑھ جانے) سے یہ حال ہوجائے گا۔" (دارمیؒ، دار قطنیؒ)

(۷۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ عِلْمٍ لَّا یُنْتَفَعُ بِهٖ کَمَثَلِ کَنْزٍ لَّا یُنْفَقُ مِنْهُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (رواه احمد والدارمی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے (یعنی نہ دوسروں کو پڑھایا جائے اور نہ اس پر عمل کیا جائے، اس خزانہ کی مانند ہے جس میں سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہ کیا جائے۔" (احمدؒ، دارمیؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الطہارۃ
پاکیزگی کا بیان

لغت میں "طہارۃ" کے معنی نظافت اور پاکی کے آتے ہیں جو نجاست کی ضد ہے "طہور" بضم طاء مصدر ہے اور ان چیزوں کو بھی طہور کہتے ہیں جو پاک کرتی ہیں جیسے پانی اور مٹی طہور، بفتح طاء بھی مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

اصطلاح شریعت میں "طہارت" کا مفہوم ہے نجاست حکمی یعنی حدث سے اور نجاست حقیقی یعنی خبث سے پاکیزگی حاصل کرنا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

(۱) عَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِیْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَأُ مَابَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ ضِیَاءٌ وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْعَلَیْكَ كُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْا فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْمُوْبِقُهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَمْلَاٰنِ مَابَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَایَةَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَلَا فِیْ كِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ وَلَا فِی الْجَامِعِ وَلٰكِنْ ذَكَرَهَا الدَّارِمِیُّ بَدَلَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

"حضرت ابی مالک[1] اشعری راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا "پاک رہنا آدھا ایمان ہے اور الحمد للہ کہنا (اعمال کی) ترازو کو بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ بھر دیتے ہیں یا فرمایا ہر ایک کلمہ بھر دیتا ہے اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے نماز نور ہے صدقہ دلیل ہے، صبر کرنا روشنی ہے اور قرآن تمہارے لئے یا تمہارے اوپر دلیل ہے ہر شخص (جب) صبح کرتا ہے (یعنی سو کر اٹھتا ہے) تو اپنی جان کو (اپنے کاموں میں) بیچتا ہے (یعنی لگاتا) ہے لہٰذا وہ اپنی جان کو آزاد کرتا ہے یا ہلاک کرتا ہے۔ (مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ اکبر بھر دیتے ہیں اس چیز کو جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔" (صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس روایت کو نہ بخاری میں پایا ہے نہ مسلم میں اور نہ ہی کتاب حمیدی و کتاب جامع الاصول میں مجھے یہ روایت ملی ہے البتہ دارمی نے اس روایت کو بجائے سبحان اللہ والحمد للہ کے ذکر کیا ہے۔" (لہٰذا صاحب مصابیح کا اس روایت کو فصل اول میں نقل کرنا درست نہیں ہوا۔)"

تشریح: اس حدیث میں پاکیزگی و طہارت کی انتہائی عظمت و فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ اسلام میں طہارت کو کیا مقام حاصل ہے چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ پاک رہنا آدھا ایمان ہے اور وجہ ظاہر ہے کہ ایمان سے چھوٹے اور بڑے سب ہی گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور وضو

---

[1] آپ کے نام میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کا نام کعب بن مالک ہے اور بعض کعب بن عاصم کہتے ہیں، عبیدہ، حارث اور عمرو بھی بیان کیے جاتے ہیں، کنیت ابو مالک ہے، مشہور صحابی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

سے صرف چھوٹے گناہ ہی بخشے جاتے ہیں اس لئے طہارت کو آدھے ایمان کا درجہ حاصل ہے۔
درمیان روایت میں راوی کو شک ہو رہا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے لفظ تملاء مفرد فرمایا یا تملان تثنیہ کے ساتھ فرمایا ہے اس لئے انہوں نے دونوں کو نقل کر دیا ہے، اس جملہ کا مطلب ہے کہ سبحان اللہ والحمد للہ پڑھنا اور ان کا ورد رکھنا اتنی فضیلت کی بات ہے اور اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر ان دونوں کلموں کو ایک جسم فرض کر لیا جائے تو اتنے عظیم ہیں کہ آسمان اور زمین کے درمیانی حصہ کو بھر دیں۔
نماز کو نور فرمایا گیا ہے اس لئے کہ نماز ہی وہ چیز ہے جو قبر کے اندھیرے اور قیامت کی ظلمت میں روشنی کی مانند ہے جو مؤمن کو گناہوں اور بری باتوں سے بچاتی ہے اور نیکی و بھلائی اور ثواب کے کاموں کی طرف راہنمائی کرتی ہے یا پھر نماز کو نور اس لئے کہا گیا ہے کہ مؤمن کے قلب کو ذات خداوندی کے عرفان کی روشنی سے منور کرتی ہے اور عبادت خداوندی کی ادائیگی و اطاعت الٰہی کی بنا پر نماز پڑھنے والے کے چہرہ پر سعادت و نیک بختی کی چمک پیدا کرتی ہے۔
صدقہ یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو دلیل اس لئے کہا گیا ہے کہ مؤمن کے دعویٰ ایمان کی صداقت اور پروردگار عالم سے محبت پر دلالت کرتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ جب قیامت میں مالدار سے خدا سوال کرے گا کہ ہم نے تمہیں مال و دولت میں اتنی وسعت بخشی تھی تو تم نے اس مال و دولت کو کہاں خرچ کیا؟ اور اس کا مصرف کیا تھا؟ یعنی تم نے ہماری بخشی ہوئی اس نعمت کو اچھی راہ میں خرچ کیا یا برے راستہ میں لٹا دیا؟ تو اس کے جواب میں صدقہ بطور دلیل پیش ہو گا کہ خداوند قدوس تیرا دیا ہوا مال برے راستہ میں نہیں لٹایا گیا ہے بلکہ اسے تیری ہی راہ میں اور تیری ہی خوشنودی کے لئے خرچ کیا گیا ہے۔
صبر اس کو کہتے ہیں کہ گناہوں سے بچا جائے، طاعات پر مستعد رہا جائے اور کسی مصیبت و تکلیف کے موقعہ پر آہ بکا اور جزع و فزع نہ کیا جائے چنانچہ اس کے بارہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کامل روشنی کا سبب ہے اس لئے کے صابر کا قلب و دماغ ایمانی عزم و یقین کی روشنی سے ہمیشہ منور رہتا ہے اور وہ دین و دنیا کے ہر مرحلہ پر کامیاب ہوتا ہے۔
"قرآن کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ تمہارے لئے یا تمہارے اوپر دلیل ہے یعنی تم قرآن پڑھو گے اور اس پر اگر عمل کرو گے تو قرآن تمہیں نفع بخشے گا اور اگر عمل نہ کرو گے تو تمہارے لئے ضرر کا باعث ہو گا۔
"جان کو بیچنے" کے معنی یہ ہیں کہ جس کام کی طرف آدمی متوجہ ہو اس میں اپنی ذات کو کھپا دے، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص سو کر اٹھتا ہے تو اپنے کام میں لگ جاتا ہے اور دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے، لہٰذا اب اس نے اگر اس کام کے بدلے آخرت خرید لی بایں طور کہ اس کام پر آخرت کو ترجیح دی تو اس نے اپنے نفس کو عذاب آخرت سے آزاد کر لیا، اور اگر خدانخواستہ اس نے دنیا اور دنیا کے اس کام کو آخرت کے بدلے خرید لیا بایں طور کہ اس کام کو آخرت پر ترجیح دی تو اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اور اپنے نفس کو عذاب میں ڈال دیا ۔

بخر جان من ورنہ حسرت بری
بدنیا توانی کہ عقبےٰ خری

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَا یَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَایَا وَیَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَکَارِهِ وَکَثْرَةُ الْخُطٰی اِلَی الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ وَفِیْ حَدِیْثِ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ رَدَّدَ مَرَّتَیْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِی الرِّوَایَةِ التِّرْمِذِیِّ ثَلَاثًا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے (صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا "کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو دور کر دے اور جس کے سبب (جنت میں) تمہارے درجات کو بلند کرے؟ صحابہ نے عرض کیا" ہاں یا

رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا مشقت کے وقت (یعنی بیماری یا سخت جاڑے میں) وضو کو پورا کرنا، مسجد کی طرف (گھر سے دور ہونے کی وجہ سے) کثرت سے قدموں کا رکھنا اور (ایک) نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا پس یہ رباط ہے، اور مالک بن انس کی حدیث میں "پس یہ رباط ہے، پس یہ رباط ہے" دو مرتبہ ہے اور ترمذیؒ کی روایت میں تین مرتبہ ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے خداوند قدوس اپنے بندوں پر اس طرح فضل و کرم فرماتا ہے کہ ان کے نامۂ اعمال سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور جنت میں ان کے مراتب و درجات میں ترقی عطا فرماتا ہے چنانچہ سب سے پہلی چیز "وضو" ہے۔ یوں تو وضو نماز کے لئے شرط اور ضروری ہے لہٰذا جو نماز پڑھے گا وہ وضو بھی کرے گا خواہ کیسا ہی وقت اور کیسا ہی موسم ہو مگر اس جگہ ایک خاص بات کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی سخت وقت میں مثلاً کسی بیماری کی حالت میں یا شدید سردی کے موسم میں عموماً وضو کے معاملہ میں بڑی تساہلی برتی جاتی ہے اور اول تو زبردستی اور صحت کے منافی طریقوں کو اختیار کر کے دو اور تین وقت وضو کو باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے یا پھر اگر وضو کیا جاتا ہے تو ایسے طریقے سے کہ نہ تو اس میں وضو کے آداب اور اس کے سنن و مستحبات کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ وضو پورے طریقہ سے مکمل کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی مواقع کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے سخت اور شدید وقت میں اگر وضو پورے آداب و طریقے ملحوظ رکھ کے اور تمام سنن و مستحبات کا خیال کر کے کیا جائے اور تمام اعضاء وضو پر پانی اچھی طرح پہنچایا جائے اور ان کو تین تین مرتبہ دھویا جائے تو یہ فضل خداوندی کا سبب ہوگا۔

دوسری چیز مسجد کی طرف کثرت سے قدموں کا رکھنا ہے، یعنی ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانا جو گھر سے دور ہو اس لئے کہ جتنے زیادہ قدم مسجد کی طرف اٹھیں گے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔

"نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار" یہ ہے کہ مسجد میں ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے یا اگر مسجد سے نکلے بھی تو دل وہیں دوسری نماز میں لگا رہے اس کی بہت زیادہ فضیلت و عظمت بیان فرمائی جا رہی ہے چنانچہ اس کو "رباط کہا گیا ہے۔"

"رباط اسے کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان اسلامی مملکت کی سرحد پر دشمنان اسلام کے مقابلہ پر نگہبانی کی خاطر بیٹھے تاکہ دشمن سرحد پار کر کے اسلامی ملک میں داخل نہ ہو جائیں اس کا ثواب ہے اور بڑی فضیلت ہے جو خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم بھی فرمایا ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا۔

"اے ایمان والو (تکلیف پر) خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو۔" (ال عمران ۳: ۲۰۰)

چنانچہ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ نماز کے انتظار میں بیٹھنا اصل رباط ہے کہ جیسے وہاں تو کفار مقابلہ میں بیٹھے ہیں یہاں شیطان کے مقابلہ میں بیٹھے ہیں جو دین کا سب سے بڑا دشمن ہے اس لئے جیسی فضیلت و سعادت رباط میں ہے ویسی ہی فضیلت و سعادت نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی ہے اس حدیث میں چونکہ "وضو" کا ذکر آگیا ہے اس لئے اس کے متعلقات کا یہاں بیان کر دینا مناسب ہے۔

وضو میں چار چیزیں فرض ہیں ① تمام منہ کا دھونا ② ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا ③ چوتھائی سر کا مسح کرنا ④ پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا وضو میں پورے چہرے کا دھونا فرض ہے اور اسی میں ڈاڑھی بھی شامل ہے، البتہ ڈاڑھی کے تعین میں تھوڑا بہت اختلاف ہے چنانچہ متون میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی کے ان بالوں کا مسح کرنا جو منہ کی جلد سے ملے ہوئے ہیں فرض ہے فتاویٰ عالمگیری اور در مختار میں صحیح اور مفتی بہ قول یہ لکھا ہے کہ ڈاڑھی کے ان بالوں کا مسح کرنا جو منہ کی جلد سے ملے ہوئے ہیں فرض ہے اور لٹکی ہوئی کا دھونا فرض نہیں ہے بلکہ سُنّت ہے واللہ تعالیٰ اعلم وضو میں سُنّت یہ چیزیں ہیں ① ہاتھوں کا پہنچوں تک دھونا ② ابتدائے وضو میں بسم اللہ کہنا ③ مسواک کرنا ④ کلی کرنا ⑤ ناک میں پانی دینا ⑥ ڈاڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا ⑦ ہر عضو کو تین بار دھونا ⑧ نیت کرنا ⑨ اسی ترتیب سے وضو کرنا جس ترتیب سے

قرآن میں مذکور ہے ⑩ تمام سر کا مسح کرنا ⑪ اعضاء وضو کو پے در پے دھونا ⑫ سر کے پانی کے ساتھ ہی کانوں کا مسح کرنا (یعنی ہاتھ پر پانی ڈال کر جب سر پر مسح کیا جائے تو اسی ہاتھ سے کانوں کا مسح کیا جائے، کانوں کے مسح کے لئے الگ سے پانی کی ضرورت نہیں۔

وضو کے مستحبات یہ ہیں ① اعضاء وضو کو دھونے کے لئے دائیں طرف سے شروع کرنا (مثلاً پہلے دایاں ہاتھ دھویا جائے پھر بایاں) ② گردن کا مسح کرنا ③ وضو کے لئے قبلہ رخ بیٹھنا ④ اعضاء کا (دھوتے وقت) پہلی بار ملنا ⑤ غیر معذور کا وقت سے پہلے وضو کر لینا ⑥ ڈھیلی انگوٹھی کو گھمانا پھرانا اسی طرح غسل میں قرط یعنی بالی کو گھمانا پھرانا، لیکن اس کے بارہ میں اتنی بات یاد رکھ لینی چاہئے کہ اگر غسل اور وضو کے وقت ان چیزوں کے متعلق یہ خیال ہو کہ ان کے نیچے بدن پر پانی پہنچ رہا ہے تو پھر یہ عمل مستحب ہوگا اور اگر یہ جانے کے پانی ان کے نیچے نہیں پہنچتا تو پھر ان کو ہلا لینا فرض ہوگا ⑦ خود وضو کرنا مستحب ہے کسی دوسرے سے وضو نہ کرایا جائے ⑧ وضو کے وقت کوئی دیناوی گفتگو نہ کرنا چاہئے ہاں اگر کوئی مجبوری ہو کہ بغیر کلام و گفتگو کے مقصد اور حاجت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو کر سکتا ہے ⑨ ہر عضو کو دھونے کے وقت اور مسح کرتے وقت بسم اللہ پڑھے ⑩ ان دعاؤں کا پڑھنا جو عضو کے دھونے کے وقت پڑھنے کے لئے منقول ہیں ⑪ وضو مکمل کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجنا، مگر کتاب "زیلعی" میں لکھا ہے کہ ہر عضو کو دھونے کے بعد درود و سلام بھیجنا مستحب ہے ⑫ وضو کے بعد شہادتین اور وہ دعائیں جو حدیث میں وارد ہیں پڑھنا (آگے حدیث میں یہ دعائیں آرہی ہیں) ⑬ وضو کا بقیہ پانی قبلہ رخ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پینا ⑭ بھوؤں اور مونچھوں کے نیچے، گوشہ چشم پر اور پاؤں کے کونچوں پر پانی پہنچانے کے لئے تعاہد یعنی خبر گیری کرنا کہ یہ حصے خشک نہ رہ جائیں۔

مکروہات وضو یہ ہیں: ① منہ پر زور سے پانی مارنا ② اسراف کرنا ضرورت اور حاجت سے زیادہ پانی بہانا ③ اعضاء کو تین تین مرتبہ سے زیادہ دھونا ④ نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کرنا۔

اور منہیات وضو یہ ہیں: ① عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو نہ کرنا چاہئے ② نجس جگہ وضو نہ کرنا چاہئے تاکہ وضو کے پانی کی بے حرمتی نہ ہو، ③ مسجد میں وضو نہ کرنا چاہئے البتہ کسی برتن میں یا اس جگہ جو وضو کے لئے خاص طور پر مقرر ہے وضو کرنا درست ہے ④ تھوک اور رینٹھ وغیرہ وضو کے پانی میں نہ ڈالنا چاہئے۔

③ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو شخص وضو کرے" اور اچھی طرح کرے (یعنی اس کے سنن و مستحبات کی رعایت کے ساتھ) تو اس کے (صغیرہ) گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں بھی وضو کی فضیلت اور طہارت کی بڑائی بیان کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وضو کرنا درحقیقت اپنے گناہوں کو اپنے جسم سے دھونا ہے جو جتنا زیادہ جتنی اچھی طرح وضو کرے گا اس کے اتنے ہی گناہ ختم کر دیئے جائیں گے اور پھر بطور مبالغہ کے فرمایا گیا ہے کہ وضو کرنے والے کے ناخنوں کے نیچے کے گناہ بھی وضو کرنے سے نکل جاتے ہیں یعنی وضو کرنے کے بعد اس کو نہ صرف یہ کہ ظاہری پاکی اور طہارت حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ گناہوں سے بھی خوب پاک ہو جاتا ہے، یہ جملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہمارے یہاں یہ محاورہ بولا جاتا ہے کہ تمہاری شیخی ناک کی راہ نکال دیں گے۔

④ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَآءِ أَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَآءِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَآءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَآءِ أَوْ مَعَ

اٰخِرِ قَطْرِ الْمَآءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی بندہ مسلمان یا فرمایا مؤمن وضو کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے منہ کو دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے وہ تمام گناہ جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کے منہ سے نکل جاتے ہیں (یعنی جو گناہ آنکھوں سے ہوئے ہیں جھڑ جاتے ہیں) پھر جب دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے تو ہاتھوں کے تمام گناہ جن کو اس کے ہاتھ نے پکڑا تھا پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں (یعنی جو گناہ ہاتھ سے ہوئے ہیں جھڑ جاتے ہیں) پھر جب وہ دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو اس کے وہ تمام گناہ جن کی طرف وہ پاؤں سے چلا تھا پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔" (مسلم)

⑤ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ امْرِءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلٰوةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا اِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَالَمْ يُؤْتِ كَبِيْرَةً وَذٰلِكَ الدَّهْرُ كُلُّهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو مسلمان فرض نماز کا وقت آنے پر اچھی طرح وضو کرے اور نماز میں خشوع و رکوع کرے تو (اس کی یہ نماز) ان گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے جو اس نے نماز سے پہلے کئے تھے، بشرطیکہ وہ گناہ کبیرہ نہ ہوں اور ایسا ہمیشہ ہوتا رہتا ہے (یعنی وہ نماز جو گناہوں کا کفارہ ہے کسی زمانہ میں مخصوص نہیں ہے یہ فضیلت ہر زمانہ میں قائم رہتی ہے۔" (مسلم)

تشریح: نماز کی اصل روح خشوع اور خضوع ہے اس لئے کہ نماز ہی وہ عبادت ہے جو بندہ کی انتہائی بے چارگی اور اس کے عجز کو ظاہر کرتی ہے لہٰذا نماز کے اندر جتنا زیادہ خشوع و خضوع ہوگا اتنے ہی اعلیٰ درجہ تک اس کی رسائی ہوگی نماز میں خشوع کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے تو نماز کے جتنے ظاہری و باطنی آداب ہیں سب کو بجا لائے اور سب کی رعایت کرے تاکہ دل ترساں رہے جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو نہایت سکون کے ساتھ رہے نظر سجدہ کی جگہ پر ہو، سوائے نماز کے کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو اپنا دھیان نماز ہی میں رکھے کسی دوسری طرف دھیان نہ بٹے، بدن کپڑے اور ڈاڑھی وغیرہ سے کھیلے نہیں، دائیں بائیں طرف دیکھے نہیں اور آنکھ نہ بند کرے، یہ تمام چیزیں اگر نماز میں حاصل ہو جائیں تو پھر انشاء اللہ حضور قلب کی دولت بھی میسر آجائے گی جو عند اللہ نماز کی مقبولیت کا سبب ہے۔

حدیث میں صرف رکوع کا ذکر کیا گیا ہے سجدہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رکوع صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کی نماز میں مشروع ہے یہود و نصاریٰ کی نماز و عبادت میں علی العموم رکوع نہیں ہوتا اس لئے اس کو بیان کر کے اس کی امتیازی حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے، آخر میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ایسی نماز صرف صغیرہ گناہوں کے لئے کفارہ ہوتی ہے اور صغیرہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے، کبیرہ گناہوں کا کفارہ نہیں ہوتی۔

⑥ وَعَنْهُ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرٰى ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِيِّ۔

"اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں منقول ہے کہ "انہوں نے ایک مرتبہ وضو کیا" چنانچہ انہوں نے پہلے اپنے ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا پھر تین مرتبہ کلی کی اور ناک جھاڑی (یعنی ناک میں پانی دینے کے بعد ناک سن کی پھر تین مرتبہ منہ دھویا، پھر تین مرتبہ اپنا داہنا ہاتھ کہنی تک دھویا (یعنی کہنی سمیت دھویا) پھر تین مرتبہ اپنا بایاں ہاتھ کہنی تک دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنا دایاں پیر تین مرتبہ دھویا، پھر بایاں پیر تین مرتبہ دھویا اور پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے جس طرح اب میں نے

وضو کیا ہے" پھر فرمایا جو شخص میرے اس وضو کی مانند وضو کرے (یعنی فرائض و سنن اور مستحبات و آداب کی رعایت کے ساتھ) پھر دو رکعت نماز پڑھے اور نماز کے اندر اپنے دل سے کچھ باتیں نہ کرے (یعنی پورے دھیان سے نماز پڑھے تو اس کے تمام پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم) اس روایت کے الفاظ بخاری کے ہیں۔"

تشریح: اعضاء وضو کا تین مرتبہ سے زائد دھونا تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پورے عضو تین مرتبہ دھو چکا ہے تو اب اس پر زیادتی نہ کرے یعنی تین بار سے زائد نہ دھوئے اگر ایسی شکل ہے کہ ایک چلو سے آدھا عضو دھویا اور پھر دوسرے چلو سے آدھا دھویا تو یہ ایک مرتبہ ہی کہلائے گا مثلاً اسی طرح کسی عضو کو چھ چلوں سے دھو کر تین بار کو پورا کیا تو یہ زیادتی نہ ہوگی بلکہ تین مرتبہ ہی ہوگا وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا انتہائی درجہ نہیں ہے بلکہ ادنی درجہ ہے اگر زیادہ بھی پڑھے تو افضل ہے۔ بہر حال یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو کے بعد نماز یعنی تحیۃ الوضوء پڑھنی مستحب ہے اگر فرض یا سنت موکدہ ہی پڑھے تو یہ بھی کافی ہے۔

آخر حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ نماز میں حضور قلب اور خشوع و خضوع بہت زیادہ مطلوب ہے چنانچہ آخری جملہ کا یہ مطلب ہے کہ جب نماز شروع کرے تو پھر اپنے دل کو نماز میں لگائے خیالات نماز سے باہر کہیں دوسری جگہ بھٹکنے نہ پائیں اور قلب میں دنیا کے خیالات اور ایسے تفکرات کو جو نماز کے منافی ہیں جگہ نہ دے خیال اللہ ہی کی طرف لگائے رکھے اگر خطرات و وسواس دل میں آئیں تو ان کو دفع کرلے ہاں اگر دل میں ایسے خطرات پیدا ہوتے ہیں جو نماز میں حضور قلب کے منافی نہیں پھر کچھ مضر نہیں۔

(۷) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلاً عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عقبہ[1] بن عامرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو مسلمان وضو کرے اور اچھا وضو کرے پھر کھڑا ہو اور دو رکعت نماز پڑھے دل اور منہ سے متوجہ ہو کر (یعنی ظاہر و باطن کے ساتھ متوجہ ہو کر) تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔" (مسلم)

تشریح: فرمایا گیا ہے کہ جب اچھی طرح وضو کرے تو کھڑا ہو اور دو رکعت نماز پڑھے تو یہ کھڑا ہونا یا حقیقۃً ہو یعنی واقعی کھڑا ہو کر نماز پڑھے یا کھڑا ہونا حکماً ہو مثلاً بیٹھ کر پڑھے خصوصاً جب اس کو کوئی عذر اور مجبوری ہو کہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا یہ دونوں شکلیں مراد ہیں۔

(۸) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ اَوْفَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ اِلَّا فُتِحَتْ لَهُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ هٰكَذَا، رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهِ وَالْحُمَيْدِيُّ فِيْ اَفْرَادِ مُسْلِمٍ وَكَذَا ابْنُ الْاَثِيْرِ فِيْ جَامِعِ الْاُصُوْلِ وَذَكَرَ الشَّيْخُ مُحِيُّ الدِّيْنِ النَّوَوِيُّ فِيْ آخِرِ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ عَلٰى مَا رَوَيْنَاهُ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ، وَالْحَدِيْثُ الَّذِيْ رَوَاهُ الْمُحْيِ السُّنَّةِ فِي الصِّحَاحِ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ اِلٰى آخِرِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ فِيْ جَامِعِهِ بِعَيْنِهِ اِلَّا كَلِمَةَ اَشْهَدُ قَبْلَ اَنَّ مُحَمَّدًا۔

"اور حضرت عمر بن الخطابؓ روای ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "تم میں جو شخص وضو کرے اور (اس کی خوبیوں) کو انتہاء پر پہنچاوے یا آپ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے کہ اور پورا وضو کرے پھر کہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ (یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور محمد ﷺ خدا کے بندے اور خدا کے رسول ہیں اور

---

[1] اسم گرامی عقبہ ابن عامر جہنی ہے کنیت میں بہت زیادہ اختلاف ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ابو حماد تھی بعض نے ابو لبید، ابو عمرو غیرہ بھی کہا ہے مصر میں انتقال ہوا ہے۔

ایک روایت میں ہے (کہ اس طرح کہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور شہادت دیتا ہوں اس بات کی کہ محمد ﷺ خدا کے بندے اور خدا کے رسول ہیں، تو اس کے لئے جنّت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس دروازے میں سے اس کا جی چاہے جنّت میں داخل ہو (مسلم محمیدی جامع الاصول) اور امام نوویؒ نے مسلم کی حدیث کے آخر میں جس کو ہم نے روایت کیا ہے یہ ذکر کیا ہے کہ ترمذی نے (شہادتین پر اس دعا کے) یہ الفاظ زیادہ لکھے ہیں "اے اللہ! مجھ کو توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور پاکیزگی کرنے والوں میں شامل کر (یعنی مسلم کی روایت جس طرح ہم نے ذکر کی۔ ہے وہی روایت امام نوویؒ نے مسلم کی شرح میں نقل کی ہے اور اس کے آخر میں رواہ الترمذی الخ کی عبارت بڑھادی ہے) اور وہ حدیث جس کو امام محی السنۃ نے صحاح میں روایت کی ہے یعنی مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ الخ (جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا" آخر تک) اس کو امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں بعینہ اسی طرح نقل کیا ہے اَنَّ مُحَمَّدًا سے پہلے اَشْهَدُ کا ذکر نہیں کیا ہے۔"

تشریح: مراتب اور درجات کے اعتبار سے جنّت کے آٹھ حصے ہیں چنانچہ اس حدیث میں "آٹھوں دروازوں" کا جو ذکر کیا گیا ہے ان سے حقیقۃً دروازے مراد نہیں بلکہ ان آٹھ حصوں کو ایک ہی اعتبار کیا ہے اور ہر ایک کو دروازے سے تعبیر کیا ہے کبھی ایک کو بھی بہشت کہتے ہیں، اس حساب سے "ہشت بہشت" بولتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ الخ یعنی "اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا" کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہمیں تو اس کی توفیق عنایت فرما کہ جب ہم سے کبھی بتقاضائے بشریت کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور ہم سے کوئی لغزش ہو جائے تو ہم اس سے فوراً توبہ کرلیں اور اپنے عیوب سے رجوع کرلیں۔

اس دعا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم سے گناہ زیادہ واقع ہوں بلکہ یہاں یہ مراد ہے کہ جب گناہ سرزد ہو جائے تو ہمارے دلوں میں توبہ کرنے کا داعیہ پیدا کردے خواہ گناہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں تاکہ اس آیت کے مطابق تیرے پسندیدہ اور محبوب بندوں کی جماعت میں شامل ہوسکیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۔

"یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

یعنی خدا اپنے ان بندوں کو پسند کرتا ہے جو بارگاہ الوہیت سے منہ نہیں پھیرتے اور کسی موقعہ پر خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے دعا کے آخری جملہ "اور پاکیزگی کرنے والوں میں شامل کر" کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں باطنی پاکیزگی کی دولت سے نوازدے اور ہمارے اندر جتنے برے اخلاق اور بدخصائل ہیں سب سے ہمیں پاک وصاف کردے چنانچہ اس طرف اشارہ ہے کہ جسم اور اعضاء ظاہری کی طہارت وصفائی ہمارے اختیار میں تھی اس کو ہم نے پورا کرلیا، اب باطنی احوال کی طہارت اور اندرونی صفائی تیرے ہاتھوں میں ہے لہٰذا اپنے فضل وکرم سے باطنی پاکیزگی بھی عنایت فرماوے۔

(رباعی)

اے درخم چوگان تو دل ہم چوگوے   بیروں نہ فرمان تو جاں یک سرموئے

"اے! کہ تیرے خم چوگان میں ہمارا دل ایک گیند کی طرح ہے، ہم تیرے فرمان سے ایک موئے بدن بھی باہر نہیں ہیں۔"

ظاہر کہ بدست ماست شستیم تمام   باطن کہ بدست تست آن راہ تو بشوئے

"ظاہر جو ہمارے قبضہ میں تھا ہم اسے دھو چکے ہیں۔ باطن جو تیرے قبضہ میں ہے اسے تو ہی دھو سکتا ہے۔"

آخر میں مشکوٰۃ کے مؤلف صاحب مصابیح پر ایک اعتراض فرما رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے جو حدیث فاحسن الوضو ثم قال اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و اشهد ان محمدا عبده ورسوله اللهم اجعلنی من التوابين واجعلنی من المتطهرين فتحت له ثمانية ابواب الجنة يدخل من ايها شاء کو صحاح میں نقل کیا ہے حالانکہ اس حدیث کو صحاح میں نقل کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ہے بلکہ یہ روایت جامع ترمذی کی ہے۔ لہٰذا یہ روایت صحاح کے بجائے حسان میں نقل کرنی چاہئے تھی، پھر دوسری بات یہ ہے کہ ترمذی نے بھی اپنی روایت میں اَنَّ مُحَمَّدًا سے پہلے اَشْهَدُ کا لفظ ذکر نہیں کیا ہے۔

اتنی بات اور جان لینی چاہئے کہ جزریؒ نے حصن حصین میں ابن ماجہؒ ابن ابی شیبہؒ، اور ابن سنیؒ کے حوالہ سے شہادتین کے بعد لفظ ثلاث مرات کا ذکر کیا ہے، یعنی شہادتین تین مرتبہ پڑھنی چاہئے اور نسائیؒ وحاکمؒ کی روایت میں اللهم اجعلنی الخ کے بعد یہ بھی منقول ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ لہٰذا اولیٰ اور بہتر ہے کہ جتنی دعائیں منقول ہیں وضو کے بعد سب ملا کر پڑھی جائیں نیز نہانے والے کے لئے بھی یہ دعائیں پڑھنا مستحب ہے۔

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمَّتِیْ يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "قیامت کے روز میری اُمت اس حال میں پکاری جائے گی کہ وضو کے سبب سے ان کی پیشانیاں روشن ہوں گی اور اعضا چمکتے ہوں گے لہٰذا تم میں سے جو شخص چاہے کہ وہ اپنی پیشانی کی روشنی کو بڑھائے تو اسے چاہئے کہ وہ ایسا ہی کرے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: غُرَّ جمع ہے اَغَرَّ کی جس کے معنی ہیں سفید چہرہ اور محجل اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے ہاتھ پاؤں سفید ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز وضو کے اثر سے یہ تمام اعضاء روشن ہوں گے اور جب محشر میں نمازیوں کو جنّت میں جانے کے لئے پکارا جائے گا تو وہ لوگوں کے درمیان سے اس طرح اُٹھیں گے کہ ان کے اعضاء وضو روشن و چمک دار ہوں گے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جس شخص کی خواہش ہو کہ قیامت کے روز اس کی پیشانی چمک اور اس کے اعضاء کی سفیدی دراز ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس عمل اور فعل کے کرنے میں پوری احتیاط سے کام لے جو اس سعادت کا سبب ہو گا یعنی وضو پوری رعایت سے کرے، چہرہ کو پیشانی کے اوپر سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک خوب اچھی طرح دھوئے۔

تحجیل کی درازگی یہ ہے کہ پاؤں کو خوب اچھی طرح اور ٹخنوں کے اوپر تک دھوئے یہاں تحجیل کی درازگی کا ذکر نہیں فرمایا گیا ہے اس لئے کہ یہ دونوں یعنی غرا اور محجل آپس میں لازم اور ملزوم ہیں جب ایک کی درازگی کا ذکر فرمادیا تو دوسرا خود بخود مفہوم ہو جائے گا۔

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوَضُوْءُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا (جنت میں) مؤمن کو زیور (وہاں تک) پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ وضو کا پانی جن اعضاء پر پہنچتا ہے یعنی جو اعضاء وضو میں دھوئے جاتے ہیں جنّت میں ان سب اعضاء کی زیورات سے زیب و زینت کی جائے گی، اسی طرح جس کا وضو جتنا زیادہ بہتر اور مکمل یعنی سُنّت کے مطابق ہو گا جنّت میں اس کے اعضاء وضو کی آرائش اتنے ہی اعلیٰ پیمانہ پر ہو گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

⑪ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَ اعْلَمُوْآ اَنَّ خَیْرَ اَعْمَالِکُمُ الصَّلٰوۃُ وَلَا یُحَافِظُ عَلَی الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ۔ (رواہ مالک و احمد و ابن ماجۃ والدارمی)

"حضرت ثوبانؓ[1] راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "سیدھے رہو اور سیدھے رہنے کی ہرگز طاقت نہ رکھ سکو گے، اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں بہترین چیز نماز ہے اور وضو کی حفاظت مؤمن ہی کرتا ہے۔" (مالک، احمد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: سیدھے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال پر مستقیم رہو اور ہمیشہ سیدھی راہ پر چلتے رہو، ادھر ادھر برے راستوں کی طرح میلان نہ کرو، اور چونکہ یہ امر مشکل تھا اس لئے آگے فرمایا کہ لَنْ تُحْصُوْا یعنی پورے کمال اور رسوخ کے ساتھ تم استقامت اختیار نہیں کر سکتے اور جب یہ فرما دیا گیا کہ استقامت کی طاقت نہیں رکھ سکتے اور اعمال و افعال میں استقامت کے جو حقوق ہیں وہ پوری طرح ادا نہیں ہو سکتے تو آگے ایک نہایت آسان اور سہل راہ کی طرح رہنمائی کر دی گئی یعنی عبادت کی جڑ اور خلاصہ نماز پر آگاہ کر دیا کہ اگر صرف اسی ایک عمل اور ایک عبادت یعنی نماز میں استقامت اختیار کر لو گے تو تمام تقصیرات کا تدارک ہو جائے گا لہٰذا چاہئے کہ نماز پر مداومت اختیار کرو، اس کے جو شرائط و آداب ہوں ان کا خیال رکھو اور اس کے جو حقوق ہیں ان کو پوری طرح سے ادا کرو۔

بعد میں نماز کے مقدمہ اور شرط یعنی وضو اور طہارت کی طرف اشارہ فرما دیا ہے جس کو نصف ایمان کہا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا کہ وضو کی محافظت تو مؤمن کا خاصہ ہے اس لئے کہ وہ مؤمن کامل کا قلب و دماغ توجہ الی اللہ کی شعاؤں سے ہر وقت منور رہتا ہے وہ اپنے قلب و بدن دونوں کے ساتھ یعنی ظاہرًا بھی اور باطنًا بھی، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ بارگاہ الوہیت میں حاضری بغیر ظاہر و باطن کی صفائی و پاکیزگی اور بدون طہارت کے ادب کے منافی چیز ہے اور شان عبودیت کے خلاف بھی ہے اس لئے مؤمن وضو کی محافظت کرتا ہے اور وضو کے جو آداب و شرائط اور سنن و مستحبات ہیں ان سب کی رعایت کرتا ہے۔

⑫ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰی طُھْرٍ کُتِبَ لَہٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو شخص وضو کے اوپر وضو کرے تو اس کے واسطے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔" (ترمذی)

تشریح: ایک تو مطلقاً وضو کرنے کا ثواب و اجر مقرر ہے وہ تو ملتا ہی ہے لیکن جو شخص وضو پر وضو کرے تو اس کے واسطے اس مقررہ اجر و ثواب کے علاوہ مزید دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اس سلسلہ میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ اجر و ثواب اس وقت ملتا ہے جب کہ پہلے وضو کے بعد فرض یا نفل نماز پڑھ چکا ہو، اور اس کے بعد پھر دوسرا وضو کرے۔

شرح السنۃ میں منقول ہے کہ تجدید وضو اس وقت مستحب ہے جب کہ پہلے وضو سے کوئی نماز پڑھ چکا ہو اور بعض علماء کے نزدیک اگر پہلے وضو کے بعد نماز نہ پڑھی ہو تو وضو کرنا مکروہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑬ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْجَنَّۃِ الصَّلٰوۃُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ الطُّھُوْرُ۔ (رواہ احمد)

"حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے۔" (احمد)

---

[1] اسم گرامی ثوبان ابن بجد ہے کنیت ابوعبداللہ ہے بعض حضرات نے ابوعبدالرحمن بھی لکھی ہے آپ نے حمص میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

تشریح: جیسے کہ مقفل دروازہ بغیر کنجی کے نہیں کھل سکتا اسی طرح بغیر وضو کے نماز نہیں ہو سکتی اور بغیر نماز کے جنت میں داخلہ نہیں ہو سکتا، اس حدیث میں محافظت نماز کی اہمیت کو بطور نمونہ بیان کیا گیا ہے، کہ گویا نماز حکم ایمان میں ہے کہ بغیر اس کے جنت میں جانا میسر نہیں ہو گا لہٰذا چاہئے کہ نماز خوب اچھی طرح ادا کی جائے اور کبھی نماز ترک و قضانہ کی جائے کہ دخول جنت کا سبب یہی ہے۔

⑭ وَعَنْ شَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ رُوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَاِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ اُولٰئِكَ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت شبیب بن ابی روح آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں سے کسی صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے (ایک مرتبہ) صبح کی نماز پڑھی اور اس کے اندر سورہ روم کو پڑھا (اثناء نماز میں) آپ ﷺ کو متشابہ ہوا چنانچہ جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو فرمایا "لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہمارے ساتھ پڑھتے ہیں اور اچھی طرح وضو نہیں کرتے اور اس وجہ سے یہ لوگ ہم پر قرآن میں متشابہ ڈالتے ہیں"۔" (نسائی)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی عمل اور کسی عبادت کے جو سنن و آداب ہوتے ہیں وہ واجب کو کامل کرتے ہیں اور برکت کا سبب ہوتے ہیں، اسی برکت کا اثر نہ صرف یہ کہ عامل ہی کی ذات تک محدود رہتا ہے، بلکہ وہ برکت دوسروں میں بھی سرائیت کرتی ہے جیسے کہ کوتاہی اور قصور عامل کی ذات کے علاوہ دوسرے کے ضرر کا بھی باعث ہوتے ہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنن و آداب پر عمل نہ کرنے سے فتوحات غیبیہ کا دروازہ بند ہوتا ہے۔

یہ حدیث درحقیقت ان بے بصیرت لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو صحبت کی تاثیر کے منکر اور اس سے غافل ہیں لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے غور کرنے کا مقام ہے کہ سرکار دو عالم، سید الرسل ﷺ پر باوجود اس رتبہ کے اور قرآن پڑھنے کی حالت میں جو تقرب الی اللہ کا وقت ہے ایک ادنی امتی کی صحبت نے اثر کیا جس سے وضو کے آداب و سنت میں کوئی کوتاہی یا قصور ہو گیا تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو قرأت میں متشابہ لگا تو ایسے لوگوں کا کیا حشر ہو گا جو شب و روز اہل فسق اور اہل بدعت کی صحبت کو اختیار کئے رہتے ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ بھلائی اور بہتری اسی میں ہے کہ اہل فسق اور اہل بدعت کی صحبت و ہم نشینی کو بالکل ترک کر کے علماء حق، صوفیائے کرام اور خدا کے نیک بندوں کی صحبت اختیار کی جائے تاکہ ان کی ہم نشینی اور صحبت کے اثرات و برکات اپنے اندر پیدا ہوں جو دین و دنیا دونوں جگہ کی بھلائی کے لئے ضامن ہیں۔

ابتداء روایت میں راوی نے اس صحابی کا نام ذکر نہیں کیا ہے جس سے یہ حدیث حاصل کی گئی ہے مگر حضرت میرک شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ وہ صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ ہیں۔

⑮ وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ قَالَ عَدَّهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَدِيْ اَوْفِيْ يَدِهٖ قَالَ التَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَاهُ وَالتَّكْبِيْرُ يَمْلَا مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَالصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ وَالطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

"اور قبیلہ بنی سلیم کے ایک شخص راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے باتوں کو (جو آگے مذکور ہیں) میرے ہاتھ پر یا اپنے ہاتھ پر شمار کیا (چنانچہ) آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ کہنا (یعنی اس کا ثواب) آدھی ترازو بھر دیتا ہے اور الحمد للہ (سبحان اللہ کے ساتھ) کہنا (یا فقط الحمد للہ کہنا ہی) پوری ترازو کو بھر دیتا ہے اور اللہ اکبر کہنا بھر دیتا ہے اس چیز کو جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور روزہ آدھا صبر ہے اور پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔" (ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے)

تشریح: حدیث کو بیان کرتے وقت راوی کو شک ہو گیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ان باتوں کو میرے ہاتھ پر شمار کیا ہے یا اپنے ہاتھ پر شمار کیا ہے۔ بہر حال ان کو شمار اس طرح کیا کہ یا تو آپ نے ان صحابی کی انگلی پکڑی اور ان کو ہتھیلی پر بند کر کے ان پانچ باتوں کو شمار کیا۔

حدیث میں روزے کو آدھا صبر فرمایا گیا ہے، اس لئے کہ پورا صبر تو یہ ہے کہ نفس کو طاعت پر روکے یعنی احکام کو بجالائے اور گناہوں سے روکے یعنی ممنوع چیزوں کو نہ کرے اور روزہ نام ہے صرف نفس کو طاعت پر روکنے یعنی حکم الٰہی کو بجالانے کا لہٰذا اس اعتبار سے روزہ آدھا صبر ہوا۔

⑯ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيْهِ وَ اِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ اَنْفِهٖ فَاِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَشْفَارِ عَيْنَيْهِ فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَدَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ يَدَيْهِ فَاِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهٖ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَأْسِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ اُذُنَيْهِ فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ رِجْلَيْهِ ثُمَّ كَانَ مَشْيُهٗ اِلَى الْمَسْجِدِ وَصَلَاتُهٗ نَافِلَةً لَّهٗ۔ (رواہ مالک و النسائی)

"اور حضرت عبداللہ[1] صنابحیؒ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بندۂ مؤمن وضو کا ارادہ کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو گناہ اس کے منہ سے خارج ہو جاتے ہیں اور جب ناک جھاڑتا ہے تو گناہ اس کی ناک سے خارج ہو جاتے ہیں اور جب اپنا منہ دھوتا ہے تو گناہ اس کے منہ سے خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں اور جب اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو گناہ اس کے ہاتھوں سے خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کے دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں اور جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو گناہ اس کے سر سے خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کے دونوں کانوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں، اور جب اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے تو گناہ اس کے دونوں پاؤں سے خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں، پھر مسجد کی طرف اس کا چلنا ہوتا ہے اور اس کی نماز اس کے واسطے (اعمال میں) زیادتی ہے"۔ (مالکؒ ونسائیؒ)

تشریح: جیسا کہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ وضو کرنے والا اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو گناہ اس کے سر سے خارج ہوتے ہیں پھر آگے فرمایا گیا ہے کہ "یہاں تک کہ اس کے دونوں کانوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں" اس جملہ سے اس بات کی وضاحت ہو گئی کہ کان سر میں داخل ہیں بایں طور کہ جو حکم سر کا ہو گا وہی حکم کان کا ہو گا چنانچہ حنفی مسلک یہی ہے اس لئے یہ مسئلہ ہے کہ جب مسح کے لئے پانی لیا جائے تو اس پانی سے کانوں کا مسح بھی کر لیا جائے کانوں کے مسح کے لئے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

آخر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "اس کی نماز اس کے واسطے (اعمال) زیادتی ہے یعنی جب یہ وضو سے فارغ ہوا تو گناہوں سے وضو کی وجہ سے پاک وصاف ہو چکا تھا، اب نماز زائد ہے جو ثواب کی زیادتی کا سبب ہو گی۔

⑰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَى الْمَقْبَرَةَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَ اِنَّا اِنْشَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ وَدِدْتُّ اَنَّا قَدْ رَأَيْنَا اِخْوَانَنَا قَالُوْا اَوَلَسْنَا اِخْوَانَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِيْ وَ اِخْوَانُنَا الَّذِيْنَ لَمْ يَاْتُوْا بَعْدُ فَقَالُوْا كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَاْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اَرَءَيْتَ اَنَّ رَجُلًا لَّهٗ خَيْلٌ غُرٌّ مُّحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ اَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهٗ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَاِنَّهُمْ يَاْتُوْنَ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ وَ اَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکار دو عالم ﷺ مقبرہ (یعنی جنت البقیع) میں (دعاء مغفرت کے لئے) تشریف لائے، چنانچہ (وہاں پہنچ) کر آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اے مؤمنین کی جماعت! تم پر سلامتی ہو (یعنی آپ ﷺ نے اہل قبور کو سلام کیا اور فرمایا) ہم

---

[1] ان کے صحابی ہونے اور نام میں اختلاف ہے یحییٰ ابن معین کا قول تو یہی ہے کہ ان کا نام عبداللہ یا ابو عبداللہ بیان کیا جاتا ہے۔

بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں اور میں اس بات کی تمنا رکھتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا تم میرے دوست ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی (دنیا میں) نہیں آئے صحابہ نے عرض کیا "یارسول اللہ آپ ﷺ کی اُمت میں سے جو لوگ ابھی نہیں آئے انہیں آپ ﷺ (قیامت میں کس طرح پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر کسی شخص کے پاس سفید پیشانی اور سفید ہاتھ اور پیر والے گھوڑے ہوں اور وہ نہایت سیاہ گھوڑوں میں ملے ہوئے ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑے کو پہچان لے گا؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں (یارسول اللہ! ان امتیازی اوصاف کی بنا پر تو وہ یقیناً پہچان لے گا) آپ نے فرمایا" وہ (قیامت میں) وضو کے اثر سے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں کے ساتھ آئیں گے (لہٰذا اس علامت سے میں انہیں پہچان لوں گا) اور میں حوض کوثر پر ان کا میر سامان ہوں گا۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ اور ان کے بعد ہونے والے مسلمانوں میں نہ صرف یہ کہ بڑا دلچسپ اور لطیف فرق بیان فرمایا ہے بلکہ صحابہ کو امتیازی شان بھی بخش دی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم میرے دوست ہو اور بعد میں پیدا ہونے والے مؤمنین میرے بھائی ہیں، یعنی تمہارے ساتھ تعلقات کی دو نوعیتیں ہیں ایک تو یہ کہ تم میرے بھائی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ رفیق خاص بھی اور جو بعد میں آنے والے ہیں یعنی تابعین وغیرہ ان کے ساتھ ایک ہی تعلق ہے کہ وہ صرف میرے اسلامی بھائی ہیں۔

"میر سامان" کا مطلب یہ ہے کہ میں ان لوگوں سے پہلے ہی خدا کے یہاں جا کر ان کی مغفرت و بخشش اور بلندی اور درجات کے اسباب درست کروں گا۔

(۱۸) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ یُؤْذَنُ لَہٗ بِالسُّجُوْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یُؤْذَنُ لَہٗ اَنْ یَرْفَعَ رَأْسَہٗ فَاَنْظُرُ اِلٰی مَابَیْنَ یَدَیَّ فَاَعْرِفُ اُمَّتِیْ مِنْ بَیْنِ الْاُمَمِ وَمِنْ خَلْفِیْ مِثْلَ ذٰلِکَ وَعَنْ یَمِیْنِیْ مِثْلَ ذٰلِکَ وَعَنْ شِمَالِیْ مِثْلَ ذٰلِکَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَکَ مِنْ بَیْنِ الْاُمَمِ فِیْمَا بَیْنَ نُوْحٍ اِلٰی اُمَّتِکَ قَالَ ھُمْ غُرٌّ مُحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ لَیْسَ اَحَدٌ کَذٰلِکَ غَیْرُھُمْ وَاَعْرِفُھُمْ اَنَّھُمْ یُؤْتَوْنَ کُتُبَھُمْ بِاَیْمَانِھِمْ وَاَعْرِفُھُمْ تَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ ذُرِّیَّتُھُمْ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن ان لوگوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جن کو سجدہ کی اجازت دی جائے گی اور (پھر) ان لوگوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جن کو سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی چنانچہ میں اس چیز کی طرف دیکھوں گا جو میرے آگے ہوگی (یعنی مخلوق کا مجمع) اور میں امتوں کے درمیان اپنی اُمت کو پہچان لوں گا، پھر میں اپنے پیچھے کی طرف اسی طرح اور اپنے دائیں طرف اور بائیں طرف (بھی) اس طرح دیکھوں گا (یعنی چاروں طرف ازدہام خلق دیکھوں گا اور میں اپنی اُمت کو پہچان لوں گا) ایک صحابیؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ! اپنی اُمت سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت تک کی تمام امتوں میں آپ ﷺ اپنی اُمت کو کیونکر پہچان لیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "میری اُمت کے لوگ وضو کے اثر سے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں کے ہوں گے اس اُمت کے علاوہ کوئی دوسری اُمت اس طرح (امتیازی وصف کے ساتھ) نہیں ہوگی اور میں اپنی اُمت کو اس طرح بھی پہچان لوں گا کہ (میری امت کے لوگوں کو) ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، نیز اس وجہ سے شناخت کر لوں گا کہ ان کی (خورد سال) اولاد ان کے آگے دوڑتی ہوگی۔" (احمدؒ)

تشریح: محشر میں جب سرکار دو عالم ﷺ بارگاہ صمدیت میں حاضر ہوں گے تو شفاعت کے لئے سجدہ میں جائیں گے اور بمقدار ایک ہفتہ سجدہ میں رہیں گے پھر بعد میں بارگاہ الوہیت سے حکم ہوگا کہ اے محمد (ﷺ)! اپنا سر مبارک اٹھائیے اور اے میرے محبوب مانگئے کیا مانگتے ہیں؟ ہم آپ (ﷺ) کی درخواست کو شرف قبولیت بخشیں گے اس کے بعد شافع محشر، آقائے نامدار، سرور کائنات، فخر موجودات جناب رسول اللہ ﷺ (فداہ روحی) مخلوق خدا کی شفاعت کے لئے اپنی لسان مبارک سے بارگاہ خداوندی میں درخواست پیش فرمائیں

گے، حدیث کے ابتدائی حصہ میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

اس حدیث میں میدان حشر میں اُمت محمدیہ کی کثرت وزیادتی اور ان کے مراتب میں تفاوت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے چنانچہ فانظر الی مابین یدی (یعنی میں اس چیز کی طرف دیکھوں گا جو میرے آگے ہوگی ایسے ہی عن شمالی مثل ذلک (یعنی اور بائیں طرف اس طرح دیکھوں گا) تک یہی مراد ہے کہ میرے چاروں طرف میری ہی اُمت پھیلی ہوگی اور پھر ان میں مختلف مراتب و درجات کے لوگ ہوں گے۔

صحابی کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک ایک بڑی لمبی مدت ہے اور ایک بڑا طویل زمانہ ہے اس دوران میں ایک دو نہیں بہت زیادہ امتیں گزری ہیں، پھر تعداد شمار کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بے انتہاء مخلوق خدا اس زمانہ میں پیدا ہوئی اور مری ہے تو اتنے ازدہام اور اتنی امتوں میں آپ ﷺ اپنی اُمت کو کس طرح پہچان لیں گے، اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے اس امتیازی صفت کا ذکر فرمایا جس سے اُمت محمدیہ کے افراد متصف ہوں گے اور تمام امتوں میں ممتاز ہوں گے۔

اس سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا نام بطور خاص لینے کی وجہ یہی ہے کہ اول تو اس زمانہ کا طول مراد ہے دوسرے چونکہ یہ تمام نبیوں میں بہت زیادہ مشہور ہیں اس لئے ان کا نام لیا۔

بَابُ مَا یُوْجِبُ الْوُضُوْءَ
وضو کو واجب کرنے والی چیزوں کا بیان

اس باب میں ان چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو وضو کو توڑتی ہیں چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ان چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

❶ پاخانہ اور پیشاب کے راستہ سے نکلنے والی ہر چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسے پاخانہ، پیشاب اور ریاح وغیرہ مگر جو ہوا مرد یا عورت کے آگے کے سرے سے نکلتی ہے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

❷ اس چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جو نجس ہو (جیسے خون اور پیپ وغیرہ) اور بدن میں خود بخود نکل کر اس حصہ تک پہنچ جائے جس کو غسل یا وضو میں دھونا لازم ہو، یعنی اگر ناک کے بانسے اور آنکھ کے اندر رہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ان کا دھونا لازم نہیں ہے۔

❸ قے کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے منہ بھر قے کرنے میں خواہ اناج نکلے، پانی نکلے، جما ہوا خون یعنی سودا نکلے ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اگر بلغم نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا، اگر پتلے خون یا پیپ کی قے ہو تو اس میں منہ بھرنے کی شرط نہیں بلکہ تھوک کے برابر ہو یا تھوک پر غالب ہو جائے تب بھی وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر کم ہو گا تو نہیں ٹوٹے گا اگر ایک ہی متلی میں تھوڑی قے اتنی مقدار میں ہوئی کہ اگر اسے جمع کیا جائے تو منہ بھر جائے تو اس سے وضو جاتا ہے جس چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے وہ نجس نہیں ہوتی مثلاً تھوڑی سے قے کی یا بدن سے خون اس طرح نکلا کہ وہ جسم پر بہا نہیں تو یہ ناپاک نہیں ہے۔

❹ وضو ٹوٹ جاتا ہے دیوانہ ہونے سے۔

❺ نشے سے۔

❻ بے ہوش ہو جانے سے۔

❼ اور بالغ کے قہقہے سے اس نماز میں جو رکوع و سجود والی ہو۔

❽ مباشرہ فاحشہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، مباشرت فاحشہ اسے کہتے ہیں کہ انتشار اور جنسی ہیجان کے ساتھ مرد کا ستر عورت کے ستر سے

اور عورت کا ستر مرد کے ستر سے مل جائے یا دو عورتوں یا مردوں کے ستر مل جائیں۔

❾ لیٹ کر اپنے بدن پر یا دیوار وغیرہ پر تکیہ لگا کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن یہ سونا اس طرح ہو کہ اگر تکیہ کی وہ چیز جس پر ٹیک لگا کر سویا ہوا ہے ہٹالی جائے تو گر پڑے۔

❿ اگر اس طرح سو جائے کہ مقعد زمین سے اٹھ جائے یعنی پہلو پر یا کولھوں پر یا چت یا منہ کے بل، یا کولھے کو دیوار سے لگا کر یا پیٹ پاؤں پر لگا کر جھکا ہوا سو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کھڑا کھڑا سو جائے یا رکوع اور سجدہ کی حالت میں سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا مگر شرط یہ ہے کہ رکوع و سجود ہیئت مسنونہ پر ہوں، اگر زخم میں کیڑے نکلیں یا گوشت کٹ کر گر جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔

⓫ اگر جونک لگائی جائے اور وہ خون پی کر بھر گئی یا بڑی چیچڑی نے پیٹ بھر خون پیا تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔

⓬ اگر کسی کی آنکھ دکھنے آتی ہے اور آنسو نکلتے ہیں تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس سلسلہ میں اکثر لوگ غافل ہیں اس کا خیال نہیں کرتے اس لئے اس کا خیال رکھنا چاہئے ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہے جس کی آنکھیں ہمیشہ جاری رہتی ہیں تو وہ صاحب عذر ہو جاتا ہے۔

⓭ اگر کان دکھتا ہے اور اس سے پیپ یا کچھ لہو نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر بغیر درد کان سے پیپ وغیرہ کان سے نکلے تو اس سے وضو نہیں جاتا یہ تمام چیزیں جن کا ذکر کیا گیا ہے سب ناقض وضو ہیں ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان میں سے دو چیزیں یعنی پیشاب اور پاخانہ کے راستہ سے نکلنے والی چیزوں اور نیند پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ چیزیں ناقض وضو ہیں باقی چیزیں مختلف فیہ ہیں۔

الفصل الاول

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّأَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "بے وضو کی نماز قبول نہیں کی جاتی جب تک کہ وضو نہ کرے۔" (بخاری مسلم)

تشریح: اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو پانی رکھتا ہو اور اس کے استعمال کی قدرت بھی اس کے اندر ہو یعنی جس شخص کے پاس پانی اور اس پانی کے استعمال کرنے میں اس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو تو اس کو نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے اگر اس نے وضو نہیں کیا تو اس کی نماز ادا نہیں ہوگی۔

اگر کوئی شخص پانی نہ پائے یا اس کے استعمال کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ بجائے وضو کے پاک و صاف مٹی سے تیمم کرے ایسا شخص جو نہ تو پانی پائے اور نہ پاک و صاف مٹی ہی اسے ملے اور نہ وہ ان کے استعمال کی قدرت رکھتا ہو تو ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں فاقد الطهورین کہتے ہیں اس شخص کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ وہ نماز نہ پڑھے، ہاں جب پانی وغیرہ پائے تو وضو کر کے نماز پڑھے۔

اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا مسلک دوسرا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص یعنی "فاقد الطہورین" کو چاہئے کہ اس شکل میں بھی وقت نماز کے احترام میں بغیر وضو اور تیمم ہی کے نماز پڑھ لے جب اسے پانی یا مٹی دستیاب ہو جائے تو وضو یا تیمم کر کے قضا کر لے۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قصداً بغیر طہارت کے نماز پڑھ لے اور پھر یہ کہ اس سے اس کا مقصد احترام وقت بھی نہ ہو تو یہ شخص کافر ہو جاتا ہے یا اگر لوگوں کی شرم کی وجہ سے محض دکھلانے کے لئے بھی بغیر طہارت کے نماز پڑھے تو بھی کافر ہو جاتا ہے کیونکہ ان دونوں شکلوں میں اس نے شرع کی تحقیر کی ہے اس لئے ایسا شخص جو اپنے قول سے یا فعل سے شریعت کی تحقیر کا سبب بنتا ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ دائرہ اسلام اور ایمان میں رہ سکے۔

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَیْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "بغیر طہارت نماز قبول نہیں کی جاتی اور مال حرام کی خیرات قبول نہیں کی

جاتی۔" (مسلم)

تشریح: حرام مال میں صدقہ خیرات کرنا چونکہ صدقہ وخیرات کی توہین وتحقیر ہے اس لئے اس کو بہت زیادہ قابل نفرت شمار کیا گیا ہے چنانچہ ہمارے علماء نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو شخص مال حرام میں سے صدقہ وخیرات کرتا ہے اور پھر اس کی امید بھی رکھتا ہے کہ اس سے ثواب ملے گا تو کافر ہو جاتا ہے۔

③ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلاً مَذَّاءً فَكُنْتُ اَسْتَحْيِيْ اَنْ اَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "مجھے مذی بہت زیادہ آتی تھی چونکہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی (حضرت فاطمہؓ) میرے نکاح میں تھی اس لئے میں آپ ﷺ سے اس کا حکم دریافت کرتے ہوئے شرماتا تھا (کہ آیا اس سے غسل واجب ہوتا ہے یا وضو) اس لئے میں نے (اس مسئلہ کو آنحضرت ﷺ سے دریافت کرنے کے لئے حضرت مقدادؓ کو مامور کیا، چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا (اس طرح سے کہ ایک شخص ایسا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے) تو آپ نے فرمایا کہ (مذی نکلنے پر) پیشاب گاہ کو دھوڈالے اور وضو کرے۔"

(بخاری ومسلم)

تشریح: یہ حدیث ایک اخلاقی معاملہ میں بڑی لطیف تنبیہ کر رہی ہے کہ داماد کو اپنے سسر سے شہوت کی باتوں کا ذکر کرنا، ایسی چیزوں کا تذکرہ کرنا جن کا تعلق مباشرت عورت سے ہو یا جن کا بیان اخلاق وتہذیب اور شرم وحیا کے منافی ہو مناسب نہیں۔

④ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تَوَضَّؤُا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ۔ (رواہ مسلم)
قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْاَجَلُّ مُحْيُ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذَا مَنْسُوْخٌ بِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس چیز کو آگ نے پکایا ہو اس کے کھانے کے بعد وضو کرو۔" (مسلم)

"امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث سے منسوخ ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے بکری کا شانہ کھایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: پہلے حکم کی منسوخی تو حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث سے ہوگئی لیکن اس سلسلہ میں اس حدیث کی ایک دوسری تاویل اور کی جاتی ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کے اس حکم کی کہ "آگ کی پکی ہوئی چیز کو کھانے کے بعد وضو کرو" سے مراد یہ ہے کہ جب تم کوئی پکی ہوئی چیز کھاؤ تو چکنائی وغیرہ دور کرنے کے لئے ہاتھ منہ دھولیا کرو، کیونکہ نہ صرف یہ کہ نظافت وصفائی کا یہی تقاضا ہے بلکہ یہ سنت بھی ہے چنانچہ اسی کو وضو طعام بھی کہا جاتا ہے، اس صورت میں حدیث کو منسوخ کہنے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

⑤ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ قَالَ اِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا تَتَوَضَّأْ قَالَ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ قَالَ نَعَمْ فَتَوَضَّأْ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ قَالَ اُصَلِّيْ فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَالَ نَعَمْ قَالَ اُصَلِّيْ فِيْ مَبَارِكِ الْاِبِلِ قَالَ لَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر[1] بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ "کیا ہم بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کریں"

---

[1] اسم گرامی جابر بن سمرۃ اور کنیت ابوعبداللہ عامری ہے سن وفات میں اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ۶۶ھ میں انہوں نے وفات پائی کچھ حضرات کی تحقیق ہے کہ ان کا سن وفات ۷۴ھ ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہارا جی چاہے تو وضو کرو اور نہ چاہے تو نہ کرو" پھر اس شخص نے پوچھا کیا اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کروں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرو" پھر اس شخص نے سوال کیا "کیا بکریوں کے رہنے کی جگہ میں نماز پڑھ لوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں! پھر اس شخص نے دریافت کیا "کیا اونٹوں کے بندھے کی جگہ نماز پڑھوں" آپ نے فرمایا "نہیں"۔" (مسلم)

تشریح: حضرت امام حنبلؒ چونکہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اس لے انہوں نے تو یہ حدیث دیکھ کر حکم لگا دیا کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا چاہئے کیونکہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

لیکن حضرت امام اعظم، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ یہ حضرات اس حدیث کا محمل وضو کے لغوی معنے "ہاتھ منہ دھونے" کو قرار دیتے ہیں یعنی یہ حضرات فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ اونٹ کے گوشت میں بساندہ اور چکنائی زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس کو کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھو لینا چاہئے چونکہ بکری کے گوشت میں بساندھ اور چکنائی کم ہوتی ہے اس لئے اس کے بارے میں فرمادیا کہ اگر طبیعت چاہے اور نظافت کا تقاضا ہو تو ہاتھ منہ دھو لیا کرو اور اگر طبیعت نہ چاہے تو کوئی ضروری نہیں ہے۔

اونٹوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمانا نہی تنزیہی کے طور پر ہے اور منع اس لئے فرمایا کہ وہاں نماز پڑھنے میں سکون و اطمینان اور خاطر جمعی نہیں رہتی، اونٹوں کے بھاگ جانے یا لات مار دینے اور تکلیف پہنچانے کا خدشہ رہتا ہے بخلاف بکریوں کے چونکہ وہ بیچاری سیدھی سادھی اور بے ضرر ہوتی ہیں اس لئے ان کے رہنے کی جگہ نماز پڑھ لینے کی اجازت دے دی۔

اتنی بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ نماز پڑھنے کے سلسلہ میں یہ جواز اور عدم جواز اس صورت میں ہے جب کہ مرابض (بکریوں کے رہنے کی جگہ) اور مبارک (اونٹوں کے بندھنے کی جگہ) نجاست و گندگی سے خالی ہوں اگر وہاں نجاست ہوگی تو پھر مرابض میں بھی نماز پڑھنی مکروہ ہوگی۔

⑥ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ فِیْ بَطْنِهٖ شَیْئًا فَاَشْكَلَ عَلَيْهِ اَخَرَجَ مِنْهُ شَیْئٌ اَمْ لَا فَلَا یَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ یَجِدَ رِیْحًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ کے اندر کچھ پائے (یعنی قراقر) اور اس پر یہ بات مشتبہ ہو کہ کوئی چیز خارج ہوئی یا نہیں تو اس وقت تک وضو کے لئے مسجد سے باہر نہ نکلے جب تک آواز کو نہ سنے یا بو نہ پائے۔" (مسلم)

تشریح: "جب تک کوئی آواز نہ سنے یا بو نہ پائے" یہ غالب کے اعتبار سے ہے ورنہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جب ریاح کا خارج ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے، خواہ آواز سنے یا نہ سنے بو معلوم ہو یا نہ معلوم ہو تو سمجھ لے کہ وضو ٹوٹ گیا ہے۔

⑦ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ اِنَّ لَهٗ دَسَمًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکار دو علم ﷺ نے دودھ پیا (اس کے بعد) کلی کی اور فرمایا دودھ میں چکناہٹ ہوتی ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چکنی چیز کھانے کی بعد کلی کرنا مستحب ہے، اس لئے کہ اگر کلی نہ کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ جو چیز کھائی گئی چکناہٹ کی وجہ سے اس کا کچھ حصہ منہ میں لگا رہ جائے، جب نماز پڑھی جائے تو حالت نماز میں پیٹ میں پہنچ جائے اس پر ہر اس چیز کو

قیاس کیا جاتا ہے جو منہ میں لگی ہو اور حالت نماز میں اس کے پیٹ میں پہنچ جانے کا خوف ہو تو اس سے بھی کلی کرنا مستحب ہے۔

اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے صفائی اور ستھرائی کے لئے ہاتھوں کو دھو لینا چاہئے، ہاں اگر ہاتھ پہلے ہی سے صاف ستھرے ہیں اور نجاست و میل نہیں لگی ہے تو پھر ہاتھوں کا دھونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح کھانا کھانے کے بعد بھی ہاتھوں کو دھونا چاہئے اگر کھانا خشک ہونے کی وجہ سے یا چمچہ وغیرہ سے کھانے کی وجہ سے ہاتھ میں کچھ نہ لگے تو پھر ہاتھوں کا دھونا ضروری نہیں ہے۔

آخر میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ بظاہر تو اس باب سے اس حدیث کی کچھ مناسبت نظر نہیں آتی ہے اس لئے یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ مصنف مشکوٰۃ نے اس حدیث کو اس باب میں کیوں ذکر کیا؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ چونکہ اس حدیث میں کلی کا ذکر کیا گیا ہے وہ متعلقات وضو سے ہے اس لئے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۸) وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصَّلَوٰاتِ يَوْمَ الْفَتْحِ بِوُضُوْءٍ وَاحِدٍ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لَمْ تَكُنْ تَصْنَعُهُ فَقَالَ عَمْدًا صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت بریدہؓ[1] فرماتے ہیں کہ "فتح مکہ کے دن سرکار دو عالم ﷺ نے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں (یعنی ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں پڑھیں) اور موزوں پر مسح کیا (یہ دیکھ کر) حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ "آپ (ﷺ) نے آج وہ چیز کی ہے جس کو آپ ﷺ نے کبھی نہیں کیا" آپ ﷺ نے فرمایا "عمرؓ! میں نے ایسا قصداً کیا ہے۔" (مسلم)

تشریح: حضرت عمرؓ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ پہلے تو آپ (ﷺ) کا معمول یہ تھا کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے، مگر آج آپ (ﷺ) نے خلاف معمول ایک وقت وضو کر لیا پھر اسی وضو سے آپ (ﷺ) نے پانچوں نماز ادا فرمائی اور پھر ایک نئی چیز کی کہ موزوں پر مسح بھی فرمایا حالانکہ آپ (ﷺ) ایسا کبھی نہیں کرتے تھے۔

اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا عمل کسی دوسری وجہ سے نہیں بلکہ میں نے قصداً کیا ہے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں اور دوسرے بھی ایسا کر سکتے ہیں۔

(۹) وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ مِنْ اَدْنٰى خَيْبَرَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعٰى بِالْاَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَاَمَرَ بِهٖ فَثُرِّيَ فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سوید[2] بن نعمانؓ راوی ہیں کہ وہ سرکار دو عالم ﷺ کے ہمراہ خیبر (کے فتح) کے سال سفر پر گئے جب صہباء کے مقام پر پہنچے جو خیبر کے نزدیک ہے، عصر کی نماز پڑھی اور پھر آپ ﷺ نے توشہ (زاد راہ منگوایا، چنانچہ ستو کے علاوہ کچھ نہ تھا جو حاضر کیا گیا اور آپ ﷺ کے حکم سے اس کو گھولا گیا، پھر آنحضرت ﷺ نے اور ہم نے اس کو کھایا اور پھر مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی اور وضو نہیں کیا۔" (بخاری)

تشریح: اس حدیث نے اس مسئلہ کی وضاحت کر دی کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس لئے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ستو کھایا جو آگ ہی سے تیار کیا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف کلی کر کے مغرب کی نماز پڑھ لی اور وضو نہیں کیا۔

---

[1] اسم گرامی بریدہ بن حصیب ہے ان کی کنیت جو مشہور ہے وہ ابو عبداللہ ہے، یہ مدینہ کے باشندہ تھے مقام مرو میں بزمانہ یزید بن معاویہ ۶۳ھ میں انتقال فرمایا۔

[2] اسم گرامی حضرت سوید ابن نعمان ہے آپ کا شمار اہل مدینہ میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

⑩ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ صَوْتٍ اَوْ رِیْحٍ۔ (رواہ احمد و الترمذی)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا" وضو کرنا آواز یا بو سے واجب ہوتا ہے۔" (احمد، ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ وضو شک سے نہیں ٹوٹتا، جب تک یقین نہ ہو جائے وضو باقی رہتا ہے یعنی پیٹ میں اگر محض قراقر ہو تو اس شبہ سے کہ شاید ریاح کا اخراج ہو گیا ہو وضو نہیں ٹوٹے گا ہاں جب آواز کے نکلنے یا بو سے یقین ہو جائے کہ ریاح خارج ہو گئی ہے تو جب وضو ٹوٹ جائے گا۔

⑪ وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذِیِّ فَقَالَ مِنَ الْمَذِیِّ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِیِّ الْغُسْلُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے (حضرت مقداد کے واسطہ سے) سرکار دوعالم ﷺ سے مذی کے بارہ میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مذی نکلنے سے وضو لازم آتا ہے اور منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔" (ترمذی)

⑫ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِیْمُهَا التَّکْبِیْرُ وَتَحْلِیْلُهَا التَّسْلِیْمُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْهُ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "نماز کی کنجی وضو ہے" نماز کی تحریم تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہنا) ہے اور نماز کی تحلیل سلام پھیرنا۔ (ابوداؤد، ترمذی، و دارمی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت علیؓ اور حضرت ابی سعید سے روایت کیا ہے)

تشریح: تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے سے نماز شروع ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کھانا پینا اور جتنے کام نماز کے منافی ہیں اب سب حرام ہو گئے ہیں اور سلام پھیرنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نماز شروع کر دینے سے جتنی چیزیں حرام کر لی گئی تھیں اَب وہ سب حلال ہو گئی ہیں اسی کو فرمایا گیا ہے کہ نماز کی تحریم تکبیر اور اس کی تحلیل سلام پھیرنا ہے۔

⑬ وَعَنْ عَلِیِّ بْنِ طَلْقٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَا اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِیْ اَعْجَازِهِنَّ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت علی بن طلقؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا" جب تم میں سے کوئی حدث کرے (یعنی بغیر آواز کے ہوا خارج ہو) تو اسے وضو کرنا چاہئے، اور تم عورتوں سے (خلاف فطرت) ان کی مقعد (یعنی پاخانہ کی جگہ) میں جماع نہ کرو۔" (ترمذی، ابوداؤد)

⑭ وَعَنْ مُعَاوِیَةَ ابْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا الْعَیْنَانِ وِکَاءُ السَّهِ فَاِذَا نَامَتِ الْعَیْنُ اسْتَطْلَقَ الْوِکَاءُ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت معاویہ[1] بن ابی سفیان راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا" آنکھیں سرین کا سربند ہیں چنانچہ آنکھ سو جاتی ہے تو سربند کھل جاتا ہے" (دارمی)

تشریح: جب انسان جاگتا رہتا ہے تو گویا اس کے مقعد پر بند لگا رہتا ہے جس کی وجہ سے ہوا خارج نہیں ہوتی بلکہ رکی رہتی ہے اور اگر خارج ہوتی ہے تو اس کا احساس ہوتا ہے اور جب سو جاتا ہے تو چونکہ وہ بے اختیار ہو جاتا ہے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں تو ہوا کے خارج ہونے کا گمان رہتا ہے جس کا اسے یقینی احساس نہیں ہو سکتا اسی لئے نیند کو ناقض وضو کہا جاتا ہے۔

---

[1] اسم گرامی معاویہ کنیت ابوعبدالرحمٰن اور والد کا نام ابوسفیان ہے۔ آپ کاتب وحی ہیں ۶۰ ھ میں وفات پائی۔

⑮ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ (رواه ابوداؤد)

وَقَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحْيِيُ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا فِيْ غَيْرِ الْقَاعِدِ لِمَا صَحَّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّأُوْنَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمَذِيُّ اِلَّا اَنَّهٗ ذَكَرَ فِيْهِ يَنَامُوْنَ بَدَلَ يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "سرین کا سربند آنکھیں ہیں لہذا جو شخص سو جائے اسے چاہئے" کہ وضو کرے۔" (ابوداؤد)

"اور حضرت امام محی السنۃ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اسی شخص کے واسطے ہے جو بیٹھا نہ ہو (بلکہ لیٹ کر سویا ہو) اس لئے کہ حضرت انسؓ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "سرکار دو عالم ﷺ کے اصحابؓ عشاء کی نماز (بیٹھے ہوئے) انتظار کیا کرتے تھے یہاں تک کے نیند کے سبب سے ان کے سر جھک جاتے تھے، اس حالت میں وہ اٹھ کر نماز پڑھ لیتے تھے وضو نہ کرتے تھے۔ (ابوداؤد ترمذی) مگر ترمذی نے اپنی روایت میں يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ کے بجائے لفظ ینامون ذکر کیا ہے۔

تشریح: حضرت امام محی السنۃؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کا حکم سونے والوں کے بارہ میں نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کے بارہ میں ہے جو لیٹ کر سو جائے، کیونکہ لیٹ کر سونے سے تمام اعضاء ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور اپنے اوپر پوری طرح اختیار نہیں رہتا اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں ریاح خارج ہو جائے اور اس کا احساس بھی نہ ہو۔

ہاں جو شخص لیٹ کر نہیں بلکہ بیٹھا بیٹھا اس طرح سو جائے کہ اس کی مقعد زمین پر رکھی رہے اور پھر جب وہ جاگے تو مقعد اسی طرح زمین پر ٹھیری ہوئی ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا چاہے وہ جتنا بھی سوئے، چنانچہ حضرت انسؓ کی مذکورہ حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بیٹھے ہوئے سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، بیٹھنے کی اقسام فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن کو قیاس یا دیگر احادیث سے ثابت کیا گیا ہے۔

⑯ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْوُضُوْءَ عَلٰى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا فَاِنَّهٗ اِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهٗ۔ (رواه الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "وضو اس شخص پر لازم ہوتا ہے جو لیٹ کر سو جائے اس لئے کہ جس وقت آدمی لیٹتا ہے تو اس کے (بدن کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں) اور پھر ہوا خارج ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔" (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: حضرت میرک شاہ نے فرمایا ہے کہ حدیث منکر ہے کیونکہ اس کے راویوں میں ایک راوی یزید الالانی بھی ہے جو کہ کثیر الخطاء اور فاحش الوہم اور ثقات کے مخالف ہے۔

⑰ وَعَنْ بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَسَّ اَحَدُكُمْ ذَكَرَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ (رواه مالک واحمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجه والدارمی)

"اور حضرت بسرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "تم میں سے جو شخص اپنے ذکر (عضو خاص) کو ہاتھ لگائے تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے"۔" (مالکؒ، ابوداؤد، ترمذیؒ، نسائی، دارمیؒ)

تشریح: پیشاب گاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جانے میں اختلاف ہے، بلکہ اس مسئلہ میں خود صحابہؓ میں بھی اختلاف تھا چنانچہ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے ذکر کو ننگی ہتھیلی سے چھو دیا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، ان کی دلیل یہی مذکور حدیث ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ذکر کو چھو دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا، ان کی دلیل مابعد کی حدیث ہے جو قیس بن علی کی روایت

کے ساتھ جسے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے، مسند ابی حنیفہ" میں مذکور ہے اس کے علاوہ امام اعظم" کی دلیل میں اور بہت سی حدیثیں وارد ہیں اس سلسلہ میں مزید تشفی کے لئے شرح ملا علی قاری اور مشکوٰۃ کا ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق" دہلوی دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت ابن ہمام" فرماتے ہیں کہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں یعنی بسرہ کی یہ حدیث جو شوافع کی دلیل ہے اور طلق بن علی کی حدیث جو آگے آرہی ہے اور حنفیہ کی دلیل ہے، درجہ حسن سے باہر نہیں ہیں لیکن حضرت طلق ابن علی کی حدیث کو حضرت بسرہ کی حدیث پر ترجیح ہوگی اس لئے کہ حضرت بسرہ عورت اور حضرت طلق بن علیؓ مرد ہیں اور ظاہر ہے کہ عورت کے مقابلے میں مرد کی حدیث قوی ہوتی ہے کیونکہ وہ عورت کی نسبت علم اور حدیث کو خوب اچھی طرح یاد رکھتے ہیں اور ان کی قوت حافظہ عورتوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے۔

(۱۸) وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهُ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ قَالَ وَهَلْ هُوَ اِلَّا بُضْعَةٌ مِنْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحِيُّ السُّنَّةِ هٰذَا مَنْسُوْخٌ لِاَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ اَسْلَمَ بَعْدَ قُدُوْمِ طَلْقٍ وَقَدْ رَوَى اَبُوْهُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَفْضٰى اَحَدُكُمْ بِيَدِهٖ اِلٰى ذَكَرِهٖ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالدَّارَ قُطْنِيُّ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ بُسْرَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ)

"اور حضرت طلق[1] بن علیؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ وضو کرنے کے بعد اگر کوئی شخص اپنے ذکر کو چھوئے (تو کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا" وہ بھی تو آدمی کے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ" نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے" امام محی السنۃ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسوخ ہے اس لئے کہ حضرت ابوہریرۃ حضرت طلق بن علیؓ کے آنے کے بعد اسلام لائے ہیں اور حضرت ابوہریرۃؓ سے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث منقول ہے کہ جب تم میں سے کسی کا ہاتھ اپنے ذکر پر پہنچ جائے اور ہاتھ و ذکر کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وضو کرے۔" (شافعی دارقطنی" اور نسائی" نے بسرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے جس میں لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ کے الفاظ مذکور ہیں۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بدن کے گوشت کے دیگر ٹکڑے مثلاً ہاتھ پاؤں کان ناک وغیرہ ہیں اسی طرح ذکر بھی بندہ کے گوشت ہی کا ایک ٹکڑا ہے اور جب ان دوسرے ٹکڑوں اور حصوں کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو پھر ذکر کے چھو جانے سے کیوں وضو ٹوٹے گا لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے۔

امام محی السنۃ" کا قول در اصل حضرات شوافع کی ترجمانی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرۃؓ طلق بن علیؓ کے بہت بعد اسلام لائے ہیں، کیونکہ حضرت طلقؓ ہجرت کے فوراً بعد جب کہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور حضرت ابوہریرۃؓ سن ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر اسلام لائے ہیں اس لئے حضرت طلق بن علیؓ کا آنحضرت ﷺ سے حدیث سننا پہلے ہوا اور حضرت ابوہریرۃؓ کا سننا بعد میں ہوا ہو گا، لہٰذا حضرت طلقؓ کی حدیث منسوخ اور حضرت ابوہریرۃؓ کی حدیث ناسخ ہوئی۔

حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت طلق کے اسلام لانے کے بعد حضرت ابوہریرۃؓ کے اسلام لانے سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ حضرت ابوہریرۃؓ نے یہ حدیث سنی بھی بعد میں ہو شوافعہ کا یہ دعویٰ تو جب صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ثابت ہو کہ حضرت ابوہریرۃؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہی حضرت طلقؓ انتقال فرما چکے تھے یا یہ کہ اپنے وطن کو چلے گئے تھے کہ پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی کبھی حاضر نہیں ہوئے، اس لئے کہ اگر حضرت طلقؓ حضرت ابوہریرۃؓ کے اسلام لانے پہلے انتقال فرما جاتے ہیں یا اپنے وطن کو واپس لوٹ جاتے تو پھر حضرت ابوہریرۃؓ کے اسلام لانے کے بعد کچھ نہیں سن سکتے تھے مگر اب تو یہ ممکن ہے کہ حضرت طلقؓ نے یہ حدیث ابوہریرۃؓ

---

[1] اسم گرامی طلق بن علی اور کنیت ابو علی ہے ان کی حدیثیں ان کے بیٹے قیس سے مروی ہیں۔

کے اسلام لانے کے بعد ہی سنی ہو لہٰذا شوافع کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔

حضرت مظہرؒ نے ایک اچھی اور فیصلہ کن بات کہہ دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہو گیا ہے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ مس ذکر ناقض وضو ہے اور حضرت طلقؓ کی حدیث مس ذکر کو ناقض وضو نہیں کہتی لہٰذا اس تعارض کی شکل میں ہمیں چاہئے کہ ہم دوسرے صحابہؓ کے اقوال کی طرف رجوع کریں چنانچہ بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابودرداء، حضرت حذیفہ اور حضرت عمرؓ کے یہ اقوال ثابت ہیں کہ ذکر چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حنفیہ ہی کا مسلک صحیح ہے کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱۹) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ بَعْضَ اَزْوَاجِهٖ ثُمَّ يُصَلِّيْ وَلَا يَتَوَضَّأُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يَصِحُّ عِنْدَ اَصْحَابِنَا بِحَالٍ اِسْنَادُ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَاَيْضًا اِسْنَادُ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْهَا وَقَالَ اَبُوْدَاوُدَ هٰذَا مُرْسَلٌ وَاِبْرَاهِيْمُ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ عَائِشَةَ۔

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے تھے اور بغیر وضو کے (پہلے ہی وضو سے) نماز پڑھ لیتے تھے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ ہمارے علماء کے نزدیک کسی حال میں عروہ کی سند حضرت عائشہؓ سے نیز ابراہیم تیمی کی بھی سند حضرت عائشہؓ سے صحیح نہیں ہے اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اس لئے کہ ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہؓ سے نہیں سنا ہے۔"

تشریح: اس مسئلہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک غیر محرم عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ غیر محرم عورت کو اگر شہوت کے ساتھ چھوئے تو وضو ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں ٹوٹے گا ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا، ان کی دلیل یہی حدیث ہے، نیز حضرت عائشہؓ کی ایک دوسری حدیث بھی جو بخاری و مسلم میں مذکور ہے حضرت امام اعظمؒ کی دلیل ہے جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "آنحضرت ﷺ جب رات میں تہجد پڑھنے کے لئے بیدار ہوتے تو میں سوتی رہتی اور میرے دونوں پاؤں آنحضرت ﷺ کے سجدہ کی جگہ پڑے رہتے تھے چنانچہ آپ ﷺ سجدہ کے وقت میرے پیروں میں ٹھونکا دیتے تھے تو میں اپنے پیر سمیٹ لیتی تھی" لہٰذا اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، امام ترمذی کا یہ کہنا عروہ کی سماعت حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں ہے" بالکل صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح میں (بخاری و مسلم) میں اکثر احادیث میں حضرت عائشہؓ سے حضرت عروہ کی سماع ثابت ہے معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی کے اس قول کو نقل کرنے میں مصنف مشکوٰۃ سے کچھ چوک ہو گئی ہے کیونکہ ترمذیؒ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں لیا جاتا جو مصنف مشکوٰۃ نے اخذ کیا ہے۔

ابوداؤد کا یہ کہنا کہ "یہ حدیث یعنی مرسل کی ایک قسم منقطع) ہے" دراصل حنفیہ کی اس دلیل کو کمزور کرتا ہے کہ جب یہ حدیث مرسل ہے تو حنفیہ کا اس کو اپنی دلیل میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے، ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہوتی ہے اور نہ صرف ہمارے نزدیک بلکہ جمہور علماء بھی مرسل حدیث کی حجیت کو تسلیم کرتے ہیں، لہٰذا اس حدیث کو مرسل کہہ کر اسے ناقابل استدلال قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(۲۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتِفًا ثُمَّ مَسَحَ يَدَهٗ بِمَسْحٍ كَانَ تَحْتَهٗ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے بکری کا شانہ (یعنی بکری یا اس کے شانہ گوشت) کھایا، پھر اپنا ہاتھ ٹاٹ سے پونچھ لیا جو آپ ﷺ کے نیچے بچھا ہوتا تھا اور پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث نے بھی حنفیہ کے اس مسلک کی توثیق کر دی ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھالینے سے وضو نہیں ٹوٹتا، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانا کھانے کے بعد اگر منہ ہاتھ پر چکنائی وغیرہ لگے تو ان کا دھونا ضروری نہیں ہے۔

(۲۱) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَرَّبْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِيًّا فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس ایک بھنا ہوا پہلو لے گئی چنانچہ آپ ﷺ نے اس میں سے کھایا پھر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور وضو نہیں کیا (اور نہ ہاتھ منہ دھویا۔" (احمدؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۲۲) عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ اَشْهَدُ لَقَدْ كُنْتُ اَشْوِيْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَطْنَ الشَّاةِ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں کہ اس بات کی قسم کھاتا ہوں کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے لئے بکری کا پیٹ (یعنی پیٹ کے اندر کی چیزیں مثلاً دل کلیجی وغیرہ) بھونتا تھا، آپ ﷺ (اس میں سے کھاتے) پھر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور وضو نہ کرتے۔" (مسلم)

(۲۳) وَعَنْهُ قَالَ اُهْدِيَتْ لَهٗ شَاةٌ فَجَعَلَهَا فِي الْقِدْرِ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا اَبَا رَافِعٍ فَقَالَ شَاةٌ اُهْدِيَتْ لَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَطَبَخْتُهَا فِي الْقِدْرِ فَقَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ يَا اَبَا رَافِعٍ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا لِلشَّاةِ ذِرَاعَانِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِيْ ذِرَاعًا فَذِرَاعًا مَا سَكَتَّ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ فَاهُ وَغَسَلَ اَطْرَافَ اَصَابِعِهٖ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ عَادَ اِلَيْهِمْ فَوَجَدَ عِنْدَهُمْ لَحْمًا بَارِدًا فَاَكَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدٍ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ اِلٰى آخِرِهٖ۔

"اور حضرت ابورافعؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) میرے پاس تحفہ کے طور پر بکری بھیجی گئی، چنانچہ میں نے اس (کے گوشت) کو (پکانے کے لئے) ہانڈی میں ڈال دیا (اسی اثناء میں) آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا "ابورافع یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا (یارسول اللہ! بکری کا گوشت ہے جو میرے پاس ہدیہ کے طور پر آیا تھا اسی کو میں نے ہانڈی میں پکا لیا ہے" آپ نے فرمایا "ابورافع! ایک دست دو! میں نے دست خدمت اقدس میں پیش کر دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا دوسرا دست دو میں نے دوسرا دست بھی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا ایک دست اور دو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! بکری کے تو دو ہی دست ہوتے ہیں (اور وہ دونوں ہی آپ کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں اب کہاں سے لاؤں) سرکار دو عالم ﷺ نے ان سے فرمایا "ابورافع! اگر تم خاموش رہتے تو مجھ کو دست پر دست دیئے چلے جاتے جب تک کہ تم چپ رہتے، پھر آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور منہ دھویا (یعنی کلی کی) پھر انگلیوں کے پورے دھوئے اور کھڑے ہوئے اور پھر نماز پڑھ کر ابورافع کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے نزدیک ٹھنڈا گوشت دیکھا چنانچہ آپ ﷺ نے اسے کھایا اس کے بعد مسجد تشریف لے گئے اور (شکرانہ کی) نماز پڑھی اور اس حدیث کو دارمی نے بھی روایت کیا ہے مگر ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ سے آخر تک ذکر نہیں کیا ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ کو دست کا گوشت بہت زیادہ مرغوب تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ دست کا گوشت زیادہ قوت بخش ہوتا ہے اس لئے آپ ﷺ اسے پسند فرماتے تھے تاکہ جسمانی طاقت و قوت زیادہ حاصل ہو جس کی وجہ عبادت خداوندی بخوبی ادا ہو سکے۔

ارشاد گرامی "اگر تم خاموش رہتے تو مجھ کو دست پر دست دیئے چلے جاتے جب تک کہ تم چپ رہتے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم چپ رہتے اور میں جس طرح مانگتا جارہا تھا تم اسی طرح اٹھا (اٹھا کر دیتے رہتے تو تم دیکھ لیتے کی خداوند کریم اپنی قدرت سے معجزہ کے طور پر بے حد حساب دست مہیا فرماتا، لیکن چونکہ تمہاری نظر صرف ظاہر پر تھی اور تم نے یہ سوچ کر کہ بکری کے صرف دو ہی دست ہوتے ہیں اب کہاں سے لا کر دوں گا اپنا ہاتھ کھینچ لیا، اور جب تم نے خود ہی ہاتھ کھینچ لیا اور یہ جواب دے دیا تو ادھر سے بھی امداد غیبی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واقعی سب دست ختم ہو گئے یہاں ایک ہلکا سا خلجان واقع ہو سکتا ہے کہ جب باری تعالیٰ کی جانب سے آنحضرت ﷺ کی خواہش کی تکمیل کی خاطر غیبی طور پر بکری کے دست کا انتظام کیا جارہا تھا تو محض ابورافع کے جواب دے دینے سے وہ سلسلہ رک کیوں گیا اور پھر دست ظاہر کیوں نہیں فرمائے گئے۔ جواب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی جانب سے تمام اعزاز و کرامات اور فضل و عنایات محض خالص نیت اور توجہ الی اللہ کی بناء پر ہوتی ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی توجہ الی اللہ اور خدا کی جانب سے حضوری قلب میں ابورافعؓ کے جواب سے کچھ فرق آگیا ہو اس لئے آپ ان کے جواب کے رد کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، چنانچہ ادھر سے بھی ہاتھ روک لیا گیا اور دست ختم ہو گئے۔

(۲۴) وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَ اُبَيٌّ وَاَبُوْ طَلْحَةَ جُلُوْسًا فَاَكَلْنَا لَحْمًا وَخُبْزًا ثُمَّ دَعَوْتُ بِوَضُوْءٍ فَقَالَا لِمَ تَتَوَضَّأُ فَقُلْتُ لِهٰذَا الطَّعَامِ الَّذِيْ اَكَلْنَا فَقَالَا اَتَتَوَضَّأُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں، ابی بن کعبؓ اور ابو طلحہؓ بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے گوشت روٹی کھائی (کھانے سے فارغ ہو کر) میں نے وضو کے لئے پانی منگوایا ابی بن کعبؓ اور طلحہؓ نے کہا "تم وضو کیوں کرتے ہو" میں نے کہا "اس کھانے کی وجہ سے جو میں نے ابھی کھایا ہے ان دونوں نے کہا "کیا تم پاک چیزوں کے کھانے سے وضو کرتے ہو! ان چیزوں کو کھا کر اس شخص نے وضو نہیں کیا جو تم سے بہتر ہیں (یعنی آنحضرت ﷺ)۔" (احمد)

(۲۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقُوْلُ قُبْلَةُ الرَّجُلِ امْرَاَتَهٗ وَجَسُّهَا بِيَدِهٖ مِنَ الْمُلَامَسَةِ وَمَنْ قَبَّلَ امْرَاَتَهٗ اَوْجَسَّهَا بِيَدِهٖ فَعَلَيْهِ الْوُضُوْءُ۔ (رواہ مالک والشافعی)

"اور حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ "مرد کا اپنی عورت سے بوسہ لینا یا اس کو اپنے ہاتھ سے چھونا یہ بھی ملامست ہے اور جس شخص نے اپنی عورت کا بوسہ لیا یا اس کو ہاتھ سے چھوا تو اس پر وضو واجب ہے۔" (مالک، شافعی)

تشریح: قرآن میں جس جگہ ان چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو وضو کو توڑنے والی ہیں انہیں ایک چیز ناقض وضو یہ بھی بتائی گئی ہے کہ:

اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ۔ "یعنی تم عورت سے ملامست کرو۔"

"ملامست" کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ اور اس کا محمل کیا ہے؟ اسی میں اختلاف ہو رہا ہے، امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ ملامست کے معنی عورت کو ہاتھ لگانا، تو گویا اس طرح امام شافعی کے نزدیک عورت کو محض ہاتھ لگانے کے بعد اگر کسی شخص کا وضو ہے تو وہ ٹوٹ جائے گا لہٰذا اگر وہ نماز پڑھنا چاہے تو اس کو دوبارہ وضو کرنا ضروری ہوگا۔

حضرت ابن عمرؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کا مفہوم بھی یہی ہے جو حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی تصدیق کر رہا ہے چنانچہ حضرت ابن عمرؓ یہی فرما رہے ہیں کہ عورت کو صرف ہاتھ لگانا، یا عورت کا بوسہ لینا ملامست میں داخل ہے جس کو قرآن میں ناقض وضو فرمایا گیا ہے۔

ہمارے امام صاحبؒ "ملامست" کے معنی قرار دیتے ہیں "جماع اور ہمبستری" یعنی قرآن میں ملامست عورت کا جو ذکر کیا گیا ہے اور جسے ناقض وضو کہا گیا ہے اس سے جماع اور ہمبستری مراد ہے۔ امام اعظمؒ نے اپنے اس مسلک کی تصدیق میں دلائل کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا ہے جو فقہ کی کتابوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔

(۲۶) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كَانَ يَقُوْلُ مِنْ قُبْلَةِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ الْوُضُوْءُ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ مرد کو اپنی عورت کا بوسہ لینے سے وضو لازم آتا ہے۔" (مالکؒ)

(۲۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ الْقُبْلَةَ مِنَ اللَّمْسِ فَتَوَضَّئُوْا مِنْهَا۔

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ بوسہ لینا لمس میں داخل ہے (جو قرآن میں مذکور ہے) لہٰذا بوسہ لینے کے بعد وضو کیا کرو۔"

تشریح: حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمرؓ کے ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔

ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک چونکہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے ان روایتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اوّل تو یہ تمام روایتیں صحابہ پر موقوف ہیں یعنی یہ صحابہ کے اقوال ہیں اس لئے ان کا حکم حدیث مرفوع یعنی آنحضرت ﷺ کے ارشاد جیسا نہیں ہو سکتا دوسرے ان کے نزدیک یہ روایتیں درجہ صحت کو بھی نہیں پہنچی ہوئی ہیں۔

پھر اس سے قطع نظر آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث موجود ہے جو پہلے ذکر کی گئی اور جس کو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ اس سے بصراحت یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، نیز اس کے علاوہ "مسند ابی حنیفہ" میں ایک دوسری حدیث مذکور ہے جسے حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَيْسَ فِي الْقُبْلَةِ وُضُوْءٌ یعنی بوسہ لینے سے وضو لازم نہیں ہوتا" گویا اس حدیث نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی کہ عورت کو چھونے یا اس کا بوسہ لینے سے وضو نہیں ٹوٹتا لہٰذا ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے لئے ناسخ ہو جن میں عورت کو چھونے یا اس کا بوسہ لینے کو ناقض وضو کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۸) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُضُوْءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ رَوَاهُمَا الدَّارَقُطْنِيُّ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ وَلَا رَآهُ وَيَزِيْدُ بْنُ خَالِدٍ وَيَزِيْدُ بْنُ مُحَمَّدٍ مَجْهُوْلَانِ۔

"حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ[1] تمیم داریؓ[2] سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر بہنے والے خون سے وضو لازم آتا ہے کہ ان دونوں روایتوں کو دارقطنی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے نہ تو تمیم داریؓ سے سنا ہے اور نہ ہی انہیں دیکھا ہے نیز اس روایت کے دو راوی یزید ابن خالد اور یزید ابن محمد مجہول ہیں۔"

تشریح: حضرت امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے کہ ہر بہنے والے خون سے وضو لازم آتا ہے یعنی اگر بدن کے کسی بھی حصہ سے خون نکلا اور نکل کر اس حصہ تک بہہ گیا جس کا دھونا وضو اور غسل میں ضروری ہوتا ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا چنانچہ یہ حدیث امام صاحب کے مسلک کی دلیل ہے، امام صاحب کے علاوہ دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر خون، پیشاب یا پاخانہ کے راستہ سے نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے نکلا تو نہیں ٹوٹے گا۔

حضرت دارقطنیؒ اس حدیث میں کلام فرما رہے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے نہ تو تمیم داریؓ سے سنا ہے اور نہ انہیں دیکھا ہے اس لئے حدیث مرسل ہے، نیز اس حدیث کے دو راوی یزید بن خالد اور یزید بن محمد کے مجہول ہیں گویا ان کا مقصد اس کلام سے یہ ہے کہ جس حدیث میں یہ کلام ہو اس کو امام صاحب کا اپنے مسلک کی دلیل بنانا کوئی وزنی بات نہیں ہے۔

---

[1] امیر المؤمنین حضرت عمر ابن عبدالعزیز اموی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور خلیفہ ہیں اور رجب ۱۰۱ھ میں اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔

[2] اسم گرامی تمیم بن اوس الداری ہے ۹ھ میں مشرف با اسلام ہوئے ہیں حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام میں ان کی وفات پائی۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث مرسل یہ نہ صرف یہ کہ ہمارے ہی نزدیک بلکہ جمہور علماء کے نزدیک بھی دلیل اور حجت بن سکتی ہے اسی طرح یزید ابن خالد اور یزیدؒ بن محمد کے مجہول ہونے میں بھی اختلاف ہے بعض حضرات نے تو انہیں مجہول قرار دیا ہے جیسا کہ دار قطنیؒ فرمارہے ہیں مگر بعض حضرات نے انہیں مجہول نہیں کہا ہے اس سے قطع نظر امام صاحبؒ کی اصل دلیل تو یہ حدیث ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ قَاءَ اَوْرَعُفَ اَوْ اَمْذٰی فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلْیَنْصَرِفْ وَلْیَتَوَضَّأْ وَلْیَبْنِ عَلٰی صَلٰوتِہٖ مَالَمْ یَتَکَلَّمْ۔ (کذا فی الہدایہ)

"اگر کسی شخص نے اپنی نماز میں قے کی یا اس کی نکسیر پھوٹی یا مذی نکلی تو اس کو چاہئے کہ وہ نماز سے نکل کر آئے اور پھر وضو کرے اور جب تک کہ کلام نہ کرے اسی نماز پر بناء کرے۔"

نیز ابوداؤد میں بھی اس مضمون کی حدیث منقول ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب اور پاخانہ کے مقام کے علاوہ بدن کے کسی دوسرے حصہ سے بھی خون نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

بَابُ اٰدَابِ الْخَلَاءِ

پاخانہ کے آداب کا بیان

آداب ان چیزوں کو کہتے ہیں کہ جس کا ذکر کرنا اچھا اور بہتر ہو وہ چیزیں خواہ عمل سے تعلق رکھتی ہوں خواہ قول سے چنانچہ اس باب میں ان احادیث کو ذکر کیا جارہا ہے جن کا تعلق استنجاء کے آداب سے ہے یعنی ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو استنجاء کے سلسلے میں ممنوع و مکروہ ہیں اور ان چیزوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو استنجاء میں مطلوب و مستحب ہیں۔

① عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْھَا وَلٰکِنْ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحِیُّ السُّنَّةِ رَحِمَہُ اللّٰہُ ھٰذَا الْحَدِیْثُ فِی الصَّحْرَآءِ اَمَّا فِی الْبُنْیَانِ فَلَا بَأْسَ لِمَارُوِیَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اِرْتَقَیْتُ فَوْقَ بَیْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِیْ فَرَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْضِیْ حَاجَتَہٗ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوایوب انصاریؓ[1] راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم بیت الخلاء جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو بلکہ مشرق اور مغرب کی طرف منہ اور پشت رکھو (بخاری و مسلم) حضرت امام محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ یہ جنگل کا حکم ہے آبادی میں ایسا کرنا کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "میں اپنی ضرورت سے حفصہؓ کے مکان پر چڑھا تو میں نے آنحضرت ﷺ کو (بیت الخلا میں) قضاء حاجت کرتے دیکھا، آپ ﷺ قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کئے ہوئے تھے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث میں جہت اور سمت کا جو تعین فرمایا گیا ہے وہ اہل مدینہ کے اعتبار سے ہے یا ان لوگوں کے لئے جو اسی سمت رہتے ہیں اس لئے کہ مدینہ میں قبلہ جنوب کی طرف پڑتا ہے اس لئے انکو تو مشرق اور مغرب ہی کی طرف منہ اور پشت کرنی ہوگی، ہمارے ملک والوں کے لئے یا ان ممالک کے لئے جو اس سمت میں واقع ہیں ان کو مشرق اور مغرب کی طرف منہ اور پشت نہ کرنی چاہئے کیونکہ یہاں کے اعتبار سے قبلہ مغرب کی طرف پڑتا ہے۔

بہر حال۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، ہمارے امام صاحب تو فرماتے ہیں کہ پیشاب، پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف نہ منہ کرنا چاہئے خواہ جنگل ہو یا آبادی و گھر ہو، اگر کرے گا تو مرتکب حرام ہوگا۔

---

[1] اسم گرامی خالد ابن زید ہے اور کنیت ابوایوب ہے ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ان کا انتقال ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قبلہ کی طرف منہ اور پشت کرنا جنگل میں تو حرام ہے آبادی و گھر میں حرام نہیں ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کی دلیل پہلی حدیث ہے جو ابوایوبؓ سے منقول ہے اس حدیث میں قبلہ کی طرف منہ اور پشت نہ کرنے کا حکم مطلقاً ہے اس میں جنگل و آبادی و گھر کی کوئی قید نہیں ہے لہٰذا جو حکم جنگل کا ہوگا وہی حکم آبادی کا بھی ہوگا یہ حدیث نہ صرف یہ کہ حضرت ابوایوبؓ ہی سے منقول ہے بلکہ صحابہ کی ایک بڑی تعداد اس کی روایت کرتی ہے۔

پھر امام صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ اور پشت نہ کرنے کا حکم قبلہ کی تعظیم و احترام کے پیش نظر دیا ہے لہٰذا جس طرح جنگل میں تعظیم قبلہ ملحوظ رہے گا اسی طرح آبادی و گھر میں بھی احترام قبلہ کا لحاظ ضروری ہوگا جیسا کہ قبلہ کی طرف تھوکنا اور پاؤں پھیلانا ہر جگہ منع ہے۔

امام محی السنۃؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی جو حدیث روایت کی ہے وہ حضرت امام شافعیؒ کی دلیل ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف پشت کرنا گھر میں جائز ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اول تو یہ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کو گھر میں بیت الخلاء کے اندر قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کئے ہوئے اس حکم کے نفاذ سے پہلے دیکھا ہوگا، لہٰذا یہ حکم پہلے کے لئے ناسخ ہے، پھر دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ قبلہ کی طرف مُنہ کئے ہوئے نہیں ہوں بیٹھے ہوں گے بلکہ آپ ﷺ اس انداز سے گھوم کر بیٹھے ہوں گے کہ حقیقت میں قبلہ کی طرف پشت نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ موقع کی نزاکت کے پیش نظر عبداللہ بن عمرؓ نے وہاں کھڑے ہو کر بغور تو آپ کو دیکھا نہیں ہوگا، بلکہ جب یہ چھت پر چڑھے تو ان کی نظر اچانک ادھر بیت الخلاء کی طرف اٹھ گئی ہوگی اس لئے اس روا روی میں سرسری طور پر عبداللہ بن عمرؓ آپ ﷺ کی نشست کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکے اس حدیث کے بارے میں جب یہ احتمال بھی نکل سکتا ہے تو پھر حضرت شافعیؒ کو اپنے مسلک کی دلیل کے لئے اس کا سہارا لینا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

(۲) وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ نَهَانَا يَعْنِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ اَوْبَوْلٍ اَوْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اَوْاَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ اَوْاَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِرَجِيْعٍ اَوْبِعَظْمٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سلمانؓ[1] فرماتے ہیں سرکار دو عالم ﷺ نے ہمیں منع کیا ہے اس سے کہ ہم پاخانہ یا پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں اور اس سے کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں اور اس سے کہ ہم تین ڈھیلوں سے کم سے استنجاء کریں اور اس سے کہ ہم گوبر یا ہڈی سے استنجاء کریں۔" (مسلم)

تشریح: ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مکروہ تنزیہی ہے گویا پہلی نہی تو تحریمی ہے اور دوسری تنزیہی ہے۔

اتنی بات جان لینی چاہئے کہ استنجاء کرنے کے وقت پیشاب گاہ کو دایاں ہاتھ نہ لگانا چاہئے بلکہ طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ ڈھیلا بائیں ہاتھ میں لے کر اس پر پیشاب گاہ کو رکھ لے مگر دائیں ہاتھ سے پکڑ کر نہ رکھے کیونکہ یہ بھی مکروہ ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنا واجب مگر ہمارے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ استنجاء کے لئے تین ڈھیلے لینا شرط نہیں ہے اگر تین سے کم ہی میں پاکی حاصل ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے ان کی دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے کہ "عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ پاخانہ کیلئے تشریف لے گئے اور مجھ سے فرمایا کہ تین ڈھیلے لاؤ مجھے ڈھیلے تو دو ہی ملے اس لئے میں اس کے ساتھ گوبر کا ایک ٹکڑا بھی لایا، آنحضرت ﷺ نے دونوں ڈھیلے تو لے لئے اور گوبر کے ٹکڑے کو پھینک دیا۔"

---

[1] اسم گرامی سلمان فارسی اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔ ان کی وفات ۳۵ھ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری زمانہ میں ہوئی ہے بعض لوگوں نے کہا کہ ۳۶ھ کے اوائل میں ہوئی ہے۔

④ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ جب پاخانہ میں داخل ہوتے (یعنی داخل ہونے کا ارادہ کرتے) تو یہ دعا پڑھتے اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ناپاک جنوں اور جنیوں (یعنی نر مادہ دونوں سے)۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: آداب پاخانہ میں سے یہ ہے کہ جب کوئی شخص پاخانہ کے لئے بیت الخلاء میں جائے تو اندر داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینی چاہئے، اگر پاخانہ کے لئے جنگل میں جائے تو عین ارادہ کے وقت یعنی دامن وغیرہ سمیٹ کر بیٹھنے لگے اس وقت یہ دعا پڑھ لے۔

④ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَیْنِ فَقَالَ اِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ لَا یَسْتَنْزِہُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَۃً رَطْبَۃً فَشَقَّھَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَۃً قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ صَنَعْتَ ھٰذَا فَقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَالَمْ یَیْبَسَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دوعالم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے (انہیں دیکھ کر) فرمایا کہ "ان دونوں قبر والوں پر عذاب نازل ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی بڑی چیز پر نہیں نازل ہو رہا ہے (کہ جس سے بچنا مشکل ہو) ان میں ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا" مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا" پھر آپ ﷺ نے "کھجور کی" ایک تر شاخ لی اور اس کو بیچ سے آدھوں آدھ چیرا انہیں ایک ایک کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیا۔" صحابہ نے (یہ دیکھ کر) پوچھا "یا رسول اللہ آپ (ﷺ) نے ایسا کیوں کیا ہے"؟ آپ ﷺ نے فرمایا "شاید (اس عمل سے) ان کے عذاب میں (اس وقت تک کے لئے) کچھ تخفیف ہو جائے جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "مسلم" کے الفاظ کی مناسبت سے اس کا مطلب یہ ہو گا کہ پہلا شخص جس پر اس کی قبر میں عذاب نازل ہو رہا تھا وہ تھا جو پیشاب سے بچتا نہیں تھا یعنی پیشاب کرتے وقت اس بات کی احتیاط نہیں کرتا تھا کہ چھینٹیں اس کے اوپر نہ پڑیں ایک دوسری روایت میں لا یستبراء کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ "وہ شخص پیشاب سے پاکی طلب نہیں کرتا تھا" نیز ایک روایت میں لا یستنتر کے الفاظ مذکور ہیں استنار کے معنی آتے ہیں عضو تناسل کو زور جھاڑنا یا کھینچنا تاکہ پیشاب کے جو قطرے اندر رہ گئے ہوں وہ نکل جائیں) اس طرح معنی یہ ہوں گے وہ شخص پیشاب گاہ کو اچھی طرح جھاڑ کر پیشاب کے قطروں کو نکالتا نہ تھا۔

بہر حال ان تمام الفاظ کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے، مطلب سب کا یہی ہے کہ وہ پیشاب سے پاکی اور صفائی حاصل نہیں کرتا تھا اور چونکہ پیشاب سے پاکی حاصل نہ کرنا گناہ کبیرہ اور نماز کے بطلان کا سبب ہے اس لئے اسے خدا کی جانب سے عذاب میں گرفتار کیا گیا۔

اس سلسلہ میں ایک خاص بات ضروری ہے کہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ غلط اور گمراہ کن خیال پیدا ہو گیا ہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ ڈھیلے سے پیشاب خشک کرتے تھے اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ پیشاب کے بعد ڈھیلے کا استعمال نہ کرے، یہ انتہائی گمراہی اور کم عقلی کی بات ہے، اگر کسی شخص کا مزاج ہی اتنا قوی اور مضبوط ہو، نیز اسے اس بات کا یقین ہو کہ پیشاب سے فارغ ہو جانے کے بعد قطرے نہیں آئیں گے تو البتہ اس کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ صرف پانی سے استنجاء پاک کر لے ڈھیلے کا استعمال کرنا اس کے لئے ضروری نہیں ہو گا اور جس کے قطرہ دیر تک آتا ہو جیسا کہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے تو پھر اگر وہ ڈھیلے کا استعمال نہ کرے صرف پانی سے پاک کرے گا تو اس کے پائجامہ اور کپڑا وغیرہ گندا اور ناپاک ہو گا، جہاں تک حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کا سوال ہے تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کا مزاج مبارک مضبوط اور قوی انتہائی طاقتور تھے اس لئے

آپ ڈھیلے کا استعمال نہیں فرماتے تھے صرف پانی ہی سے استنجاء پاک کر لیتے تھے۔
پھر دوسرے یہ کہ وہ فعل جو آنحضرت ﷺ سے خود ثابت نہ ہو مگر اس کا کرنا کسی نہ کسی وجہ سے مطلوب اور ضروری ہو تو اسے یہ کہہ کر ناقابل اعتناء قرار نہیں دیا جاسکتا کہ یہ فعل چونکہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اس لئے ہم بھی اسے نہیں کرتے مثلاً آپ ﷺ نے فصد نہیں کرائی ہے اب اگر کسی دوسرے کو فصد کی حاجت ہو اور وہ یہ کہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نے فصد نہیں کرائی ہے اس لئے میں بھی فصد نہیں کراتا تو ظاہر ہے کہ یہ بات اسی کے لئے نقصان دہ ہوگی۔
بہرحال مقصد یہ ہے کہ نظر شارع کی غرض پر ہونی چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ شارع کا اصل مقصد کیا ہے اور وہ ظاہر ہے کہ "طہارت" ہے جس کی ہمیں تاکید کی گئی ہے اس لئے ہمیں تو طہارت حاصل کرنی چاہئے خواہ وہ کسی طرح حاصل ہو پانی سے حاصل ہو یا ڈھیلے سے اس قسم کی بیہودہ احتمالات نکال کر اور غلط حیلہ و بہانہ کر کے اپنے کپڑوں کو گندہ کرنا اور نجاست میں اپنے آپ کو ملوث کرنا اور پھر اسی طرح نماز پڑھنا انتہائی غلط اور گمراہی کی بات ہے، پیشاب سے بچنے اور اس سے احتیاط کرنے کی کتنی اہمیت ہے؟ اس کا اندازہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے کہ:
آپ ﷺ نے فرمایا "عذاب قبر اکثر پیشاب کی بناء پر ہوتا ہے (اس لئے) پیشاب سے پاکی حاصل کرو۔"
یا اسی طرح فرمایا "پیشاب سے پرہیز کرو اس لئے کہ وہ اس چیز کا اول ہے جس کی وجہ سے بندہ قبر میں حساب (کی سختی) میں گرفتار ہوگا (طبرانی) پھر اس کے علاوہ ایک چیز یہ بھی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ پیشاب کے بعد ڈھیلا استعمال کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ صحابیؓ کا فعل حجت ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "میری سند کو لازم پکڑو اور خلفائے راشدین کی سُنّت کو بھی لازم پکڑو۔"
چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارہ میں مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے کہ:۔

ابو بکر عن یسار، بن نمیر کان عمر اذا بال مسح ذکرہ بحائط او حجر لم یمسہ ماء۔

"حضرت عمر فاروقؓ جب پیشاب کرتے تھے تو اپنا عضو تناسل دیوار پر یا پتھر پر پھیرتے تھے اور اس پر پانی لگاتے بھی نہیں تھے۔"

نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر کہ پیشاب کے بعد ڈھیلا استعمال کرنا چاہئے اہل سُنّت کا اتفاق و اجماع ہے، واللہ علم "نمیمۃ" کے معنی ہیں سخن چینی، یعنی کوئی شخص ایسے دو آدمیوں کی بات جن میں آپس میں دشمنی ہو ایک دوسرے تک فساد پھیلانے کے لئے پہنچائے یا کوئی شخص دو آدمیوں میں دشمنی پیدا کرائے اس طرح کہ ایک کی بات دوسرے کے پاس قسم اور گالی وغیرہ سے اس انداز سے نقل کرے جس سے اشتعال پیدا ہو۔
امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "نمیمہ" کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی گفتگو کسی دوسرے آدمی سے ضرر پہنچانے کے لئے نقل کی جائے بہرحال آج کل عرف عام ہے جسے "چغل خوری" کہتے ہیں وہی معنی "نمیمہ" کے ہیں "چغل خوری" چونکہ انسانی اور اخلاقی نقطہ نظر سے انتہائی بدترین اور کمینہ خصلت ہے اس لئے اسلام بھی چغل خور کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور چغل خوری کو ایک بدتر برائی قرار دیتا ہے چنانچہ صحیحین میں منقول ہے کہ "جنّت میں چغل خور داخل نہیں ہوگا"۔
حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ کعب احبار سے جو ایک بڑے یہودی عالم تھے اور بعد میں اسلام لائے، پوچھا کہ تم نے توریت میں سب سے بڑا گناہ کون سا پڑھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ "چغل خوری"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا گناہ قتل کے گناہ سے بھی زیادہ ہیبت ناک ہے! انہوں نے کہا "قتل بھی چغل خوری ہی سے ہوتے ہیں اور دوسری برائیاں بھی اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔"
حدیث کے آخر میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے کھجور کی تر شاخ لے کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ایک ان دونوں قبروں

پر گاڑ دیا اور پھر صحابہؓ کے سوال پر آپ ﷺ نے اس کی وجہ یہ فرمائی کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی اس وقت کے لئے ان کے عذاب میں شاید کچھ تخفیف ہو جائے" تو عذاب کے تخفیف کا سبب علماء یہ لکھتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب اپنی روحانی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ خدا کے عذاب میں گرفتار ہیں تو سرکار دو عالم ﷺ کی شان رحمت اسے برداشت نہ کر سکی، آپ ﷺ نے بارگاہ الوہیت میں ان کے لئے رحم و کرم کی درخواست کی، ادھر غفور الرحیم نے بھی اپنے حبیب کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا اور فیصلہ صادر فرمایا دیا کہ جب تک ان پر گاڑی ہوئی شاخیں خشک نہ ہوں اس وقت تک ان دونوں پر عذاب میں کمی کر دی جائے۔

چنانچہ اس کی وضاحت بھی ایک دوسری روایت میں موجود ہے جسے مسلم نے نقل کیا ہے اس کے آخری الفاظ یہی ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے میری شفاعت قبول فرمائی ہے کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی یہ عذاب میں گرفتار نہیں رہیں گے۔"

بہر حال بظاہر تو اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے جس کی تصدیق بھی مسلم کی اس روایت سے ہو جاتی ہے، ویسے علماء نے اس کے علاوہ بھی بہت سے اسباب لکھے ہیں جو دیگر کتابوں اور شروح میں وضاحت کے ساتھ منقول ہیں چنانچہ کرمانیؒ کا قول ہے کہ "تخفیف عذاب کا سبب وہ تر شاخ تھی کہ اس کے اندر رفع عذاب کی خاصیت تھی مگر یہ خاصیت اس کی بنفسہ نہیں تھی بلکہ یہ خاصیت اسے سرکار دو عالم ﷺ کے دست مبارک کی برکت کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء اور صلحاء اور خدا کے نیک بندوں کو چاہئے کہ وہ قبور پر جایا کریں تاکہ ان کی وجہ سے اہل قبر کے عذاب میں تخفیف ہو کیونکہ صالحین کا قبروں پر جانا مردوں کے عذاب میں تخفیف کا باعث ہوتا ہے۔

⑤ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوا الْاَّعِنَيْنِ قَالُوْا وَمَا الْاَّعِنَانِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْ يَتَخَلّٰى فِیْ طَرِيْقِ النَّاسِ اَوْفِیْ ظِلِّهِمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "تم ان دو چیزوں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں" صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! وہ چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک تو یہ ہے کہ کوئی شخص لوگوں کے راستہ میں پاخانہ کرے، دوسرے یہ کہ کوئی شخص لوگوں کے سایہ کے نیچے پاخانہ کرے۔" (مسلم)

تشریح: علماء نے اس ارشاد کی یہ وضاحت کی ہے کہ راستہ سے مراد شاہراہ ہے یعنی ایسا راستہ اور ایسی سڑک وغیرہ جس پر لوگ اکثر چلتے پھرتے ہوں یہاں وہ راستہ مراد نہیں ہے جو ویران پڑا رہتا ہو یا کبھی کبھی اس پر کوئی اکا دکا آدمی چلتا پھرتا ہو۔

"سایہ" مراد وہ سایہ دار درخت ہے یا سائبان ہے جس کے نیچے لوگ اٹھتے بیٹھتے ہوں، یا وہ لوگوں کے سونے کی جگہ ہو بہر حال ان دونوں جگہوں پر پاخانہ کر کے گندگی اور غلاظت پھیلانے سے منع کیا جا رہا ہے، اس لئے کہ اس سے مخلوق خدا کی ایذاء رسانی کا سامان ہوتا ہے اور لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مؤمن و مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کی تکلیف و پریشانی کا سبب بنے۔

⑥ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِی الْاِنَاءِ وَاِذَا اَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِيْنِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابو قتادہؓ[1] راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو (پانی پینے کے) برتن میں سانس نہ لے اور جب پاخانہ میں جائے تو داہنے ہاتھ سے عضو مخصوص کو نہ چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے۔" (بخاری و مسلم)

---

[1] اسم گرامی حارث بن ربعی ہے انصاری اور خزرجی ہیں آپ اپنی کنیت ابو قتادہ سے مشہور ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں دو ادب بتائے جا رہے ہیں پہلی چیز تو یہ بتائی جا رہی ہے کہ جب کوئی شخص پانی پیئے تو اسے چاہئے کہ وہ پانی پینے کے دوران اسی برتن میں سانس نہ لے جس میں وہ پانی پی رہا ہے جب اسے سانس لینا ہو تو برتن کو منہ سے جدا کر دے تاکہ منہ یا ناک سے کوئی چیز نکل کر پانی میں نہ گر پڑے۔

دوسری چیز یہ بتائی جا رہی ہے کہ جو کوئی شخص پاخانہ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ داہنے ہاتھ سے نہ تو اپنے عضو مخصوص کو چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے، اس لئے کہ داہنے ہاتھ سے کھانا وغیرہ کھایا جاتا ہے اور یہ چیز صفائی اور پاکیزگی کے خلاف ہے کہ جس ہاتھ سے کھانا وغیرہ کھایا جائے اسی ہاتھ سے ایسے اعضاء کو چھوا جائے جس سے گندگی اور غلاظت لگتی ہو۔

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْیَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص وضو کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ناک کو بھی جھاڑے اور جو شخص (پاخانہ کے بعد ڈھیلے سے) استنجاء کرے اسے چاہئے کہ طاق ڈھیلے لے (یعنی تین، یا پانچ، یا سات۔" (بخاری و مسلم)

⑧ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ اِدَاوَةً مِّنْ مَّآءٍ وَعَنَزَةً یَسْتَنْجِیْ بِالْمَآءِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب پاخانہ کے لئے تشریف لے جاتے تو میں اور ایک لڑکا (یعنی حضرت بلالؓ یا حضرت ابن مسعودؓ) پانی کی چھاگل اور ایک برچھی لیتے، آپ ﷺ (ڈھیلوں سے صفائی کے بعد) پانی سے استنجاء کرتے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپ پاخانہ کے لئے تشریف لے جاتے تو ایک خادم پانی کا برتن اٹھاتے اور دوسرے خادم ایک برچھی ساتھ لے کر چلتے، برچھی اس لئے ساتھ لے جاتے کہ اس سے زمین کو کھود کر نرم کر دیا جائے تاکہ پیشاب اس میں کریں جس کی وجہ سے چھینٹیں نہ پڑیں یا زمین پر بہہ کر پاؤں وغیرہ میں لگنے کا خدشہ نہ رہے۔

دوسری غرض یہ ہوتی تھی کہ بوقت ضرورت اس سے ڈھیلے اکھاڑے اور توڑے جا سکیں یا پھر یہ کہ وقت پر کوئی دوسری ضرورت پیش آئے جس میں اس کی ضرورت پڑے تو اس میں کام آ سکے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

⑨ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتِمَهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ وَقَالَ اَبُوْدَاؤُدَ هٰذَا حَدِیْثٌ مُنْکَرٌ وَفِیْ رِوَایَتِهٖ وَضَعَ بَدَلَ نَزَعَ۔

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، اور ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے نیز ان کی روایت لفظ نزع کے بجائے لفظ وضع ہے۔"

تشریح: بیت الخلاء میں داخل ہونے کے وقت آپ انگوٹھی اس لئے اتار دیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی انگوٹھی میں "محمد رسول اللہ" کھدا ہوا تھا، اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ استنجاء کرنے والے پر واجب ہے کہ جب وہ بیت الخلاء جائے تو اپنے ہمراہ کوئی ایسی چیز نہ لے جائے جس پر اللہ اور اس کے رسول کا نام نقش ہو نیز قرآن بھی نہ لے جائے۔ (طیبیؒ)

بلکہ ابہریؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر صرف دوسرے رسولوں ہی کا نام لکھا ہوا ہو تو اسے بھی اپنے ہمراہ بیت الخلاء میں نہ لے جائے ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہو کہ جب کوئی شخص استنجاء کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے یہ مستحب ہے کہ

وہ اپنے بدن سے ایسی چیزوں کو اتار دے یا الگ کر دے جن پر کوئی قابل تعظیم چیز لکھی ہو، خواہ اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو یا نبی اور فرشتے کا نام لکھا ہو۔

اگرچہ اس حدیث میں ابوداؤدؒ نے کلام کیا ہے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے اس سلسلہ میں ملا علی قاریؒ نے ایک مفصل بحث کی ہے، نیز یہ حدیث جامع صغیر میں بھی حاکم وغیرہ سے منقول ہے۔

⑩ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ الْبَرَازَ اِنْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ اَحَدٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ جب پاخانہ کے لئے (جنگل میں) جانے کا ارادہ کرتے تو (اتنی دور) تشریف لے جاتے کہ آپ کو کوئی نہ دیکھتا"۔" (ابوداؤد)

⑪ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَاَرَادَ اَنْ يَّبُوْلَ فَاَتٰى دَمِثًا فِيْ اَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّبُوْلَ فَلْيَرْتَدْ لِبَوْلِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں سرکار دو عالم ﷺ کے ہمراہ تھا آپ ﷺ نے پیشاب کرنے کا ارادہ فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ ایک دیوار کی جڑ میں (یعنی اس کے قریب) نرم زمین پر پہنچے اور پیشاب کیا، پھر پیشاب سے فراغت کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ پیشاب کے لئے نرم زمین تلاش کرے (تاکہ چھینٹیں نہ پڑیں۔" (ابوداؤد)

تشریح: خطابیؒ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جس دیوار کے پاس بیٹھ کر پیشاب کیا وہ دیوار کسی کی ملکیت میں نہیں ہوگی اس لئے کہ دیوار کی جڑ میں پیشاب کرنا اور دیوار کے نقصان کا سبب ہوتا ہے کیونکہ دیوار کی مٹی کو شور الگ جاتا ہے اس لئے یہ مسئلہ ہے کہ جو دیوار کسی کی ملکیت میں ہو اس کے نیچے بیٹھ کر مالک کی اجازت کے بغیر پیشاب نہیں کرنا چاہئے اب اس میں وسعت ہے کہ اجازت خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً۔

⑫ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ يَرْفَعْ ثَوْبَهٗ حَتّٰى يَدْنُوَ مِنَ الْاَرْضِ۔
(رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب استنجاء کا ارادہ فرماتے تو جب (بیٹھنے کے لئے) زمین سے قریب نہ ہو جاتے کپڑا نہ اٹھاتے تھے۔" (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

تشریح: یہ بھی استنجاء کے ادب اور شرم و حیا کا تقاضہ ہے کہ بغیر ضرورت ستر نہ کھولے اور ظاہر ہے کہ ضرورت جب ہی پڑتی ہے جب کہ استنجاء کے لئے بیٹھنے کے وقت زمین کے بالکل قریب ہو جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا یہی معمول تھا کہ جب آپ ﷺ بیٹھنے کے وقت زمین سے بالکل متصل نہ ہو جاتے کپڑا اوپر نہ اٹھاتے تھے۔

چنانچہ یہ مسئلہ ہے کہ بیٹھنے سے پہلے یعنی کھڑے ہی کھڑے ستر کا کھول دینا جائز نہیں ہے، خواہ گھر کے بیت الخلاء کے اندر پاخانہ کرنا ہو یا جنگل میں کرنا ہو۔

⑬ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُكُمْ اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا وَاَمَرَ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ وَنَهٰى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهٰى اَنْ يَّسْتَطِيْبَ الرَّجُلُ بِيَمِيْنِهٖ۔ (رواہ ابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا (تعلیم و نصیحت کے سلسلہ میں) تمہارے لئے ایسا ہی ہوں جیسے باپ

بیٹے کے لئے ہوتا ہے، چنانچہ میں سکھاتا ہوں کہ "جب تم پاخانہ میں جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ تو منہ کرو اور نہ پشت کرو" (اس کے بعد) آپ ﷺ نے (پاخانہ کے بعد) تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کا حکم فرمایا اور لید (یعنی تمام نجاستوں) اور ہڈی سے استنجاء کرنے کو منع فرمایا نیز آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔" (ابن ماجہ۔ دارمی)

تشریح: اس حدیث سے جہاں اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ امور دین اور تذکیر و نصیحت کے سلسلہ میں اپنی اُمت سے آنحضرت ﷺ کو کتنا شغف اور تعلق تھا آپ ﷺ نے اپنے آپ کو باپ اور اُمت کو اولاد کی مثل قرار دیا، وہیں حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد کو باپ کی اطاعت کرنی لازم ہے اور باپ پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ان چیزوں کے آداب سکھائیں جو ضروریات دین سے ہیں۔

(۱۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَ كَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنٰى لِطُهُوْرِهٖ وَطَعَامِهٖ وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرٰى لِخَلَائِهٖ وَمَا كَانَ مِنْ أَذًى۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کا داہنا دست مبارک وضو کرنے اور کھانے کے لئے تھے اور بایاں ہاتھ استنجاء اور ہر مکروہ کام کے استعمال کے لئے تھا۔" (ابوداؤد)

تشریح: آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے وضو کرتے تھے اور اس سے کھانا بھی کھاتے تھے نیز جتنے اچھے کام ہیں سب دائیں ہاتھ سے انجام دیتے تھے مثلاً ہدیہ، صدقہ و خیرات کرنا یا دوسری چیزیں لینا دینا وغیرہ وغیرہ اور بائیں ہاتھ کو استنجاء کرنے یا ایسی چیزوں کی انجام دہی میں استعمال فرماتے جو مکروہ ہوتیں یعنی ایسی چیزیں جو طبعاً مکروہ ہوں، جیسے ناک سنکنی یا ایسے ہی دوری چیزیں جنہیں نفس مکروہ سمجھتا ہو۔

اس حدیث سے ظاہری طور پر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وضو وغیرہ کے وقت آپ ﷺ ناک میں پانی دائیں ہاتھ سے دیتے ہوں گے اور ناک بائیں ہاتھ سے صاف کرتے ہوں گے، مگر۔ افسوس کہ جس طرح آج کے دور میں عقل و دین سے بیگانہ لوگوں نے دوسری اسلامی چیزوں کو ترک کر دیا اور دینی آداب کو فیشن پرستی کا بھینٹ چڑھا دیا ہے اسی طرح اس معاملہ میں بھی اکثر لوگ بالکل برعکس عمل اختیار کئے ہوئے ہیں مثلاً آج کل یہ بہت بڑا مرض عام طور پر لوگوں میں سرایت کر چکا ہے کہ کتاب تو لوگ بائیں ہاتھ میں رکھتے ہیں اور اپنے جوتے دائیں ہاتھ میں اٹھاتے ہیں اب اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یا تو ایسے لوگ آداب شریعت سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں یا پھر نفس کی گمراہی میں پھنس کر غفلت اختیار کئے ہوئے ہیں۔

(۱۵) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَهَبَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهٗ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ يَسْتَطِيْبُ بِهِنَّ فَاِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی والدارمی)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص پاخانہ کے لئے جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے ساتھ تین پتھر (یا ڈھیلے) لے جائے جو کافی ہوں گے (یعنی پانی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔" (احمد، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: اصل مقصد تو نجاست سے پاکی حاصل کرنا ہے، اور جب تین ڈھیلے سے استنجاء کرے گا اور نجاست صاف کرے گا تو پانی سے استنجاء کی حاجت نہیں رہے گی کیونکہ اصل طہارت اس سے حاصل ہو جائے گی جس سے نماز پڑھنی بھی جائز ہو جائے گی، البتہ ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجاء کرلے تو یہ اچھی بات ہوگی کیونکہ پانی سے استنجاء کرنا مستحب ہے۔

(۱۶) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَاِنَّهٗ زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ زَادَ اِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "تم لوگ لید اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو کیونکہ (ہڈی) تمہارے بھائی جنات کی غذا ہے۔" (ترمذی نسائی مگر نسائی نے زاد اخوانکم من الجن کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔)

تشریح: جس طرح شریعت محمدی کے مخاطب انسان ہیں اسی طرح جنات بھی ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ جس طرح انسانوں کی دینوی اور دینی رہبری فرماتے ہیں اسی طرح جنات کی دینی و دنیوی امور کی بھی رعایت فرماتے ہیں، چنانچہ اس حدیث کے ذریعہ انسانوں کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ لید اور ہڈی سے استجاء نہ کیا جائے کیونکہ ہڈی تو جنات کی غذا ہے اور لید ان کے جانوروں کی خوراک ہے۔

(۱۷) وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِيْ فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا اَوِ اسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ دَآبَّةٍ اَوْ عَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِنْهُ بَرِيْءٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت رویفع[1] ابن ثابتؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اے رویفع! شاید میرے بعد تمہاری زندگی دراز ہو، لہٰذا تم لوگوں کو خبردار کرنا کہ جس شخص نے اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگائی یا (گلے میں) تانت کا ہار ڈالا یا جانور کی نجاست (لید اور گوبر وغیرہ) اور ہڈی سے استجا کیا تو محمد (ﷺ) اس سے بیزار ہیں۔" (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا حضرت رویفعؓ کو اس انداز سے مخاطب کرنے کا یہ معنی ہیں کہ شاید میرے انتقال کی بعد تمہاری زندگی دراز ہو اور تم دوسرے لوگوں کو گناہ کرتے اور رسوم جاہلیت میں انہیں مبتلا دیکھو تو ان باتوں سے انہیں خبردار کر دینا "ڈاڑھی میں گرہ لگانے" کے کئی معنی ہیں، چنانچہ اکثر علماء یہ لکھتے ہیں کہ ڈاڑھی میں گرہ لگانا یہ ہے کہ کوئی شخص تدابیر اور تکلف اختیار کر کے مثلاً گرہ وغیرہ لگا کر ڈاڑھی کے بالوں کو گھنگریالے بنائے چنانچہ ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ اس سے سنّت کی مخالفت لازم آتی ہے اس لئے کے ڈاڑھی کے بالوں کو سیدھا چھوڑنا سُنّت ہے۔

بعض علماء نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کو یہ عادت تھی کہ جنگ کے وقت اپنی ڈاڑھی کے بالوں میں گرہ دے لیتے تھے چنانچہ اس سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اس سے عورتوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

کچھ علماء نے اس کی معنی یہ لکھے ہیں کہ اہل عجم کی بھی عادت تھی کہ وہ اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگا لیتے تھے اس لئے اس سے منع فرمایا کیونکہ اس سے خلقت الٰہی میں تغیر لازم آتا ہے۔ (واللہ اعلم)

لفظ وَتَر کے بھی کئی معنی ہیں، یا تو اس کے معنی دورے کے ہیں جس میں زمانہ جاہلیت کے لوگ دفع نظر اور آفات نظر سے محافظت کی خاطر تعویز اور گنڈے وغیرہ باندھ کر بچوں اور گھوڑوں کے گلوں میں ڈال دیتے تھے، اس سے منع فرمایا گیا ہے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس سے ڈورے مراد ہیں جن میں کفار گھنٹی اور گھنگرو باندہ کر لٹکاتے تھے یا اس سے کمان کے وہ چلے مراد ہیں جو گھوڑے کے گلے میں ڈالے جاتے ہیں تاکہ نظر نہ لگے، بہرحال، ان تمام رسموں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے کافروں کی مشابہت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کافروں کی مشابہت سے بیزار ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کفار کی ایسی چھوٹی چھوٹی رسمیں اختیار کرنا گناہ کبیرہ میں شامل نہیں ہیں آنحضرت ﷺ کی بیزاری و ناراضگی کا سبب ہے، تو کفر کی وہ بڑی بڑی رسمیں جن میں بدقسمتی سے آج مسلمان مبتلا ہیں اور جن کا شمار بھی کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے ان سے سرکار دو عالم ﷺ کو کتنی زیادہ نفرت ہوگی اور ان رسموں کے کرنے والوں کا خدا کے یہاں کیا انجام ہوگا؟

(۱۸) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اكْتَحَلَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ فَلْيَلْفِظْ وَمَا لَاكَ بِلِسَانِهٖ فَلْيَبْتَلِعْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَتِرْ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ اِلَّا اَنْ يَّجْمَعَ كَثِيْبًا مِنْ رَمْلٍ فَلْيَسْتَدْبِرْهُ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِيْ اٰدَمَ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ والدارمی)

---

[1] رویفع بن ثابت بن سکن بن عدی بن حارثہ بنی مالک نجار سے ہیں ان کا شمار اہل مصر میں ہے۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص سرمہ لگائے تو اسے چاہئے کہ طاق سلائیاں لگائے جس نے ایسا کیا (یعنی طاق سلائیاں لگائیں) اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کچھ گناہ نہیں! اور جو شخص استنجاء کرے تو اسے چاہئے کہ طاق ڈھیلے استعمال کرے (یعنی تین پانچ یا سات) جس نے ایسا کیا اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا کچھ گناہ نہیں اور جو شخص کچھ کھائے جو چیز خلال میں نکلے تو اسے چاہئے کہ پھینک دے اور جو چیز زبان سے نکلے تو اسے چاہئے کہ نگل لے، جس نے ایسا کیا اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا کچھ گناہ نہیں اور جو شخص پاخانہ کے لئے جائے تو اسے چاہئے کہ پردہ کرے، اگر کوئی چیز پردہ کی نہ ملے تو (کم از کم) ریت کو جمع کرکے اس کا تودہ اپنے پیچھے کرلے اس لئے کہ شیطان بنی آدم (انسان) کے پاخانہ کے مقام سے کھیلتا ہے جس نے ایسا کیا اچھا کیا، اور جس نے ایسا نہ کیا کوئی گناہ نہیں"۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: طاق سلائیوں سے سرمہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ تین سلائی ایک آنکھ میں لگائے، زیادہ بہتر یہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں بھی ایسا ہی معمول منقول ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی اس میں سے آپ سرمہ اس طرح لگاتے تھے کہ تین سلائی ایک آنکھ میں لگاتے اور تین سلائی دوسری آنکھ میں لگاتے۔

بعضوں نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ تین سلائی دائیں آنکھ میں لگائے اور دو سلائی بائیں آنکھ میں لگائے، نیز کچھ حضرات نے کہا ہے کہ پہلے دو سلائی دائیں آنکھ میں لگائے اور دو سلائی بائیں آنکھ میں لگائے اور اس کے بعد پھر ایک سلائی دائیں آنکھ میں لگائے تاکہ ابتدا بھی دائیں آنکھ سے ہو اور اختتام بھی دائیں ہی آنکھ پر ہو، جو شخص طاق سلائی لگائے گا اس کے لئے بہتر اور اچھا ہوگا، اور جو شخص طاق سلائی نہ لگائے گا اس میں کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں ہے کیونکہ طاق سلائی لگانا مستحب ہے۔

آپ ﷺ نے طاق ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ "جس نے ایسا کیا اچھا کیا اور جس نہ ایسا نہ کیا تو کوئی گناہ نہیں، اس سے حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ تین یا طاق ڈھیلے لینے واجب نہیں ہیں اس سے کم اور زیادہ بھی لئے جاسکتے ہیں البتہ طاق ڈھیلے لینا مستحب ہے، کھانا کھانے کے بعد خلال سے نکالی ہوئی چیز کو منہ سے پھینک دینے کو بہتر قرار دیا جارہا ہے اور زبان سے نکالی ہوئی چیز کو نگل لینے کے لئے کہا جارہا ہے اس لئے کہ تنکے سے خلال کرنے میں اکثر خون بھی نکل آتا ہے اس لئے احتیاطاً اس کو پھینک دینا ہی بہتر ہے زبان سے چونکہ خون نکلنے کا احتمال نہیں ہوتا اس لئے اس کو نگل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مگر اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ "جس نے ایسا نہ کیا کوئی گناہ نہیں" تو یہ حکم اسی صورت میں ہوگا جب کہ خون نکلنے کا یقین نہ ہو بلکہ احتمال ہو اگر خون نکلنے کا یقین ہو تو پھر خلال میں ہر طرح کی نکلی ہوئی چیز کا نگلنا حرام ہوگا، اور اس کا پھینک دینا واجب ہوگا۔

آخر حدیث میں فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص پاخانہ کے لئے جائے تو پاخانہ کے وقت اسے پردہ کرکے بیٹھنا چاہئے یعنی ایسی جگہ بیٹھے جہاں لوگ نہ دیکھ سکیں اگر پردہ کے لئے کچھ نہ پائے بایں طور کے نہ تو ایسی کوئی جگہ ہے جو گھری ہوئی اور لوگوں کی نظروں سے محفوظ ہو اور نہ اپنے پاس ایسا کوئی کپڑا یا کوئی دوسری چیز ہے جس سے پردہ کیا جاسکے تو اس وقت یہ کرنا چاہئے کہ ریت کا تودہ جمع کرلے اور اس کی طرف پیٹھ کرکے بیٹھ جائے اس طرح کسی نہ کسی حد تک پردہ ہوجائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص پاخانہ کے وقت پردہ کا لحاظ نہیں کرتا تو شیطان اس کے پاخانہ کے مقام سے کھیلتا ہے کھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور انہیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اس شخص کے ستر کو دیکھیں جو بے پردہ بیٹھا ہوا پاخانہ کر رہا ہے، نیز یہ کہ اگر پردہ نہ کیا جائے تو اس کا بھی خطرہ رہتا ہے کہ جب ہوا چلے تو اس کی وجہ سے ناپاک چھینٹیں اڑ کر بدن اور کپڑے پر پڑیں گی اس لئے پاخانہ کے وقت پردہ کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

اس کے بارہ میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی پردہ کا لحاظ کرے تو یہ اچھا ہے اور اگر نہ کرے تو کوئی گناہ کی بات بھی نہیں ہے مگر

احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ پردہ کا خیال رکھا جائے بلکہ اگر اس بات کا یقین ہو کہ پردہ نہ کیا گیا تو لوگ دیکھیں گے تو ایسی شکل میں پردہ کرنا لازم اور ضروری ہے، اگر پردہ نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔

اگر بحالت مجبوری کوئی شخص بغیر پردہ کے پاخانہ کے لئے بیٹھ جائے تو پھر اس کی ستر کی طرف قصداً دیکھنے والوں کو گناہ ہوگا، مجبوری سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا موقع آپڑے جب کہ پردہ کا کوئی انتظام ممکن نہ ہو اور اس کو شدید حاجت ہو تو اس صورت میں اسے مجبوری ہے ریت کے تودہ کو پشت کی طرف کرنے کو اس لئے فرمایا گیا ہے کہ آگے کے ستر کو تو دامن وغیرہ سے بھی چھپایا جا سکتا ہے بخلاف پیچھے کے ستر کے کہ اس کو چھپانا ذرا مشکل ہوتا ہے۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ مُسْتَحَمِّہٖ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْہِ اَوْیَتَوَضَّأُ فِیْہِ فَاِنَّ عَامَّۃَ الْوَسْوَاسِ مِنْہُ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ اِلَّا اَنَّھُمَا لَمْ یَذْکُرَا ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْہِ اَوْیَتَوَضَّأُ فِیْہِ۔

"اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ[1] راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی شخص اپنے غسل خانے میں پیشاب نہ کرے جس میں پھر وہ نہائے یا وضو کرے (یعنی یہ عاقل سے بعید ہے کہ نہانے کی جگہ پیشاب کرے اور پھر وہیں نہائے یا وضو کرے) اس لئے کہ اس سے اکثر وساوس پیدا ہوتے ہیں" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) ترمذی اور نسائی نے ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْہِ اَوْیَتَوَضَّأُ فِیْہِ کہ الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔"

تشریح: غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے وسواس اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ جب وہاں پیشاب کیا جاتا ہے تو وہ جگہ ناپاک ہو جاتی ہے اور پھر وضو یا غسل کے وقت جب اس پر پانی پڑتا ہے تو دل میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں کہ کہیں چھینٹیں تو نہیں پڑ رہی ہیں اور پھر یہ شبہ رفتہ رفتہ دل میں جم جاتا ہے جس سے ایک مستقل خلجان واقع ہو جاتا ہے۔

ہاں اگر غسل خانہ کی زمین ایسی ہو کہ اس پر سے چھینٹیں اچٹ کر اوپر نہ پڑتی ہوں مثلاً وہاں کی زمین ریتیلی ہو اس کا فرش اور اس میں نالی ایسی ہو کہ پیشاب کا ایک قطرہ بھی وہاں نہ رکتا ہو سب نکل جاتا ہو تو پھر وہاں پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے۔

اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ یہاں غسل خانہ میں پیشاب کرنے کو جو منع کیا گیا ہے تو نہی تنزیہی ہے نہی تحریمی نہیں ہے۔

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ سَرْجِسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ جُحْرٍ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عبداللہ بن سرجسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "تم میں سے کوئی شخص کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: سوراخ میں پیشاب کرنے سے اس لئے روکا جا رہا ہے کہ اکثر و بیشتر سوراخ کیڑے مکوڑوں اور سانپ بچھو کا مسکن ہوتے ہیں چنانچہ ہو سکتا ہے کہ پیشاب کرتے وقت اس میں سے سانپ یا بچھو یا تکلیف دینے والا کوئی دوسرا کیڑا نکل کر ایذاء پہنچائے یا اگر اس سوراخ کے اندر کوئی ضعیف اور بے ضرر جانور ہو تو پھر پیشاب کی وجہ سے اسے تکلیف پہنچے گی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوراخوں میں جنات رہتے ہیں چنانچہ ایک صحابی سعد بن عُبادہ خزرجی کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے زمین حوران کے ایک سوراخ میں پیشاب کر دیا تھا تو ان کو جنات نے مار ڈالا اور اس میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

---

[1] حضرت عبداللہ بن مغفل کی کنیت ابوسعید ہے پہلے مدینہ میں سکونت اختیار فرمائی پھر آپ بصرہ چلے گئے آپ کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں مسائل دین کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا آپ کی وفات بمقام بصرہ ۵۹ھ میں ہوئی۔

نَحْنُ قَتَلْنَا سَيِّدَ الْخَزْرَجِ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ وَرَمَيْنَاهُ بِسَهْمَيْنِ فَلَمْ نَخُطَّ فُؤَادَهُ

ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا ہم نے اس کی طرف دو تیر مارے اور اس کے دل کو نشانہ بنانے میں خطا نہیں کی اور بعض علماء یہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی سوراخ خاص طور پر پیشاب ہی کے لئے ہو تو اس میں پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے۔

(۲۱) وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَالظِّلِّ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت معاذؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "تم تین چیزوں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں (۱) گھاٹوں پر استنجاء (یعنی پیشاب پاخانہ) کرنے سے (۲) راستہ کے درمیان اور (۳) سایہ میں پیشاب و پاخانہ کرنے سے۔" (ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: یہ تین افعال ایسے ہیں جو لعنت کا سبب ہیں یعنی جب کوئی شخص کسی راستہ پر، یا گھاٹ پر، یا سایہ کی جگہ پر پاخانہ کرتا ہے تو جو لوگ اس راستہ سے گزرتے ہیں یا گھاٹ کو استعمال کرتے ہیں، یا سایہ دار جگہ پر آتے ہیں وہ اس شخص پر لعنت بھیجتے ہیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ شخص ان افعال بد کی بنا پر لوگوں کی ان منفعت اور آرام کو جو ان جگہوں سے مختص ہیں فاسد کرتا ہے، لہٰذا یہ ظالم ہوا اور ظالم شخص ملعون ہوتا ہے۔

موارد ان مکانوں کو کہتے ہیں جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں اور وہاں بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرتے ہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ موارد جمع مورد گھاٹ کو کہتے ہیں جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ سایہ، عام ہے خواہ درخت کا سایہ ہو یا کسی اور چیز کا جہاں لوگ سوتے اور بیٹھتے ہوں، نیز اپنے جانوروں کو باندھتے ہیں۔

(۲۲) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ الرَّجُلَانِ يَضْرِبَانِ الْغَائِطَ كَاشِفَيْنِ عَنْ عَوْرَتِهِمَا يَتَحَدَّثَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَمْقُتُ عَلٰى ذٰلِكَ۔

(رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا (ایک ساتھ) دو شخص پاخانہ کے لئے (اس طرح) نہ جائیں کہ دونوں اپنی شرم گاہ کھولے ہوئے ہوں اور باتیں کرتے ہوئے ہوں کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ غضب ناک ہو جاتا ہے۔" (احمد ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ پاخانہ کے لئے اس طرح بیٹھیں کہ ایک دوسرے کی شرم گاہیں دیکھیں اسی طرح ایسی حالت میں آپس میں باتیں کرنا بھی مکروہ ہے یہ دونوں چیزیں غضب خداوندی کا سبب اور اس کے عتاب کا باعث ہیں۔

اس موقع پر اس تکلیف دہ صورت حال کی وضاحت ضروری ہے کہ آج کل عورتوں میں خصوصیت سے ایسی بد احتیاطیاں پائی جاتی ہیں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ستر کھولنے کو قطعاً معیوب نہیں سمجھتیں خصوصاً غسل اور پاخانہ کے وقت اس قسم کی شرمناک حرکتیں عام طور پر کرتی ہیں، ایسی عورتوں کو چاہئے کہ وہ اس حدیث کو غور سے پڑھیں اور پھر سمجھیں کہ وہ ایسی ناشائستہ اور شرم و حیا کے منافی چیزوں کے ارتکاب سے خدا کا غضب مول لے رہی ہیں اور اس کے عتاب کا باعث ہو رہی ہیں۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ پاخانہ کرتے وقت اور جماع (ہم بستری) کے وقت زبان سے ذکر اللہ نہ کیا جائے بلکہ دم کے ساتھ کیا جائے۔

(۲۳) وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ فَاِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت زیدؓ بن ارقمؓ[1] راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "پاخانے شیاطین اور جنات کے حاضر ہونے کی جگہ ہیں، اس لئے جب تم میں سے کوئی بیت الخلا جائے تو اسے چاہئے کہ یہ دعا پڑھے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ یعنی میں ناپاک جنوں اور جنیوں سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: جنات اور شیاطین پاخانہ میں آتے ہیں اور اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ جو شخص پاخانہ میں آئے اس کو ایذاء پہنچائیں اور تکلیف دیں کیونکہ پاخانہ جانے والا شخص وہاں ستر کھول کر بیٹھا ہے اور ذکر اللہ کر نہیں سکتا اس لئے یہ بتایا جارہا ہے کہ جو شخص پاخانہ جاتے وقت یہ دعا پڑھ لے گا وہ جنات اور شیاطین کی ایذاء و تکلیف سے محفوظ رہے گا۔

اس باب میں جو حدیث نمبر ۳ گزری ہے اس میں اس دعا کے الفاظ اس طرح ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ چونکہ دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اسلئے اختیار ہے کہ چاہے وہ دعا پڑھی جائے یا یہ دعا پڑھی جائے لیکن بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ کبھی وہ دعا پڑھ لے اور کبھی یہ پڑھ لے یا دونوں کو ساتھ ساتھ پڑھے۔

(۲۴) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتْرُ مَا بَيْنَ اَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِيْ اٰدَمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ اَنْ يَّقُوْلَ بِسْمِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَاِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِقَوِيٍّ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب کوئی شخص پاخانہ میں داخل ہو تو جن (شیطان) کی آنکھوں اور انسان کی شرم گاہ کے درمیان کا پردہ یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ کہے۔" (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے)

تشریح: ارشاد کا مطلب ہے کہ جب انسان بیت الخلاء جاتا ہے، تو چونکہ وہاں ستر کھول کر بیٹھتا ہے اس لئے شیاطین اس کی شرم گاہ دیکھتے ہیں، لہٰذا جب کوئی شخص پاخانہ جائے تو اسے چاہئے کہ بسم اللہ کہہ کر بیت الخلاء جائے کیونکہ اس سے شیاطین ستر نہیں دیکھ سکتے علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں سُنّت یہ ہے کہ جب کوئی شخص بیت الخلاء جائے تو پہلے بسم اللہ اور پھر اس کے بعد وہ دعا پڑھے جو اس سے پہلے حدیث میں گزر چکی ہے، لیکن ان دونوں یعنی بسم اللہ اور مذکورہ دعاؤں میں سے کسی ایک کو بھی پڑھ لیا جائے تو سُنّت ادا ہو جائے گی مگر افضل یہی ہے کہ دونوں پڑھی جائیں یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے۔

(۲۵) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ غُفْرَانَكَ۔

(رواہ ترمذی و ابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم جب پاخانہ سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے غُفْرَانَكَ یعنی اے اللہ! میں تیری بخشش کا خواست گار ہوں۔" (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: علماء نے اس وقت بخشش چاہنے کی دو وجہیں لکھی ہیں، اول تو یہ کہ چونکہ سرکار دو عالم ﷺ زبان سے ذکر اللہ کسی بھی حالت میں نہیں چھوڑتے تھے سوائے اس کے کہ کسی شدید حاجت اور مجبوری مثلاً پیشاب پاخانہ وغیرہ کے وقت ترک فرما دیتے تھے اس کی وجہ سے آپ خدا سے بخشش کے خواستگار ہوتے تھے۔

دوسرے یہ کہ جب انسان کوئی غذا کھاتا ہے، تو وہ غذا معدہ میں پہنچ کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ایک حصّہ تو خون بن کر قوت و طاقت پیدا کرتا ہے اور دوسرا حصّہ فضلہ ہو کر پاخانہ کی شکل میں نکل جاتا ہے، اگر قدرت کے اس نظام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ

---

[1] آپ انصاری ہیں اور کنیت ابو عمرو ہے آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سترہ غزوات میں شرکت کی ہے آپ کوفہ میں رہتے تھے اور وہیں ۶۸ھ میں انتقال ہوا۔

بندوں پر خدا کا بہت بڑا انعام اور اس کی بہت بڑی نعمت ہے جس کا شکر بندے سے کما حقہ، ادا نہیں ہو سکتا اس لئے آنحضرت ﷺ بخشش چاہتے تھے کہ اے خدا! مجھ سے تیری اس عظیم نعمت کا شکر ادا نہیں ہوا اس لئے تو مجھے اس کوتاہی پر بخش دے۔

بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ ایسے موقع پر یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ اپنی احتیاج اور اس بات کا خیال کیا جائے کہ انسان کی ذات کی حیثیت ہی کیا ہے جس میں نجاست ہی نجاست بھری ہوئی ہے اور اس کے مقابلہ میں خداوند قدوس کی ذات پاک اور اس کی تقدس کا تصور کرے، افضل یہ ہے کہ لفظ غُفْرَانَكَ کے بعد یہ دعا پڑھ لی جائے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔

(۲۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَی الْخَلَاءَ اَتَیْتُهُ بِمَاءٍ فِیْ تَوْرٍ اَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجٰی ثُمَّ مَسَحَ یَدَهُ عَلَی الْاَرْضِ ثُمَّ اَتَیْتُهُ بِاِنَاءٍ اٰخَرَ فَتَوَضَّأَ۔ (رواہ ابوداؤد و روی الدارمی و النسائی معناہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب پاخانہ جاتے تو میں آپؐ کے لئے پیالہ یا چمڑے کی چھاگلی میں پانی لاتا، آنحضرت ﷺ اس سے استنجاء کرتے پھر ہاتھ کو زمین پر رگڑتے پھر اس کے بعد میں (پانی کا) دوسرا برتن لاتا اور آپ ﷺ وضو فرماتے۔" (داری نسائی)

تشریح: تَوْرٌ عرب میں پیتل یا پتھر کا ایک چھوٹا سا برتن پیالہ کی طرح ہوتا ہے، اس میں کھانا کھاتے ہیں، اور بوقت ضرورت اس میں پانی بھر کر اس سے وضو بھی کر لیتے ہیں رَكْوَة چمڑے کی چھاگل کو کہتے ہیں جو پانی رکھنے کا کام آتا ہے۔

تَوْرٌ اور رَكْوَةٌ کے درمیان لفظ اَوْ یا تو شک راوی کے لئے ہے، یعنی ابوہریرہؓ سے جس راوی نے اس حدیث کی روایت کی ہے انہیں یہ شک ہے کہ ابوہریرہؓ نے لفظ تور فرمایا ہے لفظ رکوۃ یا پھر یہ تو یع کے لئے ہے اس طرح حضرت ابوہریرہؓ کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ کبھی تو میں تور میں پانی لایا کرتا تھا اور کبھی رکوۃ میں لاتا تھا۔

استنجاء سے فراغت کے بعد آپ ﷺ زمین پر ہاتھ رگڑ کر اس لئے دھوتے تاکہ ہاتھ سے بدبو نکل جائے اور ہاتھ خوب پاک و صاف ہو چنانچہ پاخانہ سے آکر اس طرح سے ہاتھ دھونا سُنّت ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ وضو کے لئے دوسرے برتن میں پانی اس لئے نہیں لاتے تھے کہ استنجے کے بقیہ پانی یا اس برتن سے وضو درست نہیں تھا بلکہ اس برتن میں چونکہ پانی صرف استنجے کی ضرورت کے مطابق ہی رہتا ہوگا اس لئے وضو کے لئے دوسرے برتن میں پانی لانے کی ضرورت ہوتی تھی، اس حدیث سے بعض علماء نے یہ اخذ کیا ہے کہ اگر استنجے اور وضو کے پانی کے لئے الگ الگ برتن ہوں تو یہ مستحب ہے۔

(۲۷) وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ سُفْیَانَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَالَ تَوَضَّأَ وَنَضَحَ فَرْجَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی)

"اور حضرت حکم[1] ابن سفیانؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب پیشاب کر چکتے تو وضو فرماتے اور اپنی شرم گاہ پر چھنٹا دیتے!۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: پیشاب کرنے کے بعد جب آپ وضو فرماتے تو دفع وسواس کے لئے تھوڑا سا پانی لے کر ستر کی جگہ ازار پر چھڑک لیتے تھے تاکہ پیشاب کے قطرہ کے وہم باقی نہ رہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس وسواس و خطرات سے پاک و صاف تھی اس لئے کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کا یہ طرز عمل اُمت کی تعلیم کے لئے تھا کہ پیشاب کرنے کے بعد جب وضو کیا جائے تو تھوڑا سا پانی ستر کی جگہ کپڑے کے اوپر چھڑک لیا جائے، اس لئے کہ اگر پانی نہ چھڑکا جائے اور ستر کی جگہ کپڑے کے اوپر تری کا احساس ہو تو اس سے پیشاب کے قطروں کا وہم ہوگا اور پانی چھڑک

[1] اسم گرامی حکم بن سفیان اور کنیت ابوالحکم ثقفی ہے۔

لیا جائے تو اس کے بعد اگر تری کا حساس ہو گا بھی تو یہی سمجھا جائے گا کہ اسی چھڑکے ہوئے پانی کی تری ہے چنانچہ اس سے وسوسہ کی راہ بند ہو جائے گی اور مقصد یہی ہے کہ وسواس و خطرات کی راہ روک دی جائے تاکہ اطمینان قلب کے ساتھ عبادت میں مصروف رہا جا سکے۔

ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ وضوء کے بعد شرم گاہ کے اوپر پانی چھڑکنے کی ایک وجہ تو یہ دفع وسواس ہو سکتی ہے مگر ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اس سے پیشاب وغیرہ کے قطرے رک جائیں باہر نہ آئیں۔

(۲۸) وَعَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ قَالَتْ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَحٌ مِنْ عِيْدَانٍ تَحْتَ سَرِيْرِهٖ يَبُوْلُ فِيْهِ بِاللَّيْلِ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی)

"اور حضرت امیمہؓ[1] بن رقیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا جو آپ ﷺ کی چارپائی کے نیچے رکھا رہتا تھا آپ ﷺ رات کو اس میں پیشاب کر لیا کرتے تھے۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: چونکہ رات میں سردی وغیرہ کی بناء پر اٹھنا تکلیف دہ اور پریشانی کا سبب ہوتا ہے اس لئے آپ ﷺ نے ایک پیالہ اس کام کے لئے مخصوص کر لیا تھا، چنانچہ جب آپ ﷺ کو رات میں پیشاب کی حاجت ہوتی تھی اس پیالہ میں پیشاب کر لیا کرتے تھے۔ اور اگر حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو یہاں بھی تعلیم امت ہی مقصد سامنے آئے گا کہ آپ ﷺ نے اپنے طرز عمل سے اُمت کے لئے یہ آسانی پیدا کر دی ہے کہ جب رات میں پیشاب کی حاجت ہو اور سردی وغیرہ کی تکلیف کی بناء پر باہر نکلنا دشوار ہو تو کسی برتن وغیرہ میں پیشاب کر لیا جائے اور صبح اٹھ کر اسے پھینک دیا جائے تاکہ ایک طرف تو تکلیف اور پریشانی میں مبتلاء ہونے سے بچا جائے اور دوسری طرف رات میں بیت الخلاء جانے سے بچ جائیں جو شیاطین کا مسکن ہے اور شیاطین دن کے مقابلہ میں رات کو زیادہ ضرر اور تکلیف پہنچاتے کا سبب ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اُمت کے لئے یہ تعلیم سرکار دو عالم ﷺ کی اسی جذبہ رحمت و شفقت کی مرہون منت ہے جو اعمال و افعال کے ہر مرحلہ پر آسانی و سہولت کی صورت میں نظر آتی ہے۔

منقول ہے کہ ایک صحابی نادانستہ طور پر آپ ﷺ کا پیشاب اسی پیالہ میں سے پی گئے تھے جس کا اثر یہ ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے ان کے بدن سے خوشبو آتی رہی اور نہ صرف ان کے بدن سے بلکہ کئی نسلوں تک انکی اولاد کے بدن میں بھی وہی خوشبو باقی رہی۔

(۲۹) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ رَاٰنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبُوْلُ قَائِمًا فَقَالَ يَا عُمَرُ لَا تَبُلْ قَائِمًا فَمَا بُلْتُ قَائِمًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحْيِي السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَدْ صَحَّ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اَتَى النَّبِيُّ ﷺ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، قِيْلَ كَانَ ذٰلِكَ لِعُذْرٍ۔

"اور حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے (ایک روز) مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ "عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو" چنانچہ اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا (ابن ماجہ، ترمذی) امام محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ سے منقول ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر گئے اور وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا (بخاری و مسلم) کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فعل (کھڑے ہو کر پیشاب کرنا) کسی عذر کی بناء پر تھا۔"

تشریح: متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔

---

[1] امیمہ بنت رقیقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ کی صاحبزادی ہیں۔

جہاں تک حضرت عمرؓ کے فعل کا تعلق ہے اس کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ چونکہ ایام جاہلیت میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا طریقہ رائج تھا اور ان کو وہی عادت پڑی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کر لیا، یا ہو سکتا ہے کہ کسی عذر کی بنا پر انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہو۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے متعلق بھی حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے اس سلسلہ میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے بھی کسی عذر کی بنا پر ایسا کیا ہوگا، اور علماء نے وہ اعذار بھی لکھے ہیں چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ وہاں نجاست کی وجہ سے آپ نے بیٹھنے کی جگہ نہیں پائی اس لئے کھڑے ہو کر پیشاب کر لیا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پیر مبارک میں درد تھا اور بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق پیٹھ میں درد تھا، اس کی بناء پر آپ ﷺ بیٹھ نہیں سکتے تھے اس لئے کھڑے ہو لر پیشاب کر لیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۳۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُوْلُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوْهُ مَا كَانَ يَبُوْلُ اِلَّا قَاعِدًا۔ (رواہ احمد و الترمذی و النسائی)

"حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ حدیث بیان کرے کہ سرکار دو عالم ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو اسے سچ نہ مانو آپ ﷺ نے تو ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کیا۔"

تشریح: امام محی السنۃ نے حضرت حذیفہؓ کی جو روایت نقل فرمائی ہے اس سے تو بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے لیکن حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث اس بات کی بالکل نفی کر رہی ہے، اب۔ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ حضرت عائشہؓ اپنے علم کے مطابق خبر دے رہی ہیں یعنی انہوں نے چونکہ آنحضرت ﷺ کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے کبھی گھر میں نہیں دیکھا تھا اس لئے انہوں نے اس بات کی سرے سے نفی کر دی اور حضرت حذیفہؓ نے جو صورت واقعہ بیان کی ہے وہ باہر سے متعلق ہے اور وہ بھی عذر کی بناء پر نادر ہے، اور ظاہر ہے کہ نادر شی معدوم کی مانند ہے نیز عذر کی بنا پر اسے مستثنیٰ بھی قرار دیا جا سکتا ہے لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا۔

(۳۱) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ جِبْرِيْلَ اَتَاهُ فِيْ اَوَّلِ مَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ فَعَلَّمَهُ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْوُضُوْءِ اَخَذَ غُرْفَةً مِنَ الْمَآءِ فَنَضَحَ بِهَا فَرْجَهُ۔ (رواہ احمد و الدار قطنی)

"اور حضرت زیدؓ[1] ابن حارثہؓ سرکار دو عالم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام (جب) سے پہلی وحی کے موقع پر آپ کے پاس تشریف لائے تو آپ کو وضو کرنا سکھایا، پھر نماز پڑھنی سکھائی چنانچہ جب وہ وضو سے فارغ ہوئے تو ایک چلو پانی لیا اور اس کو اپنی شرم گاہ پر چھڑک لیا۔" (احمد، دار قطنی)

تشریح: حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آدمی کی شکل میں آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے وضو کیا اور نماز پڑھی تاکہ یہ دیکھ کر آپ ﷺ بھی سیکھ جائیں اسی طرح انہوں نے خدا کی جانب سے ان دونوں چیزوں کی تعلیم آپ ﷺ کو دی پھر اس کے ساتھ ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وضو کے بعد شرم گاہ پر یا ستر کی جگہ کپڑے کے اوپر وضو کے بعد پانی چھڑک کر بھی آپ کو دکھایا

---

[1] اسم گرامی زید بن حارثہ، کنیت ابو اسامہ ہے عظیم صحابی ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبنیٰ بننے کا شرف حاصل ہوا ہے غزوہ موتہ کے موقع پر سرزمین شام میں آٹھ ہجری کو آپ نے شہادت پائی شہادت کے وقت آپ کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔

تاکہ دفع وسواس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۳۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ جِبْرِیْلُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَضِحْ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا یَعْنِی الْبُخَارِیَّ یَقُوْلُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیِّ الْهَاشِمِیُّ الرَّاوِیْ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا" "اے محمد (ﷺ) جب آپ ﷺ وضو کریں تو تھوڑا سا پانی (شرم گاہ پر دفع وسواس کے لئے چھڑک لیا کیجئے" (ترمذی) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے اور میں نے محمدؒ (یعنی امام بخاریؒ) کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی حسن بن علی ہاشمی منکر الحدیث ہیں۔"

(۳۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عُمَرُ خَلْفَهٗ بِکُوْزٍ مِنْ مَّآءٍ فَقَالَ مَا هٰذَا یَا عُمَرُ قَالَ مَآءٌ تَتَوَضَّأُ بِهٖ قَالَ مَا اُمِرْتُ کُلَّمَا بُلْتُ اَنْ اَتَوَضَّأَ وَلَوْ فَعَلْتُ لَکَانَتْ سُنَّةً۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکار دو عالم ﷺ نے پیشاب کیا، حضرت عمر فاروقؓ پانی کا لوٹا لے کر آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا "عمرؓ یہ کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا آپ (ﷺ) کے وضو کے لئے پانی ہے۔" آپ نے فرمایا مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ جب میں پیشاب کروں تو وضو بھی کروں، اگر میں ایسا کروں تو یہ (میرا فعل سُنّت ہو جاتا)۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ مجھے بطریق وجوب اور فرض کے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ جب بھی پیشاب کروں تو اس کے بعد وضوء بھی کروں اور اگر میں اپنی طرف سے یہ فعل اختیار کر لیتا ہوں تو پھر ہر مرتبہ پیشاب کے بعد وضو کرنا سُنّت مؤکدہ ہو جائے گا، بہر حال یہاں سُنّت سے مراد سُنّت مؤکدہ ہی ہے، کیونکہ ویسے تو پانی سے استنجاء کرنا اور ہر وقت باوضو رہنا تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر مستحب ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ادنیٰ چیزوں کو اپنی اُمت کی آسانی اور سہولت کی خاطر کبھی ترک فرما دیتے تاکہ وہ چیزیں اُمت کے لئے کہیں ضروری نہ ہو جائیں۔

(۳۴) وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ وَ جَابِرٍ وَ اَنَسٍ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰیَةَ لَمَّا نَزَلَتْ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَثْنٰی عَلَیْکُمْ فِی الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُکُمْ قَالُوْا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَنَسْتَنْجِیْ بِالْمَآءِ قَالَ فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَیْکُمُوْهُ۔ (رواہ ابن ماجۃ، التوبہ ۱۰۸)

"حضرت ابوایوب، جابر، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ یعنی مسجد قبا میں ایسے مرد (انصاری) ہیں جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ خوب پاکی حاصل کریں اور اللہ خوب پاکی حاصل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "اے انصار کی جماعت! اللہ تعالیٰ نے پاکی کے معاملہ میں تمہاری تعریف کی ہے تمہاری پاکی کیا ہے؟ اور انہوں نے عرض کیا "ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں، جنابت (ناپاکی) سے غسل کرتے ہیں (جیسا کہ دوسرے مسلمان کرتے ہیں) اور (ڈھیلے کے بعد) پانی سے استنجاء کرتے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا" ہاں! وہ یہی ہے، لہٰذا اسے لازم پکڑو۔" (ابن ماجہ)

تشریح: انصار کی عادت تھی کہ وہ پیشاب و پاخانہ کے بعد ڈھیلوں سے صفائی کے بعد پانی سے بھی استنجاء کرتے تھے، اس بنا پر ان کی فضیلت اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی اور انصار کی اس فضیلت کا اظہار ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ آخر وہ کونسی پاکیزگی ہے جسے

حاصل کرنے کے بعد تم اس سعادت کے حقدار ہوئے ہو، جب انہوں نے پاکیزگی کی تفصیل بتائی تو آپ ﷺ نے ان کی تصدیق کر دی کہ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تمہاری تعریف کی ہے اور پھر بعد میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ بھلائی اور بہتری اسی میں ہے کہ اس سعادت کو ہمیشہ باقی رکھو یعنی جس طرح تم لوگ پاکی حاصل کرتے ہو اسی طرح ہمیشہ حاصل کرتے رہو۔

(۳۵) وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ بَعْضُ الْمُشْرِكِيْنَ وَهُوَ يَسْتَهْزِئُ اِنِّیْ لَاَرٰی صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ حَتَّی الْخِرَآءَةَ قُلْتُ اَجَلْ اَمَرَنَا اَنْ لَّا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَا نَسْتَنْجِيَ بِاَيْمَانِنَا وَلَا نَكْتَفِيَ بِدُوْنِ ثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ لَيْسَ فِيْهَا رَجِيْعٌ وَلَا عَظْمٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَحْمَدُ وَاللَّفْظُ لَهٗ)

"اور حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ مشرکوں میں سے ایک شخص نے بطور استہزاء یہ کہا کہ میں تمہارے سردار (یعنی آنحضرت ﷺ) کو دیکھتا ہوں تو وہ تمہیں ہر چیز سکھاتے ہیں یہاں تک کہ پاخانہ میں بیٹھنے کی صورت بھی میں نے کہا ہاں آپ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ (استنجے کے وقت) ہم قبلہ کی طرف رخ کر کے نہ بیٹھیں، اپنے دائیں ہاتھوں سے استنجاء پاک نہ کریں، تین پتھروں سے کم میں استنجاء نہ کریں اور ان پتھروں میں نجاست (یعنی پاخانہ، لید گوبر) نہ ہو اور نہ ہڈی ہو۔" (مسلم احمد الفاظ احمد کے ہیں)

تشریح: اگر مذہب کی بنیاد پر حقیقت کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوگی کہ مذہب اور دین دراصل نام ہے ایک مکمل ضابطہ حیات کا، اور ایک دستور کامل ہے نظام زندگی کا جس میں انسانوں کے لئے دین اور دنیا دونوں جگہ کے لئے مکمل رہبری کامل راہنمائی اور ہمہ گیر ہدایات ہوں۔

اگر چند مخصوص اعتقادات پر چند مخصوص عبادات اور چند اعمال کا نام، مذہب اور دین، رکھ دیا جائے تو وہ کامل و مکمل مذہب و دین ہی نہیں بلکہ انسانی دماغ کے اختراعات اور نظریات کا مجموعہ ہے۔

اسلام دوسرے تمام مذاہب میں اگر اپنی کوئی امتیازی شان رکھتا ہے اگر دوسرے دینوں پر کوئی تفوق و برتری رکھتا ہے اور اگر دوسری شریعتوں میں اکملیت کا کوئی درجہ رکھتا ہے تو وہ اسلام کی شان ہمہ گیریت اور اس کی شان جامعیت ہے مسلمانوں کو چھوڑیئے وہ تو اسلام کے پیرو ہی ہیں۔ دنیا کے وہ دانشور اور عقلاء بھی اسلام کے اعتقادات و احکامات کے پابند و متبع نہیں ہیں، آج اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اور دنیا کی تمام شریعتوں میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب اور دین ہے جو انسانوں کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ایک نظام زندگی اور کائنات کے ہر شعبہ پر حاوی ایک مجموعہ ہدایات ہے جو انسانی زندگی کے ہر چھوٹے وبڑے مسئلہ کی رہبری کرتا ہے۔

چنانچہ اسلام اگر ایک طرف اعتقادات و نظریات کی انتہائی بلندی تک جن و انس کی راہنمائی کرتا ہے، عبادات و احکامات کے بلند و بالا نظام کا تفوق بخشتا ہے، تو دوسری طرف زندگی کی ان چھوٹی راہوں کی بھی معرفت عطا کرتا ہے جو دنیا والوں کی نظر میں حقیر ہیں، جن کی طرف دوسرے مذاہب آنکھ بھی نہیں اٹھاتے۔

دیکھئے ایک بے بصیرت اور عقل و دانائی کا دشمن مشرک مسلمانوں کا یہی تو مذاق اڑا رہا ہے کہ شارع اسلام کی شان عظمت کا بھی کوئی تقاضا ہے کہ وہ ہر چیز کو سکھاتے پھریں، یہاں تک کہ وہ پیشاب و پاخانہ تک کے مسائل اور ان کے طور طریقے بتاتے ہیں حضرت سلمان فارسیؓ، اسی کا جواب دے رہے ہیں کہ اے بے خبر و نادان انسان! یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے، استہزاء کا مقام نہیں ہے، تجھے کیا معلوم کہ ہمارے سردار ہم پر کتنے شفیق ہیں؟ ہم پر کتنے مہربان ہیں؟ اُمت پر انتہائی شفقت و محبت ہی کی یہ وجہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر مرحلہ پر ہماری راہنمائی فرماتے ہیں۔

اگر ایک طرف آپ ﷺ توحید و رسالت کے عقائد اور نماز روزہ، زکوٰۃ، اور حج جیسے دینی اصول کے احکام و مسائل ہمیں بتاتے ہیں تو دوسری طرف پیشاب و پاخانہ جیسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے آداب بھی بتائے ہیں اور ہدایات اور راہنمائی کا یہی تو وہ مقام ہے جو آپ ﷺ کی ذات کی ہمہ گیری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پیشاب و پاخانہ کے وقت ہم قبلہ کی طرف پشت و رخ کر کے نہ بیٹھیں کہ اس سے قبلہ کے احترام پر حرف آتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کیا جائے کیونکہ یہ چیز پاکیزگی و نظافت کے منافی ہے کہ جس ہاتھ سے کھانا کھایا جائے اسی ہاتھ سے گندگی و غلاظت کی صفائی کی جائے۔

آپ ﷺ نے اسے بہتر قرار دیا ہے کہ تین ڈھیلوں یا پتھروں سے کم میں استنجاء نہ کیا جائے کہ صفائی و پاکیزگی کا تقاضا یہی ہے اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ استنجاء کے ڈھیلوں میں لید و گوبر اور دوسری نجاست نہ ہو کہ اس سے بجائے پاکیزگی حاصل ہونے کے اور زیادہ غلاظت و گندگی لگے گی اور ہڈی سے استنجاء نہ کیا جائے کیونکہ ہڈی جنات کی خوراک ہے۔

(۳۶) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَسَنَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدِهِ الدَّرَقَةُ فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَلَسَ فَبَالَ اِلَيْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ اُنْظُرُوْا اِلَيْهِ يَبُوْلُ كَمَا تَبُوْلُ الْمَرْاَةُ فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْحَكَ اَمَا عَلِمْتَ مَا اَصَابَ صَاحِبَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانُوْا اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَوْلُ قَرَضُوْهُ بِالْمَقَارِيْضِ فَنَهَاهُمْ فَعُذِّبَ فِيْ قَبْرِهٖ۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ ورواہ النسائی عن ابی موسیٰ)

"اور حضرت عبدالرحمٰن ابن حسنہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرکار دو عالم ﷺ (گھر سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے (اس وقت) آپ ﷺ کے ہاتھ میں ڈھال تھی، اسے آپ ﷺ (اپنے سامنے زمین پر) رکھ دیا پھر اس کے سامنے بیٹھ کر پیشاب کیا (یہ دیکھ کر) ایک مشرک نے کہا ان کی طرف دیکھو اس طرح پیشاب کرتے ہیں جیسے عورت پیشاب کرتی ہے یہ بات آنحضرت ﷺ نے سن لی اور فرمایا "تجھ پر افسوس ہے" کیا تو اس چیز کو نہیں جانتا جو بنی اسرائیل کے ساتھی کو پہنچی (یعنی عذاب) بنی اسرائیل (جب پیشاب کرتے اور ان) کے (جسم یا کپڑے کو پیشاب لگ جاتا تو اس کو قینچی سے کاٹ ڈالتے تھے چنانچہ (بنی اسرائیل میں سے ایک) شخص نے (اس حکم کو ماننے سے) لوگوں کو روکا، لہٰذا اسے قبر کے عذاب میں مبتلا کیا گیا۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی نے اس حدیث کو عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے ابوموسیٰ سے روایت کیا ہے)

تشریح: بنی اسرائیل کی شریعت میں تھا کہ اگر کسی شخص کے بدن پر نجاست لگ جاتی تو اتنے حصہ کے گوشت کو چھیل ڈالتے تھے اور اگر کپڑے پر لگ گئی تو اس جگہ سے کپڑا کاٹ ڈالتے تھے مگر ان میں سے ایک شخص نے اپنی شریعت کے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا اور وہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے روکا کرتا تھا لہٰذا اس بنا پر اسے عذاب قبر میں مبتلا کیا گیا۔

اسی طرف آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ بنی اسرائیل کی شریعت کا وہ قاعدہ اگرچہ شرعی اعتبار سے پسندیدہ تھا مگر چونکہ اس میں مال اور جان کا ضرر ہوتا تھا اس لئے خلاف عقل و دانائی تھا مگر اس کے باوجود شریعت کے اس حکم کو نہ ماننے اور دوسرے لوگوں کو اس سے روکنے پر جب اس شخص پر عذاب قبر نازل کیا گیا تو شرم و حیا نہ کرنا بطریق اولیٰ عذاب کا سبب ہے کیونکہ پیشاب کے وقت پردہ کرنا اور شرم کرنا نہ صرف یہ کہ از راہ شریعت پسندیدہ اور بہتر چیز ہے بلکہ عقل و دانائی کے اعتبار سے بھی اولیٰ و افضل ہے۔

(۳۷) وَعَنْ مَرْوَانَ الْاَصْفَرِ قَالَ رَاَيْتُ ابْنَ عُمَرَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ يَبُوْلُ اِلَيْهَا فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَلَيْسَ قَدْ نُهِيَ عَنْ هٰذَا قَالَ بَلْ اِنَّمَا نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ فِي الْفَضَاءِ فَاِذَا كَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ شَيْءٌ يَسْتُرُكَ فَلَا بَاْسَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت مروان اصفر فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا اونٹ قبلہ کی طرف بٹھایا پھر خود بیٹھے اور اونٹ کی طرف پیشاب کیا میں نے (یہ دیکھ کر) عرض کیا "ابوعبدالرحمٰن! (یہ حضرت ابن عمرؓ کی کنیت ہے) کیا اس طرح قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے سے منع نہیں فرمایا گیا" انہوں نے فرمایا "ہاں جنگل میں اس سے منع فرمایا گیا ہے لیکن جب تمہارے اور قبلہ

کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کے اس فعل سے دلیل پکڑتے تھے جسے اس باب کی پہلی حدیث میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو قبلہ کی طرف پشت کر کے پاخانہ کرتے ہو دیکھا تھا اور یہ اسی موقع پر بتایا جا چکا ہے کہ اس فعل میں کئی احتمالات پیدا ہوتے ہیں لہٰذا فعل متحمل کو دلیل کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور پھر اس کی بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اکثر احادیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ پیشاب و پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت نہ کرنے کا حکم عام ہے اس میں جنگل کی تخصیص نہیں ہے اسی لئے امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے کہ اس حکم میں جنگل و آبادی سب برابر ہیں قبلہ کی طرف منہ و پشت کرنا ہر جگہ ممنوع ہے خواہ جنگل کا کھلا میدان ہو یا آبادی میں گھرے ہوئے مکانات۔

(۳۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَذْهَبَ عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِىْ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب بیت الخلاء سے نکلتے تو یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَذْهَبَ عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِىْ یعنی تمام تعریفیں خدا ہی کو زیبا ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز (یعنی پاخانہ) کو دور کیا اور مجھے عافیت بخشی۔" (ابن ماجہ)

تشریح: یوں تو اگر کوئی انسان یہ چاہے کہ وہ خدا کی نعمت کو دائرہ شمار میں لے آئے جو اس پر خدا کی جانب سے ہیں تو یہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی ساری زندگی اور اس کی حیات کا ایک ایک لمحہ خدائے رحیم و کریم کی بے شمار نعمتوں ہی کا رہین منت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان خدا کی ان بے شمار اور لامحدود نعمتوں کا شکر بھی بجا طور پر ادا نہیں کر سکتا۔

اب آپ پیشاب و پاخانہ ہی کو لے لیجئے بظاہر تو کتنی معمولی سے چیز ہے، اور کتنی غیر اہم ضرورت مگر ذرا کسی حکیم و ڈاکٹر سے اس کی حقیقت تو معلوم کر کے دیکھ لیجئے، ایک طبی ماہر آپ کو بتائے گا کہ ان معمولی چیزوں پر انسان کی زندگی کا کتنا دارومدار ہے اور انسان کی موت و حیات سے اس کا کتنا گہرا تعلق ہے؟ اگر کسی شخص کا کچھ عرصہ کے لئے پیشاب بند ہو جائے، یا کسی کا پاخانہ رک جائے تو اس کی زندگی کے لالے پڑ جاتے ہیں اور، خدانخواستہ اگر اس عرصہ میں غیر معمولی امتداد پیدا ہو جائے تو پھر اس کی زندگی موت کی آغوش میں سوتی نظر آتی ہے۔

تو کیا؟ یہ خدا کا ایک عظیم انعام اور اس کا بہت بڑا فضل و کرم نہیں ہے کہ وہ اس تکلیف دہ چیز کو انسان کے جسم سے تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کتنی آسانی سے خارج کرتا رہتا ہے، تو یہ کیسے ممکن تھا کہ خدا کے رسول کی وہ زبان جو اس کی چھوٹی چھوٹی نعمتوں پر ہر وقت ادائے شکر و سپاس میں مشغول رہتی تھی اس کی عظیم الشان نعمت پر شکر سے قاصر رہتی۔

چنانچہ یہ حدیث یہی بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ جب بھی بیت الخلاء سے باہر نکلتے، خدا کا شکر ادا کرتے کہ اے الٰہ العٰلمین! دنیا کی تمام تعریفیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں، تمام حمد و ثناء کا تو ہی مستحق ہے، اور کیوں نہ ہو؟ جب کے تیری ذات اپنے بندوں کے لئے سراسر لطف و کرم اور رحمت و شفقت ہے... جس کا ایک ادنیٰ سا اظہار یہ بھی ہے کہ تو نے اس وقت محض اپنے فضل و کرم سے ایک تکلیف دہ چیز کو میرے جسم سے خارج کیا اور اس طرح مجھے سکون و اطمینان عطا فرمایا اور عافیت بخشی۔

بعض احادیث میں آپ ﷺ سے یہ دعا بھی منقول ہے جسے آپ ﷺ بیت الخلا سے باہر آنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَذْهَبَ عَنِّىْ مَا يُؤْذِيْنِىْ وَاَبْقٰى عَلَىَّ مَا يَنْفَعُنِىْ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز کو دور کیا اور وہ چیز باقی رکھی جو میرے لئے فائدہ مند ہے۔

غذا ہضم ہونے پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، ایک بڑا حصہ وہ ہوتا ہے جو فضلہ بن جاتا ہے، دوسرا حصہ جو غذا کا اصل جوہر ہوتا ہے وہ خون وغیرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے اس پر زندگی کی بقا منحصر ہوتی ہے، چنانچہ اس دعا میں غذا کی انہی دونوں حصوں کی جانب اشارہ فرمایا گیا

ہے۔

اگر ان دونوں نعمتوں کا کوئی شخص خیال کرے تو اسے احساس ہو کہ یہ کتنی اہمیت کی حامل ہیں لیکن افسوس کہ آج ایسے کتنے ہی بے حس و لاپرواہ انسان ملیں گے جن کے دماغ و شعور میں ان کا تصور بھی نہیں ہوگا۔

(۳۹) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْهَ اُمَّتَكَ اَنْ يَسْتَنْجُوْا بِعَظْمٍ اَوْرَوْثَةٍ اَوْحُمَمَةٍ فَاِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ لَنَا فِيْهَا رِزْقًا فَنَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِكَ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب جنات کی جماعت سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! آپ (ﷺ) اپنی اُمت کو منع فرما دیجئے کہ وہ گوبر، ہڈی اور کوئلہ سے استنجاء نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں ہمارا رزق پیدا کیا ہے" چنانچہ آن حضرت ﷺ نے ہمیں ان (چیزوں کے استعمال) سے منع فرمایا۔" (ابوداؤد)

تشریح: ہڈی جنات کی خوارک ہے جس سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں، اسی طرح لید ان کے جانوروں کی خوارک ہے نیز کوئلے سے بھی چونکہ جنات فائدہ اٹھاتے ہیں مثلاً کوئلہ سے کھانا وغیرہ پکاتے ہیں یا اس سے روشنی کرتے ہیں اس لئے اس کو بھی رزق میں شمار کیا گیا ہے۔

بَابُ السِّوَاكِ
مسواک کرنے کا بیان

یوں تو مسواک کرنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک سُنّت ہے مگر حنفیہ کے نزدیک خاص طور پر وضو کے لئے امام شافعیؒ کے نزدیک وضوء و نماز کے وقت مسواک کرنا مسنون ہے، نیز نماز فجر اور نماز ظہر سے پہلے بھی مسواک کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے، مسواک کرنے میں بڑی خیر و برکت اور بہت فضیلت ہے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ مسواک کرنے کی فضیلت میں چالیس احادیث وارد ہوئی ہیں، پھر نہ صرف یہ کہ مسواک کرنا ثواب کا باعث ہے بلکہ اس سے جسمانی طور پر بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں چنانچہ مسواک کرنے سے منہ پاک و صاف رہتا ہے، منہ کے اندر بدبو پیدا نہیں ہوتی، دانت سفید و چمک دار ہوتے ہیں، مسوڑوں میں قوت پیدا ہوتی ہے اور دانت مضبوط ہو جاتے ہیں۔

ویسے تو ہر حال میں مسواک کرنا مستحب اور بہتر ہے مگر بعض حالتوں میں اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے مثلاً وضو کرنے کے وقت، قرآن شریف پڑھنے کے لئے، دانتوں پر زردی اور میل چڑھ جانے کے وقت اور سونے، چپ رہنے، بھوک لگنے یا بدبودار چیز کھانے کے سبب منہ کا مزہ بگڑ جانے کی حالت میں مسواک زیادہ مستحب اور اولیٰ ہے۔

مسواک کرنے کے کچھ آداب و طریقے ہیں چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ کسی مجلس و مجمع میں اس طرح مسواک کرنا کہ منہ سے رال ٹپکی ہو مکروہ ہے خصوصاً علماء اور بزرگوں کے قریب اس طرح مسواک کرنا مناسب نہیں ہے۔

مسواک کڑوے درخت مثلاً نیم وغیرہ کی ہونی چاہئے، پیلو کے درخت کی مسواک زیادہ بہتر ہے، چنانچہ احادیث میں بھی پیلو کی مسواک کا ذکر آیا ہے نیز حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ پیلو کی مسواک کی جائے مسواک کا سرا چھنگلیا کی طرح ہونا چاہئے اور مسواک کی لمبائی ایک بالشت کے برابر ہونی چاہئے، مسواک دانتوں کی چوڑائی پر کرنی چاہئے لمبائی پر مسواک نہ کی جائے کیونکہ اس طرح مسواک کرنے سے مسوڑھے چھل جاتے ہیں۔

" مسواک کرنے کے وقت کے بارے میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جب وضو شروع کیا جائے تو کلی کے وقت مسواک کرنی چاہئے

مگر بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ وضو کرنے سے پہلے ہی مسواک کر لینی چاہئے، نیز مسواک کرنے میں مستحب ہے کہ مسواک دائیں طرف سے شروع کی جائے۔

اگر کسی شخص کے پاس مسواک نہ ہو یا دانت ٹوٹے ہوئے ہوں تو ایسی حالت میں انگلی سے دانت یا مسوڑھوں کو صاف کرنا چاہئے، یا اسی طرح مسواک کو نرم کرنے کے لئے اگر کوئی پتھر نہ ملے اور ایسی شکل میں مسواک کرنا ممکن نہ ہو تو دانت کو ایسی چیزوں سے صاف کر لیا جائے جو منہ کی بدمزگی کو دور کر دیں جیسے موٹا کپڑا اور منجن وغیرہ یا صرف انگلی ہی سے صاف کر لے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِشَآءِ وَ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اگر میں اپنی اُمت پر اس بات کو مشکل نہ جانتا تو مسلمانوں کو یہ حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز دیر سے پڑھیں اور ہر نماز کے لئے مسواک کریں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مستحب اور بڑی فضیلت کی بات ہے اسی طرف یہ حدیث اشارہ کر رہی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میری اُمت دشواری میں مبتلاء ہو جائے گی تو میں یہ فرض قرار دیتا کہ تمام مسلمان عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھا کریں" اب تاخیر کی حد کیا ہے؟ اس بارے میں حضرت امام شافعیؒ کے علاوہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ تہائی یا آدھی رات تک عشاء کی نماز پڑھنا مستحب ہے۔

دوسری بات آپ ﷺ مسواک کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اگر اس معاملہ میں بھی تنگی و مشکلات کا خوف نہ ہوتا تو اس بات کا اعلان کر دیتا کہ ہر نماز کے وقت یعنی ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کرنا فرض ہے۔

لیکن آپ ﷺ چونکہ اُمت کے حق میں سراپا رحمت و شفقت ہیں اس لئے آپ نے ان چیزوں کو فرض کا درجہ نہیں دیا کہ فرض ہونے کی شکل میں مسلمان تنگی اور تساہلی کی بناء پر ان فرائض پر عمل نہیں کر سکیں گے نتیجے کے طور پر گناہ گار ہوں گے، لہٰذا ان کو صرف مستحب ہی قرار دیا کہ اگر کوئی شخص ان پر عمل نہ کرے اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور کوئی خدا کا بندہ اس پر عمل پیرا ہو جائے تو یہ اس کے حق میں سرا سر سعادت و نیک بختی کی بات ہوگی۔

② وَعَنْ شُرَیْحِ بْنِ هَانِیءٍ قَالَ سَاَلْتُ عَآئِشَةَ بِاَیِّ شَیْءٍ كَانَ یَبْدَاُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ بَیْتَهٗ قَالَ بِالسِّوَاكِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت شریح ابن ھانی راوی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ سرکار دو عالم ﷺ جب اپنے گھر میں تشریف لاتے تو پہلے کیا کرتے؟ انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے آپ ﷺ مسواک کرتے۔" (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے اور یہ آپ ﷺ کے مزاج اقدس کی انتہائی نظافت کی دلیل تھی کہ اگر مجلس مبارک میں خاموش بیٹھنے یا لوگوں سے گفتگو کرنے کی وجہ سے منہ کے اندر کچھ تغیر آ گیا ہو تو وہ دور ہو جائے۔

اگر آپ ﷺ کے اس فعل مبارک کی حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو یہاں بھی تعلیم اُمت کا مقصد سامنے آئے گا لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ انتہائی پاکیزگی و صفائی کے ساتھ رہا کریں یہاں تک کے آپس میں گفتگو و کلام کرنے اور ملنے جلنے کے لئے

مسواک کر لیا کریں تاکہ کوئی شخص منہ کی بدمزگی یا بو کے تغیر کی وجہ سے تکلیف محسوس نہ کرے۔

مسواک کی فضیلت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ منقول ہے کہ مسواک کرنے کے ستر فائدے ہیں جن میں سب سے ادنی اور کم درجہ فائدہ یہ ہے کہ مسواک کرنے والا شخص موت کے وقت کلمہ شہادت کو یاد رکھے گا جس کی بناء پر اس کا خاتمہ یقیناً خیر پر ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کہ افیون کھانے کے ستر نقصان ہیں جن میں سب سے ادنیٰ اور کم تر نقصان یہ ہے کہ افیون کھانے والا شخص موت کے وقت کلمہ شہادت بھول جائے گا، العیاذ باللہ

حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے لئے یہ تاکید ہے کہ وہ جب گھر میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سب سے پہلے مسواک کرے کیونکہ اس سے منہ میں بہت زیادہ خوشبو پیدا ہو جاتی ہے جس سے گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک میں اضافہ ہوتا ہے۔

③ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب رات تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے تو اپنے منہ مسواک سے ملتے اور دھوتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَ اِسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَ ظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَآءِ يَعْنِي الْاِسْتِنْجَآءَ وَقَالَ الرَّاوِيُ وَنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةِ الْخِتَانُ بَدَلَ اِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهَا صَاحِبُ الْجَامِعِ وَكَذَا الْخَطَّابِيُّ فِيْ مَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ اَبِيْ دَاوٗدَ۔ (بروایۃ عمار بن یاسر)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "دس چیزیں فطرت میں سے ہیں (یعنی دین کی باتیں) ① لبوں کے بال کٹوانا ② داڑھی کا بڑھانا ③ مسواک کرنا ④ ناک میں پانی دینا ⑤ ناخن کٹوانا ⑥ جوڑوں کی جگہ کو دھونا ⑦ بغل کے بال صاف کرنا ⑧ زیر ناف بالوں کا مونڈنا ⑨ پانی کا کم کرنا یعنی پانی کے ساتھ استنجاء کرنا" راوی یعنی مصعب یاذکریا کا بیان ہے کہ دسویں چیز کو میں بھول گیا، ممکن ہے کہ وہ کلی کرنا ہو۔ (مسلمؒ) اور ایک روایت میں (دوسری چیز) "داڑھی بڑھانے" کے بجائے "ختنہ کرانا" ہے اور (صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ "مجھے یہ روایت نہ صحیحین یعنی بخاریؒ و مسلمؒ میں ملی ہے اور نہ کتاب حمیدی میں (جو صحیحین کی جامع ہے، البتہ اس روایت کو صاحب جامع الاصول نے (اپنی کتاب میں) ذکر کیا ہے، اسی طرح خطابیؒ نے معالم السنن میں ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت عمر ابن یاسر کی روایت کے ساتھ نقل کیا ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں جن دس چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ تمام چیزیں پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں سُنّت تھیں اور آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی شریعت یعنی دین اسلام میں بھی سُنّت ہیں چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک فطرت کے یہی معنی ہیں، دوسری شروحات میں اس کے علاوہ علماء کے دوسرے اقوال بھی منقول ہیں لیکن طوالت کی بناء پر یہاں سب کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

پہلی چیز لبوں کے بال یعنی مونچھوں کا کٹوانا ہے، اس سلسلہ میں مختار مسلک "یہی ہے مونچھیں کتروائی جائیں اور اس طرح کتروائی جائیں کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ معلوم ہونے لگے۔

امام اعظمؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مونچھیں بھوؤں کی برابر رکھنی چاہئیں، البتہ غازیوں اور مجاہدوں کو زیادہ مونچھیں بھی رکھنی جائز ہے کیوں کہ زیادہ مونچھیں دشمن کی نظر میں دہشت کا باعث ہوتی ہیں اور اس سے ان پر رعب چھا جاتا ہے، مونچھوں کا اتنا زیادہ کٹوانا کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہے یا بالکل منڈ وانا مکروہ ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک حرام ہے مگر بعض علماء نے اسے سُنّت بھی کہا ہے۔

دوسری چیز داڑھی کا بڑھانا ہے، اس کے بارے میں علماء کا فیصلہ ہے کہ داڑھی کی لمبائی ایک مٹھی کے برابر ہونا ضروری ہے اس سے کم نہ

ہونی چاہئے اگر مٹھی سے زیادہ بھی ہو جائز ہے بشرطیکہ حد اعتدال سے نہ بڑھ جائے۔
داڑھی کو منڈ وانا یا پست کرنا حرام ہے کیونکہ یہ اکثر مشرکین مثلاً انگریز و ہندو کی وضع ہے، اسی طرح منڈی ہوئی یا پست داڑھی ان لوگوں کی وضع ہے جنہیں دین سے کوئی حصہ نصیب نہیں ہے کہ جن کا شمار "گروہ قلندری رمد مشرب" میں ہوتا ہے۔
داڑھی کے بال ایک مٹھی کے برابر چھوڑنا واجب ہے اسے سُنّت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت سُنّت سے ہے جیسے نماز عید کو سُنّت کہتے ہیں حالانکہ عید واجب ہے۔
اگر لمبائی یا چوڑائی میں کچھ بال آگے بڑھ کر بے ترتیب ہو جائیں تو ان کو کتروا کر برابر کرنا جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ انہیں بھی نہ کتروایا جائے، اگر کسی عورت کے داڑھی نکل آئے تو اسے صاف کر ڈالنا مستحب ہے۔
تیسری چیز مسواک کرنا ہے، اس کے متعلق پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ مسواک کرنا بالاتفاق علماء کے نزدیک سُنّت ہے، بلکہ داؤد نے تو اسے واجب کہا ہے، حضرت شاہ اسحٰقؒ نے اس سے بھی بڑھ کر یہ بات کہی ہے کہ اگر کوئی شخص مسواک کو قصداً چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل ہوگی،
چوتھی چیز ناک میں پانی دینا ہے، اس کا مسئلہ یہ ہے کہ وضو کے لئے ناک میں پانی دینا مستحب ہے اور غسل کے لئے ناک میں پانی دینا فرض ہے یہی حکم کلی کا بھی ہے کہ وضو میں کلی کرنا سُنّت ہے اور غسل میں فرض ہے۔
پانچویں چیز ناخن کا کٹوانا ہے، ناخن کسی طرح بھی کٹوائے جائیں اصل سُنّت ادا ہو جائے گی لیکن اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ ناخن کٹوانے کے وقت یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ سب سے پہلے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کے ناخن کٹوائے جائیں اس کے بعد بیچ کی انگلی کے اس کے بعد اس کے پاس کی انگلی کے پھر چھنگلیا کے پھر بعد میں انگوٹھے کے ناخن کٹوائے جائیں، اس کے بعد بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے ناخن اس طرح کٹوائے جائیں کہ سب سے پہلے چھنگلیا کے اس کے بعد اس کے پاس کی انگلی اس کے بعد بیچ کی انگلی اس کے بعد شہادت کی انگلی اور پھر بعد میں انگوٹھے کے ناخن کٹوائے جائیں۔
بعض علماء نے یہ طریقہ بھی لکھا ہے کہ سب سے پہلے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے ناخن کٹوانا شروع کرے اور چھنگلیا پر پہنچ کر روک دے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کرے اور اس کے انگوٹھے تک پہنچ کر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کر دے۔
اسی طرح پیر کے ناخن اس طرح کٹوانا چاہئے کہ پہلے دائیں پیر کی چھنگلیا سے کٹوانا شروع کرے اور آخر میں بائیں پیر کی چھنگلیا پر لے جا کر ختم کرے بعض علماء نے لکھا ہے کہ جمعہ کے روز ناخن کتروانا مستحب ہے، کچھ حضرات نے ناخن کٹوا کر ان کو زمین میں دفن کر دینے کو بھی مستحب لکھا ہے، اگر ناخن پھینک دیئے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ان کو پاخانہ میں یا غسل کی جگہ میں پھینکنا مکروہ ہے۔
چھٹی چیز براجم یعنی جوڑوں کی جگہ کو دھونا ہے، براجم کہتے ہیں انگلیوں کی گانٹھوں (جوڑوں) کو اور اس کے اوپر کی کھال کو جو چنٹ دار ہوتی ہے اس میں اکثر میل جمع ہوتا ہے۔ خصوصاً جو لوگ ہاتھ سے کام کاج زیادہ کرتے ہیں ان کی انگلیاں سخت ہو جاتی ہیں اور ان میں میل جم جاتا ہے۔ لہٰذا ان کو دھونے کی تاکید فرمائی جا رہی ہے، اسی طرح بدن کے وہ اعضاء جن میں میل جم جانے کا گمان ہو جیسے کان، بغل، ناف ان کو بھی دھونے کا یہی حکم ہے۔
ساتویں چیز بغل کے بالوں کو صاف کرنا ہے، اس سلسلہ میں لفظ نتف استعمال فرمایا گیا ہے، نتف بال اکھاڑنے کو کہتے ہیں، چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ بغل کے بالوں کو منڈوانا سُنّت نہیں ہے بلکہ ان کو ہاتھ سے اکھاڑنا سُنّت ہے مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ بغل کے بالوں کو ہاتھ سے اکھاڑنا اس شخص کے لئے افضل ہے جو اس کی تکلیف کو برداشت کر سکتا ہو، ویسے بغل کے بالوں کا منڈوانا یا نورے سے صاف کرنا بھی جائز ہے۔
آٹھوں چیز زیر ناف بالوں کو مونڈنا ہے، یہ بھی سُنّت ہے، زیر ناف بال، اگر منڈانے کی بجائے اکھاڑے جائیں، یا نورے سے صاف

کئے جائیں تو بھی ان کے حکم میں شامل ہوں گے مگر قینچی سے کاٹنے میں سُنت ادا نہیں ہوتی۔ مقعد (پاخانہ کے مقام) کے گرد جو بال ہوتے ہیں ان کو بھی صاف کرنا مستحب ہوتا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ زیر ناف بال نورے[1] سے صاف کیا کرتے تھے واللہ اعلم۔

عورتوں کو زیر ناف بال اکھاڑنا اولیٰ ہے کیونکہ اس سے خاوند کو رغبت زیادہ ہوتی ہے، نیز عورت کے اندر چونکہ خواہشات نفسانی اور شہوت ننانوے حصّہ ہوتی ہے اور مرد میں صرف ایک حصّہ ہوتی ہے اور یہ طے ہے کہ زیر ناف بال اکھاڑنے سے شہوت کم ہوتی ہے اور مونڈنے سے قوی ہوتی ہے، لہٰذا عورت کے مناسب حال یہی ہے کہ وہ بال اکھاڑے اور مرد کے مناسب حال یہ ہے کہ وہ مونڈے۔

زیر ناف بال مونڈنے، بغل کے بال اکھاڑنے، مونچھیں کتروانے اور ناخن کٹوانے کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہونی چاہئے، چالیس دن کے اندر اندر ان کو صاف کر لینا چاہئے اس سے زیادہ مدت تک انہیں چھوڑے رکھنا مکروہ ہے۔

نویں چیز پانی کا کم کرنا یعنی پاکی کے ساتھ استنجاء کرنا ہے اِنْتِقَاصُ الْمَآءِ کے دو مطلب ہیں ایک تو یہی جو راوی نے بیان کئے ہیں یعنی پانی کے ساتھ استنجاء کرنا چونکہ استنجاء کرنے میں پانی خرچ ہوتا ہے اور کم ہو جاتا ہے اس لئے اس اِنْتِقَاصُ الْمَآءِ (پانی کا کم کرنا) سے تعبیر کیا گیا ہے، دوسرے معنی یہ ہیں کہ پانی کے استعمال یعنی استنجاء کرنے کی بناء پر پیشاب کو کم کرنا، مطلب یہ ہے کہ پانی سے استنجاء کرنے کی وجہ سے پیشاب کے قطرے رک جاتے ہیں اس طرح پیشاب میں کمی ہو جاتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں انتقاص کی جگہ لفظ انتقاص آیا ہے اس کے معنی ہیں ستر کے اوپر پانی چھڑکنا جیسا کہ پہلی حدیثوں میں گزر چکا ہے، بہر حال یہ دونوں چیزیں بھی سُنت ہیں۔

ختنہ کرنا امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے، اکثر علماء کے نزدیک مرد و عورت دونوں کو امام اعظمؒ کے نزدیک مرد کو ختنہ کرنا سُنت ہے عورت کو مکرمہ یعنی اولیٰ ہے۔

ختنہ چونکہ شعائر اسلام میں سے ہے اس لئے اگر کسی شہر کے تمام ہی لوگ ختنہ ترک کر دیں تو امام وقت کو ان کے ساتھ جنگ کرنی چاہئے تا آنکہ وہ لوگ اس اسلامی شعائر کو اختیار کر لیں جیسے آذان کے بارے میں حکم ہے۔

ختنہ کرنے کی عمر اور وقت کے تعین میں علماء کے یہاں اختلاف ہے، بعض علماء، کے نزدیک پیدائش کے ساتویں دن ختنہ کر دینا چاہئے جیسے عقیقہ ساتویں دن ہوتا ہے، بعض حضرات کے نزدیک سات سال اور بعض کے نزدیک نو سال کی مدت ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ اس میں کوئی قید نہیں ہے، جب چاہے ختنہ کر دیا جائے، گویا بالغ ہونے سے پہلے پہلے جب بھی وقت اور موقع ہو ختنہ کرایا جا سکتا ہے، امام اعظمؒ کے نزدیک اس صورت میں بلوغ سے پہلے کی شرط بطور خاص ہے کیونکہ ختنہ کرنا سُنت ہے اور بالغ ہونے کے بعد ستر چھپانا واجب ہے اس لئے اگر کوئی شخص بالغ ہونے کے بعد ختنہ کرائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ایک سنت کو ادا کرنے کے لئے واجب کو ترک کر دیا حالانکہ سُنت کی ادائیگی کے لئے واجب کو ترک کر دینا جائز نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

⑤ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسِّوَاكُ مُطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ وَ اَحْمَدُ وَ الدَّارِمِیُّ وَ النَّسَائِیُّ وَرَوَی الْبُخَارِیُّ فِیْ صَحِیْحِهٖ بِلَا اِسْنَادٍ۔

"حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "مسواک کرنا، منہ کی پاکی کا سبب ہے اور پروردگار کی خوشنودی کا باعث ہے" شافعیؒ، احمدؒ، دارمیؒ، نسائیؒ) اور امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اپنی صحیح (جامع بخاری میں بغیر سند کے نقل کیا ہے۔"

⑥ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مِّنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ اَلْحَیَآءُ وَیُرْوَی الْخِتَانُ

[1] نورہ ایک خاص مرکب چیز کو کہتے ہیں جو ہڑتال اور چونے سے ملا کر بنائی جاتی تھی جس سے بال اڑ جاتے ہیں۔

وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابوایوبؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "چار چیزیں رسولوں کے طریقہ میں سے ہیں ① حیا کرنا (ایک روایت میں) ختنہ کرنا مروی ہے (یعنی اس روایت میں تو اَلْحَيَآءُ کا لفظ ہے اور بعض روایت میں اس کے بجائے اَلْخِتَانُ کا لفظ آیا ہے۔ ② خوشبو لگانا ③ مسواک کرنا ④ نکاح کرنا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ چار چیزیں رسولوں کے طریقہ میں سے ہیں اکثر کے اعتبار سے ہے کیونکہ بعض انبیاء ایسے بھی تھے جن کے یہاں ان میں سے کچھ چیزیں نہیں پائی جاتی تھیں مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نکاح نہیں کیا تھا۔

یہاں حیا سے مراد ہے کہ بندہ اپنے نفس کو برائی سے الگ رکھے اور بری باتوں سے بچتا رہے۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حنظلہ بن صفوان جو "اصحاب الرس" کے نبی تھے اور سرکار دو عالم ﷺ مختون ہی اس دنیا میں تشریف لائے تھے، یعنی انبیاء و رسول ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ کے بارے میں بعض علماء کا قول ہے کہ پیدا ہونے کے بعد آپ ﷺ کا ختنہ ہوا ہے، آنحضرت ﷺ چونکہ نظافت و لطافت کے انتہائی بلند مقام پر تھے اس لئے آپ ﷺ کو خوشبو زیادہ مرغوب تھی، چنانچہ منقول ہے کہ آپ خوشبو کے لئے مشک استعمال فرماتے تھے۔

شریعت محمدی ﷺ میں نکاح کی بہت زیادہ اہمیت ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے نکاح کو اپنی سُنّت قرار دیتے ہوئے اس بات کا اعلان فرمادیا ہے کہ جو شخص میری اس سُنّت سے اعراض کرے گا یعنی نکاح نہیں کرے گا تو وہ میری اُمّت میں سے نہیں ہے۔

حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نکاح کے فضائل و مناقب میں منقول جو احادیث جمع کی ہیں ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔

⑦ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ اِلَّا يَتَسَوَّكُ قَبْلَ اَنْ يَتَوَضَّأَ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب رات اور دن میں سوکر اٹھتے تو وضو کرنے سے پہلے مسواک کرتے۔"

(احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ دن میں بھی قیلولہ کے وقت آرام فرماتے تھے، چنانچہ دن میں تھوڑا بہت سولینا اور قیلولہ کے وقت آرام کرنا سُنّت ہے کیونکہ اس کی وجہ سے رات میں خدا کی عبادت کے لئے اٹھنے میں آسانی ہوتی ہے جیسے کہ سحری کھالینے سے روزہ آسان ہو جاتا ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوکر اٹھنے کے بعد مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ سونے کی وجہ سے منہ میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور بو میں فرق آجاتا ہے اس لئے مسواک کرنے سے منہ صاف ہو جاتا ہے۔

اب اس میں احتمال ہے کہ آپ ﷺ پھر وضوء کے لئے دوبارہ مسواک کرتے تھے یا نہیں؟ ہو سکتا ہے کہ اسی مسواک پر اکتفا فرماتے ہوں اور وضوء کے وقت دوبارہ مسواک نہ کرتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وضو کے ارادہ کے وقت یا وضو میں کلی کرتے وقت دوبارہ مسواک کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

⑧ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ فَيُعْطِيْنِي السِّوَاكَ لِاَغْسِلَهُ فَاَبْدَأُ بِهٖ فَاَسْتَاكُ ثُمَّ اَغْسِلُهُ وَاَدْفَعُهُ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ مسواک کرتے اور پھر مجھے دے دیتے تاکہ میں اسے دھو ڈالوں چنانچہ میں (آپ سے مسواک لے کر) پہلے اس سے خود مسواک کرتی پھر دھوتی اور آنحضرت ﷺ کو دے دیتی۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات کے لئے دلیل ہے کہ مسواک کرنے کے بعد اس کو دھونا مستحب ہے، حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ تین مرتبہ مسواک کی جائے اور ہر مرتبہ اسے پانی سے دھولیا جائے تاکہ اس کا میل کچیل دور ہوتا رہے اور یہ کہ مسواک نرم ہونی چاہئے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ سے مسواک لے کر دھونے سے پہلے اپنے منہ میں اس لئے پھیرتی تھیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی لعاب مبارک کی برکت حاصل ہو، پھر اسے دھو کر آپ ﷺ کو دے دیتی تھیں تاکہ مسواک پوری طرح نہ کی ہو تو اسے مکمل کر لیں۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کسی دوسرے کی مسواک اس کی رضامندی سے استعمال کر لینا مکروہ نہیں ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صالحین اور بزرگوں کے لعاب وغیرہ سے برکت حاصل کرنا اچھی بات ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑨ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرَانِيْ فِي الْمَنَامِ اَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ فَجَاءَنِيْ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْاَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِيْلَ لِيْ كَبِّرْ فَدَفَعْتُهُ اِلَى الْاَكْبَرِ مِنْهُمَا۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں (اس اثناء میں) دو آدمی میرے پاس آئے، ان میں کا ایک آدمی دوسرے سے بڑا تھا، میں نے ان میں سے چھوٹے کو مسواک دینے کا ارادہ کیا مگر مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو مسواک دو، چنانچہ میں نے ان میں سے بڑے کو مسواک دی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے مسواک کی بزرگی اور فضیلت کا اظہار ہو رہا ہے اس لئے کہ اسے بڑے کو دینے کا حکم کیا جانا اس بات پر دال ہے کہ یہ ایک افضل اور بہترین چیز ہے جب ہی تو بڑے کو جو چھوٹے سے افضل و اعلیٰ تھا، دیئے جانے کا حکم کیا گیا۔

اس حدیث نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ کھانا وغیرہ دینے، خوشبو لگانے یا ایسی ہی دوسری چیزوں میں ابتداء بڑے سے ہی کرنی چاہئے۔

⑩ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَاءَنِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا اَمَرَنِيْ بِالسِّوَاكِ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ اُحْفِيَ مُقَدَّمَ فِيَّ۔ (رواه احمد)

"حضرت ابی امامہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جبرئیل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آتے مجھے مسواک کرنے کا حکم دیتے (یہاں تک کہ) یہ مجھے خوف ہوا کہ (کہیں مسواک کی زیادتی سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو چھیل نہ ڈالوں۔" (احمدؒ)

تشریح: مسواک کی اہمیت اور اس کی فضیلت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی آنحضرت ﷺ کے پاس تشریف لاتے آپ ﷺ کو مسواک کرنے کا حکم دیتے اور آنحضرت ﷺ اس حکم کی بنا پر کثرت سے مسواک کرتے، چنانچہ آپ یہی فرما رہے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بار بار حکم اور اس شدت سے تاکید کی بناء پر میں مسواک اتنی کثرت سے استعمال کرتا ہوں کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ مسواک کی زیادتی سے کہیں میرا منہ نہ چھل جائے۔

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میں نے تم سے مسواک کے متعلق بہت کچھ بیان کیا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مقصد مسواک کی فضیلت و اہمیت کو بتانا ہے اور اس پر تاکید فرمائی ہے کہ مسواک زیادہ سے زیادہ کرنی چاہئے اس لئے کہ کسی چیز کو بار بار بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ چیز بڑی اہمیت و فضیلت کی حامل ہے۔

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنُّ وَعِنْدَهُ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَأُوْحِيَ اِلَيْهِ فِيْ فَضْلِ السِّوَاكِ اَنْ كَبِّرْ اَعْطِ السِّوَاكَ اَكْبَرَهُمَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ مسواک کر رہے تھے اور آپ ﷺ کے پاس دو آدمی تھے جن میں ایک دوسرے سے بڑا تھا چنانچہ مسواک کی فضیلت میں آپ ﷺ کی طرف یہ وحی نازل فرمائی گئی کہ بڑے کو مقدم رکھو اور ان دونوں میں سے بڑے کو مسواک دو۔" (ابوداؤدؒ)

(۱۳) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفْضُلُ الصَّلَاةُ الَّتِيْ يُسْتَاكُ لَهَا عَلَى الصَّلَاةِ الَّتِيْ لَا يُسْتَاكُ لَهَا سَبْعِيْنَ ضِعْفًا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "وہ نماز جس کے لئے مسواک کی گئی (یعنی وضو کے وقت) اس نماز پر جس کے لئے مسواک نہیں کی گئی ستر درجے کی فضیلت رکھتی ہے۔" (بیہقیؒ)

تشریح: اس حدیث سے بھی مسواک کی فضیلت کا اظہار ہو رہا ہے کہ مسواک کی وجہ سے نماز کے مراتب و درجات میں کمی بیشی ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک نماز تو اس طرح پڑھی کہ اس نے اس نماز کے لئے وضو کے وقت مسواک اور ایک نماز اس طرح پڑھی کہ اس کے لئے وضو کے وقت مسواک نہیں کی تو پہلی نماز جس کے لئے مسواک کی گئی ہے اس نماز کے مقابلہ میں جس کے لئے مسواک نہیں کی گئی فضیلت اور ثواب کی زیادتی میں ستر درجہ زیادہ ہوگی" گویا دوسری نماز کے مقابلہ میں پہلی نماز کا ثواب ستر گنا زیادہ ملے گیا۔

(۱۴) وَعَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيْ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَلَاَخَّرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ قَالَ فَكَانَ زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ يَّشْهَدُ الصَّلٰوتِ فِي الْمَسْجِدِ وَسِوَاكُهٗ عَلٰى اُذُنِهٖ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ اُذُنِ الْكَاتِبِ لَا يَقُوْمُ اِلَى الصَّلٰوةِ اِلَّا اسْتَنَّ ثُمَّ رَدَّهٗ اِلٰى مَوْضِعِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَلَاَ خَّرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

"حضرت ابوسلمہؒ[1] حضرت زید ابن خالد الجہنیؓ[2] سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اگر میں اپنی اُمت کے لئے اسے مشکل نہ جانتا تو میں ان کو ہر نماز کے لئے مسواک کرنے کا حکم دیتا (یعنی یہ اعلان کرتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کرنا واجب ہے) اور عشاء کی نماز میں تہائی رات تک تاخیر کرنا۔ راوی کا بیان ہے کہ (اس کے بعد) زید ابن خالدؓ نماز کے لئے مسجد میں

---

[1] حضرت ابوسلمہ تابعی ہیں، بعمر ۷۲ سال ۹۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

[2] حضرت زید ابن خالد جہنیؓ مشہور صحابی ہیں کنیت ابوعبدالرحمن بعمر ۸۵ سال بعہد عبدالملک ۷۸ھ میں اور بعض کے خیال کے مطابق حضرت معاویہؓ کے آخری زمانہ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

آتے تو مسواک ان کے کان پر رکھی ہوتی جس طرح کاتب کے کان پر قلم رکھا رہتا ہے، جب وہ نماز کو کھڑے ہوتے فوراً مسواک کر لیتے اور پھر کان پر رکھ لیتے (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ) ابوداؤد نے لَاَخَّرْتُ صَلٰوۃَ الْعِشَآءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

باب سنن الوضوء
وضو کی سنتوں کا بیان

یہاں وضو کی سنتوں سے مراد آنحضرت ﷺ کے وہ افعال و اقوال ہیں جو آپ ﷺ سے وضو کے بارے میں منقول ہیں خواہ ان کا تعلق وضو کے فرائض سے ہو یا سُنّت سے یا آداب وضو سے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَلَا يَغْمِس يَدَهٗ فِی الْاِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِیْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص سو کر اٹھے تو (اسے چاہئے کہ) اپنے ہاتھ کو پانی کے برتن میں نہ ڈالے جب تک اسے (پہنچوں تک) تین بار دھو نہ لے، اس لئے کہ اسے نہیں معلوم کہ رات بھر اس کا ہاتھ کہاں رہا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وضو سے پہلے ہاتھوں کو دھونا سُنّت ہے، جہاں تک سو کر اٹھنے کے بعد کی قید کا سوال ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں پانی کی قلت ہوتی ہے، خاص طور پر زمانۂ نبوت میں تو پانی بہت ہی کم مقدار میں دستیاب ہوتا تھا، اس لئے اکثر و بیشتر لوگ پانی سے استنجاء نہیں کرتے تھے پہلے ڈھیلوں سے یا پتھروں سے صاف کر لیا کرتے تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ گرم ہوا کی بنا پر سوتے میں استنجاء کے مقام پر پسینہ آجاتا ہے، اس صورت میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ رات میں سوتے وقت ہاتھ استنجاء کے مقام پر پہنچ جائے جس سے ہاتھ گندے ہو جائیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سونے والے کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا ہاتھ رات کو سوتے وقت کہاں رہا اس لئے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جب کوئی شخص سو کر اٹھے تو چاہئے کہ وہ پہلے اپنے ہاتھوں کو پانی کے برتن میں نہ ڈال دے بلکہ ہاتھ تین مرتبہ دھو ڈالے تاکہ وہ پاک و صاف ہو جائیں اس کے بعد برتن سے پانی لے کر وضو کرلے۔

بہر حال یہاں نیند کی قید تو اس لئے ہے کہ اس میں ہاتھوں کو نجاست لگنے کا احتمال ہے ورنہ ہر ایک وضو کرنے والے کو پہلے تین مرتبہ ہاتھ دھونا چاہئے اس لئے کہ علماء لکھتے ہیں کہ اس طرح ہاتھ دھونا اس شخص کے لئے بھی سُنّت ہے جو سو کر نہ اٹھا ہو کیونکہ ہاتھ دھونے کا سبب یعنی ہاتھ کو نجاست و میل لگنے کا احتمال جاگنے کی حالت میں بھی موجود ہے۔

ہاتھ دھونے کا یہ حکم فرض اور واجب نہیں ہے بلکہ مسنون کے درجہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا حکم احتیاط کے طور پر دیا ہے اگر کوئی شخص ہاتھ نہ دھوئے تو بھی وہ پاک ہے کہ اگر بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دے تو اس سے پانی ناپاک و نجس نہیں ہوتا کیونکہ سوتے میں ہاتھ کا ناپاک ہونا یقینی نہیں ہے بلکہ احتمال کے درجہ کی چیز ہے مگر حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ سو کر اٹھنے کے بعد ہاتھ کا دھونا واجب ہے، اگر کوئی شخص سو کر اٹھا اور اس نے بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

② وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَتَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلَاثًا فَاِنَّ

الشَّيْطَانَ يَبِيتُ عَلٰى خَيْشُوْمِهٖ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم نے ارشاد فرمایا "جب تم میں سے کوئی سوکر اٹھے اور وضو کا ارادہ کرے تو تین مرتبہ (ناک میں پانی دے کر) ناک کو جھاڑے اس لئے کہ اس کی ناک کے بانسے پر شیطان رات گزارتا ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: انسان کی ناک کے بانسے پر شیطان کا رہنا اور اس پر رات گزارنے کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی حقیقت و کیفیت کا علم تو اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے اس کے رموز و اسرار کی معرفت سے ہماری عقلیں قاصر ہیں۔ لہٰذا ایسے امور کے معاملہ میں جن کی خبر شارع علیہ السلام نے دی ہے۔ بہتر اور اولیٰ طریقہ یہی ہے کہ صرف ان کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے ان پر ایمان لایا جائے اور ان کی حقیقت و کیفیت کے بیان کرنے میں سکوت اختیار کیا جائے۔

بعض حضرات نے اس کی بڑی دلچسپ تاویل بھی کی ہے، مثلاً یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان سوجاتا ہے تو بخارات، رینٹھ اور گردوغبار ناک میں جمع ہوجاتے ہیں جو دماغ کا قریبی حصہ ہے اس کی بنا پر دماغ جو حواس و شعور کی جگہ ہے مکدر ہوجاتا ہے اور یہ چیز تلاوت قرآن کے آداب کو کماحقہ، ادا کرنے اور اس کے معنی و مطلب کے سمجھنے میں مانع ہوتی ہے، نیز یہ عبادات کی ادائیگی میں سستی اور کسل کا باعث بھی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں شیطان کی منشا کے عین مطابق اور اس کی خوشی کا باعث ہیں، اس لئے اس مشابہت سے کہا گیا ہے کہ سونے والے کی ناک کے بانسہ کے اوپر رات بھر شیطان بیٹھا رہتا ہے۔ بہرحال یہ احتمالات ہیں، ان پر بھی کوئی یقینی حکم نہیں لگایا جاسکتا اس لئے بہتر اور اولیٰ طریقہ وہی ہے جو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

(۴۳) وَقِيْلَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدِبْنِ عَاصِمٍ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَدَعَا بِوَضُوْءٍ فَأَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهٗ بِيَدِهٖ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ وَلِأَبِيْ دَاوٗدَ نَحْوُهٗ ذَكَرَهٗ صَاحِبُ الْجَامِعِ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قِيْلَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ تَوَضَّأْ لَنَا وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِإِنَاءٍ فَأَكْفَأَ مِنْهُ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَأَدْبَرَ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا بِثَلَاثِ غَرَفَاتٍ مِنْ مَّاءٍ وَفِيْ أُخْرٰى فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفَّةٍ وَاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ فَمَسَحَ رَأْسَهٗ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَفِيْ أُخْرٰى لَهٗ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غُرْفَةٍ وَاحِدَةٍ۔

"اور حضرت عبداللہؓ بن زید بن عاصمؓ سے پوچھا گیا کہ سرکار دوعالم کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے (یہ سن کر) حضرت عبداللہؓ نے وضو کا پانی منگوایا (جب پانی آگیا تو) انہوں نے دونوں ہاتھوں پر (پانی) ڈالا اور انہیں پہنچوں تک) دو دو مرتبہ دھویا پھر کلی کی اور پانی ڈال کر ناک کو جھاڑا تین مرتبہ پھر اپنا منہ تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دو، دو مرتبہ دھوئے، پھر دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا (اسی طرح کہ) دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے تک لے گئے اور پیچھے سے آگے تک لائے یعنی انہوں نے اپنے سر کی اگلی جانب سے شروع کیا اور دونوں ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر ان کو (پھیر کر) اسی جگہ واپس لائے جہاں سے شروع کیا تھا اور پھر دونوں پاؤں کو دھویا۔ (مالکؒ،

لے اسم گرامی عبداللہ بن زید بن عاصم ہے ابن ام عمارہ کے نام سے مشہور ہیں، ابومحمد کنیت ہے، آپ بزمانہ یزید ۶۳ھ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نسائیؒ ابوداؤدؒ) اور بخاری و مسلم میں یہ روایت اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ سے کہا گیا کہ جس طرح آنحضرت ﷺ وضو کرتے تھے اسی طرح آپ ہمارے سامنے وضو کریں، چنانچہ عبداللہ بن زید نے (پانی کا) برتن منگوایا (جب پانی کا برتن آگیا تو) انہوں نے اسے جھکایا اور اس سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں تین مرتبہ دھویا پھر ہاتھ برتن میں داخل کیا اور اس سے پانی نکالا پھر (اسی) ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی دیا اس طرح انہوں نے تین مرتبہ کیا، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی نکالا اور تین مرتبہ منہ دھویا، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈال کر نکالا اور سر کا مسح (اس طرح) کیا کہ اپنے دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے کی طرف لائے، اور پھر اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا، پھر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا یہی وضو تھا اور بخاریؒ و مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ "(مسح کے لئے) اپنے ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے کی طرف لائے یعنی اپنے سر کے اگلے حصّہ سے (مسح) شروع کیا اور (ہاتھوں کو) گدی کی طرف لے گئے پھر گدی کی طرف سے وہیں لے آئے جہاں سے (مسح) شروع کیا تھا اور پھر اپنے پاؤں کو دھویا" صحیحین کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ "کلی کی ناک میں پانی دیا اور ناک تین مرتبہ جھاڑی تین چلوؤں سے ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ "پس کلی کی اور ایک ہی چلو سے ناک میں پانی ڈالا،" اس طرح تین مرتبہ کیا۔ بخاریؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "پس سر کا مسح کیا (اس طرح کہ) اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور آگے سے پیچھے کی طرف لے آئے اور یہ ایک مرتبہ کیا پھر دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا" بخاری ہی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں بس کلی کی اور ناک جھاڑی تین مرتبہ صرف ایک چلو سے۔"

تشریح: اس حدیث کے پہلے جزو سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصمؓ، نے ہاتھوں کو دو مرتبہ دھویا حالانکہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں دوسری روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ہاتھ تین مرتبہ دھوتے تھے، اس سلسلہ میں علماء یہ تاویل کرتے ہیں کہ سُنّت تو تین ہی مرتبہ دھونا ہے مگر چونکہ دو مرتبہ بھی دھولینا جائز ہے اس لئے حضرت عبداللہ نے بیان جواز کے لئے اپنے ہاتھوں کو پہنچوں تک دو مرتبہ دھویا۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دو مرتبہ دھونا جائز ہے۔

اس سلسلہ میں مَرَّتَیْنِ کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے، حالانکہ ایک ہی مرتبہ لانا کافی تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لفظ مرتین صرف ایک ہی مرتبہ ذکر کیا جاتا تو اس سے یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ دونوں ہاتھ متفرق طور دو مرتبہ دھوئے ہوں گے، یعنی ایک مرتبہ ایک ہاتھ دھویا اور ایک مرتبہ ایک دھویا، لہٰذا اس وہم سے بچانے کے لئے مرتین کو دو مرتبہ ذکر کیا تاکہ یہ بات صاف ہو جائے کہ دونوں ہاتھ ملا کر دو مرتبہ دھوئے۔

سر کے مسح کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی تین انگلیاں سر کے آگے کی جانب رکھی جائیں اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو اور شہادت کی انگلیوں کو نیز ہتھیلیوں کو سر سے جدا رکھا جائے اس طرح ان چھ انگلیوں کو پیچھے گدی کی طرف لے جایا جائے پھر، دو ہتھیلیاں سر کے پچھلے حصّہ پر رکھ کر آگے کی طرف لائی جائیں اور پھر دونوں کانوں کے اوپر کے حصّہ پر دونوں انگوٹھوں سے اور کانوں کے دونوں سوراخوں میں شہادت کی انگلیوں سے مسح کیا جائے۔

وفی المتفق علیہ کے بعد جو روایتیں نقل کی گئی ہیں وہ صاحب مصابیح کی نقل کردہ نہیں ہیں بلکہ صاحب مشکوٰۃ نے ان کا اضافہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ماقبل کی روایت باوجود یکہ بخاریؒ و مسلمؒ میں منقول نہیں ہے مگر صاحب مصابیح نے انہیں صحاح یعنی فصل اوّل میں نقل کیا ہے اس لئے مصنف مشکوٰۃ ان روایتوں کا جو بخاریؒ و مسلم میں منقول ہیں آگے اضافہ کر دیا ہے تاکہ ترتیب صحیح رہے۔

بخاریؒ کی آخری روایت جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "پس کلی کی اور ناک جھاڑی تین مرتبہ ایک چلو سے" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہی چلو سے ناک میں تین مرتبہ پانی دے کر اسے جھاڑا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تین دفعہ میں ہر مرتبہ ایک ایک چلو سے ناک میں پانی دے کر اسے جھاڑا یعنی تین مرتبہ کے لئے تین ہی چلو بھی استعمال کئے۔

اس سلسلہ میں اتنی بات جان لینی چاہئے کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کے بارے میں مختلف احادیث منقول ہیں، چنانچہ بعض احادیث میں کلی کرنا اور پھر تین چلو سے ناک میں پانی دینا اور بعض روایات میں ایک ہی چلو سے فصل و وصل کے ساتھ منقول ہے یعنی تین چلو سے کلی کرنا اور پھر تین چلو سے ناک میں پانی دینا بھی حدیث سے ثابت ہے اور یہ دونوں ایک ہی چلو سے بھی ثابت ہے، اس طرح اسکی کئی صورتیں ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک قول صحیح کے مطابق یہ ہے کہ دونوں تین چلو میں کئے جائیں اس طرح کے پہلے ایک چلو پانی لیا جائے اور اس میں تھوڑے پانی سے کلی کر لی جائے اور بقیہ پانی ناک میں ڈالے پھر دوسرا چلو اور اور تیسرا چلو لے کر اسی طرح کیا جائے۔

حضرت امام اعظمؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہر ایک تین تین چلو سے کئے جائیں یعنی کلی کے لئے تین چلو استعمال کئے جائیں اور پھر ناک میں پانی دینے کے لئے بھی تین ہی چلو الگ سے استعمال کئے جائیں۔

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اس طریقہ کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ قیاس کے مطابق ہے اس لئے کہ منہ اور ناک دونوں علیحدہ علیحدہ عضو ہیں لہٰذا جس طرح دیگر اعضاء وضو کو جمع نہیں کیا جاتا اسی طرح ان دونوں عضو کو بھی جمع نہیں کیا جائے گا اور اصل فقہ کا یہ قاعدہ ہے کہ جو حدیث قیاس کے موافق ہو اسے ترجیح دی جائے۔

جہاں تک شوافع اور حنفیہ کے مذہب میں تطبیق کا تعلق ہے اس سلسلہ میں شمنی نے فتاویٰ ظہیریہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ امام اعظمؒ کے یہاں وصل بھی جائز ہے یعنی امام شافعیؒ کا جو مسلک ہے وہ امام اعظمؒ کے نزدیک بھی صحیح ہے، اسی طرح امام شافعیؒ کے یہاں فصل بھی جائز ہے، یعنی جو مسلک امام اعظمؒ کا ہے وہ امام شافعیؒ کا یہاں بھی صحیح اور جائز ہے۔

نیز ترمذیؒ حضرت امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کو ایک ہی چلو کے ساتھ جمع کرنا جائز ہے لیکن میں اسے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ ان دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ چلو استعمال کئے جائیں، اس قول سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہو گئی کہ حنفیہ اور شوافع کے مسلک میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔

(۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ يَزِدْ عَلٰى هٰذَا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا (یعنی تمام اعضاء وضو کو صرف ایک ایک مرتبہ دھویا) اور اس پر زیادہ نہیں کیا۔" (بخاریؒ)

(۵) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبداللہ[1] بن زیدؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے دو، دو مرتبہ وضو کیا (یعنی اعضاء وضو کو دو دو بار دھویا)۔" (بخاریؒ)

(۶) عَنْ عُثْمَانَ اَنَّهُ تَوَضَّأَ بِالْمَقَاعِدِ فَقَالَ اَلَا اُرِيْكُمْ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے مقام مقاعد میں وضو کیا اور کہا کہ کیا تمہیں آنحضرت ﷺ کا وضو نہ دکھلاؤں؟ چنانچہ انہوں نے تین تین مرتبہ وضو کیا (یعنی انہوں نے اعضاء وضو کو تین تین بار دھو کر بتایا کہ آنحضرت ﷺ اس طرح وضو فرماتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اعضاء وضو کو کبھی ایک ایک مرتبہ دھوتے تھے کبھی دو دو مرتبہ دھوتے تھے اور کبھی تین تین مرتبہ دھوتے تھے، اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ اکثر تین تین مرتبہ ہی دھوتے تھے۔

---

[1] اسم گرامی عبداللہ بن زید بن عبد ربہ ہے اور کنیت ابو محمد ہے آپ انصاری ہیں اور آپ صحابی ہیں۔ ۳۲ھ میں بعمر ۶۴ سال آپ کی وفات ہوئی۔

ان میں تطبیق اس طرح ہوگی کے آپ ﷺ کا اعضاء وضو کو کبھی کبھی ایک ایک مرتبہ دھونا بیان جواز کے لئے تھا یعنی اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ ایک ایک مرتبہ دھونا جائز ہے اور اس طرح وضو ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ادنیٰ درجہ ہے اور فرض بھی ایک ایک مرتبہ ہی دھونا ہے، اسی طرح دو دو مرتبہ بھی بیان جواز کے لئے دھوتے تھے کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے اور اکثر و بیشتر تین تین مرتبہ اس لئے دھوتے ہیں کہ یہ طہارت کا انتہائی درجہ ہے، لہٰذا اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھونا سُنّت ہے اور اس پر زیادتی کرنا منع ہے، بعض احادیث میں بعض اعضاء کو تین تین مرتبہ بعض اعضاء کو دو دو مرتبہ اور بعض اعضاء کو ایک ایک مرتبہ بھی دھونا ثابت ہے چنانچہ یہ سب طریقے بھی بیان جواز کے لئے ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھونا گناہ ہے کیونکہ اس طرح سُنّت مشہورہ ترک ہوتی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جب خود احادیث سے ایک ایک مرتبہ دھونا ثابت ہے تو اسے گناہ کہنا مناسب نہیں ہے۔

آخر حدیث کے یہ الفاظ کہ "تین تین مرتبہ وضو کیا" یعنی اعضاء وضو کو تین بار دھویا۔ اس سے بظاہر تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سر کا مسح بھی تین مرتبہ کیا ہوگا لیکن جن روایتوں میں اعضاء وضو کے دھونے کی تفصیل اور وضاحت کی گئی ہے جیسے کہ صحیحین کی روایتیں گزری ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سر کا مسح ایک ہی مرتبہ ہے۔

(۷) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَّكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِمَآءٍ بِالطَّرِيْقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّأُوْا وَهُمْ عُجَّالٌ فَانْتَهَيْنَا اِلَيْهِمْ وَاَعْقَابُهُمْ تَلُوْحُ لَمْ يَمَسَّهَا الْمَآءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کو واپس لوٹے یہاں تک کہ جس وقت ہم پانی پر پہنچے جو راستہ میں تھا تو کچھ لوگوں نے نماز عصر کے لئے وضو کرنے میں جلدی کی اور وہ لوگ بہت جلدی کرنے والے تھے، چنانچہ جب ہم ان لوگوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں (یعنی خشک رہ گئی تھیں کیونکہ) ان تک پانی نہیں پہنچا تھا (ان کی خشک ایڑیوں کو دیکھ کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ویل (خرابی) ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے! وضو کو پورا کرو۔" (مسلم)

تشریح: آن حضرت ﷺ صحابہ کی جماعت کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے واپس لوٹ رہے تھے درمیان سفر عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، راستہ میں ایک جگہ پانی کے قریب یہ قافلہ رک گیا، کچھ لوگ یہ سوچ کر کہ نماز عصر کا وقت ہو رہا ہے، وضو کرنے کے لئے پانی کی طرف لپکے چنانچہ وہ لوگ تیز چل کر اس جماعت سے جس میں خود آنحضرت ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ تھے آگے نکل گئے اور پانی پر پہلے پہنچ کر وقت کی تنگی کے سبب جلدی جلدی وضو کر لیا، جب آنحضرت ﷺ ان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ جلدی کی وجہ سے ان کی پیر پوری طرح دھلے نہیں ہیں جس کی وجہ سے ایڑیاں خشک رہ گئی ہیں، اسی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایڑیوں کے لئے ویل (خرابی ہے) آگ سے۔

بعض علماء نے "ویل" کے معنی "شدت عذاب" لکھے ہیں۔

کچھ علماء کی تحقیق ہے کہ "ویل" دوزخ میں پیپ اور لہو کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

بعض محققین لکھتے ہیں کہ "ویل" ایک ایسا کلمہ ہے جسے رنج رسیدہ شخص بولتا ہے اور اصل میں اس کی معنی "ہلاکت اور عذاب" کے ہیں۔

بہر حال ان تمام معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب اور صحیح یہ ہے کہ اس لفظ کا محل اصل ہی کو قرار دیا جائے۔ یعنی ایڑیوں کے لئے عظیم ہلاکت اور دردناک عذاب ہے" خاص طور پر ایڑیوں ہی کے لئے یہ وعید اس لئے ہے کہ وضو میں دھوئی نہیں گئی تھیں، جس کی بناء پر وہ خشک رہ گئی تھیں۔

گو! بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ "یہاں ایڑیوں سے مراد ایڑیوں والے ہیں" یعنی یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جن کی ایڑیاں وضو میں خشک رہ گئی تھیں۔

آخر میں آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ "وضو کو پورا کرو" یعنی وضو کے جو فرائض و سنن اور مستحبات و آداب ہیں ان سب کو پورا کرو اور سب کی ادائیگی کا خیال رکھو چنانچہ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ "(اعضاء وضو کا کوئی حصّہ) اگر ایک ناخون کے برابر بھی خشک رہ جائے گا تو وہ وضوء درست نہیں ہوگا۔"

یہ حدیث اس بات کے لئے دلیل ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے کیونکہ اگر پاؤں دھونا فرض نہ ہوتا تو ایڑیوں کے خشک رہ جانے کی وجہ سے اتنی بڑی وعید نہ فرمائی جاتی، چنانچہ ہر دور کے تمام علماء، اور فقہاء کا یہی عقیدہ اور مسلک رہا ہے کہ وضو میں پیروں کا دھونا فرض ہے صرف مسح کافی نہیں ہے، اس مسئلہ میں کسی بھی ایسے عالم کا اختلاف جو لائق اعتبار اور قابل استناد ہو ثابت نہیں ہے، نیز صحابہ کرامؓ جو آنحضرت ﷺ کے وضو کی کیفیت و تفصیل بیان کرتے ہیں جیسے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ جنہیں حاکی یعنی آنحضرت ﷺ کے وضو کو بیان کرنے والا کہا جاتا ہے یا اسی طرح حضرت جابرؓ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ وضو میں اگر موزہ پہنے ہوئے نہیں ہوتے تو پیر مبارک دھویا ہی کرتے تھے۔

پھر ایسی بے شمار احادیث جو مرتبہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں منقول ہیں جن سے وضو میں پیروں کا دھونا ہی ثابت ہے اور اس کے ترک کرنے پر وعید بے شمار احادیث میں مذکور ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "صحابہؓ پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے (پیروں کو دھو کر) وضو کو پورا کرنے کا حکم فرمایا اور اس کے ترک پر وعید فرمائی چنانچہ صحابہؓ نے مسح چھوڑ دیا اور وہ منسوخ ہو گیا۔

امام طحاویؒ، حضرت عبدالملک بن سلیمانؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء خراسانیؒ سے جو جلیل القدر تابعی ہیں، پوچھا کہ کیا آپ کو کوئی ایک روایت بھی ایسی ملی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ آنحضرت ﷺ کا کوئی بھی صحابی، اپنے پیروں پر مسح کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم! نہیں۔"

بہر حال اس سلسلہ میں خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وضو میں پیر کے بارے میں جو حکم قرآن مجید میں مذکور ہے وہ مجمل اور مشتبہ ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی سُنّت نے خواہ وہ قولی ہو یا فعلی اور جو حد شہرت و تواتر کو پہنچتی ہے اس کی تشریح اور وضاحت کر دی ہے کہ قرآن پاک میں اس حکم سے خدا کی مراد یہ ہے کہ وضو میں پاؤں کو دھونا چاہئے لہٰذا پاؤں کو دھونا ہی فرض ہے۔

جہاں تک شیعہ فرقہ کے مسلک و معمول کا تعلق ہے کہ وہ لوگ وضو میں پیروں پر مسح کرتے ہیں، اس بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ انتہائی گمراہی میں مبتلا ہیں اور آنحضرت ﷺ کی اتنی زیادہ تفصیل و تشریح اور اتنے کھلے ہوئے حکم کے باوجود ان کا پیروں کا نہ دھونا انتہائی غلط اور غیر شرعی فعل ہے۔ واللہ اعلم۔

(۸) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کے سرکار دوعالم ﷺ نے وضو کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی پیشانی کے بالوں کے اوپر پگڑی پر اور موزوں پر مسح کیا۔" (مسلم)

تشریح: سر کے مسح کی مقدار میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے، حضرت امام

ؔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعبہ کے لڑکے ہیں آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور ابوعیسیٰ ہے آپنے بعمر ستر سال پچاس ہجری میں انتقال فرمایا۔

شافعیؒ کے نزدیک سر کے کچھ حصہ کا مسح کافی ہے خواہ وہ تین بال ہی کیوں نہ ہوں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، حضرت امام اعظمؒ کی دلیل یہی حدیث ناصیہ (ناصیہ سر کے آگے کی جانب چوتھائی حصّہ کو کہتے ہیں) اسی بنا پر حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ دو ہی شکلیں ہو سکتی ہیں، اوّل تو یہ کہ امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق مسح پورے سر کا فرض ہو، مگر یہ ظاہر ہے کہ پورے سر کا مسح اگر فرض ہوتا تو پھر آنحضرت ﷺ مسح ناصیہ پر ہی اکتفانہ فرماتے، بلکہ ادائے فرض کے لئے پوری ہی سر کا مسح فرماتے، لہٰذا معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح تو فرض ہے نہیں، دوسری شکل یہ ہے کہ چوتھائی سر سے بھی کم پر مسح فرض ہو جیسا کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے، اس سلسلہ میں بھی یہی بات ہے کہ اگر چوتھائی سر سے کم پر بھی مسح فرض ہوتا تو آنحضرت ﷺ بیان جواز کے لئے اسے بھی اختیار فرماتے مگر یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے چوتھائی سر سے کم پر کبھی مسح نہیں کیا ہے۔ لہٰذا اس سے بھی یہ بات ثابت ہوگئی کہ مسح چوتھائی سر کا ہی فرض ہے۔

پگڑی پر مسح کرنے کے معنی شارحین نے یہ لکھے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے چوتھائی سر کا مسح جو فرض ہے کر لیا تو تکمیل وضو اور ادائے سُنّت کے لئے (کہ تمام سر کا مسح کرنا سُنّت ہے) بجائے اس کے سر کے بقیہ حصہ پر مسح فرماتے، سر کے اوپر بندھی ہوئی پگڑی پر مسح کر لیا۔ بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پگڑی پر مسح کیا ہی نہ ہو بلکہ چوتھائی سر پر مسح کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی پگڑی کو درست کیا ہو، راوی نے اس سے گمان کر لیا کہ آنحضرت ﷺ نے پگڑی پر بھی مسح کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس سلسلہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ بغیر سر کا مسح کیا ہوئے صرف پگڑی پر مسح کر لینا امام اعظمؒ، امام شافعیؒ امام مالکؒ تینوں کے نزدیک مطلقاً درست نہیں ہے مگر امام احمدؒ کے نزدیک اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ پگڑی طہارت کے بعد پہنی ہو اور پگڑی نے پورے سر کو ڈھانک لیا ہو جیسا کہ موزہ پر مسح کرنے کا مسئلہ ہے۔

(۹) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي شَانِهٖ كُلِّهٖ فِي طُهُوْرِهٖ وَتَرَجُّلِهٖ وَتَنَعُّلِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ حتی الامکان اپنے تمام کاموں کو سیدھے ہاتھ سے شروع کرنا محبوب رکھتے تھے (مثلاً) اپنی طہارت میں، اپنا جوتا پہننے میں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں اچھے کاموں کو داہنے ہاتھ سے شروع کرنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے بارے میں اسے پسند فرماتے اور عزیز رکھتے تھے کہ جہاں تک اپنا بس چلے تمام کام داہنے ہاتھ سے انجام دیئے جائیں چنانچہ لفظ ما استطاع (حتی الامکان) سے اسی محافظت اور تاکید کی طرف اشارہ ہے۔

"طہارت" دائیں طرف سے شروع کرنے کی یہ شکل تھی کہ وضو میں دایاں ہاتھ اور دایاں پیر پہلے دھوتے تھے اور بایاں ہاتھ و بایاں پیر بعد میں دھوتے تھے، اسی طرح نہانے کے وقت دائیں جانب پہلے دھوتے اور بائیں جانب بعد میں دھوتے تھے۔

بہر حال اس حدیث میں تین چیزیں ذکر کی گئی ہیں، جو مثال کے طور پر ہیں ورنہ تو ہر وہ چیز جو از قبیل بزرگی ہوتی تھی اسے آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے شروع کرتے تھے، جیسے کپڑے پہننا، ازار زیب تن کرنا، موزہ پہننا، مسجد میں داخل ہونا، مسواک کرنا، بیت الخلاء سے باہر آنا (یعنی بیت الخلاء سے پہلے دایاں پیر باہر نکالتے تھے، سرمہ لگانا، ناخون کتروانا، بغل کے بال صاف کرنا، لب کے بال کتروانا، سر منڈوانا، زیر ناف بال صاف کرنا، مصافح کرنا، کھانا پینا اور کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح جو چیز از قبیل بزرگی نہیں ہیں ان کو بائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے، مثلاً بیت الخلاء (یعنی بیت الخلاء میں پہلے بایاں پیر رکھنا، بازار میں جانا، مسجد سے نکلنا، ناک سنکنی تھوکنا استنجاء کرنا اور کپڑے اور جوتے اتارنا یا ایسے ہی دوسرے کام، ان کاموں کو بائیں طرف سے شروع کرنے میں ایک لطیف اور پر حقیقت نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ ایسی چیزوں کی ابتداء بائیں طرف کرنے کی وجہ سے دائیں طرف کی تکریم و احترام کا مظاہرہ ہوتا ہے مثلاً جب کوئی شخص مسجد سے نکلتے وقت پہلے بایاں قدم باہر نکالے گا تو دائیں قدم کی تکریم ہوئی باس طور کہ

دایاں قدم محترم جگہ میں باقی رہا۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان کے ہمراہ جو دو فرشتے ہوتے ہیں ان میں سے دائیں ہاتھ کا فرشتہ دائیں طرف کی فضیلت و احترام کی بناء پر بائیں ہاتھ کے فرشتے پر شرف و فضیلت رکھتا ہے، نیز اسی نقطہ کے پیش نظر کہا جاتا ہے کہ دائیں طرف کا ہمسایہ بائیں طرف کے ہمسایہ پر مقدم ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

⑩ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسْتُمْ وَ اِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَأُوْا بِأَیَامِنِکُمْ۔

(رواہ احمد و ابوداؤد)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب تم لباس (وغیرہ) پہنو یا وضو کرو تو اپنے دائیں طرف سے شروع کو۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

⑪ وَعَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَرَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوُدَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَالدَّارِمِیُّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنْ اَبِیْہِ وَزَادَ فِیْ اَوَّلِہٖ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّا وُضُوْءَ لَہٗ)

"اور حضرت سعیدؓ بن زیدؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس شخص نے (وضو کے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا اس کا وضو نہیں ہوا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) اور احمدؒ و ابوداؤد نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہؓ سے اور دارمیؒ نے ابوسعید خدریؓ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، نیز ان لوگوں نے اپنی روایت کے شروع میں یہ الفاظ زائد ذکر کئے کہ "اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے وضو نہیں کیا")

تشریح: اس حدیث سے وضو کے ابتداء میں بسم اللہ کہنے کی فضیلت و اہمیت کا اظہار ہو رہا ہے، حدیث کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے ابتداء وضو میں اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا یعنی بسم اللہ نہیں کہی تو اس کا وضو درجہ تکمیل کو نہ پہنچا جس کی بنا پر اسے ثواب نہیں ملا۔ ویسے اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام احمدؒ کے نزدیک ابتداء وضو میں بسم اللہ کہنا واجب ہے، مگر جمہور علماء کے نزدیک سنت یا مستحب ہے۔

ابتداء وضو میں علماء سلف سے یہ الفاظ کہنے منقول ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ بعض علماء نے کہا ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھنے کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا افضل ہے اور مشہور یہ الفاظ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ۔

روایت کے آخر میں ایک لفظی غلطی ہے، جو ہو سکتا ہے کہ کاتب وغیرہ کا سہو ہو یعنی آخر میں یہ الفاظ ذکر کئے گئے ہیں والدارمی عن ابی سعید الخدری عن ابیہ غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی دارمیؒ نے اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے اور ابی سعید نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے۔

⑫ وَعَنْ لَقِیْطِ بْنِ صَبِرَۃَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَیْنَ الْاَصَابِعِ وَ بَالِغْ فِی الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ صَائِمًا۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِیُّ اِلٰی قَوْلِہٖ بَیْنَ الْاَصَابِعِ)

---

[1] اسم گرامی سعید بن زید اور کنیت ابوالاعور ہے آپ قریشی عدوی ہیں اور آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں آپ کا انتقال ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں بعمر ۷۰ سال بمقام عقیق ہوا۔

"اور حضرت لقیط بن صبرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے وضو کے بارے میں آگاہ فرمائیے" آپ ﷺ نے فرمایا "تم وضوء کو پورا کرو، انگلیوں میں خلال کرو، اور اگر تمہارا روزہ نہ ہو تو ناک میں اچھی طرح پانی پہنچاؤ۔" (ابوداؤدؒ، دارمیؒ) نسائیؒ ابن ماجہ" اور دارمیؒ نے اس حدیث کو بَيْنَ الاَصَابِعِ تک روایت کیا ہے)

تشریح: سوال کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ مجھے کمال وضو کا طریقہ بتا دیجئے تاکہ اسے اختیار کر کے ثواب کا مستحق ہو سکوں اس، کا جواب آپ ﷺ نے یہ دیا کہ وضو کو پورا کرو، یعنی وضو کے جو فرائض اور سنن و مستحبات ہیں انہیں پورا اور ادا کرو۔

وضو میں انگلیوں کے درمیان خلال کرنا حضرت امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سُنّت ہے مگر یہ حکم اس شکل میں ہے جبکہ انگلیاں خلقی اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا اور کشادہ ہوں لیکن آپس میں اگر اس طرح ملی ہوں کہ آسانی اور بے تکلفی سے پانی اُنکے درمیان نہ پہنچا ہو تو پھر انگلیوں کے درمیان خلال کرنا واجب ہو گا۔

حنفیہ کے یہاں انگلیوں کے درمیان خلال کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کیا جائے۔ یہی طریقہ اولیٰ ہے۔

پاؤں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے کرنا چاہئے اس طرح کہ اسے دائیں پاؤں کی چھنگلیا کے نیچے داخل کر کے خلال کرنا شروع کیا جائے، یہاں تک کہ بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کیا جائے۔

ناک میں پانی دینے کی حد یہ ہے کہ پانی نرمۂ ناک تک پہنچایا جائے اور اس میں مبالغہ جو حدیث کا منشا ہے یہ ہے کہ پانی اس سے بھی آگے گزر جائے، مگر جیسا کہ خود حدیث نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ مبالغہ یعنی نرمہ ناک سے بھی آگے پانی پہنچانا اس وقت ہے جب کہ وضو کرنے والا روزہ دار نہ ہو، اگر وضو کرنے والا روزہ دار ہو تو پھر اس کے لئے یہ مبالغہ مکروہ ہے۔

اس موقع پر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک وضو میں سُنّت ہے اور غسل میں فرض مگر امام شافعیؒ کے نزدیک غسل اور وضو میں یہ دونوں چیزیں سُنّت ہیں۔

⑬ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا "جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں اور اپنے پیروں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرو۔" (ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔)

تشریح: ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان خلال تو ہاتھوں کو دھونے کے بعد کرنا چاہئے اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال پاؤں کو دھونے کے بعد کرنا چاہئے، یہی طریقہ افضل اور اولیٰ ہے۔

⑭ وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهٖ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت مستوردؓ[1] بن شدادؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو دیکھا جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو اپنے پاؤں کی انگلیوں کو (بائیں ہاتھ کی) چھنگلیا، سے ملتے (یعنی پاؤں کی انگلیوں کے درمیان بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے خلال فرماتے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: لفظ یدلک کا مطلب یہ ہے کہ "آپ (بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان) خلال کرتے تھے۔" چنانچہ اس کی

---

[1] حضرت مستورد رضی اللہ تعالیٰ عنہ شداد کے بیٹے اور فہری قریشی ہیں اور آپ صحابی ہیں۔

تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جسے امام احمدؒ نے روایت کیا ہے جس میں لفظ (یعنی خلال کرتے تھے) صراحت کے ساتھ آیا ہے اس شکل میں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرنا مستحب ہے یا یدلک کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ (اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلیا پاؤں کی انگلیوں پر) پھیرتے تھے، اس صورت میں یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ تمام اعضاء کا ملنا مستحب ہے۔

⑮ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ اَخَذَ كَفًّا مِنْ مَّاءٍ فَاَدْخَلَهٗ تَحْتَ حَنَكِهٖ فَخَلَّلَ بِهٖ لِحْيَتَهٗ وَقَالَ هٰكَذَا اَمَرَنِيْ رَبِّيْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ جب وضو فرماتے تو ایک چلو پانی لیتے، پھر اسے اپنی ٹھوڑی کے نیچے پہنچاتے اور اس سے اپنی داڑھی میں خلال کرتے اور پھر فرماتے کہ میرے پروردگار نے (وحی خفی کے ذریعہ) اسی طرح سے حکم فرمایا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: وضو میں داڑھی کا اس طرح خلال کرنا مستحب ہے، یہ خلال منہ دھونے کے بعد کرنا چاہئے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ انگلیاں داڑھی کے نیچے سے داخل کر کے اوپر کی طرف کو باہر نکالی جائیں۔

⑯ وَعَنْ عُثْمَانَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهٗ۔ (رواہ الترمذی و الدارمی)

"اور حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ (وضو کرتے وقت) اپنی داڑھی میں خلال کرتے تھے۔" (ترمذیؒ، دارمیؒ)

⑰ وَعَنْ اَبِيْ حَيَّةَ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ حَتّٰى اَنْقَاهُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلاَثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلاَثًا وَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلاَثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلاَثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طَهُوْرِهٖ فَشَرِبَهٗ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ طُهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

"اور حضرت ابو حیہؒ[1] فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو دھویا یہاں تک کہ انہیں پاک کیا، پھر تین مرتبہ کلی کی، تین مرتبہ ناک میں پانی دیا، تین مرتبہ اپنا منہ دھویا، تین مرتبہ دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، ایک مرتبہ اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے، پھر کھڑے ہوئے اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے کھڑے پی لیا اور پھر فرمایا کہ میں نے یہ پسند کیا کہ تمہیں دکھاؤں کہ آنحضرت ﷺ کا وضو کس طرح تھا۔" (ترمذیؒ، نسائیؒ)

تشریح: وضو کے بچے ہوئے پانی میں چونکہ برکت آجاتی ہے اس لئے حضرت علیؓ نے وضو کے بقیہ پانی کو پی لیا، چنانچہ حصول برکت کے لئے وضو کے بقیہ پانی کو پی لینا چاہئے، یہ پانی کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے۔

⑱ وَعَنْ عَبْدِ خَيْرٍ قَالَ نَحْنُ جُلُوْسٌ نَنْظُرُ اِلٰى عَلِيٍّ حِيْنَ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى فَمَلَأَ فَمَهٗ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَنَثَرَ بِيَدِهِ الْيُسْرٰى فَعَلَ هٰذَا ثَلاَثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى طُهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهٰذَا طُهُوْرُهٗ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت عبد خیرؒ[2] فرماتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے چنانچہ انہوں نے برتن میں داہنے ہاتھ سے پانی لیا اور منہ میں بھر کر کلی کی اور ناک میں پانی دیا اور بائیں ہاتھ سے ناک سنکی، اسی طرح تین مرتبہ کیا پھر فرمایا "جس کے لئے یہ بات خوش کن ہو کہ وہ سرکار دوعالم ﷺ کے وضو کو دیکھے تو (وہ دیکھے کہ) آنحضرت ﷺ کا وضو یہ ہے (یعنی اس طرح آپ ﷺ وضو فرماتے تھے)۔" (دارمیؒ)

---

[1] اسم گرامی عمرو بن نصر انماری الہمدانی اور کنیت ابو عیسیٰ سے مشہور ہیں تابعی ہیں۔

[2] اسم گرامی عبد خیر یزید اور کنیت ابو عمارہ ہمدانی ہے، آپ تابعی ہیں کوفہ میں سکونت پزیر تھے۔

تشریح: یہاں راوی کا مقصد یہ تھا کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کی کیفیت بیان کرے اس لئے انہوں نے صرف اسی قدر بیان کیا، باقی وضو چونکہ معلوم تھا اس لئے اسے بیان نہیں کیا۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَّاحِدٍ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی دیا اور تین مرتبہ اسی طرح کیا۔" (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ میں دو احتمال ہیں یعنی اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ آپ نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی دیا اور اس طرح تین مرتبہ کیا یا یہ کہ تین چلو سے تین مرتبہ کلی کی اور پھر تین چلو سے تین مرتبہ ناک میں پانی دیا۔ دوسرے معنی زیادہ مناسب اور اکثر روایات کے مطابق ہیں۔

ان کے علاوہ ایک تیسرا احتمال اور بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے ایک ہی چلو سے تین مرتبہ کلی کی اور ناک میں پانی بھی دیا، دوسرا چلو نہیں لیا۔ یہی تمام احتمالات اس سے پہلے گزرنے والی حدیث میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَاُذُنَيْهِ بَاطِنَهُمَا بِالسَّبَابَتَيْنِ وَظَاهِرَهُمَا بِاِبْهَامَيْهِ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا اور کانوں کے اندر کا مسح اپنی شہادت کی انگلیوں سے اور اوپر کا انگوٹھوں سے کیا۔" (نسائی)

(۲۱) وَعَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّهَا رَاَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ قَالَتْ فَمَسَحَ رَأْسَهٗ مَا اَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا اَدْبَرَ وَصُدْغَيْهِ وَاُذُنَيْهِ مَرَّةً وَّاحِدَةً وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ جُحْرَيْ اُذُنَيْهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى وَاَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ الثَّانِيَةَ)

"اور حضرت ربیع[1] بنت معوذؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کو وضو کرتے دیکھا چنانچہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے سر کے اگلے حصہ پر، پچھلے حصہ پر، کنپٹیوں پر اور کانوں پر ایک مرتبہ مسح کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کیا چنانچہ (مسح کے لئے) اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں میں داخل کیا۔" (ابوداؤد) ترمذی نے پہلی حدیث کو اور ابن ماجہؒ نے دوسری حدیث کو روایت کیا ہے۔)

تشریح: لفظ صُدْغَيْهِ اور اُذُنَيْهِ لفظ رَأْسَهٗ پر عطف ہیں اسے عطف خاص علی العام کہتے ہیں یعنی سر کے پانی کے ساتھ مسح کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب آپ ﷺ نے ہاتھ پر پانی لے کر سر کا مسح کیا تو اسی پانی سے کنپٹیوں اور کانوں پر بھی مسح کر لیا ان دونوں کے مسح کے لئے علیحدہ سے پانی نہیں لیا، چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک یہی ہے۔

صدغ کان اور آنکھ کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں اردو میں کنپٹی کہا جاتا ہے، نیز جو بال اس جگہ پر لٹکتے رہتے ہیں اسے بھی صدغ کہتے ہیں۔ (قاموس) اور (ابن مالکؒ نے کہا ہے کہ صدغ ان بالوں کو کہتے ہیں جو سر کے دونوں طرف کان اور ناصیہ (پیشانی کے بال) کے درمیان ہوتے ہیں، یہی معنی حنفی مسلک کے مطابق اور مناسب ہیں۔

شرح السنۃ میں منقول ہے کہ علماء کے یہاں مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تین مرتبہ مسح کرنا سنت ہے یا نہیں؟ چنانچہ اکثر علماء یہ کہتے ہیں

---

[1] اسم گرامی ربیع ہے معوذ کی لڑکی ہیں، آپ جلیل القدر صحابیہ ہیں اور انصاریہ ہیں آپ بیعت رضوان میں بھی شامل تھیں۔

کہ مسح ایک ہی مرتبہ کرنا چاہئے، یہی مسلک حضرت امام اعظمؒ، امام احمدؒ، امام ملکؒ کا ہے۔ امام شافعیؒ کے مذہب میں یہ مشہور ہے کہ تین مرتبہ مسح اس طرح کرنا کہ ہر مرتبہ نیا پانی لیا جائے سُنّت ہے، چنانچہ اکثر علماء کا یہی خیال ہے مگر خود امام شافعیؒ تین مرتبہ مسح کرنے کو مستحب کہتے ہیں، امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں) حضرت عثمانؓ سے جو احادیث مروی ہیں وہ سب صحیح ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسح ایک ہی مرتبہ کرنا چاہئے۔

شمنیؒ کہتے ہیں کہ ہر دفعہ نئے پانی کے ساتھ تین مرتبہ کرنا بدعت ہے مگر ہدایہ میں لکھا ہے کہ ایک ہی پانی سے تین مرتبہ مسح کرنا مشروع ہے اور یہ امام اعظمؒ سے بھی منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَاَنَّهُ مَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ زَوَائِدَ)

"اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے سر کا مسح اس پانی سے کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا نہ تھا (یعنی نیا پانی لے کر مسح کیا)۔" (ترمذیؒ، مسلمؒ اور مسلم نے اس روایت کو زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جس میں دیگر اعضاء وضو کے دھونے کا بھی ذکر ہے۔)

تشریح: فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مثلاً ایک شخص نے وضو کے وقت ہاتھ دھویا اور ہاتھ دھونے کے بعد جو تری اس کے ہاتھوں میں باقی رہ گئی تھی تو اس سے سر کا مسح کر لیا تو مسح ہو جائے، اور اگر کسی عضو پر مسح کرنے کے بعد اس کے ہاتھوں میں تری رہ گئی تو اس سے سر کا مسح کیا تو یہ درست نہیں ہوگا۔ اس سلسلہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی ایک حدیث بھی نقل کی جاتی ہے، نیز اس مذکورہ حدیث کو بھی ابن لہیعہ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے جس میں بماء غیر فضل یدیه کے بجائے یہ الفاظ ہیں بماء غبر من فضل یدیه یعنی لفظ غبر با کے ساتھ غبر ہے جس کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ اس پانی کے ساتھ مسح کیا جو ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھ میں باقی رہ گیا تھا، یعنی مسح کے لئے از سر نو پانی نہیں لیا بلکہ پورے ہاتھ دھونے کے بعد جو تری ہاتھوں میں رہ گئی تھی اس سے مسح کر لیا۔ اس طرح حدیث کے معنی بالکل برعکس ہو گئے کیونکہ اس حدیث کے الفاظ سے جو یہاں نقل کی گئی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سر کا مسح ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی سے نہیں کیا بلکہ نیا پانی لے کر کیا لیکن مذکورہ بالا شکل میں صرف ایک نقطہ کے تغیر سے معنی بالکل برعکس ہو گئے۔

مگر جہاں تک سوال کی تحقیق کا ہے تو بات یہی ہے کہ حدیث یہ صحیح ہے جو یہاں نقل کی گئی ہے، لہٰذا۔ اولیٰ یہ ہو اگر مسح کے لئے نیا پانی لیا جائے اور یہ بھی جائز ہو کہ ہاتھ کے باقی بچے ہوئے پانی سے مسح کیا جا سکتا ہے۔

(۲۳) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ ذَكَرَ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ يَمْسَحُ الْمَاقَيْنِ وَقَالَ الْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَذَكَرَا قَالَ حَمَّادٌ لَا اَدْرِيْ الْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ مِنْ قَوْلِ اَبِيْ اُمَامَةَ اَمْ مِنْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

"اور حضرت ابوامامہؓ نے سرکار دوعالم کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "آپ ﷺ آنکھ کے کونوں کو بھی ملا کرتے تھے اور کہا کہ دونوں کان بھی سر میں داخل ہیں" (ابی داؤدؒ، ترمذیؒ) اور ابوداؤدؒ و ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے کہ حماد نے کہا "میں یہ نہیں جانتا کہ اُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ (یعنی دونوں کان سر میں داخل ہیں) ابوامامہؓ کا اپنا قول ہے یا آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔"

تشریح: "ماق" ناک کی طرف کے گوشہ چشم کو کہتے ہیں (قاموس) اور جوہریؒ نے لکھا ہے کہ "ماق" دونوں طرف کے گوشہ چشم کو کہتے ہیں، لہٰذا اولیٰ یہی ہے کہ دونوں طرف کے گوشہ چشم (کونوں) کو منہ دھوتے وقت ملنا مستحب ہے تاکہ آنکھ کے اندر کا میل کچیل جو گوشۂ چشم میں جمع ہو جاتا ہے، ملنے سے نکل جائے اور آنکھیں صاف ہو جائیں۔

روایت کے اس جز الاذنان من الراس (دونوں کان سر میں داخل ہیں) سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ کانوں کا مسح بھی سر کے مسح کے ساتھ کرنا چاہئے، دوسرے یہ کہ سر کے مسح کے لئے جو پانی لیا ہے اسی پانی سے کانوں کا مسح بھی کر لیا جائے کانوں کے مسح کے لئے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ پہلے حکم پر تو چاروں ائمہ متفق ہیں، دوسرے حکم میں کچھ اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ تینوں کا مسلک یہ ہے کہ کانوں کا مسح سر کے مسح کے بچے ہوئے پانی سے ہی کر لینا چاہئے، اس کے لئے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے، اس مسلک کی تائید بھی کثیر احادیث سے ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ کانوں کا مسح نئے پانی سے کرنا چاہئے یعنی سر کے مسح کے بچے ہوئی پانی سے کانوں کا مسح کرنا کافی نہ ہوگا، چنانچہ ایک حدیث بھی اس سلسلہ میں منقول ہے جو امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید کرتی ہے۔

بہر حال یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت اکثر و بیشتر سر اور کانوں کا مسح ایک ہی پانی سے کرتے ہوں گے، مگر ایسی شکل میں جب کہ ہاتھ میں تری باقی نہ رہتی ہوگی کبھی کبھی کانوں کے مسح کے لئے لیتے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

(۲۴) وَعَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهٗ عَنِ الْوُضُوْءِ فَاَرَاهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَآءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ۔

(رواہ النسائی وابن ماجۃ وروی ابوداؤد معناہ)

"اور حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ "ایک دیہاتی آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے وضو کی کیفیت پوچھی چنانچہ آپ ﷺ نے اسے اعضاء وضو کو تین مرتبہ دھو کر دکھلایا اور فرمایا کہ (کامل) وضو اس طرح ہے لہٰذا جس نے اس پر زیادہ کیا (یعنی تین مرتبہ سے زیادہ دھویا) اس نے برا کیا، تعدی کی اور ظلم کیا۔" (نسائی وابن ماجہؒ) اور ابوداؤد نے بھی اسی مطلب کی حدیث روایت کی ہے۔)

تشریح: آپ ﷺ نے سائل کے جواب میں اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھو کر دکھایا اور اسے بتادیا کہ اگر تم کامل وضو چاہتے ہو اور اس پر ثواب کے متمنی ہو تو پھر وضو اسی طرح کرو۔ اس پر زیادتی کرنا یعنی اعضاء وضو کو تین مرتبہ سے زیادہ دھونا وضو کرنے والے کے حق میں کوئی مفید بات نہیں ہوگی بلکہ نقصان دہ ہوگی چنانچہ آپ ﷺ نے ایسے شخص کے بارے میں تین الفاظ، استعمال فرمائے ہیں۔

(۱) برا کیا۔ اس لئے کہ اس نے سُنّت کو ترک کیا۔

(۲) تعدی کی۔ یعنی زیادتی کر کے حدود سنت سے تجاوز کیا۔

(۳) ظلم کیا۔ یعنی آنحضرت ﷺ کے طریقہ اور سُنّت کے خلاف عمل کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا۔

(۲۵) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْمُغَفَّلِ اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنَهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الْقَصْرَ الْاَبْيَضَ عَنْ يَمِيْنِ الْجَنَّةِ قَالَ اَيْ بُنَيَّ سَلِ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَتَعَوَّذْ بِهٖ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ فِي الطُّهُوْرِ وَالدُّعَآءِ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔ "اے اللہ میں تجھ سے جنت کی دائیں طرف سفید محل مانگتا ہوں" تو انہوں نے کہا "اے میرے بیٹے! تم خدا سے جنت مانگو اور (دوزخ کی) آگ سے پناہ چاہو۔" میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "عنقریب اس اُمّت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو طہارت اور دعا میں غلو کریں گے۔"

(احمدؒ، ابن ماجہؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: صاحبزادہ کو عبداللہ بن مغفل کی تنبیہ کا مقصد یہ تھے کہ تم جس طرح اور جن قیود کے ساتھ دعا مانگ رہے ہو یہ غلط اور شان عبودیت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ایک طرف اگر تحکم کا پہلو ہے تو دوسری طرف بہشت میں ایک مخصوص صفت کی طلب یا کسی مخصوص جگہ کا تعین ایک لایعنی اور نامناسب چیز ہے۔ ہاں۔ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ تم خدا سے صرف بہشت مانگو اور دوزخ کی آگ سے پناہ چاہو۔ اب آگے خدا کا کام ہو گا کہ وہ جنت میں اپنے فضل و کرم سے تمہیں مراتب و درجات کی جس بلندی پر چاہے گا پہنچائے گا۔

حد سے تجاوز اور غیر مطلوب زیادتی ہر چیز میں ناپسندیدہ اور غیر مناسب ہو، خواہ وہ چیز شریعت کا مطلوب ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، اور لسان نبوت سے پیشگوئی کی جا رہی ہے کہ اس امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خدا کے رسول کے بتائے ہوئے راستہ سے الگ ہو کر اور حدود شریعت سے تجاوز کر کے طہارت اور دعاء میں زیادتی کریں گے۔

"طہارت میں زیادتی" یہ ہے کہ اعضاء وضو کو مسنون طریقہ سے قطع نظر تین مرتبہ سے زیادہ دھویا جائے، پانی ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے یا اعضاء وضو کو دھونے میں اتنا مبالغہ ہو کہ وہ وہم و وسواس کی حد تک پہنچ جائے۔

"دعا میں زیادتی" یہ ہے کہ دعا اس انداز اور اس طریقہ سے مانگی جائے جس سے بے ادبی کا اظہار ہوتا ہو اور وہ شان عبودیت کے خلاف ہو، یا دعا میں غیر ضروری و نامناسب قیود لگائی جائیں یا ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے جو انسانی اعتبار سے احاطہ امکان سے خارج اور عادۃً محال ہوں۔"

(۲۶) وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَیْطَانًا یُقَالُ لَہُ الْوَلْھَانُ فَاتَّقُوْا وَسْوَاسَ الْمَآءِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَلَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِالْقَوِیِّ عِنْدَ اَھْلِ الْحَدِیْثِ لِاَنَّا لَا نَعْلَمُ اَحَدًا اَسْنَدَہٗ غَیْرَ خَارِجَۃَ وَھُوَ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ عِنْدَ اَصْحَابِنَا۔

"اور حضرت ابی بن کعبؓ سرکار دو عالم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "وضو کا ایک شیطان ہے جسے "ولہان" کہا جاتا ہے لہٰذا پانی کے وسوسہ سے بچو" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور محدثین کے نزدیک اس کی اسناد قوی نہیں ہے اس لئے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ خارجہ (ایک عالم) کے علاوہ کسی نے اس کی سند بیان کی ہو اور وہ (خارجہ) ہمارے محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔"

تشریح: "ولہان" کے معنی ہیں عقل کا جاتے رہنا اور متحیر ہونا۔ یہ نام اس شیطان کا اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کر کے انہیں متحیر اور بے عقل کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وضو کرنے والا اس کے چکر میں پھنس کر وہم میں مبتلاء ہو جاتا ہے کہ وہ جب وضو کرتا ہے تو یہ وسوسے اس کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ نامعلوم فلاں عضو پر ٹھیک سے پانی پہنچا ہے یا نہیں؟ فلاں عضو کو ایک مرتبہ دھویا ہے یا دو مرتبہ؟

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "پانی کے وسوسہ سے بچو" یعنی وضو کے وقت پانی استعمال کرنے میں جب اس قسم کے وسوسے اور وہم پیدا ہوں تو انہیں قائم نہ رہنے دو بلکہ انہیں اپنے دل سے باہر نکال پھینکو تاکہ حدود سنت سے تجاوز نہ کر سکو، کیونکہ اس شیطان کا مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ وضو کرنے والا ان وسوسوں اور اوہام میں مبتلاء ہو کر اعضاء وضو کو تین مرتبہ سے بھی زیادہ دھوڈالے یا ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرے جس کی بنا پر وہ مسنون طریقہ سے ہٹ جائے۔

(۲۷) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاَ مَسَحَ وَجْھَہٗ بِطَرَفِ ثَوْبِہٖ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو اپنے کپڑے کے کونے سے اپنے منہ پونچھتے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: جب آپ وضو سے فارغ ہو جاتے تو پانی خشک کرنے کے لئے اپنے کپڑے یعنی چادر وغیرہ کے کونے سے اپنا منہ پونچھ لیتے تھے۔ زیلعیؒ نے شرح کنز میں لکھا ہے کہ وضو کے بعد رومال سے (پانی) خشک کر لینا جائز ہے چنانچہ جیسا کہ حضرت عثمان، حضرت انس، اور حسن ابی علیؓ کے بارے میں بھی یہی منقول ہے اور اس کے بعد آنے والی حدیث بھی اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے، صاحب منیہ نے وضو کے بعد اعضاء وضو کو پونچھنا مستحب لکھا ہے۔

حنفی مسلک کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ وضو کے بعد پانی کو خشک کرنے کے لئے اعضاء وضو کو (کسی کپڑے یا رومال اور تولیہ وغیرہ سے) پوچھنا اگر از راہ تکبر و غرور ہو تو مکروہ ہے اور غرور و تکبر کی بنا پر نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے مذہب میں نہ تو وضو کرنے والے کے لئے اور نہ غسل کرنے والے کے لئے کپڑے سے پانی کو خشک کرنا سُنّت ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب وضو فرما چکے تو اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ ایک رومال لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تاکہ آپ ﷺ اس سے بھیگے ہوئے اعضاء پونچھ لیں مگر آپ ﷺ نے اسے واپس کر دیا اور اعضاء وضو پر لگئے ہوئے پانی کو ہاتھ کے ذریعہ ٹپکانے لگے۔

اس کا جواب علماء حنفیہ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اعضاء وضو کو رومال سے پونچھنے سے اس لئے انکار نہیں کیا تھا کہ یہ چیز مناسب نہیں تھی بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی خاص عذر کی بنا پر آپ ﷺ نے رومال واپس فرما دیا ہو۔

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِرْقَةٌ يُنَشِّفُ بِهَا اَعْضَاءَهُ بَعْدَ الْوُضُوْءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ بِالْقَائِمِ وَاَبُوْ مَعَاذٍ الرَّاوِيُّ ضَعِيْفٌ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ۔

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے وضو کے بعد اپنے بھیگے ہوئے اعضاء پونچھا کرتے تھے" (ترمذیؒ) اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے اور اس کے ایک راوی، ابو معاذ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔"

تشریح: نہ یہ کہ حضرت امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ وضو کے بعد بھیگے ہوئے اعضاء کو کپڑے سے پونچھے کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے کوئی صحیح حدیث منقول نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کے صحابہؓ کی ایک جماعت اور تابعین نے وضو کے بعد اعضاء کو پونچھ لینے کی اجازت دی ہے اور ان کی یہ اجازت بھی آنحضرت ﷺ کے کسی قول و فعل سے مستنبط نہیں ہے بلکہ یہ خود ان لوگوں کی اپنی رائے ہے، چنانچہ سید جمال الدین شافعیؒ نے اس مضمون کو نقل کیا ہے۔

اس کا جواب علماء حنفیہ یہ دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ جواز ان صحابہؓ وغیرہ کی ذاتی رائے ہے غلط ہے، بلکہ اس کے برعکس آپ کا یہ قول خود آپ کے ذہن کی پیداوار ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

کیونکہ صحابہؓ مثلاً حضرت عثمان، حضرت انس اور حضرت حسن بن علیؓ کی جلالت شان اور اتباع نبوی ﷺ کے جذبہ صادق کے پیش نظر اس کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ دینی معاملات میں کوئی بھی چیز ان کے اپنے ذہن کی پیدا کردہ ہو سکتی ہے لہٰذا ان کا فعل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ضرور ہے۔

اس کے علاوہ اس کلیہ کو بھی ذہن میں رکھ لینا چاہئے کہ حدیث پر عمل کرنا خواہ وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے بنسبت اس کے کہ کسی رائے پر عمل کیا جائے، خواہ وہ رائے کتنی ہی مضبوط اور قوی کیوں نہ ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۲۹) وَعَنْ ثَابِتِ ابْنِ اَبِيْ صَفِيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ جَعْفَرٍ هُوَ مُحَمَّدُ الْبَاقِرُ حَدَّثَكَ جَابِرٌ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً وَمَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَثَلَاثًا ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ثابت[1] بن ابی صفیہ" فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر صادق کے والد سے جن کا نام محمد باقر[2] ہے کہا کہ آپ سے جابرؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ "سرکار دو عالم ﷺ نے (کبھی) ایک ایک مرتبہ (کبھی) دو دو مرتبہ اور (کبھی) تین تین مرتبہ وضو کیا: انہوں نے فرمایا ہاں۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: محدثین کی عادت ہے کہ جب شاگرد اپنے شیخ (استاد) سے کوئی حدیث سنتا ہے تو وہ پوچھتا ہے کہ حَدَّثَكَ فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ (اس طرح شاگرد اپنی سند کے سلسلہ کو آنحضرت ﷺ تک پہنچاتا ہے اور استاد خاموش اس سلسلہ سند کو سنتا رہتا ہے) یعنی کیا آپ سے یہ حدیث فلاں نے اور فلاں سے فلاں نے (یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ سے فلاں نے) سنی ہے اس کے جواب میں شیخ کہتا ہے کہ نعم! (یعنی ہاں) گویا روایت حدیث کا یہ ایک طریقہ ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ استاد اپنے شاگرد کے سامنے جب کہتا ہے کہ حدثنی فلاں الخ (یعنی مجھے سے یہ حدیث بیان کی فلاں نے اور فلاں سے فلاں نے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ سے فلاں نے سنی ہے) تو شاگرد بیٹھا سنتا رہتا ہے۔

بہر حال۔ اسی طرح سے حضرت عثمان بن ابی صفیہ" نے اپنے استاد حضرت امام محمد باقرؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا کہ حَدَّثَكَ جَابِرٌ الخ یعنی کیا یہ حدیث آپ سے حضرت جابرؓ نے بیان کی ہے۔ اس کے جواب میں محمد باقرؒ نے اقرار کیا کہ ہاں مجھ سے جابرؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

(۳۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَقَالَ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ۔

"اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ راوی ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ نے دو، دو مرتبہ وضو فرمایا (یعنی اعضاء وضو کو دو، دو بار دھویا) اور پھر فرمایا کہ "یہ نور کے اوپر نور ہے۔"

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا تو اس سے فرض اداء ہوا اور وہ ایک نور ہوا، پھر اس کے بعد جب دوسری مرتبہ دھویا تو سنت اداء ہوئی اور چونکہ یہ بھی نور ہے اس لئے نور کے اوپر نور ہوا۔

(۳۱) وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَقَالَ هٰذَا وُضُوْئِيْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِيَآءِ قَبْلِيْ وَوُضُوْءُ اِبْرَاهِيْمَ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ وَالنَّوَوِيُّ ضَعَّفَ الثَّانِيَ فِيْ شَرْحِ مُسْلِمٍ۔

"اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے تین تین مرتبہ وضو کیا اور پھر فرمایا کہ "یہ میرا اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کا وضو ہے اور حضرت ابراہیم کا وضو ہے" (یہ دونوں حدیثیں رزین نے روایت کی ہیں اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں دوسری حدیث کو ضعیف کہا ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ نے تمام انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو ذکر کیا ہے اسے تخصیص بعد تعمیم کہتے ہیں، یعنی انبیاء کا عمومی طور پر ذکر کرنے کے بعد پھر بطور خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسم گرامی کا ذکر کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام طہارت اور نظافت کا بہت زیادہ خیال رکھا کرتے تھے۔

(۳۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَكَانَ اَحَدُنَا يَكْفِيْهِ الْوُضُوْءُ مَالَمْ يُحْدِثْ۔ (رواہ الدارمی)

---

[1] حضرت ثابت بن ابی صفیہ تابعی ہیں، آپ کی کنیت ابوحمزہ تھی۔ ۱۴۸ھ میں انتقال ہوا ہے۔

[2] حضرت امام محمد باقرؒ حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے ہیں ۵۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی تھی، آپ کا انتقال ۱۱۷ یا ۱۱۸ھ بمقام مدینہ منورہ ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہیں۔

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ہر (فرض) نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے اور ہم کو ایک وضو اس وقت تک کافی ہوتا تھا جب تک کہ وضو نہ ٹوٹتا تھا۔" (دارمیؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے لئے ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا پہلے واجب تھا مگر بعد میں وجوب کا یہ حکم منسوخ ہو گیا، جب کہ اس کے بعد آنے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کچھ علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اولیٰ اور عزیمت سمجھ کر ہر نماز کے لئے تازہ وضو فرماتے تھے۔

(۳۳) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ قَالَ قُلْتُ لِعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَأَيْتُ وُضُوْءَ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ لِكُلِّ صَلَاةٍ طَاهِرًا كَانَ اَوْ غَيْرَ طَاهِرٍ عَمَّنْ اَخَذَهُ فَقَالَ حَدَّثَتْهُ اَسْمَآءُ بِنْتُ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ حَنْظَلَةَ بْنِ اَبِي عَامِرِ الْغَسِيْلِ حَدَّثَهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اُمِرَ بِالْوُضُوْءِ لِكُلِّ صَلَاةٍ طَاهِرًا كَانَ اَوْ غَيْرَ طَاهِرٍ فَلَمَّا شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرَ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَوُضِعَ عَنْهُ الْوُضُوْءُ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ قَالَ فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَرٰى اَنَّ بِهٖ قُوَّةً عَلٰى ذٰلِكَ فَفَعَلَهٗ حَتّٰى مَاتَ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحب زادے حضرت عبید اللہ سے کہا کہ مجھے یہ بتائیے کہ کیا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے خواہ وہ باوضو ہوں یا بے وضو اور انہوں نے یہ عمل کس سے حاصل کیا تھا؟ حضرت عبید اللہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حضرت اسماء بنت زید بن خطاب نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ ابی عامر الغسیل نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ سرکار دو کار دو عالم ﷺ کو ہر نماز کا وضو کرنے کے لئے حکم دیا گیا تھا خواب آپ ﷺ باوضو ہوں یا بے وضو جب آپ کے لئے یہ مشکل ہوا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیا گیا اور وضو کو موقوف کیا گیا (یعنی ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا واجب نہ رہا، جب تک وضو ٹوٹ نہ جائے" حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ خیال تھا کہ مجھ میں ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کی قوت ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی پر موت کے وقت تک عمل کیا۔" (احمدؒ)

تشریح: لفظ غسیل کے معنی ہیں "نہلایا گیا" یہ حضرت حنظلہ کی صفت ہے، حضرت حنظلہ کو غسیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ انتقال کے بعد انہیں فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عروہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے حنظلہ کی اہلیہ محترمہ سے پوچھا کہ ان کا کیا حال تھا؟ (یعنی جب وہ گھر سے نکلے تو کیا کام کر رہے تھے) انہوں نے جواب دیا کہ وہ حالت ناپاکی میں تھے اور (نہانے کے وقت) اپنے سر کا ایک ہی حصہ دھو پائے تھے کہ اتنے میں انہوں نے صدا سنی (کہ جہاد کے لئے بلایا جا رہا ہے، چنانچہ وہ اسی حالت میں گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے اور (غزوۂ احد میں) جام شہادت نوش فرمایا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے دیکھا کہ فرشتے انہیں نہلا رہے تھے۔" (طیبیؒ)

بہر حال طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسواک بہت زیادہ فضیلت اور بزرگی رکھتی ہے کہ جب ہی تو اسے واجب وضو کا قائم مقام قرار دیا گیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر ہر نماز کے لئے تازہ وضو اس لئے کرتے تھے کہ انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اگرچہ اس کا وجوب منسوخ ہو گیا ہے مگر اس شخص کے لئے جو اس پر عمل کی طاقت و قوت رکھتا ہے اس کی فضیلت باقی ہے اس لئے انہوں نے جب یہ دیکھا کہ میرے اندر اتنی قوت و ہمت ہے کہ میں اس عمل کو بخوبی پورا کر سکتا ہوں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس فضیلت و سعادت سے محروم ہوں، چنانچہ انہوں نے اسے اپنا معمول بنا لیا کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو فرماتے اور جب تک موت کی آغوش نے انہیں اپنے اندر چھپا نہ لیا وہ اس معمول پر قائم و دائم رہے۔

۳۴ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَھُوَ یَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَاھٰذَا السَّرَفُ یَا سَعْدُ قَالَ اَفِی الْوُضُوْءِ سَرَفٌ قَالَ نَعَمْ وَاِنْ کُنْتَ عَلٰی نَھْرٍ جَارٍ۔ (رواہ احمد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکار دو عالم ﷺ کا گزر حضرت سعدؓ پر ہوا جب کہ وہ وضو کر رہے تھے (اور وضوء میں اسراف بھی کر رہے تھے) آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا "اے سعد! یہ کیا اسراف (زیادتی ہے)؟" حضرت سعد نے عرض کیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں! اگرچہ تم نہر جاری ہی پر (کیوں نہ وضو کر رہے) ہو۔"

(احمدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر تنبیہ کر رہی ہے کہ وضو و غسل میں پانی ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اسراف ہے اور اسراف شریعت کی نگاہ میں کوئی محبوب چیز نہیں ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت سعد کو دیکھا کہ وضو میں پانی زیادہ خرچ کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے انہیں تنبیہ فرمائی اس پر حضرت سعد کو بڑا تعجب ہوا کہ پانی کوئی نایاب اور کم یاب چیز تو ہے نہیں پھر اس میں اسراف کے کیا معنی؟ اسی بنا پر انہوں نے سوال بھی کیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسراف تو اسے بھی کہیں گے کہ تم نہر جاری پر بیٹھ کر وضو کرو اور وہاں پانی زیادہ خرچ کرو جب کہ نہر یا دریا وغیرہ سے کتنا بھی پانی خرچ کر دیا جائے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہو سکتی۔

اس جملہ کی تشریح علماء یہ کرتے ہیں کہ نہر جاری پر اسراف اس لئے ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص حدود شریعت سے تجاوز کر کے ضرورت شرعی سے زیادہ پانی خرچ کرتا ہے تو اس میں عمر اور وقت یوں ہی ضائع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اسراف ہے۔

علامہ طیبیؒ نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اس سے اس بات میں مبالغہ منظور ہے کہ جس چیز میں اسراف متصور نہیں ہے جب اس میں بھی اسراف ہو سکتا ہے تو پھر ان چیزوں کا کیا حال ہوگا جس میں اسراف واقعۃً ہوتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ وضو اور غسل وغیرہ میں ضرورت شرعی سے زیادہ پانی خرچ کرنا اسراف میں شامل ہے اور یہ چیز مناسب نہیں ہے۔

۳۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَ ذَکَرَ اسْمَ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ یُطَھِّرُ جَسَدَہٗ کُلَّہٗ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ لَمْ یُطَھِّرْ اِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ۔

"اور حضرت ابوہریرہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمرؓ سرکار دو عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے وضو کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا (یعنی پوری بسم اللہ پڑھ کر وضو شروع کیا) تو اس نے اپنا تمام بدن (گناہوں سے) پاک کیا اور جس نے وضو کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا تو اس نے صرف اعضاء وضو کو پاک کیا۔"

تشریح: اس حدیث میں وضو میں بسم اللہ کہنے کی فضیلت کا اظہار ہو رہا ہے کہ جو شخص بسم اللہ کہہ کر وضو شروع کرتا ہے اس کا تمام بدن گناہ صغیرہ کی غلاظتوں سے پاک ہو جاتا ہے اور جس شخص نے بغیر بسم اللہ کہہ ہوئے وضو کیا تو اس کے انہی اعضاء سے گناہ صغیرہ دور ہوتے ہیں جنہیں وضو میں دھویا گیا ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ وضو میں بسم اللہ کہنا سُنّت یا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

۳۶ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلٰوۃِ حَرَّکَ خَاتَمَہٗ فِیْ اِصْبَعِہٖ رَوَاھُمَا الدَّارَقُطْنِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَۃَ الْاَخِیْرَ۔

"اور حضرت ابورافعؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب نماز کے لئے وضو فرماتے تو اپنی انگلی کی انگوٹھی کو بھی گھما پھرا لیتے۔
(ان دونوں حدیثوں کو دار قطنی نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہؒ نے صرف دوسری حدیث نقل کی ہے)۔"

تشریح: اس کا مسئلہ یہ ہے کہ انگوٹھی ڈھیلی ہو اور اس بات کا گمان ہو کہ وضو کے وقت پانی انگوٹھی کے نیچے انگلی تک پہنچ جاتا ہے تو اس صورت میں انگوٹھی کو ہلا لینا سنّت ہوگا، ہاں اگر انگوٹھی تنگ ہو اور یہ یقین ہو کہ انگوٹھی کو ہلائے بغیر اس کے نیچے پانی نہیں پہنچے گا تو پھر انگوٹھی کو ہلا لینا واجب ہوگا تاکہ پانی اس کے نیچے انگلی تک پہنچ جائے۔

بَابُ الْغُسْلِ

نہانے کا بیان

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ بَیْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ وَاِنْ لَّمْ یُنْزِلْ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے (یعنی جماع کرے) تو اس پر غسل واجب ہو گیا، اگرچہ منی نہ نکلے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "عورت کی چار شاخوں" سے مراد اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ہیں، یا اس سے مراد عورت کے دونوں پیر اور فرج (شرم گاہ) کی طرفین ہیں۔ یہ جملہ عورت کے پاس جماع کے لئے جانے اور صحبت کرنے کی بلیغ تعبیر ہے، چونکہ آنحضرت ﷺ شرم و حیا کے انتہائی بلند مقام پر تھے، اس لئے آپ ﷺ نے صورت مسئلہ کی وضاحت کے لئے الفاظ کے کنایا کا سہارا لیا ہے) کھلے طور پر آپ ﷺ نے اس کی تشریح نہیں فرمائی ہے۔

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عورت کے پاس جماع کے لئے گیا اور اس نے جماع کیا تو محض حشفہ داخل کرنے سے اس پر غسل واجب ہو جائے گا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ خلفائے راشدین اور اکثر صحابہ کرامؓ نیز چاروں اماموں کا یہی مسلک ہے۔

غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیُ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا مَنْسُوْخٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّمَا الْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ فِی الْاِحْتِلَامِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَلَمْ اَجِدْهُ فِی الصَّحِیْحَیْنِ۔

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "پانی پانی سے ہے" (یعنی منی نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے) (مسلمؒ) اور امام محی السنۃ کہتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے اور ابن عباس نے فرمایا ہے کہ "پانی پانی سے ہے" کا حکم احتلام کے لئے ہے۔ (ترمذیؒ) اور مجھے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ملی ہے۔"

تشریح: اس ارشاد کے اسلوب پر بھی غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک طرف تو احکام شریعت کی تعلیم کی ذمہ داری ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ شرم و حیا کے انتہائی بلند مقام پر فائز ہیں اس لئے آپ ﷺ ایسا اسلوب اختیار فرماتے ہیں کہ مسئلہ کی وضاحت بھی ہو جائے اور شرم و حیا کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو کنایۃً مسئلہ کی وضاحت کر رہے ہیں۔

بہر حال اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انزال نہ ہو یعنی منی نہ نکلے غسل واجب نہیں ہوتا مگر ابھی اس سے پہلے جو حدیث گزری ہے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ غسل محض دخول حشفہ سے واجب ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اس طرح ان دونوں

حدیثوں میں تعارض پیدا ہو گیا ہے۔

چنانچہ اسی تعارض کو دفع کرنے کے لئے حضرت امام محی السنۃؒ کا یہ قول مصنف مشکوۃ نقل فرما رہے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ یعنی یہ حضرت ابی بن کعبؓ کی اس روایت سے منسوخ قرار دیا گیا ہے جس میں منقول ہے کہ یہ آسانی ابتداء اسلام میں تھی (کہ جب تک انزال نہ ہو غسل واجب نہیں ہوتا تھا) پھر بعد میں اس حکم کو منسوخ قرار دیا گیا۔

حضرت امام ترمذیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اسی طرح بہت سے صحابہؓ کے یہ اقوال منقول ہیں کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر بعد میں اسے منسوخ قرار دے کر یہ حکم نافذ کیا گیا کہ جب مرد کا ذکر عورت کی شرم گاہ میں داخل ہو اور ختنین مل جائیں تو غسل واجب ہو جائے گا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

لیکن حضرت ابن عباسؓ اس حدیث کی ایک دوسری توجیہ بیان فرما رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم احتلام کے بارے میں ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ محض خواب دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد اگر کپڑے وغیرہ پر منی کی تری دیکھی جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔ گویا حضرت ابن عباسؓ کی اس توجیہ کے پیش نظر اس حدیث کو منسوخ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے یعنی اس حکم کا تعلق احتلام سے بھی تھا اور غیر احتلام سے بھی، مگر یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

(۴) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ اِذَا رَأَتِ الْمَآءَ فَغَطَّتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْاَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ بِرِوَايَةِ اُمِّ سُلَيْمٍ اَنَّ مَآءَ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ اَبْيَضُ وَمَآءَ الْمَرْاَةِ رَقِيْقٌ اَصْفَرُ فَمِنْ اَيِّهِمَا عَلَا اَوْ سَبَقَ يَكُوْنُ مِنْهُ الشَّبَهُ۔

"اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ، خدائے تعالیٰ حق کے معاملہ میں حیا نہیں کرتا (لہٰذا یہ بتائیے کہ) کیا عورت پر غسل واجب ہے جب کہ اس کو احتلام ہو۔ (یعنی خواب میں مجامعت دیکھے) آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں! جب کہ وہ پانی (منی) کو دیکھے" یہ سن کر ام سلمہؓ نے اپنا منہ (شرم کی وجہ سے) ڈھانک لیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ (یعنی کیا مرد کی طرح عورت کے بھی منی ہوتی ہے اور نکلتی ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں! خاک آلودہ ہو تیرا داہنا ہاتھ (اگر ایسا نہ ہوتا تو) پھر اس کا بچہ اس کے مشابہ کیونکر ہو سکتا تھا۔" اور امام مسلمؒ نے ام سلیمؓ کی روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ (آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا، مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی زرد ہوتی ہے لہٰذا ان میں سے جو منی غالب ہو یا سبقت کرے تو (بچہ کی) مشابہت اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔"

تشریح: چونکہ مسئلہ ذرا نازک اور عرفاً خلاف شرم و حیا تھا اس لئے ام سلیمؓ نے پہلے تمہید کے طور پر کہا کہ "اللہ تعالیٰ حق کے معاملہ میں حیا نہیں کرتا" یعنی خدا نے اس سے منع کیا ہے کہ حق بات پوچھنے میں شرم و حیا کیا جائے، پھر اس کے بعد انہوں نے اصل مسئلہ دریافت کیا۔

آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ محض مجامعت کا خواب دیکھ لینے سے ہی غسل واجب نہیں ہو جاتا جب تک انزال نہ ہو یا صبح اٹھنے کے بعد اس کی کوئی علامت نہ پائے یعنی سو کر اٹھنے کے بعد اگر کپڑے یا بدن پر منی لگی ہوئی دیکھی جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے ہمارے نزدیک یہی حکم مذی کا بھی ہے یعنی اگر سو کر اٹھنے کے بعد کپڑے یا بدن پر مذی دیکھی جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

"خاک آلود ہو تیرا داہنا ہاتھ" یہ شدّ فقرے کنایہ ہے گویا یہ ایک قسم کی بددعا ہے۔ لیکن اس کا استعمال حقیقی معنی میں نہیں بلکہ ایک ایسا جملہ ہے جو اہل عرب کے یہاں تعجب کے وقت بولتے ہیں، اس طرح اس جملہ کے معنی یہ ہوں گے کہ "ام سلمہؓ! بڑے تعجب کی بات ہے

---

[1] آپ کے نام میں بہت زیادہ اختلاف ہے کچھ علماء نے سلمہ کچھ نے رملہ اور بعض نے ملیکہ لکھا ہے بہر حال حضرت انسؓ کی والدہ محترمہ ہیں۔

کہ تم ایسی بات کہہ رہی ہو؟ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتیں کہ اگر عورت کے منی نہ ہوتی تو پھر اکثر بچے جو اپنی ماں کے مشابہ ہوتے ہیں وہ کس طرح ہوتے؟ مرد کی منی کی طرح عورت کی بھی منی ہوتی ہے اور پھر دونوں کی منی سے بچہ کی تخلیق ہوتی ہے۔"

آپ ﷺ نے منی کے جو رنگ بیان کئے ہیں وہ اکثر کے اعتبار سے ہے، یعنی اکثر اور تندرست و صحت مند عورت کی منی کے رنگ ایسے ہوتے ہیں، کیونکہ بعض مردوں کی منی کسی مرض کی بنا پر پتلی یا کثرت مباشرت کی وجہ سے سرخ ہوتی ہے، اس طرح بعض عورتوں کی منی قوت و طاقت کی زیادتی کی وجہ سے سفید بھی ہوتی ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ مباشرت کے وقت اگر مرد اور عورت دونوں کی منی ساتھ ہی گر کر رحم مادہ میں پہنچے تو دونوں میں سے جس کی منی بھی غالب ہوگی یا ان دونوں میں سے جس کی منی سبقت کرے گی یعنی ایک دوسرے سے پہلے گر کر رحم مادر میں پہنچے گی بچہ اسی کے مشابہ ہوگا۔

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهٗ فِي الْمَآءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ شَعْرِهٖ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهٖ ثَلَاثَ غَرَفَاتٍ بِيَدِهٖ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَآءَ عَلٰى جِلْدِهٖ كُلِّهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ قَبْلَ اَنْ يُدْخِلَهَا الْاِنَاءَ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَيَغْسِلُ فَرْجَهٗ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ۔

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب غسل جنابت (یعنی ناپاکی کو دور کرنے کے لئے غسل) کا ارادہ فرماتے تو (غسل) اس طرح شروع فرماتے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھ (پہنچوں تک) دھوتے پھر وضو کرتے جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے پھر انگلیاں (تر ہونے کے لئے) پانی میں ڈالتے پھر انہیں نکال کر ان (انگلیوں کی تری) سے اپنے بالوں کی جڑوں میں خلال فرماتے پھر دونوں ہاتھوں سے تین چلو (پانی لے کر) سر پر ڈالتے اور پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہاتے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (جب آپ ﷺ غسل) شروع کرتے تو اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر اپنی شرم گاہ کو دھوتے اور اس کے بعد وضو کرتے۔"

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ کے غسل کے طریقہ کو بتا رہی ہیں کہ جب آپ ناپاکی دور کرنے کے لئے غسل فرماتے تو اس کا طریقہ کیا ہوتا تھا؟ چنانچہ آپ فرما رہی ہیں کہ جب آپ ﷺ غسل شروع کرتے تو سب سے پہلے پہنچوں تک اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ اسی طرح وضو فرماتے جیسے کہ نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے، یعنی اگر آپ کسی ایسی جگہ غسل فرماتے کہ جہاں پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع نہیں ہوتا مثلاً کسی تخت یا پتھر پر کھڑے ہو کر نہاتے تو وہ پورا وضو فرماتے اور اگر کسی ایسی جگہ نہاتے جہاں کوئی گڑھا وغیرہ ہوتا کہ اس کی وجہ سے پاؤں کے پاس پانی جمع رہتا تھا تو اس شکل میں آپ ﷺ وضو کے وقت پاؤں نہیں دھوتے بلکہ غسل سے فراغت کے بعد اس جگہ سے ہٹ کر پیر دھوتے تھے۔ جیسا کہ اس کے بعد آنے والی حدیث سے وضاحت ہو رہی ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں بھی لکھا ہے کہ اسی طرح کرنا چاہئے یعنی اگر غسل کے وقت پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع نہ ہوتا ہو تو وضو مکمل کرنا چاہئے اور اگر پاؤں کے پاس پانی جمع ہوتا ہو تو پھر اس وقت پاؤں نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل سے فارغ ہو کر وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ پر پیر دھوئے جائیں۔

اس جگہ نکتہ کے طور پر یہ بھی سن لیجئے کہ طبرانیؒ کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو کبھی احتلام نہیں ہوا اور نہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو احتلام ہوا تھا۔

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَسَتَرْتُهٗ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا (ثُمَّ صَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا) ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَغَسَلَ فَرْجَهٗ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْاَرْضَ فَمَسَحَهَا ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رَأْسِهٖ وَاَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهٖ ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ

قَدَمَيْهِ فَنَاوَ لْتُهٗ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِیِّ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ نے فرمایا کہ "میں نے سرکار دوعالم کے لئے غسل کے واسطے پانی رکھا اور کپڑا ڈال کر پردہ کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں دھویا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور شرم گاہ کو دھویا۔ پھر اپنا بایاں ہاتھ جس سے شرم گاہ کو دھویا تھا، زمین پر رگڑا اور اسے دھویا، پھر کلی کی ناک میں پانی ڈالا اور چہرہ وہاتھوں کو (کہنیوں تک) دھویا، پھر اپنے سر پر پانی ڈالا اور تمام بدن پر بہایا پھر (جہاں آپ ﷺ نے غسل فرمایا تھا) اس جگہ سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوئے۔ اس کے بعد میں نے (بدن پونچھنے کے لئے) کپڑا دیا، لیکن آپ ﷺ نے کپڑا نہیں لیا اور پھر ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہاں سے چلے۔" (بخاری و مسلمؒ الفاظ بخاری کے ہیں)

تشریح: اس حدیث سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ اگر غسل ایسی جگہ کیا جائے جہاں پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع ہوتا ہو تو وضو کے وقت پاؤں نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل کے بعد وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ پاؤں دھولئے جائیں چنانچہ آپ ﷺ نے غسل کے بعد وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ پر اس لئے دھوئے تھے کہ غسل کے وقت وضو میں آپ ﷺ نے پاؤں نہیں دھوئے تھے کیونکہ آپ ﷺ نے غسل کسی پتھر، تخت یا بلند جگہ پر نہیں کیا ہوگا جس کی وجہ سے پیروں میں پانی جمع ہوتا ہوگا۔

غسل کے بعد جب حضرت میمونہؓ نے بدن پونچھنے کے لئے کپڑا پیش کیا تو آپ ﷺ نے لینے سے انکار فرمادیا اس کے کئی احتمال علماء نے لکھے ہیں چنانچہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کپڑا لینے سے اس لئے انکار فرمادیا ہو کہ غسل وغیرہ کے بعد بدن کو نہ پونچھنا ہی افضل تھا یا چونکہ آپ ﷺ کسی جلدی میں جارہے ہوں گے، اس لئے یہ سوچ کر کہ کپڑے سے بدن پونچھنے میں دیر ہوگئی کپڑا نہیں لیا۔ یا یہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت گرمی کا موسم تھا اس لئے نہانے کے بعد پانی کی تری چونکہ اچھی اور بھلی معلوم ہورہی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے پانی کو بدن سے پونچھنا پسند نہ فرمایا ہو، یا پھر یہ وجہ رہی ہوگی کہ اس کپڑے میں گندگی وغیرہ لگنے کا شبہ ہوگا اس لئے آپ ﷺ نے اسے واپس فرمادیا۔

بہر حال جو بھی صورت حال رہی ہو مگر کپڑے کو واپس کرنا کسی عذر اور سبب ہی کی بنا پر تھا۔ لہٰذا اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط نہیں کیا جاسکتا کہ غسل وغیرہ کے بعد بدن پر لگے ہوئے پانی کو نہ پونچھنا ہی سنت ہے یا یہ کہ پونچھنا مکروہ ہے۔

"ہاتھ جھٹکنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عام طور پر طاقتور اور صحت مند و توانا لوگ چلتے ہوئے ہاتھ ہلاتے چلتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ بھی اپنے ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے تشریف لے گئے۔

(۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ امْرَأَةً مِنَ الْاَنْصَارِ سَأَلَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ ثُمَّ قَالَ خُذِیْ فِرْصَةً مِّنْ مِّسْكٍ فَتَطَهَّرِیْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ اَتَطَهَّرُ بِهَا فَقَالَ تَطَهَّرِیْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ اَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِیْ بِهَا فَاجْتَذَبْتُهَا اِلَیَّ فَقُلْتُ تَبْتَغِیْ بِهَا اَثَرَ الدَّمِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک دن) ایک انصاری عورت نے سرکار دوعالم ﷺ سے اپنے غسل حیض کے بارے میں پوچھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے غسل کا حکم دیا کہ کس طرح غسل کیا جائے۔" (یعنی پہلی حدیثوں میں غسل کی جو کیفیت گزری ہے آپ ﷺ نے وہ بیان فرمائی، اور پھر فرمایا کہ مشک میں (بھگوئے ہوئے کپڑے) کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کرو، اس نے کہا کہ اس سے کس طرح پاکی حاصل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم اس سے پاکی حاصل کرو۔" اس نے پھر پوچھا کہ اس سے کس طرح پاکی حاصل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "سبحان اللہ (یعنی اللہ پاک ہے)۔ تم اس سے پاکی حاصل کرو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے انہیں

---

[1] ام المؤمنین حضرت میمونہؓ حارث ہالیہ عامریہ کی بیٹی اور نبی کریمؐ کی زوجہ محترمہ ہیں آپ کا انتقال بمقام سرف ۶۱ھ یا دوسرے قول کے مطابق ۵۱ھ میں ہوا ہے۔

الفاظ کو بار بار سن کر) میں نے اس عورت کو اپنی جانب کھینچ لیا اور اس سے کہا کہ "(تم اس کپڑے کو) خون کی جگہ (یعنی شرم گاہ پر) رکھ لو!۔"
(بخاری و مسلم)

تشریح: اس قسم کے مسائل جہاں آرہے ہیں۔ وہاں آپ حدیث کا اسلوب دیکھ رہے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ ایسے مسائل کو کس انداز سے بیان فرماتے ہیں، بات وہی ہے کہ ایک طرف تو مسائل شرعیہ کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ کے کاندھوں پر ہے جس میں شرم و حیا کی وجہ سے کسی اخفاء کی گنجائش نہیں ہے دوسری طرف آپ ﷺ کی شرم و حیا کے وہ فطری تقاضے ہیں جو خلاف ادب و تہذیب جملوں کی ادائیگی میں حائل ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ ان مسائل کے بیان میں ایسی راہ اختیار کرتے ہیں جو شرم و حیا کے دائرے سے سرمو متجاوز نہیں ہوتی اور مسائل کی وضاحت بھی حتی الامکان ہو جاتی ہے۔

اب آپ یہیں دیکھئے کہ ایک سائلہ عورتوں کے مسئلے کی وضاحت چاہتی ہے، آپ ﷺ اسے جواب دیتے ہیں اور پھر اس سلسلے میں نظامت و لطافت کے ایک خاص طریقہ کی طرف اس کی راہنمائی فرمانا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ اشاروں اشاروں میں اسے سمجھا رہے ہیں، سائلہ زیادہ سمجھ کا ثبوت نہیں دیتی ہے، آپ ﷺ دوبارہ اپنے جملوں کو دہراتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائے مگر وہ مزید وضاحت چاہتی ہے تو آپ پھر انتہائی تعجب سے فرماتے ہیں کہ "سبحان اللہ! تم اس سے پاکی حاصل کرو۔" یعنی تعجب کی بات ہے کہ تم اتنے سیدھے سادھے اور ظاہر مسئلہ کو نہیں سمجھ پا رہی ہو۔ یہ کوئی ایسا باریک مسئلہ نہیں ہے، کوئی خاص نکتہ نہیں ہے جسے سمجھنے میں اعلیٰ غور و فکر کی ضرورت ہو" حضرت عائشہ اس وقت ذکاوت و ذہانت کا بہترین ثبوت دیتی ہیں، انہوں نے تاڑ لیا کہ ادھر تو عورت آنحضور ﷺ کے مقصد اور مطلب تک پہنچ نہیں پا رہی ہے۔ ادھر آپ ﷺ کی شرم و حیا اس سے آگے بڑھ کر مزید وضاحت کی اجازت نہیں دیئے جا رہی ہے، چنانچہ آپ اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور پھر اسے آنحضرت ﷺ کا مقصد وضاحت کے ساتھ سمجھاتی ہیں۔"

حدیث کے الفاظ خذی فرصۃ من مسک فتطھری میں لفظ مسک میم کے زیر کے ساتھ ہے جس کے معنی "مشک" کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مشک کا ایک بڑا ٹکڑا یا مشک میں بھیگے ہوئے یا رنگے ہوئے کپڑے کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کرو۔ ایک روایت میں میم کے زبر کے ساتھ بھی آیا ہے جس کے معنی چمڑے کے ہیں۔ لیکن روایت کے مطابق اور موقع کی مناسبت سے میم کے زیر کے ساتھ یعنی مشک کے معنی زیادہ بہتر اور اولیٰ ہیں۔

اس مسئلہ میں فقہاء لکھتے ہیں کہ عورت کے لئے (ایام حیض میں) یہ مستحب ہے کہ وہ مشک کا ایک ٹکڑا یا مشک میں رنگ کر معطر کئے ہوئے کپڑے کا ایک ٹکڑا لے کر شرمگاہ پر رکھ لے تاکہ خون کی بدبو جاتی رہے۔

⑦ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّی امْرَأَةٌ اَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِیْ اَفَاَنْقُضُهٗ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ لَا اِنَّمَا یَکْفِیْكِ اَنْ تَحْثِیْ عَلٰی رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَیَاتٍ ثُمَّ تُفِیْضِیْنَ عَلَیْكِ الْمَآءَ فَتَطْهُرِیْنَ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ "میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! میں ایک عورت ہوں اپنے سر کے بال بہت مضبوط گوندھتی ہوں، کیا صحبت کے بعد نہانے کے واسطے انہیں کھولا کروں"؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! "بالوں کو کھولنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمہیں یہی کافی ہے کہ تین لپیں پانی لے کر اپنے سر پر ڈال لیا کرو اور پھر سارے بدن پر پانی بہا لیا کرو، پاک ہو جاؤ گی۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے سلسلے میں صحیح قول یہ ہے کہ حدیث کا مذکورہ بالا حکم صرف عورتوں کے لئے ہے چنانچہ غسل کے وقت اگر بال گندھے ہوئے ہوں اور سر پر پانی اس طرح ڈالا جائے کہ بالوں کی جڑیں بھیگ جائیں تو یہ کافی ہے، بالوں کو کھولنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر یہ جانے کے بالوں کو کھولے بغیر جڑیں نہیں بھیگیں گی تو پھر اس صورت میں بالوں کو کھولنا ضروری ہو گیا۔ مردوں کو ہر صورت میں بال کھول لینے چاہئیں۔

⑧ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ وَیَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلٰی خَمْسَةِ اَمْدَادٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ ایک مد (پانی) سے وضو فرماتے اور ایک صاع سے پانچ مد تک (پانی سے غسل فرما لیتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مُدّ ایک پیمانے کا نام ہے جس میں تقریباً ایک سیر اناج آتا ہے اور صاع بھی ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں تقریباً چار مد یعنی چار سیر کے قریب اناج آتا ہے۔ یہاں مد اور صاع سے پیمانہ مراد نہیں ہے بلکہ وزن مراد ہے، یعنی آنحضرت ﷺ تقریباً ایک سیر پانی سے وضو فرماتے تھے اور چار سیر اور زیادہ سے زیادہ پانچ سیر پانی غسل پر صرف فرماتے تھے، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ تقریباً ایک سیر پانی سے وضو اور تقریباً چار سیر پانی سے غسل کیا جائے لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ وضو اور غسل کے لئے پانی کی یہ مقدار اور وزن واجب کے درجہ میں نہیں ہے لیکن یہ سنت ہے کہ وضو اور غسل کے لئے پانی اس مقدار سے کم نہ ہو۔

آپ ﷺ کے وضو کے پانی کی مقدار بعض روایتوں میں دو تہائی مد اور بعض روایتوں میں آدھا مد بھی منقول ہے لہٰذا اس حدیث متفق علیہ کا محل یہ قرار دیا جائے گا کہ آپ اکثر و بیشتر ایک ہی مد سے وضو فرماتے تھے مگر کبھی کبھی اس سے کم مقدار پانی میں بھی وضو فرما لیتے تھے، جیسا کہ ان بعض روایتوں میں منقول ہے۔

(۹) وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ فَيُبَادِرُنِيْ حَتّٰى اَقُوْلَ دَعْ لِيْ دَعْ لِيْ قَالَتْ وَهُمَا جُنُبَانِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت معاذہؒ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی تھیں کہ "میں اور سرکار دو عالم ﷺ ایک ہی برتن جو دونوں کے درمیان رکھا رہتا تھا، نہاتے تھے اور آپ ﷺ (پانی لینے میں) مجھ سے جلدی کرتے تھے تو میں کہا کرتی تھی "میرے لئے تو پانی چھوڑ دیئے، میرے لئے بھی تو پانی رہنے دیجئے۔" حضرت معاذہ فرماتی ہیں کہ وہ دونوں (یعنی آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہؓ) جنبی (یعنی ناپاکی) کی حالت میں ہوتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: جس برتن سے آپؐ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ مشترکہ طور پر غسل فرماتے تھے وہ ایک طشت کی قسم سے تھا جس میں تین صاع تقریباً بارہ سیر پانی سماتا تھا، غسل کے وقت یہ دونوں اس میں ہاتھ ڈال ڈال کر پانی نکالتے اور اس سے نہاتے، حدیث کے الفاظ "آپ ﷺ (پانی لینے میں) جلدی کرتے تھے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے نہانے سے پہلے تھوڑے سے پانی سے نہا لیتے تھے اور بقیہ پانی چھوڑ دیتے تھے، جس سے حضرت عائشہؓ نہاتی تھیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی کا برتن دونوں کے درمیان رکھا رہتا تھا اور دونوں اکٹھے اس سے نہاتے تھے۔ حدیث کے آخری جملہ "وہ دونوں حالت ناپاکی میں ہوتے تھے کہ تحت ابن مالکؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس پانی میں جنبی ہاتھ ڈالے وہ پانی طاہر و مطہر ہے جنبی خواہ مرد ہو یا عورت۔

امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کا یہ قول ہے کہ اگر محدث (بے وضو) جنبی (جس پر غسل واجب ہو) اور حائض (حیض والی عورت) کے ہاتھ پاک ہوں اور وہ برتن میں چلو بھرنے کے لئے ہاتھ ڈالیں تو پانی مستعمل (یعنی ناقابل استعمال) نہیں ہوتا۔ کیوں کہ برتن سے پانی نکالنے کے لئے وہ اس طریقے کے محتاج ہیں۔ چنانچہ امام موصوفؒ اپنے اس قول کی دلیل میں یہی حدیث پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ "اس کے برخلاف اگر جنبی پانی کے برتن میں اپنا پاؤں یا سر ڈالے تو پھر پانی ناقابل استعمال ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں اسے کوئی مجبوری نہیں ہے اور نہ اسی طریقہ کی ضرورت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

(۱۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلَا يَذْكُرُ اِحْتِلَامًا قَالَ يَغْتَسِلُ

وَعَنِ الرَّجُلِ يَرَى اَنَّهُ قَدِاحْتَلَمَ وَلَا يَجِدُ بَلَلًا قَالَ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ هَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ تَرَى ذٰلِكَ غُسْلٌ قَالَ نَعَمْ اِنَّ النِّسَآءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو (سو کر اٹھنے کے بعد کپڑے پر منی کی) تری محسوس کرے اور خواب (احتلام) اسے یاد نہ ہو؟ آپ نے فرمایا کہ "نہانا چاہئے"! اور ایسے شخص کے بارے میں بھی پوچھا گیا جسے (سو کر اٹھنے کے بعد) احتلام تو یاد ہو مگر تری معلوم نہیں ہوتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اس پر غسل واجب نہیں" ام سلیمؓ نے پوچھا اگر عورت بھی یہ (تری) دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" عورتیں بھی مردوں ہی کی مثل ہیں۔" (ترمذیؒ ابوداؤدؒ اور دارمیؒ و ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو "لاغسل علیہ" (اس پر غسل واجب نہیں تک نقل کیا ہے۔)

تشریح: سوال یہ تھا کہ مثلاً ایک شخص ہے وہ سو کر اٹھا اس نے کپڑے پر یا بدن پر منی یا مذی لگی ہوئی ہے مگر اسے کوئی ایسا خواب یاد نہیں ہے کہ اس نے نیند میں کسی سے مباشرت کی ہو جس کی وجہ سے یہ احتلام ہوا ہے تو کیا ایسے شخص پر غسل واجب ہو گا یا نہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اسے نہانا چاہئے! گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ غسل کے وجوب کا دار و مدار منی یا مذی کی تری پر ہے خواب کے یاد رہنے نہ رہنے پر نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ پیدائش اور طبائع کے اعتبار سے عورتیں چونکہ مردوں ہی کی مانند ہیں اس لئے مرد کی طرح اگر عورت بھی جاگنے کے بعد اپنے کپڑے اور بدن پر تری محسوس کرے تو اس پر بھی غسل واجب ہو گا۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محض تری دیکھ لینے سے غسل واجب ہو جاتا ہے اگرچہ اس بات کا یقین نہ ہو کہ منی کود کر نکلی ہے چنانچہ تابعین کی ایک جماعت اور امام اعظم ابوحنیفہؒ سے یہی منقول ہے۔

اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ غسل اس وقت تک واجب نہیں ہو گا کہ جب تک یہ جانے کہ منی کود کر نکلی ہے، اگر یہ جانے کہ منی کود کر نکلی ہے تو غسل واجب ہو جائے گا ورنہ بصورت دیگر غسل واجب تو نہ ہو گا مگر احتیاطاً غسل کر لینا مستحب ہو گا۔

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ مرد و عورت ایک ہی بستر پر اکٹھے سوئے، جب وہ سو کر اٹھے تو انہوں نے بستر پر منی کی تری محسوس کی۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ یہ کس کی منی کی تری ہے تو اس صورت میں دونوں میں سے کس پر غسل واجب ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شکل میں یہ دیکھا جائے گا کہ منی کا رنگ کیسا ہے؟ اگر وہ سفید ہے تو یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ مرد کی ہے لہٰذا مرد پر غسل واجب ہو گا۔ اور اگر رنگ زرد ہے تو پھر غسل عورت پر واجب ہو گا۔ مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں ہی غسل کر لیں۔"

⑪ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ وَجَبَ الْغُسْلُ فَعَلْتُهُ اَنَا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاغْتَسَلْنَا۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب مرد کے ختنہ کی جگہ عورت کے ختنہ کی جگہ سے تجاوز کر جائے (یعنی حشفہ غائب ہو جائے) تو (دونوں پر) غسل واجب ہو جائے گا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "ختان" اس جگہ کو کہتے ہیں جسے ختنہ کے وقت کاٹتے ہیں جو مرد کے عضو تناسل کے آگے ایک کھال ہوتی ہے اور عورت کی شرم گاہ پر مرغ کی کلغی کی طرح ابھرا ہوا ایک حصہ ہوتا ہے لہٰذا فرمایا جا رہا ہے کہ جب ختنین مل جائیں اور حشفہ عورت کی شرم گاہ میں داخل ہو جائے تو غسل واجب ہوتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔"

⑫ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَ انْقُوا

الْبَشَرَةَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَالْحَارِثُ بْنُ وَجِيْهِ الرَّاوِي وَهُوَ شَيْخٌ لَيْسَ بِذَالِكَ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہر بال کے نیچے (جڑ میں) جنابت ہوتی ہے لہٰذا بالوں کو (خوب) دھویا کرو اور بدن کو پاک کیا کرو۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اس حدیث کا ایک راوی حارث ابن وجیہ ایک بوڑھا شخص ہے وہ معتبر نہیں (یعنی کبر سنی اور غلبہ نسیان کی وجہ سے) اس کی روایت قابل اعتماد یعنی قوی نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے)

تشریح: اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ غسل جنابت میں سر کے بالوں کو اچھی طرح دھویا جائے تاکہ پانی بالوں کی جڑ میں پہنچ جائے اس لئے اگر پانی بالوں کی جڑ تک نہیں پہنچے گا تو پاکی حاصل نہیں ہوگی، چنانچہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اگر ایک بال کے نیچے کی بھی جگہ خشک رہ جائے گی تو غسل ادا نہ ہوگا۔

بالوں کے ساتھ ساتھ بدن کو بھی اچھی طرح دھونے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نہانے کے وقت بدن کو خوب اچھی طرح مل کر میل وغیرہ صاف کرنا چاہئے اور پورے بدن پر پانی اس طرح بہانا چاہئے کہ بدن کا کوئی حصہ بھی خشک نہ رہ جائے کیونکہ اگر بدن پر خشک مٹی، آٹا یا موم وغیرہ لگا رہا اس کے نیچے پانی نہ پہنچا تو ناپاکی دور نہ ہوگی۔

(۱۲) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِّنْ جَنَابَةٍ لَّمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِيْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِيْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِيْ ثَلَاثًا رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَاَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يُكَرِّرَا فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِيْ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس نے غسل جنابت میں ایک بال کے برابر جگہ (خشک) چھوڑ دی کہ اسے نہ دھویا تو اسے اس اس طرح آگ کا عذاب دیا جائے گا" حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی۔ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی" اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی (کہ منڈا ڈالا) تین مرتبہ یہی کہا۔" (ابوداؤدؒ، احمدؒ، دارمیؒ) مگر احمدؒ نے یہ الفاظ "اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی" مکرر ذکر نہیں کئے ہیں۔)

تشریح: یہ حدیث مزید وضاحت کے ساتھ اوپر کی حدیث کی تائید کر رہی ہے اور غسل جنابت میں بالوں کے سلسلے میں غفلت برتنے والوں کو متنبہ کر رہی ہے چنانچہ "اس اس طرح" یہ تعدد سے کنایہ ہے یعنی ایسے شخص کو جس نے غسل احتیاط سے نہیں کیا اور بالوں کی جڑوں میں پانی اچھی طرح نہیں پہنچایا کئی قسم کے اور بہت زیادہ عذاب دیئے جائیں گے۔

حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب میں نے آنحضرت ﷺ کی لسان مبارک سے یہ تہدید اور وعید سنی تو اس خوف سے کہ اگر بال رہے تو غسل جنابت کے وقت شاید ان کی جڑیں خشک رہ جائیں اپنے بالوں سے بالکل دشمنوں جیسا معاملہ کیا جس طرح ایک شخص اپنے دشمن کو اپنے لئے خطرہ کا سبب اور باعث سمجھ کر موقع ملتے ہی موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، ایسے ہی میں نے آنحضرت ﷺ کی تہدید اور وعید کی بنا پر ان بالوں کو اپنی عاقبت کی خرابی کا باعث سمجھتے ہوئے ان کا صفایا کر دیا۔

اس حدیث اور حضرت علیؓ کے اس عمل سے یہ معلوم ہوا کہ سر کے بال ہمیشہ منڈاتے رہنا جائز ہے مگر اولیٰ اور سنت بالوں کا رکھنا ہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدینؓ اپنے سروں پر بال رکھتے تھے اور صرف حج کے موقع پر منڈواتے تھے۔

جہاں تک حضرت علیؓ کے اس ارشاد کا تعلق ہے، اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے حضرت علیؓ کی مراد یہ ہے کہ میں نے اپنے سر کے جو بال منڈوائے ہیں، ان کی کوئی دوسری غرض نہیں ہے یعنی اس سے زیبائش اور آرائش یا کسی راحت و آرام کا طلب مقصود

نہیں ہے بلکہ اصل مقصد وہی ہے جو بیان کیا گیا، اس طرح گویا حضرت علیؓ نے ایک ایسے فعل کے ترک پر عذر بیان کیا جو آنحضرت ﷺ سے مداومت کے ساتھ ثابت ہے۔

⑭ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ غسل کرنے کے بعد وضو نہیں فرماتے تھے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ غسل سے پہلے جو وضو غسل کے لئے فرماتے تھے غسل کے بعد پھر دوبارہ وضو نہیں فرماتے تھے، چنانچہ مسئلہ بھی یہی ہے کہ غسل کے لئے جو وضو کیا جاتا ہے وہ کافی ہوتا ہے غسل کے بعد اگر نماز وغیرہ پڑھی جائے تو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے غسل کے وضو سے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

⑮ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِالْخِطْمِيِّ وَهُوَ جُنُبٌ يَجْتَزِئُ بِذَالِكَ وَلَا يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَآءَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ ناپاکی کی حالت میں (غسل کے وقت) خطمی سے سر کو دھو لیتے تھے اور اسی پر کفایت کرتے اور دوبارہ سر پر خالص پانی نہ ڈالتے تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: جس طرح یہاں آنولہ وغیرہ سے سر دھونے کا رواج تھا ایسے ہی عرب میں خطمی سے سر دھوئے جاتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ اس کے بارے میں فرما رہی ہیں کہ آپ ﷺ جب غسل جنابت فرماتے تو اپنے سر کے بال خطمی کے پانی سے دھویا کرتے تھے اور اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ جب سر پر خطمی لگا کر اسے دھونے کے لئے سر پر خطمی ملا ہوا پانی ڈالتے تھے تو پھر دوبارہ پانی بہانے کے وقت سر پر پانی نہیں ڈالتے تھے بلکہ اسی پہلے دھوئے ہوئے کو کافی سمجھتے تھے جیسا کہ عام طور پر نہانے والے یہ کرتے ہیں کہ پہلے سر کو دھوتے ہیں، اس کے بعد غسل کرتے ہیں اور پھر دوبارہ سر پر بھی پانی ڈالتے ہیں آپ ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جس پانی سے سر کو دھویا کرتے تھے اس میں خطمی کے اجزاء کم ہوتے ہوں گے کہ جس سے پانی کی حقیقت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا ہوگا یعنی سیلان باقی رہتا ہوگا۔

⑯ وَعَنْ يَعْلٰى قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَآءَ وَالتَّسَتُّرَ فَاِذَا اغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ سِتِّيْرٌ فَاِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَغْتَسِلَ فَلْيَتَوَارَ بِشَيْئٍ)

"اور حضرت یعلیؓ[1] فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک شخص کو میدان میں ننگا نہاتے ہوئے دیکھا چنانچہ آپ ﷺ (وعظ کے لئے) ممبر پر چڑھے اور پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا اللہ تعالیٰ بہت حیادار ہے (یعنی اپنے بندوں سے حیاداروں کا سا معاملہ کرتا ہے بایں طور کہ انہیں معاف کر دیتا ہے) اور بہت پردہ پوش ہے (یعنی اپنے بندوں کے گناہ اور عیوب کو پوشیدہ رکھتا ہے) وہ حیا اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے لہٰذا جب تم میں سے کوئی (میدان میں) نہائے تو اسے چاہئے کہ وہ پردہ کر لیا کرے۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ) اور نسائی کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ پردہ پوش ہے لہٰذا جب تم میں سے کوئی نہانے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ کسی چیز کا پردہ کر لیا کرے)

تشریح: سرکار دو عالم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ ﷺ کسی اہم اور عظیم مسئلہ کو بیان کرنا چاہتے یا کسی خاص چیز سے آگاہ کرنا

---

[1] یہاں تحقیق سے یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ یہ یعلی بن امیہ تمیمی ہیں یا یعلی ابن مرہ ثقفی ہیں بہر حال یہ دونوں جلیل القدر صحابی ہیں۔

چاہتے تو منبر پر تشریف لے جاتے اور پہلے اللہ جل شانہ کی حمد و ثنا کرتے اس کے بعد اصل مسئلہ کو بیان فرماتے چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا وہ شرم کو بالائے طاق رکھ کر ایک کھلی جگہ (میدان میں ننگا نہا رہا ہے تو آپ ﷺ کی جبین شرم وحیا پر بل پڑ گئے، فوراً مسجد نبوی میں پہنچے منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کے سامنے آپ ﷺ نے شرم وحیا کی اہمیت کو بڑے بلیغ اور ناصحانہ انداز میں بیان فرمایا۔

آپ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ خداوند قدوس کی ذات پاک تمام محاسن و اوصاف کی جامع ہے چنانچہ شرم وحیا اور پردہ پوشی جو بہت بڑے وصف ہیں یہ بھی خدائے تعالیٰ کے اوصاف میں سے ہیں، چنانچہ خدائے تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کے اوصاف کی نورانی کرنوں سے اپنے دل و دماغ کو روشن کریں، اس کی جو صفات ہیں ان کو حتی الامکان اپنے اندر پیدا کریں اس لئے وہ اسے پسند کرتا ہے بندے شرم وحیا کے اصولوں پر کاربند رہیں، ان عظیم اوصاف سے اپنے دامن کو مالا مال کریں اور پردہ پوشی کو کسی حال میں ترک نہ کریں، لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ شرم اور پردہ کے معاملے میں غفلت اور لاپرواہی نہ برتیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۷) وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ اِنَّمَا كَانَ الْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ رُخْصَةً فِيْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ نُهِيَ عَنْهَا۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و الدارمی)

"حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ "یہ حکم، غسل انزال کے بعد ہی واجب ہوتا ہے ابتدائے اسلام میں آسانی کی وجہ سے تھا، پھر اسے منع فرمادیا گیا (یعنی یہ حکم منسوخ قرار دے دیا گیا۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ)

تشریح: اس باب کی حدیث نمبر ۲ کی تشریح میں حضرت ابی بن کعبؓ کی اس روایت کا ذکر آچکا ہے، وہاں بھی یہ بتایا گیا تھا کہ ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا کہ غسل اسی صورت میں واجب ہوگا جب کہ جماع کے وقت انزال بھی ہو یعنی اس وقت بغیر انزال کے محض ادخال ذکر سے ہی غسل واجب نہیں ہوتا تھا، چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ یہی فرما رہے ہیں کہ یہ حکم (جو اس باب کی حدیث ۲ میں گزرا ہے) پہلے تھا، اب منسوخ ہو گیا ہے اور اب یہ حکم ہو گیا ہے کہ محض جماع ادخال ذکر سے غسل واجب ہو جائے گا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔"

(۱۸) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّي اغْتَسَلْتُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَصَلَّيْتُ الْفَجْرَ فَرَأَيْتُ قَدْرَ مَوْضِعِ الظُّفْرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَآءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْكُنْتَ مَسَحْتَ عَلَيْهِ بِيَدِكَ اَجْزَأَكَ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص سرکار دو عالم ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے غسل جنابت کیا اور صبح کی نماز پڑھ لی، پھر میں نے دیکھا کہ (بدن پر) ناخن کے برابر (جگہ خشک رہ گئی کہ وہاں) پانی نہیں پہنچا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تم (اس جگہ اپنے بھیگے) ہاتھ سے مسح بھی کر لیتے تو کافی ہو جاتا۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: آپ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم غسل کے وقت اس جگہ جو خشک رہ گئی تھی بھیگا ہوا ہاتھ پھیر لیتے یا اسے معمولی طور پر دھو دیتے تو یہ کافی ہو جاتا اور تمہارا غسل پورا ہو جاتا۔

اور اگر تمہیں اس جگہ خشکی کا احساس کچھ عرصہ کے بعد ہوا تھا تو تمہیں چاہئے تھا کہ اس جگہ کو دھو لیتے خواہ معمولی طور پر ہی کیوں نہ ہوتا اور جو نماز پڑھ لی تھی اس کی قضاء کرتے۔"

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الصَّلَاةُ خَمْسِيْنَ وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ سَبْعَ

مَرَّاتٍ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ حَتّٰى جُعِلَتِ الصَّلَاةُ خَمْسًا وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ مَرَّةً وَغُسْلُ الثَّوْبِ مِنَ الْبَوْلِ مَرَّةً۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ (پہلے) پچاس نمازیں فرض ہوئیں تھیں، نیز جنابت (ناپاکی) سے نہانا اور کپڑے پر سے پیشاب دھونا سات سات مرتبہ (فرض ہوا تھا) پھر آنحضرت ﷺ متواتر (اللہ تعالیٰ سے ان میں تخفیف کی دعا مانگتے رہے، یہاں تک کہ نماز تو پانچ فرض رہ گئیں اور جنابت سے نہانا اور کپڑے پر سے پیشاب کا دھونا ایک ایک مرتبہ رہ گیا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: سرکار دوعالم ﷺ نے جب روحانی اور جسمانی بلندیوں کی تمام منازل کو طے فرما کر شب معراج میں ذات حق جل مجدہ کی قربت حقیقی کا شرف حاصل فرمایا تو اس مقدس اور انسانی زندگی کی سب سے بڑی سعادت و رفعت کی یادگار کے طور پر بارگاہ حق میں جل مجدہ سے رسول پاک ﷺ کے توسط سے بندوں کے لئے "نماز" کا تحفہ عنایت فرمایا گیا جسے معراج رسول خدا کی اس عظیم سعادت کی مناسبت سے "معراج مؤمنین" کہا گیا ہے۔ نماز چونکہ تمام عبادات الٰہی میں اپنے اجر و ثواب اور اپنی عظمت و اہمیت کے اعتبار سے بندوں کے لئے سعادت و نیک بختی اور رضائے مولیٰ کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس لئے اس بنا پر کہ اس عظیم اور مقدس فریضہ کے ذریعہ خدا کے نیک اور اطاعت گزار بندے زیادہ سے زیادہ سعادت و نیک بختی کی دولت سے اپنے دامن مالا مال کر سکیں اور دن و رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔"

ظاہر ہے کہ پچاس نمازوں کے فریضہ کا یہ تحفہ بندوں کی سعادت و نیک بختی کے اعتبار سے خواہ کتنی ہی اہمیت و عظمت کا حامل کیوں نہ ہو مگر سوال یہ تھا کہ انسان کے قوٰی اور ذہن و فکر اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کا بار برداشت بھی کر سکیں گے؟ صدقہ جایئے سرکار دوعالم کی ذات اقدس اور آپ ﷺ کی شان رحمت کے! کہ انسانی فطرت و مزاج کا یہ سب سے بڑا راز دان اور انسانیت کا یہ عظیم محسن اور عظیم شفیق راہبر (ﷺ) سمجھ لیتا ہے کہ انسان کے قوائے فکر و عمل اس عظیم بار کو کبھی برداشت نہیں کر سکتے اور خدا کے بندے نماز کی اتنی بڑی تعداد کی ادائیگی پر قادر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے سوچا کہ اگر آج پچاس نمازیں فرض ہو جا رہی ہیں تو کل پوری مخلوق زبردست اخروی خسران اور روحانی اذیت میں مبتلاء ہو جائے گی کیونکہ پچاس نمازیں ادا ہوں گی نہیں، جس کا نتیجہ حکم خداوندی کی نافرمانی کی بنا پر عذاب کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اس وقت آپ ﷺ اپنی امت پر انتہائی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے ہیں اور بارگاہ خداوندی میں نماز کی اس تعداد میں تخفیف چاہتے ہیں، پھر ادھر سے بھی اپنے حبیب ﷺ کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا جاتا ہے اور اس میں کمی کر دی جاتی ہے، مگر آپ ﷺ اس سے بھی مطمئن نہیں ہوتے تو مزید تخفیف کی درخواست پیش کرتے ہیں جب کچھ اور تخفیف ہوتی ہے تو آپ اسے بھی زیادہ اور امت کے حق میں تکلیف مالایطاق سمجھتے ہوئے اور کمی چاہتے ہیں یہاں تک کہ درخواست اور قبولیت کا یہ سلسلہ پانچ پر آکر ختم ہو جاتا ہے اور پانچ نمازیں فرض قرار دے دی جاتی ہیں۔

چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ دیا جا رہا ہے کہ شب معراج میں تو نمازیں پچاس ہی فرض ہوئیں تھی مگر آنحضرت ﷺ نے امت کے حق میں انتہائی شفقت و رحمت کے پیش نظر یہ جان کر کہ امت سے اتنی نماز ادا نہیں ہوں گی اس تعداد میں تخفیف کرائی جب بھی آپ تخفیف کی درخواست پیش کرتے پانچ نمازیں کم کر دی جاتیں یہاں تک کہ آخر میں پانچ نمازیں رہ گئیں۔

اسی طرح پہلے ناپاکی دور کرنے کے لئے سات مرتبہ غسل کرنے کا حکم تھا مگر بعد میں اسے بھی منسوخ قرار دے دیا گیا اور صرف ایک مرتبہ غسل واجب کیا گیا۔ یعنی پورے بدن پر ایک مرتبہ پانی بہانے سے فرض اداء ہو جاتا ہے مگر مسنون طریقہ یہ ہے کہ تین مرتبہ جسم پر پانی بہایا جائے، بخاریؒ و مسلمؒ میں اس سلسلہ میں جو حدیث منقول ہے اس میں صرف نماز کا ذکر ہے، غسل اور کپڑے سے پیشاب دھونے کا ذکر نہیں ہے مگر یہاں یہ ابوداؤد کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں ان دونوں چیزوں کا بھی ذکر ہے چنانچہ اس روایت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔

بہر حال اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کپڑے پر پیشاب اور غلاظت وغیرہ لگ جائے تو اسے صرف ایک بار دھو لینا ہی کافی ہے چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے کہ کپڑا ایک مرتبہ دھو لینے سے پاک ہو جاتا ہے، لیکن علمائے حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کپڑے پر پیشاب اور غلاظت لگ جائے تو اسے اتنا دھویا جائے کہ اس کی پاکی کا ظن غالب حاصل ہو جائے اور اس کی حد یہ مقرر کی ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ کپڑے کو نچوڑا جائے کیونکہ تین مرتبہ دھو لینے سے پاکی کا ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے۔

اس موقع پر تفصیل بتا دینی مناسب ہے کہ غسل کن کن مواقع پر واجب اور مستحب ہو جاتا ہے۔

(۱) غسل اس شکل میں فرض ہوتا ہے کہ منی کود کر نکلے اور ریڑھ کی ہڈی سے جدا ہونے کے وقت شہوت بھی ہو اگرچہ باہر نکلتے وقت شہوت باقی نہ رہے۔

(۲) اگر کوئی شخص سو کر اٹھے اور اپنے بستر وغیرہ پر منی کی تری پائے خواہ وہ مذی ہی کیوں نہ ہو تو غسل واجب ہوتا ہے اگرچہ ایسا کوئی خواب یاد نہ ہو جس کی وجہ سے منی نکلی ہے۔

(۳) اگر زندہ عورت کے آگے یا پیچھے ستر میں ذکر داخل کیا جائے یا لواطت کی جائے تو دونوں یعنی فاعل و مفعول پر غسل فرض ہو گا خواہ انزال ہو نہ ہو۔

(۴) حیض اور نفاس ختم ہونے کی بعد غسل فرض ہوتا ہے۔

(۵) اگر چوپائے یا مردہ کے آگے یا پیچھے کے حصہ میں ذکر داخل کیا تو اگر انزال ہو گا تو غسل واجب ہو گا ورنہ نہیں۔

(۶) مذی اور ودی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، اسی طرح اگر محض خواب یاد ہو اور بستر وغیرہ پر منی کی تری یا اس کی کوئی علامت موجود نہ ہو تو غسل واجب نہیں ہوتا۔

(۷) اگر کوئی غیر مسلمؒ اس حال میں مسلمان ہوا کہ وہ ناپاکی کی حالت میں تھا تو اس پر غسل واجب ہو گا اور اگر ناپاکی کی حالت میں نہیں تھا تو واجب نہیں ہو گا البتہ مستحب ہو گا۔

(۸) زندوں پر میت کو غسل دینا واجب کفایہ ہے، یعنی اگر کچھ لوگ نہلا دیں تو سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں، ورنہ سب گناہ گار ہوتے ہیں۔

(۹) جمعہ، عیدین، احرام اور عرفہ کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔

(۱۰) محدث (بے وضو) کو قرآن کریم چھونا ناجائز ہے، ہاں اگر قرآن کریم جزدان یا کسی کپڑے میں لپٹا ہوا ہو تو جائز ہے اور اگر قرآن کی جلد پر محض چولی چڑھی ہوئی ہو تو چھونا درست نہیں ہے۔

(۱۱) اگر کوئی شخص بے وضو ہے تو اسے کرتے وغیرہ کے آستین یا کسی ایسے کپڑے کے ساتھ جو اس کے بدن پر ہے (مثلاً چادر وغیرہ اوڑھ رکھی ہو) تو قرآن کریم کو پکڑنا اور چھونا مکروہ ہے، ہاں اگر اس کپڑے کو اپنے بدن سے الگ کر کے پھر اس کی ساتھ قرآن کریم کو پکڑے اور چھوئے تو جائز ہو گیا۔

(۱۲) بے وضو کو تفسیر اور حدیث و فقہ کی کتابوں کو چھونا مکروہ ہے لیکن آستین کے ساتھ چھونا متفقہ طور پر جائز ہے۔

(۱۳) جس درہم (سکہ) پر قرآن کی کوئی سورۃ لکھی ہو تو بے وضو کے لئے اسے چھونا جائز نہیں ہاں اگر وہ تھیلی وغیرہ میں ہو تو پھر جائز ہے۔

(۱۴) جنبی کو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، اگر کوئی خاص ضرورت ہو تو داخل ہو سکتا ہے اسی طرح اس کے لئے قرآن پڑھنا خواہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو ناجائز ہے البتہ دعا اور ثنا کے طور پر پڑھ سکتا ہے، ایسے ہی جنبی کو ذکر کرنا تسبیح پڑھنی اور دعا کرنی جائز ہے، ان مسائل میں حیض اور نفاس والی عورتوں کا بھی وہی حکم ہے جو جنبی کا ہے۔

بَابُ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ وَمَا يُبَاحُ لَهٗ

جنبی شخص سے ملنے جلنے اور جنبی کے لئے جو امور جائز ہیں ان کا بیان

اس باب میں دو چیزوں سے متعلق احادیث ذکر کی جارہی ہیں، پہلی چیز تو یہ ہے کہ جنبی شخص (یعنی غسل جس پر واجب ہو) کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کلام کرنا، مصافحہ کرنا اور اس طرح اس کے ساتھ دوسرے معاملات کرنا جائز ہیں دوسری چیز یہ ہے کہ جنبی شخص کے لئے کیا چیزیں جائز ہیں کہ وہ انہیں حالت ناپاکی میں کرسکتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَقِیَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جُنُبٌ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَمَشَیْتُ مَعَهٗ حَتّٰی قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَاَتَیْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ اَیْنَ كُنْتَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ فَقُلْتُ لَهٗ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا یَنْجَسُ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَ لِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهٖ فَقُلْتُ لَهٗ لَقِیْتَنِیْ وَاَنَا جُنُبٌ فَكَرِهْتُ اَنْ اُجَالِسَكَ حَتّٰی اَغْتَسِلَ وَكَذَا الْبُخَارِیُّ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی۔

"حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی اور میں جنبی تھا۔ آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں آپ کے ہمراہ ہولیا۔ جب آپ ﷺ بیٹھ گئے تو میں چپکے سے نکل کر اپنے مکان پر آیا اور نہا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے (مجھے دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا "تم کہاں تھے؟" میں نے آپ ﷺ سے (اصل واقعہ) ذکر کیا (کہ میں ناپاک تھا اس لئے چلا گیا تھا) آپ ﷺ نے فرمایا "سبحان اللہ! مومن ناپاک نہیں ہوتا۔" روایت کے الفاظ بخاریؒ کے ہیں مسلمؒ نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اور ابوہریرہ کے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ (انہوں نے کہا) میں چونکہ حالت ناپاکی میں تھا اس لئے یہ مناسب معلوم نہ ہوا کہ آپ ﷺ کی پاس بیٹھوں جب تک کہ نہانہ لوں۔" اسی طرح بخاریؒ کی ایک دوسری روایت میں بھی یہ الفاظ منقول ہیں۔"

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنابت نجاست حکمی ہے کہ شریعت نے اس کا حکم کیا ہے اور اس پر غسل کو واجب قرار دیا ہے، لہٰذا حالت جنابت میں آدمی حقیقۃً نجس نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جنبی کا نہ تو جھوٹا ناپاک ہوتا ہے اور نہ اس کا پسینہ ہی ناپاک ہے، اس لئے جنبی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ملنا جلنا، مصافحہ کرنا، کلام کرنا یا اسی طرح اس کے ساتھ دوسرے معاملات کرنا جائز ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ تُصِیْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّیْلِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے رات کو جنابت ہو جاتی ہے (یعنی احتلام یا جماع سے غسل واجب ہو جاتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اسی وقت) وضو کرکے عضو تناسل کو دھو کر سو جایا کرو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ وضو کرنا جنبی کے سونے کے لئے طہارت ہے، یعنی جنبی وضو کرکے سویا تو گویا وہ پاک سویا، لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو رات میں احتلام ہو جائے یا جماع سے فراغت ہو اور اس کے بعد سونے کا ارادہ ہو یا بوجہ کسی ضرورت بے وقت غسل جنابت میں تاخیر کا خیال ہو تو ایسی شکل میں جنبی کو وضو کر لینا سنت ہے۔

اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ میں وضو کیا جائے اس کے بعد عضو تناسل کو دھویا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ صحیح مسئلہ یہ ہے کہ پہلے عضو تناسل کو دھونا چاہئے اس کے بعد وضو کرنا چاہئے، اس شکل میں حدیث کی مذکورہ ترتیب کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہاں وضو کرنا اس لئے مقدم کر کے ذکر کیا گیا ہے کہ وضو کا احترام اور اس کی تعظیم کا اظہار پیش نظر تھا۔

③ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ جُنُبًا فَاَرَادَ اَنْ يَّأْكُلَ اَوْيَنَامَ تَوَضَّأَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ حالت ناپاکی میں ہوتے اور کھانا کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز کے وضو کی طرح وضو کر لیتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

④ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمْ اَهْلَهٗ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يَّعُوْدَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوْءً۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے (یعنی صحبت کرے) اور پھر اس کے پاس آنے کا (یعنی دوبارہ صحبت کرنے کا) ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ دونوں کے درمیان وضو کر لے۔" (مسلمؒ)

تشریح: ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے دو مرتبہ صحبت کرے اور دونوں مرتبہ کے درمیان وضو کرلے تو دو فائدے ہیں۔ اول تو یہ کہ اس سے پاکیزگی اور طہارت حاصل ہوتی ہے، دوسری یہ کہ نشاط اور لذت زیادہ ہو جاتی ہے۔

بہر حال اس حدیث سے اور اس سے پہلی حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جنبی کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ حالت ناپاکی میں اگر سونے اور کھانے پینے کا یا دوبارہ جماع کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے عضو تناسل کو دھو کر وضو کر لے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ جنبی کے لئے کھانے پینے کے سلسلے میں ان احادیث میں جس وضو کا ذکر ہے، اس سے مراد حقیقۃً وضو نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایسے وقت میں ہاتھ دھو لئے جائیں اور یہی رائے جمہور علماء کی ہے کیونکہ نسائیؒ کی روایت میں اس مراد کی صراحت بھی موجود ہے۔

لیکن مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے تو بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں نماز کے وضو کی طرح وضو کیا جائے، لہٰذا اب ان روایتوں میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے یہی کہا جائے گا کہ آنحضور ﷺ ایسے مواقع پر کبھی کبھی اختصار کے طور پر محض ہاتھ ہی دھو لینے کو کافی سمجھتے تھے۔ مگر اکثر و بیشتر آپ ﷺ مکمل وضو فرماتے تھے۔"

⑤ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَآئِهٖ بِغُسْلٍ وَّاحِدٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ ایک غسل کے ساتھ اپنی ازواج مطہرات سے صحبت کر لیا کرتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک شب میں اپنی تمام ازواج مطہرات سے صحبت کیا کرتے تھے اور غسل ایک ہی مرتبہ آخر میں فرماتے تھے یہ نہیں تھا کہ ایک بیوی سے صحبت کے بعد پہلے غسل کرتے ہوں، پھر بعد میں دوسری بیوی کے پاس جاتے ہوں۔ ہاں اس کا احتمال ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ درمیان میں وضو فرما لیتے ہوں گے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیان جواز کے لئے آپ ﷺ نے وضو کو ترک کر دیا ہو۔ اس موقع پر ایک ہلکا سے اعتراض ہو سکتا ہے وہ یہ کہ قاعدہ شرعی کے مطابق اپنی بیویوں کے درمیان تقسیم کا اقل درجہ ایک رات ہے۔ یعنی اگر کسی شخص کے پاس چند بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باری مقرر کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ، ہر ایک بیوی کے یہاں کم از کم ایک پوری شب قیام کیا جائے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ ایک ہی رات میں تمام ازواج مطہرات کے پاس کس طرح جایا کرتے

تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات کے لئے باری مقرر کرنے کا یہ وجوب مختلف فیہ ہے، چنانچہ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم پر باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا۔ بلکہ آپ ﷺ نے ازخود راہ احسان باری مقرر فرما رکھی تھی مگر اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر بھی باری مقرر کرنا واجب تھا۔ لیکن آپ ﷺ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس ایک ہی شب میں خود ان کی رضا وخوشی سے جایا کرتے تھے لہٰذا اس پر کوئی اشکال پیدا نہیں ہو سکتا۔

(۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَحَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ سَنَذْكُرُهٗ فِيْ كِتَابِ الْاَطْعِمَةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے۔" (مسلمؒ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث (جو صاحب مصابیح نے اس موقع پر نقل کی ہے) ہم انشاء اللہ کتاب الاطعمہ میں ذکر کریں گے۔")

تشریح: حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی حالت میں ذکر خداوندی اور یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتے تھے آپ ﷺ خواہ حالت ناپاکی میں ہوتے یا بے وضو ہوتے اور یا ان کے علاوہ کسی بھی حالت میں ہوتے اللہ رب العزت کی یاد میں ہمیشہ مشغول رہتے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد ذکر قلبی اور قدرت خداوندی تفکر ہے۔ یعنی آپ ﷺ کا قلب مبارک ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول اور پروردگار کی قدرتوں پر غور و فکر کرنے میں منہمک رہتا تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اغْتَسَلَ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَفْنَةٍ فَاَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَوَضَّأَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ اِنَّ الْمَآءَ لَا يَجْنُبُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ نَحْوَهٗ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ عَنْ مَيْمُوْنَةَ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ۔

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرکار دوعالم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ نے لگن سے (یعنی لگن میں بھرے ہوئے پانی سے) چلو لے کر غسل کیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے اسی (لگن میں بچے ہوئے) پانی سے وضو کرنے کا ارادہ فرمایا تو! انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنبی تھی (اور میں نے اس سے غسل کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا "پانی تو جنبی نہیں ہوتا۔" (یعنی جنبی کے نہانے سے یا اس کے کسی عضو کے پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا) ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ) اور دارمی نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے نیز شرح السنۃ میں ابن عباسؓ سے اور انہوں نے حضرت میمونہ سے مصابیح کے ہم الفاظ روایت نقل کی ہے۔"

تشریح: اس حدیث سے تو بصراحت یہ معلوم ہوا کہ عورت کے غسل کے بقیہ پانی سے مرد کو وضو کرنا جائز ہے لیکن اسی باب کی تیسری فصل میں ایک حدیث (نمبر۲) آرہی ہے جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عورت کے غسل کے بقیہ پانی سے مرد کو وضو کرنے سے منع فرمایا ہے۔

لہٰذا ان دونوں روایتوں میں مطابقت کے لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث تو جواز پر دلالت کرتی ہے اور وہ دوسری حدیث ترک کی اولیت پر دلالت کرتی ہے، یعنی اگر کوئی مرد عورت کے غسل کے بقیہ پانی سے وضو کرنا چاہے تو اس حدیث کی رو سے اس کا وضو جائز تو ہو جائے گا لیکن دوسری حدیث کے پیش نظر اس پانی سے وضو نہ کرنا ہی بہتر اور اولیٰ ہوگا۔

(۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ يَسْتَدْفِئُ بِيْ قَبْلَ اَنْ اَغْتَسِلَ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ (میرے ساتھ) صحبت سے فراغت کے بعد غسل فرماتے، پھر میرے نہانے سے پہلے مجھ سے گرمی حاصل کرتے تھے۔" (ابن ماجہؒ) اور امام ترمذیؒ نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے نیز شرح السنة میں مصابیح کے ہم لفظ روایت منقول ہے)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہم بستری سے فارغ ہوتے تو مجھ سے پہلے ہی آپ ﷺ نہا لیتے تھے اور پھر چونکہ سرد موسم میں نہانے کی وجہ سے ٹھنڈ محسوس ہوتی تھی اس لئے آپ ﷺ میرے پاس تشریف لاتے اور اپنے اعضاء مبارک میرے بدن سے چمٹا کر لیٹ جایا کرتے تھے تاکہ گرمی حاصل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنبی کا بدن پاک ہوتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ مل کر لیٹ جانے میں کچھ حرج نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔

⑨ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيُقْرِئُنَا الْقُرْاٰنَ وَيَاْكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهُ اَوْيَحْجُزُهُ عَنِ الْقُرْاٰنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ پاخانہ سے نکل کر وضو سے پہلے) ہمیں قرآن کریم پڑھادیا کرتے تھے اور (اسی وقت) ہمارے ساتھ گوشت کھالیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو قرآن کریم پڑھنے سے سوائے جنابت کے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔"
(ابوداؤدؒ، نسائیؒ) اور ابن ماجہؒ نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔)

تشریح: اس حدیث سے دو مسئلوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ اول تو یہ کہ بغیر وضو کے قرآن کریم پڑھنا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ آپ ہاتھوں سے قرآن کریم کو نہ چھوئے کیونکہ بغیر وضو قرآن کریم کو چھونا ناجائز ہے۔

⑩ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَقْرَءُ الْحَآئِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ۔
(رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم نے فرمایا" حائض (ایام والی عورت) اور جنبی قرآن کریم کا کچھ حصہ بھی نہیں پڑھیں۔"
(ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو عورت ایام حیض میں ہو یا جو شخص حالت ناپاکی میں ہو وہ قرآن شریف بالکل نہ پڑھے یہاں تک کہ ایک آیت سے کم بھی قرآن کے الفاظ کی تلاوت نہ کرے چنانچہ حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسئلہ یہ ہے کہ حائضہ اور جنبی کو قرآن کریم کی تلاوت بالکل نہ کرنی چاہئے خواہ وہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

مگر بعض علماء کے ہاں حائضہ اور جنبی کو ایک ایک آیت یا زیادہ حصہ کی تلاوت تو حرام ہے البتہ ایک آیت سے کم کی تلاوت حرام نہیں ہے۔" اگر حائضہ یا جنبی قرآن کریم کا کوئی حصہ تلاوت کے مقصد سے نہیں بلکہ شکر کے ارادہ سے پڑھے تو یہ جائز ہے، مثلاً کوئی حائضہ یا جنبی کسی ایسے موقع پر جب کہ خدا کا شکر ادا کرنا ہو کہے "الحمد للہ رب العالمین" تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

⑪ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَاِنِّي لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا" مکانوں کے یہ دروازے مسجد کی طرف سے پھیر دو کیونکہ حائضہ اور جنبی کو مسجد میں داخل ہونا (خواہ وہاں ٹھہرنے کے لئے ہو یا وہاں سے گزرنے کے لئے) جائز نہیں کرتا۔" (ابوداؤد)

تشریح: مسجد خدا کا گھر ہونے کی وجہ سے ایک مقدس اور محترم جگہ ہے، اس پاک جگہ کی عظمت و احترام اور اس کے تقدس کا تقاضہ ہے

کہ کوئی ایسا شخص اس میں داخل نہ ہو جو حالت ناپاکی میں ہو۔ اس لئے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف گھروں کو ایسے دروازے جن میں گزرنے کے لئے مسجد سے گزرنا پڑتا ہے ان کے رخ تبدیل کر دیئے جائیں تاکہ جنبی اور حائضہ جو اپنے مکانوں میں جانے کے لئے مسجد سے گزرنے کے لئے مجبور ہیں اس شکل میں مسجد سے نہ گزر سکیں۔"

حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی جنبی اور حائضہ کسی دوسری جگہ جانے کے لئے مسجد سے گزرنا چاہیں تو وہ گزر سکتے ہیں، لیکن انہیں مسجد کے اندر بحالت ناپاکی بیٹھنا جائز نہیں ہے۔

مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح جنبی اور حائضہ کو مسجد کے اندر ٹھہرنا ناجائز ہے اسی طرح انہیں مسجد کے اندر سے گزرنا بھی حرام ہے چنانچہ یہ حدیث امام اعظمؒ کے مسلک کی تائید کر رہی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے جنبی اور حائضہ کو مسجد میں داخل ہونے سے مطلقاً منع فرمایا ہے اس میں گزرنے یا ٹھہرنے کی کوئی قید نہیں ہے۔ لہٰذا اس عموم کا تقاضہ یہ ہے کہ جنبی اور حائضہ کو مطلقاً مسجد میں داخل ہونے سے روکا جائے خواہ وہ گزرنے کے لئے مسجد میں داخل ہوں یا وہاں ٹھہرنے کے لئے۔

⑫ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ۔
(رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "جس گھر میں تصویر یا کتا یا جنبی ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔" (نسائیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: "یہاں" فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں یعنی جس مکان میں یہ تینوں چیزیں ہوتی ہیں اس میں وہ فرشتے داخل نہیں ہوتے جو رحمت و برکت لاتے ہیں اور خدا کا ذکر سننے کو آسمان سے اترتے ہیں۔

تصویر کا مسئلہ یہ ہے کہ تصویر اگر جاندار کی ہو اور بلند جگہ پر ہو مثلاً دیواروں پر آویزاں ہو، یا چھت پر لگی ہوئی ہو یا ایسے ہی پردوں پر تصویر بنی ہوئی ہوں تو اس سے رحمت کے فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ ہاں اگر تصویر بچھونے پر ہو یا اسی طرح پاؤں رکھنے کی جگہ پر ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اگر تصویر غیر جاندار کی ہو مثلاً درخت و پہاڑ کی ہو یا کسی عمارت وغیرہ کی ہو تو ان کو رکھنا جائز ہے یا تصویر تو جاندار کی ہو مگر اس کا سر کٹا ہوا ہو تو یہ بھی جائز ہے اسی طرح جو تصویر ایسی جگہ ہو جہاں روندی جاتی ہو مثلاً فرش پر ہو یا تکیہ وغیرہ پر ہو تو وہ بھی مکان میں فرشتوں کے دخول کو مانع نہیں ہے۔ اسی طرح نابالغ لڑکیوں کے لئے گھروں میں گڑیاں رکھنا بھی جائز ہے۔

ایسے سکے جن پر تصویریں بنی ہوئیں ہوں جیسے کہ آج کل سکے یا نوٹ چل رہے ہیں ان کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس حدیث کے لفاظ سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ گھر میں ہوں تو وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے مگر مسئلہ یہ ہے کہ مکان میں ان کا رکھنا جائز ہے، یہاں تک کہ ان کو اپنے پاس رکھنا خواہ پگڑی ہی میں رکھے جائز ہیں کیونکہ اگر پچھلے تمام علماء ایسے سکوں کو پاس رکھتے رہے ہیں اور ان کا لین دین کرتے رہے ہیں اور کسی عالم نے بھی ان کے رکھنے کو منع نہیں کیا ہے۔

"کتوں" کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مکان میں کتے از راہ شوق و فیشن ہوں گے تو یا جائز نہیں ہو گا ہاں اگر ضرورت اور حاجت کی وجہ سے مثلاً شکار کے لئے ہوں یا کھیتوں اور مویشیوں کی حفاظت کے لئے ہوں تو جائز ہے اور ان کو پالنا درست ہے۔

"جنبی سے مراد ہر جنبی نہیں ہے بلکہ وہ جنبی ہے جسے غسل جنابت میں سستی اور کاہلی کی بنا پر تاخیر کرنے کی عادت ہو یعنی وہ غسل کرنے میں اتنی ہی تاخیر کرتا ہو کہ نماز کا وقت بھی نکل جاتا ہو یا پھر وہ جنبی مراد ہے جو وضو نہ کر لیتا ہو۔" (دیکھئے باب کی حدیث نمبر ۲)

⑬ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تَقْرَبُهُمُ الْمَلَائِكَةُ جِيْفَةُ الْكَافِرِ وَالْمُتَضَمِّخُ بِالْخَلُوْقِ وَالْجُنُبُ اِلَّا اَنْ يَتَوَضَّأَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا۔ "تین شخص ایسے ہیں کہ رحمت کے فرشتے ان کے قریب بھی نہیں آتے۔ ① کافر کا بدن ② خلوق کا ملنے والا ③ جنبی جب تک کہ وضو نہ کرے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "جیفہ" سے مراد کافر کا بدن ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، ویسے تو اصل میں "جیفہ" مردار کو کہتے ہیں ظاہر ہے کہ کافر بھی بمنزلہ مردار کے ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ نجاست مثلاً شراب اور سود وغیرہ سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے نجس و ناپاک ہوتا ہے۔

"خلوق" ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے اور چونکہ رنگ دار ہوتی ہے اس لئے عورتوں کی مشابہت کی وجہ سے مردوں کو اس کا لگانا ممنوع ہے صرف عورتیں اسے استعمال کر سکتی ہیں، اس لئے اگر کوئی مرد اسے لگالیتا ہے تو رحمت کے فرشتے اس کے قریب بھی نہیں جاتے کیونکہ اس میں رعونت پائی جاتی ہے۔ اور عورتوں سے مشابہت ہوتی ہے۔

دراصل اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص سنت کے خلاف کام کرتا ہے تو اگرچہ وہ بظاہر بازیب و زینت اور خوشبو سے معطر ہوتا ہے نیز لوگوں صاحب، عزت و احترام بھی ہوتا ہے مگر سنت کے خلاف عمل کی وجہ سے حقیقت میں وہ نجس اور کتے سے بھی زیادہ خسیس ہوتا ہے۔

جنبی کے حق میں آپ ﷺ کے ارشاد و تہدید اور زجر و توبیخ کے لئے ہے تاکہ جنبی غسل جنابت میں تاخیر نہ کریں کیونکہ اس سے جنبی رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔

⑭ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ أَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِيْ كَتَبَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنْ لَّا يَمَسَّ الْقُرْآنَ اِلَّا طَاهِرٌ۔ (رواہ مالک والدارقطنی)

"اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمروؓ بن حزم راوی ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ نے جو ہدایت نامہ عمرو بن حزم کے لئے لکھا تھا اس میں یہ (حکم بھی) مرقوم تھا کہ قرآن کریم کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگایا کریں۔" (مالکؒ، دارقطنیؒ)

تشریح: سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم کو نواح یمن کے کسی شہر کا عامل بنا کر بھیجا تھا اور ایک ہدایت نامہ لکھ کر انہیں دیا تھا جس میں فرائض اور صدقات و دیات وغیرہ کے احکام و مسائل کی تفصیل تحریر کی تھی۔ اسی مکتوب گرامی میں یہ حکم بھی تھا جسے راوی یہاں بیان کر رہے ہیں۔

⑮ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ انْطَلَقْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِيْ حَاجَةٍ كَانَ مِنْ حَدِيْثِهٖ يَوْمَئِذٍ اَنْ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ فِيْ سِكَّةٍ مِنَ السِّكَكِ

۱ؐ اسم گرامی عمار بن یاسر اور کنیت ابوالیقظان ہے یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی طرف سبقت کی تھی، ان کی والدہ سمیہ تھیں اور وہ پہلی خاتون تھیں جو اللہ عزوجل کی راہ میں شہید کی گئیں، یہ اور ان کی والدہ اور ان کے والد سب کے سب پہلے ایمان لانے والوں میں ہیں حضرت عمار کا شمار صحابہ کی جماعت میں ہوتا ہے جو اسلام لانے کی وجہ سے ظلم و ستم کی ہر بھٹی میں ڈالے گئے مگر جب وہاں سے نکلے تو کندن ہو کر۔! حضرت عمار اس وقت اسلام لائے تھے جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے گھر میں پوشیدہ تھے۔ یہ اور حضرت صہیب بن سنان دونوں ساتھ ہی اسلام لائے تھے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خدا کی راہ میں بہت زیادہ ستائے گئے ہیں، یہاں تک کہ جب مشرکین مکہ انہیں مارتے مارتے تھک گئے اور یہ اپنے ایمان سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹتے تو انہیں آگ میں جلایا کرتے تھے اسی اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزران کی طرف ہوا کرتا تو آپؐ انہیں آگ میں جلتا ہوا دیکھ کر اپنا دست مبارک ان کے اوپر پھیر کر فرمایا کرتے تھے کہ اے آگ! تو عمار پر ایسی ہی ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا جیسے کہ حضرت ابراہیم پر ہوئی تھی۔ جب آپ زخمی ہوئے تو انہوں نے یہ وصیت کی کہ مجھے انہی کپڑوں کے ساتھ دفن کرنا کیونکہ میں انہی کپڑوں کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے سامنے جاؤں گا، چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کو ان ہی کپڑوں میں دفن کیا۔ ربیع الاول ۳۷ھ میں ۹۴ برس کی عمر میں جنگ صفین کے دوران آپ نے شہادت پائی۔ (اسد الغابہ)

۲ؐ اسم گرامی عمرو بن حزم اور کنیت ابوضحاک ہے، آپ انصاری ہیں سب سے پہلے غزوہ خندق میں شریک ہوئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (نواح یمن) میں اہل نجران پر عامل بنا کر بھیجا تھا اس وقت ان کی عمر صرف سترہ سال تھی بمقام مدینہ منورہ ۵۱ھ یا ۵۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

فَلَقِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ أَوْبَوْلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى إِذَا كَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَتَوَارٰى فِي السِّكَّةِ ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ عَلَى الْحَائِطِ وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً أُخْرٰى فَمَسَحَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ وَقَالَ إِنَّهٗ لَمْ يَمْنَعْنِيْ أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ إِلَّا أَنِّيْ لَمْ أَكُنْ عَلٰى طُهْرٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت نافع" کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت ابن عمرؓ استنجے کے لئے جا رہے تھے میں بھی ان کے ہمراہ ہولیا (پہلے تو) انہوں نے استنجاء کیا اور اس کے بعد انہوں نے اس روز یہ حدیث بیان کی کہ ایک شخص کسی کوچہ میں جا رہا تھا اور سرکار دو عالم ﷺ پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہو کر تشریف لا رہے تھے اس شخص نے آپ ﷺ سے ملاقات کی اور سلام عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے سلام کا جواب نہیں دیا جب یہ شخص (دوسرے) کوچہ میں مڑنے کو ہوا تب سرکار دو عالم ﷺ نے (تیمم کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر مار کر منہ پر پھیرے پھر (دوسری مرتبہ) مار کر اپنے ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیرے، اس کے بعد اس شخص کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا "مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے کسی چیز نے نہیں روکا تھا فقط یہ بات تھی کہ میں بے وضو تھا۔" (ابوداؤد)

تشریح: آپ ﷺ نے اس شخص کے سلام کا جواب اس لئے نہیں دیا کہ دراصل "سلام" اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام ہے گویا عام طور پر ایسے موقع پر سلام کے حقیقی معنی مراد نہیں لئے جاتے بلکہ اس سے سلامتی کے معنی مراد ہوتے ہیں، مگر پھر آپ ﷺ نے اس کے اصل معنی کا احترام کرتے ہوئے بغیر وضو کے اللہ عزوجل کا نام لینا مناسب نہ سمجھا۔

اسی باب میں پہلے کچھ حدیثیں گزری ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بیت الخلاء سے آکر بغیر وضو کے قرآن پڑھتے اور پڑھاتے تھے اور یہ کہ آپ ﷺ بغیر وضو کے ذکر اللہ کیا کرتے تھے۔ بظاہر وہ احادیث اور یہ حدیث آپس میں متعارض نظر آتی ہیں؟

اس تعارض کا دفعیہ یہ کہہ کر کیا جائے گا کہ آپ ﷺ کا بے وضو قرآن پڑھنا یا ذکر اللہ کرنا جیسے کہ پہلی حدیثوں میں گزرا رخصت (آسانی) پر عمل تھا۔ اور یہاں آپ ﷺ نے امت کی تعلیم کے لئے عزیمت (اولیٰ) پر عمل فرمایا ہے۔ یعنی یہاں آپ ﷺ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ بے وضو اللہ کا نام لینا جائز تو ہے مگر افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ باوضو ذکر اللہ کیا جائے۔

اس حدیث سے دو چیزیں معلوم ہوئیں اول تو یہ کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ دوسری یہ کہ اگر کوئی شخص کسی عذر کی بناء پر سلام کا جواب نہ دے سکے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس کے بعد اپنا وہ عذر جس کی وجہ سے وہ سلام کا جواب نہیں دے سکا ہے، سلام کرنے والے کے سامنے بیان کر دے تاکہ اس کی طرف غرور و تکبر کی نسبت نہ کی جاسکے یعنی سلام کرنے والا یہ نہ سوچے کہ اس نے غرور و تکبر کی بنا پر میرے سلام کا جواب نہیں دیا ہے۔

(۱۶) وَعَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ أَنَّهٗ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُوْلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى تَوَضَّأَ ثُمَّ اعْتَذَرَ إِلَيْهِ وَقَالَ إِنِّيْ كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللّٰهَ إِلَّا عَلٰى طُهْرٍ رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ إِلٰى قَوْلِهٖ حَتّٰى تَوَضَّأَ وَقَالَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّ عَلَيْهِ۔

"اور حضرت مہاجر بن قنفذؓ[1] کے بارے میں مروی ہے کہ یہ (ایک مرتبہ) سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب کہ آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے، انہوں نے سلام عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے جواب نہ دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور پھر یہ عذر بیان فرمایا کہ "میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ بے وضو اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کروں۔" ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے یہ روایت لفظ حتّٰی

---

[1] حضرت مہاجر بن قنفذ قریشی تیمی ہیں کہا جاتا ہے کہ مہاجر اور قنفذ دونوں لقب ہیں اصل میں ان کا نام عمرو بن خلف ہے۔ آپ فتح مکہ کے دن اسلام لائے ہیں اور ہجرت کے بعد بصرہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں انتقال ہوا۔

تَوَضَّاءَ (یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وضو فرمایا) تک نقل کی ہے اور کہا کہ جب آپ ﷺ نے وضو فرمالیا تو سلام کا جواب دیا۔

تشریح: "مکروہ" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بے وضو اللہ کا نام لینا حرام ہے بلکہ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ افضل اور بہتر یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقدس و مبارک نام باوضو لیا جائے، اگر کسی نے بغیر وضو خدا کا نام لیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۷) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجْنِبُ ثُمَّ يَنَامُ ثُمَّ يَنْتَبِهُ ثُمَّ يَنَامُ۔ (رواہ احمد)

"حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ حالت ناپاکی میں سو جایا کرتے اور پھر جاگتے اور سو جاتے۔" (احمدؒ)

تشریح: اسی باب کی حدیث نمبر ۳ میں گزر چکا ہے کہ جب آپ ﷺ حالت جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو پہلے وضو فرمالیا کرتے تھے اس کے بعد سو جایا کرتے تھے، اس حدیث میں گو اس کی صراحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ حالت جنابت میں سونے سے پہلے وضو فرماتے تھے مگر یہاں بھی مراد یہی ہے کہ آپ ﷺ وضو کرنے کے بعد ہی آرام فرماتے تھے۔

یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھی بغیر وضو کے بھی بیان جواز کے لئے سو جایا کرتے تھے تاکہ اس سے یہ معلوم ہو کہ بغیر وضو بھی سو جانا جائز ہے مگر افضل اور بہتر یہی ہے کہ وضو کرنے کے بعد سویا جائے۔

(۱۸) وَعَنْ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يُفْرِغُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى سَبْعَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَغْسِلُ فَرْجَهُ فَنَسِيَ مَرَّةً كَمْ اَفْرَغَ فَسَأَلَنِيْ فَقُلْتُ لَا اَدْرِيْ فَقَالَ لَا اُمَّ لَكَ وَمَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَدْرِيَ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُفِيْضُ عَلٰى جِلْدِهِ الْمَآءَ ثُمَّ يَقُوْلُ هٰكَذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَطَهَّرُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت شعبہ راوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ ناپاکی کا غسل فرماتے تو (پہلے) اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات مرتبہ پانی ڈالتے پھر اپنی شرم گاہ دھوتے۔ ایک مرتبہ بھول گئے کہ پانی کتنی مرتبہ ڈالا ہے؟ چنانچہ انہوں نے مجھ سے پوچھا میں نے عرض کیا "مجھے یاد نہیں" انہوں نے فرمایا "تمہاری ماں مرے تمہیں یاد رکھنے سے کس نے روک دیا تھا"؟ پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کر کے اپنے سارے بدن پر پانی بہالیا اور کہنے لگے کہ "سرکار دو عالم ﷺ بھی اس طرح پاک ہوا کرتے تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: غسل جنابت کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے متعلق ستر دھونے سے پہلے ہاتھوں کو دھونے کے بارے میں اس سے پہلے جو احادیث گزری ہیں یا تو وہ مطلق ہیں یعنی ان میں یہ تعداد ذکر نہیں کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کتنی مرتبہ ہاتھ دھوتے تھے یا جن میں تعداد ذکر کی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک دو مرتبہ دھوئے ہیں یا تین مرتبہ، چنانچہ باب الغسل کی پہلی فصل میں خود حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت (نمبر ۵) گزری ہے جس میں یہ تو منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک دھوئے ان کی تعداد ذکر نہیں کی گئی ہے کہ کتنی مرتبہ دھوئے؟ لیکن یہاں حضرت شعبہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ عمل نقل فرما رہے ہیں کہ وہ غسل جنابت کے وقت سات مرتبہ پانی ڈال کر ہاتھ دھوتے تھے۔

لہٰذا اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ عمل کسی خاص صورت میں ہوگا یعنی آپؓ کو کوئی ایسی صورت پیش آئی ہوگی۔ جس کی بنا پر بہت زیادہ طہارت و پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے سات مرتبہ دھونا ضرور سمجھا ہوگا۔ یا پھر اس کی تاویل یہ ہوگی کہ سات مرتبہ دھونے کے حکم کے منسوخ ہونے کی اطلاع حضرت ابن عباسؓ کو نہیں ہوئی ہوگی اس لئے انہوں نے اسی پہلے حکم کے مطابق سات مرتبہ دھویا ہوگیا۔

یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ شاگرد کو اپنے شیخ و استاد کے سامنے انتہائی ہوشیاری کے ساتھ رہنا چاہئے تاکہ شیخ کے ہر ہر

قول اور ہر ہر عمل کو ذہن نشین کر سکے۔ نیز شیخ و استاد کو یہ حق ہے کہ وہ شاگرد کی غفلت اور لاپرواہی پر اسے تنبیہ کرے۔"

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ یَوْمٍ عَلٰی نِسَآئِہٖ یَغْتَسِلُ عِنْدَ ھٰذِہٖ وَعِنْدَ ھٰذِہٖ قَالَ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا تَجْعَلُہٗ غُسْلًا وَّاحِدًا اٰخِرًا قَالَ ھٰذَا اَزْکٰی وَاَطْیَبُ وَاَطْھَرُ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم ایک روز اپنی تمام بیویوں کے پاس آئے (یعنی سب سے جماع کیا) اور ہر ایک بیوی سے (جماع سے فارغ ہو کر علیحدہ علیحدہ) غسل فرمایا۔ ابورافعؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ (ﷺ)! آپ (ﷺ) نے آخر میں ایک ہی مرتبہ کیوں نہ غسل کر لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ (یعنی ہر جماع کے بعد غسل کرنا، خوب پاک کرتا ہے، (نفس کے لئے) بہت خوش آئند ہے اور (جسم کو) خوب صاف کرتا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس سے پہلے اسی باب کی حدیث نمبر ۵ سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے ایک شب میں تمام ازواج مطہرات سے ہم بستری فرما کر آخر میں ایک ہی مرتبہ غسل فرمایا اور یہاں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ آپ نے ایک دن تمام ازواج مطہرات سے ہم بستری فرمائی اور غسل کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ ہر بیوی کے ساتھ جماع سے فراغت کے بعد علیحدہ علیحدہ غسل فرمایا تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہوگی کہ آپ ﷺ کا وہ پہلا عمل جو اوپر بیان ہوا وہ اُمت کی آسانی کے لئے تھا یعنی اس بات کا اظہار مقصود تھا تمام بیویوں کے ساتھ ہم بستری سے فراغت کے بعد آخر میں ایک مرتبہ غسل کر لینا کافی ہے لیکن افضل اور بہتر چونکہ یہی ہے کہ ہر جماع کے بعد غسل کیا جائے اس لئے اس وقت آپ ﷺ نے ہر جماع کے بعد علیحدہ علیحدہ غسل فرمایا۔

آپ ﷺ نے حضرت ابورافعؓ کے جواب میں ہر مرتبہ غسل کرنے کی جو وجہ بیان فرمائی ہے اس میں تین لفظ استعمال فرمائے ہیں (۱) ازکی (۲) اطیب (۳) اطہر۔ ان تینوں الفاظ کے فرق کو ظاہر کرتے ہوئے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "تطہیر" کا استعمال ظاہری مناسبت سے ہے اور تزکیہ و تطیب کا استعمال باطنی مناسبت سے ہے یعنی تطہیر اخلاق بد کے ازالہ کے لئے ہے اور تزکیہ و تطیب اچھی خصلتوں کے حصول کے لئے ہے گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس طرح غسل کرنے سے برے اخلاق مثلاً غصہ وغیرہ دور ہوتے ہیں اور اچھے اخلاق یعنی حلم و تقویٰ وغیرہ حاصل ہوتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنِ الْحَکَمِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طُھُوْرِ الْمَرْأَۃِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَزَادَ اَوْقَالَ بِسُؤْرِھَا وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ)

"اور حضرت حکمؓ[1] بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ نے عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو وضو کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، ترمذیؒ) اور ترمذی نے یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ "یا آپ ﷺ نے منع فرمایا، عورت کے (وضو کے) بقیہ پانی سے" نیز (ترمذیؒ) نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

تشریح: لفظ سُؤر یہاں غسل یا وضو کے "بقیہ پانی" کے معنی میں ہے، اس کے لغوی معنی "جھوٹا" مراد نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ راوی کو فقط لفظ میں شک واقعہ ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے یا تو "فضل" کہا ہے یا "سور" فرمایا ہے۔

اس فصل کی حدیث نمبر ۷ کی تشریح میں اس حدیث کا تذکرہ آچکا ہے ان دونوں حدیثوں میں جو تعارض واقع ہو رہا ہے اس کی وضاحت وہاں کی جا چکی ہے علامہ سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث اور اس کے بعد آنے والی حدیث نمبر ۲۱ سے عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو وضو کرنے کی جو ممانعت ثابت ہو رہی ہے اس کو "نہی تنزیہی" پر محمول کیا جائے تاکہ اس حدیث اور

---

[1] اسم گرامی حکم ابن عمر ہے قبیلہ غفار کی نسبت سے مشہور ہیں آپ صحابی ہیں وفات نبی کے بعد بصرہ چلے گئے ان کے سوتیلے بھائی زیاد نے انہیں خراسان کا حاکم بنایا تھا چنانچہ ان کی وفات بھی خراسان کے مضافات مقام مرو میں پچاس ہجری میں ہوئی۔

اس حدیث نمبرے میں جس سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے وضو فرمایا تھا تعارض پیدا نہ ہو سکے اور دونوں حدیثیں اپنی اپنی جگہ قابل عمل رہیں۔

(۲۱) وَعَنْ حُمَيْدِ نِ الْحِمْيَرِيْ قَالَ لَقِيْتُ رَجُلاً صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ سِنِيْنَ كَمَا صَحِبَهُ اَبُوْهُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْاَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ اَوْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْاَةِ زَادَ مُسَدَّدٌ وَّلْيَغْتَرِ فَا جَمِيْعًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَزَادَ اَحْمَدُ فِيْ اَوَّلِهٖ نَهٰى اَنْ يَّمْتَشِطَ اَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ اَوْ يَبُوْلَ فِيْ مُغْتَسَلٍ وَّرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسٍ۔

"اور حضرت حمید[1] حمیریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص سے ملا جو ابوہریرہؓ کی طرح چار برس سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت اقدس میں رہ چکے تھے انہوں نے کہا کہ "سرکار دوعالم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ عورت مرد "کے غسل" کے بچے ہوئے پانی سے نہائے یا مرد عورت (کے غسل) کے بچے ہوئے پانی سے نہائے۔ (ایک راوی) مسددؒ نے یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ "دونوں اکھٹے ہو کر (علیحدہ علیحدہ) چلو لے کر نہالیں تو جائز ہے۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ) "اور امام احمدؒ نے اس روایت کے شروع میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ "آپ ﷺ نے اس سے (بھی) منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص ہر روز کنگھی کرے اور نہانے کی جگہ پیشاب کرے اور ابن ماجہؒ نے یہ روایت عبداللہ بن سرجسؓ سے نقل کی ہے۔"

تشریح: روزانہ کنگھی کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن کا مقصد صرف بناؤ سنگار اور زیب و زینت ہوتا ہے لہٰذا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کنگھی تیسرے روز کی جائے یعنی درمیان میں ایک دن کا ناغہ کرنا چاہئے۔

غسل کرنے کی جگہ پیشاب کرنا اس لئے منع ہے کہ اس سے وسوسے پیدا ہوتے جو عبادت میں حضوری قلب کے لئے سدراہ بنتے ہیں۔

بَابُ اَحْكَامِ الْمِيَاهِ

پانی کے احکام کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

(۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاۤءِ الدَّآئِمِ الَّذِيْ لَا يَجْرِيْ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا يَغْتَسِلُ اَحَدُكُمْ فِي الْمَآءِ الدَّآئِمِ وَهُوَ جُنُبٌ قَالُوْا كَيْفَ يَفْعَلُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ يَتَنَاوَلُهٗ تَنَاوُلاً۔

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص اس ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بہنے والا نہ ہو پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی میں غسل کرنے لگے (یعنی کسی دانشمند سے یہ بعید ہے کہ وہ پانی میں پیشاب کرلے پھر اسی پانی سے غسل کرلے)" (بخاریؒ، ومسلمؒ) مسلمؒ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ناپاکی کی حالت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے (تاکہ پانی ناپاک نہ ہو جائے) لوگوں نے کہا "ابوہریرہ پھر کس طرح نہانا چاہئے؟ انہوں نے فرمایا "اس میں سے تھوڑا

---

[1] اسم گرامی حمید بن عبدالرحمن ہے، قبیلہ حمیر سے تعلق کی وجہ سے حمیری کی نسبت سے مشہور ہیں جلیل القدر تابعیؒ ہیں اپنے علم وفضل کی بنا پر اہل بصرہ کے امام سمجھے جاتے تھے، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباسؓ سے ساعت کا شرف حاصل ہے۔

تھوڑا پانی (چلو سے) لے کر (پانی سے باہر نہانا چاہئے۔"

تشریح: یہاں جس پانی میں پیشاب کرنے اور پھر اس میں نہانے سے روکا جارہا ہے اس سے ماء قلیل یعنی تھوڑا پانی مراد ہے کیونکہ ماء کثیر یعنی زیادہ پانی ماء جاری یعنی بہنے والے پانی کا حکم رکھتا ہے جو پیشاب وغیرہ سے ناپاک نہیں ہوتا اور پھر اس میں نہانا بھی جائز ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ ماء کثیر یعنی زیادہ پانی میں بھی پیشاب کرنا ممنوع ہے اگرچہ وہ پانی پیشاب وغیرہ سے نجس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اس میں کوئی شخص پیشاب کرے گا تو اس کے دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس میں پیشاب کرنے لگیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عمومی طور پر سب ہی لوگ اس میں پیشاب کرنے کی عادت میں مبتلا ہو جائیں گے جس کی وجہ سے پانی رفتہ رفتہ متغیر ہو جائے گا یعنی جب اس میں زیادتی اور کثرت سے پیشاب کیا جائے گا تو پانی کا رنگ مزہ اور بو تینوں چیزیں بدل جائیں گی اور پانی اصل حیثیت کھو کر ناپاک ہو جائے گا۔

لہٰذا اب اس حدیث میں مذکورہ حکم کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ پہلی شکل یعنی پانی کم ہونے کی صورت میں تو یہ نہی حرمت کے لئے ہے کیونکہ کم پانی میں پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ دوسری شکل یعنی پانی زیادہ ہونے کی صورت میں کراہت کے لئے ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اصطلاح شریعت میں "کم پانی" اور زیادہ پانی کی مقدار اور اس کی تحدید کیا ہے؟ تو اس سلسلہ میں انشاء اللہ تعالیٰ اگلے صفحات میں پوری وضاحت کی جائے گی۔

اسے بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث میں پانی کے ساتھ جاری یعنی بہنے والے کی قید کیوں لگائی گئی ہے؟ اس قید کی وجہ یہ ہے کہ اگر پانی جاری یعنی بہنے والا ہو تو خواہ کم ہو یا زیادہ ہو اس میں نجاست مثلاً پیشاب وغیرہ پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

نیز علماء نے لکھا ہے کہ یہ تمام تفصیلات دن کے لئے ہیں، رات میں جنابت کے خوف کی وجہ سے مطلقاً اس میں قضائے حاجت مکروہ اور ممنوع ہے کیونکہ جنات رات کو وہیں رہتے ہیں جہاں پانی ہوتا ہے چنانچہ اکثر و بیشتر ندی و نالے اور تالاب جوہڑ اور نہر وغیرہ رات میں جنات کا مسکن ہوتے ہیں۔

حدیث کے آخری حصہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جنبی پانی میں ہاتھ نکالنے کے لئے ڈالے تو پانی مستعمل یعنی ناقابل استعمال نہیں ہوگا اور اگر وہ پانی میں ہاتھ اس لئے ڈالے تاکہ اپنے ہاتھوں کو ناپاکی دور کرنے کے لئے اس میں دھوئے تو اس شکل میں پانی مستعمل یعنی ناقابل استعمال ہو جائے گا۔

(۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّبَالَ فِي الْمَآءِ الرَّاكِدِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (مسلمؒ)

(۳) وَعَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَاْسِيْ وَدَعَالِيْ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّاَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهٖ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلٰى خَاتِمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلِ زِرِّ الْحَجَلَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ "میری خالہ مجھے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے گئیں، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (یہ) میرا بھانجا بیمار ہے۔" چنانچہ آپ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی، پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور میں نے آپ ﷺ کے وضو کا پانی پی لیا۔ اس کے بعد میں آپ ﷺ کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑا ہو کر مہر نبوت کو دیکھنے لگا جو آپ ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان تھی اور دلہن کے پلنگ کی گھنڈی کی طرح (چمک رہی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "وضو کے پانی" سے یا تو یہ مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وضو فرمانے کے بعد جو پانی برتن میں باقی رہ گیا تھا حضرت سائبؓ

نے اسے پی لیا یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب آپ ﷺ وضو فرما رہے تھے تو جو پانی آپ ﷺ کے اعضاء وضو سے گرتا جاتا تھا حضرت سائب رضی اللہ عنہ حصول برکت وسعادت کے خاطر اسے پیتے جاتے تھے۔

خدائے تعالیٰ نے سرکار دو عالم ﷺ کو نبوت و رسالت کے منصب سے سرفراز فرما کر جب دنیا میں مبعوث کیا تو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی حقانیت و صداقت کی دلیل کے طور پر جہاں اور بہت سی نشانیاں اور معجزے دیئے وہیں ایک بڑی نشانی آپ ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان "مہر نبوت" بھی ثبت فرمائی چنانچہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ اسی مہر نبوت کی مقدار اور اس کی ہیت بیان فرما رہے ہیں کہ وہ چھپر کھٹ کی گھنڈی کی طرح تھی۔

اس نشانی کو "مہر نبوت" اس لئے کہا جاتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام پر خدائے تعالیٰ کی جانب سے جو کتابیں نازل کی گئی تھیں ان میں آنحضرت ﷺ کی آمد اور بعثت کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ کی یہ علامت بتائی گئی تھی کہ آپ ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو اسی مہر نبوت کو دیکھ کر آپ ﷺ پہچانے گئے کہ آپ ہی وہ نبی آخر الزماں ہیں جن کی بعث کی خبر پہلے کتابوں میں دی گئی ہے چنانچہ یہ "مہر نبوت" آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی علامت قرار دی گئی اس کے علاوہ علماء نے اس کی وجہ تسمیہ اور بھی لکھی ہیں مگر یہاں طوالت کی وجہ سے سب کو ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔

مہر نبوت کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ اس کے اندرونی حصہ میں وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ کے الفاظ مرقوم تھے اور اندرونی حصہ میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی تَوَجَّهْ حَيْثُ مَاكُنْتَ فَاِنَّكَ مَنْصُوْرٌ یعنی جدھر بھی آپ ﷺ متوجہ ہوں گے ہماری مدد آپ (ﷺ) کے ساتھ ہوگی۔

"مہر نبوت" کے ظاہر ہونے کے وقت میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات نے تو یہ کہا ہے کہ جب آپ ﷺ کا سینہ مبارک شق کر کے سیا گیا تو اس کے بعد یہ نمودار ہوئی بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے فوراً بعد یہ مہر ظاہر ہوئی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اس مہر سمیت ہی پیدا ہوئے تھے۔ واللہ اعلم

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

(۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَاءِ يَكُوْنُ فِي الْفَلَاةِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَايَنُوْبُهُ مِنَ الدَّوَابِّ وَ السِّبَاعِ فَقَالَ اِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ اُخْرٰى لِاَبِيْ دَاوٗدَ فَاِنَّهٗ لَا يَنْجَسُ)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ سے اس پانی کا حکم پوچھا گیا جو جنگل میں زمین پر جمع ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر چوپائے درندے اس پر آتے جاتے رہتے ہیں (یعنی جانور وغیرہ اس پانی میں آکر اسے پیتے ہیں اور اس میں پیشاب وغیرہ بھی کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر پانی دو قلوں کے برابر ہو تو وہ ناپاکی کو قبول نہیں کرتا (یعنی نجاست وغیرہ پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا)۔" (احمدؒ ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، دارمیؒ، ابن ماجہؒ اور ابوداؤدؒ کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔")

تشریح: قُلَّه بڑے مٹکے کو کہتے ہیں جس میں اڑھائی مشک پانی آتا ہے "قلتین" یعنی دو مٹکوں میں پانچ مشک پانی سماتا ہے دو مٹکوں کے پانی کا وزن علماء نے ساڑھے سات من لکھا ہے اس حدیث کے پیش نظر حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی دو مٹکوں کے برابر ہو اور اس میں نجاست و غلاظت گر جائے تو جب تک پانی کا رنگ، مزہ اور بو متغیر نہ ہو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

لیکن جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے اس کے بارے میں علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ سفر السعادہ کے مصنف جو ایک جلیل القدر محدث ہیں لکھتے ہیں کہ "علماء کی ایک جماعت کا قول تو یہ ہے کہ حدیث صحیح ہے مگر ایک دوسری

جماعت کا کہنا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔"

علی بن مدینیؒ نے جو جلیل القدر علماء اور ائمہ حدیث کے امام اور حضرت امام بخاریؒ کے استاد ہیں لکھا ہے کہ "یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے ثابت ہی نہیں ہے۔"

نیز علماء لکھتے ہیں کہ "یہ حدیث اجماع صحابہ کے بر خلاف ہے کیونکہ ایک مرتبہ چاہ زمزم میں ایک حبشی گر پڑا تو حضرت بن عباسؓ اور حضرت ابن زبیرؓ نے یہ حکم دیا کہ کنویں کا تمام پانی نکال دیا جائے اور یہ واقعہ اکثر صحابہ کے سامنے ہوا اور کسی نے بھی اس حکم کی مخالفت نہیں کی۔"

پھر اس کے علاوہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اس مسئلہ میں پانی کی حد اور مقدار متعین کرنے کے سلسلے میں نہ تو حنفیہ کو اور نہ ہی شوافع کو ایسی کوئی صحیح حدیث ہاتھ لگی ہے جس سے معلوم ہو کہ نجاست پڑنے سے کتنی مقدار کا پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور کتنی مقدار کا ناپاک نہیں ہوتا۔"

امام طحاویؒ جو فن حدیث کے ایک جلیل القدر امام اور حنفی مسلک تھے فرماتے ہیں کہ "حدیث قلتین (یعنی یہ حدیث) اگرچہ صحیح ہے لیکن اس پر ہمارے عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں پانی کی مقدار دو قلہ بتائی گئی ہے اور قلہ کے کئی معنی آتے ہیں، چنانچہ قلہ مٹکے کو بھی کہتے ہیں اور مشک کو بھی، نیز پہاڑ کی چوٹی بھی قلہ کہلاتی ہے، لہٰذا جب یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں حدیث میں قلہ سے کیا مراد ہے تو اس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے؟

بہر حال اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ جو علماء صرف حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہیں ان کا مسلک تو یہ ہے کہ "نجاست وغیرہ پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا خواہ پانی کم ہو یا زیادہ ہو، جاری ہو یا ٹھہرا ہوا ہو، اور خواہ نجاست پڑنے سے پانی کا رنگ مزہ اور بو متغیر ہو یا نہ ہو" یہ حضرات دلیل میں اس کے بعد آنے والی حدیث (نمبر ۵) کے یہ الفاظ پیش کرتے ہیں کہ اِنَّ الْمَآءَ طَهُوْرٌ لَّا يُنَجِّسُهٗ شَيْءٌ (یعنی پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی) حالانکہ مطلقاً پانی نہیں ہے بلکہ زیادہ پانی ہے۔

ان کے علاوہ تمام علماء اور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی زیادہ ہو گا تو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہو گا اور اگر پانی کم ہے تو نجاست پڑنے سے ناپاک ہو جائے گا۔

اب اس کے بعد یہ چاروں اماموں کے ہاں "زیادہ" اور "کم" کی مقدار میں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ تو فرماتے ہیں کہ نجاست پڑنے سے جس پانی کا رنگ، مزہ اور بو متغیر نہ ہو وہ ماء کثیر زیادہ پانی کہلائے گا اور جو پانی متغیر ہو جائے وہ ماء قلیل (کم پانی) کے حکم میں ہو گا۔ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک اس حدیث کے پیش نظر یہ ہے جو پانی دو قلوں کے برابر ہو گا اسے ماء کثیر کہیں گے اور جو پانی دو قلوں کے برابر نہ ہو گا وہ "ماء قلیل" کہلائے گا۔

حضرت امام اعظمؒ اور ان کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ۔ "اگر پانی اتنی مقدار میں ہو کہ اس کے ایک کنارہ کو ہلانے سے دوسرا کنارہ نہ ہلے تو وہ "ماء کثیر ہے اور اگر دوسرا کنارہ ہلنے لگے تو وہ "ماء قلیل" ہے۔"

بعد کے بعض حنفی علماء نے "دہ دردہ" کو ماء کثیر کہا ہے یعنی اتنا بڑا حوض جو دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو اور اتنا گہرا ہو کہ اگر چلو سے پانی اٹھائیں تو زمین نہ کھلے ایسے حوض کو دہ دردہ کہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے حوض کے پانی میں جو "دہ دردہ" ہو ایسی نجاست پڑ جائے جو پڑ جانے کے بعد دکھلائی نہیں دیتی ہو جیسے پیشاب، خون، شراب وغیرہ تو چاروں طرف وضو کرنا درست ہے جدھر چاہے وضو کیا جاسکتا ہے، البتہ اگر اتنے بڑے حوض میں اتنی جناست پڑ جائے کہ پانی کا رنگ یا مزہ بدل جائے یا بدبو آنے لگے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر حوض کی شکل یہ ہو کہ لمبا تو وہ بیس ہاتھ اور چوڑا پانچ ہاتھ ہو یا ایسے ہی لمبا پچیس ہاتھ ہو اور چوڑا چار ہاتھ ہو تو یہ بھی دہ دردہ کی مثل ہی کہلائے گا۔

⑤ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَھِیَ بِئْرٌ یُلْقٰی فِیْھَا الْحِیَضُ وَلُحُوْمُ الْکِلَابِ وَالنَّتْنُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَآءَ طُھُوْرٌ لَا یُنَجِّسُہٗ شَیْئٌ۔

(رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ سے کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم بضاعہ کے کنویں (کے پانی) سے وضو کر سکتے ہیں؟ (جب کہ) اس کنویں میں حیض کے (خون میں بھرے ہوئے) کپڑے کتوں کے گوشت اور گندگی ڈالی جاتی ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "(اس کنویں کا) پاک ہے (جب تک کہ اس کے رنگ، مزہ اور بو میں فرق نہ آئے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔"

(احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤد، نسائیؒ)

تشریح: بیر بضاعہ مدینہ کے ایک کنویں کا نام ہے وہ ایک ایسی جگہ واقع تھا جہاں نالے کی رد آتی تھی اس نالے میں جو گندگی اور غلاظت ہوتی تھی وہ اس کنویں میں پڑتی تھی مگر کہنے والے نے کچھ اس انداز سے بیان کیا ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ لوگ خود اس میں نجاست ڈالتے تھے، حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اس قسم کی گندگی اور غلط چیزوں کا ارتکاب تو عام مسلمان بھی نہیں کر سکتا چہ جائے کہ وہ ایسی غیر شرعی غیر اخلاقی چیز کا ارتکاب کرتے جو افضل المومنین تھے۔

بہر حال۔ اس کنویں میں بہت زیادہ پانی تھا اور چشمہ دار تھا اس لئے جو گندگی اس میں گرتی تھی بہہ کر نکل جاتی تھی بلکہ علماء کی تحقیق تو یہ ہے کہ اس وقت کنواں جاری تھا اور نہر جاری کی طرح ایک باغ میں بہتا بھی تھا چنانچہ جب آپ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے کنویں کی اس صفت کی وجہ سے اس کے پانی کے بارے میں وہی حکم فرمایا جو ماء کثیر یا جاری پانی کا ہوتا ہے۔

حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ نجاست پڑنے سے کوئی پانی ناپاک نہیں ہوتا خواہ وہ تھوڑا پانی ہو یا زیادہ پانی بلکہ یہ حکم ماء کثیر یعنی زیادہ پانی کا ہے ماء قلیل یعنی کم پانی کا یہ حکم نہیں ہے۔

حنفیہ کے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ چشمہ دار کنواں بھی "جاری پانی" کا حکم رکھتا ہے یعنی جو حکم بہنے والے پانی کا ہوتا ہے وہی چشمہ دار کنویں کا ہوتا ہے۔

⑥ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا نَرْکَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِیْلَ مِنَ الْمَآءِ فَاِنْ تَوَضَّأْنَا بِہٖ عَطِشْنَا اَفَنَتَوَضَّأُ بِمَآءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ الطُّھُوْرُ مَاؤُہٗ وَالْحِلُّ مَیْتَتُہٗ۔ (رواہ مالک والترمذی و ابوداؤد والنسائی و ابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ "ایک شخص نے سرکار دوعالم ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم (کھارے) دریا میں کشتی کے ذریعہ سفر کرتے ہیں اور (میٹھا) پانی اپنے ہمراہ تھوڑا لے جاتے ہیں اس لئے اگر ہم اس پانی سے وضو کرلیں تو پیاسے رہ جائیں! تو کیا ہم دریا کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں (یا تیمم کر لیا کریں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا" دریا کا وہ پانی پاک کرنے والا ہے اس کا مردار حلال ہے۔"

(مالکؒ، ابوداؤدؒ، نسائی، ابن ماجہ، دارمیؒ)

تشریح: "میتة" اس مردار جانور کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح کئے ہوئے اپنے آپ مرجائے چنانچہ اس حدیث میں میتة (سے مراد مچھلی ہے کیونکہ اسے ذبح نہیں کرتے اس کا شکار کرنا اور اسے پانی سے نکالنا ہی اس کو ذبح کرنے کے مترادف ہے۔ البتہ جو مچھلی پانی میں مرجائے وہ حنفیہ کے یہاں حلال نہیں ہے۔

دریائی جانوروں میں مچھلی تمام علماء کے ہاں متفقہ طور پر حلال ہے، دوسرے جانوروں کے بارے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

(۷) وَعَنْ اَبِیْ زَیْدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ لَیْلَۃَ الْجِنِّ مَا فِیْ اِدَاوَتِکَ قَالَ قُلْتُ نَبِیْذٌ قَالَ تَمْرَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّمَآءٌ طُھُوْرٌ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَزَادَ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ فَتَوَضَّأَ مِنْہُ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ اَبُوْزَیْدٍ مَجْھُوْلٌ وَصَحَّ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ اَکُنْ لَیْلَۃَ الْجِنِّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوزید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ "سرکار دوعالم ﷺ نے لیلۃ الجن (یعنی جن کی رات) میں ان سے پوچھا کہ تمہاری چھاگل میں کیا ہے! عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ نبیذ (یعنی کھجوروں کا شربت) ہے" آپ ﷺ نے فرمایا کھجوریں پاک ہیں اور پانی پاک کرنے والا ہے (ابوداؤد اور امام احمدؒ و امام ترمذیؒ نے یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں کہ "پس آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا" نیز امام ترمذی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "ابوزید کا پتہ نہیں کہ یہ کون ہیں ہاں حضرت علقمہؒ البتہ عبداللہ بن مسعود سے صحیح طور پر یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ "میں لیلۃ الجن میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نہیں تھا۔" (مسلم)

تشریح: لیلۃ الجن اس رات کو کہتے ہیں جس میں جنات کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئی تھی اور آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے ان کے سامنے قرآن کریم پڑھا تھا جس کے بعد وہ جماعت اپنی قوم میں گئی اور اسلام کی دعوت اور قرآن کی تعلیمات سے انہیں آگاہ کیا اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ جن میں بھی کیا گیا ہے۔

"نبیذ تمر" کی شکل یہ ہوتی ہے کہ چھوارے پانی میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور انہیں چند روز تک اسی طرح پانی میں رہنے دیا جاتا ہے جس کے بعد دونوں کا شربت سا بن جاتا ہے اور اس میں ایک قسم کی تیزی بھی آجاتی ہے، یہ شربت جب تک تیز و تند نہیں ہوتا حلال رہتا ہے چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے یہ نبیذ تمر بنایا جاتا تھا۔

نبیذ تمر سے وضو کرنا مختلف فیہ ہے، چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وضو کے لئے خاص پانی نہ ملے تو نبیذ تمر سے وضو کیا جاسکتا ہے اس کی موجودگی میں تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اس مسلک سے اختلاف کرتے ہیں، حضرت امام اعظمؒ کی دلیل یہی مذکورہ حدیث ہے یہ حدیث چونکہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے شوافع اس حدیث کو ضعیف ثابت کرتے ہیں چنانچہ حضرت امام ترمذیؒ بھی یہی بات کہہ رہے ہیں کہ حدیث کے راوی ابوزید غیر معروف ہیں اس لئے ان کی روایت کردہ حدیث پر کسی مسلک کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، امام ترمذی دوسری چیز یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لیلۃ الجن میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نہیں تھے۔ اس کی شہادت میں وہ حضرت علقمہ کی ایک روایت پیش کر رہے ہیں جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہی سے مروی ہے اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب عبداللہ بن مسعودؓ کا آنحضرت ﷺ کے ہمراہ اس رات میں ہونا ہی ثابت نہیں ہے تو ابوزید کی یہ روایت یقیناً صحیح نہیں ہوسکتی۔

لیکن جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک برحق ہے کیونکہ حضرت امام ترمذیؒ کا یہ کہنا ابوزید مجہول راوی ہیں حدیث کی حیثیت پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتا اس لئے کہ حدیث کے راویوں کے غیر معروف ہونے کا دعویٰ دوسرے طریقوں سے غلط ثابت ہوجاتا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس روایت میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نہیں تھے، بالکل غلط ہے، کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کی موجودگی دیگر روایتوں سے بھی تحقیق کے ساتھ ثابت ہے چنانچہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اس شب میں جنات کو اسلام کی دعوت اور قرآن کی تعلیمات بتانے میں مشغول ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو ایک جگہ بٹھا دیا اور ان کے ارد گرد لکیر کھینچ کر ایک دائرہ بنایا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اس دائرہ سے باہر نہ نکلیں۔

حضرت علقمہؒ کی روایت کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے مگر اس کا مطلب حضرت ابن مسعودؓ کی موجودگی کا سرے سے انکار نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ جنات سے ہم کلام تھے اس وقت حضرت ابن مسعودؓ آپ ﷺ کے پاس حاضر نہ

تھے، یا یہ کہ آنحضرت ﷺ جس وقت جنات کے پاس تشریف لے جارہے تھے ابن مسعودؓ اس وقت آپ ﷺ کے پاس نہیں تھے بلکہ آخر شب میں جاکر آپ ﷺ سے ملاقات کی۔ واللہ اعلم

(۸) وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ اَبِي قَتَادَةَ اَنَّ اَبَاقَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهُ وَضُوْءاً فَجَاءَ تْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ مِنْهُ فَاَصْغٰى لَهَا الْاِنَاءَ حَتّٰى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَاٰنِيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ اَتَعْجَبِيْنَ يَا ابْنَةَ اَخِيْ قَالَتْ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ اَوِ الطَّوَّافَاتِ۔ (رواہ مالک و احمد والترمذی و ابوداؤد والنسائی و ابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک سے جو حضرت ابوقتادہؓ کے بیٹے کی بیوی تھیں مروی ہے کہ "(ایک روزان کے سسر حضرت ابوقتادہؓ ان کے پاس آئے (کبشہ کہتی ہیں کہ) میں نے ان کے وضو کے لئے (ایک برتن میں) پانی رکھ دیا، ایک بلی آکر اس میں سے پانی پینے لگی، حضرت ابوقتادہ نے برتن کو اس کی طرف جھکا دیا (تاکہ وہ آسانی سے پانی پی لے) چنانچہ بلی نے پانی پی لیا" کبشہ کہتی ہیں کہ جب حضرت ابوقتادہؓ نے مجھے دیکھا کہ میں (تعجب سے ان کی طرف دیکھ رہی ہوں تو انہوں نے کہا "میری بھتیجی" کیا تمہیں اس پر تعجب ہو رہا ہے؟ میں نے کہا "جی ہاں۔" حضرت ابوقتادہؓ نے کہا کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا "بلیاں ناپاک نہیں ہیں، کیونکہ یہ تمہارے پاس آنے جانے والوں میں سے ہیں" یا یہ فرمایا" آنے جانے والیوں میں سے ہیں۔" (مالکؒ، احمدؒ ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: حضرت ابوقتادہؓ نے کبشہ کو بھتیجی کہا ہے حالانکہ وہ ان کی بھتیجی نہیں تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں عام طور پر مرد مخاطب کو اگر وہ چھوٹا ہوتا ہے بھتیجا یا چچا کا بیٹا اور عورت مخاطب کو بھتیجی کہہ کر پکارتے ہیں چاہے حقیقت میں ان کا یہ رشتہ نہ ہو کیونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، اس لئے وہ اسلامی اخوت کے رشتہ کے پیش نظر اس کی اولاد کو بھتیجا یا بھتیجی کہتے ہیں۔ روایت میں "طوافین" اور "طوافات" دونوں لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بلی اگر نر ہے تو اس کی مناسبت سے "طوافین" کا لفظ ہوگا اور اگر بلی مادہ ہے تو اس کی مناسبت سے "طوافات" کا لفظ ہوگا۔

یہ دونوں لفظ یہاں "خادم" کے معنی میں استعمال فرمائے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ "بلیاں تمہاری خادم ہیں" ان کو خادم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی انسانوں کی مختلف طریقہ سے خدمت کرتی ہیں اور ان کے آرام وراحت کی بعض چیزوں میں بڑی معاون ہوتی ہیں مثلاً نقصان دہ جانوروں جیسے چوہے وغیرہ کو یہ مارتی ہیں۔ یا ان کو خادم اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ جیسے خادموں کی خبر گیری میں ثواب ہوتا ہے اسی طرح بلیوں کی خبر گیری میں بھی ثواب ہوتا ہے اور جس طرح گھروں میں خادم پھرتے رہتے ہیں اس طرح بلیاں بھی گھروں میں پھرتی رہتی ہیں۔

بہرحال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلیاں تمہارے پاس ہر وقت خادموں کی طرح رہتی ہیں اور گھر کے ہر حصہ میں پھرا کرتی ہیں اگر ان کے جھوٹے کا ناپاک قرار دے دیا جائے تو تم سب بڑی دشواریوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس لئے یہ حکم کیا جاتا ہے کہ بلیوں کا جھوٹا پاک ہے۔ گویا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بلی کا جھوٹا پاک ہے چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ بلیوں کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے بلکہ پاک ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ بلی کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے یعنی اگر بلی کے جھوٹے پانی کے علاوہ دوسرا پانی نہ مل سکے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ اس کی موجودگی میں تیمم کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بلی کے جھوٹے پانی کے علاوہ دوسرا پانی موجود ہو اور اس کے باوجود اسی جھوٹے پانی سے وضو کیا جائے گا تو وضو ہو جائے گا لیکن مکروہ ہوگا۔

امام صاحبؒ اس شکل میں اسے مکروہ بھی اس لئے کہتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث میں بلی کو درندہ کہا گیا ہے اور درندہ کے بارے میں بتایا گیا کہ ناپاک ہوتا ہے لیکن یہ حدیث چونکہ اس کے بالکل برعکس ہے اس لئے ان دونوں حدیثوں پر نظر رکھتے ہوئے کوئی ایسا حکم نافذ

کیا جانا چاہئے جو دونوں حدیثوں کے مفہوم کے مطابق ہو لہٰذا اب یہی کہا جائے گا کہ جس حدیث میں بلی کو درندہ کہہ کر اس کی نجاست کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے مگر اس حدیث نے بلی کے نجاست کے حکم کو کراہت میں بدل دیا ہے لہٰذا اس کے جھوٹے کو ناپاک تو نہیں کہیں گے البتہ مکروہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

⑨ وَعَنْ دَاؤدَ بْنَ صَالِحِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اُمِّهٖ اَنَّ مَوْلَاتَهَا اَرْسَلَتْهَا بِهَرِيْسَةٍ اِلٰى عَائِشَةَ قَالَتْ فَوَجَدْتُّهَا تُصَلِّى فَاَشَارَتْ اِلَيَّ اَنْ ضَعِيْهَا فَجَآءَتْ هِرَّةٌ فَاَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا انْصَرَفَتْ عَآئِشَةُ مِنْ صَلَاتِهَا اَكَلَتْ مِنْ حَيْثُ اَكَلَتِ الْهِرَّةُ فَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ وَاِنِّىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِفَضْلِهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت داؤد بن صالح بن دینارؒ اپنی والدہ مکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ "(ایک روز) انہیں ان کی آزاد کرنے والی مالکہ نے ہریسہ (یعنی حریرہ) دیکر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت اقدس میں بھیجا ان کی والدہ فرماتی ہیں کہ "میں نے (وہاں پہنچ کر) حضرت عائشہؓ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا حضرت عائشہؓ نے اشارہ سے اسے رکھ دینے کے لئے مجھ سے کہا (چنانچہ میں نے ہریسہ کا برتن رکھ دیا اتنے میں) ایک بلی آکر اس میں سے کھانے لگی۔ حضرت عائشہؓ جب نماز سے فارغ ہوئیں تو حریرہ کو بلی نے جس طرح سے کھایا تھا اسی طرح سے انہوں نے بھی کھالیا پھر فرمایا کہ "سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "بلی ناپاک نہیں ہے اور وہ تمہارے پاس آنے جانے والوں میں سے ہے" اور میں نے خود سرکار دو عالم ﷺ کو بلی کے جھوٹے (پانی) سے وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: داؤد کی والدہ جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس حریرہ لے کر پہنچیں تو وہ نماز میں مشغول تھیں اس لئے انہوں نے اپنے ہاتھ یا سر وغیرہ سے انہیں اشارہ کا جس کا مطلب تھا کہ یہ برتن رکھ دو اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اس طرح کے معمولی اشارے جائز ہیں کیونکہ یہ عمل کثیر نہیں ہے چنانچہ نماز کو فاسد اور ختم کر دینے والی چیز یا تو گفتگو ہے یا عمل کثیر ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ خود بلی کے جھوٹے پانی سے وضو فرما لیا کرتے تھے۔ لہٰذا جن علماء کا مسلک یہ ہے کہ بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا مکروہ تنزیہی ہے مثلاً امام ابوحنیفہؒ تو وہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فعل آسانی و رخصت پر عمل کرنے کے مترادف ہے اور بیان جواز کے لئے ہے۔ البتہ جن علماء کے نزدیک بلی کا جھوٹا پاک ہے ان کو اس حدیث کی کوئی تاویل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس سے تو ان ہی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے علماء نے لکھا ہے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بلیوں کو پالنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

⑩ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَتَوَضَّأُ بِمَا اَفْضَلَتِ الْحُمُرُ قَالَ نَعَمْ وَبِمَا اَفْضَلَتِ السِّبَاعُ كُلُّهَا۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا ہم اس پانی سے وضو کر سکتے ہیں جس کو گدھوں نے جھوٹا کر دیا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں! (اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے) اور اس پانی سے بھی (وضو کرنا جائز ہے) جس کو درندوں نے جھوٹا کر دیا ہو۔" (شرح السنۃ)

تشریح: اس مسئلہ میں کہ گدھوں یا اسی طرح خچروں کا جھوٹا پانی پاک ہے یا نہیں؟ کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی کیونکہ اس مسئلہ میں جو احادیث منقول ہیں ان میں تعارض ہے چنانچہ بعض احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جھوٹا حرام ہے اور بعض احادیث سے ان کی اباحت کا پتہ چلتا ہے، جیسا کہ مرقات میں دونوں قسم کی احادیث جمع کی گئی ہیں لہٰذا ان کے ظاہری تعارض کو دیکھتے ہوئے اس کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور پھر احادیث کے علاوہ صحابہ میں بھی اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف منقول ہے چنانچہ حضرت ابن

عمرؓ گدھوں اور خچروں کے جھوٹے کو ناپاک کہتے تھے مگر حضرت ابن عباسؓ اس کے پاک ہونے کے قائل تھے۔

اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کا جھوٹا پاک ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب کوئی درندہ پانی وغیرہ کو جھوٹا کرے گا تو اس میں اس کا لعاب یقیناً پڑے گا اور لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ درندوں کا گوشت ناپاک ہوتا ہے اس لئے اس کے جھوٹے کو بھی ناپاک کہا جائے گا۔

اب جہاں تک ان حدیثوں کا تعلق ہے جن سے درندوں کے جھوٹے کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ ان احادیث کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی کیونکہ ان احادیث کی صحت ہی میں کلام کیا جاتا ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح بھی ہیں یا نہیں؟ اگر ان احادیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ ان احادیث سے درندہ کے جس جھوٹے پانی کے پاک ہونے کا ثبوت ملتا ہے اس سے وہ پانی مراد ہے جو جنگل میں بڑے بڑے تالابوں میں جمع ہوتا ہے، چنانچہ اس کی تصریح آگے آنے والی احادیث سے بھی جو حضرت یحییٰ اور حضرت ابوسعید سے مروی ہیں، ہوتی ہے جن میں وضاحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ اگر وہ درندہ نے ایسے پانی کو جھوٹا کیا جو بہت زیادہ ہو مثلاً کسی بڑے تالاب وغیرہ میں پانی ہے تو پاک ہوگا اگر پانی تھوڑا ہوگا تو وہ درندوں کو جھوٹا کر دینے سے ناپاک ہو جائے گا۔

پھر اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ان احادیث میں درندے اور پانی علی العموم مراد ہیں کہ پانی خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ وہ درندوں کے جھوٹا کرنے سے ناپاک نہیں ہوتا تو کیا اس شکل میں یہ لازم نہیں آتا کہ کتوں کے جھوٹے کو بھی پاک کہا جائے حالانکہ کوئی بھی کتے کہ جھوٹے کو پاک نہیں کہتا" لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ جن احادیث سے درندوں کے جھوٹے پانی کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے اس سے وہی پانی مراد ہے جو جنگل میں بڑے بڑے تالابوں میں جمع رہتا ہے اور جو بہت زیادہ ہوتا ہے۔"

اس موقع پر بر سبیل تذکرہ ایک مسئلہ بھی سن لیجئے۔ یہ تو آپ سب ہی جانتے ہیں کہ کتے کا لعاب وغیرہ بھی ناپاک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کتوں کا لعاب وغیرہ کپڑے یا بدن کے کسی حصہ پر لگ جائے تو اس کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہوتا ہے مگر اس سلسلہ میں اتنی بات یاد رکھئے کہ اگر کسی کتے نے کسی آدمی کے بدن کے کسی حصہ کو منہ سے پکڑ لیا یا کسی کپڑے کو منہ میں دبالیا تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ کتے نے اگر غصہ کی حالت میں پکڑا یا دبایا ہے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ اور اگر غصہ کی حالت میں نہیں بلکہ بطور کھیل گلیل اس نے پکڑا اور دبایا ہے تو وہ ناپاک ہو جائے گا اس لئے بدن کے اس حصہ کو اور کپڑے کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہوگا۔ اس فرق کی وجہ علماء یہ لکھتے ہیں کہ جب کتا کسی چیز کو غصہ کی حالت میں پکڑتا ہے تو اسے دانتوں سے پکڑتا ہے اور اس کے دانت میں کوئی رطوبت نہیں ہوتی اس لئے اس چیز پر ناپاکی کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور جب کسی چیز کو کھیل گلیل کے طریقہ پر پکڑتا ہے تو اسے دانتوں سے نہیں پکڑتا ہے اور ہونٹ چونکہ لعاب وغیرہ سے تر ہوتے ہیں اس لئے اس کی ناپاکی اس چیز کو بھی ناپاک کر دیتی ہے۔

(۱۱) وَعَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ اِغْتَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَمَيْمُوْنَةُ فِیْ قَصْعَةٍ فِيْهَا اَثَرُ الْعَجِيْنِ۔

(رواہ النسائی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ام ہانیؓ[1] راوی ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ نے اور حضرت میمونہؓ نے ایک طشت میں کہ جس میں گندھے ہوئے آٹے کا کچھ حصہ لگا ہوا تھا غسل فرمایا۔" (نسائیؒ، ابن ماجہ)

تشریح: چونکہ حضرات شوافع کے نزدیک پانی میں تغیر آجانے سے خواہ تغیر کسی پاک و جائز چیز سے آئے یا ناپاک و ناجائز چیز سے وہ پانی وضو و غسل کے استعمال کے قابل نہیں رہتا اس لئے وہ حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ طشت میں اتنا آٹا نہیں لگا تھا جس سے پانی

---

[1] آپ کا نام فاختہ ہے مگر ام ہانی کی کنیت سے مشہور ہیں ابوطالب کی صاحبزادی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حقیقی بہن ہیں۔

متغیر ہوجاتا اس لئے آنحضرت ﷺ اور حضرت میمونہؓ نے اس میں غسل کیا۔
مگر حنفیہ کے یہاں چونکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی کسی پاک و جائز چیز سے متغیر ہو بشرطیکہ پانی گاڑھا نہ ہو جائے تو اس سے وضو اور غسل درست ہے اس لئے انہیں اس حدیث کی کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑫ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ اِنَّ عُمَرَ خَرَجَ فِيْ رَكْبٍ فِيْهِمْ عَمْرُو ابْنُ الْعَاصِ حَتّٰى وَرَدُوْا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرٌو يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ هَلْ تَرِدُ حَوْضَكَ السِّبَاعُ فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخْبِرْنَا فَاِنَّا نَرِدُ عَلَى السِّبَاعِ وَ تَرِدُ عَلَيْنَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَ زَادَ رَزِيْنٌ قَالَ زَادَ بَعْضُ الرُّوَاةِ فِيْ قَوْلِ عُمَرَ وَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَهَا مَا اَخَذَتْ فِيْ بُطُوْنِهَا وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَنَا طُهُوْرٌ وَّ شَرَابٌ۔

"حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت عمر بن خطابؓ ایک قافلہ کے ہمراہ کہ جس میں حضرت عمرو بن عاصؓ بھی تھے چلے جب (اہل قافلہ جنگل میں) ایک تالاب پر پہنچے تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے پوچھا کہ اے تالاب کے مالک کیا تمہارے اس تالاب پر (پانی پینے کے لئے) درندے بھی آتے ہیں؟ (یہ سن کر حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ "اے تالاب کے مالک یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ ہم درندوں پر آتے ہیں اور درندے ہم پر آتے ہیں یعنی کبھی تو ہم پانی پر آتے ہیں اور کبھی درندے پانی پر آتے ہیں اور چونکہ تالاب میں پانی زیادہ ہے اس لئے درندوں کے پینے سے ناپاک نہیں ہوتا (مالکؒ) اور رزینؒ نے کہا ہے کہ "بعض راویوں نے حضرت عمرؓ کے اس قول میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ (حضرت عمرؓ کہتے ہیں) "میں نے خود سرکار دو عالم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ "درندے جو اپنے پیٹ میں لے جائیں وہ ان کا ہے اور جو باقی رہ جائے وہ ہمارے پینے کے قابل اور پاک کرنے والا ہے۔""

⑬ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْحِيَاضِ الَّتِيْ بَيْنَ مَكَّةَ وَ الْمَدِيْنَةِ تَرِدُهَا السِّبَاعُ وَ الْكِلَابُ وَ الْحُمُرُ عَنِ الطُّهْرِ مِنْهَا فَقَالَ لَهَا مَا حَمَلَتْ فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَنَا مَا غَبَرَ طَهُوْرٌ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ سے ان تالابوں کے بارے میں پوچھا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں اور ان پر (پانی پینے کے لئے) درندے، کتے اور گدھے آتے رہتے ہیں کہ آیا اس سے کوئی چیز پاک کی جاسکتی ہے یا نہیں؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو ان کے پیٹوں میں آجائے وہ ان کا ہے اور جو باقی رہ جائے وہ ہمارے لئے پاک کرنے والا ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں درندوں کے جھوٹے پانی کے پاک ہونے کا جو حکم بیان کیا جارہا ہے وہ مطلقاً پانی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ حکم اس پانی کے بارے میں ہے جو بڑے بڑے تالابوں اور حوضوں میں جمع رہتا ہے۔

⑭ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَا تَغْتَسِلُوْا بِالْمَآءِ الْمُشَمَّسِ فَاِنَّهٗ يُوْرِثُ الْبَرَصَ۔ (رواہ الدارقطنی)

"اور حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے غسل نہ کرو کیونکہ یہ برص (یعنی سفیدی) کی بیماری کا سبب ہوتا ہے۔" (دار قطنیؒ)

تشریح: "دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی" کا مطلب بعض علماء نے یہ اخذ کیا ہے کہ اس پانی سے غسل نہ کرنا چاہئے جو قصداً دھوپ میں رکھ کر گرم کیا گیا ہو لیکن بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے یعنی خواہ پانی کو دھوپ میں قصداً رکھ کر گرم کیا گیا ہو یا پانی کسی جگہ پہلے سے رکھا ہوا ہو اور دھوپ کے آجانے سے گرم ہو گیا ہو۔
حضرت میرک شاہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یعنی حضرت عمرؓ کا یہ قول ضعیف ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی کوئی حدیث اس سلسلہ میں منقول نہیں ہے۔

مگر حضرت امام شافعیؒ نے حضرت عمرؓ کے اس قول کو دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے جس کے راوی ثقہ اور معتمد ہیں لہٰذا اس کی صحت میں کوئی کلام صحیح نہیں ہوگا۔

جہاں تک حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی مراد کا تعلق ہے اس سلسلہ میں یہ کہا جائے گا کہ حضرت عمرؓ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے پانی میں غسل مستقلاً نہ کیا جائے اور نہ اس پانی سے غسل کرنے کی عادت ڈالی جائے تاکہ برص جیسے موذی مرض میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ رہے۔

ویسے مسئلہ کی بات یہ ہے کہ دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ حضرت امام اعظمؒ، امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ تینوں حضرات کے نزدیک اس میں کوئی کراہت نہیں ہے البتہ حضرت امام شافعی کے مسلک میں کچھ اختلاف ہے لیکن ان کا صحیح قول یہ ہے کہ اس پانی سے غسل کرنا مکروہ ہے البتہ ان کے علماء متاخرین نے بھی تینوں ائمہ کی ہمنوائی کرتے ہوئے یہی مسلک اختیار کیا ہے کہ اس میں کراہت نہیں ہے۔

بَابُ تَطْهِيْرِ النَّجَاسَاتِ

نجاستوں کے پاک کرنے کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

(۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ طُهُوْرُ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ اِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْكَلْبُ اَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلَاهُنَّ بِالتُّرَابِ۔

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی لے اس (برتن) کو سات مرتبہ دھو لینا چاہئے" (بخاریؒ و مسلم) اور مسلمؒ کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ "تم میں سے جس کے برتن میں کتا پانی پی جائے اس (برتن) کو پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اسے سات مرتبہ دھو ڈالے اور پہلی مرتبہ مٹی سے دھوئے۔"

تشریح: اکثر محدثین اور تینوں ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے یا کسی برتن میں پانی پی لے اور کھالے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھونا چاہئے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اس کو بھی دوسری نجاستوں کے حکم میں شمار کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اس برتن کو صرف تین مرتبہ بغیر مٹی کے دھو ڈالنا کافی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طریقہ پر نہیں ہے بلکہ اختیار کے طور پر ہے، یا پھر یہ کہ سات مرتبہ دھونے کا یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا! واللہ اعلم۔

(۲) وَعَنْهُ قَالَ قَامَ اَعْرَابِیٌّ فَبَالَ فِی الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهُ وَهَرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهٖ سَجْلًا مِّنْ مَّاءٍ اَوْ ذَنُوْبًا مِّنْ مَّاءٍ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) ایک دیہاتی نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کر دیا (یہ دیکھ کر) لوگ اس کے پیچھے پڑنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اسے چھوڑ دو اور ایک ڈول میں پانی اس کے پیشاب پر بہا دو اور آپ ﷺ نے فرمایا) تم لوگ آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو تنگی کرنے والے نہیں۔" (البخاری)

تشریح: راوی کو شک ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سَجْلًا مِّنْ مَّاءٍ فرمایا ہے یا ذَنُوْبًا مِّنْ مَّاءٍ کے الفاظ فرمائے ہیں اسی لئے انہوں

نے دونوں نقل کردیئے ہیں "سجل" اور "ذنوب" دونوں کے معنی ڈول ہی کے ہیں لیکن ان کے استعمال میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ سجل تو اس ڈول کو کہتے ہیں جس میں پانی ہو خواہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ اور ذنوب پانی سے بھرے ہوئے ڈول کو کہتے ہیں۔ اس حدیث سے سرکار دوعالم ﷺ کی انتہائی شفقت و رحمت اور آپ ﷺ کے حلم و عفو کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت پر کتنے مہربان اور شفیق تھے چنانچہ نہ یہ کہ آپ ﷺ نے خود اس دیہاتی کی غلطی سے درگزر فرماتے ہوئے اس کو کچھ نہ کہا بلکہ جب صحابہ نے اسے برا بھلا کہا آپ ﷺ نے انہیں اس بات کا احساس دلایا کہ تم جس پیغمبر کے رفیق و ساتھی اور جس امت کے فرد ہو اس کی مابہ الامتیاز خصوصیت ہی یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو سختی و پریشانی میں مبتلا نہ کیا جائے اور نہ کسی کی غلطی پر جو عدم واقفیت کی بناء پر سرزد ہو جائے برا بھلا کہا جائے چنانچہ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے امت کے لئے یہ تعلیم مقصود ہے کہ لوگوں کو کسی دشواری اور سختی میں نہ ڈالا جائے اور نہ ایسا کوئی معاملہ کیا جائے جس سے دوسرا شخص بددل ہو جائے اور اپنے آپ کو کسی کٹھن اور تنگی میں محسوس کرے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر زمین پر کوئی نجاست و گندگی پڑی ہوئی ہو تو اس نجاست پر زیادہ مقدار میں پانی ڈالنے یا نجاست کو بہادینے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نجاست کا دھوون اگر متغیر نہ ہو تو پاک ہے۔ اگر وہ کسی دوسرے کپڑے، بدن، اور زمین پر یا کسی بوریہ وغیرہ سے چھن کر زمین پر گرے تو یہ چیزیں ناپاک نہیں ہوں گی اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے مگر مختار اور معتمد قول یہ ہے کہ دھوون اگر نجاست کی جگہ اس وقت گرے جب وہ نجاست کے زائل ہونے کی وجہ سے پاک ہو چکی ہو تو اس شکل میں وہ پاک ہوگا اور وہ دھوون جو نجاست کی جگہ سے پاک ہونے سے پہلے جدا ہوا ہو ناپاک ہوگا اور اگر دھوون متغیر ہو جائے بایں طور کہ پانی کے رنگ، مزہ اور بو میں تبدیلی آجائے تو وہ بالاتفاق ناپاک ہے۔

علامہ طیبی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ اگر زمین کسی نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو جائے تو وہ خشک ہونے سے پاک نہیں ہوتی یعنی وہ جگہ پانی بہا کر نجاست کو زائل کر دینے ہی سے پاک ہوگی اور اس جگہ کو کھرچ ڈالنا یا وہاں سے مٹی کھود کر اٹھا لینا ضروری نہیں ہے۔

مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک خشک ہونے سے زمین پاک ہو جاتی ہے اور اگر کوئی چاہے کہ خشک ہونے سے پہلے ہی زمین پاک ہو جائے تو وہاں سے مٹی کھرچ کر اٹھادی جائے تاکہ وہ حصہ پاک ہو جائے۔

علماء حنفیہ اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں نے مسجد کی زمین کے اس حصہ کے جہاں خشک ہو جانے سے پہلی جگہ جہاں دیہاتی نے پیشاب کر دیا تھا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہو جس کی بناء پر حکم لگا دیا گیا کہ ناپاک زمین بغیر پانی بہائے ہوئے پاک نہیں ہوتی، جہاں تک سوال پانی ڈالنے کا ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت نجاست کی جگہ پانی بہانے کا حکم اس لئے دیا ہوگا کہ پیشاب کی نجاست میں کچھ کمی ہو جائے اور پیشاب کا رنگ اور اس کی بدبو پانی بہانے کی وجہ سے ختم ہو جائے، مگر زمین کا وہ حصہ خشک ہونے کے بعد ہی پاک ہوا ہوگا۔ اس سلسلہ میں ملا علی قاریؒ نے مشکوٰۃ کی شرح مرقات میں اور بہت سی دلیلیں لکھی ہیں جو وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ فَقَامَ يَبُوْلُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ مَهْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزْرِمُوْهُ دَعُوْهُ فَتَرَكُوْهُ حَتّٰى بَالَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْئٍ مِّنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَالْقَذَرِ اِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ وَقِرَآءَةِ الْقُرْاٰنِ اَوْكَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاَمَرَ رَجُلًا مِّنَ الْقَوْمِ فَجَآءَ بِدَلْوٍ مِّنْ مَّآءٍ فَشَنَّهٗ عَلَيْهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) ہم سرکار دو عالم ﷺ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک دیہاتی آیا اور مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا (یہ دیکھ کر) آنحضرت ﷺ کے صحابہ اس سے کہنے لگے کہ ٹھہر جا! ٹھہر جا! آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ اسے پیشاب کرنے سے نہ روکو بلکہ اسے چھوڑ دو اور پیشاب کرنے دو کیونکہ اگر تمہارے دھمکانے سے اس کا پیشاب رک گیا تو اس کے لئے تکلیف دہ ہوگا یا پھر اس طرح اس کا پیشاب جو ایک ہی جگہ ہے کئی جگہ پھیل جائے گا) صحابہ نے اسے چھوڑ دیا اور اس دیہاتی نے (جب پورا) پیشاب کر لیا تو آنحضرت ﷺ نے اسے بلایا اور (نہایت شفقت و مہربانی سے) فرمایا کہ "مسجدیں پیشاب و گندگی وغیرہ کے لئے نہیں ہیں بلکہ ذکر الٰہی اور نماز و قرآن پڑھنے کے لئے ہیں" یا آپ ﷺ نے اسی کے مثل فرمایا (یعنی راوی کو شک ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اعرابی سے یہی الفاظ فرمائے تھے یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس بعد آنحضرت ﷺ نے مجلس میں سے ایک شخص کو حکم دیا اس نے ایک ڈول پانی لا کر پیشاب پر بہا دیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

④ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَّسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَیْتَ اِحْدَانَا اِذَا اَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَیْضَةِ کَیْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اِحْدَاکُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَیْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ فِیْهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی اسماءؓ فرماتی ہیں کہ "ایک عورت نے سرکار دو عالم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر ہم میں سے کوئی حیض کا خون کپڑے پر لگا ہوا پائے تو کیا کرے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اگر تم میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو اسے چاہئے کہ (پہلے) چٹکیوں سے اسے ملے پھر پانی سے دھولے اور اسی کپڑے سے (خواہ تر ہی کیوں نہ ہو نماز پڑھ لے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

⑤ وَعَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ یَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِیِّ یُصِیْبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ کُنْتُ اَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَخْرُجُ اِلَی الصَّلَاةِ وَاَثَرُ الْغُسْلِ فِیْ ثَوْبِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سلیمانؒ[1] بن یسارؒ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کپڑے پر لگی ہوئی منی کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ "میں سرکار دو عالم ﷺ کے کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھی چنانچہ آپ ﷺ (جب اسی گیلے کپڑے کے ساتھ) نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو اس کپڑے پر (منی کے) دھونے کا نشان رہتا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ منی ناپاک ہے اگر منی کسی کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو اسے دھو کر پاک کر لینا چاہئے چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح سنک (یعنی ناک سے نکلنے والی) رطوبت پاک ہے اسی طرح منی بھی پاک ہے۔

⑥ وَعَنِ الْاَسْوَدِ وَهَمَّامٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِیَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَبِرِوَایَةِ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهٗ ثُمَّ یُصَلِّیْ فِیْهِ۔

"اور حضرت اسودؒ[2] و حضرت ہمامؒ[3] راوی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ عنہا نے فرمایا "میں سرکار دو عالم ﷺ کے کپڑے سے (خشک) منی کھرچ دیا کرتی تھی" (مسلمؒ) اور مسلمؒ نے اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ حضرت علقمہ اور حضرت اسود کی ہی طرح ایک روایت بھی نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ اسی کپڑے سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔"

---

[1] اسم گرامی سلیمان ابن یسار اور کنیت ابوایوب ہے آپ تابعی ہیں آپ کا ۱۰۷ھ میں بعمر ۷۳ سال میں انتقال ہوا۔

[2] حضرت اسود بن ہلال محاربی تابعی ہیں ۸۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

[3] حضرت ہمام ابن حارث نخعی تابعی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مطابق منی کے ناپاک ہونے کو وضاحت کے ساتھ ثابت کر رہی ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا حضرت امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ تر منی کو دھونا چاہئے اور گاڑھی منی کو جو کپڑے کے اندر سرایت نہ کرے خشک ہونے کے بعد کھرچ کر اور رگڑ کر صاف کر دینا چاہئے۔

⑦ وَعَنْ اُمِّ قَیْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ اَنَّھَا اَتَتْ بِابْنٍ لَھَا صَغِیْرٍ لَمْ یَاْکُلِ الطَّعَامَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَجْلَسَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حِجْرِہٖ فَبَالَ عَلٰی ثَوْبِہٖ فَدَعَا بِمَآءٍ فَنَضَحَہٗ وَلَمْ یَغْسِلْہُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ام قیس[1] بنت محصنؓ سے روایت ہے کہ "وہ اپنے چھوٹے لڑکے کو جو ابھی کھانا نہ کھاتا تھا سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لائیں آنحضرت ﷺ نے اس بچہ کو اپنی گود میں بٹھالیا اس نے آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا آنحضرت ﷺ نے پانی منگایا اور کپڑے پر بہادیا اور خوب مل کر نہیں دھویا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر شیرخوار بچہ جو اناج نہ کھاتا ہو کسی کپڑے وغیرہ پر پیشاب کر دے تو اسے دھونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس پر پانی چھڑک دینا کافی ہو جائے گا چنانچہ یہ حدیث بھی بظاہر حضرت امام شافعیؒ ہی کے مسلک کی تائید کر رہی ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ بچہ کے پیشاب کو بھی ہر حال میں دھونا ضروری ہے۔ اس حدیث میں "نضح" جو لفظ آیا ہے اور جس کے معنی چھڑکنا ہیں اس کے معنی یہ دونوں حضرات "دھونا" ہی کہتے ہیں۔ پھر حدیث کے آخری الفاظ "لایغسله" (یعنی آپ ﷺ نے پیشاب کو دھویا نہیں) کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خوب مل مل کر نہیں دھویا بلکہ بچہ کے پیشاب کے پیش نظر معمولی طور پر اس پر پانی بہا کر دھوڈالنا ہی کافی سمجھا یہ دونوں حضرات اس حدیث کی یہ مذکورہ تاویل اس لئے کرتے ہیں کہ دوسری احادیث مثلاً اَسْتَنْزِھُوْا مِنَ الْبَوْلِ (یعنی پیشاب سے پاکی حاصل کرو) سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے کہ ہر ایک کے پیشاب کو دھونا چاہئے حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں "نضح" سے مراد بغیر ملے اور نچوڑے پانی کا بہانا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بچوں کو دعا و برکت حاصل کرنے کے لئے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے پاس لے جانا مستحب ہے، نیز بچوں کے ساتھ تواضع و نرمی اور محبت و شفقت کا معاملہ کرنا بھی مستحب ہے۔

⑧ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا دُبِغَ الاھَابُ فَقَدْ طَھُرَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جب چمڑا دباغت دے دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: چمڑے کو ناپاکی وغیرہ سے پاک کرنے کو دباغت کہتے ہیں۔ چمڑے کو دباغت کئی طرح دی جاتی ہے یا تو چمڑے کو چھالوں وغیرہ میں ڈال کر پکایا جاتا ہے یا دھوپ میں رکھ کر اسے خشک کر لیا جاتا ہے اور اگر چمڑا بغیر دھوپ کے خشک کیا جائے تو اس کو دباغت نہیں کہیں گے بہر حال دباغت کے ذریعہ چمڑا چاروں ائمہ کے نزدیک پاک کیا جا سکتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک تو سور اور آدمی کے چمڑے کے علاوہ ہر طرح کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک کتے کا چمڑا بھی پاک نہیں ہوتا حالانکہ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کا چمڑہ دباغت سے پاک ہو جاتا ہے البتہ آدمی اور سور کا چمڑا مستثنیٰ ہے کیونکہ آدمی کا چمڑا تو انسان کی عظمت و بزرگی کے پیش نظر پاک نہیں ہوتا اور سور کا چمڑا اس لئے پاک نہیں ہوتا کہ وہ نجس عین ہے۔

---

[1] حضرت ام قیسؓ محصن کی لڑکی اور عکاشہ کی بہن ہیں ابتداء ہی میں مکہ میں اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئی تھیں۔

⑨ وَعَنْهُ قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰی مَوْلَاةٍ لِّمَيْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ قَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ اِنَّمَا حُرِّمَ اَكْلُهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت میمونہؓ کی ایک آزاد کردہ باندی کو ایک بکری صدقہ میں دی گئی (اتفاق سے) وہ بکری مرگئی، آنحضرت ﷺ کا اس پر گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم نے اس کا چمڑا نکال کیوں نہ لیا؟ اس چمڑے کو دباغت دے کر اس سے نفع اٹھالیتے! لوگوں نے عرض کیا کہ یہ تو مردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا؟ صرف اس کا کھانا حرام ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار (یعنی جانور بغیر ذبح کئے ہوئے مرجائے اور اس کا کھانا حرام ہو تو جو اجزاء ذبح کرنے کی صورت میں کھائے جاتے ہیں مثلاً گوشت وغیرہ وہ تو مرنے کے بعد حرام ہو جاتے ہیں لیکن ان کے علاوہ دوسری چیزوں مثلاً دباغت دیئے ہوئے چمڑے دانت، بال اور سینگ وغیرہ سے فائدہ اٹھانا یعنی ان کی خرید و فروخت کرنا اور ان کو دوسری ضرورتوں میں استعمال کرنا جائز ہے۔

⑩ وَعَنْ سَوْدَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَاتَتْ لَنَا شَاةٌ فَدَبَغْنَا مَسْكَهَا ثُمَّ مَازِلْنَا نُبِيْذُ فِيْهِ حَتّٰى صَارَ شَنًّا۔ (رواہ البخاری)

"اور سرکار دو عالم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت سودہؓ[1] فرماتی ہیں کہ "ہماری ایک بکری مرگئی تھی ہم نے اس کی کھال نکال کر دباغت دے لی اور ہمیشہ اسی میں نبیذ (یعنی پانی اور کھجوروں کا شربت بناتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانی مشک ہوگئی۔" (بخاریؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

⑪ عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فِيْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَقُلْتُ الْبَسْ ثَوْبًا وَاَعْطِنِيْ اِزَارَكَ حَتّٰى اَغْسِلَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْاُنْثٰى وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيْ عَنْ اَبِي السَّمْحِ قَالَ يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ۔

"حضرت لبابہؓ[2] بنت حارثؓ فرماتی ہیں کہ حضرت حسین ابن علیؓ نے سرکار دو عالم ﷺ کی گود میں بیٹھ کر آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا میں نے عرض کیا کہ "آپ ﷺ (دوسرا) کپڑا پہن کر یہ تہ بند مجھے دے دیجئے تاکہ میں اسے دھو ڈالوں آپ نے فرمایا "لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی کا چھینٹا دینا کافی ہے" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ) اور ابوداؤدؒ ونسائیؒ کی ایک روایت میں ابوسمح سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی کا چھینٹا دیا جاتا ہے۔"

تشریح: حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں "چھینٹا دینے" سے مراد تر بڑا دینا یعنی پیشاب کی جگہ پر بغیر ملے اور نچوڑے ہوئے پانی کا بہا دینا ہے اور "دھونے" سے مراد مبالغہ کے ساتھ دھونا ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک لڑکا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اس نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس پر پانی کا تر بڑا دو" لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ لڑکے کے پیشاب کو بھی دھونے کا حکم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ لڑکے کے پیشاب پر صرف پانی کا تر بڑا دینا ہی کافی ہے یعنی اس کو ملنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ لڑکوں کا پیشاب سوراخ کی تنگی کی بناء پر زیادہ نہیں پھیلتا اور لڑکیوں کا پیشاب سوراخ کی فراخی کی وجہ سے

---

[1] ام المؤمنین حضرت سودا رضی اللہ تعالیٰ عنہا زمعہ کی بیٹی ہیں ابتداء اسلام سے مشرف تھی انتقال ۵۴ھ مدینہ میں ہوا۔

[2] آپ کا نام لبابہ ہے اور حارث کی بیٹی ہیں کنیت ام فضل ہے حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بیوی اور ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کی بہن ہیں۔

زیادہ پھیلتا ہے اس لئے لڑکیوں کے پیشاب کو خوب اچھی طرح دھونا چاہئے۔

⑫ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَطِیَٔ اَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْاَذٰی فَاِنَّ التُّرَابَ لَهٗ طَهُوْرٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَلِاِبْنِ مَاجَةَ مَعْنَاهُ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے جوتوں کے ساتھ گندگی پر چلے تو مٹی اس کو پاک کر دینے والی ہے۔" (ابوداؤد اور ابن ماجہؒ نے بھی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے)

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص جوتے پہنے ہوئے راستہ پر چل رہا ہے اتفاق سے کسی جگہ گندگی پڑی ہوئی تھی وہ اس کے جوتوں پر لگ گئی۔ اب پھر وہ جب پاک صاف زمین پر چلے گا تو زمین کی مٹی سے رگڑ کھانے کی وجہ سے اس کا جوتا پاک ہو جائے گا اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ایک شاگرد حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں گندگی سے مراد جو جسم والی اور خشک ہو یعنی اگر کسی راہ چلتے کے جوتے یا موزے میں ایسی گندگی لگ جائے جو جسم والی ہو اور خشک ہو تو پاک زمین پر رگڑ دینے سے وہ جوتا یا موزہ پاک ہو جائے گا اور اگر گندگی خشک نہ ہو تو پھر رگڑنے سے گندگی زائل نہیں ہوگی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ایک دوسرے شاگرد رشید حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث کی مراد عام ہے یعنی گندگی خواہ خشک ہو یا تر زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جائے گی مگر حضرت امام شافعیؒ کا یہ پہلا قول ہے ان کا جدید مسلک یہ ہے کہ اس گندگی کو ہر حال میں پانی سے دھونا چاہئے زمین پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوگی۔

فقہ حنفی میں فتویٰ حضرت امام ابویوسفؒ ہی کے قول پر ہے جو کہ جوتے یا موزے پر اگر تندار نجاست لگ جائے خواہ وہ خشک ہو یا تر ہو تو زمین پر خوب اچھی طرح رگڑ دینے سے موزہ یا جوتا پاک ہو جائے گا۔

یہ سمجھ لیجئے کہ اس مسئلہ میں علماء کا یہ اختلاف تندار نجاست جیسے گوبر وغیرہ ہی کے بارے میں ہے کیونکہ غیر تندار نجاست مثلاً پیشاب وشراب کے بارے میں سب کا متفق طور پر یہ مسلک ہے کہ اسے دھونا ہی واجب ہے۔

⑬ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَهَا امْرَاَةٌ اِنِّیْ اُطِیْلُ ذَیْلِیْ وَاَمْشِیْ فِی الْمَكَانِ الْقَذِرِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُطَهِّرُهٗ مَا بَعْدَهٗ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَا الْمَرْاَةُ اُمُّ وَلَدٍ لِاِبْرَاهِیْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ)

"اور حضرت ام سلمہؓ راوی ہیں کہ ان سے ایک عورت نے کہا کہ میرا دامن لمبا ہے اور میں ناپاک جگہ میں چلتی ہوں (یہ خیال ہے کہ دامن کو ناپاکی لگ جاتی ہے) حضرت ام سلمہؓ نے کہا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے (اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں) فرمایا تھا کہ "اس کو وہ چیز پاک کرتی ہے جو اس کے بعد ہے (یعنی پاک زمین یا مٹی)۔" (احمدؒ، مالکؒ، ترمذیؒ، ابوداؤد، دارمیؒ) اور ابوداؤد اور دارمیؒ نے کہا ہے کہ (سوال کرنے والی) عورت ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کی ام ولد تھی (جس کا نام حمیدہ تھا)

تشریح: سوال کرنے والی کا مطلب یہ تھا کہ میرا دامن بہت لمبا ہے جب میں چلتی ہوں تو وہ زمین پر لگتا ہوا چلتا ہے اور جب میں ناپاک جگہ سے گزرتی ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ شاید دامن میں نجاست و گندگی لگ گئی ہوگی اس لئے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں حضرت ام سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ناپاک جگہ سے گزرتے ہوئے جب دامن میں نجاست لگ جاتی ہے تو بعد میں پاک صاف جگہ چلنے سے وہ نجاست زمین میں لگ کر جھڑ جاتی ہے اور کپڑا پاک ہو جاتا ہے لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ حکم خشک نجاست کے بارے میں ہے کہ اگر خشک نجاست کپڑے کو لگ جائے تو پھر پاک و صاف زمین پر چلنے سے وہ زمین میں لگ کر جھڑ جاتی ہے جس سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

اس حکم کو خشک نجاست کے بارے میں خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ اگر کپڑا ناپاک ہو جائے تو وہ بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا، بخلاف جوتے کے (تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ جوتا اگر نجاست کے لگ جانے سے ناپاک ہو جائے تو اس کو پاک و صاف زمین پر رگڑ کر پاک کیا جا سکتا ہے خواہ وہ نجاست تر ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ ابھی اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا مسلک بیان کیا جا چکا ہے (واللہ اعلم)

⑭ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ جُلُوْدِ السِّبَاعِ وَالرُّكُوْبِ عَلَيْهَا۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی)

"اور حضرت مقدام بن معدیکربؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے درندوں کی کھالوں کے پہننے اور ان پر سوار ہونے سے منع فرمایا ہے۔" (ابوداؤد و نسائیؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ درندوں مثلاً شیر اور چیتے وغیرہ کی کھال کا لباس بنا کر انہیں پہنا نہ جائے، اسی طرح ان پر سوار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ درندوں کی کھال کو بچھا کر اس پر بیٹھنا یا گھوڑے کی زین پر ڈال کر اس پر سوار ہونا مناسب نہیں ہے اس طرح ان کے استعمال سے منع اس لئے فرمایا گیا ہے کہ یہ متکبر لوگوں اور خالص دنیا داروں کی عادت ہے لہٰذا نیک لوگوں کو ان سے اجتناب کرنا چاہئے اس شکل میں کہا جائے گا کہ یہ نہی تنزیہی ہے لیکن جن حضرات کے ہاں مردار کے بال نجس ہوتے ہیں اور وہ دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتے ان کے نزدیک یہ نہی تحریمی ہے۔

⑮ وَعَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ بْنِ اُسَامَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ اَنْ تُفْتَرَشَ)

"اور حضرت ابوالملیح بن اسامہؓ اپنے والد مکرم سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے درندوں کی کھال کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (احمدؒ ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور امام ترمذیؒ نے اس روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ "(آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ درندوں کی کھالوں کا فرش بنایا جائے)

⑯ وَعَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ اَنَّهٗ كَرِهَ ثَمَنَ جُلُوْدِ السِّبَاعِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوالملیح کے بارے میں منقول ہے کہ "وہ درندوں کی کھالوں کی قیمت کو (بھی) مکروہ سمجھتے تھے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ درندوں کی کھال کو خریدنا اور بیچنا بھی مناسب نہیں ہے چنانچہ ابن مالکؒ کا یہی قول ہے اور یہ مسلک ابوالملیح کا بھی ہے فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہوا ہے کہ درندوں کے چمڑے کو دباغت دیے جانے سے پہلے بیچنا باطل ہے مشکوٰۃ کے اصل نسخے میں لفظ رَوَاهُ کے بعد جگہ خالی تھی عبارت مذکورہ بعد میں بڑھائی گئی ہے۔

⑰ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍ قَالَ اَتَانَا كِتَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِاِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت عبداللہ بن عکیم[1] راوی ہیں کہ ہمارے (قبیلہ جہینہ کے پاس سرکار دو عالم ﷺ کا (جو) مکتوب گرامی آیا (اس میں یہ لکھا تھا) کہ تم مردار کے چمڑے اور اس کے پٹھے سے نفع نہ اٹھاؤ۔" (الترمذیؒ، ابوداؤدؒ نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: اس حکم کا تعلق اس چمڑے اور پٹھے سے ہے جو دباغت نہ دیا گیا ہے یعنی دباغت سے پہلے چمڑے اور پٹھے کو استعمال میں لانا جائز

---

[1] حضرت عبداللہ بن عکیم جہنی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو پایا ہے لیکن یہ تحقیق سے ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ سے شرف ملاقات حاصل کیا یا نہیں۔

نہیں ہے بلکہ چمڑے اور پٹھے کو دباغت دینے کے بعد استعمال کرنا اور ان سے منفعت حاصل کرنا جائز ہے۔ اکثر احادیث سے یہی ثابت ہے اور اکثر علماء کا مسلک بھی یہی ہے۔

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَنْ یُسْتَمْتَعَ بِجُلُوْدِ الْمَیْتَۃِ اِذَا دُبِغَتْ۔ (رواہ مالک و ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مردار کے چمڑے سے دباغت کے بعد فائدہ اٹھایا جائے۔"

(مالکؒ ابوداؤدؒ)

تشریح: اس سے پہلے اسی باب کی حدیث نمبر۹ کی تشریح میں بتایا جاچکا ہے کہ دباغت کے بعد مردار کے چمڑے سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یعنی اس کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی کی جاسکتی ہے البتہ اس مسئلہ میں امام مالکؒ کی دو روایتیں ہیں مگر ان کا ظاہری قول یہ ہے کہ مردار کا چمڑا دباغت کے بعد پاک ہو تو جاتا ہے لیکن اسے خشک چیز میں اور پانی میں رکھنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے پانی کے علاوہ دوسری پتلی اور سیال چیزوں کے لئے اسے استعمال نہ کیا جائے۔

(۱۹) وَعَنْ مَیْمُوْنَۃَ قَالَتْ مَرَّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رِجَالٌ مِنْ قُرَیْشٍ یَجُرُّوْنَ شَاۃً لَّھُمْ مِثْلَ الْحِمَارِ فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ اَخَذْتُمْ اِھَابَھَا قَالُوْا اِنَّھَا مَیْتَۃٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُطَھِّرُھَا الْمَآءُ وَالْقَرَظُ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت میمونہؓ راوی ہیں کہ قریش کے چند آدمی اپنی ایک مری ہوئی بکری کو گدھے کی طرح کھینچتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ کے پاس سے گزرے، آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر) ان سے فرمایا کہ "اے کاش! تم اس کے چمڑے کو نکال لیتے!" (تو یہ کام آجاتا) انہوں نے عرض کیا کہ "یہ تو مردار ہے (یعنی ذبح کی ہوئی نہیں ہے) آپ ﷺ نے فرمایا اسے کیکر کے پتے اور پانی پاک کر دیتے ہیں (یعنی ان دونوں چیزوں کے ذریعہ دباغت سے چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤد)

تشریح: دباغت دینے کے کئی طریقے ہیں لیکن کیکر کے پتوں اور پانی سے دباغت کے بعد چمڑا خوب اچھی طرح پاک ہو جاتا ہے اس لیے آپ ﷺ نے بطور خاص ان دو چیزوں کا ذکر فرمایا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ چمڑے کی دباغت و طہارت ان ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ دوسرے طریقوں مثلاً دھوپ وغیرہ سے دباغت و طہارت ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ کہا جائے گا کہ اس حدیث کے پیش نظر کیکر کے پتوں اور پانی سے چمڑے کو دباغت دینا مستحب ہے۔

(۲۰) وَعَنْ سَلَمَۃَ بْنِ الْمُحَبِّقِ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَآءَ فِیْ غَزْوَۃِ تَبُوْکَ عَلٰی اَھْلِ بَیْتٍ فَاِذَا قِرْبَۃٌ مُعَلَّقَۃٌ فَسَاَلَ الْمَآءَ فَقَالُوْا لَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّھَا مَیْتَۃٌ فَقَالَ دِبَاغُھَا طُھُوْرُھَا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت سلمہ بن محبقؓ راوی ہیں کہ "سرکار دو عالم ﷺ تبوک کی جنگ کے موقعہ پر ایک شخص کے گھر تشریف لائے تو اچانک آپ ﷺ کی نظر ایک لٹکی ہوئی مشک پر پڑی آپ ﷺ نے پانی مانگا تو لوگوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! یہ تو (دباغت دی ہوئی) مردار کی کھال) ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "دباغت نے اسے پاک کر دیا ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۲۱) عَنِ امْرَأَۃٍ مِنْ بَنِیْ عَبْدِ الْاَشْھَلِ قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لَنَا طَرِیْقًا اِلَی الْمَسْجِدِ مُنْتِنَۃً فَکَیْفَ نَفْعَلُ اِذَا مُطِرْنَا قَالَتْ فَقَالَ اَلَیْسَ بَعْدَھَا طَرِیْقٌ؟ ھِیَ اَطْیَبُ مِنْھَا قُلْتُ بَلٰی قَالَ فَھٰذِہٖ بِھٰذِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"بنو عبد الاشہل کی ایک عورت کا بیان ہے کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مسجد میں آنے کا ہمارا جو راستہ ہے

وہ گندہ ہے جب بارش ہو جائے تو ہم کیا کریں؟ وہ کہتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "کیا اس راستہ کے بعد کوئی پاک صاف راستہ نہیں آتا؟" میں نے عرض کیا "جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا" یہ پاک راستہ اس ناپاک راستہ کے بدلے میں ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اسی باب کی حدیث نمبر ۱۴ میں اس مسئلہ کی وضاحت کی جاچکی ہے، یہاں بھی اس ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ گندے اور ناپاک راستہ سے جو گندگی لگتی ہے وہ پاک و صاف راستہ میں چلنے کے بعد زمین کی رگڑ سے صاف و پاک ہو جاتی ہے، نیز یہاں بھی یہ ملحوظ رہے کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق تن دار نجاست سے ہے کہ اگر گوبر وغیرہ قسم کی کوئی نجاست جوتے اور موزوں پر لگ جائے تو وہ اس طریقہ سے صاف ہو جاتی ہے کیونکہ اگر پیشاب وغیرہ قسم کی نجاست جوتے موزے کپڑے یا بدن کے کسی حصہ پر لگے تو اس کو ہر حال میں دھو کر ہی پاک کیا جائے گا اسی طرح موزے اور جوتے کے علاوہ اگر کپڑے پر تن دار نجاست لگے گی تو بغیر دھوئے کپڑا پاک نہیں ہو گا۔

(۲۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَتَوَضَّأُ مِنَ الْمَوْطِیءِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور زمین پر چلنے (کی وجہ سے وضو نہ کرتے تھے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہم نماز پڑھنے کے لئے مکان سے وضو کر کے چلتے تھے اور مسجد آتے ہوئے ننگے پاؤں چلنے کی وجہ سے پیروں پر یا جوتے اور موزوں پر جو نجاست و گندگی لگ جایا کرتی تھی اسے دھویا کرتے تھے۔

اس ارشاد کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ اس کا تعلق خشک نجاست سے ہے، کہ اگر خشک گندگی مثلاً سوکھا گوبر وغیرہ پیروں پر جوتے و موزے پر لگ جاتا تو اس کو دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی کیونکہ صاف زمین پر چلنے کی وجہ سے وہ پاک ہو جایا کرتا تھا اس سے عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ مراد ہے کہ راستہ چلتے وقت جو گرد و غبار پیروں کو لگ جایا کرتا تھا اسے دھوتے تھے۔

تر نجاست مثلاً پیشاب وغیرہ کے بارے میں یہ پہلے ہی بتایا جاچکا ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی نجاست و گندگی پیر وغیرہ پر لگ جائے تو تمام علماء کے نزدیک یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اسے دھویا جائے۔

(۲۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَ تُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "سرکار دو عالم کے زمانہ میں مسجد میں کتے آتے تھے اور صحابہ ان کے آنے جانے کی وجہ سے کچھ بھی نہ دھوتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: شروع زمانہ اسلام میں دروازے نہیں ہوتے تھے جس کی وجہ سے مسجد کے اندر کتوں کی آمد و رفت رہتی تھی اور چونکہ ان کے پاؤں خشک ہوتے تھے اس لئے کسی چیز کو دھونے کی ضرورت نہ ہوتی تھی جب مسجد میں دروازے لگنے لگے تو اس کی احتیاط ہونے لگی۔

(۲۴) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ بِبَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهٗ وَفِيْ رِوَايَةِ جَابِرٍ قَالَ مَا اُكِلَ لَحْمُهٗ فَلَا بَأْسَ بِبَوْلِهٖ۔ (رواہ احمد والدار قطنی)

"اور حضرت براءؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ فرماتے تھے کہ "جس چیز کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں۔" اور حضرت جابرؓ کی روایت اس طرح ہے کہ "جس جانور کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں ہے۔" (احمدؒ، دار قطنیؒ)

تشریح: اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ، حضرت امام محمد اور بعض شوافع حضرات نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جن جانوروں کے گوشت کھائے جاتے ہیں ان کا پیشاب پاک ہے لیکن حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ حضرت امام

ابویوسف اور تمام علماء کے نزدیک وہ نجس ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مقابلہ میں ایک حدیث عام وارد ہے کہ اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ یعنی پیشاب سے پاکی حاصل کرو اس لئے کہ عذاب قبر اکثر اسی سے ہوتا ہے) لہٰذا اس حدیث کی عمومیت کے پیش نظر ناپاک و نجس ثابت ہوا اس لئے اس احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جن جانوروں کے گوشت کھائے جاتے ہیں ان کے پیشاب کو بھی ناپاک کہا جائے۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

موزوں پر مسح کرنے کا جواز سنت اور آثار مشہورہ سے ثابت ہے بلکہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے کہ موزہ پر مسح کرنے کے بارے میں منقول حدیث متواتر ہے اور بعض محدثین نے اس حدیث کے راوی صحابہ کی تعداد بھی نقل کی ہے چنانچہ اسّی سے زیادہ صحابہ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

علامہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ علمائے سلف میں سے کسی نے اس سے انکار کیا ہو اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر۷۰ صحابہ کو اس مسئلہ پر اعتقاد رکھتے ہوئے پایا ہے حضرت امام کرخیؒ کا قول ہے کہ جو شخص موزوں پر مسح کرنے کو قبول نہ کرے یعنی اسے جائز نہ سمجھے مجھے اس کے کافر ہو جانے کا خوف ہے کیونکہ اس کے جواز میں جو حدیثیں منقول ہیں وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ "میں موزوں پر مسح کرنے کا قائل اس وقت تک نہیں ہوا جب تک کہ اس کے جواز پر مشتمل احادیث آفتاب کی روشنی کی طرح مجھے نہ پہنچ گئیں۔" ان اقوال اور ارشادات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، اس کے جواز میں کوئی شبہ کوئی شک اور کوئی کلام نہیں ہے۔

اب اس کے بعد یہ سمجھ لیجئے کہ موزوں پر مسح کرنا رخصت[1] یعنی آسانی ہے اور پیروں کو دھونا عزیمت یعنی اولیٰ ہے ہدایہ میں لکھا ہے کہ جو شخص موزوں پر مسح کرنے پر اعتقاد نہ رکھے وہ بدعتی ہے لیکن جو شخص اس مسئلہ پر اعتقاد تو رکھتا ہے مگر عزیمت یعنی اولیٰ پر عمل کرنے کی وجہ سے موزوں پر مسح نہیں کرتا تو اسے ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ علماء کے یہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا موزوں پر مسح کرنا افضل ہے یا اسے اتار کر پیروں کو دھونا افضل ہے؟ چنانچہ بعض حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنا ہی افضل ہے کیونکہ اس سے اہل بدعت یعنی روافض و خوارج کا رد ہوتا ہے جو اس مسئلہ میں طعن و تشنیع کرتے ہیں، حضرت امام احمدؒ کا مختار مسلہ یہی ہے اور امام نوویؒ نے کہا ہے کہ ہمارے علماء یعنی حضرات شوافع کا مسلک یہ ہے کہ پیروں کو دھونا افضل ہے کیونکہ اصل یہی ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کو بالکل ترک نہ کیا جائے۔

---

[1] شریعت اسلامی کے مسائل و جزئیات پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لیے کتنی آسانیاں اور سہولتیں پیدا کی ہیں یہ حقیقت ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی یہ بے پناہ شفقت و محبت ہی ہے جس نے عالمگیر اور سب سے سچے مذہب کو انسان کی عین فطرت و مزاج بنا دیا ہے قدم قدم پر ایسے مسائل سے واسطہ پڑتا رہتا ہے جس میں اسلام اور شارع اسلام نے امت کو بہت زیادہ آسانیاں دی ہیں جن کے بغیر یقیناً مسلمان مشکلات اور تکالیف میں مبتلا ہو جاتے کیونکہ سخت موقعوں پر مثلاً سردی کے موسم میں وضو کرنے کے وقت سب سے زیادہ تکلیف پیروں کو دھونے ہی میں ہوتی ہے لیکن شریعت نے اس سختی اور تکلیف کے پیش نظر موزوں پر مسح کو جائز قرار دے کر امت پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔

صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو دونوں میں کوئی تکلف نہیں تھا، یعنی اگر آپ ﷺ موزہ پہنے ہوتے تھے تو پاؤں دھونے کے لئے انھیں اتارتے نہیں تھے اور اگر موزہ پہنے ہوئے نہیں ہوتے تھے تو مسح کرنے کے لئے انھیں پہنتے نہ تھے، اس بارے میں علماء کے یہاں اختلاف ہے مگر بہتر اور صحیح طریقہ یہی ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اس مسئلہ میں سنت کے موافق ہی عمل کرے یعنی سرکار دو عالم ﷺ کا جو تعامل ذکر کیا گیا ہے اسی طرح تمام مسلمان بے تکلفی کے ساتھ اس پر عمل کریں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ شُرَیْحِ بْنِ هَانِیءٍ قَالَ سَأَلْتُ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ عَنِ الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ فَقَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَیَوْمًا وَلَیْلَةً لِلْمُقِیْمِ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت شریح بن ہانیؒ راوی ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات کی مدت مقرر فرمائی ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مسافر کے لئے موزوں پر مسح کرنے کی مدت تین دن تین رات ہے یعنی وہ تین دن اور تین رات تک وضو کے وقت اپنے موزوں پر مسح کر سکتا ہے اور مقیم کے لئے مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے یعنی وہ ایک دن اور ایک رات تک وضو کے وقت اپنے موزوں پر مسح کر سکتا ہے اس مدت کی ابتداء جمہور علماء کے نزدیک اس وقت ہوگی جب کے وضو ٹوٹ جائے مثلاً ایک مقیم شخص نے دوپہر کو وضو کرنے کے بعد موزہ پہنا اور شام کو اس کا وضو ٹوٹ گیا تو مسح کی مدت کی ابتداء شام ہی سے ہوگی یعنی وہ اگلے دن شام تک اپنے موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔

② وَعَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوْكَ قَالَ الْمُغِیْرَةُ فَتَبَرَّزَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ الْغَائِطِ فَحَمَلْتُ مَعَهٗ اِدَاوَةً قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَمَّا رَجَعَ اَخَذْتُ اُهْرِیْقُ عَلٰی یَدَیْهِ مِنَ الْاِدَاوَةِ فَغَسَلَ یَدَیْهِ وَوَجْهَهٗ وَعَلَیْهِ جُبَّةٌ مِنَ الْاِدَاوَةِ فَغَسَلَ یَدَیْهِ وَوَجْهَهٗ وَعَلَیْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوْفٍ ذَهَبَ یَحْسِرُ عَنْ ذِرَاعَیْهِ فَضَاقَ كُمُّ الْجُبَّةِ فَاَخْرَجَ یَدَیْهِ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ وَاَلْقَی الْجُبَّةَ عَلٰی مَنْكِبَیْهِ وَغَسَلَ ذِرَاعَیْهِ ثُمَّ مَسَحَ بِنَاصِیَتِهٖ وَعَلَی الْعِمَامَةِ ثُمَّ اَهْوَیْتُ لِاَنْزِعَ خُفَّیْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَاِنِّیْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَیْنِ فَمَسَحَ عَلَیْهِمَا ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَانْتَهَیْنَا اِلَی الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوْا اِلَی الصَّلَاةِ وَیُصَلِّیْ بِهِمْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً فَلَمَّا اَحَسَّ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ یَتَاَخَّرُ فَاَوْمَا اِلَیْهِ فَاَدْرَكَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِحْدَی الرَّكْعَتَیْنِ مَعَهٗ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْتُ مَعَهٗ فَرَكَعْنَا الرَّكْعَةَ الَّتِیْ سَبَقَتْنَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ غزوہ تبوک میں شرکت کی چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ (اسی دوران ایک روز) فجر سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ پاخانہ کے لئے باہر تشریف لے گئے میں بھی پانی کی چھاگل لے کر آپ ﷺ کے ہمراہ ہولیا جب آپ ﷺ (پاخانہ سے) واپس تشریف لائے (اور وضو کرنے کے لئے بیٹھے) تو میں نے آپ ﷺ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنا شروع کیا چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور منہ دھویا آپ ﷺ ایک اونی جبہ پہنے ہوئے تھے اس کی آستینیں چڑھانی چاہیں لیکن آستینیں تنگ تھیں (اس لئے چڑھ نہ سکیں) آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جبہ کے اندر سے نکال کر جبہ کو مونڈھوں پر ڈالیا اور دو کہنیوں تک دھو کر چوتھائی سر کا اور پگڑی کا مسح کیا پھر (جب) میں نے آپ ﷺ کے موزے اتارنے کا ارادہ کیا تاکہ آپ ﷺ پیر دھولیں (تو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ انھیں چھوڑ دو کیونکہ میں نے (پاؤں کی) پاکی کی حالت میں انھیں پہنا تھا (یعنی وضو کرنے کے بعد پہنا تھا) اور آپ ﷺ نے دونوں موزوں پر مسح کیا، پھر آپ ﷺ اور میں دونوں سوار ہو کر واپس لوگوں کے پاس آئے تو (فجر کی)

نماز کے لئے جماعت کھڑی ہوگئی تھی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نماز پڑھا رہے تھے اور ایک رکعت پڑھا بھی چکے تھے جب انھیں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کا احساس ہوا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے (تاکہ آنحضرت ﷺ امامت کریں) مگر آنحضرت ﷺ نے انھیں اشارہ کیا (کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور نماز پڑھائے جاؤ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت نماز ان کے ساتھ ہی پڑھی (یعنی آپ ﷺ نے دوسری رکعت حضرت عبدالرحمٰن کی اقتداء میں ادا کی) جب انہوں نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ کھڑے ہوگئے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہوگیا اور جو (پہلی) رکعت رہ گئی تھی ہم نے اسے پڑھ لیا۔" (مسلم)

تشریح: راوی نے آنحضرت ﷺ کے وضو کا ذکر کیا ہے مگر کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو راوی کے پیش نظر اختصار تھا اس لئے انھوں نے ان دونوں چیزوں کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا یا یہ کہ راوی اس کے ذکر کرنے کو بھول گئے ہوں گے، یا پھر اس لئے ذکر نہیں کیا کہ یہ دونوں چیزیں بھی منہ کی حد میں آجاتی ہیں اس لئے صرف منہ دھونے کا ذکر کافی سمجھا۔

پگڑی پر مسح کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے چوتھائی سر پر مسح کرنے کے بعد تمام سر پر مسح کرنے کے بجائے پگڑی پر مسح کر لیا تاکہ تمام سر پر مسح کرنے کی سنت ادا ہو جائے اس کی وضاحت باب الوضو میں بھی کی جا چکی ہے (دیکھیے باب سنن الوضو کی حدیث نمبر ۸)

بہر حال اس حدیث سے چھ چیزیں ثابت ہوتی ہیں:

❶ آنحضرت ﷺ فجر سے پہلے قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے اس سے یہ ثابت ہوا کہ عبادت مثلاً نماز وغیرہ کا وقت شروع ہونے سے پہلے اس عبادت کے لئے تیاری کرنا مستحب ہے۔

❷ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے وضو کے وقت آپ ﷺ کے اعضاء وضو پر پانی ڈالا اس سے معلوم ہوا کہ اگر دوسرا شخص وضو کرائے تو جائز ہے۔

❸ جب آپ ﷺ قضائے حاجت اور وضو سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب انہوں نے بتقاضائے ادب پیچھے ہٹنا چاہا تاکہ آنحضرت امامت فرمائیں تو آنحضرت ﷺ نے انہیں روک دیا اور خود بھی آخری رکعت انہیں کی اقتداء میں پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ ایک افضل شخص نماز میں اگر اپنے سے کم درجہ شخص کی اقتداء کرے تو یہ جائز ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کے لئے امام کا معصوم (بے گناہ) ہونا شرط نہیں ہے۔ اس سے اس فرقہ امامیہ کا رد ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام کا معصوم ہونا شرط ہے۔

❹ حدیث کے آخری الفاظ سے یہ ثابت ہوا کہ جس شخص کی کوئی رکعت امام کے ساتھ چھوٹ جائے تو اس کی ادائیگی کے لئے اسے اس وقت اٹھنا چاہئے جب کہ امام سلام پھیر لے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو چھوٹی ہوئی رکعت کو ادا کرنے کے لئے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھنا جائز ہی نہیں اور علمائے حنفیہ کے نزدیک سلام پھیرنے سے پہلے اٹھنا مکروہ تحریمی ہے۔ مگر اس صورت میں جب کہ یہ خوف ہو کہ اگر امام کے سلام کا انتظار کیا جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی تو پہلے بھی اٹھنا جائز ہے مثلاً فجر کی نماز میں امام ایک رکعت پہلے پڑھا چکا تھا ایک شخص دوسری رکعت میں آکر شامل ہوا اب اسے ایک رکعت بعد میں ادا کرنی ہے مگر صورت حال یہ ہے کہ اگر وہ امام کے سلام پھیرنے کی انتظار کرتا ہے تو اسے خوف ہے کہ سورج طلوع ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں نماز فاسد ہو جائے گی لہٰذا اس کے لئے جائز یہ ہوگا کہ وہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھ جائے اور نماز پوری کر لے اس مسئلہ کی وضاحت فقہ کی کتابوں میں خوب اچھی طرح کی گئی ہے اس کی تفصیل وہاں دیکھی جا سکتی ہے۔

❺ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت کے وقت اگر امام موجود نہ ہو اور اس کے آنے میں دیر ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کب آئے گا تو یہ مستحب ہے کہ امام کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ کوئی دوسرا شخص نماز پڑھانی شروع کر دے اور اگر امام کے آنے کا وقت معلوم ہو تو اس صورت میں اس کا انتظار کرنا مستحب ہے اور اگر امام کا مکان قریب مسجد ہو تو اسے جماعت کا وقت ہو جانے پر مطلع کرنا مستحب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۳) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیَھُنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَلَیْلَۃً اِذَا تَطَھَّرَ فَلَبِسَ خُفَّیْہِ اَنْ یَّمْسَحَ عَلَیْھِمَا۔ (رَوَاہُ الْاَثْرَمُ فِیْ سُنَنِہٖ وَابْنُ خُزَیْمَۃَ وَالدَّارَ قُطْنِیُّ وَقَالَ الْخَطَّابِیُّ ھُوَ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ ھٰکَذَا فِی الْمُنْتَقٰی)

"حضرت ابی بکرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت مسافر کو تین دن اور تین رات تک اور مقیم کو ایک دن اور ایک رات تک دی ہے جب کہ انھوں نے موزوں کو وضو کے بعد پہنا ہو۔" (ابن خزیمہؒ دار قطنیؒ) اور خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اسناد کی رو سے صحیح ہے اور منتقٰی میں (بھی جو ابن تیمیہ حنبلی کی کتاب ہے) اسی طرح منقول ہے۔)

(۴) وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُنَا اِذَا کُنَّا سَفَرًا اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیَھُنَّ اِلَّا مِنْ جَنَابَۃٍ وَّلٰکِنْ مِّنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَّنَوْمٍ۔ (رواہ الترمذی و النسائی)

"اور حضرت صفوان بن عسالؓ فرماتے ہیں کہ "جب ہم سفر میں ہوتے تھے تو سرکار دو عالم ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ تین دن اور تین رات تک (وضو کرنے کے وقت پیروں کو (دھونے کے لئے) موزے نہ اتارے جائیں، نہ پاخانہ کی وجہ سے نہ پیشاب کی وجہ سے نہ سونے کی وجہ سے البتہ جنابت کی وجہ سے (یعنی غسل واجب ہونے کی صورت میں نہانے کے لئے اتارے جائیں۔" (ترمذیؒ، نسائیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سو کر اٹھنے یا پیشاب و پاخانہ کے بعد وضو کرنے کی صورت میں اس مدت تک جو مسافر یا مقیم کے لئے ہے پیروں کو دھونے کے لئے موزوں کو اتارنا نہیں چاہئے بلکہ موزوں پر مسح کر لیا جائے اور جنابت کی حالت میں یعنی جب غسل واجب ہو جائے تو نہانے کے لئے موزے اتارنے ضروری ہیں کیونکہ اس حالت میں موزوں پر مسح درست نہیں ہے۔

(۵) وَعَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَ قَالَ وَضَّأْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَۃِ تَبُوْکَ فَمَسَحَ اَعْلَی الْخُفِّ وَاَسْفَلَہٗ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا الْحَدِیْثُ مَعْلُوْلٌ وَسَأَلْتُ اَبَازُرْعَۃَ وَمُحَمَّدًا یَعْنِی الْبُخَارِیَّ عَنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ فَقَالَ لَیْسَ بِصَحِیْحٍ وَکَذَا ضَعَّفَہٗ اَبُوْدَاؤدَ)

"اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ میں نے غزوہ تبوک میں سرکار دو عالم ﷺ کو وضو کرایا تھا اور آپ ﷺ نے موزوں کے نیچے اور اوپر مسح کر لیا۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ) اور حضرت امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ "یہ حدیث معلوم ہے، نیز میں نے اس حدیث کے بارے میں ابوداؤد اور محمد یعنی امام بخاریؒ سے پوچھا تو دونوں نے کہا یہ حیث صحیح نہیں ہے اسی طرح امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے)

تشریح: حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پشت قدم یعنی موزے کے اوپر مسح کرنا واجب ہے اور موزے کے نیچے یعنی تلوے پر مسح کرنا سنت ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ مسح فقط پشت قدم یعنی موزے کے اوپر کیا جائے یہ دونوں حضرات کہتے ہیں کہ یہ حدیث جس سے موزے کے دونوں طرف مسح کرنے کا اثبات ہو رہا ہے خود معیار صحت کو پہنچی ہوئی نہیں ہے کیونکہ علماء نے اس کی صحت میں کلام کیا ہے۔ نیز ایسی احادیث بہت زیادہ منقول ہیں جو اس حدیث کے بالکل برعکس ہیں اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسح فقط پشت پر کیا جائے لہٰذا عمل اس ہی حدیث پر کیا جائے گا۔ محدثین کی اصطلاح میں "حدیث معلول" اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں ایسا سبب پوشیدہ ہو جو اس بات کا مقتضی ہو کہ اس حدیث کے مطابق عمل نہ کیا جائے۔

اس حدیث کے ضعیف ہونے کی دو وجہ ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت مغیرہؓ تک اس حدیث کی سند کا پہنچنا ثابت نہیں ہے بلکہ اس کی

سند ابو لاو تک جو مغیرہ کے مولی اور کاتب تھے پہنچتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کو ثور ابن یزید نے رجاء ابن حیوۃ سے روایت کیا ہے اور رجاء ابن حیوۃ نے حضرت مغیرہؓ کے کاتب سے روایت کیا ہے حالانکہ رجاء سے ثور کا سماع ثابت نہیں ہے پھر ایک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس مضمون جو حدیث نمبر ۲ حضرت مغیرہؓ سے مختلف سندوں کے ساتھ منقول ہے اور جو معیار صحت کو پہنچی ہوئی ہے اس میں مطلقاً اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا تھا، اوپر نیچے مسح کرنے کی کوئی وضاحت منقول نہیں ہے پھر حضرت مغیرہؓ کی ایک اور روایت اس کے بعد آرہی ہے اس میں صراحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے موزوں کے اوپر مسح کیا۔ لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ اس حدیث میں اضطراب ہے اور یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے۔

(۶) وَعَنْهُ اَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلٰى ظَاهِرِ هِمَا۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو موزوں کے اوپر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے" (ترمذیؒ و ابوداؤدؒ)

تشریح: موزے پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں پاؤں کے پنجے پر بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں کے پنجے پر رکھی جائیں پھر ان کو کھینچتے ہوئے ٹخنوں کے اوپر تک لایا جائے اس سلسلہ میں اس کا خیال رہے کہ انگلیاں کشادہ رکھی جائیں آپس میں ملی ہوئی نہ ہوں۔ موزوں پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ تو یہی ہے اور اگر کسی نے انگلی سے تین مرتبہ اس طرح مسح کیا کہ ہر مرتبہ تازہ پانی لیتا رہا اور ہر مرتبہ نئی جگہ پھیرتا رہا تو مسح جائز ہو گا ورنہ نہیں ان کے علاوہ بہت سے طریقے فقہ کی کتابوں میں لکھے ہوئی ہیں تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۷) وَعَنْهُ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے وضو کیا اور نعلین کے ساتھ جوربین پر مسح کیا۔"

(احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: قاموس میں لکھا ہے کہ جورب لفافۂ پیر کو کہتے ہیں جیسے ہمارے یہاں جراب یا موزہ کہلاتا ہے اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں اس کی تفصیل چلپی میں بڑی وضاحت سے مذکور ہے یہاں اس کے بعض احکام و مسائل لکھے جاتے ہیں۔

حنفی مسلک میں جوربین یعنی موزوں پر مسح اس وقت درست ہو گا جب کہ وہ مجلد ہوں یعنی ان کے اوپر نیچے چمڑا لگا ہوا ہو، منعل ہوں یعنی فقط نیچے ہی چمڑا ہو اور ثخنین ہوں۔ ثخنین اس موزے کو کہتے ہیں جس کو پہن کر ایک فرسخ[1] چلا جاسکے اور وہ بغیر باندھے ہوئے پنڈلی پر رکا رہے نیز اس کے اندر کا کوئی حصہ نہ دکھلائی دے اور نہ اس کے اندر پانی چھن سکتا ہو چلپی کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر جوربین منعلین بغیر ثخنین ہوں گے تو اس پر مسح جائز نہیں ہو گا لہٰذا منعلین پر مسح اسی وقت درست ہو گا جب کہ ثخنین بھی ہوں۔

چونکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جورب پر مسح درست نہیں خواہ وہ منعل ہی کیوں نہ ہو اس لئے یہ حدیث حنفیہ کی جانب سے ان پر حجت ہے جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جورب پر مسح فرمایا ہے نیز حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت انسؓ ابن مالک اور حضرت عمر بن خطاب کے بارے میں بھی منقول ہے کہ ان حضرات نے اس پر مسح کیا ہے۔

آخر حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "آپ نے نعلین کے ساتھ جوربین پر مسح کیا" تو یہاں نعلین کے مفہوم کے تعین میں دو احتمال ہیں اول تو یہ کہ اس سے جوتے مراد ہیں یعنی آپ ﷺ نے جوربین پر جوتوں کے ساتھ مسح کیا چونکہ عرب میں اس وقت ایسے جوتے استعمال ہوتے تھے جو بالکل چپل کی طرح ہوتے تھے اور ان پر اس طرح تسمہ لگا رہتا تھا کہ انہیں پہننے کے بعد پیر کے اوپر کا حصہ کھلا رہتا تھا جس کی وجہ سے موزوں پر مسح کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ یا پھر اس سے یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ نے ان جوربین پر مسح کیا جن

[1] فرسخ تقریباً پونے چار میل کے فاصلہ کو کہتے ہیں۔

کے نیچے چمڑا لگا ہوتا تھا"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑧ عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ مَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَسِيْتَ قَالَ بَلْ أَنْتَ نَسِيْتَ بِهٰذَا أَمَرَنِيْ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے موزوں پر مسح کیا (یہ دیکھ کر) میں نے عرض کیا" آپ ﷺ بھول گئے ہیں (یعنی موزے اتار کر پیر نہیں دھوئے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا" نہیں! بلکہ تم بھول گئے (کہ میری طرف نسیان کی نسبت کر رہے ہو کیونکہ خدائے بزرگ و برتر نے مجھے اسی طرح حکم دیا ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

⑨ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَلِلدَّارِمِيِّ مَعْنَاهُ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "اگر دین (صرف) رائے اور عقل ہی پر موقوف ہوتا تو واقعی موزوں کے اوپر مسح کرنے سے نیچے مسح کرنا بہتر ہوتا اور میں نے خود سرکار دو عالم ﷺ کو موزوں کے اوپر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔" (ابوداؤدؒ و دارمیؒ)

تشریح: حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ناپاکی اور گندگی چونکہ موزوں کے نیچے کی جانب لگ سکتی ہے اس لئے عقل یہی تقاضا کرتی ہے کہ جس طرف ناپاکی اور گندگی لگنے کا شبہ ہو اسی طرف پاکی اور ستھرائی کے لئے مسح بھی کرنا چاہئے مگر چونکہ شرع میں صراحۃً یہ آگیا ہے کہ مسح اوپر کی جانب کرنا چاہئے اس لئے اب عقل کو دخل دینے کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے مسائل و احکام میں عقل کو دخل نہ دینا چاہئے کیونکہ عقل کامل شریعت کے تابع ہوتی ہے اس لئے کہ خدا کی حکمتوں اور اس کے مراد و مفہوم کو معلوم کرنے میں عقل مطلقاً عاجز ہوتی ہے لہٰذا عاقل کو چاہئے کہ وہ بہر نوع شریعت کا تابع و پابند بن کر رہے عقل کا تابع نہ بنے اس لئے کہ کفار اور اکثر فلاسفہ و حکماء اور اہل ہوا و ہوس اپنی عقلوں پر بھروسہ و پندار کرنے کے سبب اور عقلوں کے تابع ہونے ہی کی وجہ سے گمراہی و ضلالت کے غار میں گرے ہیں۔

چونکہ اس باب کی یہ آخری حدیث ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کے ضمن میں مسح سے متعلق چند مسائل ذکر کئے جائیں۔

① اگر موزہ کسی جگہ سے پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر پھٹ جائے تو اس پر مسح درست نہیں ہوتا، اس طرح اگر ایک موزہ تھوڑا تھوڑا کئی جگہ سے اتنی مقدار میں پھٹ جائے کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو وہ تین انگلیوں کے برابر ہو تو اس پر بھی مسح درست نہیں ہوتا اور اگر دونوں موزے تھوڑے تھوڑے اتنی مقدار میں پھٹے ہوں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو وہ تین انگلیوں کے برابر ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ ان پر مسح درست ہوگا۔

② جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان سے مسح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

③ حدث کے بعد موزہ اتارنے سے مسح ٹوٹ جاتا ہے۔

④ مسح کی مدت ختم ہو جانے کے بعد مسح ٹوٹ جاتا ہے بشرطیکہ سردی کی وجہ سے پاؤں کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہو، یعنی اگر سردی کی شدت اور کسی بیماری کی وجہ سے یہ خوف ہو کہ موزہ اتارنے سے پاؤں ضائع ہو جائے گا تو مسح کی مدت ختم ہونے کے بعد مسح نہیں ٹوٹے گا جب تک خوف باقی رہے گا مسح بھی باقی رہے گا۔

⑤ اگر موزہ اتارنے یا مدت ختم ہونے کی وجہ سے مسح ٹوٹ جائے اور وضو باقی ہو تو ایسی شکل میں از سر نو وضو کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف پیر دھو کر موزہ پہن لینا کافی ہوگا۔

❻ اگر آدھے سے زیادہ پیر موزہ سے باہر نکل آئے تو بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے۔

❼ اگر مقیم نے مسح کیا اور ایک رات اور ایک دن گزرنے سے پہلے مسافر ہو گیا تو وہ مسح کے لئے سفر کی مدت پوری کرے یعنی تین دن اور تین رات تک مسح کرتا رہے، اسی طرح اگر مسافر نے مسح کیا اور پھر وہ مقیم ہو گیا تو اسے چاہئے کہ ایک دن ایک رات کے بعد موزہ اتار دے کیونکہ اس کی مدت پوری ہو گئی ہے۔

❽ اگر کوئی معذور مثلاً ظہر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنے تو جس عذر کی وجہ سے وہ معذور ہے اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے اس کا وضو ٹوٹ جائے تو اس کے لئے مسح کی مدت موزوں پر مسح کرنا جائز ہو گا اور پھر مسح کی مدت ختم ہو جانے کے بعد مسح ٹوٹ جائے گا۔

بَابُ التَّيَمُّمِ
تیمّم کا بیان

"تیمّم"[1] وضو اور غسل کا قائم مقام ہے۔ لغت میں تیمم کے معنی "قصد" کے آتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں تیمّم سے مراد ہے پاک مٹی کا قصد کرنا یا اس چیز کا قصد کرنا جو مٹی کے قائم مقام ہو جیسے پتھر اور چونا وغیرہ اور طہارت کی نیت کے ساتھ اسے ہاتھ اور منہ پر ملنا۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ تیمّم کے لئے دو ضربیں یا ایک ضرب ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ تیمّم کے لئے دو ضربیں ہیں یعنی پاک مٹی یا اس کے قائم مقام مثلاً پاک چونے اور پتھر وغیرہ پر دو دفعہ ہاتھ مارنا چاہئے ایک ضرب تو منہ کے لئے ہے اور دوسری ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے۔ حضرت امام شافعیؒ کا بھی مختار مسلک یہی ہے اور بعض حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور مسلک اور حضرت امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ تیمّم ایک ہی ضرب ہے یعنی تیمم کرنے والے کو چاہئے کہ ایک ہی مرتبہ پاک مٹی وغیرہ پر ہاتھ مار کر اسے منہ پر اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں پر پھیر لے، حضرت امام اوزاعی، عطاء اور مکحولؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ دونوں فریقین کے مذہب و مسلک کی تائید میں احادیث منقول ہیں جو آگے انشاء اللہ آئیں گی اور جن کی حسب موقع تشریح و توضیح بھی کی جائے گی۔ اس موقعہ پر مناسب ہے کہ تیمم کے کچھ احکام اور وہ صورتیں ذکر کر دی جائیں جن میں تیمّم جائز ہے تیمم حسب ذیل صورتوں میں جائز ہوتا ہے۔

❶ اتنا پانی جو وضو اور غسل کے لئے کافی ہو اپنے پاس موجود نہ ہو بلکہ ایک میل یا ایک میل سے زائد فاصلہ پر ہو۔

❷ پانی جو موجود تو ہو مگر کسی کی امانت ہو یا کسی سے غصب کیا ہوا ہو۔

❸ پانی کے نرخ کا معمول سے زیادہ گراں ہو جانا۔

❹ پانی کی قیمت کا موجود نہ ہونا خواہ پانی قرض مل سکتا ہو یا نہیں، قرض لینے کے صورت میں اس پر قادر ہو یا نہ ہو، ہاں اگر اپنی ملکیت میں مال ہو اور ایک مدت معینہ کے وعدہ پر قرض مل سکتا ہو تو قرض لے لینا چاہئے۔

❺ پانی کے استعمال سے کسی مرض کے پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو یا خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کیا جائے گا تو صحت یابی میں دیر ہو گی۔

❻ سردی اس قدر شدید ہو کہ پانی کے استعمال سے کسی عضو کے ضائع ہو جانے یا کسی مرض کے پیدا ہو جانے کا خوف ہو اور گرم پانی ملنا

[1] تیمم ۵ھ میں مشروع ہوا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ "تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ اس زمین (کی جنس) پر سے (مار کر) پھیر لیا کرو"۔

ممکن نہ ہو۔

❼ کسی دشمن یا درندہ کا خوف ہو مثلاً پانی ایسی جگہ ہو جہاں درندے وغیرہ آتے ہوں یا موجود ہوں یا راستہ میں چوروں کا خوف ہو، یا اپنے اوپر کسی کا قرض ہو، یا کسی سے عداوت ہو اور یہ خیال ہو کہ اگر پانی لینے جائے گا تو قرض خواہ اس کو پکڑ لے گا، یا کسی قسم کی تکلیف دے گا، یا پانی کسی غنڈے اور فاسق کے پاس ہو اور عورت کو اس کے حاصل کرنے میں اپنی بے حرمتی کا خوف ہو۔

❽ پانی کھانے پینے کی ضرورت کے لئے رکھا ہو کہ اسے وضو یا غسل میں خرچ کر دیا جائے تو اس ضرورت میں حرج ہو مثلاً آٹا گوندھنے یا گوشت وغیرہ پکانے کے لئے رکھا ہو، یا پانی اس قدر ہو کہ اگر وضو یا غسل میں صرف کر دیا جائے تو پیاس کا خوف ہو خواہ اپنی پیاس کا یا کسی دوسرے کی پیاس کا، یا اپنے جانوروں کی پیاس کا، بشرطیکہ کوئی ایسی تدبیر نہ ہو سکے کہ مستعمل پانی جانوروں کے کام آسکے۔

❾ کنوئیں سے پانی نکالنے کی کوئی چیز نہ ہو اور نہ کوئی کپڑا ہو کہ اسے کنوئیں میں ڈال کر تر کرے اور پھر اس سے نچوڑ کر طہارت حاصل کرے، یا پانی مٹکے وغیرہ میں ہو اور کوئی چیز پانی نکالنے کے لئے نہ ہو اور نہ مٹکا جھکا کر پانی لے سکتا ہو، نیز ہاتھ نجس ہوں اور کوئی دوسرا ایسا شخص نہ ہو جو پانی نکال کر دے یا اس کے ہاتھ دھلا دے۔

❿ وضو یا غسل کرنے میں ایسی نماز کے چلے جانے کا خوف ہو جس کی قضا نہیں ہے جیسے عیدین یا جنازہ کی نماز۔

⓫ پانی کا بھول جانا مثلاً کسی شخص کے پاس پانی تو ہے مگر وہ اسے بھول گیا ہو اور اس کا خیال ہو کہ میرے پاس پانی نہیں ہے۔

تیمّم کرنے کا مسنون و مستحب طریقہ درج ذیل ہے:

پہلے بسم اللہ پڑھ کر تیمم کی نیت کی جائے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کسی ایسی مٹی پر جس کو نجاست نہ پہنچی ہو یا اس کی نجاست دھو کر زائل کر دی گئی ہو، ہتھیلیوں کی جانب سے کشادہ کر کے مار کر ملے اس کے بعد ہاتھوں کو اٹھا کر ان کی مٹی جھاڑ ڈالے اور پھر پورے دونوں ہاتھوں کو اپنے پورے منہ پر ملے اس طرح کہ کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہ جائے جہاں ہاتھ نہ پہنچے۔ پھر اسی طرح دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مار کر ملے پھر ان کی مٹی جھاڑ ڈالے اور بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں سوائے کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کے، داہنے ہاتھ کے انگلیوں کے سرے پر پشت کی جانب رکھ کر کہنیوں تک کھینچ لائے اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی بھی لگ جائے اور کہنیوں کا مسح بھی ہو جائے پھر باقی انگلیوں کو اور ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسری جانب رکھ کر انگلیوں تک کھنچا جائے، اسی طرح بائیں ہاتھ کا بھی مسح کرے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمم کا یہی طریقہ ہے اور ایک ہی تیمم دونوں کے لئے کافی ہے۔ اگر دونوں کی نیت کر لی جائے۔

تیمّم کے کچھ احکام[1] و مسائل یہ ہیں۔

❶ تیمّم کے وقت نیت کرنا فرض ہے اور نیت کی شکل یہ ہے کہ جس حدث کے سبب سے تیمم کیا جائے تو اس سے طہارت کی نیت کی جائے یا جس چیز کے لئے تیمم کیا جائے اس کی نیت کی جائے مثلاً اگر نماز جنازہ کے لئے تیمم کیا جائے یا قرآن مجید کی تلاوت کے لئے تیمم کیا جائے تو اس کی نیت کی جائے مگر نماز اسی تیمم سے صحیح ہوگی جس میں حدث سے طہارت کی نیت کی جائے یا کسی ایسی عبادت مقصودہ کی نیت کی جائے جو بغیر طہارت کے نہیں ہو سکتی۔

❷ تیمّم کرتے وقت اعضاء تیمم سے ایسی چیزوں کو دور کر دینا فرض ہے جس کی وجہ سے مٹی جسم تک نہ پہنچ سکے جیسے روغن یا چربی وغیرہ۔

❸ تنگ انگوٹھی تنگ چھلوں اور چوڑیوں کو اتار ڈالنا واجب ہے۔

❹ اگر کسی قرینے سے پانی کا قریب ہونا معلوم ہو تو اس کی تلاش میں سو قدم تک خود جانا یا کسی کو بھیجنا واجب ہے۔

---

[1] یہ تمام مسائل عبد الشکور لکھنوی کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

⑤ اگر کسی دوسرے شخص کے پاس پانی موجود ہو اور اس سے ملنے کی امید ہو تو اس سے طلب کرنا واجب ہے۔
⑥ اس ترتیب سے تیمم کرنا سنت ہے جس ترتیب سے آنحضرت ﷺ نے تیمم کیا ہے یعنی پہلے منہ کا مسح پھر دونوں ہاتھوں کا مسح۔
⑦ منہ کے مسح کے بعد داڑھی کا خلال کرنا سنت ہے۔
⑧ جس شخص کو اخیر وقت تک پانی ملنے کا یقین یا گمان غالب ہو تو اس کو نماز کے اخیر وقت تک پانی کا انتظام کرنا مستحب ہے مثلاً کنوئیں سے پانی نکالنے کی کوئی چیز نہ ہو اور یہ یقین یا گمان غالب ہو کہ اخیر وقت رسی اور ڈول مل جائیں گے۔ یا کوئی شخص ریل پر سوار ہو اور یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ نماز کے اخیر وقت ریل ایسے اسٹیشن پر پہنچ جائے گی جہاں پانی مل سکتا ہے۔
⑨ تیمم نماز کے وقت کے تنگ ہو جانے کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ شروع وقت میں واجب نہیں ہوتا۔
⑩ نماز کا اس قدر وقت ملے کہ جس میں تیمم کر کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہو تو تیمم واجب ہوتا ہے اور اگر وقت نہ ملے تو تیمم واجب نہیں۔
⑪ جن چیزوں کے لئے وضو فرض ہے ان کی لئے وضو کا تیمم بھی فرض ہے۔ اور جن چیزوں کے لئے وضو واجب ہے ان کے لئے وضو کا تیمم بھی واجب ہے اور جن چیزوں کے لئے وضو سنت یا مستحب ان کے لئے وضو کا تیمم بھی سنت اور مستحب ہے، یہی حال غسل کا بھی ہے۔
⑫ اگر کوئی شخص حالت جنابت میں ہو اور مسجد میں جانے کی اسے سخت ضرورت ہو تو اس پر تیمم کرنا واجب ہے۔
⑬ جن عبادتوں کے لئے حدث اکبر (یعنی جنابت) اور حدث اصغر (یعنی جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) سے طہارت شرط نہیں ہے۔ جیسے سلام و سلام کا جواب وغیرہ ان کے لئے وضو و غسل دونوں کا تیمم بغیر عذر کے ہو سکتا ہے اور جن عبادتوں میں صرف حدث اصغر سے طہارت شرط نہ ہو جیسے تلاوت قرآن مجید اور اذان وغیرہ ان کے لئے صرف وضو کا تیمم بغیر عذر ہو سکتا ہے۔
⑭ اگر کسی کے پاس مشکوک پانی ہو جیسے گدھے کا جھوٹا پانی تو ایسی حالت میں پہلے اگر وضو کی ضرورت ہو تو وضو، اور غسل کی ضرورت ہو تو غسل کیا جائے اس کے بعد تیمم کیا جائے۔
⑮ اگر وہ عذر جس کی وجہ سے تیمم کیا گیا ہے آدمیوں کی طرف سے ہو تو جب وہ عذر جاتا رہے تو جس قدر نمازیں اس تیمم سے پڑھی ہیں سب کو دوبارہ پڑھنا چاہئے۔ مثلاً کوئی شخص جیل میں ہو اور جیل کے ملازم اس کو پانی نہ دیں یا کوئی شخص اس سے کہے کہ اگر تو وضو کرے گا تو میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔
⑯ ایک جگہ سے اور ایک ڈھیلہ سے چند آدمی یکے بعد دیگرے تیمم کریں تو درست ہے۔
⑰ جو شخص پانی اور مٹی دونوں پر قادر نہ ہو خواہ پانی یا مٹی نہ ہونے کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے تو اس کو چاہئے کہ نماز بلا طہارت پڑھ لے پھر اس نماز کو طہارت سے لوٹا لے مثلاً کوئی شخص ریل میں سوار ہے اور نماز کا وقت ہو گیا ہے مگر نہ تو پانی موجود ہے کہ وہ وضو کرے اور نہ مٹی یا اس قسم کی کوئی دوسری چیز ہے جس سے وہ تیمم کر سکے، ادھر نماز کا وقت بھی ختم ہوا جا رہا ہے تو اسے چاہئے کہ ایسی حالت میں بلا طہارت نماز پڑھ لے۔ اسی طرح کوئی شخص جیل میں ہو اور وہ پاک پانی اور مٹی پر قادر نہ ہو تو وہ بے وضو اور بے تیمم نماز پڑھ لے گا مگر ان دونوں صورتوں میں نماز کا اعادہ ضروری ہو گا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا كَصُفُوْفِ الْمَلَائِكَةِ وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت حذیفہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہم لوگ (پہلی امتوں کے) لوگوں پر تین چیزوں سے فضیلت دیئے گئے ہیں ① ہماری صفیں (نماز میں یا جہاد میں) فرشتوں کی صفوں جیسی (شمار) کی گئی ہیں۔ ② ہمارے واسطے تمام زمین مسجد بنا دی گئی ہے (کہ جہاں

چاہیں نماز پڑھ لیں)۔ (۳) جس وقت ہمیں پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک کر دینے والی ہے۔" (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی اس امت سے پہلے دنیا میں جتنی بھی امتیں پیدا ہوئی ہیں، یوں تو ان سب کے مقابلہ پر یہ امت اپنی گوناگوں خصوصیات اور امتیازات کی بناء پر سب سے زیادہ افضل اور بزرگ ہے۔ عظمت و فضیلت میں کوئی امت اس امت سے مماثل نہیں ہے۔ مگر یہاں آنحضرت ﷺ اس امت کی بعض امتیازی خصوصیات کی طرف جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس امت پر بے پایاں انعامات و احسانات کے نتیجہ ہیں اشارہ فرمارہے ہیں کہ ان چیزوں کے بناء پر میری امت کو دوسری امتوں پر خاص فضیلت و فوقیت دی گئی ہے۔

چنانچہ پہلی چیز تو آپ ﷺ یہ فرمارہے ہیں کہ (نماز یا جہاد میں) اس امت کی صفیں فرشتوں کی صفیں جیسی (شمار) کی گئی ہیں یعنی جس طرح فرشتے صف بندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں کہ جس کی بناء پر انہیں مقام قرب میسر ہے اور بے انتہا بزرگی و سعادت حاصل ہوتی ہے اسی طرح اس امت کو بھی جہاد یا نماز میں صف بندی اور جماعت کی بناء پر خداوند قدوس کا مقام قرب حاصل ہوتا ہے اور اس وجہ سے یہ امت سابقہ امتوں کے مقابلہ میں افضل ہے کیونکہ سابقہ امتوں میں صف بندی اور جماعت نہیں تھی وہ لوگ جس طرح چاہتے نماز پڑھ لیتے مگر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو جماعت کا حکم دے کر گویا سعادت و نیک بختی کے اس عظیم راستہ پر لگا دیا کہ جماعت اور صف بندی کی جتنی زیادہ پابندی کی جائے گی سعادت و نیک بختی اور مقام قرب کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔

دوسری چیز آپ ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری امتوں کے مقابلہ پر اس امت پر یہ بھی بڑا احسان فرمایا اور اس کو فضیلت بخشی کہ اس امت کے لوگوں کے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ قرار دے دیا کہ بندہ زمین کے جس پاک حصہ پر خدا کے سامنے جھک جائے اور نماز ادا کرے اس کی نماز قبول کی جائے گی برخلاف اس کے کہ پچھلی امتوں کے لئے یہ سہولت اور فضیلت نہیں تھی ان لوگوں کی نماز "کنائس" اور "بیع" (جو پچھلی امتوں کے عبادت خانوں کے نام ہیں) اس کے علاوہ اور کہیں جائز نہ ہوتی تھی۔

تیسری چیز آپ ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ اس امت کے لئے تیمم کو جائز کر کے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دوسری امتوں پر عظیم فضیلت عنایت فرمائی ہے یعنی اگر پانی موجود نہ ہو یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو یا پانی کے استعمال سے معذور ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی جائے۔ نماز جائز ہو جائے گی۔

بہر حال۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان تین چیزوں میں ہمیں دوسری امتوں کے مقابلہ پر فضیلت و بزرگی ہے کہ "ہمیں جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور اس پر بے شمار اجر و انعام اور ثواب کا وعدہ کیا گیا" ساری زمین ہمارے لئے مسجد قرار دی گئی کہ جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں، نماز جائز ہو جائے گی اور جہاں پانی نہ ملے یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لیں"۔

اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیمم صرف مٹی ہی سے کرنا چاہئے اور کسی چیز سے تیمم کرنا درست نہ ہوگا۔ جیسے کہ حضرت امام شافعی ﷺ وغیرہ کا مسلک ہے۔ مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تیمم ہر اس چیز سے درست ہے جو زمین کی جنس سے ہو، زمین کی جنس کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جو نہ تو آگ میں جلنے سے پگھلیں نہ نرم ہوں اور نہ جل کر راکھ ہوں جیسے مٹی پتھر اور چونا وغیرہ ان حضرات کی دلیل سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے جو حضرت جابرؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے کہ:

جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا۔

"یعنی زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی کر دی گئی ہے۔"

اس ارشاد میں لفظ "ارض" کا استعمال کیا گیا ہے جو ہر اس چیز کے مفہوم کو ادا کرتا ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔

(۴) وَعَنْ عِمْرَانَ قَالَ كُنَّا فِيْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلَاتِهٖ اِذَا هُوَ

بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَامَنَعَكَ يَا فُلَانُ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ اَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَاِنَّهٗ يَكْفِيْكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عمرانؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے (ہم) لوگوں کو نماز پڑھائی جب آنحضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی علیحدہ بیٹھا ہوا ہے اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے فلاں! تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس نے روک دیا تھا؟ اس نے عرض کیا کہ "مجھے نہانے کی ضرورت ہوگئی ہے اور پانی نہیں ملا" آپ ﷺ نے فرمایا ("ایسی صورت میں) تمہیں مٹی سے (تیمم کر لینا) لازم تھا اور تمہیں وہی کافی تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

④ وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِنِّيْ اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ اَمَا تَذْكُرُ اَنَّا كُنَّا فِيْ سَفَرٍ اَنَا وَاَنْتَ فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ هٰكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِيْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَهٗ وَفِيْهِ قَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ اَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ الْاَرْضَ ثُمَّ تَنْفُخَ ثُمَّ تَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ وَكَفَّيْكَ۔

"اور حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے نہانے کی ضرورت ہے اور پانی نہیں ملا (تو اب تیمم کروں یا کیا کروں؟) حضرت عمار (یہ سن کر) حضرت عمرؓ سے بولے کیا تمہیں یاد نہیں رہا کہ میں اور تم سفر میں تھے اور ہم دونوں کو نہانے کی ضرورت ہوگئی تھی) تو تم نے نماز نہیں پڑھی تھی لیکن میں نے زمین پر لوٹ کر نماز پڑھ لی تھی پھر میں نے آنحضرت ﷺ سے صورت حال ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اس طرح کر لینا کافی تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان پر پھونک مار کر (یعنی جھاڑ کر) ان سے اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کر لیا۔" (بخاریؒ) "اسی طرح مسلم نے روایت کی ہے (جس کے آخری الفاظ یہ ہیں (کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ) تمہارے لئے یہ کافی ہے کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارو پھر ان میں پھونک مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کرو۔"

تشریح: اس حدیث میں حضرت عمرؓ کا جواب ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن حدیث کے بعض دوسرے طرق سے مذکور ہے کہ حضرت عمر نے اس شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ لاتصل یعنی جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھو! چنانچہ حضرت عمرؓ کا مسلک یہی تھا کہ جنبی کے لئے تیمم جائز نہیں ہے۔

یا یہ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسئلہ پوچھنے والے کے سوال پر جو سکوت اختیار فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ جنبی کے لئے تیمم کا حکم ان کے ذہن میں نہیں رہا تھا۔ چنانچہ حضرت عمارؓ نے تمام واقعہ بیان کیا تاکہ حضرت عمرؓ کے ذہن میں اس سے یہ بات پیدا ہو جائے کہ جنبی کے لئے بھی تیمم جائز ہے حضرت عمارؓ نے جو واقعہ بیان کیا اس میں حضرت عمرؓ کے بارے میں جو یہ بتایا کہ انھوں نے غسل کے لئے پانی نہ ہونے کی وجہ سے حالت جنابت میں نماز نہیں پڑھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے یہ سوچا ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ نماز کے آخر وقت تک پانی مل جائے اس لئے انھوں نے یہ مناسب سمجھا کہ پانی مل جانے کے بعد غسل کر کے ہی نماز پڑھی جائے یا پھر اس کی وجہ وہی ہو سکتی ہے کہ ان کے ذہن میں بات بیٹھی ہوئی تھی کہ تیمم تو صرف وضو کے قائم مقام ہے غسل کا قائم مقام نہیں ہے۔

ظاہری طور پر یہ وجہ زیادہ قرین قیاس ہے ان کے اس اعتقاد کا سبب یہ تھا کہ چونکہ انھیں اس مسئلہ کی پوری حقیقت معلوم نہیں تھی پھر یہ کہ انہیں اس مسئلہ پر آنحضرت ﷺ سے کبھی سوال کا اتفاق بھی نہ ہوا تھا اس لئے وہ تو یہی سمجھتے رہے کہ تیمم صرف وضو کا قائم مقام ہے غسل کا نہیں ہے حالانکہ متفقہ طور پر سب ہی کے نزدیک تیمم جس طرح وضو کا قائم مقام ہے اس طرح غسل کا قائم مقام بھی ہے۔

حضرت عمارؓ اپنے بارے میں بتا رہے ہیں اس موقع پر میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا وہ یہ کہ میں مٹی میں لوٹ گیا اور اس کے بعد نماز پڑھ لی اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ذہن میں بھی یہ مسئلہ پوری وضاحت سے نہیں تھا اس لئے انہوں نے یہ قیاس کر کے جس طرح غسل میں پانی تمام اعضاء پر بہایا جاتا ہے اسی طرح مٹی بھی تمام اعضاء پر پہنچانی چاہئے، مٹی میں لوٹ گئے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت عمارؓ کو تیمم کا طریقہ بتاتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ہاتھوں پر پھونک مار کر اس پر لگی ہوئی مٹی کو اس لئے جھاڑا تاکہ مٹی منہ پر نہ لگے جس سے منہ کی ہیئت بگڑ جائے کہ وہ مثلہ کے حکم میں ہے جو ممنوع ہے۔ مثلہ اسے کہتے ہیں کہ بدن کے کسی عضو کو کاٹ کر یا ایسا کوئی طریقہ اختیار کر کے جس سے خلقی طور پر اعضاء میں فرق آجائے، اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بگاڑا جائے، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اپنے چہروں پر بھبھوت وغیرہ ملتے ہیں وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تیمم کے لئے مٹی پر ایک مرتبہ ہاتھ مارنا کافی ہے جیسا کہ دوسرے حضرات کا یہی مسلک ہے مگر امام اعظمؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک چونکہ یہ ہے کہ تیمم کے لئے مٹی پر دو مرتبہ ہاتھ مارنا چاہئے ایک مرتبہ تو منہ پر پھیرنے کے لئے اور دوسری مرتبہ کہنیوں تک ہاتھوں پر پھیرنے کے لئے اس لئے حضرت شیخ محی الدین نوویؒ اس حدیث کی توجیہ یہ فرماتے ہیں کہ:

سرکار دوعالم ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ حضرت عمارؓ کو مٹی پر ہاتھ مارنے کی کیفیت و صورت دکھادیں کہ جنابت کے لئے تیمم اس طرح کر لیا کرو مٹی میں لوٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا چونکہ آپ ﷺ کا مقصد پورے تیمم کی کیفیت بیان کرنا نہیں تھا اس لئے حضرت عمارؓ نے بھی روایت حدیث کے وقت ایک مرتبہ ہاتھ مارنے ہی کو بطور تعلیم ذکر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کے علاوہ حضرت عمارؓ سے جو روایتیں تیمم کے بارے میں منقول ہیں ان میں صراحت کے ساتھ دو مرتبہ ہی ہاتھ مارنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ حدیث میں "کفین" سے "ذراعین" یعنی کہنیوں تک ہاتھ مراد ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا۔"

④ وَعَنْ اَبِی الْجُھَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ قَالَ مَرَرْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَبُوْلُ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ حَتّٰی قَامَ اِلٰی جِدَارٍ فَحَتَّهٗ بِعَصًا کَانَتْ مَعَهٗ ثُمَّ وَضَعَ یَدَیْهِ عَلَی الْجِدَارِ فَمَسَحَ وَجْھَهٗ وَذِرَاعَیْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَیَّ وَلَمْ اَجِدْ ھٰذِهِ الرِّوَایَةَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَلَا فِیْ کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ وَلٰکِنْ ذَکَرَهٗ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

"اور حضرت ابوجہیم ابن حارث ابن صمہؓ راوی ہیں کہ "(ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے قریب سے گزرا۔ آپ ﷺ اس وقت پیشاب کر رہے تھے میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔ اور پیشاب سے فارغ ہو کر) ایک دیوار کے پاس کھڑے ہوئے اور ایک لاٹھی سے جو آپ ﷺ کے پاس تھی دیوار کھرچ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر مسح کر کے میرے سلام کا جواب دیا۔" (مشکوٰۃ کے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ "مجھے یہ روایت نہ صحیحین میں ملی ہے اور نہ حمیدی کی کتاب میں ہاں محی السنۃ نے اس کو شرح السنۃ میں ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے (لہٰذا صاحب مصابیح کو چاہئے تھا کہ اس روایت کو پہلی فصل میں ذکر نہ کرتے۔)

تشریح: آپ ﷺ نے اپنے عصاء سے دیوار کی مٹی اس لئے کھرچی کہ اس میں سے غبار اٹھنے لگے کہ اس پر تیمم کرنا افضل ہے اور ثواب کی زیادتی کا باعث ہے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے ذکر اللہ کے لئے باطہارت ہونا مستحب ہے نیز ہر وقت پاک وصاف اور طاہر رہنا بھی مستحب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

⑤ عَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ یَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِیْنَ فَاِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْیَمَسَّہُ بَشَرَہٗ فَاِنَّ ذٰلِکَ خَیْرٌ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَی النَّسَائِیُّ نَحْوَہٗ اِلٰی قَوْلِہٖ عَشْرَ سِنِیْنَ)

"حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا "پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے۔ اگرچہ وہ دس برس تک پانی نہ پائے اور جس وقت پانی مل جائے تو بدن دھولینا چاہئے کیونکہ یہ بہتر ہے۔" (احمدؒ ترمذیؒ، ابوداؤدؒ) "اور نسائیؒ نے بھی اسی طرح کی روایت عشر سنین تک نقل کی ہے۔"

تشریح: دس برس کی مدت تحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ کثرت کے لئے ہے یعنی اگر اتنے طویل عرصہ تک بھی پانی نہ ملے تو غسل یا وضو کے لئے تیمم کیا جاسکتا ہے اور پھر بعد میں جب بھی اتنا پانی مل جائے جو غسل یا وضو کے لئے کافی ہو اور پینے کی ضرورت سے زیادہ ہو نیز اس کے استعمال پر قادر بھی ہو تو غسل کرنا یا وضو کرنا چاہئے کیونکہ اس صورت میں غسل یا وضو واجب ہوگا تیمم جائز نہیں ہوگا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کا وقت ختم ہو جانے پر تیمم نہیں ٹوٹتا بلکہ اس کا حکم وضو[1] کی طرح ہے کہ جس طرح جب تک وضو نہ ٹوٹے ایک وضو سے جتنے فرض یا نفل چاہے پڑھ سکتا ہے اسی طرح ایک تیمم سے بھی کئی وقت کی نماز پڑھی جاسکتی ہیں چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تیمم معذور کے وضو کی طرح ہے کہ جس طرح نماز کا وقت گزر جانے سے معذور کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح نماز کا وقت ختم ہو جانے پر تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا فِیْ سَفَرٍ فَاَصَابَ رَجُلاً مِّنَّا حَجَرٌ فَشَجَّہٗ فِیْ رَأْسِہٖ فَاحْتَلَمَ فَسَأَلَ اَصْحَابَہٗ ھَلْ تَجِدُوْنَ لِیْ رُخْصَۃً فِی التَّیَمُّمِ قَالُوْا مَا نَجِدُ لَکَ رُخْصَۃً وَاَنْتَ تَقْدِرُ عَلَی الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُخْبِرَ بِذٰلِکَ قَالَ قَتَلُوْہُ قَتَلَھُمُ اللّٰہُ اَلاَّ سَأَلُوْا اِذَا لَمْ یَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّؤَالُ اِنَّمَا کَانَ یَکْفِیْہِ اَنْ یَّتَیَمَّمَ وَیُعَصِّبَ عَلٰی جُرْحِہٖ خِرْقَۃً ثُمَّ یَمْسَحَ عَلَیْھَا وَیَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِہٖ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ "ہم سفر میں جارہے تھے کہ ہم میں سے ایک شخص کے پتھر لگا جس نے اس کے سر کو زخمی کر ڈالا (اتفاق سے) اسے نہانے کی حاجت بھی ہوگئی چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے نزدیک (اس صورت میں) میرے لئے تیمم کرنا جائز ہے؟ انھوں نے کہا "ایسی صورت میں جب کہ تم پانی استعمال کر سکتے ہو ہم تمہارے لئے تیمم کی کوئی وجہ نہیں پاتے۔" چنانچہ اس شخص نے غسل کیا (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اس کا انتقال ہوگیا۔ جب ہم (سفر سے واپس ہو کر) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے (انتہائی رنج اور تکلیف کے ساتھ) فرمایا "لوگوں نے اسے مار دیا، خدا بھی انہیں مارے "پھر فرمایا کہ "ان کو جو بات معلوم نہ تھی، اسے انھوں نے دریافت کیوں نہ کر لیا؟ (کیونکہ) نادانی کی بیماری کا علاج سوال ہے اور اسے تو یہی کافی تھا کہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر ایک پٹی باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور پھر اپنا تمام بدن دھولیتا۔" (ابوداؤدؒ) اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو عطاء ابن رباحؒ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔)

---

[1] جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے وضو کا تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے اور جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے ان سے غسل کا تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے "علم الفقہ" کا مطالعہ کریں۔

تشریح: بسا اوقات کم علمی اور کسی مسئلہ سے عدم واقفیت بڑے اندوہناک واقعہ کا سبب بن جایا کرتی ہے چنانچہ اس موقعہ پر یہی ہوا کہ جب اس زخمی شخص نے اپنے عذر کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ آیا ایسے حال میں جب میرے سر پر زخم ہے اور پانی اس زخم کے لئے نقصاندہ ہو سکتا ہے تو ناپاکی دور کرنے کے لئے بجائے غسل کے میں تیمم کر سکتا ہوں؟ تو ساتھیوں نے مسئلہ سے ناواقفیت اور اپنی کم علمی کی بنا پر یہ سمجھ کر آیت تیمم فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا کا مطلب یہ ہے کہ تیمم صرف اسی شکل میں جائز ہوگا جب کہ پانی موجود نہ ہو اگر پانی موجود ہو تو تیمم جائز نہیں ہوگا۔ اس شخص سے کہہ دیا کہ تمہارے لئے تیمم جائز ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے؟ حالانکہ انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ تیمم جائز نہ ہونے کی شکل یہ ہے کہ پانی موجود ہو اور ساتھ ساتھ اس کے استعمال پر قدرت نیز پانی کے استعمال سے کسی نقصان اور ضرر کا خدشہ بھی نہ ہو۔ ان بیچارے نے ان لوگوں کے علم و فہم پر اعتماد کیا اور اس حالت میں غسل کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانی نے زخم میں شدت پیدا کر دی اور شدت بھی ایسی کہ وہ خدا کا بندہ اسی وجہ سے اللہ کو پیارا ہو گیا۔

بہر حال یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایسے مواقع پر تیمم بھی کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ تمام بدن کو دھونا بھی چاہئے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں میں سے ایک ہی چیز کافی ہے۔

حنفیہ کی جانب سے شوافع کو جواب دیتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور پھر قیاس کے خلاف بھی ہے کہ اس سے بدل اور مبدل منہ کا جمع لازم آیا ہے۔

الحاصل اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے مواقع پر اگر کسی شخص کو پانی کے استعمال کرنے کی وجہ سے تلف جان کا خوف ہو تو اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے یہ مسئلہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اور اگر کسی شخص کو یہ ڈر ہو کہ پانی کے استعمال سے مرض بڑھ جائے گا یا صحتیابی میں تاخیر ہو جائے گی تو ایسی شکل میں بھی حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اسے تیمم کر کے نماز پڑھ لینی جائز ہے اور بعد میں نماز کی قضا ضروری نہیں ہے حضرات شوافع کے یہاں بھی تقریباً یہی مسلک ہے۔

اگر کسی شخص کے کسی عضو میں زخم ہو یا پھوڑا ہو اور اس کی پٹی بندھی ہوئی ہو تو اس صورت میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پٹی اتارنے سے تلف جان کا خطرہ ہو تو اسے چاہئے کہ پٹی پر مسح کرے اور تیمم کرے مگر حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کے بدن کا کچھ حصہ زخمی اور کچھ حصہ اچھا ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ زخمی حصہ کتنا ہے اور اچھا حصہ کتنا ہے اگر زیادہ حصہ اچھا ہے تو اسے دھوئیں گے اور زخم پر مسح کریں اور اگر اکثر حصہ زخمی ہوگا تو تیمم کریں گے اور دھونا ساقط ہو جائے گا۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مسئلہ یہ ہے کہ جو حصہ اچھا ہو اسے دھویا جائے اور زخم کے لئے تیمم کیا جائے۔"

⑦ وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِيْ سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَيَمَّمَا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَصَلَّيَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُهُمَا الصَّلٰوةَ بِوُضُوْءٍ وَلَمْ يُعِدِ الْاٰخَرُ ثُمَّ اَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَا ذٰلِكَ فَقَالَ لِلَّذِيْ لَمْ يُعِدْ اَصَبْتَ السُّنَّةَ وَاَجْزَاَتْكَ صَلَاتُكَ وَقَالَ لِلَّذِيْ تَوَضَّاَ وَاَعَادَ لَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهُ وَقَدْ رَوٰى هُوَ وَاَبُوْدَاؤُدَ اَيْضًا عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلًا)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ "دو شخص سفر کو روانہ ہوئے (اثنائے راہ میں) نماز کا وقت ہوا مگر ان کے پاس پانی نہیں تھا چنانچہ دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کیا اور نماز پڑھ لی (آگے چل کر) انہیں پانی مل گیا اور نماز کا وقت بھی باقی تھا لہٰذا ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز لوٹالی مگر دوسرے نے نہیں لوٹائی۔ جب دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ ذکر کیا، آنحضرت ﷺ نے (پورا واقعہ سن کر) اس شخص سے جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی فرمایا کہ تم نے سنت پر عمل کیا تمہارے لئے وہ نماز کافی ہے اور جس شخص

نے وضو کر کے نماز لوٹائی تھی آپ ﷺ نے اس سے فرمایا "تمہارے لئے دوگنا اجر ہے۔" (ابوداؤد، دارمی) اور نسائی نے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے اور نسائی و ابوداؤد نے عطا ابن یسار سے مرسلاً بھی نقل کی ہے۔

تشریح: چونکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں اگر پانی مل جائے اور نماز کا وقت بھی باقی ہو تو اس نماز کو لوٹانا ضروری ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی فرمایا کہ تم نے سنت پر عمل کیا یعنی شریعت کا حکم چونکہ یہی ہے اس لئے تم نے شریعت کے حکم کی پابندی کی ہے کہ تیمم سے نماز پڑھ لینے کے باوجود تم نے نماز نہیں لوٹائی۔ دوسرے شخص کو آپ ﷺ نے دوہرے ثواب کا مستحق قرار دیا کہ ایک ثواب تو ادائے فرض کا اور دوسرا ثواب ادائے نفل کا۔

اس مسئلہ میں علماء کا متفقہ طور پر فیصلہ ہے کہ تیمم کرنے والا نماز سے فارغ ہو کر اگر پانی دیکھے اور اسے پانی مل جائے تو اس کے لئے نماز کو لوٹانا ضروری نہیں ہے خواہ نماز کا وقت باقی کیوں نہ ہو۔

لیکن صورت اگر یہ ہو کہ ایک شخص تیمم کرنے کے بعد نماز پڑھنی شروع کر دے اور درمیان نماز سے پانی مل جائے تو اب وہ کیا کرے؟ آیا نماز ختم کر کے وضو کرلے اور پھر نماز پڑھے یا اپنی نماز تیمم ہی سے پوری کرلے؟ اس مسئلہ پر علماء کا اختلاف ہے؟ چنانچہ جمہور یعنی اکثر علماء کا مسلک تو یہ ہے کہ اس شخص کو اپنی نماز ختم نہیں کرنی چاہئے بلکہ وہ نماز پوری کرلے، اس کی نماز صحیح ہوگی۔

مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں اس شخص کا تیمم باطل ہو جائے گا، گویا اسے نماز توڑ کر اور پانی سے وضو کر کے دوبارہ نماز شروع کرنی چاہئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑧ وَعَنْ اَبِی الْجُهَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ قَالَ اَقْبَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِیَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَقْبَلَ عَلَی الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَیَدَیْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوجہیم ابن حارث ابن صمہؓ راوی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ (مدینہ میں) جمل کے کنوئیں کی طرف سے تشریف لائے آپ ﷺ سے ایک شخص (یعنی خود ابی جہیم) ملے اور سلام کیا سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا اور ایک دیوار کے پاس تشریف لائے چنانچہ (پہلے) آپ ﷺ نے منہ اور ہاتھوں کا مسح کیا (یعنی تیمم کیا) پھر سلام کا جواب دیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

⑨ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ اَنَّهٗ کَانَ یُحَدِّثُ اَنَّهُمْ تَمَسَّحُوْا وَهُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّعِیْدِ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوْا بِاَکُفِّهِمُ الصَّعِیْدَ ثُمَّ مَسَحُوْا بِوُجُوْهِهِمْ مَسْحَةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَادُوْا فَضَرَبُوْا بِاَکُفِّهِمُ الصَّعِیْدَ مَرَّةً اُخْرٰی فَمَسَحُوْا بِاَیْدِیْهِمْ کُلِّهَا اِلَی الْمَنَاکِبِ وَالْاٰبَاطِ مِنْ بُطُوْنِ اَیْدِیْهِمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمار ابن یاسرؓ یہ بیان کرتے ہیں کہ ("ایک دفعہ) چند صحابہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے اور (پانی نہ ملنے کی وجہ سے) فجر کی نماز کے لئے انھوں نے پاک مٹی سے (اس طرح) تیمم کیا (کہ پہلے) اپنے ہاتھوں کو مٹی پر مار کر اپنے چہروں پر پھیرا اور دوسری مرتبہ اپنے ہاتھوں کو مٹی پر مار کر اپنے پورے ہاتھوں پر یعنی مونڈھوں تک اور بغلوں کے اندر تک مسح کیا ہاتھوں کے اندر کی طرف سے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ من بطون ایدیھم میں لفظ من ابتدا کے لئے ہے یعنی انہوں نے پہلے ہاتھوں کے اندر کے رخ پر ہاتھ پھیرے نہ کہ ہاتھوں کے اوپر کے رخ پر، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ پہلے ہاتھوں کے اوپر کے رخ پر مسح کرنا مستحب ہے۔ یا پھر اس کے معنی یہ ہوئے کہ "انھوں نے" "ہتھیلیوں سے تیمم کرنا شروع کیا۔" یہی معنی زیادہ مناسب ہیں۔

صحابہ نے ہاتھوں پر بغلوں اور مونڈھوں تک مسح کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے خیال کیا کہ آیت تیمم میں "ید" یعنی ہاتھ کا لفظ مذکور ہے جو مطلق ہے۔ اس آیت سے اور اس لفظ سے یہ بصراحت معلوم نہیں ہوتا کہ ہاتھوں پر مسح کہاں تک کیا جائے لہٰذا اس اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ "ید" یعنی ہاتھ جو انگلیوں سے لے کر بغل اور مونڈھے تک کے حصہ کے لئے بولا جاتا ہے اس پورے حصہ پر مسح کیا جائے اس لئے صحابہ نے ہاتھ کے پورے حصہ پر مسح کر ڈالا۔ اب جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ کہا جائے گا کہ یہ صحابہؓ کا اپنا اجتہاد تھا کیونکہ جمہور علماء نے تیمم میں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے اور وضو کے بارے میں قرآن نے صراحت کے ساتھ بتا دیا کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا فرض ہے لہٰذا جس طرح اصل یعنی وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جاتا ہے۔ وضو کے قائم مقام یعنی تیمم میں بھی ہاتھوں پر مسح وہیں تک کیا جانا چاہئے۔

پھر اس سے پہلے تیمم کے بارے میں کچھ احکام نقل کئے گئے تھے اس حدیث پر چونکہ باب ختم ہو رہا ہے اس لئے مناسب ہے کہ تیمم کے کچھ دوسرے احکام و مسائل جو پہلے نقل نہیں کئے گئے ذکر کر دیئے جائیں۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تیمم ان چیزوں سے کرنا چاہئے جو زمین کی جنس سے ہوں چنانچہ مٹی، ریت، چونا قلعی، سرمہ، ہڑتال، اور پتھر سے تیمم کیا جا سکتا ہے، اسی طرح موتی اور مونگے کے علاوہ تمام جواہرات سے بھی تیمم کیا جا سکتا ہے۔

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ تیمم کرنے کے لئے ان چیزوں پر جو زمین کی جنس سے ہوں غبار ہونا ضروری نہیں ہے۔ یعنی ان مذکور چیزوں پر غبار نہ ہونے کی صورت میں ں ان سے تیمم کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر ایسی چیز کے ذریعہ تیمم کیا جائے جو زمین کی جنس سے نہ ہو تو اس پر غبار ہونا ضروری ہے، غبار نہ ہونے کی شکل میں اس کے ذریعہ کیا گیا تیمم جائز نہ ہوگا، مثلاً کسی لکڑی، کپڑے یا سونے اور چاندی وغیرہ پر غبار ہو تو اس سے تیمم جائز ہے۔

تیمم کے جواز کے لئے چار شرائط ہیں۔ ① پانی کے استعمال سے حقیقتہ یا حکما عاجز ہونا۔ ② جس چیز سے تیمم کیا جائے اس کا پاک ہونا۔ ③ استیعاب یعنی اعضاء تیمم کے ہر ہر حصہ پر اس طرح ہاتھ پھیرنا کہ کوئی جگہ مسح سے باقی نہ رہ جائے۔ ④ نیت اس کے بارے میں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ نماز اسی تیمم سے صحیح ہوگی جس میں حدیث طہارت کی نیت کی جائے۔ اس سلسلہ میں (حدث یا جنابت کی تعیین شرط نہیں ہے) یا اس عبادت مقصودہ کی نیت کی جائے جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہوتی۔ چنانچہ اگر کافر اسلام قبول کرنے کے لئے تیمم کرے یا کوئی شخص مسجد میں جانے کے لئے تیمم کرے اور پھر یہ چاہے کہ اسی تیمم سے نماز بھی پڑھ لے تو نماز اس تیمم سے جائز نہ ہوگی۔ جنبی، محدث، حائضہ اور نفاس والی عورت سب کے لئے تیمم کا ایک ہی طریقہ ہے جو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

بَابُ الْغُسْلِ الْمَسْنُوْنِ
غسل مسنون کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھنے آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کر لے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مختار مسلک تو یہ ہے کہ غسل جمعہ کی نماز کے لئے ہے کہ اسی طہارت سے جمعہ ادا کرنا چاہئے لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ غسل

یوم جمعہ کی تعظیم و تکریم کے لئے ہے۔

بہر حال: تمام علماء کے نزدیک نماز جمعہ کے لئے غسل کرنا مستحب مؤکدہ ہے مگر حضرت امام مالکؒ کی ایک راویت یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لئے غسل کرنا واجب ہے۔

② وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غُسْلُ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ نے فرمایا" ہر بالغ پر جمعہ کے روز نہانا واجب ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "واجب" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ کے روز غسل نہ کرے تو وہ گنہ گار ہوگا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ "یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے روز غسل کو ترک کرنا مناسب نہیں ہے۔" یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا ہمارے یہاں عام طور کسی مستحق رعایت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "فلاں شخص کی رعایت ہم پر واجب ہے۔"

چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ یہاں اسی طرح ایسے دوسرے مواقع پر "واجب" کا لفظ استعمال فرمانا در اصل استحباب کے حکم کو مؤکد کرنا ہے: اور اس کی وجہ خاص طور پر یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مسجدیں بہت تنگ اور چھوٹی ہوتی تھیں اور مسلمان صوف کا استعمال کرتے تھے نیز محنت و مشقت بہت زیادہ کیا کرتے تھے چنانچہ جب ان کو پسینہ آتا تھا تو اس کی بو کی وجہ سے آس پاس کے لوگ تکلیف محسوس کرتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے اس حکم میں واجب کا لفظ استعمال فرمایا ہے تاکہ لوگ جمعہ کے روز غسل کے اس حکم کو جلدی قبول کرلیں اور اس پر پابندی سے عمل پیرا ہوں۔

③ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّغْتَسِلَ فِیْ کُلِّ سَبْعَۃِ اَیَّامٍ یَوْمًا یَغْسِلُ فِیْہِ رَأْسَہٗ وَجَسَدَہٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" ہر (عاقل بالغ) مسلمان پر حق ہے (یعنی ثابت اور لازم ہے یا لائق ہے) کہ ہر ہفتہ میں ایک دن (یعنی جمعہ کو) نہائے اور اپنا سارا بدن دھوئے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

④ وَعَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَبِھَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و النسائی والدارمی)

"حضرت سمرہ ابن جندبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" جس نے جمعہ کے روز وضو ہی کرلیا تو اس نے فرض ادا کیا اور یہ بہت اچھا فرض ہے اور جس شخص نے (نماز جمعہ کے لئے) غسل کیا تو یہ بہت اچھا ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: فَبِھَا وَنِعْمَتْ کا مطلب یہ ہے کہ فبھا بفریضہ اخذ و نعمت الفریضہ یعنی (جس شخص نے نماز کے لئے غسل کیا اس نے فرض ادا کیا اور وہ فرض کیا ہی خوب ہے؟

اس سے پہلے حضرت ابوسعید خدریؓ کی جو روایت گزری ہے اس سے تو معلوم ہوتا تھا کہ جمعہ کے روز غسل کرنا واجب ہے مگر یہ حدیث بصراحت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کے روز غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

⑤ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ مَیِّتًا فَلْیَغْتَسِلْ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَ زَادَ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَمَنْ حَمَلَہٗ فَلْیَتَوَضَّأْ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جس شخص نے مردے کو نہلایا ہو اسے خود بھی نہا لینا چاہئے۔" (ابن ماجہؒ) اور احمدؒ، ترمذیؒ اور ابوداؤدؒ نے (اس حدیث میں) مزید نقل کیا ہے کہ "آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ) جو شخص جنازہ کو کاندھا دینے کا ارادہ کرے اسے وضو کر لینا چاہئے۔"

تشریح: اس حدیث سے دو چیزیں معلوم ہوئیں۔ اول تو یہ کہ جب کوئی شخص کسی مردہ کو نہلائے تو اسے چاہئے کہ غسل میت سے فراغت کے بعد خود بھی نہالے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت اس کے اوپر چھینٹیں وغیرہ پڑ گئی ہوں لہٰذا پاکی اور صفائی کے لئے نہا لینا مناسب ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک غسل میت کے بعد نہانے کا یہ حکم استحباب کے درجہ میں ہے کیونکہ ایک حدیث صحیح میں یہ ارشاد منقول ہے کہ "اگر تم مردہ کو نہلاؤ تو تم پر غسل لازم نہیں ہے۔

اس حدیث سے دوسری چیز یہ معلوم ہوئی کہ جب کوئی شخص جنازہ کو اٹھانے کا ارادہ کرے تو اسے وضو کر لینا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص باوضو ہو کر جنازہ کو اٹھائے گا تو جب نماز پڑھنے کی جگہ جنازہ رکھا جائے گا اور نماز جنازہ شروع ہوگی تو وہ فوراً نماز میں شریک ہو جائے گا یہ نہیں ہوگا وہ تو جنازہ رکھ کر وضو کرنے چلا جائے اور ادھر نماز بھی ہو جائے۔ اس حکم کے بارے میں بھی متفقہ طور پر سب کی رائے یہی ہے کہ یہ حکم استحباب کے درجہ میں ہے یعنی جنازہ اٹھانے سے پہلے وضو کر لینا مستحب ہے ضروری اور واجب نہیں ہے۔"

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ اَرْبَعٍ مِنَ الْجَنَابَةِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمِنَ الْحِجَامَةِ وَمِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ چار چیزوں کی وجہ سے نہانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ ① جنابت یعنی ناپاکی سے ② جمعہ کے واسطے ③ سینگی کھنچوانے سے ④ مردہ کو نہلانے سے۔" (ابوداؤد)

تشریح: یَغْتَسِلُ کا اگر لفظی ترجمہ کیا جائے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ سرکار دو عالم ﷺ ان چار چیزوں کی وجہ سے غسل فرمایا کرتے تھے۔" مگر نبی کریم ﷺ کے بارے میں چونکہ یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی مردہ کو نہلایا ہو اس لئے یغتسل کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ان چار چیزوں کی وجہ سے نہانے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔"

بہر حال: ان چار چیزوں میں جنابت یعنی ناپاکی کا غسل تو فرض ہے باقی سب مستحب ہے۔ سینگی کھنچوانے یعنی پچھنے لگوانے کے بعد غسل کرنے کا حکم صفائی و ستھرائی کے لئے ہے گویا پچھنے لگوانے کے بعد اس لئے نہا لینا چاہئے کہ اس کی وجہ سے جو خون وغیرہ لگ گیا ہو اس سے پاکی و صفائی حاصل ہو جائے۔

⑦ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ اَنَّهٗ اَسْلَمَ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

"اور حضرت قیس[1] ابن عاصمؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ جب اسلام کی دولت سے بہرور ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ پانی اور بیری کے پتوں سے نہائیں۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ اور نسائیؒ)

تشریح: اگر کوئی کافر ایسی حالت میں مسلمان ہو کہ وہ حالت جنابت میں تھا تو اس شکل میں اسے غسل کرنا واجب ہے۔ ورنہ تو اسلام لانے کے بعد نہانا مستحب ہے اور اس سلسلہ میں صحیح اور اولیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہونا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ پہلے کلمۂ شہادت پڑھ لے اس کے بعد نہائے۔ اس طرح اس کے لئے یہ بھی سنت ہے کہ نہانے سے پہلے سر منڈا لے۔ آپ ﷺ نے حضرت قیسؓ کو

---

[1] حضرت قیس بن عاصم کی کنیت ابوعلی ہے بن عبدالبر۔

پانی کے ساتھ بیری کے پتوں سے بھی نہانے کا حکم اس لئے دیا تاکہ پاکی اور صفائی پوری طرح حاصل ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑧ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ إِنَّ أُنَاسًا مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءُوْا فَقَالُوْا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ أَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا قَالَ لَا وَلٰكِنَّهُ أَطْهَرُ وَخَيْرٌ لِمَنِ اغْتَسَلَ وَمَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ وَسَأُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بَدْءُ الْغُسْلِ كَانَ النَّاسُ مَجْهُوْدِيْنَ يَلْبَسُوْنَ الصُّوْفَ وَيَعْمَلُوْنَ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُقَارِبَ السَّقْفِ إِنَّمَا هُوَ عَرِيْشٌ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ وَعَرِقَ النَّاسُ فِيْ ذٰلِكَ الصُّوْفِ حَتّٰى صَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاحٌ آذٰى بِذٰلِكَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الرِّيَاحَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ أَحَدُكُمْ أَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهِ وَطِيْبِهٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ جَاءَ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ وَلَبِسُوْا غَيْرَ الصُّوْفِ وَكُفُوا الْعَمَلَ وَوُسِّعَ مَسْجِدُهُمْ وَذَهَبَ بَعْضُ الَّذِيْ كَانَ يُؤْذِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا مِنَ الْعَرَقِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت عکرمہؓ راوی ہیں کہ عراق کے چند آدمی آئے اور حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کی رائے میں جمعہ کے دن نہانا واجب ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں! مگر (جمعہ کے دن نہانا) بہت زیادہ صفائی اور ستھرائی ہے اور جو شخص غسل کر لے اس کے لئے بہتر ہے اور جو شخص نہ نہائے اس پر واجب بھی نہیں ہے اور میں تم کو بتاتا ہوں کہ جمعہ کے دن غسل کی ابتداء کیوں کر ہوئی؟ (یعنی جمعہ کے روز غسل کس وجہ سے شروع ہوا تو اصل بات یہ تھی کہ اسلام کے شروع زمانہ میں) بعض نادار صحابہ صوف پہنتے تھے اور پیٹھ پر (بوجھ اٹھانے کا) کام کرتے تھے، ان کی مسجد تنگ تھی جس کی چھت نیچی اور کھجور کی ٹہنیوں کی تھی۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب سخت گرمی کی وجہ سے) صوف کے اندر لوگ پسینہ سے تر ہو گئے، یہاں تک کہ (پسینہ کی) بدبو پھیلی جس سے لوگ آپس میں تکلیف محسوس کرنے لگے۔ جب سرکار دو عالم ﷺ کو بدبو کا احساس ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لوگو! جب جمعہ کا دن ہو تو غسل کر لیا کرو بلکہ تم سے جسے تیل یا خوشبو مثلاً عطر وغیرہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی فراوانی کی تو لوگوں نے صوف چھوڑ کر (عمدہ) کپڑے استعمال کرنے شروع کر دیئے محنت و مشقت کے کام بھی چھوٹ گئے، مسجد بھی وسیع ہو گئی اور پسینہ کی وجہ سے جو لوگوں کو آپس میں تکلیف ہوتی تھی وہ بھی جاتی رہی۔" (ابوداؤد)

تشریح: شروع میں جب کہ اسلام کا ابتدائی دور تھا مسلمانوں کی زندگی محنت و مشقت اور تنگی و ناداری سے بھرپور تھی، ایسے بہت کم صحابہؓ تھے جو مال دار اور خوش حال تھے۔ زیادتی اور کثرت ایسے ہی لوگوں کی تھی جو دن بھر محنت و مشقت کرتے اور جنگلوں اور شہروں میں مزدوری کرتے۔ اس طرح وہ حضرات مشکلات و پریشانی کی جکڑ بندیوں میں رہ کر اپنے دین و ایمان کی آبیاری کیا کرتے تھے۔ لیکن تنگی و پریشان حالی کا یہ دور زیادہ عرصہ نہیں رہا جب اسلام کی حقیقت آفریں آواز مکہ اور مدینہ کی گھاٹیوں سے نکل کر عالم کے دوسرے حصوں میں پہنچی اور مسلمانوں کے لشکر خدا اور خدا کے رسول کا نام بلند کرنے کے لئے ان تمام سختیوں اور پریشانیوں کو زاد راہ بناتے ہوئے قیصرو کسریٰ جیسے والیان ملک کی حشمت و سطوت اور شان و شوکت سے جا ٹکرائے اور جس کے نتیجہ میں انہوں نے دنیا کے اکثر حصوں پر اپنی فتح و نصرت کا علم گاڑ دیئے تو تنگی و پریشان حالی کا وہ دور خدا نے فراخی و وسعت میں تبدیل کر دیا۔ اب مسلمان نادار اور پریشان حال نہ رہے بلکہ مالدار اور خوش حال ہو گئے اور محنت و مشقت کی جگہ دنیا کی جہانبانی و مسند آرائی نے لے لی۔

اس حدیث میں حضرت ابن عباسؓ نے جمعہ کے روز غسل کے حکم کی وجہ بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کے ان دونوں دور کا ایک ہلکا اور لطیف خاکہ پیش فرمایا ہے کہ پہلے تو مسلمان اتنے نادار اور تنگ دست تھے کہ نہ تو ان کے پاس ڈھنگ سے پہننے کے کپڑے تھے اور نہ معیشت کی دوسری آسانیاں میسر تھیں بلکہ وہ لوگ دن بھر محنت و مزدوری کر کے سوکھا روکھا کھاتے اور صوف پہنا کرتے تھے جس کی وجہ

سے جب سخت گرمی میں ان کو پسینہ آتا تو مسجد میں بیٹھے ہوئے آس پاس کے لوگوں کو پسینہ کی بو سے تکلیف ہوا کرتی تھی۔ مگر جب بعد میں خدا نے ان پر مال و زر کے دروازے کھول دیئے تو وہ بغیر کسی کوشش اور محنت کے مال دار اور خوش حال ہوگئے اور خدا نے ان پر اسباب معیشت کے بے انتہا فراوانی کر دی۔

حدیث کے آخری لفظ بعضًا مِنَ العِرَقِ میں لفظ من بیان ہے لفظ بعض کا اور یہاں بعض سے مراد اکثر ہے اس طرح اس جملہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اکثر لوگوں کے پسینے جو آپس میں لوگوں کو تکلیف پہنچاتے تھے خوشحالی اور اسباب معیشت کی فراوانی کی وجہ سے ختم ہوگئے۔

بہر حال حضرت ابن عباسؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ پسینہ کی بدبو کی کثرت کی وجہ سے ابتداء اسلام میں جمعہ کے روز غسل کرنا واجب تھا مگر جب اسباب معیشت کی فراوانی اور مسلمانوں کی خوشحالی کی وجہ سے یہ چیز کم ہوگئی تو غسل کے وجوب کا حکم منسوخ ہوگیا اور اس کی جگہ سنت کے حکم نے لے لی۔ اس طرح اب جمعہ کے روز غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

باب الحیض

حیض کا بیان

لغت میں "حیض" کے معنی "جاری ہونا" ہیں اور اصطلاح شریعت میں حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو عورت کے رحم سے بغیر کسی بیماری اور ولادت کے جاری ہوتا ہے اور جیسے عرف عام میں "ماہواری" یا ایام بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح رحم عورت سے جو خون کسی مرض کی وجہ سے آتا ہے اسے استحاضہ اور جو خون ولادت کے بعد جاری ہوتا ہے اسے "نفاس" کہتے ہیں۔

حیض کی مدت کم سے کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے لہٰذا اس مدت میں خون خالص سفیدی کے علاوہ جس رنگ میں بھی آئے وہ حیض کا خون شمار ہوگا یعنی حیض کے خون کا رنگ سرخ بھی ہوتا ہے اور سیاہ و سبز بھی، نیز زرد اور مٹی کے رنگ جیسا بھی حیض کے خون کا رنگ ہوتا ہے۔ ایام حیض میں نماز، روزہ نہ کرنا چاہئے البتہ ایام گزر جانے کے بعد روزے تو قضاء ادا کئے جائیں مگر نماز کی قضا نہیں ہوگی۔

مناسب ہے کہ اس موقعہ پر حیض کے کچھ مسائل و احکام (ماخوذ از علم الفقہ) ذکر کر دیئے جائیں۔

① اگر کوئی عورت سو کر اٹھنے کے بعد خون دیکھے تو اس کا حیض اسی وقت سے شمار ہوگا جب سے وہ بیدار ہوئی ہے اس سے پہلے نہیں اور اگر کوئی حائضہ عورت سو کر اٹھنے کے بعد اپنے کو طاہر پائے تو جب سے سوئی ہے اسی وقت سے طاہر سمجھی جائے گی۔

② حیض و نفاس کی حالت میں عورت کے ناف اور زانوں کے درمیان کے جسم کو دیکھنا یا اس سے اپنے جسم کو ملانا بشرطیکہ کوئی کپڑا درمیان میں نہ ہو مکروہ تحریمی ہے اور جماع کرنا حرام ہے۔

③ حیض والی عورت اگر کسی کو قرآن مجید پڑھاتی ہو تو اس کو ایک ایک الفاظ رک رک کر پڑھانے کی غرض سے کہنا جائز ہے۔ ہاں پوری آیت ایک دم پڑھ لینا اس وقت بھی ناجائز ہے۔

④ حیض و نفاس کی حالت میں عورت کے بوسے لینا، اس کا جھوٹا پانی وغیرہ پینا اور اس سے لپٹ کر سونا اور اس کے ناف اور ناف کے اوپر اور زانوں کے نیچے کے جسم سے اپنے جسم کو ملانا اگرچہ کپڑا درمیان میں نہ ہو اور ناف و زانوں کے درمیان کپڑے کے ساتھ ملانا جائز ہے بلکہ حیض والی عورت سے علیحدہ ہو کر سونا یا اس کے اختلاط سے بچنا مکروہ ہے۔

⑤ جس عورت کا حیض دس دن رات آکر بند ہوا ہو تو اس سے بغیر غسل کے خون بند ہوتے ہی جماع جائز ہے اور جس عورت کا خون دس دن رات سے کم آکر بند ہوا ہو تو اگر اس کی عادت سے بھی کم آکر بند ہوا ہے تو اس سے جماع جائز نہیں۔ جب تک کہ اس کی نہ گزر جائے

اگرچہ غسل بھی کر چکے اور عادت

کے موافق اگر بند ہوا ہے تو جب تک غسل نہ کرے یا ایک نماز کا وقت نہ گزر جائے جماع جائز نہیں۔ نماز کا وقت گزر جانے کے بعد بغیر غسل کے بھی جائز ہوگا۔ نماز کا وقت گزر جانے سے یہ مقصود ہے کہ اگر شروع وقت میں خون بند ہوا تو باقی وقت سب گزر جائے اور اگر آخر وقت میں خون بند ہوا تو اس قدر وقت ہونا ضروری ہے کہ جس میں غسل کر کے نماز کی نیت کرنے کی گنجائش ہو اور اگر اس سے بھی کم وقت باقی ہو تو پھر اس کا اعتبار نہیں دوسری نماز کا پورا وقت گزرنا ضروری ہے۔ یہی حکم نفاس کا ہے کہ اگر چالیس دن آکر بند ہوا ہو تو خون بند ہوتے ہی بغیر غسل کے اور اگر چالیس دن سے کم آکر بند ہوا ہو تو اور عادت سے بھی کم ہو تو بعد عادت گزر جانے کے اور اگر عادت کے موافق بند ہوا ہو تو غسل کے بعد یا نماز کا وقت گزر جانے کے بعد جماع وغیرہ جائز ہے۔ ہاں ان سب صورتوں میں مستحب ہے کہ بغیر غسل کے جماع نہ کیا جائے۔

۶ جس عورت کا خون دس دن رات سے کم آکر بند ہوا ہو اور عادت مقرر ہو جانے کی شکل میں عادت سے بھی کم ہو تو اس کو نماز کے آخر وقت مستحب تک غسل میں تاخیر کرنا واجب ہے اس خیال سے کہ شاید پھر خون آجائے مثلاً اگر عشاء کے شروع وقت خون بند ہوا ہو تو عشاء کے آخر وقت مستحب یعنی نصف شب کے قریب تک اس کو غسل میں تاخیر کرنا چاہئے اور جس عورت کا حیض دس دن یا عادت مقرر ہونے کی شکل میں عادت کے موافق آکر بند ہوا ہو تو اس کو نماز کے آخر وقت مستحب تک غسل میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔

۷ اگر کوئی عورت غیر زمانہ حیض میں کوئی ایسی دوا استعمال کرے جس سے خون آجائے تو وہ حیض نہیں مثلاً کسی عورت کو مہینہ میں ایک دفعہ پانچ دن حیض ہو تو اس کے حیض کے پندرہ دن کے بعد کسی دوا کے استعمال سے خون آجائے تو وہ حیض نہیں۔

۸ اگر کسی عادت والی عورت کو خون جاری ہو جائے اور برابر جاری رہے اور اس کو یہ یاد نہ رہے کہ مجھے کتنے دن حیض ہوتا تھا یا پھر یہ یاد نہ رہے کہ مہینہ کی کس کس تاریخ سے شروع ہوتا تھا اور کب ختم ہوتا تھا۔ یا دونوں باتیں یاد نہ رہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے غالب گمان پر عمل کرے یعنی جس زمانہ کو وہ حیض کا زمانہ خیال کرے اس زمانہ میں حیض کے احکام پر عمل کرے اور جس زمانہ کو طہارت کا زمانہ خیال کرے اس زمانہ میں طہارت کے احکام پر عمل کرے اور اگر اس کا گمان کسی طرف نہ ہو تو اس کو ہر نماز کے وقت نیا وضو کر کے نماز پڑھنا چاہئے اور روزہ بھی رکھے مگر جب اس کا یہ مرض رفع ہو جائے روزہ کی قضاء کرنی ہوگی اور اگر اس کو شک کی کیفیت ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس کو کسی زمانہ کی نسبت یہ شک ہو کہ زمانہ حیض کا طہر کا تو اس صورت میں ہر نماز کے وقت نیا وضو کر کے نماز پڑھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو کسی زمانہ کی نسبت پر شک ہو کہ یہ زمانہ حیض کا ہے یا طہر کا یا حیض سے خارج ہونے کا تو اس صورت میں وہ ہر نماز کے وقت غسل کر کے نماز پڑھا کرے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ الْيَهُوْدَ كَانُوْا اِذَا حَاضَتِ الْمَرْاَةُ فِيْهِمْ لَمْ يُؤَاكِلُوْهَا وَلَمْ يُجَامِعُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ فَسَأَلَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ الْاٰيَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْيَهُوْدَ فَقَالُوْا مَا يُرِيْدُ هٰذَا الرَّجُلُ اَنْ يَدَعَ مِنْ اَمْرِنَا شَيْئًا اِلَّا خَالَفَنَا فِيْهِ فَجَاءَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْيَهُوْدَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا اَفَلَا نُجَامِعُهُنَّ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَرْسَلَ فِيْ اٰثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا فَعَرَفَا اَنَّهٗ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا۔ (رواہ مسلم)

"حضرت انسؓ راوی ہیں کہ "یہود میں جو کوئی عورت ایام سے ہوجاتی تو وہ لوگ نہ صرف یہ کہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے نہ تھے بلکہ گھروں میں سونا بیٹھنا تک چھوڑ دیتے تھے چنانچہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں حکم پوچھا (کہ حائضہ عورتوں کے بارہ میں یہودیوں کا تو یہ عمل ہے ہم کیا کریں؟) جبھی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ الْاٰيَة (یعنی یہ لوگ

• آپ ﷺ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں الخ" نازل فرمائی (آیت کے نازل ہونے کے بعد) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ) تم اپنی عورتوں کے ساتھ جب کہ وہ حائضہ ہوں) سوائے صحبت کے جو چاہے کیا کرو جب یہ خبر یہودیوں کو پہنچی تو انہوں نے کہا یہ شخص یعنی محمد ﷺ ہمارے جس دینی امر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس میں ہماری مخالفت ضرور کرتے ہیں۔" (یہود کی زبانی یہ سن کر دو صحابہ) حضرت اسید ابن حضیر اور حضرت عباد ابن بشرؓ (دربار رسالت میں) حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہودی ایسا ایسا کہہ رہے ہیں (یعنی انھوں نے یہودیوں کا کلام نقل کیا اور پھر یہ کہا کہ) اگر اجازت ہو (یہودیوں کی موافقت کے لئے) ہم اپنی عورتوں کا پاس (ایام حیض میں) رہنا سہنا چھوڑ دیں۔" (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا اور ہمیں یہ گمان ہو گیا کہ آپ ﷺ ان دونوں پر خفا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں بھی نکل کر چل دیئے۔ ان کے جاتے ہی آنحضرت ﷺ کے پاس کہیں سے تحفہ میں دودھ آگیا، آپ ﷺ نے ان دونوں کے پیچھے (کسی شخص کو بلانے کے لئے) بھیجا (جب وہ آگئے تو) آپ ﷺ نے انہیں وہ دودھ پلا دیا (تاکہ انہیں آنحضرت ﷺ کے لطف و کرم کا احساس ہو جائے چنانچہ دودھ پینے کے بعد انہوں نے جانا کہ آنحضرت ﷺ ہم سے ناراض نہیں ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: پوری آیت یہ ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ۔

"اور (اے محمد ﷺ) صحابہؓ حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں سو آپ (ﷺ) ان سے کہہ دیجئے کہ وہ تو نجاست ہے لہٰذا ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں اس سے مقاربت نہ کرو۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور ان سے مقاربت نہ کرنے کا حکم دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں سے حیض کی حالت میں جماع نہ کرو، اور اس کے علاوہ تمام چیزیں جائز ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ کھانا، پینا، گھروں میں رہنا سہنا، لیٹنا، بیٹھنا یہاں تک کہ عورت کے ناف کے اوپر کے حصہ سے اپنا بدن ملانا یا ہاتھ لگانا یہ سب چیزیں جائز ہیں۔

لہٰذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایام حیض میں اگر کوئی شخص جماع کرے گا تو وہ شخص گنہ گار ہو گا کیونکہ یہ حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت سے ایام حیض میں یہ سمجھ کر جماع کرے کہ یہ حلال اور جائز ہے تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس کا حرام ہونا قرآن سے ثابت ہوتا ہے، (دونوں صحابہؓ نے یہود کی باتیں سن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جو معروضہ پیش کیا تھا اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لیجئے کہ خدانخواستہ ان کے ذہن میں اس حکم کی کوئی اہمیت نہ تھی یا یہ کہ ایک اسلامی حکم کے مقابلہ میں یہودیوں کی بات کا انہیں زیادہ خیال تھا بلکہ ان کا مطلب تو صرف یہ تھا کہ آپ ﷺ اجازت دیں تو ہم عورتوں کے ساتھ ایام حیض میں اٹھنا بیٹھنا ترک کر دیں اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیں، تاکہ یہود جو طعن کرتے ہیں وہ نہ کریں اور ہم آپس میں الفت و یک جہتی کے ساتھ رہا کریں۔

(۲) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ وَكِلَانَا جُنُبٌ وَكَانَ يَأْمُرُنِي فَاَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِي وَاَنَا حَائِضٌ وَكَانَ يُخْرِجُ رَاْسَهٗ اِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَاَغْسِلُهٗ وَاَنَا حَائِضٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "میں اور نبی کریم ﷺ دونوں جنابت کی حالت میں ایک برتن سے نہا لیا کرتے تھے۔ (اور بعض اوقات) میں ایام سے ہوتی تو آپ ﷺ مجھے (تہ بند باندھنے کے واسطے) ارشاد فرماتے جب میں تہ بند باندھ لیتی تو آپ ﷺ مجھ سے (ناف کے اوپر اوپر) اپنے بدن لگا کر لیٹ جایا کرتے تھے اور (بعض مرتبہ) آپ اعتکاف میں ہوتے اور اپنا سر مبارک (مسجد سے) باہر نکال دیتے تو میں اپنے ایام کی حالت میں آپ ﷺ کا سر مبارک دھویا کرتی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: عرب کے قاعدہ اور معمول کے مطابق ایک بڑا برتن جو طشت کے قسم کا ہوتا تھا پانی سے بھرا ہوا آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان رکھا رہتا اور یہ دونوں اس میں سے چلو بھر بھر کر نہاتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے جسم کے اس حصہ سے فائدہ اٹھانا جو ناف کے نیچے اور زانو کے اوپر ہوتا ہے حرام ہے۔ یعنی وہاں ہاتھ لگانا اور جماع کرنا ممنوع ہے چنانچہ اس کی وضاحت دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے اور یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔

امام محمدؒ، امام احمدؒ اور بعض شوافع حضرات کا مسلک یہ ہے کہ حائضہ عورت سے صرف وطی یعنی شرمگاہ میں دخول کرنا حرام ہے۔

حضرت عائشہؓ کا حجرہ مسجد سے بالکل ملا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کا دروازہ بھی مسجد ہی کی طرف کھلا ہوا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب اعتکاف میں ہوتے تھے تو اپنے سر مبارک اسی دروازے سے حجرے کی طرف نکال دیتے تھے وہاں حضرت عائشہؓ بیٹھ کر آپ ﷺ کا سر مبارک دھو دیتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھا ہو اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو مسجد سے باہر نکالے تو اسے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَشْرَبُ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ فَيَشْرَبُ وَاَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں حالت ایام میں پانی پی کر (وہ برتن) نبی کریم ﷺ کو دے دیا کرتی تھی آپ ﷺ اسی جگہ سے جہاں میرا منہ لگا تھا منہ لگا کر پی لیتے اور کبھی میں ایام کی حالت میں ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتی پھر وہ ہڈی آنحضرت ﷺ کو دے دیتی آپ ﷺ اسی جگہ پر منہ رکھ کر گوشت کو نوچتے جہاں میں نے منہ رکھ کر نوچا تھا۔" (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کا یہ عمل دو وجہ سے ہوا کرتا تھا اول تو یہ کہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بے انتہا محبت تھی دوسرے یہ کہ آپ ﷺ کو یہودیوں کی مخالفت منظور ہوتی تھی چنانچہ یہودی تو کہاں حائضہ عورت کے ساتھ گھر میں رہنا اور ان کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کرتے تھے اور ادھر یہ معمول تھا کہ حضرت عائشہؓ ایام حیض میں برتن میں جس جگہ سے منہ لگا کر پانی پیا کرتی تھیں آپ ﷺ بھی اسی جگہ منہ (لگا کر پانی پیتے اور حضرت عائشہؓ جس جگہ سے منہ لگا کر ہڈی سے گوشت کو نوچا کرتی تھیں آپ ﷺ بھی اسی جگہ منہ لگا کر ہڈی سے گوشت نوچا کرتے تھے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ کھانا پینا اور اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جائز ہے نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے اعضاء بدن نجس و ناپاک نہیں ہوتے۔

(۴) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّكِئُ فِيْ حِجْرِيْ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ "میں ایام کی حالت میں ہوتی اور نبی کریم ﷺ میری گود میں سہارا دے کر بیٹھ جاتے اور قرآن کریم پڑھتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث نے بھی اس بات کی وضاحت کر دی کہ حائضہ عورت ظاہری طور پر ناپاک ہوتی ہے اس کی ناپاکی کا حکم صرف حکماً ہے اس لئے اگر حائضہ عورت ظاہر پاک نہ ہوتی اور اس کے بدن کے اعضاء نجس ہوتے تو سرکار دو عالم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گود میں سہارا دے کر جب کہ وہ حالت ایام میں ہوا کرتی تھیں نہ بیٹھتے اور نہ اس طرح بیٹھ کر قرآن کریم پڑھتے۔

(۵) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاوِلِيْنِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ اِنِّيْ حَائِضٌ فَقَالَ اِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِيْ يَدِكِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مسجد میں سے چھوٹا بوریہ (جانماز) اٹھا کر مجھے دے دو" (یعنی باہر کھڑی ہو کر اندر ہاتھ ڈال کر بوریا اٹھالاؤ) میں نے عرض کیا کہ میں تو ایام سے ہوں۔ (اس لئے مسجد میں ہاتھ کیسے داخل کر سکتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا۔ "تمہارے ہاتھ میں تو حیض نہیں ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ مسجد سے باہر کھڑی ہو کر مسجد کے اندر سے کوئی چیز اٹھالے تو جائز ہے۔ کیونکہ ایام والی عورت کو صرف مسجد کے اندر جانا منع ہے نہ کہ مسجد کے اندر ہاتھ داخل کرنا بھی۔

(۶) وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي مِرْطٍ بَعْضُهُ عَلَيَّ وَبَعْضُهُ عَلَيْهِ وَاَنَا حَائِضٌ۔ (متفق علیہ)

"اور ام المؤمنین حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ ایک ایسی چادر میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے کہ جس کا کچھ حصہ تو آپ ﷺ کے اوپر ہوتا تھا اور کچھ حصہ مجھ پر ہوتا تھا اور میں ایام سے ہوتی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ حائضہ کا پورا جسم ناپاک نہیں ہوتا بلکہ اس کی شرم گاہ کے علاوہ تمام بدن پاک ہوتا ہے کیونکہ حائضہ کا پورا بدن اگر ناپاک ہوتا ہو تو ایسی چادر میں نماز جائز نہ ہوتی جس کا بعض حصہ تو نمازی پر پڑا ہو اور بعض حصہ نجاست و ناپاکی پر۔

حضرت سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں کہ "صاحب تخریج نے لکھا ہے کہ میں نے یہ حدیث یعنی بخاری و مسلم میں ان کے الفاظ کے ساتھ نہیں پائی ہے البتہ ان میں نیز ابوداؤد میں اس مضمون کی احادیث مذکور ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

(۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى حَائِضًا اَوِامْرَاَةً فِيْ دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا نَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ اِلَّا مِنْ حَكِيْمِ الْاَثْرَمِ عَنْ اَبِيْ تَمِيْمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ایام والی عورت سے صحبت کی یا عورت کے پیچھے کی طرف بدفعلی کی۔ یا کسی کاہن کے پاس (غیب کی باتیں پوچھنے) گیا تو اس شخص نے (گویا) محمد (ﷺ) پر نازل کئے گئے دین کا کفر کیا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ) "ابن ماجہؒ اور دارمیؒ کی روایتوں میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "کاہن کے کہے ہوئے کی اس نے تصدیق بھی کر دی تو وہ کافر ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ "ہمیں یہ حدیث معلوم نہیں سوائے اس سند کے کہ اسے حکیم اثرم، ابوتمیمہ سے نقل کرتے ہیں اور وہ ابوہریرہؓ سے۔"

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حلال اور جائز سمجھ کر کسی حائضہ سے جماع کرے یا کسی عورت کے پیچھے کی طرف بدفعلی کرے یا کاہن کے پاس جائے اور کاہن اسے غیب کے متعلق جو چیزیں بتائے انہیں وہ سچ جانے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اور اگر یہ شکل ہو کہ کوئی شخص حائضہ عورت سے جماع یا عورت سے لواطت کرے مگر یہ سمجھتا ہو کہ یہ حلال اور جائز نہیں ہے بلکہ حرام اور ناجائز ہے تو کافر نہیں ہوگا بلکہ فاسق ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کاہن کے پاس جائے مگر اس نے جو چیزیں بتائی ہیں اس کو سچ نہ جانے تو بھی فاسق ہوگا۔ اس صورت میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جس شخص نے ایسا کیا گویا اس نے کفران نعمت کیا۔"

کاہن ان شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ واقعات کی خبر دیتا ہے اور نجومی اسے کہتے ہیں جو ستاروں کی مدد سے خبر دیتا ہے۔ کاہن اور نجومی

دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ جس طرح کاہن کے پاس غیب کی خبریں جاننے کے لئے ممنوع ہے اور اس کی دی ہوئی خبر پر یقین کرنا کفر ہے اسی طرح نجومی کے پاس بھی جانا فسق اور اس کی بتائی باتوں کو سچ جاننا کفر ہے۔

اس حدیث میں پیچھے کی طرف بد فعلی کرنے کے سلسلہ میں صرف عورت کی جو قید لگائی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مرد سے اغلام کرنا اس سے بھی زیادہ برا ہے۔"

⑧ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يَحِلُّ لِيْ مِنْ اِمْرَأَتِي وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ مَا فَوْقَ الْاِزَارِ وَالتَّعَفُّفُ عَنْ ذٰلِكَ اَفْضَلُ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَقَالَ مُحِيُّ السُّنَّةِ اِسْنَادُهُ لَيْسَ بِقَوِيٍّ)

"اور حضرت معاذ ابن جبلؓ کہتے ہیں کہ "میں نے عرض کیا" یارسول اللہ (ﷺ)! میری بیوی کی ایام کی حالت میں میرے واسطے کیا کیا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ چیز جو تہ بند کے اوپر ہو۔ اور اس سے بھی بچنا بہت ہی بہتر ہے۔" (رزین اور محی السنۃ" فرماتے ہیں اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے ایام کی حالت میں اس کی تہ بند کے اوپر ہاتھ وغیرہ لگانا یا تہ بند کے اوپر اختلاط کرنا اور بوس و کنار کرنا جائز ہے۔ مگر ان چیزوں سے بھی پرہیز کرنے کو زیادہ بہتر اور افضل اس لئے کہا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ان امور کی وجہ سے خواہش نفسانی بھڑک اٹھے اور کوئی شخص جذبات سے مغلوب ہو کر جماع کر بیٹھے اس لئے اس حرام فعل سے بچنے کے لئے مناسب ہے کہ ان امور سے بھی اجتناب کیا جائے جو اس کے لئے مد اور سبب بنتے ہیں۔

اور جہاں تک آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کا سوال ہے کہ آپ ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے تہ بند کے اوپر اوپر ہاتھ لگاتے تھے اور اختلاط کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ سرکار دوعالم ﷺ اپنے نفس اور جذبات پر قادر تھے۔ اس کے برخلاف دوسرے لوگوں سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی وہ آنحضرت ﷺ کی طرح اپنے جذبات اور نفس پر قابو رکھ سکیں گے۔

بہر حال۔ مسلک کے اعتبار سے یہ حدیث بھی حنفیہ کی ہی تائید کرتی ہے۔

⑨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِاَهْلِهِ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِيْنَارٍ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و الدارمی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "اگر کوئی شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے تو اسے نصف دینار صدقہ کردینا چاہئے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ، ابن ماجہؒ، نسائیؒ)

تشریح: ایک دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا ہوتا ہے۔ اگر سونا سو روپے تولہ ہو تو ایک دینار چھ روپے کا ہوا اور آدھا دینار تین روپیہ کا۔ خطابی نے کہا ہے کہ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرلے تو اس کا کفارہ صرف استغفار ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے مگر امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی حائضہ عورت سے اس وقت جماع کیا جب کہ خون جاری تھا تو اسے ایک دینار صدقہ کرنا مستحب ہے اسی طرح اگر کسی نے انقطاع خون کے بعد صحبت کی تو اسے بھی نصف دینار صدقہ کرنا مستحب ہے۔

حضرت ابن ہمام حنفیؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے حائضہ بیوی سے یہ سمجھ کر صحبت کرے کہ یہ حلال ہے تو وہ کافر ہوجاتا ہے اور جس شخص نے اسے حرام سمجھتے ہوئے کیا تو اس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا لہٰذا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خداوند کریم کی بارگاہ میں اس حرام فعل کے صدور پر شرمسار ہو کر اس سے توبہ و بخشش کا خواستگار ہو اور ایک دینار یا نصف دینار از روئے استحباب صدقہ کرلے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابن عباسؓ پر مرسل ہے یا موقوف ہے کیونکہ اس حدیث کا آنحضرت ﷺ تک مرفوع متصل ہونا ثابت نہیں ہے۔

⑩ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ دَمًا أَحْمَرَ فَدِينَارٌ وَإِذَا كَانَ دَمًا أَصْفَرَ فَنِصْفُ دِينَارٍ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ایام کی حالت میں اگر حیض کا) خون سرخ رنگ کا ہو (اور اس حالت میں کوئی صحبت کرے) تو ایک پورا دینار اور اگر خون کا رنگ زرد ہو تو آدھا دینار (صدقہ کرنا لازم ہے)۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں جماع کرنے سے جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جماع کے وقت اگر حیض کے خون کا رنگ سرخ ہو تو ایک دینار صدقہ کرنا ضروری ہے اور اگر حیض کے خون کا رنگ زرد ہو تو آدھا دینار صدقہ کرنا چاہئے چنانچہ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ابتدائے حیض میں صحبت کرنے کی وجہ سے ایک دینار اور حالت انقطاع میں نصف دینار مستحب ہے۔ وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ ابتداء میں حیض کے خون کا رنگ سرخ ہوتا ہے اور آخر میں زرد ہو جاتا ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑪ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ إِنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا يَحِلُّ لِيْ مِنِ امْرَأَتِيْ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشُدُّ عَلَيْهَا إِزَارَهَا ثُمَّ شَأْنُكَ بِأَعْلَاهَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالدَّارِمِيُّ مُرْسَلاً)

"حضرت زید ابن اسلمؒ (بھی) فرماتے ہیں کہ "ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میرے لئے میری بیوی سے جب کہ وہ ایام کی حالت میں ہو تو کیا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اس کے جسم پر اس کا تہ بند خوب مضبوط باندھ لو! پھر تہبند کے اوپر تمہارا کام ہے۔" (یعنی ناف سے اوپر تم کو اختلاط مباح ہے اور ناف کے نیچے حرام ہے۔" (مالکؒ اور دارمیؒ نے اس حدیث کو بطریق ارسال روایت کیا ہے)

⑫ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ إِذَا حِضْتُ نَزَلْتُ عَنِ الْمِثَالِ عَلَى الْحَصِيْرِ فَلَمْ نَقْرُبْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ نَدْنُ مِنْهُ حَتّٰى نَطْهُرَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "جب میں ایام سے ہو جاتی تو بستر سے اتر کر بوریہ پر آجاتی تھی، چنانچہ جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جاتی نہ تو نبی کریم ﷺ ان کے نزدیک آتے تھے اور نہ وہ نبی کریم ﷺ کے نزدیک آتی تھیں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: بظاہر یہ حدیث ان احادیث کے بالکل برعکس ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ایام کی حالت میں ان کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرتے تھے چنانچہ خود حضرت عائشہؓ ہی سے ایسی احادیث مروی ہیں۔ جن میں انھوں نے بتایا ہے کہ آن حضرت ﷺ ان سے ایام حیض میں اختلاط کرتے تھے۔

لہٰذا اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث ان احادیث سے منسوخ ہے۔ یا پھر اس حدیث کی توجیہ یہ کی جائے گی کہ یہاں نزدیک نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ ایام کی حالت میں جماع کے لئے ایک دوسرے کے قریب نہ آتے تھے جیسا کہ قرآن مجید کی آیت وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ میں "ان کے نزدیک نہ آؤ جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں" کا مطلب یہ کیا جاتا ہے کہ "ان سے جماع نہ کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔ یہاں حدیث کے الفاظ فَلَمْ يَقْرُبْ میں حرف یٰ زبر کے ساتھ اور حرف ر پیش کے ساتھ ہے اسی طرح لَمْ تدن حتّٰی تطهر دونوں حرف ت کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے اکثر صحیح نسخوں میں ایسی طرح یہ الفاظ مذکور ہیں مگر نسخہ سید جمال الدینؒ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ صحیح اسی طرح فلم نقرب نون اور حرف ر کے زبر کے ساتھ ہے نیز رسول اللہ ﷺ کے لام کو زبر

ہے۔ اسی طرح لم تدن پہلے نون کے زبر اور دوسرے نون کے پیش کے ساتھ ہے اور لفظ نطہر میں بھی نون ہے اور میرکؒ شاہؒ نے لکھا ہے کہ "اصل ابوداؤد میں یہ الفاظ اسی طرح ہیں۔"

بَابُ الْمُسْتَحَاضَةِ

مستحاضہ کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ جَآءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِي حُبَيْشٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي امْرَأَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلاَ اَطْهُرُ اَفَأَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ لاَ اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَ لَيْسَ بِحَيْضٍ فَاِذَا اَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي۔ (متفق علیہ)

"حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ "فاطمہ بنت ابی حبیش نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ "یارسول اللہ (ﷺ)! میں ایک ایسی عورت ہوں جسے برابر (استحاضہ کا) خون آتا رہتا ہے۔ چنانچہ میں کسی وقت پاک نہیں رہتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "نہیں! یہ تو ایک رگ کا خون ہے، حیض کا خون نہیں ہے لہٰذا جب تمہیں حیض آنے لگے تو تم نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو "جسم سے" خون کو دھو ڈالو (اور نہا کر) نماز پڑھ لو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عورت مستحاضہ ہو جائے اور وہ ہر وقت استحاضہ کے خون سے ناپاک رہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ "اگر وہ ایسی عورت ہو جو معتادہ ہو یعنی اس کے حیض کے ایام مقرر ہوں مثلاً اسے ہر ماہ پانچ روز یا چھ روز خون آتا تھا تو جب وہ مستحاضہ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ ان دونوں کو جن میں حیض کا خون آتا تھا ایام حیض قرار دے اور ان دنوں میں نماز وغیرہ چھوڑ دے اور جب وہ دن پورے ہو جائیں تو خون کو دھو کر نہائے اور نماز وغیرہ شروع کر دے۔

اور اگر وہ مبتدیہ ہو یعنی ایسی عورت ہو کہ پہلا ہی حیض آنے کے بعد وہ مستحاضہ ہو گئی جس کے نتیجہ میں استحاضہ کا خون برابر جاری ہو تو اسے چاہئے کہ وہ حیض کی انتہائی مدت یعنی دس دن کو ایام حیض قرار دے کر ان دنوں میں نماز وغیرہ چھوڑ دے اور بعد میں نہا دھو کر نماز وغیرہ شروع کر دے۔ اس صورت میں دوسرے ائمہ کے نزدیک عمل تمیز پر ہو گا یعنی اگر خون سیاہ رنگ کا ہو تو اسے حیض کا خون قرار دیا جائے گا اور اگر سیاہ رنگ کا نہ ہو تو وہ استحاضہ کا خون کہلائے گا جیسے کہ آگے والی حدیث سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر حضرت امام اعظمؒ اس حدیث کے بارے میں جو آگے آ رہی ہے اور جو حضرت عروہؒ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دو طرق سے روایت کی گئی ہے ایک تو ان میں سے مرسل ہے اور دوسری مضطرب اور یہ عجیب بات ہے کہ خون کے رنگ میں امتیاز کی بات صرف عروہؒ کی روایت ہی میں مذکور ہے جس کا حال معلوم ہو چکا کہ ایک طریق سے تو وہ مرسل ہے اور دوسرے طریق سے مضطرب لہٰذا اس حدیث پر کسی مسلک کی بنیاد رکھنا گویا اس مسلک کو کمزور کرنا ہے۔ اور یہ حدیث جو اوپر گزری جس میں دنوں کا اعتبار ہے اور جو ہماری دلیل ہے "صحیح" ہے لہٰذا اس حدیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاطمہ بنت حبیش جنہوں نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اپنے بارے میں حکم دریافت کیا تھا معتادہ تھیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ کو چاہئے کہ وہ ہر فرض نماز کے لئے اپنی شرم گاہ دھو لیا کرے۔ اور حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آئے جب ہی اپنی شرم گاہ دھو لے پھر نہ دھوئے اور لنگوٹا باندھ کر جلدی جلدی وضو کر لے اس کے بعد جو خون

جاری رہے گا اس میں وہ معذور ہوگی لہٰذا آخر وقت تک وہ جو چاہے پڑھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۴) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَبِیْ حُبَیْشٍ اَنَّهَا کَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ دَمُ الْحَیْضِ فَاِنَّهٗ دَمٌ اَسْوَدُ یُعْرَفُ فَاِذَا کَانَ ذٰلِكَ فَاَمْسِکِیْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِذَا کَانَ الْاٰخَرُ فَتَوَضَّئِیْ وَصَلِّیْ فَاِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ۔ (رواه ابوداؤد و النسائی)

"حضرت عروہ[1] بن زبیرؒ (تابعی) حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "انہیں استحاضہ کا خون آتا تھا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ جب حیض کا خون آئے جس کی پہچان یہ ہے کہ وہ سیاہ رنگ کا ہوتا ہے تو اس وقت تم نماز پڑھنے سے رک جایا کرو اور جب استحاضہ کا خون آنے لگے (یعنی خون سیاہ رنگ کے علاوہ اور کسی رنگ کا ہو) تو وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرو کیوں کہ (یہ حیض کا نہیں بلکہ ایک رگ کا خون ہوتا ہے۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: اس حدیث کے بارے میں اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ حدیث ان ائمہ کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ مستحاضہ ایام حیض کے سلسلہ میں تمیز پر عمل کرے کہ اگر خون کا رنگ گاڑھا سیاہ ہو تو اسے حیض کا خون قرار دے کر ان ایام میں نماز وغیرہ ترک کر دے اور رنگ گاڑھا سیاہ نہ ہو تو پھر اسے استحاضہ کا خون سمجھے اور نماز روزہ کرتی رہے چنانچہ اسی جگہ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ حدیث صحیح درجہ کو نہیں پہنچتی اس لئے اس کو کسی ملک کی بنیاد قرار دینا اس مسلک کی کمزوری کو ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔

بہر حال۔ یہاں خون کے جو رنگ بتائے گئے ہیں وہ دائمی اور کلی طور پر نہیں ہیں بلکہ آنحضرت ﷺ نے خون کے رنگ اکثر کے اعتبار سے فرمائے ہیں کیونکہ کبھی حیض کا خون سرخ وغیرہ رنگ کا بھی ہوتا ہے۔

حضرات حنفیہ اس حدیث کی وضاحت یہ کرتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا محمول یہ ہوگا کہ "یہ تمیز عادت کے موافق ہو۔" یعنی جس عورت کو استحاضہ لاحق ہو اور حیض میں جب خون کا رنگ سیاہ ہوگا تو اسے حیض کا خون قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا جب اس کی عادت کے دن گزر جائیں اور ان ہی دنوں میں خون کا رنگ سیاہ بمائل سرخ وغیرہ ہو تو اس کے بعد حیض کا خون شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کی عادت کے موافق خون کا رنگ اب سیاہ نہیں رہا۔

(۳) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِنَّ امْرَأَةً کَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا اُمُّ سَلَمَةَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِتَنْظُرْ عَدَدَ اللَّیَالِیْ وَ الْاَیَّامِ الَّتِیْ کَانَتْ تَحِیْضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ اَنْ یُصِیْبَهَا الَّذِیْ اَصَابَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلٰاةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَاِذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ وَرَوَی النَّسَائِیُّ مَعْنَاهُ)

"اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت کو استحاضہ کا خون آتا تھا (اور وہ معتادہ تھی) چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے فتویٰ پوچھا (کہ اس کا کیا حکم ہے؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اسے چاہئے کہ وہ دیکھے کہ اس بیماری کے آنے سے پہلے اسے مہینہ میں حیض کا خون کتنے دن رات آتا تھا (جب یہ معلوم ہو جائے تو) ہر مہینہ اتنے ہی دنوں نماز پڑھنی چھوڑ دے اور جب وہ دن گزر جائیں تو نہالے اور (پاجامہ کے اندر) کپڑے کی لنگوٹی باندھ کر نماز پڑھ لیا کرے۔" (مالکؒ ابوداؤدؒ، دارمیؒ) اور نسائی نے اس روایت کو بالمعنی نقل کیا ہے۔)

---

[1] حضرت عروہ زبیر بن العوام کے صاحبزادے اور عظیم المرتبت تابعی ہیں ۲۲ھ میں پیدا ہوئے ۱۲۔

تشریح: مستحاضہ کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے وہ لنگوٹ اس طرح باندھے کہ خون حتی المقدور رک سکے اگر لنگوٹ باندھنے اور احتیاط کے باوجود بھی خون آئے تو اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا نماز صحیح ہو جائے گی قضاء ضروری نہیں ہوگی یہ حکم سلس البول کے مرض کا بھی ہے۔

④ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ جَدُّ عَدِيٍّ اسْمُهُ دِيْنَارٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَدَعُ الصَّلَاةَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا الَّتِي كَانَتْ تَحِيْضُ فِيْهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَ تَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَتَصُوْمُ وَ تُصَلِّيْ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت عدی ابن ثابت سے مروی ہے کہ ان کے والد اپنے والد سے یعنی یحییٰ ابن معین سے جو عدی کے دادا ہیں اور جن کا نام دینار ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "آپ ﷺ نے ایک مستحاضہ کے بارے میں فرمایا کہ "جن دنوں اسے (عادت کے موافق) حیض آتا تھا اسے چاہئے کہ ان میں نماز چھوڑ دے پھر (ان دنوں کے بعد ایک مرتبہ) نہائے اور ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرے اور روزہ رکھے اور نماز بھی پڑھے۔" (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے نیز ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں فَتَوَضَّأُ لِوَقْتِ كُلِّ صَلٰوةٍ یعنی مستحاضہ ہر نماز کے وقت وضو کرے۔"

⑤ وَعَنْ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ كُنْتُ اُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْتَفْتِيْهِ وَ اُخْبِرُهٗ فَوَجَدْتُهٗ فِيْ بَيْتِ اُخْتِيْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَمَا تَاْمُرُنِيْ فِيْهَا قَدْ مَنَعَتْنِي الصَّلَاةَ وَ الصِّيَامَ قَالَ اَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ فَاِنَّهٗ يُذْهِبُ الدَّمَ قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَتَلَجَّمِي قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَاتَّخِذِيْ ثَوْبًا قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذَالِكَ اِنَّمَا اَثُجُّ ثَجًّا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاٰمُرُكِ بِاَمْرَيْنِ اَيَّهُمَا صَنَعْتِ اَجْزَأَ عَنْكِ مِنَ الْاٰخَرِ وَاِنْ قَوِيْتِ عَلَيْهِمَا فَاَنْتِ اَعْلَمُ قَالَ لَهَا اِنَّمَا هٰذِهٖ رَكْضَةٌ مِنْ رَكَضَاتِ الشَّيْطَانِ فَتَحَيَّضِيْ سِتَّةَ اَيَّامٍ اَوْسَبْعَةَ اَيَّامٍ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ ثُمَّ اغْتَسِلِيْ حَتّٰى اِذَا رَاَيْتِ اَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ وَاسْتَنْقَاْتِ فَصَلِّيْ ثَلَاثًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً اَوْاَرْبَعًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَاَيَّامَهَا وَصُوْمِيْ فَاِنَّ ذٰلِكِ يُجْزِئُكِ وَكَذٰلِكِ فَافْعَلِيْ كُلَّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيْضُ النِّسَاءُ وَكَمَا يَطْهُرْنَ مِيْقَاتَ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ وَاِنْ قَوِيْتِ عَلٰى اَنْ تُؤَخِّرِيْنَ الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِيْنَ الْعَصْرَ فَتَغْتَسِلِيْنَ وَتَجْمَعِيْنَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَتُؤَخِّرِيْنَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِيْنَ الْعِشَاءَ ثُمَّ تَغْتَسِلِيْنَ وَتَجْمَعِيْنَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِيْ وَتَغْتَسِلِيْنَ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِيْ وَصُوْمِيْ اِنْ قَدَرْتِ عَلٰى ذٰلِكِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا اَعْجَبُ الْاَمْرَيْنِ اِلَيَّ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی)

"اور حضرت حمنہ بنت جحشؓ فرماتی ہیں کہ مجھے بہت ہی کثرت سے استحاضہ کا خون آتا تھا اس لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تاکہ آپ ﷺ کو اس کی خبر دوں اور اس کا حکم پوچھوں چنانچہ میں اپنی بہن زینب بنت جحش کے مکان میں سرکار دو عالم ﷺ سے ملی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے استحاضہ کا خون بہت ہی کثرت سے آتا ہے جس نے مجھے نماز روزہ سے بھی روک رکھا ہے اس کے بارے میں آپ ﷺ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے روئی کو بیان کرتا ہوں کیونکہ وہ خون کو لے جاتی ہے (یعنی خون نکلنے کی جگہ روئی رکھ لو تاکہ وہ باہر نہ نکلے) حمنہؓ نے کہا کہ وہ تو (اس سے نہیں رکے گا کیونکہ) بہت زیادہ ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا (روئی رکھ کر) اس پر لگام کی طرح کپڑا (یعنی لنگوٹ) باندھ لو۔" انھوں نے کہا کہ "وہ اس سے (بھی نہیں رکے گا کیونکہ) زیادہ ہے" آپ ﷺ نے فرمایا پھر (لنگوٹ کے نیچے) ایک کپڑا رکھ لو۔" انھوں نے کہا کہ "وہ اس سے (بھی نہیں رکے گا کیونکہ بہت ہی زیادہ ہے یہاں تک کہ خون بارش

کی (دھار کی) طرح آتا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "پھر تو میں تمہیں دو باتوں کا حکم کرتا ہوں ان میں سے تم جس ایک کو بھی اختیار کر لو گی دوسری کی ضرورت نہیں رہے گی اور اگر تمہارے اندر دونوں (پر عمل کرنے) کی طاقت ہوگی تو تم خود ہی دانا ہو (کر بہت بڑا ہار ملے گا لہٰذا تم اپنی حالت کو دیکھتے ہوئے جو چاہو کرو) چنانچہ آپ ﷺ نے حمنہ سے کہا کہ "یہ استحاضہ شیطان کی لاتوں میں سے ایک لات مارنا ہے لہٰذا تم (ہر مہینہ) چھ یا سات روز کیونکہ (غیب کا علم اللہ کو ہے)، حیض کے ایام قرار دو اور پھر (مدت مذکورہ گزر جانے کے بعد) نہاڈالو اور جب تم جان لو کہ میں پاک وصاف ہوگئی ہوں تو تئیس دن رات (ایام حیض سات دن قرار دینے کی شکل میں) یا چوبیس دن رات، ایام حیض چھ دن قرار دینے کی شکل میں) نماز پڑھتی رہا کرو، اور اسی طرح مہینے رمضان وغیرہ کے) روزے بھی رکھتی رہا کرو چنانچہ جس طرح عورتیں اپنی اپنی مدت پر ایام سے ہوتی ہیں اور پھر وقت پر پاک ہوتی ہیں تم بھی ہر مہینہ اسی طرح کرتی رہا کرو" کہ چھ دن یا سات دن تو حیض کے ایام قرار دو اور بقیہ دن طہر یعنی پاکی کے ایام قرار دو) تمہارے لئے یہ کافی ہوگا۔ اور اگر تمہارے اندر اتنی طاقت ہو کہ وقت اخیر کر کے اس میں نہالو اور عصر میں جلدی کر کے ان دونوں نمازوں کو اکھٹی پڑھ لو اور پھر مغرب کا وقت آخیر کر کے نہالو اور عشاء میں جلدی کر کے ان دونوں نمازوں کو اکھٹی پرھ لو اور نماز فجر کے لئے (علیحدہ) نہالو تو اسی طرح کر لیا کرو اور (جن دنوں میں نماز پڑھو ان دنوں میں نفل اور فرض جیسے بھی چاہوں) روزے رکھ لیا کرو اگر تمہارے میں اس کی طاقت ہو تو (اس طرح کرتی رہا کرو) پھر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ان دنوں باتوں میں سے آخری بات مجھے بہت پسند ہے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: یوں تو استحاضہ کا خون آنا مرض کی بناء پر ہوتا ہے تاہم آنحضرت ﷺ نے اس کی نسبت شیطان کی طرف فرمائی ہے کہ یہ شیطان کی لاتوں میں سے ایک لات مارنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بہکانے اور عبادت کے اندر خلل ڈالنے کے لئے شیطان کو موقع ملتا ہے چنانچہ وہ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر پاکی و صفائی اور نماز وغیرہ میں فساد کا بیج بوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے استحاضہ کی حقیقت بیان فرما کر سائلہ کو دو ایسے حکم دیئے جن پر عمل کرنے سے شیطان اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے آپ ﷺ نے ایک حکم تو یہ دیا کہ فَتَحَيَّضِيْ سِتَّةَ اَيَّامٍ اَوْ سَبْعَةَ اَيَّامٍ یعنی چھ روز یا سات روز حیض کے ایام قرار دو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں ہر مہینہ اپنی اوپر عادت کے مطابق چھ دن یا سات دن تک حیض کے احکام جاری رکھ۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائلہ معتادہ تھی اور وہ حیض کے ایام بھول گئی تھی یعنے اسے یہ یاد نہیں رہا تھا کہ حیض کا خون ہر مہینہ چھ دن آتا تھا یا سات دن آتا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ تم اپنے یقین وگمان پر عمل کرو اگر تمہارا یقین یہ کہتا ہو کہ عادت چھ دن کی تھی تو اس صورت میں چھ دن حیض کے ایام قرار دو اگر اس بات کا گمان غالب ہو کہ عادت سات دن کی تھی تو پھر سات دن حیض کے ایام قرار دو پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ فرما کر اس بات کا اشارہ کر دیا کہ تم تو بہر حال اپنے یقین وگمان پر عمل کرو اس بات کا علم بہر صورت اللہ تعالیٰ کو ہے، کہ تمہاری عادت کیا تھی کیونکہ غیب کی باتوں کا جاننے والا تو وہی ہے۔ یا پھر ستة ایام او سبعة ایام میں او اگر شک کے لئے ہو تو "فی علم اللّٰہ" راوی کا قول ہوگا جو واللہ اعلم کے معنی میں ہوگا۔ اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آنحضرت ﷺ نے تو ستة ایام فرمایا ہے یا سبعہ ایام اور خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

آپؐ نے سائلہ سے جو یہ فرمایا کہ "جس طرح عورتیں اپنی اپنی مدت پر ایام سے ہوتی ہیں اور پھر وقت پر پاک ہوتی ہیں۔ تم بھی اسی طرح ہر مہینہ کرتی رہا کرو۔" تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جیسے تمہاری طرح وہ عورتیں جو اپنی عادت کے دن بھول جاتی ہیں اور پھر وہ اپنے ایام ٹھہراتی ہیں تم بھی اسی طرح اپنے ایام قرار دو یعنی اگر ان کے حیض کا وقت اول مہینہ ہے تو ایام حیض قرار دو اور اگر ان کے حیض کا وقت مہینہ کے درمیان میں ہو تو تم بھی ایام حیض درمیان مہینہ کو قرار دو اسی طرح اگر ان کے حیض کا وقت آخر مہینہ میں ہو تو تم آخر مہینہ کو ایام حیض قرار دو۔

بہر حال۔ پہلے حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ تم اپنے حیض کے مدت خواہ وہ سات دن ہو یا چھ دن پوری کر کے اس کے بعد نہاڈالو اور پھر ہر نما

کے لئے غسل کیا کرو۔

دوسرا حکم آپ ﷺ نے یہ دیا کہ "دو نمازوں کے درمیان ایسے وقت غسل کر لیا کرو کہ ایک نماز کا انتہائی وقت ہو اور دوسری نماز کا ابتدائی وقت پھر اس کے بعد دونوں نمازوں کو اکٹھی پڑھ لیا کرو اس طرح ظہر اور مغرب کو تاخیر کے ساتھ پڑھنے کے لئے جو کہا گیا ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ اول تو اس "تاخیر" کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وقت ختم ہونے کے بعد نماز پڑھی جائے مثلاً ظہر اور عصر دونوں وقت کی نماز عصر ہی کے وقت میں پڑھی جائے۔ اسی طرح مغرب کی اور عشاء کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھی جائے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کہ مطابق مسافر دو نمازوں کو اس طرح جمع کر کے پڑھ سکتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ظہر کی نماز بالکل آخیر وقت میں پڑھی جائے اور عصر کی نماز بالکل ابتداء میں پڑھی جائے، اسی طرح مغرب کی نماز بالکل اخیر وقت میں پڑھی جائے اور عشاء کی نماز بالکل شروع میں پڑھی جائے جیسا کہ حنفی مسلک میں مسافر کے لئے جمع بین الصلوتین کی یہی تاویل کی جاتی ہے اور اسے جمع صوری کہتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد آنے والی حدیث بھی اسی مقصد و مراد کی وضاحت کر رہی ہے۔

پس اس دوسرے حکم کا حاصل یہ ہے کہ "روزانہ غسل تو ظہر و عصر کے لئے کیا جائے اور ایک غسل مغرب و عشاء کے لئے اسی طرح ایک غسل فجر کے لئے کیا جائے۔

یہ بات سمجھ لیجئے کہ پہلے حکم کا خلاصہ کرتے ہوئے جو یہ بتایا گیا ہے کہ "ہر نماز کے لئے غسل کیا جائے۔" اس کی صراحت حدیث میں تو نہیں ہے لیکن ارشاد گرامی ان قویت علی ان توخرین الخ میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ اس عبارت سے سائلہ کا ہر نماز کے لئے غسل سے عاجز ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے اور یہی مسلک حضرت امیر المؤمنین حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت ابن زبیرؓ وغیرہ کا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کا مسلک یہ ہے کہ دو نمازیں ایک غسل کے ساتھ اکٹھی پڑھی جائیں اور یہی مسلک اس حدیث سے زیادہ قریب اور مطابق ہے کیونکہ اس میں زیادہ آسانی ہے بہ نسبت اس کے کہ ہر نماز کے لئے غسل کیا جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی طرف یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے کہ ھذا اعجب الامرین الیّ یعنی دونوں نمازوں کے لئے غسل کرنا مجھے دوسرے امر یعنی ہر نماز کے لئے غسل سے زیادہ پسند ہے۔" اور اس دوسرے حکم کو پسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ آپ ﷺ امت کے لئے وہی چیز پسند فرماتے تھے جو آسان اور سہل العمل ہو۔

جہاں تک حنفیہ کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہے یا یہ کہ دونوں صورتوں میں غسل کا حکم معالجہ پر معمول ہے یعنی آپ ﷺ نے غسل کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ خون کی کثرت اور اس کی شدت ختم ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۶) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِي حُبَيْشٍ اُسْتُحِيْضَتْ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ تُصَلِّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا مِنَ الشَّيْطَانِ لِتَجْلِسْ فِيْ مِرْكَنٍ فَاِذَا رَأَتْ صَفَارَةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلاً وَّاحِدًا وَّتَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلاً وَّاحِدًا وَّتَغْتَسِلْ لِلْفَجْرِ غُسْلاً وَّاحِدًا وَّتَوَضَّأُ فِيْمَا بَيْنَ ذٰلِكَ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ رَوَى مُجَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمَّا اشْتَدَّ عَلَيْهَا الْغُسْلُ اَمَرَهَا اَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ)

"حضرت اسماء بنت عمیسؓ کہتی ہیں کہ "میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فاطمہ بنت ابی حبیش کو (پہلی مرتبہ) اتنی مدت سے استحاضہ آرہا ہے اس لئے وہ (یہ خیال کر کے کہ شاید یہ بھی حیض کے حکم میں ہو) نماز نہیں پڑھ رہی ہیں۔" سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "سبحان اللہ! یہ نماز کا چھوڑنا تو شیطانی اثر ہے؟ اسے چاہئے کہ ایک لگن میں پانی ڈال کر بیٹھ جائے جس وقت پانی پر زردی معلوم ہونے لگے تو ظہر

اور عصر کے لئے ایک غسل کرے اور مغرب و عشاء کے لئے ایک غسل کرلے اور فجر کے لئے علیحدہ ایک غسل کرے (اور جب ضرورت ہو تو عصر اور عشاء کے لئے) ان کے درمیان وضو کرے۔" (یہ روایت ابوداؤدؒ نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ مجاہدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ "جب فاطمہؓ کو (ہر نماز کے لئے) غسل کرنا دشوار معلوم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو (ایک غسل سے) دو نمازیں اکٹھی پڑھنے کا حکم دیا۔)

تشریح: جب ظہر کا وقت بالکل اخیر ہوتا ہے تو آفتاب پر قدرے زردی آجاتی ہے بلکہ زوال کے بعد تغیر ہونا شروع ہو جاتا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے لگن میں دیکھنے کے لئے اس وجہ سے فرمایا کہ وہ زردی پانی پر آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے وہ زردی بڑھتے بڑھتے مغرب کے قریب پوری ہو جاتی ہے اس وقت نماز پڑھنی مکروہ ہے لیکن آپ ﷺ نے جس زردی کے بارے میں فرمایا ہے یہ اس زردی کے علاوہ ہے جو عصر کے بعد ہوتی ہے اور وہ نماز کے لئے کراہت کا وقت ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الصلوٰۃ

نماز کا بیان

لغت میں "صلوٰۃ" دعا کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں صلوٰۃ چند مخصوص اقوال و افعال کو کہتے ہیں جن کی ابتداء تکبیر سے اور انتہاء سلام پر ہوتی ہے۔ صلوٰۃ کے مادہ اشتقاق کے بارے میں کئی اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

نوویؒ نے مسلم کی شرح میں کہا ہے کہ صلوٰۃ کا مادہ اشتقاق "صلوین" ہے جو سرین کی دونوں ہڈیوں کو کہتے ہیں چونکہ نماز میں ان دونوں ہڈیوں کو رکوع و سجود کے وقت زیادہ حرکت ہوتی ہے اس لئے اس مناسبت سے نماز کو صلوٰۃ کہا گیا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں "صلوٰۃ" مصلی سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ٹیڑھی لکڑی کو آگ سے سینک کر سیدھا کرنا چنانچہ نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان کے مزاج میں نفس امارہ کی وجہ سے ٹیڑھا پن ہے لہٰذا جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے۔ تو خداوند قدوس کی عظمت و ہیبت کی گرمی جو اس عبادت میں انتہائی قرب خداوندی کی بناء پر حاصل ہوتی ہے اس کے ٹیڑھے پن کو ختم کر دیتی ہے گویا مصلی یعنی نمازی اس مادہ اشتقاق کی رو سے اپنے نفس امارہ کو عظمت خداوندی اور ہیبت ربانی کی تپش سے سینکنے والا ہوا۔ لہٰذا جو شخص نماز کی حرارت سے سینکا گیا اور اس کا ٹیڑھا پن نماز کی وجہ سے دور کیا گیا تو اس کو آخرت کی آگ یعنی دوزخ سے سینکنے کی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ اپنے اس بندے کو جس نے دنیا میں نماز کی پابندی کی اور کوئی ایسا فعل نہ کیا جو عذاب خداوندی کا موجب ہو تو اسے جہنم کی آگ میں نہ ڈالے گا۔

اس اصطلاحی تعریف کے بعد یہ سمجھ لیجئے کہ نماز اسلام کا وہ عظیم رکن اور ستون ہے جس کی اہمیت و عظمت کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ اثر منقول ہے کہ:

"جب نماز کا وقت آتا تو ان کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ لوگوں نے پوچھا کہ، امیر المؤمنین! آپؓ کی یہ کیا حالت ہے؟ فرماتے ہیں کہ اب اس امانت[1] کا وقت آ گیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، پہاڑوں اور زمین پر پیش فرمایا تھا اور وہ سب اس امانت کے لینے سے ڈر گئے اور انکار کر دیا۔" (احیاء العلوم)

نماز کی تاکید اور اس کے فضائل سے قرآن مجید کے مبارک صفحات مالا مال ہیں، نماز کو اداء کرنے اور اس کی پابندی کرنے کے لئے جس سختی سے حکم دیا گیا ہے وہ خود اس عبادت کی اہمیت و فضیلت کی دلیل ہے۔ ایمان کے بعد شریعت نے سب سے زیادہ نماز ہی پر زور دیا ہے چنانچہ قرآن کریم کی یہ چند آیتیں ملاحظہ فرمائیے۔

---

[1] یہ اشارہ ہے اس آیت قرآنی کی طرف: انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت و الارض و الجبال فابین ان یحملنها و اشفقن منها الخ۔

❶ اِنَّ الصَّلٰوةَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا۔

"بے شک ایمان والوں پر نماز فرض ہے وقت وقت سے۔"

❷ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلٰوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی۔

"نمازوں کی خصوصًا درمیانی نماز (عصر) کی پابندی کرو۔"

❸ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ۔

"بے شک نیکیاں (یعنی نمازیں) برائیوں کو معاف کرا دیتی ہیں۔"

❹ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔

"بے شک نماز برے اور خراب کاموں سے انسان کو بچاتی ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے ذکر کا بڑا مرتبہ اور بڑا اثر ہے۔"

بہرحال! نماز ایک ایسی پسندیدہ اور محبوب عبادت ہے جس کی برکتوں اور سعادتوں سے خداوند کریم نے کسی بھی نبی کی شریعت کو محروم نہیں رکھا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان سرکار دو عالم ﷺ تک تمام رسولوں کی اُمت پر نماز فرض تھی۔ ہاں نماز کی کیفیت اور تعینات میں ہر اُمت کے لئے تغیر ہوتا رہا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی اُمت پر ابتداء رسالت میں دو وقت کی نماز فرض تھی ایک آفتاب کے نکلنے سے قبل اور ایک آفتاب ڈوبنے کے قبل۔ ہجرت سے ڈیڑھ برس پہلے جب سرکار دو عالم ﷺ نے معراج میں ذات حق جل مجدہ کی قربت حقیقی کا عظیم و افضل ترین شرف پایا تو اس مقدس اور باسعادت موقعہ پر پانچ وقت کی نماز کا عظیم و اشرف ترین تحفہ بھی عنایت فرمایا گیا۔ چنانچہ فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء ان پانچ وقتوں کی نماز کا فریضہ صرف اسی اُمت کی امتیازی خصوصیت ہے اگلی امتوں پر صرف فجر کی نماز فرض تھی نیز کسی پر ظہر کی اور کسی پر عصر کی۔

اسلام کی تمام عبادات میں صرف نماز ہی وہ عبادت ہے جس کو سب سے افضل اور اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ چنانچہ اس پر اتفاق ہے کہ نماز اسلام کا رکن اعظم ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اسلام کا دارومدار اسی عبادت پر ہے تو مبالغہ نہ ہو گا۔

ہر مسلمان عاقل بالغ پر ہر روز پانچ وقت نماز فرض عین ہے امیر ہو یا فقیر، تندرست ہو یا مریض اور مقیم ہو یا مسافر ہر ایک کو پانچوں وقت ان آداب و شرائط اور طریقوں کے ساتھ جو خدا اور خدا کے رسول نے نماز کے سلسلہ میں بتائے ہیں خدا کے دربار میں حاضری دینا اور خداوند قدوس کی عظمت و بڑائی اور اپنی بیکسی و لاچاری اور عجز و انکساری کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ جب میدان کارزار میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور عورت سب سے زیادہ اور شدید تکلیف دردزہ میں مبتلا ہو تب بھی نماز کا چھوڑنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کی ادائیگی میں دیر کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کسی عورت کے بچہ کی پیدائش کے وقت بچہ کا کوئی جزو نصف سے کم اس کے خاص حصہ سے باہر آ گیا ہو خواہ خون نکلا ہو یا نہ نکلا ہو اس وقت بھی اس کو نماز پڑھنے کا حکم ہے اور نماز میں توقف کرنا جائز[1] نہیں ہے۔

جو شخص نماز کی فرضیت سے انکار کرے وہ کافر ہے اور اس کو ترک کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق و فاجر ہے بلکہ بعض جلیل القدر صحابہ مثلاً حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ نماز چھوڑنے والے کو کافر کہتے ہیں امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے امام شافعیؒ و امام مالکؒ نماز چھوڑنے کو گردن زنی قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ اگرچہ اس کے کفر کے قائل نہیں تاہم ان کے نزدیک بھی نماز چھوڑنے والے کے لئے سخت تعزیر ہے۔

مصنف مشکوٰۃ نے یہاں "کتاب الصلوٰۃ" کے نام سے جو عنوان قائم فرمایا ہے اس کے تحت نماز سے متعلق وہ تمام احادیث ذکر کی جا

---

[1] علم الفقہ ۱۲۔

رہی ہیں جن سے نماز کی اہمیت و عظمت اور اس کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے اور نماز کے جو احکام و فضائل ہیں ان کا استنباط ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَی الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَیْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے تو پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں جو ان کے درمیان ہوئے ہیں۔" (مسلم)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پابندی کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز پڑھے، جمعہ کی نماز پورے آداب کے ساتھ ادا کرے اور اسی طرح رمضان کے روزے رکھے تو ان کے درمیان جو صغیرہ گناہ صادر ہوئے ہیں سب ختم ہو جاتے ہیں البتہ کبیرہ گناہ نہیں بخشے جاتے ہاں اگر خدا چاہے تو وہ کبیرہ گناہ بھی معاف فرما سکتا ہے۔

یہاں ایک ہلکا سا خلجان واقع ہوتا ہے کہ جب ہر روز کی پانچوں وقت کی نمازیں ہی تمام گناہ مٹا دیتی ہیں تو پھر یہ جمعہ وغیرہ کون سے گناہ ختم کرتے ہیں؟ چنانچہ اس خلجان کو رفع کرنے کے لئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سب میں گناہوں کو مٹانے اور ختم کرنے کی صلاحیت ہے چنانچہ اگر گناہ صغیرہ ہوتے ہیں تو یہ تینوں ان کو مٹا دیتے ہیں ورنہ ان میں سے ہر ایک کے بدلے بے شمار نیکیاں لکھی جاتی ہیں جس کی وجہ سے درجات میں بلندی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحقؒ نے فرمایا کہ یہ تینوں صغیرہ گناہوں کے لئے کفارہ ہیں اور ان کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک کسی گناہ کے لئے کفارہ بن سکے تو دوسرا کفارہ ہو جاتا ہے مثلاً نماز میں کسی تقصیر اور نقصان کی وجہ سے اگر وہ نماز گناہوں کے لئے کفارہ نہ ہو سکے تو ان کو جمعہ ختم کر دیتا ہے اور جمعہ میں بھی کسی تقصیر کی وجہ سے کفارہ ہونے کی صلاحیت نہ رہے تو پھر رمضان ان کے لئے کفارہ ہو جاتا ہے اور اگر سب کے سب کفارہ بننے کی صلاحیت رکھیں تو یہ سب مل کر گناہوں کو اچھی طرح مٹا دیتے ہیں اور کفارہ کی زیادتی کا باعث ہوتے ہیں چنانچہ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کئی چراغوں کی۔ اگر کسی مکان میں ایک چراغ ہو گا تو اندھیرا تو ختم ہو جائے گا مگر روشنی کم ہوگی اور اگر چراغ زیادہ ہوں گے تو نور اور روشنی میں اسی حیثیت سے زیادتی ہوگی۔

② وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ یَغْتَسِلُ فِیْهِ كُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا هَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالُوْا لَا یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ یَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَایَا۔
(متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا، تم بتاؤ کہ جس کے دروازے کے آگے پانی کی نہر چلتی ہو اور وہ روزمرہ اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر میل کا کوئی شائبہ بھی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں! میل بالکل باقی نہیں رہے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا (تم سمجھ لو کہ) پانچوں نمازوں کی کہ اللہ تعالیٰ تمام (صغیرہ) گناہوں کو ان نمازوں کے سبب سے اسی طرح مٹا دیتا ہے (جس طرح پانی میل کو اتار دیتا ہے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

③ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَصَابَ مِنِ امْرَاَةٍ قُبْلَةً فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ فَقَالَ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِیْ هٰذَا! قَالَ لِجَمِیْعِ اُمَّتِیْ كُلِّهِمْ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ اُمَّتِیْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی (غیر) عورت کا بوسہ لے لیا پھر (احساس ندامت و شرمندگی کے ساتھ) نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر صورت واقعہ کی خبر دی (اور آپ ﷺ سے اس کا حکم پوچھا، آنحضرت ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ وحی کے ذریعہ حکم خداوندی کے منتظر رہے اس اثناء میں اس شخص نے نماز پڑھی) جب ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ اور نماز کو دن کے وقت اوّل و آخر اور رات کی چند ساعت میں پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں (یعنی نمازیں) برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ آیت کے نازل ہونے کے بعد اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ حکم میرے لئے ہے (یا پوری اُمت کے لئے؟) آپ ﷺ نے فرمایا "(نہیں! یہ حکم) میری اُمت کے لئے ہے۔ ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کا جواب اس طرح مذکور ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) میری اُمت میں سے جو شخص اس آیت پر عمل کرے اس کے لئے (یہی حکم ہے، یعنی جو شخص بھی برائی کے بعد بھلائی کرے گا اسے یہی سعادت حاصل ہوگی کہ اس بھلائی کے نتیجہ میں اس کی برائی ختم ہو جائے گی)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: جن صاحب کا یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک غیر عورت کا بوسہ لے لیا تھا ان کا نام ابوالیسیرؓ تھا۔ ترمذیؒ نے ان کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ خود راوی ہیں کہ، میرے پاس ایک عورت کھجوریں خریدنے کے لئے آئی میں نے اس سے کہا کہ میرے گھر میں اس سے زیادہ اچھی کھجوریں رکھی ہوئی ہیں (اس لئے تم وہاں چل کر دیکھ لو) چنانچہ وہ میرے ہمراہ مکان میں آ گئی (وہاں میں شیطان کے بہکانے میں آ گیا اور جذبات سے مغلوب ہو کر) اس اجنبی عورت سے بوس و کنار کیا۔ اس نے (میرے اس غلط اور نازیبا رویہ پر مجھے تنبیہ کرتے ہوئے) کہا کہ بندہ خدا! اللہ (کے قہر و غضب) سے ڈرو چنانچہ (خوف خدا سے میرا دل تھرا گیا اور) میں نہایت ہی شرمندہ و شرمسار ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ بارگاہ رسالت میں ان کے ساتھ جو معاملہ ہوا وہی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔
آیت کریمہ میں طرفي النّهار یعنی دن کے اوّل و آخر سے دن کا ابتدائی حصہ اور انتہائی حصہ مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دن کے اوّل یعنی ابتدائی حصہ سے فجر کی نماز اور آخری حصہ سے ظہر و عصر کی نماز مراد ہے اسی طرح زلفًا من اللیل یعنی رات کی چند ساعت سے مغرب و عشاء کا وقت مراد ہے۔ اس طرح اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہو گا "فجر، ظہر، عصر، مغرب، اور عشاء کی نماز پڑھا کرو، کیونکہ نیکیاں (نمازیں) برائیوں کو مٹا دیتی ہیں"۔

④ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْهُ عَلَيَّ قَالَ وَلَمْ يَسْأَلْهُ عَنْهُ وَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْ فِيَّ كِتَابَ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ اَوْ حَدَّكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ "ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جس پر حد واجب ہے اس لئے آپ (ﷺ) مجھ پر حد جاری فرمائیے" راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے حد کے متعلق کچھ دریافت نہیں فرمایا اور نماز کا وقت آ گیا۔ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو چکے تو وہ شخص کھڑا ہوا اور پھر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مجھ سے ایک ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جو مستوجب حد ہے اس لئے آپ (ﷺ) میرے بارے میں خدا کا حکم نافذ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں! پڑھی ہے! آپ ﷺ نے فرمایا خدا نے تمہاری خطاء یا فرمایا کہ تمہاری حد بخش دی ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہاں یہ نہ سمجھ بیٹھئے کہ اس شخص کے الفاظ اَصَبْتُ حَدًّا (یعنی مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جس پر حد واجب ہے) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کسی ایسے کبیرہ گناہ مثلاً چوری وغیرہ کا ارتکاب کیا تھا جس پر حد واجب ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے نماز کی وجہ سے

اس کی بخشش کی خوشخبری سنادی لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ نماز کی وجہ سے کبیرہ گناہ بھی بخش دیئے جاتے ہیں۔
بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کوئی ایسا گناہ صغیرہ سرزد ہو گیا تھا جو حقیقت میں تو ایسا نہیں تھا جس پر حد جاری ہوتی لیکن چونکہ وہ شخص "صحابیت" جیسے مرتبہ پر فائز تھے جہاں معمولی سا گناہ بھی خوف خداوندی سے دل کو لرزاں کر دیتا ہے اور ایک ہلکی سی معصیت بھی قلب و دماغ کے ہر گوشہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے اس لئے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ مجھ سے ایک فعل سرزد ہو گیا ہے۔ جس پر ازروئے شریعت حد جاری ہو جائے گی لہٰذا انہوں نے بارگاہ رسالت میں آکر اس طرح ذکر کیا جس سے بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ ان سے واقعی کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے جو سخت ترین سزا یعنی حد کا مستوجب بنے۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ حد سے ان کی مراد تعزیر تھی۔
آپ ﷺ نے اس شخص سے اس کے گناہ کی حقیقت اس لئے دریافت نہیں فرمائی کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ اس شخص نے کس قسم کا گناہ کیا ہے اسی لئے آپ ﷺ نے اسے اس گناہ کی بخشش کی جو خوشخبری دی تھی اپنی طرف سے نہیں دی تھی بلکہ جب آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے بتادیا کہ اس کا گناہ کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس پر حد جاری کی جائے بلکہ ایسا گناہ ہے جو نماز کے ذریعہ معاف ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے اسے یہ خوشخبری سنادی۔

⑤ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّهٗ لَزَادَنِيْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وقت پر نماز پڑھنی" (یعنی وقت مکروہ میں نماز نہ پڑھی جائے) میں نے کہا کہ پھر کون سا عمل بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ماں باپ کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا" میں نے عرض کیا کہ پھر کون سا عمل بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "خدا کی راہ میں جہاد کرنا" ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت ﷺ نے یہی باتیں بیان فرمائی تھیں اگر میں کچھ زیادہ پوچھتا تو آپ ﷺ اس سے بھی زیادہ بیان فرماتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اتنی بات معلوم ہو جانی چاہئے کہ بہترین و افضل اعمال کے بارے میں مختلف احادیث منقول ہیں، چنانچہ اس حدیث سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب اعمال یہ تین ہیں مگر دوسری حدیثوں میں مذکور ہے کہ اسلام کے بہترین و افضل اعمال یہ ہیں کہ (غریبوں مسکینوں کو) کھانا کھلایا جائے۔ اسلام کی تبلیغ کی جائے اور رات میں اس وقت جب کہ لوگ آرام سے بستروں میں پڑے خواب شیریں سے ہمکنار ہوں خدا کی عبادت کی جائے اور نماز پڑھی جائے۔
اسی طرح بعض احادیث میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا سب سے بہترین و افضل عمل یہ ہے کہ لوگ تمہاری زبان اور تمہارے ہاتھ (کی ایذا) سے محفوظ رہیں۔ نیز بعض حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ افضل ترین عمل خدا کا ذکر کرنا ہے۔ بہرحال اسی طرح دوسری احادیث میں دیگر اعمال کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ اعمال بہترین و افضل ہیں۔
تو۔ اب ان تمام احادیث میں تطبیق اسی طرح ہوگی کہ یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے ہر ایک کی رضا و رغبت اور اس کے مزاج کے مطابق جواب دیا ہے یعنی جس نے بہترین عمل کے بارے میں سوال کیا اس کو وہی عمل بتایا جسے اس کے لائق سمجھا اور جو اس کی فطرت و مزاج اور اس کے حال کے مناسب معلوم ہوا۔ چنانچہ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم اکثر کسی خاص چیز کے بارے میں کسی وقت کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ فلاں چیز تو سب سے اچھی ہے حالانکہ دل کے اندر اس کی اچھائی و فضیلت کے بارے میں یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ چیز ہمہ وقت اور ہر حال میں نیز ہر ایک کے لئے سب سے اچھی اور افضل ہوگی بلکہ دل میں یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ چیز اس خاص وقت میں اچھی اور بہتر ہے نہ کہ ہمہ وقت مثلاً خاموشی اور سکوت کا معاملہ ہے کہ جہاں مناسب ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ سکوت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے یا خاموشی سے افضل کوئی چیز نہیں ہے غرض آنحضرت ﷺ نے ہر ایک عمل کو حال اور مقام کے مناسب افضل فرمایا ہے۔ مثلاً ابتداء اسلام

میں جہاد ہی لوگوں کے حال مناسب تھا اس لئے جہاد کو فرمایا کہ یہ سب سے بہتر عمل ہے یا اسی طرح کسی شخص کو یا کسی جماعت کو بھوکا ننگا دیکھا تو ان کی امداد و اعانت کی خاطر صدقہ و خیرات کی طرف لوگوں کو رغبت دلائی اور فرمایا کہ صدقہ افضل ترین عمل ہے یا نماز کو باری تعالیٰ کے قرب حقیقی کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ اچھا اور بہتر عمل قرار دیا۔ بہر حال۔ ان میں سے ہر ایک عمل کو افضل ترین عمل کہنے کی وجوہ اور حیثیات مختلف ہیں۔ ہر ایک کی وجہ اور حیثیت اپنی اپنی جگہ دوسرے سے افضل و اعلیٰ ہے۔

(۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نماز کا چھوڑنا بندۂ مؤمن اور کفر کے درمیان (کی دیوار کو ڈھادیتا) ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: یہاں لفظ "بین" کا متعلق محذوف ہے یعنی اس حدیث میں یہ عبارت مقدر ہے کہ تَرْكُ الصَّلٰوةِ وُصْلَةٌ بَيْنَ العبد المسلم وبين الكفر جس کا مطلب یہ ہوا کہ بندۂ مؤمن اور کفر کے درمیان نماز بمنزلۂ دیوار کے ہے کہ بندہ اس کی وجہ سے کفر تک نہیں پہنچ سکتا مگر جب نماز ترک کر دی گئی تو گویا درمیان کی دیوار اٹھ گئی لہٰذا نماز چھوڑنا اس بات کا سبب ہوگا کہ نماز چھوڑنے والا مسلمان کفر تک پہنچ جائے گا۔

بہر حال۔ یہ حدیث نماز چھوڑنے والوں کے لئے سخت تہدید ہے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز کا چھوڑنے والا ممکن ہے کہ کافر ہو جائے کیونکہ جب اس نے اسلام و کفر کے درمیان کی دیوار کو ختم کر دیا تو گویا وہ کفر کی حد تک پہنچ گیا ہے اور جب وہ کفر کی حد تک پہنچ گیا تو ہو سکتا ہے کہ یہی ترک نماز اس کو فسق و فجور اور خدا سے بغاوت و سرکشی میں اس حد تک دلیر کر دے کہ وہ دائرہ کفر میں داخل ہو جائے۔

یہ شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ تارک نماز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں چنانچہ اصحاب ظواہر تو یہ کہتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ کافر ہو جاتا ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز چھوڑنے والا اگرچہ کافر نہیں ہوتا مگر وہ اس سرکشی و طغیانی کے پیش نظر اس قابل ہے کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص نماز چھوڑ دے اس کو اس وقت تک جب تک کہ نماز نہ پڑھے مارنا اور قید خانہ میں ڈال دینا واجب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۷) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْئَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ۔ (رواہ احمد وابوداؤد وروی مالک والنسائی)

"حضرت عبادہ ابن صامتؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے ان پانچ نمازوں کے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے (فرائض و مستحبات کی ادائیگی کے ساتھ) اچھی طرح وضو کیا اور ان کو وقت پر پڑھا نیز ان میں رکوع و خشوع کیا (یعنی نمازیں حضوری قلب کے ساتھ پڑھیں) تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ پر ذمہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ) یہ ہے کہ وہ اس کے (صغیرہ) گناہ بخش دے گا اور جس شخص نے ایسا نہ کیا (یعنی اس نے مذکورہ بالا طریقہ سے یا مطلق نماز نہ پڑھی) تو اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ دار نہیں ہے چاہے تو بخش دے چاہے اسے عذاب میں مبتلا کرے۔" (احمدؒ، ابوداؤد، مالکؒ، نسائیؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز چھوڑنے والا کافر نہیں ہوتا بلکہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ گناہ کبیرہ کے مرتکب کے بارے میں بھی یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ کو عذاب دے بلکہ اس کا دارومدار سراسر اس کی مرضی پر ہے

کہ اگر وہ چاہے تو عذاب میں مبتلا کرے اور اگر چاہے تو اپنے فضل و کرم سے اسے بخش دے۔
اسی طرح یہ بھی جان لیجئے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ خدا کے حکم سے اسے جس مدت کے لئے دوزخ میں ڈالا جائے گا اس کے بعد وہ اپنی سزا پوری کر کے جنّت میں داخل ہونے کا مستحق ہو جائے گا۔ چنانچہ اہل سُنّت و الجماعت کا یہی مسلک ہے۔

⑧ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَاَدُّوْا زَكَاةَ اَمْوَالِكُمْ وَاَطِيْعُوْا اِذَا اَمْرَكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔ (رواہ احمد و الترمذی)

"اور حضرت ابی امامہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ (مسلمانو!) پانچوں وقت اپنی نمازیں پڑھو! اپنے (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو! اپنے مال کی زکوٰۃ دو! اور اپنے سردار کی (جب تک کہ وہ خلاف شرع چیزوں کا حکم نہ کرے) اطاعت کرو! (اگر ایسا کرو گے تو) اپنے رب کی جنّت میں داخل ہو جاؤ گے (یعنی بہشت میں بلند درجات کے حقدار بنو گے)۔" (احمدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: سردار سے مراد بادشاہ، امیر اور حاکم ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے بادشاہ اور امراء کے احکام کی تابعداری اور ان کے فرمان کی اطاعت کریں لیکن اس میں ایک شرط ہے کہ اطاعت و فرمانبرداری کا یہ حکم اسی وقت تک رہے گا۔ جب تک کہ ان کا کوئی حکم حدود و شریعت سے باہر اور خداوند کے رسول کے فرمان کے خلاف نہ ہو، اگر ایسا ہو کہ امراء اور سلاطین حدود شریعت سے تجاوز کر کے غلط احکام دیں یا ایسے فرمان نافذ کریں جو قرآن و سُنّت کے خلاف ہوں تو پھر نہ صرف یہ کہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری نہیں ہے بلکہ ایسے سلاطین و امراء کو راہ راست پر لانے اور ان کو قرآن و سُنّت کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے اور ملک و قوم کو چلانے کے لئے مجبور کیا جائے۔
یا پھر "سردار" سے مراد علماء ہیں کہ قرآن و سُنّت اور اسلامی شریعت کے علم کے حامل جب مسلمانوں کو کوئی شرعی حکم دیں اور انہیں دین و شریعت کی طرف بلائیں تو ان کی پیروی ہر ایک مسلمان پر ضروری اور لازم ہے اسی طرح "سردار" سے ہر وہ شخص مراد ہو سکتا ہے جو کسی کام کے لئے حاکم اور کارساز مقرر کیا گیا ہو یعنی اگر کوئی مسلمان کسی شخص کو اپنے کسی معاملہ میں حاکم اور راہبر مقرر کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس حاکم یا راہبر کے مشوروں کو مانے اور وہ جو صحیح حکم دے اس کی پابندی کرے۔

⑨ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَكَذَا رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ۔

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد مکرم سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے بچے سات برس کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس برس کے ہو جائیں (تو نماز چھوڑنے پر) انہیں مارو۔ نیز ان کے بستر علیحدہ کر دو (ابوداؤد) اسی طرح شرح السنہ میں عمرو سے اور مصابیح میں سبرہ ابن معبد سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔"

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جب ان کے بچے سات برس کے ہو جائیں تو اسی وقت سے ان کو نماز کی تاکید شروع کر دی جائے تاکہ انہیں نماز کی عادت کم سنی سے ہی ہو جائے اور جب وہ بالغ ہونے کے قریب یعنی دس سال کی عمر میں پہنچ جائیں تو اگر وہ کہنے سننے کے باوجود نماز نہ پڑھیں تو انہیں تاکیداً مار کر نماز پڑھانی چاہئے۔ نیز جس طرح ان عمروں میں نماز کی تاکید کرنا ضروری ہے اسی طرح انہیں نماز کی شرائط وغیرہ بھی سکھانی چاہئے تاکہ انہیں ساتھ ساتھ نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ معلوم ہو جائے۔
حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب بچے اس عمر میں پہنچ جائیں تو انہیں علیحدہ علیحدہ سلانا چاہئے یعنی اگر دو بھائی بہن یا دو

اجنبی لڑکے لڑکی ایک ہی بستر میں سوتے ہوں تو اس عمر میں ان کے بستر الگ کر دینے چاہئیں تاکہ وہ اکٹھے نہ سو سکیں۔

(۱۰) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ہمارے اور منافقوں کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے لہٰذا جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور منافقین کے درمیان امن و امان کا جو معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم انہیں قتل نہیں کرتے، اور اسلام کے احکام ان پر نافذ نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نماز پڑھنے، جماعت میں حاضر ہونے اور اسلام کے دوسرے ظاہری احکام کی تابعداری کرنے کے سبب سے مسلمانوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں لہٰذا جس نے نماز کو جو تمام عبادتوں میں افضل ترین ہے ترک کر دیا گویا کہ وہ کافر برابر ہو گیا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ نماز ترک کر کے کفر کو ظاہر نہ کریں۔ اس طرح اس جملہ فقد کفر کے معنی یہ ہوئے کہ (جس نے نماز چھوڑ دی) اس نے کفر کو ظاہر کر دیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي عَالَجْتُ امْرَأَةً فِي اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَاِنِّي اَصَبْتُ مِنْهَا مَادُوْنَ اَنْ اَمَسَّهَا فَاَنَا هٰذَا فَاقْضِ فِيَّ مَا شِئْتَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ سَتَرَكَ اللّٰهُ لَوْسَتَرْتَ عَلٰى نَفْسِكَ قَالَ وَلَمْ يَرُدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَامَ الرَّجُلُ فَانْطَلَقَ فَاَتْبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَدَعَاهُ وَتَلَا عَلَيْهِ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ هٰذَا لَهُ خَاصَّةً؟ فَقَالَ بَلْ لِلنَّاسِ كَافَّةً۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مدینہ کے کنارے میں نے ایک عورت کو گلے لگا کر سوائے صحبت کے اور سب کچھ کر لیا ہے، (یعنی صحبت تو نہیں کی لیکن بوس و کنار ہو گیا ہے اس لئے) میں حاضر ہو گیا ہوں جو کچھ آپ ﷺ چاہیں میرے بارے میں حکم فرمائیں۔ (یعنی آپ ﷺ میرے لئے جو سزا بھی تجویز فرمائیں گے مجھے منظور ہو گی) حضرت عمرؓ نے (جو اس وقت مجلس نبوی میں حاضر تھے یہ سن کر) فرمایا خدا نے تو تمہارے عیب کی پردہ پوشی فرمائی تھی اگر تم بھی اپنے عیب کو چھپا لیتے (تو اچھا تھا) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (خدا کے حکم کے انتظار میں) اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ وہ شخص کھڑا ہوا اور چلا گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اسے بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا جو اسے بلا لایا آپ ﷺ نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ دن کے اول و آخر اور رات کی چند ساعتوں میں نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں اور یہ نصیحت، نصیحت ماننے والوں کے لئے ہے۔ لوگوں میں سے ایک شخص (حضرت عمرؓ یا حضرت معاذؓ) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ حکم خاص طور پر اسی کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں: سب لوگوں کے لئے یہی حکم ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اسی باب کی پہلی فصل کی تیسری حدیث میں بھی اس آیت کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ دن کے اول سے فجر اور آخر سے ظہر و عصر مراد ہیں اسی طرح، "رات کی چند ساعت" سے مراد مغرب و عشاء ہیں۔

حضرت ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ پہلی فصل میں اسی طرح کی جو حدیث نمبر تین گزری ہے وہ تو ایک شخص (ابوالیسرؓ) کا واقعہ ہے اور یہ

حدیث جو یہاں ذکر کی گئی ہے یہ کسی دوسرے صاحب کا واقعہ ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ یہ آیت بھی اس شخص کے لئے دوسری مرتبہ نازل ہوئی ہو۔ مگر محققین نے لکھا ہے کہ تعدد واقعہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت بھی مکرر نازل ہوئی ہو اور نہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے بلکہ آنحضرت ﷺ نے وہی آیت جو پہلے شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی بطور سند کے اس شخص کے سامنے بھی تلاوت فرمادی۔

⑫ وَعَنْ اَبِی ذَرٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَآءِ وَالْوَرَقُ یَتَھَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَیْنِ مِنْ شَجَرَۃٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِکَ الْوَرَقُ یَتَھَافَتُ قَالَ فَقَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوۃَ یُرِیْدُ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ فَتَھَافَتُ عَنْہُ ذُنُوْبُہٗ کَمَا تَھَافَتُ ھٰذَا الْوَرَقُ عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ جاڑے کے موسم میں جبکہ پت جھڑ کا وقت تھا باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑیں۔ راوی کہتے ہیں کہ جس طرح حسب معمول پت جھڑ کے موسم میں کسی شاخ کو ہلانے سے پتے بہت زیادہ گرنے لگتے ہیں اسی طرح جب آپ ﷺ نے شاخیں پکڑیں تو ان سے پتے جھڑنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، "ابوذر!" میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب بندۂ مؤمن خالصاً للہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بھی ایسے ہی جھڑتے ہیں جس طرح اس درخت سے یہ پتے جھڑ رہے ہیں۔" (احمدؒ)

تشریح: خالصاً للہ نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کسی کو دکھلانے یا کسی دوسری غرض و مقصد کے لئے نہ پڑھی جائے بلکہ محض اپنے پروردگار کی خوشنودی اور فرمانبرداری اور اس کی رضا کی طلب کے لئے پڑھی جائے۔

⑬ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُھَنِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی سَجْدَتَیْنِ لَا یَسْھُوْ فِیْھِمَا غَفَرَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت زید ابن خالد جہنیؓ راوی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ نے فرمایا" جس شخص نے دو رکعت نماز (غافل ہو کر نہیں بلکہ اس درجہ حضوری قلب کے ساتھ) پڑھیں کہ ان میں سہو نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھے گناہوں کو بخش دے گا۔" (احمدؒ)

⑭ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ ذَکَرَ الصَّلٰوۃَ یَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَیْھَا کَانَتْ لَہٗ نُوْرًا وَبُرْھَانًا وَنَجَاۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ لَمْ یُحَافِظْ عَلَیْھَا لَمْ تَکُنْ لَہٗ نُوْرًا وَلَا بُرْھَانًا وَلَا نَجَاۃً وَکَانَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَھَامَانَ وَاُبَیِّ بْنِ خَلَفٍ۔ (رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاصؓ راوی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے نماز کا ذکر کیا (یعنی نماز کی فضیلت و اہمیت کو بیان کرنے کا ارادہ فرمایا) چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا، جو شخص نماز پر محافظت کرتا ہے (یعنی ہمیشہ پابندی سے پڑھتا ہے) تو اس کے لئے یہ نماز ایمان کے نور (کی زیادتی کا سبب) اور ایمان کے کمال کی واضح دلیل ہوگی، نیز قیامت کے روز مغفرت کا ذریعہ بنے گی اور جو شخص نماز پر محافظت نہیں کرتا تو اس کے لئے نہ (ایمان کے) نور (کی زیادتی کا سبب بنے گی، نہ (کمال ایمان کی) دلیل اور نہ (قیامت کے روز) مغفرت کا ذریعہ بنے گی بلکہ ایسا شخص قیامت کے روز قارون، فرعون، ہامان اور ابی ابن خلف کے ساتھ (عذاب میں مبتلا) ہوگا۔" (احمدؒ، دارمیؒ، بیہقیؒ)

تشریح: "نماز کی محافظت" کا مطلب یہ ہے کہ نماز باقاعدگی اور پوری پابندی سے پڑھی جائے۔ کبھی ناغہ نہ ہو، نیز نماز کے تمام فرائض واجبات سنن اور مستحبات اداء کئے جائیں، اس طرح جب کوئی شخص نماز پڑھے گا تو کہا جائے گا کہ اس نے نماز کی محافظت کی اور یہ مذکورہ ثواب کا حقدار ہوگا اور جو شخص اس کے برعکس عمل اختیار کرے گا کہ نہ تو نماز باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ پڑھے اور نہ نماز کے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کی رعایت کرے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ وہ ان چیزوں کو ترک کرنے کی وجہ سے مذکورہ عذاب کا مستحق ہوگا۔

لہٰذا غور کرنا چاہئے کہ نماز کی محافظت اور اس پر دوام اختیار کرنے کی کس قدر تاکید ہے اس لئے اس میں کوتاہی کرنا دراصل عذاب خداوندی اور اپنی بربادی کو دعوت دینا ہے۔ نیز یہ بھی خیال کرنا چاہئے کہ جب نماز کی محافظت نہ کرنے پر اس قدر وعید ہے کہ ایسے شخص کا حشر مذکورہ لوگوں جیسے لعین و بدبخت کفار کے ساتھ ہونے کی خبر دی جارہی ہے تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو نماز کو ترک کرتا ہے اور ایک وقت بھی خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوتا؟۔

قارون و فرعون جیسے مشہور لعین اور بدبختوں کو تو سب ہی جانتے ہیں۔ ہامان فرعون کا وزیر تھا۔ ابی بن خلف وہ مشہور مشرک ہے جو آنحضرت ﷺ کا جانی دشمن تھا اور جسے آنحضرت ﷺ نے جنگ احد میں اپنے دست مبارک سے موت کے گھاٹ اتار کر جہنم رسید کیا تھا چنانچہ اسی وجہ سے اس لعین کو امت کے بدبختوں میں سب سے بڑا بدبخت کہا جاتا ہے۔

آخر میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص محافظت کرے گا یعنی پورے خلوص اور تمام فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کے ساتھ نماز ہمیشہ پابندی سے پڑھتا رہے گا تو قیامت میں وہ انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صلحاء کے ہمراہ ہوگا۔ خدائے تعالیٰ ہم سب کو نماز کی پابندی اور پورے ذوق و شوق کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم سب اس سعادت سے بہرہ ور ہو سکیں۔

⑮ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلَاةِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ ابن شقیق فرماتے ہیں کہ تمام افعال و اعمال میں صرف نماز ہی ایسا عمل تھا جس کے چھوڑنے کو نبی کریم ﷺ کے محترم صحابہ کفر سمجھتے تھے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: یہاں جو حصر کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ صحابہ سوائے نماز کے کسی دوسرے عمل کے چھوڑنے کو کفر نہ سمجھتے تھے تو اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کے نزدیک نہ صرف یہ کہ نماز چھوڑنا بڑے سخت گناہ کی بات تھی بلکہ وہ اسے کفر کے بہت قریب سمجھتے تھے۔

⑯ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلَاةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ میرے دوست (نبی کریم ﷺ) نے مجھے یہ وصیت (فرمائی تھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کیوں نہ دیا جائے اور جان بوجھ کر فرض نماز نہ چھوڑنا جس نے قصداً نماز چھوڑ دی تو اس سے ذمہ بری ہوگیا نیز کبھی شراب نہ پینا کیونکہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت ابودرداء کو افضل بات کی تعلیم دی کہ اگر تم ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا بھی دیے جاؤ تو شرک نہ کرنا، ورنہ تو جبر کی حالت میں جب کہ گردن تلوار کی زد میں ہو تو دل میں ایمان و ایقان کی پوری دولت لئے زبان سے کلمۂ کفر ادا کر لینا جائز ہے۔

"ذمہ کے بری" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے قصداً نماز ترک کر دی تو گویا اس نے اسلام کے ایک بڑے اور بنیادی قانون و حکم سے بغاوت کی جس کی بناء پر اسلام کا عہد اس سے ختم ہوگیا اور وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا۔ اس مطلب کی وضاحت کرنے کے بعد کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد از راہ تغلیظ یعنی نماز چھوڑنے والے کے لئے انتہائی تہدید اور تنبیہ ہے۔

یا پھر "اس سے ذمہ بری ہوا" کی مراد یہ ہے کہ ایمان لانے اور اسلام کی اطاعت قبول کرنے کی وجہ سے اسلام نے اس کے جان و مال کی حفاظت کی جو ضمانت لی تھی اور اسلامی اسٹیٹ میں اسے جو امان حاصل تھا اب وہ نماز کے ترک کی وجہ سے اسلام کی امان اور ضمانت سے نکل گیا۔ شراب کو تمام برائیوں کی کنجی اس لے فرمایا گیا ہے کہ شراب بنیادی طور پر انسان کے دل و دماغ اور ذہن و فکر کو بالکل

ماؤف کر دیتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شراب پینے والا شخص جب نشہ کی وجہ سے اپنی عقل سے ہاتھ دھولیتا ہے تو دنیا بھر کی برائیاں اس سے سرزد ہونے لگتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شراب کو ام الخبائث کہا گیا ہے۔

بَابُ الْمَوَاقِيْتِ

نماز کے اوقات کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتُ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ مَالَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ وَ وَقْتُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَ وَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَالَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَ وَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ الْاَوْسَطِ وَ وَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاَمْسِكْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت جب تک ہے کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر ہو جائے عصر کے آنے کے وقت تک۔ اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک آفتاب زرد نہ ہو جائے اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے اور نماز عشاء کا وقت ٹھیک آدھی رات تک ہے اور نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے اس وقت تک ہے جب تک سورج نہ نکل آئے اور جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس سے پہلے کہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے نماز کے اوقات کے بارے میں عرض کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چند اصطلاحی الفاظ کے معنی بیان کر دیے جائیں جن کو سمجھنے کے بعد مقصد تک پہنچنے میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔

زوال.... آفتاب کے ڈھلنے کو کہتے ہیں جسے ہماری عرف میں دوپہر ڈھلنا کہا جاتا ہے۔

سایہ اصلی.... اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال کے وقت باقی رہتا ہے۔ یہ سایہ ہر شہر کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی جگہ بڑا ہوتا ہے، کسی جگہ چھوٹا ہوتا ہے اور کہیں بالکل نہیں ہوتا، جیسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں۔

زوال اور سایہ اصلی کے پہچاننے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ایک سیدھی لکڑی ہموار زمین پر گاڑی جائے اور جہاں تک اس کا سایہ پہنچے اس مقام پر ایک نشان بنا دیا جائے پھر دیکھا جائے کہ وہ سایہ اس نشان کے آگے بڑھتا ہے یا پیچھے ہٹتا ہے۔ اگر آگے بڑھتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی زوال نہیں ہوا اور اگر پیچھے ہٹے تو زوال ہو گیا۔ اگر یکساں رہے نہ پیچھے ہٹے نہ آگے بڑھے تو ٹھیک دوپہر کا وقت ہے اس کو استواء کہتے ہیں۔

ایک مثل.... سایہ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔

دو مثل.... سایہ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو جائے۔

ان اصطلاحی تعریفات کو سمجھنے کے بعد اب حدیث کی طرف آیئے: سرکار دو عالم ﷺ نے اوقات نماز کے سلسلہ میں سب سے پہلے ظہر کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وقت نماز کی تعلیم کے سلسلہ میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو یہی نماز پڑھائی تھی، یہی وجہ ہے کہ نماز ظہر کی نماز کو پیشین کہا جاتا ہے۔

نماز ظہر کا اوّل وقت اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب کہ آسمان کے درمیان آفتاب مغرب کی طرف تھوڑا سا مائل ہوتا ہے جس کو زوال کہتے ہیں اور اس کا آخری وقت وہ ہوتا ہے جب کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر علاوہ سایۂ اصلی کے ہو جاتا ہے۔ سایۂ اصلی کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ وہ سایہ ہوتا ہے جو زوال کے وقت ہوتا ہے یعنی اکثر مقامات پر جب کہ آفتاب سمت راس پر نہیں آتا تو وہاں ٹھیک دوپہر کے وقت ہر چیز کا تھوڑا سا سایہ ہوتا ہے اس سایہ کو چھوڑ کر جب تک کسی چیز کے طول کے برابر سایہ رہے گا ظہر کا وقت باقی رہے گا۔

مالم یحضر العصر (عصر کا وقت آنے تک) یہ جملہ دراصل پہلے جملہ کی تاکید ہے کیونکہ جب ایک مثل تک سایہ پہنچ گیا تو وقت ظہر ختم ہو گیا۔ اور عصر کا وقت شروع ہو گیا چونکہ اس جملہ کا مطلب پہلے ہی جملہ سے ادا ہو گیا تھا اس لئے یہی کہا جائے گا کہ یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ ہاں اتنی بات اور کہی جا سکتی ہے کہ یہ جملہ اس چیز کی دلیل ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان وقت مشترک نہیں ہے جیسا کہ امام مالکؒ کا مسلک ہے۔ عصر کے وقت کی ابتداء تو معلوم ہو گئی کہ جب ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا عصر کا وقت شروع ہو جائے گا۔ آخری وقت کی بات یہ ہے کہ جب تک آفتاب زرد نہیں ہو جاتا عصر کا وقت بلا کراہت باقی رہتا ہے چنانچہ حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔ البتہ اس کے بعد غروب آفتاب تک وقت جواز باقی رہتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آفتاب کی زردی سے کیا مراد ہے؟ تو بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آفتاب کے زرد ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کی ٹکیہ اتنی متغیر ہو جائے کہ اس کی طرف نظر اٹھانے سے آنکھوں میں خیرگی نہ ہو۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کی جو شعاعیں دیوار وغیرہ پر پڑتی ہیں اس میں تغیر ہو جائے۔

لگے ہاتھوں اتنی بات اور جانتے چلئے کہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نیز حضرت امام زفرؒ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک باقی رہتا ہے اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے چنانچہ ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کا آخری وقت ایک مثل تک رہتا ہے۔

جہاں تک حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا تعلق ہے تو ایک روایت کے مطابق ان کا بھی وہی مسلک ہے جو جمہور علماء کا ہے بلکہ بعض حضرات نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ امام اعظمؒ کا فتویٰ بھی اسی مسلک پر ہے چنانچہ در مختار میں بہت سی کتابوں کے حوالوں سے اسی مسلک کو ترجیح دی گئی ہے۔ مگر ان کا مشہور مسلک یہ ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے ان کے دلائل ہدایہ وغیر میں مذکور ہیں۔

بہر حال علماء نے اس سلسلہ میں ایک صاف اور سیدھی راہ نکالی ہے وہ کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ ظہر کی نماز تو ایک ایک مثل کے اندر اندر پڑھ لی جائے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازیں بلا اختلاف ادا ہو جائیں۔

مغرب کا وقت آفتاب چھپنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور شفق غائب ہو جانے کے وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک شفق اس سرخی کو کہتے ہیں جو آفتاب چھپنے کے بعد ظاہر ہوتی ہے چنانچہ اہل لغت کا کہنا بھی یہی ہے۔ مگر حضرت امام اعظمؒ اور علماء کی ایک دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ شفق اس سفیدی کا نام ہے جو سرخی ختم ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔

اہل لغت و دیگر ائمہ کے قول کے مطابق حضرت امام اعظمؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ شفق سرخی کا نام ہے چنانچہ شرح وقایہ میں فتویٰ اسی قول پر مذکور ہے۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مغرب کی نماز تو سرخی غائب ہونے سے پہلے پڑھی جائے اور عشاء کی نماز سفیدی غائب ہونے کے بعد پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازیں بلا اختلاف ادا ہوں۔

عشاء کے بارے میں مختار مسلک اور فیصلہ یہ ہے کہ اس کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور ٹھیک آدھی رات تک بلا کراہت باقی رہتا ہے البتہ وقت جواز طلوع فجر سے پہلے تک رہتا ہے۔

فجر کا وقت طلوع صبح صادق کے بعد شروع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ بظاہر تو حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلوع

صبح صادق کے بعد سے طلوع آفتاب تک تمام وقت نماز فجر کے لئے مختار ہے مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ فجر کی نماز کا وقت مختار اسفار تک ہے اس کے بعد وقت جواز رہتا ہے۔

نماز کے اوقات کی تفصیل جان لینے کے بعد اب حدیث کے آخری جملہ کا مطلب بھی سمجھ لیجئے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے" اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سورج کے نکلنے کی جگہ شیطان کے دونوں سینگ ہیں کہ سورج اس کے اندر سے طلوع ہوتا ہے بلکہ اس کا مطلب خود ایک روایت نے بتادیا ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان آفتاب کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنا سر آفتاب کے نزدیک کر لیتا ہے اسی طرح غروب آفتاب کے وقت کرتا ہے اس کے اس طرز عمل کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ آفتاب کو پوجتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں ان کفار کے اس طرز عمل کے ذریعہ وہ اپنا گمان یہ رکھتا ہے کہ لوگ میری عبادت کر رہے ہیں اسی طرح وہ اپنے تابعداروں کے ذہن میں یہ بات بٹھاتا ہے کہ یہ لوگ آفتاب کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہیں بلکہ در حقیقت میری عبادت کر رہے ہیں اور میرے سامنے ماتھے ٹیکتے ہیں۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمت کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ ان اوقات میں نماز نہ پڑھا کریں تاکہ مسلمانوں کی عبادت شیطان کو پوجنے والوں کی عبادت کے اوقات میں نہ ہو۔

(۲) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلاَةِ فَقَالَ لَهُ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِى الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِلاَ لاً فَاَذَّنَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا اَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِى اَمَرَهُ فَاَبْرَدَ بِالظُّهْرِ فَاَبْرَدَبِهَا فَاَنْعَمَ اَنْ يُبْرِدَبِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ اٰخِرَهَا فَوْقَ الَّذِىْ كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ اَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَاذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلاَةِ فَقَالَ الرَّجُلُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَقْتُ صَلاَتِكُمْ بَيْنَ مَارَأَيْتُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے نماز کا وقت دریافت کیا (کہ نماز کا اول و آخر وقت کیا ہے) آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ان دو دنوں میں تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو (تاکہ میں تمہیں نماز کے اوقات دکھادوں) چنانچہ جب سورج ڈھل گیا آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو (اذان کا) حکم دیا، حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں (تکبیر کہنے کا، حکم دیا، انہوں نے ظہر کی تکبیر کہی اور آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی) پھر آپ ﷺ نے عصر کی اقامت کا حکم دیا جب کہ سورج بلند اور سفید وصاف تھا (اور عصر کی نماز پڑھائی، پھر مغرب کی اقامت کا حکم دیا جب کہ سورج غروب ہی ہوا تھا، (اور مغرب کی نماز پڑھائی) پھر عشاء کی اقامت کا حکم دیا جب کہ شفق غائب ہوئی تھی اور عشاء کی نماز پڑھائی) پھر فجر نمودار ہوتے ہی آپ ﷺ نے تمام نمازیں اول وقت پڑھا کر دکھادیں کہ نمازوں کا اول وقت یہ ہے) پھر جب دوسرا دن ہوا تو آپ ﷺ نے بلالؓ کو ظہر کو ٹھنڈا کر کے اذان دینے کا حکم دیا اور خوب ٹھنڈا کر کے ظہر کی نماز کو پڑھایا اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ سورج بلند تھا لیکن کل کے وقت سے دیر کر کے نماز پڑھائی اور مغرب کی نماز شفق غائب ہونے سے پہلے (یعنی شفق غائب ہونے کے قریب) پڑھائی اور عشاء کی نماز تہائی رات گزر جانے پر پڑھائی اور فجر کی نماز خوب روشنی ہو جانے پر پڑھائی اور اس کے بعد فرمایا نماز کے اوقات دریافت کرنے والا شخص کہاں ہے؟ اس شخص نے سامنے (آکر عرض کیا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں! آپ ﷺ نے فرمایا، تمہاری نماز کے اوقات ان اوقات کے درمیان ہیں جو تم ان دو دنوں میں) دیکھ چکے ہو۔" (مسلم)

تشریح: سائل کا مطلب یہ تھا کہ نمازوں کے اوقات کے سلسلہ میں یہ بتادیا جائے کہ نماز کا اول وقت کیا ہوتا ہے اور آخر وقت کون سا ہوتا ہے؟ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسے نمازوں کے اوقات کو زبانی سمجھانے سے زیادہ بہتر یہ سمجھا کہ اسے عملی طور پر دکھایا جائے تاکہ

اوقات اس کے ذہن نشین ہو سکیں اس لئے آپ ﷺ نے اسے نماز کا اوّل و آخر دونوں وقت بتانے کے لئے پہلے دن تو نمازیں اوّل وقت پڑھیں اور دوسرے دن آخر وقت میں پڑھیں۔

حدیث میں پہلے ظہر کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے اذان دی پھر آپ ﷺ نے اقامت کا حکم دیا تو انہوں نے اقامت کہی۔ اس کے بعد عصر کا ذکر کیا گیا ہے لیکن نہ تو عصر کی نماز کا وقت ذکر کیا گیا ہے اور نہ عصر ہی اور نہ اس کے بعد کی اذانوں کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معروف ہے۔

دوسرے دن آپ ﷺ نے ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا یعنی پہلے روز کے مقابلے میں دوسرے دن ظہر کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھی کہ گرمی کی شدت اور تپش کی سختی جاتی رہی تھی۔

عصر کی نماز آپ ﷺ نے پہلے روز کی تاخیر کے مقابلہ میں زیادہ تاخیر سے یعنی دو مثلین کے بعد پڑھی لیکن پہلے روز کی تاخیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عصر کی نماز میں پہلے روز تاخیر کی گئی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز ظہر سے تاخیر کی گئی تھی۔

دوسرے روز آپ ﷺ نے تمام نمازوں کو تاخیر سے یعنی ان کے آخری اوقات میں ادا کیا جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا۔ مگر آپ ﷺ نے عشاء کو آخر وقت تک مؤخر نہ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر آپ ﷺ عشاء کو اس کے آخر وقت مختار یعنی آدھی رات تک مؤخر کرتے تو اس سے لوگوں کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے تکلیف اور پریشانی ہوتی اور اگر آپ ﷺ عشاء سے پہلے سو رہتے تو مناسب نہ ہوتا کیونکہ عشاء کی نماز سے پہلے سونا مکروہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ان دو دنوں میں ہمارے ساتھ نماز پڑھ کر یہ دیکھ لیا ہے کہ نمازوں کا اوّل وقت کیا ہے اور آخری وقت کیا ہے لہٰذا شروع سے لے کر آخر تک اوّل وقت بھی ہے اور اوسط بھی اور آخر وقت بھی ہے لہٰذا اس کے درمیان تم جب چاہو نماز پڑھ سکتے ہو۔ آخر وقت سے مراد وقت مختار ہے نہ کہ وقت جواز۔ اس لئے کہ نمازوں کے جو آخری وقت آپ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں ان کے بعد بھی نماز کا وقت باقی رہتا ہے تاہم وہ وقت جواز ہوتا ہے وقت مختار نہیں ہوتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّنِیْ جِبْرِیْلُ عِنْدَ الْبَیْتِ مَرَّتَیْنِ فَصَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ حِیْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَکَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاکِ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِثْلَہٗ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ حِیْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَی الصَّائِمِ فَلَمَّا کَانَ الْغَدُ صَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلَہٗ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلَیْہِ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ ھٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِکَ وَالْوَقْتُ مَا بَیْنَ ھٰذَیْنِ الْوَقْتَیْنِ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرماتے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے (نماز کی کیفیت اور اوقات بتانے کے لئے) امام بن کر خانہ کعبہ کے نزدیک مجھے دو مرتبہ (دو روز) نماز پڑھائی ہے چنانچہ (پہلے روز جس وقت سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمہ کی مانند تھا تو مجھے ظہر کی نماز پڑھائی اور جس وقت ہر چیز کا سایہ (علاوہ سایہ اصلی کے) اس کے برابر ہو گیا تو مجھے عصر کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے (یعنی سورج چھپنے کے بعد) تو مجھے مغرب کی نماز پڑھائی اور شفق غائب ہونے کے وقت مجھے عشاء کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار کے لئے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے (یعنی صبح صادق کے بعد) تو مجھے فجر کی نماز پڑھائی۔ اور جب اگلا روز ہوا تو انہوں نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ سایہ ایک مثل (کے قریب) ہو گیا اور مجھے عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ روزہ دار افطار کرتا ہے اور مجھے

عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ تہائی رات ہوگئی تھی اور مجھے فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ خوب روشنی ہوگئی تھی اور پھر (جبرئیل نے) میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔ اے محمد (ﷺ)! یہ وقت آپ (ﷺ) سے پہلے کے نبیوں (کی نماز) کا ہے اور نماز انہیں دو وقتوں کے بیچ بیچ ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: جگہ اور وقت کے اعتبار سے سایہ اصلی مختلف ہوتا ہے چنانچہ بعض جگہ تو سایہ زیادہ ہوتا ہے اور بعض جگہ کم ہوتا ہے اور بعض وقت سایہ اصلی ہوتا ہی نہیں جیسا کہ مکہ معظمہ میں انیسویں سرطان کو سایہ اصلی نہیں ہوتا۔ اس لئے سرکار دو عالم ﷺ نے پہلے روز کی نماز ظہر کے وقت کے بارے میں فرمایا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہلے دن مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ان دنوں میں مکہ معظمہ میں سایہ اصلی جوتوں کے تسموں کی چوڑائی کے برابر تھا گویا وہ ظہر کا اول وقت تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۴) عَنِ ابْنِ شَهَابٍ اَنَّ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ اَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهٗ عُرْوَةُ اَمَا اِنَّ جِبْرِيْلَ قَدْ نَزَلَ فَصَلّٰى اَمَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اِعْلَمْ مَا تَقُوْلُ يَا عُرْوَةُ فَقَالَ سَمِعْتُ بَشِيْرَ بْنَ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَزَلَ جِبْرِيْلُ فَاَمَّنِيْ فَصَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ يَحْسُبُ بِاَصَابِعِهٖ خَمْسَ صَلَوَاتٍ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن شہاب[1] راوی ہیں کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے (ایک روز) عصر کی نماز (وقت مختار سے کچھ) تاخیر کر کے پڑھی حضرت عروہؒ نے (جب یہ دیکھا تو) کہا کہ سمجھ لیجئے! حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر نبی کریم ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر (اول وقت) نماز پڑھائی تھی۔ حضرت عمرؒ نے فرمایا، عروہ! ذرا سوچ سمجھ کر کہو کیا کہتے ہو؟ عروہ نے کہا، میں نے حضرت ابو مسعودؓ کے صاحبزادے حضرت بشیرؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابو مسعودؓ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے۔ کہ جبرئیل علیہ السلام آکر میرے امام بنے اور میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، (راوی کہتے ہیں کہ) آنحضرت ﷺ نے پانچ نمازیں انگلیوں پر گن کر بتائیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت عروہ کا یہ مقصد تھا کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو یہ یاد دلائیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت کے بارے میں جو حدیث وارد ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو پہلے دن اول وقت نمازیں پڑھائی تھیں تو اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کو اول وقت پڑھنا افضل ہے اس لئے آپؒ نے اس وقت نماز میں تاخیر کر کے اگرچہ یہ تاخیر زیادہ نہیں تھی فضیلت کی سعادت کو کیوں ترک کیا؟۔

حضرت عمرؒ نے جواب میں جو یہ کہا کہ، عروہ! ذرا سوچ سمجھ کر کہو کیا کہتے ہو؟ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث کو بیان کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک اہم اور عظیم الشان چیز ہے حدیث کو بیان کرنے میں احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے نیز حدیث کو بغیر سند کے بیان نہ کرنا چاہئے اس لئے سوچ سمجھ کر حدیث بیان کرو اور اس سند کے ساتھ بیان کرو۔

حضرت عروہؒ کی جلالت شان اور رفعت علم و فضل کا گو تقاضا تو یہ تھا کہ ان سے اس قسم کی بات نہ کہی جاتی مگر چونکہ روایت حدیث کی عظمت شان پیش نظر تھی اس لئے انہیں اس طرف توجہ دلائی گئی اور پھر عروہؒ نے بھی روایت حدیث کی اسی عظمت کے پیش نظر حضرت عمرؒ کے توجہ دلانے کو نہ صرف یہ کہ اپنے علم و فضل کے منافی نہ سمجھا بلکہ اسے خیر و برکت کا باعث جان کر اس پر متنبہ ہوئے اور حدیث کی پوری سند یوں بیان کر کے اپنی قوت حفظ و ذہانت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دی کہ میں جو بات کہہ رہا ہوں وہ کوئی معمولی درجہ کی

---

[1] آپ کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ بن شہاب ہے زہری کی نسبت سے مشہور ہیں۔ آپ کی وفات ماہ رمضان ۱۲۴ھ میں ہوئی آپ جلیل القدر تابعیؒ تھے ۱۲۔

نہیں ہے بلکہ اس کی صداقت کا میں یقینی علم رکھتا ہوں کیونکہ یہ وہ روایت ہے جس کو میں نے بشیرؒ سے سنا ہے اور انہوں نے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابو مسعودؓ سے سنا اور انہوں نے خود آنحضرت ﷺ کی لسان مقدس سے سنا ہے۔

اس حدیث میں راوی نے نماز کے اوقات تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مخاطب کو چونکہ اوقات کی پوری تفصیل معلوم تھی اس لئے یہاں تو صرف صورت واقعہ بیان کی گئی ہے ہاں دوسری روایات میں اوقات کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔

⑤ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ كَتَبَ اِلٰى عُمَّالِهٖ اِنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ مَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِيْنَهٗ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَضْيَعُ ثُمَّ كَتَبَ اَنْ صَلُّوا الظُّهْرَ اِذَا كَانَ الْفَيْئُ ذِرَاعًا اِلٰى اَنْ يَكُوْنَ ظِلُّ اَحَدِكُمْ مِثْلَهٗ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ قَدْرَ مَا يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةً قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ وَالْمَغْرِبَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ وَالصُّبْحَ وَالنُّجُوْمُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ۔

(رواہ مالک)

"اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے عاملوں (یعنی اسلامی سلطنت کے حکام) کے پاس یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ تمہارے سب کاموں میں مہتم بالشان کام میرے نزدیک نماز کا پڑھنا ہے لہٰذا جس نے اس کی محافظت کی (یعنی ارکان و شرائط کے ساتھ نماز پڑھی، اور اس پر نگہبانی رکھی (یعنی اسے ہمیشہ ادا کرتا رہا اور ریاء و نمائش کے سبب اسے باطل نہ کیا) تو گویا اس نے اپنے دین (کے بقیہ امور کی نگہبانی و محافظت کی اور جس نے اسے ضائع کر دیا تو وہ اس چیز کو جو نماز کے علاوہ ہے بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔ پھر یہ لکھا کہ ظہر کی نماز ایک گز سایہ زوال ہونے سے لے کر ایک مثل سایہ تک (علاوہ سایہ اصلی کے) پڑھا کرو اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھا کرو کہ سورج اونچا اور سفید رہے اور سورج ڈوبنے میں) اتنا وقت رہے کہ کوئی سوار سورج ڈوبنے سے پہلے دو یا تین میل طے کر سکے اور مغرب کی نماز سورج ڈوبنے کے بعد پڑھا کرو اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے وقت سے تہائی رات تک پڑھا کرو اور جو شخص (عشاء سے پہلے) سو جائے (تو خدا کرے) ان کی آنکھوں کو سونا نصیب نہ ہو (تین مرتبہ یہ دعا کی اور لکھا ہے کہ) صبح کی نماز ایسے وقت پڑھو جب کہ ستارے گنجان چمکتے ہوئے ہوں (یعنی تاریکی میں پڑھو)۔" (مالکؒ)

تشریح: چونکہ نماز دین کا ستون اور بنیاد ہے نیز یہی وہ عبادت ہے جو برائیوں سے روکتی اور بھلائی و سعادت کے راستہ پر لگاتی ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس نے نماز کی محافظت کی گویا اس نے دین کے تمام امور کی محافظت کی۔ اسی طرح فرمایا کہ جس نے نماز کو ضائع کیا یعنی نماز یا تو بالکل پڑھی ہی نہیں اور اگر پڑھی تو شرائط و واجبات کا قطعًا لحاظ نہ کیا تو وہ نماز کے علاوہ دیگر واجبات و مستحبات اور دینی امور کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہے کیونکہ نماز ہی عبادات کی اصل ہے جب اس نے اسی کا خیال نہ رکھا تو اس سے دوسرے امور دین کے خیال رکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا یہ حکم کہ ظہر کی نماز ایک گز سایہ زوال ہونے کے وقت یعنی اس کے فورًا بعد کہ وہ ظہر کا اوّل وقت ہوگا، پڑھو۔ ان مقامات کے لئے ہے جہاں سایہ اصلی اسی قدر ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سایہ اصلی مقامات اور وقت کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ کہیں تو زیادہ ہوتا ہے اور کہیں کم ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے عشاء سے پہلے سونے والے کے بارے میں تین مرتبہ بددعا تاکید و تہدید کے لئے فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عشاء سے پہلے نماز پڑھے بغیر جو شخص سو جائے خدا اس کی آنکھوں کو سونا نصیب نہ کرے وہ بے آرامی و بے قراری میں مبتلا رہے۔

چنانچہ حضرت ابن حجر شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز سے پہلے سونا حرام ہے مگر حنفیہ کے نزدیک یہ حکم تفصیل پر محمول ہے یعنی اگر کوئی نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے سوئے اور اسے اس بات کا گمان بھی ہو کہ میں نماز کے آخر وقت تک سوتا ہی رہوں گا تو اس کے لئے یہ سونا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر اسے اپنے اوپر کامل اعتماد ہو کہ میں بغیر جگائے ایسے وقت

اٹھ جاؤں گا کہ وقت کے اندر اندر پوری نماز پڑھ لوں گا تو اس کے لئے سونا جائز ہوگا۔
مذکورہ بالا حکم وقت شروع ہو جانے کے بعد سونے کے سلسلہ میں ہے لیکن وقت شروع ہونے سے پہلے سونے کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس بارے میں بھی وہی پہلی تفصیل کی جائے گی۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ وقت شروع ہونے سے پہلے سوجانا مطلق حرام نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی شخص وقت شروع ہونے سے پہلے نماز کے لئے مکلف نہیں ہوتا۔

⑥ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ قَدْرُ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ ثَلَاثَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى خَمْسَةِ اَقْدَامٍ وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى سَبْعَةِ اَقْدَامٍ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی نماز ظہر کا اندازہ گرمیوں میں تین قدم سے پانچ قدم تک اور جاڑوں میں پانچ قدم سے سات قدم تک تھا۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: دونوں موسم میں اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ سردی کے موسم میں سایۂ اصلی زیادہ ہوتا ہے اور گرمی کے موسم میں سایۂ اصلی کم ہوتا ہے خصوصاً حرمین میں ورنہ یہ دونوں وقت برابر ہیں۔
یہ حدیث بہر صورت زوال کے بعد ظہر کی نماز کو تاخیر کرنے پر دلالت کرتی ہے قدم سے مراد ہر شخص کے قد کا ساتواں حصہ ہے چنانچہ اس اعتبار سے کہ ہر شخص کے قد کا طول اس کے سات قدم (یعنی سات پاؤں) کے برابر ہوتا ہے ہر چیز کا طول سات قدم مقرر[1] ہے۔

بَابُ تَعْجِيْلِ الصَّلٰوةِ

جلدی نماز پڑھنے کا بیان

ارشاد ربانی ہے:

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ — "یعنی بھلائیوں میں جلدی کرو۔"

آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کے بارے میں اصل یہی ہے کہ اسے جلدی یعنی اوّل وقت ادا کر لیا جائے لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ آیت کا مفہوم تو یہی ہے کہ بھلائی کے تمام کاموں کو جن میں نماز بھی شامل ہے جلدی کر ڈالنا بہتر اور مناسب ہے مگر جن مواقع کے لئے شارع علیہ السلام نے تاخیر کا حکم فرمایا ہے وہاں تاخیر کرنا ہی اولیٰ و افضل ہے۔
حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تمام نمازوں کو ان کے اوّل وقت میں اداء کرنا مطلقاً مستحب ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے یہاں کچھ تفصیل ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ سردی کے موسم میں تو ظہر کی نماز اوّل وقت پڑھ لینی چاہئے مگر گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا چاہئے۔ اسی طرح فجر کی نماز ہر موسم میں اجالے میں پڑھنی چاہئے اور عشاء کی نماز تاخیر کے ساتھ پڑھنی چاہئے نیز عصر کی نماز بھی تاخیر کر کے پڑھنی چاہئے مگر اس میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ آفتاب متغیر ہو جائے نمازوں کو جلدی پڑھنے کی حد یہ ہے کہ ان کے اوّل وقت کے پہلے نصف حصہ میں ادا کی جائیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبِيْ عَلٰى اَبِيْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهُ اَبِيْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

[1] اس حدیث کی تشریح کے بعد مصنفؒ نے ایک جدول نقل کی ہے جس کو بوجہ طوالت نقل نہیں کیا جاسکتا آج کل ان سے استفادہ ممکن بھی نہیں ہے ۱۲۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيْرَ الَّتِي تَدْعُوْنَهَا الْأُوْلَى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ اَحَدُنَا اِلَى رَحْلِهٖ فِيْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ اَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِي تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ يَقْرَءُ بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا يُبَالِي بِتَاخِيْرِ الْعِشَاءِ اِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا۔ (متفق علیہ)

"حضرت سیار ابن سلام فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد (ہم دونوں) حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میرے والد نے ان سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ فرض نمازیں کس طرح (یعنی کس کس وقت) پڑھتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز جسے پہلی نماز کہا جاتا ہے سورج ڈھلنے کے وقت پڑھتے تھے اور عصر کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی نماز پڑھ کر مدینہ کے کنارے اپنے مکان پر جا کر سورج روشن ہوتے ہوئے (یعنی اس کے متغیر ہونے سے پہلے) واپس آجاتا تھا۔ سیار کہتے ہیں کہ مغرب کے بارے میں ابوبرزہؓ نے جو کچھ بتایا تھا وہ میں بھول گیا اور (ابوبرزہؓ کہتے تھے کہ عشاء کی نماز جسے تم عتمہ کہتے ہو آنحضرت ﷺ تاخیر سے پڑھنے کو بہتر سمجھتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد (دنیاوی) باتیں کرنے کو آپ ﷺ مکروہ سمجھتے تھے اور صبح کو نماز ایسے وقت پڑھ (کر فارغ ہو) لیتے تھے کہ ہر شخص اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا اور (نماز میں) ساٹھ آیتوں سے لے کر سو آیتوں تک پڑھ لیا کرتے تھے، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ تہائی رات تک عشاء میں دیر کرنے میں تامل نہ فرماتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہاں ظہر کے بارے میں جو وقت ذکر گیا ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سردی کے موسم میں ظہر کی نماز اوّل وقت پڑھتے ہوں گے کیونکہ یہ قولاً اور فعلاً ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔

عتمہ اس تاریکی کو کہتے ہیں جو شفق غائب ہونے کے بعد ہوتی ہے چنانچہ پہلے عرب میں عتمہ عشاء کو کہتے تھے مگر بعد میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو منع کر دیا کہ عشاء کو عتمہ نہ کہا جائے۔ یہاں تاخیر سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز تہائی رات تک تاخیر کر کے پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ عشاء کی نماز کے بعد دنیا کی باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ اعمال کا خاتمہ عبادت اور ذکر اللہ پر ہونا چاہئے کیونکہ نیند بمنزلۂ موت ہے۔

شرح السنۃ میں منقول ہے کہ عشاء سے پہلے سونے کو اکثر علماء نے مکروہ کہا ہے اور بعض حضرات نے سونے کی اجازت دی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ عشاء سے پہلے سوتے اور بعض علماء کے نزدیک صرف رمضان میں عشاء سے پہلے سونا جائز ہے۔ حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر نیند کا غلبہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ عشاء کی نماز کا وقت سونے کی نذر ہو جائے گا تو سونا مکروہ نہیں ہے۔

عشاء کے بعد باتوں میں مشغول ہونے کو علماء کی ایک جماعت نے مکروہ کہا ہے چنانچہ حضرت سعید ابن مسیبؓ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میرے نزدیک بغیر عشاء کی نماز پڑھے سو رہنا اس سے بہتر ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد کوئی شخص لغو کلام اور دنیاوی باتوں میں مشغول ہو۔

بعض علماء نے عشاء کے بعد علم کی باتیں کرنے کی اجازت دی ہے اسی طرح ضرورت اور حاجت کے سلسلہ میں یا گھر والوں اور مہمان کے ساتھ باتیں کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔ (ملا علی قاریؒ)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں جائز ہیں، یعنی اگر کوئی شخص عشاء کی نماز سے پہلے سستی اور کاہلی کو دور کرنے اور نشاط و تازگی حاصل کرنے کے لئے سونا چاہے تو اس کے لئے سونا جائز ہے، اسی طرح عشاء کی نماز کے بعد ایسی باتیں کرنا جو

ضروری ہوں اور بے معنی نہ ہوں جائز ہے۔

② وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا أَكْثَرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوْا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت محمد بن ابن عمرو ابن حسنؓ ابن علیؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت جابر ابن عبداللہ سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی نماز دوپہر ڈھلے پڑھتے تھے اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ سورج زنار (یعنی روشن) ہوتا تھا اور مغرب کی نماز آفتاب غروب ہونے کے بعد پڑھتے تھے اور عشاء کی نماز میں جب لوگ زیادہ آجاتے تو جلدی ہی پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تو تاخیر کر کے پڑھتے تھے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ لیتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: عشاء کی نماز کے بارے میں یہاں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر لوگ زیادہ آجاتے تو آپ ﷺ نماز جلدی پڑھ لیتے اور اگر کم آتے تو تاخیر کر کے پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کی کثرت کے پیش نظر نماز کو اوّل وقت سے تاخیر کر کے پڑھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین نے اوّل وقت نماز پڑھنے کا التزام اسی لئے نہیں کیا ہے کہ تاخیر سے نماز پڑھنے میں جماعت میں کثرت ہو جاتی ہے نہ یہ کہ ان حضرات کے نزدیک اوّل وقت افضل نہیں ہے۔ اوّل وقت تو بہر صورت افضل ہے لیکن بعض خارجی عوارض جیسے جماعت کی کثرت وغیرہ کی بناء پر تاخیر ہی اولیٰ ہوتی ہے۔

صبح کی نماز تاریکی میں پڑھنے کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ صحابہؓ رات بھر سونے کے بجائے ذکر و عبادت میں مشغول رہنے کی وجہ سے صبح سویرے ہی مسجد میں موجود رہتے تھے اس لئے آپ ﷺ جماعت کی کثرت کے پیش نظر جلدی پڑھ لیتے تھے۔

آخر میں اتنی بات سمجھ لیجئے کہ اس حدیث سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ مستقلاً تاریکی ہی میں فجر کی نماز پڑھتے تھے اور اگر بفرض محال اسے مان بھی لیا جائے تو یہ ثابت ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز روشنی میں پڑھنے کا حکم دیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک فعل کے مقابلہ میں امر (یعنی حکم) کو ترجیح دی جاتی ہے۔

③ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ۔ (متفق علیہ و لفظہ للبخاری)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کر لیا کرتے تھے۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: حنفیہ کے نزدیک چونکہ نمازی اپنے پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کر سکتا ہے اس لئے یہ حضرات اس حدیث کو اپنے مسلک کی دلیل میں پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کو پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کرنا درست ہے۔ حضرات شوافع کے نزدیک چونکہ ایسے کپڑے پر جو نمازی کے ہلنے سے حرکت کرتا ہو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے وہ حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ صحابہؓ جن کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے وہ ان کے بدن پر نہیں ہوتے تھے بلکہ گرمی سے بچاؤ کی خاطر انہیں علیحدہ فرش پر بچھائے رکھتے تھے۔

اس حدیث کو مصنف مشکوٰۃ نے باب تعجیل الصلوٰۃ میں نقل کیا ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ زمین پر گرمی کی تپش اوّل وقت ہی رہتی ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ گرمی کے موسم میں بھی ظہر کی نماز اوّل وقت ہی میں پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ بات اس حدیث سے معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بسا اوقات بلکہ زیادہ گرمی کے موسم میں اوّل وقت کی بہ نسبت بعد میں زیادہ گرمی ہو جاتی ہے۔

(۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِلْبُخَارِیِّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اَكَلَ بَعْضِیْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَیْنِ نَفَسٌ فِی الشِّتَاءِ وَنَفَسٌ فِی الصَّیْفِ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِیْرِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِلْبُخَارِیِّ فَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ فَمِنْ سَمُوْمِهَا وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَمِنْ زَمْهَرِیْرِهَا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب گرمی کی شدت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ابوسعیدؓ سے منقول ہے کہ ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو (یعنی ابوہریرہؓ کی روایت میں تو بالصلوٰۃ کا لفظ آیا ہے اور ابوسعیدؓ کی روایت میں بالظہر کا لفظ آیا ہے نیز اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ) کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے اور (دوزخ کی) آگ نے اپنے رب سے شکایۃً عرض کیا کہ میرے پروردگا! میرے بعض (شعلے) بعض کو کھائے لیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دے دی ہے اب وہ ایک سانس جاڑے میں لیتی ہے اور ایک سانس گرمی میں۔ گرمی میں جس وقت تمہیں زیادہ گرمی معلوم ہوتی ہے اور جاڑے میں جس وقت تمہیں زیادہ سردی معلوم ہوتی ہے (تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ وہ ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں لیتی ہے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ) اور بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس وقت تم گرمی کی شدت محسوس کرتے ہو تو اس کا سبب دوزخ کا گرم سانس ہوتا ہے اور جس وقت تم سردی کی شدت محسوس کرتے ہو تو اس کا سبب دوزخ کا ٹھنڈا سانس ہوتا ہے۔"

تشریح: پروردگار سے دوزخ کی آگ کی یہ شکایت کی کہ، میرے بعض (شعلے) بعض کو کھائے لیتے ہیں۔ کنایہ ہے اجزاء آگ کی کثرت سے اور آپس کے اختلاط سے یعنی آگ کے شعلے اتنے زیادہ ہوتے ہیں اور اس شدت سے بھڑکتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے شعلے کو فنا کے گھاٹ اتار کر اس کی جگہ بھی خود لے لے۔ چنانچہ پروردگار نے اسے سانس لینے کی اجازت دے دی یعنی سانس سے مراد شعلہ کو دبانا اور اس کا دوزخ سے باہر نکلنا ہے۔ جس طرح کہ جاندار سانس لیتا ہے تو ہوا باہر نکلتی ہے۔

بہر حال ایسے وقت باوجودیکہ مشقت بہت ہوتی ہے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ایسے سخت وقت میں جب کہ گرمی اپنی شدت پر ہوتی ہے، دل و دماغ تپش کی وجہ سے بے چین ہوتے ہیں نیز خشوع اور سکون و اطمینان حاصل نہیں ہوتا جو نماز کی روح ہیں۔

اس موقع پر عقلی طور پر چند اشکال پیدا ہوتے ہیں ان کی وضاحت کر دینی ضروری ہے۔

پہلا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ گرمی اور سردی کی شدت زمین کی حرکت، عرض البلد اور آفتاب کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے یہاں یہ کیسے کہا گیا کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے؟۔

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں دوزخ کی بھاپ کو گرمی کی شدت کا سبب بتایا گیا ہے نہ کہ اصل گرمی کا۔ اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ گرمی اور سردی کی شدت بھی آفتاب کے قرب و بعد کی بناء پر ہوتی ہے کیونکہ اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ دوزخ کا سانس اس میں مزید شدت پیدا کرتا ہو لہٰذا اسکا انکار مخبر صادق کی خبر کے ہوتے ہوئے طریقہ اسلام کے منافی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اتنی بات تو طے ہے کہ زمین میں حرارت کی علت سورج کا مقابلہ اور اس کی شعاعیں پڑنا ہے اور یہ کہیں ثابت نہیں ہوا ہے کہ سورج دوزخ نہیں ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ہمارے نظام کی دوزخ یہی ہو جسے ہم سورج کہتے ہیں کیونکہ سورج میں ناریت کا تموج اور اشتعال اس قدر ہے کہ دوزخ کی تمام صفات اس پر منطبق ہوتی ہیں اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ سورج دوزخ نہیں ہے تو یہ بھی بالکل بعید اور ناممکن نہیں ہے کہ دوزخ علیحدہ ہو اور اس کی گرمی کا اثر زمین پر پڑتا ہو۔

دوسرا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوزخ نے شکایت کیسے کی کیونکہ دوزخ بے زبان ہے اور بے زبان اظہار مدعا کیسے کر سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح زبان کے لئے تلفظ ضروری نہیں ہے اسی طرح تلفظ کے لئے زبان بھی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر

جانوروں کے زبان ہوتی ہے مگروہ تلفظ نہیں کرتے ایسے ہی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے زبان نہیں ہوتی مگروہ بات کرتی ہیں۔ لہٰذا یہ اشکال پیدا کرنا کہ بغیر زبان کے بات کرنا ناممکن ہے کم فہمی کی بات ہے۔ کیونکہ اگر کوئی یہ پوچھنے بیٹھ جائے کہ زبان سے بات کیوں کی جاتی ہے اس سننے کا کام کیوں نہیں لیا جاتا؟ آنکھ سے دیکھتے اور کان سے سنتے کیوں ہو ان سے بات کیوں نہیں کرتے جب کہ یہ سب اعضاء بظاہر ایک ہی مادہ سے بنتے ہیں جو نطفہ ہے تو ہر ایک قوت کی تخصیص کی وجہ ایک خاص چیز سے کیا ہے؟۔

تو اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ یہ صانع مطلق کی قدرت ہے کہ بولنا زبان سے مختص کیا، دیکھنا آنکھ سے اور سننا کان سے ورنہ یہ سب اعضاء گوشت کا ایک حصہ ہونے میں برابر ہیں۔ ٹھیک اسی طرح۔ یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ کیا صانع مطلق کی یہ قدرت نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی ایک مخلوق کو گویائی کی قوت دے دے؟ اور جب کہ حکماء کی ایک جماعت تو یہ بھی کہتی ہے کہ اجرام فلکیہ میں نفوس ہیں اور ان میں احساس و ادراک کی قوت ہے تو اس صورت میں بولنا بعید ہے؟۔

تیسرا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوزخ جاندار نہیں ہے وہ سانس کیسے لیتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دوزخ میں نفس ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور جب مذکورہ بالا بحث کی رو سے اس سے تکلم ثابت ہو سکتا ہے تو سانس لینے میں کیا اشکال باقی رہ جائے گا!۔

چوتھا اشکال یہ ہے کہ آگ کے ٹھنڈا سانس لینے کے کیا معنی؟۔

اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ آگ سے مراد اس کی جگہ یعنی دوزخ ہے اور اس میں ایک طبقہ زمہریر بھی ہے۔

پانچواں اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم کے مطابق تو یہ چاہئے تھا کہ سخت سردی کے موسم میں فجر کو بھی تاخیر سے پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سردی صبح کو سورج نکلنے تک اسی شدت کے ساتھ رہتی ہے اگر طلوع آفتاب تک نماز میں تاخیر کی جاتی ہے تو وہاں سرے سے وقت ہی جاتا رہتا۔

بہر حال۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود صحابہ بھی گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں منقول ہے کہ صحابہ ظہر کی نماز (تاخیر سے) ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے یہاں تک کہ ٹیلوں کے سائے زمین پر پڑنے لگتے تھے۔ اور یہ سب ہی جانتے ہیں کہ ٹیلے چونکہ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ان کے سائے زمین پر بہت دیر کے بعد پڑتے ہیں بخلاف دراز چیزوں مثلاً مینار وغیرہ کے ان کے سائے جلدی ہی پڑنے لگتے ہیں۔

بعض روایتوں میں منقول ہے کہ صحابہؓ ظہر کی نماز کے لئے دیواروں کے سایہ میں ہو کر جاتے تھے۔ اور دیواروں کے بارے میں تحقیق ہو چکی ہے کہ اس وقت دیواریں عام طور پر سات سات گز کی ہوتی تھیں۔ لہٰذا ان کے سایہ میں چلنا اس وقت کار آمد ہوتا ہوگا جب کہ سورج کافی نیچے ہوتا ہو۔ بعض حضرات نے تاخیر کی حد آدھا وقت مقرر کی ہے یعنی کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز آدھے وقت تک تاخیر کر کے پڑھنی چاہئے۔ بعض شوافع حضرات حدیث سے ثابت شدہ ابراد (یعنی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا) کا محمل وقت زوال کو بتاتے ہیں یعنی ان کا کہنا یہ ہے کہ اس ابراد کا مقصد نماز ظہر میں اتنی تاخیر نہیں ہے جو حنفیہ بتاتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت استواء کی شدید گرمی سے بچنے کے لئے زوال کے وقت ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے۔

ان حضرات کی یہ تاویل نہ صرف یہ کہ بعید از مفہوم ہے بلکہ خلاف مشاہدہ بھی ہے کیونکہ وقت استواء کے مقابلہ میں زوال کے وقت گرمی کی شدت میں کمی آجانے کا خیال تجربہ و مشاہدہ ہے۔

ہدایہ میں مذکور ہے کہ جن شہروں میں گرمی کی شدت آفتاب کے ایک مثل سایہ پہنچنے کے وقت ہوتی ہے وہاں تو ابراد کا مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ نماز ایک مثل سایہ کے بعد پڑھی جائے۔

الحاصل۔ ظہر کی نماز کو ابراد میں یعنی ٹھنڈا کر کے پڑھنے کے بارے میں بہت زیادہ حدیثیں وارد ہیں جن سے متفقہ طور پر یہ ثابت ہوتا

ہے کہ گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈا کر کے پڑھنا ہی افضل و اولیٰ ہے۔ جہاں تک حدیث خباب ؓ کا تعلق ہے جس میں مروی ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ سے گرمی کے موسم میں دوپہر کی شدت کے بارے میں شکایت کی تو آپ ﷺ نے ہماری درخواست قبول نہیں کی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز کو پورے وقت تک مؤخر کرنے کی درخواست کی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اسے قبول نہیں فرمایا کہ اگر اتنی تاخیر کی جائے گی تو نماز کا وقت بھی نکل جائے گا۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابراد رخصت ہے اور وہ بھی سب کے لئے نہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے ہے جو جماعت کے لئے مسجدوں میں جانے کے لئے مشقت و محنت کا سامنا کرتے ہیں۔ جو لوگ تنہا نماز پڑھتے ہوں یا اپنے پڑوس و محلہ کی مسجد میں نماز کے لئے آتے ہوں ان کے لئے میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے کہ وہ اوّل وقت سے تاخیر نہ کریں، یہ قول ظاہر حدیث کے خلاف ہے اس لئے اس کا اتباع نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت امام ترمذیؒ نے ایک حدیث نقل کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر میں بھی باوجودیکہ سب یکجا رہتے تھے ابراء کا حکم فرمایا کرتے تھے، نیز امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے ظہر کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کے لئے کہتا ہے اس مسلک اتباع سُنّت کی وجہ سے اولیٰ و افضل ہے۔

⑤ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِي فَيَاْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِي مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَمْيَالٍ اَوْ نَحْوَهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ سورج اونچا اور زندہ (یعنی روشن) ہوتا تھا اور کوئی نے والا عوالی جا کر واپس آجایا کرتا تھا اور سورج اونچا ہی رہتا تھا اور بعض عوالی مدینہ سے چار میل یا تقریباً چار میل کے فاصلہ پر ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: عوالی عالیہ کی جمع ہے، مدینہ شہر کے باہر بلندی میں جو بستیاں ہیں انہیں عوالی کہا جاتا ہے۔ مسجد بنی قریظہ بھی اسی طرف ہے۔

⑥ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ (عصر کی نماز جو آخر وقت میں پڑھی جاتی ہے) منافق کی نماز ہے وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے جب سورج زرد ہو کر شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان (چھپنے کے قریب) ہو جاتا ہے تو جلدی سے اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اللہ کا ذکر بھی اس نماز میں قدرے قلیل ہی کرتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "ٹھونگیں مارنے" کا مطلب یہ ہے وہ بغیر طمانیت و سکون کے اس طرح جلدی جلدی سجدے کرتا ہے جیسے جانور دانہ چگتا ہے عصر کی نماز میں سجدے آٹھ ہوتے ہیں مگر یہاں چار اس لئے فرمائے ہیں کہ جب اس نے پہلا سجدہ کر کے اچھی طرح سر نہیں اٹھایا تو گویا دونوں سجدے ایک سجدہ کے حکم میں آگئے یا دونوں سجدوں کو ایک ہی رکن اعتبار کرتے ہوئے بجائے آٹھ کے چار کا وعدہ فرمایا ہے۔

یہاں صرف عصر کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے دوسری نمازوں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز وسطیٰ ہے اور یوں تو سب ہی نمازوں میں ارکان و آداب کا لحاظ نہ کرنا بری بات ہے مگر دوسری نمازوں کی بہ نسبت اس نماز کو دل جمعی اور سکون خاطر کے ساتھ نہ پڑھنا اور اس کے ارکان و آداب کا لحاظ نہ کرنا بہت ہی بری بات ہے۔

مولانا مظہرؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے عصر کی نماز کو سورج کے زرد ہونے تک مؤخر کیا تو اس نے اپنے آپ کو منافقین کے مشابہ ظاہر کیا کیونکہ منافق نماز کی صحت و تکمیل کا کوئی خیال نہیں کرتا وہ تو صرف ظاہری طور پر مسلمان بن کر تلوار سے بچنے کے لئے نماز پڑھتا ہے

اور اسے نماز میں اتنی زیادہ تاخیر کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ اسے اجر و ثواب کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ منافقین کی عملاً و فعلاً مخالفت کرتے ہوئے عصر کی نماز وقت مختار میں پڑھ لیا کریں۔

(۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِیْ تَفُوْتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهُ وَمَالُهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کی عصر کی نماز قضا ہوئی تو گویا اس کا مال اور اس کے اہل و عیال سب لٹ گئے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی عصر کی نماز قضا ہو جائے تو وہ ایسا ہے جیسے کہ اس کا گھر بار اور مال اولاد سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں یا ان میں کمی واقع ہو جائے لہٰذا جس طرح کہ کوئی شخص اپنے اہل و عیال کی تباہی و بربادی اور مال و متاع کے نقصان سے ڈرتا رہتا ہے جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے یہاں بھی صرف عصر کی نماز ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے نماز وسطیٰ ہے اس کو چھوڑ دینا دوسری نمازوں کے چھوڑنے کے مقابلہ میں زیادہ سخت گناہ ہے۔

(۸) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی (گویا) اس کے تمام (نیک) اعمال برباد ہو گئے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے تمام نیک اعمال برباد ہو جائیں گے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ تمام اعمال کے برباد ہو جانے کی بدبختی تو صرف اس شخص کے حصہ میں آتی ہے جو مرتد مرتا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی تو اس نماز کی وجہ سے اسے جو اجر و ثواب ملتا اور اس کی نیکیوں میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ اس سے محروم رہا یا یہ کہ اس دن کے اعمال میں جو کمال اسے نماز عصر کی بناء پر حاصل ہوتا وہ ضائع ہو گیا جس سے اس کے اعمال میں کمی واقع ہو گئی۔

حنفیہ کے نزدیک صرف مرتد ہو جانے سے تمام اعمال باطل ہو جاتے ہیں ان کے نزدیک موت کی قید نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص پر حج واجب تھا اور وہ حج کرنے کے بعد (نعوذ باللہ) مرتد ہو گیا پھر بعد میں خدا نے اسے ہدایت بخشی اور وہ اسلام میں داخل ہو گیا تو اسے حج دوبارہ کرنا ہو گا معتزلہ کے نزدیک کبیرہ گناہوں کے صدور سے بھی اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۹) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّی الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ اَحَدُنَا وَاِنَّهٗ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت رافع ابن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کوئی اپنے تیر کے گرنے کی جگہ دیکھ سکتا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز ایسے اوّل وقت پڑھ لیتے تھے کہ نماز پڑھ کر واپس آنے کے بعد اگر کوئی شخص تیر پھینکتا تو وہ یہ دیکھ لیتا تھا کہ وہ تیر جا کر کہاں گرا ہے۔ بہر حال۔ تمام علماء کے نزدیک بالاتفاق مغرب کی نماز اوّل وقت پڑھنا مستحب ہے۔

(۱۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ الْعَتَمَةَ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ اِلٰی ثُلُثِ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عشاء کی نماز شفق کے غائب ہونے کے بعد

سے اول تہائی رات تک پڑھتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ پہلے عرب میں لوگ عشاء کو عتمہ کہتے تھے مگر آنحضور ﷺ نے جب عشاء کو عتمہ کہنے سے منع کر دیا تو یہ نام ترک کر دیا گیا، مگر یہاں حضرت عائشہؓ نے عشاء کو عتمہ ہی کہا ہے تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک حضرت عائشہؓ کو یہ معلوم نہیں ہوا ہو گا کہ آنحضرت ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہنے سے منع کر دیا ہے۔

عشاء کے وقت کے سلسلہ میں بھی پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تہائی رات تک تو وقت مختار ہے اور طلوع صبح سے پہلے پہلے تک وقت جواز رہتا ہے۔

⑪ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّى الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ (جب) نبی کریم ﷺ صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تھے تو (وہ) عورتیں (جو آپ کے ہمراہ نماز پڑھتی تھیں) چادروں میں لپٹی ہوئی واپس چلی جاتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے انہیں کوئی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

⑫ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِاَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرَ مَا يَقْرَءُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت قتادہؓ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت زید ابن ثابتؓ نے (روزہ رکھنے کے لئے) سحری کھائی۔ سحری سے فراغت کے بعد نبی کریم ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھی (قتادہؓ کہتے ہیں کہ) ہم نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ ان دونوں کے سحری سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنے وقت کا وقفہ تھا۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ "اتنے وقت کا وقفہ تھا کہ ایک آدمی پچاس (متوسط) آیتیں پڑھ لے۔" (بخاریؒ)

تشریح: علامہ تور پشتیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں وقت کا جو اندازہ بیان کیا گیا ہے اس پر عام مسلمانوں کو عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ عمل براہ راست بارگاہ الوہیت سے مطلع ہو جانے کے بعد تھا۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ تو دین کے معاملہ میں معصوم عن الخطا تھے کہ آپ سے کسی دینی معاملہ میں معمولی لغزش کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور ظاہر ہے کہ یہ مرتبہ ہر ایک کو کہاں نصیب!۔

⑬ وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَنْتَ اِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ اُمَرَاءُ يُمِيْتُوْنَ الصَّلَاةَ اَوْ يُؤَخِّرُوْنَهَا عَنْ وَقْتِهَا قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِىْ قَالَ صَلِّ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا فَاِنْ اَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّ فَاِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اس وقت تم کیا کرو گے جب کہ تمہارے امراء (احکام) نماز کو وقت مختار سے ٹال کر، یا وقت مختار سے تاخیر کر کے پڑھیں گے۔ میں نے عرض کیا، ایسے وقت کے لئے آپ ﷺ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اس وقت تم اپنی نماز کو وقت پر پڑھ لو پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز مل جائے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لو، یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے الفاظ او کانو ایو خرون عن وقتھا لفظ او راوی کا شک ہے یعنی حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا ہے کہ اس سے پہلے کے راوی نے لفظ یمیتون کہا ہے یا یو خرون۔ ویسے معنی کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت تم کیا کرو گے جب کہ تم یہ دیکھو گے کہ وہ شخص جو تمہارا حاکم و سردار ہو گا نماز میں سستی و کاہلی کرے گا نماز کو اس کے اول وقت

میں نہ پڑھے گا بلکہ غیر مختار تاخیر کرے گا اور چونکہ وہ تمہارا حاکم ہوگا اس لئے تم اس پر قادر نہیں ہو سکو گے کہ اس کی مخالفت کر کے اسے سیدھی راہ پر لگا دو تمہیں یہ خوف ہوگا کہ اگر نماز اس کے ہمراہ پڑھتے ہو تو اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت ہاتھ سے جاتی ہے اور اگر اس کی مخالفت کرتے ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کی طرف سے تکلیف و ایذاء پہنچنے کا بلکہ جماعت کی فضیلت سے محروم ہونے کا بھی خدشہ رہے گا۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے لگے ہاتھوں ایسے موقع کے لئے حکم بھی پوچھ لیا کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو مجھے کیا طریقہ عمل اختیار کرنا چاہئے۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ سیدھا راستہ بتا دیا کہ جب بھی ایسا موقع ہو تو کم سے کم تم اپنی نماز تو صحیح وقت پر ادا کر ہی لینا پھر اس کے بعد اگر تمہیں اتفاق سے ان کی نماز میں بھی شامل ہو جانے کا موقع مل جائے تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لینا تمہاری یہ نماز نفل ہو جائے گی، اس طرح تمہیں دوہرا ثواب مل جائے گا۔

چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی امام نماز میں تاخیر کرے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ اول وقت اپنی نماز ادا کر لیں پھر بعد میں امام کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیں تاکہ اس طرح وقت اور جماعت دونوں کی فضیلت پا سکیں لیکن یہ جان لینا چاہئے کہ یہ حکم صرف ظہر اور عشاء کے بارے میں ہے۔ کیونکہ فجر اور عصر میں تو فرض نماز ادا کر لینے کے بعد نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے اور مغرب کی چونکہ تین رکعت فرض ہیں اور تین رکعت نفل مشروع نہیں ہے اس لئے مغرب میں بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک حدیث کے اطلاق کا تعلق ہے اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ ضرورت کی بناء پر ہے کہ امراء و حکام کے ہمراہ چونکہ نماز نہ پڑھنے اور ان کے خلاف کرنے میں فتنہ و فساد میں مبتلا ہونے کا خدشہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے ظہر اور عشاء کی قید نہیں لگائی کہ مکروہات کا ارتکاب اس سے بہتر ہے کہ فتنہ و فساد کو جنم دیا جائے پھر یہ کہ ایسے مواقع پر مکروہات بھی مباح ہو جاتے ہیں۔

آخر میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے جو یہ فرمایا تھا وہ محض پیش بندی کے طور پر نہیں فرمایا تھا بلکہ دراصل آپ ﷺ نے معجزہ کے طور پر آئندہ پیش آنے والے یقینی حالات کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ بنی امیہ کے دور میں یہ پیش گوئی پوری صداقت کے ساتھ صحیح ہوئی کہ اس زمانہ کے امراء و حکام نماز میں انتہائی سستی و کاہلی کرتے تھے اور نماز کو وقت مختار سے تاخیر کر کے پڑھا کرتے تھے۔

⑭ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الْعَصْرَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص نے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے صبح کی نماز کو پالیا اور جس نے آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کی نماز کو پالیا (یعنی اس کی نماز ضائع نہیں ہوگی لہٰذا اسے چاہئے کہ بقیہ رکعتیں پڑھ کر نماز پوری کر لے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص عصر کی نماز بالکل آخری وقت میں پڑھنے کھڑا ہوا، ابھی اس نے ایک ہی رکعت نماز پڑھ پائی تھی۔ کہ سورج ڈوب گیا اسی طرح ایک شخص فجر کی نماز بالکل آخری وقت میں پڑھنے کھڑا ہو کہ ایک رکعت پڑھنے کے بعد سورج نکل آیا تو اس حدیث کی رو سے دونوں کی نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔

مگر اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک اس حدیث کے مطابق آفتاب کے طلوع و غروب کی بناء پر فجر، عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز میں تو یہ شکل صحیح ہے کہ غروب آفتاب کی بناء پر عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی لیکن فجر کے بارے میں معاملہ بالکل مختلف ہوگا بایں طور کہ طلوع آفتاب کے بعد فجر کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس طرح یہ حدیث چونکہ حضرت امام اعظمؒ کے خلاف ہوگی اس لئے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث اور ان احادیث میں

جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت نماز خواہ نفل ہوں یا فرض پڑھنا ممنوع ہے۔ تعارض واقع ہو رہا ہے اس لئے ہم نے اصول فقہ کے اس قاعدہ کے مطابق کہ جب دو آیتوں میں تعارض واقع ہو تو حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس کا سہارا لینا چاہئے، قیاس پر عمل کیا ہے چنانچہ قیاس نے اس حدیث کے حکم کو تو نماز عصر میں ترجیح دی اور احادیث نہی کو فجر کی نماز میں ترجیح دی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فجر میں طلوع آفتاب تک پورا وقت کامل ہوتا ہے۔ لہٰذا طلوع آفتاب سے پہلے پہلے جب نماز شروع کی جاتی ہے تو وہ اسی صفت کمال کے ساتھ واجب ہوتی ہے جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جس طرح ابتداء صفت کمال سے ہوئی ہے اسی طرح اختتام بھی صفت کمال کے ساتھ یعنی وقت کے اندر اندر ہو۔ مگر جب ایک رکعت کے بعد آفتاب طلوع ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے نماز میں نقصان پیدا ہو گیا لہٰذا یہ نماز جس طرح صفت کمال کے ساتھ واجب ہوئی تھی اس طرح اداء نہیں ہوئی اور جب صفت کمال کے ساتھ ادا نہیں ہوئی تو گویا پوری نماز باطل ہو گئی۔

اس کے برعکس عصر میں دوسری شکل ہے وہ یہ کہ عصر میں غروب آفتاب تک پورا وقت کامل نہیں ہوتا یعنی جب تک کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے اس وقت تک تو وقت مختار یا وقت کامل رہتا ہے مگر آفتاب کے زرد ہو جانے کے بعد آخر میں وقت مکروہ ہو جاتا ہے لہٰذا عصر کی نماز جب بالکل وقت آخر یعنی ناقص میں شروع کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی ابتداء چونکہ وقت ناقص میں ہوئی اس لئے اس کا وجوب بھی صفت نقصان کے ساتھ ہو لہٰذا اس کا اختتام جب غروب آفتاب پر ہوگا تو کہا جائے گا کہ غروب آفتاب سے نماز میں نقصان پیدا ہو جانے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔ کیونکہ جس طرح اس کی ابتداء وقت ناقص میں ہوئی تھی اسی طرح اس کی انتہاء بھی وقت ناقص میں ہوئی گویا جس صفت کے ساتھ نماز واجب ہوتی تھی اسی صفت کے ساتھ یعنی ناقص اداء ہوئی۔

جن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے ان کے بارے میں حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق نوافل کے ساتھ ہے یعنی اگر کوئی شخص ان تینوں اوقات میں نفل نماز پڑھنا چاہئے تو اس کے لئے یہ جائز نہ ہوگا البتہ فرض نمازیں ان تینوں اوقات میں بھی جائز ہوں گی لیکن حدیث کے الفاظ امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید نہیں کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں فرض و نفل کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے بلکہ عمومی طور پر تمام نمازوں کے بارے میں کہا گیا ہے۔ لہٰذا اگر اس بارے میں کسی نماز کی تخصیص کی جاتی ہے تو یہی کہنا پڑے گا کہ یہ حدیث کے ظاہری منشاء اور مفہوم کے سراسر خلاف ہے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے طلوع آفتاب سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت پالی تو بے شک اس نے نماز کا وقت پالیا اگرچہ وہ وقت نماز کے مناسب نہیں تھا لیکن پھر وہ وقت نماز کے مناسب اس لئے ہو گیا کہ ایک رکعت کی مقدار وقت، بہر حال باقی رہا تھا لہٰذا وہ نماز اس شخص کے لئے لازم ہو گی۔

⑮ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَدْرَكَ اَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلٰوتَهٗ وَاِذَا اَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهٗ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اگر تم میں سے کوئی شخص آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز کی ایک رکعت پالے تو اسے نماز پوری کر لینی چاہئے اور اگر آفتاب نکلنے سے پہلے فجر کی نماز کی ایک رکعت پائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز پوری پڑھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز پوری پڑھے۔ حنفیہ تو اس جملہ کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی نماز کا اعادہ کرے یعنی اس کی قضاء پڑھے اور شوافع کے نزدیک وہی معنی ہیں جو اس سے پہلی حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں۔

⑯ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً اَوْنَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُّصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا كَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا ذٰلِكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جو شخص نماز پڑھنی بھول جائے یا نماز کے وقت (غافل) سو جائے (اور وہ نماز رہ جائے) تو اس کا بدل یہی ہے کہ جس وقت یاد آئے پڑھ لے، اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس نماز کے پڑھ لینے کے سوا اس کا اور کوئی بدل نہیں ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اگر کوئی شخص نماز پڑھنی بھول جائے یا نماز کے وقت ایسا غافل سو جائے کہ نماز کا وقت نکل جائے اور نماز نہ پڑھ سکے تو اس کا کفارہ صرف یہی ہے کہ اسے جب بھی یاد آجائے یا جب بھی سو کر اٹھے نماز قضاء پڑھ لے۔ یہ نہیں کہ جس طرح بغیر عذر کے رمضان کے روزے چھوڑنے کا کفارہ صدقہ وغیرہ ہوتا ہے نماز کے ترک کرنے پر بھی کفارہ کے طور پر کئی نمازیں پڑھنی پڑیں گی یا صدقہ وغیرہ دینا ہوگا۔ ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو نماز پڑھنے سے رہ گئی ہو وہ جب بھی یاد آئے اس کے پڑھنے میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔

(۱۷) وَعَنْ اَبِی قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ اِنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِي الْيَقْظَةِ فَاِذَا نَسِيَ اَحَدُكُمْ صَلَاةً اَوْنَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ وَاَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِیْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، سوتے میں نماز کا رہ جانا قصور میں شمار نہیں بلکہ قصور تو جاگتے میں (شمار) ہوتا ہے (کہ وہ اس طرح سویا) لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے سے رہ جائے یا نماز کے وقت غافل سو جائے تو جس وقت بھی یاد آئے پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واقم الصلوۃ لذکری (اور مجھے یاد کرنے کے وقت نماز پڑھ لیا کرو)۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز سے پہلے غافل ہو کر سو جائے تو اس حالت میں نماز کی تاخیر کے قصور کی نسبت سونے والے کی طرف نہیں ہوتی کیونکہ وہ سونے کی حالت میں مکلّف نہیں ہے بلکہ مجبور ہے البتہ اس کی طرف قصور کی نسبت جاگنے کی حالت میں ہوگی کہ اس نے ایسا طریقہ کیوں اختیار کیا جس کی وجہ سے وہ نماز پڑھے بغیر سو گیا مثلاً وقت سے پہلے سو گیا تو اس میں اس کی خطا ہے ایسے ہی اس نے ایسے کام کئے جو نیند کا سبب ہیں مثلاً لیٹ گیا یا شطرنج کے کھیل یا ایسے دوسرے کاموں میں مشغول رہا جو نسیان و بھول کا باعث ہوتے ہیں تو اس میں اس کا قصور ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ نماز کا یاد کرنا بمنزلہ خدا کے یاد کرنے کے ہے اس لئے نماز یاد کرنے کو خدا نے اپنا یاد کرنا قرار دے کر فرمایا کہ جب مجھے یاد کرو یعنی نماز جب تمہیں یاد آئے کہ وہ میرے یاد کرنے کا سبب ہے تو پڑھ لیا کرو۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ لذکری کے معنی یہ ہیں کہ میں جب تمہیں نماز یاد دلادوں اس وقت نماز پڑھ لیا کرو تمہارا کچھ قصور نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۱۸) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَّا تُؤَخِّرْهَا اَلصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَّ لَهَا كُفُوًا۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، علی! تین باتوں کے کرنے میں دیر نہ کیا کرنا۔ ایک تو نماز ادا کرنے میں جب کہ وقت ہو جائے، دوسرے جنازہ میں جب تیار ہو جائے اور تیسرے بے خاوند عورت کے نکاح میں جب کہ اس کا کفو (یعنی ہم قوم مرد) مل جائے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: لسان نبوت سے حضرت علیؓ کو تین کاموں میں تاخیر نہ کرنے کی نصیحت فرمائی جا رہی ہے۔ پہلے تو نماز کے بارے میں فرمایا کہ جب نماز کا وقت مختار ہو جائے تو اس میں تاخیر نہ کرنا چاہئے بلکہ سب سے پہلے نماز پڑھو اس کے بعد کوئی دوسرا کام کرو۔

دوسرے نمبر پر جنازہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ جس وقت جنازہ تیار ہو جائے تو اس کی نماز اور اس تدفین میں قطعا تاخیر نہ کرنی چاہئے۔ علامہ اشرفؒ کا قول علامہ طیبی شافعیؒ نقل کرتے ہیں کہ، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جنازہ کی نماز اوقات مکروہہ (یعنی آفتاب نکلنے ڈوبنے کے وقت اور نصف النہار کے وقت) میں پڑھنی مکروہ نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ صورت ہو کہ جنازہ ان اوقات سے پہلے آجائے تو پھر ان اوقات میں نماز پڑھنی مکروہ ہوگی۔ یہی سجدۂ تلاوت کا حکم ہے۔ بہرحال ان تینوں اوقات مکروہہ کے علاوہ تمام اوقات میں حتی کہ فجر کی نماز سے پہلے و بعد میں اور عصر کی نماز کے بعد بھی یہ دونوں چیزیں یعنی نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت مطلقاً مکروہ نہیں ہیں۔

تیسری چیز آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ بے خاوند عورت کا کفو یعنی ہم قوم مرد جب بھی مل جائے اس کے نکاح میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔

ایم بے خاوند عورت کو کہتے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا مطلقہ بیوہ ہو مگر علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "ایم" اس کو کہتے ہیں جس کا زوج (یعنی جوڑہ) نہ ہو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور عورت خواہ ثیب[1] ہو یا باکرہ!۔

"کفو" کا مطلب یہ ہے کہ مرد ان جملہ اوصاف میں عورت کے ہم پلہ و برابر ہو۔ ① نسب۔ ② اسلام۔ ③ حریت۔ ④ دیانت۔ ⑤ مال۔ ⑥ پیشہ۔

اس موقعہ پر حدیث کی مناسبت سے ایک تکلیف دہ صورت حال کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلادینا ضروری ہے۔ آج کل یہ عام رواج سا ہوتا جارہا ہے کہ لڑکیوں کی شادی میں بہت تاخیر کی جاتی ہے اکثر تاخیر تو تہذیب جدید کی اتباع اور رسم و رواج کی پابندی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ چیز نہ صرف یہ کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے حکم و فرمان کے سراسر خلاف ہے لڑکیوں کی فطرت اور ان کے جذبات کا گلا گھونٹ کر ان پر ظلم کے مترادف بھی ہے چنانچہ اس کے نتائج آج کل جس انداز سے سامنے آرہے ہیں اسے ہر شخص جانتا ہے کہ زنا کی لعنت عام ہوگئی ہے، بے حیائی و بے غیرتی کا دور دورہ ہے اور اخلاق و کردار انتہائی پستیوں میں گرتے جارہے ہیں۔

پھر نہ صرف یہ کہ کنواری لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کی جاتی ہے بلکہ اگر کوئی عورت شوہر کے انتقال یا طلاق کی وجہ سے بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کے دوبارہ نکاح کو انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے اس طرح اس بے چاری کے تمام جذبات و خواہشات کو فنا کے گھاٹ اتار کر اس کی پوری زندگی کو حرمان و یاس، رنج و الم اور حسرت و بے کیفی کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔

یہ تو تقریباً سب ہی جانتے ہیں کہ تمام اہل سُنّت و الجماعت کا متفقہ طور پر یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص کسی معمولی سی سُنّت کا بھی انکار کرے یا اس کی تحقیر کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور یہ بھی لوگ جانتے ہی ہیں کہ عورت کا نکاح کرنا پیغمبر اسلام ﷺ کی وہ عظیم و مشہور سُنّت ہے جس کی تاکید بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن۔ افسوس ہے کہ مسلمان جو اسلام کا دعوی کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے محبت کا اقرار کرتے ہیں مگر آنحضرت ﷺ کی اس سُنّت پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے کا کوئی جذبہ نہیں رکھتے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ کوئی شخص تو اپنی مجبوریوں کی آڑ لے کر لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کرتا ہے، کوئی تہذیب جدید اور فیشن کا دلدادہ ہو کر اس سعادت سے محروم رہتا ہے اور کوئی شخص طعن و تشنیع کے خوف سے بیوہ کی شادی کرنے سے معذور بنتا ہے گویا وہ لوگوں کے طعن و تشنیع کو آنحضرت ﷺ کے حکم اور آپ ﷺ کی سُنّت پر ترجیح دیتا ہے حالانکہ دانش مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کے اس طعن و تشنیع کو اپنے لئے باعث سعادت اور قابل فخر جانے کہ انبیاء علیہم السلام اور خدا کے نیک بندوں کے اچھے کاموں پر ہمیشہ ہی لوگوں نے طعن و تشنیع کی ہے مگر ان لوگوں نے خدا کے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری اور نیک کاموں میں کبھی کوتاہی یا قصور نہیں کیا۔

اس موقعہ پر ایک بزرگ کی دلچسپ حکایت سن لیجئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بزرگ نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے ایک مرید سے جو اس لڑکی

---

[1] وہ عورت جس کا نکاح ہوا، مگر یا تو خاوند مر گیا یا خاوند نے طلاق دے دی ہو۔

کے مناسب و لائق تھا کر دیا اور اس کی خبر کو کسی نہ کسی طرح اپنی بیوی سے بھی پوشیدہ رکھا۔ بعد میں جب ان کی بیوی کو یہ معلوم ہوا تو جزبز ہوئی اور ان سے کہنے لگی کہ، آپ نے اس کا بھی خیال کیا کہ آپ کے اس طرز عمل سے آپ کی ناک کٹ گئی، اور پھر جیسا کہ ان ناقص العقل والدین عورتوں کی عادت ہے ان بے چارے بزرگ کو لاکھ صلواتیں سنائیں۔ وہ بزرگ یہ سمجھ کر کہ عورتوں کے منہ لگنا خواہ مخواہ اپنی عقل خراب کرنا ہے۔ خاموش ہو گئے پھر باہر آکر انہوں نے مریدوں سے پوچھا کہ کیوں بھائیو میرے منہ پر ناک بھی ہے یا نہیں؟ انہوں نے تعجب سے کہا کہ ہاں کیوں نہیں ہے! وہ کہنے لگے کہ میری بیوی تو کہتی ہے کہ میری ناک کٹ گئی۔

اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ آدمی کو چاہئے کہ نیک کام کرنے میں کسی طعن و تشنیع کا خیال نہ کرے کیونکہ حقیقت میں جو بات بری نہیں ہوتی وہ کسی کے کہہ دینے سے بری نہیں ہو جاتی اور نہ اس کام کو کرنے والے کی ذات و شخصیت کو کوئی بٹہ لگتا ہے۔

حضرت مولانا الشاہ عبدالقادرؒ نے آیت وانکحوا الایامی کے ضمن میں اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا، علی! تین کاموں میں دیر نہ کرو۔ ① فرض نماز کی ادائیگی میں جب کہ اس کا وقت ہو جائے۔ ② جنازہ میں جب کہ موجود ہو۔ ③ بیوہ عورت (کے نکاح میں) جب کہ اس کی ذات (و مرتبہ) کا مرد مل جائے۔ جو شخص (بیوہ کو) دوسرا خاوند کرنے میں عیب لگائے (تو سمجھو کہ) اس کا ایمان سلامت نہیں ہے اور جو لونڈی و غلام نیک ہوں (یعنی شادی کر دینے کے بعد ان کے مفرور ہو جانے کا خوف نہ ہو اور تمہیں اعتماد ہو کہ یہ نیک بخت ہیں شادی کے بعد ہمارا کام نہیں چھوڑیں گے) تو ان کا بھی نکاح کر دو۔

⑲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ وَالْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، نماز کو اوّل وقت ادا کرنا خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہے اور آخر وقت میں ادا کرنا خدا کی معافی کا سبب ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اول وقت سے مراد اوّل وقت مختار ہے اور اس کی قید لگانے کی ضرورت یوں ہوئی کہ حنفیہ کے نزدیک بعض نمازوں میں تاخیر کی جاتی ہے جیسے فجر کی نماز کو اور گرمی میں ظہر کی نماز کو تاخیر کر کے پڑھنا ہی مستحب ہے لہٰذا یہ نمازیں مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کا اوّل وقت مختار نہیں ہے بلکہ ان میں تاخیر ہی مختار ہے۔

"آخر وقت" سے مراد وقت مکروہ ہے مثلاً عصر کی نماز میں سورج کا متغیر ہو جانا یا عشاء کی نماز میں وقت کا آدھی رات سے زیادہ گزر جانا۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آخر وقت میں نماز کی فرضیت تو بہر حال ادا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس وقت نماز پڑھنے والا ترک نماز کے گناہ سے تو بچ ہی جاتا ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔

⑳ وَعَنْ اُمِّ فَرْوَةَ قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلَاةُ لِاَوَّلِ وَقْتِهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يُرْوَى الْحَدِيْثُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ الْعُمَرِيِّ وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ۔

"اور حضرت اُمّ فروہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ (ثواب کی زیادتی کے اعتبار سے) کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اس کے اوّل وقت میں پڑھنا۔ (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ) اور حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف حضرت عبداللہ ابن عمر عمری سے روایت کی جاتی ہے۔ اور وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بعد افضل ترین عمل یہی ہے کہ نماز کو اس کے اوّل وقت میں جماعت کے ساتھ پڑھا جائے۔ کتاب الصلوٰۃ کی حدیث نمبر پانچ کی تشریح کے ضمن میں بتایا جا چکا ہے کہ افضل اعمال کے سلسلہ میں بہت زیادہ حدیثیں وارد ہیں۔ جن میں مختلف

اعمال کو افضل کہا گیا ہے۔ وہاں اس کی بھی وضاحت کر دی گئی تھی کہ جن جن اعمال کو افضل کہا گیا ہے وہ اپنے اپنے موقع و مناسبت کی بناء پر یقیناً افضل ہیں۔

چنانچہ یہاں پھر سمجھ لیجئے کہ دوسری احادیث میں جن اعمال کو افضل کہا گیا ہے وہاں افضلیت اضافی مراد ہے یعنی بعض اعمال بعض حیثیت سے افضل ہیں اور بعض اعمال کو دوسری وجوہ اور حیثیت سے دوسرے اعمال پر فضیلت حاصل ہے لیکن نماز علی الاطلاق یعنی بہمہ وجوہ ایمان کے بعد تمام اعمال سے افضل و اشرف ہے۔

ترمذیؒ نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے راوی صرف ایک یعنی عبداللہ ابن عمر عمری ہیں اور وہ بھی محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔ عبداللہ ابن عمر عمری کے بارے میں غالباً پہلے بھی کسی حدیث کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ حضرت عمر فاروقؓ کے خاندان سے ہیں اس لئے انہیں عمری کہا جاتا ہے ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے عبداللہ ابن عمر ابن حفص ابن عاصم ابن عمر فاروقؓ۔

بہرحال ترمذیؒ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث مرتبۂ صحت کو نہیں پہنچتی حالانکہ دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲۱) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ مَاصَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کوئی نماز آخر وقت میں دو دفعہ بھی نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دے دی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نمازوں کو ان کے مختار اوقات میں پڑھا کرتے تھے۔ مکروہ اوقات میں نہیں پڑھتے تھے۔ صرف ایک مرتبہ بیان جواز کے لئے آپ ﷺ نے نماز آخر وقت میں پڑھی تھی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز کا آخری وقت یہ ہے اور وقت کے اس حصّہ تک نماز جائز ہو سکتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس نماز کو شمار نہیں کیا ہے جو آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ہمراہ آخر وقت میں پڑھی تھی کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام سے وقت معلوم کرنے کے لئے آخر وقت نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک سائل کو ایک دن اوّل وقت میں اور ایک دن آخر وقت میں پڑھ کر دکھائی تھی اسے بھی حضرت عائشہؓ نے شمار نہیں کیا ہے اس لئے کہ وہ تعلیم پر محمول ہے۔

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ اَوْ قَالَ عَلَی الْفِطْرَةِ مَالَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰی اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِیُّ عَنِ الْعَبَّاسِ۔

"اور حضرت ابوایوبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میری اُمت کے لوگ اگر مغرب کی نماز کو (اس قدر) دیر کر کے نہ پڑھا کریں کہ ستارے جگمگانے لگیں تو ہمیشہ بھلائی، یا فرمایا کہ، فطرت (یعنی اسلام کے طریقہ) پر رہیں گے، (ابوداؤدؒ) اور اس روایت کو دارمیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے وقت میں فقط ستارے نظر آجانے سے کراہت نہیں آتی البتہ ستارے گنجان ہو کر جگمگانے لگتے ہیں تو جب وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھی تھی اور وہ بھی بیان جواز کے لئے ورنہ تو آپ ﷺ ہمیشہ اوّل وقت ہی مغرب کی نماز ادا فرماتے تھے۔

(۲۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ یُؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ

اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ اَوْنِصْفِہٖ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر مجھے اپنی اُمت کے لوگوں کی تکلیف کا اندیشہ نہ ہوتا تو انہیں (وجوب کے طریقہ پر) یہ حکم دیتا کہ عشاء کی نماز کو تہائی رات تک یا آدھی رات تک تاخیر کر کے پڑھیں۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

(۲۴) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْتِمُوا بِھٰذِہِ الصَّلَاۃِ فَاِنَّکُمْ قَدْ فُضِّلْتُمْ بِھَا عَلٰی سَائِرِ الْاُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّھَا اُمَّۃٌ قَبْلَکُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت معاذ ابن جبلؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تم اس نماز (یعنی عشاء کی نماز) کو دیر کر کے پڑھا کرو کیونکہ تمہیں دوسری امتوں پر اس نماز کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے اور تم سے پہلے کسی اُمت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس سے پہلے باب المواقیت کی حدیث نمبر تین میں گزر چکا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو پانچوں وقت کی نماز پڑھائی اور کہا کہ ھذا وقت الانبیاء من قبلک اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام بھی عشاء کی نماز پڑھتے تھے مگر جو حدیث یہاں ذکر کی گئی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عشاء کی نماز صرف اسی اُمت پر فرض ہے پہلی امتوں پر فرض نہیں تھی۔ لہٰذا محدثین نے ان دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ پہلی امتوں میں عشاء کی نماز صرف پیغمبر ورسول ہی پڑھتے تھے۔ کیونکہ یہ نماز ان کی اُمت پر واجب نہیں تھی بلکہ انہیں پر واجب تھی جیسا کہ بعض علماء کے قول کے مطابق تہجد کی نماز آنحضرت ﷺ پر واجب تھی مگر آپ ﷺ کی اُمت پر واجب نہیں ہے اس لئے حضرت جبرئیل کے ارشاد ھذا وقت الانبیاء سے پہلی امتوں پر عشاء کا وجوب ثابت نہیں ہوا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ یہ نماز انبیاء ہی پڑھتے تھے اور اس کو حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ تم سے پہلے کسی اُمت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام بھی عشاء کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ یہ نماز پہلی امتوں کے لوگ نہیں پڑھتے تھے بلکہ یہ نماز اسی اُمت کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس طرح ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا۔

آخر میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ ھذا وقت الانبیاء من قبلك میں لفظ ھٰذَا سے فجر کے وقت اسفار کی طرف اشارہ ہے کہ بخلاف دوسرے اوقات کے اس میں تمام انبیاء شریک ہیں۔

(۲۵) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِوَقْتِ ھٰذِہِ الصَّلَاۃِ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَۃِ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْھَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَۃٍ۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت نعمان ابن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں اس نماز یعنی دوسری عشاء کے وقت کو خوب جانتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ اس نماز کو تیسری تاریخ کے چاند چھپنے کے وقت پڑھا کرتے تھے۔" (ابوداؤدؒ، دارمیؒ)

تشریح: تیسری تاریخ کی شب میں چاند رات کے تقریباً پانچویں حصہ میں غروب ہوتا ہے، اس طرح یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز تاخیر ہی سے پڑھنا مستحب ہے۔ عشاء کی نماز کو دوسری عشاء اس لئے کہا گیا ہے کہ بسا اوقات مغرب کو بھی عشاء کہا جاتا ہے اس اعتبار سے یہ دوسری عشاء ہوئی۔

(۲۶) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّہٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ وَلَیْسَ عِنْدَ النَّسَائِی فَاِنَّہٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ۔

"اور حضرت رافع ابن خدیجؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، فجر کی نماز اجالے میں پڑھو کیونکہ اجالے میں نماز پڑھنے سے بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے اور نسائی کی روایت میں یہ الفاظ فانه اعظم للاجر (یعنی اجالے میں نماز پڑھنے سے بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے)۔ نہیں ہیں۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ، نسائیؒ)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز اسفار (اجالے) میں شروع کرنی چاہئے چنانچہ حنفیہ کا ظاہری مسلک یہی ہے کہ فجر کی نماز کی ابتداء و اختتام دونوں ہی اسفار میں ہوں۔

مگر حضرت امام طحاویؒ جو حنفی مسلک کے ایک جلیل القدر امام ہیں، فرماتے ہیں کہ ابتداء تو غلس (اندھیرے) میں ہونی چاہئے اور اختتام اسفار میں، اور اس کا طریقہ یہ ہو کہ قرأت اتنی طویل کی جائے کہ پڑھتے پڑھتے اجالا پھیل جائے۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ امام طحاویؒ کی یہ تاویل اولیٰ اور احسن ہے کیونکہ اس طرح ان تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں سے بعض تو غلس میں نماز پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنا افضل ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔

ان احادیث میں ایک دوسری تطبیق کی وجہ خود ایک حدیث بھی ہے جو شرح السنہ میں منقول ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں موسم کا اعتبار ہوگا یعنی جاڑے کے موسم میں تو غلس میں نماز پڑھنا بہتر ہوگا اور گرمی کے موسم میں اسفار کرنا بہتر ہوگا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ مُعَاذٌ بَعَثَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اِذَا كَانَ فِي الشِّتَاءِ فَغَلِّسْ بِالْفَجْرِ وَاَطِلِ الْقِرَاءَةَ قَدْرَ مَا يُطِيْقُ النَّاسُ وَلَا تُمِلَّهُمْ وَاِذَا كَانَ فِي الصَّيْفِ فَاَسْفِرْ بِالْفَجْرِ فَاِنَّ اللَّيْلَ قَصِيْرٌ وَالنَّاسُ نِيَامٌ فَاَمْهِلْهُمْ حَتّٰى اَدْرَكُوْا يَعْنِي الصَّلٰوةَ۔

"حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے یمن بھیجا تو یہ (بھی) فرمایا کہ جب سردی کا موسم ہو تو فجر کی نماز غلس (اندھیرے) میں پڑھنا اور قرأت طویل کرنا (مگر اتنی کہ) لوگوں پر بھاری نہ ہو کہ وہ تنگ ہو جائیں اور جب گرمی کا موسم ہو تو فجر کی نماز اسفار (اجالے) سے پڑھنا کیونکہ (گرمی میں) رات چھوٹی ہونے کی وجہ سے لوگ سوئے رہتے ہیں اس لئے انہیں اتنا موقع دو کہ وہ نماز میں شریک ہو سکیں۔"

بہرحال علماء حنفیہ کے نزدیک اسفار کی حد یہ ہے کہ طلوع آفتاب تک اتنا وقت رہے کہ اس میں قرأت مسنون (جو چالیس سے ساٹھ یا سو آیتوں تک ہے) ترتیل کے ساتھ پڑھی جا سکے۔ اور نماز کے بعد اگر طہارت میں کوئی خلل معلوم ہو تو طلوع آفتاب سے پہلے پہلے وضو اور مذکورہ بالا طریقہ پر نماز کا اعادہ ممکن ہو سکے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۲۷) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تُنْحَرُ الْجَزُوْرُ فَتُقْسَمُ عَشَرَ قِسَمٍ ثُمَّ تُطْبَخُ فَنَأْكُلُ لَحْمًا نَضِيْجًا قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت رافع ابن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ عصر کی نماز پڑھ کر اونٹوں کو ذبح کیا کرتے تھے اور پھر وہ دس حصوں پر تقسیم کیا جاتا، اس کے بعد اسے پکایا جاتا اور پھر ہم سورج چھپنے سے پہلے اس پکے ہوئے گوشت کو کھا کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: بظاہر اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عصر کی نماز جلدی یعنی ایک مثل سایہ پہنچنے کے وقت یا اس کے تھوڑی دیر کے بعد پڑھی جاتی ہوگی جیسا کہ آئمہ ثلثہ اور صاحبین کا مسلک ہے اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام اعظمؒ کا بھی یہی مسلک ہے اور بعض حضرات نے فتویٰ بھی اسی روایت پر دیا ہے مگر حضرت امام اعظمؒ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ عصر کا وقت دو مثل سایہ کے بعد ہوتا ہے چنانچہ ان کی طرف سے اس حدیث کی یہ تاویل کی جائے گی کہ ہو سکتا ہے کہ گرمیوں میں ایسا ہوتا ہو کیونکہ اس وقت دن بڑا ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابن ہمامؒ نے ہدایہ کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر عصر کی نماز سورج کے متغیر ہونے سے پہلے پڑھی جائے تو غروب آفتاب تک بقیہ وقت میں

حدیث میں مذکور جیسا عمل بڑی آسانی سے کیا جاسکتا ہے چنانچہ جن لوگوں نے امراء و حکام کے ہمراہ کھانا پکانے والے ماہرین کو سفر میں کھانا پکاتے ہوئے دیکھا ہوگا وہ اسے بعید نہیں جانیں گے۔

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَخَرَجَ اِلَيْنَا حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ اَوْبَعْدَهُ فَلَا نَدْرِيْ اَشَيْءٌ شَغَلَهُ فِيْ اَهْلِهٖ اَوْغَيْرُ ذٰلِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ لَتَنْتَظِرُوْنَ صَلَاةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْ لَا اَنْ يَثْقُلَ عَلٰى اُمَّتِيْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم عشاء کی نماز کے لئے بہت دیر تک بیٹھے ہوئے نبی کریم ﷺ کا انتظار دیکھتے رہے۔ آنحضرت ﷺ تہائی یا اس سے بھی زیادہ رات جانے کے بعد تشریف لائے اور ہمیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ گھر کے کام میں مشغول رہے تھے (کہ عادت کے مطابق سویرے نماز پڑھنے تشریف نہیں لائے) یا اس کے علاوہ (آپ ﷺ کی ذات اقدس کو کوئی عذر پیش آگیا تھا) آنحضور ﷺ نے آکر فرمایا، تم لوگ نماز کا انتظار کر رہے تھے (اور تمہارے لئے یہ مناسب بھی تھا کیونکہ) نماز کا انتظار تو تم ہی لوگ کیا کرتے ہو۔ تمہارے سوا کسی اور دین والوں نے نماز کا انتظار نہیں کیا۔ اور اگر مجھے اپنی اُمت پر گراں گزرنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس نماز کو ہمیشہ اسی وقت پڑھا کرتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مؤذن کو (تکبیر کا) حکم دیا اس نے تکبیر کہی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہارے سوا کسی بھی دین کے لوگ یعنی یہود و نصاری عشاء کی نماز کا انتظار نہیں کرتے ہیں کیونکہ یہ نماز تو صرف اسی اُمت کے ساتھ مخصوص فرمائی گئی ہے اور کسی اُمت کو نصیب نہیں ہوئی ہے لہٰذا تم اس وقت جب کہ آرام کرنے کا وقت ہے اپنے نفس پر قابو پاکر اور مشقت اٹھا کر نماز کا جتنا زیادہ انتظار کرو گے اتنا ہی زیادہ ثواب پاؤ گے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عشاء کی نماز تہائی رات کے وقت پڑھنا افضل ہے جیسا کہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک ہے مگر جہاں تک آنحضرت ﷺ کے عمل کا تعلق ہے تو یہ بھی ثابت ہے کہ جب صحابہ کی جماعت کا اکثر حصہ اوّل وقت جمع ہو جاتا تھا تو آپ ﷺ اوّل وقت ہی نماز پڑھ لیتے تھے اور جو حضرات تاخیر سے جمع ہوتے تھے وہ دیر میں پڑھتے تھے چنانچہ حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ جو نمازی اوّل وقت جمع ہو جائیں وہ اوّل وقت نماز پڑھ لیں اور جو نمازی تاخیر سے جمع ہوں وہ دیر کر کے پڑھیں۔

(۲۹) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ نَحْواً مِنْ صَلَاتِكُمْ وَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَتَمَةَ بَعْدَ صَلَاتِكُمْ شَيْئًا وَكَانَ يُخَفِّفُ الصَّلَاةَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ نبی کریم ﷺ تمہاری نمازوں کے قریب قریب (اوقات میں) نماز پڑھا کرتے تھے مگر عشاء کی نماز تمہاری نماز سے کچھ دیر کر کے پڑھتے تھے اور سبک نماز پڑھتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: نہی کے باوجود حضرت جابرؓ نے عشاء کو عتمہ اس لئے کہا ہے کہ شاید اس وقت تک ان کو نہی کا حکم معلوم نہیں ہوا ہو گا یا پھر یہ نام چونکہ اہل عرب میں پہلے سے جانا پہچانا جاتا تھا اس لئے انہوں نے یہ سوچ کر کہ اس نام سے لوگ اس نماز کو اچھی طرح پہنچان لیں گے عتمہ ہی کہا۔

بہر حال یہ حدیث بھی اس بات پر بصراحت دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنا ہی افضل و مستحب ہے۔ "سبک نماز پڑھنے" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے مگر علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں اس وقت پڑھتے تھے جب کہ امامت فرماتے اور ضعیف و کمزور لوگوں کی رعایت مد نظر ہوتی۔ اور ویسے بھی یہ بات باعتبار اکثر کے

فرمائی گئی ہے کیونکہ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے مغرب کی دونوں رکعتوں میں سورۂ اعراف بھی پڑھی ہے۔ اور میں تو کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کا اتنی بڑی بڑی سورتیں پڑھنا بھی لوگوں پر گراں نہیں گزرتا تھا۔ یعنی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے میں صحابہؓ کو ایسا کیف و سرور محسوس ہوتا تھا کہ طویل قرأت بھی انہیں ہلکی ہی معلوم ہوتی تھی اور ازراہ شوق طول قرأت میں زیادتی کے طالب رہتے تھے اس کے برخلاف دوسرے لوگوں کی امامت میں یہ بات حاصل ہونا مشکل ہے۔

(۳۰) وَعَنْ اَبِی سَعِیْدٍ قَالَ صَلَّیْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃَ الْعَتَمَۃِ فَلَمْ یَخْرُجْ حَتّٰی مَضٰی نَحْوٌ مِنْ شَطْرِ اللَّیْلِ فَقَالَ خُذُوْا مَقَاعِدَکُمْ فَاَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ اِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَاَخَذُوْا مَضَاجِعَھُمْ وَاِنَّکُمْ لَنْ تَزَالُوْا فِیْ صَلٰوۃٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَلَوْلَا ضَعْفُ الضَّعِیْفِ وَسَقَمُ السَّقِیْمِ لَاَخَّرْتُ ھٰذِہِ الصَّلٰوۃَ اِلٰی شَطْرِ اللَّیْلِ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جماعت سے نماز پڑھنے گئے۔ (اتفاق سے اس روز) آنحضرت ﷺ آدھی رات کے قریب تک تشریف نہ لائے (بعد ازاں آکر ہم سے) ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا، چنانچہ ہم اپنی جگہوں (سے اٹھے نہیں بلکہ وہیں) پر بیٹھے رہے (اس کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا، دوسرے لوگوں نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے بستر سنبھال لئے ہیں اور (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) جب تک تم نماز کی انتظار میں رہو گے تمہارا یہ سارا وقت نماز ہی میں شمار کیا جائے گا (یعنی تمہیں اس انتظار کی وجہ سے برابر نماز پڑھنے کا ثواب ملتا رہے گا) اور اگر مجھے ضعیفوں کی کمزوری اور بیماروں کی بیماری کا خیال نہ ہوتا تو میں ہمیشہ یہ نماز آدھی رات تک دیر کر کے پڑھا کرتا۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: جیسا کہ پہلے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گزر چکا ہے کہ (مسلمانوں کے علاوہ) کسی بھی دوسرے دین کے لوگ عشاء کی نماز کا انتظار نہیں کرتے، لہٰذا اس ارشاد کی روشنی میں حدیث کے الفاظ دوسرے لوگوں نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے بستر سنبھال لئے ہیں، کی تشریح یہ کی جائے گی کہ دوسرے دین کے لوگ مثلاً یہود و نصاری تو شام کی نماز پڑھ کر یا اپنے مذہب کے مطابق عبادت کر کے اپنے اپنے بستروں پر جا کر نیند کی آغوش میں پہنچ گئے ہیں مگر چونکہ تمہارے نصیب میں اس نماز کی سعادت و فضیلت لکھی ہوئی ہے۔ اس لئے تم اب اس سعادت و فضیلت کی تکمیل کی خاطر نماز کی انتظار میں بیٹھے ہوئے ہو۔ اور چونکہ تم اپنا آرام اپنی نیند اور اپنا چین سب اپنے پروردگار کی عبادت کے انتظار میں لٹا چکے ہو اس لئے تمہارا پروردگار بھی اس محنت و مشقت کا صلہ اس طرح تمہیں دے گا کہ تمہارے اس انتظار کے ایک ایک لمحہ کو سراپا عبادت و باعث سعادت بنا دے گا بایں طور پر کہ تمہارا یہ جتنا وقت انتظار میں گزرا ہے یا جتنا وقت گزرے گا تو سمجھو کہ وہ نماز ہی میں گزرا ہے یا گزرے گا یعنی جتنا ثواب نماز پڑھنے کا ملتا ہے اتنا ہی ثواب اس انتظار کا بھی ملے گا۔

یا پھر اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ دوسرے محلوں کے مسلمان جو اس مسجد میں حاضر نہیں ہیں عشاء کی نماز پڑھ کر سو رہے ہیں اور تم لوگ اب تک نماز عشاء کی انتظار میں یہاں بیٹھے ہو اس طرح ان مسلمانوں کے مقابلہ میں تم زیادہ ثواب و فضیلت کے حقدار بنو گے، یہی معنی مابعد کے الفاظ وانکم لن تزالوا الخ کے زیادہ قریب اور مناسب ہیں۔

بہرحال۔ یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز میں آدھی رات تک تاخیر جائز ہے بلکہ عبادت کے سلسلہ میں زیادہ محنت و مشقت اٹھانے کی وجہ سے مستحب اور افضل ہے۔

(۳۱) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ تَعْجِیْلًا لِلظُّھْرِ مِنْکُمْ وَاَنْتُمْ اَشَدُّ تَعْجِیْلًا لِلْعَصْرِ مِنْہُ۔ (رواہ احمد والترمذی)

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز (گرمی کے علاوہ دوسرے موسموں میں) تم سے بہت زیادہ جلدی پڑھتے تھے اور تم عصر کی نماز پڑھنے میں آنحضرت ﷺ سے زیادہ جلدی کرتے ہو۔" (احمدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: حضرت اُمِّ سلمہؓ کا مقصد اتباع سُنّت پر لوگوں کو رغبت دلانا اور متوجہ کرنا ہے کہ ہر جگہ اور ہر موقع پر آنحضرت ﷺ کی اتباع کرنے میں ہی بھلائی و سعادت ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عصر کی نماز میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ جیساکہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک ہے۔

(۳۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَاِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (ظہر کی) نماز گرمی کے موسم میں ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے اور سردی کے موسم میں جلدی پڑھ لیتے تھے۔" (نسائیؒ)

تشریح: ظہر کے وقت کے سلسلہ میں احادیث میں جو تعارض ہے کہ بعض حدیثوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز تاخیر کر کے پڑھتے تھے اور بعض حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلدی پڑھ لیتے تھے۔ اس حدیث سے یہ تعارض ختم ہو جاتا ہے بایں طور کہ گرمی کے موسم میں تو آپ ﷺ ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھا کرتے تھے اور سردی کے موسم میں جلدی پڑھتے تھے۔

(۳۳) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ عَلَيْكُمْ بَعْدِيْ اُمَرَاءُ يَشْغَلُهُمْ اَشْيَاءُ عَنِ الصَّلَاةِ لِوَقْتِهَا حَتّٰى يَذْهَبَ وَقْتُهَا فَصَلُّوا الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُصَلِّيْ مَعَهُمْ قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے بعد عنقریب تم پر ایسے (لوگ) حاکم ہوں گے جنہیں دنیا کی چیزیں (یعنی خواہشات نفسانی) وقت (مستحب) پر نماز پڑھنے سے باز رکھیں گی، یہاں تک کہ نماز کا وقت نکل جائے گا (یعنی وقت کراہت آجائے گا) لہٰذا تم اپنی نمازیں وقت پر پڑھتے رہنا (خواہ تنہا ہی کیوں نہ پڑھنی پڑے) ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا پھر (دوبارہ) ان کے ساتھ بھی نماز پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! (ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرنا تاکہ ثواب بھی زیادہ ملے اور احکام کی مخالفت کرنے کی وجہ سے فتنہ و فساد بھی پیدا نہ ہو)۔" (ابوداؤدؒ)

(۳۴) وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ مِنْ بَعْدِيْ يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلَاةَ فَهِيَ لَكُمْ وَهِيَ عَلَيْهِمْ فَصَلُّوْا مَعَهُمْ مَا صَلَّوْا الْقِبْلَةَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت قبیصہ ابن وقاصؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میرے بعد تم پر ایسے حاکم ہوں گے جو نماز (وقت مستحب سے) تاخیر کر کے پڑھیں گے اور وہ نماز تمہارے لئے تو فائدہ ہوگی اور ان کے لئے وبال ہوگی لہٰذا جب تک وہ قبلہ (یعنی کعبۃ اللہ) کی طرف نماز پڑھتے رہیں تم بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا۔" (ابوداؤد)

تشریح: "فائدہ" کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وقت مستحب کی فضیلت حاصل کرنے کی خاطر ان کی نماز سے پہلے نماز پڑھ لی۔ اور پھر اس کے بعد ان کے ساتھ بھی پڑھی تو یہ دوسری نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی جس کی وجہ سے تمہیں بہت زیادہ ثواب ملے گا اور اگر ان کی نماز سے پہلے نماز نہ پڑھی بلکہ ان ہی کے ہمراہ پڑھی تو اس کے لئے تم پر کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا کیونکہ ان کے ساتھ وقت مکروہ میں تمہارا نماز پڑھنا فتنہ کے خوف اور فساد کے دفعیہ کی غرض سے ہوگا۔

اسی طرح "وبال" کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز ان کے لئے مؤاخذہ کا باعث ہوگی کہ جب وہ وقت مختار میں نماز ادا کرنے پر قادر تھے تو وقت سے تاخیر کر کے غیر مطلوب وقت میں نماز کیوں پڑھی اور پھر یہ کہ امور دنیا نے انہیں امور عقبیٰ کی انجام دہی سے باز رکھا جو یقیناً کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں۔

(۳۵) وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى عُثْمَانَ وَهُوَ مَحْصُوْرٌ فَقَالَ اِنَّكَ اِمَامُ عَامَّةٍ وَنَزَلَ بِكَ مَا تَرٰى وَيُصَلِّيْ لَنَا اِمَامُ فِتْنَةٍ فَنَتَحَرَّجُ فَقَالَ الصَّلَاةُ اَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ فَاِذَا اَحْسَنَ النَّاسُ فَاَحْسِنْ مَعَهُمْ وَاِذَا اَسَاءُوْا فَاجْتَنِبْ اِسَاءَتَهُمْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبید اللہ ابن عدی ابن خیارؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب کہ وہ (اپنی شہادت سے پہلے بغاوت کے ایام میں اپنے مکان کے اندر) محصور تھے چنانچہ (عبید اللہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے) میں نے عرض کیا کہ آپ ہم سب کے امام (اور امیر) ہیں اور آپ پر جو کچھ (مصائب و پریشانیاں) نازل ہوئی ہیں وہ آپ بھی دیکھ رہے ہیں اور (ہمارا حال یہ ہے کہ) ہمیں فتنہ و فساد کا ایک امام نماز پڑھاتا ہے (جس کے پیچھے نماز پڑھنا) گناہ سمجھتے ہیں، (یہ سن کر) حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا کہ نماز پڑھنا لوگوں کے تمام اعمال سے بہتر و افضل ہے۔ لہٰذا جب لوگ نیکی و بھلائی کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیکی و بھلائی کرو اور اگر وہ برائی کریں تو تم ان کی برائیوں سے بچو۔" (بخاریؒ)

تشریح: "فتنہ و فساد کے امام" سے مراد باغیوں کا سردار ہے جس کا نام کنانہ ابن بشیر تھا۔ حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی نیکیوں میں تو شریک رہو یعنی اگر وہ نیک کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ مل کر وہی نیک کام کرو البتہ ان کی بدی میں شریک نہ رہو۔ اور نماز کا پڑھنا نیک ہی عمل ہے اس لئے باغیوں کے سردار کے پیچھے تم نماز پڑھ سکتے ہو اسے گناہ کی بات نہ سمجھو۔

حضرت عثمانؓ کے اس ارشاد سے ان کے عدل و انصاف اور ان کی حلم و بردباری کے عظیم وصف پر روشنی پڑتی ہے کہ انہوں نے ایک ایسے سخت موقعہ پر جب کہ باغیوں نے اپنے ظلم و ستم کی انتہا کرتے ہوئے انہیں مکان میں محصور کر رکھا تھا اور ان کے اوپر تکالیف و پریشانیوں کے پہاڑ توڑ رہے تھے تو انہوں نے اس وقت بھی ان کی نیکی اور بھلائی کو از راہ بغض و انتقام برائی سے تعبیر نہیں کیا بلکہ اسے اچھا ہی کہا۔ یہ ارشاد اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ہر نیک و بد شخص کے پیچھے نماز جائز ہو جاتی ہے جیسا کہ اہل سُنّت و الجماعت کا مسلک ہے۔

بَابُ فَضَائِلِ الصَّلٰوةِ
نماز کے فضائل کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

(۱) عَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَنْ يَلِجَ النَّارَ اَحَدٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عمارہؓ[1] ابن رویبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے سورج نکلنے اور چھپنے سے پہلے (دو نمازیں) یعنی فجر اور عصر کی پڑھیں تو وہ دوزخ میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان دونوں نمازوں کو پابندی سے پڑھتا ہے تو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ بظاہر تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص ان دونوں نمازوں پر مداومت کرے گا، وہ دوسری نمازوں کو چھوڑنے یا دوسرے گناہوں کے صدور کے

---

[1] حضرت عمیرہؓ رویبہ کے صاحبزادے اور قبیلہ بنی جشم بن ثقیف سے ہیں اور کوفی ہیں ۱۲۔

سبب دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا حالانکہ جمہور علماء کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ نمازیں صغیرہ گناہوں کا کفارہ تو ہو جاتی ہیں، کبیرہ گناہوں کا نہیں ہوتیں۔ چنانچہ علامہ طیبیؒ نے اس حدیث کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ صبح کا وقت عام طور پر آرام کا ہوتا ہے اسی طرح شام کا تجارت وغیرہ کی مشغولیت کا ہوتا ہے لہٰذا جو شخص ان دونوں موانع کے باوجود دونوں نمازوں کی محافظت کرتا ہے تو وہ بزبان حال اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ دوسرے اعمال میں بھی کمی زیادتی کرنے والا نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے) لہٰذا اس بناء پر وہ بخشش کی سعادت سے نوازا جائے گا اور دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

اور ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث سے ان دونوں نمازوں کی فضیلت و عظمت کے بیان میں مبالغہ مراد ہے کہ ان دونوں نمازوں کی فضیلت و عظمت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کی محافظت کرنے والا شخص دوزخ میں داخل نہ کیا جائے گا اور باوجودیکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر عمل پر جزاء و سزا کا ترتب کرتا ہے مگر وہ چاہے تو ان دونوں نمازوں کے ادا کرنے کے سبب وہ گناہ جو اس سے سرزد ہوئے ہوں بخش سکتا ہے

④ وَعَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جو شخص ٹھنڈے وقت کی دونوں نمازیں (یعنی فجر و عشاء) پڑھتا رہا تو وہ جنت میں جائے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

③ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِىْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ فَيَسْاَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِىْ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَاَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس (آسمان سے) فرشتے رات دن آتے رہتے ہیں (جو تمہارے اعمال لکھتے ہیں اور انہیں بارگاہ الوہیت میں پہنچاتے ہیں) اور فجر و عصر کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں اور جو فرشتے تمہارے پاس رہتے ہیں وہ (جس وقت) آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال جاننے کے باوجود ان سے (بندوں کے احوال و اعمال) پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا ہے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تو اس وقت بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے اعمال کو لکھنے اور انہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کے لئے (فرشتوں کی دو جماعتیں بندوں کے ہمراہ رہتی ہیں۔ ایک جماعت تو دن کے اعمال لکھتی ہے اور پھر عصر کے بعد واپس جا کر بارگاہ الوہیت میں اپنی رپورٹ پیش کر دیتی ہے۔ دوسری جماعت رات کے اعمال لکھتی ہے۔ یہ فجر کی نماز کے بعد واپس جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو بندوں کے رات کے اعمال کی رپورٹ دیتی ہے چنانچہ دن اور رات میں دو وقت ایسے ہوتے ہیں جب کہ یہ دونوں جماعتیں جمع ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ تو فجر کے وقت جب کہ رات کے فرشتے واپس جاتے ہیں اور دن کے فرشتے اپنی ڈیوٹی پر آتے ہیں۔ اسی طرح دوسری مرتبہ ان دونوں جماعتوں کا اجتماع عصر کے وقت ہوتا ہے جب کہ دن کے فرشتے اپنی ڈیوٹی پوری کر کے واپس جاتے ہیں اور رات کے فرشتے اپنے کام پر حاضر ہوتے ہیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور اس کا علم زمین و آسمان کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ وہ زمین و آسمانوں کے رہنے والوں کے ایک ایک عمل کو جانتا ہے مگر جب فرشتے بندوں کے اعمال کی رپورٹ لے کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ ان سے پوچھتا ہے کہ جب تم اپنی ڈیوٹی پوری کر کے واپس لوٹ رہے تھے تو بتاؤ کہ اس وقت میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ اور اس کا یہ پوچھنا (نعوذ باللہ) علم حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس سوال سے اس کا مقصد فرشتوں کے سامنے اپنی بندوں کی فضیلت و عظمت کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو بھیجنا چاہا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تھا تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ پروردگار کیا تو ایسی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو دنیا میں فساد اور خون ریزی و غارت گری کا بازار سرگرم کرے گی۔ اور پھر انہوں نے اپنی

برتری و بڑائی ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ تیری عبادت کے لئے تو ہم ہی کافی ہیں اور ہم ہی تیری عبادت و پرستش کر بھی سکتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ان سے یہ سوال کر کے ان پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ دیکھو! جس مخلوق کے بارہ میں تمہارا یہ خیال تھا کہ وہ دنیا میں سوائے فتنہ و فساد پھیلانے کے اور کوئی کام نہیں کرے گی اب تم خود دیکھ آئے ہو کہ وہ میری عبادت اور میری پرستش کس پابندی اور کس ذوق و شوق سے کرتی ہے۔

بہرحال! اس حدیث کے ذریعہ آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو رغبت دلا رہے ہیں کہ ان دونوں اوقات میں ہمیشہ پابندی سے نماز پڑھتے رہو تاکہ وہ فرشتے خدا کے سامنے تمہارے اچھے اور بہتر اعمال ہی پیش کرتے رہیں اور خداوند قدوس تمہاری فضیلت و بڑائی اسی طرح فرشتوں کے سامنے ظاہر کرتا رہے۔

(۴) وَعَنْ جُنْدُبِ الْقَسْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰہِ فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللّٰہُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ فَإِنَّهُ مَنْ يَطْلُبُهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ ثُمَّ يَكُبُّهُ عَلَى وَجْهِهِ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ الْقُشَيْرِى بَدَلَ الْقَسْرِيِّ۔

"اور حضرت جندب قسریؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ (دنیا و آخرت میں) اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہے لہٰذا ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے اس عہد میں کچھ مواخذہ کرے کیونکہ جس سے اس نے عہد و امان میں مؤاخذہ کیا تو (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) کہ اسے پکڑ کر دوزخ کی آگ میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔ (مسلمؒ) اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قسری کے بجائے قشیری ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس شخص سے بدسلوکی نہ کریں، اسے قتل نہ کریں۔ اس کا مال نہ چھینیں، اس کی غیبت نہ کریں اور اس کی بے آبروئی نہ کریں۔ اگر کسی شخص نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی یا اس کے ساتھ کوئی ایسا رویہ اختیار کیا جو اس کی جان و مال اور اس کی آبرو کے لئے نقصان دہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں خلل ڈالا لہٰذا اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے سخت مواخذہ کرے گا اور جس بدنصیب سے اللہ تعالیٰ نے مؤاخذہ کیا اس کے لئے نجات کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا۔

یا پھر "عہد و امان" سے مراد نماز ہے کہ صبح کی نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں امن دینے کا وعدہ کر لیا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ صبح کی نماز ہرگز قضا نہ کریں ورنہ ان کے اور پروردگار کے درمیان جو عہد ہے وہ ٹوٹ جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے گا اور اس کے مواخذہ سے بچانے کی کوئی ہمت بھی نہیں کر سکتا۔

(۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَآءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوا اِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اگر لوگوں کو اذان کہنے اور (نماز میں) پہلی صف میں کھڑے ہونے کا ثواب معلوم ہو جائے اور بے قرعہ ڈالے انہیں یہ حاصل نہ ہو سکے تو وہ ضرور قرعہ ہی ڈالیں (یعنی اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں کھڑے ہونے کے لئے آپس میں نزاع کریں اور قرعہ ڈال کر دیکھیں کہ کس کا نام نکلتا ہے تو یہ مناسب ہے) اور اگر ظہر کی نماز کے لئے جلدی آنے کا ثواب جان لیں تو اس نماز میں دوڑتے ہوئے آیا کریں اور اگر عشاء و صبح کی نماز کی فضیلت معلوم ہو جائے (تو قوت نہ ہونے کی حالت میں بھی ان نمازوں کے لئے) سرین کے بل چل کر آئیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اگر تہجیر کے معنی وہی لئے جائیں جو ترجمہ سے ظاہر ہیں یعنی ظہر کی نماز کے لئے جلدی آنا، تو اس فضیلت کا تعلق گرمی کے علاوہ دوسرے موسموں کی ظہر کی نماز سے ہوگا کیونکہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت پڑھنا مستحب ہے۔ یا پھر "تہجیر کے معنی" طاعت کی طرف جلدی کرنا، ہوں گے اور بعض حضرات نے اس کے معنی "نماز جمعہ کے لئے دوپہر میں جانا) بھی لکھے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سرین کے بل چل کر آنے، کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پیروں سے چلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس نماز کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے اس طرح گھسٹتا ہوا آئے جس طرح ضعیف و معذور چل کر آتے ہیں۔

(۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلٰوةٌ اَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، منافقین پر عشاء اور فجر سے زیادہ بھاری کوئی نماز نہیں۔ اگر دونوں کے ثواب وہ جان لیں تو سرین کے بل چلتے ہوئے آیا کریں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: منافقین کے مزاج میں عبادت کے سلسلہ میں کسل و سستی بہت ہوتی ہے پھر جو نمازیں وہ پڑھتے ہیں وہ بھی محض اپنی جان بچانے اور مسلمانوں کو دکھانے سنانے کے لئے پڑھتے ہیں۔ فجر اور عشاء یہ دو وقت ایسے ہیں جو اول تو آرام و استراحت اور نیند کی لذت حاصل کرنے کے ہیں۔ نیز جاڑوں کے موسم میں سردی کے ہیں دوسرے یہ کہ ان اوقات میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے کوئی کسی کو کم ہی پہچانتا ہے اس لئے یہ دونوں نمازیں ان بدبختوں پر بہت گراں ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ مخلص و صادق مؤمنین کو چاہئے کہ وہ اس خصلت سے بچیں تاکہ منافقین کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

(۷) وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عثمان غنیؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے نصف رات کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور جس شخص نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے تمام رات کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔" (مسلمؒ)

تشریح: اگر حدیث کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صبح کی نماز کا ثواب عشاء کی نماز کے ثواب سے زیادہ ہے کہ جب ہی تو کہا گیا ہے کہ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھنے والا، نصف رات تک نماز پڑھنے والے کے برابر ہوتا ہے اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے والا پوری رات تک نماز پڑھنے والے کے برابر ہوتا ہے۔

یا پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو اسے آدھی رات تک نماز پڑھنے کا ثواب ملا پھر فجر کی نماز بھی جماعت سے ادا کر لی تو بقیہ نصف رات تک کا ثواب مل گیا اس طرح دونوں نمازوں کے پڑھنے سے پوری رات تک عبادت کرنے والے کے ثواب کا وہ حقدار ہو گیا۔

(۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اِسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَيَقُوْلُ الْاَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ وَقَالَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اِسْمِ صَلَاتِكُمُ الْعِشَاءِ فَاِنَّهَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ الْعِشَاءُ فَاِنَّهَا تُعْتِمُ بِحِلَابِ الْاِبِلِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، دیہاتی لوگ نماز مغرب کے نام لینے میں تم پر غالب نہ آ جائیں راوی کہتے ہیں کہ دیہاتی لوگ (مغرب کو) عشاء کہتے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ، نماز عشاء کے نام لینے میں بھی دیہاتی لوگ تم پر غالب نہ آ جائیں۔ اس نماز کا نام کتاب اللہ میں عشاء ہے (چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اور وہ دیہاتی لوگ اونٹنیوں کے دودھ

دوہنے کی وجہ سے اس نماز میں تاخیر کر دیتے تھے۔" (مسلم)

تشریح: "دیہاتی لوگوں" سے مراد ایام جاہلیت کے دیہاتی لوگ ہیں جو مغرب کو تو عشاء کہتے تھے اور عشاء کو عتمہ، چنانچہ آپ نے صحابہؓ کو منع فرما دیا کہ یہ نام نہ لئے جائیں کیونکہ اس میں ان کا غالب ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ جب ان لوگوں کا رکھا نام استعمال کیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے ان کی زبان کو اپنایا جس کی بناء پر وہ تم پر غالب رہے لہٰذا تم وہی نام استعمال کرو جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں یعنی مغرب اور عشاء۔

لہٰذا۔ بظاہر تو اس نہی کا تعلق دیہاتی لوگوں سے ہے کہ وہ غالب نہ ہوں لیکن حقیقت میں اس نہی کا تعلق تمام مسلمانوں سے ہے کہ وہ ان نمازوں کے ناموں کے سلسلہ میں دیہاتی لوگوں کی موافقت نہ کریں تاکہ مسلمانوں پر ان کا غالب ہونا لازم نہ آئے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی زبان اور اپنا کلام اصطلاح شریعت کے مطابق درست کریں اور جو باتیں کفار و فجار کی زبان زد ہوں ان سے پرہیز کریں۔

نہی اور علت نہی بیان فرمانے کے بعد فَاِنَّهَا بِحِلَابِ الْاِبِلِ کہہ کر آپ ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہنے کی وجہ کی طرف بھی اشارہ فرمادیا ہے۔ "تعتم" صحیح روایت میں صیغۂ معروف کے ساتھ ہے اور یہ بتایا جاچکا ہے کہ عتمہ تاریکی کو کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دیہاتی لوگ اونٹنیوں کے دودھ دوہنے کی وجہ سے عشاء کو تاریکی میں پڑھتے تھے بایں طور پر کہ وہ شفق غائب ہونے کے بعد دودھ دوہنا شروع کرتے تھے پھر اس کے بعد عشاء پڑھتے۔ ایک دوسری روایت میں یہ لفظ صیغۂ مجہول کے ساتھ مذکور ہے جس کے معنی یہ ہوں گے۔ اونٹنیوں کا دودھ دوہنے کی وجہ سے عشاء کی نماز تاریکی میں پڑھی جاتی تھی۔

بہر حال ایام جاہلیت میں عرب کے لوگ عتمہ تاریکی کو کہتے تھے۔ جب اسلام کی مقدس روشنی نے عرب کی سرزمین کو کفر و شرک کے اندھیروں سے صاف کیا اور نمازیں مشروع ہوئیں تو عشاء کی نماز کو دیہاتی لوگ صلوٰۃ العتمہ کہنے لگے چنانچہ اس نام سے مسلمانوں کو روکا گیا اور اہل جاہلیت سے مشابہت کی بناء پر اس نام کو مکروہ قرار دے دیا گیا۔

یہ پہلے بھی کئی جگہ بتایا جاچکا ہے کہ جن روایتوں میں بجائے عشاء کے عتمہ کا لفظ آیا ہے وہ روایتیں اس نہی سے قبل کی ہوں گی۔

⑨ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُوْنَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ غزوۂ خندق کے روز فرماتے تھے کہ (کافروں نے) ہمیں درمیانی نماز یعنی نماز عصر کے پڑھنے سے روکا ہے۔ خداوند تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں میں آگ بھرے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: غزوۂ خندق کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں جو ۴ھ یا ۵ھ میں ہوا تھا۔ اس جنگ کو غزوۂ خندق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسی غزوہ کے موقعہ پر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے دشمنوں سے بچاؤ کی خاطر مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ خندق کھودنے میں تمام مسلمانوں کے ہمراہ خود سرکار دوعالم ﷺ (فداہ ابی وامی) بھی بنفس نفیس شریک تھے۔ جس طرح دیگر مخلص مؤمنین دن بھر بھوکے پیاسے رہ کر اللہ کے دین کی حفاظت اور اپنے محبوب پیغمبر کے مشن کی کامیابی کے لئے اس محنت و مشقت میں مصروف رہتے تھے اسی طرح آقائے نامدار سرور کائنات فخر دوعالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ بھی بڑی بڑی تکالیف برداشت فرما کر، مصائب و رنج اٹھا کر بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ کر سردی کی شدید پریشانی اور زمین کو کھودنے پتھر اکھاڑنے کی سخت محنت جھیل کر اپنے جانثار رفقاء کے ہمراہ خندق کھودتے تھے۔

اسی جنگ میں بسبب تردد اور تیر اندازی آنحضرت ﷺ کی چار نمازیں قضا ہوگئی تھی کہ انہیں میں عصر کی نماز بھی تھی آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے یہ بددعا فرمائی جس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح ان کفار و مشرکین نے ہماری نمازیں قضا کرا

کر ہمیں سخت روحانی تکلیف و اذیت میں مبتلا کیا ہے، خدا کرے وہ بھی دنیا و آخرت کے شدید عذاب میں مبتلا کئے جائیں۔

ایک معمولی سا خلجان یہاں واقع ہو سکتا ہے کہ جنگ احد کے موقع پر آپ ﷺ کی ذات اقدس کو جبکہ کفار کی جانب سے بے انتہاء تکلیف پہنچائی گئی تو آپ ﷺ نے وہاں بد دعا نہیں کی اور یہاں بد دعا فرمائی اس کی وجہ کیا ہے؟۔

اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ جنگ احد میں آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کا معاملہ تھا وہاں آپ ﷺ کی شان رحمت کا تقاضا تھا کہ اپنے نفس کے معاملہ میں کسی کے لئے بد دعا نہ کریں مگر یہاں نماز کا سوال تھا جس کا تعلق آپ ﷺ کی ذات سے نہ تھا بلکہ حقوق اللہ سے تھا اس لئے آپ ﷺ نے بد دعا فرمائی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ "صلوٰۃ وسطیٰ" عصر کی نماز ہے چنانچہ صحابہ اور تابعین میں سے اکثر جلیل القدر حضرات، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ وغیرہ کا قول یہی ہے لہٰذا قرآن شریف کی آیت کریمہ حافظوا علی الصَّلوٰتِ و الصلوٰۃ الوسطی (یعنی محافظت کرو تم سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی) میں وسطیٰ سے عصر کی نماز ہی مراد لی جائے گی۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس کے تعین میں اکثر صحابہ اور تابعین کا اختلاف رہا ہے تو اس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت تک ان حضرات تک آنحضرت ﷺ کی وہ حدیث (جو آئندہ فصل میں آ رہی ہے) نہیں پہنچی ہو گی جس سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ "صلوٰۃ وسطیٰ" سے عصر کی نماز مراد ہے۔ اس لئے وہ حضرات اپنے اجتہاد اور رائے کی بناء پر اس کے تعین میں اختلاف کرتے ہوں گے چنانچہ اس حدیث کی صحت کے بعد یہ متعین ہو گیا کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۱۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الْعَصْرِ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابن مسعود اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، درمیانی نماز (یعنی قرآن مجید میں جو وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى مذکور ہے وہ) عصر کی نماز ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: صلوٰۃ وسطیٰ (یعنی درمیانی نماز) سے عصر کی نماز اس لئے مراد لی جاتی ہے کہ یہی نماز دن کی دونوں نمازوں (یعنی فجر اور ظہر) اور رات کی دونوں نمازوں (یعنی مغرب و عشاء کے درمیان آتی ہے)۔

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا قَالَ تَشْهَدُهٗ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (یعنی فجر کی نماز فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے) کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ صبح کی نماز میں دن اور رات کے فرشتے حاضر (یعنی جمع) ہوتے ہیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ الاٰیۃ کے معنی قرأت قرآن فجر ہیں اور اس سے مراد فجر کی نماز ہے۔ اسے قرآن اس لئے کہا ہے کہ قرأت نماز کا ایک رکن ہے جیسے کہ بعض مقامات پر نماز کو سجدہ یا رکوع کہا گیا ہے۔

بہر حال۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں "مشہود" سے مراد یہ ہے کہ بندوں کے دن اور رات کے اعمال لکھنے والے فرشتے اس نماز میں جمع ہوتے ہیں جیسا کہ اسی باب کی حدیث نمبر تین میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑫ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَعَائِشَةَ قَالَا اَلصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الظُّهْرِ رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ زَيْدٍ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْهُمَا تَعْلِيْقًا۔

"حضرت زید ابن ثابتؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ دونوں فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطی (یعنی درمیانی نماز) ظہر کی نماز ہے۔ اس روایت کو امام مالکؒ نے صرف حضرت زیدؓ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے دونوں (یعنی حضرت زیدؓ و حضرت عائشہؓ) سے بطریق تعلیق یعنی بلا سند روایت کیا ہے۔"

تشریح: حضرت عائشہؓ اور حضرت زید ابن ثابتؓ صلوٰۃ وسطی سے ظہر کی نماز اس لئے مراد لیتے تھے کہ یہ نماز دن کے درمیانی حصہ میں ادا کی جاتی ہے۔

⑬ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّى الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّى صَلَاةً اَشَدُّ عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا فَنَزَلَتْ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقَالَ اِنَّ قَبْلَهَا صَلَاتَيْنِ وَبَعْدَهَا صَلَاتَيْنِ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت زید ابن ثابتؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز سویرے (یعنی دن ڈھلتے ہی) پڑھ لیتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ پر ان تمام نمازوں میں جو وہ پڑھتے تھے ظہر کی نماز سے زیادہ سخت کوئی نماز نہ تھی چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى یعنی اتم سب نمازوں کی خصوصاً درمیانی نماز کی محافظت کرو۔ اور حضرت زید ابن ثابتؓ فرمایا کرتے تھے کہ ظہر کی نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور بعد میں بھی دو نمازیں ہیں۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جزء سے راوی کا مقصد یہ ہے کہ درمیانی نماز سے مراد ظہر کی نماز ہے۔ لہٰذا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ کا یہ ثابت کرنا کہ درمیانی نماز سے مراد ظہر کی نماز ہے ان کا اپنا ذاتی اجتہاد ہے۔ اس لئے ان کا یہ قول آنحضرت ﷺ کی حدیث سے متعارض نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے تو صراحت کے ساتھ فرمادیا ہے کہ "درمیانی نماز" سے مراد عصر کی نماز ہے۔

⑭ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُوْلَانِ الصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الصُّبْحِ رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ تَعْلِيْقًا۔

"اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت ابن عباسؓ دونوں کہا کرتے تھے کہ درمیانی نماز (سے مراد) صبح کی نماز ہے۔ (موطا امام مالکؒ) اور یہ روایت حضرت امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمرؓ سے بطریق تعلیق نقل کی ہے۔"

تشریح: یہ بھی ان دونوں حضرات کا اپنا اجتہاد ہے کہ ان حضرات تک آنحضرت ﷺ کی حدیث نہ پہنچی ہوگی اس لئے انہوں نے بطریق احتمال کہا کہ درمیانی نماز سے مراد صبح کی نماز ہے۔

بہر حال۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے کہ درمیانی نماز سے مراد صبح کی نماز ہے مگر حضرت امام نوویؒ جو شافعی المسلک ہیں فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں صحیح احادیث منقول ہیں کہ درمیانی نماز سے مراد نماز عصر ہے۔

گو حضرت ماوردیؒ نے جو شوافع کے ائمہ میں شمار کئے جاتے ہیں یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے یہ تصریح کر دی ہے کہ صبح کی نماز درمیانی نماز ہے۔ تاہم ان صحیح احادیث کو دیکھتے ہوئے جن سے بصراحت ثابت ہے کہ عصر کی نماز ہی درمیانی نماز ہے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شافعی مسلک بھی یہی ہوگا کیونکہ حضرت امام شافعیؒ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ "اگر تم کوئی ایسی حدیث پاؤ جس کے برخلاف میں نے حکم دے رکھا ہو تو میرا صحیح مسلک وہی سمجھنا جو صحیح حدیث سے ثابت ہو اور میرا پہلا حکم دیوار پر پھینک مارنا"۔

⑮ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلٰى صَلَاةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز کے لئے جاتا ہے تو گویا وہ ایمان کا جھنڈا لے کر چلتا ہے اور جو شخص صبح بازار جاتا ہے تو گویا وہ شیطان کا جھنڈا لے کر چلتا ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے لشکر اور شیطان کو بیان کرنے کے لئے تمثیل ہے کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھنے کے لئے صبح سویرے مسجد کی طرف چلتا ہے تو گویا وہ ایمان کا جھنڈا اٹھا کر شیطان سے جنگ کرنے کے لئے چلتا ہے جس طرح غازی اور مجاہدین دشمنان اسلام سے برسرپیکار ہونے کے لئے اسلامی جھنڈا لے کر چلتے ہیں لہٰذا صبح سویرے فجر کی نماز کو جانے والا شخص اللہ تعالیٰ کے لشکر کا ایک فرد ہوتا ہے اور جو شخص صبح سویرے حصول دنیا کے چکر میں بازار کی طرف چلتا ہے تو وہ شیطان کے لشکر کا ایک فرد ہوتا ہے۔ بایں طور کہ وہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نماز کو جانے کی بجائے شیطان کی خواہش پر عمل کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے دین کو کمزور کر کے شیطان کی پیروی و تابعداری کا جھنڈا اٹھا کر اس کی شان و شوکت بڑھاتا ہے لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ یہ تمثیل اس شخص کے حق میں ہے جو فجر کی نماز و وظائف پڑھے بغیر بازار جاتا ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص نماز و تلاوت اور وظائف سے فارغ ہو کر حلال رزق طلب کرنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے سامان حیثیت کی فراہمی کی خاطر بازار جاتا ہے تو وہ اس تمثیل کی رو سے شیطان کے لشکر کا فرد نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے لشکر کا فرد ہوتا ہے۔

باب الاذان

اذان کا بیان

لغت میں اذان کے معنی "خبر دینا" ہیں اور اصطلاح شریعت میں "چند مخصوص الفاظ کے ساتھ اوقات مخصوصہ میں نماز کا وقت آنے کی خبر دینے" کو اذان کہتے ہیں۔ اس تعریف سے وہ اذان خارج ہے جو نماز کے علاوہ دیگر امور کے لئے مسنون کی گئی ہے جیسا کہ بچے کی پیدائش کے بعد اس کے دائیں کان میں اذان کے کلمات اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہے جاتے ہیں اور اسی طرح اس شخص کے کان میں اذان کہنا مستحب ہے جو کسی رنج میں مبتلا ہو یا اسے مرگی وغیرہ کا مرض ہو یا وہ غصہ کی حالت میں ہو، یا جس کی عادتیں خراب ہو گئی ہوں خواہ وہ انسان ہو یا جانور۔ چنانچہ حضرت دیلمیؒ راوی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ایک دن سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے غمگین دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن ابی طالب: میں تمہیں غمگین دیکھ رہا ہوں لہٰذا تم اپنے اہل بیت میں سے کسی کو حکم دو کہ وہ تمہارے کان میں اذان کہے جس سے تمہارا غم ختم ہو جائے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ میں نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا تو آپ ﷺ کی بات صحیح ثابت ہوئی نیز اس روایت کو حضرت علیؓ تک نقل کرنے والے ہر راوی نے کہا ہے کہ ہم نے اس طریقہ کو آزمایا تو مجرب ثابت ہوا۔ ایسے ہی حضرت دیلمیؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جس کی عادتیں خراب ہو گئی ہوں خواہ وہ انسان ہو یا جانور تو اس کے کان میں اذان کہو"۔

بہر حال۔ فرائض نماز کے لئے اذان کہنا سنت مؤکدہ ہے تاکہ لوگ نماز کے وقت مسجد میں جمع ہو جائیں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں۔ اذان کی مشروعیت کے سلسلہ میں مشہور اور صحیح یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت کی ابتداء عبداللہ ابن زید انصاری اور حضرت عمر فاروقؓ کا خواب ہے جس کی تفصیل آئندہ احادیث میں آئے گی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اذان کا خواب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی دیکھا تھا۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ دس صحابہ کو

خواب میں اذان کے کلمات کی تعلیم دی گئی تھی بلکہ کچھ حضرات نے تو کہا ہے کہ خواب دیکھنے والے چودہ صحابہؓ ہیں۔

بعض علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت خود آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کے نتیجہ میں ہوئی ہے جس کی طرف شب معراج میں ایک فرشتہ نے راہنمائی کی تھی چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم شب معراج میں جب عرش پر پہنچے اور سراپردۂ عزت تک جو کبریائی حق جل مجدہ کا محل خاص ہے پہنچے تو وہاں سے ایک فرشتہ نکلا آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ فرشتہ کون ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اس خدا کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے تمام مخلوق سے زیادہ قریب ترین درگاہ عزت سے میں ہوں لیکن میں نے پیدائش سے لے کر آج تک اس وقت کے علاوہ اس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا ہے چنانچہ اس فرشتہ نے کہا "اللہ اکبر اللہ اکبر" یعنی اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ پردہ کے پیچھے سے آواز آئی کہ میرے بندہ نے سچ کہا انا اکبر انا اکبر (یعنی میں بہت بڑا ہوں میں بہت بڑا ہوں) اس کے بعد اس فرشتہ نے اذان کے باقی کلمات ذکر کئے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اذان کے کلمات صحابہ کے خواب سے بھی بہت پہلے شب معراج میں سن چکے تھے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں محقق فیصلہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اذان کے کلمات شب معراج میں سن تو لئے تھے لیکن ان کلمات کو نماز کے لئے اذان میں ادا کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ مکہ میں بغیر اذان کے نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ مدینہ تشریف لائے اور یہاں صحابہؓ سے مشورہ کیا چنانچہ بعض صحابہؓ نے خواب میں ان کلمات کو سنا اس کے بعد وحی بھی آگئی کہ جو کلمات آسمان پر سنے گئے تھے اب وہ زمین پر اذان کے لئے مسنون کردیے جائیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ اَنَسٍ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَكَرُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ قَالَ اِسْمَاعِيْلُ فَذَكَرْتُهُ لِاَيُّوْبَ فَقَالَ اِلَّا الْاِقَامَةَ۔ (متفق علیه)

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ نے (اذان کی مشروعیت سے پہلے نماز کے وقت کا اعلان کرنے کے سلسلے میں) آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ بعض لوگوں نے یہود و نصاری کا ذکر کیا (کہ ان کی مشابہت ہوگی) پھر سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان کے کلمات جفت کہیں (یعنی اذان کے شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہیں اور باقی کلمات سوائے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ کے جو ایک مرتبہ کہا جاتا ہے وہ دو مرتبہ کہیں) اور تکبیر کے کلمات (سوائے اللہ اکبر کے) ایک ایک مرتبہ کہیں) شیخ اسمٰعیلؒ (جو اس حدیث کے راوی اور بخاریؒ و مسلمؒ کے استاذ ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر ایوب سے (جو اس حدیث کے راوی ہیں اور جنہوں نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے) کیا تو انہوں نے فرمایا کہ لفظ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ دو مرتبہ کہنا چاہئے (یعنی تکبیر کے اوّل و آخر میں "اللہ اکبر" کے علاوہ بقیہ کلمات ایک ایک مرتبہ ہیں اور لفظ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ دو مرتبہ ہے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور یہاں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور مسجد بنائی گئی تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ نماز کے وقت اعلان کے لئے کوئی ایسی چیز متعین کی جانی چاہئے جس کے ذریعہ تمام لوگوں کو اوقات نماز کی اطلاع ہو جایا کرے تاکہ سب لوگ وقت پر مسجد میں حاضر ہو جائیں اور جماعت سے نماز ہو سکے چنانچہ بعض صحابہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ نماز کے وقت کسی بلند جگہ پر آگ روشن کردی جایا کرے تاکہ اسے دیکھ کر لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں بعضوں کی رائے ہوئی ناقوس بجانا چاہئے تاکہ اس کی آواز سن کر لوگ مسجد میں حاضر ہو جائیں۔

چند صائب الرائے صحابہؓ نے ان تجویزوں کے سلسلہ میں عرض کیا کہ آگ تو یہودی اپنی عبادت کے وقت اعلان کے لئے روشن کرتے ہیں، اسی طرح ناقوس نصاری اپنی عبادت کے وقت اعلان کے لئے بجاتے ہیں لہٰذا ہمیں یہ دونوں طریقے اختیار نہ کرنے چاہئیں

تاکہ یہود و نصاریٰ کی مشابہت لازم نہ آئے، لہٰذا ان کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ سوچنا چاہئے۔
بات معقول تھی اس لئے بغیر کسی فیصلہ کے مجلس برخاست ہوئی اور صحابہؓ اپنے اپنے گھر آ گئے۔ ایک مخلص صحابی حضرت عبداللہ ابن زیدؓ نے جب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اس سلسلہ میں بہت فکر مند ہیں اور کوئی بہتر طریقہ سامنے نہیں آتا تو بہت پریشان ہوئے ان کی دلی خواہش تھی کہ یہ مسئلہ کسی طرح جلد از جلد طے ہو جائے تاکہ آنحضرت ﷺ کا فکر دور ہو جائے چنانچہ یہ اسی سوچ و بچار میں گھر آکر سو گئے خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک فرشتہ شکل ان کے سامنے کھڑا ہوا اذان کے کلمات کہہ رہا ہے۔
بعض روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زیدؓ فرماتے تھے کہ اس وقت میں بالکل سویا ہوا نہیں تھا بلکہ غنودگی کے عالم میں تھا اور بعض روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر بدگمانی کا خوف نہ ہوتا تو میں کہتا کہ میں اس وقت سویا ہی نہیں تھا۔ اسی بناء پر بعض علماء نے اس واقعہ کو حال اور کشف پر محمول کیا ہے جو ارباب باطن کو حالت بیداری میں ہوتا ہے۔
بہر حال حضرت عبداللہ ابن زیدؓ صبح کو اٹھ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ خواب سچ ہے اور فرمایا کہ بلالؓ کو اپنے ہمراہ لو، تم انہیں وہ کلمات جو تمہیں خواب میں تعلیم فرمائے گئے ہیں بتاتے رہو وہ انہیں زور سے ادا کریں گے کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔
چنانچہ جب اس طرح دونوں نے اذان دی اور حضرت بلالؓ کی آواز شہر میں پہنچی تو حضرت عمر فاروقؓ دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ابھی جو کلمات ادا کئے گئے ہیں میں نے بھی خواب میں ایسے ہی کلمات سنے ہیں۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ منقول ہے کہ اسی رات میں دس گیارہ یا چودہ صحابہؓ نے ایسا ہی خواب دیکھا تھا۔
"ناقوس" نصاریٰ کے یہاں عبادت کے وقت خبر دینے کے سلسلے میں استعمال ہوتا تھا اور اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ وہ لوگ ایک بڑی لکڑی کو کسی چھوٹی لکڑی پر مارتے تھے اس سے جو آواز پیدا ہوتی تھی وہی عبادت کے وقت کا اعلان ہوتی تھی۔
یہودیوں کے بارہ میں تو مشہور یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت کے وقت سینگ بجایا کرتے تھے چنانچہ آگ جلانے کا ذکر صرف حضرت انسؓ کی اسی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور کسی روایت میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے یہاں دو فرقے ہوں گے ایک فرقہ تو سینگ بجاتا ہو گا اور دوسرا فرقہ آگ جلاتا ہو گا۔
یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اذان کے کلمات (شروع میں اللہ اکبر کے علاوہ) تو جفت ہیں اور اقامت کے کلمات طاق ہیں۔ چنانچہ صحابہ و تابعین میں سے اکثر اہل علم اور امام زہریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحاقؒ اور امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام اعظمؒ اور ان کے متبعین کے نزدیک اذان و تکبیر دونوں کے کلمات جفت ہیں ان کی دلیل آگے آئے گی۔

(۲) وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ قَالَ اَلْقٰی عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّاذِيْنَ هُوَ بِنَفْسِهٖ فَقَالَ قُلِ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو محذورہؓ[1] راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھے خود (بغیر واسطہ کے) اذان سکھلائی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہو! اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں (یعنی جانتا اور بیان کرتا ہوں) کہ اللہ کے سوا

---

[1] آپ کا اسم گرامی سمرہ بن معیر ہے اور ابو محذورہ کی کنیت سے مشہور ہیں۔ آپ نے ہجرت نہ کی آپ مؤذن تھے اور مکہ ہی میں انتقال کیا ۱۲۔

کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، پھر فرمایا کہ دوبارہ کہو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ آؤ نماز کی طرف، آؤ نماز کی طرف، آؤ فلاح کی طرف، آؤ فلاح کی طرف، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: "اللہ اکبر" کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس چیز سے بہت بلند و بالا ہے کہ کوئی شخص اس کی کبریائی و عظمت کی حقیقت کو پہچانے۔ یا اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے بہت بڑا ہے کہ اس کی ذات پاک کی طرف ان چیزوں کی نسبت کی جائے جو اس کی عظمت و بزرگی کے مناسب نہیں ہیں، یا پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ، اللہ رب العزت تمام چیزوں سے بہت بڑا ہے۔

اذان و تکبیر میں اللہ اکبر کی حرف را ساکن ہوتی ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ، اور جمہور علماء کے نزدیک یہ کلمہ اذان میں پہلی بار چار مرتبہ کہا جاتا ہے اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک دو مرتبہ کہا جاتا ہے۔

اس کلمہ کو چار مرتبہ کہنے میں یہ لطیف نکتہ ہے کہ گویا یہ حکم چار دانگ عالم میں جاری و حاوی ہے اور عناصر اربعہ سے مرکب نفس انسانی کی خواہشات کے تزکیہ میں بہت مؤثر ہے۔

حی علی الفلاح کے معنی یہ ہیں کہ تم ہر مکروہ چیز سے چھٹکارا اور ہر مراد کے ملنے کی طرف آؤ۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ فلاح کے معنی بقا کے ہیں یعنی اس چیز کی طرف دوڑو جو عذاب سے چھٹکارے کا باعث، ثواب ملنے کا سبب اور آخرت میں بقاء کا ذریعہ ہے اور وہ چیز نماز ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اذان میں ترجیع یعنی شہادتین کو دو مرتبہ کہنا سُنّت ہے۔ ترجیع کی شکل یہ ہوتی ہے کہ پہلے شہادتین کو دو مرتبہ پست آواز سے کہا جاتا ہے پھر دو مرتبہ بلند آواز سے ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے۔

علمائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ تکرار حضرت ابومحذورہ کی تعلیم کے لئے تھا نہ کہ تشریع کے لئے۔ یعنی پہلی مرتبہ ابومحذورہ نے جب شہادتین کو پست آواز سے کہا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان کلمات کو پھر ادا کرو اور بلند آواز سے ادا کرو چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت ابومحذورہ کی جو ایک دوسری روایت منقول ہے اس میں ترجیع نہیں ہے۔

نیز حضرت عبداللہ ابن زید کی حدیث میں بھی جو اذان کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے ترجیع نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت بلالؓ جو مؤذنوں کے سردار ہیں، نہ ان کی اذان میں اور نہ ابن اُمّ مکتوم کی اذان میں جو مسجد نبوی میں اذان کہتے تھے اور نہ ہی حضرت سعد قرظ کی اذان میں جو مسجد قبا کے مؤذن تھے ترجیع منقول ہے۔ پھر یہ کہ اس سلسلہ میں حضرت ابی محذورہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ تکرار شہادتین کی تعلیم کے لئے تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْاَذَانُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ وَالْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی)

"حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور تکبیر کے کلمات ایک ایک دفعہ (کہے جاتے) تھے البتہ (تکبیر میں) قدقامت الصلوۃ بے شک نماز تیار ہے مؤذن دو مرتبہ کہتا تھا۔" (ابوداؤ، نسائی، دارمی)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ نے جو یہ فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہے جاتے تھے تو اس سے مراد یہ ہے کہ شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہتے تھے اور آخر میں لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ کہتے تھے ان دونوں کلمات کے علاوہ باقی

کلمات دو دو مرتبہ کہے جاتے تھے۔

اقامت میں جس طرح قدقامت الصلوٰۃ کا استثناء کیا گیا ہے اسی طرح تکبیر یعنی اللہ اکبر کو بھی مستثنیٰ کرنا مناسب تھا کیونکہ تکبیر بھی بلا اختلاف اول و آخر میں مکرر ہے۔

④ وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَّمَہُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشْرَۃَ کَلِمَۃً وَالْاِقَامَۃَ سَبْعَ عَشْرَۃَ کَلِمَۃً رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنِّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

"اور حضرت ابو محذورہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے انہیں اذان کے انیس کلمات اور تکبیر کے سترہ کلمات سکھلائے تھے۔

(احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: حنفی مسلک میں اذان کے پندرہ کلمات ہیں مگر اس حدیث میں انیس ذکر کئے گئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انیس کلمات ترجیع سمیت ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے اور حدیث نمبر دو کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ترجیع تعلیم پر محمول ہے وہ مشروع نہیں ہے۔

تکبیر کے سترہ کلمات بتائے گئے ہیں بایں طور کہ ترجیع کے چار کلمات الگ کر کے اور دو کلمات قدقامت الصلوٰۃ کے بڑھا کر تکبیر کے کلمات سترہ ہوئے اور حضرت امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہے لہٰذا یہ حدیث اذان کے بارہ میں تو شوافع کے مسلک کی تائید کرتی ہے کہ ان کے یہاں اذان کے کلمات انیس ہوتے ہیں۔ اور تکبیر کے بارہ میں حنفیہ کے مسلک کے موافق ہے کہ ان کے یہاں تکبیر کے کلمات سترہ ہوتے ہیں چنانچہ تکبیر کے کلمات تعیین میں حنفیہ کی جانب سے یہی حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے۔

اس سے پہلے کی حدیث میں جس میں حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق تکبیر کے کلمات کی تعداد گیارہ ثابت ہوتی ہے اگر صحیح ہے تو اس حدیث سے منسوخ ہے۔

⑤ وَعَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلِّمْنِیْ سُنَّۃَ الْاَذَانِ قَالَ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِہٖ قَالَ تَقُوْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ تَرْفَعُ بِھَا صَوْتَکَ ثُمَّ تَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ تَخْفِضُ بِھَا صَوْتَکَ ثُمَّ تَرْفَعُ صَوْتَکَ بِالشَّھَادَۃِ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ فَاِنْ کَانَ صَلَاۃُ الصُّبْحِ قُلْتَ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابو محذورہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اذان کا طریقہ سکھا دیجئے! راوی کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے ابو محذورہ کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور پھر فرمایا کہ کہو اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ ان کے ساتھ آواز بلند کرو، اور پھر کہو، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ اشھد ان محمدا رسول اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ انہیں آہستہ سے کہہ کر پھر بلند آواز سے شہادت کے کلمات کہو اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ اشھد ان محمدا رسول اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح، حی علی الفلاح۔ اگر صبح کی نماز کے لئے اذان کہنا چاہو تو (اس کے بعد یہ کلمات کہو الصلوٰۃ خیر من النوم، الصلوٰۃ خیر من النوم۔ (یعنی نماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔" (ابوداؤد)

تشریح: "فمسح مقدم رأسہ" کے معنی یا تو وہی ہیں جو ترجمہ سے ظاہر ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو محذورہؓ کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا تاکہ اس کی برکت ابو محذورہ کے دماغ کو پہنچے اور وہ دین کی باتوں کو یاد رکھ سکیں، چنانچہ ایک صحیح نسخہ میں یہ الفاظ اس

طرح ہیں، "فمسح راسی" یعنی آپ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، لہٰذا یہ الفاظ اس معنی کی تائید کرتے ہیں جو ترجمہ میں کئے گئے ہیں۔ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اتفاقی طور پر اپنا دست مبارک خود اپنے سر اقدس پر پھیرا ہوگا۔ راوی نے پورا واقعہ نقل کرنے کی غرض سے اس کا تذکرہ بھی کر دیا۔

بہر حال اس پہلے ترجمہ کی جو توجیہ کی گئی تھی کہ جن احادیث میں اذان میں شہادتین کا تکرار ذکر کیا گیا ہے تو تعلیم پر محمول ہے تو وہ توجیہ بظاہر اس حدیث کے منافی ہے لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس سلسلہ میں ہم نے ان کثیر روایتوں کو ترجیح دی ہے جن میں ترجیع کا ذکر نہیں کیا گیا ہے نیز حضرت ابو محذورہ کی روایت جس سے ترجیع ثابت ہے وہ پہلے کی ہے اور وہ احادیث جن میں ترجیع مذکور نہیں ہے بعد کی ہیں اس لئے ابو محذورہ ؓ کی روایت ان روایتوں سے منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

الصلوۃ خیر من النوم کا مطلب یہ ہے۔ ارباب ذوق شوق اور عشق خداوندی سے سرشار لوگوں کے نزدیک نماز کی لذت نیند کی لذت سے بدرجہا بہتر ہے۔

(۶) وَعَنْ بِلَالٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُثَوِّبَنَّ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الصَّلٰوةِ اِلَّا فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ اَبُوْاِسْرَائِيْلَ الرَّاوِيْ لَيْسَ هُوَ بِذٰلِكَ الْقَوِيِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ۔

"اور حضرت بلال ؓ کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ فجر کی نماز کے علاوہ اور کسی نماز میں تثویب نہ کرو۔ (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) اور حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ (اس حدیث کے راوی) ابو اسرائیل محدثین کے نزدیک قوی (یعنی قابل اعتبار) نہیں ہیں۔"

تشریح: "تثویب" وہ اعلام ہوتا ہے جس سے پہلے کوئی اعلام ہو چکا ہو اور اس کی غرض اور اس سے پہلے کے اعلام کی غرض ایک ہو۔ مثلاً پہلے اعلام سے لوگوں کو نماز کے لئے بلانا مقصود ہو تو اس اعلام سے بھی یہی مقصود ہو۔ تثویب کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کہنا۔ یہ تثویب اس لئے ہے کہ ایک مرتبہ تو حی علی الصلوۃ کہہ کر لوگوں کو نماز کے لئے بلایا گیا پھر دوبارہ الصلوۃ خیر من النوم سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔ یہ تثویب آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں رائج تھی اور مسنون یہی ہے پھر اس کے بعد کوفہ کے علماء نے اذان و تکبیر کے درمیانی وقفہ میں حی علی الفلاح کہنا رائج کیا، اس کے بعد ہر فرقہ و طبقہ کے لوگوں نے اپنے اپنے عرف کے مطابق کچھ نہ کچھ طریقہ تثویب کے طور پر رائج کیا مگر یہ تمام تثویبیں فجر کی نماز ہی کے لئے رائج کی گئیں، کیونکہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔

پھر آخر میں متأخرین علماء نے تمام نمازوں کے لئے تثویب رائج کی اور اسے بنظر استحسان دیکھا حالانکہ متقدمین کے نزدیک یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ احداث ہے اور بدعت ہے چنانچہ حضرت علیؓ سے بھی اس کا انکار بایں طور منقول ہے کہ ایک شخص تثویب کہتا تھا آپ نے اس کے بارہ میں فرمایا کہ اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد یعنی اس بدعتی شخص کو مسجد سے نکال باہر کرو!۔

حضرت عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک دن جب کہ وہ مسجد میں موجود تھے مؤذن کو غیر فجر میں تثویب کرتے ہوئے سنا تو مسجد سے باہر نکل آئے اور دوسروں سے بھی کہا کہ اس شخص کے سامنے نہ رہو، باہر نکل آؤ کیونکہ یہ بدعتی ہے۔

(۷) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَيْنَ اَذَانِكَ وَاِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرَغُ الْاٰكِلُ مِنْ اَكْلِهٖ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهٖ وَالْمُعْتَصِرُ اِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهٖ وَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الْمُنْعِمِ وَهُوَ اِسْنَادٌ مَجْهُوْلٌ۔

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہا کرو اور جب تکبیر کہو تو جلدی جلدی کہا کرو اور اذان و تکبیر کے درمیان اتنا وقفہ کیا کرو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے، پینے والا پینے سے، قضائے حاجت والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے اور اس وقت تک نماز کے لئے کھڑے نہ ہو جب تک مجھے (نماز پڑھانے کے لئے آتا ہوا) نہ دیکھ لو۔ اس حدیث

کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم اس حدیث کو سوائے عبدالمنعمؒ کے اور کسی سے نہیں جانتے اور اس کی سند مجہول ہے۔"

تشریح: اذان کو ٹھہر ٹھہر کر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کلمات کو ایک دوسرے سے جدا جدا کر کے اور خفیف سے سکتہ کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرو۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے کلمات کی ادائیگی میں اتنی ڈھیل کرو کہ کلمات بغیر کھینچے ہوئے تاکہ حد سے تجاوز نہ ہو واضح واضح کہہ سکو۔ اسی وجہ سے مؤذنوں کے لئے تاکید ہے کہ وہ اذان کے کلمات کی ادائیگی میں احتیاط سے کام لیں اور قواعد کے مطابق اذان کہیں تاکہ غلطیوں کا ارتکاب نہ ہو سکے کیونکہ بعض غلطیاں ایسی ہیں کہ ان کو قصداً کرنے والا کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے جیسے اشہد کے الف کو مد کے ساتھ ادا کرنا کہ یہ استفہام ہو جاتا ہے اور جس کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ کیا میں گواہی دوں الخ؟ یا اللہ اکبر میں حرف با کو مد کے ساتھ کھینچ کر (اکبار) پڑھنا کہ یہ لفظ کبر کی جمع ہو جاتی ہے جس کے معنی اس طبلہ کے آتے ہیں جس کا ایک منہ ہوتا ہے اور دائرہ کی شکل میں ہوتا ہے یا اسی طرح لفظ الہ پر وقف کرنا اور اللہ سے ابتداء کرنا۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مؤذن تکبیر کے لئے کھڑا ہو تو مجھے مسجد میں آتا ہوا نہ دیکھ لو نماز کے لئے کھڑے نہ ہو، کیونکہ امام کی آمد سے پہلے ہی کھڑے ہو جانا خواہ مخواہ کی تکلیف اٹھانا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ غالباً آنحضرت ﷺ نماز پڑھانے کے لئے اپنے حجرۂ مبارک سے اس وقت نکلتے ہوں گے جب کہ مؤذن تکبیر شروع کر دیتا ہو گا اور جب مؤذن تکبیر کہتا ہوا حی علی الصلوٰۃ پر پہنچتا ہو گا تو آپ ﷺ اس وقت محراب میں داخل ہوتے ہوں گے۔ اسی وجہ سے ہمارے ائمہ نے یہ کہا ہے کہ جب مؤذن تکبیر شروع کر دے اور حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے تو امام اور مقتدیوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے اور جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ پر پہنچے تو نماز شروع کر دینی چاہئے۔

⑧ وَعَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُذِّنَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَاَذَّنْتُ فَاَرَادَ بِلَالٌ اَنْ يُّقِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخَا صُدَاءٍ قَدْ اَذَّنَ وَمَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

"حضرت زید ابن حارث صدائیؓ کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھے فجر کی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے اذان کہی، پھر حضرت بلالؓ نے تکبیر کہنی چاہی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ صدائی کے بھائی نے اذان کہی تھی اور جو اذان کہے اسی کو تکبیر بھی کہنی چاہئے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: اخاء صداء یعنی صدائی کے بھائی سے مراد زیاد ابن حارث صدائی ہیں، عرب میں قاعدہ تھا جو شخص جس قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اسے اس قبیلہ کا بھائی کہا جاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس حدیث کے مطابق غیر مؤذن کو تکبیر کہنا مکروہ ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اکثر و بیشتر حضرت ابن اُمّ مکتوم اذان کہتے تھے اور حضرت بلالؓ تکبیر کہتے تھے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ اگر غیر مؤذن تکبیر کہنا چاہے تو مؤذن سے اجازت لے لے۔ اگر مؤذن کو کسی دوسرے کی تکبیر کہنا ناگوار ہو تو پھر غیر مؤذن کو تکبیر کہنا مناسب نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑨ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ فَيَتَحَيَّنُوْنَ لِلصَّلَاةِ وَلَيْسَ يُنَادِيْ بِهَا اَحَدٌ فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اِتَّخِذُوْا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ قَرْنًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ

اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا يُنَادِیْ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان مدینہ میں آکر جمع ہوگئے تو نماز کے لئے وقت اور اندازہ معین کرنے لگے (کیونکہ) کوئی آدمی نماز کے لئے بلانے والا نہ تھا (ایک روز) جب اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو بعضوں نے کہا کہ نصاریٰ کی طرف ناقوس بنالیا جائے اور بعضوں نے کہا کہ یہود کی طرح سینگ بنالیا جائے (یہ تمام تجاویز سن کر) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کر دیا جائے جو نماز کے لئے (لوگوں کو) بلالیا کرے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بلال! کھڑے ہو کر نماز کے لئے منادی دیا کرو۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو منادی کرنے کا جو حکم دیا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو کسی بلند جگہ پر کھڑے ہو کر الصلوٰۃ جامعۃ کہہ دیا کرو۔ یہ آواز سن کر لوگ نماز کے لئے حاضر ہو جایا کریں گے۔ لہٰذا "منادی" سے مراد نماز کے لئے محض اعلان کرنا ہے نہ کہ اس سے شرعی منادی یعنی اذان مراد ہے۔ اس توجیہ سے پہلی احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے کہ پہلے ایک مجلس میں اس طرح اعلان کرنے کی تجویز پاس ہوئی پھر بعد میں جب دوسری مجلس میں اس پر بحث و مباحثہ ہوا تو حضرت عبداللہ ابن زیدؓ نے اذان کا خواب دیکھا اور آنحضرت ﷺ نے یا تو وحی آجانے کے بعد یا اپنے اجتہاد سے کام لے کر حضرت عبداللہ ابن زیدؓ کے خواب کے مطابق اذان مشروع فرمائی۔

(۱۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلَاةِ طَافَ بِیْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِیْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَاللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهٖ قُلْتُ نَدْعُوْبِهٖ اِلَى الصَّلَاةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَاهُوَ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى قَالَ فَقَالَ تَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اِلٰى اٰخِرِهٖ وَكَذَا الْاِقَامَةَ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا رَاَيْتُ فَقَالَ اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَاَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَاَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَاِنَّهٗ اَنْدٰى صَوْتًا مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ اُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ بِذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِیْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ فَقَدْ رَاَيْتُ مِثْلَ مَا اُرِیَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرِ الْاِقَامَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ لٰكِنَّهٗ لَمْ يُصَرِّحْ قِصَّةَ النَّاقُوْسِ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن زید ابن عبدربہؓ فرماتے ہیں کہ جب سرور کائنات ﷺ نے ناقوس بنائے جانے کا حکم دیا تاکہ نماز کی جماعت میں لوگوں کے حاضر ہونے کے لئے اسے بجایا جائے تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے (جاتا) ہے میں نے اس شخص سے کہا کہ بندہ خدا! کیا تم یہ ناقوس بیچو گے؟ اس شخص نے کہا کہ تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ ہم اسے بجا کر لوگوں کو نماز (کی جماعت) کے لئے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتادوں؟ میں نے کہا کہ، ہاں ضرور بتاؤ! اس شخص نے کہا کہ کہو اللہ اکبر تک اس نے اذان بتا کر پھر اسی طرح اقامت بھی بتائی، جب صبح ہوئی تو میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا آپ ﷺ سے بیان کیا، آپ ﷺ نے (خواب سن کر) فرمایا کہ، انشاء اللہ تعالیٰ خواب سچا ہے، اب تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر جو کچھ خواب میں دیکھا ہے انہیں بتاتے جاؤ اور وہ اذان کہیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ چنانچہ میں بلالؓ کے ساتھ کھڑا ہو کر انہیں سکھلاتا گیا اور وہ اذان دیتے رہے۔ راوی کہتے ہیں کہ، حضرت عمر ابن خطابؓ نے جب اپنے مکان میں اذان کی آواز سنی تو (جلدی کی بنا پر) اپنی چادر کھینچتے ہوئے مکان سے باہر نکلے اور یہ کہتے ہوئے (آنحضرت ﷺ کی خدمت میں) حاضر ہوئے کہ یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ الحمد للہ (یعنی سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں) یہ حدیث ابوداؤدؒ، دارمیؒ، اور ابن ماجہؒ نے نقل کی ہے مگر ابن ماجہؒ نے تکبیر کا ذکر نہیں کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن انہوں نے ناقوس کے قصہ کی تصریح نہیں کی ہے۔"

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ناقوس بجانے کا حکم دے دیا تھا۔ بلکہ یہاں "حکم" کا مطلب یہ ہے کہ جب اس سلسلہ میں صحابہؓ سے مشورہ کیا اور کوئی مناسب تجویز ذہن میں نہیں آئی تو آپ ﷺ نے ناقوس بجانے کا حکم دینے کا ارادہ فرمایا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ ابن زیدؓ کے خواب کے ذریعہ اس کی نوبت نہ آنے دی۔

یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی مؤید ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر اور اذان کے کلمات میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح اذان کے کلمات کو سوائے شروع میں اللہ اکبر اور آخر میں لا الہ الا اللہ کے دو دو مرتبہ کہا جاتا ہے اسی طرح تکبیر کے کلمات کو بھی دو مرتبہ کہا جاتا ہے البتہ تکبیر میں صرف قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ ہے جو اذان میں نہیں ہے۔

حضرت عبداللہؓ کے خواب کو سن کر آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ یہ "خواب سچا ہے" اب اس تصدیق کا تعلق یا تو وحی سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس خواب کے سچا ہونے کی خبر دے دی تھی اس لئے آپ ﷺ نے بھی اسے حق کہا یا پھر آپ ﷺ نے اپنے اجتہاد کی بناء پر اس خواب کو سچا مانا۔ اس موقعہ پر آپ ﷺ کا "انشاء اللہ" کہنا برکت اور اظہار طمانیت کے طور پر تھا۔ نہ کہ شک کے لئے۔ اذان کی آواز سن کر حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جو یہ کہا کہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ بات اس وقت کہی ہو جب انہیں معلوم ہو گیا ہو کہ یہ اذان حضرت عبداللہ ابن زید کے خواب کے نتیجہ میں کہی گئی ہے یا پھر انہیں اس خواب کا علم مکاشفہ کے ذریعہ ہو گیا ہوگا۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ مؤذن کا بلند آواز اور خوش گلو ہونا مستحب ہے۔

آخر میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ اذان کی مشروعیت ۲ھ میں ہوئی ہے مگر کچھ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ اذان ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی ہے۔

(۱۱) وَعَنْ اَبِی بَکْرَۃَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِصَلَاۃِ الصُّبْحِ فَکَانَ لَا یَمُرُّ بِرَجُلٍ اِلَّا نَادَاہُ بِالصَّلَاۃِ اَوْحَرَّکَہُ بِرِجْلِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ میں سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ صبح کی نماز کے لئے نکلا، آنحضرت ﷺ جس شخص کے پاس سے گزرتے تھے نماز کے لئے یا تو اسے آواز دیتے تھے یا اس کے پاؤں کو حرکت دے دیتے تھے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نماز کے وقت سو رہا ہو تو اس کو نماز کے لئے جگانا جائز ہے خواہ آواز دے کر جگایا جائے خواہ اس کا پاؤں وغیرہ ہلا کر۔

(۱۲) وَعَنْ مَالِکٍ بَلَغَہٗ اَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَاءَ عُمَرَ یُؤْذِنُہٗ لِصَلَاۃِ الصُّبْحِ فَوَجَدَہٗ نَائِمًا فَقَالَ الصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فَاَمَرَہٗ عُمَرُ اَنْ یَّجْعَلَھَا فِیْ نِدَاءِ الصُّبْحِ۔ (رواہ موطاء)

"اور حضرت امام مالکؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ مؤذن حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آکر صبح کی نماز کے لئے انہیں خبردار کر دیتا تھا چنانچہ (ایک دن) مؤذن نے حضرت عمرؓ کو سوتا ہوا پایا تو کہا کہ الصلوٰۃ خیر من النوم (نماز نیند سے بہتر ہے) حضرت عمرؓ نے مؤذن کو حکم دیا کہ یہ کلمہ صبح کی اذان میں شامل کیا جائے۔" (مؤطا)

تشریح: بظاہر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا کلمہ حضرت عمرؓ نے اضافہ کیا تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ فجر کی اذان میں یہ کلمہ کہنا تو شروع ہی سے مسنون تھا۔ اب اس حدیث کی توجیہات کی گئی ہیں لیکن زیادہ مناسب اور بہترین توجیہ یہ ہے کہ جب مؤذن نے حضرت عمرؓ کو سوتا ہوا دیکھ کر یہ کلمہ کہا تو انہیں ناگوار ہوا اور فرمایا کہ یہ کلمہ صبح کی اذان میں شامل کیا جائے یعنی یہ کلمہ فجر کی اذان ہی میں کہنا سنت ہے اسی موقع پر تمہیں یہ کلمہ کہنا چاہئے اذان کے سوا سوتے ہوئے کو جگانے

کے لئے یہ کلمہ استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔

⑬ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلَالًا اَنْ يَجْعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَقَالَ اِنَّهٗ اَرْفَعُ لِصَوْتِكَ۔

(رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت عبدالرحمٰنؒ ابن سعدؒ ابن عمارؒ ابن سعد مؤذن رسول خدا ﷺ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد سعدؒ نے اور انہوں نے اپنے والد عمار سے اور انہوں نے سعدؒ کے دادا سے جن کا نام بھی سعد تھا سنا کہ سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ (اذان کہتے وقت) اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں دے لیا کریں کیونکہ اس سے آواز زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح : حضرت سعدؓ صحابی ہیں اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے مسجد قبا میں مؤذن تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات تک یہ اس مسجد میں اذان کہتے رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ مسجد نبوی میں اذان کہنا چھوڑ کر شام چلے گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے انہیں مسجد قبا سے بلا کر مسجد نبوی میں اذان کہنے کی خدمت پر مامور فرمایا اور یہ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اس باسعادت خدمت کو انجام دیتے رہے۔ حضرت سعد کے صاحبزادے حضرت عمار تابعی مقبول ہیں اور ان کے بیٹے یعنی حضرت سعدؓ کے پوتے کا نام بھی سعد ہے اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن مسطور ہیں اس طرح عمار کے والد حضرت سعد ان کے لڑکے سعد کے دادا ہوئے۔

چنانچہ یہ حدیث حضرت عبدالرحمٰن نے اپنے دادا حضرت سعدؓ سے نقل کی ہے اور انہوں نے اپنے والد حضرت عمارؓ سے نقل کی ہے جو تابعی ہیں اور انہوں نے اپنے والد مکرم حضرت سعدؓ سے سنا ہے جو صحابیت کی سعادت سے مشرف ہیں۔ ابیہ اور جدہ دونوں کی ضمیریں لفظ ابی کی طرف راجع ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں اس لئے دی جاتی ہیں تاکہ آواز زیادہ سے زیادہ بلند ہو سکے اور اس میں شاید یہ حکمت ہے کہ کانوں میں انگلیاں رکھ لینے سے بلند آواز ہی مؤذن کے کان میں آئے گی اس لئے وہ اس کی کوشش کرے گا کہ جہاں تک ہو سکے۔ پورے زور سے چلا کر اذان کہے۔

بَابُ فَضْلِ الْاَذَانِ وَاِجَابَةِ الْمُؤَذِّنِ

اذان اور اذان کا جواب دینے کی فضیلت کا بیان

اذان اللہ تعالیٰ کے اذکار میں ایک بہت بڑے رتبہ کا ذکر ہے اس میں توحید اور رسالت کی شہادت اعلان کے ساتھ ہوتی ہے اس سے اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اذان دینے کی فضیلت اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے چنانچہ اس عنوان کے تحت وہ احادیث ذکر کی جائیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ اذان دینا در حقیقت برکت و سعادت سے اپنا دامن بھرنا ہے۔

اب اس میں کلام ہے کہ آیا اذان کہنا زیادہ افضل ہے یا امامت کرنا؟ چنانچہ مختار اور معتمد قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ وہ امامت کے پورے حقوق بجالائے گا تو اس کے لئے امامت کرنا افضل ہوگا ورنہ بصورت دیگر اس کے لئے اذان کہنا ہی افضل ہوگا۔

علماء کا اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ آیا آنحضرت ﷺ نے بھی اذان کہی ہے یا نہیں؟ گو ایک حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اذان کہی ہے مگر بعض حضرات نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دے کر اذان کہلائی ہے۔ آپ ﷺ کے اس حکم کو اس طرح تعبیر کیا گیا ہے جیسے کہ محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ نے قلعہ بنایا ہے حالانکہ بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے قلعہ نہیں بناتا بلکہ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس نے حکم دے کر قلعہ بنوایا ہے۔ دار قطنیؒ کی ایک روایت میں اس کی

تصریح بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اذان کہنے کا حکم کیا تھا (نہ کہ خود اذان دی تھی) واللہ اعلم۔

اذان کا جواب دینا واجب ہے اگر کئی آدمی مل کر اذان دیں تو اس شکل میں حرمت اوّل کے لئے ہوگی یعنی اس کا جواب دینا چاہئے اور اگر کوئی شخص کئی طرف سے یعنی مختلف محلوں کی مساجد سے اذان سنے تو صرف اپنی مسجد کے مؤذن کا جواب دینا واجب ہوگا اور اگر کوئی شخص اذان کے وقت مسجد میں بیٹھا ہوا ہو تو اس کے لئے اذان کا جواب واجب نہیں ہے کیونکہ اس شکل میں تو اسے اجابت فعلی حاصل ہی ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ قرآن پڑھنے والا شخص اذان کا جواب دے یا نہ دے! چنانچہ اس سلسلہ میں مختار قول یہ ہے کہ وہ اذان کا جواب نہ دے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز لوگوں سے زیادہ اونچی گردن والے مؤذن ہوں گے۔" (مسلم)

تشریح: اونچی گردن کے معنی کے تعین میں مختلف اقوال ہیں چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ دنیا میں اذان دیتے تھے وہ قیامت کے روز بہت زیادہ ثواب والے اور مرتبے والے ہوں گے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ مؤذن قیامت کے روز سردار ہوں گے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں قیامت کے روز مؤذن بہت زیادہ ثواب کے امیدوار ہوں گے کیونکہ جو شخص کسی چیز کے حصول کی امید رکھتا ہے وہ گردن اونچی کر کے اس چیز کو دیکھتا ہے، اسی طرح میدان حشر میں جب کہ تمام لوگ حساب و کتاب کی بناء پر رنج و فکر میں ہوں گے۔ مؤذن آرام و راحت کے ساتھ اس بات کے منتظر ہوں گے کہ اب جنت میں داخلہ کا حکم کیا جائے گا۔ بعض حضرات نے اس کے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ قیامت کے روز مؤذنوں کو باری تعالیٰ عزاسمہ کی بارگاہ میں مقام قرب و عزت حاصل ہوگا۔

② وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ اَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰى لَا يَسْمَعَ التَّاذِيْنَ فَاِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ اَقْبَلَ حَتّٰى اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ اَدْبَرَ حَتّٰى اِذَا قُضِيَ التَّثْوِيْبُ اَقْبَلَ حَتّٰى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ يَقُوْلُ اُذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگ کھڑا ہوتا ہے تاکہ اذان نہ سن سکے، جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر آتا ہے اور جس وقت تکبیر ہوتی ہے تو پھر پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو واپس آ جاتا ہے تاکہ انسان اور اس کے دل کے درمیان خطرات پیدا کرے چنانچہ (نمازی سے) کہتا ہے کہ فلاں چیز یاد کرو، فلاں بات یاد کرو (اس طرح نماز شروع کرنے سے پہلے مال و اولاد، حساب و کتاب اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں) جو باتیں نمازی کو یاد نہیں ہوتیں وہ یاد دلاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی (یعنی نمازی کو) کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: بعض کہتے ہیں کہ شیطان کا گوز مارنا حقیقۃً ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی جسم رکھتا ہے اس لئے ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے چنانچہ جس طرح گدھے پر جب وزن رکھ دیا جاتا ہے تو وہ بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے گوز مارتا ہے اسی طرح شیطان پر بھی اذان بہت بھاری ہوتی ہے اور وہ گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جب اذان شروع ہوتی ہے تو شیطان ایک آواز نکالتا ہے جو کان میں بھر جاتی ہے اور اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اذان نہ سن سکے۔ اس آواز کو اس کی برائی و خرابی بیان کرنے کے لئے یہاں گوز مارنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

انسان اور اس کے دل کے درمیان خطرات پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نمازی اور اس کے دل کے درمیان وسواس و خطرات حائل کر دیتا ہے اور اس کے دل کو دنیا کی باتوں کی طرف لگا دیتا ہے تاکہ نماز میں حضوری قلب کی دولت میسر نہ آسکے۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ شیطان قرات قرآن اور عظمت سے تو بھاگتا نہیں مگر اذان سے بھاگتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اذان کے کلمات میں ایسی ہیبت اور عظمت رکھ دی ہے جو شیطان کو خوف و ہراس میں مبتلا کر دیتی ہے۔

(۳) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَسْمَعُ مَدٰی صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا شَیْءٌ اِلَّا شَھِدَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ مؤذن کی انتہائی آواز کو جو بھی سنتا ہے خواہ انسان ہو یا جن اور یا جو بھی چیز وہ سب قیامت کے دن مؤذن (کے ایمان) کی گواہی دیں گے۔" (بخاری)

تشریح: مدی کے معنی "انتہا یعنی اخیر" ہیں۔ آواز کی انتہا یہ ہے کہ اس کی بھنک کان میں آجائے اور یہ نہ معلوم ہو کہ آواز دینے والا کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں اگرچہ یہی معنی کافی تھا کہ "مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے الخ" لیکن مدی بمعنی انتہاء کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ مقصود تھا کہ جن کے کان میں اذان کی محض بھنک پڑ جائے گی جب وہ مؤذن کے ایمان کی گواہی دیں گے تو وہ لوگ تو بطریق اولیٰ گواہ ہوں گے جو مؤذن کے قریب ہوں گے اور اذان کو قریب سے سنیں گے۔

علماء لکھتے ہیں کہ در حقیقت اس حدیث سے مؤذن کو ترغیب دلانی مقصود ہے کہ اذان نہایت بلند آواز سے کہا کریں تاکہ ان کے ایمان کی گواہی دینے والے زیادہ سے زیادہ ہوں۔

(۴) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ بِھَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰہَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ فَاِنَّھَا مَنْزِلَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ لَا تَنْبَغِیْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰہِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَنَا ھُوَ فَمَنْ سَاَلَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ حَلَّتْ عَلَیْہِ الشَّفَاعَۃُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص راوی ہیں۔ کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جب تم مؤذن کی آواز سنو تو (اس کے جواب میں) اس کے الفاظ کو دہراؤ اور پھر (اذان کے بعد) مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اس کے بدلہ میں خدا اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے پھر (مجھ پر درود بھیج کر) میرے لئے (خدا سے) وسیلہ کی دعا کرو۔ وسیلہ جنّت کا ایک (اعلیٰ) درجہ ہے جو خدا کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھ کو امید ہے کہ وہ بندۂ خاص میں ہوں گا لہٰذا جو شخص میرے لئے وسیلہ کی دعا کرے گا (قیامت کے روز) اس کی سفارش مجھ پر ضروری ہو جائے گی۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب مؤذن اذان کہے تو تم بھی مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات دہراتے جاؤ البتہ چند کلمات ایسے ہیں جن کو بعینہٖ دہرانا نہیں چاہئے بلکہ ان کے جواب میں دوسرے کلمات کہنے چاہیں جس کی تفصیل آئندہ حدیث میں آرہی ہے چنانچہ فجر کی اذان میں جب مؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم کہے تو اس کے جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وبالحق نَطَقْتَ (یعنی تم نے سچ کہا ہے اور خیر کثیر کے مالک ہوئے اور تم نے سچ بات کہی) کہنا چاہئے۔

"وسیلہ" اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ مطلوبہ چیز کو حاصل کیا جائے اور اس کے سبب سے مطلوبہ چیز کا قرب حاصل ہو چنانچہ جنّت کے ایک خاص اور اعلیٰ درجہ کا نام وسیلہ اسی لئے ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہوتا ہے اسے باری تعالیٰ عزاسمہ کا قرب حاصل

ہوتا ہے اور اس کے دیدار کی سعادت میسر آتی ہے نیز جو فضیلت اور بزرگی اس درجہ والے کو ملتی ہے وہ دوسرے درجہ والوں کو نہیں ملتی۔
آپ ﷺ کا ارجو (یعنی مجھ کو امید ہے) فرمانا عاجزی اور انکساری کے طور پر ہے کیونکہ جب آنحضرت ﷺ تمام مخلوق سے افضل و بہتر ہیں تو یہ درجہ یقیناً آپ ﷺ ہی کے لئے ہے۔ کوئی دوسرا اس درجہ کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟ لہٰذا اس لفظ کی تاویل یہ کی جائے گی کہ یہ یقین سے کنایہ ہے یعنی مجھے یہ یقین ہے کہ یہ درجہ مجھے ہی حاصل ہوگا۔

⑤ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ اَحَدُكُمُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اللہ اکبر اللہ اکبر کہے، پھر جب مؤذن اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے، پھر جب مؤذن اشھد ان محمد رسول اللہ کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے پھر جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے تو تم میں سے ہر شخص لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو تم میں سے ہر شخص لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے، پھر جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم میں سے ہر شخص کہے اللہ اکبر اللہ اکبر پھر جب موذن کہے لا الہ الا اللہ تو تم بھی کہو لا الہ الا اللہ جس نے (اذان کے جواب میں یہ کلمات) صدق دل سے کہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (مسلم)

تشریح: یہاں اللہ اکبر اختصار کی وجہ سے دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ سمجھانے کے لئے دو ہی مرتبہ کہنا کافی تھا اس لئے شہادتین یعنی اشھد ان لا الہ الا اللہ اور اشھد ان محمدا رسول اللہ کو بھی صرف ایک ایک مرتبہ ہی ذکر کیا گیا ہے۔
لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے معنی یہ ہیں، برائی سے بچنے اور نیک کام کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہتا ہے تو وہ لوگوں کو نماز کے لئے بلاتا ہے۔ لہٰذا اس کے جواب میں یہ کلمہ کہنے والا گویا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک امر عظیم اور زبردست فرض کی ادائیگی کا معاملہ ہے میں ایک عاجز و کمزور بندہ ہوں۔ میری قوت و طاقت کی کیا مجال کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کی متحمل ہو سکے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہی ہوتی ہے جو ہم اس امر عظیم کو پورا کرتے ہیں اور چونکہ نماز کے لئے آنے کی طاقت اور قوت خدا تعالیٰ ہی کی مدد سے ہوتی ہے لہٰذا خدا ہماری مدد فرماتا ہے تو ہم نماز کے لئے آتے ہیں۔
نوویؒ فرماتے ہیں کہ مؤذن جب اذان کہتا ہے تو اس کے کہے ہوئے کلمات کو اسی طرح دہرانا یعنی اس کا جواب دینا مستحب ہے البتہ حیعلتین یعنی حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنا چاہئے۔ بعض مقامات پر کچھ حضرات حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَلَمْ يَشَاءْ لَمْ يَكُنْ کہتے ہیں یہ غلط اور مسنون طریقہ کے خلاف ہے۔

اذان کا جواب ہر سننے والے کو دینا چاہئے خواہ باوضو ہو یا بے وضو اور خواہ جنبی ہو یا حائض، بشرطیکہ جواب دینے میں کوئی چیز مانع نہ ہو مثلاً کوئی پاخانہ میں ہو یا جماع کرتا ہوا، یا نماز پڑھ رہا ہو یا ایسے ہی کوئی دوسرا مانع ہو تو وہ اس وقت جواب نہ دے لیکن اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ان امور سے فراغت کے بعد اذان کے کلمات جواب میں کہے۔
"صدق دل سے کہے" کا تعلق یا تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ سے ہے کہ یہ کلمہ صدق دل سے کہا جائے یا پھر اس کا تعلق پوری اذان کے کلمات سے ہے کہ جواب میں تمام کلمات پورے خلوص اور صدق دل کے ساتھ کہے جائیں اور ظاہری طور پر بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ

اس کا تعلق پوری اذان سے ہے۔

جنّت میں تو تمام مسلمان ہی داخل ہوں گے چاہے وہ کسی عذاب کے بغیر داخل ہوں یا عذاب کے بعد داخل ہوں۔ لہٰذا یہاں جنّت میں داخل ہونے سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص جو اذان کا جواب صدق دل سے دیتا ہے یعنی زبان سے تو ان کلمات کو ادا کرتا ہے اور دل میں ان کلمات کی صداقت کا پورا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ نجات پائے ہوئے لوگوں کے ہمراہ جنّت میں داخل ہو گا۔

(۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِىْ وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص نے اذان سن کر (یعنی اذان ختم ہونے اور اس کا جواب دینے کے بعد) یہ دعا پڑھی تو قیامت کے روز مجھ پر اس کی شفاعت لازم ہوگی۔" دعا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِىْ وَعَدْتَّهٗ "اے اللہ! مالک اس کامل دعا (اذان) کے اور پروردگار اس نماز قائمہ کے ہمارے سردار محمد رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ (جنّت کا سب سے خاص و اعلیٰ درجہ) اور بزرگی عنایت فرما اور پہنچا ان کو مقام محمود پر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس دعاء میں اذان کو "دعا" سے تعبیر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان لوگوں کو نماز اور خدا کے ذکر کی طرف بلاتی ہے۔ نماز کو قائمہ اس لئے کہا گیا ہے کہ نماز ہمیشہ قیامت تک قائم و برقرار رہے گی۔ اس دعاء میں و الفضیلۃ کے بعد و الدرجۃ الرفیعۃ کے الفاظ بھی پڑھے جاتے ہیں مگر یہ کسی روایت میں مذکور نہیں ہیں۔

"مقام محمود" شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے اور یہ وہ مقام ہو گا جہاں آنحضرت ﷺ قیامت کے روز عاصیوں کے لئے شفاعت کرنے کے لے کھڑے ہوں گے۔

میدان حشر میں جب ہر طرف نفسی نفسی کا عالم ہو گا مخلوق خدا حساب و کتاب کی پریشانیوں میں مبتلا ہو گی اور تمام لوگ وہاں کی سختیوں کی بناء پر حیران و سرگرداں ہوں گے تو یکے بعد دیگرے تمام انبیاء و رسل کے پاس شفاعت کے لئے جائیں گے مگر وہ سب ہیبت و دہشت کی بنا پر شفاعت کی جرأت نہ کر سکیں گے اور کہیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ کیونکہ ان کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں، وہی مخلوق خدا کی شفاعت کے حقدار ہیں۔ چنانچہ تمام لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے تب آپ ﷺ بارگاہ احدیت میں حاضر ہو کر لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ ﷺ کی تعریف ہوگی اور حق تعالیٰ بھی آپ ﷺ کی تعریف کرے گا گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور ہو گا۔ اور تمام مخلوق آپ کی اس عظمت و برتری کو رشک کی نگاہوں سے دیکھے گی۔

وعدتہ (جس کا تو نے وعدہ کیا ہے) اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

"امید ہے کہ آپ (ﷺ) کا پروردگار آپ (ﷺ) کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔"

خداوند کریم عنقریب آپ ﷺ کو شافع محشر بنا کر مقام محمود میں کھڑا کرنے والا ہے۔ اور یہ وہ عزت و کرامت ہے جو بنی آدم میں آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں اس لئے کہ سب سے زیادہ آپ ﷺ ہی پر عبادت اور شب کا سوز و گداز بھی فرض ہوا ہے ؎

دلا بسوز کہ سوزے تو کارہا بکند ۔۔۔ دعائے نیم شبی دفع صد بلا بکند

بیہقی کی روایت میں اس دعاء میں وعدتہ کے بعد اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (یعنی بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا) بھی مذکور ہے۔ بعض

لوگ اس کے آگے یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن بھی پڑھتے ہیں حالانکہ احادیث میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔

⑦ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغِيْرُ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَكَانَ يَسْمَعُ الْاَذَانَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَكَ وَاِلَّا اَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْفِطْرَةِ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ رَاعِيْ مِعْزًى۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ (جب لشکر لے کر کسی جگہ جاتے تو) فجر ہو جانے پر (دشمن کے اوپر) حملہ کیا کرتے تھے اور فجر ہو جانے پر) اذان کا انتظار کیا کرتے تھے (اس آبادی میں سے جس پر حملہ کا ارادہ ہوتا تھا) اگر اذان کی آواز آجاتی تھی تو آپ ﷺ حملہ کرنے سے باز رہتے اور (اذان کی) آواز سنائی نہ دیتی تو حملہ کر دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ دشمن پر حملہ کے لئے جا رہے تھے تو ایک مقام پر آپ ﷺ نے ایک شخص کو اللہ اکبر، اللہ اکبر کہتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ، یہ شخص اسلام کے (طریقہ) پر ہے (کیونکہ اذان تو مسلمان ہی کہتا ہے) پھر اس شخص نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ تم شرک سے باز آجانے کی وجہ سے دوزخ سے نکل گئے۔ صحابہؓ نے (چاروں طرف دیکھ کر معلوم کرنا چاہا کہ اذان دینے والا کون ہے تو) دیکھا کہ وہ بکریاں چرانے والا شخص ہے)۔" (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ ﷺ جب دشمنوں پر حملہ کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تو اس کا خیال رکھتے کہ صبح کا وقت ہو، تاکہ اس بات کا اچھی طرح پتہ چل جائے کہ جس آبادی پر حملہ کیا جائے گا اس میں مسلمان ہیں یا کافر ہی کافر رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کے ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ (فجر ہو جانے پر) اذان کا انتظار کیا کرتے تھے چنانچہ جس آبادی پر حملہ مقصود ہوتا اس میں سے اگر اذان کی آواز آجاتی تو یہ جان کر کہ اس آبادی میں مسلمان ہیں آپ ﷺ حملہ سے باز رہتے تھے اور اگر اذان کی آواز نہ آتی تو پھر آپ ﷺ اس آبادی پر حملہ کر دیتے تھے۔ اذان کا انتظار آپ ﷺ اس لئے کرتے تھے کہ مبادا اس آبادی میں مسلمان ہوں اور ان جانے میں وہ اسلامی لشکر کی زد میں آجائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اذان کے ہونے اور نہ ہونے کو ایمان اور کفر کی علامت سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے روایت فقیہہ میں آتا ہے کہ جو لوگ اذان کو ترک کر دیں گے تو باوجودیکہ اذان سُنّت ہے ایسے لوگ مستحق قتال ہوں گے کیونکہ اذان اسلامی شعار میں سے ہے۔

⑧ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا غُفِرَ لَهٗ ذَنْبُهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص مؤذن کی (اذان) کو سن کر یہ کہے کہ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، محمد ﷺ کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں تو اس کے (صغیرہ) گناہ بخش دئے جائیں گے۔" (مسلم)

تشریح: اس میں اختیار ہے کہ ان کلمات کو یا تو اس وقت پڑھا جائے جب مؤذن اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے یا اذان ختم ہو جانے کے

بعد پڑھے۔ مناسب تو یہی ہے کہ اذان ختم ہونے کے بعد یہ کلمات پڑھے جائیں تاکہ اذان کے دوسرے کلمات کے جواب ترک نہ ہوں۔ اور ظاہر تو یہ ہے کہ مذکورہ ثواب اسی وقت ملے گا جبکہ اذان کے کلمات کا جواب دے کر بعد میں ان کلمات کو پڑھا جائے۔

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلَاةٌ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلَاةٌ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مغفلؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے اور پھر تیسری دفعہ میں یہ فرمایا کہ (یہ نماز) اس شخص کے لئے ہے جو پڑھنا چاہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "دو اذانوں" سے مراد اذان و تکبیر ہیں یعنی اذان اور تکبیر کے درمیان نماز پڑھنی فلاح و سعادت کی بات ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اذان و تکبیر کے درمیان نوافل پڑھنے کی رغبت دلانے کے لئے یہ جملہ مکرر سہ مکرر فرمایا کیونکہ اذان و تکبیر کے درمیان کا وقت بہت زیادہ بابرکت اور فضیلت کا حامل ہوتا ہے اس لئے اس وقت نماز پڑھ کر جو دعا مانگی جاتی ہے وہ بارگاہ احدیت سے رد نہیں کی جاتی ہے بلکہ قبولیت کا درجہ پاتی ہے اور پھر یہ کہ بابرکت اور بافضیلت وقت میں عبادت کا ثواب بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ اذان و تکبیر کے درمیان میں نماز پڑھنی سُنّت ہے مگر آپ نے لمن شآء فرما کر اس طرف اشارہ بھی فرما دیا ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مغرب میں اذان و تکبیر کے درمیان نفل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت بزیرہ اسلمیؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ مغرب کے علاوہ (بقیہ اوقات میں) دونوں اذانوں (یعنی اذان و تکبیر) کے درمیان دو رکعتیں (نماز) ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

⑩ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِيْنَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَفِيْ اُخْرٰى لَهٗ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ۔

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، امام ضامن ہوتا ہے اور مؤذن امانت دار ہوتا ہے (پھر آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی) اے اللہ! اماموں کو ہدایت دے (یعنی ان کو نیک علم، صالح عمل اور صلاح و تقوی کی توفیق دے) اور مؤذنوں (سے اگر اذان کہنے میں کمی و زیادتی ہو جاوے تو ان) کو بخش دے۔ (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ) اور امام شافعیؒ نے دوسری روایت مصابیح کے ہم لفظ نقل کی ہے۔"

تشریح: "ضامن" کا مطلب یہ ہے کہ امام دوسروں کی نماز کا ذمہ دار ہوتا ہے بایں طور پر کہ وہ مقتدیوں کے امور نماز مثلاً قرأت کا اور اگر مقتدی رکوع میں امام کے ساتھ مل جائے تو قیام وغیرہ کا متکفل ہوتا ہے اسی طرح وہ سب کی نمازوں کے افعال و ارکان نیز رکعتوں کی تعداد پر نگاہ رکھتا ہے۔ مؤذنوں کے امانت دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے سلسلہ میں اذان کی آوازوں پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہیں۔

⑪ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد و ابن ماجہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جو شخص (مزدوری و اجرت کے لالچ کے بغیر) محض ثواب حاصل کرنے کے لئے سات سال تک اذان دے تو اس کے لئے دوزخ سے نجات لکھ دی جاتی ہے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

⑫ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِي غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ لِلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ وَيُصَلِّي فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ الصَّلَاةَ يَخَافُ مِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَاَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا تمہارا رب راضی ہوتا ہے پہاڑ کی چوٹی پر بکریاں چرانے والے سے جو نماز کے لئے اذان کہتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ چنانچہ اللہ بزرگ و برتر (ملائکہ اور ارواح مقربین سے) فرماتا ہے۔ میرے اس بندہ کی طرف دیکھو وہ اذان دیتا ہے اور (پابندی کے ساتھ) نماز پڑھتا ہے اور مجھ سے ڈرتا ہے، چنانچہ میں نے بھی اس بندے کے گناہ بخش دیے ہیں اور میں اسے جنت میں داخل کروں گا۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: یعنی وہ چرواہا جو لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے اور دنیا کے علائق سے دست بردار ہو کر پہاڑ کی چوٹی پر بسیرا کئے ہوئے ہے، جب نماز کا وقت آتا ہے تو اذان کہہ کر اللہ اور اس کے رسول کا نام بلند کرتا ہے اور پابندی سے نماز ادا کر کے اپنے پروردگا کی خوشنودی حاصل کرتا ہے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اذان دینے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی اذان کے ذریعہ ملائکہ اور جنات نماز کے وقت سے مطلع ہو جاتے ہیں، نیز یہ کہ اس کی اذان مخلوقات میں سے جو چیز بھی سنتی ہے قیامت کے روز اس کے ایمان کی گواہی دے گی اور سنّت کا اتباع ہوتا ہے اور جماعت کے معاملہ میں اسے مسلمانوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

اذان سے اعلام عام یعنی اذان و تکبیر دونوں مراد ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایسا آدمی جب اذان و تکبیر کہتا ہے تو ملائکہ اس کے ہمراہ نماز میں شامل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اسے جماعت کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

"مجھ سے ڈرتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اس بندہ کی عبادت کا مقصد نمائش وریا نہیں ہے بلکہ وہ میرے عذاب سے چونکہ ڈرتا ہے اس لئے اذان بھی کہتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اکیلے شخص کو بھی اذان و تکبیر کہنا مستحب ہے۔

⑬ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدٌ اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَرَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ يُنَادِيْ بِالصَّلٰوةِ الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، قیامت کے روز تین آدمی مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ (پہلا) وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کر کے اپنے آقا کے حقوق بھی اداء کئے اور (دوسرا) وہ شخص جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے اور لوگ اس سے خوش ہیں اور (تیسرا) وہ شخص جو رات دن (یعنی ہمیشہ) پانچوں وقت کی نماز کے لئے اذان کہتا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "عبد" سے مراد مملوک ہے خواہ غلام ہو یا لونڈی۔ امام سے لوگوں کو خوش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی اپنے امام سے اس وجہ سے مطمئن و راضی ہوتے ہیں کہ وہ نماز کے احکام و ارکان اور سنن و آداب کی پوری پوری رعایت کرتا ہے۔ اور قرأت اصول و قواعد کے مطابق نیز عمدہ آواز کے ساتھ کرتا ہے لیکن اتنی بات ملحوظ رہے کہ اس سلسلہ میں اعتبار اکثر لوگوں کا ہو گا جو کہ صاحب علم و فراست ہوں۔

بہر حال قیامت کے روز ان تینوں کو مشک کے ٹیلے اس لئے ملیں گے کہ یہ لوگ دنیا میں خواہشات نفسانی کی لذتوں کو اطاعت الٰہی اور فرمانبرداری رسول ﷺ کی سختیوں پر قربان کر دیں گے اس لئے پروردگار عالم اس کے صلہ میں انہیں خوشبو کی صورت میں عظیم انعام عطا

فرمائے گا تاکہ دوسرے لوگوں پر ان کی عظمت و بزرگی ظاہر ہو سکے۔

⑭ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهٗ مَدٰى صَوْتِهٖ وَيَشْهَدُ لَهٗ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ وَشَاهِدُ الصَّلَاةِ يُكْتَبُ لَهٗ خَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ صَلَاةً وَيُكَفَّرُ عَنْهُ مَا بَيْنَهُمَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى النِّسَائِیُّ اِلٰى قَوْلِهٖ كُلَّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ وَقَالَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰى۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، اذان دینے والے کی بخشش اس کی آواز کی انتہاء کے مطابق کی جاتی ہے۔ ہر خشک و تر چیز اور نماز میں آنے والے آدمی اس کے (ایمان کے) گواہ ہو جاتے ہیں۔ پچیس نمازوں کا ثواب (اس کے زائد اعمال میں) لکھا جاتا ہے اور نمازوں کے درمیان اس سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں معاف ہو جاتے ہیں۔ (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ) اور نسائیؒ نے اس روایت کو کل رطب ویابس تک نقل کیا ہے، اور یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ وَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰى یعنی اور اسے نماز پڑھنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔"

تشریح: "آواز کی انتہا کے مطابق بخشش" کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن اذان کہتے وقت جس قدر آواز بلند کرتا ہے اس کی مغفرت اسی قدر ہوتی ہے اور اگر وہ آواز کو انتہائی درجہ تک پہنچا دیتا ہے یعنی اس کی جتنی طاقت ہوتی ہے اتنی ہی آواز بلند کرتا ہے تو مغفرت بھی پوری ہی پاتا ہے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اگر گناہ کا جسم فرض کیا جائے اور وہ اتنے ہوں کہ مؤذن کی آواز جہاں تک بھی پہنچے وہاں تک سما جائیں تو اس کے وہ سب گناہ بخشش دیے جاتے ہیں۔

رطب (تر) سے مراد وہ مخلوق ہیں جن میں نمو ہوتا ہے جیسے انسان اور نباتات وغیرہ اور یابس (خشک) سے جمادات یعنی پتھر اور مٹی وغیرہ مراد ہیں۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ وَشَاهِدُ الصَّلٰوةَ لفظ اَلْمُؤَذِّنُ پر عطف کیا گیا ہے اس طرح پورے جملہ کے معنی یہ ہوں گے "مغفرت کی جاتی ہے مؤذن کی اور ان لوگوں کی جو جماعت میں حاضر ہوتے ہیں"۔

مگر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس کا عطف كُلُّ رَطْبٍ پر ہے اور اسے عطف خاص علی عام کہا جاتا ہے يُكْتَبُ لَهٗ اور عنہ کی ضمیر یا تو شَاهِدُ کی طرف راجع ہے یا پھر مُؤَذِّن کی طرف راجع ہوگی۔

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن نمازیوں کا سا ثواب پاتا ہے کیونکہ یہ ان کو نماز کی طرف بلاتا ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص بھلی بات کا باعث ہوتا ہے اسے اس بھلائی کے کرنے والے کی مانند ثواب ملتا ہے۔

⑮ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اجْعَلْنِیْ اِمَامَ قَوْمِیْ قَالَ اَنْتَ اِمَامُهُمْ وَاقْتَدِ بِاَضْعَفِهِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَاْخُذُ عَلٰى اَذَانِهٖ اَجْرًا۔ (رواہ احمد والبوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عثمان بن ابی عاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے میری قوم کا امام مقرر فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم ان کے امام ہو (یعنی میں نے تمہیں تمہاری قوم کا امام مقرر کر دیا مگر یہ یاد رکھو کہ نماز پڑھانے میں) تم ان میں سے بہت زیادت ضعیف و ناتواں کی اقتداء کرنا اور ایسا مؤذن مقرر کرنا جو اذان کہنے کی مزدوری نہ لے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: "ضعیفوں کی اقتداء کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ امامت میں ضعیف و کمزور لوگوں کی رعایت کی جائے یعنی قرأت اتنی لمبی نہ کی جائے اور ارکان نماز اس طرح ادا نہ کئے جائیں کہ وہ لوگ تنگ و پریشان ہو جائیں اور جماعت سے نماز پڑھنا چھوڑ دیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اور مؤذن کے لئے نماز پڑھانے اور اذان دینے کی اجرت حلال[1] نہیں ہے۔ مگر علماء نے یہ لکھا ہے

---

[1] امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اذان اقامت، امامت اور تعلیم قرآن کے سلسلہ میں معاوضہ لینا جائز نہیں ہے ۱۲۔

کہ اگر امام اور مؤذن بطور خود اپنی اجرت مقرر نہ کرائیں بلکہ لوگ ان کے پاس ان کی حاجت کے مطابق روپیہ پیسہ از خود بھیج دیا کریں تو یہ جائز و حلال ہوگا۔ لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ وہ امام و مؤذن کی خبرگیری کریں اور ان کے پاس از خود اتنا روپیہ اور مال بھجوا دیا کریں جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ فتاوی قاضی خاں میں مرقوم ہے کہ جو مؤذن اوقات نماز وغیرہ کے سلسلہ میں علم نہیں رکھتا اسے اذان کہنے کا ثواب نہیں ملتا، اس لئے جو مؤذن اجرت لے گا اسے تو بطریق اولیٰ ثواب نہیں ملے گا۔

(۱۶) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ عَلَّمَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْلَ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَائِكَ فَاغْفِرْلِي رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالْبَيْهَقِي فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھے سکھلایا تھا کہ میں مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کروں اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَائِكَ فَاغْفِرْلِي اے اللہ! یہ وقت تیری رات کے آنے کا اور تیرے دن کے واپس جانے اور تیرے پکارنے والوں (یعنی مؤذنوں) کی آوازوں کا! لہٰذا تو میری مغفرت فرما۔" (ابوداؤد، بیہقی)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا یا تو اذان کا جواب دینے کے دوران پڑھ لی جائے یا پھر جواب سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی جائے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اذان کا وقت بارگاہ احدیت میں دعاء کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے اس لئے ایسے وقت اپنے گناہوں کی معافی اور خیر و بھلائی کے راستہ پر چلنے کی توفیق کی زیادہ سے زیادہ دعا مانگنی چاہئے تاکہ قبولیت کے مرتبہ کو پہنچ سکے۔

(۱۷) وَعَنْ اَبِي اُمَامَةَ اَوْ بَعْضِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ بِلَالًا اَخَذَ فِي الْاِقَامَةِ فَلَمَّا اَنْ قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا وَقَالَ فِي سَائِرِ الْاِقَامَةِ كَنَحْوِ حَدِيْثِ عُمَرَ فِي الْاَذَانِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوامامہؓ یا سرور کائنات ﷺ کے کوئی اور صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نے تکبیر کہنی شروع کی۔ جب انہوں نے قد قامت الصلوٰة کہا تو آنحضرت ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا، اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا یعنی اللہ تعالیٰ نماز کو قائم و دائم رکھے اور تکبیر کے بقیہ کلمات کے جوابات وہی فرمائے جس کا ذکر حضرت عمرؓ کی اذان کی حدیث میں ہو چکا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اسی باب کی حدیث نمبر پانچ میں اذان کے کلمات اور ان کے جواب کو جس طرح ذکر کیا گیا ہے اسی طرح تکبیر کے وقت مؤذن جو کلمات کہتا گیا۔ آپ بھی ویسے ہی کلمات کو دہراتے رہے البتہ حی علی الصلوٰة اور حی علی الفلاح کے جواب میں لاحول و لاقوة الا باللہ پڑھا اور قد قامت الصلوٰة کے جواب میں اقامها اللہ و ادامها کہا۔

(۱۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، اذان اور تکبیر کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: یوں تو پروردگار عالم اپنی رحمت و شفقت کے ناطے ہر وقت ہی اپنے بندوں کی دعا قبول کرتا ہے اور ان کے دامن امید کو اپنے فضل و کرم کے موتیوں سے معمور کرتا ہے مگر اس ارشاد کے ذریعہ مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اذان و تکبیر کے درمیان کا وقت اتنا بابرکت و باسعادت ہوتا ہے کہ اس وقت پروردگار عالم کے سامنے بندہ اپنی جس حاجت کے لئے بھی دامن پھیلاتا ہے اس کی مراد یقیناً پوری کی جاتی ہے اور مانگنے والا جو بھی دعا مانگتا ہے وہ ضرور قبول ہوتی ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس وقت اپنی دینی اور دنیاوی فلاح و سعادت اور کامیابی و کامرانی کے لئے ضرور دعا مانگا کریں۔

اس سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ دعاء خواہ اذان کے بعد متصلاً ہی مانگی جائے یا کچھ دیر کے بعد، ہر صورت میں قبول ہوگی مگر صحیح اور اولیٰ یہ ہے کہ اذان کے فوراً بعد مانگ لینی چاہئے۔

(۱۹) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَانِ لَاتُرَدَّانِ اَوْقَلَّمَا تُرَدَّانِ الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَعِنْدَ الْبَأْسِ حِيْنَ يَلْحَمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَفِىْ رِوَايَةٍ وَتَحْتَ الْمَطَرِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِىُّ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔

"اور حضرت سہل ابن سعدؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں، یا فرمایا کہ کم رد کی جاتی ہیں۔ ایک تو وہ دعا جو اذان (ہونے کے بعد یا اذان شروع ہونے) کے وقت مانگی جاتی ہے، اور دوسری وہ دعا جو (کفار کے ساتھ) جنگ میں مٹھ بھیڑ (یعنی آپس میں قتل و قتال) شروع ہو جانے کے وقت مانگی جاتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں (جنگ میں مٹھ بھیڑ کے بجائے) یہ منقول ہے کہ دوسری وہ دعا جو بارش میں (کھڑے ہو کر) مانگی جائے۔ (ابوداؤدؒ، دارمیؒ) مگر دارمی کی روایت میں "تحت المطر" منقول نہیں ہے۔"

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ يَفْضُلُوْنَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ كَمَا يَقُوْلُوْنَ فَاِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلْ تُعْطَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ ایک صحابیؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! اذان دینے والے تو بزرگی میں ہم سے بڑھے جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح وہ کہتے ہیں (ساتھ ساتھ) تم بھی اسی طرح کہتے جاؤ اور جب (اذان کے جواب سے) فارغ ہو جاؤ تو جو چاہو مانگو، دیا جائے گا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: صحابی کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ اذان دیتے ہیں وہ تو اذان دینے کی سعادت و برکت کی وجہ سے ہماری بہ نسبت زیادہ ثواب کے حقدار ہوتے ہیں اس لئے ہمیں بھی کوئی ایسا طریقہ بتا دیجئے جس پر چل کر ہم بھی ثواب میں ان کے ہم پلہ ہو جائیں۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ طریقہ بتا دیا کہ جب مؤذن اذان کے کلمات کہے تو تم بھی ان کے ساتھ اذان کے کلمات دہراتے جاؤ (سوائے حی علی الصلٰوۃ و حی علی الفلاح کے کہ ان کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ کہنا چاہئے) اسی طرح تمہیں بھی ان کے اصل ثواب کی طرح ثواب ملے گا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک دوسری چیز اذان کے جواب سے فراغت کے بعد دعاء مانگنے کو بتا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اگر اذان کا جواب دینے کے بعد دعاء مانگی جائے تو فضیلت و بزرگی میں اور اضافہ ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو تو اسے بھی اذان کے کلمات کا جواب دینا چاہئے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اذان کے وقت مسجد میں موجود شخص کو اذان کا جواب دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس وقت جب اجابت فعلی حاصل ہے تو اجابت قولی کی کیا ضرورت ہے۔ دل کو لگنے والی بات نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۲۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطَانَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ قَالَ الرَّاوِى وَالرَّوْحَاءُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى سِتَّةٍ وَثَلَاثِيْنَ مِيْلًا۔ (رواہ مسلم)

"حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا، سرور کائنات ﷺ فرماتے تھے کہ جب شیطان نماز کی اذان سنتا ہے تو بھاگتا ہے یہاں تک کہ مقام روحا تک پہنچ جاتا ہے۔ روای کہتے ہیں روحا مدینہ سے چھتیس کوس کے فاصلے پر ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: شیطان سے مراد جنس شیطان ہے یعنی اذان سن کر یا تو تمام شیطان بھاگ کھڑے ہوتے ہیں یا ان کا سردار بھاگ جاتا ہے اور صحیح یہی ہے۔ حدیث کے آخر جزو کا مطلب یہ ہے کہ اذان سن کر شیطان نماز پڑھنے والے سے اتنا دور ہو جاتا ہے جتنا دور مدینہ سے روحا ہے۔

"راوی" سے حضرت ابوسفیان نافع ابن طلحہ کی ذات مراد ہے جنہوں نے اس حدیث کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔

(۲۲) وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ قَالَ اِنِّي لَعِنْدَ مُعَاوِيَةَ اِذْ اَذَّنَ مُؤَذِّنُهُ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ كَمَا قَالَ مُؤَذِّنُهُ حَتّٰى اِذَا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَلَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَقَالَ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذٰلِكَ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت علقمہ ابن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں (ایک روز) حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ان کے مؤذن نے اذان دی، چنانچہ مؤذن جس طرح کہتا تھا حضرت معاویہؓ بھی اسی طرح (اس کے ساتھ ساتھ) کہتے رہے، جب مؤذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہؓ نے کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ جب مؤذن نے حی علی الفلاح کہا تو حضرت معاویہؓ نے کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اور اس کے بعد مؤذن جو کچھ کہتا رہا حضرت معاویہؓ بھی کہتے رہے۔ (پھر فارغ ہو کر) حضرت معاویہؓ نے کہا میں نے سرور کائنات ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حی علی الفلاح کے جواب میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے بعد العلی العظیم کا اضافہ مرویات میں نادر ہے۔

(۲۳) وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ بِلَالٌ يُنَادِي فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا يَقِيْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ تھے کہ حضرت بلالؓ کھڑے ہوئے اور اذان کہنے لگے۔ جب وہ (اذان دے کر) خاموش ہوگئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اسی طرح یقیناً (یعنی خلوص دل سے) کہا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (نسائیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص یقین و اعتماد کی پوری قوت اور دل کے پورے خلوص کے ساتھ ان کلمات کو یا تو اذان میں کہے یا اذان کے جواب میں کہے یا مطلقاً کہے تو وہ جنت میں داخل ہونے کا مستحق ہوگا یا نجات پانے والوں کے ہمراہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۲۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَتَشَهَّدُ قَالَ وَاَنَا وَاَنَا۔ (ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب مؤذن کو شہادتین کہتے ہوئے سنتے تو فرماتے اور میں بھی اور میں بھی۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: یعنی جب مؤذن اذان میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللّٰہ کہتا تو آنحضرت ﷺ شہادتین کے جواب میں دو مرتبہ فرماتے وانا وانا (اور میں بھی اور میں بھی) یعنی جس طرح تم خدا کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دے رہے ہو اسی طرح میں بھی وحدانیت الٰہ اور رسالت محمد کی گواہی دیتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام اُمّت کی طرح خود آنحضرت ﷺ بھی اپنی رسالت کی گواہی دینے کے مکلف تھے۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ آیا آپ ﷺ اُمّت کے افراد کی طرح اشہد ان محمدا رسول اللّٰہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) یہ کہہ کر گواہی دیتے تھے یا اشہد انی رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) کہہ کر گواہی دیتے تھے؟ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپ ﷺ اُمّت کے افراد کی طرح اپنی رسالت کی گواہی دیتے تھے جیسا کہ ابھی حدیث نمبر اکیس میں حضرت معاویہؓ کے بارہ میں گزرا ہے کہ انہوں نے اذان کے جواب میں اشہد ان محمدا رسول اللّٰہ کہا اور پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اسی طرح فرماتے ہوئے سنا ہے (یعنی آپ ﷺ بھی اذان کے جواب میں اشہد ان محمدا رسول اللّٰہ ہی کہتے تھے)۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کی اس روایت میں اور حضرت معاویہؓ کی روایت میں چونکہ تعارض پیدا ہوتا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ کبھی تو آپ ﷺ اسی طرح فرماتے ہوں گے جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے بیان کیا اور کبھی اس طرح فرماتے ہوں گے جیسا کہ حضرت عائشہؓ یہاں بتا رہی ہیں۔

(۲۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَذَّنَ ثِنْتَیْ عَشْرَۃَ سَنَۃً وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ وَکُتِبَ لَہٗ بِتَاْذِیْنِہٖ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ سِتُّوْنَ حَسَنَۃً وَلِکُلِّ اِقَامَۃٍ ثَلَاثُوْنَ حَسَنَۃً۔ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص بارہ برس تک اذان دے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے اور اس کی اذان کے بدلہ میں (اس کے نامۂ اعمال میں) ہر روز (یعنی ہر اذان کے عوض) ساٹھ نیکیاں اور ہر تکبیر کے بدلہ میں تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: اذان کی بہ نسبت تکبیر کا ثواب آدھا غالباً اس لئے ہوتا ہے کہ تکبیر خاص طور پر ان لوگوں کو مطلع کرنے کے لئے ہوتی ہے جو جماعت میں حاضر ہوتے ہیں اور اذان کے ذریعہ عمومی طور پر حاضرین اور غائبین سب ہی کو مطلع کیا جاتا ہے یا پھر اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اذان دینے میں زیادہ محنت برداشت کرنی پڑتی ہے اور اس کی بہ نسبت تکبیر میں کم محنت ہوتی ہے۔

(۲۶) وَعَنْہُ قَالَ کُنَّا نُؤْمَرُ بِالدُّعَاءِ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں مغرب کی اذان کے وقت دعاء مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔" (بیہقیؒ)

تشریح: غالباً یہاں وہی مراد ہے جس کا تذکرہ حضرت اُم سلمہؓ کی حدیث نمبر پانچ میں آچکا ہے یعنی اللھم ھذا اقبال لیلک و ادبار نہارک الخ۔

بَابٌ
اذان کے بعض احکام کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِلَالًا یُنَادِیْ بِلَیْلٍ فَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یُنَادِیَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ قَالَ وَکَانَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ رَجُلًا اَعْمٰی لَا یُنَادِیْ حَتّٰی یُقَالَ لَہٗ اَصْبَحْتَ اَصْبَحْتَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، بلال (فجر کی اذان خاص) رات سے دے دیتے ہیں لہٰذا جب تک ابن اُم مکتوم اذان دیں تم (رمضان میں سحری) کھاتے پیتے رہا کرو۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ابن ام مکتوم ایک نابینا آدمی تھے، جب تک ان سے کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ تم نے صبح کر دی، تم نے صبح کر دی، وہ اذان نہ دیتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے دو مؤذن تھے، ایک مؤذن تو فجر کے وقت سے پہلے رات میں اذان دیتا تھا اور دوسرا نماز فجر کا وقت شروع ہونے کے بعد اذان دیتا تھا۔ چنانچہ حضرات شوافع کے یہاں دو مؤذن مقرر کرنا سُنّت ہے ایک فجر سے پہلے اخیر آدھی رات میں اذان دینے کے لئے اور دوسرا فجر کے اوّل وقت میں اذان دینے کے لئے۔

حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ پہلا مؤذن سحر کے لئے یا تہجد کے لئے تھا، اس کا تعلق نماز فجر کی اذان سے نہیں تھا کیونکہ ایک روایت

میں خود آنحضرت ﷺ نے صبح کی اذان وقت سے پہلے دینے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ اسی لئے حنفیہ کے یہاں فجر کی نماز کے لئے وقت سے پہلے رات میں اذان دینا جائز نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جملہ اصبحت اصبحت (یعنی تم نے صبح کر دی، تم نے صبح کر دی) سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت ابن اُمّ مکتومؓ صبح ہو جانے کے بعد اذان دیتے تھے تو اس وقت تک سحری کھانا پینا کیسے جائز ہوا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصبحت کے معنی یہ ہیں کہ "صبح ہونے والی ہے" اسی کو بطور مبالغہ اصبحت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۲) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيْلُ وَلٰكِنَّ الْفَجْرَ الْمُسْتَطِيْرُ فِي الْاُفُقِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَفْظُهُ لِلتِّرْمِذِيِّ۔

"اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، بلالؓ کی اذان تمہیں تمہاری سحری کھانے سے نہ روکے (کیونکہ وہ رات سے اذان دیتے ہیں) اور نہ فجر دراز (یعنی صبح کاذب) البتہ افق پر پھیلی ہوئی فجر (یعنی صبح صادق نمودار ہو جائے تو کھانا پینا چھوڑ دو) (مسلم الفاظ ترمذیؒ کے ہیں۔"

(۳) وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِيْ فَقَالَ اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَاَقِيْمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت مالک ابن حویرثؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے صاحبزادے (ہم دونوں) سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ، جب تم سفر میں جاؤ تو (نماز کے لئے) اذان و تکبیر کہا کرو اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔" (بخاریؒ)

تشریح: غالباً یہ دونوں حضرات علم و ورع میں ہم پلہ ہوں گے اس لئے آپ ﷺ نے امام بننے کا حقدار اسے قرار دیا جو عمر میں بڑا ہو، یا پھر "اکبر" (یعنی بڑے) سے مراد افضل ہے کہ دونوں میں سے جو افضل ہو وہ امامت کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ افضلیت کی شرط اذان میں نہیں ہے، تاہم چاہئے یہی کہ اذان وہ شخص دے جو اقامت نماز کا علم رکھتا ہو، نیک اور دیندار ہو۔ بلند آواز اور خوش گلو ہو اور اذان کے کلمات صحیح صحیح ادا کر سکتا ہو۔

(۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ وَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت مالک ابن حویرثؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ تم مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح تم بھی پڑھا کرو، اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی اذان دے دیا کرے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امام بن جایا کرے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ امامت کا مستحق وہی شخص ہوگا جو علم و فضل میں سب سے بڑھا ہوا ہو اور اگر علم و فضل کے اعتبار سے سب برابر ہوں تو جو شخص عمر میں سب سے بڑا ہوگا وہ امام بنے گا۔

عمر سے مراد وہ عمر ہے جو ایمان و اسلام کی حالت میں گزری ہو یعنی جس شخص کو اسلام قبول کئے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا ہو وہ حکماً ان لوگوں سے بڑا قرار دیا جائے گا جو اس کے بعد ایمان و اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئے ہیں خواہ وہ عمر میں ان سب سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ پہلے اسلام قبول کرنے والے شخص کو دین و شریعت کا علم بعد میں اسلام کا حلقہ بگوش ہونے والوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ سَارَ لَيْلَةً حَتّٰى اِذَا اَدْرَكَهُ الْكَرٰى عَرَّسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ اِكْلَاْ لَنَا اللَّيْلَ فَصَلّٰى بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهٗ وَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ

فَلَمَّا تَقَارَبَ الْفَجْرُ اَسْتَنَدَ بِلَالٌ اِلٰی رَاحِلَتِهٖ مُوَجِّهَ الْفَجْرِ فَغَلَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ اِلٰی رَاحِلَتِهٖ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا بِلَالٌ وَلَا اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ حَتّٰى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَهُمْ اِسْتِيْقَاظًا فَفَزِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَیْ بِلَالُ فَقَالَ بِلَالٌ اَخَذَ بِنَفْسِی الَّذِیْ اَخَذَ بِنَفْسِكَ قَالَ اقْتَادُوْا فَاقْتَادُوْا رَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِلَالًا وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ مَنْ نَسِیَ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ وَاَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِیْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب غزوہ خیبر سے واپس ہوئے تورات بھر سفر کرتے رہے یہاں تک کہ (جب) آپ ﷺ پر غنودگی طاری ہونے لگی تو آپ ﷺ آرام کرنے کے لئے آخری رات میں ایک جگہ اتر گئے اور حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ تم ہمارا خیال رکھنا (یعنی صبح ہو جائے تو ہمیں جگا دینا) یہ فرما کر آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ تو سو گئے اور حضرت بلالؓ نے (تہجد کی) نماز جس قدر ہو سکی پڑھی۔ جب صبح صادق ہونے کو ہوئی، تو حضرت بلالؓ اپنے کجاوہ سے تکیہ لگا کر فجر (مشرق) کی جانب منہ کر کے بیٹھ گئے (تاکہ صبح صادق ہو جائے تو آنحضرت ﷺ کو جگا دیں) حضرت بلالؓ کجاوہ سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ (اتفاق سے) ان کو بھی نیند آگئی (چنانچہ صبح صادق کے وقت) آنحضرت ﷺ حضرت بلالؓ اور صحابہؓ میں سے کوئی بھی بیدار نہ ہوا یہاں تک کہ جب ان کے اوپر دھوپ آگئی (اور اس کی گرمی پہنچی) تو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی آنکھ کھلی اور آپ ﷺ نے گھبرا کر فرمایا کہ بلال یہ کیا ہوا؟ حضرت بلالؓ (بھی گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور انہوں نے) عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بھی اس چیز نے پکڑ لیا جس نے آپ ﷺ کو پکڑ لیا تھا (یعنی نیند نے) آپ ﷺ نے فرمایا، یہاں سے روانہ ہو جاؤ! چنانچہ سب لوگ تھوڑی دور تک اپنی اپنی سواریاں لے کر چلے، پھر آنحضرت ﷺ نے وضو کیا اور حضرت بلالؓ کو تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے نماز کے لئے تکبیر کہی اور آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو صبح کی نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا، جو شخص (نیند وغیرہ کی بناء پر) نماز پڑھنی بھول جائے تو یاد آتے ہی فوراً اسے پڑھ لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اقم الصلوٰۃ لذکری یعنی میرے یاد کرنے کے وقت نماز پڑھ لو۔" (مسلم)

تشریح: خیبر مدینہ سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر ہے، بنو نضیر کے یہودی جب مدینہ سے اجڑے تو خیبر جا بسے اور پھر خیبر یہودیوں کی سازشوں کا اڈا اور مرکز بن گیا۔ لہٰذا اسلام کی حفاظت کی خاطر اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان کے اس شر انگیز ٹھان کو توڑ دیا جائے چنانچہ سات ہجری میں تقریباً سولہ سو مسلمان مجاہدین کا لشکر سرکار دوعالم ﷺ کی قیادت میں خیبر روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ یہ محاصرہ تقریباً دس روز تک جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی اور خیبر کے تمام قلعوں پر قبضہ ہو گیا۔ اس غزوہ کی کامیابی کا سہرا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سر رہا اور انہیں "فاتح خیبر" کے عظیم لقب سے نوازا گیا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اسلامی لشکر کا جھنڈا انہیں کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اور یہی اسلامی لشکر کی کمانڈ کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے ان سے ایک خاص بہادری یہ ظاہر کرائی کہ خیبر کا پھاٹک جو ستر آدمیوں سے بھی نہیں اٹھتا تھا انہوں نے تنہا اسے اکھاڑ پھینکا۔ جب فتح خیبر ہو گیا تو مسلمانوں اور وہاں کے یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی دو خاص دفعات یہ تھیں۔

1. جب تک مسلمان چاہیں گے یہودیوں کو خیبر میں رہنے دیں گے اور جب نکالنا چاہیں گے تو ان کو خیبر سے نکلنا ہوگا۔
2. پیداوار کا ایک حصہ مسلمانوں کو دیا جائے گا۔

بہر حال۔ حدیث میں مذکورہ واقعہ اسی غزوہ سے واپسی کے وقت پیش آیا تھا۔

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد جب آنکھ کھل گئی تھی تو اسی جگہ آنحضرت ﷺ نے قضا نماز کیوں نہ پڑھ لی؟ اور صحابہؓ کو وہاں سے روانہ ہونے کا حکم دینے کا سبب کیا تھا؟ چنانچہ اس سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں حنفی علماء جن کے

نزدیک طلوع آفتاب کے وقت قضا نماز پڑھنا منع ہے، فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس جگہ سے کوچ کرنے کا حکم اس وجہ سے دیا تھا تاکہ آفتاب بلند ہو جائے اور نماز کے لئے وقت مکروہ نکل جائے۔

شافعی علماء جن کے ہاں طلوع آفتاب کے وقت قضاء پڑھنی جائز ہے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ وہاں سے قضا نماز پڑھے بغیر فوراً اس لئے روانہ ہوئے کہ وہ جگہ شیاطین کا مسکن تھی جیسا کہ دوسری روایتوں میں اس کی تصریح موجود ہے چنانچہ مسلمؒ ہی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ دھوپ پھیل جانے پر آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ہر شخص اپنی سواری کی عیال پکڑ لے (اور روانہ ہو جائے) اس لئے کہ اس جگہ ہمارے پاس شیطان آگیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو صرف تکبیر کہنے کا حکم دیا، اذان کے لئے نہیں فرمایا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قضاء نماز کے لئے اذان دینا ضروری نہیں ہے جیسا کہ قول جدید کے مطابق حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے۔ لیکن شافعی علماء کے نزدیک قول قدیم کے مطابق صحیح اور معتمد مسلک یہی ہے کہ قضاء نماز کے لئے بھی اذان کہنی چاہیے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت نماز کے لئے اذان کہی گئی تھی چنانچہ ہدایہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لیلۃ التعریس (یعنی مذکورہ رات) کی صبح کو نماز فجر کی قضا اذان و تکبیر کے ساتھ پڑھی تھی۔

شیخ ابن الہمامؒ نے اس سلسلہ میں مسلمؒ اور ابوداؤدؒ کی کئی حدیثیں نقل کی ہیں اور فرمایا ہے کہ مسلمؒ کی اس روایت میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو تکبیر کہنے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے تکبیر کہی۔ غیر مرادف نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں صحیح طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت اذان و تکبیر کے ساتھ نماز پڑھی تھی، لہٰذا اس روایت میں فاقام الصلوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ "چنانچہ انہوں نے نماز کے لئے اذان کے بعد تکبیر کہی"۔

یہاں ایک ہلکا سا خلجان اور پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل بیدار رہتا ہے۔ تو دل کے جاگتے رہنے کے باوجود اس کی کیا وجہ تھی کہ صبح صادق طلوع ہو جانے پر آپ ﷺ مطلع نہیں ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب کو دیکھنا آنکھوں کا کام ہے دل کا کام نہیں ہے لہٰذا دل کی بیداری کے باوجود صبح صادق کے طلوع ہو جانے پر آپ ﷺ اس لئے مطلع نہیں ہوئے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں سو رہی تھیں۔

اور اگر کوئی یہ سوال کر بیٹھے کہ، آپ ﷺ کو کشف یا وحی کے ذریعہ اطلاع کیوں نہ دی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف تھا، دوسرے اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ اس طریقہ سے اُمّت کو قضا کے احکام معلوم ہو گئے۔

(٦) وَعَنْ اَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِي قَدْ خَرَجْتُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوقتادہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب نماز کے لئے تکبیر کہی جائے تو جب تک تم مجھے حجرہ سے نکلتا ہوا نہ دیکھ لو نماز کے لئے کھڑے نہ ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: فقہاء نے لکھا ہے کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الصلوٰۃ کہے تو مقتدیوں کو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی اسی وقت اپنے حجرہ سے نکلتے ہوں گے۔

(٧) وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوْهَا تَسْعَوْنَ وَاْتُوْهَا تَمْشُوْنَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةَ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا كَانَ يَعْمِدُ اِلَى الصَّلَاةِ فَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو تم (جماعت میں شامل ہونے کے لئے)

دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ وقار و طمانیت کے ساتھ اپنی چال آؤ، جس قدر نماز تم کو (امام کے ساتھ) مل جائے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے (امام کے سلام کے بعد اٹھ کر) اسے پوری کر لو (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس لئے کہ جب تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کو (حکماً) نماز ہی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔"

تشریح: عام طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جاتی ہے تو وہ لوگ جو دیر سے مسجد پہنچتے ہیں نماز میں شامل ہونے کے لئے اور خصوصاً اس وقت جب کہ امام رکوع میں چلا جاتا ہے، بہت بے تکے طریقہ سے بھاگتے ہوئے آتے ہیں اور نماز میں شریک ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اس حدیث سے متنبہ ہونا چاہئے کہ ان کا یہ طریقہ سراسر منشاء شریعت کے خلاف ہے۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جماعت کھڑی ہو جانے پر بھاگ کر آنا جائز نہیں ہے بلکہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر آنا کمزوری عقل اور غفلت کی علامت ہے کیونکہ نماز کے لئے مستعدی اور چستی اس طرح تو شریعت کی نظر میں قابل تعریف ہوگی کہ اگر کسی کو تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے یا کسی رکعت کے چھوڑ جانے کا خوف ہو تو وہ پہلے ہی جلدی کر لیا کرے اور جماعت شروع ہونے سے پہلے مسجد پہنچ جایا کرے۔ (حضرت شیخ عبدالحق")۔

ملا علی قاری" فرماتے ہیں کہ علماء کے یہاں اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی شخص کو تکبیر اولیٰ کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ دوڑتا ہوا آئے یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ایسا شخص دوڑ کر آسکتا ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق" کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ بقیع میں تھے کہ انہوں نے مسجد سے تکبیر کی آواز سنی تو دوڑتے ہوئے مسجد کی طرف آئے۔

اور بعض علماء نے یہ مناسب قرار دیا ہے کہ ایسے شخص کو اس حدیث کے پیش نظر وقار و سکینت کے ساتھ ہی چل کر مسجد آنا چاہئے کیونکہ جو شخص نماز کا ارادہ کرتا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہوگا جو نادانستہ یا کسی مجبوری و معذوری کی بناء پر موخر ہو جائیں ورنہ اگر کوئی شخص دانستہ نماز میں آنے کے لئے دیر کرے تو وہ اس میں شامل نہیں۔

بہر حال اس سلسلہ میں صحیح اور مناسب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تاخیر سے مسجد پہنچے تو اسے چاہئے کہ وہ جماعت میں شریک ہونے کے لئے وقار و طمانیت کے ساتھ تیز تیز چل کر آئے بالکل بے تکے طریقے سے دوڑتا ہوا نہ آئے تاکہ اس حدیث پر عمل بھی ہو جائے اور تکبیر اولیٰ کا ثواب بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ اسی طرح نماز جمعہ کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر کسی شخص کو مسجد پہنچنے میں دیر ہو جائے اور اس بات کا یقین ہو کہ اگر جلدی نہ کی تو امام سلام پھیر دے گا اور میں نماز سے رہ جاؤں گا تو اسے تیزی سے آکر امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جانا چاہئے۔

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ

اور اس باب میں الفصل الثانی نہیں ہے

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑧ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ عَرَّسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً بِطَرِيْقِ مَكَّةَ وَوَكَّلَ بِلَالًا اَنْ يُوْقِظَهُمْ لِلصَّلٰوةِ فَرَقَدَ بِلَالٌ وَرَقَدُوْا حَتّٰى اسْتَيْقَظُوْا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَيْهِمُ الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ الْقَوْمُ فَقَدْ فَزِعُوْا فَاَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَرْكَبُوْا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِيْ وَقَالَ اِنَّ هٰذَا وَادٍ بِهٖ شَيْطَانٌ فَرَكِبُوْا حَتّٰى خَرَجُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِيْ ثُمَّ اَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَنْزِلُوْا وَاَنْ يَتَوَضَّئُوْا وَاَمَرَ بِلَالًا اَنْ يُنَادِيَ لِلصَّلٰوةِ

اَوْيُقِيمَ فَصَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ رَأَى مِنْ فَزْعِهِمْ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا وَلَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا اِلَيْنَا فِيْ حِيْنٍ غَيْرِ هٰذَا فَاِذَا رَقَدَ اَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلٰوةِ اَوْنَسِيَهَا ثُمَّ فَزِعَ اِلَيْهَا فَلْيُصَلِّهَا كَمَا يُصَلِّيْهَا فِيْ وَقْتِهَا ثُمَّ الْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِىْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ فَقَالَ اِنَّ الشَّيْطَانَ اَتٰى بِلَالًا وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فَاَضْجَعَهُ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يُهَدِّئُهُ كَمَا يُهَدَّءُ الصَّبِيءُ حَتّٰى نَامَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَاَخْبَرَ بِلَالٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ الَّذِىْ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَابَكْرٍ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا۔

"حضرت زید ابن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ مکہ معظمہ کے راستہ میں (آرام کرنے کے لئے) آخر رات میں ٹھہرے اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ (صبح کی) نماز کے لئے سب کو جگادیں اور جب سب لوگ سو گئے۔ (تھوڑی دیر کے بعد نیند کے غلبہ کی وجہ سے) حضرت بلالؓ کی بھی آنکھ لگ گئی۔ (پہلے تو آنحضرت ﷺ اور ان کے بعد) تمام لوگ اس وقت جاگے جب کہ آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ سب لوگ (نماز قضاء ہو جانے کی وجہ سے) گھبرا گئے۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ سوار ہو کر اس جنگل سے باہر نکل چلیں۔ اور فرمایا کہ، یہ ایک ایسا جنگل ہے جس پر شیطان مسلط ہے چنانچہ سب لوگ سوار ہو کر اس جنگل سے نکل آئے۔ (ایک جگہ پہنچ کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (یہاں) اتر جاؤ اور وضو کر لو۔ اور حضرت بلالؓ کو نماز کے لئے اذان و تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ (صبح کی) نماز (قضاء باجماعت) پڑھی جب نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کو گھبرایا ہوا دیکھا تو (تسلی دینے کے لئے) فرمایا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ نے (سونے کے وقت) ہماری روحیں قبض کر لیں تھیں اگر وہ چاہتا تو ہماری روحوں کو دوسرے وقت (یعنی آفتاب طلوع ہونے سے پہلے) واپس کر دیتا۔ لہٰذا اگر تم میں سے کوئی نماز کے وقت غافل سو جائے یا نماز پڑھنی بھول جائے اور (اس غفلت و نسیان سے) گھبرائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس نماز کو اسی طرح (یعنی اذان و تکبیر اور جماعت کے ساتھ نیز نماز کے تمام شرائط و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے) پڑھ لے جس طرح اسے اس کے وقت میں پڑھتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ بلالؓ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان ان کے پاس آیا اور انہیں (کجاوہ کا) سہارا لینے پر مجبور کر دیا اور جس طرح بچوں کو (سلانے کے لئے) تھپکی دی جاتی ہے شیطان انہیں تھپکتا رہا۔ یہاں تک کہ بلالؓ پر نیند طاری ہو گئی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو بلایا۔ حضرت بلالؓ نے آکر آپ ﷺ سے ویسا ہی بیان کیا جیسے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیان فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے (حضرت بلالؓ کا بیان سن کر فرمایا)، کہ میں اس بات کی (پورے یقین کے ساتھ) گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ (یہ روایت امام مالکؒ نے مرسلاً نقل کی ہے)۔"

تشریح: اس قسم کا ایک واقعہ حدیث نمبر پانچ میں ذکر کیا جا چکا ہے مگر بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پہلے واقعہ سے الگ کوئی دوسرا واقعہ ہے کیونکہ وہ واقعہ تو مدینہ اور خیبر کے راستہ میں پیش آیا تھا اور یہ واقعہ جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان رونما ہوا تھا۔

حدیث کے الفاظ ینادی للصلوٰۃ اویقیم میں لفظ اَوْ جمع کا مفہوم ادا کر رہا ہے جیسا کہ حرف واو دو چیزوں کو جمع کرنے کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح اس کے معنی جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان اور تکبیر کہنے کا حکم دیا، یا پھر لفظ او اپنے حقیقی مفہوم یعنی شک کو ظاہر کر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان یا تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ مگر صحیح اور اولیٰ پہلے ہی معنی ہیں کیونکہ اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَمَرَ بلالاً بالاذان والا قامۃ (آنحضرت ﷺ نے بلالؓ کو اذان و تکبیر کہنے کا حکم دیا)۔

فلیصلھا کما کان یصلیھا فی وقتھا (وہ اس نماز کو اس طرح پڑھ لے جس طرح اسے اس کے وقت میں پڑھتا تھا) یہ الفاظ بظاہر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر جہری نماز قضا ہوئی ہو تو اس کی قضا بھی جہر ہی کے ساتھ پڑھی جائے اور اگر سری نماز قضا ہوئی ہے تو اس

کی قضا بھی سرہی کے ساتھ پڑھی جائے۔ مگر بعض حنفی علماء نے اس سلسلہ میں اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ قضاء نماز کو بہر صورت سر یعنی خاموشی کے ساتھ پڑھنا واجب ہے۔

"اضجعه" اسندہ کے مفہوم میں ہے یعنی شیطان نے بلالؓ کو اس طرح سہارا دیا کہ ان پر غفلت طاری ہوگئی، جیسا کہ پہلے واقعہ کے سلسلہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت بلالؓ تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے کجاوہ سے سہارا لگا کر سو گئے تھے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قضاء نماز پڑھنے کے بعد صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے ان اللہ قبض اروا حنا (اللہ تعالیٰ نے ہماری روحیں قبض کر لی تھیں) فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا تھا کہ ہم سب کا اس موقعہ پر سو جانا در حقیقت تقدیر الٰہی کی بناء پر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر اس طرح غفلت کی نیند مسلط کر دی کہ ہم نماز کے وقت جاگ نہ سکے۔ مگر بعد میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پیش آمدہ صورت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے نیند کی اس غفلت کی نسبت شیطان کی طرف فرمائی کہ شیطان نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ بلالؓ غافل ہو کر سوتے رہے اور وقت پر نہ اٹھ سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب لوگ سوتے رہے اور نماز قضاء ہوگئی۔ تو اس سے بظاہر دونوں باتوں میں تعارض نظر آتا ہے کہ پہلے تو غفلت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی پھر بعد میں اس غفلت کی نسبت شیطان کی طرف کی؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ خلق افعال سے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اندر نسیان اور غفلت پیدا کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ اس نے شیطان کو اس بات پر قادر کر دیا کہ وہ مذکورہ طریقوں یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تھپکنے وغیرہ سے لوگوں کو غفلت کی نیند میں مبتلا کر دے۔

یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی اعجازی شان کی زبردست غمازی کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے معجزہ کے طور پر حضرت بلالؓ کے سوجانے کی پوری حقیقت و کیفیت بیان کر دی باوجودیکہ آپ ﷺ نے اپنی ظاہری آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ نہیں کیا تھا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اشھد انک رسول اللہ کہہ کر آپ ﷺ کی اسی اعجازی شان کی تصدیق فرمائی۔

⑨ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ مُعَلَّقَتَانِ فِي اَعْنَاقِ الْمُؤَذِّنِيْنَ لِلْمُسْلِمِيْنَ صِيَامُهُمْ وَصَلَاتُهُمْ۔ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ مسلمانوں کی دو چیزیں مؤذنوں کی گردنوں میں لٹکی ہوئی ہیں۔ ایک تو ان کے روزے اور دوسری ان کی نمازیں۔" (ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے مسلمانوں کے دو اہم اور بنیادی اعمال ایسے ہیں جو مؤذن پر موقوف ہیں یعنی مؤذن ان اعمال کی صحت و تکمیل کے ذمہ دار ہیں۔ پہلی چیز تو روزہ ہے کہ مسلمان مؤذنوں کی اذان ہی پر اعتماد کرتے ہوئے افطار کرتے ہیں۔ اور دوسری چیز نماز ہے جس کی ادائیگی مؤذنوں کی اذان کے تحت ہوتی ہے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مؤذنوں کو چاہئے کہ وہ اپنی اس عظیم ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے بڑی احتیاط کے ساتھ اور اوقات کی پوری رعایت کرتے ہوئے اذان کہا کریں تاکہ مسلمانوں کے ان دونوں اعمال میں خلل واقع نہ ہو۔

بَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلٰوةِ

مساجد اور نماز کے مقامات کا بیان

یہاں نماز کے مقامات سے وہ جگہیں مراد ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ یا غیر مکروہ ہے۔ چنانچہ ایسے مقامات کی وضاحت آئندہ احادیث

میں کی جائے گی۔ مساجد کے فضائل وبرکات کے سلسلہ میں بہت زیادہ احادیث منقول ہیں ان میں سے جن احادیث کو صاحب مشکوٰۃ نے منتخب کیا ہے وہ اس عنوان کے تحت نقل کی جائیں گی البتہ وہ احادیث جنہیں صاحب مشکوٰۃ نے نقل نہیں کیا ہے بلکہ حدیث کی دوسری کتابوں میں نقل ہیں حصول سعادت وبرکت کی خاطر ان میں بعض کے ترجمے یہاں نقل کئے جاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں مساجد کی عظمت وفضیلت کا احساس جاگزیں ہو جس کی وجہ سے وہ خدائے تعالیٰ کی عبادت کے لئے مساجد میں جانے کو دینی اور دنیاوی فلاح وکامرانی کا ذریعہ سمجھیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے صاحبزادہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، میرے بیٹے! مسجد تمہارا گھر ہونا چاہئے۔ کیونکہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسجدیں پرہیزگاروں کا گھر ہیں لہٰذا جس کا گھر مسجد ہو اللہ تعالیٰ اس کی راحت ورحمت کا اور پلصراط سے جنّت کی طرف اس کے گزرنے کا ضامن ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا جاتا ہے کہ شیطان سے بچنے کے لئے مسجد ایک مضبوط قلعہ ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ راوی ہیں کہ مساجد زمین کے اوپر اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں اور جس کی زیارت کی گئی ہے اس پر یہ حق ہے کہ وہ اپنی زیارت کرنے والے کا اعزاز واکرام کرتا ہے یعنی جو شخص مسجد میں جاتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتا ہے۔ اس طرح مسجد میں جانے والا بندہ تو زیارت کرنے والا ہوا اور جس کی زیارت کی گئی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہوئی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ مسجد میں آنے والے بندوں کا اعزاز واکرام کرتا ہے اور انہیں اپنے فضل وکرم کی سعادتوں سے نوازتا ہے۔

سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا، جب کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے جگہ پکڑتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت وشفقت کی نظر فرماتا ہے جس طرح اس شخص کے اہل خانہ جودت کے بعد اپنے گھر لوٹا ہو اس کے ساتھ شفقت ومحبت سے پیش آتے ہیں اتنی بات سمجھ لیجئے کہ جن احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں جگہ پکڑنا ممنوع ہے تو اس کی شکل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں کسی مخصوص جگہ کو ایسا اختیار کرتا ہے کہ اس جگہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نہیں بیٹھتا تو یہ ممنوع ہے خواہ اس کا کسی مخصوص جگہ کو اختیار کرنا نماز پڑھنے اور ذکر اللہ ہی کے لئے کیوں نہ ہو کیونکہ اس طرح ریا ونمائش کا شبہ ہوجانے کا خطرہ ہے۔

اور اس قسم کی وہ احادیث جن سے مسجد میں جگہ پکڑنے کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے اس بات پر محمول ہیں کہ مسجد کو کسی دنیاوی غرض ومنفعت سے قطع نظر محض نماز پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے کی نیت سے جائے قیام قرار دیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ دَعَا فِيْ نَوَاحِيْهِ كُلِّهَا وَلَمْ يُصَلِّ حَتّٰى خَرَجَ مِنْهُ فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِيْ قُبُلِ الْكَعْبَةِ وَقَالَ هٰذِهِ الْقِبْلَةُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ۔

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے دن) جب سرور کائنات ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس کے چاروں کونوں میں جا کر دعا کی اور بغیر نماز پڑھے باہر نکل آئے اور پھر باہر آکر کعبہ کے سامنے آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہی قبلہ ہے۔ (بخاریؒ) مسلمؒ نے اس روایت کو ابن عباسؓ سے اور انہوں نے اسامہ بن زیدؓ سے رُوایت کیا ہے۔"

تشریح: کعبہ کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمانا کہ "یہی قبلہ ہے" اس بات کا اعلان کرنا تھا کہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دائمی طور پر ہوگیا ہے اور یہ قبلہ معین ومقرر ہو چکا ہے جو اب کسی حالت میں منسوخ نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ قبلہ اسی اگلی سمت ہے دوسری سمتوں سے اس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور نہ اس کا مطلب یہ تھا کہ صرف باہر کی سمت سے قبلہ کی طرف متوجہ ہونا معتبر ہے اندر کے حصّہ میں نماز درست نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قبلہ کے اندر فرض نماز پڑھنا

درست نہیں ہے۔ کعبہ کے اندر نفل پڑھنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک جائز ہے کیونکہ آگے آنے والی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث اس کے جواز پر واضح دلیل ہے۔

البتہ فرض پڑھنے کے سلسلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ اکثر علماء کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں مگر حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کعبہ کے اندر فرض نماز کی ادائیگی سے منع کرتے ہیں۔

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ هُوَ وَاُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ وَبِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ فَاَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيْهَا فَسَاَلْتُ بِلَالًا حِيْنَ خَرَجَ مَاذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَسَارِهٖ وَعَمُوْدَيْنِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَثَلَاثَةَ اَعْمِدَةٍ وَرَاءَهٗ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے روز) سرور کائنات ﷺ، اسامہ ابن زیدؓ، عثمان ابن طلحہ حجبیؓ اور بلال ابن رباحؓ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور حضرت بلالؓ یا حضرت عثمانؓ نے اندر سے دروازہ بند کر لیا (تاکہ لوگ ہجوم نہ کریں) آنحضرت ﷺ تھوڑی دیر تک اندر (دعا وغیرہ میں مشغول) رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے جب کہ وہ یا (آنحضرت ﷺ) خانہ کعبہ سے باہر آئے تو پوچھا کہ سرکار دو عالم ﷺ (خانہ کعبہ کے اندر) کیا کر رہے تھے؟ بلالؓ نے کہا کہ آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی ایک ستون آپ کے بائیں طرف تھا، دو داہنی طرف تھے اور تین پیچھے تھے ان دنوں خانہ کعبہ میں چھ ستون تھے (اور اب تین ستون ہیں)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی مگر اس سے پہلے اس مضمون کی حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ جو حدیث گزری ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی تھی۔ لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اسی طرح ہوگی کہ یہ کہا جائے گا کہ جب آنحضرت ﷺ کے ہمراہ یہ حضرات خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا گیا تو آنحضرت ﷺ کو دعا مانگتے ہوئے دیکھ کر حضرت اسامہؓ بھی کسی دوسرے کونہ میں جا کر دعا میں مشغول ہو گئے، آنحضرت ﷺ جس کونہ میں کھڑے تھے وہاں سے حضرت اسامہؓ تو دور تھے مگر حضرت بلالؓ آپ ﷺ کے قریب ہی تھے اس لئے حضرت بلالؓ نے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور چونکہ حضرت اسامہؓ اول تو آپ ﷺ سے فاصلہ پر تھے دوسرے وہ خود بھی نماز میں مشغول تھے، پھر یہ کہ آپ ﷺ نے وہ نماز بھی جلد ہی پڑھ لی تھی۔ اس لئے وہ آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

پھر اس کے علاوہ یہ بھی منقول ہے کہ بیت اللہ کی دیواروں سے تصویریں مٹانے کے واسطے آنحضرت ﷺ نے حضرت اسامہؓ کو پانی لانے کے لئے باہر بھیج دیا تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ جس وقت وہ باہر گئے ہوں آنحضرت ﷺ نے اس عرصہ میں نماز پڑھ لی ہو۔ بہر حال حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ دونوں نے اپنے علم و مشاہدہ کے مطابق خبر دی ہے اور بہر صورت ادائیگی نماز کو ثابت کرنا ہی مختار ہے اس کی نفی نہیں۔

(۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، میری اس مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مسجد حرام کو مستثنیٰ اس لئے کیا گیا ہے کہ مسجد حرام نہ صرف یہ کہ دوسری مساجد کے مقابلہ میں زیادہ بابرکت ہے بلکہ اپنی عظمت و برکت اور فضیلت کے اعتبار سے مسجد نبوی سے بھی افضل ہے چنانچہ منقول ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہوتا ہے۔

اب اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ حرم شریف میں وہ کون سی جگہ ہے جہاں نماز ادا کرنے پر اتنا ثواب ملتا ہے، چنانچہ پہلا قول یہ ہے کہ وہ کوئی متعین جگہ نہیں ہے بلکہ پورا حرم اس فضیلت و برکت کا حامل ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جس جگہ جماعت ہوتی ہے۔ علماء حنفیہ کے اقوال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اسی قول کو بعض شافعی علماء نے بھی اختیار کیا ہے۔ علماء حنفیہ کے نزدیک ثواب کی اس زیادتی کی فضیلت خاص طور پر فرائض سے متعلق ہے نوافل سے نہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ جگہ خانہ کعبہ ہے۔ یہ چوتھا قول ان چاروں اقوال میں سب سے ضعیف ہے۔

④ وَعَنْ اَبِی سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَشُدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِی ھٰذَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، تین مسجدوں کے علاوہ (کسی دوسری جگہ کے لئے) تم اپنے کجاووں کو نہ باندھو (یعنی سفر نہ کرو) مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، (یعنی بیت المقدس اور میری مسجد (یعنی مسجد نبوی)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کہ خدا نے ان کی عظمت و بزرگی کی زیادتی کے سبب انہیں ایک امتیازی شان عطا فرمائی ہے۔ کسی دوسری جگہ کا سفر جائز نہیں ہے لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ اس ممانعت اور نہی کا تعلق تقرب و عبادت سے ہے یعنی تقرب الی اللہ اور عبادت سمجھ کر ان تینوں جگہوں کے علاوہ اور کسی جگہ کا سفر نہ کرنا چاہئے۔

ہاں اگر کسی دوسری جگہ تحصیل علم، ادائے حقوق، تجارت یا ایسی ہی کسی دوسری ضرورت کی بناء پر سفر کرنا ہو تو یہ الگ چیز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کرنے اور متبرک مقامات پر جانے کے سلسلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے تو اسے مباح قرار دیا ہے اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ حرام ہے یعنی محض اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کرنے اور متبرک مقامات پر پہنچ کر حصول برکت کی خاطر مستقل سفر کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی دوسری جگہ نذر و منت کی نیت سے سفر کا قصد کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی دوسری جگہ پہنچنے کی نذر مانی جائے تو اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس نہی کا تعلق صرف مساجد سے ہے یعنی حصول برکت اور زیارت کے ارادہ سے ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد کے لئے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں مساجد کے علاوہ دیگر مقامات خارج از مفہوم ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان تینوں مقامات کے علاوہ دوسری جگہوں کا سفر کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ اس ارشاد کا مقصد دراصل ان تینوں مساجد کی اہمیت و عظمت اور فضیلت اور ان کے لئے سفر کرنے کی سعادت و خوش بختی کو ظاہر کرنا ہے یعنی آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطمح نظر یہ ہے کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ احساس پیدا ہونا چاہئے کہ اگر وہ سفر کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان تینوں مساجد کی زیارت کے لئے سفر کریں کہ یہ مساجد سب سے زیادہ باعظمت و فضیلت اور متبرک ترین مقامات ہیں۔ ان کے علاوہ کسی دوسری جگہ کا سفر کرنا کوئی فلاح و سعادت کی بات نہیں ہے بلکہ بے فائدہ صعوبت و پریشانیوں کو برداشت کرنا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی مشہور معرکۃ الآرا تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں اس حدیث کی وضاحت کے دوران تحریر فرمایا ہے کہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کچھ مقامات کو اپنے گمان و خیال کے مطابق باعظمت و بابرکت تصور کر کے وہاں کا سفر کرتے تھے اور ان مقامات کی زیارت کرنے کو سعادت و برکت کے حصول کا ذریعہ جانتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح اپنے وہم و گمان

کے مطابق کسی جگہ اور مقام کو باعث برکت و فضیلت سمجھنا اور پھر خاص طور پر اس کی زیارت کے لئے وہاں جانا نہ صرف یہ کہ حقیقت سے انحراف اور عقیدہ اور ذہن و فکر کی کمزوری کی علامت ہے بلکہ فتنہ و فساد کا سبب بھی ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے عقیدہ و عمل کو راہ راست پر قائم رکھنے کی خاطر اس غلط طریقہ کو بند فرمادیا تاکہ اسلامی شعائر کے ساتھ غیر شعائر جمع نہ ہو جائیں اور یہ طریقہ غیر اللہ کی عبادت و پرستش کا سبب نہ بن جائے، چنانچہ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ مزارات اولیاء اللہ کی عبادت کرنے کی جگہیں یہاں تک کہ کوہ طور یہ سب اس سلسلہ میں برابر ہیں کہ خاص طور پر زیارت یا حصول برکت و سعادت کے جذبہ سے ان مقامات کا سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔

⑤ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰى حَوْضِیْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، میرے مکان اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض (یعنی حوض کوثر) کے اوپر ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص میرے مکان اور (مسجد نبوی میں) میرے منبر کے درمیان واقع جگہ پر عبادت کرے گا تو اسے اس عظیم سعادت کے صلہ میں جنت کا ایک باغ ملے گا اور جو شخص میرے منبر کے نزدیک عبادت میں مشغول رہے گا تو قیامت کے دن وہ حوض کوثر سے سیراب ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول ہے کیونکہ روضہ کے معنی ٹکڑے کے ہیں لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے مکان و منبر کے درمیان کی جگہ وہ ٹکڑا ہے جو جنت سے زمین پر اس جگہ منتقل کیا گیا ہے اور یہ ٹکڑا زمین کے دوسرے حصوں کی طرح قیامت کے روز فنا نہیں ہوگا بلکہ جوں کا توں جنت میں واپس چلا جائے گا۔

علامہ تور پشتیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے منبر اور حجرۂ رسول کے درمیان کی جگہ کو روضہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس جگہ آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت کرنے والے، وہاں کے حاضرباش ملائکہ اور جن و انس ہمیشہ عبادت اور ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں ایک جماعت جاتی ہے تو دوسری جماعت آجاتی ہے اس طرح لگاتار وہاں عبادت کرنے والوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے لہٰذا اس مناسبت سے اس جگہ کو روضہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے جیسا کہ ذکر کے حلقوں کو ریاض جنت فرمایا گیا ہے۔

⑥ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِیًا وَرَاكِبًا فَیُصَلِّیْ فِیْهِ رَكْعَتَیْنِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ ہر ہفتہ کو پیدل یا سواری پر مسجد قبا تشریف لے جاتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: قبا ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین کوس کے فاصلہ پر واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کے وقت مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے قیام فرمایا تھا اور یہیں آپ ﷺ نے ایک مسجد بنائی تھی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کی فضیلت بہت زیادہ ہے، چنانچہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا یہ صحیح ارشاد منقول ہے کہ "مسجد قبا میں نماز پڑھنا عمرہ ادا کرنے کے مانند ہے"۔

جلیل القدر اور باعظمت صحابی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں دو مرتبہ حاضری دینے سے زیادہ میں اسے پسند کرتا ہوں کہ مسجد قبا میں نماز پڑھوں اور اگر لوگ جان لیں کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا کتنا ثواب ہے تو وہ سفر کی مصیبت، مشقت

جھیل کر دور دراز سے اس مسجد میں آنے لگیں۔

بہر حال۔ آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ ہر ہفتہ کے روز مسجد قبا جاتے تھے اور اس میں دو رکعت تحیۃ المسجد یا کوئی دوسری نماز جو تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوتی ہوگی پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ کے اس مبارک عمل سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہفتہ کے روز علماء و صلحاء اور بزرگوں سے ملاقات کرنا سُنّت ہے۔

(۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، خدا کے نزدیک تمام شہروں میں محبوب و پسندیدہ مقامات مساجد ہیں اور بد ترین و ناپسندیدہ مقامات بازار ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: مسجدیں خدا کی عبادت کرنے کی جگہ ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مساجد محبوب و پسندیدہ مقامات ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں ہوتا ہے خداوند قدوس اس پر اپنی رحمت کا سایہ کرتا ہے اور اسے خیر و بھلائی کی سعادت سے نوازتا ہے اس کے مقابلہ میں بازار وہ جگہ ہے جہاں شیطان کا سب سے زیادہ تسلط رہتا ہے۔ حرص و طمع، خیانت و بد دیانتی، جھوٹ اور خدا کی یاد سے غفلت وہ چیزیں ہیں جو بازار کا جزو لاینفک اور شیطان کی خوشی کا ذریعہ ہیں۔ چنانچہ خدا کے نزدیک بازار بد ترین و ناپسندیدہ مقامات ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی ناگزیر ضروریات کی تکمیل کے علاوہ محض سیر و تفریح کی غرض سے بازاروں میں رہتا ہے اس پر محرومی و برائی کا سایہ رہتا ہے اور وہ خدا کی رحمت سے دور ہوتا ہے۔

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ بت خانے، شراب خانے، اور چکلے وغیرہ تو بازار سے بھی بد ترین ہیں پھر انہیں خدا کے نزدیک ناپسندیدہ اور مبغوض ترین مقامات کیوں نہیں کہا گیا ہے؟ بازار کو کیوں کہا گیا ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بازاروں کو قائم کرنے کا حکم شارع کی جانب سے ہے اور یہ چیزیں ایسی ہیں جن کو بنانے اور رکھنے کا حکم شارع کی جانب سے نہیں ہے لہٰذا ارشاد کا مطلب یہ ہے جن مقامات کو بنانا اور قائم رکھنا جائز ہے ان میں بد ترین اور ناپسندیدہ مقام بازار ہے۔

(۸) وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص خدا کے لئے مسجد بناتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مکان بنا دیتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: خدا کے لئے مسجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا حاصل کرنے کے لئے مسجد بناتا ہے، نہ کہ لوگوں کو دکھانے سنانے کے لئے اور اپنا نام پیدا کرنے کے لئے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس شخص کے لئے جنّت میں مکان بنا دیتا ہے اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ جو شخص مسجد بنا کر اس پر اپنا نام لکھتا ہے تاکہ تشہیر کا ذریعہ بنے تو یہ اس کے عدم اخلاص کی دلیل ہے۔

لفظ مسجدًا میں تنکیر (عمومیت) تقلیل کے لئے ہے۔ یعنی اگرچہ کوئی شخص مسجد کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ بنائے اسے اس کا بدلہ اسی طرح دیا جائے گا۔ جس طرح کسی بڑی اور عالیشان مسجد بنانے والے کو۔ چنانچہ روایت میں یہ الفاظ ہیں اگرچہ وہ مسجد بٹیر کے گھونسلہ کی مانند ہو۔

یہ مسجد کی تنگی و اختصار میں مبالغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تو نیت کو دیکھتا ہے اگر کوئی شخص دنیا کی شہرت اور نمائش کے جذبہ سے بالاتر ہو کر محض خدا کی رضا و خوشنودی کی غرض سے اور اپنی نیت کے پورے اخلاص کے ساتھ مسجد بناتا ہے تو وہ جنت میں خدا کی طرف سے ایک مکان کا حقدار ہوگا اگرچہ اس کی بنائی ہوئی مسجد کتنی چھوٹی اور مختصر کیوں نہ ہو۔

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ اَوْرَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْرَاحَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص دن کے اول حصہ میں یا آخری حصہ میں مسجد جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمان نوازی کا سامان تیار کرتا ہے خواہ وہ صبح کو جائے یا شام کو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسجد گویا خدا کا گھر ہے چنانچہ جو شخص مسجد میں جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی زیارت کرنے والوں کی ضیافت کرتا ہے اور انہیں اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھتا۔ مسجد میں جانے کی بہت سی نیتیں ہو سکتی ہیں ان میں سے ایک نیت یہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کی ابتداء میں حدیث انما الاعمال بالنیات کی تشریح کے ضمن میں نیت کے اس مسئلہ اور اس کی اقسام کو مفصل طریقہ سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِی الصَّلٰوةِ اَبْعَدُهُمْ فأبعدهم مَمْشًى وَالَّذِیْ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ حَتّٰى یُصَلِّیَهَا مَعَ الْاِمَامِ اَعْظَمُ اَجْرًا مِنَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَنَامُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، نماز کا سب سے زیادہ اجر اس شخص کو ملتا ہے۔ جو باعتبار مسافت کے سب سے زیادہ دور ہو (یعنی جس شخص کا گھر مسجد سے جتنا دور ہو گا اور وہ گھر سے چل کر نماز کے لئے مسجد آئے گا اسے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا) اور جو شخص نماز کے انتظار میں مسجد کے اندر (بیٹھا) رہتا ہے تاکہ امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کا ثواب اس شخص سے زیادہ ہے جو (تنہا) اپنی نماز پڑھ کر سو جائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نماز میں اس لئے تاخیر کرے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھ سکے تو اسے اس شخص کے مقابلہ میں جو امام کا انتظار کئے بغیر تنہا نماز پڑھ کر سو جائے اگرچہ وہ وقت مختار ہی میں نماز کیوں نہ پڑھ لے زیادہ ثواب ملتا ہے اسی طرح ایک شخص تو وہ ہے جو چھوٹی اور مختصر جماعت کے ہمراہ نماز پڑھ لیتا ہے یا کسی امام کے ساتھ نماز ادا کر لیتا ہے جو در حقیقت امام بننے کا حق نہیں رکھتا اور دوسرا وہ شخص ہے جو انتظار کے بعد بڑی جماعت کے ہمراہ نماز پڑھتا ہے یا ایسے امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے جو امامت کا حق رکھتا ہے تو اس دوسرے شخص کو پہلے شخص کے مقابلہ میں خصوصاً جب وہ کسل و جلد بازی کے جذبہ سے ایسا کرتا ہے زیادہ ثواب ملے گا۔

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَلَتِ الْبِقَاعُ حَوْلَ الْمَسْجِدِ فَاَرَادَ بَنُوْ سَلِمَةَ اَنْ یَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمْ بَلَغَنِیْ اَنَّكُمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ قَالُوْا نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَرَدْنَا ذٰلِكَ فَقَالَ یَا بَنِیْ سَلِمَةَ دِیَارَكُمْ تُكْتَبُ اٰثَارُكُمْ دِیَارَكُمْ تُكْتَبُ اٰثَارُكُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے قریب کچھ مکان خالی ہوئے تو بنو سلمہ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب آجائیں۔ سرور کائنات ﷺ کو جب ان کے اس ارادہ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! ہم نے یہی ارادہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، بنو سلمہ! تم اپنے مکانوں ہی میں رہو تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں تم اپنے مکانوں ہی میں رہو تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: بنو سلمہ انصار مدینہ کا ایک خاندان ہے اس خاندان کے افراد مسجد نبوی سے دور رہتے تھے۔ جب مسجد نبوی کے قریب رہنے والوں میں سے کچھ لوگوں کا انتقال ہو جانے یا کسی دوسری جگہ چلے جانے کی وجہ سے ان کے مکانات خالی ہوئے تو بنو سلمہ نے مسجد نبوی کے قریب رہنے کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے ان خالی مکانات میں منتقل ہونے کا ارادہ کیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو ان کے اس ارادہ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس وقت تم لوگ جہاں آباد ہو وہی جگہ سعادت و بھلائی کے اعتبار سے تمہارے لئے بہتر

ہے کیونکہ تم لوگ مسجد سے جتنا دور رہو گے مسجد آنے کے لئے تمہیں اتنا ہی چلنا پڑے گا اور نماز کے لئے تم جتنے زیادہ قدم اٹھاؤ گے تمہارے نامہ اعمال میں ان کے بدلے اتنا ہی ثواب لکھا جائے گا اس لئے بھلائی و بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی سابق جگہ آباد رہو۔

⑫ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، سات شخص ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس روز (یعنی قیامت کے دن) اپنے سایہ میں رکھے گا جس روز خدا کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ① انصاف کرنے والا حاکم۔ ② وہ جوان جو اپنی جوانی کو خدا کی محبت میں صرف کر دے۔ ③ وہ شخص جو مسجد سے نکلتا ہے تو جب تک وہ دوبارہ مسجد میں نہیں چلا جاتا اس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے۔ ④ وہ دو شخص جو محض خدا کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہیں اگر یکجا ہوتے ہیں تو خدا کی عبادت میں اور جدا ہوتے ہیں تو خدا کی محبت میں یعنی حاضر و غائب خالص لوجہ اللہ محبت رکھتے ہیں۔ ⑤ وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور (خوف خدا سے) اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ⑥ وہ شخص جس کو کسی شریف النسب اور حسین عورت نے (برے ارادہ سے) بلایا ہو اور اس نے (اس کی خواہش کے جواب میں) کہہ دیا ہو کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ ⑦ وہ شخص جس نے اس طرح مخفی طور پر صدقہ دیا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی نہ معلوم ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہاں ان سات خوش نصیب اشخاص کی وضاحت کی گئی ہے جو اپنے اعمال و کردار کی بناء پر قیامت کے روز میدان حشر میں خدا کے سایہ میں ہوں گے یعنی خداوند قدوس ان اشخاص کو اپنے دامن رحمت میں جگہ دے گا اور انہیں آخرت کی سختیوں سے بچائے گا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ سایۂ خداوندی سے مراد عرش کا سایہ ہے۔ یعنی قیامت کے روز جب کہ تمام لوگ پریشان و حیران ہوں گے تو یہ سات اشخاص عرش کے سایہ میں رحمت خداوندی کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوں گے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ساتواں شخص وہ جو خدا کی راہ میں اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال اتنی پوشیدگی سے خرچ کرتا ہے کہ جب وہ اپنے دائیں طرف کے آدمی کو کوئی چیز یعنی روپیہ پیسہ یا مال وغیرہ دیتا ہے تو اس کے بائیں طرف بیٹھے ہوئے آدمی کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی اور اس طرح اس کے چھپانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کہیں ریا اور نمائش کا جذبہ نہ پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے ثواب سے محرومی رہے۔

بعض علماء نے اس کے حقیقی معنی ہی مراد لئے ہیں یعنی وہ شخص اتنے مخفی طریقہ سے صدقہ و خیرات کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ دائیں ہاتھ نے کس کو کیا دیا ہے؟ اس صورت میں یہ جملہ کمال پوشیدگی کے لئے کنایہ ہوگا۔

⑬ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِی الْجَمَاعَةِ تَضَعَّفُ عَلٰى صَلَاتِهٖ فِیْ بَيْتِهٖ وَفِیْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ ضِعْفًا وَذٰلِكَ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ فَاِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّیْ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِیْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِیْ صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ وَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهٗ وَزَادَ فِیْ دُعَاءِ الْمَلَائِكَةِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ مَا لَمْ يُؤْذِ فِيْهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيْهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جماعت کے ساتھ آدمی کی نماز اس نماز سے جو گھر میں یا (تجارت وغیرہ کی مشغولیت کی بناء پر) بازار میں پڑھی جائے پچیس درجہ فضیلت رکھتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اچھی طرح (یعنی آداب و

شرائط کو ملحوظ رکھ کر) وضو کرتا ہے اور (کسی غرض کی وجہ سے نہیں بلکہ) صرف نماز ہی کے لئے مسجد آتا ہے تو وہ جو قدم اٹھاتا ہے اس کے ہر قدم کے عوض اس کے ثواب میں ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ کم ہو جاتا ہے (یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے) اور جب تک وہ نماز پڑھ کر اپنے مصلے پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے برابر اس کے لئے یہ دعا کرتے رہتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْهُ اے اللہ! اس کی بخشش کر! اے اللہ اس پر رحم کر، جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں رہتا ہے تو اس کا وہ وقت نماز ہی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب کوئی مسجد میں گیا اور نماز ہی کی وجہ سے وہاں رک گیا (تو گویا وہ نماز ہی میں ہے) اور فرشتوں کی دعاء میں یہ الفاظ زیادہ ہیں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیْهِ (یعنی اے اللہ! اس بندہ کی بخشش فرما، اے اللہ اس کی توبہ قبول فرما) اور (یہ اس وقت تک ہوتا رہتا ہے) جب تک کہ وہ کسی (مسلمان) کو (اپنی زبان یا ہاتھ سے) ایذا نہ پہنچائے اور باوضو رہے۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پچیس درجہ زیادہ ثواب کی فضیلت اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ نماز باجماعت کے ساتھ اور مسجد میں پڑھی جائے۔ حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے نمازی کے حق میں خدا کی رحمت و برکت کی دعا اس وقت تک کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ مسلمان کو اپنے کسی عمل یا اپنے کسی قول سے ایذاء نہیں پہنچاتا۔ گویا فرشتوں کے دعا کرنے کے حق میں یہ حدیث معنوی ہے۔ اس کے بعد حدث ظاہری کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب تک نمازی باوضو رہے یعنی اگر کوئی نمازی کسی مسلمان کو ایذاء پہنچائے گا یا اس کا وضو ٹوٹ جائے گا تو فرشتے اس کے لئے رحمت و برکت اور مغفرت کی دعا نہیں کریں گے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں کی دعا کی فضیلت اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ نمازی نماز پڑھ کر وہیں مصلی پر بیٹھا رہے اگر وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھے گا تو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

بعض مشائخ اور بزرگ نماز پڑھ کر ریاء و نمائش وغیرہ کے خوف سے مصلی سے اٹھ جاتے ہیں اور کسی گوشہ وغیرہ میں بیٹھ کر ذکر و تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں، گو ان کی نیت صحیح اور ان کا یہ طریقہ قابل جزاء و انعام ہے کہ انہیں ذکر و تسبیح کی فضیلت حاصل ہوتی ہے مگر نماز پڑھ کر مصلی ہی پر بیٹھے رہنے کی جو فضیلت ہے وہ انہیں حاصل نہیں ہوتی۔

⑭ وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابواسیدؓ[1] راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو۔ تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (اے اللہ! اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے کھول دے) اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ (اے اللہ! میں تیرا ہی فضل چاہتا ہوں)۔" (مسلمؒ)

تشریح: پہلی دعا کا مطلب تو یہ ہے کہ اے اللہ! اس مقدس و محترم جگہ کی برکت سے یا اس مسجد میں نماز پڑھنے کی توفیق دینے کے سبب سے یا نماز کے حقائق ظاہر کرنے کے سبب سے مجھ پر اپنی رحمتوں، اپنی نوازشوں اور اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دے۔ دوسری دعا میں "فضل" سے مراد حلال رزق ہے کیونکہ نماز سے فارغ ہو کر بندہ اسباب معیشت ہی کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔

⑮ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْكَعْ رَكْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ۔ (متفق علیہ)

---

[1] حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ کے صاحبزادے اور ساعدی انصاری ہیں، بدری صحابہ میں شامل اور سب سے بعد میں ۶۰ھ میں بعمر ۷۸ سال وفات پائی ۱۲۔

"اور حضرت ابوقتادہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ تحیۃ المسجد یعنی مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے اس لئے کہ اس حدیث میں امر وجوب کے لئے ہے۔ حنفیہ کے نزدیک چونکہ تحیۃ المسجد واجب نہیں مستحب ہے اس لئے وہ حضرات کہتے ہیں کہ یہاں امر (حکم) وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔

(۱۶) وعن كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدِمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحٰى فَاِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت کعب ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ (کی عادت تھی کہ) جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت آتے اور سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھ کر (تھوڑی دیر تک) بیٹھے رہتے۔ (پھر مکان میں تشریف لے جاتے)" (بخاری و مسلم)

تشریح: سفر سے واپسی کے بعد آپ ﷺ مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر وہاں تھوڑی دیر تک اس لئے بیٹھے رہتے تھے تاکہ وہ صحابہ کرام جو آپ ﷺ کی عدم موجودگی کی وجہ سے آپ ﷺ کی صحبت سے محروم رہتے تھے۔ اس موقعہ پر آپ ﷺ سے شرف ملاقات اور آپ ﷺ کی خدمت کی سعادت حاصل کر سکیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ سفر سے واپس آکر گھر جانے سے پہلے اول مسجد میں آکر نماز پڑھے اور تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھا رہے۔

(۱۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ فَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص یہ سنے (یا دیکھے) کہ کوئی شخص مسجد میں اپنی کوئی گم شدہ چیز تلاش کر رہا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ خدا کرے تیری گم شدہ چیز تجھے نہ ملے۔ اس لئے کہ مسجدوں کو اس لئے نہیں بنایا گیا ہے (کہ ان میں جا کر گم شدہ چیزوں کو تلاش یا دریافت کیا جائے)۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس سلسلہ میں بظاہر تو مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موقعہ پر یہ کلمات اس شخص کی تنبیہ و توبیخ کے لئے صرف زبان سے ادا کئے جائیں دل سے بددعا نہ کی جائے اور نہ در حقیقت یہ خواہش ہو کہ ایک مسلمان کی گمشدہ چیز اسے واپس نہ ملے۔ اور اگر کوئی شخص در حقیقت دلی خواہش یہی رکھتا ہے کہ ایسے شخص کو اس کی گم شدہ چیز نہ ملے تاکہ آئندہ کے لئے اسے عبرت ہو اور اپنے اس نامناسب فعل کی سزا پائے اور یہ کہ پھر آئندہ وہ ایسی حرکت نہ کرنے پائے تو ایک حد تک یہ بھی صحیح ہوگا۔

اس سلسلہ میں مسجد کی عظمت و تقدس کا تقاضا تو یہ ہے کہ صرف گم شدہ چیز تلاش کرنے ہی کی تخصیص نہیں بلکہ ہر وہ چیز ممنوع ہے جس کو اختیار کرنا مسجد کی بناء و غرض کے منافی ہو جیسے خرید و فروخت وغیرہ۔ چنانچہ عہد سلف کے بعض علماء اسی بناء پر کہ مسجدیں صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہیں اور کسی مقصد کی تکمیل کے لئے نہیں مسجد میں کسی سائل کو صدقہ وغیرہ دینا بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

(۱۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص کہ اس بدبودار درخت (یعنی پیاز، لہسن وغیرہ) میں سے کچھ کھائے تو

ہمارے مسجد کے قریب بھی نہ آئے کیونکہ جس (بدبو) سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔"
(بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح بدبودار چیزوں سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح فرشتے بھی ان سے تکلیف محسوس کرتے ہیں لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ پیاز و لہسن وغیرہ کھا کر مسجدوں میں نہ آئیں کیونکہ مسجد میں فرشتوں کے حاضر ہونے کی جگہیں ہیں اس لئے انہیں تکلیف ہوگی اس حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو بدبودار ہو اس کا تعلق خواہ کھانے پینے سے ہو یا رہن سہن سے مثلاً منہ غلاظت و بدبو، بغل وغیرہ کی گندگی و تعفن وغیرہ وغیرہ۔ پھر مسجد ہی کی طرح ان دوسری جگہوں کا بھی یہی حکم ہے جہاں مجالس عبادت و وعظ منعقد ہوتی ہوں یا جہاں قرآن و حدیث کی تعلیم ہوتی ہو یا جہاں ذکر و تسبیح کے حلقے ہوتے ہوں کہ ان مقامات پر بھی بدبودار چیزوں کے ہمراہ نہ جانا چاہئے۔

(۱۹) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْبُزَاقُ فِی الْمَسْجِدِ خَطِیْئَۃٌ وَکَفَّارَتُھَا دَفْنُھَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس تھوک کو زمین میں دبا دیا جائے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مسجد کے تقدس و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں تھوک کر گندگی و غلاظت نہ پھیلائی جائے اور اگر اتفاقاً ایسی غلطی کا ارتکاب ہو جائے تو اس گناہ کے دفعیہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس تھوک کو زمین دوز کر کے اسے دور کر دیا جائے۔

(۲۰) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَیَّ اَعْمَالُ اُمَّتِیْ حَسَنُھَا وَسَیِّئُھَا فَوَجَدْتُ فِیْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِھَا الْاَذٰی یُمَاطُ عَنِ الطَّرِیْقِ وَوَجَدْتُ فِیْ مَسَاوِیْ اَعْمَالِھَا النُّخَاعَۃَ تَکُوْنُ فِی الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ میرے سامنے میری اُمت کے اچھے برے اعمال پیش کئے گئے میں نے اس کے نیک اعمال میں تو راستہ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دینا پایا اور برے اعمال میں مسجد کے اندر تھوکنا دیکھا جس کو دبایا نہ گیا ہو۔" (مسلم)

(۲۱) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُکُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَلَا یَبْصُقْ اَمَامَہٗ فَاِنَّمَا یُنَاجِیْ اللّٰہَ مَادَامَ فِیْ مُصَلَّاہُ وَلَا عَنْ یَمِیْنِہٖ فَاِنَّ عَنْ یَمِیْنِہٖ مَلَکًا وَلْیَبْصُقْ عَنْ یَسَارِہٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِہٖ فَیَدْفِنُھَا۔ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ سَعِیْدٍ تَحْتَ قَدَمِہِ الْیُسْرٰی۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے اس لئے کہ وہ جب تک نماز کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات (سرگوشی) کرتا ہے اور اسے اپنے دائیں طرف بھی نہ تھوکنا چاہئے کیونکہ دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے ہاں بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوک لے اور پھر اسے زمین میں دبا دے۔ ابوسعید کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بلکہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوک لے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں نمازی کو اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہو کر اس سے سرگوشی کرتا ہے لہٰذا جس طرح اس موقع پر وہ شخص اپنے مالک کی عزّت احترام کے تمام آداب کو ملحوظ رکھتا ہے اسی طرح نمازی کے لئے بھی واجب ہے کہ جب وہ اپنے پروردگار حقیقی کے سامنے نماز کے لئے کھڑا ہو تو حضوری کے تمام شرائط و آداب کا پورا پورا خیال رکھے۔ اور اس سلسلہ میں ایک اہم ادب یہ ہے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے، گو خداوند قدوس کی ذات پاک جہت و سمعت کی قیود سے پاک ہے تاہم سامنے نہ تھوکنے کی قید لگا کر

آداب حضوری کے راستہ سے روشناس کرایا جارہا ہے کہ پروردگار عالم کے دربار میں حاضری کے وقت ایسا کوئی طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ جو رب ذوالجلال کی شان عظمت و کبریائی کے منافی ہو۔

"فرشتہ" سے مراد یا کراماً کاتبین کے علاوہ وہ فرشتہ ہے جو خاص طور پر نماز کے وقت نمازی کی تائید اور اس کی رہبری اور اس کی دعا پر آمین کہنے کے لئے حاضر ہوتا ہے، لہٰذا نمازی پر واجب ہے کہ اس فرشتے کی مہمانی کا خیال کرتے ہوئے کراماً کاتبین سے زیادہ اس کا اکرام و احترام کرے کیونکہ کراماً کاتبین تو ہر وقت ہی ساتھ رہتے ہیں اور اس کے اکرام و احترام کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ دوران نماز اپنی دائیں طرف نہ تھوکے کہ یہ فرشتہ اسی سمت رہتا ہے۔

یا پھر "فرشتہ" سے مراد کراماً کاتبین ہے کہ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے صرف دائیں طرف تھوکنے سے اس لئے منع فرمایا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ دائیں طرف کا فرشتہ جو بندہ کے نیک اعمال لکھنے پر مقرر ہے بائیں طرف کے فرشتہ سے جو بندہ کے برے اعمال لکھنے پر متعین ہے رتبہ کے اعتبار سے زیادہ افضل ہے جس طرح کہ دائیں سمت بائیں سمت سے افضل ہوتی ہے یا رحمت کا فرشتہ عذاب کے فرشتہ سے زیادہ افضل ہوتا ہے۔

(۲۲) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِىْ مَرَضِهِ الَّذِىْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے اس بیماری میں جس سے اٹھ نہ سکے (یعنی مرض وفات میں) فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: سرکار دوعالم ﷺ کا پیمانہ حیات جب لبریز ہونے لگا اور آپ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ اب اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آگیا ہے تو آپ ﷺ نے اس خوف سے کہ مبادا میری اُمت کے لوگ بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنائیں اس فعل شنیع کی ممانعت کا اظہار یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ ان امتوں کے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں پر سجدہ کیا کرتے ہیں۔

قبروں کو سجدہ گاہ بنانا دو طریقوں سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ صاحب قبر یا محض اپنی قبر کی عبادت و پرستش کے مقصد سے قبروں پر سجدہ کیا جائے جیسا کہ بت پرست بتوں کو پوجتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سجدہ تو قبر کو کیا جائے مگر اس سے مقصد خدا تعالیٰ ہی کی عبادت و پرستش ہو اور یہ اعتقاد ہو کہ اس طرح قبر کی طرف نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا درحقیقت پروردگار حقیقی کی عبادت کرنا ہے اور یہ کہ اس طریقہ سے پروردگار کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور اس کا قرب میسر ہوتا ہے۔ یہ دونوں طریقے غیر مشروع اور خدا و رسول کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں۔ پہلا طریقہ تو صریحاً کفر و شرک ہے۔ دوسرا طریقہ بھی حرام ہے کیونکہ اس میں خدا کی پرستش و عبادت میں دوسرے کو شریک کرنا لازم آتا ہے اگرچہ شرک خفی ہے یہ دونوں طریقے خدا کی لعنت کا سبب ہیں۔

یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ نبی کی قبر یا کسی بزرگ وولی کی قبر کی طرف ازراہ بزرگ و تعظیم نماز پڑھنا حرام ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۲۳) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّىْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جندبؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ آگاہ رہو! تم سے پہلے (یعنی دوسری امتوں کے) لوگوں نے اپنے انبیاء اور اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ لہٰذا خبردار! تم لوگ قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔" (مسلمؒ)

(۲۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ مِنْ صَلاَتِکُمْ وَلاَ تَتَّخِذُوْھَا قُبُوْرًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ تم کچھ نمازیں اپنے گھروں میں بھی پڑھ لیا کرو اور گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔" (بخاری، مسلم)

تشریح: "گھروں کو قبریں نہ بنانے" کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں میں قبریں نہ بناؤ اور اپنے کسی مردہ کو گھر کے اندر دفن نہ کر دیا کرو اس سے یہ مراد ہے کہ قبروں کو گھروں کی مانند نہ سمجھو یعنی جس طرح کسی حاجت و ضرورت کے وقت لوگ اپنے گھروں ہی کا رخ کرتے ہیں تاکہ اس حاجت و ضرورت کو پوری کر سکیں۔ اسی طرح اگر کسی کو کوئی حاجت و ضرورت درپیش ہو تو وہ قبروں پر دوڑا ہوا نہ چلا جائے اور صاحب قبر سے مرادیں نہ مانگنے لگے بلکہ جب کوئی حاجت و ضرورت درپیش ہو تو خدا ہی سے مانگے اور اسی کے سامنے دست سوال دراز کرے کہ سب اسی کے محتاج ہیں یہاں تک کہ جس پیرو صاحب قبر کو حاجت روا اور مرادیں پوری کرنے والا سمجھا جاتا ہے وہ بھی خدا ہی کے رحم و کرم اور اس کے فضل کا محتاج ہے۔ یا پھر اس سے یہ مراد ہے کہ جس طرح مقبروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی اسی طرح اپنے گھروں کو بھی بے ذکر الٰہی نہ چھوڑو بلکہ اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کرو تاکہ نماز اور ذکر الٰہی کی برکت سے گھر میں رحمت خداوندی کا نزول ہو۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ سوائے فرض نماز کے سُنّت و نوافل وغیرہ مسجد کی بہ نسبت گھروں میں پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۲۵) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَۃٌ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔" (ترمذی)

تشریح: اس حدیث کا تعلق مدینہ منورہ کے باشندوں سے ہے کیونکہ مدینہ منورہ سے قبلہ جانب جنوب واقع ہے نیز اس حدیث کا تعلق ان اطراف کے لوگوں سے بھی ہے جن کا قبلہ مدینہ کے موافق جانب جنوب واقع ہے لہٰذا اس اعتبار سے ان لوگوں کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہوا۔

(۲۶) وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ خَرَجْنَا وَفْدًا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَایَعْنَاہُ وَصَلَّیْنَا مَعَہٗ وَاَخْبَرْنَاہُ اَنَّ بِاَرْضِنَا بَیْعَۃً لَنَا فَاسْتَوْھَبْنَاہُ مِنْ فَضْلِ طَھُوْرِہٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَتَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّہٗ لَنَا فِیْ اِدَاوَۃٍ وَاَمَرَنَا فَقَالَ اخْرُجُوْا فَاِذَا اَتَیْتُمْ اَرْضَکُمْ فَاکْسِرُوْا بَیْعَتَکُمْ وَانْضَحُوْا مَکَانَھَا بِھٰذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوْھَا مَسْجِدًا قُلْنَا اِنَّ الْبَلَدَ بَعِیْدٌ وَالْحَرَّ شَدِیْدٌ وَالْمَاءُ یُنْشَفُ فَقَالَ مُدُّوْہُ مِنَ الْمَاءِ فَاِنَّہٗ لاَ یَزِیْدُہٗ اِلاَّ طِیْبًا۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت طلق ابن علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کی شکل میں سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم سب نے آپ ﷺ سے (اسلام کی) بیعت کر کے آپ ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی اور پھر یہ بھی عرض کر دیا کہ ہماری سرزمین پر ہمارا ایک گرجا بنا ہوا ہے (اس کو کیا کریں؟) اس کے بعد ہم نے آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور وضو کیا اور (وضو کے بعد بقیہ پانی سے) کلی کی اور اس کلی کا پانی ہماری چھاگل میں ڈال دیا اور فرمایا کہ جاؤ! اور جب تم اپنے ملک میں پہنچو تو اس گرجے کو توڑ کر اس کی جگہ پانی چھڑک دینا (تاکہ دین و اسلام کے انوار و برکات وہاں پھیل جائیں) اور پھر وہاں مسجد بنا لینا۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر تو بہت دور ہے اور گرمی سخت ہے لہٰذا یہ پانی (وہاں پہنچتے پہنچتے) خشک ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس میں اور پانی ملا لینا اس سے اس کی پاکیزگی و برکت ہی میں اضافہ ہو گا۔" (نسائی)

تشریح: "بیعة" نصاریٰ کے عبادت خانہ کو کہتے ہیں جسے ہمارے یہاں گرجا کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تھے نصاریٰ قوم سے تھے چنانچہ جب یہ لوگ ایمان و اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہو گئے تو ان کی خواہش ہوئی کہ اپنے گرجا کو جو پہلے مذہب کی یادگار عبادت گاہ ہے توڑ ڈالیں اور اس جگہ برکت حاصل کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے وضو کا بچا ہوا دھان مقدس سے نکلا ہوا متبرک پانی چھڑک ڈالیں تاکہ اس جگہ ایک دوسرے مذہب کی عبادت گاہ ہونے کی وجہ سے وہاں کفرو شرک کے جو جراثیم پیدا ہو گئے ہیں وہ اس پانی کی برکت سے ختم ہو جائیں اور وہاں دین اسلام کے فیوض و برکات پھیل جائیں۔ چنانچہ لفظ فاستوھبناہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر دھوپ و گرمی کی شدت اور طویل مسافت کی وجہ سے یہ پانی خشک ہونے لگے اور تمہیں اس بات کا خدشہ ہو کہ منزل مقصود تک پہنچتے پہنچتے یہ پانی بالکل ہی خشک ہو جائے گا تو اس پانی میں دوسرا پانی ملا لینا لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ اور پانی ملا لینے سے اس پانی کی برکت و فضیلت ختم ہو گئی ہے یا کم ہو گئی ہے بلکہ یہ تو پہلا پانی جو چھاگل میں تھا بعد میں ڈالے جانے والے اس پانی میں خیر و برکت کی زیادتی کرے گا یا پھر بعد میں ڈالے جانے والے اس دوسرے پانی میں منجاب اللہ یہ شرف و فضیلت پیدا ہو جائے گی کہ اس پانی کی وجہ سے چھاگل میں موجود پہلے پانی میں مزید خیر و برکت ہو جائے گی اور حاصل یہ کہ مزید پانی ملا لینے سے خیر و برکت زیادہ ہی ہو گی کم نہ ہو گی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آب زم زم کو باعث خیر و برکت جاننا اور پھر اسے بطور تبرک دوسری جگہ لے جانا جائز ہے۔

نیز اس پر قیاس کیا جاتا ہے کہ علماء و مشائخ اور اولیاء اللہ کے جھوٹے کھانے اور پانی یا ان کے بدن کے اترے ہوئے کپڑوں کو خیرو برکت کا باعث جاننا اور انہیں متبرک سمجھ کر استعمال کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں حدود شرع سے تجاوز نہ ہو یعنی ان چیزوں کو متبرک و مقدس سمجھ کر ان کی حدیث سے زیادہ تعظیم و تکریم یا نعوذباللہ ان کی پرستش نہ ہونے لگے۔

(۲۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِی الدُّوْرِ وَاَنْ یُنَظَّفَ وَیُطَیَّبَ۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے محلوں میں مسجد بنانے کا حکم فرمایا ہے اور یہ کہ (وہ مسجدیں) پاک و صاف رکھی جائیں اور ان میں خوشبوئیں رکھی جائیں۔" (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محلوں میں مسجدیں بنانا اشد ضروری ہیں کیونکہ مسجدوں کا قیام نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی دینی و مذہبی حمیت اور قومی و ملی بیداری کا ثبوت ہے بلکہ ان کی وجہ سے اہل محلّہ پر خدا کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ مسجدوں کو محض بنا ڈالنا ہی ایمانی حرارت اور دینی و مذہبی بیداری کا ثبوت نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ مسجدوں کو آباد بھی رکھا جائے۔ وہاں کسی قسم کی کوئی غلاظت و گندگی نہ ڈالی جائے اور نہ وہاں رہنے دی جائے اور اگر بتی وغیرہ خوشبوؤں کے ذریعہ انہیں معطر رکھا جائے۔ اور اگر ان چیزوں کے کرنے کے وقت اس مقدس و محترم جگہ کی تعظیم و تکریم کی نیت کی جائے اور یہ نیت بھی کی جائے کہ پاکی و صفائی اور خوشبو کی وجہ سے مسجد میں آنے والے فرشتے اور مسلمان بھائی خوش ہوں گے تو ثواب میں بہت زیادتی ہو گی۔

(۲۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْیِیْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّھَا کَمَا زَخْرَفَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ مجھ کو مسجدوں کے بلند کرنے اور آراستہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جس طرح یہود و نصاریٰ (اپنے عبادت خانوں کی) زینت کرتے ہیں اسی طرح تم بھی (مساجد) کی زینت کرو گے۔" (ابوداؤد)

تشریح: زخرف کہتے ہیں ملمع کو اور کسی چیز کی کمال خوبی کو حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں نقش و نگار کریں گے اور ان کے در و دیوار پر سونا چڑھائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول آنحضرت ﷺ کے بعد حسب عادت، انسانی لوگوں کے افعال کی خبر دینے کے مترادف ہے یعنی آئندہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو مسجدوں کو منقش و مزین کریں گے، اور ان کے در و دیوار پر سونا چڑھائیں گے حالانکہ ان کا یہ طریقہ خلاف سُنّت ہوگا کیونکہ اسلام کی سادگی پسند فطرت اس قسم کی چیزوں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ اس طریقہ سے یہود و نصاریٰ کی مشابہت ہوتی ہے۔

متاخرین علماء نے مساجد کی زیب و زینت اور ان میں نقش و نگار کی اجازت دی ہے اور کہا ہے کہ لوگ اپنے مکانوں کو بلند و مطلا بناتے ہیں اور انہیں منقش و مزین کرتے ہیں اگر مسلمان اپنی مسجدوں کو لکڑی و مٹی سے بالکل سادہ بنائیں تو ہو سکتا ہے کہ عوام کی نظروں میں ان کی وقعت و عظمت نہ ہو اس لئے مسجدوں کو ایسے ڈھنگ سے بنانے کی اجازت دے دی گئی ہے جو موجودہ زمانہ کے معیار پر رفیع و محترم سمجھی جائیں۔

مسجد نبوی زمانۂ رسول اللہ ﷺ بالکل سادہ اور کچی تھی دیواریں اینٹوں کی اور چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور اس کے ستون کھجور کی لکڑی کے تھے، پھر جب حضرت عمرؓ نے اس کو دوبارہ بنوایا تو انہوں نے بھی اسی طرح مسجد کو سادہ رکھا۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور خلافت میں اس مسجد کو از سر نو نئے طرز پر تعمیر کروایا چنانچہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ مسجد کو وسیع تر بنا دیا بلکہ اس کی دیواروں میں منقش پتھر اور چھت میں سال استعمال کیا اس طرح مسجد نبوی آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے مقابلہ میں بہت بڑی اور خوبصورت ہو گئی۔

(۲۹) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّتَبَاهِيَ النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ۔
(رواہ ابوداؤد، والنسائی و الدارمی وابن ماجہ)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مساجد کے بارہ میں فخر کیا کریں گے۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرب قیامت میں لوگ بڑی بڑی مسجدیں بنائیں گے اور انہیں آراستہ کریں گے اور اس سے ان لوگوں کا مقصد خدا کی رضا و خوشنودی اور ان کی نیت خالصۃ للہ نہیں ہوگی بلکہ ان کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ بڑے فخر و مباہات کے ساتھ اپنے اس کارنامے کو دنیا کے سامنے پیش کر سکیں اور دنیا والے ان کی تعریف و بڑائی میں زمین و آسمان کی قلابے ملا دیں۔

(۳۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ اُجُوْرُ اُمَّتِي حَتّٰى الْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوْبُ اُمَّتِي فَلَمْ اَرَ ذَنْبًا اَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَوْ اٰيَةٍ اُوْتِيَهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا۔
(رواہ الترمذی والبوداؤد)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ میری اُمّت کے ثواب میرے سامنے پیش کئے گئے۔ یہاں تک کہ اس کوڑے اور خاک کا ثواب بھی (پیش کیا گیا) جسے کسی آدمی نے مسجد سے (جھاڑو دے کر) نکالا ہو، نیز میرے سامنے میری اُمّت کے گناہ بھی پیش کئے گئے۔ ان گناہوں میں مجھ کو اس سے بڑا کوئی گناہ نظر نہیں آیا کہ کسی کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد ہو پھر اس نے اس کو بھلا دیا ہو۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: کسی کو قرآن کی سورت یا آیت کا یاد ہو جانا خدا کی بڑی نعمت ہے اور جس نے یاد کر کے اسے بھلا دیا گویا اس شخص نے اس نعمت کی سخت بے قدری و ناشکری کی اور اس کی قدر نہ جانی لہٰذا ایسا شخص سخت گناہ گار ہوگا۔

(۳۱) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ اِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَ اَنَسٍ۔

"اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جو لوگ اندھیرے میں مسجدوں کی طرف جاتے ہیں انہیں یہ خوشخبری پہنچا دو کہ قیامت کے دن (اس کے سبب سے) ان کو کامل روشنی نصیب ہوگی۔" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ (التحریم ۶۶: ۸)

"ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا (اور) یوں دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے اس نور کو اخیر تک رکھیے۔"

(۳۲) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهُ بِالْاِيْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم کسی شخص کو مسجد کی خبرگیری کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم اگر کسی ایسے شخص کو دیکھو جو اللہ کے گھر کی خبرگیری کرتا ہو یعنی اس کی حفاظت و مرمت کرتا ہے اس میں جھاڑو وغیرہ دے کر اس کی صفائی و ستھرائی رکھتا ہے اس میں نماز پڑھتا ہے اور عبادت کرتا ہے اور اس میں دینی علوم کے درس و تدریس میں مشغول رہتا ہے تو تم اس کے حق میں گواہی دو کہ وہ مرد مؤمن اور خدا اور رسول کا اطاعت شعار و فرمانبردار بندہ ہے۔

(۳۳) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ائْذَنْ لَنَا فِي الْاِخْتِصَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصٰى وَلَا اخْتَصٰى اِنَّ خِصَاءَ اُمَّتِي الصِّيَامُ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي السِّيَاحَةِ فَقَالَ اِنَّ سِيَاحَةَ اُمَّتِي الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي التَّرَهُّبِ فَقَالَ اِنَّ تَرَهُّبَ اُمَّتِي الْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ انْتِظَارَ الصَّلَاةِ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت عثمان[1] ابن مظعونؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھ کو خصی (نامرد) ہونے کی اجازت دیجئے (تاکہ زنا میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ رہے) آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہماری سُنّت کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے) جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو جائے (بلکہ) میری اُمّت کے لئے خصی ہونا روزہ رکھنا ہے (کیونکہ روزہ رکھنے سے شہوت جاتی رہتی ہے) حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ پھر مجھے سیر و سیاحت کی اجازت عنایت فرمائی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میری اُمّت کی سیاحی یہی ہے کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کیا جائے۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ اچھا تو پھر مجھے راہب بننے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری اُمّت کا راہب بننا یہی ہے کہ مسجدوں میں نمازوں کے انتظار میں بیٹھا جائے۔" (شرح السنۃ)

تشریح: حضرت عثمان ابن مظعون کی خواہش یہ تھی کہ وہ ایسے طریقے اختیار کریں کہ جس سے دنیا کی لذتوں، نفسانی خواہشات اور شیطانی حرکات میں نہ مبتلا ہو سکیں تاکہ خدا کی رضا و خوشنودی حاصل ہو، چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس بات کی

---

[1] اسم گرامی عثمان بن مظعون اور کنیت ابوسائب ہے۔ جلیل القدر صحابی اور چودھویں مرد مسلمان ہیں۔ ہجرت حبشہ میں وہ اور ان کے صاحبزادے سائبؓ شامل تھے اور ہجرت مدینہ میں شریک ہوئے مہاجرین میں سے پہلے صحابی ہیں جنہوں نے مدینہ میں ۲ھ میں وفات پائی، آنحضرتؐ نے آپ کی نعش کو بوسہ دیا تھا۔

اجازت طلب کی کہ وہ اپنی قوت مردمی کو ختم کر کے بالکل نامرد بن جائیں تاکہ زنا جیسے بڑے گناہ میں ملوث ہونے کا خدشہ نہ رہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی اس خواہش کو انسانی فطرت اور اسلامی روح کے منافی سمجھتے ہوئے انہیں اس فعل سے باز رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم یہی چاہتے ہو کہ نفسانی خواہشات ختم ہو جائیں اور روحانی و عرفانی جذبات غالب رہیں تو اس کا آسان علاج یہ ہے کہ روزہ رکھا کرو کیونکہ روزہ شہوت کو ختم کرتا ہے اور تعلق مع اللہ کے جذبات کو جلا بخشتا ہے۔ پھر انہوں نے سیر و سیاحت کی اجازت طلب کی تاکہ اس مشغلہ سے نفسانی خواہشات میں کمی آجائے۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ کیونکہ زمین پر گھومنا پھرنا اور دور دراز کا سفر اختیار کرنا صرف جہاد فی سبیل اللہ میں مطلوب و محمود ہے، محض سیر و سیاحت کی خاطر خواہ مخواہ دنیا کے چکر کاٹنا جیسا کہ بعض فقیر قسم کے لوگ کرتے ہیں کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے کوئی اخروی منفعت و بھلائی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے راہب بن جانے کی خواہش ظاہر کی جیسا کہ اہل کتاب میں وہ لوگ جو دیندار اور مذہبی قسم کے ہوتے ہیں دنیاوی علائق سے گوشہ نشینی اختیار کر لیتے ہیں اور دنیا کی تمام لذتوں اور مشغولیات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ نہ عورتوں کے پاس جاتے ہیں اور نہ دوسرے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی اس خواہش کو بھی رد کر دیا کیونکہ رہبانیت اہل کتاب کا شیوہ ہے یہ اسلام کی تعلیمات اور اسلام کی فطرت کے بالکل منافی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہماری اُمّت میں رہبانیت صرف اسی قدر ہے کہ مسجدوں میں نمازوں کے انتظار میں بیٹھا جائے کیونکہ اس طرح تمام لوگوں اور دنیا کی تمام چیزوں سے منہ پھیر کر پروردگار کی طرف توجہ ہوتی ہے اور اس پر بے شمار اجر و انعام ملتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اہل کتاب کی جو رہبانیت ہے وہ بالکل بے فائدہ اور بے کار محض ہے کہ اس کا انجام دینی اور دنیوی اعتبار سے اچھا نہیں ہوتا۔

(۳۴) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَتَلَا وَكَذٰلِكَ نُرِىْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهُ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَزَادَ فِيْهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِيْ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى قُلْتُ نَعَمْ فِي الْكَفَّارَاتِ وَالْكَفَّارَاتُ الْمُكْثُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَالْمَشْيُ عَلَى الْاَقْدَامِ اِلَى الْجَمَاعَاتِ وَاِبْلَاغُ الْوُضُوْءِ فِي الْمَكَارِهِ وَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ وَكَانَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِذَا صَلَّيْتَ فَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ فَاِذَا اَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ قَالَ وَالدَّرَجَاتُ اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلٰوةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ وَلَفْظُ هٰذَا الْحَدِيْثِ كَمَا فِي الْمَصَابِيْحِ لَمْ اَجِدْهُ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِلَّا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

"اور حضرت عبدالرحمن بن عائش راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، میں نے اپنے پروردگار بزرگ و برتر کو (خواب میں) بہت ہی اچھی صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ مقربین فرشتے کس معاملہ میں بحث کر رہے ہیں میں نے عرض کیا پروردگار! تو ہی بہتر جانتا ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ (یہ سن کر) اللہ تعالیٰ نے میرے مونڈھوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا جس کی ٹھنڈک مجھے اپنے سینہ پر محسوس ہوئی (اور اس کی وجہ سے) میں زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو جان گیا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ وَكَذٰلِكَ نُرِىْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ترجمہ: اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو زمین و آسمانوں کا تصرف دکھایا تاکہ وہ یقین کرنے والے لوگوں میں شامل ہو جائے۔ (دارمی مرسلاً) اور ترمذی نے یہ بھی روایت بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ عبدالرحمن ابن عائش، ابن عباس اور معاذ ابن جبل سے نقل کی ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (یعنی آپ کو زمین و آسمانوں کا علم دینے کے بعد سوال فرمایا، کہ اے محمد (ﷺ) آپ کو معلوم ہے کہ مقربین فرشتے کس معاملہ میں بحث کر رہے

ہیں؟(آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا، ہاں! میں جانتا ہوں کفارات (یعنی گناہوں کو ختم کرنے والی چیزوں) کے بارہ میں گفتگو کر رہے ہیں اور وہ کفارات (یہ) ہیں کہ نمازوں کے بعد مسجدوں میں (دوسرے وقت کی نماز کے انتظار میں یا ذکر و تسبیح کے لئے) بیٹھا جائے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے پیدل چلا جائے اور سختی کے وقت (مثلاً بیماری یا سردی میں اعضاء وضو پر) وضو کا پانی اچھی طرح پہنچایا جائے (لہٰذا) جس نے یہ کیا (یعنی مذکورہ اعمال کئے) وہ بھلائی پر زندہ رہے گا اور بھلائی ہی پر مرے گا اور گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا گویا اس کی ماں نے آج ہی سے اس کو جنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمد! جب آپ (ﷺ) نماز سے فارغ ہو لیں تو یہ دعا پڑھ لیا کیجئے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِیْنِ فَاِذَا اَرَدْتَّ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْكَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ یعنی اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے چھوڑنے اور مسکینوں کی دوستی کا سوال کرتا ہوں اور جب تو بندوں میں گمراہی ڈالنے (یا انہیں سزا دینے) کا ارادہ کرے تو مجھے بغیر گمراہی کے اٹھا لیجئے۔ اور اللہ تعالیٰ (آنحضرت ﷺ کی تعلیم میں زیادتی کے لئے) فرماتا ہے (یا خود آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں) کہ درجات (یعنی وہ اعمال جن سے بندہ کے درجات بارگاہ حق میں بلند ہوتے ہیں) یہ ہیں کہ (ہر مسلمان کو خواہ وہ آشنا ہو یا نا آشنا) سلام کیا جائے۔ (خدا کی راہ میں مسکینوں کو) کھانا کھلایا جائے اور رات میں اس وقت جب کہ لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھی جائے۔ (صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ جیسا کہ مصابیح میں عبدالرحمن سے منقول ہے سوائے شرح السنہ کے اور کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔"

تشریح: اگر آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی وضاحت ہے۔ تو اس میں کچھ اشکال نہیں ہے کیونکہ انسان خواب میں بسا اوقات شکل دار چیز کو بغیر شکل دیکھتا ہے اور کبھی غیر شکل دار کو شکل دار صورت میں دیکھتا ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ نے عالم بیداری میں دیکھا تھا تو پھر اس کی تاویل کرنا ضروری ہوگی۔ اور تاویل یہ ہوگی کہ صورت سے مراد صفت ہے کہ حق تعالیٰ جل مجدہ نے صفت جمال اور لطف و کرم کے ساتھ تجلی فرمائی۔ یہ تاویل حقیقت و محاورہ سے بالکل قریب ہے کیونکہ اکثر و بیشتر صورت کا اطلاق صفت پر ہوتا ہے جیسا کہ روزمرہ کی بول چال میں کسی چیز کی حقیقت و کیفیت کے بیان کے وقت کہا جاتا ہے کہ "صورت حال یہ ہے" یا اس مسئلہ کی صورت یہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ بھی بہتر ہے کہ "صورت" کے معنی کا محمول آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہی کو قرار دیا جائے۔ اس طرح آپ ﷺ کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ میں نے اپنے "رب کو دیکھا اور اس وقت میں اچھی صورت میں تھا"۔

آنحضرت ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ مقربین فرشتے کون سے اعمال کی فضیلت و عظمت کے بارہ میں بحث کر رہے ہیں؟ یا یہ کہ وہ کون سے اعمال ہیں جن کو مقام قبولیت تک پہنچانے میں فرشتے آپس میں تنازعہ کر رہے ہیں۔ بایں طور کہ ایک فرشتہ تو کہتا ہے کہ اس عمل کو مقام قبولیت تک پہلے میں پہنچاؤں اور دوسرا کہتا ہے کہ پہلے میں لے کر جاؤں۔

آنحضرت ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کا ہاتھ رکھنا حقیقی معنی میں نہیں ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان رکھا تھا کیونکہ ذات خداوندی ظاہری اجسام کی ثقالت سے پاک و صاف ہے بلکہ دراصل یہ اس چیز سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اپنے فضل و کرم اور جزاء و انعام کی زیادتی و کثرت کے ساتھ خاص کیا جیسا کہ دنیاوی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی بادشاہ یا امیر اپنے کسی خاص خادم پر بہت زیادہ مہربان ہوتا ہے اور اس سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے تو وہ اس خادم کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہے یا اس کی گردن میں باہیں ڈال دیتا ہے۔ یہ اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ اس خادم سے بہت زیادہ خوش ہے اور اس پر انعام و اکرام کی بارش کرنے والا ہے۔

"سینے میں سردی محسوس ہونا" فیض ربانی کا اثر پہنچنے سے کنایہ ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب فیض ربانی سینہ میں پہنچا تو زمین و آسمان کے تمام پردے اٹھ گئے اور تمام چیزوں کا علم مجھے حاصل ہو گیا چنانچہ آپ نے اس موقعہ و حال کی مناسبت اور اس کے

امکان پر گواہی دینے کے ارادہ سے مذکورہ آیت پڑھی جس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! جس طرح ہم نے آپ ﷺ کے سامنے سے زمین و آسمانوں کے پردے اٹھا دیے جس کے نتیجہ میں آپ ﷺ کو تمام چیزوں کا علم حاصل ہو گیا ہے اسی طرح ہم نے اپنے جلیل القدر پیغمبر و خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی دو عالم ربوبیت و الوہیت کی حقیقتوں کو واشگاف کر دیا تھا اور انہیں زمین و آسمانوں کی تمام چیزوں کا مشاہدہ کرا دیا تھا تاکہ وہ خدا کی ربوبیت والوہیت پر یقین کامل کرنے والوں میں سے ہو جائیں اس طرح آیت کے آخری الفاظ ولیکون من الموقنین کا معطوف علیہ محذوف ہوگا اور پوری عبارت یوں ہوگی کہ ہم نے ابراہیم کو عالم ربوبیت والوہیت دکھلا دیئے تھے تاکہ وہ اس کے ذریعہ ہماری ذات کے وجود کے بارہ میں دلیل پکڑ سکے اور یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ غرور و تکبر کی بری عادتوں سے یکسر ہٹ کر اپنے اندر تواضع و انکساری جود و بخشش اور عبادت و ریاضت کے جذبات و اوصاف پیدا کرے اور ان عرفانی اصولوں کی روشنی سے پہلے دل و دماغ کو منور کر کے نہ صرف یہ کہ خدا کا حقیقی بندہ بن جائے بلکہ پوری انسانیت کے لئے باعث رحمت و راحت ہو جائے ۔

شرفِ مردے جو دست و کرامت بجود ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

(۳۵) وَعَنْ اَبِی اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ رَجُلٌ خَرَجَ غَازِيًا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ حَتّٰى يَتَوَفَّاهُ فَيُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ اَوْيَرُدَّهُ بِمَانَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْغَنِيْمَةٍ وَرَجُلٌ رَاحَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ وَرَجُلٌ دَخَلَ بَيْتَهُ بِسَلَامٍ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ تین شخص ایسے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ (اس بات کے لئے) ذمہ دار ہے (کہ وہ انہیں دنیا و آخرت کی آفات و مصیبتوں سے محفوظ رکھے گا) ایک تو وہ شخص جو خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلا چنانچہ وہ خدا کی ذمہ داری میں ہے کہ یا تو اسے موت (یعنی شہادت کا درجہ) دے کر جنت میں پہنچا دے یا اس کو ثواب و مال غنیمت دے کر گھر واپس پہنچا دے (چنانچہ پہلی اور دوسری صورت یعنی شہادت و ثواب میں تو اسے دین کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور تیسری یعنی مال غنیمت میں دنیا کی سعادت و بھلائی ملتی ہے) اور دوسرا وہ شخص ہے جو (نماز کے لئے) مسجد جائے تو اللہ اس کا بھی ضامن ہے (کہ عبادت کے لئے اس کی کوشش اور اس کا ثواب ضائع نہ کرے گا) اور تیسرا وہ شخص ہے جو اپنے گھر میں سلام کرتا ہوا داخل ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اللہ تعالیٰ پر پہلے شخص کے لئے جو ذمہ ہے اسے تو بیان کر دیا گیا ہے کہ اسے دین اور دنیا دونوں جگہ کیا کیا انعامات ملیں گے لیکن دوسرے اور تیسرے شخص کے لئے جو ذمہ اللہ پر ہے چونکہ وہ ظاہر تھا اس لئے اس کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی "گھر میں سلام کرتا ہوا داخل ہو" اس کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرے، چنانچہ اس صورت میں اس کے لئے اللہ پر یہ ذمہ ہے کہ اس کو اور اس کے گھر والوں کو خیر و برکت سے نوازے گا اور ان پر اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے دروازے کھول دے گا دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب گھر میں داخل ہو جائے تو لوگوں کی صحبت سے امن و سلامتی حاصل کرنے کے لئے گھر ہی میں رہنا اپنے اوپر لازم کرلے اور گھر سے باہر نہ نکلے چنانچہ اس صورت میں اس کے لئے اللہ پر یہ ذمہ ہے کہ وہ اسے مصائب و آفات سے محفوظ و سلامت رکھے گا۔

(۳۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتَطَهِّرًا اِلٰى صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ فَاَجْرُهُ كَاَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ وَمَنْ خَرَجَ اِلٰى تَسْبِيْحِ الضُّحٰى لَا يُنْصِبُهُ اِلَّا اِيَّاهُ فَاَجْرُهُ كَاَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلَاةٌ عَلٰى اِثْرِ صَلَاةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِىْ عِلِّيِّيْنَ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص وضو کر کے گھر سے نکلے۔ اور فرض نماز ادا کرنے کے لئے مسجد

جائے تو اس کو اتنا ثواب ملے گا جتنا احرام باندھ کر حج کرنے (جانے) والے کو ملتا ہے اور جو شخص چاشت کی (نفل) نماز ہی کے لے تکلیف اٹھا کر (گھر سے) نکلے (یعنی بغیر کسی غرض اور ریا کے محض چاشت کی نماز پڑھنے ہی کے قصد سے گھر سے نکلے) تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہے۔ اور (ایک) نماز کے بعد (دوسری) نماز پڑھنا اور ان دونوں نمازوں کے درمیانی وقت میں لغو بیہودہ باتیں نہ کرنا ایسا عمل ہے جو علیین میں لکھا جاتا ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں وضو کو احرام سے اور نماز کو حج سے مشابہت دی گئی ہے اور دونوں میں تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح حاجی حج کے ارادہ سے گھر سے نکلتا ہے اور احرام باندھ کر حج کو جاتا ہے تو جس وقت وہ گھر سے نکلتا ہے اسی وقت سے اسے ثواب ملنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کے ثواب کا سلسلہ اس کے واپس آجانے تک جاری رہتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص محض نماز کے ارادہ سے نکلتا ہے تو وہ جس وقت گھر سے نکلتا ہے اسے بھی اسی وقت سے ثواب ملنا شروع ہو جاتا ہے اور جب تک وہ نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر گھر واپس نہیں آجاتا اسے ثواب برابر ملتا ہے لیکن اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ نمازی اور حاجی کے ثواب میں یہ برابری بہمہ وجوہ نہیں ہے ورنہ توجہ کرنے کے کوئی معنی نہیں رہ جائیں گے۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ثواب میں دونوں بالکل برابر ہیں کیونکہ حاجی کا ثواب نمازی کے ثواب سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حج کی بہ نسبت عمرہ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو فرض نماز کی بہ نسبت نفل نماز کو حاصل ہے۔ کتاب فی علیین سے حدیث کے آخری جزو کا مطلب کنایۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص نماز کی مداومت و محافظت کرے یعنی تمام نمازوں کو پابندی سے ادا کرتا ہے اور نماز کو اس کی تمام شرائط و آداب کا لحاظ کرتے ہوئے اس طرح پڑھتا ہے کہ اس کے اس عمل اور نیت میں نماز کے منافی کسی چیز کا دخل نہ ہو تو یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے اعلیٰ اور بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔

جو فرشتے نیکیاں لکھنے پر مامور ہیں ان کے دفتر کا نام علیین ہے کہ تمام نیک اعمال وہیں جمع ہوتے ہیں۔

(۳۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ الْمَسَاجِدُ قِیْلَ وَمَا الرَّتْعُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم جنّت کے باغوں میں جایا کرو تو وہاں میوہ کھایا کرو، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ، یا رسول اللہ! دنیا میں جنت کے باغ کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجدیں (جنّت کے باغ ہیں) پھر پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! میوہ کھانا کیا ہے (یعنی ان میں میوہ کس طرح کھایا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللّٰہ و الحمدللّٰہ و لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر (مسجدوں میں ان کلمات کا ورد رکھنا میوہ کھانا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مساجد کو جنّت کے باغ اس لئے کہا گیا ہے کہ ان میں عبادت کرنا اور نماز پڑھنا جنّت کے باغوں کے حاصل ہونے کا سبب ہے۔ رتع دراصل اسے کہتے ہیں کہ باغ میں جا کر اچھی طرح میوے اور لذیذ چیزیں کھائی جائیں اور نہر وغیرہ کی سیر کی جائے جیسا کہ باغوں میں جانے والے لوگ یہ کیا کرتے ہیں۔ پھر یہ لفظ ثواب عظیم کے مرتبہ پر پہنچنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

بہر حال۔ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب تم مسجدوں میں جاؤ تو مذکورہ تسبیحات پڑھا کرو کیونکہ اس سے بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔

(۳۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتَی الْمَسْجِدَ لِشَیْءٍ فَهُوَ حَظُّهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص (دین یا دنیا کے) جس کام کے لئے مسجد میں آئے گا اسے اسی میں

سے حصہ ملے گا۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں جس غرض سے آئے گا وہی اس کا نصیب ہوگا۔ یعنی اگر عبادت کے لئے آئے گا تو اسے ثواب ملے گا اور اگر کسی دنیوی زندگی کی غرض سے آئے گا تو گرفتار وبال ہوگا۔ گویا یہ حدیث مضمون کے اعتبار سے نیت کی مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات کا ایک جزو ہے۔

(۳۹) وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِهَا فَاطِمَةِ الْكُبْرٰى قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْلِىْ ذُنُوْبِىْ وَافْتَحْ لِىْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْلِىْ ذُنُوْبِىْ وَافْتَحْ لِىْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِىْ رِوَايَتِهِمَا قَالَتْ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَكَذَا اِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ بَدَلَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ لَمْ تُدْرِكْ فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى۔

"حضرت فاطمہ بنت حسینؓ اپنی دادی فاطمہ کبریٰ (زہراؓ) سے روایت کرتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب مسجد میں تشریف لاتے تو محمد ﷺ پر درود و سلام بھیجتے، یعنی یہ الفاظ فرماتے صلی اللہ علی محمد یا فرماتے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ اور پھر یہ دعا پڑھتے رَبِّ اغْفِرْلِىْ ذُنُوْبِىْ وَافْتَحْ لِىْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ یعنی اے میرے پروردگار، میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور جب مسجد سے باہر آتے تو پھر محمد ﷺ پر درود و سلام بھیج کر یہ دعا پڑھتے۔ رَبِّ اغْفِرْلِىْ ذُنُوْبِىْ وَافْتَحْ لِىْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ یعنی اے میرے پروردگار! میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔ یہ روایت ترمذیؒ، احمدؒ، ابن ماجہؒ نے نقل کی ہے اور احمدؒ و ابن ماجہؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (حضرت فاطمہ فرماتی ہیں کہ) آنحضرت ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے اور اسی طرح جب باہر نکلتے تو صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ کے بجائے یہ الفاظ فرماتے بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ یعنی میں اللہ کے نام کے ساتھ داخل ہوتا ہوں اور نکلتا ہوں اور سلامتی ہو رسول پر۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ حضرت حسینؓ کی دختر فاطمہؓ نے حضرت فاطمہ زہراؓ بنت رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا ہے اور (ان سے نہیں ملی ہیں)۔"

تشریح: آپ ﷺ نے درود و سلام وغیرہ کے الفاظ اس طرح نہیں فرمائے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیَّ یا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِمُحَمَّدٍ کیونکہ درود و سلام کے ساتھ اسم شریف کو مناسبت ہے اسی طرح رَبِّ اغْفِرْلِىْ ارشاد فرمانے میں آپ ﷺ کی تواضع و انکساری کا اظہار ہوتا ہے یا پھر کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ اُمّت کی تعلیم کے لئے فرمائے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ درود و سلام کن الفاظ کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے۔

فاطمہ صغریٰ جو اس حدیث کی راوی اور حضرت امام حسینؓ کی صاحبزادی ہیں انہوں نے اپنی دادی حضرت فاطمہ زہراء بنت رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا ہے کیونکہ ان کے وقت میں حضرت امام حسینؓ کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی لہٰذا اس حدیث کی سند متصل نہیں ہوئی کیونکہ درمیان کا ایک راوی متروک ہے۔

(۴۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَنَاشُدِ الْاَشْعَارِ فِى الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْاِشْتِرَاءِ فِيْهِ وَاَنْ يَتَحَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فِى الْمَسْجِدِ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ، سرور کائنات ﷺ مسجد میں اشعار پڑھنے؛ خرید و فروخت کرنے اور جمعہ کے روز نماز سے پہلے لوگوں کو حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے (خواہ حلقہ باندھ کر بیٹھنا مذاکرہ علم اور ذکر و تسبیح کے لئے کیوں

نہ ہو منع فرمایا ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: اشعار سے مراد ایسے اشعار ہیں جن میں جھوٹ اور لغو باتیں ذکر کی گئی ہوں کیونکہ مسجد خدا کی عبادت کرنے کی جگہ ہے وہاں خلاف شرع اور جھوٹ و لغو باتوں کو بیان کرنا ناجائز ہے البتہ ایسے اشعار جن میں خدا کی توحید و مناجات اور آنحضرت ﷺ کی یا آپ ﷺ کے مخلص متبعین اور فرمانبردار امتیوں کی تعریف و توصیف، دین و مذہب اور اخلاق و کردار کو جلا بخشنے والی باتوں کا ذکر ہو تو ان کا پڑھنا ہر جگہ جائز اور مستحسن ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ شاعر اسلام حضرت حسانؓ کے لئے جو اپنے اشعار کے ذریعہ آپ ﷺ کی نعت اور کفار کی ہجو بیان کیا کرتے تھے مسجد نبوی میں منبر بچھواتے تھے اور حضرت حسانؓ اس منبر پر کھڑے ہو کر اس قسم کے پاکیزہ اشعار پڑھا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت جبرئیل حسانؓ کی تائید کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے اشعار کے ذریعہ پیغمبر خدا کی جانب سے کفار سے مقابلہ کرتے ہیں۔

مسجد میں جس طرح خرید و فروخت ممنوع ہے اسی طرح وہاں دنیا کے دوسرے معاملات کرنا منع ہیں۔

جمعہ کے روز نماز پڑھنے سے پہلے مسجد میں حلقہ باندھ کر بیٹھنے کو آپ ﷺ نے جو منع فرمایا ہے علماء اس کے مختلف وجوہ بیان کرتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ حلقہ باندھ کر بیٹھنا نمازیوں کی ہیئت اجتماعی کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ جمعہ کے روز نماز جمعہ کے لئے مسجد میں جمع ہونا خود ایک مستقل اور عظیم الشان کام ہے جب تک اس کام یعنی نماز جمعہ سے فارغ نہ ہو لیں، دوسرے کام میں مشغول ہونا مناسب نہیں ہے۔ نیز یہ کہ حلقہ باندھ کر بیٹھنا غفلت کا سبب ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اس نہی کا تعلق خاص طور پر خطبہ کے وقت سے نہیں ہوگا۔

تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ وقت خاموش اور چپ رہنے کا ہے اور نہایت توجہ کے ساتھ امام کا خطبہ سننے کا ہے، اور چونکہ حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے امام کے خطبہ کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے لہٰذا یہ درست نہیں ہے۔ اس صورت میں اس ممانعت کا تعلق صرف خطبہ کے وقت سے ہوگا۔ لہٰذا پہلی اور دوسری توجیہ کی صورت میں یہ نہی تنزیہی ہوگی اور تیسری توجیہ کی صورت میں نہی تحریمی ہوگی۔

(۴۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَأَیْتُمْ مَنْ یَّبِیْعُ اَوْ یَبْتَاعُ فِی الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ وَاِذَا رَأَیْتُمْ مَنْ یَّنْشُدُ فِیْهِ ضَالَّةً فَقُوْلُوْا لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَیْكَ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم مسجد میں کسی شخص کو خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ خدا کرے تیری سوداگری میں نفع نہ ہو اور جب تم (مسجد میں) کسی شخص کو بلند آواز سے گمشدہ چیز ڈھونڈتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ "خدا کرے تیری چیز نہ ملے"۔" (ترمذی، دارمی)

(۴۲) وَعَنْ حَكِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّسْتَقَادَ فِی الْمَسْجِدِ وَاَنْ یُّنْشَدَ فِیْهِ الْاَشْعَارُ وَاَنْ تُقَامَ فِیْهِ الْحُدُوْدُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ فِیْ سُنَنِهٖ وَصَاحِبُ جَامِعِ الْاُصُوْلِ فِیْهِ عَنْ حَكِیْمٍ وَفِی الْمَصَابِیْحِ عَنْ جَابِرٍ۔

"اور حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مسجد میں قصاص لینے (یعنی قاتل کا خون بہانے) اور اشعار پڑھنے اور (زنا کرنے، شراب پینے وغیرہ کی) حدود قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد) اور اس روایت کو صاحب جامع الاصول نے (اپنی کتاب) جامع الاصول میں حکیم سے (یعنی بغیر لفظ ابن حزام کے) روایت کیا ہے۔ نیز یہ روایت مصابیح میں جابرؓ سے منقول ہے (اور یہ اصول میں موجود نہیں ہے)۔"

(۴۳) وَعَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ هَاتَیْنِ الشَّجَرَتَیْنِ یَعْنِی الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَقَالَ مَنْ اَكَلَهُمَا فَلَا یَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا وَقَالَ اِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ اٰكِلِیْهِمَا فَاَمِیْتُوْهُمَا طَبْخًا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت معاویہ ابن قرہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے دو درختوں یعنی پیاز، لہسن کے کھانے) سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ جو شخص ان کو کھائے وہ ہماری (یعنی مسلمانوں کی) مسجدوں کے قریب نہ آئے نیز فرمایا کہ اگر تم انہیں کھانا ضروری ہی سمجھو تو انہیں پکا کر ان کی بدبو دور کر دو (اور کھالو)۔" (ابوداؤد)

تشریح: جملہ مَنْ اَكَلَهُمَا پہلے جملہ کا بیان ہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ جو شخص ان کو کھائے۔ وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے۔ پیاز و لہسن کھا کر مسجد میں داخلہ کی ممانعت کو مبالغہ کے طور پر بیان کرنا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان بدبودار چیزوں کو کھائے اسے چاہئے کہ وہ مسجد کی عظمت و احترام کے پیش نظر مسجد کے نزدیک بھی نہ آئے چہ جائیکہ مسجد میں داخل ہو۔ یا پھر قریب نہ آئے۔ کنایہ ہے مسجد میں داخل نہ ہونے سے کہ جو شخص پیاز و لہسن کھائے ہوئے ہو وہ مسجد میں داخل نہ ہو۔

(۴۴) وَعَنْ اَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبُرَةَ وَالْحَمَّامَ۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، مقبرہ اور حمام کے علاوہ ساری زمین مسجد ہے۔ کہ (ہر جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے)۔" (ترمذیؒ، دارمیؒ)

(۴۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُصَلّٰى فِيْ سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَفِي الْحَمَّامِ وَفِيْ مَعَاطِنِ الْاِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے سات مقامات پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (۱) جہاں ناپاک چیزیں ڈالی جاتی ہوں۔ (یعنی کوڑی)۔ (۲) جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہوں۔ (۳) راستہ کے درمیان۔ (۴) مقبرہ۔ (۵) حمام کے اندر۔ (۶) اونٹوں کے بندھنے کی جگہ۔ (۷) خانہ کعبہ[1] کی چھت پر۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: بعض علماء سلف تو حدیث کے ظاہری الفاظ کو دیکھتے ہوئے یہی فرماتے ہیں کہ مقبرہ کے اندر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک مقبرہ میں نماز پڑھنا جائز ہے لیکن قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک حرام ہے مزبلہ اور مجزرہ (یعنی کوڑی اور مذبح) میں نماز پڑھنا اس لئے مکروہ ہے کہ ان دونوں جگہوں میں نجاست و گندگی پھیلی رہتی ہے۔ چنانچہ ان مقامات میں اگر کسی ایسی جگہ نماز پڑھی جائے جو صاف ہو مگر اس کے قریب ہی نجاست بھی پڑی ہو یا نجاست ہی پر مصلی بچھا کر نماز پڑھی جائے۔ یہ مکروہ ہے اس سے دین کی حقارت و بے وقعتی ظاہر ہوتی ہے اور نماز کی رفعت شان اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے بالکل پاک و صاف جگہ ادا کیا جائے نہ کہ ایسی جگہ جہاں گندگی و نجاست پھیلی ہوئی ہو۔

راستہ کے درمیان نماز پڑھنا اسلئے ممنوع ہے کہ وہاں لوگوں کے آنے جانے کی وجہ سے دھیان بٹتا ہے اور یکسوئی حاصل نہیں ہوتی نیز اس سے لوگوں کو آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ پھر دوسرے یہ کہ عام گزرگاہ ہونے کی وجہ سے اگر لوگ مجبوری کی بناء پر نمازی کے آگے سے گزریں گے تو ان کے گزرنے سے نمازی گنہگار ہوگا اور اگر لوگ بے ضرورت ہی گزریں گے۔ تو وہ گنہگار ہوں گے۔

حمام میں نماز پڑھنا اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ستر کھلنے اور شیطان کے رہنے کی جگہ ہے کعبہ کی چھت پر بھی نماز پڑھنا اس لئے مکروہ ہے کہ اس سے کعبۃ اللہ کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اب علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ ان ساتوں جگہ نماز پڑھنے کو مکروہ کہا گیا ہے تو آیا یہ مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی؟ چنانچہ بعض علماء کے نزدیک تو ان ساتوں جگہ نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ مکروہ تحریمی ہے۔

---

[1] کعبۃ اللہ کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے البتہ ضرورت کے لئے چھت پر چڑھنا جائز ہے ۱۲۔

(۴۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَلَا تُصَلُّوْا فِیْ اَعْطَانِ الْاِبِلِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ بکریوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھو، البتہ انٹوں کے بندھنے کی جگہ مت پڑھو۔" (ترمذی)

تشریح: اونٹوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ اونٹوں کے پاس نماز پڑھنے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ کھل کر نمازی کو لات وغیرہ نہ ماردیں اس سے نہ صرف یہ کہ نمازی کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہے بلکہ اس طرح نماز دلجمعی اور سکون خاطر سے ادا نہیں ہوسکتی البتہ بکریوں سے چونکہ اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا اس لئے ان کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

(۴۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو مسجد بنا لینے (یعنی قبروں پر سجدہ کرنے والوں) اور قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے ابتداء اسلام میں قبروں کی زیارت کرنے سے منع فرمایا تھا پھر بعد میں آپ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی تھی، چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کے حق میں تھی لہٰذا عورتوں کو پہلے تو قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں تھی مگر اب اس عام اجازت کے پیش نظر درست و جائز ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس اجازت کا تعلق صرف مردوں سے ہے عورتوں کے حق میں وہ نہی اب بھی باقی ہے اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ عورتیں چونکہ کمزور دل اور غیر صابر ہوتی ہیں نیز ان کے اندر جزع و فزع کی عادت ہوتی ہے اس لئے ان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ قبروں پر جائیں۔ چنانچہ یہ حدیث بھی بظاہر ان ہی علماء کی تائید کرتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت۔ جمہور علماء کے نزدیک اس حکم سے مستثنیٰ ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت مرد ہو یا عورت سب کے لئے جائز ہے۔ قبر پر چراغ جلانا اس لئے حرام ہے کہ اس سے بے جا اسراف اور مال کا ضیاع ہوتا ہے۔ البتہ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر قبر کے پاس کوئی گزرگاہ ہو تو راہ گیروں کی آسانی کے لئے چراغ جلانا یا وہاں روشنی میں کوئی کام کرنے کے لئے چراغ جلانا جائز ہے کیونکہ اس سے قبر پر چراغ جلانا مقصود نہیں ہوگا بلکہ دوسری ضرورت و حاجت پیش نظر ہوگی۔

مولانا محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح اور معتمد قول کے مطابق عورتوں کو قبر کی زیارت کرنا مکروہ تحریمی ہے چنانچہ مستملی میں لکھا ہوا ہے کہ قبروں کی زیارت مردوں کے لئے مستحب ہے اور عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔

کتاب مجالس واعظیہ میں مذکور ہے کہ عورتوں کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ قبروں پر جائیں کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ انه علیه الصلوٰة والسلام لعن ذوارات القبور یعنی آنحضرت ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

نصاب الاحتساب میں منقول ہے کہ عورتوں کے قبروں پر جانے کے جواز اور اس کی خرابی و قباحت کے بارہ میں قاضیؒ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا جواز اور اس کا فساد نہ پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ اس پر جو لعنت و پھٹکار برستی ہے اس کی مقدار کیا ہے؟ چنانچہ) جان لو! کہ جب عورت قبر پر جانے کا ارادہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی لعنت میں گرفتار ہو جاتی ہے اور جب وہ قبر پر جانے لگتی ہے تو اس کو ہر طرف سے شیاطین چمٹ جاتے ہیں اور جب قبر پر پہنچ جاتی ہے تو مردہ کی روح اس پر لعنت بھیجتی ہے اور جب قبر سے واپس ہوتی ہے

تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گرفتار ہوتی ہے۔

حدیث میں وارد ہے کہ جو عورت مقبرہ پر جاتی ہے ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت میں مقبرہ کا راستہ طے کرتی ہے اور جو عورت اپنے گھر میں بیٹھ کر میت کے لئے دعائے خیر کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حج اور عمرہ کا ثواب دیتا ہے۔

حضرت سلمان اور حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ مسجد سے نکل کر اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے تھے کہ (باہر سے) حضرت فاطمہ زہراءؓ آئیں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کہاں سے آرہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں عورت کا انتقال ہوگیا ہے اس کے مکان پر گئی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم اس کی قبر پر بھی گئی تھیں؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا معاذ اللہ! کیا میں اس عمل کو کر سکتی ہوں جس (کی ممانعت) کے بارہ میں آپ (ﷺ) سے میں سن چکی ہوں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا (تم نے یہ اچھا ہی کیا کہ اس کی قبر پر نہ گئیں کیونکہ) اگر تم اس کی قبر پر چلی جاتیں تو تمہیں جنت کی بو (بھی) میسر نہ ہوتی۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی کتاب مالابد منہ میں لکھا ہے کہ "زیارت قبور مرداں را جائز است نہ زناں را" یعنی قبروں کی زیارت مردوں کے لئے تو جائز ہے عورتوں کے لئے نہیں۔

(۴۸) وَعَنْ اَبِی اُمَامَةَ قَالَ اِنَّ حِبْرًا مِنَ الْیَهُوْدِ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ فَسَکَتَ عَنْهُ وَقَالَ اَسْکُتُ حَتّٰی یَجِیْئَ جِبْرِیْلُ فَسَکَتَ وَجَاءَ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَسَاَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰکِنْ اَسْاَلُ رَبِّی تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ثُمَّ قَالَ جِبْرِیْلُ یَا مُحَمَّدُ اِنِّی دَنَوْتُ مِنَ اللّٰهِ دُنُوًّا مَا دَنَوْتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَکَیْفَ کَانَ یَا جِبْرِیْلُ قَالَ کَانَ بَیْنِی وَبَیْنَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُهَا وَخَیْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا رَوَاهُ حَبَّانُ فِی صَحِیْحِهٖ عَنِ ابْنِ عُمَرَ۔

"اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) ایک یہودی عالم نے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا کہ بہترین جگہ کون سی ہے؟ آنحضرت ﷺ اس کے جواب میں خاموش رہے اور فرمایا کہ جب تک جبرئیل علیہ السلام نہیں آجائیں گے میں خاموش رہوں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ خاموش رہے۔ جب حضرت جبرئیل آگئے تو آپ ﷺ نے ان سے (یہودی عالم کے سوال کا جواب) پوچھا حضرت جبرئیل نے کہا کہ، اس معاملہ میں آپ ﷺ سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا، البتہ میں اپنے پروردگار بزرگ و برتر سے اس کے بارہ میں پوچھوں گا (چنانچہ) پھر حضرت جبرئیل (نے آکر) فرمایا، اے محمد (ﷺ)! آج میں اللہ تعالیٰ سے اس قدر قریب ہوگیا تھا کہ کبھی بھی اتنا قریب نہیں ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اے جبرئیل! کس قدر (فاصلہ دونوں کے درمیان رہ گیا تھا۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا، میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ستر ہزار نور کے پردے باقی رہ گئے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے (اس سوال کے جواب میں) فرمایا، کہ بدترین مقامات بازار ہیں اور بہترین مقامات مساجد ہیں۔ (یہ روایت ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے۔"

تشریح: یہ "پردے" مخلوق کی نسبت سے ہیں حق تعالیٰ جل شانہ کی نسبت سے نہیں ہیں کیونکہ خداوند قدوس پردے میں نہیں ہے بلکہ مخلوق خدا پردے میں ہے اور وہ جسمانی و نفسانی پردے ہیں اس کی مثال کسی اندھے کے لئے پردۂ آفتاب کی سی ہے کہ جس طرح آفتاب پردہ میں نہیں ہوتا بلکہ خود اندھے کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے کہ وہ آفتاب کو نہیں دیکھ سکتا اور آفتاب اس کو دیکھتا ہے یعنی اپنی روشنی ڈالتا ہے۔

سائل نے تو صرف "بہتر جگہ" کے بارہ میں سوال کیا تھا لیکن جواب میں مقابلہ کے طور پر بہترین اور بدترین دونوں مقامات کو بتلا دیا گیا تاکہ رحمان اور شیطان دونوں کے گھر معلوم ہو جائیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا مسئلہ دریافت کیا گیا جو اسے پوری طرح معلوم نہیں ہے تو اسے چاہئے کہ

جواب دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ جس کے بارہ میں جانتا ہو کہ وہ اس سوال کا جواب اچھی طرح جانتا ہے اس سے پوچھ لے اور اپنے سے زیادہ علم والے سے پوچھنے میں کوئی شرم محسوس نہ کرے کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سنّت ہے۔ مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد جگہ خالی ہے کیونکہ مصنف مشکوٰۃ کو اس کتاب کا نام معلوم نہیں تھا جس سے یہ روایت نقل کی گئی ہے بعد میں بعض علماء نے کتاب کا مذکورہ نام لکھ دیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۴۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ جَاءَ مَسْجِدِیْ هٰذَا لَمْ یَأْتِ اِلَّا لِخَیْرٍ یَتَعَلَّمُهُ اَوْ یُعَلِّمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَنْ جَاءَ لِغَیْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ یَنْظُرُ اِلٰی مَتَاعِ غَیْرِهٖ۔

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص میری اس مسجد میں محض اس غرض سے آئے کہ نیک کام سیکھے اور سکھلائے تو وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے ہم رتبہ ہے اور جو شخص اس غرض سے نہ آئے (یعنی کسی برے کام مثلاً لہو ولعب کی نیت سے آئے) تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو دوسرے کے اسباب (کو حسرت کی نگاہوں سے) دیکھتا ہے۔"

(ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح: آپ ﷺ نے اپنی مسجد یعنی مسجد نبوی کی تخصیص کر کے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ میری مسجد اپنی عظمت و فضیلت کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور دوسری مسجدیں چونکہ اس کے تابع ہیں اس لئے مذکورہ حکم تمام مساجد کے لئے یکساں ہے۔ نیک کام کو سیکھنے اور سکھلانے کی تخصیص صرف ان کی فضیلت و اہمیت کے اظہار کے طور پر ہے ورنہ تو نماز، اعتکاف اور تلاوت و ذکر سب کا یہی حکم ہے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں نیک مقصد کے تحت نہیں آئے گا اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی تو وہ اس چیز کو کسی دوسرے کے پاس دیکھ کر حسرت و افسوس کا اظہار کرتا ہے چنانچہ یہ شخص بھی جب آخرت میں اس شخص کے ثواب کو جو نیک مقصد اور نیک نیت کے ساتھ مسجد آیا تھا دیکھے گا اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ مسجد تو سعادت و بھلائی کے حصول کی جگہ تھی تو وہ انتہائی رنج و حسرت میں مبتلا ہو جائے گا کہ میں کیوں اس دولت سے محروم رہا۔

یا پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح کسی غیر آدمی کے پاس کوئی چیز دیکھ کر اسے بری نگاہ سے (یعنی اچک لینے کی نیت سے) دیکھنا منع ہے اس طرح مسجد میں بغیر نیک کام کی نیت کے آنا بھی منع ہے۔

(۵۰) وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَكُوْنُ حَدِیْثُهُمْ فِیْ مَسَاجِدِهِمْ فِیْ اَمْرِ دُنْیَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَیْسَ لِلّٰهِ فِیْهِمْ حَاجَةٌ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

"اور حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، لوگوں پر عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ اپنی دنیاداری کی باتیں مسجدوں میں کیا کریں گے لہٰذا تم ان کے پاس بھی نہ بیٹھنا (اگرچہ تم ان کی گفتگو میں شریک نہ ہونا کہ ان کے شریک کہلاؤ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔" (بیہقیؒ)

تشریح: یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بیزار ہے اور وہ خدا کی پناہ اور اس کی رحمت سے خارج ہیں۔ نیز اس بات سے بھی کنایہ ہے کہ خدا کی بارگاہ میں ان کی اطاعت و عبادت قبولیت کا درجہ نہیں پائے گی۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد میں دنیاوی امور کی باتیں کرنا مکروہ ہے چنانچہ اور بہت سی احادیث میں بھی مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے اور دنیاوی باتوں سے مراد ایسی باتیں ہیں جو عبث، بے فائدہ اور حد سے زیادہ ہوں اور اگر دنیاوی باتیں صرف ایک دو کلمہ تک رہیں یا اس درجہ کی نہ ہوں تو وہ اس حکم میں داخل نہیں۔

(۵۱) وَعَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ نَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِيْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ اَنْتُمَا اَوْمِنْ اَيْنَ اَنْتُمَا قَالَا مِنْ اَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَاَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَكُمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میں (ایک روز) مسجد میں پڑا سو رہا تھا کہ کسی شخص نے میرے کنکری ماری میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عمر ابن خطابؓ ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ، تم جا کر ان دونوں اشخاص کو میرے پاس لاؤ۔ (جو مسجد میں بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے) میں ان کو بلا لایا حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کون ہو؟ یا فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں! حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ، اگر تم لوگ مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (یعنی مارتا۔ لیکن چونکہ تم لوگ یہاں کے رہنے والے نہیں ہو اور آداب مسجد سے واقف نہیں ہو یا یہ کہ مسافر ہو اس لئے عفو و شفقت کے مستحق ہو اور فرمایا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ) تم لوگ رسول خدا ﷺ کی مسجد میں زور زور سے باتیں کر رہے ہو۔" (بخاریؒ)

تشریح: جملہ اَوْمِنْ اَيْنَ اَنْتُمَا میں لفظ اَوْ شک کے لئے ہے یعنی راوی کو شک واقع ہو رہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ "تم کون ہو؟" یا یہ فرمایا کہ "تم کہاں کے رہنے والے ہو۔" بہر حال مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرنا مکروہ ہے اگرچہ موضوع سخن علم ہی کیوں نہ ہو۔

(۵۲) وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ بَنٰى عُمَرُ رَحْبَةً فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ تُسَمَّى الْبُطَيْحَاءَ وَقَالَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَلْغَطَ اَوْ يُنْشِدَ شِعْرًا اَوْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ فَلْيَخْرُجْ اِلٰى هٰذِهِ الرَّحْبَةِ۔ (رواہ فی الموطا)

"اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بنوا دیا تھا جس کا نام بطیحا تھا اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ جو شخص لغو باتیں کرنا چاہے یا اشعار پڑھنا چاہے یا (کسی وجہ سے) بلند آواز (سے باتیں) کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ (مسجد سے نکل کر) اس چبوترہ پر آجائے۔" (مؤطا)

(۵۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ حَتّٰى رُئِيَ فِيْ وَجْهِهٖ فَقَامَ فَحَكَّهٗ بِيَدِهٖ فَقَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهٗ وَاِنَّ رَبَّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ اَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ ثُمَّ اَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهٖ فَبَصَقَ فِيْهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَقَالَ اَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا۔

(رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (مسجد میں) قبلہ کی طرف رینٹھ پڑا ہوا دیکھا تو آپ کو بہت ناگوار ہوا یہاں تک کہ اس ناگواری کا اثر آپ کے چہرۂ مبارک سے ظاہر ہو رہا تھا۔ چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور اسے خود اپنے دست مبارک سے کھرچ کر پھینکا اور فرمایا کہ، تم میں سے جب کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے اور اس وقت اس کا پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک کو چاہئے کہ قبلہ کی طرف ہرگز نہ تھوکے بلکہ اپنے بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوک لے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اپنی چادر مبارک کا ایک کونہ لیا اور اس میں کچھ تھوکا اور پھر کپڑے کو آپس میں رگڑ کر فرمایا کہ "اس طرح کر لیا کرو"۔" (بخاریؒ)

تشریح : اس کا پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے قرب کا ارادہ کرتا ہے لہٰذا چونکہ اس کا مطلوب اور مقصود اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے اس لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ قبلہ کی سمت کو تھوک سے بچایا جائے۔

بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوکنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص مسجد میں نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ مسجد میں نماز پڑھنے کی صورت میں بائیں طرف اور قدموں کے نیچے بھی تھوکنا نہیں چاہئے کہ اس سے مسجد کے آداب و احترام میں فرق آتا ہے بلکہ اس صورت میں اگر تھوکنے کی ضرورت محسوس ہو تو کسی کپڑے میں تھوک لیا جائے پھر اسے رگڑ کر صاف کر لیا جائے۔

(۵۴) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْمِهٖ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ فَاَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَنْ يُصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَاَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ، وَحَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّكَ قَدْ اٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سائب ابن خلاد نے جو آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی ہیں فرمایا، ایک شخص جماعت کو نماز پڑھا رہا تھا اور اس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا (اتفاق سے) آنحضرت ﷺ (اس کی طرف) دیکھ رہے تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس کے مقتدیوں سے فرمایا کہ "آئندہ سے یہ شخص تمہیں نماز نہ پڑھائے" اس کے بعد اس شخص نے جب ان کو نماز پڑھانی چاہی تو ان لوگوں نے اسے (امامت سے) روک دیا اور اس سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد بیان کر دیا وہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں نے ہی لوگوں سے تمہیں امام نہ بنانے کے لئے کہا تھا، اور راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے (امامت سے روک دینے کا سبب بیان کرتے ہوئے یہ بھی) فرمایا تھا کہ، تم نے (اس ممنوع فعل کا ارتکاب کر کے) اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے۔" (ابوداؤد)

(۵۵) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ احْتُبِسَ عَنَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ عَنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتّٰى كِدْنَا نَتَرَاءٰى عَيْنَ الشَّمْسِ فَخَرَجَ سَرِيْعًا فَثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَجَوَّزَ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهٖ فَقَالَ لَنَا عَلٰى مَصَافِكُمْ كَمَا اَنْتُمْ ثُمَّ انْفَتَلَ اِلَيْنَا ثُمَّ قَالَ اَمَا اِنِّيْ سَاُحَدِّثُكُمْ مَا حَبَسَنِيْ عَنْكُمُ الْغَدَاةَ اِنِّيْ قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَوَضَّاْتُ وَصَلَّيْتُ مَا قُدِّرَ لِيْ فَنَعَسْتُ فِيْ صَلَاتِيْ حَتَّى اسْتَثْقَلْتُ فَاِذَا اَنَا بِرَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى قُلْتُ لَا اَدْرِيْ قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ فَرَاَيْتُهٗ وَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ اَنَامِلِهٖ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى قُلْتُ فِي الْكَفَّارَاتِ قَالَ مَا هُنَّ قُلْتُ مَشْيُ الْاَقْدَامِ اِلَى الْجَمَاعَاتِ وَالْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَاِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ حِيْنَ الْكَرِيْهَاتِ قَالَ ثُمَّ فِيْمَ قُلْتُ فِي الدَّرَجَاتِ قَالَ وَمَا هُنَّ قُلْتُ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِيْنُ الْكَلَامِ وَالصَّلٰوةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ قَالَ سَلْ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِيْ وَتَرْحَمَنِيْ وَاِذَا اَرَدْتَّ فِتْنَةً فِيْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِيْ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْاَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّقَرِّبُنِيْ اِلٰى حُبِّكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوْهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوْهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَسَاَلْتُ مُحَمَّدَ ابْنَ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کائنات ﷺ نے صبح کی نماز میں تشریف لانے میں (خلاف عادت اتنی) تاخیر فرمائی

کہ قریب تھا کہ سورج نکل آئے، اتنے میں آنحضرت ﷺ جھپٹتے ہوئے تشریف لائے چنانچہ نماز کے لئے تکبیر کہی گئی اور آپ ﷺ نے (صحابہؓ کے ہمراہ) نماز پڑھی (اس طرح کہ) نماز میں تخفیف کی (یعنی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد ہم سے بآواز بلند فرمایا کہ "جس طرح تم لوگ بیٹھے ہو اسی طرح اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا" پھر آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہوشیار! میں آج صبح کی نماز میں دیر سے آنے کی وجہ بیان کرتا ہوں (اور وہ یہ ہے کہ) میں نے آج رات (تہجد کی نماز کے لئے اٹھ کر وضو کیا اور جو کچھ میرے مقدر میں نماز تھی پڑھی اور نماز ہی میں مجھے اونگھ آگئی یہاں تک کہ نیند مجھ پر غالب آگئی (اس وقت) ناگہاں میں نے اپنے پروردگار بزرگ و برتر کو اچھی صورت میں (یعنی اچھی صفت کے ساتھ) دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا، "اے محمد!" میں نے عرض کیا "پروردگار میں حاضر ہوں!" اللہ تعالیٰ نے فرمایا (تمہیں معلوم ہے) مقربین فرشتے کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ "پروردگار میں نہیں جانتا"۔ اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ اسی طرح پوچھا (اور میں یہی جواب دیتا رہا)۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ، میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مونڈھے کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کی (جس کا اثر یہ ہوا کہ) میرے سامنے ہر شے ظاہر ہو گئی اور میں تمام باتیں جان گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے محمد (ﷺ)!" میں نے عرض کیا کہ "پروردگار میں حاضر ہوں" فرمایا (اب بتاؤ) مقربین فرشتے کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ گناہوں کو مٹا دینے والی چیزوں کے بارہ میں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ کون سی چیزیں ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ جماعتوں کے واسطے (مسجدوں میں) آجانا اور نماز پڑھ کر (اور دعا وغیرہ کے لئے) مسجد میں بیٹھے رہنا، اور سختی کے ساتھ (جس وقت کہ سردی یا بیماری کی وجہ سے پانی کو استعمال کرنا تکلیف دہ معلوم ہو) اچھی طرح وضو کرنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور کس چیز سے بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ درجات کے بارہ میں! "فرمایا" وہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ (غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا، نرم لہجہ میں بات کرنا اور رات میں اس وقت (یعنی تہجد کی) نماز پڑھنا جب کہ لوگ سوئے ہوں۔ "پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اچھا اب اپنے لئے جو چاہو دعا کرو۔ چنانچہ میں نے دعا کی کہ اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے، برائیوں کے چھوڑنے، مسکینوں کی دوستی، اپنی بخشش اور تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اور جب تو کسی قوم میں گمراہی ڈالنا چاہے تو مجھے بغیر گمراہی کے اٹھا لے اور میں تجھ سے تیری محبت (یعنی یہ کہ میں تجھے دوست رکھوں یا تو مجھے دوست رکھے) اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے، (یعنی یہ کہ میں اسے دوست رکھوں یا وہ مجھے دوست رکھے) اور ایسے عمل کی محبت کا جو تیری محبت سے نزدیک کر دے سوال کرتا ہوں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے (ہم سے) فرمایا کہ "یہ خواب بالکل سچ ہے لہٰذا تم اسے یاد کرو اور پھر لوگوں کو سکھلاؤ" (احمدؒ، ترمذیؒ اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسمٰعیل سے اس حدیث کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے)۔"

تشریح: اس حدیث کی وضاحت اسی باب کی حدیث نمبر ۴۳ کی تشریح میں کی جا چکی ہے اس لئے یہاں اب مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے تاہم اتنی بات سمجھ لیجئے کہ اس حدیث سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا اور یہ سوال وجواب حالت خواب ہی میں ہوئے تھے۔

(۵۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ قَالَ فَاِذَا قَالَ ذٰلِكَ قَالَ الشَّيْطَانُ حُفِظَ مِنِّی سَائِرَ الْيَوْمِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاصؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ اعوذ باللّٰہ العظیم وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطن الرجیم یعنی میں اللہ عظمت والے بزرگ ذات والے اور ہمیشہ کی سلطنت والے کے ساتھ شیطان مردود سے پناہ مانگتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے کے وقت یہ دعا

پڑھتا ہے تو شیطان (اس شخص کے بارہ میں) کہتا ہے کہ یہ بندہ تمام دن میرے شر سے محفوظ رہا۔" (ابوداؤد)

(۵۷) وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔ (رواہ مالک مرسلا)

"اور حضرت عطاء ابن یسارؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا (یعنی یہ دعا فرمائی) اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ یعنی: اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا کہ لوگ اس کی عبادت کرنے لگیں۔ (اور آپ ﷺ نے فرمایا) جن لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ان پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب (نازل) ہوا۔" (مالک رحمہ اللہ مرسلاً)

تشریح: آپ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار! تو میری قبر کو اس معاملہ میں بتوں کی مانند نہ کر کہ میری اُمّت کے لوگ میری قبر کی خلاف شرع تعظیم کرنے لگیں یا بار بار زیارت کے لئے میلہ کے طور پر آنے لگیں، یا میری قبر کو سجدہ گاہ قرار دے کر اپنی پیشانیوں کو جو صرف تیری ہی چوکھٹ پر جھکنے کی سزاوار ہے اس پر جھکانے لگیں اور سجدے کرنے لگیں۔

اس حدیث کو اور اس دعا کو بار بار پڑھئے اور ذرا آج کے حالات پر اس کو منطبق کیجئے پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی اس دعا کا تعلق آنے والے زمانہ سے تھا چنانچہ آپ ﷺ کی عرفانی نگاہوں نے اس وقت دیکھ لیا تھا کہ وہ وقت آنے والا ہے۔ کہ جب کہ میری قبر تو الگ رہی اولیاء اللہ کے مزارات پر سجدہ ریزی ہوگی مقبروں پر میلے لگیں گے وہاں عرس قوالیاں ہوں گی، قبروں پر چادریں اور پھولوں کا چڑھاوا چڑھے گا۔ غرض کہ جس طرح ایک بت پرست قوم خدا کی عبادت و فرمانبرداری سے سرکشی اور تمرد اختیار کر کے بتوں کے ساتھ معاملہ کرتی ہے میری اُمّت کے بد قسمت اور بد نصیب لوگ جو میرے نام کے شیدائی کہلائیں گے، میری محبت سے سرشاری کا دعویٰ کریں گے۔ میری لائی ہوئی پاک و صاف شریعت کی آڑ میں میرے دین کے نام پر وہی معاملہ قبروں کے ساتھ کریں گے لہٰذا آپ نے دعا فرمائی کہ اے پروردگار! تو میری اُمّت کو ایسی گمراہی میں مبتلا نہ کیجئے کہ وہ میری قبر کو پوجنے لگیں۔

جملہ اشتدت غضب الخ کا تعلق دعا سے نہیں ہے بلکہ یہ جملہ مستانفہ یعنی ایک الگ جملہ ہے گویا جب آپ ﷺ نے یہ دعا کی تو لوگوں نے پوچھا کہ یہ دعا آپ ﷺ کیوں کر رہے ہیں تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا اشتد الخ یعنی میں اپنی اُمّت پر انتہائی شفقت و مہربانی کے لئے یہ دعا کر رہا ہوں کہ مبادا یہ بھی اس لعنت میں مبتلا نہ ہو جائیں جس طرح کہ یہود وغیرہ اس لعنت میں مبتلا ہو کر خدائے ذوالجلال کے غضب میں گرفتار ہوئے۔

(۵۸) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الصَّلَاةَ فِي الْحِيْطَانِ قَالَ بَعْضُ رُوَاتِهِ يَعْنِي الْبَسَاتِيْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الْحَسَنِ بْنِ اَبِيْ جَعْفَرٍ قَدْ ضَعَّفَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَغَيْرُهُ۔

"اور حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ "حیطان" میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا ہے کہ حیطان سے مراد بساتین (یعنی باغات) ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے (کیونکہ) یہ روایت بجز حسن بن ابی جعفر کی سند کے اور کسی سند سے منقول نہیں ہے اور انہیں بھی یحیٰی ابن سعد وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔"

(۵۹) وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِيْ بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِيْ مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ صَلَاةً وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُجَمَّعُ فِيْهِ بِخَمْسِمِائَةِ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِيْ مَسْجِدِيْ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ اَلْفِ صَلَاةٍ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت انس ابن مالکؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک ہی نماز کے برابر اور محلّہ کی مسجد میں اس کی پچیس نمازوں کے برابر اور اس مسجد میں جہاں جمع ہوتا ہے (یعنی جامع مسجد میں) اس کی نماز پانچ سو نمازوں کے برابر اور مسجد اقصی (یعنی بیت المقدس میں) اور میری مسجد (مسجد نبوی ﷺ میں) اس کی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں اس کی نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ مساجد کے مراتب اور ان میں نماز پڑھنے کے ثواب کے فرق و درجات کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ سب سے کم تر درجہ تو خود کسی کے گھر کا ہے یعنی اگر کوئی شخص مسجد کے بجائے اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے تو اسے صرف اسی ایک نماز کا ثواب ملتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز ادا کرتا ہے تو اسے پچیس نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے اسی طرح جامع مسجد میں نماز پڑھنے والے کو پانچ سو اور بیت المقدس و مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنے والے کو اس کی ایک نماز کے بدلہ میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرے پھر تو اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں یعنی اسے ایک نماز کے عوض ایک لاکھ نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔

(۶۰) وَعَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْاَرْضِ اَوَّلُ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ ثُمَّ الْمَسْجِدُ الْاَقْصٰى قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ اَرْبَعُوْنَ عَامًا ثُمَّ الْاَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ فَحَيْثُ مَا اَدْرَكَتْكَ الصَّلٰوةُ فَصَلِّ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! زمین کے اوپر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا "مسجد حرام" میں نے عرض کی کہ پھر اس کے بعد؟ فرمایا، "مسجد اقصی" (یعنی بیت المقدس) پھر میں نے پوچھا کہ ان دونوں مسجدوں (کی بناء) کے درمیان کتنا فرق تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "چالیس سال" پھر اس کے بعد فرمایا، اب تو ساری زمین تمہارے لئے مسجد ہے (یعنی اس کا ہر حصّہ مسجد کا حکم رکھتا ہے کہ) جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لو۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کعبۃ اللہ کو بنانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بیت المقدس کی بناء رکھنے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک ہزار برس سے زیادہ کا فرق ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے یہ کس اعتبار سے فرمایا کہ کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی بناء کے درمیان صرف چالیس سال کا فرق ہے۔

اس کے جواب میں علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ:

"اس حدیث کے ذریعہ ان دونوں مسجدوں کی بناء اول کی طرف اشارہ ہے اور یہ ثابت ہے کہ کعبہ کے بانی اول حضرت ابراہیم علیہ السلام نہیں ہیں۔ اسی طرح بیت المقدس کے بھی بانی اول حضرت سلیمان علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ کعبہ کی بناء سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی ہے پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد تمام روئے زمین پر پھیل گئی۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان کی اولاد میں سے کسی نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی ہو اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فرق رہا ہو۔ پھر اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو بنایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

مجھے اس حدیث کی توثیق علامہ ابن ہشامؒ کے اس مقولہ سے معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے کتاب التسبیحات میں لکھا ہے کہ:

"جب حضرت آدم علیہ السلام کعبۃ اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوگئے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب بیت المقدس کی سیر کر کے اسے بناؤ چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل میں بیت المقدس بنایا اور اس میں عبادت کی۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کی بناء میں چالیس سال

کے عرصہ کا فرق ہو گا۔"

بعض علماء سے اس حدیث کی توجیہ یہ منقول ہے کہ:

"جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا تو مسجد کی حد مقرر کردی تھی اسی طرح بیت المقدس کی بھی حد مقرر کردی ہوگی۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان کی حدود کو مقرر کرنے کا درمیانی وقفہ چالیس سال کا ہو۔"

بَابُ السَّتْرِ
ستر ڈھانکنے کا بیان

نماز صحیح طور پر ادا ہونے کی جہاں اور بہت سی شرائط ہیں ان ہی میں ایک شرط ستر یعنی شرم گاہ کا چھپانا بھی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے مصنف اس باب میں اسی سلسلہ کی حدیثیں بیان کریں گے اس کے علاوہ اس باب میں مصنف ان لباسوں کے بارہ میں بھی احادیث نقل کریں گے جن میں آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ نے نمازیں پڑھی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِي سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلاً بِهٖ فِي بَيْتِ اُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عمر ابن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت اُم سلمہؓ کے مکان میں آپ ﷺ اس کپڑے کو اپنے جسم سے اس طرح لپیٹے ہوئے تھے کہ اس کے دونوں کنارے آپ ﷺ کے مونڈھوں پر تھے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "اشتمال" اسے کہتے ہیں کہ کپڑے کا وہ کنارہ جو داہنے مونڈھے پر ہے بائیں ہاتھ کے نیچے سے نکالا جائے اور پھر وہ کنارا لے کر جو دائیں ہاتھ کے نیچے سے بائیں ہاتھ پر ڈالا گیا ہے دونوں کو ملا کر سینہ پر گرہ لگائی جائے لیکن گرہ لگانے کی ضرورت صرف اس صورت میں ہوتی ہے جب کہ کپڑے کے کنارے لمبے نہ ہوں اور ان کے کھل جانے کا خوف ہو، اگر کنارے لمبے ہوں تو پھر گرہ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ یمن کے سفیروں کے لباس سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض شارحین کی عبارتوں میں گرہ لگانے کی قید ذکر نہیں کی گئی ہے۔

ان احادیث میں "مشتمل" متوشح اور مخالف بین طرفیہ کے جو الفاظ آئے ہیں سب کے ایک ہی معنی ہیں اور سب کی ایک ہی مذکور بالا صورت ہوتی ہے۔

② وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰى عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَيْئٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں (اس طرح) نماز نہ پڑھے کہ اسؐ کے کپڑے کا کچھ حصہ مونڈھوں پر نہ ہو۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اشتمال کی صورت میں تو نماز پڑھنے کی اجازت ہے کیونکہ اس میں کپڑے کا کچھ حصہ مونڈھوں پر ہوتا ہے اور اگر مونڈھے پر کپڑے کا کچھ حصہ بھی نہ ہو تو اس صورت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی اور اس کی حکمت علماء یہ لکھتے ہیں کہ صرف

ایک ہی کپڑا اگر ہو اور اسی کا تہ بند کر لیا جائے اور اس کا کچھ حصہ مونڈھوں پر ڈالا نہ جائے تو اس صورت میں ستر کھل جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور پھر یہ کہ رب ذوالجلال کے دربار میں حاضری کا وقت ہونے کی وجہ سے یہ بے ادبی کی شکل ہے۔

حضرت امام اعظمؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صرف ایک کپڑے میں اس طرح نماز پڑھے کہ اس کے کپڑے کا کچھ حصہ مونڈھوں پر نہ ہو مگر ستر چھپا ہوا ہو تو اس کی نماز ہو جائے گی لیکن کراہت کے ساتھ ہوگی۔ حضرت امام احمد اور دوسرے علماء سلف ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اس شخص کی نماز نہیں ہوگی۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ اس کپڑے کی دونوں طرفوں میں مخالفت رکھے (یعنی اشتمال کی جو صورت بیان کی گئی ہے وہی اختیار کرے)۔" (بخاریؒ)

(۴) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَمِيْصَةٍ لَهَا اَعْلَامٌ فَنَظَرَ اِلٰى اَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهٖ اِلٰى اَبِيْ جَهْمٍ وَاْتُوْنِيْ بِاَنْبِجَانِيَّةِ اَبِيْ جَهْمٍ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِيْ اٰنِفًا عَنْ صَلَاتِيْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ كُنْتُ اَنْظُرُ اِلٰى عَلَمِهَا وَاَنَا فِي الصَّلَاةِ فَاَخَافُ اَنْ يَفْتِنَنِيْ۔

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے ایک ایسی چادر میں نماز پڑھی جس کے کنارے دوسرے رنگ کے تھے یا اس کے کناروں پر کچھ کام کیا ہوا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے اس پر کئے ہوئے کام کو دیکھا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اس چادر کو ابی جہم کے پاس لے جاؤ (اور اسے اس کے حوالہ کر کے) ابی جہم کی انبجانیہ لے آؤ کیونکہ اس چادر نے مجھے میری نماز میں حضوری قلب کی دولت سے باز رکھا ہے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) اور بخاریؒ کی ایک روایت میں (یہ بھی منقول ہے کہ) آپ ﷺ نے فرمایا "میں نماز کے دوران اس چادر کے نقش و نگار کی طرف دیکھنے لگا اور مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ میری نماز خراب نہ کر دے۔"

تشریح: خمیصہ ایک چادر کو کہتے ہیں جو خز کی یا صوف کی ہوتی ہے جس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور دھاری دار ہوتی ہے لہٰذا جملہ "لها اعلام" یا تو خمیصہ کی تاکید ہے یا اس کا بیان ہے۔ یہ چادر ایک صحابی حضرت ابوجہم تحفہ کے طور پر آپ ﷺ کی خدمت میں لائے تھے آپ ﷺ نے جب اس کو اوڑھ کر نماز پڑھی اور نماز کے آداب کے دوران آپ ﷺ کی نظر اس کی دھاریوں پر پڑی تو قلب مبارک میں کچھ فرق محسوس ہوا، چنانچہ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو صحابہؓ سے فرمایا کہ اسے ابوجہم کو واپس کر آؤ، چونکہ آپ ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ اس چادر کو واپس کر دینے سے ایک مخلص صحابی کی دل شکنی ہو اس لئے آپ ﷺ نے یہ فرما دیا کہ اس کے بدلہ میں ان سے انبجانیہ لے آؤ۔ انبجان ایک شہر کا نام ہے اس شہر کی بنی ہوئی چادریں بالکل سیاہ ہوتی تھیں۔ اس شہر کی مناسبت سے چادر کو انبجانیہ کہا جاتا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظاہری نقش و نگار پاک نفوس اور صاف قلوب کو بھی متاثر کرتے ہیں اور یہ تاثیر قلب کی انتہائی صفائی اور لطافت کی بناء پر ہوتی ہے جیسے کہ کسی صاف و شفاف اور سفید چادر پر ایک معمولی سا سیاہ نقطہ بھی پڑ جاتا ہے تو فوراً ظاہر ہو جاتا ہے اور ناگوار محسوس ہوتا ہے اور چادر جتنی زیادہ سفید ہوتی ہے وہ سیاہ نقطہ اتنا ہی زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہی حال ان نفوس قدسیہ کا ہے جن کے قلب و دماغ تعلق مع اللہ اور ریاضت و مجاہدہ کی بناء پر اتنے پاک و صاف ہو جاتے ہیں کہ گناہ و معصیت تو الگ ہے کسی معمولی مباح شے کا ادنیٰ سا تصور بھی قلب و دماغ پر اثر انداز ہو جاتا ہے لیکن ان کے مقابلہ پر آلودگان تیرہ باطن بھی ہوتے ہیں جن کے دل و دماغ پر بڑے بڑے گناہ کا بھی اثر نہیں ہوتا۔

ہمارا خیال ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ اصل اُمّت کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ نماز کے سلسلہ میں ایسی چیزوں سے احتیاط رکھنی چاہئے جو نماز میں دھیان بٹانے کا سبب بنتی ہوں۔

⑤ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمِيْطِي عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَاِنَّهُ لَا يَزَالُ تَصَاوِيْرُهُ تَعْرِضُ فِيْ صَلَاتِيْ۔ (رواه البخاری)

"اور حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے مکان کے ایک حصہ میں ایک پردہ ڈال رکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اس پردہ کو ہمارے سامنے سے ہٹالو کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں برابر میرے سامنے رہتی ہیں۔" (بخاری)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پردہ حضرت عائشہؓ نے دیوار گیری کے طور پر دیوار پر لگا رکھا ہوگا مگر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ پردہ چھپر کھٹ کے طریقہ پر تھا۔ بہر حال حضرت عائشہؓ نے یہ پردہ اسی وقت سے لگا رکھا ہوگا جب تک کہ انہیں حدیث نہی معلوم نہیں ہوئی ہوگی۔ جب آنحضرت ﷺ نے انہیں منع فرمادیا تو انہوں نے وہ پردہ اتار ڈالا۔

⑥ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اُهْدِيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِيْرٍ فَلَبِسَهُ ثُمَّ صَلَّى فِيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيْدًا كَالْكَارِهِ لَهُ ثُمَّ قَالَ لَا يَنْبَغِيْ هٰذَا لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں کسی نے ایک ریشمی قبا تحفہ کے طور پر بھیجی چنانچہ آپ ﷺ نے اسے پہن کر نماز پڑھ لی نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ نے اس قبا کو اس طرح اتار پھینکا جیسے کوئی بہت برا جانتا ہو پھر فرمایا کہ (ریشمی کپڑے شرک و کفر سے) بچنے والوں کے لائق نہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "فروج" اس قبا کو کہتے ہیں جس میں پیچھے کی طرف چاک ہوتا ہے۔ یہ فروج آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اکیدر بادشاہ رومہ یا بادشاہ اسکندریہ نے تحفۃً بھیجی تھی۔ چونکہ اس وقت مردوں کو ریشمی کپڑا پہننا حرام نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ نے اسے زیب تن فرمالیا اور اس میں نماز پڑھ لی مگر یہ سوچ کر کہ ریشمی کپڑا پہننے سے رعونت پائی جاتی ہے آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرما کر اتار دیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے اپنے اس عمل سے یہ ظاہر فرمادیا کہ اگرچہ اس کا پہننا مباح ہے لیکن خدا کے نیک بندے اور متقی و پرہیزگار لوگ چونکہ عزیمت پر عمل کرتے ہیں اس لئے ان کے لئے یہ مناسب اور بہترین نہیں ہے کہ وہ ریشمی کپڑا پہنیں۔ پھر بعد میں ریشم کا پہننا تمام مسلمان مردوں کے لئے خواہ متقی ہوں یا غیر متقی، حرام ہوگیا۔ یا پھر ہوسکتا ہے کہ یہ نہی اس حالت میں ہوئی ہو تو اس صورت میں متقی عن الشرک مراد ہوگا یعنی مسلمانوں کو یہ پہننا نہ چاہئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

⑦ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ رَجُلٌ اَصِيْدُ اَفَاُصَلِّيْ فِي الْقَمِيْصِ الْوَاحِدِ قَالَ نَعَمْ وَازْرُرْهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ۔ (رواه ابوداؤد وروی النسائی نحوه)

"اور حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں ایک شکاری آدمی ہوں، کیا میں ایک ہی کرتے میں نماز پڑھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں (پڑھ لیا کرو) لیکن اسے باندھ لیا کرو خواہ اسے کانٹے ہی سے کیوں نہ اٹکالیا جائے۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: چونکہ شکاری لوگ شکار میں کم کپڑے پہنتے ہیں اور زیادہ کپڑے پہننے سے شکار کرنے میں رکاوٹ ہوتی ہے اس لئے ان صحابی کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ میں چونکہ شکار کھیلنے والا آدمی ہوں اور شکار کے وقت عموماً صرف ایک کرتہ ہی پہنے ہوئے ہوتا ہوں اس کے نیچے لنگی بھی نہیں ہوتی تاکہ شکار کے پیچھے دوڑنے میں آسانی رہے تو کیا میں صرف ایک کرتہ ہی میں نماز پڑھ لیا کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایک کرتہ ہی میں نماز پڑھ سکتے ہو لیکن اس کرتہ کا چاک اگر اتنا کھلا ہوا ہو کہ رکوع و سجود کے وقت ستر کھلنے کا اندیشہ رہے تو اس کے چاک کو باندھ لیا کرو۔ اگر اس وقت چاک بند کرنے کی کوئی چیز موجود نہ ہو تو اس میں کانٹا لگا کر ہی اسے بند کر لیا کرو تاکہ ستر نہ کھلے۔

⑧ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یُصَلِّی مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْهَبْ فَتَوَضَّأْ فَذَهَبَ وَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَالَكَ اَمَرْتَهٗ اَنْ یَتَوَضَّأَ قَالَ اِنَّهٗ كَانَ یُصَلِّیْ وَهُوَ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَقْبَلُ صَلَاةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ اِزَارَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا سرور کائنات ﷺ نے (یہ دیکھ کر) اس سے فرمایا کہ، "جاؤ اور وضو کرو!" وہ شخص جا کر وضو کر آیا۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) نے اس شخص کو وضو کرنے کے لئے کیوں فرمایا؟ (حالانکہ وہ باوضو تھا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ، وہ شخص اپنا ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور جو شخص ازار لٹکائے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔" (ابوداؤد)

تشریح: "اسبال" اسے کہتے ہیں کہ کوئی بھی کپڑا اتنا لمبا پہنا جائے کہ وہ ناز و تکبر کے طور پر نیچے زمین تک لٹکا ہوا ہو۔ گو یہ ازار ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے لیکن اس کا اشتمال اکثر و بیشتر ازار ہی کے لئے ہوتا ہے۔ لہٰذا پائجامہ، لنگی اور کرتا وغیرہ غرور و تکبر کی بناء پر ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے، یہی وجہ ہے جب آپ ﷺ نے اس شخص کو ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ جو شخص ازار لٹکائے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز کا کمال قبول نہیں کرتا اور ثواب نہیں دیتا اگرچہ اصل نماز ہو جاتی ہے۔

باوجودیکہ وہ شخص باوضو تھا مگر آپ ﷺ نے اسے وضو کرنے کا حکم اس حکمت کی بناء پر دیا تاکہ وہ شخص اس کا سبب معلوم کرنے میں غور فکر کرے اور پھر اسے اس فعل شنیع کی برائی کا احساس ہو، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی برکت اور ظاہری طہارت یعنی وضو کی وجہ سے اس کا باطن غرور و تکبر کی آلائش سے پاک و صاف کر دے کیونکہ ظاہری طہارت باطنی صفائی و پاکیزگی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

⑨ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ حَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، بالغہ عورت کی نماز بغیر دوپٹہ کے (یعنی سر ڈھانکے بغیر) نہیں ہوتی۔"

(ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: "حائض" سے مراد بالغہ عورت ہے جو حیض کی عمر کو پہنچ جائے خواہ اسے حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کا سر اور اس کے بال ستر میں شامل ہیں لہٰذا اگر کوئی عورت ننگے سر نماز پڑھے گی تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر عورت اتنا باریک کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھے کہ اس کپڑے میں سے بال یا بدن کا رنگ دکھائی دیتا ہو تو اس کی نماز بھی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ یہ حکم آزاد عورت کا ہے لونڈی اس حکم میں داخل نہیں ہے اس کی نماز ننگے سر بھی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا سر ستر نہیں اس کا ستر مرد کی طرح ناف کے نیچے سے زانو کے نیچے تک نیز پیٹ، پیٹھ اور پہلو بھی۔

⑩ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا سَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتُصَلِّی الْمَرْاَةُ فِیْ دِرْعٍ وَمَارٍ لَیْسَ عَلَیْهَا اِزَارٌ قَالَ اِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا یُغَطِّیْ ظُهُوْرَ قَدَمَیْهَا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَذَكَرَ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلٰی اُمِّ سَلَمَةَ۔

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا کہ اگر عورت کے پاس تہبند (یعنی پائجامہ وغیرہ) نہ ہو اور وہ صرف

دوپٹہ اور کرتہ میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا (ہاں ہو جائے گی) بشرطیکہ کرتہ اتنا لمبا ہو کہ اس سے اس کے پاؤں کی پشت چھپ جاتی ہو۔ (ابوداؤدؒ) اور ابوداؤدؒ نے کہا کہ ایک جماعت نے اس روایت کو اُمّ سلمہؓ پر موقوف کر دیا ہے یعنی انہوں نے کہا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے بلکہ حضرت اُمّ سلمہؓ کا قول ہے۔"

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کے پاؤں کی پشت بھی ستر میں شامل ہے اس کو نماز میں ڈھانکنا واجب ہے۔

⑪ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلٰوةِ وَاَنْ يُّغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے نماز میں سدل کرنے اور مرد کو منہ ڈھانکنے سے منع فرمایا ہے۔"

(ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: "سدل" کے معنی یہ ہیں کہ کپڑے کو اپنے سر یا مونڈھے پر ڈال کر دونوں طرف سے اسے لٹکا دیا جائے چنانچہ کپڑا استعمال کرنے کا یہ طریقہ مطلقاً ممنوع ہے کیونکہ اس سے غرور۔ و تکبر کی شان پیدا ہوتی ہے اور نماز میں تو یہ طریقہ بہت ہی برا ہے۔ اس طرح نماز پڑھنے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ "سدل" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کپڑا اوڑھ کر اپنا ہاتھ اس کے اندر کرے اور اسی طرح رکوع و سجدہ کرتا رہے۔ چونکہ یہ طریقہ یہودیوں کا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عرب میں پگڑی کے کونہ سے منہ پر ڈھاٹا باندھ لیتے تھے جس سے دہانہ چھپ جاتا تھا آپ ﷺ نے نماز میں اس سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اس طرح نہ تو قرأت اچھی طرح ہوتی ہے اور نہ سجدہ پورے طور پر ہوتا ہے۔ ہاں اگر نماز میں کسی کو ڈکار آئے یا منہ سے بدبو آئے تو اسے ہاتھ سے منہ ڈھانک لینا مستحب ہے۔

⑫ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْيَهُوْدَ فَاِنَّهُمْ لَا يُصَلُّوْنَ فِيْ نِعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت شداد ابن اوسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، (جوتے اور موزے پہن کر نماز پڑھنے میں) یہودیوں کی مخالفت کرو کیونکہ وہ لوگ جوتے اور موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے۔" (ابوداؤد)

تشریح: یہودی جوتے اور موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ یہودیوں کی مخالفت کرو اور جوتے پہن کر (اگر وہ پاک و صاف ہوں) اور موزے پہن کر نماز پڑھ لیا کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گمراہ لوگوں کی مخالفت ظاہر کرنے کی غرض سے کسی مباح چیز پر عمل کرنا بہتر ہے اور وجہ یہ ہے کہ اس طرح چونکہ گمراہ لوگوں کی مخالفت لازم آتی ہے اس لئے وہ مباح چیز بھی عزیمت یعنی اولویت کا حکم پیدا کر دیتی ہے۔

⑬ وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِاَصْحَابِهٖ اِذْ خَلَعَ نَعْلَيْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ يَسَارِهٖ فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ الْقَوْمُ اَلْقَوْا نِعَالَهُمْ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَهٗ قَالَ مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى اِلْقَائِكُمْ نِعَالَكُمْ قَالُوْا رَاَيْنَاكَ اَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ فَاَلْقَيْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرِيْلَ اَتَانِيْ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ فِيْهِمَا قَذَرًا اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰى فِيْ نَعْلَيْهِ قَذَرًا فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيْهِمَا۔

(رواہ ابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ سرور کائنات ﷺ اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے اچانک اپنے

جوتے اتار کر اپنی بائیں طرف (دور ہٹا کر) رکھ لئے جب لوگوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار ڈالے۔ آنحضرت ﷺ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ تمہیں جوتے اتارنے پر کس چیز نے مجبور کر دیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے دیکھا کہ آپ (ﷺ) نے اپنے جوتے اتار ڈالے ہیں اس لئے ہم نے بھی اپنے جوتے اتار ڈالے آپ ﷺ نے فرمایا کہ (میں نے تو جوتے اس لئے اتار دئیے تھے کہ) میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے خبر دی کہ میرے جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہے (اس لئے میں نے جوتے نکال دیئے تھے) تم میں سے جو شخص مسجد میں آئے تو پہلے وہ اپنے جوتے دیکھ لیا کرے۔ اگر ان میں نجاست لگی ہوئی معلوم ہو تو انہیں صاف کر لے (اور انہیں پہنے ہی پہنے) نماز پڑھ لے۔" (ابوداؤد، دارمی)

تشریح: "قذر" (قاف کے زبر اور دال معجمہ کے ساتھ) اس چیز کو کہتے ہیں جسے طبیعت مکروہ رکھے لہٰذا اس لفظ سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے جوتے میں ایسی نجاست نہیں لگی ہوگی جس سے نماز درست نہ ہوتی ہو بلکہ کوئی گھناؤنی چیز جیسے رینٹھ وغیرہ لگی ہوگی کیونکہ اگر نجاست لگی ہوتی تو آپ ﷺ ازسرنو نماز پڑھتے حالانکہ آپ ﷺ نے جتنی نماز پڑھ لی تھی نہ تو آپ ﷺ نے اس کا اعادہ کیا اور نہ ازسرنو نماز پڑھی۔ حضرت جبرئیل کا خبر دینا اور پھر اس خبر کی بناء پر آپ ﷺ کا جوتوں کو اتار دینا اس لئے تھا کہ آپ ﷺ کے مزاج اقدس میں چونکہ صفائی اور ستھرائی بہت زیادہ تھی اس لئے جوتوں پر اس گھناؤنی چیز کا لگا رہنا آپ ﷺ کے مزاج کے مناسب نہیں تھا اور بعض شوافع حضرات کہتے ہیں کہ اگر کسی نمازی کے کپڑے وغیرہ پر نجاست لگی ہوئی ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو تو نماز ہو جاتی ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کا یہ قول قدیم ہے۔

بہر حال۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متابعت واجب ہے کیونکہ صحابہؓ نے کوئی سبب پوچھے بغیر محض آپ ﷺ کو جوتے اتارتے دیکھ کر اپنے جوتے فوراً اتار ڈالے اور پھر آنحضرت ﷺ نے بھی اسے جائز رکھا۔

⑭ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلَا يَضَعْ نَعْلَيْهِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلَا عَنْ يَسَارِهٖ فَتَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِ غَيْرِهٖ اِلَّا اَنْ لَا يَكُوْنَ عَلٰى يَسَارِهٖ اَحَدٌ وَلْيَضَعْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَوْ لِيُصَلِّ فِيْهِمَا۔

(رواہ ابوداؤد وروی ابن ماجۃ، معناہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو اپنے جوتے کو نہ اپنی دائیں طرف رکھے اور نہ بائیں طرف ہی رکھے کیونکہ ادھر دوسرے آدمی کی دائیں جانب ہوگی۔ ہاں اگر کوئی بائیں جانب نہ ہو تو ادھر رکھ لے (ورنہ) اسے چاہئے انہیں اپنے دونوں پیروں کے درمیان (یعنی اپنے آگے پیروں کے پاس) رکھ لے اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یا" (اگر جوتے پاک ہوں تو ان کو اتارنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ) انہیں پہنے ہی پہنے نماز پڑھ لے۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نماز کے دوران جوتے اپنی دائیں طرف نہ رکھے جائیں اور بائیں طرف بھی اس لئے نہ رکھے جائیں کہ جو شخص اس کے بائیں طرف کھڑا ہوگا یہ جوتا جو اپنے بائیں طرف رکھا گیا ہے اس شخص کے دائیں طرف پڑے گا۔ لہٰذا جب اپنی دائیں طرف جوتا رکھنا پسند نہ کیا تو اس جوتے کو دوسرے شخص کے دائیں طرف کیوں رکھا جائے کیونکہ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے اپنے ساتھی کے لئے بھی اس چیز کو پسند کرے اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے اسے اپنے ساتھی کے لئے بھی ناپسند کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑮ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاَيْتُهٗ يُصَلِّيْ عَلٰى حَصِيْرٍ يَسْجُدُ عَلَيْهِ قَالَ وَرَاَيْتُهٗ يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ میں سرور کائنات کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ ایک بوریہ پر نماز پڑھ رہے ہیں اور اسی پر سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ایک کپڑا اوڑھے ہوئے جو آپ ﷺ کے جسم پر لپٹا ہوا تھا نماز پڑھ رہے تھے۔" (مسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز ہر اس چیز پر جائز ہے جو نمازی اور زمین کے درمیان حائل ہو خواہ وہ چیز بوریہ وغیرہ کی قسم سے ہو یا کپڑے اور صوف وغیرہ کی قسم سے۔ گو اس حدیث میں صرف بوریہ کا ذکر کیا گیا ہے لیکن علماء کے پاس اور دلائل ایسے ہیں جن کی رو سے وہ بوریہ کے علاوہ کپڑے وغیرہ پر نماز پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بغیر کچھ بچھائے ہوئے زمین پر نماز پڑھنا افضل ہے اس لئے کہ خشوع و خضوع نماز کی اصل و روح ہے اور یہ چیزیں زمین پر نماز پڑھنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہاں اگر کوئی مجبوری ہو مثلاً سردی یا گرمی کی وجہ سے بغیر کچھ بچھائے ہوئے زمین پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر کچھ بچھا لینا ہی بہتر ہوگا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جو چیزیں زمین سے اگی ہوئی نہ ہوں اس پر نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے یعنی بوری وغیرہ پر نماز پڑھنا تو افضل و بہتر ہے اور کپڑے وغیرہ پر نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے۔

(۱۶) وَعَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَافِيًا وَّمُنْتَعِلاً۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو کبھی ننگے پاؤں اور کبھی جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔" (ابوداؤد)

(۱۷) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلّٰى بِنَا جَابِرٌ فِيْ اِزَارٍ قَدْ عَقَدَهٗ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهٗ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ تُصَلِّيْ فِيْ اِزَارٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ اِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ اَحْمَقُ مِثْلُكَ وَاَيُّنَا كَانَ لَهٗ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت محمد ابن منکدر فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے صرف تہ بند باندھ کر جسے انہوں نے اپنی گدی کی طرف باندھ رکھا تھا نماز پڑھی حالانکہ ان کے کپڑے کھونٹی پر لٹکے ہوئے تھے ان سے کسی کہنے والے نے کہا کہ، آپ نے صرف تہبند میں نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ، میں نے یہ اس واسطے کیا تاکہ تم جیسا احمق مجھے دیکھے بھلا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم میں سے وہ کون تھا جس کے پاس دو کپڑے تھے۔" (بخاری)

تشریح: "مشجب" کا عام فہم معنی کھونٹی ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ مشجب اس چیز کو کہتے ہیں جس پر کپڑے لٹکائے یا رکھے جاتے ہیں یا اس چیز کو کہتے ہیں جس پر کبھی کبھی پانی ٹھنڈا ہونے کے لئے مشک لٹکا دی جاتی تھی۔

بہر حال حضرت جابر نے اپنے کپڑے اس پر رکھ دئے تھے اور نماز صرف ایک کپڑے میں اس طرح پڑھ رہے تھے کہ اس کپڑے کا تہبند کر رکھا تھا اور اس کے کونے اوپر کے گلے میں باندھ رکھے تھے چنانچہ ایک شخص نے اس طریقہ کو خلاف سُنّت سمجھتے ہوئے برا خیال کیا اور حضرت جابر سے پوچھا کہ آپ اتنے سارے کپڑوں کی موجودگی میں بھی صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے ہیں تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں صرف ایک کپڑے میں نماز اس لئے پڑھ رہا ہوں تاکہ تم جیسا کم علم مجھے دیکھے اور جان لے کہ نماز صرف ایک کپڑے میں بھی پڑھی جا سکتی ہے یہ خلاف سُنّت نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے اسی مقصد کے تحت اسے ڈانٹا اور کہا کہ احمق تو اسے برا کیوں سمجھ رہا ہے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہم میں سے وہ کون تھا جس کے پاس دو کپڑے تھے، ہمارے پاس تو صرف

ایک ایک کپڑا ہوتا تھا اسی میں ہم نماز پڑھتے تھے اور اسی کو دوسری ضرورتوں کے لئے استعمال کرتے تھے۔

اس بارہ میں علماء کا اجماع ہے کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل ہے واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں تنگی ہے اور آنحضرت ﷺ نیز آپ ﷺ کے صحابہؓ نے ایک کپڑے میں نماز کبھی تو اس لئے پڑھی کہ ان کے پاس کپڑا ہی صرف ایک تھا اور کبھی بیان جواز کی خاطر ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ لی۔

الحاصل اگر کوئی شخص ایک ہی کپڑے میں نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ اس کے پاس دوسرا کپڑا موجود نہیں ہے یا بیان جواز کی خاطر پڑھتا ہے تو جائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص سستی و کاہلی اور بہ نیت حقارت پڑھے گا تو یہ مناسب نہیں ہوگا۔

حضرت جابرؓ کے ارشاد سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ کسی کو صحابہؓ کے ترک سُنّت پر لعن وطعن کرنا نہ چاہئے اور ان کے بارہ میں نیک گمان ہی رکھنا چاہئے۔ یعنی اگر کسی صحابی سے کوئی ایسا فعل صادر نظر آئے جو بظاہر خلاف سُنّت معلوم ہوتا ہے تو اس بارہ میں نیک گمان ہی رکھنا چاہئے کہ یہ بیان جواز کے لئے ہے یا پھر اس میں کوئی عذر ہوگا۔

⑱ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ الصَّلَاۃُ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّۃٌ کُنَّا نَفْعَلُہٗ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا یُعَابُ عَلَیْنَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اِنَّمَا کَانَ ذَاکَ اِذْ کَانَ فِی الثِّیَابِ قِلَّۃٌ فَاَمَّا اِذَا وَسَّعَ اللّٰہُ فَالصَّلَاۃُ فِی الثَّوْبَیْنِ اَزْکٰی۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سُنّت ہے کیونکہ سرور کائنات ﷺ کے زمانہ میں ہم اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور ہمیں کوئی برا نہیں کہتا تھا۔ اس پر حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ (یعنی ایک کپڑے میں نماز پڑھنا) اسی وقت تھا جب کہ کپڑوں کی قلت تھی اب کہ اللہ تعالیٰ نے کپڑوں کے بارہ میں وسعت بخش دی تو دو کپڑوں میں ہی نماز پڑھنا بہتر ہے۔" (احمد)

بَابُ السُّتْرَۃِ

سترہ کا بیان

یہاں سترہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے نمازی کے سامنے کھڑا کیا جائے جیسے دیوار، ستون، یا لکڑی لوہا وغیرہ۔ نمازی کے آگے سترہ اس لئے کھڑا کیا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے سجود کی جگہ متمیز ہو جائے اور نمازی کے آگے سے گزرنے والا شخص گنہگار نہ ہو۔ سترہ کی لمبائی کم سے کم ایک ہاتھ اور موٹائی کم از کم ایک انگشت ہونا ضروری ہے۔

مقتدیوں کے لئے امام کا سترہ کافی ہے یعنی اگر امام کے آگے سترہ کھڑا ہو تو مقتدیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے اگرچہ ان کے سامنے کوئی چیز حائل نہ ہو۔

امام اور سترہ کے درمیان سے گزر جانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر ایسی صورت ہو کہ کوئی نمازی پیچھے سے پہلی صف میں خالی جگہ دیکھے تو اس کے لئے جائز ہے کہ پچھلی صفوں کے سامنے سے گزرتا ہوا پہلی صف میں خالی جگہ پہنچ کر کھڑا ہو جائے کیونکہ یہ پچھلی صف والوں کا قصور ہے کہ انہوں نے آگے بڑھ کر پہلی صف میں جگہ کو پر کیوں نہ کیا۔ سترہ کے مفصل احکام آگے احادیث کی تشریح کے ضمن میں آئیں گے۔

سترہ کے بارہ میں آنحضور ﷺ کا معمول

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَغْدُوْ اِلَی الْمُصَلّٰی وَالْعَنَزَۃُ بَیْنَ یَدَیْہِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ

بِالْمُصَلّٰی بَیْنَ یَدَیْہِ فَیُصَلِّی اِلَیْھَا۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ صبح کے وقت عید گاہ تشریف لے جاتے اور آپ ﷺ کے آگے آگے ایک نیزہ (بھی) لے جایا جاتا جو عید گاہ میں آپ ﷺ کے آگے کھڑا کر دیا جاتا تھا اور آپ ﷺ اس کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھ لیتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: معمول یہ تھا کہ سترہ کرنے اور ڈھیلے وغیرہ توڑنے کے لئے اکثر اوقات خدام آپ ﷺ کے ہمراہ ایک نیزہ لے کر چلتے تھے۔ چنانچہ عید گاہ میں سامنے چونکہ کوئی دیوار وغیرہ نہیں تھی بلکہ میدان ہی میدان تھا اس لئے وہاں بھی آپ ﷺ کے ساتھ نیزہ جاتا تھا جسے آپ ﷺ اپنے سامنے کھڑا کر دیتے تھے۔

اللہ کی تعریف اور سترہ کے سامنے گزرنے کا حکم

(۲) وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَکَّةَ وَھُوَ بِالْاَبْطَحِ فِیْ قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ اَدَمٍ وَرَأَیْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَأَیْتُ النَّاسَ یَبْتَدِرُوْنَ ذٰلِکَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْہُ شَیْئًا تَمَسَّحَ بِہٖ وَمَنْ لَّمْ یُصِبْ مِنْہُ اَخَذَ مِنْ بَلَلِ یَدِ صَاحِبِہٖ ثُمَّ رَأَیْتُ بِلَالًا اَخَذَ عَنَزَةً فَرَکَزَھَا وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا صَلّٰی اِلَی الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَکْعَتَیْنِ وَرَأَیْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ یَمُرُّوْنَ بَیْنَ یَدَیِ الْعَنَزَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابو جحیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ابطح کے مقام پر آقائے نامدار ﷺ کو سرخ چمڑے کے ایک خیمہ میں دیکھا اور میں نے حضرت بلالؓ کو آنحضرت ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی لیتے ہوئے دیکھا اور دوسرے لوگوں کو (بھی) میں نے دیکھا کہ وہ پانی حاصل کرنے میں بڑی عجلت کر رہے تھے۔ چنانچہ جس شخص کو اس پانی میں سے کچھ مل گیا اس نے (برکت حاصل کرنے کے لئے) اسے (اپنے بدن اور منہ پر) مل لیا اور جس شخص کو کچھ نہ ملا اس نے ساتھ والے کے ہاتھ کی تری (ہی) لے کر مل لی پھر میں نے بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے نیزہ لے کر اسے گاڑ دیا۔ آنحضرت ﷺ سرخ دھاریدار جوڑا پہنے اور دامن اٹھائے (خیمہ سے) نکلے اور نیزہ کی طرف کھڑے ہو کر صحابہؓ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور میں دیکھ رہا تھا کہ آدمی اور چوپائے نیزہ کے سامنے آجا رہے تھے۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: "ابطح" ایک نالہ کا نام ہے جو منا کے راستہ میں مکہ کے قریب ہی واقع ہے اس نالہ کو محصب اور بطحا بھی کہتے ہیں۔ ابطح کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس نالہ میں سنگریزے ہیں۔

"حلہ" دو کپڑوں یعنی لنگی اور چادر کو کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جو حلہ زیب تن فرما رکھا تھا وہ سرخ دھاری دار تھا پورا کپڑا سرخ نہیں تھا جو مردوں کو پہننا مکروہ تحریمی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ سترہ کے سامنے آدمیوں اور چوپاؤں کا گزرنا درست ہے۔

سواری کے جانور اور کجاوہ کی پچھلی لکڑی کو سترہ بنا کر نماز پڑھنا

(۳) وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُعَرِّضُ رَاحِلَتَہٗ فَیُصَلِّی اِلَیْھَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَزَادَ الْبُخَارِیُّ قُلْتُ اَفَرَأَیْتَ اِذَا ھَبَّتِ الرِّکَابُ قَالَ کَانَ یَاْخُذُ الرَّحْلَ فَیُعَدِّلُہٗ فَیُصَلِّی اِلٰی اٰخِرَتِہٖ۔

"اور حضرت نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ اپنی سواری کا اونٹ سامنے بٹھا کر اس کی طرف نماز پڑھ لیتے تھے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) اور بخاری نے یہ مزید نقل کیا ہے (نافع کہتے ہیں کہ) میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ جب اونٹ چرنے اور پانی پینے چلے جاتے تھے تو آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے (یعنی ایسی شکل میں آپ ﷺ سترہ کس چیز کو قرار دیتے تھے؟) ابن عمرؓ نے فرمایا (ایسے موقع پر) آپ ﷺ کجاوہ کو ٹھیک کر کے سامنے رکھ لیتے تھے اور اس کی پچھلی لکڑی کی طرف (جو بلند ہونے کی وجہ سے سترہ کا کام دیتی

تھی) نماز پڑھ لیتے تھے۔"

④ وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَضَعَ اَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مُؤْخَرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلَا يُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذٰلِكَ۔ (رواه مسلم)

"اور حضرت طلحہ ابن عبید اللہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی کجاوہ کی پچھلی لکڑی کی مانند (کسی چیز کو) سترہ بنا کر رکھ لے تو اسے چاہئے کہ وہ نماز پڑھ لے اور اس (سترہ) کے سامنے سے کوئی گزرے تو اس کی پرواہ نہ کرے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب نمازی سترہ کے قابل کسی چیز کو اپنے سامنے رکھ کر نماز پڑھے اور سترہ کے سامنے سے کوئی گزرے تو اس کا خیال نہ کرے کیونکہ سترہ کی موجودگی میں سامنے سے کسی کا گزرنا نماز کے خشوع وخضوع پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ یا "پرواہ نہ کرے" کا تعلق گزرنے والے سے ہوگا۔ یعنی اگر نمازی کے آگے سترہ ہو تو اس کے سامنے گزرنے والا شخص کچھ پرواہ نہ کرے کیونکہ سترہ کی موجودگی میں نمازی کے سامنے سے گزرنے کی وجہ سے وہ گنہ گار نہیں ہوگا۔

نمازی کے آگے سے گزر جانا بہت بڑا گناہ ہے

⑤ وَعَنْ اَبِي جُهَيْمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ اَنْ يَقِفَ اَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَهُ مِنْ اَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ اَبُو النَّضْرِ لَا اَدْرِيْ قَالَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْ شَهْرًا اَوْ سَنَةً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوجہیمؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کی کیا سزا ہے تو وہ نمازی کے آگے سے گزرنے کے بجائے چالیس تک کھڑے رہنے کو بہتر خیال کرے۔ (اس حدیث کے ایک راوی) حضرت ابونضر کہتے ہیں کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال کہا گیا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت امام طحاوی نے "مشکل الآثار" میں فرمایا ہے کہ یہاں چالیس سال مراد ہے نہ کہ چالیس مہینے یا چالیس دن۔ اور انہوں نے یہ بات حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے ثابت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ شخص جو اپنے بھائی کے آگے سے اس حال میں گزرتا ہے کہ وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے (یعنی نماز پڑھتا ہے) اور وہ (اس کا گناہ) جان لے تو اس کے لئے اپنی جگہ پر ایک سو برس تک کھڑے رہنا قدم اٹھا کر رکھنے سے بہتر ہوگا۔

بہرحال ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کے آگے سے گزرنا بہت بڑا گناہ ہے جس کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا کتنا بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا کتنی سخت ہے۔ تو وہ چالیس برس یا حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق ایک سو برس تک اپنی جگہ پر مستقلاً کھڑے رہنا زیادہ بہتر سمجھے گا بہ نسبت اس کے کہ وہ نمازی کے آگے سے گزرے۔

سترہ اور نمازی کے درمیان سے گزرنے والے کو زبردستی روکنے کا حکم

⑥ وَعَنْ اَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ اِلٰى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ اَحَدٌ اَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ۔

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسی چیز (یعنی سترہ) کی طرف نماز پڑھے جو اس کے اور لوگوں کے درمیان حائل رہے اور کوئی شخص اس کے آگے سے (یعنی نمازی اور سترہ کے درمیان) سے گزرنے کا ارادہ کرے تو اسے روک دینا چاہئے اگر وہ نہ مانے تو اسے قتل کر دینا چاہئے کیونکہ وہ (ایسی صورت میں) شیطان ہے۔ (حدیث کے الفاظ بخاری کے ہیں

اور مسلم نے اس روایت کو بالمعنی نقل کیا ہے)۔"

تشریح: "قتل" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقۃً ایسے شخص کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہئے بلکہ قتل سے مراد یہ ہے کہ چونکہ نمازی کے آگے سے گزرنا بہت برا ہے اس لئے اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو اسے پوری طاقت و قوت کے ساتھ گزرنے سے روک کر اسے اتنی بڑی غلطی کے ارتکاب سے بچایا جائے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو کسی ایسی چیز کے ذریعہ روکا جائے جس کا استعمال اس روکنے کے سلسلہ میں جائز ہو اور اس روک تھام میں اگر گزرنے والا شخص مرجائے تو علماء کے نزدیک متفقہ طور پر اس کا قصاص نہیں ہوگا۔ ہاں دیت کے واجب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ ایسی شکل میں دیت واجب ہوگی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ واجب نہیں ہوگی۔

حدیث میں ایسے شخص کو شیطان کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے چونکہ اس شخص کو بہکا کر اس غلط کام کو کرنے پر مجبور کیا لہٰذا وہ شخص اس شیطانی کام کے کرنے کی بناء پر بمنزلہ شیطان کے ہوا۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا غلط کام کرنے والا شخص انسانوں کا شیطان ہے اس لئے کہ شیطان کے معنی سرکش کے ہیں خواہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے ہو اسی لئے شریر النفس آدمی کو شیطان الانس کہا جاتا ہے۔

سترہ نماز کی محافظت کرتا ہے

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْکَلْبُ وَیَقِیْ ذٰلِكَ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، عورت، گدھا اور کتا (نمازی کے آگے سے گزرنے کی صورت میں) نماز کو باطل کر دیتے ہیں اور کجاوہ کی پچھلی لکڑی کی مانند کسی چیز کو (نمازی کے آگے سترہ بنا کر) رکھ لینا (نماز کے) اس باطل کر دینے کو بچالیتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: نمازی کے آگے سے گزرنا نماز کو باطل نہیں کرتا: جمہور علمائے صحابہ وغیرہم کا یہ مذہب ہے کہ کوئی چیز یا کوئی شخص اگر نمازی کے آگے سے گزر جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی خواہ مذکورہ بالا تینوں چیزیں ہوں یا ان کے علاوہ کچھ اور ہوں۔ جہاں تک اس حدیث یا اسی طرح کی دوسری احادیث کا تعلق ہے سب دراصل نمازی کے سامنے سترہ کھڑا کرنے کی اہمیت اور تاکید بیان کرنے میں مبالغہ کے طریقہ پر ہیں۔ یا اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جو اگر نمازی کے آگے سے گزریں تو نماز میں خشوع و خضوع اور حضورئ قلب کو کھو دیتی ہیں جو در حقیقت نماز کی اصل اور روح ہیں۔ یا پھر اس سے یہ مراد بھی لی جاسکتی ہے کہ نمازی کے آگے سے ان چیزوں کے گزرنے سے چونکہ نمازی کا دل ان کی طرف ہٹ جاتا ہے اور اس کا دل ان چیزوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس لئے نماز بھی بطلان کے قریب پہنچ جاتی ہے۔

عورت، گدھے اور کتے کی تخصیص کی وجہ: حدیث سے بظاہر تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نمازی کے آگے سے صرف ان تین چیزوں کے گزر جانے سے نماز پر اثر پڑ سکتا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر چیزوں کے گزرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان مذکورہ تین چیزوں کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ ان کی طرف دل بہت زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے چنانچہ عورت کی حیثیت تو ظاہر ہی ہے گدھے کا معاملہ بھی یہ ہے کہ گدھے کے ساتھ چونکہ اکثر و بیشتر شیاطین رہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کے چیخنے کے وقت اعوذ پڑھنا مستحب ہے اس لئے جب گدھا نمازی کے آگے سے گزرے گا تو نمازی کا دل اس احساس کی بناء پر کہ اس کے ہمراہ شیاطین ہوں گے گدھے کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ یا ایسے ہی کتا نہ صرف یہ کہ نجس عین ہوتا ہے بلکہ اس سے تکلیف پہنچنے کا بھی خطرہ رہتا ہے اس لئے اس کے گزرنے کی

صورت میں بھی ذہن پوری تیزی کے ساتھ اس کی طرف بھٹک جاتا ہے۔

نمازی کے آگے عورت کے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ كَاِعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ رات میں نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں آپ ﷺ کے اور قبلہ کے درمیان (یعنی آپ ﷺ کے سامنے) اس طرح پڑی رہتی تھی۔ جیسے جنازہ نمازیوں کے آگے رکھا رہتا ہے۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: جنازہ کی مثال دے کر اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول ہوتے تھے میں اس وقت آپ ﷺ کے سامنے کسی گوشہ وغیرہ میں نہیں پڑی رہتی تھی بلکہ آپ ﷺ کے سامنے پوری طرح لیٹی رہتی تھی اور اس کے باوجود آپ ﷺ نماز پڑھتے رہتے تھے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں نمازی کے آگے عورت کے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

نمازی کے آگے سے گدھی وغیرہ کا گزرنا نماز کو باطل نہیں کرتا

⑨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى اَتَانٍ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ بِمِنًى اِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَىْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَاَرْسَلْتُ الْاَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ اَحَدٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن جب کہ میں بالغ ہونے کے قریب تھا گدھی پر بیٹھا ہوا آیا اور آقائے نامدار ﷺ منیٰ میں لوگوں کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے اور (آپ ﷺ کے) آگے کوئی دیوار نہیں تھی (یعنی آپ ﷺ نے کوئی سترہ نہیں کھڑا کر رکھا تھا، میں بعض صف کے سامنے سے گزرا، پھر گدھی سے اتر کر اسے چھوڑ دیا وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہو گیا اور مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: اس واقعہ کو بیان کرنے سے حضرت ابن عباسؓ کا یہ بتانا مقصود ہے کہ نمازیوں کے آگے سے گدھی کے گزر جانے سے نماز باطل نہیں ہوئی۔ اس وقت حضرت ابن عباسؓ چونکہ بالغ نہیں تھے اس لئے جب وہ نمازیوں کے آگے سے گزرے تو انہیں کسی نے روکا نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

عصا کو سترہ کے طور پر گاڑنے کے بجائے سامنے رکھ لینے میں علماء کا اختلاف

⑩ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ شَيْئًا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصَاهُ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَعَهٗ عَصًا فَلْيَخْطُطْ خَطًّا ثُمَّ لَا يَضُرُّهٗ مَا مَرَّ اَمَامَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنا چاہے تو اپنے منہ کے سامنے کچھ (مثلاً دیوار و ستون وغیرہ) کر لے اور اگر کچھ نہ ملے تو اپنا عصا (ہی) کھڑا کر لیا کرے اور اگر اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو ایک لکیر ہی کھینچ لیا کرے پھر اس کے آگے کوئی گزر جائے تو کچھ نقصان نہ ہوگا (یعنی خشوع و خضوع میں خلل نہیں پڑے گا۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی اجازت دے رہی ہے کہ اگر کسی نمازی کو کوئی ایسی چیز دستیاب نہ ہو جو سترہ کے طور پر کام دے سکے تو وہ اپنے عصا کو اپنے سامنے سترہ بنا کر کھڑا کر لے۔ اب اس سلسلہ میں اتنی اور سہولت دی گئی ہے کہ اگر زمین نرم ہو تو عصا کو زمین میں گاڑ دیا جائے اور اگر زمین سخت ہو کہ عصا کو گاڑنا مشکل ہو تو پھر اس شکل میں عصا کو گاڑنے کے بجائے اپنے سامنے طولاً رکھ لیا جاوے تاکہ گاڑنے کی مشابہت حاصل ہو جائے۔

فقہ کی کتاب شرح منیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی اپنے عصا کو سترہ کے طور پر بجائے زمین میں گاڑنے کے اپنے سامنے رکھ لے تو بعض علماء کے نزدیک تو اس کے لئے یہ سترہ کے طور پر کافی ہو جائے گا۔ یعنی سترہ کا حکم پورا ہو جائے گا مگر بعض علماء کے نزدیک یہ سترہ کے طور پر کافی نہیں ہو گا۔

کفایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی سترہ کے طور پر عصا کو بجائے گاڑنے کے سامنے رکھنا چاہئے تو اسے عصا کو طولاً رکھنا چاہئے نہ کہ عرضاً۔

سترہ کے لئے کوئی بھی چیز موجود نہ ہونے کی شکل میں سامنے صرف لکیر کھینچ لینے میں علماء کا اختلاف: اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہو رہی ہے کہ اگر کسی نمازی کو سترہ بنانے کے لئے کوئی چیز نہ ملے یہاں تک کہ اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو وہ اپنے سامنے صرف لکیر کھینچ کر نماز پڑھ لے اس کے لئے یہی لکیر سترہ بن جائے گی۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے بلکہ حنفیہ میں بھی بعد کے بعض علماء نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

حنفیہ کے اکثر علماء اور حضرت امام مالکؒ اس کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک لکیر کھینچ لینا معتبر نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے بھی قول جدید میں اپنے پہلے مسلک کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے وہ ضعیف اور مضطرب ہے۔ نیز یہ کہ نمازی اور سامنے سے گزرنے والے کے درمیان سترہ کے طور پر صرف لکیر کا حائل ہونا نہ صرف یہ کہ کوئی اعتبار نہیں رکھتا بلکہ دور سے معلوم و ممیز بھی نہیں ہوتا۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ حضرت شیخ ابن الہمامؒ کے قول کا مفہوم بھی یہی ہے کہ لکیر کھینچنے کے بجائے سترہ کھڑا کرنا ہی اتباع سُنّت کی بناء پر اولیٰ اور بہتر ہے کیونکہ سامنے کھڑا ہوا سترہ پوری طرح ظاہر ہونے کی وجہ سے امتیاز بھی رکھتا ہے اور نمازی کے دل کو شکوک و شبہات سے نکال کر سکون خاطر اور اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے۔

اس کے بعد علماء نے وصف خط میں بھی اختلاف کیا ہے کہ لکیر کس طرح کھینچی جائے چنانچہ بعض علماء کے نزدیک لکیر بشکل ہلال کھینچی چاہئے۔ اور بعض حضرات نے جانب قبلہ طولاً کھینچنے کو لکھا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ لکیر عرضاً دائیں طرف سے بائیں طرف کو کھینچی جائے اور مختار طولاً ہی کھینچنا ہے۔

سترہ کو قریب کھڑا کرنا چاہئے

(۱۱) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِى حَثْمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا لَا يَقْطَعِ الشَّيْطَانُ صَلَاتَهُ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت سہل ابن حثمہؓ کہتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ سترہ کے قریب رہے تاکہ شیطان اس کی نماز نہ توڑے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "سترہ کے قریب" رہنے کا مطلب یہ ہے کہ سترہ اتنے نزدیک کھڑا کیا جائے کہ سجدہ اس کے پاس ہو سکے تاکہ شیطان اس کی نماز میں کوئی خلل نہ ڈال سکے کیونکہ نمازی اگر سترہ سے دور کھڑا ہو گا تو اس کے سامنے سے کسی کے گزرنے کا احتمال ہو گا۔ چنانچہ شیطان ایسی صورت میں اس کے دل میں وسواس و شبہات کے بیج بوئے گا جس سے حضوریٔ قلب میں فرق آجائے گا۔ اور نماز میں حضوری قلب کی

دولت میسر نہیں رہی تو گویا اس کی نماز ٹوٹ گئی اس لئے کہ نماز کا کمال اور ثواب بغیر حضوری قلب کے حاصل نہیں ہوتا لہٰذا سترہ کے قریب کھڑا ہونے کی وجہ سے اس آفت سے حفاظت حاصل ہوگی۔

سترہ پیشانی کے عین سامنے نہ کھڑا کرنا چاہئے

⑫ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي اِلٰى عُوْدٍ وَلَا عَمُوْدٍ وَلَا شَجَرَةٍ اِلَّا جَعَلَهُ عَلٰى حَاجِبِهِ الْاَيْمَنِ اَوِ الْاَيْسَرِ وَلَا يَصْمُدُ لَهُ صَمْدًا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت مقداد ابن اسودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ لکڑی، ستون یا درخت کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھتے ہوں اور یہ چیزیں ٹھیک آپ ﷺ کے سامنے کھڑی ہوں بلکہ وہ آپ ﷺ کی داہنی یا بائیں بھوؤں (ابروں کے سامنے ہوتی تھیں اور آپ ﷺ ان کی سیدھ کا قصد نہ کرتے تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سترہ کھڑا کرتے تھے تو اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے تھے کہ سترہ پیشانی کے عین سامنے نہ ہو بلکہ آپ ﷺ سترہ کو دائیں یا بائیں بھوؤں کے سامنے کھڑا کرتے تھے اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بت پرستی کی مشابہت نہ ہو۔

نمازی کے سامنے سے کتے اور گدھے وغیرہ کا گزرنا نماز کو باطل نہیں کرتا

⑬ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي بَادِيَةٍ لَنَا وَمَعَهُ عَبَّاسٌ فَصَلّٰى فِي صَحْرَاءَ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ وَحِمَارَةٌ لَنَا وَكَلْبَةٌ تَعْبَثَانِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَا بَالٰى بِذٰلِكَ۔ (رواہ ابوداؤد وللنسائی نحوہ)

"اور فضل ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ (ایک دن) ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ ہم اپنے جنگل میں (خیمہ زن) تھے حضرت عباسؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے چنانچہ آپ ﷺ نے جنگل میں نماز (اس طرح) پڑھی کہ آپ ﷺ کے سامنے سترہ نہیں تھا۔ ہماری گدھی اور کتیا آپ ﷺ کے سامنے کھیل رہی تھیں مگر آپ ﷺ نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ لوگ چند دنوں کے لئے جنگل میں خیمہ زن ہو کر جایا کرتے تھے اور وہاں رہا کرتے تھے۔ ہر جماعت کا اپنا اپنا متعین جنگل ہوتا تھا چنانچہ حضرت عباسؓ کا بھی ایک جنگل تھا۔ جن ایام میں وہ اپنے جنگل میں خیمہ زن تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے راوی وہیں کا بیان کر رہے ہیں۔

اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے سامنے سے اگر گدھے اور کتے وغیرہ گزر جائیں تو نماز باطل نہیں ہوتی، وہیں یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ گزرگاہ پر نماز پڑھنے کی شکل میں نمازی کو اپنے آگے سترہ کھڑا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

نمازی کے سامنے سے کسی کے گزرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی

⑭ وَعَنْ اَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ وَادْرَأُوْا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ نمازی کے آگے سے گزرنے والی کوئی بھی چیز نماز کو نہیں توڑتی (تاہم اگر کوئی نمازی کے آگے سے گزرے تو نماز میں خشوع و خضوع برقرار رکھنے کی خاطر، تم حتی الامکان اسے روکو کیونکہ وہ گزرنے والا شیطان ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث نے بھی بصراحت اس کو واضح کر دیا کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والی کوئی بھی چیز نماز کو باطل نہیں کرتی چاہے وہ عورت، کتا، اور گدھا ہی کیوں نہ ہو۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۷)۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَنَامُ بَيْنَ يَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَایَ فِیْ قِبْلَتِهٖ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِیْ فَقَبَضْتُ رِجْلَیَّ وَاِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں آقائے نامدار ﷺ کے سامنے (اس طرح سوئی رہتی تھی کہ) میرے دونوں پیر آپ ﷺ کے قبلہ کی طرف (یعنی آپ ﷺ کے سجدہ کرنے کی جگہ) ہوتے تھے۔ جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تھے تو مجھے (یعنی پیروں کو) دبا دیتے تھے میں پیروں کو سمیٹ لیتی تھی اور جب آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے تو میں پھر پیر پھیلا دیتی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان دنوں میں گھر کے اندر چراغ نہیں تھے۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ سے حضرت عائشہؓ اپنا یہ عذر بیان کرنا چاہتی ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے سجدہ کرنے کی جگہ پیر اس لئے پھیلائے رکھتی تھی کہ چراغ نہ ہونے کی وجہ سے مجھے کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ جہاں تک حضرت عائشہؓ کے اس عمل کا تعلق ہے کہ جب آپ ﷺ ان کا پیر دبا دیتے تھے تو وہ اپنا پیر سمیٹ لیتی تھیں اور جب آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے تو وہ اپنے پیر پھیلا دیتی تھیں تو یہ آنحضرت ﷺ کی تقریر یعنی ان کے اس عمل پر آنحضرت ﷺ کی جانب سے نکیر نہ ہونے کی بناء پر تھا۔

نمازی کے آگے سے گزرنا جرم عظیم ہے

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ اَحَدُكُمْ مَالَهٗ فِیْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَیْ اَخِيْهِ مُعْتَرِضًا فِی الصَّلَاةِ كَانَ لَاَنْ يُّقِيْمَ مِائَةَ عَامٍ خَيْرٌ لَّهٗ مِنَ الْخَطْوَةِ الَّتِیْ خَطَا۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، اگر تم میں سے کوئی یہ جان لے کہ اپنے مسلمان بھائی کے سامنے سے جب کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو عرضاً گزرنا کتنا بڑا گناہ ہے تو اس کے لئے سو برس تک کھڑے رہنا ایک قدم آگے بڑھانے سے بہتر معلوم ہو۔"

(ابن ماجہؒ)

(۱۷) وَعَنْ كَعْبِ الْاَحْبَارِ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَیِ الْمُصَلِّیْ مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ اَنْ يُّخْسَفَ بِهٖ خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَهْوَنَ عَلَيْهِ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت کعب احبارؓ فرماتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ (اس کے اس جرم کی) سزا کیا ہے تو اس کو اپنا زمین میں دھنسایا جانا نمازی کے آگے سے گزرنے سے زیادہ بہتر معلوم ہو۔ اور ایک روایت میں بجائے "بہتر" کے "زیادہ آسان) کا لفظ ہے۔" (مالکؒ)

نمازی کے آگے سے کتنی دوری پر گزرنا چاہئے

(۱۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى غَيْرِ السُّتْرَةِ فَاِنَّهٗ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْحِمَارُ وَالْخِنْزِيْرُ وَالْيَهُوْدِیُّ وَالْمَجُوْسِیُّ وَالْمَرْاَةُ وَتُجْزِیُٔ عَنْهُ اِذَا مَرُّوْا بَيْنَ يَدَيْهِ عَلٰى قَذْفَةٍ بِحَجَرٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، تم میں سے جو شخص بغیر سترہ کے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز اس کے

سامنے سے گدھے، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت کے گزرنے سے ٹوٹ جائے گی ہاں اگر یہ ایک پتھر پھینکنے کی مسافت کے فاصلہ سے گزریں تو کچھ حرج نہیں۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ پھینکنے کے بعد پتھر جتنی دور جاکر گرتا ہے اتنے فاصلہ کے بعد سے یہ مذکورہ چیزیں اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزریں تو کچھ حرج نہیں ہے یعنی نماز میں کوئی خلل و قصور نہیں آتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ پتھر پھینکنے سے مراد حج میں رمی جمار ہے یعنی حج میں مناروں پر جو کنکر اور جس فاصلہ سے مارے جاتے ہیں اور جس کی مقدار تین ہاتھ لکھی ہے وہی یہاں مراد ہے۔

اس حدیث کی تاویل بھی وہی ہوگی جو اسی باب کی حدیث نمبر سات کی تشریح کے ضمن میں کی جاچکی ہے کہ نماز ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

صفت نماز کا بیان

اس باب کے ذیل میں وہ احادیث نقل کی جارہی ہیں جن سے نماز پڑھنے کی ترکیب معلوم ہوگی کہ نماز کس طرح پڑھی جائے؟ اور نماز کے ارکان و اجزاء کیا ہیں؟۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلاً دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِیْ نَاحِیَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ فَقَالَ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِی الثَّالِثَةِ اَوْفِی الَّتِیْ بَعْدَهَا عَلِّمْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلَاةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَیَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَفِیْ رِوَایَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِیْ صَلَاتِكَ كُلِّهَا۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ (پہلے) اس نے نماز پڑھی، اس طرح کہ تعدیل ارکان اور قومہ و جلسہ کی رعایت نہیں کی۔ پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا" جاؤ اور پھر نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی" وہ چلا گیا اور جس طرح پہلے نماز پڑھی تھی اسی طرح پھر نماز پڑھی اور آپ ﷺ کی خدمت میں آکر سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دے کر پھر اس سے فرمایا کہ "جاؤ نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں" (اس طرح تین مرتبہ ہوا) تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے سکھلا دیجئے (کہ نماز کس طرح پڑھوں) آپ ﷺ نے فرمایا۔ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو (پہلے) اچھی طرح وضو کرلو۔ پھر قبلہ

کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر تکبیر کہو پھر قرآن کی جو (سورت وغیرہ) تمہیں آسان معلوم ہو اسے پڑھو پھر طمانینت کے ساتھ رکوع کرو پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر طمانینت کے ساتھ سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ اور طمانینت کے ساتھ بیٹھ جاؤ پھر طمانینت کے ساتھ (دوسرا) سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ اور طمانینت کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "پھر سر اٹھاؤ اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ (اس روایت میں جلسۂ استراحت کا ذکر نہیں) پھر اپنی تمام نماز اسی طرح ادا کرو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: طمانینت کا مطلب یہ ہے کہ رکوع و سجود وغیرہ میں اس طرح پوری دلجمعی اور سکون خاطر کے ساتھ ٹھہرا جائے کہ بدن کے تمام جوڑ اپنی جگہ اختیار کر لیں اور ان ارکان میں جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں وہ پورے اطمینان کے ساتھ پڑھی جائیں۔

رکوع و سجود وغیرہ میں طمانینت فرض ہے یا واجب؟: حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ، اور حضرت امام ابو یوسفؒ اس حدیث کے پیش نظر رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ میں طمانینت کی فرضیت کے قائل ہیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے طمانینت کے فقدان کی بناء پر نماز کی نفی فرمائی ہے اور یہ چیز فرضیت کی علامت ہے کہ ایک فعل اس کے نہ ہونے سے منتفی اور باطل ہو جائے لہٰذا یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ارکان میں طمانینت اختیار نہیں کی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی جس کا اعادہ ضروری ہو گا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک رکوع و سجود میں طمانینت واجب ہے اور قومہ و جلسہ میں سُنّت ہے یہ حضرات اس حدیث کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ یہاں نماز کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ نماز کے کمال کی نفی مراد ہے کیونکہ اس حدیث کے آخری الفاظ جو ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں منقول ہیں یہ ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ "اگر تم نے اسے (یعنی طمانینت کو) پورا کیا تو تمہاری نماز مکمل ہوئی اور اس میں سے تم نے جو کچھ کم کیا تو تم نے اپنی نماز ناقص کی۔ لہٰذا اس طرح کا حکم وجوب اور سُنّت کی علامت ہے کہ اس کے بغیر فعل ناقص و ناتمام ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو نماز کا اعادہ کرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا تھا کہ اس کی نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں تھی بلکہ اس اعادہ کے حکم کا مطلب یہ تھا کہ نماز پورے کمال اور بغیر کسی کراہیت و نقصان کے ادا ہونی چاہئے۔ اور اگر طمانینت فرض ہوتی تو آپ ﷺ اس کو شروع ہی میں منع کر کے نماز پڑھنے سے روک دیتے اور اس کو بغیر فرائض کے نماز نہ پڑھنے دیتے۔

اس حدیث سے چند باتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے پہلی چیز تو یہ کہ عالم اور ناصح کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ کسی جاہل اور غلط کام کرنے والے کو نہایت نرمی اور اخلاق کے ساتھ سمجھائے اور اس کے ساتھ نصیحت کا ایسا نرم معاملہ کرے کہ وہ شخص اس کی بات کو ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے پر خود مجبور ہو جائے کیونکہ بسا اوقات نصیحت کے معاملہ میں بداخلاقی و ترش روئی اصلاح و سدھار پیدا کرنے کی بجائے اور زیادہ ضد و ہٹ دھرمی اور گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔ دوسری چیز یہ ثابت ہوتی ہے کہ ملاقات کے وقت اگرچہ وہ مکرر اور تھوڑی دیر کے بعد ہی ہو سلام کرنا مستحب ہے۔ تیسری چیز یہ ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی نماز کے واجبات میں کچھ خلل و نقصان پیدا کرے تو اس کی نماز صحیح ادا نہیں ہوتی اور وہ حقیقی معنی میں نمازی نہیں کہلاتا بلکہ اس کے بارہ میں یہی کہا جائے گا کہ اس شخص نے نماز نہیں پڑھی۔ پہلی روایت میں جلسۂ استراحت یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے اٹھ کر بیٹھنے کا بھی ذکر کیا گیا ہے چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک جلسۂ استراحت سُنّت ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک سُنّت نہیں ہے اس کی مفصل تحقیق انشاء اللہ آگے آئے گی۔

آنحضرت ﷺ کی نماز کا طریقہ

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَكَانَ اِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَاْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ

حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةُ وَكَانَ يفرِش رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى اَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيْمِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نماز تو تکبیر سے اور قرأت الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے اور آپ جب رکوع کرتے تھے تو اپنا سر مبارک نہ تو (بہت زیادہ) بلند کرتے تھے اور نہ (بہت زیادہ) پست بلکہ درمیان درمیان رکھتے تھے (یعنی پیٹھ اور گردن برابر رکھتے تھے) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھا کھڑے ہوئے سجدہ میں نہ جاتے تھے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھا بیٹھے ہوئے (دوسرے) سجدہ میں نہ جاتے تھے اور ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھتے تھے اور (اور بیٹھنے کے لئے) اپنا بایاں پیر بچھاتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے اور آپ عقبۂ شیطان (یعنی شیطان کی بیٹھک) سے منع فرماتے تھے اور مرد کو دونوں ہاتھ سجدہ میں اس طرح بچھانے سے بھی منع کرتے تھے جس طرح درندے بچھالیتے ہیں اور آپ ﷺ نماز کو سلام پر ختم فرماتے تھے۔" (مسلم)

تشریح: حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ آنحضرت ﷺ نماز تو تکبیر سے شروع فرماتے تھے اور قرأت کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے۔ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ ﷺ بسم اللہ آہستہ سے پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔

قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ اور اس میں ائمہ کا اختلاف: وکان یفرش رجلہ الیسری وینصب رجلہ الیمنی (یعنی آپ ﷺ بیٹھنے کے لئے اپنا بایاں پیر بچھاتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے) اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ دونوں قعدوں میں اسی طرح بیٹھتے تھے چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے کہ دونوں قعدوں میں اسی طرح بیٹھنا چاہئے۔

آئندہ آنے والی حدیث جو حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے منقول ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پہلے قعدہ میں افتراش (یعنی پاؤں بچھانا ہی اختیار کرتے تھے مگر دوسرے قعدہ میں تورک یعنی (کولہوں پر بیٹھنا) اختیار فرماتے تھے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے کہ پہلے قعدہ میں تو افتراش ہونا چاہئے اور دوسرے قعدہ میں تورک۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک ہی ہے اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس نماز میں دو تشہد ہوں تو اس کے آخری تشہد میں تورک ہونا چاہئے اور جس نماز میں ایک ہی تشہد ہے اس میں افتراش ہونا چاہئے۔

امام اعظمؒ کے مسلک کی دلیل: بنیادی طور پر حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے نہ صرف یہی حدیث بلکہ اور بہت سی احادیث وارد ہیں جن میں مطلقاً پاؤں کے بچھانے کا ذکر ہے۔ نیز یہ بھی وارد ہے کہ تشہد میں سُنّت یہی ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ بغیر پہلے اور دوسرے قعدہ کی قید کے تشہد میں اسی طرح بیٹھا کرتے تھے۔ پھر دوسری چیز یہ بھی ہے کہ تشہد میں بیٹھنے کا جو طریقہ امام اعظمؒ نے اختیار کیا ہے وہ دوسرے طریقوں کے مقابلہ میں زیادہ با مشقت اور مشکل ہے اور احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ اعمال میں زیادہ افضل و اعلیٰ عمل وہی ہے جس کے کرنے میں مشقت اور دشواری زیادہ برداشت کرنی پڑے۔

جن احادیث میں آنحضرت ﷺ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ دوسرے قعدہ میں کولہوں پر بیٹھتے تھے۔ جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ آنحضرت ﷺ حالت ضعف اور کبر سنی میں اس طرح بیٹھتے تھے کیونکہ دوسرے قعدہ میں زیادہ دیر تک بیٹھنا ہوتا ہے اور کولہوں پر بیٹھنا زیادہ آسان ہے۔

عقبۂ شیطان کا مطلب: عقبۂ شیطان دراصل ایک خاص طریقہ سے بیٹھنے کا نام ہے جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ دونوں کولہے زمین پر ٹیک کر دونوں پنڈلیاں کھڑی کر لی جائیں پھر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر بیٹھا جائے جس طرح کہ کتے بیٹھا کرتے ہیں۔ قعدہ میں بیٹھنے کا یہ طریقہ اختیار کرنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ عقبہ شیطان کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کولہے

دونوں ایڑیوں پر رکھے جائیں۔ یہ معنی لفظ عقبہ کی رعایت سے زیادہ مناسب ہیں۔

آپ ﷺ نے مرد کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ سجدہ کی حالت میں زمین میں اپنے دونوں ہاتھ اس طرح بچھائے جس طرح درندے یعنی کتے وغیرہ بچھاتے ہیں اس سلسلہ میں مرد کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ کے وقت عورتوں کو اس طرح ہی دونوں ہاتھ بچھانے چاہیں کیونکہ اس طرح عورت کے جسم کی نمائش نہیں ہوتی۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب بالکل صاف ہے کہ آپ ﷺ نماز کا اختتام سلام پر فرماتے تھے۔ مگر اتنی بات سن لیجئے کہ نماز میں سلام پھیرنا حنفیہ کے نزدیک تو واجب ہے مگر حضرات شوافع کے نزدیک فرض ہے۔

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے؟

(۳) وَعَنْ اَبِي حُمَيْدِ السَّاعِدِيِّ قَالَ فِيْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَحْفَظُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُهُ اِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ اَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ اسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَاِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى فَاِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْاُخْرٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوحمید ساعدیؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت میں فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے طریقۂ نماز کو تم میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب آپ ﷺ تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جاتے تھے تو اپنے دونوں زانو ہاتھوں سے مضبوط پکڑتے تھے اور اپنی پیٹھ جھکا دیتے تھے (تاکہ گردن کے برابر ہو جائے) اور جب اپنا سر (رکوع سے) اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ سارے جوڑ اپنی اپنی جگہ پر آجاتے تھے اور جب سجدہ میں جاتے تو دونوں ہاتھ زمین پر (منہ کے بل) رکھ دیتے تھے اور انہیں نہ پھیلاتے تھے اور نہ (پہلو کی طرف) بیٹھتے تھے اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف سامنے رکھتے تھے اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے اور جب آخری رکعت پڑھ کر بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں کو آگے نکال دیتے اور دوسرے (یعنی دائیں) پاؤں کو کھڑا کر کے کولھے پر بیٹھ جاتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جب تکبیر کہتے تھے تو اپنے ہاتھ اپنے مونڈھوں کے برابر اٹھاتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کانوں کی لو کے مقابل تک اٹھانا چاہئے کیونکہ دیگر احادیث میں اسی طرح مروی ہے اور چونکہ بعض روایات میں ان دونوں سے الگ ایک تیسرا طریقہ یعنی ہاتھوں کو کانوں کی اوپر کی جانب تک اٹھانا بھی آیا ہے۔ اس لئے امام اعظمؒ نے نہ تو کانوں کے نیچے یعنی مونڈھوں تک اٹھانے کے طریقہ کو اختیار کیا اور نہ کانوں کے اوپر کی جانب تک اٹھانے کے طریقہ کو اختیار کیا بلکہ درمیانی طریقہ اختیار کیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے ان روایات کی تطبیق کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اس طرح اٹھانا چاہئے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں تو کاندھوں کے مقابل رہیں انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل اور انگلیوں کے سرے کان کے اوپر کے حصے پر رکھے جائیں تاکہ اس طریقہ سے تمام احادیث پر عمل ممکن ہو جائے اور روایتوں میں کوئی اختلاف کی گنجائش نہ رہ جائے۔ ان احادیث میں ایک دوسری تطبیق یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ احادیث مختلف اوقات سے متعلق ہیں یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت کبھی تو آپ ﷺ اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہوں گے

اور کبھی اس طرح۔

آپ ﷺ کے رکوع کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ دونوں ہاتھوں سے دونوں زانو مضبوطی سے پکڑ لیتے تھے اور انگلیوں کو کشادہ رکھتے تھے اور پھر گردن مبارک کو جھکا کر بالکل پیٹھ کے برابر کر دیتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ رکوع میں تو انگلیاں کشادہ رکھنی چاہئیں اور سجدہ میں ملی ہوں نیز تکبیر تحریمہ اور تشہد میں ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے۔

سجدہ میں زمین پر ہاتھ رکھنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کی حالت میں انگلیاں اور ہتھیلیاں زمین پر پھیلادینی چاہئیں اور پہنچے اٹھے ہوئے اور پہلو اس طرح الگ رکھنے چاہئیں کہ اگر بکری کا بچہ چاہے تو نیچے سے گزر جائے۔

اس حدیث میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ قومہ سے سجدہ میں جانے کے وقت زمین پر پہلے زانو رکھے جائیں یا ہاتھ تو اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ درست تو دونوں طریقے ہیں لیکن اکثر ائمہ کے نزدیک افضل اور مختار یہی ہے کہ زمین پر پہلے زانو رکھا جائے۔

رفع یدین

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے نیز جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح دونوں ہاتھ (مونڈھوں تک) اٹھاتے اور (رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے) کہتے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ۔ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (اللہ نے اس شخص کو سن لیا یعنی اس کی تعریف قبول کر لی جس نے اس کی حمد بیان کی۔ اے ہمارے پروردگار! تعریف تو تیرے ہی لئے ہے) اور آنحضرت ﷺ سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کا مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار! دنیا کی تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی کسی شخص کی تعریف کرتا ہے تو وہ درحقیقت تیری ہی تعریف کرتا ہے کیونکہ سب کو پیدا کرنے والا تو ہی تو ہے اس لئے مصنوع کی تعریف دراصل صانع ہی کی تعریف ہوتی ہے۔

حدیث کے اس جزو سے معلوم ہوا کہ ہر نماز پڑھنے والے کو سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد دونوں کلمات کہنے چاہئیں، مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اسے یہ دونوں کلمات کہنے چاہئیں مگر جماعت کی صورت میں امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہیں۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ امام کو دونوں کلمات کہنے چاہئیں اسی قول کو امام طحاوی نے بھی اختیار کیا ہے۔ بلکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی قول کی تائید میں منقول ہے مقتدی کے بارہ میں ان کی رائے بھی یہی ہے کہ وہ صرف ربنا لک الحمد کہیں۔

وکان لا یفعل ذٰلک فی السجود (یعنی آپ ﷺ سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تکبیر تحریمہ کے بعد آپ ﷺ رکوع میں جانے سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس طرح جب سجدے میں جاتے یا سجدہ سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرات شوافع کا مختار مسلک یہی ہے کہ ان اوقات میں رفع یدین نہیں کرنا چاہئے۔ ان حضرات کے نزدیک رفع یدین کی جو صورت ہے وہ یہی ہے کہ رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ، رکوع میں جانے کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت کرنا چاہئے۔ ان تینوں موقعوں کے علاوہ اور کسی موقعہ پر رفع یدین کو یہ حضرات صحیح نہیں مانتے۔

⑤ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ

حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ اس حدیث کو آنحضرت ﷺ تک پہنچی ہوئی نقل کرتے تھے (یعنی وہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی طرح کیا ہے)۔" (بخاریؒ)

رفع یدین کے مسئلہ میں حنفیہ کی مستدل احادیث و آثار

⑥ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت مالک ابن حویرثؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے کہ انہیں کانوں کی سیدھ تک لے جاتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر اسی طرح کرتے تھے (یعنی دونوں ہاتھ کانوں کی سیدھ تک لے جاتے تھے) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں کے اوپر کی جانب لے جاتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین یعنی ہاتھوں کو اٹھانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ تمام علماء وائمہ اس بات پر متفق ہیں۔ کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا چاہئے۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع پر رفع یدین کا مسئلہ حنفیہ و شوافع کے درمیان ایک معرکۃ الآراء مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا چاہئے اور شوافع کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین کرنا چاہئے۔

حق تو یہ ہے کہ دونوں طرف دلائل کے انبار ہیں اور احادیث و آثار کے ذخائر ہیں جن کی بنیادوں پر طرفین اپنے اپنے مسلک کی عمارت کھڑی کرتے ہیں۔ علماء حنفیہ نے تمام احادیث میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ان حضرات کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی تو رفع یدین کرتے ہوں اور کبھی نہ کرتے ہوں، یا یہ کہ پہلے تو آپ ﷺ رفع یدین کرتے تھے لیکن بعد میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع کے لئے رفع یدین منسوخ قرار دے دیا گیا۔

حنفیہ کے پاس اپنے مسلک کی تائید میں بہت زیادہ احادیث و آثار ہیں انہیں یہاں ذکر کیا جاتا ہے تاکہ حنفی مسلک پوری طرح واضح ہو جائے۔

امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں دو باب قائم کئے ہیں۔ پہلا باب تو رکوع کے وقت رفع یدین کا ہے۔ اس کے ضمن میں امام ترمذی نے ابن عمرؓ کی حدیث نقل کی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ دوسرا باب یہ ہے کہ "ہاتھ اٹھانا صرف نماز کی ابتداء کے وقت دیکھا گیا ہے" اس باب کے ضمن میں امام ترمذی نے حضرت علقمہ کی وہ حدیث جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "حضرت ابن مسعودؓ نے اپنے رفقاء سے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نماز ادا کرتا ہوں" چنانچہ ابن مسعودؓ نے نماز ادا کی اور انہوں نے صرف پہلی مرتبہ ہی (یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت) ہاتھ اٹھائے۔ اسی باب میں امام ترمذیؒ نے براء بن عازبؓ سے بھی اسی طرح منقول ہونا ثابت کیا ہے۔ نیز امام موصوف نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حسن ہے اور صحابہ و تابعین میں سے اکثر اہل علم اس کے قائل ہیں اور سفیان ثوری و اہل کوفہ کا قول بھی یہی ہے۔

جامع الاصول میں حضرت ابن مسعودؓ کی حدث کو ابی داؤدؒ ونسائی کے حوالہ سے اور براء ابن عازب کی حدیث کو بھی ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا" میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز شروع فرماتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کے وقت) دونوں ہاتھ اپنے دونوں مونڈھوں کے قریب تک اٹھاتے تھے اور ایسا دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ "پھر دوبارہ ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تھے۔"

اس موقع پر اتنی سی بات اور سنتے چلئے کہ اس حدیث کے بارہ میں ابوداؤد نے جو یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک صحیح نہ ہونے سے مراد یہ ہو کہ اس خاص سند وطریق سے صحیح ثابت نہیں ہے لہٰذا ایک خاص سند وطریق سے صحیح ثابت نہ ہونا اصل حدیث کی صحت پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتا۔ یا پھر یہ احتمال ہے کہ ابوداؤدؒ کا مقصد اس حدیث کو حسن ثابت کرنا ہو جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے لہٰذا اس صورت میں کہا جائے گا تمام ائمہ ومحدثین کے نزدیک حدیث حسن قابل استدلال ہوتی ہے۔

حضرت امام محمدؒ اپنی کتاب "مؤطا" میں حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت کو جس سے رکوع اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین ثابت ہوتا ہے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔ یہ سُنّت ہے کہ ہر مرتبہ جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر کہی جائے لیکن رفع یدین سوائے ایک مرتبہ یعنی تحریمہ کے وقت دوسرے مواقع پر نہ ہو اور یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور اس سلسلہ میں بہت زیادہ آثار وارد ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد عاصم ابن کلیب خرمی کی ایک روایت جسے عاصم نے اپنے والد مکرم سے جو حضرت علیؓ کے تابعین میں سے ہیں روایت نقل کی ہے کہ "حضرت علی کرم اللہ وجہہ سوائے تکبیر اولی کے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔"

عبدالعزیزؒ ابن حکیم کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ "میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا وہ ابتداء نماز میں پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے علاوہ اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔"

مجاہدؒ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے چنانچہ وہ صرف تکبیر اولی میں رفع یدین کرتے تھے۔ اسودؒ سے منقول ہے کہ "میں نے حضرت عمر ابن خطابؓ کو دیکھا کہ وہ صرف تکبیر اولی میں رفع یدین کرتے تھے۔"

لہٰذا۔ جب حضرت عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، اور حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابہ جو آنحضرت ﷺ سے نہایت قرب رکھتے تھے ترک رفع یدین پر عمل کرتے تھے تو وہ عمل جو اس کے برخلاف ہے قبول کرنے کے سلسلہ میں اولی اور بہتر نہیں ہو گا۔

شرح ابن ہمام میں ایک روایت دار قطنیؒ اور ابن عدیؒ سے نقل کی گئی ہے جسے انہوں نے محمد ابن جابرؒ سے انہوں نے حمادؒ ابن سلیمان سے انہوں نے ابراہیمؒ سے انہوں نے علقمہؒ سے اور انہوں نے عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ عبداللہؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ہمراہ نماز پڑھی ہے چنانچہ انہوں نے سوائے تکبیر اولی کے اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کیا۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ مکہ کے دارالخیاطین میں جمع ہوئے۔ امام اوزاعیؒ نے امام صاحبؒ سے پوچھا کہ آپ ﷺ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ حضرت امام صاحب نے جواب دیا اس لئے کہ آقائے نامدار ﷺ سے اس سلسلہ میں کچھ صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے! امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ، مجھے زہریؒ نے حضرت سالمؒ کی یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے اپنے والد حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ "آنحضرت ﷺ تکبیر اولی کے وقت، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔" حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ مجھ سے حمادؒ نے ان سے ابراہیمؒ نے اور ان سے علقمہؒ اور اسودؒ نے اور ان دونوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ "آنحضرت ﷺ صرف ابتداء نماز میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور دوبارہ ایسا نہیں کرتے تھے۔" یہ روایت سن کر امام اوزاعیؒ نے کہا

کہ میں نے تو زہریؒ سے نقل کیا اور انہوں نے سالمؒ سے اور انہوں نے اپنے باپ حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے اور آپ اس کے مقابلہ میں حمادؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابراہیمؒ سے اور انہوں نے علقمہؒ سے نقل کیا ہے یعنی میری بیان کردہ سند آپ کی بیان کردہ سند سے عالی اور افضل ہے۔

حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا کہ "اگر یہی بات ہے تو پھر سنو کہ حمادؒ، زہریؒ سے زیادہ فقیہ ہیں اور ابراہیمؒ سالمؒ سے زیادہ فقیہ ہیں اور اسی طرح علقمہؒ بھی حضرت ابن عمرؓ کے مقابلہ میں فقہ میں کم نہیں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کی رفاقت و صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ نیز اسودؒ کو بھی بہت زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اور عبداللہ تو خود عبداللہ ہیں۔ یعنی عبداللہ ابن مسعودؓ کی تعریف و توصیف کیا کی جائے کہ علم فقہ میں اپنی عظمت شان اور آنحضرت ﷺ کی رفاقت و صحبت کی سعادت و شرف کی وجہ سے مشہور ہیں۔"

گویا۔ امام اوزاعی نے تو اسناد کے عالی ہونے کی حیثیت سے حدیث کو ترجیح دی اور حضرت امام اعظمؒ نے راویان حدیث کے فقیہ ہونے کے اعتبار سے حدیث کو ترجیح دی۔ چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کا اصول یہی ہے کہ وہ فقیہ راویوں کو غیر فقیہ راویوں پر ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

نہایہ شرح ہدایہ میں "عبداللہ ابن زبیرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جو رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کر رہا تھا، انہوں نے اس شخص سے کہا کہ ایسا مت کرو کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے پہلے اختیار کیا تھا اور بعد میں اسے ترک کر دیا یعنی ان مواقع پر رفع یدین کا حکم پہلے تھا اب منسوخ ہو گیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی رفع یدین کیا اور جب آنحضرت ﷺ نے اسے ترک کر دیا تو ہم نے بھی ترک کر دیا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "عشرہ مبشرہ (یعنی وہ دس خوش نصیب صحابہ جن کو آنحضرت ﷺ نے ان کی زندگی ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی) صرف ابتداء نماز ہی میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔"

حضرت مجاہدؒ حضرت ابن عمرؓ کا معمول نقل کرتے ہیں کہ "میں نے حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے سالہا سال نماز ادا کی ہے مگر میں نے ان کو سوائے ابتداء نماز کے اور کسی موقع پر رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ حالانکہ حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت گزر چکی ہے۔ جس سے تینوں مواقع پر رفع یدین کا اثبات ہوتا ہے اور جو شوافع کی سب سے اہم دلیل ہے۔ لہٰذا اصول حدیث کا چونکہ قاعدہ ہے کہ راوی کا عمل اگر خود اس کی روایت کے خلاف ہو تو روایت پر عمل نہیں کیا جاتا اس لئے حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت ساقط العمل قرار دی جائے گی۔

بہر حال۔ ان روایات و آثار سے معلوم ہوا کہ رفع یدین دونوں کے اثبات میں احادیث و آثار وارد ہیں اور صحابہ کی ایک جماعت خصوصاً حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور ان کے تابعین رفع یدین نہ کرنے ہی کے حق میں ہیں۔ لہٰذا۔ ان تمام موافق و مخالف احادیث کا محمول یہی ہو سکتا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ آنحضرت ﷺ سے اوقات مختلفہ میں دونوں طریقے وجود میں آئے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے علم فقہ اور ان کی اسناد کا نقطۂ منتہا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور ان کے تابعین کی ذات گرامی ہے اور چونکہ ان کا رجحان عدم رفع یدین کی طرف ہے اس لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ترک رفع یدین کے مسلک ہی کو اختیار کیا ہے اور اب تمام حنفیہ اسی مسلک کے حامی اور اس مسلک پر عامل ہیں۔

علمائے حنفیہ صرف اسی قدر نہیں کہتے بلکہ ان حضرات کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر رفع یدین کا حکم منسوخ ہے کیونکہ جب حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد یہ ترک رفع یدین ہی اختیار کرتے تھے باوجودیکہ رفع یدین کی

حدیث کے راوی یہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے تو رفع یدین کا حکم رہا ہوگا مگر بعد میں یہ حکم باوجود کثرت احادیث و آثار کے منسوخ ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل اپنی کتاب شرح سفر السعادۃ میں نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔ ان کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک رفع یدین اور عدم رفع یدین دونوں ہی سُنّت ہیں مگر رفع یدین نہ کرنا ہی اولی اور راجح ہے البتہ دیگر علماء حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ رفع یدین کا حکم اور طریقہ منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

جلسۂ استراحت کا مسئلہ

⑦ وَعَنْهُ اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت مالک ابن حویرثؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے چنانچہ آپ ﷺ جب اپنی نماز کی طاق رکعت (یعنی پہلی یا تیسری) میں ہوتے تو جب تک سیدھے بیٹھ نہ لیتے اٹھتے نہ تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھتے اور پہلی یا تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو پہلے بیٹھتے تھے اس کے بعد اگلی رکعت کے لئے اٹھتے تھے اسی کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے۔

جلسۂ استراحت سُنّت ہے یا نہیں؟: حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جلسۂ استراحت سُنّت ہے اور اس کا طریقہ وہی ہے جو پہلے قعدہ میں بیٹھنے کا ہے۔ نیز یہ کہ بیٹھنے کے بعد دونوں ہاتھوں سے زمین کا سہارا لے کر اٹھنا چاہئے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا مختار قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جلسۂ استراحت کرنا چونکہ کبرسنی اور ضعف کی وجہ سے تھا اس لئے جس شخص کو جلسۂ استراحت کی حاجت نہ ہو اس کے لئے یہ سُنّت نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی مستدل یہی حدیث ہے اور حضرت امام اعظمؒ کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے جس کو ترمذیؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ "آنحضرت ﷺ (پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے) پشت قدم پر یعنی بغیر بیٹھے ہوئے اٹھتے تھے" اگرچہ اس حدیث کے بعض طرق ضعیف ہیں لیکن حدیث صحیح الاصل ہے۔

حضرت ابن ابی شیبہ، حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں کہ "وہ اپنے پشت قدم پر بغیر بیٹھے ہوئے اٹھتے تھے" نیز انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کے بارہ میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور حضرت نعمان ابن ابی عیاش کے بارہ میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "میں نے بہت سے صحابہؓ کو دیکھا ہے کہ وہ جب پہلی اور تیسری رکعت میں سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو جس حالت میں ہوتے تھے اسی حالت میں بغیر بیٹھے ہوئے اٹھ جاتے تھے۔

بہر حال۔ اس سلسلہ میں بہت زیادہ احادیث و آثار وارد ہیں اور جو احادیث اس کے برعکس وارد ہیں ان کا محمول کبرسنی اور ضعف ہے جیسا کہ اس حدیث کے بارہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کبرسنی اور ضعف کی وجہ سے جلسۂ استراحت اختیار فرماتے تھے۔

تکبیر تحریمہ کے بعد دونوں ہاتھ کہاں اور کس طرح رکھنے چاہئیں

⑧ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهٖ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَرْكَعَ اَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا وَكَبَّرَ فَرَكَعَ فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت وائلؓ ابن حجرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہی پھر ہاتھ کپڑے کے اندر کر لئے اور داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا۔ پھر جب رکوع میں جانے کا ارادہ کیا تو دونوں ہاتھ کپڑے سے نکال کر ان کو اٹھایا اور تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے گئے اور جب (رکوع سے اٹھتے وقت) سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو (اس وقت بھی) ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے درمیان کیا (یعنی اپنا سر مبارک دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا۔"

(مسلمؒ)

تشریح: بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے بعد اپنے دونوں دست مبارک چادر میں ڈھانک لئے اور نیت باندھ لی مگر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے چادر میں ہاتھ نہیں ڈھانکے بلکہ اپنی آستینوں میں چھپا لئے۔ بہرحال علماء لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کپڑوں میں جو چھپائے تھے تو اس کی وجہ غالباً سردی کی شدت ہوگی۔

تکبیر تحریمہ کے بعد داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا یوں تو تمام ائمہ کے نزدیک ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن حضرت امام مالکؒ کے نزدیک چھوڑے رکھنا اولیٰ ہے اور باندھنا بھی جائز ہے۔

اس بارہ میں ائمہ کے یہاں اختلاف ہے کہ ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا چاہئے اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سینے کے قریب یعنی ناف کے اوپر باندھنے چاہئیں۔ دونوں حضرات کے مطابق حدیثیں وارد ہیں چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں حکم یہی ہے کہ جہاں چاہے ہاتھ باندھ لیا جائے درست ہوگا لیکن اتنی بات جان لینی چاہئے کہ اس مسئلہ میں کوئی خاص طریقہ چونکہ احادیث کے ذریعہ متعین نہیں تھا یعنی نہ تو ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کا طریقہ خاص طور پر ثابت ہے اور نہ ناف کے نیچے بلکہ دونوں طریقہ احادیث کے ذریعہ ثابت ہیں تو حضرت امام اعظمؒ نے ان دونوں صورتوں میں اس صورت کو اختیار کیا جو ادب اور تعظیم کے سلسلہ میں مقرر و متعارف ہے اور وہ ناف کے نیچے باندھنا ہے کیونکہ انتہائی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کے موقع پر ہاتھ ناف کے نیچے ہی باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر کہنے اور رفع یدین کے وقت ہاتھوں کو کپڑے کے اندر سے نکال لینا چاہئے۔

⑨ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلَاةِ۔

(رواہ البخاری)

"اور حضرت سہل ابن سعدؓ فرماتے ہیں کہ "لوگوں کو حکم کیا جاتا تھا کہ نمازی کو نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنا چاہئے۔"

(بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ احکم الحاکمین اور پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہونے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ ادب و احترام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے بلکہ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ کھڑا رہے جس کا طریقہ یہ ہو کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے رکھا رہے اور سر جھکا رہے جیسا کہ بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔

⑩ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِيْ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتّٰى

لہ حضرت وائل بن حجر حضرمی ہیں۔ حضر موت کے شمار کردہ رئیسوں میں سے ہیں۔ جب یہ اپنے قبیلے کی طرف سے ایلچی بن کر آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھادی اور ان کو اس پر بٹھایا۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کیا۔ علقمہ اور عبدالجبار ان کے صاحبزادے ہیں۔

يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوْسِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہونے کے وقت تکبیر تحریمہ کہتے پھر رکوع میں جانے کے وقت تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع سے اپنی پشت اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے پھر کھڑے ہی کھڑے "ربنالک الحمد" کہتے پھر جب (سجدہ کے لئے) جھکتے تو تکبیر کہتے اور (سجدہ سے) سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے۔ پھر نماز پوری کرنے تک ساری نماز میں یہی کرتے تھے اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اٹھتے تھے تو تکبیر کہتے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں تکبیر تحریمہ اور رکوع و سجود کے مواقع پر صرف تکبیرات کا ذکر کیا گیا ہے ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

افضل نماز کون سی ہے؟

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّلَاةِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ "سب سے بہتر نماز وہ ہے جس میں قیام طویل ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں طویل قیام کرنا یعنی زیادہ دیر تک کھڑے رہنا اور لمبی سورتیں پڑھنا افضل اور اعلیٰ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے مشقت و محنت زیادہ ہوتی ہے اور جذبہ خدمت و اطاعت کا اظہار ہوتا ہے جو عبادت کی روح ہے۔

نماز میں قیام افضل ہے یا سجود؟: علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ نماز میں آیا قیام افضل ہے یا سجود؟ چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ نماز میں سجود افضل ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قیام ہی افضل ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قیام میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور سجدہ میں تسبیح پڑھی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن تسبیح سے افضل ہے۔ حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

آنحضرت ﷺ کی نماز کا طریقہ

(۱۲) عَنْ اَبِيْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ فِيْ عَشَرَةٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا فَاعْرِضْ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يُكَبِّرُ ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَعْتَدِلُ فَلَا يُصَبِّيْ رَأْسَهُ وَلَا يُقْنِعُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ يَهْوِيْ اِلَى الْاَرْضِ سَاجِدًا فَيُجَافِيْ يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَيَفْتَحُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِيْ مَوْضِعِهٖ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَسْجُدُ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَيَرْفَعُ وَيَثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ اِلٰى مَوْضِعِهٖ ثُمَّ يَنْهَضُ ثُمَّ يَصْنَعُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ثُمَّ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِيْ بَقِيَّةِ صَلَاتِهٖ حَتّٰى اِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِيْ فِيْهَا التَّسْلِيْمُ اَخْرَجَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوْا صَدَقْتَ هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّيْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ مَعْنَاهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوٗدَ مِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ حُمَيْدٍ ثُمَّ

رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ كَاَنَّهٗ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا وَوَتَّرَ يَدَيْهِ فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ وَقَالَ ثُمَّ سَجَدَ فَاَمْكَنَ اَنْفَهٗ وَجَبْهَتَهُ الْاَرْضَ وَنَحّٰى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ فَخِذَيْهِ غَيْرَ حَامِلٍ بَطْنَهٗ عَلٰى شَيْءٍ مِنْ فَخِذَيْهِ حَتّٰى فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنٰى عَلٰى قِبْلَتِهٖ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَكَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهٖ يَعْنِي السَّبَّابَةَ وَفِي اُخْرٰى لَهٗ وَاِذَا قَعَدَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَعَدَ عَلٰى بَطْنِ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى وَاِذَا كَانَ فِي الرَّابِعَةِ اَفْضٰى بِوَرْكِهِ الْيُسْرٰى اِلَى الْاَرْضِ وَاَخْرَجَ قَدَمَيْهِ مِنْ نَاحِيَةٍ وَاحِدَةٍ۔

"حضرت ابوحمید ساعدیؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کے دس صحابہؓ کی جماعت سے کہا کہ میں رسول خدا ﷺ کی نماز (کے طریقہ) کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں صحابہ کی جماعت نے کہا کہ اچھا بیان کیجئے۔" انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر مونڈھوں کے برابر لے جاتے اور تکبیر کہتے پھر قرأت کرتے۔ اس کے بعد تکبیر کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے اور رکوع میں جا کر دونوں ہتھیلیاں اپنے گھٹنے پر رکھتے اور کمر سیدھی کر لیتے اور سر کو نہ نیچا کرتے تھے اور نہ بلند کرتے تھے (یعنی پیٹھ اور سر برابر رکھتے تھے) پھر سر اٹھاتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے اور سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے زمین کی طرف جھکتے اور سجدہ کرتے اور (سجدہ میں) اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے اور اپنے پیروں کی انگلیوں کو موڑ کر (ان کے رخ قبلہ کی طرف) رکھتے تھے پھر سجدہ سے سر اٹھاتے اور بایاں پیر موڑ کر (یعنی بچھا کر) اس پر سیدھے بیٹھ جاتے تھے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ پر برابر آجاتا تھا۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے (دوسرے) سجدہ میں چلے جاتے اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے (سجدہ سے) اٹھتے اور بایاں پیر موڑ کر اس اطمینان سے بیٹھتے (یعنی جلسۂ استراحت کرتے) یہاں تک کہ بدن کا ہر عضو اپنی جگہ پر آجاتا تھا پھر دوسری رکعت میں بھی (سوائے ابتداء رکعت میں سبحانک اللھم اور اعوذ باللہ) پڑھنے کے اسی طرح کرتے تھے۔ اور جب دو رکعت پڑھنے (یعنی تشہد) کے بعد کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے جیسے کہ نماز کو شروع کرنے کے وقت تکبیر کہتے تھے پھر باقی نماز اسی طرح پڑھتے تھے اور جب وہ سجدہ (یعنی آخری رکعت کا دوسرا سجدہ) کر چکتے جس کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے تو اپنا بایاں پیر باہر نکالتے اور بائیں طرف کولھے پر بیٹھ جاتے اور پھر (تشہد وغیرہ پڑھنے کے بعد) سلام پھیرتے تھے۔ (یہ سن کر) وہ سب صحابہ بولے کہ "بے شک تم نے سچ کہا آنحضرت ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔" (ابوداؤدؒ، دارمیؒ) ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو بالمعنی نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوداؤدؒ کی ایک روایت جو ابوحمیدؓ سے مروی ہے۔ یہ الفاظ ہیں "پھر رکوع میں جا کر دونوں ہاتھ زانو پر اس طرح رکھے جیسے انہیں مضبوطی سے پکڑے ہوں اور اپنے ہاتھوں کو (کمان کے) چلہ کی طرح رکھا اور کہنیوں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے دور رکھا (گویا کہ) کہنیاں چلہ کے مشابہ تھیں اور پہلو کمان کے مشابہ "اور راوی کہتے ہیں کہ "پھر سجدہ میں گئے تو اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھا اور ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا رکھا اور دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کی سیدھ میں اور دونوں رانوں کو کشادہ رکھا اور اپنے پیٹ کو دونوں سے الگ رکھا یہاں تک کہ سجدہ سے فارغ ہوئے اور پھر اس طرح بیٹھے کہ بایاں پیر تو بچھا لیا اور داہنے پیر کی پشت قبلہ کی طرف کی اور داہنا ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھ لیا اور (اشھد ان لا الہ الا اللہ کہنے کے وقت) اپنی انگلی یعنی سبابہ سے اشارہ کیا۔ اور ابوداؤدؒ ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھتے تو بائیں پیر کے تلوے پر بیٹھتے اور دائیں پیر کو کھڑا کر لیتے تھے اور جب چوتھی رکعت پڑھ کر بیٹھتے تو بائیں کولھے کو زمین سے ملاتے اور دونوں پاؤں کو ایک طرف نکال دیتے تھے۔"

تشریح: انا اعلمکم بصلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے طریقہ کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں) ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی خاص مصلحت و ضرورت کی بناء پر بغیر کسی غرور و تکبر اور نفسانیت کے

اظہار حقیقت کے طور پر اپنے علم کی زیادتی کا دعوی کرے تو جائز ہے۔

تکبیر تحریمہ سے پہلے ہاتھ اٹھانے چاہئیں: حدیث کے الفاظ رفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ ثم یکبر سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے رفع یدین کرتے اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہتے چنانچہ امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہی جائے۔

سجدہ کی تکمیل زمین پر ناک اور پیشانی دونوں رکھنے سے ہوتی ہے: فامکن انفہ وجبھتہ الارض سے معلوم ہوا کہ سجدہ پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر رکھ کر کرنا چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ مستقل طور پر سجدہ اسی طرح کرتے تھے اور احادیث بھی اسی کے موافق وارد ہیں لہٰذا سجدہ مکمّل تو جب ہی ہوتا ہے کہ ناک اور پیشانی دونوں کو زمین پر رکھا جائے۔ اگر کسی مجبوری اور عذر کی بناء پر سجدہ میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو زمین پر نہیں رکھا تو مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر بغیر کسی عذر اور مجبوری کے ایسا کیا تو اس میں یہ صورت ہوگی کہ اگر زمین پر پیشانی رکھی ہے ناک نہیں رکھی تو یہ متفقہ طور پر جائز ہوگا البتہ سجدہ مکروہ ہوگا اور اگر پیشانی نہیں رکھی بلکہ ناک رکھی تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ بھی بکراہت جائز ہے مگر حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

سبابہ کی تحقیق: سبابہ شہادت کی انگلی کو کہتے ہیں۔ "سب" کے لغوی معنی گالی کے ہیں ایام جاہلیت میں اہل عرب جب کسی کو گالی دیتے تھے اس انگلی کو اٹھاتے تھے اس مناسبت سے اس انگلی کا نام اسی وقت سے سبابہ رائج ہو گیا پھر بعد میں اس انگلی کا اسلامی نام مسبحہ اور سباحہ ہو گیا کیونکہ تسبیح و توحید کے وقت اس انگلی کو اٹھاتے ہیں۔

بہر حال۔ حدیث کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے التحیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت اس انگلی سے اس طرح اشارہ کیا کہ نفی یعنی اشھد ان لا الہ کہتے وقت انگلی اٹھائی اور اثبات یعنی الا اللہ کہتے وقت انگلی رکھ دی۔

تکبیر تحریمہ اور ہاتھ اٹھانے کا طریقہ

⑬ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهُ اَبْصَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذٰى اِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ يَرْفَعُ لَهُ اِبْهَامَيْهِ اِلٰى شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ۔

"اور حضرت وائل ابن حجرؓ راوی ہیں کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے کہ مونڈھوں کے برابر پہنچ گئے اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں تک لے گئے پھر تکبیر کہی۔ (ابوداؤدؒ) اور ابوداؤدؒ ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ آپ ﷺ انگوٹھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے تھے۔"

تشریح: یہ حدیث بھی حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کی تائید کر رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہتے تھے اور انگوٹھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے تھے۔

ہاتھ باندھنے کا طریقہ

⑭ وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَاْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ۔

(رواه الترمذی وابن ماجہ)

"حضرت قبیصہ ابن ہلبؒ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ ہم لوگوں کو نماز پڑھاتے تو (قیام میں) اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تعدیل ارکان کی تعلیم

⑮ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَصَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعِدْ صَلَاتَکَ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ عَلِّمْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ اُصَلِّیْ قَالَ اِذَا تَوَجَّھْتَ اِلَی الْقِبْلَةِ فَکَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَمَا شَآءَ اللّٰہُ اَنْ تَقْرَأَ فَاِذَا رَکَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَیْکَ عَلٰی رُکْبَتَیْکَ وَمَکِّنْ رُکُوْعَکَ وَامْدُدْ ظَھْرَکَ فَاِذَا رَفَعْتَ فَاَقِمْ صُلْبَکَ وَارْفَعْ رَاْسَکَ حَتّٰی تَرْجِعَ الْعِظَامُ اِلٰی مَفَاصِلِھَا فَاِذَا سَجَدْتَ فَمَکِّنَ السُّجُوْدَ فَاِذَا رَفَعْتَ فَاجْلِسْ عَلٰی فَخِذِکَ الْیُسْرٰی ثُمَّ اصْنَعْ ذٰلِکَ فِیْ کُلِّ رَکْعَةٍ وَسَجْدَةٍ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ ھٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ وَرَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ مَعَ تَغْیِیْرٍ یَسِیْرٍ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ مَعْنَاہُ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِلتِّرْمِذِیِّ قَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلَاةِ فَتَوَضَّأْ کَمَا اَمَرَکَ اللّٰہُ بِہٖ ثُمَّ تَشَھَّدْ فَاَقِمْ فَاِنْ کَانَ مَعَکَ قُرْاٰنٌ فَاقْرَأْ وَاِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰہَ وَکَبِّرْہُ وَھَلِّلْہُ ثُمَّ ارْکَعْ۔

"اور حضرت رفاعہ ابن رافعؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور نماز پڑھی، پھر آقائے نامدار ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے (سلام کا جواب دے کر) فرمایا کہ۔ "اپنی نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی" اس شخص نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ! آپ ﷺ مجھے نماز پڑھنے کا طریقہ بتا دیجئے کہ نماز کس طرح پڑھوں؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم قبلہ کی طرف متوجہ ہو تو اللہ اکبر (یعنی تکبیر تحریمہ) کہو پھر سورۂ فاتحہ اور جو کچھ خدا چاہے پڑھو (یعنی سورۃ فاتحہ کے ساتھ جو سورت چاہو پڑھو) اور جب تم رکوع میں جاؤ تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے زانوؤں پر رکھو رکوع میں (اطمینان سے) قائم رہو اور اپنی پشت کو ہموار رکھو اور جب تم (رکوع سے) سر اٹھاؤ تو اپنی پشت کو سیدھا کرو اور سر اٹھاؤ (یعنی بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ) یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنی اپنی جگہ آجائیں اور جب سجدہ کرو تو اچھی طرح سجدہ کرو اور جب تم سجدہ سے سر اٹھاؤ تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ جاؤ پھر اسی طرح ہر ایک رکوع و سجدہ میں کرو، یہاں تک کہ رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ) گویا ہر ایک رکن کی صحیح ادائیگی پر تمہیں اطمینان ہو جائے۔ حدیث کے یہ الفاظ مصابیح کے ہیں اور ابوداؤدؒ نے اسے تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ نقل کیا ہے نیز ترمذیؒ اور نسائی نے بھی اس روایت کو بالمعنی نقل کیا ہے اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اس طرح وضو کرو جیسا کہ خدا نے تمہیں حکم دیا ہے پھر کلمۂ شہادت پڑھو (جیسا کہ وارد ہے کہ وضو کے بعد کلمۂ شہادت پڑھنا بڑی فضیلت کی بات ہے یا یہ کہ کلمۂ شہادت سے مراد اذان ہے) پھر اچھی طرح نماز ادا کرو (یا فاقم کا مطلب یہ ہے کہ تکبیر کہو) اور قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہو اس کو پڑھو اور کچھ یاد نہ ہو تو الحمد للہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہو۔ پھر رکوع کرو۔"

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس شخص کو قرآن کی کوئی سورۃ و آیت یاد نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ قرأت کی جگہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھ لیا کرے۔ چنانچہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کا وقت آنے تک قرآن کی کم سے کم اتنی آیتیں جس کا پڑھنا نماز میں فرض ہے یاد کر لے۔ اگر اس عرصہ میں اسے کچھ بھی یاد نہ ہو سکے تو وہ قرأت کی جگہ ذکر اور تسبیح و تہلیل کر لیا کرے اس کی نماز ادا ہو جائے گی۔

نماز کے بعد دعا مانگنی چاہئے

⑯ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةُ مَثْنٰی مَثْنٰی تَشَھُّدٌ فِیْ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ وَتَخَشُّعٌ وَّتَضَرُّعٌ وَّتَمَسْکُنٌ ثُمَّ تُقْنِعُ یَدَیْکَ یَقُوْلُ تَرْفَعُھُمَا اِلٰی رَبِّکَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُوْنِھِمَا وَجْھَکَ وَتَقُوْلُ یَارَبِّ یَارَبِّ وَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ فَھُوَ کَذَا وَکَذَا وَفِیْ رِوَایَةٍ فَھُوَ خِدَاجٌ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت فضل ابن عباسؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ (نفل) نماز دو رکعت ہے اور ہر دو رکعت میں التحیات ہے اور

(نماز کی روح) خشوع، عاجزی اور اظہار غریبی ہے پھر (نماز پڑھنے کے بعد) اپنے پروردگار کی طرف دونوں ہاتھ اٹھاؤ، (حضرت فضل کہتے ہیں کہ ثم تقنع یدیک سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ نماز پڑھنے کے بعد تم) اپنے پروردگار کی طرف اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھاؤ کہ ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیاں منہ کی جانب ہوں (جو دعا کا طریقہ ہے) اور یہ کہو کہ "اے میرے رب! اے میرے رب!" اور جو شخص ایسا نہ کرے (یعنی مذکورہ بالا طریقہ پر عمل نہ کرے اور دعا نہ مانگے) تو اس کی نماز ایسی ہے، ویسی ہے (یعنی ناقص ہے) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ، اس کی نماز ناقص ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث سے تین چیزوں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ یعنی پہلی چیز تو یہ ہے کہ نفل نماز دو رکعت پڑھی جائے خواہ دن ہو یا رات۔ یعنی ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا جائے چار رکعتوں کے بعد سلام نہ پھیرا جائے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ نے اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہا ہے کہ نفل نماز دو دو رکعت کر کے ہی پڑھنا افضل ہے۔

حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ چاہے رات ہو چاہے دن، نفل نماز چار چار رکعتیں کر کے پڑھنا ہی افضل ہے، حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک رات میں دو دو اور دن میں چار چار رکعتیں کر کے پڑھنا افضل ہے۔

حضرت امام شافعی کی دلیل تو یہی حدیث ہے۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے تراویح پر قیاس کرتے ہوئے یہ حکم دیا ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اپنی دلیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ عشاء کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے، نیز ظہر کی نماز میں آپ ﷺ سے چار رکعتیں پڑھنا ثابت ہے۔ پھر اس کے علاوہ ایک چیز یہ بھی ہے کہ چار چار رکعت پڑھنے میں تحریمہ کے اندر زیادہ دیر تک رہنے کی وجہ سے زیادہ مشقت و محنت برداشت کرنی پڑتی ہے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ جس عبادت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے وہ افضل ہوتی ہے۔ امام اعظمؒ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد الصلوۃ مثنی مثنی کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ نفل نماز طاق نہیں ہے بلکہ اولی درجہ دو رکعتیں ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ نماز کی روح اور نماز کی معراج خشوع و تضرع اور اظہار عاجزی ہے، بندہ نماز کے اندر جس قدر خشوع کرے گا تضرع سے کام لے گا اور پروردگار کے سامنے کھڑا ہو کر اس کی بڑائی و عظمت اور اپنی انتہائی بے چارگی و محتاجگی کا اظہار کرے گا نماز اسی قدر مقبولیت کے درجات کو پہنچے گی۔ خشوع کا مطلب یہ ہے کہ باطن میں بندہ اپنے عجز کا احساس کرے، اپنے نفس کو عاجزی و انکساری کے راستہ پر لگائے رہے گویا خشوع عجز باطنی کا نام ہے اور تضرع کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ظاہری طور پر اپنے ہر ہر عمل اور ہر ہر زاویہ سے اپنے عجز و انکساری کا اظہار کرے گویا تضرع عجز ظاہری کا نام ہے۔

تیسری چیز یہ کہ نماز کے بعد دعا مانگنی چاہئے۔ یعنی جب بندہ خدا کے دربار میں حاضری دے اور نماز پڑھ کر اپنی عبودیت و فرمانبرداری کا اظہار کر دے تو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ نماز کے بعد خدا کی درگاہ میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھادے اور اپنی محتاجگی و لاچارگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی دینی و دنیوی بھلائی میں خدا کی مدد و نصرت کا طلب گار ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

امام تکبیرات باآواز بلند کہے

⑰ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُعَلّٰى قَالَ صَلّٰى لَنَا اَبُوْسَعِيْدِ الْخُدْرِيُّ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَحِيْنَ سَجَدَ وَحِيْنَ رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت سعید ابن حارث ابن معلی کہتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے ہمیں نماز پڑھائی چنانچہ جب انہوں نے سجدہ سے اپنا سر اٹھایا

اور جب سجدہ میں گئے نیز جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھے تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو اسی طرح (باآواز بلند تکبیرات کہتے) دیکھا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ امام کو چاہئے کہ وہ درمیان نماز تمام تکبیرات باآواز بلند کہے۔ یہاں صرف ان تینوں موقعوں کی تکبیرات کا ذکر یا تو اتفاقاً کیا گیا ہے یا پھر کچھ لوگوں نے ان اوقات کی تکبیرات کا انکار کیا ہوگا اس لئے راوی نے صرف انہیں تکبیرات کو ذکر کیا۔ ویسے اسمٰعیل کی روایت میں بقیہ تکبیرات کا ذکر بھی موجود ہے چنانچہ ان کی روایت کے ابتداء میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ "حضرت ابوہریرہؓ بیمار ہوگئے تھے یا کہیں چلے گئے تھے تو (ان کی عدم موجودگی میں) حضرت ابوسعیدؓ نے نماز پڑھائی چنانچہ انہوں نے نماز شروع ہونے اور رکوع میں جانے کے وقت تکبیرات باآواز بلند کہیں" اس کے بعد بقیہ حدیث بیان کی گئی ہے۔

(۱۸) وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِيْنَ تَكْبِيْرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ اَحْمَقُ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ سُنَّةُ اَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عکرمہ[1] فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ایک بوڑھے شخص (یعنی حضرت ابوہریرہؓ) کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے نماز میں بائیس (مرتبہ) تکبیرات کہیں چنانچہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ (معلوم ایسا ہوتا ہے کہ) یہ شخص احمق ہے (جو اتنی زیادہ تکبیریں کہتا ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "تیری ماں تجھے روئے یہ طریقہ تو حضرت ابوالقاسم محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: چار رکعتوں میں مع تکبیر تحریمہ کے بائیس تکبیرات ہوتی ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں مروان اور بنی امیہ نے نماز میں تکبیریں باآواز بلند کہنی چھوڑ دی تھیں اس لئے جب حضرت ابوہریرہؓ نے تکبیرات باآواز بلند کہیں تو حضرت عکرمہؒ کو سخت تعجب ہوا۔

(۱۹) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ مُرْسَلًا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الصَّلَاةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمْ تَزَلْ تِلْكَ صَلَاتُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت علی بن حسین بطریق مرسل روایت فرماتے ہیں کہ۔ آقائے نامدار ﷺ نماز میں جب جھکتے (یعنی رکوع و سجود میں جاتے) اور جب (قومہ، جلسہ اور قیام کے وقت) اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ آپ ﷺ ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ملاقات فرمائی (یعنی وفات پائی)۔" (مالکؒ)

رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے

(۲۰) وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَعَ تَكْبِيْرِ الْاِفْتِتَاحِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ اَبُوْدَاوُدَ لَيْسَ هُوَ بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى۔

"اور حضرت علقمہؒ راوی ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ہم سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں آقائے نامدار ﷺ کی سی نماز نہ پڑھاؤں؟ چنانچہ ابن مسعودؓ نے ہمیں (آنحضرت ﷺ کے طریقے کے مطابق) نماز پڑھائی اور صرف تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے۔ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ) اور ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث اس طرح صحیح نہیں ہے۔"

تشریح: امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں رفع یدین کے مسئلہ سے متعلق دو باب قائم کئے ہیں۔ ایک باب تو رفع یدین کے اثبات میں اور دوسرا باب عدم رفع یدین کے اثبات میں۔ اسی دوسرے باب میں امام موصوف نے یہ حدیث نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلہ میں

---

[1] آپ حضرت عبداللہ بن عباس کے آزاد کردہ غلام تھے نام عکرمہ اور کنیت ابوعبداللہ تھی ۱۰۵ھ میں بعمر ۸۰ سال آپ کا انتقال ہوا۔

براء ابن عازب سے بھی حدیث منقول ہے اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حسن ہے اس کے تابع صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت ہے۔ نیز سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کا مسلک بھی اسی حدیث کے مطابق ہے۔
البتہ امام موصوف نے پہلے باب میں عبداللہ ابن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رفع یدین کی حدیث ثابت ہے اور عدم رفع یدین کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کی حدیث جو حنفیہ کی مستدل ہے ثابت نہیں ہے۔
بہر حال اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حنفیہ کے مسلک عدم رفع یدین کے اثبات میں اس حدیث کے علاوہ اور بہت احادیث و آثار وارد ہیں جن کو پہلے ذکر بھی کیا جا چکا ہے۔

(۲۱) وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَقَالَ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوحمید الساعدیؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو (پہلے) قبلہ کی طرف متوجہ ہوتے (پھر) دونوں ہاتھ اٹھاتے اور (اس کے بعد) اللہ اکبر کہتے۔" (ابن ماجہؒ)

آنحضرت ﷺ کا اپنے پیچھے کی چیزوں کا معجزہ کے طور پر دیکھنا

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظُّھْرَ وَفِیْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ رَجُلٌ فَاَسَاءَ الصَّلَاۃَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَافُلَانُ اَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ اَلَا تَرٰی کَیْفَ تُصَلِّیْ اِنَّکُمْ تَرَوْنَ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَلَیَّ شَیْءٌ مِّمَّا تَصْنَعُوْنَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے (ایک مرتبہ) ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ آخر صف میں ایک شخص کھڑا تھا جس نے ٹھیک طرح نماز نہیں پڑھی۔ جب اس شخص نے سلام پھیرا تو آنحضرت ﷺ نے اسے آواز دے فرمایا کہ، اے فلاں! کیا اللہ بزرگ و برتر سے نہیں ڈرتے؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے نماز کس طرح پڑھی ہے؟ تم تو یہ جانتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو مجھے معلوم نہیں ہوتا حالانکہ خدا کی قسم جس طرح میں اپنے سامنے کی چیزیں دیکھتا ہوں اسی طرح اپنے پیچھے کی چیزیں بھی دیکھ لیتا ہوں۔" (احمدؒ)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم ﷺ کو اس دنیا میں شریعت حق دے کر مبعوث فرمایا تو جہاں آپ ﷺ کی رسالت و نبوت کے دلائل و شواہد میں بہت ساری چیزیں دیں وہیں آپ ﷺ کو کچھ معجزات بھی عنایت فرمائے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کے ذہن و فکر پر آنحضرت ﷺ کی عظمت و برتری اور آپ ﷺ کی سچائی و صداقت عیاں ہو سکے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ ﷺ جس طرح اپنے سامنے اور آگے کی چیزوں کو دیکھ لیتے تھے ایسے ہی اپنے پیچھے کی چیزوں کو بھی دیکھنے پر قادر تھے اور یہ دیکھنا خرق عادت یعنی معجزہ کے طور پر ہوتا تھا جس کی راہنمائی وحی الہام کے ذریعہ ہوتی تھی۔
مگر اتنی بات یاد رکھ لیجئے کہ اس معجزہ سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ آپ ﷺ کو علم غیب حاصل تھا کیونکہ اول تو یہ بتایا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ خصوصیت صرف معجزہ کے طور پر حاصل تھی۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ اس وصف پر از خود قادر نہ تھے بلکہ اس سلسلہ میں وحی الہام کے ذریعہ آپ ﷺ کی رہنمائی کی جاتی تھی۔ پھر یہ کہ آپ ﷺ کو یہ وصف ہمیشہ حاصل نہیں رہتا تھا بلکہ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا تھا۔ اگر آپ ﷺ کو علم غیب حاصل ہوتا تو نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ وحی و الہام کی راہنمائی کے بغیر از خود اس وصف پر قادر ہوتے بلکہ یہ وصف آپ ﷺ کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتا چنانچہ اس کی تائید خود ایک روایت سے ہوتی ہے کہ:

"غزوہ تبوک کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کہیں غائب ہو گئی، جب بہت زیادہ تلاش کے بعد بھی اس کا کہیں پتہ نہ چلا تو منافقین نے کہنا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) تو یہ کہتے ہیں کہ میں آسمان کی باتیں تم تک پہنچاتا ہوں تو کیا وہ اتنا بھی نہیں جان سکتے کہ ان کی اونٹنی کہاں

ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "خدا کی قسم! میں تو صرف انہیں چیزوں کو جان سکتا ہوں جن کے بارہ میں میرا خدا مجھے علم دے! اور اب میرے خدا نے مجھے (بتادیا اور) دکھادیا ہے کہ میری اونٹنی فلاں جگہ ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں اٹکی ہوئی ہے۔"

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ "میں انسان ہوں، میں تو (اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر) یہ بھی نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے؟۔

شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کی ترجمانی اس طرح کی ہے ۔

گہے برطارم اعلیٰ نشینم گہے برپشت پائے خود نہ بینم

بہرحال۔ آنحضرت ﷺ کی حالت نماز آپ ﷺ کی دوسری حالتوں کے مقابلہ میں زیادہ افضل و اعلیٰ ہوتی تھی اس لئے دوسرے مواقع کی بہ نسبت آپ ﷺ پر حالت نماز میں کائنات کی چیزوں کی حقیقت و معرفت کامل طور پر واضح و ظاہر ہوتی تھی۔ پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ کا نماز میں خدا کے سامنے حاضر ہونا اور متوجہ الی اللہ ہونے کے یہ معنی نہیں تھے کہ آپ ﷺ کائنات سے بیخبر ہوجاتے تھے بلکہ نماز کی حالت میں آپ ﷺ اشیاء کائنات سے پوری پوری طرح باخبر رہتے تھے اور آپ ﷺ کا احساس و شعور پوری قوت سے اشیاء عالم کا ادراک کرتا تھا، چنانچہ خدا کے وہ نیک و فرمانبردار بندے بھی جو ریاضت و مجاہدہ اور تعلق مع اللہ کی بناء پر کاملین کے درجہ میں ہوتے ہیں حالت نماز میں کائنات کی اشیاء سے باخبر رہتے ہیں۔ اگر ایک طرف ان کے قلوب بارگاہ خداوندی میں پوری طرح حاضر رہتے ہیں تو دوسری طرف ان کے احساس و شعور دنیا کی چیزوں سے بھی مطلع رہتے ہیں اسی وجہ سے مشائخ کہتے ہیں کہ نماز مقام کشف و حضور ہے نہ محل غیبت اور استغراق!۔

بعض حضرات نے ان تمام مباحث سے ہٹ کر یہ بھی کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دو سوراخ تھے جن کے ذریعہ آپ ﷺ پیچھے کی جانب دیکھتے تھے۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہے بلکہ کسی ذہن کی افتراع محض ہے۔

بَابُ مَا يَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ

تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جانے والی چیزوں کا بیان

نماز کے شروع میں جن دعاؤں اور اذکار کا پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً انی وجھت الخ یا سبحانک اللھم الخ یا ان کے علاوہ دیگر دعائیں ان سب کو یا بعض کو فرائض و نوافل میں پڑھنا امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے، امام اعظمؒ، امام مالکؒ، اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ صرف سبحانک اللھم الخ پڑھا جائے اور اس کے علاوہ جو دعائیں ثابت ہیں وہ سب نوافل پر محمول ہیں یعنی آنحضرت ﷺ ان دعاؤں کو نفلوں میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک سبحانک اللھم الخ اور انی وجھت الخ دونوں دعاؤں کو پڑھنا چاہئے۔ امام طحاویؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ان دونوں دعاؤں کی ترتیب میں نمازی کو اختیار ہے خواہ وہ پہلے سبحانک اللھم پڑھے یا انی وجھت کو پہلے پڑھ لے ویسے مشہور یہی ہے کہ انی وجھت، سبحانک اللھم کے بعد پڑھا جائے۔

تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان آنحضرت ﷺ کی دعا

① عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ اِسْكَاتَةً فَقُلْتُ

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْکَاتَکَ بَیْنَ التَّکْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَاءَۃِ مَا تَقُوْلُ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان مکمل خاموشی اختیار کرتے تھے (یعنی باآواز بلند نہ پڑھتے تھے) چنانچہ میں نے (ایک دن) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ (ﷺ) تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان خاموش رہتے ہوئے کیا پڑھا کرتے ہیں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا "میں یہ (دعا) پڑھا کرتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ "اے اللہ! مجھ میں اور میرے گناہوں میں اتنا بعد پیدا کر دے جیسا کہ تو نے مشرق و مغرب کے درمیان بعد پیدا کر رکھا ہے (یعنی میرے گناہوں کو کمال بخشش عطا کر) اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جیسے سفید کپڑے سے میل دور کیا جاتا ہے (یعنی مجھے گناہوں سے کمال پاکی عطا کر) اے اللہ! میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: دعا کے آخر جملہ (اے اللہ میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال) سے یہ مراد ہے کہ الٰہ العالمین! میرے گناہوں کو اپنے فضل و کرم کے مختلف طریقوں سے بخش دے۔ "گویا یہاں بخشش میں مبالغہ مقصود ہے نہ کہ حقیقۃً ان چیزوں سے گناہوں کو دھونا۔"

آنحضرت ﷺ کس کس موقع پر کون کون سی دعائیں پڑھتے تھے

(۴) وَعَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ کَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاۃَ کَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُکَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَاھْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا یَھْدِیْ لِاَحْسَنِھَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَھَا لَا یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَھَا اِلَّا اَنْتَ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْکَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ اَنَا بِکَ وَاِلَیْکَ تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ وَاِذَا رَکَعَ قَالَ اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَکَ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَمُخِّیْ وَعَظْمِیْ وَعَصَبِیْ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ قَالَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْئٍ بَعْدُ وَاِذَا سَجَدَ قَالَ اَللّٰھُمَّ لَکَ سَجَدْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ وَصَوَّرَہٗ وَشَقَّ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ تَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ثُمَّ یَکُوْنُ مِنْ اٰخِرِ مَا یَقُوْلُہٗ بَیْنَ التَّشَھُّدِ وَالتَّسْلِیْمِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِلشَّافِعِیِّ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ وَالْمَھْدِیُّ مَنْ ھَدَیْتَ اَنَا بِکَ وَاِلَیْکَ لَا مَنْجَا مِنْکَ وَلَا مَلْجَاَ اِلَّا اِلَیْکَ تَبَارَکْتَ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ، جب نماز شروع کرتے تو (پہلے) تکبیر (تحریمہ) کہتے۔ پھر یہ دعا پڑھتے۔ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ المَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْتَ رَبِّي وَ اَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِي جَمِيْعًا اِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَ اهْدِنِي لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَ اصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ وَ الْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَ الشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ اَنَابِكَ وَ اِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَ تَعَالَيْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے درحالیکہ میں حق کی طرف متوجہ ہونے والا اور دین باطل سے بیزار ہوں اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو شرک کرتے ہیں، میری نماز، میری عبادت میری زندگی اور میری موت خدا ہی کے لئے ہے جو دونوں جہانوں کا پروردگار ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم کیا گیا ہے اور میں مسلمانوں (یعنی فرمانبرداروں) میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا ہی بندہ ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں (چونکہ تو نے فرمایا ہے کہ جو بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف و اقرار کرتا ہوا میری بارگاہ میں آئے میں اسے بخش دوں گا) لہٰذا تو میرے تمام گناہوں کو بخش دے کیونکہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں بخش سکتا اور بہترین اخلاق کی طرف میری راہنمائی کر۔ کیونکہ بجز تیرے اور کوئی بہترین اخلاق کی طرف راہنمائی نہیں کر سکتا اور بدترین اخلاق کو مجھ سے دور کر دے کیونکہ بجز تیرے اور کوئی بد اخلاقی سے مجھے نہیں بچا سکتا۔ میں تیری خدمت میں حاضر ہوں اور تیرا حکم بجالانے پر تیار ہوں۔ تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور برائی تیری جانب منسوب نہیں کی جاتی، میں تیرے ہی سبب سے ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں تو بابرکت ہے اور اس بات سے بلند ہے (کہ تیری ذات وصفات کی حقیقت وکنہ تک کسی عقل کی رسائی ہو سکے) میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے ہی سامنے توبہ کرتا ہوں۔" اور جب آپ ﷺ رکوع میں جاتے تو یہ (دعا) پڑھتے۔ اَللّٰھُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَ بِكَ اٰمَنْتُ وَ لَكَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَ بَصَرِيْ وَ مُخِّيْ وَ عَظْمِيْ وَ عَصَبِيْ "اے اللہ! میں نے تیرے ہی لئے رکوع کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیرے ہی لئے اسلام لایا اور میری سماعت، میری بینائی، میرا ذہن میری ہڈی اور میرے پٹھے تیرے ہی لئے جھکے ہوئے ہیں۔" اور جب (رکوع سے) سر اٹھاتے تو یہ (دعا) پڑھتے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْاَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ مِلْاَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ "اے اللہ! رب ہمارے! تیرے ہی لئے حمد ہے آسمانوں اور زمینوں کے برابر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کے برابر اور اس چیز کے برابر جو بعد کو تو پیدا کرے یعنی آسمانوں اور زمین وغیرہ کے بعد اور جو معدوم چیزیں پیدا کرنا چاہے۔" اور جب سجدہ میں جاتے تو یہ (دعا) پڑھتے۔ اَللّٰھُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَ بِكَ اٰمَنْتُ وَ لَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَ صَوَّرَهٗ وَ شَقَّ سَمْعَهٗ وَ بَصَرَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ "اے اللہ! میں نے تیرے لئے سجدہ کیا، تجھ پر ایمان لایا اور تیرے ہی لئے اسلام سے بہرہ ور ہوا، میرے منہ نے اسی ذات کو سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا اس کو صورت دی، اس کے کان کھولے اور اس کی آنکھ کھولی۔ اللہ بہت بابرکت اور بہترین پیدا کرنے والا ہے۔" اور پھر سب سے آخری دعا جو التحیات اور سلام پھیرنے کے درمیان ہوتی یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَ مَا اَخَّرْتُ وَ مَا اَسْرَرْتُ وَ مَا اَعْلَنْتُ وَ مَا اَسْرَفْتُ وَ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ "اے اللہ! میرے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دے اور ان گناہوں کو بخش دے جو میں نے پوشیدہ اور اعلانیہ کئے ہیں اور (اس) زیادتی کو بخش دے (جو میں نے اعمال اور مال خرچ کرنے میں کی ہیں) اور ان گناہوں کو بھی بخش دے جن کا علم مجھ سے زیادہ تجھ کو ہے اور تو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے عزت و مرتبہ میں آگے کرنے والا اور جس کو چاہے پیچھے ڈالنے والا ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔" (مسلمؒ) اور امام شافعی کی روایت میں (پہلی دعا میں فی یدیک) کے بعد یہ الفاظ ہیں۔ وَ الشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ وَ الْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ اَنَابِكَ وَ اِلَيْكَ لَا مَنْجَا مِنْكَ وَ لَا مَلْجَاَ اِلَّا اِلَيْكَ تَبَارَكْتَ "یعنی برائی تیری طرف منسوب نہیں ہے اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو تو نے ہدایت بخشی اور میں تیری ہی قوت کے ذریعہ ہوں اور تیری طرف رجوع کرنے والا ہوں۔ نہیں ہے نجات (اور بے پروائی) تیری ذات سے اور نہیں ہے پناہ مگر تیری طرف اور تو ہی بابرکت ہے۔"

تشریح: وَالشَّرُّ لَیْسَ..... اِلَیْکَ (یعنی برائی تیری طرف منسوب نہیں ہے) کا مطلب یہ ہے کہ ازراہ ادب و تعظیم برائی کی نسبت تیری طرف نہیں کی جاتی اگرچہ برائی و بھلائی کا خالق تو ہی ہے اگر تو نے ایک طرف بھلائی کو پیدا کیا ہے تو دوسری طرف برائی کی بھی تخلیق کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے برائی کو پیدا کیا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ اگر کوئی قباحت و برائی ہے تو وہ بندہ کے ارتکاب میں ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ یعنی میں مخلوق کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ کے معنی یہ ہیں کہ برائی وہ چیز ہے جو تیرے تقرب اور تیری خوشنودی کے حصول کا ذریعہ نہیں ہے۔ یا یہ کہ برائی تیری طرف صعود نہیں کرتی یعنی تیری بارگاہ میں قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ بھلائی کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ یعنی (اس پروردگار) کی طرف نیک و پاکیزہ باتیں صعود کرتی ہیں یعنی مقبولیت کا درجہ پاتی ہیں)۔

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ فَدَخَلَ الصَّفَّ وَقَدْ حَفَزَهُ النَّفَسُ فَقَالَ اللّٰهُ اَکْبَرُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْهِ فَلَمَّا قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ قَالَ اَیُّکُمُ الْمُتَکَلِّمُ بِالْکَلِمَاتِ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ فَقَالَ اَیُّکُمُ الْمُتَکَلِّمُ بِالْکَلِمَاتِ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ فَقَالَ اَیُّکُمُ الْمُتَکَلِّمُ بِهَا فَاِنَّهُ لَمْ یَقُلْ بَأْسًا فَقَالَ رَجُلٌ جِئْتُ وَقَدْ حَفَزَنِیَ النَّفَسُ فَقُلْتُهُمَا فَقَالَ لَقَدْ رَأَیْتُ اِثْنَیْ عَشَرَ مَلَکًا یَبْتَدِرُوْنَهَا اَیُّهُمْ یَرْفَعُهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص آیا اور نماز کی صف میں شامل ہوگیا۔ اس کا سانس چڑھا ہوا تھا اس نے کہا اللّٰہ اکبر، الحمدللّٰہ حمدًا طیبًا مبارکًا فیه (یعنی اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں ایسی تعریفیں جو بہت زیادہ پاکیزہ اور بابرکت ہیں) جب آنحضرت ﷺ نماز پڑھ چکے تو پوچھا کہ تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے تھے؟ سب لوگ (جو نماز میں حاضر تھے اس خوف سے کہ شاید ہم سے کوئی خطا سرزد ہوگئی ہے جس کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار ہے) خاموش رہے، آپ نے پھر فرمایا کہ تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے تھے؟ پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا، آپ ﷺ نے پھر (تیسری مرتبہ) فرمایا کہ، تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے تھے (اور خوف نہ کرو کیونکہ) جس نے یہ کلمات کہے ہیں اس نے کوئی بری بات نہیں کہی ہے۔" ایک شخص نے عرض کیا" یارسول اللہ! جب میں آیا تو میرا سانس چڑھا ہوا تھا میں نے ہی یہ کلمات کہے تھے۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "میں نے دیکھا کہ بارہ فرشتے جلدی کررہے تھے کہ ان کلموں کو (پروردگار کی بارگاہ میں) پہلے کون لے جائے۔" (مسلم)

تشریح: اس شخص نے آنحضرت ﷺ کے استفسار پر جو یہ کہا کہ جب میں آیا تو میرا سانس چڑھا ہوا تھا اور میں نے یہ کلمات کہے تھے تو اس کا یہ کہنا بیان حقیقت اور اظہار واقعہ کے طور پر تھا۔ ان کلمات کے کہنے کے سلسلہ میں کسی عذر کا بیان کرنا مقصود نہیں تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعا

(۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَارِثَةَ وَقَدْ تُکُلِّمَ فِیْهِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهٖ۔

"حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز شروع کرتے تو (تکبیر تحریمہ کے بعد) یہ پڑھا کرتے تھے۔ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ اے اللہ تو پاک ہے اور ہم تیری پاکی تیری تعریف کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند و برتر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ حدیث ترمذیؒ اور ابوداؤد نے نقل کی ہے نیز ابن ماجہؒ نے (بھی) اس روایت کو ابوسعید سے نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ہم سوائے (بواسطہ) حارثہ راوی کے نہیں جانتے اور اس میں قوت حافظہ کے فقدان کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔"

تشریح: علامہ طیبی شافعیؒ نے اس حدیث کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن مشہور ہے اور اس حدیث پر خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر فاروقؓ نے عمل کیا ہے نیز یہ حدیث مسلم میں بھی منقول ہے۔ اس موقعہ پر علامہ موصوف نے اس حدیث کی تقویت کے بارہ میں بہت لمبی چوڑی بحث کی ہے جسے اہل علم و نظر ان کی کتاب میں دیکھ سکتے ہیں۔

⑤ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّهُ رَأَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاةً قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ثَلَاثًا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَذَكَرَ فِيْ اٰخِرِهٖ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَقَالَ عُمَرُ نَفْخُهُ الْكِبْرُ وَنَفْثُهُ الشِّعْرُ وَهَمْزُهُ الْمُوْتَةُ۔

"اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے چنانچہ آپ (تکبیر تحریمہ کے بعد، کہتے تھے اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (یعنی اللہ بہت بڑا و برتر ہے، اللہ بہت بڑا و برتر ہے، اللہ بہت بڑا و برتر ہے۔ اللہ کے واسطے بہت تعریف ہے۔ اللہ کے واسطے بہت تعریف ہے اور پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی صبح و شام، تین مرتبہ یعنی پہلے کلمات کی طرح وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا کو بھی تین مرتبہ کہتے تھے اور پھر اس کے بعد یہ کہتے تھے) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ (یعنی میں شیطان کے تکبر، اس کے شعروں اور اس کے وسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں، اس حدیث کو ابوداؤدؒ اور ابن ماجہؒ نے نقل کیا ہے البتہ ابن ماجہ نے وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا ذکر نہیں کیا ہے اور آخر میں مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ذکر کیا ہے۔

نیز حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ شیطان کے نفخ سے تکبر، اس کے نفث سے شعر اور اس کے ہمز سے جنون مراد ہے۔"

تشریح: "نفخ شیطان" سے مراد تکبر و خود پسندی ہے جس میں شیطان آدمی کو اس طرح پھنساتا ہے کہ اس کو خود اس کی نظر میں اس حیثیت سے دکھاتا ہے کہ وہ آدمی اپنے آپ کو اچھا اور اعلیٰ سمجھ کر تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اس طرح شیطان آدمی سے تکبر کا ارتکاب کراتا ہے۔ گویا نفخ شیطان کا مطلب یہ ہوا کہ شیطان آدمی میں تکبر کی لہر پھونک دیتا ہے۔

نفث سے جس کے معنی دم کرنے یعنی پھونکنے کے ہیں سحر مراد لیا گیا ہے جو شیطان آدمی پر کرتا ہے یا آدمی سے کسی دوسرے پہ کراتا ہے یہ معنی ارشاد ربانی وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ کی مناسبت سے زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں نَفّٰثٰتِ سے مراد سحر کرنے والی عورتیں ہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ "نفثت" سے مراد غیر سنجیدہ اور برے مضمون کے اشعار ہیں جنہیں شیطان آدمی کے تخیل میں ڈالتا ہے اور پھر انہیں اس کی زبان سے صادر کراتا ہے جیسے برے منتر یا وہ غلط اشعار جن میں مسلمانوں کی ہجو اور کفر و فسق کے الفاظ ہوتے ہیں۔

"ہمز" سے مراد غیبت کرنا اور لعن و طعن کرنا ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ہمز شیطان سے اس کا وسوسہ مراد ہے جیسا کہ اس آیت اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ میں ہمزات سے مراد شیطان کے وسوسے لئے گئے ہیں۔

بہر حال یہ معانی اسی وقت مراد لئے جائیں گے جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ حدیث میں حضرت عمرؓ سے ان تینوں الفاظ کی جو توضیح نقل کی گئی ہے وہ حضرت عمرؓ کا قول نہیں ہے بلکہ کسی راوی کا ہے۔ اگر یہ توضیح صحیح طور پر حضرت عمرؓ سے ثابت ہو تو پھر وہی معنی مراد ہوں گے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہیں ان کے علاوہ دوسرے معنی مراد نہیں لئے جائیں گے۔

آنحضرت ﷺ نماز میں دو جگہ خاموشی اختیار کرتے تھے

⑥ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّهُ حَفِظَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةً اِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَصَدَّقَهُ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ۔ (رواہ ابوداؤد وروی الترمذی وابن ماجۃ والدارمی نحوہ)

"اور حضرت سمرۃ ابن جندبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ سے دو سکتے (یعنی چپ رہنا) یاد رکھے ہیں۔ ایک سکتہ تو تکبیر تحریمہ کہہ لینے کے بعد اور ایک سکتہ آپ ﷺ اس وقت کرتے تھے جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ پڑھ کر فارغ ہوتے تھے۔ "حضرت ابی ابن کعبؓ نے (بھی سمرہ کے) اس قول کی تصدیق کی ہے۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: تکبیر تحریمہ کے بعد خاموشی اختیار کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ اس وقت بآواز بلند نہیں پڑھتے تھے چنانچہ اس موقعہ پر دعائے استفتاح (یعنی سبحانك اللهم الخ) پڑھنے کے لئے خاموشی اختیار کرنا تمام آئمہ کے نزدیک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ دوسری جگہ یعنی سورۂ فاتحہ ختم کرنے کے بعد خاموشی اختیار کرنا حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک سُنّت ہے تاکہ مقتدی اس عرصہ میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیں اور امام کے ساتھ منازعت لازم نہ آئے جو ممنوع ہے حنفیہ اور مالکیہ مسلک میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموشی اختیار کرنا مکروہ ہے۔

⑦ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَلَمْ يَسْكُتْ هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَ ذَكَرَهُ الْحُمَيْدِيُّ فِيْ اَفْرَادِهٖ وَكَذَا صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنْ مُسْلِمٍ وَحْدَهُ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب دوسری رکعت پڑھنے کے بعد اٹھتے تو الحمد للہ رب العالمین شروع کر دیتے تھے اور خاموش نہ رہتے تھے۔ (مسلم) اس روایت کو حمیدی نے اپنی کتاب افراد میں ذکر کیا ہے۔ نیز صاحب جامع الاصول نے بھی اس روایت کو مسلمؒ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: چونکہ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ دوسری رکعت کے بعد دوسرا شفعہ شروع ہونے کے وقت شاید سبحانک اللہم پڑھنے کے لئے خاموشی اختیار کرتے ہوں اس لئے حضرت ابوہریرہؓ نے اس کی وضاحت کر دی کہ جب آپ ﷺ دوسری رکعت کے بعد دوسرے شفعہ کے لئے اٹھتے تھے تو سبحانک اللہم نہیں پڑھتے تھے بلکہ الحمد للہ رب العالمین شروع کر دیتے تھے۔ یہ بھی محتمل ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ جب آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تھے الحمد للہ رب العالمین شروع کر دیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعا

⑧ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَعْمَالِ وَاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَقِنِيْ سَيِّئَ الْاَعْمَالِ وَسَيِّئَ الْاَخْلَاقِ لَا يَقِيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز شروع کرتے تو (پہلے) تکبیر تحریمہ (یعنی اللہ اکبر) کہتے پھر یہ دعا پڑھتے اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَعْمَالِ وَاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَقِنِيْ سَيِّئَ الْاَعْمَالِ وَسَيِّئَ الْاَخْلَاقِ لَا يَقِيْ سَيِّئَهَا اِلَّا

اَنْتَ میری نماز میری عبادت میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) پروردگار عالم ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان (یعنی فرمانبردار) ہوں۔ اے اللہ! نیک اعمال اور حسن اخلاق کی طرف میری راہنمائی کر کیونکہ بہترین اعمال و اخلاق کی طرف تو ہی راہنمائی کر سکتا ہے اور مجھے برے اعمال و بداخلاقی سے بچا کیونکہ برے اعمال و اخلاق سے تو ہی بچا سکتا ہے۔" (نسائیؒ)

تشریح: اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (یعنی میں سب سے پہلا مسلمان ہوں) کی تشریح میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ خصوصیت صرف آنحضرت ﷺ کو ہی حاصل ہے کہ سب سے پہلا اسلام آپ ﷺ کا ہے کیونکہ پیغمبر اپنی اُمت میں سب سے پہلا مسلمان ہوتا ہے چونکہ قرآن میں آنحضرت ﷺ کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ اس طرح کہیں اس لئے آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے یہ بات کہ وہ انا اول المسلمین کہے درست نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا جھوٹ ہوگا، چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں اس طرح کہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن اس سلسلہ میں صحیح یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان الفاظ کو آیت قرآنی کی تلاوت کی نیت سے، نہ کہ اپنی حالت کی خبر دینے کی نیت سے ادا کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اس مسئلہ میں ایک خیال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس جملہ کو "خبر" قرار نہ دے بلکہ اس کا مقصد تجدید ایمان و اسلام کی انشاء اور اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ امراء و سلاطین کے تابعدار لوگ کسی حکم کے صادر ہونے کے وقت کہتے ہیں کہ "جو بھی حکم ہو اس کی اطاعت پہلے جو کرے گا وہ میں ہوں گا۔" گویا اس طرح اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

(۹) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلِمَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ يُصَلِّي تَطَوُّعًا قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ مِثْلَ حَدِيْثِ جَابِرٍ اِلَّا اَنَّهُ قَالَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ثُمَّ يَقْرَأُ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت محمد بن مسلمہؓ کہتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز نفل پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو یہ کہتے اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اللہ بہت بڑا ہے۔ میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے در حالیکہ میں توحید کرنے والا ہوں اور مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ (اس کے بعد راوی نے) حضرت جابرؓ (کی مذکورہ بالا حدیث) کی مانند حدیث بیان کی ہے لیکن محمدؓ نے (وانا اول المسلمین کی جگہ) وانا من المسلمین کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ یہ کہتے ہیں اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ اے اللہ! تو ہی بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے اور تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ اس کے بعد (اعوذ و بسملہ پڑھ کر) قرأت کرتے تھے۔" (نسائی)

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں قراءت کا بیان

کتنی رکعتوں میں قراءت فرض ہے: نماز میں قراءت یعنی قرآن کریم پڑھنا تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر فرض ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنی رکعتوں میں پڑھنا فرض ہے؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پوری نماز میں قراءت فرض ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے ہاں للاکثر حکم الکل (اکثر کل کے حکم میں ہے) کے کلیہ کے مطابق تین رکعت میں فرض ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ حضرت امام احمدؒ کا مسلک قول مشہور ہے کے مطابق امام شافعیؒ کے مسلک کے

موافق ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت زفرؒ کے نزدیک صرف ایک رکعت میں قراءت فرض ہے۔

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا بیان

(۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا)

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے (نماز میں) سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی۔" (بخاریؒ، مسلمؒ) "اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ اور اس کے بعد قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔"

تشریح: مسلمؒ کی آخری روایت کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی کوئی اور سورۃ یا اور کچھ آیتیں پڑھنا بھی ضروری ہے

نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے مسئلہ میں ائمہ کے مسلک: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اگر کوئی شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ چنانچہ اسی حدیث سے امام شافعیؒ نے اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کیونکہ حدیث نے صراحت کے ساتھ ایسے شخص کی نماز کی نفی کی ہے جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔

حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ اس حدیث کے بارہ میں امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں نفی کمال مراد ہے یعنی بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز ادا تو ہو جاتی ہیں مگر مکمل طور پر ادا نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (یعنی قرآن میں سے جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ مطلق قرآن کی کوئی بھی سورۃ یا آیتیں پڑھنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ خود آنحضرت ﷺ نے بھی ایک اعرابی کی نماز کے سلسلہ میں یہ تعلیم فرمائی تھی کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (یعنی تمہارے لئے قرآن میں سے جو کچھ پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو)

بہر حال۔ حنفیہ مسلک کے مطابق نماز میں فرض کہ جس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی قرآن کی ایک آیت یا تین آیتوں کا پڑھنا ہے خواہ سورہ فاتحہ ہو یا دوسری کوئی سورۃ و آیت اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس کے بغیر نماز ناقص ادا ہوتی ہے۔

سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ناقص ادا ہوتی ہے

(۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيْلَ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ اِنَّا نَكُوْنُ وَرَآءَ الْاِمَامِ قَالَ اقْرَأْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ ________ وَاِذَا قَالَ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ فَاِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی وہ نماز ناقص

ہے (آپ ﷺ نے یہ) تین مرتبہ (فرمایا کہ وہ نماز ناقص ہے) حضرت ابوہریرہؓ سے (یہ سن کر) کسی نے پوچھا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں (تو اس وقت بھی پڑھیں؟) انھوں نے کہا کہ (ہاں اگر) اپنے دل میں آہستہ سے پڑھو کہ بس تم ہی سن سکو اس لئے کہ میں آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ میں نے نماز (یعنی سورۂ فاتحہ) اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کی ہے۔ (اس طرح کہ حمد و ثنا تو میرے لئے ہے اور دعا بندے کے لئے) اور بندہ جو کچھ مانگے وہ اسے دیا جائے گا چنانچہ جب بندہ کہتا ہے کہ "الحمدللّٰہ رب العالمین" (یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہاں کا پروردگار ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہے کہ میرے بندہ نے میری تعریف بیان کی، جب بندہ کہتا ہے الرحمٰن الرحیم (یعنی اللہ بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہے "میرے بندہ نے میری ثنا بیان کی، جب بندہ کہتا ہے مٰلک یوم الدین یعنی (اللہ) انصاف (قیامت) کے دن کا حاکم ہے۔ تو پروردگار فرماتا ہے میرے بندہ نے میری تعظیم کا اظہار کیا ہے جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبدو ایاک نستعین یعنی (اے پروردگار!) ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے (یعنی عبادت اللہ کے لئے ہیں اور مدد مانگنا بندہ کے لئے ہے) اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔ جب بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین یعنی (اے پروردگا) ہم کو سیدھے راستہ پر چلا ان لوگوں کے راستے جن پر تیرا فضل و کرم رہا ہے نہ کہ ان کے راستے جن پر تیرا غضب رہا ہے اور نہ گمراہوں کے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یہ میرے بندہ کے لئے ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔" (مسلم)

تشریح: قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی نصفین (میں نے نماز اپنے اور بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کی ہے) میں نماز سے مراد سورہ فاتحہ ہے جیسے کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے مقتدی کو بھی سورۂ فاتحہ پڑھنے کے لئے کہا اور مابعد کی حدیث سے استدلال کیا کہ جب سورۂ فاتحہ ایسی فضیلت ہے تو مقتدی کو بھی سورہ فاتحہ پڑھنا چاہئے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں۔ تین آیتیں یعنی الحمد سے ملک یوم الدین تک تو خالص اللہ تعالےٰ کی مدح و ثنا میں ہیں اور ایک آیت یعنی ایاک نعبدو ایاک نستعین خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہے کہ آدھی آیت یعنی ایاک نعبد میں خدا کی عبادت و بندگی کا قرار ہے اور آدھی آیت یعنی و ایاک نستعین میں بندہ کی جانب سے حاجت کی طلب اور مدد کی درخواست ہے اور بعد کی جو تین آیتیں ہیں صرف بندہ کی دعا پر مشتمل ہیں۔

بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے:

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بسملہ (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) داخل فاتحہ اور اس کا جزء نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے کیونکہ اگر بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزء قرار دے کر بجائے سات کے آٹھ آیتیں شمار کی جائیں تو تقسیم صحیح نہیں ہوگی اور ایک طرف تو ساڑھے چار آیتیں ہو جائیں گی اور ایک طرف ساڑھے تین رہ جائیں گی لہٰذا اس صورت میں نصف نصف تقسیم صحیح نہیں رہے گی۔ نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سورہ فاتحہ کی سات آیتوں میں سے "صراط الذین انعمت علیھم" بھی ایک آیت ہے۔

سورہ فاتحہ کے سلسلہ میں اس باب کی پہلی حدیث کی تشریح کے ضمن میں آئمہ کے مذاہب کو نقل کیا گیا تھا اور حنفی مسلک کی وضاحت کی گئی تھی لیکن اس موقعہ پر یہ بحث کچھ تشنہ رہ گئی تھی اس لئے ہم یہاں کچھ وضاحت کے ساتھ اس بحث کو پیش کرتے ہیں۔

مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟: سورۂ فاتحہ کے سلسلہ میں ائمہ کے یہاں دو بحثیں چلتی ہیں اول تو یہ کہ مطلقاً سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس بحث کی توضیح پہلے کی جا چکی ہے کہ امام شافعی کے نزدیک سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور امام اعظمؒ کے

نزدیک واجب ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ سورہ فاتحہ مقتدی کو پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

حضرت ابوہریرہؓ کے اس قول سے تو یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا چاہئے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ سے صحیح روایت میں منقول ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے خواہ بلند آواز کی نماز ہو یا آہستہ آواز کی۔ اور یہی حضرت امام احمدؒ کا بھی مسلک ہے، امام مالکؒ کے نزدیک فرض نہیں مگر آہستہ آواز کی نماز میں مستحب ہے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف و امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ آہستہ آواز اور بلند آواز دونوں قسم کی نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا مقتدی پر فرض نہیں ہے بلکہ حنفی فقہاء تو اس کو مکروہ تحریمی لکھتے ہیں۔

امام محمدؒ کے مسلک کی تحقیق: ابھی ہم نے اوپر لکھا ہے کہ حضرت امام اعظمؒ اور صاحبین کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے مگر اس سلسلہ میں کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے جس کی بنیاد پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام محمدؒ کا مسلک امام اعظمؒ اور امام ابویوسفؒ سے کچھ مختلف ہے چنانچہ ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اور کچھ دوسرے علماء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ اس کے قائل ہیں کہ آہستہ آواز کی نماز میں مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امام محمدؒ کی طرف اس قول کی نسبت کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کیونکہ امام محمدؒ کی کتابوں سے بالکل صاف طریقہ پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں شیخین یعنی امام اعظمؒ اور امام ابویوسفؒ سے بالکل متفق ہیں۔ چنانچہ امام محمدؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

لا قراۃ خلف الامام فیما جھر فیه و لا فیمالم یجھر بذٰلكَ جاءت عامة الاٰثار و ھو قول ابی حنیفه رحمه اللّٰه تعالٰی۔

"نماز خواہ بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی کسی حال میں بھی امام کے پیچھے قراءت نہیں ہے اسی کے مطابق ہمیں بہت سے احادیث پہنچی ہیں اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔"

نیز امام موصوف نے اپنی دوسری تصنیف کتاب الآثار میں قراءت خلف الامام کے عدم اثبات میں احادیث و آثار کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

وبه ناخذ لا نری القراءۃ خلف الامام شیء من الصلوۃ یجھر فیه او لا یجھر فیه۔

"اور یہی (یعنی عدم قراءت خلف الامام) ہمارا بھی مسلک ہے ہم قراءت خلف الامام کو کسی بھی نماز میں خواہ وہ بلند آواز کی نماز ہو یا آہستہ آواز کی نماز روا نہیں رکھتے۔"

بہرحال مذکورہ بالا مذہب کو دیکھتے ہو یہ بات ظاہر ہوئی کہ سورہ فاتحہ کے سلسلہ میں حنفیہ دو چیزوں کے قائل ہیں۔ اول تو یہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا کسی بھی حال میں فرض نہیں خواہ وہ نماز بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی مقتدی سورہ فاتحہ پڑھتا ہے تو گویا وہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس موقعہ پر ہم صرف اتنی بات صاف کریں گے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض کیوں نہیں ہے اور اس کے دلائل کیا ہیں۔

تو جاننا ہے کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے ان کی سب سے بڑی دلیل اس باب کی پہلی حدیث ہے یعنی لا صلوۃ الا بفاتحة الکتاب ان حضرات کے نزدیک امام کا پڑھنا مقتدی کے حق میں کافی نہیں بلکہ ہر ایک شخص کو بطور خود پڑھنا ضروری ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ امام کا پڑھنا مقتدی کے لئے کافی ہے۔ جب امام نے پڑھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پوری جماعت نے پڑھا، چنانچہ وہ اپنے اس قول کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں من کان له امام فقراءۃ الامام قراءۃ له (یعنی جو شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ تو اس امام کی قراءت اس (مقتدی) کی بھی قراءت سمجھی جائے گی) گو بعض علماء نے اگرچہ اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے۔ مگر

حقیقت میں ان کا کلام صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث بہت سی اسناد سے ثابت ہے جن میں سے بعض اسناد تو اس درجہ کی صحیح و سالم ہیں کہ اس میں کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے کہ مقتدی کو قراءت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ تو سورہ فاتحہ کی اور نہ کسی اور سورۃ کی۔ اس موقع پر یہ احتمال بھی پیدا نہیں کیا جاسکتا کہ شاید اس حدیث کا تعلق بلند آواز کی نماز سے ہو کیونکہ یہ بات بھی صحیح طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد عصر کی نماز کے وقت تھا۔ ، جو آہستہ آواز کی نماز ہے اور جب آہستہ آواز کی نماز میں یہ حکم ہے تو بلند آواز کی نماز میں تو بدرجۂ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔

بسم اللہ باآواز بلند پڑھنا چاہئے یا آہستہ

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَکْرٍ وَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا کَانُوْا یَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوۃَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آقاء نامدار ﷺ ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نماز الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔" (مسلم)

تشریح: بظاہر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز شروع کرتے وقت سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے لیکن سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا تمام ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کیونکہ دوسری احادیث سے بسم اللہ کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے خواہ بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کا جزء مانا جائے جیسا کہ شوافع کہتے ہیں خواہ نہ مانا جائے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں الحمد للہ رب العالمین سے مراد سورہ فاتحہ ہے یعنی آپ ﷺ سورہ فاتحہ سے نماز شروع کرتے تھے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص نے الم پڑھا تو اس سے مراد سورہ بقرہ ہی لی جاتی ہے اور یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ سورۃ کا جزء ہے لہٰذا اس قول سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ ﷺ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔

حنفیہ کی جانب سے اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہاں مطلق نفی مراد نہیں ہے بلکہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ بسم اللہ باآواز بلند نہیں پڑھتے تھے بلکہ آہستہ سے پڑھتے تھے اور باآواز بلند نماز کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے کیونکہ یہ بات پوری صحت کی ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ ، خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بسم اللہ باآواز بلند نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ باآواز بلند پڑھی جانے والی نماز میں بھی آہستہ سے پڑھتے تھے۔

حضرت شیخ ابن ہمامؒ نے بعض حفاظ حدیث (یعنی وہ لوگ جن کو بہت زیادہ احادیث زبانی یاد رہتی تھیں) سے نقل کیا ہے کہ کوئی بھی ایسی حدیث ثابت نہیں ہے جس میں بسم اللہ کا باآواز بلند پڑھنا بصراحت ثابت ہوتا ہو ہاں اگر کوئی ایسی حدیث ثابت بھی ہے کہ جس سے بسم اللہ باآواز بلند پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت سے بسم اللہ باآواز آہستہ پڑھنا بکثرت منقول ہے اور اگر اتفاقی طور پر کسی کے بارہ میں باآواز بلند پڑھنا ثابت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو انہوں نے لوگوں کی تعلیم کے لئے بسم اللہ باآواز بلند پڑھی ہوگی یا پھر یہ ان مقتدیوں کی روایت ہے جو ان کے بالکل قریب نماز میں کھڑے ہوتے تھے کہ اگر وہ، بسم اللہ آہستہ سے بھی پڑھتے تھے تو مقتدی سن لیتے تھے اور اسی کو انہوں نے باآواز بلند پڑھنے سے تعبیر کیا۔

امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں اس مسئلہ سے متعلق دو باب قائم کئے ہیں ایک باب میں تو ان احادیث کو نقل کیا ہے جن سے بسم اللہ باآواز بلند پڑھنا ثابت ہے اور دوسرے باب میں وہ احادیث نقل کی ہیں جو آہستہ آواز سے پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور امام

موصوف نے ترجیح انہیں احادیث کو دی ہے جن سے بآواز آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور کہا ہے کہ اس طرف (یعنی بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے مسلک کے حق میں) اکثر اہل علم مثلاً صحابہ میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور تابعین وغیرہ ہیں۔

آمین کہنے کا حکم

④ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهُ تَاْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ فَاِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهُ وَفِیْ اُخْرٰى لِلْبُخَارِيِّ قَالَ اِذَا اَمَّنَ الْقَارِئُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ فَمَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهُ تَاْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "جب امام (سورہ فاتحہ کی قراءت کے بعد) آمین کہے تو (چونکہ اس وقت فرشتے آمین کہتے ہیں اس لئے) تم بھی آمین کہو۔ کیونکہ جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے۔" (بخاری، مسلم) "ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو کیونکہ جس شخص کا (آمین) کہنا فرشتوں کے (آمین) کہنے سے مل جاتا ہے اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں مسلم کی حدیث کے الفاظ بھی اس کے مثل ہیں۔

اور بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "آپ نے فرمایا جب قرآن کا پڑھنے والا (یعنی) امام یا کوئی بھی مطلقاً پڑھنے والا آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ (اس وقت) فرشتے آمین کہتے ہیں اور جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے تو اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔"

تشریح: آمین کے معنی یہ ہیں کہ "اے اللہ! میری دعا قبول کر!" چنانچہ جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ آمین کہیں۔

آمین کہنے والے فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اعمال کو لکھتے ہیں لیکن بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں ان کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں۔

مقتدی کی نماز کا طریقہ

⑤ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّيْتُمْ فَاَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ اَحَدُكُمْ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ يُجِبْكُمُ اللّٰهُ فَاِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوْا وَارْكَعُوْا فَاِنَّ الْاِمَامَ يَرْكَعُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتِلْكَ بِتِلْكَ قَالَ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ يَسْمَعُ اللّٰهُ لَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَايَةٍ لَهُ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَقَتَادَةَ وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا۔

"اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "جب تم (باجماعت) نماز پڑھو تو (پہلے) اپنی صفوں کو سیدھی کرو پھر (تم میں سے) ایک شخص تمہارا امام بنے، چنانچہ جب وہ امام تکبیر تحریمہ یعنی) اللہ اکبر کہے تو تم (بھی اللہ اکبر) کہو، جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا اور جب امام (رکوع میں جانے کے لئے) اللہ اکبر کہے اور رکوع میں جائے تم بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں چلے جاؤ اور امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے سر اٹھاتا ہے۔ چنانچہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امام کا پہلے سر اٹھانا پہلے رکوع کرنے کا بدلہ ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا "جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو خدا تمہاری تعریف سنتا ہے۔ اور مسلمؒ کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے الفاظ "فتسلک بتلک" یعنی امام سے پہلے سر اٹھانا پہلے رکوع کرنے کا بدلہ ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ امام مقتدی سے پہلے رکوع سے سر اس لئے اٹھاتا ہے تاکہ امام اور مقتدی کے رکوع کی مقدار برابر ہو جائے۔ گویا آپ ﷺ کا یہ ارشاد واضح طور پر یوں ہے کہ "جب امام رکوع میں تم سے پہلے گیا تو گویا اس وقت تمہارے اور امام کی رکوع کی مقدار برابر نہ رہی مگر جب امام نے رکوع سے تم سے پہلے سر اٹھالیا اور تم نے اس کے بعد سر اٹھایا تو گویا تمہاری اس تاخیر سے وہ لمحہ پورا ہو گیا جس میں امام نے رکوع میں جانے میں تم سے پہل کی تھی اور جس طرح تم رکوع میں امام کے بعد گئے اسی طرح رکوع سے اٹھے بھی امام کے بعد ہی لہٰذا امام اور مقتدی دونوں کے رکوع کی مقدار پوری ہو گئی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو مقتدی اللھم ربنا لک الحمد کہیں مگر ایک دوسری روایت میں ربنا ولک الحمد (واؤ کے ساتھ) کے الفاظ مروی ہیں۔ نیز ایک روایت میں اللھم ربنا ولک الحمد بھی مروی ہے۔

یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اس مسئلہ میں مستدل ہے کہ امام رکوع سے اٹھتے ہوئے صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہیں حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک امام، مقتدی اور منفرد تینوں ہی کو یہ دونوں کلمات کہنے چاہئیں صاحبین سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے لیکن اس قید کے ساتھ کہ امام ربنا لک الحمد آہستہ آواز سے کہے۔

منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے شخص کے بارہ میں متفقہ طور پر یہ حکم ہے کہ وہ دونوں کلمات کہے اگرچہ صرف ایک پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اکتفاء ربنا لک الحمد پر کیا جائے۔ دونوں کلمات کہنے کی صورت میں سمع اللہ اٹھتے ہوئے اور ربنا لک الحمد حالت قیام میں کہا جائے۔

حدیث کا آخری جملہ واذاقرأفانصتو (یعنی جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو) حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی دلیل ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا چاہئے قراءت نہ کرنی چاہئے خواہ نماز بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی۔

نماز میں قراءت کا طریقہ

(۶) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِی الظُّهْرِ فِی الْاُوْلَيَيْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ وَفِی الرَّكْعَتَيْنِ الْاُخْرَيَيْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَيُسْمِعُنَا الْاٰيَةَ اَحْيَانًا وَيُطَوِّلُ فِی الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰی مَالَا يُطِيْلُ فِی الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ وَ هٰكَذَا فِی الْعَصْرِ وَهٰكَذَا فِی الصُّبْحِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ ظہر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں (یعنی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورۃ) پڑھتے تھے اور بعد کی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں (بھی) کوئی آیت سنا دیا کرتے تھے اور دوسری رکعت کی بہ نسبت پہلی رکعت کو زیادہ طویل کرتے تھے اسی طرح عصر اور فجر کی نماز میں بھی کرتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ظہر کی نماز میں یوں تو قراءت سری (یعنی آہستہ آواز سے) سے ہوتی ہے اور اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی پڑھتے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بسا اوقات ظہر کی نماز میں کوئی آیت یا سورۃ باآواز بلند بھی پڑھ دیا کرتے تھے اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگ جان لیں کہ سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ یا کوئی آیت بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ یا لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ آپ ﷺ فلاں

سورت کی قراءت کررہے ہیں۔ اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ یہاں ظہر کی تخصیص تقیدی نہیں ہے بلکہ اتفاقی ہے۔ یعنی آپ ﷺ ہر نماز میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

پہلی رکعت کو طویل کرنے کا مسئلہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی رکعت کو دوسری رکعتوں سے زیادہ طویل کرنا چاہئے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت کی بہ نسبت زیادہ طویل کرنا چاہئے۔ حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کا بھی مسلک یہی ہے، ان حضرات نے ظہر، عصر اور صبح کی نمازوں میں پہلی رکعت کو طویل کرنے کے مسئلہ کو احادیث سے ثابت کیا ہے اور مغرب و عشاء کو ان تینوں پر قیاس کیا ہے۔ عبدالرزاقؒ نے اس حدیث کے آخر میں معمرؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ "ہمارا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلی رکعت کو اس لئے طویل کرتے تھے کہ لوگ پہلی رکعت پالیں، امام ابوداؤد اور ابن خزیمہؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک پہلی رکعت کو طویل کرنا صرف فجر کی نماز کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ وقت نیند وغفلت کا ہوتا ہے۔ ورنہ تو دونوں رکعتیں چونکہ استحقاق قراءت میں برابر ہیں۔ اس لئے مقدار قراءت میں بھی برابر ہونی چاہئیں چنانچہ ایک حدیث میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رکعت میں تیس آیتوں کی مقدار قراءت کیا کرتے تھے۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ جس سے پہلی رکعت کو طویل کرنے کا اثبات ہوتا ہے تو یہ اس بات پر محمول ہے کہ چونکہ پہلی رکعت میں دعاکے استفتاح (یعنی سبحانک اللہم اور اعوذباللہ و بسم اللہ پڑھی جاتی ہے اس لئے پہلی رکعت طویل معلوم ہوتی تھی نیز یہ کہ طوالت تین آیتوں سے بھی کم کی مقدار میں ہوتی تھی۔

خلاصہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام محمدؒ کا مسلک احب یعنی اچھا ہے۔

نماز میں آنحضرت ﷺ کے قیام کی مقدار

(۷) وَعَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَتِهِ الٓمٓ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلَاثِيْنَ اٰيَةً وَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الْاُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ وَحَزَرْنَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلٰى قَدْرِ قِيَامِهِ فِي الْاُخْرَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَفِي الْاُخْرَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ۔ (رواه مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی نماز میں آقائے نامدار ﷺ کے قیام (کی مقدار) کا اندازہ کرتے، چنانچہ ہم نے اندازہ کیا کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں الم تنزیل السجدہ پڑھنے کے بقدر قیام کرتے تھے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "ہر رکعت میں تیس آیتیں پڑھنے کے بقدر قیام کرتے تھے اور (ظہر کی) آخری دو رکعتوں میں ہم نے اس سے نصف کا اندازہ کیا۔ اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں ظہر کی آخری دونوں رکعتوں کی بقدر قیام کا اور عصر کی آخری دونوں رکعتوں میں اس کے نصف کی بقدر قیام کا ہم نے اندازہ کیا۔" (مسلم)

تشریح: الم تنزیل السجدہ کے بقدر کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دونوں رکعتوں میں آپ ﷺ کے مجموعی قیام کی مقدار سورہ الم تنزیل السجدہ ہوتی تھی یا اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ ہر رکعت میں الم السجدہ پڑھنے کے بقدر قراءت کرتے تھے اس آخری مطلب کی تائید دوسری روایت بھی کرتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ ہر رکعت میں تیس آیتوں کے بقدر قراءت کرتے تھے اور الم تنزیل السجدہ میں انتیس آیتیں ہیں، اگر پہلے مطلب کو صحیح مانا جائے تو یہ دوسری روایت کے خلاف ہوگا لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ ہر رکعت میں سورہ الم تنزیل السجدہ کی بقدر قراءت کرتے تھے۔

آخری رکعتوں میں قراءت کا مسئلہ: حدیث کے ان الفاظ وحزرنا قیامه في الاخرین یعنی (ظہر) کی آخری دو رکعتوں میں اس سے نصف کا ہم نے اندازہ کیا۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی آخری دونوں رکعتوں میں بھی سورہ فاتحہ کی ساتھ کوئی دوسری سورت جو پہلی دونوں رکعتوں کی سورتوں سے مختصر ہوتی تھی پڑھتے تھے چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک قول جدید کے مطابق یہی ہے لیکن ان کے یہاں فتوے ان کے قول قدیم پر ہے جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

لہٰذا اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فعل سُنّت پر محمول نہیں بلکہ بیان جواز پر محمول ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کبھی کبھی کوئی اور سورہ بھی ملا کر قراءت کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس طرح پڑھنا بھی جائز ہے لیکن اتنی بات جان لینی چاہئے کہ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ آخری دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا ہی سُنّت ہے بلکہ حنفیہ کا کہنا تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سورہ فاتحہ بھی نہ پڑھے بلکہ صرف تسبیح (یعنی سبحان اللہ وغیرہ کہہ لے تو بھی جائز ہے لیکن قراءت افضل ہے، امام نخعیؒ، امام ثوریؒ اور کوفہ کے تمام علماء کا قول بھی یہی ہے۔

محیط میں یہ لکھا کہ اگر کوئی شخص آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بجائے قصداً سکوت اختیار کرے تو یہ خلاف سُنّت ہونے کی وجہ سے ایک غلط فعل ہوگا۔ حسن بن زیادؒ نے حضرت امام اعظمؒ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں قراءت کرنا واجب ہے۔ ابن شیبہ نے حضرت علیؓ اور حضرت مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلی دونوں رکعتوں میں قراءت کرو اور آخری دونوں رکعتوں میں تسبیح پر اکتفاء کرو" اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ بھی پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا" اور یہی صحیح بھی ہے کیونکہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ بھی پڑھ لے تو سجدہ سہواً واجب نہیں ہوگا اور یہی صحیح بھی ہے کیونکہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا سُنّت ہے اور کسی دوسری سورت کا ترک کرنا واجب نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ سجدہ سہو کسی واجب کو چھوڑ دینے یا واجب پر عمل نہ کرنے ہی کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے"

حضرت امام احمدؒ کے ہاں اولی اور صحیح یہ ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورۃ کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ آخری دونوں رکعتوں میں کبھی کبھی سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورۃ یا کچھ آیتیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے لیکن سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورۃ کا نہ پڑھنا ہی مستحب ہے۔

ظہر کی نماز کی قراءت

⑧ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمِ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذٰلِكَ وَفِي الصُّبْحِ اَطْوَلَ مِنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ ظہر کی نماز میں سورہ واللیل اذا یغشی پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سورۃ سبح اسم ربک الاعلی پڑھا کرتے تھے اور عصر کی نماز میں بھی اسی قدر (کوئی آیت یا سورۃ) پڑھتے تھے اور صبح کی نماز میں اس سے لمبی قراءت کرتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: جس طرح دیگر احادیث میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ فلاں نماز میں فلاں سورۃ پڑھتے تھے اور اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ وہ سورۃ پہلی رکعت میں پڑھتے تھے یا دوسری میں۔ یا ایک رکعت میں بغیر پہلی دوسری کے تعین کے پڑھتے تھے۔ اس طرح اس حدیث میں بھی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز میں سورہ واللیل اذا یغشی کس رکعت میں پڑھتے تھے آیا پہلی

رکعت میں یا دوسری میں؟

اس سلسلہ میں دو ہی احتمال ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ آپ ﷺ ایک ہی سورۃ کو دونوں رکعتوں میں پڑھتے تھے یا یہ کہ ایک سورۃ کا کچھ حصہ تو پہلی رکعت میں پڑھتے تھے اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں (پہلے احتمال میں تکرار لازم آئے گا اور دوسرے میں تبعیض (یعنی کسی ایک سورۃ کا کچھ حصہ پہلی رکعت میں اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں پڑھنا لازم آئے گا، اور یہ دونوں یعنی تکرار و تبعیض غیر اولی ہیں اگرچہ جائز ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ سے تکرار تبعیض ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک رکعت میں پوری سورۃ پڑھنا اگرچہ وہ چھوٹی ہو افضل ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک رکعت میں کسی سورۃ کا کچھ حصہ پڑھا جائے اگرچہ وہ سورت طویل ہو۔ ہاں اس مسئلہ میں تراویح مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں تو پورا قرآن سارے مہینہ میں ختم کرنا افضل ہے لہٰذا ان سے دونوں احتمالات اور ان میں پیدا شدہ اشکالات کو دیکھتے ہوئے کوئی ایسا تیسرا احتمال پیدا کیا جائے گا جو حدیث کے منشاء کے مطابق اور اس سے مناسب ہو اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ مذکورہ سورۃ کے علاوہ کوئی دوسری سورۃ بھی پڑھتے تھے خواہ پہلی رکعت میں پڑھتے ہوں یا دوسری میں۔

مغرب کی نماز کی قراءت

(۹) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔"

(بخاریؒ، مسلمؒ)

فقہاء کی جانب سے نمازوں میں تعیّن قراءت کی دلیل

(۱۰) وَعَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت اُمّ فضل بنت حارثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ مرسلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: یہ احادیث اور وہ حدیث جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ مغرب کی نماز میں سورہ اعراف، سورہ انفال اور سورہ دخان پڑھتے تھے یا اسی قسم کی دوسری احادیث سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نمازوں میں کسی خاص اور متعیّن سورۃ کا پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ نمازی کی آسانی و سہولت پر موقوف ہے کہ وہ جس نماز میں جو بھی سورۃ چاہے پڑھ سکتا ہے۔ فقہا جو یہ لکھتے ہیں کہ فجر و ظہر میں طوال مفصل، عصر و عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا چاہئے تو ان کے تعیّن قراءت کی اصلی دلیل یہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے ایک خط لکھا تھا اس میں یہ مذکورہ تفصیل لکھی تھی اس کے مطابق نمازوں میں قراءت کا اس طرح تعیّن قرار پایا۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ اقدس میں طول و قصر کے سلسلہ میں قراءت کا مسئلہ اختلاف احوال و اوقات اور مصلحت جواز کے ساتھ مختلف تھا پھر بعد میں حضرت عمرؓ کے اس مکتوب گرامی کی روشنی میں قراءت کا ایک نہج اور اصول مقرر کیا گیا جس کو فقہاء کی اصطلاح[1] میں طوال مفصل، اور اوساط مفصل اور قصار مفصل کا نام دیا گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت عمر فاروقؓ کو کوئی دلیل براہ راست آنحضرت ﷺ کے کسی قول و فعل سے ہاتھ لگی ہو اور

---

[1] "طوال مفصل" سورہ حجرات سے سورۃ والسماء ذات البروج تک اور "اوساط مفصل" سورہ و السماء ذات البروج سے سورہ لم یکن تک اور "قصار مفصل" سورہ لم یکن کے بعد سے سورہ الناس تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے ۱۲۔

آنحضرت ﷺ اسی طریقہ کے مطابق کبھی کبھی قراءت کرتے ہوں جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا ہے اور کبھی کبھی اس کے برعکس آپ ﷺ کا وہی معمول رہتا ہو جو ان احادیث میں مذکور ہے۔ بہرحال ہم تو سمجھتے ہیں کہ فقہاء کے مقرر کردہ اس اصول کے لئے حضرت عمرؓ کا یہ قول ہی دلیل کے لئے کافی ہے؟

فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ فَصَلّٰى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتٰى قَوْمَهُ فَأَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى وَحْدَهُ وَانْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهُ نَافَقْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَاٰتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَاُخْبِرَنَّهُ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَاِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهُ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مُعَاذٍ فَقَالَ يَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر آتے اور پھر اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتے تھے چنانچہ (ایک دن) انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ عشاء کی نماز پڑھی اور پھر آکر اپنی قوم کی امامت کی اور (نماز میں) سورہ بقرہ شروع کردی (جب قراءت طویل ہوئی تو) ایک شخص سلام پھیر کر جماعت سے نکل آیا اور تنہا نماز پڑھ کر چلا گیا لوگوں نے (جب یہ دیکھا تو اس سے کہا کہ "فلانے! کیا تو منافق ہو گیا ہے (کیونکہ جماعت سے جان بچا کر نکل بھاگنا تو منافقوں ہی کا کام ہے) اس نے کہا "نہیں خدا کی قسم (میں منافق نہیں ہوا ہوں) میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حقیقت حال بیان کروں گا" چنانچہ وہ شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہم اونٹوں والے ہیں، دن کو کام کرتے ہیں (یعنی) اونٹوں کے ذریعہ پانی کھینچ کر درختوں کی آبپاشی کرتے ہیں اور دن بھر محنت و مشقت میں لگے رہتے ہیں) معاذؓ رات کو آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر آئے اور ہمیں نماز پڑھائی اور سورہ بقرہ شروع کردی (لمبی قراءت ہونے اور اپنے تھکے ہوئے ہونے کی وجہ سے میں بددل ہو گیا) یہ سن کر آنحضرت ﷺ حضرت معاذؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "معاذ! کیا تم فتنہ پیدا کرنے والے ہو (یعنی کیا تم لوگوں سے جماعت ترک کرا کر انہیں دین سے بیزار اور فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ بہتر یہ ہے کہ) تم سورہ والشمس وضحہا سورہ والضحی سورہ واللیل اذا یغشی اور سورہ سبح اسم ربک الاعلی پڑھا کرو۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: یہ شخص نعوذ باللہ جماعت یا نماز سے متنفر نہیں ہوا تھا بلکہ چونکہ دن بھر کی محنت و مشقت کی وجہ سے تھکا ماندہ تھا اس لئے جب قراءت لمبی ہوئی اور نماز نے طوالت اختیار کی تو یہ مجبور ہو کر جماعت سے نکل آیا اور اپنی نماز تنہا پڑھ لی۔ اسی وجہ سے جماعت سے نکلتے ہوئے باوجودیکہ سلام پھیرنے کا کوئی موقعہ و محل نہ تھا اس نے سلام پھیرا کیونکہ اس نے سوچا کہ نماز سے سلام پھیر کر نکلے تاکہ کم سے کم نماز پوری ہونے کی مشابہت تو ہو ہی جائے۔

ایک دوسری روایت میں سبح اسم ربک الاعلی کے بعد کچھ اور سورتیں بھی ذکر کی گئی ہیں مثلاً اذا السماء انفطرت اذا السماء انشقت اور سورہ بروج وطارق۔

حضرات شوافع نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے اس لئے کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ جب آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے تو ان کی فرض نماز ادا ہو جاتی تھی اور اپنی جماعت کے ساتھ جو نماز پڑھتے تھے وہ نفل رہتی تھی اور ان کے مقتدیوں کی نماز فرض ہوتی تھی اور آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کے اس عمل کو جائز رکھا

انہیں اس عمل سے منع نہیں کیا۔

علماء حنفیہ کے نزدیک چونکہ فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی امامت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اس لئے حضرات شوافع کو جواب دیا جاتا ہے کہ "نیت ایک ایسی شے ہے جس پر کوئی دوسرا شخص مطلع نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ خود نیت کرنے والا یہ نہ بتائے کہ اس نے کیا نیت کی تھی۔ لہٰذا یہ غالب ہے کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ بہ نیت فرض نہیں بلکہ آپ ﷺ سے طریقہ نماز سیکھنے اور آپ کی نماز کی برکت و فضیلت حاصل کرنے نیز تہمت نفاق سے بچنے کی خاطر بہ نیت نفل نماز پڑھتے ہوں پھر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں فرض نماز پڑھاتے ہوں گے تاکہ دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں۔ لہٰذا حضرت معاذؓ کے اس عمل کو اس صورت پر محمول کرنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ شکل تو بالاتفاق سب علماء کے نزدیک جائز ہے بخلاف پہلی شکل کے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام کو مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام کو ضعیف و کمزور مقتدیوں کی رعایت کے پیش نظر نماز میں تخفیف کرنا سُنّت ہے اگر اسے اس بات کا احساس ہو کہ پیچھے مقتدی ضعیف و کمزور ہیں یا دن بھر کی محنت و مشقت سے تھکے ماندے ہیں یا انہیں کوئی دوسری مجبوری و تکلیف لاحق ہے تو اسے نماز ہلکی پھلکی پڑھانی چاہے اتنی لمبی قراءت نہ کرنی چاہئے جس سے ضعیف و کمزور لوگ تکلیف و پریشانی محسوس کریں اور اس بناء پر جماعت کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

نماز عشاء کی قراءت

⑫ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِّنْهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورہ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے آنحضرت ﷺ کی آواز سے اچھی کوئی آواز نہیں سنی۔" (بخاریؒ، ومسلمؒ)

تشریح: سرکار دو عالم ﷺ جس طرح باطنی طور پر دنیا کے سب سے مکمل و اکمل انسان تھے اسی طرح مبداء فیاض نے آپ ﷺ کو ظاہری جسمانی حسن و خوبصورتی کے بھی سب سے اعلیٰ و ارفع مرتبہ پر فائز کیا تھا پھر یہ کہ جس طرح خدا نے آپ ﷺ کو حسن صورت کا سب سے اعلیٰ نمونہ بنایا تھا اسی طرح آپ ﷺ کو حسن آواز میں بھی سب سے امتیازی درجہ عنایت فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت براء ابن عازب کی یہ شہادت کہ میں نے آپ ﷺ کی آواز سے زیادہ کوئی اچھی آواز نہیں سنی محض ایک جذباتی عقیدت کا تاثر یا مبالغہ آرائی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی حقیقت کی شہادت ہے جس کی صداقت کو اپنے تو الگ رہے کبھی بیگانوں نے بھی چیلنج کرنے کی جرات نہیں کی۔

جیسا کہ ابھی حدیث نمبر ۸ کی تشریح کے ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں بھی اس حدیث جس کی یہی وضاحت ہے کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز میں سورہ والتین والزیتون ایک رکعت میں پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں کسی دوسری سورۃ کی قراءت فرماتے تھے۔

نماز فجر کی قراءت

⑬ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَنَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدُ تَخْفِيْفًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابن سمرۃؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ فجر کی نماز میں سورہ ق والقران المجید یا ایسی ہی (طویل) کوئی دوسری سورۃ پڑھتے تھے اور آپ ﷺ فجر کی نماز کے بعد کی دوسری نماز ہلکی پڑھتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز کے علاوہ اوقات کی نمازیں زیادہ لمبی نہیں پڑھتے تھے اور فجر کی نماز

میں طویل قراءت کیا کرتے تھے کیونکہ ہنگام صبح گاہی بارگاہ الوہیت میں دعاوں کے قبول ہونے اور برکت و سعادت حاصل ہونے کا وقت ہوتا ہے۔

⑭ وَعَنْ عَمْرِو ابْنِ حُرَيْثٍ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرو ابن حریثؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انھوں نے آقائے نامدار ﷺ کو فجر کی نماز میں واللیل اذا عسعس (یعنی سورۃ اذا الشمس کورت) پڑھتے سنا ہے۔" (مسلمؒ)

⑮ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُوْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَتّٰى جَآءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ اَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى اَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن سائبؓ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے بعد ایک مرتبہ) آقائے نامدار ﷺ نے ہمیں مکہ میں فجر کی نماز پڑھائی اور سورہ مؤمن یعنی قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ شروع کی جب آپ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ یا عِیْسٰی کے ذکر پر پہنچے تو آپ ﷺ کو کھانسی اٹھی (جس کی وجہ سے سورۃ پوری کئے بغیر) آپ ﷺ رکوع میں چلے گئے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قراءت میں سورۃ قد افلح المومنون شروع کی اور جب آپ ﷺ اس آیت ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هَارُوْنَ پر کہ جس میں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا ذکر ہے یا اس آیت وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ اٰيَةً پر کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے پہنچے تو ان جلیل القدر پیغمبروں کے ذکر سے آپ ﷺ کا دل بھر آیا اور رونے لگے جس کی وجہ سے کھانسی کا غلبہ ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ اس گریہ وکھانسی کی وجہ سے سورۃ پوری نہ کر سکے اور اس آیت پر قراءت ختم کر کے رکوع میں چلے گئے۔

جمعہ کے روز نماز فجر کی قراءت

⑯ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالٓمّٓ تَنْزِيْلُ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں الٓمّٓ تَنْزِيْلُ اور دوسری رکعت میں هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ پڑھتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرات شوافع اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز نماز فجر میں حدیث میں مذکورہ سورتیں ہی پڑھنی چاہئیں مگر حنفیہ چونکہ تعیّن سورۃ سے منع کرتے ہیں اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اولیٰ نہیں ہے کہ کسی خاص سورۃ کو کسی خاص نماز کے ساتھ اس طرح متعیّن کر لیا جائے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھی ہی نہ جائے۔ ان حضرات کے نزدیک تعیّن قراءت و سورۃ کی ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگر کسی خاص نماز کے ساتھ کسی خاص سورۃ کو متعیّن کر دیا جائے گا تو لوگ اسی ایک سورۃ کو لازم وواجب سمجھ کر پڑھیں گے اور اس کے علاوہ دوسری سورتوں کو پڑھنا مکروہ سمجھیں گے۔

ہاں اگر کوئی شخص مثلاً اس حدیث کے مطابق جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں الٓمّٓ تنزیل سورۃ السجدہ) اور دوسری رکعت میں هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ (سورۃ دہر) حضرت ﷺ کی قراءت کی برکت حاصل کرنے اور اتباع سُنّت کے جذبہ سے پڑھا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان سورتوں کے علاوہ کبھی کبھی کوئی دوسری سورت بھی پڑھ لیا کرے تاکہ کم علم اور عوام یہ نہ سمجھیں کہ ان سورتوں کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھنی جائز نہیں ہے۔

اس کے علاوہ حنفیہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس عمل پر آنحضرت ﷺ کا دوام ثابت نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کبھی کبھی یہ سورتیں

پڑھا کرتے تھے لہٰذا کبھی کبھی پڑھنا تو ہر شخص کے لئے افضل ہے۔
اس موقعہ پر یہ مسئلہ بھی سن لیجئے کہ اگر کوئی شخص صبح کی نماز میں سورۂ سجدہ پڑھے تو اسے سجدہ تلاوت بھی کرنا چاہئے اگرچہ شوافع کے کچھ علماء نے بعض ایام میں امام کے لئے اس کو ترک کرنا ہی اولیٰ قرار دیا ہے لیکن آنحضرت ﷺ سے سجدہ تلاوت کرنا ہی ثابت ہے۔

نماز جمعہ کی قراءت

⑰ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي رَافِعٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَاهُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَرَجَ اِلٰى مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ فِي السَّجْدَةِ الْاُوْلٰى وَفِي الْاٰخِرَةِ اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبید اللہ ابن رافع فرماتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابوہریرہؓ کو مدینہ میں خلیفہ (یعنی اپنا قائم مقام گورنر) مقرر کیا اور خود مکہ چلا گیا چنانچہ (اس کی عدم موجودگی میں) حضرت ابوہریرہؓ نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی اور انھوں نے پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ اِذَا جَآءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ پڑھی اور فرمایا کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو جمعہ کے روز (یعنی نماز جمعہ میں) ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔" (مسلمؒ)

نماز عیدین و جمعہ کی قراءت

⑱ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلَاتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت نعمان ابن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ عید و بقر عید و جمعہ کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ (کی سورتیں) پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت نعمان کہتے ہیں کہ "جب عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جاتے تو آپ ﷺ (عید و جمعہ کی) دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں ان دونوں سورتوں کا پڑھنا مستحب مؤکدہ ہے وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے۔

⑲ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ اَبَا وَاقِدِ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا کہ "آقائے نامدار ﷺ عید اور بقر عید کی نماز میں کیا پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ان دونوں نمازوں میں سورہ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ اور سورہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ پڑھا کرتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت عمر فاروقؓ آنحضرت ﷺ سے کمال قرب رکھتے تھے اور آپ ﷺ کے احوال و کوائف سے بخوبی واقف تھے اس لئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے حضرت ابو واقد لیثیؓ سے یہ سوال اس لئے کیا تھا تاکہ ان نمازوں میں آنحضرت ﷺ کی قراءت کے بارہ میں جان سکیں البتہ یہ کہا جائے گا کہ اس سوال سے ان کا مقصد یہ تھا کہ حاضرین اس سوال و جواب سے آنحضرت ﷺ کی قراءت کا علم بخوبی حاصل کر سکیں اور اس واقفیت کو اپنے ذہن میں قائم رکھ سکیں۔

فجر کی نماز سُنّت کی قراءت

(۲۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِيْ رَكْعَتَی الْفَجْرِ بِقُلْ يَآ اَيُّهَا الْكَافِرُوْنِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ فجر کی دونوں سُنّت رکعتوں میں سورہ قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے۔" (مسلمؒ)

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِيْ رَكْعَتَی الْفَجْرِ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَالَّتِیْ فِیْ اٰلِ عِمْرَانَ قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ فجر کی دونوں سُنّت رکعتوں میں سورہ بقرہ کی یہ آیت قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا اور (سورہ آل عمران کی) یہ آیت قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ پڑھتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: پہلی آیت جو سورہ بقرہ کی ہے پورے طور پر یوں ہے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ (البقرۃ ۲:۱۳۶)

"(مسلمانو!) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو دیگر پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان سب پر (ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدا واحد) کے فرمانبردار ہیں۔"

دوسری آیت جو سورہ آل عمران میں ہے پوری یہ ہے:

قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ (ال عمران ۳:۶۴)

"(اے محمد ﷺ) فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب (یہودیو اور عیسائیو جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم) کی گئی ہے اس کی طرف آؤ۔ وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرمانبردار ہیں۔"

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ فجر کی سنتوں میں کبھی کبھی تو یہ دونوں آیتیں پڑھتے ہوں گے اور اکثر بیشتر قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے ہوں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں سورت کا کچھ حصہ خاص طور سے سورۃ کے درمیان سے پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

ابتداء نماز میں بسم اللہ پڑھنا

(۲۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهٗ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رَوَاهُ

اَلتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ لَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِذَاكَ۔

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں آقائے نامدار ﷺ اپنی نماز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرتے تھے اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے۔"

تشریح: بسم اللہ سے نماز شروع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ابتدا نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ آواز سے پڑھتے اس کے بعد قراءت شروع کرتے تھے۔ آہستہ آواز کی قید اس لئے لگائی ہے تاکہ یہ حدیث پہلے گذرنے والی احادیث کے خلاف نہ رہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی نماز کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے فرمایا کرتے تھے۔

میرک شاہ نے کہا ہے کہ امام ترمذی کا اس کو ضعیف الاسناد کہنا محل غور ہے کیونکہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کی اسناد بالکل صحیح ہے۔

آمین بآواز بلند کہی جائے یا آہستہ

(۲۳) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقَالَ اٰمِيْنَ مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد، والدارمی وابن ماجۃ)

"اور حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ نے (نماز میں) غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ پڑھا اور پھر دراز آواز سے آمین کہی۔" (ابوداؤدؒ، دارمیؒ، ترمذیؒ)

تشریح: "دراز آواز سے آمین کہنے" کا مطلب یا تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے آمین بآواز بلند کہی یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لفظ آمین میں الف کو مد کے ساتھ یعنی کھینچ کر کہا۔

آمین کہنے کا مسئلہ بھی ائمہ کے یہاں مبحث فیہ ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں تو سب ائمہ متفق ہیں کہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا ہر نمازی کے لئے سُنّت ہے خواہ منفرد ہو یا امام، اسی طرح مقتدی کو بھی آمین کہنا سُنّت ہے خواہ امام کہے یا نہ کہے۔ اب اختلاف اس چیز میں ہے کہ آیا آمین بآواز بلند کہی جائے یا آہستہ آواز سے؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک آمین بآواز بلند کہنی چاہئے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آمین آہستہ آواز سے کہنی چاہئے چنانچہ وہ ان احادیث کے بارہ میں جن سے آمین بآواز بلند کہنا ثابت ہے اور جو شافع وغیرہ کی مستدل ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام احادیث اس بات پر محمول ہیں کہ ابتداء اسلام میں آپ ﷺ تعلیم کی خاطر آمین بآواز بلند کہتے تھے تاکہ صحابہؓ یہ جان لیں کہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا چاہئے۔ صحابہ جب یہ سیکھ گئے تو آپؐ آمین آہستہ آواز سے کہنے لگے چنانچہ حضرت ابن ہمامؒ نے کہا ہے کہ احمدؒ، ابویعلیؒ، طبرانیؒ، دارمیؒ، اور حاکمؒ نے شعبہؒ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

"علقمہ ابن وائل اپنے والد مکرم حضرت وائل سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے (یعنی وائلؓ) نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی چنانچہ آنحضرت ﷺ جب "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پر پہنچے تو آہستہ آواز سے آمین کہی۔"

حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں امام کو آہستہ آواز سے پڑھنا چاہئے۔

(۱) اعوذ باللہ (۲) بسم اللہ (۳) سبحانک اللھم (۴) آمین

حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ بھی آمین آہستہ آواز سے کہتے تھے اس کے علاوہ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کلمات دعا کو آہستہ آواز سے پڑھنا ہی اولی اور صحیح ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً یعنی اپنے رب سے دعا گڑگڑا کر اور چپکے سے کرو۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آمین بھی دعا ہی ہے لہٰذا آمین کو آہستہ سے کہنا اس آیت پر عمل کرنا ہے۔ نیز یہ کہ اس بات پر اجماع

ہے کہ آمین قرآن کا لفظ نہیں ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ اس کی آواز قرآن کے الفاظ کی آواز سے ہم آہنگ نہ ہو جس طرح کہ مصحف (یعنی اوراق قرآن) میں لکھنا جائز نہیں ہے۔

آمین کی برکت

۲۴ وَعَنْ اَبِیْ زُهَیْرِ النُّمَیْرِیِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَأَتَیْنَا عَلٰی رَجُلٍ قَدْ اَلَحَّ فِی الْمَسْأَلَةِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْجَبَ اِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ بِاَیِّ شَیْءٍ یَخْتِمُ قَالَ بِاٰمِیْنَ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابی زہیر نمیریؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات کو ہم آقائے نامدار ﷺ کے ہمراہ (باہر) نکلے اور ایک ایسے شخص کے پاس آئے جو دعا کرنے میں ازحد زاری کر رہا تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا "واجب کیا اگر ختم کیا" ایک شخص نے پوچھا کہ (یارسول اللہ ﷺ) کس چیز کے ساتھ ختم کرے؟ فرمایا "آمین کے ساتھ۔" (ابوداؤد)

تشریح: "واجب کیا اگر ختم کیا" کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ شخص اپنی دعا پر آمین کہہ کر مہر لگا دے یا آمین پر ختم کر دے تو اس کے لئے جنّت و مغفرت واجب ہو گئی یعنی یہ جنّت و مغفرت کا حق دار ہو گیا یا اس کی دعا قبول ہو گئی۔

"ختم" کے دو معنی نقل کئے گئے ہیں مہر لگانا یا ختم کرنا۔ پہلے معنی اس حدیث امین خاتم رب العالمین کی مناسبت سے زیادہ اولیٰ و بہتر ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آمین اللہ رب العالمین کی مہر ہے اس کی وجہ سے آفات و بلائیں ختم ہوتی ہیں جس طرح سے کہ مہر سے خط محفوظ رہتا ہے یا وہ چیزیں قابل اعتماد ہوتی ہیں جن پر مہر لگی ہوئی ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے پروردگار سے دعا مانگے تو اس کو چاہئے کہ دعائیہ کلمات کہنے کے بعد آمین بھی کہے تاکہ اس کی برکت کی وجہ سے وہ بارگاہ قاضی الحاجات میں مقبولیت کے مرتبہ سے نوازی جائے اور وہ دعا کامل رہے کیونکہ آمین بمنزلہ مہر کے ہے۔

آنحضرت ﷺ مغرب میں طویل قراءت بھی کرتے تھے

۲۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَّی الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الْاَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِیْ رَكْعَتَیْنِ۔

(رواہ النسائی)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورہ اعراف (اس طرح) پڑھی کہ اسے دونوں رکعتوں میں تقسیم کر دیا۔" (نسائی)

تشریح: یوں تو آنحضرت ﷺ مغرب کی نماز میں قراءت مختصر کرتے تھے مگر کبھی کبھی آپ ﷺ بیان جواز کے لئے طویل قراءت بھی کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مغرب میں نماز میں طویل قراءت کرنا جائز ہے۔ چنانچہ مغرب کی نماز میں سورہ اعراف پڑھنا اسی مقصد کے تحت تھا جہاں تک تنگی وقت کا تعلق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مغرب کا وقت طویل قراءت کی گنجائش رکھتا ہے خصوصاً جب شفق کا اطلاق سفیدی پر کیا جائے۔

"دونوں رکعتوں میں تقسیم" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس سورۃ کا کچھ حصّہ تو پہلی رکعت میں پڑھا اور کچھ حصّہ دوسری رکعت میں۔ اس طرح پوری سورۃ کو دونوں رکعتوں میں ختم کیا۔

معوذتین کی فضیلت

۲۶ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنْتُ اَقُوْدُ لِرَسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَاقَتَهٗ فِی السَّفَرِ فَقَالَ لِیْ یَا عُقْبَةُ اَلَا اُعَلِّمُكَ

خَیْرَ سُوْرَتَیْنِ قُرِأَتَا فَعَلَّمَنِیْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ یَرَنِیْ سُرِرْتُ بِھِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلَاۃِ الصُّبْحِ صَلّٰی بِھِمَا صَلَاۃَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ الْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ یَا عُقْبَۃُ کَیْفَ رَأَیْتَ۔

(رواہ احمد والبوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں آقائے نامدار ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے چل رہا تھا کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا "عقبہ! کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں جو پڑھی گئی ہیں (یعنی مجھ پر نازل کی گئی ہیں) نہ بتلادوں؟ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے (معوذتین یعنی) قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سکھائیں۔ عقبہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے ان دونوں سورتوں سے زیادہ خوش نہیں دیکھا۔ پھر جب آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھنے کے لئے اترے تو لوگوں کو نماز میں یہی دونوں سورتیں پڑھائیں۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "عقبہ! تم نے (ان کی فضیلت کو) دیکھا؟۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: "بہترین سورتوں" کا مطلب یہ ہے کہ شیطان مردود کے مکروفریب اور نفس کی گمراہی سے خدا کی پناہ مانگنے کے سلسلہ میں معوذتین بہترین سورتیں ہیں

آنحضرت ﷺ نے حضرت عقبہؓ کو یہ سورتیں سکھانے کے بعد جب دیکھا کہ وہ ان سورتوں کو دیکھ کر کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئے کیونکہ دوسری سورتوں کی طرح ان سورتوں میں خدا کی وحدانیت اور پاکیزگی کا بیان نہیں ہے تو آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز میں انہیں سورتوں کو پڑھ کر فرمایا کہ عقبہ! تم نے ان سورتوں کی فضیلت دیکھی کہ میں نے ان کو فجر کی نماز میں جو تمام نمازوں سے افضل نماز ہے اور جس میں طویل قراءت کرنا مستحب ہے پڑھا۔

جمعہ کے روز نماز مغرب کی قراءت

(۲۷) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِیْ صَلَاۃِ الْمَغْرِبِ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ قُلْ یَآ اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ وَقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ۔

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جمعہ کے روز مغرب کی نماز میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ پڑھا کرتے تھے یہ حدیث شرح السنۃ میں منقول ہے اور ابن ماجہؒ نے یہ حدیث ابن عمرؓ سے نقل کی ہے لیکن اس میں "لیلۃ الجمعۃ" کے الفاظ نہیں ہیں۔"

تشریح: نماز میں مغرب سے مغرب کی فرض نماز مراد ہے یعنی آپ جمعہ کے روز مغرب کی فرض نماز میں یہ دونوں سورتیں پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نماز مغرب سے مغرب کی سنتیں مراد ہوں۔ واللہ اعلم

ابن حبان نے قل ھو اللہ کے الفاظ کے بعد یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ وفی العشاء سورۃ الجمعۃ و المنافقون یعنی شب جمعہ میں آپ ﷺ عشاء کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پڑھا کرتے تھے۔

ابن مالکؒ نے کہا ہے کہ "یہ حدیث یا اسی قسم کی دوسری احادیث دوام پر محمول نہیں ہیں یعنی آپ ﷺ کا یہ ہمیشہ کا معمول نہیں تھا۔ بلکہ کبھی آپ دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے اور کبھی ان سورتوں کی قراءت کرتے تھے تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ ہر ایک سورۃ کو پڑھنا جائز ہے۔ کسی خاص سورۃ کو پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا اُحْصِیْ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الرَّکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِی الرَّکْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلَاۃِ الْفَجْرِ بِقُلْ یَآ اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ وَقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ بَعْدَ الْمَغْرِبِ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ آقائے نامدار ﷺ کی مغرب کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز سے پہلے دونوں سنتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا ہے اس حدیث کو ابن ماجہؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا مگر ان کی روایت میں "بعد المغرب" کے الفاظ نہیں ہیں۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دونوں سنتوں اور فجر کی دونوں سنتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللّٰہ احد دونوں سورتیں اتنی کثرت سے پڑھا کرتے تھے کہ میں ان کا شمار نہیں کر سکتا۔

(۲۹) وَعَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اَحَدٍ اَشْبَهَ صَلَاةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فُلَانٍ قَالَ سُلَيْمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهُ فَكَانَ يُطِيْلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْاُخْرَيَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِوَسْطِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ رَوَاهُ النِّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ اِلٰى وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ۔

"اور حضرت سلیمان ابن یسارؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی شخص کے پیچھے آقائے نامدار ﷺ کی نماز کے مشابہ نماز نہیں پڑھی مگر فلاں شخص کے پیچھے سلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں نے بھی اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ وہ ظہر کی پہلی دونوں رکعتوں کو طویل پڑھتے تھے اور آخری دونوں رکعتوں کو ہلکی پڑھتے تھے، عصر کی نماز میں تخفیف کرتے تھے۔ مغرب کی نماز میں قصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔ اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے مگر ان کی روایت صرف ویخفف العصر تک ہے" (نسائی)

تشریح: "فلاں شخص" کے تعین کے سلسلہ میں بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات مراد ہے اور بعض حضرات کی رائے ہے "فلاں شخص" سے مراد وہ شخص ہے جس کو خلیفہ مروان نے مدینہ میں حاکم مقرر کر رکھا تھا۔

اس حدیث میں ظہر اور عصر کی قراءت کا اجمالی طور پر ذکر کیا ہے یہ نہیں کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز میں طوال مفصل پڑھتے تھے۔ بلکہ صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ ظہر کی نماز میں طویل قراءت کرتے تھے۔ اسی طرح عصر کی نماز میں بھی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ اس میں قصار مفصل پڑھتے تھے یا اوساط مفصل؟ صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ عصر کی نماز میں تخفیف کرتے تھے۔

بہر حال نمازوں کی قراءت کے سلسلہ میں فقہاء نے ایک اصول و نہج بنایا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ نمازوں میں قراءت کرنے کے سلسلہ میں عملی طور پر کوئی خلجان واقع نہیں ہو اور وہ یہ کہ فجر و ظہر کی نماز میں طوال مفصل، عصر و عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھی جائیں۔ اس مسئلہ کی وضاحت اس سے پہلے بھی ایک حدیث کی تشریح کے ضمن میں کی جا چکی ہے اور وہاں اس کے اصطلاحی ناموں کی تعریف بھی کی گئی ہے چنانچہ ایک مرتبہ پھر سمجھ لیجئے کہ فقہاء کی اصطلاح میں "مفصل" سے سورہ حجرات سے سورہ والناس تک کی سورتیں مراد ہیں ان سورتوں کو مفصل اس لئے کہا گیا ہے کہ "فصل" کے معنی جدا ہونے کے ہیں چنانچہ سورہ حجرات سے ان چھوٹی چھوٹی سورتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو ایک دوسرے سے درمیان میں بسم اللہ ہونے کی وجہ سے جدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ پھر مفصل یعنی سورہ حجرات سے سورہ والناس تک کی سورتوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) چھوٹی سورتیں۔ (۲) متوسط سورتیں (۳) بڑی سورتیں۔

سورہ حجرات سے سورہ بروج تک کو طوال مفصل یعنی مفصل کی بڑی سورتیں کہتے ہیں۔

سورہ بروج سے سورہ لم یکن (البینہ) تک کو اوساط مفصل یعنی مفصل کی متوسط سورتیں کہتے ہیں۔

اور سورہ لم یکن سے سورہ والناس تک کو قصار مفصل یعنی مفصل کی چھوٹی سورتیں کہتے ہیں۔

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا بیان

(۳۰) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَأُوْنَ خَلْفَ اِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَاِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَلِلنِّسَائِيِّ مَعْنَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوٗدَ قَالَ وَاَنَا اَقُوْلُ مَالِيْ يُنَازِعُنِى الْقُرْاٰنُ فَلَا تَقْرَأُوْا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ اِذَا جَهَرْتُ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ۔

"اور حضرت عبادۃ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ فجر کی نماز میں آقائے نامدار ﷺ کے پیچھے تھے آپ ﷺ نے جب قراءت شروع کی تو آپ ﷺ کو پڑھنا بھاری ہو گیا۔ پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ "شاید تم لوگ امام کے پیچھے قراءت کیا کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا "جی ہاں یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ ﷺ نے فرمایا "سوائے سورہ فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا) کرو اس لئے کہ جو شخص یہ سورۃ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد، ترمذی) نسائی نے یہ روایت بالمعنی نقل کی ہے اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "آپ ﷺ نے (صحابہؓ کا جواب سن کر) فرمایا جب ہی تو میں (اپنے دل میں) کہتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا جو قراءت مجھ پر بھار معلوم ہو رہی ہے، جب میں باآواز بلند پڑھا کروں تو تم لوگ بجز سورہ فاتحہ کے اور کچھ مت پڑھا کرو۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ نماز میں باآواز بلند قراءت کر رہے تھے، آپ ﷺ کے پیچھے مقتدی صحابہؓ بجائے اس کے کہ خاموشی اختیار کر کے آپ ﷺ کی قراءت سنتے خود بھی قراءت کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقتدیوں کی قراءت آنحضرت ﷺ کی قراءت میں اثر انداز ہوئی اور آپ ﷺ کی نماز میں خربطہ پیدا ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے لئے قراءت کرنا مشکل ہو گیا کیونکہ بسا اوقات کامل چیز پر ناقص چیز بھی اثر انداز ہو جاتی ہے جیسا کہ کتاب الطہارت کی ایک حدیث میں گذر چکا ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز میں قراءت شروع کی اور پھر اچانک رک گئے اور پھر اس رکنے کا سبب یہ بیان کیا کہ کچھ ایسے لوگ میرے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں جو ٹھیک طرح سے وضو نہیں کرتے یعنی ان کا وضو ناقص رہ جاتا ہے جو میری نماز و قراءت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے لیکن جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے ائمہ کے یہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام اور منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے مگر مقتدی کے لئے واجب نہیں ہے خواہ نماز بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔

"(نماز میں) جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموشی اختیار کرو۔"

امام صاحبؒ اس حدیث کو ابتداء پر محمول کرتے ہیں یعنی یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر بعد میں منسوخ ہو گیا۔

(۳۱) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْصَرَفَ مِنْ صَلَاةٍ جَهَرَ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مَعِيَ اَحَدٌ مِنْكُمْ اٰنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنِّيْ اَقُوْلُ مَالِيْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا جَهَرَ فِيْهِ بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِيْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مالک واحمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وروی ابن ماجۃ نحوہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) آقائے نامدار ﷺ (جہری) نماز سے جس میں قراءت باآواز بلند کی جاتی ہے فارغ ہوئے (اور نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر) فرمایا "ابھی تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قراءت کی ہے؟" ایک شخص نے عرض کیا ہاں! یا رسول اللہ! آنحضرت ﷺ نے فرمایا (میں جبھی تو دل میں) کہتا تھا کہ کیا ہو گیا جو میں قرآن پڑھنے میں الجھتا ہوں" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب

لوگوں نے یہ سنا تو ان نمازوں میں جن میں آنحضرت ﷺ قراءت باآواز بلند کرتے تھے آپ کے ساتھ قراءت کرنے سے رک گئے۔" (مالکؒ، احمدؒ، ابوداؤدؒ ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: اس حدیث سے بصراحت سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ جہری نماز میں امام کے پیچھے مطلقاً کچھ نہیں پڑھتے تھے نہ تو سورہ فاتحہ کی قراءت کرتے تھے اور نہ کسی دوسری سورت و آیت کی لہٰذا حنفیہ کا مسلک ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو قراءت کرنا جائز نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث اس سے پہلے گذرنے والی حدیث کے لئے ناسخ ہو جس میں کہا گیا ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہئے کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ بعد میں اسلام لائے ہیں اس لئے ان کی روایت کردہ حدیث بھی اس حدیث کے بعد کی ہوگی اور ظاہر ہے کہ بعد کا حکم پہلے حکم کے لئے ناسخ ہوا کرتا ہے۔

(۳۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالْبَيَاضِيِّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُصَلِّيَ يُنَاجِي رَبَّهٗ فَلْيَنْظُرْ مَا يُنَاجِيْهِ وَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابن عمر اور حضرت بیاضیؓ روایت کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "نمازی اپنے پروردگار سے (حالت نماز میں) مناجات کرتا ہے لہٰذا اسے چاہئے کہ جو مناجات وہ کرتا ہے اس میں غور کرے (یعنی ذکر و قراءت حضور قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ کرے) اور قرآن کو پڑھنے میں تم میں سے کوئی ایک دوسرے پر اونچی آواز نہ کرے۔" (احمدؒ)

تشریح: حدیث کا آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص قرآن پڑھے خواہ نماز میں پڑھے یا نماز کے علاوہ پڑھے تو اسے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس کی آواز دوسرے نمازی یا دوسرے قاری کی آواز پر اونچی نہ ہو۔ اس طرح کسی ذکر کرنے والے یا سونے والے کے سامنے بھی اونچی آواز سے نہ پڑھے تاکہ ان لوگوں کو اس کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچے۔

امام کی متابعت ضروری ہے

(۳۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، لہٰذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: فاذا کبر فکبروا کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ مقتدی تکبیر، امام کے تکبیر کہنے کے بعد کہیں۔ نہ تو اس کے ساتھ ساتھ کہیں اور نہ اس سے پہلے کہیں اور یہ حکم تکبیر تحریمہ میں تو واجب ہے البتہ دوسری تکبیرات میں مستحب ہے۔

حدیث کے دوسرے جزء فاذا قرأ سے مراد مطلق قراءت ہے یعنی خواہ امام باآواز بلند قراءت کرے یا آہستہ سے پڑھے۔ دونوں صورتوں میں مقتدیوں کو خاموشی سے اس کی قراءت سننا چاہئے اس کے لئے آپ ﷺ نے "فانصتوا" یعنی چپ رہو فرمایا۔ فاستمعوا یعنی سنو نہیں فرمایا ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔

"یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو (بلند آواز سے پڑھنے کی صورت میں) اسے سنو اور (آہستہ آواز سے پڑھنے کی صورت میں) خاموش رہو۔"

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو کچھ پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ نماز جہری (باآواز بلند ہو یا سری باآواز آہستہ)

سورہ فاتحہ کی قراءت میں ائمہ کے مسلک: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا خواہ نماز جہری ہو یا سری

واجب ہے اور سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورۃ وغیرہ پڑھنا جائز ہے۔

حضرت امام احمدؒ، حضرت امام مالکؒ، اور ایک قول کے مطابق خود حضرت امام شافعیؒ کا بھی مسلک یہ ہے کہ مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا صرف سری نماز میں واجب ہے جہری نماز میں محض امام کی قراءت سننا کافی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں خواہ نماز سری ہو یا جہری دونوں صورتوں میں مطلقاً قراءت مقتدی کے لئے ممنوع ہے نیز صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک بھی مقتدی کو پڑھنا مکروہ ہے۔

حضرت امام محمدؒ جو حضرت امام اعظمؒ کے جلیل القدر شاگرد اور فقہ حنفیہ کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ "صحابہؓ" کی ایک جماعت کے قول کے مطابق امام کے پیچھے مقتدی اگر سورہ فاتحہ کی قراءت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ عمل اس دلیل پر کیا جائے جو زیادہ قوی اور مضبوط ہو، چنانچہ حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

مَنْ كَانَ لَهُ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ قِرَاءَةٌ لَهُ۔

"یعنی (نماز میں) جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہوگی۔"

یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ بخاریؒ و مسلمؒ کے علاوہ سب ہی نے اسے نقل کیا ہے اور ہدایہ میں تو یہاں تک مذکور ہے علیہ اجماع الصحابة یعنی اسی پر صحابہؓ کا اجماع و اتفاق تھا۔

جو شخص قراءت پر قادر نہ ہو وہ کیا پڑھے

(۳۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِی اَوْفٰی قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّی لَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اٰخُذَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَیْئًا فَعَلِّمْنِیْ مَا یُجْزِئُنِیْ قَالَ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا لِلّٰهِ فَمَا ذَا لِیْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ فَقَالَ هٰكَذَا بِیَدَیْهِ وَقَبَضَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ مَلَاَ یَدَیْهِ مِنَ الْخَیْرِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَانْتَهَتْ رِوَایَةُ النَّسَائِیِّ عِنْدَ قَوْلِهٖ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

"اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آقائے نامدار ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں (فوری طور پر) قرآن میں سے کچھ یاد کر لینے پر قادر نہیں ہو سکتا اس لئے آپ ﷺ مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیجئے جو میرے لئے کافی ہو" آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ پڑھ لیا کرو سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ یعنی اللہ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ بہت بڑا ہے، گناہوں سے بچنے کی توفیق اور عبادت کرنے کی طاقت صرف خدا ہی کی طرف سے ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ (ﷺ)! یہ تو خدا کے لئے ہے میرے لئے کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (اپنے لئے) تم یہ پڑھ لیا کرو۔ اللھم ارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی یعنی اے پروردگا مجھ پر رحم فرما، مجھ کو عافیت سے رکھ! میری ہدایت کر! اور مجھے رزق دے" پھر اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کیا اور ان کو بند کیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھ نیکی سے بھر لئے۔" (نسائی کی روایت الا باللّٰہ تک ختم ہوگئی ہے۔)

تشریح: حدیث کے آخری جملوں کا مطلب یہ ہے کہ جب سائل نے قراءت کا کوئی بدل دریافت کیا اور آنحضرت ﷺ نے اسے بتا دیا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا اور ان کو بند کیا اور اپنے اس عمل سے گویا اس بات کا اقرار کیا کہ آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے میں نے اسے سچ و برحق جانا اور اسے یقین و اعتماد کے ساتھ اپنے دل و دماغ میں جاگزین کر لیا ہے جس طرح کہ جب کسی شخص کو کوئی

قیمتی و اعلیٰ چیز ہاتھ لگتی ہے تو وہ اس چیز کو اپنی مٹھی میں بند کر لیتا ہے۔

مصنف مشکوٰۃ علیہ الرحمتہ نے اس حدیث کو باب القراءۃ میں نقل کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائل قرآن میں سے اتنا بھی یاد نہ کر سکتا تھا جس سے اس کی نماز درست ہو جاتی۔ مگر یہاں ایک اشکال واقع ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بات کچھ بعید ہی معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص جو عربی زبان سے پوری طرح واقف تھا کیا اتنا بھی یاد نہ کر سکتا تھا کہ وہ نماز میں پڑھ سکے۔ پھر یہ کہ جتنے کلمات اسے بتائے گئے ہیں۔ اگر وہ ان کلمات کی بقدر بھی قرآن میں سے کچھ یاد کر لیتا تو اس کی نماز کی ادائیگی کے لئے کافی تھا۔

اس اشکال کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ سائل اسی وقت مسلمان ہوا تھا کہ نماز کا وقت آگیا اور چونکہ وہ فوری طور پر اس پر قادر نہیں ہو سکتا تھا کہ قرآن میں سے کچھ یاد کر سکے اس لئے آسانی و سہولت کے پیش نظر یہ کلمات سکھا دیئے گئے۔

یا پھر اس حدیث کو ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے گا کہ ان دنوں احکام و مسائل کے نفاذ کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ آسانی و سہولت کو پیش نظر رکھا جاتا تھا" یہ توجیہ زیادہ اولیٰ ہے۔

احکام الٰہی پر آنحضرت ﷺ کے عمل کی ایک مثال

(۳۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔

(رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب (کسی نماز میں) سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھا کرتے تھے تو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہتے تھے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ احکام الٰہی پر کس قدر عمل کرتے تھے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے آپ ﷺ کی زندگی کا بنیادی اصول یہی تھا کہ پروردگار عالم جو حکم دے فوراً اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اس کے بعد اس حکم پر اپنے متبعین کو بھی عمل کرائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ جب بھی نماز میں سورہ اعلیٰ پڑھا کرتے تھے چونکہ اس سورۃ کے ابتدائی الفاظ سبح اسم ربک الاعلی کا مطلب ہے کہ "اپنے پروردگار کی پاکی بیان کرو جو بلند مرتبہ ہے" اس لئے آپ اس حکم کی بجا آوری یہ کہہ کر کیا کرتے تھے کہ سبحان ربی الاعلی میں اپنے پروردگار کی پاکی بیان کرتا ہوں جو بلند مرتبہ ہے۔

نماز میں کن آیتوں کی قراءت کے بعد کیا کہنا چاہئے؟

(۳۶) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ فَانْتَهٰى اِلٰى اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ فَلْيَقُلْ بَلٰى وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَمَنْ قَرَأَ لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَانْتَهٰى اِلٰى اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى فَلْيَقُلْ بَلٰى وَمَنْ قَرَأَ وَالْمُرْسَلَاتِ فَبَلَغَ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ فَلْيَقُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سے جو شخص سورہ والتین والزیتون پڑھے، اور (اس آیت) اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ یعنی کیا خدا سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ پر پہنچے تو یہ الفاظ کہا کرے بَلٰى وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (یعنی ہاں! اور میں اس پر شہادت دینے والوں میں سے ہوں) اور جو شخص سورہ لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ پڑھے اور (اس آیت) اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى (یعنی کیا اس خدا) کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھائے) پر پہنچے تو کہے "بَلٰى" (یعنی ہاں وہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے) اور جو شخص سورہ والمرسلات پڑھے اور (اس آیت) فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ یعنی

اس کے بعد یہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے) تو کہے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ (یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے) ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے اس روایت کو (والتین کی آیت) وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ تک نقل کیا ہے۔"

تشریح: ان آیتوں یا اس قسم کی دوسری آیتوں کے جواب دینے کے سلسلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خواہ یہ آیتیں نماز میں پڑھی جائیں یا نماز سے باہر پڑھی جائیں بہر صورت ان کے جواب میں مذکورہ الفاظ کہنے چاہئیں اور نماز خواہ نفل ہو یا فرض۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نماز سے باہر پڑھنے اور نفل نمازوں میں قراءت کرنے کی شکل میں تو جواب دینا چاہئے فرض نمازوں میں نہیں!

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف نماز سے باہر پڑھنے کی صورت میں جواب دیا جائے نماز میں نہیں، خواہ فرض ہو یا نفل، تاکہ یہ وہم نہ ہو جائے کہ یہ الفاظ بھی قرآن ہی کے ہیں۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حدیث کے ظاہری اطلاق پر نظر کرتے ہوئے کہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم تو نمازی کے بارہ میں ہے (لہٰذا چاہئے کہ یہ جواب نماز میں بھی دیئے جائیں) تو ہم کہیں گے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم نفل نمازوں کے بارہ میں ہو، فرض نمازوں کے بارہ میں نہ ہو۔ کیونکہ خود آقائے نامدار ﷺ کے بارہ میں حضرت حذیفہؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ آنحضرت رات (یعنی تہجد) کی نماز میں جب کسی آیت پر پہنچتے جس میں رحمت خداوندی کا ذکر ہوتا تھا تو آپ ﷺ اس جگہ قراءت روک کر پروردگار سے طلب رحمت کی درخواست کیا کرتے تھے اور جب کسی آیت پر پہنچتے جس میں عذاب الٰہی کا ذکر ہوتا تھا تو آپ ﷺ اس جگہ قراءت روک کر پروردگار کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے" نیز یہ کہ آپ ﷺ کے اس معمول یا حکم کو کسی صحابی نے بھی جہری فرائض نماز کے سلسلہ میں روایت نہیں کیا ہے۔

(۳۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی اَصْحَابِہٖ فَقَرَأَ عَلَیْھِمْ سُوْرَۃَ الرَّحْمٰنِ مِنْ اَوَّلِھَا اِلٰی اٰخِرِھَا فَسَکَتُوْا فَقَالَ لَقَدْ قَرَأْتُھَا عَلَی الْجِنِّ لَیْلَۃَ الْجِنِّ فَکَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِنْکُمْ کُنْتُ کُلَّمَا اَتَیْتُ عَلٰی قَوْلِہٖ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ قَالُوْا لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) آقائے نامدار ﷺ اپنے اصحابؓ کی ایک جماعت کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے سورۂ رحمٰن اول تا آخر پڑھی صحابہ خاموشی اختیار کئے رہے۔ آپ ﷺ نے (جب سورۃ ختم کرلی تو) فرمایا کہ "یہ سورۃ میں نے جنات کے سامنے اس رات میں پڑھی تھی جبکہ وہ اسلام قبول کرنے اور قرآن سننے کے لئے) جمع ہوئے تھے اور وہ جواب دینے میں تم سے بہتر تھے چنانچہ جب میں اس آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (یعنی خدا کی کون سے نعمتوں کو تم جھٹلاتے ہو؟) پر پہنچتا تو وہ یہ جواب دیتے لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ (یعنی اے پروردگار! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے ہیں اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں" اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

دونوں رکعتوں میں ایک سورۃ پڑھنا

(۳۸) عَنْ مُعَاذِ ابْنِ عَبْدِاللّٰہِ الْجُھَنِیِّ قَالَ اِنَّ رَجُلًا مِنْ جُھَیْنَۃَ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِی الصُّبْحِ اِذَا زُلْزِلَتْ فِی الرَّکْعَتَیْنِ کِلْتَیْھِمَا فَلَا اَدْرِیْ اَنَسِیَ اَمْ قَرَأَ ذٰلِکَ عَمْدًا۔ (ابوداؤدؒ)

"حضرت معاذ ابن عبداللہ جہنیؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے آقائے نامدار ﷺ کو فجر کی دونوں رکعتوں میں سورہ اذا زلزلت الارض پڑھتے سنا ہے اور میں نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ نے قصدا ایسا کیا تھا یا آپ ﷺ بھول گئے تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ فجر کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورۃ اذا زلزلت الارض اس طرح پڑھی کی پہلی رکعت میں پوری سورت پڑھی پھر دوسری رکعت میں بھی وہی سورۃ پوری پڑھی اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایسا قصدا بیان جواز کے لئے کیا تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اصل سُنّت اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے۔ ویسے جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو بات یہی ہے کہ افضل عدم تکرار ہے۔ یعنی ایک ہی سورۃ دو رکعتوں میں مکرر نہ پڑھی جائے اور خصوصا فرائض میں تو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

(۳۹) وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ اِنَّ اَبَابَكْرِ الصِّدِّيْقَؓ صَلَّى الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت عروہ ابن زبیرؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فجر کی نماز پڑھی اور دونوں رکعتوں میں سورہ بقرہ پڑھی۔" (مالکؒ)

تشریح: دونوں رکعتوں میں سوۂ بقرہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سورۃ کا کچھ حصہ تو آپؓ نے ایک رکعت میں پڑھا اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں اور یہ بھی بیان جواز کے لئے کیا کیونکہ آنحضرت ﷺ سے اس پر مداومت ثابت نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ اکثر ایک رکعت میں پوری سورۃ ہی پڑھتے تھے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورۃ اس طرح متفرق طور پر پڑھنا نادر ہے۔

حضرت عثمانؓ نماز فجر میں سورہ یوسف کثرت سے پڑھتے تھے

(۴۰) وَعَنِ الْفَرَافِصَةِ بْنِ عُمَيْرِ الْحَنَفِيِّ قَالَ مَا اَخَذْتُ سُوْرَةَ يُوْسُفَ اِلَّا مِنْ قِرَاءَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اِيَّاهَا فِي الصُّبْحِ مِنْ كَثْرَةِ مَا كَانَ يُرَدِّدُهَا۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت فرافصہ[1] ابن عمیر حنفیؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے سورہ یوسف، حضرت عثمان ابن عفانؓ سے (سن سن کر) یاد کی ہے کیونکہ وہ اس سورت کو فجر کی نماز میں کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔" (مالکؒ)

تشریح: اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ علماء تو نمازوں میں کسی خاص متعین سورت پر مداومت کرنے کو مکروہ لکھتے ہیں تاکہ قرآن کی بقیہ سورتوں کو ترک کرنا لازم نہ آئے حالانکہ حضرت عثمانؓ کا یہ معمول اسکے منافی ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ علماء جو مکروہ لکھتے ہیں اس سے انکی مراد تمام نمازوں میں کسی متعین سورت پر مداومت کرنا ہے اور حضرت عثمانؓ کا جو معمول ثابت ہے وہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ تو صرف فجر کی نماز ہی میں سورہ یوسف بہت کثرت سے پڑھتے تھے تمام نمازوں میں نہیں۔ بعض علماء نے سورہ یوسف کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ سورہ یوسف کے پڑھنے پر مداومت کرنا شہادت کی سعادت حاصل ہونے کا سبب ہے جس کا واضح ثبوت خود حضرت عثمانؓ کی ذات گرامی ہے کہ آپ شہید ہوئے۔

(۴۱) وَعَنْ عَامِرِ ابْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ صَلَّيْنَا وَرَاءَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ يُوْسُفَ وَسُوْرَةِ الْحَجِّ قِرَاءَةً بَطِيْئَةً قِيْلَ لَهُ اِذًا لَقَدْ كَانَ يَقُوْمُ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ قَالَ اَجَلْ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت عامرؓ[2] ابن ربیعہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی۔ انہوں نے دونوں رکعتوں میں سوۂ یوسف اور سوۂ حج کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا۔ کسی نے حضرت عامرؓ سے پوچھا کہ حضرت عمرؓ فجر کے طلوع ہوتے ہی (نماز کے

---

[1] فرافصہؒ مدینہ طیبہ کے رہنے والے اور مشہور تابعی ہیں۔ آپ قبیلہ بنی حنیفہ کی طرف نسبت کی وجہ سے حنفی کہے جاتے ہیں۔

[2] حضرت عامرؓ آل خطاب کے حلیف تھے۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے آپ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک رہے اور ۳۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

لئے) کھڑے ہو جاتے ہوں گے؟ (یعنی وہ اول وقت میں نماز شروع کر دیتے ہوں گے کیونکہ اتنی طویل قراءت جب ہی ممکن ہے) انھوں نے فرمایا کہ "ہاں۔" (مالکؒ)

تشریح: فجر کی نماز کے لئے اول وقت کھڑے ہو جانا متفقہ طور پر سب کے نزدیک جائز ہے لہٰذا یہ حدیث جواز پر محمول ہے مختار یعنی اولیت پر نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث سے کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ ہمیشہ اول وقت کھڑے ہوتے تھے۔

(۴۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ مَامِنَ الْمُفَصَّلِ سُوْرَةٌ صَغِيْرَةٌ وَلَا كَبِيْرَةٌ اِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ بِهَا النَّاسَ فِى الصَّلَاةِ الْمَكْتُوْبَةِ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ مفصل کی کوئی بھی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں ہے جو میں نے آقائے نامدار ﷺ سے لوگوں کو فرض نماز پڑھاتے وقت نہ سنی ہو۔" (مالکؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے بیان جواز کے طور پر مفصل کی سورتیں مختلف اوقات میں نمازوں میں پڑھ کر لوگوں کو بتا دیا کہ نماز میں ہر سورت کا پڑھنا جائز ہے۔

(۴۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانِ رَوَاهُ النَّسَائِىُّ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عتبہ ابن مسعودؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورہ حم دخان پڑھی ہے اس روایت کو نسائی سے مرسلاً نقل کیا ہے (کیونکہ عبداللہ ابن عتبہ تابعی ہیں)۔"

تشریح: یہاں دونوں ہی احتمال ہیں کہ یا تو آپ ﷺ نے مغرب کی دونوں رکعتوں میں حم دخان پوری سورۃ پڑھی یا پھر یہ کہ اس کا کچھ حصہ تھوڑا تھوڑا دونوں رکعتوں میں پڑھا۔ واللہ اعلم

بَابُ الرُّكُوْعِ

رکوع کا بیان

لغت میں رکوع "کے معنی جھکنا" ہیں اور اصطلاح شریعت میں یہ نماز کا ایک رکن ہے یعنی وہ حالت ہے جب کہ قیام میں قراءت سے فارغ ہو کہ جھکتے ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس بارہ میں یہ امتیاز اُمت محمدیہ کو ہی حاصل ہے کہ رکوع صرف اسی اُمت کی نماز میں مشروع ہے دوسری اُمتوں کی نمازوں میں مشروع نہیں تھا۔"

رکوع و سجود ٹھیک طریقہ سے ادا کرنا چاہئے

(۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوا الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰهِ اِنِّىْ لَاَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِىْ۔ (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ راوی ہیں کہ آقاء نامدار ﷺ نے فرمایا "مسلمانو!) رکوع اور سجود ٹھیک طریقہ سے کیا کرو، خدا کی قسم میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھ لیا کرتا ہوں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اقیموا الرکوع و السجود کا مطلب یہ ہے کہ رکوع و سجود (قاعدہ کے مطابق اور ٹھہر ٹھہر کر نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ کیا کرو۔ ان ارکان کو جلدی جلدی ادا نہ کیا کرو کہ جس سے نہ رکوع ہی پوری طرح ادا ہو اور نہ سجدہ ہی حقیقی معنے میں کہلانے کا مستحق ہو۔

"اپنے پیچھے سے دیکھنے" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم لوگ میرے سامنے ہونے کی صورت میں نظر آتے ہو اسی طرح ازراہ معجزہ تم لوگ میرے پیچھے رہنے کی حالت میں بھی میری نظروں میں رہتے ہو اور تمہاری حرکات و سکنات سب پر میری نظر رہتی ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت اچھے طریقہ پر باب صفۃ الصلوۃ کی تیسری فصل میں کی جا چکی ہے۔

(۲) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رُكُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ سُجُوْدُهُ وَ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَ اِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوْعِ مَاخَلاَ الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ قیام و قعود کے علاوہ آقائے نامدار ﷺ کا رکوع، سجدہ، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع سے سر اٹھانا یہ چاروں چیزیں مقدار میں تقریباً برابر ہوتی تھیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ارکان نماز کی مقدار اس طرح بیان کی جاری ہے کہ چار ارکان یعنی رکوع، قومہ، سجدہ، اور جلسہ سب آپس میں تقریباً برابر ہوتے تھے البتہ قیام میں چونکہ قراءت کرتے تھے اور قعود میں التحیات پڑھتے تھے اس لئے یہ دونوں ارکان بقیہ ارکان کے مقابلہ میں طویل ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کا قومہ و سجدہ

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَامَ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر (رکوع سے) کھڑے ہوتے تو (اتنی دیر تک ٹھہرے رہتے کہ ہم (اپنے دل میں) کہنے لگتے کہ آنحضرتؐ نے ایک رکعت چھوڑ دی پھر آپ سجدہ میں جاتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھے رہتے کہ ہم (اپنے دل میں) کہتے کہ آپ ﷺ نے یہ سجدہ چھوڑ دیا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت انسؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے تو قومہ میں کافی دیر تک کھڑے رہا کرتے تھے یہاں تک کہ بسا اوقات آپ ﷺ کا اتنی دیر تک قومہ میں رہنا ہمیں اس گمان میں مبتلا کر دیتا تھا کہ شاید آنحضرت ﷺ نے اس رکعت کو کہ جس کے رکوع سے آپ ﷺ فارغ ہوئے ہیں ختم کر دیا ہے اور اب از سر نو نماز شروع کر دی ہے اس طرح آپ ﷺ سجدہ سے اٹھ کر دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں اتنی دیر تک بیٹھے رہتے کہ ہمیں خیال گزرتا کہ شاید آنحضرت ﷺ نے اس سے پہلے سجدہ کو کہ جس سے ابھی آپ ﷺ نے سر اٹھایا ہے ختم کر دیا ہے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ قومہ و جلسہ میں اتنی طوالت نفل نمازوں میں کرتے ہوں گے اور یہ بھی امکان ہے کہ بیان جواز کی خاطر فرض نمازوں میں بھی کبھی کر لیتے ہوں گے۔

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ اَنْ يَقُوْلَ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ يَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ قرآن کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے رکوع و سجود میں یہ دعا بہت کثرت سے پڑھتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اے اللہ تو پاک ہے، اے ہمارے پروردگار! میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں، اے اللہ تو میرے گناہ بخش دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرآن میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ یعنی اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرو اور اس سے مغفرت مانگو" اس لئے آنحضرت ﷺ کے اس حکم کی بجا آوری کے لئے رکوع و سجود میں اپنے پروردگار کی

تسبیح و تعریف کرتے اور اس سے مغفرت مانگتے تھے کیونکہ خشوع و خضوع کے تمام مواقع و احوال میں رکوع و سجود ہی افضل ترین مواقع و محل ہیں۔ بعض دوسری احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رکوع و سجود کے علاوہ بھی اس دعا کا ورد رکھتے تھے چنانچہ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ سورہ اذاجاء کہ جس میں یہ آیت مذکور ہے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کا آخر عمر میں یہی ذکر تھا۔

⑤ وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ اپنے رکوع و سجدہ میں یہ کہا کرتے تھے۔ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَآئِكَةِ وَالرُّوْحِ فرشتوں اور روح (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کا پروردگار بہت پاک ہے اور نہایت پاک ہے۔" (مسلمؒ)

رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے کی ممانعت

⑥ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ رَاكِعًا اَوْسَاجِدًا فَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ آقاء نامدار ﷺ نے فرمایا "لوگو خبردار ہو! مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں اس حالت میں رکوع یا حالت سجدہ میں قرآن پڑھوں! لہٰذا تم رکوع میں اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو اور سجدہ میں دعا کی پوری پوری کوشش کیا کرو۔ مناسب ہے کہ یہ دعا تمہارے لئے قبول کی جائے۔" (مسلمؒ)

تشریح: بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ نہی تنزیہی ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ نہی تحریمی ہے اور قیاس بھی یہی کہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی تمام حالتوں (ہیئتوں میں سے ہر حالت و ہیئت کو ذکر کی انواع میں سے ہر ایک نوع ذکر کے لئے مقرر کیا ہے مثلاً قیام کو جو کہ نماز کی تمام حالتوں و ہیئتوں میں سب سے زیادہ افضل اور رکن اعظم ہے قرآن پڑھنے کے لئے مقرر کیا ہے جو تمام اذکار میں سے سب سے افضل و اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی جانب سے حالت قیام کو صرف قرآن پڑھنے کے لئے مقرر کرنے کے بعد کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اس کے خلاف کیا جائے اور اگر کوئی اس کا خلاف کرے گا تو وہ یا فعل حرام کا مرتکب ہوگا یا اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا۔ اسی طرح دوسرے ارکان کے بارہ میں قیاس کیا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں رکوع و سجود میں قرآن پڑھوں کیونکہ رکوع و سجود اس لئے مقرر کئے گئے ہیں کہ ان میں پروردگار عالم کی بڑائی بیان کی جائے اور دعا مانگی جائے۔"

"رکوع میں بڑائی بیان کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ سبحان ربی العظیم پڑھو۔

سجدہ میں دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے تو سمجھ لیجئے کہ دعا کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ دعا کی ایک قسم تو یہ ہوتی ہے کہ پروردگار سے اپنے مطلب و مراد کے لئے درخواست کی جائے اور دعا کی دوسری قسم یہ ہوتی ہے کہ پروردگار کی حمد و ثنا اور تکبیر کی جائے اور اس کے ذکر میں مشغول رہا جائے کیونکہ رحیم و کریم کی تعریف وغیرہ بیان کرنا اور اس کے ذکر میں مشغول رہنا بھی حقیقت میں دعا ہی ہے۔ لہٰذا سجدہ میں کثرت سے دعا کرنے کا جو حکم فرمایا گیا ہے وہ دونوں قسم کی دعاؤں پر شامل ہے اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کا ذکر پر اکتفا کرنا اور صریح دعا سے منع کرنا بھی دعا کے حکم میں عین بجا آوری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِيْ عَنْ مَسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّائِلِيْنَ (یعنی جس شخص کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روکا (اس طرح کہ وہ شخص میرے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ سے مجھ سے سوال نہ کرسکا) تو میں اس شخص کو اس چیز سے کہ جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں (بہتر (چیز) بخشتا ہوں۔" مگر شرط یہ ہے کہ وہ شخص اس وقت پروردگار کے ذکر میں خلوص دل سے مشغول رہے۔

بعض محققین حنفیہ نے ان دونوں چیزوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ نوافل میں تو صریح دعا مانگنی چاہئے اور فرائض میں صرف تسبیحات پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ جب امام (رکوع سے اٹھتے ہوئے) سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم لک الحمد کہو کیونکہ جس شخص کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے ہم آہنگ، ہوجائے تو اس کے پہلے کئے ہوئے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس موضوع سے متعلق باب القرائۃ کی پہلی فصل میں اچھی طرح وضاحت کی جاچکی ہے۔ حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ عمل اختیار کرے گا تو انشاء اللہ اس وعدہ کے مطابق اس کے تمام صغیرہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ کبیرہ گناہوں کا معاملہ یہ ہے کہ اگر خدا چاہے گا تو انہیں بھی ازراہ فضل و کرم بخش دے گا کیونکہ اس کی ذات بڑی رحیم و کریم اور غفور ہے۔

قومہ کی دعا

⑧ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ ظَهْرَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب رکوع سے اپنی پشت مبارک اٹھاتے تو یہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اس شخص کی حمد کو جس نے اس کی حمد و ثنا کی۔ اے اللہ اور اے ہمارے پرور دگار! تیرے ہی لئے تمام تعریف ہے آسمانوں بھر، زمین بھر اور بقدر بھرنے اس چیز کو جس کو تو آسمانوں اور زمینوں کے بعد پیدا کرنا چاہئے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث میں مذکورہ کلمات میں ربنا لک الحمد کے بعد کے کلمات یعنی ملا السموات سے آخر تک صرف نفل نمازوں میں پڑھنے چاہئیں۔ فرائض میں نہیں۔

⑨ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ ظَهْرَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ کہتے تھے "اے اللہ اور اے ہمارے پرور دگار! تیرہی لئے تمام تعریف ہے آسمانوں بھر زمین بھر اور اس چیز کے بھرنے کے بقدر جس کو تو آسمانوں اور زمین کے بعد پیدا کرنا چاہے۔ اے ہر قسم کی تعریف اور بزرگی کے مستحق تیری ذات اس تعریف سے بالاتر ہے جو بندہ کرتا ہے ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ اے اللہ! تو نے جو چیز عطا فرمادی ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تونے دینے سے روک دیا اس کو کوئی دینے والا نہیں اور دولتمند کو اس کی دولتمندی تیرے عذاب سے کوئی نفع نہیں دیتی (یعنی عذاب سے نہیں بچاسکتی)۔" (مسلمؒ)

⑩ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّیْ وَرَاءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقَالَ رَجُلٌ وَّرَاءَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَكًا فِیْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ اٰنِفًا قَالَ اَنَا قَالَ رَاَیْتُ بِضْعَةً وَّثَلٰثِیْنَ مَلَكًا یَّبْتَدِرُوْنَهَا اَیُّهُمْ یَكْتُبُهَا اَوَّلُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت رفاعہ ابن رافعؓ فرماتے ہیں کہ ہم آقائے نامدار ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی حمد وثنا کو قبول کیا جس نے اس کی حمد وثنا کی) کہتے (ایک دن آپ ﷺ نے جب رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے یہ کلمات کہے تو) ایک شخص نے جو آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا کہا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ (یعنی اے ہمارے پروردگار! تیرے لئے ہی تعریف اور بہت تعریف ہے (ایسی تعریف) جو (شرک وریا کی آمیزش سے) پاک اور (کثرت اخلاص وحضوری قلب کی وجہ سے) بابرکت ہے۔ آنحضرت ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابھی (ان کلمات کو) کون پڑھ رہا تھا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں تھا! آپ ﷺ نے فرمایا "میں نے کچھ اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا جو آپس میں اس بات میں جلدی کر رہے تھے کہ ان کلمات کے ثواب کو پہلے کون لکھے۔" (بخاریؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

تعدیل ارکان کا حکم اور ائمہ کے مسلک

(۱۱) عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُجْزِئُ صَلَاةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت ابومسعود انصاریؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "کسی شخص کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی کمر کو سیدھا نہ کرے۔" (ابوداؤد، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: شرح منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ تعدیل ارکان یعنی رکوع و سجود میں اتنا ٹھہرنا کہ جسم کے تمام اعضاء جوڑ اپنی جگہ آجائیں۔ اس حدیث کی بنا پر حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالک، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک فرض ہے اور اس کی ادنیٰ مقدار ایک تسبیح کے بقدر ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے۔

پھر منیۃ المصلی میں یہ بھی لکھا ہے کہ رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہونا یعنی قومہ اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا یعنی جلسہ اور طمانینت یہ سب چیزیں بھی حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک فرض اور حضرت امام ابوحنیفہؒ و حضرت امام محمدؒ کے نزدیک سُنّت ہیں۔ علامہ ابن ہمامؒ کی رائے یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ کے بارہ میں مناسب اور بہتر یہ ہے کہ ان دونوں کو واجب کہا جائے۔ واللہ اعلم

رکوع و سجود کی تسبیحات

(۱۲) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ اجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت "فسبح باسم ربک العظیم" نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اس کو (سبحان ربی العظیم کی صورت میں) اپنے رکوع میں شامل کرلو اور جب یہ آیت "سبح اسم ربک الاعلی" نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو (سبحان ربی الاعلی کی صورت میں) اپنے سجدوں میں داخل کرلو۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

(۱۳) وَعَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَكَعَ اَحَدُكُمْ فَقَالَ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوْعُهٗ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ وَاِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ

الْاَعْلٰی ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدُهٗ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ لَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ عَوْنًا لَمْ یَلْقَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ۔

"اور حضرت عون ابن عبداللہ حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اس رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہنا چاہئے اس کا رکوع پورا ہو گا اور یہ ادنی درجہ ہے اور جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اسے سجدہ میں سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ کہنا چاہئے اس کا سجدہ پورا ہوگا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔(ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ) اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ اس روایت کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ عونؒ کی ملاقات ابن مسعودؓ سے ثابت نہیں ہے۔"

تشریح: رکوع و سجود میں اس تسبیحات کو تین مرتبہ کہنا ادنی درجہ کمال سُنّت کا ہے ورنہ تو اصل سُنّت ایک مرتبہ میں ادا ہو جاتی ہے اور کمال سُنّت کا اوسط درجہ پانچ مرتبہ ہے اور اعلی درجہ سات مرتبہ کہنا ہے اور انتہائے کمال کی کوئی حد نہیں ہے گو بعض حضرات نے دس مرتبہ کہا ہے اور بعض حضرات نے تو تقریباً قیام کی مقدار تک کہا ہے لیکن بہر صورت امام کو مقتدیوں کی رعایت لازم ہوگی۔

فنی طور پر اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث منقطع کو مستدل بنانا غلط نہیں ہے کیونکہ متفقہ طور پر سب کے نزدیک فضائل اعمال کے سلسلہ میں حدیث منقطع پر بھی عمل کرنا جائز ہے۔

⑭ وَعَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّهٗ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ یَقُوْلُ فِیْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ وَفِیْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَمَا اَتٰی عَلٰی اٰیَةِ رَحْمَةٍ اِلَّا وَقَفَ وَسَاَلَ وَمَا اَتٰی عَلٰی اٰیَةِ عَذَابٍ اِلَّا وَقَفَ وَتَعَوَّذَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارِمِیُّ وَرَوَی النَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلٰی قَوْلِهٖ الْاَعْلٰی وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

"اور حضرت حذیفہؓ راوی ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی چنانچہ آپ ﷺ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلی پڑھتے تھے اور جب بھی آپ ﷺ (قراءت میں) کسی آیت رحمت پر پہنچتے تو وہاں رک جاتے اور طلب رحمت کی دعا کرتے اور جب کسی آیت عذاب پر پہنچتے تو وہاں رک ________ کر عذاب سے پناہ مانگتے۔ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ، نسائی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو سبحان ربی الاعلی تک نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: علماء حنفیہ اور علماء مالکیہ اس حدیث کو آنحضرت ﷺ کی نفل نماز پر محمول کرتے ہیں کیونکہ ان حضرات کے نزدیک فرض نماز میں درمیان قراءت دعا مانگنی اور پناہ مانگنی جائز نہیں ہے لیکن اس حدیث کو جواز پر حمل کرنا بھی ممکن ہے کیونکہ ہو سکتا ہے آنحضرت ﷺ نے کبھی بیان جواز کی خاطر فرض نماز میں بھی ایسا کیا ہو۔ شیخ جزریؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو مسلمؒ نے بھی نقل کیا ہے لہٰذا مؤلف مشکوٰۃ کو یہ حدیث دوسری فصل کی بجائے پہلی فصل میں نقل کرنا چاہئے تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑮ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَثَ قَدْرَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَیَقُوْلُ فِیْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَةِ۔ (رواه النسائی)

"اور حضرت عوف ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی چنانچہ جب آپ رکوع میں گئے تو بقدر سورہ بقرہ "پڑھنے کے) بقدر ٹھہرے اور (رکوع میں) یہ کہتے جاتے تھے۔ "قہر و بادشاہت اور بڑائی و بزرگی کا مالک (خدا) پاک ہے۔" (نسائیؒ)

تشریح: یہ فرض نماز کا ذکر نہیں ہے بلکہ بعض حضرات کے قول کے مطابق یہ تہجد کی نماز تھی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ نماز کسوف تھی۔

⑯ وَعَنِ ابْنِ جُبَیْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ یَقُوْلُ مَاصَلَّیْتُ وَرَاءَ اَحَدٍ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

أَشْبَهُ صَلاةً بِصَلاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا الفتٰى يَعْنِي عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِيْزِ قَالَ قَالَ فَحزَرْنا رُكُوْعَهُ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ وَسُجُوْدَهُ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "میں نے آقائے نامدار ﷺ کی وفات کے بعد اس نوجوان یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے علاوہ کسی کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو آنحضرت ﷺ کی نماز کے مشابہ ہو۔" راوی کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے فرمایا "ہم نے ان کے (یعنی آنحضرت ﷺ کے یا حضرت عمرؒ کے، رکوع کا دس تسبیحات (کے بقدر) اور سجدہ کا دس تسبیحات (کے بقدر) اندازہ کیا۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جتنی دیر میں وہ رکوع یا سجدہ کرتے تھے ہم دس تسبیحیں پڑھ لیا کرتے تھے لہٰذا وہ بھی دس یا دس سے کم و بیش تسبیحات پڑھتے ہوں گے۔

⑰ وَعَنْ شَقِيْقٍ قَالَ اِنَّ حُذَيْفَةَ رَأٰى رَجُلاً لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهُ وَلَا سُجُوْدَهُ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ مَاصَلَّيْتَ قَالَ وَاَحْسِبُهُ قَالَ وَلَوْمُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِیْ فَطَرَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (البخاری)

"اور حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ (نماز میں) اپنے رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا تھا چنانچہ جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت حذیفہؓ نے اسے بلایا اور کہا کہ تم نے پوری (طرح) نماز نہیں پڑھی۔" حضرت شقیق کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے اس شخص سے یہ بھی کہا کہ اگر تم (ایسی نماز سے بغیر توبہ کئے ہوئے) مرجاؤ تو تم غیر فطرت پر (یعنی اس طریقہ اسلام کے خلاف) مرو گے جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیدا کیا۔" (بخاریؒ)

⑱ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِیْ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهٖ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهٖ قَالَ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوقتادہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا چوری کرنے کے اعتبار سے سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرے۔" صحابہ نے عرض کیا "یارسول اللہ (ﷺ)! نماز کی چوری کیسے ہوتی ہے"؟ فرمایا "رکوع و سجود کا پورا نہ کرنا۔" (احمدؒ)

تشریح: مال کی چوری کرنے والے سے نماز کی چوری کرنے والا شخص اس لئے برا ہے کہ مال چرانے والا کم سے کم چوری مال سے دنیا میں فائدہ تو اٹھالیتا ہے اور پھر یہ کہ مالک سے معاف کرنے کے بعد یا سزا کے طور پر (اسلامی قانون کے مطابق) اپنے ہاتھ کٹوا کر وہ مؤاخذہ آخرت سے بچ جاتا ہے لیکن اس کے برخلاف نماز کی چوری کرنے والا شخص ثواب کے معاملہ میں خود اپنے نفس کا حق مارتا ہے اور اس کے بدلہ میں عذاب آخرت کو لے لیتا ہے لیکن اس نقصان و خسران کے علاوہ اس کے ہاتھ اور کچھ نہیں لگتا۔"

⑲ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُرَّةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاتُرَوْنَ فِی الشَّارِبِ وَالزَّانِیْ وَالسَّارِقِ وَذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ تَنْزِلَ فِيْهِمُ الْحُدُوْدُ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هُنَّ فَوَاحِشُ وَفِيْهِنَّ عُقُوْبَةٌ وَاَسْوَءُ السَّرِقَةِ الَّذِیْ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهٖ قَالُوْا وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهٖ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا۔ (رواہ مالک و احمد وروی دارمی نحوہ)

"حضرت نعمان ابن مرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے (صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا "شراب پینے والے، زنا کرنے والے، اور چوری کرنے والے کے بارہ میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے (کہ وہ کس قدر گناہ گار ہیں؟) آپ ﷺ نے یہ سوال حدود نازل ہونے سے پہلے کیا تھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ گناہ کبیرہ ہیں جن کی سزا بھی ہے اور بدترین چوری وہ چوری ہے جو انسان اپنی نماز میں کرتا ہے۔" صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) انسان اپنی نماز میں چوری کیسے کرتا ہے؟ فرمایا "وہ رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کرتا۔" (مالکؒ، دارمیؒ)

تشریح: نقل کردہ روایت میں لفظ ترون تا کے زبر کے ساتھ ہے جس کی معنی یہ ہیں کہ تم کیا اعتقاد کرتے ہو؟ لیکن ایک نسخہ میں تا کے پیش کے ساتھ بھی ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ راوی کے الفاظ میں یہ سوال حدود نازل ہونے سے پہلے کیا تھا۔ وجہ سوال کو ظاہر کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ سوال صحابہؓ سے اس وقت کیا تھا جب کہ ان افعال کی برائی صحابہؓ کو اچھی طرح معلوم نہ تھی جب ان افعال بد کی حدود (سزائیں) متعین ہو گئیں تو پھر سب کے ذہن میں ان کی برائی راسخ ہو گئی اور ان میں کوئی شبہ نہ رہا۔

بَابُ السُّجُوْدِ وَفَضْلِهٖ
سجدہ کی کیفیت اور اس کی فضیلت کا بیان

"زمین پر سر ٹیکنا اور عاجزی کا اظہار کرنا" سجدہ کے لغوی معنی ہیں۔ اصطلاح شریعت میں سجدہ کہتے ہیں "خدا کے سامنے اپنی عبودیت اور کمال عجز و انکساری کے اظہار کے طور پر بندہ کا اپنے سر کو زمین پر ٹیک دینا۔"

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

اعضاء سجدہ

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفُّ الثِّيَابَ وَلَا الشَّعْرَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا" مجھے (جسم کی) سات ہڈیوں یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، گھٹنے اور دونوں پیروں کے پنجوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ ممنوع ہے کہ ہم کپڑوں اور بالوں کو سمیٹیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ سجدہ میں جسم کے کس کس عضو کو زمین پر ٹیکنا چاہئے چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ سجدہ کے وقت پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پیروں کے پنجوں کو زمین پر ٹیکنا چاہئے۔

اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ سجدہ ناک اور پیشانی دونوں سے کرنا چاہئے بغیر ان دونوں کو زمین پر ٹیکے ہوئے سجدہ جائز نہیں ہوتا مگر حضرتِ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور صاحبین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر محض پیشانی ہی ٹیک کر سجدہ کر لیا جائے تو جائز ہے البتہ بغیر کسی عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک محض ناک کو زمین پر ٹیک کر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی ایسا عذر پیش ہو کہ پیشانی کو زمین پر ٹیکنا ممکن نہ ہو تو جائز ہے، اس سلسلہ میں حضرت امام اعظمؒ کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔

سجدہ میں دونوں پیروں کو زمین پر رکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص سجدہ میں دونوں پیر زمین سے اٹھالے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور ایک پیر اٹھالے گا تو سجدہ مکروہ ہوگا۔ سجدہ میں پیروں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف رکھنا فرض ہے خواہ ایک ہی انگلی رکھی جائے۔ اگر انگلیاں قبلہ کی سمت نہ ہوں گی تو جائز نہیں ہوگا۔

در مختار میں ایک جگہ مذکور ہے کہ "پیشانی اور دونوں پیروں کے ساتھ سجدہ کرنا فرض ہے اور دونوں پیروں میں کم سے کم ایک انگلی زمین پر رکھنا شرط ہے اور ہاتھوں اور زانوؤں کو زمین پر رکھنا سنت ہے، حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک یہی ہے۔

سجدہ میں بال اور کپڑے کو ہٹانے اور سمیٹنے کی ممانعت: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے بالوں

اور کپڑوں کو اس غرض سے سمیٹنا اور ہٹانا تاکہ وہ خاک آلود اور گندے نہ ہوں ممنوع ہے، ویسے بھی بغیر اس مقصد کے یوں ہی کپڑوں اور بالوں کو سمیٹنا یا دامن وغیرہ کا باندھ لینا ممنوع ہے۔

بالوں کو سمیٹنے کا مطلب یہ ہے کہ سر کے بالوں کو جمع کر کے دستار وغیرہ کے اندر کر لیا جائے تاکہ سجدہ میں لٹکنے نہ پائیں۔ اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ بالوں کو ایسے ہی چھوڑ دینا چاہئے تاکہ وہ بھی سجدہ کریں۔

سجدہ میں طمانینت کا حکم

(۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اعْتَدِلُوْا فِی السُّجُوْدِ وَلَا یَبْسُطْ اَحَدُکُمْ ذِرَاعَیْہِ انْبِسَاطَ الْکَلْبِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انس راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "سجدہ میں (اطمینان سے) ٹھہرو! اور تم میں سے کوئی شخص (سجدہ میں) اپنے دونوں ہاتھوں کو کتے کی طرح نہ پھیلائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ میں "اعتدال" یعنی ٹھہرنے سے مراد یہ ہے کہ سجدہ میں طمانینت یعنی خاطر جمعی سے ٹھہرا جائے اور سجدہ میں جو تسبیح پڑھی جاتی ہے اسے اطمینان سے پڑھا جائے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "سجدہ میں اعتدال سے مراد یہ ہے کہ پشت کو ہموار رکھا جائے، دونوں ہاتھ زمین پر رکھے جائیں، کہنیاں زمین سے اوپر اٹھی رہیں اور پیٹ زانوں سے الگ رہے۔

سجدہ میں ہاتھوں اور کہنیوں کو رکھنے کا طریقہ

(۳) وَعَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ کَفَّیْکَ وَارْفَعْ مِرْفَقَیْکَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت براء ابن عازبؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جب تم سجدہ کرو تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھو اور کہنیوں کو زمین سے اونچا رکھو۔" (مسلمؒ)

تشریح: سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین پر کانوں کے سامنے رکھی رہیں، انگلیاں آپس میں ملی ہوں، اور یہ کہ ہاتھ کھلے رہیں کسی کپڑے وغیرہ کے اندر انہیں چھپانا مکروہ ہے۔

"کہنیوں کو اونچا رکھنے" کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ دونوں کہنیاں زمین سے اونچی رہیں یا پھر یہ کہ دونوں پہلوؤں سے اونچی رہیں۔ بہر صورت یہ حکم خاص طور پر مردوں کے لئے ہے عورتوں اس حکم میں شامل نہیں ہیں کیونکہ عورتوں کو تو سجدہ میں کہنیوں کو زمین پر پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھنے کا حکم ہے اس لئے کہ اس طرح جسم کی نمائش نہیں ہوتی اور پردہ اچھی طرح ہوتا ہے۔

(۴) وَعَنْ مَیْمُوْنَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ جَافٰی بَیْنَ یَدَیْہِ حَتّٰی لَوْ اَنَّ بَھْمَۃً اَرَادَتْ اَنْ تَمُرَّ تَحْتَ یَدَیْہِ مَرَّتْ ھٰذَا لَفْظُ اَبِیْ دَاؤدَ کَمَا صَرَّحَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ بِاِسْنَادِہٖ وَلِمُسْلِمٍ بِمَعْنَاہُ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ لَوْ شَاءَتْ بَھْمَۃٌ اَنْ تَمُرَّ بَیْنَ یَدَیْہِ لَمَرَّتْ۔

"اور اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان اتنا فرق رکھتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ ﷺ کے ہاتھوں کے نیچے سے گذرنا چاہے تو گذر سکتا تھا۔" یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں جیسا کہ خود بغوی نے شرح السنۃ میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور مسلمؒ نے یہ حدیث بالمعنی نقل کی ہے (جس کے الفاظ یہ ہیں) کہ حضرت میمونہؓ نے فرمایا۔

"آنحضرت ﷺ (اس طرح) سجدہ کرتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ ﷺ کے ہاتھوں میں سے نکلنا چاہتا تو نکل جاتا۔"

تشریح: ہاتھوں کے درمیان فرق رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سجدہ میں اپنے دونوں بازو پہلو سے اور پیٹ اور ران سے الگ رکھتے تھے۔

حدیث میں بکری کے بچہ کے لئے "بھمة" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بھمة بکری کے اس بچہ کو کہتے ہیں جو بڑا ہو کر اپنے پیروں چلنے لگتا ہے اور جب بکری کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اسے "سخلة" کہتے ہیں۔

"ہذا لفظ ابی داؤد" سے مصنف مشکوٰۃ کا مقصد صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے کہ اس حدیث کو جس کے الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ پہلی فصل میں نقل کرنا نہیں چاہئے تھا کیونکہ پہلی فصل میں تو صرف شیخین یعنی بخاری و مسلم کی روایت کردہ احادیث ہی نقل کی جاتی ہیں۔

⑤ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مالک ابن بحینہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو اتنا کشادہ رکھتے تھے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: بحینہ حضرت عبداللہ کی والدہ کا نام ہے اور مالک ان کے والد کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مالک اور ابن کے درمیان کے الف کو باقی رکھ کر مالک کو تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ مالک بحینہ کے بیٹے کا نام ہے بلکہ یہ جانیں کے بحینہ کے لڑکے حضرت عبداللہ ہی ہیں اور ابن مالک و ابن بحینہ دونوں نسبتیں انہیں کی ہیں۔

بہر حال۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے آنحضرت ﷺ کو جب نماز پڑھتے دیکھا تھا اس وقت آپ ﷺ کے بدن مبارک پر کپڑا نہ تھا، یا ان کی مراد یہ ہوگی کہ آپ ﷺ کی بغل کی جگہ معلوم ہوتی تھی اور "بغلوں کی سفیدی" اس لئے کہا ہے کہ آپ ﷺ کی بغل مبارک بالکل سفید اور صاف و شفاف تھی جیسا کہ آپ ﷺ کا پورا بدن ہی آئینہ کی طرح سفید اور صاف و شفاف تھا، دوسرے لوگوں کی طرح آپ ﷺ کی بغلیں سیاہ اور مکدر نہ تھیں۔

سجدہ میں آنحضرت ﷺ کی دعا

⑥ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجُلَّهٗ وَ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنے سجدہ میں یہ کہتے تھے، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ ذَنْبِىْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجُلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ اے اللہ! میرے تمام چھوٹے بڑے، پہلے پچھلے، کھلے ہوئے اور چھپے ہوئے گناہ بخش دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سجدہ میں کبھی کبھی یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے۔ پھر یہ احتمال بھی ہے کہ یا تو آپ ﷺ اس دعا کو تسبیح یعنی سبحان ربی الاعلیٰ کے ساتھ پڑھتے ہوں گے یا بغیر تسبیح کے صرف اسی دعا پر اکتفاء فرماتے ہوں گے۔

"چھپے ہوئے گناہوں" سے مراد وہ گناہ ہیں جو انسان کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں ورنہ تو خدا کے نزدیک چھپے ہوئے کھلے ہوئے گناہ دونوں یکساں ہیں۔ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى یعنی وہ (خدا) پوشیدہ سے پوشیدہ چیزوں کو بھی جانتا ہے۔

⑦ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِّنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهٗ فَوَقَعَتْ يَدِيْ عَلٰى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رحمت عالم ﷺ کو بستر پر موجود نہ پایا، میں آپ ﷺ کو تلاش کر رہی تھی کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے پیروں کو جالگا (چنانچہ میں نے دیکھا کا) آپ ﷺ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز تھے اور آپ ﷺ کے دونوں پیر مبارک کھڑے ہوئے تھے اور آپ ﷺ یہ کہہ رہے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِی ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ اے اللہ! میں تیری خوشنودی کے ذریعہ تیرے غیظ و غضب سے (یعنی ان افعال سے جو مجھ پر یا میری اُمت پر تیرے غضب کا ذریعہ بنیں پناہ مانگتا ہوں، تیری معافی کے ذریعہ تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے (یعنی تیری رحمت کے ذریعہ تیرے قہر سے) پناہ کا طلبگار ہوں۔ میں تیری تعریف کا شمار و احاطہ نہیں کر سکتا۔ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ خود تو نے اپنی تعریف کی ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے چھونے سے مرد کا وضو نہیں ٹوٹتا جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے کہ عورت کو چھونا ناقص وضو نہیں ہے۔

لا احصی ثناء علیك کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار! مجھ میں اتنی طاقت و قوت نہیں ہے کہ تیری ایسی تعریف کر سکوں جو تیری شان کے لائق ہو، تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف میں یہ کہا ہے کہ۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔

"تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا، پروردگار جہانوں کا ہے اور زمین و آسمانوں میں اسی کے لئے بڑائی و بزرگی ہے اور وہ غالب و دانا ہے۔" (قرآن)

سجدہ پروردگار سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے

⑧ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَا یَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوا الدُّعَاءَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "بندہ کا خدا سے قریب ترین ہونا اس وقت شمار ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو اس لئے تم (سجدہ میں) بہت زیادہ دعا کیا کرو۔" (مسلمؒ)

تشریح: یوں تو خداوند قدوس ہر وقت اور ہر حال میں اپنے بندوں سے نزدیک رہتا ہے مگر سب سے زیادہ نزدیک اس وقت ہوتا ہے جب بندہ سجدہ میں ہوتا ہے یعنی سجدہ کی حالت میں خدا بندہ سے راضی ہوتا ہے اور دعا قبول کرتا ہے اسی لئے آپ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ سجدہ میں کثرت سے دعا مانگنی چاہئے تاکہ وہ قبولیت کے درجہ کو پہنچے۔

سجدہ تلاوت کے وقت شیطان کی آہ و بکاہ

⑨ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَرَأَ ابْنُ اٰدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اِعْتَزَلَ الشَّیْطَانُ یَبْكِیْ یَقُوْلُ یَاوَیْلَتٰی اُمِرَ ابْنُ اٰدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَیْتُ فَلِیَ النَّارُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جب ابن آدم (یعنی بندۂ مؤمن) سجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور (پڑھنے والا یا سننے والا) سجدہ کرتا ہے تو اس وقت شیطان لعین روتا ہوا ایک طرف ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ "واحسرتا! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور (اس کے بدلہ میں) وہ جنت کا حقدار ہے اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے (سجدہ نہ کر کے پروردگار کی) نافرمانی کی چنانچہ (اس کے نتیجہ میں) مجھے آگ ملی۔" (مسلمؒ)

کثرت سجدہ جنّت میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا ذریعہ ہے

⑩ وَعَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيْتُهُ بِوَضُوْءِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوْغَيْرَ ذٰلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ربیعہؓ[1] ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں رات میں رحمت عالم ﷺ کے ساتھ رہا کرتا تھا اور وضو کا پانی دوسری ضروریات (مثلاً مسواک، جائے نماز وغیرہ) پیش کیا کرتا تھا (ایک روز) سرکار دو عالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ "(دین و دنیا کی بھلائیوں میں سے جو کچھ مانگنا چاہتے ہو) مانگو!" میں نے عرض کیا "میری درخواست تو صرف یہ ہے کہ جنّت میں مجھ کو آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہو۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "(جس مرتبہ کو تم پہنچنا چاہتے ہو یہ تو بہت عظیم ہے اس کے سوا) کچھ اور مانگو۔" میں نے عرض کیا "میری درخواست تو بس یہی ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "سو اس مرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے) تم کثرت سے سجود کے ذریعہ اپنی ذات سے میری مدد کرو۔" (مسلم)

تشریح: ربیعہؓ چونکہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی ضروریات پیش کرنے پر معمور تھے۔ اس لئے ان کی اس خدمت اور جذبۂ اطاعت و فرمانبرداری کے صلہ میں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم دین و دنیا کی جو بھی بھلائی چاہتے ہو مانگ لو۔ ظاہر ہے کہ ایک وفادار خادم اور جاں قربان کرنے والا غلام اس سے بڑی اور کیا تمنا رکھ سکتا ہے کہ اس کا وہ آقا جس کی خدمت نے اس کو دین و دنیا کی عظیم سعادتوں سے نواز رکھا ہے جنّت میں بھی اس کی رفاقت کی سعادت حاصل ہو جائے چنانچہ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! میری سب سے بڑی تمنا اور سب سے بڑی خواہش تو بس یہی ہے کہ جس طرح آپ ﷺ نے اس دنیا میں اپنے قدموں میں جگہ دے رکھی ہے اسی طرح جنّت کی پر سعادت فضا میں بھی آپ ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہو جائے، پہلے تو آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ یہ اس کے علاوہ کچھ اور مانگ لیں مگر جب دیکھا کہ انہیں اپنی اس خواہش پر اصرار ہے تو فرمایا کہ "اس عظیم مرتبے اور اس بڑی سعادت کو حاصل کرنے کے لئے تم کثرت سجود کے ذریعہ اپنی ذات سے میری مدد کرو۔ یعنی اگر تمہارا یہی اصرار ہے اور تم اسی خواہش کی تکمیل چاہتے ہو تو پھر آؤ تم کو میں ایک ایسا راستہ بتا دیتا ہوں جو تمہاری منزل مقصود تک جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہارا اپنا تو کام یہ ہونا چاہئے کہ نماز پڑھتے رہو اور بارگاہ خداوندی میں کثرت سے سجدہ کر کے اپنی عجز و بے چارگی کا اظہار کیا کرو اور سجدہ میں دعا کرتے رہا کرو، ادھر میں بھی تمہارے لئے دعا کرتا ہوں اور حصول مقصد اور تمہاری اس خواہش کی تکمیل کے لئے کوشش کرتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ میں تمہیں جو بتاؤں یعنی جو حکم دوں اس پر پورا پورا عمل کرتے رہو کہ راہ سعادت حاصل ہونے کی تدبیر یہی ہے اور انشاء اللہ اس کے بعد تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔

فتح قفل ارچہ کلید است اے عزیز جنبش از دست تومی خواہند نیز

یعنی: عزیز من! قفل اگرچہ کنجی ہی سے کھلتا ہے لیکن تمہارے ہاتھ کی حرکت بھی تو ضروری ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خدمت کرنا اور ان کی رضا خوشنودی کو پوری کرنا درحقیقت فضیلت و سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے خاص طور پر سرکار دو عالم ﷺ کی رضا کو مدنظر رکھنا تو دین دنیا کی سب سے بڑی سعادت و بھلائی ہے۔

اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ بھی ہے کہ طالب صادق کو چاہئے کہ اس کا مطلوب صرف آخرت کی نعمتیں ہوں کہ جن کو دوام و بقاء حاصل ہے دنیا کی لذتوں کی طرف التفات نہ کرے کہ جو فانی اور ختم ہو جانے والی ہیں۔ لیکن شرط یہ بھی ہے کہ بندگی میں اپنی طرف

[1] حضرت ربیعہ بن کعب نام اور ابوفراس کنیت ہے۔ آپ سفر و حضر میں حضورؐ کے ساتھ رہے اور ۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

سے کوئی قصور نہ ہو کیونکہ محض آرزو اور تمنا ہی منزل مقصود تک نہیں پہنچاتی بلکہ اس میں اپنی طرف سے کوشش و سعی کو بھی دخل ہوتا ہے جیسا کہ بڑوں نے کہا ہے کہ "کسی تمنا اور آرزو کے ہوتے ہوئے کوشش و سعی نہ کرنا بلکہ بیکار بیٹھنا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا ہے۔

کارکن کار بگزار گفتار کاندریں راہ کار دار دکار

یعنی عمل کرو، زبانی جمع خرچ سے بچو، کیونکہ اس راستہ میں تو صرف عمل ہی عمل ہے۔

(۱۱) وَعَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِيْتُ ثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ اَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِي اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ فَاِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيْئَةً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لِيْ مِثْلَ مَا قَالَ لِيْ ثَوْبَانُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت معدان بن طلحہؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ سے ملاقات کی اور ان سے عرض کیا کہ "مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ اس کے کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے۔ ثوبانؓ (میرا سوال سن کر) خاموش رہے، میں نے دوبارہ عرض کیا وہ پھر بھی خاموش رہے جب میں نے تیسری مرتبہ عرض کیا تو انھوں نے فرمایا کہ "یہی سوال میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے کیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے (میرے سوال کے جواب میں) فرمایا تھا کہ "تم کثرت سے بارگاہ خداوندی میں سجدہ کیا کرو، تم ایک سجدہ خدا کے حضور میں کرو گے تو اس کی وجہ سے خدا تمہارا ایک درجہ بلند کر دے گا اور اس کی وجہ سے ایک گناہ کم کر دے گا۔" معدانؒ کہتے ہیں کہ میں نے پھر حضرت ابودرداءؓ سے ملاقات کی اور ان سے بھی وہی سوال کیا (جو ثوبانؓ سے کیا تھا) چنانچہ انھوں نے بھی مجھے وہی جواب دیا جو ثوبانؓ نے دیا تھا۔" (مسلم)

تشریح: حضرت معدان کے دو مرتبہ سوال کرنے پر بھی حضرت ثوبانؓ نے جواب اس لئے نہیں دیا کہ سائل کو رغبت زیادہ ہو، اور آتش شوق بھڑک کر جواب کی اہمیت و عظمت کا احساس کر سکے اور عملی قوت پوری طرح بیدار ہو جائے۔

سجدوں سے مراد کوئی خاص سجدے نہیں ہیں بلکہ نماز کے سجدے بھی مراد ہو سکتے ہیں اور سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

سجدہ کرنے کا طریقہ

(۱۲) عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَاِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجۃ والدارمی)

"حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ سجدہ کرنے کا ارادہ کرتے تو پہلے اپنے دونوں گھٹنے (زمین پر) ٹیکتے اور پھر دونوں ہاتھ رکھتے اور جب سجدہ سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر دونوں گھٹنے اٹھاتے۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ سجدہ کرتے وقت پہلے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکنے چاہئیں اس کے بعد دونوں ہاتھ رکھے جائیں اسی طرح سجدہ سے اٹھتے وقت پہلے دونوں ہاتھ اور پھر دونوں گھٹنے اٹھانے چاہئیں ابوداؤدؒ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ (سجدہ سے) گھٹنوں کے بل اٹھتے تھے اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر ٹیکتے تھے۔"

علماء نے اعضاء سجدہ کو زمین پر رکھنے کے سلسلہ میں ایک اصول متعین کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اعضاء سجدہ کو زمین پر ٹیکنا زمین کے قرب کے اعتبار سے ہے یعنی جو عضو میں سے زیادہ قریب ہو اسے پہلے زمین پر رکھا جائے اسی ترتیب سے تمام عضو رکھے جائیں اور سجدہ سے اٹھتے وقت اس کا عکس ہونا چاہئے۔ یعنی جو عضو زمین سے سب سے زیادہ قریب ہو اسے سب سے بعد میں اٹھانا چاہئے۔

زمین پر ناک اور پیشانی ٹیکنے کے سلسلہ میں مسئلہ تو یہ ہے کہ ناک اور پیشانی یہ دونوں عضو کے حکم ہیں کہ دونوں عضو ایک ساتھ زمین پر ٹیکنے چاہئیں لیکن بعض حضرات کا قول یہ بھی ہے کہ ناک زمین سے زیادہ قریب ہے اس لئے پہلے ناک رکھی جائے اس کے بعد پیشانی ٹیکی جائے۔

علامہ شمنیؒ نے فرمایا ہے کہ "سجدہ میں جاتے وقت اگر کسی عذر مثلاً موزہ وغیرہ کی بناء پر گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پہلے رکھنا دشوار ہو تو پہلے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک لئے جائیں اس کے بعد دونوں گھٹنے رکھے جائیں۔

⑬ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيْرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ قَالَ اَبُوْسُلَيْمَانَ الْخَطَّابِیُّ حَدِيْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَثْبَتُ مِنْ هٰذَا وَقِيْلَ هٰذَا مَنْسُوْخٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی جب سجدہ کرے تو وہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اسے چاہئے کہ اپنے دونوں گھٹنے سے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

اور ابوسلیمان خطابیؒ نے کہا ہے کہ حضرت وائل ابن حجرؓ کی حدیث اس حدیث سے زیادہ (صحیح) ثابت ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔"

تشریح: اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھنے" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اونٹ زمین پر بیٹھنے کے وقت اپنے دونوں گھٹنے زمین پر پہلے رکھتا ہے۔ اس طرح سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے زمین پر نہ ٹیکے جائیں۔

آپؐ نے اونٹ کی بیٹھک سے مشابہت دی ہے باوجودیکہ اونٹ بیٹھتے وقت زمین پر پاؤں رکھنے سے پہلے ہاتھ رکھتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا گھٹنا پاؤں میں ہوتا ہے اور جانور کا گھٹنا ہاتھ میں ہوتا ہے لہٰذا جب کوئی شخص سجدہ میں جاتے وقت زمین پر پہلے گھٹنے رکھے گا تو اونٹ کے بیٹھنے سے مشابہت ہوگی۔

بہر حال۔ یہ حدیث اوپر کی حدیث کی مخالف ہے کیونکہ پہلی حدیث تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر ٹیکے جائیں اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہاتھ زمین پر رکھے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کا یہاں بھی اختلاف ہے چنانچہ جیسا اوپر کی حدیث کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے جمہور علماء حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اوپر کی حدیث پر جو حضرت وائل ابن حجر سے مروی ہے عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکے جائیں۔

حضرت امام مالکؒ، اوزاعیؒ، اور کچھ دوسرے علماء حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے زمین پر دونوں ہاتھ ٹیکے جائیں۔

ان دونوں احادیث کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت سے حضرت وائل ابن حجرؓ کی اوپر والی حدیث زیادہ صحیح، قوی تر اور مشہور تر ہے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس حدیث کو مرتبہ صحت پر پہنچا کر اسے ترجیح دی ہے اور فن حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ جب دو حدیثیں ایک دوسرے کے مخالف ہوتی ہیں تو عمل قوی تر اور صحیح تر پر کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کو حضرت وائل کی روایت سے منسوخ قرار دیا ہے۔

نیز ایک روایت میں حضرت ابن خزیمہؒ سے بھی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب سجدہ میں جاتے تھے تو (سجدہ کی) ابتدا گھٹنے سے

کرتے تھے یعنی پہلے گھٹنوں کو زمین پر ٹیکتے تھے۔ انہی وجوہات کی طرف مؤلف مشکوٰۃ نے قال ابوسلیمان الخ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

دونوں سجدوں کے درمیان آنحضرت ﷺ کی دعا

⑭ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ کہا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر، مجھے ہدایت فرما (دونوں جہاں کی بلاؤں اور امراض ظاہر و باطن سے) مجھے محفوظ رکھ اور مجھے رزق عطا فرما۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

⑮ وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْلِيْ۔ (رواہ النسائی والدارمی)

"اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ کہا کرتے تھے کہ رَبِّ اغْفِرْلِيْ اے میرے پروردگار مجھے بخش دے۔" (نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: اس روایت کو ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے مگر ان کی روایت میں یہ دعائیہ کلمات تین مرتبہ مذکور ہیں یعنی آپ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا تین مرتبہ پڑھتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

جلدی جلدی سجدہ کرنے کی ممانعت

⑯ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ وَاَنْ يُّوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيْرُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی)

"حضرت عبدالرحمٰن ابن شبلؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے کوے کی طرح ٹھونگ مارنے اور درندوں کی طرح (ہاتھوں کو) بچھانے سے منع فرمایا ہے اور (اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ) کوئی شخص مسجدوں میں جگہ مقرر کرے جیسا کہ اونٹ مقرر کرتا ہے۔"

(ابوداؤدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: اس حدیث میں تین چیزوں سے منع کیا جا رہا پہلی تو یہ کہ جس طرح کوا زمین سے دانہ چگنے کے لئے جلدی جلدی چونچ زمین پر مار کر دانہ اٹھاتا ہے اس طرح سجدہ سے سر جلدی جلدی نہ اٹھایا جائے۔ دوسری چیز یہ کہ جانور مثلاً کتے اور بھیڑیئے وغیرہ جس طرح اپنے پنجے زمین پر بچھا کر بیٹھتے ہیں اس طرح سجدہ کے وقت پنجے زمین پر نہ بچھا دیئے جائیں۔ تیسری چیز یہ کہ جس طرح اونٹ اپنے بیٹھنے کی ایک جگہ متعین و مقرر کر لیتا ہے کہ اس کے علاوہ دوسرا اونٹ اس جگہ نہیں بیٹھ سکتا اسی طرح مسجد میں کوئی جگہ متعین نہ کی جائے کہ اس جگہ کسی دوسرے کو نہ بیٹھنے دیا جائے کیونکہ مسجد سب کے لئے ہے جو جہاں چاہے بیٹھ سکتا ہے اپنے لئے کسی ایک جگہ کو متعین و مقرر کر کے وہاں دوسرے کو بیٹھنے سے روکنا مکروہ و ممنوع ہے۔

علامہ حلوانیؒ لکھتے ہیں کہ "ہمارے علماء کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ مسجد میں کسی خاص کپڑے کو اس لئے متعین کر لیا جائے کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کپڑے میں نماز پڑھی ہی نہ جائے کیونکہ اس طرح عبادت اس خاص کپڑے کے ساتھ عادت بن جاتی ہے کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کپڑے میں نماز پڑھنا دشواری و گرانی کا باعث بنتا ہے حالانکہ عبادت جب عادت ہو جاتی ہے تو اسے ترک کر دینا

چاہئے چنانچہ اسی وجہ سے ہمیشہ روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ پر اس کو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مسجد میں کسی جگہ کو اپنے لئے متعین کر لینا اور اس جگہ کسی دوسرے کو بیٹھنے سے روکنا شریعت کی نظر میں کوئی مستحسن فعل نہیں ہوسکتا جب کہ اس سے مقصد بھی کوئی اچھا نہ ہو۔

دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء ممنوع ہے

(۱۷) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ اِنِّي اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِيْ وَ اَكْرَهُ لَكَ مَا اَكْرَهُ لِنَفْسِي لَا تُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "اے علی! جو چیز میں اپنے لئے محبوب رکھتا ہوں وہ چیز تمہارے لئے بھی محبوب رکھتا ہوں اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں وہ چیز تمہارے لئے بھی ناپسند کرتا ہوں، دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء نہ کرو۔"

(ترمذیؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس یوں تو پورے عالم ہی کے لئے سراپا رحمت و شفقت تھی مگر آپ ﷺ اپنی اُمت کے لوگوں کے لئے تو بے انتہا شفیق تھے۔ آپ ﷺ کی شفقت و محبت ہی کا یہ اثر تھا کہ آپ ﷺ جس چیز کو اپنے لئے پسند فرماتے تھے۔ وہی چیز اپنی اُمت کے افراد کے لئے بھی پسند فرماتے تھے اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسند سمجھتے اسے اپنی اُمت کے لوگوں کے لئے بھی ناپسند سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے اسی جذبہ کا اظہار حضرت علیؓ سے فرمایا اور یہ ظاہر کر دیا کہ چونکہ میں دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا اس لئے تمہارے اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی مجھے یہ چیز پسند نہیں ہے اس لئے اس سے بچو۔

اقعاء کی تحقیق: اقعاء کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح بیٹھا جائے کہ کولہے زمین پر لگے ہوئے ہوں اور رانیں اور پنڈلیاں کھڑی ہوں اور ہاتھ زمین پر رکھے ہوں جس طرح کتا زمین پر بیٹھتا ہے۔ اقعاء کے صحیح معنی تو یہی ہیں البتہ بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ کہا ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان پیر کے پنجوں کو کھڑا کر کے ایڑیوں پر بیٹھا جائے۔ ان کے علاوہ علماء نے اور بھی کئی معنی لکھے ہیں۔ بہر حال اقعاء کی جو بھی شکل اختیار کی جائے۔ دونوں سجدوں کے درمیان اسے اختیار کرنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔

رکوع میں کمر سیدھی کرنا چاہئے

(۱۸) وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيِّ الْحَنَفِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى صَلَاةِ عَبْدٍ لَا يُقِيْمُ فِيْهَا صُلْبَهُ بَيْنَ خُشُوْعِهَا وَ سُجُوْدِهَا۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت طلق ابن علی حنفیؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "اللہ بزرگ و برتر اس بندہ کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو اپنی نماز کے سجود و رکوع میں اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا۔" (احمدؒ)

تشریح: بارگاہ خداوندی میں وہی نماز مقبولیت کے درجہ کو پہنچتی ہے جس کے تمام ارکان پوری طرح ادا کئے جاویں اگر کوئی رکن اپنے قواعد و آداب کے مطابق درست نہیں ہوتا تو نماز قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچتی چنانچہ رکوع و سجود چونکہ نماز کے اہم ترین رکن ہیں اس لئے ان میں اگر نقص رہ جاتا ہے تو گویا پوری نماز ناقص رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ نماز اتمام و کمال کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی لہٰذا اس حدیث کے ذریعہ تنبیہ کیا جارہا ہے کہ رکوع و سجود (کو پوری) احتیاط کے ساتھ ادا کرنا چاہئے یعنی پہلے رکوع و سجود سے اٹھنے کے بعد کمر کو اچھی طرح سیدھا کر لینا چاہئے اس کے بعد دوسرا رکوع و سجدہ کیا جائے اگر ایسا نہیں کیا جائے گا بلکہ پہلے رکوع و سجدہ سے اٹھ کر کمر کو سیدھی کئے بغیر دوسرے رکوع و سجدہ میں جلدی جلدی جائے گا تو وہ رکوع سجود ادا کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا اس کی نماز کی طرف خداوند قدوس نظر بھی نہیں کرے گا یعنی اسے قبول نہیں کرے گا۔

دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں

⑲ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ وَضَعَ جَبْهَتَهُ بِالْاَرْضِ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِىْ وَضَعَ عَلَيْهِ جَبْهَتَهُ ثُمَّ اِذَا رَفَعَ فَيْرْفَعْهُمَا فَاِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ. (رواه مالک)

"اور حضرت نافعؒ راوی ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "جو شخص اپنی پیشانی زمین پر رکھے (یعنی سجدہ کرے) تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر وہیں رکھے جہاں پیشانی رکھی ہے پھر جب (سجدہ سے) اٹھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی اٹھائے کیونکہ جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے اسی طرح دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں۔" (مالکؒ)

تشریح: نمازی جب سجدہ میں جاتا ہے تو صرف اس کی پیشانی اور ناک ہی سجدہ میں نہیں جاتی بلکہ اس کا ہر عضو بارگاہ خداوندی میں جھکتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اسی لئے فرمایا جارہا ہے کہ سجدہ کے وقت ہاتھوں کو بھی زمین پر پیشانی رکھنے کی جگہ یعنی پیشانی کے برابر رکھنے چاہئیں تاکہ ہاتھوں کا سجدہ بھی پورا ہو جائے۔

سجدہ میں دونوں ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو پیشانی کے برابر رکھا جائے۔ چنانچہ حنفیہ کا مختار مسلک بھی یہ ہے شوافع کا مختار مسلک یہ ہے کہ سجدہ میں دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر رکھے جائیں۔

حدیث کے الفاظ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِىْ الخ کا مطلب صحیح طور پر تو یہی ہے کہ دونوں ہاتھ پیشانی کے برابر رکھے جائیں لیکن اس کے یہ معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر اسی طرح رکھے جس طرح پیشانی رکھی ہے یعنی قبلہ رخ رکھے۔ واللہ اعلم

بَابُ التَّشَهُّدِ

تشہد کا بیان

شہادت کے معنی گواہی دینا اور ایسی سچی خبر دینا کہ اس میں دل زبان کے ساتھ ہو یعنی جو خبر زبان سے دی جائے وہی دل میں بھی ہو۔ "تشہد" کہتے ہیں گواہ ہونے کو اس علم کے اظہار کرنے کو جو دل میں ہے۔

اصطلاح شریعت میں تشہد اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ کو اور اس ذکر کو جو قعدۂ نماز میں پڑھا جاتا ہے کہتے ہیں۔ گویا التحیات کو تشہد اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس میں شہادتین کا کلمہ بھی پڑھا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

التحیات میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَّخَمْسِيْنَ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَفِىْ رِوَايَةٍ كَانَ اِذَا جَلَسَ فِى الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ اِصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِىْ تَلِى الْاِبْهَامَ يَدْعُوْ بِهَا وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ بَاسِطُهَا عَلَيْهَا. (رواہ مسلم)

"حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب تشہد (یعنی التحیات) میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنا داہنا ہاتھ اپنے داہنے گھٹنے پر رکھتے تھے اور اپنا (داہنا) ہاتھ مثل عدد ترپن کے بند کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "جب آپ ﷺ نماز (کے قعدہ) میں بیٹھتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کی اس انگلی کو جو انگوٹھے کے قریب ہے (یعنی شہادت کی انگلی کو) اٹھاتے اور اس کے ساتھ دعا مانگتے (یعنی) اس کو اٹھا کر اشارہ وحدانیت کرتے) اور بایاں ہاتھ اپنے زانو پر کھلا ہوا رکھتے۔" (مسلم)

تشریح: "مثل عدد ترپین" کا مطلب یہ ہے کہ اہل حساب گنتی کے وقت انگلیوں کے جس طرح بند کرتے جاتے ہیں کہ انہوں نے ہر انگلی کو ایک عدد متعین کے لئے مقرر کیا ہوا ہے کہ انہیں اکائیوں کے لئے یہاں رکھا جائے اور دائی، سیکڑہ اور ہزار کے لئے فلاں فلاں جگہ۔ لہٰذا راوی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شہادت کی انگلی کو اشارہ کے لئے اٹھاتے وقت بقیہ انگلیوں کو اس طرح بند کیا جس طرح ترپین کے عدد کے لئے انگلیوں کو بند کرتے ہیں اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ چھنگلیا، اس کے قریب والی انگلی اور بیچ کی انگلی کو بند کر لیا جائے۔ شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے اور انگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ میں رکھا جائے۔ یہ عدد ترپین (۵۳) کہلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک شہادت کی انگلی اٹھانے کا طریقہ: ابھی آپ نے عقد ترپین کی وضاحت پڑھی اسی طرح ایک عدد تسعین (۹۰) ہوتا ہے اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ چھنگلیا اور اس کے قریب والی انگلی کو بند کر لیا جائے اور شہادت کی انگلی کو کھول دیا جائے اور انگوٹھے کا سرا بیچ کی انگلی کے سرے پر رکھ کر حلقہ کی شکل دے دی جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شہادت کی انگلی اٹھانے کے لئے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اور حضرت امام احمدؒ کا ایک قول بھی یہی ہے نیز حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور یہی طریقہ آگے آنے والی مسلمؒ کی روایت سے بھی ثابت ہے جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے مروی ہے، اسی طرح احمدؒ، و ابوداؤدؒ نے بھی حضرت وائل ابن حجرؓ سے نقل کیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی تمام انگلیاں بند کر لی جائیں اور شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے۔

بعض احادیث میں انگلیوں کو بند کئے بغیر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ بعض حنفی علماء کا مختار مسلک یہی ہے، اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ کا عمل بھی مختلف رہا ہوگا کہ آپ ﷺ کبھی تو اشارہ بغیر عقد کے کرتے ہوں گے اور کبھی عقد کے ساتھ کرتے ہوں گے۔ اسی بنا پر ان مختلف احادیث کی توجیہ کہ جن سے یہ دونوں طریقے ثابت ہوتے ہیں یہی کی جاتی ہے۔

ماوراءالنہر (یعنی بخارا و سمرقند وغیرہ) اور ہندوستان[1] کے حنفیہ نے اس عمل عقد و اشارت (یعنی داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو بند کر کے شہادت کی انگلی کو اٹھانے) کو ترک کیا ہے، گو متقدمین کے یہاں یہ عمل جاری تھا مگر متاخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے لیکن حرمین اور عرب کے دوسرے شہروں کے علماء کے نزدیک مختار مسلک عمل عقد و اشارت کرنا ہی ہے۔

علامہ شیخ ابن الہمامؒ نے جن کا شمار محققین حنفیہ میں ہوتا ہے فرمایا ہے کہ "اول تشہد (التحیات) میں شہادتین تک تو ہاتھ کھلا رکھنا چاہئے اور تہلیل کے وقت انگلیوں کو بند کر لینا چاہئے نیز (شہادت کی انگلی سے) اشارہ کرنا چاہئے۔" موصوف لکھتے ہیں کہ "اشارہ کرنے کو منع کرنا روایت اور درایت کے خلاف ہے۔"

محیط میں مذکور ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اٹھانا حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک سُنّت ہے اور حضرت امام ابویوسف سے بھی اسی طرح ثابت ہے۔ علامہ نجم الدین زاہدیؒ فرماتے ہیں کہ "ہمارے علماء کا متفقہ طور پر یہ قول ہے کہ عمل اشارت سُنّت ہے۔"

لہٰذا جب صحابہ کرام تابعین، ائمہ دین، محدثین عظام، فقہائے اُمّت اور علماء کوفہ و مدینہ سب ہی کا مذہب و مسلک یہ ہے کہ التحیات

---

[1] ممکن ہے کہ صاحب مظاہر حق علامہ نواب قطب الدین کے زمانہ میں عمل عقد و اشارت کے ترک کے قائل ہوں مگر اب تو سب حنفی اس کے قائل ہیں۔

میں شہادتین کے وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اٹھانا یعنی اشارہ وحدانیت کرنا چاہئے اور یہ کہ اس کے ثبوت میں بہت زیادہ احادیث اور اقوال صحابہؓ وارد ہیں تو پھر اس پر عمل کرنا ہی اولیٰ وارجح ہوگا۔

اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کلمہ شہادت پر پہنچے تو شافعیہ کے نزدیک الا اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی اٹھالی جائے اور حنفیہ کے نزدیک جس وقت لا الہ کہے تو انگلی اٹھائے اور جب الا اللہ کہے تو انگلی رکھ دے۔ اس سلسلہ میں اتنی بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ انگلی سے اوپر کی جانب اشارہ نہ کیا جائے تاکہ جہت کا وہم پیدا نہ ہوجائے۔

حدیث کے الفاظ "یدعو بھا" (اس کے ساتھ دعا مانگتے) کا مطلب یہی ہے کہ: آپ ﷺ شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ وحدانیت کرتے جس کی طرف ترجمہ میں یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے یا پھر دعا سے مراد ذکر ہے کہ ذکر کو دعا بھی کہتے ہیں کیونکہ ذکر کرنے والا بھی مستحق انعام و اکرام ہوتا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ "بایاں ہاتھ اپنے زانو پر کھلا ہوا رکھتے تھے" کا مطلب یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کو زانو کے قریب یعنی ران پر کھلا ہوا قبلہ رخ رکھتے تھے۔

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب (نماز میں التحیات پڑھنے کے لئے) بیٹھتے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی دائیں ران پر اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اپنے انگوٹھے کو اپنی بیچ کی انگلی پر رکھتے (یعنی اس طرح حلقہ بنالیتے تھے) اور آپ ﷺ (کبھی) اپنے بائیں ہاتھ سے بایاں گھٹنا پکڑ لیتے۔" (مسلم)

تشریح: جیسا کہ ابھی پہلے بتایا جاچکا ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ التحیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اٹھاتے وقت یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ چھنگلیا اور اس کے قریب والی انگلی کو بند کر لیا جائے اور انگوٹھے کے سرے کو بیچ کی انگلی کے سرے پر رکھ کر حلقہ بنالیا جائے اور شہادت کی انگلی اٹھالی جائے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھتے وقت ہی اس طرح حلقہ بنا لینا چاہئے لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حلقہ انگلی اٹھاتے وقت ہی بنانا چاہئے۔

(۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهِ اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرَئِيْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَاِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَقُلِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ فَاِنَّهٗ اِذَا قَالَ ذٰلِكَ اَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَهٗ اِلَيْهِ فَيَدْعُوْهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تو (قعدہ میں التحیات کی بجائے) یہ پڑھا کرتے تھے۔ اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرَئِيْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ اللہ پر سلام ہے، اس کے بندوں پر سلام بھیجنے سے پہلے، جبرئیل پر سلام ہے میکائیل پر سلام ہے اور فلاں (یعنی فرشتوں میں سے کسی فرشتے پر یا انبیاء میں سے کسی نبی پر سلام ہے۔" چنانچہ (ایک دن) جب آنحضرت ﷺ (نماز پڑھ کر) فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "اللہ پر سلام"

نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ (تو خود) سلام ہے (یعنی پرودگار کی ذات تمام آفات و نقصانات سے محفوظ و سالم ہے وہ بندوں کو تمام ظاہری و باطنی آفات و نقصانات سے سلامتی دیتا ہے اور چونکہ اس کے لئے اور اس کی طرف سے سلامتی ثابت ہے اس لئے سلامتی کے لئے دعا تو اس کے لئے کرنی چاہئے جس کو نقصانات و آفات کا خوف ہو اور جو اس کی سلامتی کا محتاج ہو) لہٰذا جب تم میں سے کوئی نماز (کے قعدہ) میں بیٹھے تو یہ کہے اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ سب تعریفیں اور بدنی عبادتیں (یعنی نماز وغیرہ اور مالی عبادتیں (یعنی زکوٰۃ وغیرہ) اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی ﷺ تم پر سلام اور اللہ کی برکتیں ہوں۔ ہم پر بھی سلام اور اللہ کے سب نیک بندوں پر سلام۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص ان کلمات کو کہتا ہے تو اس کی برکت زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو پہنچتی ہے۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کلمات کو شہادتین پر ختم فرمایا جو تمام اعمال کی اصل اور خلاصہ ہے۔ چنانچہ فرمایا)۔ " اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ "میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔" (پھر فرمایا) اس کے بعد بندہ کو جو دعا اچھی لگے اسے اختیار کرے اور خدا کے سامنے دست سوال دراز کرے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو معراج حاصل ہوئی اور آپ ﷺ بارگاہ خداوندی میں باریاب ہوئے تو اللہ جل شانہ کی تعریف میں آپ ﷺ نے یہ کلمات فرمائے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔

"تمام تعریفیں اور مالی و بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔"

اس کے جواب میں بارگاہ الوہیت سے فرمایا گیا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

"اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی برکتیں و رحمتیں!۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

علینا و علی عباد اللّٰہ الصالحین۔

"ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام۔"

تب جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ:

اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمدا عبدہٗ و رسولہ۔

"میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

بہرحال السلام علینا و علی عباد اللّٰہ الصالحیں میں "نیک بندوں" کی قید لگا کر اس طرح اشارہ کر دیا گیا ہے کہ بدبخت و بدکار بندوں پر سلام بھیجنا یا ان کو سلام کہنا مناسب نہیں ہے۔ اس کی سعادت کے حقدار اور لائق تو وہی بندے ہیں جو اپنے عقیدۂ و فکر اور اعمال و کردار کے اعتبار سے خدا اور خدا کے رسول کی نظر میں پسندیدہ ہیں جنہیں "صالح" کہا جاتا ہے اور "بندہ صالح" وہی ہے جو حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں کی رعایت کو مد نظر رکھتا ہے اور دونوں کو پورا کرتا ہے۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ "صلاح" دراصل اس حالت کا نام ہے جس میں بندہ کے ذاتی و نفسانی ارادے و خواہشات موت کے گھاٹ اتر جائیں اور اللہ تعالیٰ کی مراد و مقصد پر قائم رہے (جس کی وجہ سے وہ بندہ صالح کہلانے کا مستحق ہو) لہٰذا بندہ کو

چاہئے کہ وہ پروردگار کی رضا و خواہش پر اس کیفیت کے ساتھ راضی اور اپنے تمام امور کو خداوند عالم کی طرف اس طرح سونپنے والا ہو جائے جیسا کہ نومولود بچہ دایہ کے ہاتھ میں یا میت نہلانے والوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ "جب بندہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے اور اس کا جذبہ بندگی و اطاعت اس قدر لطیف و پاکیزہ ہو جاتا ہے تو وہ یقینی طور پر تمام دنیاوی و جسمانی اور نفسانی آفات اور بلاؤں سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

آخر میں۔ اتنی بات اور سمجھتے چلئے کہ التحیات کو دونوں قعدوں میں پڑھنا چاہئے اور یہ کہ درمیان کا قعدہ (یعنی جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے ہیں) واجب ہے اور آخری قعدہ (جس میں سلام پھیرا جاتا ہے) فرض ہے۔

④ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَكَانَ يَقُوْلُ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَمْ اَجِدْ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيْحَيْنِ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَسَلَامٌ عَلَيْنَا بِغَيْرِ اَلِفٍ وَلَامٍ وَلٰكِنْ رَوَاهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِيِّ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جس طرح ہمیں قرآن کی کوئی سورۃ سکھاتے تھے اسی طرح تشہد سکھایا کرتے تھے چنانچہ کہا کرتے تھے کہ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ تمام بابرکت تعریفیں اور تمام مالی وبدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اے نبی ﷺ! تم پر سلام اور اللہ کی برکت ورحمتیں" ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"
(مسلم)

اور مؤلف مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ میں نے نہ تو صحیحین (یعنی بخاری و مسلم میں) اور نہ جمع بین صحیحین میں لفظ "سلام علیک" اور "سلام علینا" بغیر الف لام کے پایا ہے البتہ اس طرح اس کو صاحب جامع الاصول نے ترمذی (کے حوالہ) سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے تشہد یعنی التحیات کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں اس پر حضرات شافعیہ عمل کرتے ہیں اور التحیات میں انہیں الفاظ کو پڑھتے ہیں لیکن حنفیہ حضرات کے یہاں حضرت ابن مسعودؓ کے روایت کردہ تشہد کے الفاظ پر جو اس سے پہلے روایت میں گذرے ہیں عمل کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے روایت کردہ تشہد کے بارہ میں محدثین صراحت کرتے ہیں کہ یہ صحیح تر ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابن حجر شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "تشہد کے سلسلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں ان سب میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت کردہ حدیث سب سے زیادہ صحیح تر ہے۔

حضرت امام احمدؒ بھی ابن مسعودؓ کی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور صحابہ و تابعین میں اکثر اہل علم کا معمول بھی انہیں کی حدیث کے مطابق تھا۔ پھر یہ کہ خود آنحضرت ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ابن مسعودؓ کے روایت کردہ تشہد کے لئے حکم فرمایا تھا کہ اسے لوگوں کو سکھایا جائے، چنانچہ مسند امام احمد ابن حنبلؒ میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن مسعودؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ اسی تشہد کو لوگوں کو سکھائیں۔

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ "آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آپ ﷺ جس طرح مجھے قرآن کی تعلیم دیتے تھے اسی طرح آپ ﷺ نے مجھے (یہ) تشہد سکھایا۔

پھر حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ کی روایتوں میں یہ بھی بڑا فرق ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کو تو بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے جبکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو صرف مسلم نے نقل کیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے وہ تشہد اختیار فرمایا ہے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے یعنی اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ الذاکیات للہ الطیبات للہ السلام علیک ایھا النبی الخ۔

بہرحال علماء لکھتے ہیں کہ یہ پوری بحث صرف اولیت و افضلیت سے متعلق ہے یعنی حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک حضرت ابن مسعودؓ سے مروی تشہد پڑھنا افضل ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے ہاں حضرت ابن عباس سے مروی تشہد پڑھنا افضل ہے۔ لیکن جہاں تک جواز کا سوال ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ ان میں سے جو تشہد بھی چاہے پڑھ لیا جائے جائز ہو گا۔

روایت کے آخری الفاظ ولم اجد الخ سے دراصل مولف مشکوٰۃ، صاحب مصابیح پر ایک اعتراض کر رہے ہیں وہ یہ کہ صاحب مصابیح نے ابن عباسؓ سے مروی تشہد میں "سلام علیک" اور "سلام علینا" کو بغیر الف لام کے ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اس طرح یہ روایت بخاری و مسلم میں منقول نہیں لہٰذا صاحب مصابیح کا اس روایت کو پہلی فصل میں ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

اشارہ کے وقت شہادت کی انگلی کو متحرک رکھنا

⑤ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَوَضَعَ یَدَہُ الْیُسْرٰی عَلٰی فَخِذِہِ الْیُسْرٰی وَحَدَّ مِرْفَقَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی فَخِذِہِ الْیُمْنٰی وَقَبَضَ ثِنْتَیْنِ وَحَلَّقَ حَلْقَۃً ثُمَّ رَفَعَ اِصْبَعَہُ فَرَاَیْتُہُ یُحَرِّکُھَا یَدْعُوْبِھَا۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

"حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں کہ "پھر سرور کائنات ﷺ (سجدہ سے سر اٹھا کر اس طرح) بیٹھے (کہ) اپنا بایاں پیر تو بچھا لیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دائیں ران پر دائیں کہنی الگ رکھی (یعنی کہنی کو ران پر رکھتے وقت اسے پہلو سے نہیں ملایا) اور دونوں انگلیاں (یعنی چھنگلیا اور اس کے قریب والی انگلی) بند کر کے (حنفیہ کے مسلک کے مطابق درمیان کی انگلی اور انگوٹھے کا) حلقہ بنایا پھر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اٹھائی اور میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس انگلی کو حرکت دیتے تھے اور اس سے اشارہ (توحید) کرتے تھے۔" (ابوداؤدؒ، دارمیؒ)

تشریح: یہ حدیث ایک مسلسل حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی تمام نماز کی تفصیل ذکر کی گئی ہے چونکہ اس موقع پر موضوع کی رعایت کے پیش نظر جلسہ کی کیفیت ذکر کرنی مقصود تھی اس لئے ثُمَّ جَلَسَ سے اس ٹکڑے کو ذکر کیا گیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ شہادت کی انگلی کو اٹھا کر اسے متحرک رکھنا چاہئے چنانچہ حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے کہ اشارہ کے وقت گلی کو ہلاتے رہنا چاہئے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے یہاں انگلی کو متحرک نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ اس کے بعد کی حدیث نے لایتحرکھا کہہ کر صراحت کے ساتھ اس فعل سے منع کر دیا ہے۔

جہاں تک اس حدیث کے الفاظ کا تعلق ہے تو کہا جائے گا کہ یہاں "یتحرکھا" یعنی حرکت دینے سے مراد انگلی کا اٹھانا ہی ہے کیونکہ انگلی کو اٹھانے میں بھی بہرحال حرکت ہوتی ہے اس توجیہ سے اس حدیث میں اور مابعد کی حدیث میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔

اشارہ کے وقت انگلی کو متحرک نہ رکھنا چاہئے

⑥ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُشِیْرُ بِاِصْبَعِہٖ اِذَا دَعَا وَلَا یُحَرِّکُھَا رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَزَادَ اَبُوْدَاؤُدَ وَلَا یُجَاوِزُ بَصَرُہٗ اِشَارَتَہٗ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب (قعدہ میں) دعا کرتے (یعنی کلمہ شہادت پڑھتے تھے) تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے لیکن اس کو ہلاتے نہ تھے (ابوداؤد، نسائی) اور ابوداؤدؒ نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "اور آپ ﷺ کی نظر اشارہ (کی انگلی) سے تجاوز نہ کرتی تھی۔"

تشریح: ابوداؤدؒ کے روایت کردہ آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ انگلی اٹھانے کے وقت آپ ﷺ کی نظر انگلی ہی پر رہتی تھی دوسری طرف نہیں دیکھتے تھے تاکہ خیالات کی رو دوسری طرف نہ جائے بلکہ مضمون توحید دل میں رہے اور خشوع و خضوع حاصل رہے۔

اشارہ صرف ایک انگلی سے کرنا چاہئے

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ یَدْعُوْ بِاِصْبَعَیْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحِّدْ اَحِّدْ۔ (رواہ الترمذی والنسائی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص تشہد میں (شہادت کی) دونوں انگلیوں سے اشارہ کرتا تھا چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "ایک انگلی سے اشارہ کرو۔ ایک ہی انگلی سے اشارہ کرو۔" (ترمذیؒ، نسائیؒ، بیہقیؒ)

تشریح: جیسا کہ ابوداؤدؒ و نسائیؒ نے صراحت کی ہے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ قعدہ میں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں سے اشارہ وحدانیت کرتے تھے جب آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھا تو انہیں اس طریقہ سے منع فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ قاعدہ کے مطابق صرف ایک ہی انگلی یعنی داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرو۔

قعدہ میں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر نہ بیٹھنا چاہئے

⑧ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَجْلِسَ الرَّجُلُ فِى الصَّلَاةِ وَهُوَ مُعْتَمِدٌ عَلٰى یَدِهٖ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهٗ نَهٰى اَنْ یَعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلٰى یَدَیْهِ اِذَا نَهَضَ فِى الصَّلَاةِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے (احمد، ابوداؤد) اور ابوداؤدؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص نماز میں اٹھتے ہوئے ہاتھوں پر سہارا دے۔"

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کا مطلب تو یہ ہے کہ جب کوئی شخص قعدہ میں بیٹھے یا قعدہ سے کھڑا ہونے لگے تو اسے چاہئے کہ ہاتھ پر ٹیک نہ لگائے۔

دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ "سجدہ وغیرہ سے اٹھتے وقت بھی ہاتھوں کا سہارا نہ لیا جائے یعنی ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے بغیر گھٹنے کی طاقت سے اٹھا جائے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا عمل اسی حدیث پر ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے یہاں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر ہی سجدہ وغیرہ سے اٹھتے ہیں۔ ان کی مستدل وہ حدیث ہے جس سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سجدہ وغیرہ سے اٹھتے وقت ہاتھوں کو زمین پر ٹیکا تھا حنفیہ اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا عمل ضعف اور کبر سنی پر محمول ہوگا کہ اس وقت چونکہ ضعف و کمزوری کی وجہ سے آپ ﷺ کے لئے بغیر ہاتھوں کو ٹیکے ہوئے اٹھنا ممکن نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ ہاتھوں کو سہارا دے کر اٹھے ورنہ تو آپ ﷺ بغیر عذر ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر نہیں اٹھتے تھے۔

قعدہ کی مقدار میں فرق

⑨ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِى الرَّكْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ كَاَنَّهٗ عَلَى الرَّضْفِ حَتّٰى

يَقُوْمَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ پہلی دو رکعتوں میں (یعنی پہلے قعدہ میں) تشہد کے لئے اس قدر بیٹھتے تھے گویا آپ ﷺ گرم پتھر پر بیٹھے ہیں اور (جلد ہی) کھڑے ہو جاتے تھے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص گرم پتھر پر زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتا بلکہ جلد ہی اٹھ کھڑا ہوتا ہے اسی طرح آپ ﷺ پہلے قعدہ میں چونکہ صرف التحیات پڑھتے تھے دیگر دعا اور درود وغیرہ نہیں پڑھتے تھے اس لئے التحیات پڑھتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اس کے برعکس آخری قعدہ میں چونکہ التحیات کے ساتھ درود اور دوسری دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں اس لئے اس میں بیٹھنے کی مقدار پہلے قعدہ میں بیٹھنے کی مقدار سے زیادہ ہوتی تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑩ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوٰاتُ الطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ۔

(رواہ النسائی)

"حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جس طرح قرآن کی کوئی سورۃ سکھاتے تھے اسی طرح تشہد بھی سکھاتے تھے (یعنی جس طرح باعتبار قرأت قرآن کے الفاظ مختلف ہیں اسی طرح تشہد کے الفاظ بھی مختلف ہیں چنانچہ اس روایت میں تشہد کے الفاظ اس طرح ہیں) بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوٰاتُ الطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ یعنی اللہ کے نام اور اللہ کی توفیق کے ساتھ شروع کرتا ہوں اور تمام تعریفیں اور تمام مالی و بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی ﷺ تم پر سلام ہو اور اللہ کی برکت و رحمتیں! اور ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں خدا سے جنّت کی درخواست کرتا ہوں اور دوزخ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔" (نسائیؒ)

شہادت کی انگلی شیطان کے لئے باعث تکلیف ہے

⑪ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَ اَشَارَ بِاِصْبَعِهٖ وَاَتْبَعَهَا بَصَرَهٗ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهِيَ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ۔ (رواہ احمدؒ)

"اور حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب نماز یعنی قعدہ) میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے اور (شہادت کی) انگلی سے اشارہ (وحدانیت) فرماتے اور نظر انگلی پر رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا یہ (یہ شہادت کی انگلی) شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت ہے" یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ وحدانیت کرنا شیطان پر نیزہ وغیرہ پھینکنے سے زیادہ سخت ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ شیطان کی آرزو اور تمنا تو یہ ہے کہ ہر شخص ضلالت و گمراہی اور کفر و شرک میں مبتلا ہو جائے لیکن جب وہ ایک نمازی کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کی تمنا و آرزو کے برخلاف کفر و شرک سے اظہار بیزاری کرتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے خدا کی وحدانیت کا اظہار کر رہا ہے تو اس کی امیدوں پر اوس پڑ جاتی ہے اور اس وقت اسے اتنی ہی شدید تکلیف پہنچتی ہے جتنی کہ اس کے نیزہ

وغیرہ مارنے سے پہنچ سکتی ہے۔

التحیات آہستہ آواز سے پڑھنا سُنّت ہے

⑫ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كَانَ يَقُوْلُ مِنَ السُّنَّةِ اِخْفَآءُ التَّشَهُّدِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "تشہد (یعنی التحیات) آہستہ آواز سے پڑھنا سُنّت ہے (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: جب کوئی صحابی کسی فعل کے بارہ میں یہ کہے کہ "یہ سُنّت ہے" تو اس کا یہ قول "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کے حکم میں ہوگا یعنی وہ حدیث مرفوع ہوگی۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کی اس حدیث کے پیش نظر جمہور محدثین اور فقہا کا مسلک یہی ہے کہ تشہد یعنی التحیات آہستہ آواز سے پڑھنا چاہئے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَضْلِهَا
آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے اور اس کی فضیلت کا بیان

لغوی طور پر "صلوۃ" کے معنی دعا، رحمت اور استغفار ہیں اور درود کا مطلب ہے بندوں کی جانب سے آنحضرت ﷺ کے لئے اللہ جل شانہ کی ایسی رحمت کو طلب کرنا جو دنیا و آخرت کی بھلائی کو شامل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام یعنی درود بھیجنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

"اے ایمان والو! ان (یعنی آنحضرت ﷺ) پر سلام و رحمت بھیجو۔"

علماء اُمّت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم وجوب کے لئے ہے چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جتنی مرتبہ بھی آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سنا جائے ہر بار درود بھیجا جائے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جس طرح پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دینی فرض ہے اسی طرح پوری عمر میں صرف ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے۔ اس کے بعد زیادہ سے زیادہ درود بھیجنا مستحب و مسنون اور شعار اسلام میں سے ہے جس پر بے حد و حساب اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔

حضرت قاضی ابوبکرؒ تو فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر فرض کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجا جائے اور چونکہ اس سلسلہ میں کوئی خاص وقت متعین نہیں کیا ہے اس لئے واجب ہے کہ درود و سلام زیادہ سے زیادہ بھیجا جائے اور اس میں غفلت نہ برتی جائے" لیکن بعض حضرات نے حضرت قاضی ابوبکرؒ کے اس قول کے مقابلہ میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

التحیات میں درود پڑھنا فرض ہے یا سنت: حضرت امام شافعیؒ نے التحیات میں درود پڑھنے کو فرض کہا ہے لیکن علماء نے صراحت کی ہے کہ امام شافعی کا یہ قول شاذ ہے اس مسئلہ میں امام شافعی کا موافق کوئی عالم نہیں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کا معتمد و مفتی بہ قول یہ ہے کہ کوئی شخص اگر ایک ہی مجلس میں سرور کائنات ﷺ کا نام مبارک کئی مرتبہ سنے تو اس پر صرف ایک مرتبہ درود بھیجنا واجب ہے اور ہر مرتبہ بھیجنا مستحب ہے اور التحیات میں درود پڑھنا سُنّت ہے۔

صلوٰۃ و سلام کے الفاظ کا استعمال غیر انبیاء کے لئے جائز ہے یا نہیں؟: علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ انبیاء کے

علاوہ دوسرے لوگوں کے ناموں سے ساتھ صلوٰۃ و سلام کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ ﷺ یا دوسرے انبیاء کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام کے الفاظ بولے اور لکھے جاتے ہیں تو اس طرح انبیاء کے علاوہ کسی دوسری شخص کے نام کے ساتھ ان الفاظ کا استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ "ان الفاظ کا استعمال صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے لئے ان الفاظ کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے البتہ دوسرے لوگوں کے اسماء کے ساتھ غفر اللہ، رحمہ اللہ اور رضی اللہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔

علامہ طیبی نے نقل کیا ہے کہ انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں پر درود بھیجنا خلاف اولیٰ ہے۔ بعض حضرات نے حرام اور مکروہ بھی کہا ہے

اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ "غیر انبیاء اور ملائکہ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا ابتدا اور مستقلاً مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے البتہ انبیاء کے ساتھ ان پر بھیجنا جائز ہے مثلاً اس طرح کہا جاسکتا ہے صلی اللہ علی محمد و علی الہ واصحابہ وسلم یعنی محمد ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل اولاد پر اور آپ ﷺ کے صحابہ پر اللہ کی رحمت و برکت: واللہ اعلم

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

التحیات میں درود پڑھنے کا طریقہ

(١) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ لَقِیَنِیْ کَعْبُ بْنُ عُجْرَۃَ فَقَالَ اَلَا اُھْدِیْ لَكَ ھَدِیَّۃً سَمِعْتُھَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلٰی فَاَھْدِھَا لِیْ فَقَالَ سَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ الصَّلَاۃُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا کَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ اِلَّا اَنَّ مُسْلِمًا لَمْ یَذْکُرْ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ فِی الْمَوْضِعَیْنِ۔

"حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت کعب ابن عجرہؓ (صحابی) سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیز بطور ہدیہ پیش نہ کروں جسے میں نے رحمت عالم ﷺ سے سنا ہے؟ میں نے عرض کیا "جی ہاں! مجھے وہ ہدیہ ضرور عنایت فرمایئے" انہوں نے فرمایا کہ "ہم چند صحابہؓ" نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! آپ (ﷺ) اور اہل بیت نبوت پر ہم درود کس طرح بھیجیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ تو بتا دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کس طرح بھیجا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کہو! اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اے اللہ! محمد پر اور آل محمد ﷺ پر رحمت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔ اے اللہ! محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر برکت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکت نازل کی، بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: صحابہؓ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ پر درود اور سلام بھیجیں تو سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے کہ التحیات میں ہم "السلام علیک ایھا النبی" کہا کریں۔ اب یہ بھی بتا دیجئے کہ درود کس طرح بھیجیں؟

صحابہ کے قول "اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتادیا ہے کہ آپ ﷺ پر سلام کس طرح بھیجیں" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی لسان اقدس کے ذریعہ ہمیں سلام بھیجنے کی تعلیم دی۔ اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعلیم اس لئے کہا گیا ہے کہ حقیقت میں آنحضرت ﷺ کی تعلیم اللہ تعالیٰ ہی کی تعلیم ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جو بھی احکام بیان فرمائے ہیں وہ ازخود اور اپنے ذہن و فکر سے نہیں بیان فرمائے ہیں بلکہ وہ احکام بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ کو دیئے گئے اس کو آپ ﷺ نے اپنی لسان اقدس کے ذریعہ نافذ فرمایا۔

آل کی تعریف و تحقیق: اہل وعیال کو کہتے ہیں اس کے معنی "تابعدار" بھی مراد لئے جاتے ہیں چنانچہ "وعلی ال محمد" میں آل کے تعین کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ "ال محمد" سے مراد صرف آپ ﷺ کے اہل و عیال ہیں۔ کچھ حضرات نے کہا ہے کہ آل سے مراد تابعدار مراد ہیں، بعض علماء کی رائے ہے کہ ہر مؤمن آل محمد میں سے ہے کسی نے کہا ہے کہ ہر متقی مؤمن آل محمد میں شامل ہے یہ سب علماء کے اقوال ہیں لیکن بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث میں آل سے مراد تابعدار ہیں۔ گو بعض علماء نے تو "آل" کی تفسیر "اہل بیت" سے کی ہے یعنی ان حضرات کے نزدیک "آل محمد" سے اہل بیت یعنی وہ لوگ مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور "جنہیں بنی ہاشم" کہا جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ "اہل بیت" میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور اولاد شامل ہیں اور چونکہ حضرت علیؓ کا ربط بھی ان سب سے حضرت فاطمہؓ کی وجہ سے بہت زیادہ تھا اس لئے وہ بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔

"کما صلیت علی ابراہیم" میں صرف حضرت ابراہیم کی تخصیص کی گئی ہے اور کسی نبی کو ذکر نہیں کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے جد امجد ہیں، دوسرے یہ کہ اصول دین میں شریعت محمدی ان کے تابع ہے۔"

"اے اللہ محمد ﷺ پر برکت نازل کر" کا مطلب یہ ہے کہ "خداوند قدوس! تونے ہمارے سرکار و سردار رحمت عالم ﷺ کو جو شرف و فضیلت عطا فرمایا اور آپ ﷺ کو جو بزرگی و بڑائی دی ہے اس کو ہمیشہ اور باقی رکھ!

روایت کے آخری الفاظ الا ان مسلمالم یذکر الخ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس کے پہلے اور دوسرے دونوں ہی درود میں "علی ابراہیم" کے الفاظ نہیں ہیں یعنی اس کے الفاظ اس طرح ہیں "کماصلیت علی آل ابراھیم" اور "کما بارکت علی آل ابراھیم"

(۲) وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ نُصَلِّی عَلَیْکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوحمید ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ "صحابہ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ (ﷺ) ہم آپ (ﷺ) پر درود کس طرح بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کہو"؟ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اے اللہ محمد ﷺ پر، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر اور آپ ﷺ کی اولاد پر رحمت نازل فرما جیسا کہ تونے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی اور محمد ﷺ پر، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر اور آپ ﷺ کی اولاد پر برکت نازل فرمایا جیسا کہ تونے ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو بزرگ و برتر ہے۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: درود کے الفاظ مختلف طریقہ سے وارد ہوئے ہیں جیسا کہ ابھی آپ نے دیکھا۔ پہلی حدیث میں درود کے الفاظ کچھ اور ہیں اور اس حدیث کے الفاظ کچھ اور چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ پہلی حدیث میں جو درود ذکر کیا گیا ہے وہ پڑھ لینا کافی ہے بعض روایتوں میں وَارْحَمْ

کَمَا رَحِمْتَ وَ تَرَحَّمْتَ کے الفاظ بھی مذکور ہیں مگر یہ الفاظ صحیح طور پر ثابت نہیں ہیں۔
بعض محدثین نے وضاحت کی ہے کہ جس حدیث میں ان الفاظ وَ تَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ کا بھی اضافہ ہے وہ حدیث حسن ہے۔ واللہ اعلم

درود بھیجنے کی فضیلت

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا "جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمت نازل فرمائے گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: چونکہ ارشاد ربانی ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا یعنی جو شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اس کے لئے اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ہے اس لئے جو شخص آں حضرت ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بشارت کے مطابق اس شخص پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔ (رواہ النسائی)

"حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس (مرتبہ) رحمتیں نازل فرمائے گا، اس کے دس گناہوں کو معاف کرے گا اور (تقرب الی اللہ کے سلسلہ میں) اس کے دس درجے بلند کرے گا۔" (نسائیؒ)

(۵) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلَاةً۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر اکثر درود پڑھنے والے ہیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: ابن حبانؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ "آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اور آپ ﷺ کی یہ بشارت عظمیٰ محدثین کرام پر زیادہ صادق آتی ہے چونکہ کوئی جماعت محدثین سے زیادہ درود نہیں بھیجتی اس لئے قیامت کے دن تمام لوگوں میں سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ سے قریب یہی مقدس طبقہ ہوگا۔

فرشتے امتیوں کے سلام آنحضرت ﷺ تک پہنچاتے ہیں

(۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِی السَّلَامَ۔ (رواہ النسائی و الدارمی)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے جو زمین پر سیاحت کرنے والے ہیں میری اُمت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔" (نسائی، دارمیؒ)

تشریح: اس حدیث کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو روضہ اقدس سے دور رہتے ہیں اور انہیں روضہ مقدس پر حاضری کا شرف حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ ایسے لوگ جب آنحضرت ﷺ پر قلیل یا کثیر تعداد میں سلام بھیجتے ہیں تو فرشتے ان کا سلام بارگاہ نبوت میں بصد عقیدت و احترام پیش کرتے ہیں۔

البتہ وہ حضرات جنہیں خدا نے اپنے محبوب کے روضہ اقدس پر حاضری کی سعادت سے نواز رکھا ہے جب وہ بارگاہ نبوت میں سلام پیش کرتے ہیں تو آنحضرت ﷺ تک پہنچانے کے لئے فرشتوں کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کے سلام آنحضور ﷺ خود سنتے ہیں۔

اس حدیث سے چند باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اول یہ کہ آنحضرت ﷺ کو حیات جسمانی حاصل ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کو اس دنیا میں زندگی حاصل تھی اس طرح آپ ﷺ کو قبر میں بھی زندگی حاصل ہے۔

دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کی اُمت کے لوگ جب آپ ﷺ پر سلام بھیجتے ہیں تو آپ ﷺ خوش ہوتے ہیں جو سلام بھیجنے والے کے حق میں انتہائی سعادت و خوش بختی کی بات ہے۔

سوم یہ کہ جب فرشتے کسی امتی کا سلام بارگاہ نبوت میں پیش کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سلام قبولیت کے درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ اور اگلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ۔ آپ ﷺ سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں نیز ایک روایت میں مذکور ہے کہ "جب فرشتے سلام لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے ہیں تو سلام بھیجنے والے کا نام بھی لیتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں۔ یارسول اللہ (ﷺ)! مولانا محمد قطب الدین محی الدین آپ کی خدمت بابرکت میں سلام عرض کرتے ہیں۔ یا آپ کا ایک ادنی غلام عبداللہ جاوید ابن مولانا محمد عبدالحق خدمت اقدس میں نذرانہ سلام پیش کرتا ہے۔ یا فقیر محمد اصغر خدمت عالیہ میں سلام عرض کرتا ہے۔

جاں می دہم درآز والے قاصد آخر باز گو — در مجلس آں نازنیں حرفے کہ ازما می رود

آنحضرت ﷺ سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں

(۷) وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّاللّٰهُ عَلَى رُوْحِي حَتّٰى اُرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔ (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔" (ابوداؤدؒ، بیہقیؒ)

تشریح: اہل سُنّت والجماعت کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ آقائے نامدار فخر دو عالم ﷺ (فداہ ابی وامی) عالم برزخ میں زندہ ہیں مگر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عالم برزخ میں زندہ نہیں ہیں بلکہ جب کوئی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہے تو اس وقت آپ ﷺ کی روح مبارک جسم پاک میں لوٹ آتی ہے پھر آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ "روح لوٹانے" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ روح مبارک آپ ﷺ کے مقدس بدن میں ہمہ وقت موجود نہیں رہتی صرف سلام بھیجنے کے وقت اسے کچھ وقت کے لئے بدن میں واپس کر دیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ۔ آپ ﷺ کی روح مبارک چونکہ ہمہ وقت مشاہدہ رب العزت میں مستغرق رہتی ہے اس لئے اس کو حالت استغراق و مشاہدہ سے ہٹا کر اس عالم کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے تاکہ آپ ﷺ اپنے امتیوں کے درود و سلام سنیں اور اس کا جواب دیں۔ چنانچہ روح

مبارک کے اسی متوجہ کرنے اور آگاہ کرنے کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے" ورنہ تو تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اب سوال یہ رہ گیا کہ حدیث میں مذکورہ فضیلت خاص طور پر ان لوگوں سے متعلق ہے جو روضہ اقدس پر حاضری دیتے ہیں اور اس کی زیارت کرتے ہیں یا عمومی طور پر سب لوگوں کے لئے ہے؟ تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فضیلت کا تعلق عمومی طور پر ہے۔ یعنی خواہ کوئی شخص آپ ﷺ کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر سلام پیش کرے یا کسی دور دراز علاقہ سے سلام بھیجے۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ جو شخص روضہ اقدس پر حاضری کا شرف حاصل نہیں کر سکتا آپ ﷺ ان کا سلام فرشتوں کے واسطے سے سنتے ہیں جیسا کہ تیسری فصل میں حضرت ابوہریرہؓ کی آنے والی حدیث سے بھی معلوم ہو جائے گا۔

گھروں کو قبر نہ بنایا جائے

(۸) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اپنے گھروں کو قبروں کی طرح نہ رکھو اور میری قبر پر عید (کی طرح میلہ) نہ مقرر کرو۔ تم مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود میرے پاس پہنچتا ہے۔" (نسائیؒ)

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کے تین مطلب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ اپنے گھروں کو قبروں کی طرح نہ سمجھ لو کہ جس طرح مردے اپنی قبروں میں پڑے رہتے ہیں تم بھی اپنے گھروں میں مردوں کی طرح پڑے رہو ان میں نہ عبادت کرو اور نہ کچھ نمازیں پڑھو بلکہ اسی طرح گھروں میں بھی عبادت کرو اور کچھ نمازیں پڑھو تاکہ اس کے انوار و برکات گھر اور گھر والوں کو پہنچیں اور اسکی شکل یہ ہونی چاہئے کہ فرض نمازیں تو مساجد میں ادا کرو اور سنن نوافل اپنے گھر آکر پڑھو کیونکہ نوافل مساجد کی بہ نسبت گھر میں ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ۔ اپنے گھروں میں مردے دفن نہ کرو۔ اس موقعہ پر یہ اشکال پیدا نہ کیجئے کہ خود آنحضرت ﷺ تو اپنے گھر ہی زیر زمین آرام فرما ہیں۔ کیونکہ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہے کسی دوسرے کو ایسا نہ کرنا چاہئے۔

تیسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ قبروں کو سکونت کی جگہ قرار نہ دو جیسا کہ آجکل اولیاء اللہ کے مزارات اور قبرستانوں پر ان کے خدام مجاوروں نے سکونت اختیار کر رکھی ہے، تاکہ دل کی نرمی اور طبیعت و مزاج کی شفقت و رحمت ختم نہ ہو جائے بلکہ ایسا کرنا چاہئے کہ قبروں کی زیارت کر کے اور ان پر فاتحہ وغیرہ پڑھ کر اپنے گھروں کو واپس آجاؤ۔

حدیث کے دوسرے جز "میری قبر کو عید (کی طرح) قرار نہ دو" کا مطلب یہ ہے کہ میری قبر کو عید گاہ کی طرح نہ سمجھو کہ وہاں جمع ہو کر زیب و زینت اور لہو و لعب کے ساتھ خوشیاں مناؤ اور اس سے لطف و سرور حاصل کرو۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء کی قبروں پر اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔

حدیث کے اس جزء سے آج کل کے ان نام نہاد ملاؤں اور بدعت پرستوں کو یہ سبق حاصل کرنا چاہئے جنھوں نے اولیاء اللہ کے مزارات کو اپنی نفسانی خواہشات اور دنیاوی اغراض کا منبع و مرجع بنا رکھا ہے اور ان مقدس بزرگوں کے مزارات پر عرس کے نام سے دنیا کی وہ خرافات اور ہنگامہ آرائیاں کرتے ہیں جن پر کفر و شرک بھی خندہ زن ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ ان کے حلوے مانڈوں، نذر و نیاز اور لذت پیٹ و دہن نے ان کی عقل پر نفس پرستی اور ہوس کاریوں کے وہ موٹے پردے چڑھا دیئے ہیں جن کی موجودگی میں نہ انہیں نعوذ باللہ قرآنی احکام کی ضرورت ہے اور نہ انہیں کسی حدیث کی حاجت۔ اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ آمین۔

بعض علماء نے اس جزء کی تشریح یہ کی ہے کہ عید کی طرح سال میں صرف ایک دو مرتبہ ہی میری قبر کی زیارت کے لئے نہ آیا کرو بلکہ

اکثر و بیشتر حاضر ہوا کرو۔ اس صورت میں آپ ﷺ نے اپنی قبر کی زیادہ سے زیادہ زیارت اور اس محیط علم و عرفان اور منبع امن و سکون پر اکثر و بیشتر حاضری پر اُمّت کے لوگوں کو ترغیب دلائی ہے۔

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجو، اگر کوئی شخص میرے روضہ سے دور ہے اور بعد مسافت اختیار کئے ہوئے ہے تو اس کو اس کا خیال نہ کرنا چاہئے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اپنی جگہ بیٹھا ہوا ہی مجھ پر درود بھیجتا رہے کیونکہ جہاں سے بھی درود بھیجا جائے گا میرے پاس پہنچ جائے گا۔ اس طرح آپ ﷺ نے ان مشتاقان زیارت کی جنہیں روضۂ اقدس پر حاضری کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی، تسلی فرمائی ہے کہ اگرچہ مجبوریوں کی بناء پر تم مجھ سے دور ہو لیکن تمہیں چاہئے کہ توجہ اور حضور قلب سے غافل نہ رہو کہ ع

قرب جانے چوں بود بعد مکانے سہل ست

درود نہ بھیجنے پر وعید

(۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُغْفَرَ لَهُ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهُ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا" خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا، خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ اس پر رمضان آیا اور اس کی بخشش سے پہلے گذر گیا اور خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ اس کے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک نے اس کے سامنے بڑھاپا پایا اور انھوں نے اسے جنت میں داخل نہیں کیا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کے لئے وعید بیان کی جارہی ہے، سب سے پہلے ان لوگوں کے بارہ میں کہا گیا ہے۔ جن کے سامنے سرور کائنات فخر دو عالم ﷺ کا نام نامی اسم گرامی لیا جائے یا آپ ﷺ کا ذکر مبارک کیا جائے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجیں کہ ان کی ناک خاک آلود ہو یعنی وہ ذلیل و خوار ہوں اور ہلاک ہوں۔

بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مجلس میں جب بھی آپ ﷺ کا اسم گرامی لیا جائے ہر مرتبہ درود بھیجنا یعنی ﷺ کہنا واجب ہوتا ہے کیونکہ اس کے ترک پر اتنی شدت کے ساتھ وعید بیان فرمائی جارہی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ پچھلے صفحات میں بتایا جاچکا ہے کہ ہر مرتبہ درود بھیجنا واجب نہیں ہے صرف ایک مرتبہ درود بھیجنا واجب ہے البتہ ہر مرتبہ درود بھیجنا مستحب و افضل ہے اب اس حدیث کی توجیہ یہ کی جائے گی کہ وجوب کی دلیل آخرت کی وعید ہوتی ہے اور چونکہ اس وعید کا تعلق آخرت سے نہیں ہے اس لئے اس کا انتہائی امر یہ ہے کہ یہ وعید ہر مرتبہ درود بھیجنے کے استحباب و افضلیت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ وجوب پر۔

دوسرے قسم کے لوگ جن کے لئے وعید بیان کی جارہی ہے وہ ہیں جو رمضان کے حقوق ادا نہیں کرتے نہ تو روزہ ہی ٹھیک سے رکھتے ہیں اور نہ رمضان میں عبادتیں ہی پورے ذوق شوق سے کرتے ہیں اور چونکہ یہ تمام چیزیں مغفرت اور بخشش کا ذریعہ ہیں اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ ان کے لئے تباہی و ہلاکت ہو جو رمضان میں اس مقدس مہینہ کے فضل و شرف سے محروم رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس مہینہ میں بخشش کی سعادت سے نوازے بھی نہیں جاتے اور یہ مہینہ اپنی تمام سعادتوں کے ساتھ گذر جاتا ہے۔

تیسری قسم کے لوگ جن سے اس نوعیت کا تعلق ہے وہ ہیں جو اپنے ماں باپ کے اطاعت گذار و فرمانبردار نہیں ہیں۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا، ان کے حقوق ادا نہ کئے، اس کی رضامندی و خوشنودی کا خیال نہیں رکھا اور خاص طور پر ان کی کبرسنی میں ان کی خدمت اور دیکھ بھال نہیں کی وہ در حقیقت بڑے بدنصیب ہیں کیونکہ انھوں نے ان

چیزوں کو ترک کر کے آخرت کا عذاب اور نقصان مول لیا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں داخل ہونے کا سبب اور ذریعہ ہیں۔

درود و سلام کی فضیلت

⑩ وَعَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ یَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِیْ وَجْھِہٖ فَقَالَ اِنَّہٗ جَاءَنِیْ جِبْرِیْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَقُوْلُ اَمَا یُرْضِیْکَ یَا مُحَمَّدُ اَنْ لَا یُصَلِّیَ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِکَ اِلَّا صَلَّیْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَلَا یُسَلِّمُ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِکَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔ (رواہ النسائی والدارمی)

"اور حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رحمت عالم ﷺ (صحابہؓ کے پاس) تشریف لائے اور اس وقت آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر بشاشت کھیل رہی تھی، آپ ﷺ نے (صحابہؓ کے دریافت کرنے کے بعد یا دریافت کرنے سے پہلے ہی) فرمایا۔ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تھے، وہ کہتے تھے کہ پروردگار فرماتا ہے، کہ اے محمد ﷺ! کیا آپ (ﷺ) اس بات سے راضی نہیں ہیں کہ آپ (ﷺ) کی اُمت میں سے جو کوئی آپ ﷺ پر درود بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کروں گا اور آپ (ﷺ) کی اُمت میں سے جو کوئی آپ ﷺ پر سلام بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔" (نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ چونکہ اپنی اُمت کے حق میں انتہائی مشفق و مہربان تھے اور اُمت کے لئے خیر کی طلب آپ ﷺ کی انتہائی غرض و خواہش تھی اس لئے جب آپ ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ یہ عظیم بشارت دی گئی تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی و مسرت سے کھل اٹھا اور آپ ﷺ نے یہ عظیم بشارت صحابہؓ اور ان کے واسطے سے پوری اُمت تک پہنچا دی۔

درود و سلام بھیجنے کی کوئی مقررہ حد نہیں ہے

⑪ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُکْثِرُ الصَّلٰوۃَ عَلَیْکَ فَکَمْ اَجْعَلُ لَکَ مِنْ صَلَاتِیْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ فَالثُّلُثَیْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَکَ صَلَاتِیْ کُلَّھَا قَالَ اِذًا تُکْفٰی ھَمُّکَ وَیُکَفَّرُ لَکَ ذَنْبُکَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابی ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں (یعنی کثرت سے درود بھیجنا چاہتا ہوں اب آپ ﷺ بتلا دیجئے کہ) اپنے لئے دعا کے واسطے جو وقت میں نے مقرر کیا ہے اس میں سے کتنا وقت آپ پر درود بھیجنے کے لئے مخصوص کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "جس قدر تمہارا جی چاہے!" میں نے عرض کیا "کیا چوتھائی (وقت مقرر کردوں)"؟ فرمایا "جتنا تمہارا جی چاہے اور اگر زیادہ مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے" میں نے عرض کیا "تو پھر دو تہائی مقرر کردوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "جس قدر تمہارا جی چاہے اور اگر زیادہ مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے" میں نے عرض کیا "اچھا تو پھر میں اپنی دعا کا سارا وقت ہی آپ ﷺ کے درود کے واسطے مقرر کئے دیتا ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا "یہ تمہیں کفایت کرے گا، تمہارے دین و دنیا کے مقاصد کو پورا کرے گا اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اجعل لک من صلوتی میں لفظ "صلوٰۃ" سے مراد دعا ہے۔ حضرت ابن کعبؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میری خواہش ہے کہ آپ ﷺ پر بہت زیادہ درود بھیجوں۔ چونکہ میں نے اپنے اوقات میں سے ایک خاص وقت کو اس لئے مقرر کر رکھا ہے کہ میں اس وقت اپنے نفس کے لئے دعا کیا کرتا ہوں، اب میں چاہتا ہوں کہ اسی وقت میں آپ ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجا کروں لہٰذا آپ ﷺ ہی مقرر فرما دیجئے کہ اس وقت کا کتنا حصہ میں درود بھیجنے میں صرف کروں؟

آنحضرت ﷺ نے ان کی اس درخواست پر درود بھیجنے کے لئے اس وقت کا کوئی حصہ مقرر نہیں فرمایا بلکہ اسے ان کے اختیار پر چھوڑ

دیا اور فرمادیا کہ تم تو خود ہی جانتے ہو کہ درود بھیجنے کی کتنی فضیلت ہے اور اس کے کیا فضائل و برکات ہیں اس مقدس کام کے لئے تمہاری سعادت جتنا وقت چاہے مقرر کرلو، تاہم یہ سمجھ لو کہ تم اس کام کے لئے جتنا زیادہ سے زیادہ وقت دو گے اسی قدر تمہارے حق میں بہتر ہوتا۔ چنانچہ جب انھوں نے اپنے اس پورے وقت کو درود بھیجنے پر صرف کرنے کا اظہار کیا تو آنحضرت ﷺ نے اظہار اطمینان وخوشنودی فرمایا اور فرمایا کہ تم نے ایک مستقل وقت کو اس مقدس عمل کے لئے متعین کر کے درحقیقت دنیا اور آخرت کی بھلائی اور مقاصد کو حاصل کرلیا ہے کیونکہ جب بندہ اپنی طلب اور رغبت کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور محبوب چیز میں خرچ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کو اپنی خواہشات اور اپنے مطالب پر قدم رکھتا ہے تو خداوند اقدس اس کے تمام امور و مہمات میں اس کا مددگار و حامی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے تمام دنیوی و دینی مقاصد پورے ہو جاتے ہیں مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ یعنی جو اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف کی یہ برکت و فضیلت ہے کہ جو شخص اس کا وردر کھے اور اسے اپنی زندگی کا ایک ضروری جزء بنالے تو اس کے لئے دین و دنیا دونوں جگہ آسانیاں اور سہولتیں فراہم ہو جاتی ہیں اور اس کے تمام مقاصد خیر پورے ہو جاتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ "جب میرے شیخ بزرگوار حضرت عبدالوہاب متقیؒ نے مجھے مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے رخصت فرمایا تو یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ جاؤ! اور یاد رکھو کہ اس راہ میں اداء فرض کے بعد کوئی عبادت آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کا مماثل نہیں ہے لہٰذا (ادائے فرض کے بعد) تم اپنے اوقات کو اسی مقدس مشغلہ میں صرف کرنا اور کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہونا"

حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "اس کے لئے کوئی عدد مقرر فرمادیا جائے (کہ میں اتنی تعداد میں درود پڑھ لیا کروں)" شیخ عبدالوہابؒ نے فرمایا "اس سلسلہ میں کسی عدد کا تعین کرنا شرط نہیں ہے بلکہ درود شریف اتنی کثرت کے ساتھ پڑھنا کہ اس کے ساتھ رطب اللسان ہو جاؤ اور اسی کے رنگ میں رنگین ہو جاؤ اور اسی میں مستغرق ہو جاؤ"

حصن حصین کے مصنف علام نے مفتاح میں لکھا ہے کہ "آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کے بے شمار فوائد ہیں، اور دنیا اور آخرت میں اس کے لئے بے انتہا ثمرات مرتب ہوتے ہیں خصوصاً تنگی و پریشانی، کسی خاص مہم، فکرات اور مطلب برآری کے سلسلہ میں اس کا بارہا تجربہ ہوا ہے چنانچہ خود میرا تجربہ ہے کہ میں اکثر خوف و ہلاکت کی جگہ گھر گیا اور مجھے وہاں سے اگر نجات ملی تو آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کے صدقہ میں۔

درود کے بعد مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے

⑫ وَعَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِىْ وَارْحَمْنِىْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّىْ اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَىَّ ثُمَّ ادْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلّٰى رَجُلٌ اٰخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّهَا الْمُصَلِّىْ اُدْعُ تُجَبْ۔ (رواہ الترمذی وروی ابوداؤد والنسائی نحوہ)

"اور حضرت فضالہ ابن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) جبکہ رحمت عالم ﷺ بیٹھے ہوتے تھے اچانک ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی اور پھر یہ دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ وَارْحَمْنِىْ اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما! (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے تم نے (دعا کی ترکیب ترک کر کے) جلدی کی" اور پھر فرمایا کہ) جب تم نماز پڑھ تو (نماز کے بعد دعا کے لئے) بیٹھو اور خدا کی تعریف کہ جس تعریف کے وہ لائق ہے بیان کرو اور مجھ پر درود بھیجو، پھر (تم جو چاہو خدا سے مانگو (گویا آپ ﷺ نے اسے دعا کے یہ آداب

و طریقے سکھائے) حضرت فضالہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے نماز پڑھی (آخر میں) اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بھی بیان کی اور آنحضرت ﷺ پر درود بھی بھیجا (مگر اس نے دعا نہیں مانگی) آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "اے نماز پڑھنے والے، دعا بھی مانگو قبول کی جائے گی۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کُنْتُ اُصَلِّیْ وَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاضِرٌ وَاَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرُ مَعَہٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی ثُمَّ الصَّلَاۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِی فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَہْ سَلْ تُعْطَہْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں نماز پڑھ رہا تھا رحمت عالم ﷺ (بھی وہیں) تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے پاس حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ بھی حاضر تھے، چنانچہ (نماز کے بعد) جب میں بیٹھا تو اللہ جل شانہ، کی تعریف بیان کرنا شروع کی اور پھر آنحضرت ﷺ پر درود بھیجا، اس کے بعد میں اپنے (دینی و دنیاوی مقاصد کے) لئے مانگنے لگا (یہ دیکھ کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "مانگو! دیئے جاؤ گے، مانگو دیئے جاؤ گے (یعنی دعا مانگو ضرور قبول ہوگی)۔" (ترمذیؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اُمی کی تحقیق

(۱۴) عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّکْتَالَ بِالْمِکْیَالِ الْاَوْفٰی اِذَا صَلّٰی عَلَیْنَا اَھْلَ الْبَیْتِ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (رواہ ابوداؤدؒ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو یہ پسند ہو (یعنی اس کی خواہش ہو) کہ اسے بھرپور (اور زیادہ سے زیادہ) ثواب ملے تو اسے چاہئے کہ ہم اہل بیت پر اس طرح درود بھیجے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اے بار خدایا! محمد ﷺ پر جو نبی امی ہیں، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر جو سب مؤمنوں کی مائیں ہیں اور آپ ﷺ کی اولاد و اہل بیت پر رحمت نازل فرما جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: سرکار دو عالم ﷺ کے جہاں اور بہت سے اسماء ہیں کہ جو آپ ﷺ کی مختلف خصوصیات و صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ وہیں آپ ﷺ کا ایک خاص اور عظیم لقب امی بھی ہے، آپ ﷺ کا یہ لقب توریت و انجیل اور آسمان سے اتری ہوئی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔

"امی" لغت میں اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ تو لکھنا جانتا ہو اور نہ لکھے ہوئے کو پڑھنا جانتا ہو اور نہ کبھی مکتب و مدرسہ گیا ہو اور نہ کسی سے تعلیم حاصل کی ہو اور چونکہ امی منسوب ہے ام یعنی ماں کی طرف لہٰذا اس مناسبت سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچہ کی طرح ہے اسے کسی نے نہ لکھنے کی تعلیم دی ہے اور نہ پڑھنے کی۔

چنانچہ جب آنحضرت ﷺ اس دنیا میں آخری نبی کی حیثیت سے مبعوث فرمائے گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کسی استاد، کسی مکتب اور کسی معلم کا محتاج نہیں رکھا بلکہ خود آپ ﷺ کو دین و دنیا کے تمام علوم سے پوری طرح مکمل کر کے اس دنیا میں بھیجا چنانچہ اس دنیا میں نہ تو آپ ﷺ نے کسی مکتب میں قدم رکھا اور نہ کسی استاد کی شاگردی کی بلکہ بظاہر نہ تو آپ ﷺ لکھتے تھے اور نہ لکھے ہوئے کو

پڑھتے تھے اس وجہ سے آپ ﷺ کو امی کہا گیا ۔

نگار من کہ بہ مکتب نہ رفت وخط نہ نوشت بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد
یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست کتب خانہ چند ملت بشست
بہ تعلیم و ادب اور اچہ نسبت کہ خود زآغاز او آمد موودب

بعض حضرات کہتے ہیں کہ امی دراصل ام القری یعنی مکہ کی طرف منسوب ہے جو تمام زمین کی اصل ہے۔

درود نہ بھیجنے والا بخیل ہے

⑮ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنِ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا (یعنی میرا نام لیا گیا) اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا (ترمذی ؒ) اس حدیث کو امام احمدؒ نے حسین ابن علیؓ سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایک بخیل تو مال کا ہوتا ہے کہ وہ مال کی خواہش کی وجہ سے اپنی جبلت طبعی کے تقاضہ پر بخل کرتا ہے کہ کسی کو اپنا مال نہیں دیتا مگر بڑا بخیل وہ شخص ہے جو اپنی طبعی کسل و غفلت اور سستی کے غلط تقاضہ کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے نام پر اپنی زبان اور اپنے دل سے درود کا ایک کلمہ نہیں نکالتا اور اس طرح وہ اداء حق اور شکر نعمت کا لحاظ بھی نہیں کرتا حالانکہ آنحضرت ﷺ کا اُمت پر وہ احسان و انعام ہے کہ اگر امت کے لوگ آپ ﷺ کے نام پر اپنی جانیں بھی قربان کردیں تو کم ہے چہ جائیکہ مجلس میں آپ ﷺ کا مبارک ذکر ہو اور آپ ﷺ کا نام لیا جائے اور اس شخص کی زبان سے اور اس سے دل سے درود کے چند الفاظ بھی نہ نکلیں؟

مرحبا اے پیک مشتاقان پیغام دوست تا کنم جاں از سر رغبت فدائے نام دوست

درود آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچتے ہیں

⑯ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهٗ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص میری قبر کے پاس "کھڑا ہو کر" مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر بھیجتا ہے وہ میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔" (بیہقیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو میری قبر کی زیارت کی سعادت میسر آتی ہے اور وہ وہاں حاضر ہو کر سلام بھیجتا ہے تو میں بغیر کسی واسطہ کے اس کے سلام کو سنتا ہوں اور جس کو یہ سعادت میسر نہیں آتی بلکہ وہ جہاں کہیں سے بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اس کا سلام ملائکہ سیاحین میرے پاس پہنچا دیتے ہیں اور سلام کا جواب میں دونوں صورتوں میں دیتا ہوں۔

اس حدیث سے اندازہ لگانا چاہے کہ آنحضرت ﷺ پر سلام بھیجنے کی فضیلت و سعادت ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ سلام بھیجنے والے کو اور خاص طور پر اس شخص کو جو برابر اور کثرت سے آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے کیا شرف و مرتبہ حاصل ہے؟ اگر کسی کے ایک سلام کا جواب بھی بارگاہ نبوت سے حاصل ہو جائے تو بہت بڑی سعادت ہے چہ جائیکہ برابر اور ہر سلام کا جواب ملتا رہے۔

بہر سلام مکن رنجہ درجواب آن لب ۔۔۔ کہ صد سلام بس یکے جواب از تو

درود کی فضیلت

(۱۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَلَائِكَتُهُ سَبْعِيْنَ صَلَاةً۔ (رواہ احمدؒ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ فرماتے ہیں کہ "جو شخص رحمت عالم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اس پر اللہ اور اس کے فرشتے ستر مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔" (احمدؒ)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ درود بھیجنے کا یہ ثواب جمعہ کے دن سے متعلق ہے اس لئے کہ یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے روز اعمال کا ثواب ستر گنا زیادہ ملتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حج اکبر (جو جمعہ کو ہوتا ہے) ستر حج کے برابر ہوتا ہے۔

اگر یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کا قول ہے لیکن پھر بھی مرفوع (آنحضرت ﷺ کا ارشاد کے حکم میں ہے کیونکہ کوئی بھی صحابی اعمال کا ثواب از خود بیان نہیں کر سکتا جب تک وہ اسے آنحضرت ﷺ سے سن نہ لے اس لئے یقینی بات ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے یہ مضمون آنحضرت ﷺ سے سنا ہوگا۔

(۱۸) وَعَنْ رُوَيْفِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت رویفعؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص محمد ﷺ پر درود بھیجے اور (درود بھیجنے کے بعد یہ بھی) کہے اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اے پروردگار! محمد ﷺ کو اس مقام پر جگہ دے جو تیرے نزدیک مقرب ہے قیامت کے دن تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: "مقام مقرب" سے مراد مقام محمود ہے جہاں قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر اللہ جل شانہ، کی ثنا و تعریف بیان فرمائیں گے اور بندوں کے حق میں شفاعت کریں گے۔

یوں تو آنحضرت ﷺ کی شفاعت تمام مسلمانوں کے لئے ثابت ہے کہ آپ ﷺ ہر امتی کے لئے شفاعت فرمائیں گے یہ نہیں ہوگا کہ کسی امتی کے لئے شفاعت فرمائیں اور کسی کے لئے نہیں پھر بھی اس شخص کو جو درود کے بعد مذکورہ دعا پڑھتا ہے ایک خاص درجہ حاصل ہوگا کہ اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی شفاعت واجب ہوگی۔ یا اس کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس ارشاد سے درحقیقت ایسے شخص کے خاتمہ بالخیر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ شخص حسن خاتمہ کی دولت سے نوازا جائے گا۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ فَجِئْتُ اَنْظُرُ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ مَالَكَ فَذَكَرْتُ لَهٗ ذٰلِكَ قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِيْ اَلَا اُبَشِّرُكَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلَاةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رحمت عالم ﷺ (مسجد سے یا مکان سے) نکل کر کھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہو گئے اور وہاں (بارگاہ خداوندی میں) سجدہ ریز ہو گئے اور سجدہ میں آپ ﷺ نے اتنا طول کیا کہ میں ڈرا کہ (خدانخواستہ) کہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات تو نہیں دے دی، چنانچہ میں آپ ﷺ کو دیکھنے کے لئے آیا کہ آیا آپ ﷺ زندہ ہیں یا واصل بحق ہو چکے ہیں، آپ ﷺ نے (میری آہٹ پا کر) اپنا سر مبارک (زمین سے) اٹھایا اور فرمایا کہ "کیا ہوا......؟" (یعنی ایسی کیا بات پیش آگئی جو تم پر

اس قدر (گھبراہٹ اور غم کی علامت طاری ہے) تب میں نے صورت حال ذکر کی (کہ نصیب دشمناں میں تو آپ ﷺ کی طرف سے ڈر ہی گیا تھا) راوی کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا ہے کہ کیا آپ ﷺ کو یہ خوش خبری نہ سناؤں کہ اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ جو شخص آپ ﷺ پر درود بھیجے میں اس پر رحمت بھیجوں گا اور جو شخص آپ ﷺ پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجوں گا۔" (احمدؒ)

تشریح: امام احمدؒ نے اپنی دوسری روایات میں آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سجدۂ شکر کے سلسلہ میں اس سے زیادہ صحیح حدیث میری نظر میں نہیں ہے اور یہ روایت متعدد طریق سے مروی ہے۔

قبولیت دعا درود پر موقوف ہوتی ہے

(۲۰) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطابؓ فرماتے ہیں کہ "دعا اس وقت تک آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ تم اپنے نبی پر درود نہ بھیجو" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دعا کی قبولیت درود پر موقوف ہے کیونکہ درود خود مقبول ہے اس لئے اس کے توسط اور وسیلہ سے دعا بھی مقبول ہوتی ہے ۔

مور مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد دست در پائے کبوتر زدہ ناگاہ رسید

حصن حصین میں منقول ہے کہ حضرت شیخ ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جب تم اللہ کے سامنے اپنی کسی حاجت کی تکمیل کے لئے دست دعا دراز کرو تو ابتداء آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے سے کرو اس کے بعد تم جو کچھ چاہتے ہو اس کے لئے دعا مانگو اور دعا کو درود پر ختم کرو (یعنی دعا سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ پر درود بھیجو اور دعا کے بعد بھی) کیونکہ اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے دونوں درودوں کو قبول کرتا ہے اور وہ اس چیز سے بزرگ و برتر ہے کہ اس دعا کو چھوڑ دے جو ان دونوں درودوں کے درمیان ہے (یعنی اللہ کے رحم و کرم سے یہ بات بعید ہے کہ وہ دونوں درودوں کو تو قبول کرے ان کے درمیان مانگی جانے والی دعا کو قبول نہ کرے)

علامہ طیبیؒ اس حدیث کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ "یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خود حضرت عمرؓ کا ارشاد گرامی ہو اس شکل میں یہ حدیث موقوف ہوگی اور یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہو اس صورت میں یہ حدیث مرفوع ہوگی اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت عمرؓ کا ہی ارشاد ہے۔

لیکن محققین علماء حدیث فرماتے ہیں کہ "اس قسم کی بات کوئی راوی اپنی طرف سے کہہ نہیں سکتا (جیسا کہ اسی باب کی حدیث نمبر ۷ کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے) اس لئے یہ حدیث روایۃً تو موقوف ہی ہے لیکن حکماً مرفوع ہے۔"

بَابُ الدُّعَاءِ فِي التَّشَهُّدِ

تشہد میں دعا پڑھنے کا بیان

آخری قعدہ میں التحیات اور درود کے بعد دعا مانگنا سُنّت ہے، فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نمازی التحیات اور درود پڑھنے کے بعد اپنی خواہش و پسند کے مطابق دعا مانگے لیکن دعا عام لوگوں کے کلام کے مشابہ نہ ہو جیسے کہ کوئی دعا مانگنے لگے "یا اللہ! مجھے روٹی دے مجھے

کپڑا دے وغیرہ وغیرہ" اس قسم کی دعا مانگنی ذرا مناسب نہیں ہے۔
ابھی باب التشہد میں بھی آپ نے وہ حدیث پڑھی! جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ منقول ہیں کہ انہیں آنحضرت ﷺ نے التحیات کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ "پھر ان دعاؤں کو اختیار کرو جو تمہیں پسند ہوں"۔ اور چونکہ تشہد میں آنحضرت ﷺ سے خاص دعائیں منقول ہیں کہ آپ تشہد میں وہ دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا "پسندیدہ" سے مراد آنحضرت ﷺ سے وہی منقول دعائیں ہو سکتی ہیں۔
بہرحال۔ حاصل یہ ہے کہ تشہد میں انہیں دعاؤں کو پڑھنا جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں زیادہ اولیٰ اور افضل ہے کیونکہ وہ دعائیں دنیا اور آخرت دونوں کے مقاصد کو جامع ہیں چنانچہ اس باب کے تحت وہ دعائیں نقل کی جائیں گی جنہیں آنحضرت ﷺ تشہد میں پڑھا کرتے تھے یا جن کی تعلیم آپ ﷺ دوسرے لوگوں کو فرمایا کرتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

تشہد میں آنحضرت کی دعا

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ فِي الصَّلَاةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ مَا اَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَاَخْلَفَ۔ (متفق علیہ)

"ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز میں (تشہد کے بعد) یہ دعا مانگتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ اے اللہ میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور کانے دجال کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور زندگی کے فتنوں اور موت کے فتنوں سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں اے پروردگار! میں تجھ سے گناہوں سے اور قرض سے پناہ چاہتا ہوں۔
(راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی یہ دعا سن کر) کسی کہنے والے نے کہا کہ "آپ ﷺ کا قرض سے پناہ مانگنا بڑے تعجب کی بات ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "جب آدمی قرضدار ہوتا ہے تو باتیں بناتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔"
(بخاری و مسلم)

تشریح: دجال آخر زمانہ میں قیامت کے قریب پیدا ہوگا جو خدائی کا دعویٰ کرے گا اور لوگوں کو اپنے مکر و فریب اور شعبدہ بازیوں سے گمراہ کرے گے۔ اس کا مفصل ذکر انشاء اللہ مشکوٰۃ کے آخری ابواب میں آئے گا۔

دجال کو مسیح کیوں کہتے ہیں: دجال کو مسیح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی ایک آنکھ ملی ہوئی ہوگی یعنی وہ کانا ہوگا یا کہ وہ چونکہ ممسوح ہوگا اسلئے اس مناسبت سے اسے مسیح کہا جاتا ہے۔ ممسوح کا مطلب ہے "تمام بھلائیوں، نیکیوں اور خیر و برکت کی باتوں سے بالکل بعید، نا آشنا اور ایسا کہ جیسے اس پر کبھی ان چیزوں کا سایہ بھی نہ پڑا ہوگا"۔ اور ظاہر ہے کہ اتنی بری خصلتوں کا حامل دجال کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔؟

حضرت عیسیٰ کو مسیح کہنے کی وجہ: اسی کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب بھی "مسیح" ہے جس کی اصل مسیحا ہے اور مسیحا عبرانی زبان میں "مبارک" کو کہتے ہیں یا یہ کہ مسیح کے معنی ہیں "بہت سیر کرنے والا" چونکہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں آسمان سے اتارے جائیں گے اور دنیا سے گمراہی و ضلالت اور برائیوں کی جڑ اکھاڑنے اور پھر تمام عالم پر خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے حکمرانی

کرنے پر مامور فرمائے جائیں گے اور اس سلسلے میں آپ ﷺ کو امور مملکت کی دیکھ بھال کرنے اور خدا کے دین کو عالم میں پھیلانے اور کانے دجال کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے تقریباً پوری دنیا میں پھرنا پڑے گا۔ اس لئے اس مناسبت سے مسیح آپ ﷺ کا لقب قرار پایا ہے۔

بہر حال لفظ مسیح کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال ملعون دونوں پر ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان امتیازی فرق یہ ہے کہ جب صرف "مسیح" لکھا اور بولا جاتا ہے تو اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی مراد لی جاتی ہے اور جب دجال ملعون مراد ہوتا ہے تو لفظ مسیح کو دجال کے ساتھ قید کر دیتے ہیں یعنی "مسیح دجال" لکھتے اور بولتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اس دعا میں چھ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے ① عذاب قبر۔ ② فتنہ دجال ③ فتنہ زندگی۔ ④ فتنہ موت ⑤ گناہ ⑥ قرض۔ یہ چھ چیزیں اپنی ہیبت وہلاکت اور دینی ودنیاوی خسران ونقصان کے باعث بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ان چیزوں سے اگر خداوند تعالیٰ نے نجات دی اور اپنا فضل وکرم فرمادیا تو دینی ودنیاوی دونوں زندگیاں کامیابی وکامرانی سے اور رحمت وسعادت کی ہم آغوش ہوگی اور اگر خدانخواستہ کہیں کسی بد نصیب ان میں سے کسی ایک سے بھی پالا پڑ گیا تو جانئے کہ اس کی دنیا بھی تباہ وبرباد ہو جائے گی اور آخرت کی تمام سہولتیں وآسانیاں اور وہاں کی رحمتیں وسعادتیں بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیں گی اور وہ عذاب خداوندی کا مستحق ہوگا اسی لئے آنحضرت ﷺ نے خود ان چیزوں سے پناہ مانگ کر اُمت کے لئے تعلیم کا دروازہ کھولا ہے کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے پروردگار سے ان سخت وہیبت ناک چیزوں سے پناہ مانگتا رہے تاکہ پروردگار اس کو ان سے محفوظ و مامون رکھے۔

عذاب قبر اور فتنہ دجال یہ تو بالکل ظاہر ہیں ان کی کسی تشریح وتوضیح کی ضرورت نہیں ہے البتہ "فتنہ زندگی" یہ ہے کہ صبر ورضا کے فقدان کی وجہ سے زندگی کی مصیبتوں اور بلاؤں میں گرفتار ہو اور نفس ان چیزوں میں مشغول ومستغرق ہو جائے جو راہ ہدایت اور راہ حق سے ہٹا دیتی ہوں اور زندگی کو گمراہیوں وضلالتوں کی کھائی میں پھینک دیتی ہوں۔

"فتنۂ موت" کا مطلب یہ ہے کہ "شیطان لعین حالت نزع میں اپنے مکروفریب کا جال پھینکنے اور مرنے والے کے دل میں وسواس و شبہات کے بیج بو کر اس کے آخری لمحوں کو جس پر دائمی نجات وعذاب کا دارومدار ہے برائی وگمراہی کی بھینٹ چڑا دے تاکہ اس دنیا سے رخصت ہونے والا نعوذ باللہ ایمان ویقین کے ساتھ نہیں بلکہ کفر وتشکیک کے ساتھ فوت ہو جائے (العیاذ باللہ) اسی طرح منکر نکیر کے سوالات کی سختی، عذاب قبر کی شدت اور عذاب عقبیٰ میں گرفتاری بھی موت کے فتنہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے ہر مسلمان کو محفوظ ومامون رکھے۔ آمین"

لفظ "ماثم" یا تو مصدر ہے یعنی گناہ کرنا، یا اس سے مراد وہ چیز ہے جو گناہ کا باعث ہے۔

بہر حال اس کا مطلب یہ ہے کہ ان گناہوں سے خدا کی پناہ، جس کے نتیجہ میں بندہ عذاب آخرت اور خدا کی ناراضگی مول لیتا ہے۔ یا ان چیزوں سے خدا کی پناہ جو گناہ صادر ہونے کا ذریعہ ہیں، یا جن کو اختیار کر کے بندہ راہ راست سے ہٹ جاتا ہے اور ضلالت وگمراہی کی راہ پر پڑ جاتا ہے۔

قرض سے پناہ مانگنے کی وجہ: قرض سے پناہ مانگنے پر ایک صحابی کو تعجب ہوا کہ قرض میں ایسی کونسی برائی ہے جس سے پناہ مانگی جارہی ہے بلکہ اس سے تو بہت سے ضرورت مندوں کے کام پورے ہوتے ہیں اور دنیاوی حالات میں اس سے بڑی حد تک مدد ملتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی قباحت اور برائی کی جس کی بنیادی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے وہ یقیناً ایسی ہی ہے کہ اس سے پناہ مانگی جانی چاہئے۔ اول تو دنیاوی اعتبار سے بھی کسی کا قرضدار ہونا کوئی اچھی بات نہیں ہے پھر دین وآخرت کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کی وجہ سے ایسی چیزوں کا ارتکاب ہوتا ہے جو شریعت کی نظر میں نہ صرف یہ کہ معیوب بلکہ عذاب آخرت کا سبب بنتی ہیں۔ مثلاً جب کوئی شخص کسی سے قرض مانگنے جاتا ہے تو پہلا مرحلہ یہی ہوتا ہے جب وہ گنہ گار ہوتا ہے کیونکہ بسا اوقات قرض مانگنے والا سیکڑوں بہانے تراشتا ہے،

سیکڑوں غلط سلط باتیں بناتا ہے اور مقصد بر آری کے لئے بڑے سے بڑا جھوٹ بولنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔
اس کے بعد دوسرا مرحلہ قرض کی ادائیگی کا آتا ہے کہ قرض دار قرض لیتے وقت ایک وقت و عرصہ متعین کرتا ہے جس میں وہ قرض کی ادائیگی کا وعدہ کرتا ہے مگر تجربہ شاہد ہے کہ کوئی ایک آدھ ہی قرضدار ایسا ہوگا جو وقت معینہ پر ادائیگی کر دیتا ہوگا ورنہ اکثر و بیشتر وعدہ خلافی کرتے ہیں اس موقع پر بھی نہ صرف یہ کہ وعدہ خلافی ہوتی ہے بلکہ عدم ادائیگی کے عذر میں ہر طرح کا جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ اس طرح قرضدار وعدہ خلافی اور جھوٹ کا ارتکاب کر کے گناہ گار ہوتا ہے۔ پھر عدم ادائیگی کا یہ عذر ایک دو مرتبہ ہی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جو بہت دنوں تک چلتا رہتا ہے اس طرح قرضدار مسلسل جھوٹ پر جھوٹ بولتا ہے، ہر مرتبہ وعدہ خلافیاں کرتا ہے اور اس طرح وہ گناہوں کی پوٹ اپنے اوپر لادتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں عذاب خداوندی اور مؤاخذہ آخرت کا سبب ہیں اس لئے ایسی غلط چیز سے پناہ مانگی گئی ہے۔

نماز میں کن چیزوں سے پناہ مانگنی چاہئے

(۲) وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ اَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْاٰخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ اَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص (نماز میں) آخری تشہد (یعنی التحیات) سے فارغ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا طلب گار ہو۔ (۱) عذاب دوزخ، (۲) عذاب قبر، (۳) فتنہ زندگی و موت۔ (۴) مسیح دجال کی برائی۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ قعدہ آخر میں تشہد سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَاءِ وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ۔

"اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب، قبر کے عذاب، زندگی اور موت کے فتنوں، اور مسیح دجال کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

(۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هٰذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ ہم صحابہؓ اور اہل بیت کو یہ دعا اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح آپ ﷺ ہمیں قرآن کی کوئی سورۃ سکھایا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ (کہ دعا اس طرح پڑھو اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ اے اللہ! میں عذاب جہنم سے تیری پناہ مانگتا ہوں، عذاب قبر سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں، مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔" (مسلم)

تشہد و درود کے بعد کی دعا

(۴) وَعَنْ اَبِی بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِیْ دُعَاءً اَدْعُوْبِهٖ فِیْ صَلَاتِیْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

(متفق علیہ)

"اور امیر المؤمنین حضرت ابوبکر[1] فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ سے، عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا بتا دیجئے کہ جسے میں اپنی نماز میں (تشہد و درود کے بعد) پڑھ لیا کروں" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ پڑھ لیا کرو: اَللّٰھُمَّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی ظُلْمًا کَثِیْرًا وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اے پروردگار! بیشک میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے علاوہ کوئی دوسرا گناہوں کو نہیں بخش سکتا لہٰذا تو مجھے بخش دے خاص طور سے بخشنا، اور مجھ پر رحم فرما، بیشک تو بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس روایت میں لفظ کثیرًا ثاء مثلثہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور مسلمؒ کی بعض روایات میں باء موحدہ کے ساتھ یعنی کبیرًا ذکر کیا گیا ہے لہٰذا اس دعا کو دونوں الفاظ کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے یعنی کبھی تو کثیرًا پڑھا جائے اور کبھی کبیرًا پڑھ لیا ہے۔

سلام پھیرنے کا بیان

⑤ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ كُنْتُ اَرٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ یَسَارِهٖ حَتّٰی اَرٰی بَیَاضَ خَدِّهٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عامر ابن سعد (تابعیؒ) اپنے والد مکرم (حضرت سعد ابن وقاصؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی حضرت سعدؓ نے) فرمایا کہ میں دیکھتا تھا کہ رحمت عالم ﷺ اپنے دائیں اور بائیں (اس طرح) سلام پھیرتے تھے کہ میں آپ کے رخساروں کی سپیدی دیکھ لیتا تھا۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے وقت اپنا چہرہ مبارک اتنا پھیرتے تھے کہ آپ ﷺ کا منور رخسار نظر آنے لگتا تھا۔

قربان جائیے حضرت سعدؓ کی اس سعادت پر کہ ان کو نماز میں رحمت عالم سرور کائنات ﷺ کا پہلوئے مبارک نصیب ہوتا تھا۔

کاش کے اندر نمازم جاشود پہلوئے تو تابہ تقریب سلام افتد نظر بروئے تو

نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے

⑥ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی صَلَاةً اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْهِهٖ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب نماز پڑھ کر فارغ ہوجاتے تھے تو ہماری طرح اپنا مبارک منہ متوجہ کر کے بیٹھتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب جماعت ختم ہوجاتی اور آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو لیتے تھے تو اپنا روئے اقدس مقتدیوں کی طرف متوجہ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔

⑦ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْصَرِفُ عَنْ یَمِیْنِهٖ۔ (رواہ مسلم)

---

[1] آپ کا نام عبداللہ اور کنیت ابوبکر ہے لقب آپ کا صدیق و عتیق ہے۔ بعض محققین کے مطابق آپ کا اصل نام عبدالکعبہ تھا پھر آپؐ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ آپ کے والد عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی۔ سب مسلمان مردوں میں آپ پہلے ایمان لائے اور ہجرت میں یار غار تھے حضورؐ کے وصال کے بعد آپ کو خلیفہ بنایا گیا ۱۳ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور روضہ اطہر میں مدفون ہوئے۔

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد (کبھی) اپنی دائیں طرف پھیر کے بیٹھتے تھے۔" (مسلمؒ)

⑧ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهٖ يُرٰى اَنْ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَمِيْنِهٖ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے (یعنی) اس چیز کو لازم جانے کہ (نماز کے بعد) دائیں جانب ہی سے پھرے، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رحمت عالم ﷺ اکثر بائیں جانب سے پھرا کرتے تھے۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد کبھی تو دائیں جانب سے پھرتے تھے اور بائیں طرف بیٹھتے تھے، اور بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ آپ ﷺ سلام پھیر کر دعا مانگتے اور اپنے حجرہ شریف کی جانب جو بائیں طرف تھا تشریف لے جاتے تو کبھی اس کے برعکس کرتے تھے بائیں طرف سے پھر کر دائیں طرف بیٹھ جاتے تھے۔

پہلے طریقہ کو عزیمت یعنی اولیت پر حمل کیا گیا ہے کیونکہ اس میں دائیں طرف سے ابتداء ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کا فعل اکثر اسی طرح ہوتا تھا، لیکن حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت یعنی بائیں طرف سے پھرنا اگرچہ رخصت یعنی جائز ہے اور اس صورت کو کم ہی اختیار بھی کیا جاتا تھا لیکن سُنّت کو واجب کا درجہ دینا چونکہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے صرف پہلی صورت یعنی دائیں طرف سے پھرنے کو لازم و واجب قرار نہ دیا جائے اور شارع کی جانب سے دی گئی رخصت (یعنی اجازت) کو کہ وہ دوسری صورت ہے ناقابل اختیار نہ جانا جائے اس لئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے "حق تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی جانب سے عنایت کی گئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے"۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ چیز پسندیدہ اور محبوب ہے کہ اس عمل کو اختیار کیا جائے جس میں عزیمت یعنی اولیت ہے، اسی طرح اس کے نزدیک یہ چیز بھی قابل قبول اور پسندیدہ ہے کہ ان اعمال کو بھی اختیار کیا جائے جن کو حق تعالیٰ نے اولیٰ و افضل نہ سہی بہرحال جائز مقرر کر رکھا ہے۔

حضرات شوافعؒ نے ان احادیث سے مصلی کے لئے یہ درمیانی طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ اپنی ضرورت و سہولت جس طرف دیکھے، اسی طرف پھرے یعنی اگر اس کا مکان وغیرہ اس کے دائیں جانب ہے تو اسے دائیں طرف پھرنا چاہئے اور اگر بائیں طرف ہو تو اسے بائیں طرف پھرنا چاہئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی منقول ہے کہ "رحمت عالم ﷺ کبھی مقتدیوں کی طرف بھی منہ کر کے اور پشت قبلہ کی طرف کر کے بیٹھتے تھے" جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گذرا۔

"نماز میں شیطان کا حصہ" اس لئے کہا گیا ہے کہ جب کوئی شخص ایک غیر لازم چیز کو اپنے اوپر واجب و لازم ہونے کا اعتقاد کرے گا تو گویا وہ شیطان کا تابع ہوا لہٰذا اس کی نماز کا کمال جاتا رہے گا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ جس شخص نے کسی امر مستحب کو مستقل طریقہ سے اختیار کئے رکھا اور اسے لازم کا درجہ دے دیا اور رخصت (یعنی جواز) پر عمل نہ کیا تو سمجھو کہ شیطان اسے گمراہ کرنے کے لئے اس کے پاس پہنچ گیا ہے۔"

کاش کہ۔ اہل بدعت اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ انہوں نے امر مستحب تو کجا خلاف شرع چیزوں اور بدعات کو اپنے اوپر لازم و واجب گردان کر اپنے آپ کو ضلالت و گمراہی کی کس وادی میں پھینک رکھا ہے اور اپنے اوپر شیطان کو کتنا مسلّط کر رکھا ہے۔

یہ چاروں حدیثیں یعنی حدیث عامرؓ، حدیث سمرہؓ، حدیث انسؓ اور حدیث عبداللہؓ اس باب کے موضوع سے متعلق تو نہیں ہیں البتہ اس کے متعلقات سے ہیں۔

نماز کے بعد کی دعا

(۹) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْبَبْنَا أَنْ نَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِهِ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ أَوْ تَجْمَعُ عِبَادَكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رحمت عالم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو اسے پسند کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے داہنی جانب ہوں تاکہ آپ ﷺ (سلام کے وقت سب سے پہلے) ہماری طرف متوجہ ہوں، براءؓ کہتے ہیں کہ "میں نے آنحضرت ﷺ کو (سلام کے بعد دعا کے طور پر) یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ أَوْ تَجْمَعُ عِبَادَكَ اے پروردگا! مجھے اپنے عذاب سے بچا اس روز جب کہ تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا یا جمع کرے گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: یا تو آپ ﷺ یہ دعا ازراہ تواضع اور انکسار فرماتے ہوں گے یا اس سے آپ ﷺ کا مقصد اُمت کو تعلیم دینا تھا کہ لوگ نماز کے بعد اس دعا کو پڑھا کریں۔

"تبعث" اور "تجمع" میں راوی کو شک واقع ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یا تو "یوم تبعث" فرمایا ہے یا "یوم تجمع" فرمایا ہے۔ بہرحال اس دعا کو ان دونوں الفاظ کے ساتھ کسی بھی ایک لفظ کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔

نماز کے بعد مقتدیوں کا امام سے پہلے اٹھ جانا غیر مستحب ہے

(۱۰) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ إِنَّ النِّسَاءَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلّٰى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللّٰهُ فَإِذَا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ الرِّجَالُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ کے زمانہ مبارک میں عورتیں (جب مردوں کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھتی تھیں تو، فرض نماز کا سلام پھیر کر فوراً اٹھ جاتی تھیں اور اپنے گھروں کو چلی جاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ اور مردوں میں سے جو لوگ نماز میں شامل ہوتے تھے جتنی دیر اللہ کو منظور ہوتا بیٹھے رہتے تھے، پھر جب آنحضرت ﷺ کھڑے ہوتے تو سب مرد کھڑے ہو جاتے (اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے)۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں جب کہ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ ہی آپ ﷺ کے پیچھے نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتی تھیں اس وقت عورتوں کا یہ دستور ہوتا تھا کہ جوں ہی آنحضرت ﷺ سلام پھیر کر فارغ ہوتے وہ اس وجہ سے کہ راستہ میں مردوں سے مڈبھیڑ نہ ہو اور ان کے ساتھ راستہ میں چلنا نہ پڑے فوراً اٹھ جاتیں اور اپنے گھروں کو چل دیتیں تھیں۔

نماز کے بعد آنحضرت ﷺ کے بیٹھنے کے بارے میں کوئی دائمی معمول مذکور نہیں کہ آپ تمام نمازوں کے بعد ہمیشہ اتنی دیر تک بیٹھتے تھے بلکہ اسکا انحصار اختلاف اوقات پر ہوتا تھا چنانچہ آپ ﷺ سلام پھیر کر کبھی تو اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ الخ پڑھنے تک بیٹھتے تھے اور کبھی آپ ﷺ اتنا بیٹھتے تھے کہ دعا وغیرہ سے فارغ ہو کر قرآن کریم پڑھتے اور صحابہؓ کو احکام الٰہی کی تعلیم دیتے اور کبھی آپ ﷺ فجر کی نماز میں مصلے پر طلوع آفتاب تک بیٹھے رہتے تھے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام کے لئے اس قسم کی ضرورت کے وقت نماز کے بعد مصلی پر کچھ دیر تک بیٹھے رہنا مستحب ہے۔ نیز مقتدیوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ جب تک امام مصلے سے نہ اٹھے وہ بھی نہ اٹھیں۔

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرِبْنِ سَمُرَةَ فِيْ بَابِ الضِّحْكِ اِنْشَاءَاللّٰهُ تَعَالٰى۔

اور جابر ابن سمرہ کی (وہ) حدیث جس میں نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک آنحضرت ﷺ کا بیٹھنا مذکور ہے اور جسے صاحب مصابیح نے یہاں نقل کیا تھا، ہم انشاء اللہ باب الضحک میں نقل کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

نماز کے بعد کی دعا

(۱۱) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّي لَاُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا اُحِبُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَدَعُ اَنْ تَقُوْلَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّ اَبَادَاؤُدَ لَمْ يَذْكُرْ قَالَ مُعَاذُ وَاَنَا اُحِبُّكَ۔

”حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رحمت عالم ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا کہ: معاذ! میں تمہیں دوست رکھتا ہوں۔ ”میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں بھی آپ ﷺ کو دوست رکھتا ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”(جب تم مجھے دوست رکھتے ہو تو) کسی بھی نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنا ترک نہ کرو رَبِّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ”اے پروردگار! تو اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت میں میری مدد کر!۔“

اس روایت کو احمدؒ، ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے نقل کیا ہے مگر ابوداؤدؒ نے معاذؓ کے یہ الفاظ وَاَنَا اُحِبُّكَ نقل نہیں کئے ہیں۔“

تشریح: ”اچھی عبادت“ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی عبادت ہو خواہ بدنی ہو یا مالی، پورے کمال اور حضور قلب کی اس کیفیت کے ساتھ کی جائے گویا کہ عبادت کرنے والا اللہ جل شانہ، کو دیکھ رہا ہے اور اس کی عبادت کر رہا ہے۔ کتاب الایمان کی بھی ایک حدیث میں ”اچھی عبادت“ کا یہی مطلب بیان کیا گیا ہے وہاں اس کی وضاحت اچھی طرح کی جا چکی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنی دوستی اور محبّت کا اظہار اس سے کر دے۔

یہ حدیث اس فعل و قول اخذ بیدی و یقول انا احبکَ کے ساتھ مسلسل ہے۔ اس اصطلاح کی تعریف علماء و محدثین بخوبی سمجھتے ہیں چونکہ عوام سے اس کا تعلق نہیں ہے اس لئے ان کے سامنے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

سلام پھیرنے کا طریقہ

(۱۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُم وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْسَرِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَلَمْ يَذْكُرِ التِّرْمِذِيُّ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ)

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنی دائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ (یعنی تم پر اللہ کی سلامتی اور اللہ کی رحمت) کہتے ہوئے سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی اور اپنی بائیں جانب بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی۔“ (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ)

ترمذی نے اپنی روایت میں حتی یری بیاض خدہ کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو عمارؓ ابن یاسر سے

نقل کیا ہے۔

تشریح: ابوداؤد اور نسائی نے تو اس روایت کو انہیں الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مگر امام ترمذیؒ نے اپنی روایت میں حتی یری بیاض خدہ (یہاں تک کہ آپ کے رخسار کی سفیدی نظر آئی) نکل کیا ہے بلکہ انہوں نے صرف اس قدر نقل کیا ہے کہ کان یسلم عن یمینہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وعن یسارہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن ماجہؒ نے عمار ابن یاسرؓ سے یہ حدیث پوری اسی طرح نقل کی ہے نہ کہ ترمذیؒ کی طرح اس کا کچھ حصہ نقل کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نماز کے بعد اکثر بائیں جانب پھر کر بیٹھتے تھے

⑬ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ اَكْثَرُ اِنْصِرَافِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهٖ اِلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ اِلٰى حُجْرَتِهٖ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز کے بعد اکثر بائیں جانب اپنے حجرہ کی طرف پھر جاتے تھے۔" (شرح السنۃ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک کا دروازہ مسجد میں بائیں محراب کی طرف تھا۔ اس لیے جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تھے تو اکثر و بیشتر بائیں جانب پھرتے تھے اور اپنے حجرہ میں تشریف لے جاتے تھے۔

فرض کے بعد سنتیں پڑھنے کے لیے جگہ بدل لینی چاہیئے

⑭ عَنْ عَطَاءِ الْخُرَسَانِيِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي الْاِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ حَتّٰى يَتَحَوَّلَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ عَطَاءُ الْخُرَاسَانِيُّ لَمْ يُدْرِكِ الْمُغِيْرَةَ۔

"حضرت عطاء خراسانیؒ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، امام اس جگہ نماز نہ پڑھے جہاں نماز پڑھ چکا ہے بلکہ وہاں سے سرک جائے اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ عطاء خراسانی کی ملاقات حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے (ثابت) نہیں ہے (لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے)۔"

تشریح: یہاں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ جس جگہ فرض نماز پڑھی گئی ہے اسی جگہ سنتیں نہ پڑھی جائیں بلکہ اس جگہ سے ذرا ہٹ کر اور جگہ بدل کر دوسری جگہ سنتیں پڑھی جائیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات جان لیجئے کہ اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم خاص طور پر امام ہی کے لئے ہے مقتدی اس میں شامل نہیں ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حکم مجموعی طور پر امام اور مقتدی سب کے لئے ہے۔

فرض اور سنتیں دونوں ایک ہی جگہ پڑھنے سے منع یا تو اس لئے کیا گیا ہے کہ کوئی آنے والا یہ گمان نہ کرے کہ نمازی ابھی فرض نماز ہی پڑھ رہا ہے یا اس لئے کہ دونوں جگہیں قیامت کے روز پروردگار کے سامنے نمازی کی اطاعت گزاری کی گواہی دیں جس سے اس کے مرتبہ میں اضافہ ہو۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ حکم ان فرض نمازوں کے بارے میں ہے جن کے بعد سُنّت موکدہ ہیں اور جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں نہیں پڑھی جاتیں جیسے فجر و عصر تو ان کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے مگر بعض علماء کی یہی رائے ہے کہ یہ حکم تمام نمازوں کے بارے میں یکساں طور پر ہے۔

⑮ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَضَّهُمْ عَلَى الصَّلَاةِ وَنَهَاهُمْ اَنْ يَنْصَرِفُوْا قَبْلَ انْصِرَافِهٖ مِنَ

الصَّلٰوۃِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ صحابہؓ کو نماز پڑھنے کی رغبت دلاتے تھے اور ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے کہ وہ نماز کے بعد آپ ﷺ کے اٹھنے سے پہلے اٹھیں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ یا تو آپ ﷺ صحابہؓ کو مطلقاً نماز پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے یا انہیں اس بات کی رغبت دلاتے تھے کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں۔

آپ ﷺ کے ارشاد کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز ختم ہو جائے اور دعاء وغیرہ سے فارغ ہو جائے تو جب تک میں نہ اٹھ جاؤں مقتدی نہ اٹھیں تاکہ راستہ میں مرد عورتوں سے مل نہ جائیں جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ نماز کے بعد آنحضرت ﷺ اور دوسرے لوگ بیٹھے رہتے تھے یہاں تک کہ جب عورتیں اٹھ کر چلی جاتی تھیں تو پہلے آپ ﷺ اٹھتے تھے اس کے بعد دوسرے لوگ اٹھ کر اپنے گھروں کو چل دیتے تھے۔ اس صورت میں یہ نہی تنزیہی ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں "پہلے اٹھنے" سے مراد مسبوق[1] کا اٹھ کھڑا ہونا ہے۔ اس صورت میں اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تک امام سلام نہ پھیرے اس وقت تک مسبوق اپنی بقیہ رکعتیں پڑھنے کے لئے کھڑا نہ ہو بلکہ جب امام سلام پھیر لے تب مسبوق کھڑا ہو۔ اس سلسلہ میں اتنی بات جان لیجئے کہ یہ شکل یعنی مسبوق کا امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھ کھڑا ہونا حنفیہ کے نزدیک حرام ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تشہد کے بعد آنحضرت کی دعا

(۱۶) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ صَلَاتِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْاَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْاَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرَوَى اَحْمَدُ نَحْوَهُ۔

"حضرت شداد ابن اوسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنی نماز میں (تشہد کے بعد) یہ دعا پڑھا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْاَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْاَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اے پروردگار! میں تجھ سے دین میں ثابت قدمی اور راہ راست کے قصد کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے تیری نعمت کے شکر اور تیری عبادت کے حسن کی درخواست کرتا ہوں اور تجھ سے قلب سلیم اور سچی زبان مانگتا ہوں اور تجھ سے وہ بھلائی چاہتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور اس برائی سے پناہ مانگتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور معافی چاہتا ہوں ان گناہوں سے جن کو تو جانتا ہے۔" (نسائیؒ، احمدؒ)

تشریح: یہ دعا بھی آنحضرت ﷺ کی لسان مقدس سے تعلیم اُمت کے پیش نظر ارشاد ہوئی ہے کہ اُمت کے لوگ اس طرح دعا مانگا کریں۔ ورنہ تو جہاں تک آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کا تعلق ہے آپ ﷺ کو یہ تمام بھلائیاں اور سعادتیں حاصل تھیں جن کی طرف اس دعا میں اشارہ کیا گیا ہے اور تمام گناہوں سے آپ محفوظ تھے، نیز آپ ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخشے جا چکے تھے۔

"راہ راست کے قصد" کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے اس بات کی توفیق عنایت فرما کہ تو نے ہدایت کا جو راستہ دکھلایا ہے اس پر ہمیشہ ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہوں اور ہدایت کو اپنی زندگی کے لئے لازم پکڑوں۔

---

[1] مسبوق اس شخص کو کہتے ہیں جو جماعت میں ایک رکعت یا اس سے زیادہ ہو جانے کے بعد آکر شریک ہوا ہو۔

"تجھ سے تیری نعمت کے شکر اور تیری عبادت کے حسن کی درخواست کرتا ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے اس بات کی توفیق عنایت فرما کہ تیری ان نعمتوں کو جن سے تونے مجھے سرفراز فرمایا ہے تیری اطاعت و فرمانبرداری میں اس طرح صرف کروں کہ تیرے احکام و فرمان کا پابند رہوں اور جن چیزوں سے تونے منع کیا ہے ان سے بچتا رہوں اور تیری عبادت کو اس کے پورے شرائط و آداب اور پورے ارکان کے ساتھ ادا کروں۔

"قلب سلیم" اس دل کو کہتے ہیں جو برے عقائد، کمزور خیالات اور غلط اعتقادات و نظریات سے پاک و صاف ہو اور خواہشات نفسانی کی طرف اس کا میلان نہ ہو نیز یہ کہ وہ ماسوی اللہ سے خالی ہو۔

دعا کے جملہ وَاَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَاتَعْلَمُ میں لفظ ما موصولہ ہے یا موصوفہ اور عائد محذوف ہے۔ اسی طرح اس جملہ میں لفظ من زائد ہے یہ بیانیہ اور مبین محذوف ہے۔ گویا اصل میں یہ عبارت اس طرح ہے **اسالک شیا ھو خیر ماتعلم** یعنی میں تجھ سے اس اچھی چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کے بارے میں تو جانتا ہے کہ وہ اچھی ہے یعنی میں ایسی چیز کی درخواست نہیں کرتا جس کے بارہ میں میرا خیال ہے کہ وہ اچھی چیز ہے۔ کیونکہ بندہ تو کسی چیز کو اچھی سمجھ لیتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اچھی نہیں ہوتی۔ اس لئے میں وہی چیز مانگتا ہوں جو تیرے نزدیک اچھی ہے۔ اسی طرح **واعوذبک من شر ماتعلم** کا مطلب بھی یہی ہے کہ میں اس بری چیز سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے نزدیک بری ہے اور جس کے بارے میں تیرا فیصلہ ہے کہ یہ بندہ کے حق میں برائی کا باعث ہے۔

⑰ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ صَلٰوتِهٖ بَعْدَ التَّشَهُّدِ اَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَاَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ النسائی)

اور حضرت "جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں التحیات کے بعد فرماتے تھے بہترین کلاموں کا کلام اللہ کا ہے اور بہت بہترین طریقوں کا طریقہ محمد ﷺ کا ہے روایت کیا اس کو نسائی نے۔"

آنحضرت ﷺ کے سلام کا طریقہ

⑱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ فِى الصَّلَاةِ تَسْلِيْمَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ ثُمَّ يَمِيْلُ اِلَى الشَّقِّ الْاَيْمَنِ شَيْئًا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز میں ایک سلام پھیرتے تھے سامنے کے رخ پھر تھوڑا سا منہ کو دائیں جانب پھیرتے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ سلام پورا فرماتے تھے۔" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سلام پھیرتے تھے تو یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے کہ سلام کی ابتدا قبلہ رخ کرتے تھے درمیان میں دائیں جانب اس قدر چہرہ مبارک پھیرتے تھے کہ رخسار مبارک کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی جیسا کہ پہلی روایتوں میں گذر چکا ہے۔ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نماز میں صرف ایک ہی سلام دائیں جانب پھیرتے تھے چنانچہ حضرت امام مالکؒ اسی حدیث کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ نماز میں صرف ایک ہی سلام مشروع ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے یہاں متفقہ طور پر نماز میں دو سلام یعنی دائیں اور بائیں دونوں جانب مشروع ہیں، کیونکہ اس سلسلہ میں بہت زیادہ احادیث وارد ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرنا چاہئے۔

اب اس حدیث کی تاویل ان ائمہ ثلاثہ کی جانب سے یہ کی جاتی ہے کہ ایک سلام تو آپ ﷺ بلند آواز سے کہتے تھے اور دوسرا سلام آہستہ آواز سے۔ اس لئے حضرت عائشہؓ نے یہاں بلند آواز سے کہے جانے والے سلام کا اعتبار کیا اور صرف اسی ایک کو ذکر کیا۔

سلام پھیرتے وقت جواب کی نیت

⑲ وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَرُدَّ عَلَى الْاِمَامِ وَ نَتَحَابَّ وَ اَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں، ہم آپس میں محبت رکھیں اور ایک دوسرے کو سلام کریں۔" (ابوداؤد)

تشریح: پہلے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی جب سلام پھیریں تو اس وقت وہ یہ نیت کریں کہ ہم امام کے سلام کا جواب دے رہے، اس کی شکل یہ ہوگی جو مقتدی امام کے دائیں جانب ہوں وہ تو دوسرے سلام میں، جو مقتدی بائیں جانب ہوں وہ پہلے سلام میں اور جو مقتدی امام کے مقابل ہوں وہ دونوں سلام میں امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب امام سلام پھیرے تو وہ بھی اس وقت یہ نیت کرے کہ میں مقتدیوں کو سلام کر رہا ہوں۔

دوسرے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان آپس میں یعنی نمازیوں اور اللہ کے تمام بندوں سے محبت کریں، ان کے ساتھ خوش خلقی، مروت اور اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔

تیسرے حکم کا مطلب یہ ہے کہ "جس طرح امام سلام پھیرتے وقت مقتدیوں پر سلام کی اور مقتدی سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کرتے ہیں اسی طرح تمام مقتدی نماز میں سلام پھیرتے وقت آپس میں ایک دوسرے کے سلام کی نیت کریں۔ اس طرح کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت دائیں جانب کے مقتدیوں کی نیت کریں اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں جانب کے مقتدیوں کی نیت کرنی چاہئے۔ اور ہر نمازی کو چاہئے کہ وہ دونوں سلام میں ملائکہ کی بھی نیت کرے کیونکہ احادیث میں اس کا حکم بھی دیا گیا ہے اور حنفیہ کے بعض علماء نے تو کہا ہے کہ یہ سُنّت ہے گو دوسرے حضرات نے اسے ترک کیا ہے۔

بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ
نماز کے بعد کے ذکر کا بیان

اس باب کے تحت وہ احادیث ذکر کی جائیں گی جن سے نماز کے بعد دعا اور دیگر اوراد و وظائف کے پڑھنے کی اہمیت اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے، یہاں "ذکر" کا لفظ عام ہے جو دعا اور اوراد و وظائف سب پر حاوی ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے بعد نمازی دعا اور اوراد و وظائف کے لئے کتنی دیر تک بیٹھ سکتا ہے، چنانچہ در مختار میں لکھا ہے کہ فرض نماز پڑھ لینے کے بعد سنتوں کے پڑھنے میں تاخیر کرنا مکروہ ہے البتہ اللھم انت السلام (آخر تک) کے بقدر دعا وغیرہ پڑھنے کے لئے کچھ دیر بیٹھنا ثابت ہے۔

علامہ حلوانیؒ کا قول یہ ہے کہ اوراد و وظائف پڑھنے کی غرض سے فرض و سنتوں کے درمیان وقفہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی قول کو کمالؒ نے بھی اختیار کیا ہے۔

علامہ حلبیؒ نے ان دونوں اقوال میں تطبیق یوں پیدا کی ہے کہ اگر یہاں مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی نہ لیا جائے بلکہ مکروہ تنزیہی مراد لیا جائے تو ان دنوں اقوال میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہے گا کیونکہ پہلے قول کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ اوراد و وظائف پڑھنے کے لئے سنتوں کے پڑھنے میں تاخیر کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے البتہ مکروہ تنزیہی ہے یعنی اگر تاخیر نہ کی جائے تو بہتر ہوگا۔ اسی طرح علامہ حلوانیؒ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ فرض نماز پڑھنے کے بعد اوراد و وظائف پڑھنے کے لئے سنتوں میں تاخیر کرنے میں اگرچہ کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن

مناسب یہی ہے کہ تاخیر نہ کی جائے، اس طرح یہ دونوں قول اپنی اپنی جگہ صحیح رہے اور دونوں میں کوئی تضاد بھی باقی نہیں رہا۔

صاحب درمختار کے ایک قول کا مفہوم یہ ہے کہ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرض و سُنّت کے درمیان دعا اور اوراد و وظائف پڑھے جائیں تو تعارض دور ہو جاتا ہے۔"

اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ نماز کے بعد[1] تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھا جائے، آیتہ الکرسی اور معوذات (یعنی سورہ قل ہو اللہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) پڑھی جائے اور سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھے جائیں اور پھر ایک مرتبہ تہلیل (لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک الخ) پڑھ کر سو کے عدد کو پورا کیا جائے پھر اس کے بعد دعا مانگی جائے اور دعا کو اس جملہ پر ختم کیا جائے سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

جماعت ختم ہو جانے کے بعد جب سنتیں پڑھی جائیں تو مقتدیوں کو چاہئے کہ صفوں کو توڑ دیں یعنی سُنّت پڑھنے کے لئے صف بندی کے ساتھ کھڑے نہ ہوں بلکہ آگے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوں۔ اور امام کو بھی چاہئے کہ وہ بھی امامت کے مصلے سے ہٹ کر آگے پیچھے یا دائیں بائیں ہو جائے تاکہ بعد میں آنے والے نمازیوں کو یہ خیال نہ ہو کہ ہنوز جماعت کھڑی ہے اور کوئی نمازی اسی خیال میں امام کی اقتدا کر کے نماز کے لئے کھڑا ہو جائے اور پھر اس کی اقتداء فاسد ہو۔

اس چیز میں بھی اختلاف ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعا اور اوراد وغیرہ پڑھنے کے لئے امام کے لئے دائیں طرف گھوم کر بیٹھنا افضل ہے یا بائیں طرف؟ چنانچہ صحیح قول یہ ہے کہ اسے اختیار ہے چاہے دائیں طرف گھوم کر بیٹھے اور چاہے بائیں طرف لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ بائیں طرف گھوم کر بیٹھنا ہی متفقہ طور پر سب کے نزدیک افضل ہے کیونکہ حجرہ شریف اسی سمت ہے۔

اگر کوئی شخص فرض نماز کے بعد سنتیں پڑھ لے اور اس کے بعد احادیث میں مذکورہ اوراد و وظائف پڑھے تو یہ اس بعدیت کے منافی نہیں ہوگا جو احادیث میں مذکور ہیں (یعنی احادیث میں مذکور ہے کہ نماز کے بعد فلاں فلاں دعا یا وظیفہ پڑھا جائے تو اگر کوئی شخص فرض نماز پڑھ کر پہلے سنتیں پڑھے اور پھر اس کے بعد مذکورہ اوراد و وظائف پڑھے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اس فضیلت سے محروم رہا۔ کیونکہ حدیث کا مقصد تو یہ ہے کہ یہ اوراد و وظائف نماز کے بعد پڑھے جائیں خواہ سنتوں کے بعد بلکہ سنتوں کے بعد ہی پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔

اس طرح صحیح احادیث سے چونکہ یہ ثابت ہے کہ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ دس مرتبہ پڑھا جائے، یا ان نمازوں کے بعد آیتہ الکرسی پڑھنا احادیث سے ثابت ہے تو اگر کوئی شخص مغرب کی فرض نماز کے بعد پہلے سنتیں پڑھ لے اور پھر اس کے بعد آیتہ الکرسی یا مذکورہ بالا تہلیل پڑھے تو حدیث کے مطابق اسے وہی فضیلت حاصل ہوگی جو فرض نماز کے بعد انہیں پڑھنے پر حاصل ہوتی۔

بعض لوگ یہ سوچ کر کہ جلدی بھی ہو جائے اور مذکورہ بالا چیزوں کو پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے، مغرب کی سنتوں میں آیتہ الکرسی پڑھ لیتے ہیں یہ محض وہم ہے کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ مغرب کی سنتوں میں قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا کرتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نماز کے اختتام پر اللہ اکبر کہنا

(۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ۔ (متفق علیہ)

---

[1] جن نمازوں میں سنتیں نہیں پڑھی جاتیں ان میں فرض کے بعد اور جن کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان میں سنتوں کے بعد یہ اوراد پڑھے جائیں ۱۲۔

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں رحمت عالم ﷺ کی نماز کے ختم ہونے کو آپ ﷺ کے اللہ اکبر کہنے سے پہچان لیتا تھا۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: نماز کے اختتام پر "اللہ اکبر" کہنے کی مراد کے تعین میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں، چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے سے مراد "ذکر" ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں فرض نماز سے فراغت کے وقت لوگوں کے لئے باآواز بلند ذکر مقرر تھا۔ پھر حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں، کہ میں نماز کے اختتام کو اسی کے ذریعہ پہچانتا تھا (یعنی جب لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے تو میں جان لیتا تھا کہ نماز ہو چکی ہے)۔ ابن عباسؓ کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام بخاریؒ نے پھر ابن عباسؓ کی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ جو یہاں ذکر کی گئی ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر سے مراد مطلق "ذکر" ہے۔

لیکن اتنی بات بھی سمجھتے چلئے کہ حضرت امام شافعیؒ نے آنحضرت ﷺ کے اس ذکر بالجہر کو تعلیم اُمت پر محمول کیا ہے چنانچہ بیہقی وغیرہ نے آہستہ آواز سے ذکر کرنے پر صحیحین کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہؓ کو اس بات کا حکم دیا کرتے تھے کہ وہ تہلیل و تکبیر بلند آواز سے نہ کریں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو، وہ (یعنی خدا) تو تمہارے ساتھ ہے اور قریب ہے"

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں "تکبیر" سے مراد وہ تکبیر ہے جو نماز کے بعد تسبیح و تحمید کے ساتھ دس مرتبہ یا تیس مرتبہ پڑھتے ہیں۔ کچھ محققین کی رائے ہے کہ "آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نماز کے بعد ایک بار یا تین بار تکبیر کہی جاتی تھی۔"

بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا تعلق ایام منیٰ سے ہے کہ وہاں تشریق کی تکبیرات کہتے تھے، بہرحال۔ ان تمام اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے بھی سب سے بڑا اشکال حضرت ابن عباسؓ کے اس قول پر یہ وارد ہوتا ہے کہ یہ کیا وجہ ہے کہ ابن عباسؓ سلام سے تو نماز کے اختتام کو نہ جانتے تھے اور تکبیر سے جانتے تھے کہ نماز ہو چکی ہے۔؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس وقت صغیر السن تھے اس لئے ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ جماعت میں شریک نہ ہوتے ہوں گے، یا پھر یہ احتمال ہے کہ وہ جماعت میں شریک تو ہوتے ہوں گے لیکن پچھلی صف میں کھڑے ہوتے ہوں گے اس لئے وہاں تک آنحضرت ﷺ کی آواز نہ پہنچنے کے سبب وہ سلام پر نماز کے اختتام کو نہ پہچانتے ہوں گے بلکہ جب مقتدی باآواز بلند تکبیر کہتے ہوں گے تو وہ یہ جان لیتے ہوں گے کہ نماز ختم ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

فرض کے بعد آنحضرت ﷺ کے بیٹھنے کی مقدار

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ اِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ (رواہ مسلم)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب (فرض نماز کا) سلام پھیر لیتے تھے تو صرف اس دعا کے بقدر بیٹھتے تھے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اے اللہ! تو سالم ہے (یعنی تمام عیوب سے پاک ہے) اور تجھی سے (بندوں کی تمام آفات سے) سلامتی ہے۔ اے بزرگی و بخشش والے تو برتر ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے سلام کے بعد آنحضرت ﷺ صرف اسی قدر بیٹھتے تھے کہ یہ دعا پڑھ لیں۔ لیکن جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں جیسے فجر، عصر، ان کے سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ کا اس سے زیادہ بیٹھنا بھی ثابت ہے، چنانچہ اسی بناء پر علماء لکھتے ہیں کہ ان نمازوں کے بعد طلوع آفتاب و غروب آفتاب تک

ذکر میں مشغول رہنا مستحب ہے۔

سلام کے بعد "نہ بیٹھنے" کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ آپ ﷺ ہیئت نماز میں صرف اتنی ہی دیر تک بیٹھے رہتے کہ یہ دعا پڑھ لیں یا یہ کہ آپ اکثر و بیشتر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے۔

یہاں جو دعا ذکر کی گئی ہے اس میں یہ الفاظ بھی پڑھے جاتے ہیں وَ اِلَیْكَ یَرْجِعُ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَ اَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ حالانکہ یہ الفاظ احادیث سے ثابت نہیں ہیں بلکہ بعد میں ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۳) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جو اپنی نماز سے فارغ ہو لیتے تو (پہلے) تین مرتبہ استغفار کرتے اور (پھر) یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سلام پھیر لیتے تھے تو پہلے تین مرتبہ استغفار کرتے یعنی استغفر اللہ تین مرتبہ کہتے اس کے بعد مذکورہ بالا دعا پڑھتے۔

بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ استغفار کے لئے تین مرتبہ اس طرح کہتے تھے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ۔

فرض نماز کے بعد کی دعا

(۴) وَعَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو چیز تو نے عطا کی ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جس چیز کو تو نے روک دیا ہے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور دولت مند کو اس کی دولت تیرے عذاب سے بچانے والی نہیں ہے۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ یہ دعا اور دیگر دعائیں و کلمات اذکار جو مختلف احادیث میں مذکور ہیں نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بعض اوقات تو سلام پھیرنے کے بعد بغیر کچھ پڑھے ہوئے کھڑے ہوتے تھے اور بعض اوقات مذکور دعا و اذکار میں سے کچھ یا سب پڑھا کرتے تھے۔

چونکہ احادیث سے نماز کے بعد پڑھنے کے لئے مختلف دعائیں ثابت ہیں اس لئے بعض علماء نے ان کے پڑھنے کی ترتیب اس طرح قائم کی ہے کہ اول تو استغفار کیا جائے اس کے بعد اللھم انت السلام آخر تک پڑھا جائے پھر اس کے بعد لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ آخر تک پڑھا جائے۔ ان دعاؤں کے علاوہ اور بہت سی دعائیں بھی احادیث میں مذکور ہیں جن کے بارے میں ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ انہیں نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ "بعد" سے یہ مراد نہیں کہ یہ دعائیں فرض نماز کے بعد متصلاً ہی پڑھنی چاہئیں بلکہ اگر سنتوں کے بعد بھی یہ

دعائیں پڑھی جائیں گی تو "نماز کے بعد" پڑھنا ہی کہلائے گا۔

⑤ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهٖ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْاَعْلٰى لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب اپنی نماز سے سلام پھیرتے تھے تو (سلام کے بعد) بلند آواز سے یہ کلمات پڑھا کرتے تھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، گناہوں سے باز رہنے اور عبادت کرنے کی قوت صرف خدا ہی کی مدد سے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں، خدا ہی کے لئے اس کی بندگی کو خالص کرنے والے ہیں اگرچہ کافر اسے برا سمجھیں۔" (مسلم)

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان کلمات دعا کو بھی تعلیم اُمت کے پیش نظر بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ امام نوویؒ نے کتاب مہذب میں لکھا کہ "اس دعا کو اور اس کے علاوہ دیگر دعاؤں کو آہستہ آواز سے پڑھنا افضل ہے خواہ امام ہو یا منفرد، ہاں اگر اس بات کی ضرورت ہو کہ کوئی دعا کسی کو سکھانا ہے تو اس کو بلند آواز سے پڑھ لینا چاہئے، چنانچہ اس دعا کو آنحضرت ﷺ کے بلند آواز سے پڑھنے کو اسی پر محمول کیا گیا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کا مقصد، صحابہؓ کو یہ دعا سکھانا تھا اس لئے آپ ﷺ بلند آواز سے پڑھتے تھے اور جب لوگوں کو دعا یاد ہو گئی تو اسے آہستہ آواز سے پڑھنا ہی افضل ہوا۔

نماز کے بعد کن چیزوں سے پناہ مانگنی چاہئے

⑥ وَعَنْ سَعْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلَاةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سعدؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو کلمات دعا کے یہ الفاظ سکھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رحمت عالم ﷺ اپنی نماز کے بعد انہیں الفاظ کے ذریعے پناہ مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ اے اللہ! میں نامرادی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، بخل سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں، ناکارہ عمر سے تیری پناہ کا خواستگار ہوں۔ اور فتنہ دنیا و عذاب قبر سے (یعنی ان چیزوں سے جو عذاب قبر کا سبب ہیں) تیری پناہ مانگتا ہوں۔" (بخاریؒ)

تشریح: یہاں "جبن" سے مراد "طاعت کی جرات نہ کرنا" ہے اور "بخل" سے مراد یہ ہے کہ کسی غیر کو مال علم اور خیر خواہی سے فائدہ نہ پہنچایا جائے۔ "ناکارہ عمر" کا مطلب یہ ہے کہ انسان زندگی کے اس اسٹیج پر پہنچ جائے جہاں عقل میں خلل آجاتا ہے اعضا ضعیف ہو جاتے ہیں طاقت و قوت یکسر جواب دے دیتی ہے اور ایسا شخص بالکل اپاہج و معذور ہو کر دین و دنیا کے کاموں کے لئے ناکارہ بن جاتا ہے۔ اسی عمر سے پناہ مانگنی چاہئے۔ کیونکہ انسانی زندگی کا حاصل اور مقصود تو صرف یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا جائے اس کی نعمتوں کا اچھی طرح شکر ادا کیا جاتا رہے اور ظاہر ہے کہ اسی ناکارہ عمر میں کوئی شخص نہ پوری طرح عبادت کر سکتا ہے اور نہ اداء شکر میں مشغول رہ سکتا ہے۔ اس طرح زندگی اور عمر کا جو اصل مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ناکارہ زندگی سے

بچائے۔

نماز کے بعد کی تسبیح اور اس کی فضیلت

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِیْنَ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا قَدْ ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰی وَالنَّعِیْمِ الْمُقِیْمِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا یُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّیْ وَیَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَیَتَصَدَّقُوْنَ وَلَا نَتَصَدَّقُ وَیُعْتِقُوْنَ وَلَا نُعْتِقُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا اُعَلِّمُكُمْ شَیْئًا تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَا یَكُوْنُ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُسَبِّحُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِیْنَ مَرَّةً قَالَ اَبُوْصَالِحٍ فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِیْنَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا سَمِعَ اِخْوَانُنَا اَهْلُ الْاَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوْا مِثْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَلَیْسَ قَوْلُ اَبِیْ صَالِحٍ اِلَی الْاٰخِرِهٖ اِلَّا عِنْدَ مُسْلِمٍ وَفِی الْبُخَارِیِّ تُسَبِّحُوْنَ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَتَحْمَدُوْنَ عَشْرًا وَتُكَبِّرُوْنَ عَشْرًا بَدَلَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ لِلْبُخَارِیِّ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن فقراء مہاجرین رحمت عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! دولت مند لوگ بلند درجات (یعنی ثواب، قرب الٰہی اور رضائے حق) اور دائمی نعمت (یعنی بہشت کی نعمت کو حاصل کرنے میں ہم سے سبقت) لے گئے (یعنی وہ اپنے مال و دولت کی وجہ سے بڑا ثواب حاصل کرتے ہیں اور بہشت کی نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں اور ہم تو اپنی غربت و افلاس کی وجہ سے بلندی درجات میں ان سے پیچھے رہ جاتے ہیں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا وہ اسی طرح نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور وہ اسی طرح روزہ رکھتے ہیں جس طرح ہم رکھتے ہیں (ان اعمال میں تو وہ اور ہم برابر ہیں لیکن مال و زر کی وجہ سے) وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور (غربت و افلاس کی وجہ سے) ہم صدقہ و خیرات کر نہیں سکتے، وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے (اس طرح وہ ان اعمال کے ثواب کے حق دار ہو جاتے ہیں اور ہم محروم رہتے ہیں (یہ سن) کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا "کیا میں تم لوگوں کو ایسی بات نہ بتادوں کہ اس پر عمل کر کے تم ان لوگوں کے درجات کو پہنچ جاؤ جو تم سے پہلے اسلام لا چکے ہیں اور ان لوگوں کے مرتبہ سے بڑھ جاؤ جو تمہارے بعد کے ہیں (یعنی تمہارے بعد اسلام لائے ہیں یا تمہارے بعد پیدا ہوں گے) اور (مال دار لوگوں میں سے) کوئی شخص تم سے بہتر نہ ہوگا بجز اس شخص کے جو تم ہی جیسا عمل کرے (یعنی اگر مالدار لوگوں نے میری بتائی ہوئی بات پر تمہاری طرح عمل کیا تو پھر مرتبہ کے اعتبار سے وہی تم سے بہتر ہوں گے) فقراء نے عرض کیا "یارسول اللہ! بہتر ہے، فرمایئے (وہ کیا بات ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا "تم لوگ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ تینتیس مرتبہ پڑھ لیا کرو۔"

(حدیث کے ایک راوی) ابوصالح فرماتے ہیں کہ (کچھ دنوں کے بعد) فقراء مہاجرین (پھر) آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہمارے دولت مند بھائیوں نے ہمارے عمل کا حال سنا اور وہ بھی وہی کرنے لگے جو ہم کرتے ہیں (اس طرح پھر وہی لوگ ہم سے افضل ہوئے) آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

اور روایت کے آخری الفاظ جو ابوصالح کا قول ہے صرف مسلمؒ ہی نے نقل کئے ہیں۔ نیز بخاریؒ کی ایک روایت میں تینتیس مرتبہ پڑھنے کے بجائے یہ ہے کہ "ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔"

تشریح: پہلی روایت میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، اللہ اکبر، اور الحمد للہ تینتیس مرتبہ پڑھو" تو اس میں تین احتمال ہیں اول تو یہ کہ ان تینوں کلمات کو مجموعی طور سے تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھا جائے چنانچہ مشائخ کا عمل اسی پر ہے اور یہی افضل بھی اور یہ کہ اس کی صراحت بھی بعض روایت میں تو موجود ہے۔ سوم یہ کہ ان تینوں کلمات کو ملا کر تینتیس مرتبہ پڑھا جائے، اس طرح ان میں سے ہر

ایک کو بھی تینتیس مرتبہ پڑھنا ہو جائے گا۔

شکر کرنے والا امیر صبر کرنے والے غریب سے افضل ہے: حدیث کے آخری لفظ ذلک فضل اللّٰہ الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر خدا نے دولت مند لوگوں کو تم پر فضیلت دی ہے تو یہ محض اس کا فضل و کرم ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نواز کر اس کے قدموں میں مال و دولت کے ڈھیر ڈال دیتا ہے لہٰذا تمہیں چاہئے کہ اس معاملہ میں صبر کا دامن پکڑے رہو اور تقدیر الٰہی پر راضی رہو کہ اس نے بعض بندوں کو بعض بندوں پر فضیلت و بزرگی عطا فرمادی ہے۔

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ شکر کرنے والا دولت مند صبر کرنے والے غریب سے افضل ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی اتنی بات بھی ہے کہ دولت مند اپنے مال و دولت کے معاملہ میں مختلف قسم کے گناہ کے خوف سے خالی نہیں ہوتا جب کہ فقیر و غریب ان گناہوں کے خوف سے جو مال و دولت کی بناء پر صادر ہوتے ہیں امن میں رہتا ہے۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے چنانچہ حضرت جنیدؒ اور دیگر اکثر اہل اللہؒ فضیلت فقر کے قائل ہیں اور ابن عطاءؒ کا قول ہے کہ شاکر دولت مند جو دولت کا حق ادا کرتا ہو صابر غریب سے افضل ہے۔

(۸) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ اَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ ثَلَاثٌ وَ ثَلَاثُوْنَ تَسْبِيْحَةً وَ ثَلَاثٌ وَ ثَلَاثُوْنَ تَحْمِيْدَةً وَ اَرْبَعٌ وَ ثَلَاثُوْنَ تَكْبِيْرَةً۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عجرہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کے چند کلمات ہیں جن کا کہنے والے، یا فرمایا کہ کرنے وال (حصول ثواب سے) محروم نہیں رہ سکتا (اور وہ کلمات یہ ہیں) سبحان اللہ تینتیس بار، الحمد للہ تینتیس اور اللہ اکبر چونتیس بار کہنا۔" (مسلم)

(۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِيْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِيْنَ وَ كَبَّرَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَ تِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامُ الْمِائَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سبحان اللہ تینتیس مرتبہ، الحمد للہ تینتیس مرتبہ اللہ اکبر تینتیس مرتبہ کہے جن کا مجموعی عدد ننانوے ہو اور سو کے عدد کو پورا کرنے کے لئے ایک مرتبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر (یعنی بہت زیادہ) ہوں۔" (مسلم)

تشریح: بعض روایات میں ولہ الحمد کے بعد یحی و یمیت اور بعض میں بیدہ الخیر کے الفاظ بھی منقول ہیں، مذکورہ بالا کلمات جو نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں ان کے مختلف عدد منقول ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ خود بھی انہیں مختلف عدد کے ساتھ پڑھتے تھے اس لئے ان کلمات کو احادیث میں مذکور اعداد میں سے جس عدد کے ساتھ بھی پڑھا جائے گا۔ اصل سنّت ادا ہو جائے گی۔ حافظ زین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام اعداد بہتر ہیں اور جو عدد سب سے بڑا ہے وہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

ان تسبیحات کے ورد کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ انہیں داہنے ہاتھ کی انگلیوں پر پڑھتے تھے اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ انہیں انگلیوں پر شمار کرو کیونکہ قیامت کے روز انگلیوں سے (بندہ کے اعمال

لے اس دار الفناء میں جتنے ازم پیدا ہوئے وہ فانی ہیں صحیح اور باقی رہنے والی بات یہی ہے کہ انسانی جدو جہد اور تدابیر تقدیر الٰہی سے پابستہ زنجیر ہیں ۱۲۔

کے سلسلہ میں) سوال کیا جائے گا اور (جواب کے لئے) انہیں گویائی کی قوت دی جائے گی۔ صحابہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ انہیں کھجور کی گٹھلیوں پر پڑھتے تھے۔ بہر حال ان تسبیحات کو انگلیوں پر پڑھنا ہی افضل ہے اور گٹھلیوں وغیرہ پر پڑھنا بھی جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

قبولیت دعا کا وقت

⑩ وَعَنْ اَبِی اُمَامَةَ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَ دُبُرَ الصَّلَوٰاتِ الْمَکْتُوْبَاتِ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کس وقت دعا بہت زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا رات کے آخری حصہ میں (یعنی سحر کے وقت) اور فرض نمازوں کے بعد۔" (ترمذی)

ہر نماز کے بعد معوذات پڑھنے کا حکم

⑪ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلَاةٍ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی و البیہقی فی الدعوات الکبیر)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھوں۔" (احمدؒ و ابوداؤدؒ، نسائیؒ، بیہقیؒ)

تشریح: معوذات قرآن کی ان سورتوں کو کہتے ہیں جن کی ابتداء میں "اعوذ" کا لفظ ہے یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ یہاں ان دونوں سورتوں کے لئے "معوذات" جمع کا صیغہ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ اقل جمع دو ہیں اور بعض علماء نے کہا ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور قُلْ یَا اَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ بھی معوذات میں تغلیباً داخل ہیں یعنی قل اعوذ برب الناس کو امتیاز دے کر سب کو معوذات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان دونوں سورتوں کی ابتداء میں "اعوذ" کا لفظ نہیں ہے۔ گویا اس قول کے مطابق آپ نے چار سورتوں یعنی قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس، قل ھو اللہ اور قل یایھا الکافرون کے پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

طلوع و غروب آفتاب تک ذکر میں مشغول رہنے کی فضیلت

⑫ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً مِنْ وَلَدِ اِسْمَاعِیْلَ وَلَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ اِلٰی اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسی جماعت کے ساتھ میرا بیٹھنا جو نماز فجر سے طلوع آفتاب تک خدا کے ذکر میں مشغول ہو میرے نزدیک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک ایسے لوگوں میں میرا بیٹھنا جو خدا کے ذکر میں مشغول ہوں میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے آخری الفاظ میں بھی چار غلام سے مراد حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے چار غلام ہوں اور یہ بھی

احتمال ہے کہ یہاں چار غلام مطلق مراد ہوں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کی تخصیص آپ ﷺ نے اس لئے کی کہ وہ افضل عرب ہیں اور خود آنحضرت ﷺ ان کی اولاد میں سے ہیں۔

⑬ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهٗ كَاَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص فجر کی نماز جماعت سے پڑھے اور طلوع آفتاب تک اللہ کی یاد میں مشغول رہے اور پھر دو رکعت نماز پڑھے تو اسے حج و عمرہ کی مانند ثواب ملے گا راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پورے حج و عمرہ کا پورے حج و عمرہ کا پورے حج و عمرہ کا (ثواب اسے ملے گا)۔" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص فجر کی نماز جماعت سے پڑھ کر اسی مسجد میں اور اسی مصلی پر طلوع آفتاب تک ذکر خداوندی میں مسلسل مشغول رہے اور پھر اس کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھے تو اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ ایک پورے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے اور اگر کوئی شخص حالت ذکر میں طواف کے لئے یا طلب علم کے لئے اور یا مسجد ہی میں مجلس وعظ میں جانے کے لئے مصلے سے اٹھا یا اسی طرح کوئی شخص وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر چلا آئے مگر ذکر خداوندی میں برابر مشغول بھی رہے تو اسے بھی مذکورہ ثواب ملے گا۔

ذکر سے فارغ ہو کر طلوع آفتاب کے بعد دو رکعت نماز سورج کے ایک نیزہ کے بقدر بلند ہو جانے کے بعد پڑھنی چاہئے تاکہ وقت کراہت ختم ہو جائے اس نماز کو نماز اشراق کہتے ہیں اور اکثر احادیث میں اس کا نام صلوۃ الضحٰی بھی منقول ہے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں جن کے الگ الگ یہ دو نام ہیں۔ اس کا ابتدائی وقت آفتاب کے بلند ہو جانے کے بعد شروع ہو جاتا ہے اور انتہائی وقت سورج ڈھلنے سے پہلے پہلے ہے۔ ابتدائی وقت میں پڑھی جانے والی نماز کو "نماز اشراق" کہتے ہیں اور انتہائی وقت میں پڑھی جانے والی نماز "نماز چاشت" کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے۔

فرمایا گیا ہے کہ ایسے شخص کو حج و عمرہ دونوں کا ثواب تو فرض نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی بناء پر ملتا ہے اور عمرہ کا ثواب نفل نماز (یعنی نماز اشراق) پڑھنے کی وجہ سے ملتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

دو نمازوں کے درمیان وقفہ کرنا چاہئے

⑭ وَعَنِ الْاَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا اِمَامٌ لَنَا يُكْنٰى اَبَا رِمْثَةَ قَالَ صَلَّيْتُ هٰذِهِ الصَّلَاةَ اَوْ مِثْلَ هٰذِهِ الصَّلَاةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْمَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ فَصَلّٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى رَاَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْفَتَلَ كَانْفِتَالِ اَبِيْ رِمْثَةَ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ فَقَامَ الرَّجُلُ الَّذِيْ اَدْرَكَ مَعَهُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ يَشْفَعُ فَوَثَبَ عُمَرُ فَاَخَذَ بِمَنْكِبَيْهِ فَهَزَّهٗ ثُمَّ قَالَ اِجْلِسْ فَاِنَّهٗ لَنْ يَهْلِكَ اَهْلُ الْكِتَابِ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ صَلَاتِهِمْ فَصْلٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهٗ فَقَالَ اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ازرق ابن قیس کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہمارے امام نے کہ جن کی کنیت ابو رمثہ تھی ہمیں نماز پڑھائی اور (نماز کے بعد) انہوں نے فرمایا کہ "میں نے (ایک روز) یہ نماز یا اس کی مانند نماز رحمت عالم ﷺ کے ہمراہ پڑھی، حضرت ابو رمثہؓ کہتے تھے کہ (اس نماز میں) حضرت

ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما (بھی) آنحضرت ﷺ کی دائیں طرف پہلی صف میں کھڑے تھے، ایک شخص (پیچھے سے آکر) نماز کی تکبیر اولی میں شریک ہوا، آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی اور سلام (کے وقت آپ ﷺ نے اپنے چہرہ مبارک کو اتنا) پھیرا کہ ہم نے آپ ﷺ کے مبارک رخساروں کی سفیدی دیکھ لی، پھر آپ ﷺ ابورمثہ کی یعنی میری طرح پھر کر بیٹھ گئے وہ شخص جو تکبیر اولی میں شریک تھا کھڑا ہو گیا اور دو رکعت نماز پڑھنے لگا، حضرت عمرؓ (یہ دیکھ کر) فوراً اٹھے اور اس شخص کے دونوں مونڈھے پکڑ کر ہلائے اور فرمایا کہ بیٹھ جاؤ! کیونکہ اہل کتاب (یعنی یہود و نصاری) اسی لئے ہلاکت کی وادی میں جاگرے کہ اپنی نمازوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ (حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر) آنحضرت ﷺ نے نظر مبارک اوپر اٹھائی اور فرمایا کہ اے خطاب کے بیٹے! اللہ نے تمہیں راہ حق پر پہنچایا (یعنی تم نے سچ کہا)۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: ابتداء حدیث میں حضرت ابورمثہؓ نے اپنے قول "یہ نماز" سے اس نماز کی طرف اشارہ کیا تھا جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پڑھی تھی اور وہ ظہر یا عصر کی نماز تھی۔

الفاظ او مثل ھذہ الصلوٰۃ (یا اس کی مانند نماز) میں حرف او راوی کے شک کو ظاہر کر رہا ہے، یعنی اس روایت کے روای کو شک ہے کہ حضرت ابورمثہؓ نے ہذہ الصلوٰۃ فرمایا تھا یا مثل ہذہ الصلوۃ۔

فرمایا گیا ہے کہ "ایک شخص (پیچھے سے آکر) نماز کی تکبیر اولی میں شریک ہوا یہاں" "تکبیر اولی" کی قید اس مقصد کے تحت لگائی گئی ہے کہ تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ شخص مسبوق نہیں تھا کہ اپنی بقیہ نماز پوری کرنے کے لئے سلام کے بعد اٹھا تھا بلکہ وہ جماعت کے ساتھ پہلی ہی رکعت میں شامل ہو گیا تھا اور وہ سلام کے بعد سُنّت موکدہ پڑھنے کے لئے اٹھ گیا تھا۔

"فرق" سے مراد یا تو سلام پھیرنے کے ساتھ فرق کرنا ہے یا جگہ بدل کر فرق کرنا مراد ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں منقول ہے کہ "تم میں سے جو شخص نماز ادا کرتا ہے اسے کیا دشواری ہے کہ وہ آگے بڑھ جائے یا پیچھے ہٹ جائے یا دائیں طرف ہٹ کر کھڑا ہو جائے (یعنی ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز پڑھنے کے لئے پہلی جگہ سے ہٹ جانا چاہئے) یا گفتگو کرنے اور مسجد سے نکلنے کے ساتھ فرق کرنا مراد ہے جیسا کہ مسلم کی ایک روایت میں حضرت سائبؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا "ہمیں سرکار دو عالم ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ ہم (دو نماز کے درمیان وصل نہ کریں تاوقتیکہ کوئی گفتگو کریں یا باہر نکلیں (اور اس طرح دونوں نمازوں کے درمیان وقفہ کریں۔

اس حدیث کو مصنف کتاب نے اس باب یعنی باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ "فرق" سے مراد نماز فرض کے بعد ذکر کا ترک کرنا ہے یعنی فرض نماز کے بعد چاہئے کہ ذکر کیا جائے جو کہ (اس موقع کے لئے دعاؤں کی شکل میں) احادیث میں مذکور ہے۔ اس کے بعد اٹھ کر سنتیں پڑھی جائیں۔

نیز یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز فرض کے ساتھ نفل نماز کو ملانا نہیں چاہئے یعنی دونوں نمازوں کے درمیان اتنا توقف کرنا چاہئے کہ دونوں میں کوئی اشتباہ نہ ہو۔

نماز کے بعد کی تسبیح

⑮ وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ قَالَ أُمِرْنَا اَنْ نُسَبِّحَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَ نَحْمَدَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَنُكَبِّرَ اَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ فَاُتِيَ رَجُلٌ فِي الْمَنَامِ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقِيْلَ لَهٗ اَمَرَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُسَبِّحُوْا فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ كَذَا وَكَذَا قَالَ الْاَنْصَارِيُّ فِيْ مَنَامِهٖ نَعَمْ قَالَ فَاجْعَلُوْهَا خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ وَاجْعَلُوْا فِيْهَا التَّهْلِيْلَ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدًا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَافْعَلُوْا۔

(رواہ احمد والنسائی والدارمی)

"اور حضرت زید ابن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ہر نماز کے بعد سبحان اللہ تینتیس مرتبہ الحمد للہ تینتیس مرتبہ اللہ اکبر چونتیس مرتبہ کہیں (حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن) ایک انصاری نے ایک فرشتہ خواب میں دیکھا فرشتہ نے اس نصاری سے کہا کہ "رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم ہر نماز کے بعد اتنی اتنی تسبیح پڑھو؟ اس انصاری نے کہا کہ ہاں! فرشتہ نے کہا کہ "ان تینوں کلمات (کے پڑھنے) کی تعداد پچیس پچیس مقرر کرو اور اس کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ بھی پچیس مرتبہ مقرر کر لو (تاکہ سو کا عدد پورا ہو جائے) جب صبح ہوئی تو انصاری آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے خواب سے آگاہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس پر عمل کرو۔"
(احمدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد "اس پر عمل کرو" کی مراد غالباً یہ ہوگی کہ جس طرح تمہیں تسبیح پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس طرح بھی پڑھو اور جس طرح فرشتہ نے خواب میں بتایا ہے اس طرح بھی پڑھ لیا کرو اور یہ بھی چونکہ ذکر کا ایک طریقہ ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی توثیق فرمادی، اگر آنحضرت ﷺ تقریر یعنی توثیق نہ فرماتے تو محض خواب اس سلسلہ میں حجت نہ ہوتا۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت

(۱۶) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْوَادِ هٰذَا الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ مَنْ قَرَاءَ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ وَمَنْ قَرَأَهَا حِيْنَ يَأْخُذُ مَضْجَعَهُ اٰمَنَهُ اللّٰهُ عَلٰى دَارِهِ وَدَارِ جَارِهِ وَاَهْلِ دُوَيْرَاتٍ حَوْلَهُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ اِسْنَادُهُ ضَعِيْفٌ۔

"اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو لکڑی کے اس منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اسے بہشت میں جانے سے سوائے موت کے اور کوئی چیز نہیں روک سکتی اور جو شخص (آیت الکرسی کو) اپنی خواب گاہ میں جاتے وقت (یعنی سونے کے وقت) پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مکان میں اور اس کے ہمسایہ میں (یعنی جو مکانات اس کے مکان سے ملے ہوئے ہوں) اور اس کے گرد اگرد مکانات میں (جو اگرچہ اس کے مکان سے متصل نہ ہوں) امن دیتا ہے" اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

تشریح: حدیث کے ابتدائی جملوں سے ایک خلجان واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ موت دخول جنّت سے مانع نہیں ہے بلکہ موت تو خود جنّت میں جانے کا ذریعہ ہے لہٰذا چاہئے تو یہ تھا کہ بجائے اس کے یہ فرمایا جائے لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا الموت (یعنی اس کے بہشت میں جانے سے سوائے موت کے اور کوئی چیز نہیں روک سکتی) یہ فرمایا جاتا کہ لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا الحیوۃ (یعنی اس کے بہشت میں جانے سے سوائے حیات کے اور کوئی چیز نہیں روک سکتی، کیونکہ انسان اس دنیا میں حیات کے جال میں پھنسا ہوا ہے جب زندگی ختم ہوگی اور موت آئے گی جنّت میں اس وقت ہی دخول ممکن ہوگا لہٰذا دخول جنّت کی مانع موت نہیں بلکہ حیات ہے۔

اس کا مختصر جواب علامہ طیبیؒ نے یہ دیا ہے کہ بندہ اور جنّت کے درمیان موت ایک پردہ ہے کہ ایک طرف تو حیات ہے، اور دوسری طرف جنّت ہے جب یہ پردہ ہٹے گا یعنی بندہ کو موت آئے گی تو فوراً جنّت میں داخل ہو جائے گا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "یہاں" موت سے مراد بندہ کا قیامت کے روز قبر سے اٹھنے سے پیشتر قبر میں بند رہنا ہے چنانچہ جب بندہ قبر سے اٹھے گا فوراً جنّت میں داخل ہو جائے گا۔

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے حدیث کے پہلے جزو کو نسائیؒ ابن حبانؒ اور طبرانیؒ نے بھی نقل کیا ہے ایک روایت میں آیت الکرسی کے ساتھ قل ہو اللہ پڑھنا بھی مذکور ہے۔

نماز فجر و مغرب کے بعد ذکر کی فضیلت

⑰ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ غَنَمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ قَبْلَ اَنْ يَنْصَرِفَ وَيَثْنِيَ رِجْلَيْهِ مِنْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَرُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنْ كُلِّ مَكْرُوْهٍ وَحِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَلَمْ يَحِلَّ لِذَنْبٍ اَنْ يُدْرِكَهُ اِلَّا الشِّرْكَ وَكَانَ مِنْ اَفْضَلِ النَّاسِ عَمَلًا اِلَّا رَجُلًا يَفْضُلُهُ يَقُوْلُ اَفْضَلَ مِمَّا قَالَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اِلٰى قَوْلِهِ اِلَّا الشِّرْكَ وَلَمْ يَذْكُرْ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَلَا بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن غنم راوی ہیں کہ "رحمت عالم ﷺ فرماتے تھے "جو شخص فجر اور مغرب کے بعد (نماز کی) جگہ سے اٹھنے سے پیشتر اور پاؤں موڑنے سے پہلے (یعنی جس طرح التحیات کے لئے بیٹھتا ہے اس ہیئت کے ساتھ) ان کلمات کو پڑھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے واسطے تمام تعریفیں ہیں اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے، وہی (جسے چاہتا ہے) زندہ رکھتا ہے اور جسے چاہتا ہے) موت دے دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے تو اس کے لئے ہر ایک بار کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے دس گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور اس کے (مرتبہ کے) دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں اور یہ کلمات اس کے لئے ہر بری چیز اور شیطان مردود سے امان کا باعث بن جاتے ہیں (یعنی نہ تو اس پر کسی دینی دنیاوی آفت وبلا کا اثر ہوتا ہے اور نہ مردود شیطان اس پر حاوی ہوتا ہے۔ اور شرک کے علاوہ کوئی گناہ (توفیق استغفار اور رحمت پروردگار کی وجہ سے) اسے ہلاکت میں نہیں ڈالتا (یعنی اگر شرک میں مبتلا ہو جائے گا تو پھر اس عظیم عمل کی وجہ سے بھی بخشش نہیں ہوگی) اور وہ شخص عمل کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے بہتر ہوگا سوائے اس شخص کے جو اس سے زیادہ افضل عمل کرے گا یعنی (یہ اس شخص سے تو افضل نہیں ہو سکتا جس نے یہ کلمات) اس سے زیادہ کہے ہوں۔" (احمد) اس روایت کو امام ترمذیؒ نے بھی ابوذرؓ سے صرف الا الشرک تک نقل کی ہے نیز ان کی روایت میں صلوۃ المغرب اور بیدہ الخیر کے الفاظ بھی منقول نہیں ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

نماز فجر کے بعد ذکر کی فضیلت

⑱ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوْا غَنَائِمَ كَثِيْرَةٍ وَاَسْرَعُوا الرَّجْعَةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَّا لَمْ يَخْرُجْ مَا رَاَيْنَا بَعْثًا اَسْرَعَ رَجْعَةٍ وَلَا اَفْضَلَ غَنِيْمَةً مِنْ هٰذَا الْبَعْثِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى قَوْمٍ اَفْضَلَ غَنِيْمَةً وَاَفْضَلَ رَجْعَةً قَوْمًا شَهِدُوْا صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ جَلَسُوْا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاُولٰئِكَ اَسْرَعُ رَجْعَةً وَاَفْضَلُ غَنِيْمَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَحَمَّادُ ابْنُ اَبِيْ حُمَيْدٍ الرَّاوِيْ هُوَ ضَعِيْفٌ فِي الْحَدِيْثِ۔

"اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ (ایک موقع) رحمت عالم ﷺ نے ایک لشکر نجد کی طرف بھیجا چنانچہ وہ لشکر (فتح وکامیابی کے بعد) بہت زیادہ مال غنیمت لے کر بہت جلد (مدینہ) واپس لوٹ آیا، ہم میں سے ایک شخص نے جو لشکر کے ساتھ نہیں گیا تھا کہا کہ "ہم نے تو ایسا کوئی لشکر نہیں دیکھا جو اس لشکر کی طرح اتنی جلدی واپس آیا ہو اور اپنے ساتھ اتنا مال غنیمت بھی لایا ہو! (یہ سن کر) سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ "کیا میں تمہیں ایک ایسی جماعت کے بارے میں نہ بتلاؤں جو مال غنیمت میں اور جلد واپسی میں اس لشکر سے بھی بڑھی ہوئی ہے (تو سنو) وہ جماعت وہ ہے جو فجر کی نماز (کی جماعت) میں حاضر ہوئی ہو اور پھر سورج نکلنے تک بیٹھی ہوئی خدا کا ذکر کرتی رہی ہو،

یہی وہ لوگ ہیں جو جلد واپس آنے اور مال غنیمت لانے میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔" (یہ روایت ترمذیؒ نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی حماد ابن ابوحمید ضعیف ہیں)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس لشکر کے لوگوں کو صرف دنیا کی دولت ملی جو فانی ہے اور اس جماعت کے لوگوں کو تھوڑی سی دیر میں بہت زیادہ ثواب ملا جو باقی رہنے والا ہے جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

مَاعِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَاعِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔

"جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو کچھ اللہ جل شانہ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔"

لہٰذا اس جماعت کے لوگ نہ صرف یہ کہ مال غنیمت کے اعتبار سے اس لشکر کے لوگوں سے افضل ثابت ہوئے بلکہ جلد واپس لوٹنے میں بھی ان سے بڑھے رہے۔

بَابُ مَالَا يَجُوْزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلٰوةِ وَمَايُبَاحُ مِنْهُ

نماز میں جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان

اس باب میں ان چیزوں کا ذکر کیا جائے گا جن کو نماز میں اختیار کرنا جائز ہے نیز ایسی چیزوں کو بھی ذکر کیا جائے گا جن کو نماز میں اختیار کرنا حرام، مکروہ اور مباح ہے اور جن سے نماز پر کسی بھی حیثیت سے اثر پڑتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نماز میں چھینک کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا مفسد نماز ہے

① عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ بَيْنَا اَنَا اُصَلِّي مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِاَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ اُمِّيَاهُ مَا شَانُكُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَيَّ فَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ عَلٰى اَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَاَيْتُهُمْ يُصَمِّتُوْنَنِي لٰكِنِّي سَكَتُّ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِاَبِيْ هُوَ وَاُمِّي مَا رَاَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ اَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي قَالَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يُصْلَحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَقَدْ جَاءَنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ وَاِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَاْتُوْنَ الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَاْتِهِمْ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُوْنَ قَالَ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهُ فِي صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ لٰكِنِّي سَكَتُّ هٰكَذَا وَجَدْتُ فِي صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَكِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَصُحِّحَ فِي جَامِعِ الْاُصُوْلِ بِلَفْظَةِ كَذَا فَوْقَ لٰكِنِّي۔

"حضرت معاویہؓ ابن حکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ کے ہمراہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ (درمیان نماز) اچانک جماعت میں سے ایک شخص کو چھینک آ گئی میں نے (جواب میں) یرحمک اللہ کہا (یہ سن کر) لوگوں نے مجھ کو گھورنا شروع کیا (کہ نماز میں چھینک کا جواب دیتے ہو) میں نے کہا کہ "تمہاری ماں تمہیں گم کردے تم لوگ مجھے کیوں گھور رہے ہو لوگوں نے (میری گفتگو سن کر مجھے چپ کرانے اور اظہار تعجب کے لئے) اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مارنے شروع کئے (جب) میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں (تو

مجھے بہت غصہ آیا کیونکہ مجھے اپنے اس فعل کی برائی کا علم نہ تھا) لیکن میں خاموش رہا جب نبی کریم ﷺ نماز پڑھا چکے (تو کیا کہوں) میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان میں نے تو ایسا اچھا تعلیم دینے والا نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا خدا کی قسم! نہ تو آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا، اور نہ برا بھلا کہا۔ (ہاں اتنا) فرمایا کہ "نماز میں انسان کی بات مناسب نہیں ہے، نماز تو تسبیح و تکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے" یا آپ نے اس کے مانند کچھ اور فرمایا (یعنی راوی کو شک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہی الفاظ فرمائے تھے یا اس کے مانند دوسرے الفاظ تھے میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ (ﷺ)! میں ایک نومسلم ہوں (ابھی تک دین کے تمام احکام مجھے معلوم نہیں تھے ہاں (اب) خدا نے ہمیں اسلام کی دولت سے مشرف فرمایا ہے، (تو دین کے تمام احکام سیکھ لوں گا پھر میں نے عرض کیا کہ) ہم میں سے بہت لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں (اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟) فرمایا "تم ان کے پاس ہرگز نہ جایا کرو" میں نے عرض کیا ہم میں سے بہت لوگ بدفالی (بھی) لیتے ہیں۔ فرمایا "یہ ایک ایسی چیز ہے جسے وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں (یعنی یہ ان کا محض وہم اور ذہن کی اختراع ہے جو کاموں کے نفع و نقصان میں کوئی اثر نہیں رکھتا) انہیں اپنے کام سے رکنا نہیں چاہئے معاویہؓ کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا "ہم میں سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں اور اس کے ذریعہ وہ غیب کی کچھ باتیں بتاتے ہیں) فرمایا انبیاء میں سے ایک نبی تھے جو خط کھینچتے تھے لہٰذا جس شخص کا خط کھینچنا اس نبی کے خط کھینچنے کے موافق ہو وہ اس بات کو حاصل کر لیتا ہے۔" (مسلم) مؤلف مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ لٰکِنِّی سَکَتُّ کو صحیح مسلم اور کتاب حمیدی میں اسی طرح دیکھا ہے (البتہ) صاحب جامع الاصول نے لفظ "لٰکِنِّی" کے اوپر لفظ "کذا" لکھ کر اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تشریح: وَاثُکْلُ اُمِّیَاہُ (یعنی تمہاری ماں تمہیں گم کرے) ان الفاظ کی تشریح پہلے بھی کسی موقع پر کی جا چکی ہے چنانچہ وہاں بتایا جا چکا ہے کہ اہل عرب کے یہاں یہ الفاظ ایسے موقع پر استعمال کئے جاتے تھے جب کہ مخاطب کی کوئی بات یا اس کا کوئی فعل قابل تعجب ہوتا تھا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں چھینکنے والے نے الحمدللہ کہا ہوگا اس کے جواب میں حضرت معاویہؓ نے یرحمک اللہ کہا۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں چھینک کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا حرام ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اب اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے ایک مفسد نماز فعل کا ارتکاب کیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم کیوں نہیں دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ نومسلم تھے اسلام قبول کئے ہوئے انہیں زیادہ دن نہیں گذرے تھے اس لئے انہیں معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ نماز میں گفتگو کرنا منسوخ ہو چکا ہے اب گفتگو کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کی ناواقفیت کی بناء پر انہیں نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص نماز میں یرحمک اللہ" کہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں دوسرے شخص کو خطاب کرنا پایا جاتا ہے اور اگر کوئی "یرحمہ اللہ" کہے تو نماز اس کی باطل نہیں ہوتی

حضرت ابن ہمامؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس کے لئے یرحمک اللہ" کہے تو نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ یرحمنی اللہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

ارشاد نبوت اِنَّ ھٰذِہِ الصَّلٰوۃَ لَایَصْلُحُ فِیْھَا شَیْئٌ مِّنْ کَلَامِ النَّاسِ (نماز میں انسان کی بات مناسب نہیں ہے) میں "کلام الناس" اس لئے فرمایا گیا ہے تاکہ اس حکم سے وہ تسبیحات و اذکار نکل جائیں جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں جو اگرچہ انسان کا کلام ہی ہیں لیکن ان سے انسانوں کو خطاب کرنے یا ان کو سمجھانے کا ارادہ نہیں ہوتا لہٰذا یہاں "کلام الناس" (انسان کی بات) سے مراد وہ کلام ہے جس میں لوگوں کو خطاب کیا گیا ہو یا خود مخاطب بننے کا ارادہ ہو۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص کسی نمازی سے حالت نماز میں پوچھے کہ "تمہارے پاس کیا اور کس قسم کا مال ہے؟ اور وہ نمازی جواب میں یہ آیت پڑھے اَلْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ (گھوڑے، خچر اور گدھے) یا کسی نماز پڑھنے والے کے آگے کوئی کتاب رکھی ہو اور

ایک شخص یحییٰ نامی سامنے کھڑا ہوا ہو اور وہ اس شخص کو خطاب کرنے کی نیت سے یہ آیت پڑھے یَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ (اے یحییٰ یہ کتاب لے لو) تو ان صورتوں میں نمازی نے اگرچہ قرآن کی آیتیں پڑھی ہیں لیکن یہ پڑھنا چونکہ ایک دوسرے شخص کو خطاب کرنے کے ارادہ سے ہے اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔ ہاں اگر خطاب کا ارادہ نہ کرے بلکہ قرات کے ارادہ سے پڑھے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

کاہن کی تعریف: عرب میں کاہن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو جنات، شیاطین اور ارواح خبیثہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، اور شیاطین جھوٹ سچ خبریں ان کو بتاتے تھے، اس طرح وہ لوگ علم غیب کا دعوی کر کے شیاطین و جنات کی پہنچائی ہوئی انہی باتوں کو غیب کی بات کہہ کر دوسرے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ ایسے لوگوں کے پاس جانے سے آنحضرت ﷺ نے روکا ہے چنانچہ ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی عراف یا کاہن کے پاس جائے اور ان کی بتائی ہوئی باتوں کو سچ جانے تو اس نے بیشک محمد ﷺ پر اتاری گئی چیز (یعنی قرآن) سے کفر کیا۔" اس روایت کو امام احمدؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

عراف کسے کہتے ہیں: کاہن کی تعریف تو معلوم ہوگئی، اب یہ بھی جان لیجئے عراف کسے کہتے ہیں۔ عراف اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی عمل یا جادو و منتر کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بیان کرتا ہے، چوری کی چیزوں کا پتہ بتاتا ہے اور مکان کی کسی گم شدہ چیز کا حال بتاتا ہے ان کے پاس بھی جانے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

عمل رمل: جس طرح جنات و شیاطین کے ذریعہ یا علم نجوم کے ذریعہ غیب کی باتوں کا پتہ لگانے کی کچھ لوگ کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح رمل کے ذریعہ بھی کچھ لوگ غیب کی باتوں تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ رمل اس علم کا نام ہے جس میں خطوط کھینچ کر اور ان کے ذریعہ حساب لگا کر پوشیدہ باتوں کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حدیث کے الفاظ سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمل کے بارے میں ایک ایسا کلیہ بیان فرمادیا ہے جس سے کسی نہ کسی حد تک علم رمل کا جواز نکلتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ وہ نبی جو علم رمل جانتے تھے اور خط کھینچتے تھے حضرت ادریس علیہ السلام یا حضرت دانیال علیہ السلام تھے اس کے بعد حدیث کی طرف آیئے، آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے علم رمل کا جواز معلوم نہیں ہوتا کیونکہ بقول خطابیؒ یہاں آنحضرت ﷺ نے تعلیق بالمحال کی ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ ازراہ زجر فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے کا خط کھینچنا اس نبی علیہ السلام کے خط کھینچنے کے موافق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو ان نبی کا معجزہ تھا اور معجزہ صرف نبی کی ذات تک محدود رہتا ہے اور پھر یہ کہ اگر کوئی شخص خط کھینچے اور کہے کہ یہ اس نبی کے خط کھینچنے کے موافق ہے تو یہ غلط ہوگا۔ اس لئے کہ خط کی موافقت صحیح طور سے تواتر یا نص سے ثابت ہو سکتی ہے جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہو۔ جب کہ آنحضرت ﷺ سے یہ منقول نہیں۔ لہٰذا ارشاد نبوت سے حاصل یہ نکلا کہ جب کسی رمّال (علم رمل جاننے والا) اور اس نبی کے خط میں موافقت نہیں ہو سکتی عمل رمل کو اختیار کرنا بھی درست نہیں۔

اسی طرح کے دو اور سلسلے ہیں ان کا مدار حساب پر ہے جنہیں اصطلاحی طور پر عمل تکسیر اور عمل تخریج سے موسوم کیا جاتا ہے ان کے بارے میں بھی محققین علماء اور مشائخ کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ اعمال بھی شرعاً جائز نہیں ہیں اور ان کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ آخر عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ "کذا" علامت صحت ہے یعنی اگر یہ ضرورت محسوس ہو کہ عبارت میں کسی ایسے لفظ پر کہ جس کے بارے میں عدم صحت کا گمان ہو گیا ہے کوئی ایسی علامت لگادی جائے جس کے ذریعہ سے اس لفظ کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو اس موقع پر اس لفظ پر کذا لکھ دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ اسی طرح صحیح ہے، چونکہ اس حدیث کا لفظ "لکن" اصول میں ہے، مگر مصابیح میں نہیں ہے، اس صورت میں یہ ممکن تھا کہ اس لفظ کے عدم صحت کا گمان ہو جاتا۔ اس لئے صاحب جامع الاصول نے اس لفظ پر کذا لکھ کر اس بات کی تصحیح کردی ہے کہ یہ لفظ اصول میں یوں ہی ہے اور یہ صحیح ہے۔

نماز میں سلام کا جواب دینا حرام ہے

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلَاةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ اِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نماز میں ہوتے اور ہم آپ ﷺ کو سلام کرتے تو آپ ﷺ ہمارے سلام کا جواب دیتے تھے پھر کچھ دنوں کے بعد جب ہم نجاشی کے یہاں سے واپس آئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے (حسب معمول) ہم نے آپ ﷺ کو سلام کیا آپ ﷺ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو ہم نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہم آپ (ﷺ) کو نماز میں سلام کرتے تھے آپ (ﷺ) جواب دیتے تھے آج آپ (ﷺ) نے جواب کیوں نہیں دیا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نماز خود ایک بڑا شغل ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت ملک حبشہ کا بادشاہ ایک عیسائی تھا جس کا لقب نجاشی تھا چونکہ یہ ایک عالم تھا اس لئے جب توریت و انجیل کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کے نبی برحق ہونا معلوم ہوا تو وہ آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لاکر خدا کے اطاعت گزار بندوں میں شامل ہو گئے، جب ۹ھ میں ان کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ کو بہت افسوس ہوا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے ہمراہ کھڑے ہو کر ان کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھی۔

چونکہ انہیں آنحضرت ﷺ سے بہت زیادہ عقیدت تھی اس لئے جب مسلمان مکہ میں کفار کے ہاتھوں بڑی اذیت ناک تکالیف میں مبتلا ہو گئے اور ان کی جانوں کے لالے پڑ گئے تو اکثر صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے ایماء پر ان کے ملک کو ہجرت کر گئے انہوں نے اپنے ملک میں صحابہؓ کی آمد کو اپنے لئے دین و دنیا کی بہت بڑی سعادت سمجھ کر صحابہؓ کی بہت زیادہ خدمت کی اور ان کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے بعد میں جب صحابہؓ کو علم ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے جا چکے ہیں تو وہ بھی مدینہ چلے آئے۔

چنانچہ اسی وقت کا واقعہ حضرت ابن مسعودؓ بیان فرما رہے ہیں کہ حبشہ سے واپس آنے والے قافلہ میں میں بھی شریک تھا جب ہم لوگ مدینہ پہنچ کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے ہم نے حسب معمول آپ ﷺ کو سلام کیا مگر آپ ﷺ نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ہمارے استفسار پر فرمایا کہ نماز خود ایک بہت بڑا شغل ہے یعنی نماز میں قرآن و تسبیحات اور دعا و مناجات پڑھنے کا شغل ہی اتنی اہمیت و عظمت کا حامل ہے کہ ایسی صورت میں کسی دوسرے شخص سے سلام و کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے یا یہ کہ نمازی کا فرض ہے کہ نماز میں پورے انہماک کے ساتھ مشغول رہے اور جو کچھ نماز میں پڑھے اس پر غور کرے اور نماز کے سوا کسی دوسری جانب خیال کو متوجہ نہ ہونے دے اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں کسی کے سلام کا جواب دینا یا کسی سے گفتگو کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

سر یا ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا مفسد نماز نہیں: شرح منیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی کسی کے سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دے یا اسی طرح کوئی شخص نمازی سے کسی چیز کو طلب کرے اور وہ سر یا ہاتھوں سے ہاں یا نہیں اشارہ کرے تو اس کی نماز فاسد تو نہیں البتہ مکروہ ہو جائے گی۔

نماز میں زمین کو برابر کرنے کا مسئلہ

(۳) وَعَنْ مُعَيْقِيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ اِنْ كُنْتَ فَاعِلًا

فَوَاحِدَۃً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت معیقیب[1] سرور کونین ﷺ سے اس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں جس نے اپنے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا تھا کہ (نماز میں) سجدہ کی جگہ سے مٹی برابر کرتا ہوں اس کا کیا حکم ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم برابر کرنا ضروری ہی سمجھو تو صرف ایک مرتبہ ایسا کر لیا کرو۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: شرح منیہ میں لکھا ہے کہ حالت نماز میں سجدہ کی جگہ سے کنکر وغیرہ ہٹانا یا زمین برابر کرنا مکروہ ہے ہاں اگر صورت یہ ہو کہ سجدہ کی جگہ سے کنکر ہٹائے بغیر نشیب و فراز کی وجہ سے زمین برابر کئے بغیر اس جگہ سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو وہاں سے کنکر ہٹا لیا جائے یا زمین برابر کرلی جائے مگر ایسا صرف ایک مرتبہ یا زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

نماز میں خصر ممنوع ہے

④ وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَصْرِ فِی الصَّلٰوةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے نماز میں خصر (کوکھ پر ہاتھ رکھنے) سے منع فرمایا ہے۔" (بخاریؒ، و مسلمؒ)

تشریح: اس روایت میں لفظ خصر ہے بعض روایتوں میں نہی عن الاختصار اور اَنْ یُصَلِّیَ مختصرًا کے الفاظ بھی منقول ہیں۔

خصر کی تعریف: لغت میں خصر انسان کی کمر اور کوکھ کو کہتے ہیں، علماء کے یہاں "خصر و اختصار" کی تعریف "کمر یا کوکھ پر ہاتھ رکھنا" کی جاتی ہے حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں کوئی شخص اپنی کوکھ یعنی پہلو پر ہاتھ رکھ کر کھڑا نہ ہو۔

نماز میں خصر ممنوع کیوں ہے: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع کیوں فرمایا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اس کی مختلف وجوہ ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا سماجی حیثیت سے کوئی اچھی بات نہیں سمجھی جاتی جاننے والے جانتے ہیں کہ اکثر و بیشتر کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونا یا چلنا دنیا کے ان بدنصیب لوگوں کا شیوہ ہے جنہیں دنیا و سماج کے ہر طبقہ میں انتہائی ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے یعنی "ٹرنخے اور ہیجڑے"

اس کے علاوہ ایک دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ اس کی توجیہ یہ فرمائی گئی ہے کہ اختصار اہل نار کی حالت آرام کا ایک ذریعہ ہے جس کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ قیامت کے روز میدان حشر میں جب تمام لوگ حساب کتاب کے انتظار میں کھڑے ہوں گے تو اس وقت کثرت مشقت اور تعب کی وجہ سے وہ لوگ جن کے حصہ میں دوزخ کی آگ ہوگی اپنی کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوں گے تاکہ اس طرح کچھ دیر کے لئے آرام مل جائے جیسا کہ عام طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص ایک طویل عرصہ تک کھڑا کھڑا تھک جاتا ہے تو ایک ٹانگ پر پورے بدن کا بوجھ ڈال کر اور کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے یا یہ کہ اس حدیث میں اہل نار سے مراد یہودی ہیں کہ ان کی عادت اسی طرح کھڑے ہونے کی ہے۔

تیسری توجیہ ایک روایت کی روشنی میں یہ ہے کہ جس وقت شیطان مردود کو زمین پر اتارا گیا اور اسے ملعون قرار دیا گیا اس وقت وہ اپنی کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا تھا۔

لہٰذا ان تمام توجیہات کو پیش نظر کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونا چونکہ اہل نار اور شیطان ملعون کی صفت ہے اس لئے ان کی مشابہت

---

[1] حضرت معیقیب سعید ابن ابوالعاص کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ انہوں نے مہر نبوت کو بوسہ دیا تھا۔ بیت المال کی خدمت پر مامور رہے ۴۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے نہ ہوں نھی عن الخصر کا صحیح مطلب اور تشریح جو صحابہؓ اور علماء سلف سے منقول ہیں مذکورہ بالا ہے لیکن بعض حضرات نے اس حدیث کی تشریح یہ بھی کی ہے کہ خصر (مخصرہ) کے معنی میں ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں عصا پر ٹیک لگا کر کھڑا نہ ہونا چاہئے اس کے علاوہ دیگر تشریحات بھی کی گئی ہیں مگر جیسا کہ بتایا گیا ہے صحیح تشریح اور توضیح وہی ہے جو پہلے ذکر کی گئی۔ (اشعۃ اللمعات)

نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ سَئَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطٰنُ مِنْ صَلٰوةِ الْعَبْدِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا کہ آیا یہ مفسد نماز ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اچک لینا ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔" (بخاریؒ، و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص نماز میں پوری توجہ اور پورے آداب کی ساتھ نہیں کھڑا رہتا بلکہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو شیطان مردود ایسے نمازی کی نماز کے کمال کو اچک لیتا ہے یعنی اس طرح نماز کا کمال باقی نہیں رہتا یہاں ادھر ادھر دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ نماز میں کوئی شخص گردن گھما کر ادھر ادھر اس طرح دیکھے کہ منہ قبلہ کی طرف سے پھر جائے تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ ایسے شخص کی نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص نماز میں ادھر ادھر اس طرح دیکھے کہ منہ کے ساتھ ساتھ سینہ بھی قبلہ کی طرف سے بالکل پھر جائے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھنے سے نہ تو نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ مکروہ ہوتی ہے البتہ یہ بھی خلاف اولیٰ ہے۔

نماز میں دعا کے وقت نگاہ آسمان کی طرف نہ اٹھانی چاہئے

⑥ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ اَبْصَارِهِمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِي الصَّلٰوةِ اِلَى السَّمَاءِ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا۔ لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھانے سے باز رہیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔" (مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے ازراہ زجریہ فرمایا ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ نماز میں دعا مانگنے کے وقت اپنی نگاہوں کو آسمان کی طرف نہ اٹھائیں ورنہ ان کی بینائی چھن لی جائے گی۔

اس سلسلہ میں یہ مسئلہ ہے کہ یوں تو نماز میں مطلقاً اور خاص طور پر دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانی مکروہ ہے کیونکہ اس طرح اس بات کا وہم پیدا ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسمان میں مکان متعین ہے کہ وہ صرف آسمان ہی پر موجود ہے حالانکہ وہ مکانیت سے پاک ہے وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔

نماز کے علاوہ دوسرے مواقع پر آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے کے بارے میں اختلاف ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ بھی مکروہ ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جائز ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نماز کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی دعا کے وقت نگاہ اوپر نہ اٹھانی چاہئے۔

ایک روایت میں منقول ہے کہ "آنحضرت ﷺ نماز میں اپنی نظر مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ تو آنحضرت ﷺ اپنی نگاہ مبارک نیچے رکھنے لگے۔

آنحضرت کا اپنی نواسی کو نماز میں کاندھے پر بٹھانا

(۷) وَعَنْ اَبِی قَتَادَةَ قَالَتْ رَاَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ النَّاسَ وَاُمَامَةُ بِنْتُ اَبِی الْعَاصِ عَلٰی عَاتِقِهٖ فَاِذَا رَكَعَ وَضَعَهَا وَاِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُوْدِ اَعَادَهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ سرور کونین ﷺ (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے (اور آپ ﷺ کی نواسی) امامہ بنت ابوالعاص آپ ﷺ کے مبارک کاندھے پر بیٹھی تھیں جب آپ ﷺ رکوع کرتے امامہ کو (اشارہ سے نیچے) بٹھا دیتے اور جب سجدے سے اٹھتے تو ان کو اپنے کاندھے پر بٹھا لیتے تھے۔" (بخاری، مسلم)

تشریح: ابوالعاصؓ سرکار دو عالم ﷺ کے داماد تھے جن کی شادی آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ سے ہوئی تھی انہیں کی بیٹی کا نام امامہ تھا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: یہاں یہ ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ کا امامہ کو اٹھانا اور نیچے بٹھانا اور پھر اٹھا کر کاندھے پر رکھنا فعل[1] کثیر ہوا اور اگر فعل کثیر نہ بھی ہو تو قلیل فعل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اس لئے حالت نماز میں یہ فعل مکروہ ضرور تھا لہٰذا سمجھ میں نہیں آتا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟

خطابیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ "آنحضرت ﷺ کا امامہ کو اٹھانا اور بٹھانا قصداً نہ تھا چونکہ امامہ حضرت ﷺ سے بہت زیادہ مانوس تھیں اور آپ ﷺ کے مبارک کاندھے پر چڑھ کر بیٹھ جاتی تھیں اور پھر رکوع کے وقت کاندھے سے گر پڑتی تھیں گویا اس طرح آنحضرت ﷺ انہیں اتارتے تھے لہٰذا ان کو کاندھے سے اتارنا یا کاندھے پر بٹھانا آنحضرت ﷺ کا فعل نہیں ہوا بلکہ اس فعل کی نسبت آپ ﷺ کی طرف مجازاً کر دی گئی اس توجیہ کے پیش نظر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ فعل کثیر تھا کیونکہ فعل کثیر تو اس فعل کو کہتے ہیں جو پے در پے کیا جائے اور یہاں پے در پے نہیں پایا جاتا۔

ایک توجیہ یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ عمل اس وقت کا ہے جب نماز میں فعل کثیر حرام نہیں ہوا تھا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا۔

نماز میں جمائی کے وقت منہ بند کر لینا چاہئے

(۸) وَعَنْ اَبِی سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فِی الصَّلٰوةِ فَلْيُكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ يَدْخُلُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِی رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِیِّ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فِی الصَّلٰوةِ فَلْيُكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا يَقُلْ هَا فَاِنَّمَا ذَالِكُمْ مِنَ الشَّيْطٰنِ يَضْحَكُ مِنْهُ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو اسے چاہئے کہ وہ حتی الامکان اسے روکے کیونکہ (جمائی کے وقت) شیطان (منہ میں) گھس جاتا ہے۔" (مسلم)

اور بخاری کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ "جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو حتی الامکان اسے روکنا چاہئے اور "ہا" نہ کہے (جیسا کہ جمائی کے وقت بے اختیار منہ سے یہ لفظ نکل جاتا ہے) اس لئے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور وہ اس سے ہنستا ہے۔

تشریح: پیٹ بھرنے حواس کی کدورت اور بدن کے ثقل کی وجہ سے جمائی آتی ہے اور یہ عبادت میں کسل و سستی کا باعث بنتی ہے اس لئے اس کی نسبت شیطان کی طرف فرمائی گئی ہے کہ جمائی لیتے وقت شیطان منہ میں گھس جاتا ہے یعنی ایسی حالت میں اس کے لئے نمازی کو

---

[1] فعل کثیر وہ ہے جو بار بار کیا جائے اور خصوصاً دونوں ہاتھوں سے کیا جائے۔

بہکانے اور عبادت سے روکنے کا موقعہ بہت اچھی طرح میسر آتا ہے اور اس کے ہنسنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی حالت میں نمازی کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ اس سے عبادت میں کسل اور سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو شیطان کا عین منشا ہے۔

لہٰذا فرمایا گیا ہے کہ نماز میں جب کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہئے کہ حتی الامکان جمائی کو روکے اور ایسی صورت میں منہ بند کرے اور منہ بند کرنے کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ ہونٹ بھینچ لئے جائیں اور نچلا ہونٹ دانتوں میں پکڑ لیا جائے یا جب جمائی آئے تو بائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھ لی جائے۔

بعض فرماتے ہیں کہ جمائی روکنے کی سب سے بہتر ترکیب یہ ہے کہ جب جمائی آئے تو فوراً دل میں یہ خیال پیدا کر لینا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کو کبھی جمائی نہیں آئی۔ محض اس خیال سے جمائی رک جائے گی کہا جاتا ہے کہ یہ طریقہ مجرب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کے ساتھ ایک واقعہ

⑨ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عِفْرِیْتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِیَقْطَعَ عَلَیَّ صَلَاتِیْ فَاَمْکَنَنِیَ اللّٰهُ مِنْهُ فَاَخَذْتُهُ فَاَرَدْتُ اَنْ اَرْبِطَهُ عَلٰى سَارِیَةٍ مِنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ حَتّٰى تَنْظُرُوْا اِلَیْهِ کُلُّکُمْ فَذَکَرْتُ دَعْوَةَ اَخِیْ سُلَیْمَانَ رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ فَرَدَدْتُهُ خَاسِئًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے فرمایا آج رات جنوں میں ایک دیو (یعنی ایک سرکش شیطان) چھٹ کر میرے پاس آیا تاکہ میری نماز میں خلل ڈالے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر حاوی کر دیا چنانچہ میں نے اسے پکڑ لیا اور چاہا کہ مسجد (نبوی) کے ستونوں میں سے کسی ستون سے اسے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ اسے دیکھ لو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آگئی رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ اے پروردگار مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لئے مناسب نہ ہو چنانچہ میں نے اسے ذلیل بنا کر چھوڑ دیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت سلمان علیہ السلام کی دعا میں بادشاہت سے مراد جنات و شیاطین کو مسخر کرنا اور ان پر تصرف حاصل کرنا ہے چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا اپنے لئے کی تھی اور یہ مرتبہ صرف اپنے لئے ہی چاہا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں چاہا کہ اس شیطان کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ کر ایسا طریقہ اختیار کریں کہ جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس خصوصیت پر کچھ اثر پڑے اور اپنے تصرف کا ظہار ہو ورنہ تو آنحضرت ﷺ کو خود بھی یہ خصوصیت اور مرتبہ اور شیاطین و جنات پر تصرف کی قدرت حضرت سلیمان علیہ السلام سے زیادہ حاصل تھی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان کو چھونا نماز کو نہیں توڑتا۔

نماز میں کسی خاص موقعہ پر اشارہ کیا جاسکتا ہے

⑩ وَعَنْ سَهْلِ ابْنِ اَبِیْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَابَهٗ شَیْءٌ فِیْ صَلٰوتِهٖ فَلْیُسَبِّحْ فَاِنَّمَا التَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ التَّسْبِیْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سہل بن ابی سعدؓ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جس شخص کو نماز میں کوئی بات پیش آئے تو اسے چاہئے کہ وہ سبحان اللہ کہے اور دستک دینا یعنی تالی بجانا عورتوں کے لئے مخصوص ہے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ فرمایا سبحان اللہ کہنا مردوں کے لئے مخصوص ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے (مخصوص) ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حالت نماز میں اگر کوئی خاص واقعہ پیش آجائے مثلاً کوئی شخص گھر میں نماز پڑھ رہا ہے اور باہر دروازہ پر اسے کسی

نے آواز دی یا کسی نے گھر میں آنے کی اجازت طلب کی اور اسے معلوم نہیں کہ صاحب خانہ نماز پڑھ رہا ہے اور باہر دروازہ پر اسے کسی نے آواز دی پھر یہ کہ گھر میں کوئی دوسرا شخص ایسا موجود نہیں ہے جو باہر کی آوز کا جواب دے تو ایسی صورت میں مرد نمازی کو چاہئے کہ وہ باآواز بلند "سبحان اللہ" کہہ کر نماز میں مشغول ہونے کا اشارہ کردے۔

اسی طرح اگر کوئی عورت نماز پڑھ رہی ہو تو مذکورہ بالا صورت میں اس کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ سبحان اللہ نہ کہے بلکہ تالی بجادے تاکہ باہر سے آواز دینے والا سمجھ لے کہ گھر میں صرف عورت موجود ہے اور وہ بھی نماز پڑھ رہی ہے۔ عورتوں کو سبحان اللہ کہنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ جس طرح وہ خود غیر مردوں کے سامنے نہیں آسکتی اسی طرح وہ اپنی آواز بھی غیر مرد کو نہیں سنا سکتی۔

اور ایسے موقعہ پر عورتوں کے لئے تالی بجانے کا بھی ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر ماری جائے۔ ایک ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر نہ مارا جائے جیسا کہ گانے والیاں تالی بجاتی ہیں کیونکہ اس طرح تالی بجانے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

نماز میں سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے

(۱۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِی الصَّلٰوةِ قَبْلَ اَنْ نَاْتِیَ اَرْضَ الْحَبَشَةِ فَیَرُدُّ عَلَیْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ اَرْضِ الْحَبَشَةِ اَتَیْتُهٗ فَوَجَدْتُهٗ یُصَلِّیْ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ حَتّٰی اِذَا قَضٰی صَلٰوتَهٗ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ مِنْ اَمْرِهٖ مَا یَشَاءُ وَاِنَّ مِمَّا اَحْدَثَ اَنْ لَّا تَتَكَلَّمُوْا فِی الصَّلٰوةِ فَرَدَّ عَلَیَّ السَّلَامَ وَقَالَ اِنَّمَا الصَّلٰوةُ لِقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ فَاِذَا كُنْتَ فِیْهَا فَلْیَكُنْ ذَالِكَ شَانُكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ملک حبشہ سے واپسی سے قبل ہم سرور کونین ﷺ کو جب کہ آپ ﷺ نماز میں ہوتے تھے سلام کرتے تھے اور آپ ﷺ ہمارے سلام کا جواب دے دیا کرتے تھے پھر جب ہم ملک حبشہ سے واپس ہوئے تو میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت میں نے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا مگر آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے تو فرمایا "خداوند تعالیٰ اپنے جس حکم کو چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اب یہ حکم ظاہر کیا ہے کہ نماز میں بات چیت نہ کیا کرو" پھر آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب دیا اور اس کے بعد فرمایا نماز صرف قرآن پڑھنے اور خدا کا ذکر کرنے کے لئے ہے لہٰذا جب تم نماز کی حالت میں ہو تو تمہارا بھی یہی حال ہونا چاہئے یعنی صرف قرآن پڑھو اور خدا کا ذکر کرو۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد سلام کا جواب دینا مستحب ہے۔ اسی طرح اگر کوئی استنجا کرتا ہوا ہو یا قرآن پڑھتا ہوا ہو اور کوئی دوسرا شخص اسی حالت میں اسے سلام کرے تو اس کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ ان امور سے فراغت کے بعد سلام کا جواب دے۔

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَیْفَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرُدُّ عَلَیْهِمْ حِیْنَ كَانُوْا یُسَلِّمُوْنَ عَلَیْهِ وَهُوَ فِی الصَّلٰوةِ قَالَ كَانَ یُشِیْرُ بِیَدِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ رِوَایَةِ النَّسَائِیُّ نَحْوُهٗ وَعِوَضَ بِلَالٍ صُهَیْبٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ جب سرور کونین ﷺ حالت نماز میں ہوتے تھے اور اس وقت کوئی آپ ﷺ کو سلام کرتا تھا تو آپ ﷺ سلام کا جواب کس طرح دیتے تھے؟ حضرت بلالؓ نے فرمایا آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دیا کرتے تھے۔" (ترمذیؒ) اور نسائی میں ایک روایت بجائے ابن عمرؓ کے صہیب سے اچھی طرح منقول ہے (یعنی ترمذی کی روایت میں تو یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت بلالؓ سے یہ سوال کیا اور نسائیؒ کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت صہیبؓ نے حضرت بلالؓ سے یہ سوال کیا تھا)۔

تشریح: آنحضرت ﷺ اگر حالت نماز میں ہوتے اور اس وقت کوئی آپ ﷺ کو سلام کرتا تو آپ ﷺ اس کے سلام کا جواب اپنے ہاتھ کے اشارہ سے دیا کرتے تھے اور اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ہاتھ کا پنجہ کھول کر ہتھیلی کو زمین کی طرف لے جاتے تھے جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے اور آپ ﷺ صرف انگلی سے اشارہ کر لینے پر اکتفا کر لیا کرتے تھے۔

نماز میں سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ ہے: فتاویٰ ظہیریہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص حالت نماز میں کسی کے سلام کے جواب میں ہاتھ یا سر کے اشارہ کرے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

خلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص سر یا ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دے گا۔ تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ صحیح اور مفتی بہ قول جو شرح منیہ اور شامی وغیرہ میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ نمازی کو کسی کے سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ تنزیہی ہے لہٰذا اب اس حدیث کی توجیہ یہ کی جائے گی کہ آنحضرت ﷺ حالت نماز میں سلام کا جواب ہاتھ کے اشارہ سے اس وقت دیا کرتے تھے جب نماز میں بات چیت ممنوع نہیں قرار دیا گیا تھا جب نماز میں کسی قسم کی کوئی بھی گفتگو ممنوع قرار دے دی گئی تو سلام کا جواب بھی زبان یا اشارہ سے دینا منسوخ ہو گیا کیونکہ اشارہ کرنا بھی ایک طرح کلام ہی کے معنی میں ہے۔

نماز میں چھینکنے کے بعد حمد کرنا

(۱۳) وَعَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِى الصَّلٰوةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَ رِفَاعَةُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَقَدِ ابْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَّثَلَاثُوْنَ مَلَكًا اَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا۔
(رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت رفاعہ ابن رافعؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے سرور کونین ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی نماز کے درمیان مجھے چھینک آ گئی میں نے یہ کلمات حمد کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى تمام تعریف خدا کے لئے ہے بہت زیادہ تعریف بہت پاکیزہ یعنی خالص بابرکت) اور برکت کی گئی جیسی (تعریف) کہ دوست رکھتا ہے ہمارا رب اور پسند کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ جب نماز پڑھ چکے تو (ہماری طرف) متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ نماز میں باتیں کرنے والا کون ہے؟ آنحضرت ﷺ کی ناراضگی کے خوف) سے کوئی نہیں بولا پھر آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ یہی فرمایا جب بھی کوئی نہیں بولا جب تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا تو رفاعہ نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) میں ہوں آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے (میں نے دیکھا) کہ تیس سے زیادہ فرشتے ان کلمات کو لے جانے میں جلدی کر رہے تھے کہ ان میں سے کون پہلے اس کو لے جائے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں چھینکنے والے کو حمد کرنا جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ حمد دل میں کہے یا خلاف اولیٰ سے بچنے کی خاطر چھینک کے بعد سکوت اختیار کرے جیسا کہ شرح منیہ میں مذکور ہے۔

جمائی شیطانی اثر ہے

⑭ وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّثَاءُبُ فِي الصَّلٰوةِ مِنَ الشَّيْطٰنِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي اُخْرٰى لَهٗ وَلِابْنِ مَاجَةَ فَلْيَضَعْ يَدَهٗ عَلٰى فِيْهِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "نماز میں جمائی لینا شیطان (کے اثر) سے ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو اسے حتی الامکان روکنا چاہئے۔ ترمذیؒ کی ایک دوسری روایت اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں (کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ نماز میں جسے جمائی آئے تو اسے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لینا چاہئے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ جمائی کا آنا شیطانی اثر کی وجہ سے ہے کیونکہ جمائی عبادت میں کسل و سستی اور نیند و غفلت کا باعث بنتی ہے اور شیطان ان چیزوں سے خوش ہوتا ہے اس لئے جمائی کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

نماز کے راستہ میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرنے کا حکم

⑮ وَعَنْ كَعْبِ ابْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاَ اَحَدُكُمْ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يُشَبِّكَنَّ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ فَاِنَّهٗ فِي الصَّلٰوةِ۔ (رواہ احمد و الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی)

"اور حضرت کعب ابن عجرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اچھی طرح وضو کرے پھر نماز کا ارادہ کر کے مسجد کی طرف چلے (اور اسے چاہئے کہ راستہ میں) انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے کیونکہ وہ اس وقت سے گویا نماز میں ہے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: حدیث کے پہلے جز کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص وضو کرے تو اسے چاہئے کہ وہ وضو کے تمام شرائط و آداب کو ملحوظ رکھے اور حضور قلب کے ساتھ وضو کرے تاکہ وضو پورے کمال اور حسن کے ساتھ ادا ہو۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جس قدر توجہ اور حضور قلب وضو میں حاصل ہوگا اسی قدر نماز میں خشوع و خضوع اور توجہ پیدا ہوگی۔

تشبیک کیا ہے؟ حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی وضو کے بعد نماز کے ارادہ سے مسجد کی طرف چلے تو راستہ میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر کھیلتا ہوا نہ چلے کیونکہ جب وہ نماز کی نیت سے گھر سے نکلا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہے اور خشوع و خضوع کے منافی ہونے کی وجہ سے تشبیک چونکہ نماز میں ممنوع ہے اس لئے نماز کے راستے میں یہ بھی ممنوع ہے اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جو چیز نماز میں ممنوع ہے وہ نماز کے لئے مسجد آتے ہوئے راستہ میں بھی ممنوع ہوگی۔

اس حدیث سے اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ وہ نماز کے راستہ میں حضور اور خشوع و ادب اور وقار کے ساتھ چلے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ایک باب "مسجد میں تشبیک" کے موضوع پر قائم کیا ہے جس کے تحت انہوں نے دو حدیثیں نقل کی ہیں "دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسجد میں انگلیوں کے درمیان تشبیک جائز ہے لہٰذا علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے ثابت شدہ ممانعت کی تعلق اس صورت سے ہے کہ جب کوئی شخص انگلیوں کے درمیان تشبیک محض کھیل اور تفریح طبع کی خاطر کرے اور کوئی شخص بطریق تمثیل کرے تو جائز ہے یا پھر بخاریؒ کی روایت کردہ احادیث کی یہ توجیہ بھی کی جا سکتی ہے کہ ان احادیث کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ انگلیوں کے درمیان تشبیک کی ممانعت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم

نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ مُقْبِلاً عَلَی الْعَبْدِ وَھُوَ فِیْ صَلَاتِہٖ مَالَمْ یَلْتَفِتْ فَاِذَا الْتَفَتَ اِنْصَرَفَ عَنْہُ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی والدارمی)

"اور حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب کوئی بندہ نماز میں ہوتا ہے تو اللہ عزوجل اس بندہ کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر (گردن پھیر کر) نہیں دیکھتا چنانچہ جب بندہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: ابن ملکؒ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منہ پھیرنے سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی نمازی حالت نماز میں گردن پھیر کر ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اس کے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔

امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے ایک صحیح روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ تو پروردگار اپنی بزرگ و برتر ذات کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوتا ہے (مگر) جب وہ بندہ (نماز میں) ادھر ادھر دیکھتا ہے اور اپنی نظر کو غیر کی طرف متوجہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم تو کس کی طرف دیکھ رہا ہے کیا تیرے لئے مجھ سے بھی کوئی بہتر ہے کہ جس کی طرف تیری نظر متوجہ ہو رہی ہے؟ میری طرف اپنا منہ پھیر جب بندہ دوبارہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو پروردگار پھر یہی فرماتا ہے اور جب تیسری مرتبہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ جل شانہ اپنے روئے مبارک جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے اس بندہ کی طرف سے پھیر لیتا ہے۔

نماز میں نظر سجدہ کی جگہ رکھنی چاہئے

(۱۷) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَنَسُ اِجْعَلْ بَصَرَكَ حَیْثُ تَسْجُدُ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ سُنَنِ الْکَبِیْرِ مِنْ طَرِیْقِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسٍ یَرْفَعُہُ الْجَزْرِیْ۔

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ انسؓ نماز میں تم اپنی نگاہ وہاں رکھو جہاں سجدہ کرتے ہو اس روایت کو بیہقی نے سنن کبیر میں حضرت انسؓ سے بطریق حسن نقل کیا ہے جس کو جزری نے مرفوع کہا ہے۔"

تشریح: اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری نماز میں نظر سجدہ کی جگہ رکھنی چاہئے چنانچہ شوافع کا عمل اسی پر ہے مگر علامہ طیبیؒ نے فرمایا ہے "کہ مستحب یہ ہے کہ حالت قیام میں نظر سجدہ کی جگہ، رکوع میں پشت قدم پر، سجدہ میں ناک کی طرف اور بیٹھنے کی حالت میں زانو پر رکھنی چاہئے یہی مسلک حنفیہ کا بھی اتنے اضافہ کے ساتھ ہے کہ سلام کے وقت نظر کاندھوں پر رکھنی چاہئے بعض علماء کا یہ بھی قول ہے کہ حرم شریف میں نماز پڑھتے ہوئے نظر کعبہ پر رکھنی چاہئے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے اصل مشکوۃ میں روایت کے بعد جگہ خالی ہے بعد میں کسی شارح نے "البیہقی" سے آخر تک کی عبارت کا اضافہ کیا ہے۔

نماز میں ادھر ادھر دیکھنے پر وعید

(۱۸) وَعَنْہُ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا بُنَیَّ اِیَّاكَ وَالْاِلْتِفَاتَ فِی الصَّلٰوۃِ فَاِنَّ الْاِلْتِفَاتَ فِی الصَّلٰوۃِ ھَلَکَۃٌ فَاِنْ کَانَ لَا بُدَّ فَفِی التَّطَوُّعِ لَا فِی الْفَرِیْضَۃِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے بچو کیونکہ نماز میں (گردن پھیر کر) ادھر ادھر دیکھنا (آخرت میں) ہلاکت کا سبب ہے اور اگر دیکھنا ضروری ہو تو نفلوں میں (تو خیر مضائقہ نہیں) مگر فرضوں میں

(ہرگز نہیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: نماز میں گردن ادھر ادھر پھیر کر دیکھنا آخرت میں ہلاکت کا سبب اس لئے ہے کہ ایسا کرنے والا دراصل شیطان کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ شیطان کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ بندہ نماز میں پوری توجہ اور لگن کے ساتھ نہ رہے بلکہ ان کی نظر اور اس کا ادھر ادھر بھٹکتا رہے۔

حدیث کے الفاظ فَاِنْ کَانَ لَابد کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا احساس وشعور اور تمہاری سعادت اس بات سے متاثر نہیں ہوتی کہ تمہاری نماز میں نقصان ہو جائے یا نماز کا کمال ختم ہو جائے تو کم از کم فرض نماز میں تو ایسا نہ کرو کہ ادھر ادھر دیکھ کر اس نماز کے کمال کو ختم کرو ہاں نفل نماز میں تو کسی نہ کسی حد تک انگیز بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ نفل نماز فرض نماز کے مقابلہ میں کچھ سہل ہے کہ فرض نماز کے لئے بہت زیادہ اور کامل اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں ذرا سا بھی نقصان اخروی حیثیت سے تباہی وہلاکت کا باعث بن سکتا ہے اور عقلمندی اور سعادت کا تقاضا تو یہ ہونا چاہئے کہ ادھر ادھر دیکھ کر نفل نماز میں بھی کوئی نقصان نہ پیدا کرنا چاہئے حقیقت میں نفل نماز کا نقصان فرض نماز کے نقصان کا باعث ہے اس لئے کہ نوافل درحقیقت فرائض کی تکمیل کرنے والے ہیں لہٰذا حدیث کے اس جملہ سے مطلب اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ نفل نماز میں ادھر ادھر دیکھنا مکروہ نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اس بات کی طرف رغبت دلاتا ہے کہ فرض نماز اپنی عظمت واہمیت کے اعتبار سے اس بات کو برداشت نہیں کرسکتی کہ اس قسم کے افعال کا ارتکاب کر کے نماز میں نقصان پیدا کیا جائے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی کراہت فرض نماز کی بہ نسبت نفل نماز میں کم ہے۔

نماز میں کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھنا مکروہ نہیں ہے

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَلْحَظُ فِی الصَّلٰوةِ یَمِیْنًاهُ شِمَالًا وَیَلْوِیْ عُنُقَهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نماز میں کن انکھیوں سے دائیں بائیں دیکھتے تھے مگر پیچھے پیٹھ کر طرف اپنی گردن کبھی نہیں موڑتے تھے۔" (ترمذی، نسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نماز میں دائیں بائیں کن انکھیوں سے یا تو اس لئے دیکھتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز میں اس طرح دیکھنا نماز کو باطل نہیں کرتا یا پھر اپنے پیچھے کھڑے ہوئے مقتدیوں کے احوال دیکھنے کے لئے آپ ﷺ اس طرح دیکھا کرتے تھے۔

بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھنا تو مکروہ ہے مگر کن انکھیوں سے اس طرح دیکھنا کہ گردن کا رخ متبدل نہ ہو مکروہ نہیں ہے اگرچہ اس طرح نہ دیکھنا بھی اولیٰ ہے۔

نماز میں شیطانی اثرات

(۲۰) وَعَنْ عَدِیِّ ابْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَفَعَهٗ قَالَ اَلْعُطَاسُ وَالنُّعَاسُ وَالتَّثَاؤُبُ فِی الصَّلٰوةِ وَالْحَیْضُ وَالْقَیْءُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّیْطٰنِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عدی ابن ثابت اپنے والد مکرم سے اور وہ اپنے والد یعنی عدی کے دادا سے جنہوں نے اس حدیث کو آنحضرت ﷺ تک پہنچایا ہے نقل کرتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "نماز میں چھینکنا، اونگھنا، جمائی کا آنا اور حیض کا آنا اور قے کا ہونا اور نکسیر کا پھوٹنا شیطان کے (اثر) سے ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں جب نماز میں پیدا ہوتی ہیں تو شیطان بہت زیادہ خوش ہوتا ہے کیونکہ ان چیزوں سے نماز پر اثر پڑتا ہے۔
یہاں چھینک سے مراد بکثرت چھینکنا ہے لہٰذا یہ حدیث اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چھینکنے کو پسند کرتا ہے کیونکہ اس چھینکنے سے مراد معتدل طریقے پر چھینکنا ہے اور معتدل کا اطلاق تین سے کم پر ہوتا ہے۔
ان دونوں احادیث کے درمیان ظاہری وجہ تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ "نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں چھینکنے کو اللہ تعالیٰ پسند کوتا ہے اور مکروہ چھینک وہ ہے جو نماز میں آئے۔
ان چیزوں سے شیطان اس لئے خوش ہوتا ہے کہ چھینکنا قرأت و حضور کے لئے مانع ہے اور اونگھ اور جمائی عبادت میں کسل وسستی کا باعث ہیں اور حیض و نکسیر و قے مفسد صلوٰۃ ہیں۔
حدیث میں پہلے تین چیزوں (چھینک، اونگھ، جمائی) کے ذکر کے بعد "فی الصلوٰۃ" ذکر کر کے آخر کی تین چیزیں (یعنی حیض، قے، نکسیر) کو جدا کر دیا گیا ہے اور اس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ پہلی تین چیزیں مفسد صلوٰۃ نہیں ہیں بلکہ مکروہ ہیں جب کہ آخری تینوں چیزیں مفسد صلوٰۃ ہیں یعنی ان سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی

(۲۱) وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَلِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ يَعْنِيْ يَبْكِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ صَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَاءِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى النَّسَائِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى وَاَبُوْدَاوُدَ الثَّانِيَةَ۔

"اور حضرت مطرف ابن عبداللہ بن شخیر اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں ایک روز سرور کونین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، اور آپ ﷺ کے اندر سے دیگ کے جوش جیسی آواز آرہی تھی یعنی آنحضرت ﷺ رو رہے تھے" اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس وقت آپ ﷺ کے سینہ سے چکی کی سی رونے کی آواز آرہی تھی۔" (احمد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی ہدایہ میں اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں بہت روئے اور دوزخ یا عذاب وغیرہ کے ذکر اور یاد سے متأثر ہو کر آہ کرے یا بآواز بلند روئے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی اور اگر کوئی شخص کسی جسمانی درد اور تکلیف کی شدت کی وجہ سے آہ کرے یا بآواز بلند روئے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

نماز میں کنکریاں نہ ہٹانے کا حکم

(۲۲) وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصَا فَاِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهٗ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوذر راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو جائے تو اسے ہاتھ سے کنکری نہ ہٹانا چاہئے گویا رحمت سامنے ہوتی ہے۔" (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: رحمت سامنے ہوتی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص دنیا سے منہ موڑ کر نماز کی حالت میں اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اس لئے ایسے مقدس و باعظمت موقع پر نمازی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کنکریوں سے کھیل کرے یا اس قسم کا کوئی دوسرا فعل کر کے بے ادبی کا معاملہ کرے کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے انوار فضل و رحمت

سے محروم ہو جائے۔

سجدہ کی جگہ صاف کرنے کے لئے پھونک نہ ماری جائے

(۲۳) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا يُقَالُ لَهٗ اَفْلَحُ اِذَا سَجَدَ نَفَخَ فَقَالَ يَا اَفْلَحُ تَرِّبْ وَجْهَكَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ہمارے ایک غلام جس کا نام افلح تھا دیکھا کہ وہ جب سجدہ کرتا ہے تو سجدہ کی جگہ صاف کرنے کے لئے پھونک مارتا ہے تاکہ منہ خاک آلود نہ ہو جائے آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "افلح" اپنے منہ پر مٹی لگنے دو۔" (ترمذیؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ سجدہ کی جگہ کو پھونک مار کر صاف نہ کرو بلکہ اپنے منہ کو خاک آلود ہو جانے دو کیونکہ بارگاہ خداوندی میں حاضری کے وقت اظہار عجز و بے کسی کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ اور اس سے بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔

کوکھ پر ہاتھ رکھنا دوزخیوں کے آرام لینے کی صورت ہے

(۲۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِخْتِصَارُ فِي الصَّلٰوةِ رَاحَةُ اَهْلِ النَّارِ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا نماز میں اختصار (یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھنا) دوزخیوں کے آرام لینے کی صورت ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس باب کی حدیث نمبر ۴ کی تشریح کے ضمن میں خصرو اختصار کی وضاحت کی جا چکی ہے وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ میدان حشر میں جب دوزخی کھڑے کھڑے بہت زیادہ تکلیف محسوس کریں گے تو وہ اپنے کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جائیں گے اور اس طرح وہ کچھ دیر کے لئے آرام اور سکون کی خواہش کریں گے اس لئے آنحضرت ﷺ نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونے کو منع فرمایا ہے کہ دوزخیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

نماز میں سانپ و بچھو مارنے کا مسئلہ

(۲۵) وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوا الْاَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ الْحَيَّةَ وَالْعَقْرَبَ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی والنسائی معناہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "نماز میں دو کالوں یعنی سانپ اور بچھو کو مار ڈالو۔" (احمدؒ، ترمذیؒ اور نسائی بالمعنی)

تشریح: ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے سانپ یا بچھو سامنے آجائے تو ان کو ایک چوٹ یا دو چوٹ کے ساتھ مارنا چاہئے اس سے زیادہ چوٹ نہ مارنی چاہئے کیونکہ یہ عمل کثیر ہو جائے گا جس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ شرح منیہ میں بعض مشائخ کا قول مذکور ہے کہ یہ (یعنی نماز میں سانپ، بچھو مارنے کا حکم) اس صورت میں ہے جب کہ نمازی کو بہت زیادہ یعنی تین قدم پے در پے چلنا نہ پڑے اور نہ زیادہ مشغولیت ہو یعنی تین چوٹ پے در پے مارنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور اگر کوئی نمازی سانپ یا بچھو مارنے کی غرض سے پے در پے تین قدم چلے گا یا پے در پے تین چوٹیں مارے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اتنا زیادہ چلنا یا اتنی مقدار مشغولیت

اختیار کرنا عمل کثیر ہے۔ سرخسیؒ نے اسے مبسوط میں ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں یہ فرق نہ کیا جائے کہ تین قدم چلنے سے یا تین چوٹیں مارنے سے نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ جس طرح حدث پیش آجانے (یعنی وضو ٹوٹ جانے کی شکل میں زیادہ چلنے کی سہولت دی گئی ہے اسی طرح اس مسئلہ میں بھی سہولت دی گئی ہے لیکن تحقیقی طور پر صحیح بات یہی ہے کہ تین قدم چلنے یا تین چوٹ مارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

البتہ اتنی سہولت ہے کہ ایسے موقع پر جب کہ سانپ یا بچھو نماز میں سامنے آجائے اور اس کا مارنا ضروری ہو تو ایسی صورت میں ان کو مارنے کے لئے نماز توڑ دینا مباح ہے جیسا کہ کسی مظلوم کی فریاد رسی یا کسی کو ڈوبنے اور ہلاکت سے بچانے کی خاطر نماز توڑ دینا مباح ہے یعنی اگر کسی کے چھت سے گر جانے یا آگ میں جل جانے یا کنویں وغیرہ میں ڈوب جانے کا قوی خطرہ ہو اور قریب ہی ایک شخص نماز میں ہو تو ایسی صورت میں اس نمازی کو چاہئے کہ نماز کو توڑ دے اور انہیں بچانے کی کوشش کرے یا اسی طرح کسی نمازی کو حالت نماز میں اپنی یا غیر کی کسی چیز کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو اور اس کی قیمت ایک درہم تک ہو تو اسے اس چیز کو بچانے کے لئے نماز توڑ دینا جائز ہے۔

اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف کالے سانپ ہی کو مارا جاسکتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حدیث میں کالے سانپ کی تخصیص محض تغلیباً کی گئی ہے چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ ہر قسم کے سانپوں کو مارنا جائز ہے کالے سانپ ہی کی تخصیص نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نماز کی حالت میں دروازہ کھولتے تھے

(۲۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي تَطَوُّعًا وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ جِئْتُ فَاسْتَفْتَحْتُ فَمَشٰى فَفَتَحَ لِيْ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى مُصَلَّاهُ وَذَكَرَتْ اَنَّ الْبَابَ كَانَ فِي الْقِبْلَةِ۔

(رواہ احمد، وابوداؤد، والترمذی والنسائی نحوہ)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ گھر میں نفل نماز میں مشغول ہوتے اور دروازہ بند رہا کرتا تھا میں (گھر میں آتی تو دروازہ کھلواتی اور آپ ﷺ چل کر میرے لئے دروازہ کھول دیا کرتے تھے پھر مصلے پر واپس آجاتے (اور اپنی نماز میں مشغول ہو جاتے) اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دروازہ چونکہ قبلہ کی طرف تھا اس لئے آنحضرت ﷺ دروازہ کھولنے کے لئے تشریف لاتے تھے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک قبلہ کی طرف سے پھرتا نہیں تھا کیونکہ قبلہ سامنے ہی ہوتا تھا پھر جب مصلے پر واپس تشریف لاتے تو پچھلے پاؤں ہٹ کر آتے تھے تاکہ پشت قبلہ کی طرف نہ ہو۔

علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا حجرہ مبارک زیادہ وسیع و عریض نہیں بلکہ بہت تنگ تھا اس لئے ایک دو قدم سے زیادہ چلنا نہیں پڑھتا تھا کہ عمل کثیر ہوتا لیکن اس کے باوجود ایک اشکال پھر بھی واقع ہوتا ہے کہ دو قدم چلنا دروازہ کھولنا اور پھر مصلے پر واپس آنا یہ سب مل کر تو عمل کثیر ہو جاتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ افعال پے در پے نہیں ہوتے تھے کہ عمل کثیر ہو سکیں۔

نماز میں وضو ٹوٹ جانے کا مسئلہ

(۲۷) وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَا اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ وَنُقْصَانٍ۔

"اور حضرت طلق ابن علیؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "نماز کی حالت میں جب تم میں سے کسی کی بغیر آواز کے ریح خارج ہو تو اسے چاہئے کہ جا کر وضو کرے اور نماز کو دوبارہ پڑھے۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے بھی کچھ کمی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نماز کی حالت میں کسی کی ریح خود بخود خارج ہو جائے تو اسے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھنا افضل ہے لیکن فقہی شرائط کے مطابق اگر کوئی شخص وضو کر کے نماز از سرنو شروع نہ کرے بلکہ جہاں سے نماز چھوڑی تھی اسی پر بقیہ نماز کی بناء کرے تو جائز ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے اور انہوں نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

یہ مسئلہ تو خود بخود ریح خارج ہونے کا ہے، اگر کوئی شخص حالت نماز میں قصداً ریح خارج کرے تو اس کے لئے دوبارہ وضو کر کے از سرنو نماز پڑھنا واجب ہے۔

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيَأْ خُذْ بِاَنْفِهٖ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا" جب تم میں سے کسی کا وضو حالت نماز میں ٹوٹ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی ناک پکڑ کر نماز سے نکل آئے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر حالت نماز میں کسی شخص کی ریح خارج ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ ناک پکڑ کر وضو کے لئے چلا جائے تاکہ لوگ یہ گمان کریں کہ نکسیر پھوٹی ہے۔ ناک پکڑ کر نماز سے نکلنے کا حکم اس لئے فرمایا گیا تاکہ ایسا شخص ایسے موقعہ پر شرمندگی و ندامت سے بچ جائے۔ کیونکہ ظاہر ہونا کہ اس شخص کی ریح خارج ہوئی ہے عام طور پر شرمندگی و ندامت کا باعث بنتا ہے پھر یہ لوگ اس کے بارے میں کوئی چہ میگوئی نہ کریں گے بلکہ یہ جانیں گے کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی ہے جس کی وجہ سے وہ نماز سے نکل گیا ہے۔

اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو لوگوں کی نظروں میں معیوب اور محل اعتراض بنتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس فعل کو پوشیدہ رکھے اور لوگوں پر ظاہر نہ کرے تاکہ لوگ نہ اس کی بے آبروئی کے درپے ہوں اور نہ کھلم کھلا اس کی طرف وہ عیب منسوب کیا جائے جسے وہ چھپائے رکھنا چاہتا ہے اور اس کا یہ فعل چھپانا جھوٹ میں شمار نہیں ہوگا بلکہ معاریض[1] کی قسم سے ہوگا۔

(۲۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُكُمْ وَقَدْ جَلَسَ فِيْ اٰخِرِ صَلَاتِهٖ قَبْلَ اَنْ يُسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلٰوتُهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ اِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وَقَدِ اضْطَرَبُوْا فِيْ اِسْنَادِهٖ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا" اگر تم میں سے کسی کا وضو اس وقت ٹوٹے جب کہ وہ اپنی نماز کے آخری قعدہ میں (بمقدار تشہد بیٹھ چکا) ہو اور سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔ ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی اسناد مضبوط نہیں ہے اور انہوں نے اس کی اسناد میں اضطراب کیا ہے۔"

تشریح: حدیث کی مذکورہ صورت میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قصداً وضو توڑے گا تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی کیونکہ ان کے نزدیک نمازی کا اپنے کسی بھی فعل کے ذریعہ نماز سے نکلنا فرض ہے یعنی اگر کوئی شخص نماز کے پورے ارکان ادا کرنے کے بعد نماز کو مکمل طور ختم کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسا فعل اختیار کرے جو نماز کے خاتمہ کا ذریعہ بن جائے جیسا کہ سلام پھیرنا۔

چنانچہ اتنی بات سمجھ لیجئے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک نماز کو محض سلام کے ذریعہ ہی ختم کرنا فرض نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص نماز کے ارکان کے بعد بجائے سلام پھیرنے کے کوئی ایسا دوسرا فعل اختیار کرے جو نماز کے منافی ہو تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ امام

---

[1] کسی واقعہ کو اس طرح بیان کرنا کہ واقعہ کی پوری صراحت نہ ہو ایسے انداز کو تعریض کہتے ہیں ۱۲۔

اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آخری قعدہ میں تشہد وغیرہ پڑھنے کے بعد قصداً اپنی وضو توڑ ڈالے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی کیونکہ اس نے نماز کے ارکان پورے کرنے کے بعد ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو نماز کے خاتمہ کا ذریعہ بن گیا ہے اگرچہ وہ ترک واجب کا گنہ گار ہو گا مگر فرض ادا ہو جائے گا کیونکہ امام اعظمؒ کے نزدیک سلام کے ذریعہ نماز کو پورا کرنا واجب ہے۔ صاحبین یعنی امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قصداً وضو توڑنے کی شرط نہیں ہے بلکہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا صورت میں کسی کی وضو خود بخود ٹوٹ جائے تو جب بھی اس کی نماز تمام ہو جائے گی یعنی فرض پورا ہو جائے گا۔

لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حدیث قصداً وضو توڑنے پر محمول ہے اور صاحبین کے نزدیک مطلق ہے خواہ کوئی قصداً وضو توڑ دے یا اس کی وضو خود بخود ٹوٹ جائے۔ چنانچہ یہ حدیث حنفیہ حصوصاً صاحبینؒ کے مسلک کی مؤید ہے بخلاف حضرت امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک نماز کو صرف سلام کے ذریعہ پورا کرنا فرض ہے۔

حدیث مضطرب وہ حدیث کہلاتی ہے جو مختلف الفاظ اور مختلف وجوہ سے نقل کی گئی ہو اور یہ چیز حدیث کے ضعف کی علامت ہوتی ہے کیونکہ حدیث کا اس طرح مروی ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ راویان حدیث کو حدیث پوری طرح یاد نہیں رہی۔ ملا علی قاری نے اس حدیث کو مضطرب و ضعیف تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے جن کو امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے اور اصول حدیث میں یہ بات مسلم ہے کہ کسی حدیث ضعیف کا متعدد طرق سے مروی ہونا اسے حسن کے قرب کر دیتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کا ایک واقعہ

(۳۰) عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَى الصَّلَاةِ فَلَمَّا كَبَّرَ اِنْصَرَفَ وَ اَوْمَأَ اِلَيْهِمْ اَنْ كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَاْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلّٰى بِهِمْ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ اِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَنَسِيْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى مَالِكٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلًا۔

"حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ نماز کے لئے (مسجد میں) تشریف لائے، جب تکبیر کہنے کا ارادہ کیا گیا تو آپ ﷺ پیچھے مڑے اور صحابہ کو یہ اشارہ کر کے کہ تم اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو، مسجد سے باہر نکلے، چنانچہ آپ ﷺ نے غسل کیا اور اس حال میں واپس تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، پھر آپ ﷺ نے صحابہؓ کو نماز پڑھائی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ "مجھے غسل کی حاجت تھی مگر میں غسل کرنا بھول گیا تھا۔" (احمدؒ) امام مالکؒ نے بھی اس حدیث کو عطاء ابن یسارؒ سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

سجدہ کی جگہ کو گرمی سے بچانے کے لئے حضرت جابرؓ کا طریقہ

(۳۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّي الظُّهْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاٰخُذُ قَبْضَةً مِنَ الْحَصٰى لِتَبْرُدَ فِي كَفِّي اَضَعُهَا لِجَبْهَتِي اَسْجُدُ عَلَيْهَا لِشِدَّةِ الْحَرِّ۔ (رواہ ابوداؤد وروی النسائی نحوہ)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں ظہر کی نماز سرور کونین ﷺ کے ہمراہ پڑھا کرتا تھا اور ایک مٹھی میں کنکریاں لے لیتا تھا کہ وہ میرے ہاتھ میں ٹھنڈی ہو جائیں۔ چنانچہ (سجدہ کی جگہ کی) شدت گرمی سے بچنے کی خاطر میں ان کنکریوں کو سجدہ کے وقت اپنی پیشانی کے نیچے رکھ لیتا تھا۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نماز میں اس قدر فعل اختیار کرنا معاف ہے اور اتنا فعل عمل کثیر بھی نہیں ہے۔

نماز میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شیطان کا ایک عجیب معاملہ

(۳۲) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی فَسَمِعْنَاہُ یَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰہِ ثَلَاثًا وَبَسَطَ یَدَہٗ كَاَنَّہٗ یَتَنَاوَلُ شَیْئًا فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُوْلُ فِی الصَّلٰوةِ شَیْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُوْلُہٗ قَبْلَ ذٰلِكَ وَرَاَیْنَاكَ بَسَطْتَ یَدَكَ قَالَ اِنَّ عَدُوَّ اللّٰہِ اِبْلِیْسَ جَاءَ بِشِهَابٍ مِنْ نَارٍ لِیَجْعَلَہٗ فِیْ وَجْهِیْ فَقُلْتُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْتُ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰہِ التَّامَّةِ فَلَمْ یَسْتَاْخِرْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَرَدْتُ اَنْ اٰخُذَہٗ وَاللّٰہِ لَوْلَا دَعْوَةُ اَخِیْنَا سُلَیْمَانَ لَاَصْبَحَ مُوْثَقًا یَلْعَبُ بِهٖ وِلْدَانُ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے (نماز کے درمیان) میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرمارہے ہیں "تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتاہوں" پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ فرمایا کہ "تجھ پر لعنت کرتاہوں، خدا کی لعنت" اور (یہ فرماتے ہوئے) آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک اس طرح پھیلائے گویا آپ ﷺ کسی چیز کو پکڑ رہے ہوں، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے تو ہم نے کہا کہ "یارسول اللہ (ﷺ)! ہم نے آج آپ ﷺ کو نماز میں ایسی بات کہتے ہوئے سُنا ہے کہ اس سے پہلے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ______ یہ کہتے نہیں سنا اور آج ہم نے آپ ﷺ کو ہاتھ پھیلاتے ہوئے بھی دیکھا ہے؟" آپ ﷺ نے یہ فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس ملعون آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا تاکہ اسے میرے منہ میں ڈالے چنانچہ میں نے تین مرتبہ یہ کہا کہ "میں تجھ سے خدا کی پناہ چاہتاہوں" پھر میں نے کہا کہ "میں تجھ پر لعنت کرتاہوں اللہ کی پوری لعنت، وہ نہیں ہٹا تو میں نے (یہ الفاظ) تین مرتبہ کہے، جب وہ پھر بھی نہ ہٹا تو میں نے (اپنے ہاتھ پھیلا کر) اسے پکڑنا چاہا لیکن خدا کی قسم! اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ (مسجد کے ستون سے) صبح تک بندھا رہتا اور مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیلتے۔" (مسلم)

تشریح: اسی باب کی حدیث نمبر۹ کے ضمن میں اس کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے تابع ہونے اور ان پر تصرف کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی جو قبول ہوئی اور جنات ان کے فرمانبردار ہوئے چنانچہ یہ سوچ کر کہ اس معاملہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی امتیازی حیثیت پر اثر پڑے گا آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنا تابع کرنا نہیں چاہا اس حدیث سے یہ بات پوری قوت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ ابلیس یقیناً جنات کی قوم سے ہے۔

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ

(۳۳) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ مَرَّ عَلٰی رَجُلٍ وَهُوَ یُصَلِّی فَسَلَّمَ عَلَیْہِ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَامًا فَرَجَعَ اِلَیْہِ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَہٗ اِذَا سُلِّمَ عَلٰی اَحَدِكُمْ وَهُوَ یُصَلِّی فَلَا یَتَكَلَّمْ وَلْیُشِرْ بِیَدِہٖ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا گذر ایک شخص پر ایسی حالت میں ہوا کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت عبداللہ نے اس شخص کو سلام کیا اور اس نے حضرت عبداللہؓ کے سلام کا جواب زبان سے دیا، حضرت عبداللہ اس کی طرف لوٹے اور فرمایا کہ "جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھنے کی حالت میں سلام کیا جائے تو اس سے بولنا نہیں چاہئے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ (سلام کا جواب دینے کے لئے) اپنے ہاتھ سے اشارہ کردے۔" (مالکؒ)

تشریح: اسی باب میں حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت (نمبر۱۲) گذر چکی ہے۔ اس کی تشریح کے ضمن میں نماز کی حالت میں ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ حکم پہلے تھا پھر بعد میں اشارہ سے بھی سلام کا جواب دینا منسوخ ہوگیا۔

بَابُ السَّهْوِ سجدہ سہو کا بیان

نماز کے سنن و مستحبات اگر ترک ہو جائیں تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی یعنی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور نماز کے فرائض میں سے کوئی چیز اگر سہواً یا عمداً چھوٹ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے جس کا کوئی تدارک نہیں جس کی وجہ سے نماز کا اعادہ ضروری ہوتا ہے۔ نماز کے واجبات میں سے اگر کوئی چیز عمداً چھوڑ دی جائے تو اس کا بھی تدارک نہیں ہو سکتا اور نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر نماز کے واجبات میں سے کوئی چیز عمداً نہیں بلکہ سہواً چھوڑ دی جائے تو اس کا تدارک ہو سکتا ہے اور وہ تدارک یہ ہے کہ قعدہ اخیر میں التحیات پڑھنے کے بعد داہنی طرف ایک سلام پھیر کر دو سجدے کر لئے جائیں اور سجدہ کے بعد پھر قعدہ کیا جائے اور التحیات درود شریف اور دعا حسب معمول پڑھ کر سلام پھیرا جائے انہیں سجدوں کو سجدہ سہو کہا جاتا ہے۔

اتنی بات سمجھ لیجئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال میں جو شرعی چیزوں کی خبر دینے اور دینی احکام کے بیان سے متعلق ہیں نہ تو کبھی سہو ہوا ہے اور نہ یہ ممکن ہے ہاں آپ ﷺ کے افعال میں سہو ہوتا تھا وہ بھی اس حکمت و مصلحت کے پیش نظر تاکہ امت کے لوگ اس طرح سہو کے مسائل سیکھ لیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

رکعتوں کی تعداد بھول جانے کی صورت میں سجدہ سہو کا حکم

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا قَامَ یُصَلِّی جَاءَهُ الشَّیْطَانُ فَلَبَسَ عَلَیْهِ حَتّٰی لَا یَدْرِیْ کَمْ صَلّٰی فَاِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ اَحَدُکُمْ فَلْیَسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے شک و شبہ میں مبتلا کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس (نمازی) کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، لہٰذا تم میں سے کسی کو اگر یہ صورت پیش آئے تو اسے چاہئے کہ وہ آخری قعدہ میں) بیٹھ کر دو سجدے کرے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ سہو سے متعلق نہیں ہے بلکہ شک کی صورت ہے اور شک و سہو کے درمیان فرق یہ ہے کہ سہو میں ایک جانب کا تعین ہوتا ہے (کہ فلاں چیز بھول گیا) اور شک میں تردد ہوتا ہے کہ آیا یہ صحیح ہے یا وہ اور شیطان ملعون کی کیا مجال تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کو شک و شبہ میں مبتلا کر دیتا۔ ہاں غلبہ استغراق اور آخرت کی طرف بے انتہا توجہ کی بناء پر آپ ﷺ کو سہو ہو جاتا تھا۔ سجدہ سہو واجب ہونے کے سلسلہ میں شک اور سہو دونوں کا یکساں حکم ہے، اس مسئلہ کی پوری وضاحت آئندہ حدیث کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیے۔

② وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَكَّ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلَاتِهٖ فَلَمْ یَدْرِ کَمْ صَلّٰی ثَلَاثًا اَوْ اَرْبَعًا فَلْیَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْیَبْنِ عَلٰی مَا اسْتَیْقَنَ ثُمَّ یَسْجُدُ سَجْدَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یُسَلِّمَ فَاِنْ کَانَ صَلّٰی خَمْسًا شَفَعْنَ لَهٗ صَلَاتَهٗ وَاِنْ کَانَ صَلّٰی اِتْمَامًا لِاَرْبَعٍ کَانَتَا تَرْغِیْمًا لِلشَّیْطَانِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلًا وَفِیْ رِوَایَتِهٖ شَفَعَهَا بِهَاتَیْنِ السَّجْدَتَیْنِ۔

"اور حضرت عطاء ابن یسار حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص درمیان نماز شک میں مبتلا ہو جائے اور اسے یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا شک دور کرے اور جس عدد پر اسے یقین ہو اس پر بناء کرے (یعنی کسی ایک عدد کا تعین کر کے نماز پوری کر لے) اور پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔ اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ پانچ رکعتیں ان دو سجدوں کے ذریعہ اس کی نماز کو جفت کر دیں گی اور اگر اس نے پوری چار رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بنیں گے" مسلمؒ اور امام مالکؒ نے اس روایت کو عطاء سے بطریق ارسال

نقل کیا ہے نیز امام مالکؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "کہ نمازی ان دونوں سجدوں کے ذریعہ پانچ رکعتوں کو جفت کر دے گا۔"

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے درمیان نماز وہ شک و شبہ میں مبتلا ہو گیا یعنی اسے یہ یاد نہیں رہا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اسے چاہئے کہ وہ کمتر عدد کا تعین کرے اور اسی کا گمان غالب کر کے نماز پڑھ لے مثلاً اسے یہ شبہ ہو کہ نہ معلوم میں نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اس صورت میں اسے تین رکعتوں کا تعین کر کے نماز پوری کرنی چاہئے اور پھر آخری قعدہ میں التحیات پڑھنے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے داہنی طرف سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کرنا چاہئے۔ بخاری کی روایت میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرنے کی قید نہیں ہے چنانچہ اسی وجہ سے ائمہ کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ سجدہ سلام پھیرنے سے پہلے کرنا چاہئے یا سلام پھیرنے کے بعد۔ اس مسئلہ کی تفصیل ہم آئندہ کسی حدیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کریں گے۔

حدیث میں سہو کے دونوں سجدوں کا فائدہ بھی بتایا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے مذکورہ صورت میں تین رکعت کا تعین کر کے ایک رکعت اور پڑھ لی حالانکہ حقیقت میں وہ چار رکعتیں پہلے پڑھ چکا تھا اس طرح اس کی پانچ رکعتیں ہو گئیں تو یہ پانچ رکعتیں ان دونوں سجدوں کی وجہ سے اس کی نماز کو شفع (جفت کر دیں گی کیونکہ وہ دونوں سجدے ایک رکعت کے حکم میں ہیں یعنی یہ پانچ رکعتیں ان دونوں سجدوں سے مل کر چھ رکعت کے حکم میں ہو جائیں گی اور اگر اس نے حقیقت میں تین ہی رکعتیں پڑھی تھیں اور سہو کی صورت میں اس نے تین ہی کا تعین کر کے ایک رکعت اور پڑھی اور اس کی چار رکعتیں پوری ہو گئیں تو اس کے وہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بن جائیں گے۔ یعنی اس صورت میں جب کہ اس شخص نے چار ہی رکعتیں پڑھی ہیں تو دونوں سجدے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ نماز کو جفت کر دیں جیسا کہ پہلی صورت (پانچ رکعتیں پڑھنے کی صورت) میں ان دونوں سجدوں کی ضرورت تھی لیکن ان دونوں سجدوں کا جو بظاہر زائد معلوم ہوتے ہیں یہ فائدہ ہوا کہ ان سے شیطان کی ذلت و ناکامی ہوئی۔ کیونکہ شیطان کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ نمازی کو شک و شبہ میں مبتلا کر کے اسے عبادت سے باز رکھے حالانکہ نمازی نے اس کے برعکس دو سجدے اور کر کے عبادت چھوڑنے کے بجائے اس میں اور زیادتی کی جو یقینی بات ہے کہ شیطان کی ناکامی و نامرادی کا باعث ہے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شک کی صورت میں اقل (کمتر) کو اختیار کرنا چاہئے تحری (غالب گمان) پر عمل نہ کیا جائے چنانچہ جمہور ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ترمذیؒ کا قول یہ ہے کہ اہل علم میں سے بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ شک کی صورت میں نماز کا اعادہ کرنا چاہئے یعنی اگر کسی کو درمیان نماز رکعتوں کی تعداد کے بارے میں شک ہو جائے تو اسے چاہئے کہ نماز کو از سر نو پڑھے۔

اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کا حاصل یہ ہے کہ "اگر کسی شخص کو نماز میں شک ہو جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اگر اس شخص کی عادت شک کرنے کی نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ پھر نئے سرے سے نماز پڑھے اور اگر اس کو شک ہونے کی عادت ہو تو اپنے غالب گمان پر عمل کرے یعنی جتنی رکعتیں اس کو غالب گمان سے یاد پڑیں تو اسی قدر رکعتیں سمجھے کہ پڑھ چکا ہے اور اگر غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو کمتر عدد کو اختیار کرے مثلاً کسی کو ظہر کی نماز میں شک ہوا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ تین رکعتیں شمار کرے اور ایک رکعت اور پڑھ کر نماز پوری کر لے پھر سجدۂ سہو کر لے۔

اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ غالب گمان پر عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں غالب گمان کو اختیار کرنے کی اصل موجود ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ نماز پڑھنا چاہے جہاں اسے قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو سکے تو اس کے لئے حکم ہے کہ وہ جس سمت کے بارے میں غالب گمان رکھے کہ ادھر قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اس کی نماز ہو جائے گی۔ غالب گمان کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں احادیث بھی مروی ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح رائے قائم کر کے (یعنی کسی ایک پہلو پر غالب گمان کر کے) نماز

پوری کر لے" اس حدیث کو شمنیؒ نے بھی شرح نقایہ میں نقل کیا ہے نیز جامع الاصول میں بھی نسائیؒ سے ایک حدیث تحری (غالب گمان) پر عمل کرنے کے صحیح ہونے کے بارے میں منقول ہے۔

امام محمدؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں تحری کی افادیت کے سلسلہ میں یہ کہتے ہوئے کہ "تحری کے سلسلہ میں بہت آثار وارد ہیں" بڑی اچھی بات یہ کہی ہے کہ "اگر ایسا نہ کیا جائے یعنی تحری کو قابل قبول نہ قرار دیا جائے تو شک اور سہو سے نجات ملنی بڑی مشکل ہوگی اور ہر شک و شبہ کی صورت میں اعادہ بڑی پریشانی کا باعث بن جائے گا۔"

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے اس موقع پر مسئلہ مذکورہ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ "اس موقع پر حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں تین احادیث منقول ہیں۔ پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں جب بھی کسی کو شک واقع ہو جائے تو وہ نماز کو ازسرنو پڑھے۔ دوسری حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ "جب کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح بات کو حاصل کرنے کے لئے تحری کرے یعنی غالب گمان پر عمل کرے۔ تیسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ "جب نماز میں شک واقع ہو تو یقین پر عمل کرنا چاہئے یعنی جس پہلو پر یقین ہو اسی پر عمل کیا جائے۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ان تینوں حدیثوں کو اپنے مسلک میں جمع کر دیا ہے اس طرح کہ انہوں نے پہلی حدیث کو تو مرتبہ شک واقع ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے، دوسری حدیث کو کسی ایک پہلو پر غالب گمان ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے اور تیسری حدیث کو کسی بھی پہلو پر غالب گمان نہ ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کے کمال جامعیت اور انتہائی محقق ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيْلَ لَهُ اَزِيْدَ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ وَ مَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَ تَيْنَ بَعْدَ مَاسَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَاتَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ وَاِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَ تَيْنِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھ لی، چنانچہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ "کیا نماز میں کچھ زیادتی ہوگئی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ "آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں" (یہ سن کر) آپ ﷺ نے سلام پھیر لینے کے بعد دو سجدے کئے۔ اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میں انسان ہی تو ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو اس طرح میں بھی بھول جاتا ہوں جب میں کچھ بھول جایا کروں، مجھے یاد دلایا کرو، اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح رائے قائم کرے اور اس رائے کی بنیاد پر نماز پوری کر لے اور پھر سلام پھیر کر دو سجدے کر لے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں کمتر پر عمل کرنے کو نہیں کہا گیا ہے گو مراد یہی ہے کہ اگر تحری فائدہ نہ دے یعنی کسی بھی عدد کے بارے میں غالب گمان نہ ہو سکے تو کمتر عدد کو اختیار کر کے نماز پوری کر لی جائے چونکہ حضرات شوافع تحری کے قائل نہیں ہیں اس لئے وہ بھی اس حدیث کے الفاظ فليتحر الصواب سے مراد "کمتر عدد کو اختیار کرنا" لیتے ہیں۔

حنفیہ کے ہاں پانچ رکعت ادا کر لینے کی صورت میں مسئلہ کی کچھ تفصیل ہے۔ چنانچہ ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اسے یاد آجائے تو اسے چاہئے کہ فوراً بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کر لے۔ اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو پھر نہیں بیٹھ سکتا اور اس کی یہ نماز اگر فرض کی نیت سے پڑھ رہا تھا تو فرض ادا نہیں ہوگا بلکہ نفل ہو جائے گی۔ اور اسے اختیار ہوگا کہ ایک رکعت کے ساتھ دوسری رکعت اور ملائے تاکہ یہ رکعت بھی ضائع نہ ہو اور دو رکعتیں یہ بھی نفل ہو جائیں۔ اگر عصر اور فجر میں یہ واقعہ پیش آئے تب بھی دوسری رکعت ملا سکتا ہے اس لئے کہ عصر و فجر

کے فرض کے بعد نفل مکروہ ہے اور یہ رکعتیں فرض نہیں رہیں بلکہ نفل ہو گئی ہیں پس گویا فرض سے پہلے نفل پڑھی گئی ہیں اور اس میں کچھ کراہت نہیں۔ مغرب کے فرض میں صرف یہی رکعت کافی ہے دوسری رکعت نہ ملائی جائے، ورنہ پانچ رکعتیں ہو جائیں گی اور نفل میں طاق رکعتیں منقول نہیں اور اس صورت میں سجدہ سہو کی ضرورت نہ ہوگی۔

یہ شکل تو قعدہ اخیرہ میں بیٹھے بغیر رکعت کے لئے اٹھ جانے کی تھی۔ اگر کوئی شخص قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے بقدر بیٹھ کر سلام پھیرنے سے پہلے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو اگر وہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کر چکا ہو تو فوراً بیٹھ جائے اور چونکہ سلام کے ادا کرنے میں جو واجب تھا تاخیر ہو گئی اس لئے سجدہ سہو کر لے اگر پانچوں رکعت کا سجدہ کرنیکے بعد یاد آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ اب نہ بیٹھے بلکہ ایک رکعت اور ملا دے تاکہ یہ پانچویں رکعت ضائع نہ ہو اور اگر رکعت نہ ملائے بلکہ پانچویں رکعت کے بعد سلام پھیر دے تب بھی جائز ہے مگر ملا دینا بہتر ہے۔ اس صورت میں اس کی وہ رکعتیں اگر فرض نیت کی تھیں تو فرض ادا ہوں گی نفل نہ ہوں گی۔ عصر اور فجر کے فرض میں بھی دوسری رکعت ملا سکتا ہے اس لئے کہ عصر اور فجر کے فرض کے بعد قصداً نفل پڑھنا مکروہ ہے اور اگر سہواً پڑھ بھی لیا جائے تو کچھ کراہت نہیں۔ اس صورت میں فرض کے بعد جو رکعتیں پڑھی گئیں ہیں یہ ان مؤکدہ سنتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں جو فرض کے بعد ظہر و مغرب اور عشاء کے وقت مسنون ہیں کیونکہ ان سنتوں کا تحریمہ سے ادا کرنا آنحضرت ﷺ سے منقول ہے۔

یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ آنحضرت ﷺ چار رکعت کے بعد قعدہ اخیرہ میں بیٹھ کر پھر بعد میں رکعت کے لئے اٹھ گئے تھے چونکہ اس حدیث سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پانچویں رکعت کے ساتھ چھٹی رکعت نہیں ملائی تھی اور صرف سہو پر اکتفاء کیا جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے اس لئے کہا جائے گا کہ یہاں یہ احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیان جواز کی خاطر ایسا کیا ہوگا"

④ وَعَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدٰى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ قَدْ سَمَّاهَا اَبُوْهُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَسِيْتُ اَنَا قَالَ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ اِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَاَ عَلَيْهَا كَاَنَّهٗ غَضْبَانُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَخَرَجَتْ سَرْعَانُ الْقَوْمِ مِنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا اَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي الْقَوْمِ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَاهُ اَنْ يُكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ يُقَالُ لَهٗ ذُو الْيَدَيْنِ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَسِيْتَ اَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ فَقَالَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ اَكَمَا يَقُوْلُ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَكَبَّرَ فَرُبَّمَا سَاَلُوْهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَيَقُوْلُ نُبِّئْتُ اَنَّ عِمْرَانَ ابْنَ حُصَيْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِيِّ وَفِيْ اُخْرٰى لَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَلَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ قَدْ كَانَ بَعْضُ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

"اور حضرت ابن سیرینؒ [1] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا" (ایک دن) سرور کونین ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز جس کا نام ابوہریرہؓ نے تو بتایا تھا مگر میں بھول گیا، ہمیں پڑھائی۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمارے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور تیسری رکعت کے لئے اٹھنے کی بجائے) سلام پھیر لیا، پھر اس لکڑی کے سہارے جو مسجد میں عرضاً کھڑی تھی کھڑے ہو گئے اور (محسوس ایسا ہوتا تھا) گویا آپ ﷺ غصہ کی حالت میں ہیں، آپ ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنا بایاں رخسار مبارک اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا۔ جلد باز لوگ (جو نماز کی ادائیگی کے بعد ذکر اور دعا وغیرہ کے لئے

---

[1] آپ کا اسم گرامی محمد اور کنیت ابوبکر ہے حضرت انس بن مالکؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کے تیس بچے تھے جو آپ کی زندگی ہی میں ایک سو وفات پا گئے صرف ایک صاحبزادے عبداللہ بن محمد بن سیرین بقید حیات تھے۔ ستر سال کی عمر میں ۱۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

نہیں ٹھہرتے تھے) مسجد کے دروازوں سے جانے لگے، صحابہؓ کہنے لگے کہ کیا نماز میں کمی ہوگئی ہے؟ (کہ آنحضرت ﷺ نے چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں؟) صحابہؓ کے درمیان (جو مسجد میں باقی رہ گئے تھے) حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ بھی موجود تھے مگر خوف کی وجہ سے ان کو آنحضرت ﷺ سے کلام کرنے کی جرات نہ ہوئی صحابہؓ میں ایک اور شخص (بھی) تھے جن کے ہاتھ لمبے تھے اور جنہیں (اسی وجہ سے) ذوالیدین (یعنی ہاتھوں والا کے لقب سے) پکارا جاتا تھا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! کیا آپ (ﷺ) بھول گئے ہیں یا نماز ہی میں کمی ہوگئی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے" پھر (صحابہؓ سے مخاطب ہوئے اور) فرمایا "کیا تم بھی یہی کہتے ہو جو ذوالیدینؓ کہہ رہے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ "جی ہاں یہی بات ہے" (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ آگے آئے اور جو نماز (یعنی دو رکعت) چھوٹ گئی تھی اسے پڑھا اور سلام پھیر کر تکبیر کہی اور حسب معمول سجدوں جیسا یا ان سے بھی کچھ طویل سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھایا" لوگ ابن سیرینؒ سے پوچھنے لگے کہ "پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سلام پھیر دیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے عمران بن حصینؓ سے یہ خبر ملی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ "پھر آنحضرت ﷺ نے سلام پھیر دیا" اس روایت کو بخاریؒ و مسلمؒ نے نقل کیا ہے مگر الفاظ بخاری کے ہیں۔

اور بخاری و مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (ذوالیدینؓ کے جواب میں) لم انس ولم تقصر (یعنی نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے) کے بجائے یہ فرمایا کہ "جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے" انہوں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ (ﷺ)! اس میں سے کچھ تو ضرور ہوا ہے۔"

تشریح: فتح الباری میں اس حدیث کی بہت لمبی چوڑی شرح کی گئی ہے اگر اس کو یہاں نقل کی جائے تو بات بڑی لمبی ہو جائے گی البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ اس حدیث کے بارے میں دو اشکال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا اشکال تو یہ ہے کہ علماء کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ خبر میں تو آنحضرت ﷺ کو سہو ہونا ناممکن ہے اور افعال میں بھی اختلاف ہے مگر آنحضرت ﷺ نے یہاں ذوالیدین کے جواب میں جو یہ فرمایا کہ نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہی ہوئی ہے" کیا خلاف واقعہ نہیں ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو خبر میں بھی سہو ہو سکتا تھا۔

اس کا جواب مختصر طریقہ پر یہ ہے کہ "آنحضرت ﷺ سے سہو ہونا ان خبروں میں ناممکن ہے جو تبلیغ شرائع، دینی علم اور وحی الٰہی سے متعلق ہیں نہ کہ تمام خبروں میں۔

دوسرا یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ سے افعال بھی سرزد ہوئے اور آپ ﷺ نے گفتگو بھی کی مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے از سر نو نماز نہیں پڑھی بلکہ جو رکعتیں باقی رہ گئی تھیں انہیں کو پورا کر لیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ مفسد نماز وہ کلام و افعال ہیں جو قصداً واقع ہوئے ہوں نہ کہ وہ کلام و افعال جو سہواً ہو گئے ہوں جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ لیکن چونکہ یہ جواب نہ صرف یہ کہ خود اپنے اندر جھول رکھتا ہے بلکہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق بھی نہیں ہے کیونکہ ان کے ہاں مطلقاً کلام مفسد صلوٰۃ ہے خواہ قصداً صادر ہوا ہو یا سہواً۔ اس لئے علماء حنفیہ کے نزدیک اس اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ نماز میں کلام اور افعال کا جواز منسوخ نہیں ہوا تھا۔

حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز میں کلام مطلقاً مفسد صلوٰۃ ہے خواہ قصداً ہو یا سہواً مگر ان کے یہاں اتنی گنجائش بھی ہے کہ نماز میں جو کلام امام یا مقتدی سے نماز کی کسی مصلحت کے پیش نظر صادر ہوا ہو گا وہ مفسد نماز نہیں ہو گا جیسا کہ حدیث مذکورہ میں پیش آمدہ صورت ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو جب حضرت ابن سیرینؒ لوگوں کے سامنے بیان کر چکے تو ان سے بطریق استفہام اکثر لوگوں نے پوچھا کہ کیا ابوہریرہؓ نے ثم سلّم بھی کہا تھا گویا ان لوگوں کے پوچھنے کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے سجدۂ سہو سلام کے بعد کیا تھا یا پہلے کیا تھا اسکے جواب میں ابن سیرین نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں تو یہ الفاظ مجھے یاد نہیں پڑتے، ہاں حضرت عمران ابن حصینؓ نے یہی حدیث مجھ

سے روایت کی ہے ان کی روایت میں ثُمَّ سَلَّمَ کے الفاظ موجود ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سجدہ سہو سلام کے بعد کیا تھا اور میں نے ابوہریرہؓ کی روایت میں ثُمَّ سَلَّمَ کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ عمران ابن حصینؓ ہی کی روایت سے اس جگہ لایا ہوں۔

سجدہ سہو سلام پھیر کر کرنا چاہئے یا اس کے بغیر؟

⑤ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ بُحَیْنَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِھِمُ الظُّھْرَ فَقَامَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ الاُوْلَیَیْنِ لَمْ یَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَہٗ حَتّٰی اِذَا قَضَی الصَّلٰوۃَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِیْمَہٗ کَبَّرَ وَھُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یُّسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن بحینہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے صحابہؓ کو ظہر کی نماز پڑھائی، اور پہلی دو رکعتیں پڑھ کر (پہلے قعدہ میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لئے) کھڑے ہو گئے، دوسرے لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ جب نماز پڑھ چکے اور (آخری قعدہ میں) لوگ سلام پھیرنے کے منتظر تھے کہ آپ ﷺ نے بیٹھے بیٹھے تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں اس حدیث کے مطابق سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے ہی کیا جاتا ہے لیکن دوسری روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد ہی سجدہ سہو کیا ہے نیز حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں بھی ثابت ہوا ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد ہی سجدہ سہو کیا کرتے تھے لہٰذا حضرت عمرؓ کا عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

درود و دعا سجدہ سہو سے پہلے پڑھنی چاہئے یا بعد میں

⑥ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِھِمْ فَسَھَا فَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ تَشَھَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

"حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھائی (درمیان نماز) آپ ﷺ کو سہو ہو گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے (سلام پھیر کر) دو سجدے کئے اس کے بعد آپ ﷺ نے التحیات پڑھی اور سلام پھیرا امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: حضرت عمران کا قول فَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ کا مطلب یہی ہے کہ آپ ﷺ نے سلام پھیر کر سہو کے دونوں سجدے کئے جیسا کہ تیسری فصل کی پہلی حدیث سے جو انہیں سے مروی ہے بصراحت معلوم ہو جائے گا۔

اس حدیث میں نماز کا وہ رکن ذکر نہیں کیا گیا ہے جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو سہو ہو گیا اور آپ ﷺ اس کی ادائیگی کو بھول گئے تھے نیز اس حدیث میں سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ دوسری روایتوں میں تشہد کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت عمرانؓ کی اس روایت کی روشنی میں جو تیسری فصل میں آرہی ہے یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہے کہ پہلے سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا چاہئے۔ اسی طرح امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے بلکہ شوافع و مالکیہ کے بعض حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ درود و دعا جو التحیات میں پڑھی جاتی ہیں اس تشہد میں پڑھنا چاہئے جو سجدہ سہو سے پہلے ہے یا سجدہ سہو کے بعد کے تشہد میں پڑھنا چاہئے؟ چنانچہ امام کرخیؒ نے تو یہ اختیار کیا ہے کہ درود و دعا سجدہ سہو کے بعد کے تشہد میں

پڑھے جائیں اور ہدایہ میں بھی اسی کو صحیح کہا گیا ہے۔ البتہ ہدایہؒ کی بعض شروح میں یہ کہا گیا ہے کہ سجدہ سہو سے پہلے تشہد میں پڑھنا بہتر ہے۔ امام طحاویؒ کا قول یہ ہے کہ دونوں تشہد میں پڑھنا چاہئے۔ شیخ ابن ہمامؒ نے بھی امام طحاویؒ کے قول کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے۔

حنفیہ کا معمول پہلے یہ بتایا جاچکا ہے کہ "التحیات پڑھنے کے بعد دائیں طرف سلام پھیرا جائے اس کے بعد سہو کے دو سجدے کئے جائیں اس کے بعد دوبارہ التحیات اور پھر درود و دعا پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے۔

(۷) وَعَنِ الْمُغِيرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ الْإِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَإِنِ اسْتَوَى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جب امام دو رکعت پڑھ کر (پہلے قعدہ میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لئے) کھڑا ہو جائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اسے یاد آجائے تو اسے چاہئے کہ وہ (قعدہ کے لئے) بیٹھ جائے اور اگر وہ سیدھا کھڑا ہو چکا ہو (اور اس کے بعد اسے یاد آئے) تو وہ (اب) نہ بیٹھے اور (آخری قعدہ میں) سہو کے دو سجدے کرلے۔" (ابوداؤدؒ و ابن ماجہؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صورت مذکورہ میں معتبر پوری طرح کھڑا ہونا یا پوری طرح کھڑا نہ ہونا ہے۔ اس سلسلہ میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسا شخص اگر بیٹھنے کے قریب تر ہو جائے تو التحیات پڑھے اور اگر کھڑے ہونے کے قریب تر ہو تو نہ بیٹھے بلکہ اپنی بقیہ دونوں رکعتیں پوری کرلے۔

"قریب تر بیٹھنے" کا مطلب یہ ہے کہ اٹھتے وقت اس کے نیچے کا بدن (مثلاً ٹانگیں وغیرہ) سیدھا نہ ہو جائے، اور اگر نیچے کا بدن سیدھا ہو جائے تو کھڑے ہونے کے قریب تر ہوگا۔

شیخ ابن الہمامؒ نے کہا ہے کہ اقربیت کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ کی بھی ایک روایت ہے جس کو بخاری کے مشائخ نے اختیار کیا ہے مگر جیسا کہ اوپر بتایا گیا صحیح مسلک یہی ہے کہ جب تک پورا کھڑا نہ ہو جائے بیٹھا جاسکتا ہے پورا کھڑا ہو جانے کی صورت میں بیٹھنا نہیں چاہئے، یہی قول صحیح ہے اور اس کی تائید یہ حدیث بھی کرتی ہے۔

اگر کوئی شخص کھڑا ہونے سے پہلے قعدہ کے لئے بیٹھ جائے گا تو اس کے لئے سجدہ سہو کی ضرورت نہ ہوگی۔ ہاں جو شخص پورا کھڑا ہو جائے گا اور پہلا قعدہ چھوٹ جائے گا تو اس کو سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

اس سلسلہ میں اتنی بات اور جان لیجئے، جب کوئی شخص پہلے قعدہ میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لئے پوری طرح کھڑا ہو جائے تو اس کو بیٹھنا نہیں چاہئے کیونکہ اگر وہ بیٹھ جائے گا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ وَسَلَّمَ فِي ثَلَاثِ رَكَعَاتٍ ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهُ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وَكَانَ فِي يَدَيْهِ طُولٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَذَكَرَ لَهُ صَنِيعَهُ فَخَرَجَ غَضْبَانَ يَجُرُّ رِدَاءَهُ حَتَّى انْتَهَى إِلَى النَّاسِ فَقَالَ أَصَدَقَ هٰذَا قَالُوا نَعَمْ فَصَلَّى رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عمران ابن حصینؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور گھر میں تشریف لے گئے۔ ایک شخص نے کہ جس کا نام خرباق تھا اور اس کے ہاتھ کچھ لمبے تھے (یعنی ذوالیدین) کھڑے ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ" اور انہوں نے (یعنی ذوالیدین) نے واقعہ بیان کیا (یعنی تین رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے کے بارے میں ذکر کیا یہ سن کر؛ آنحضرت ﷺ غصہ میں اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے باہر نکلے اور لوگوں کے پاس (مسجد میں) پہنچے اور فرمایا کہ "کہ کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ

رہے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ "جی ہاں" ! چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت پڑھی، پھر سلام پھیرا اور سہو کے دو سجدے کر کے سلام پھیر دیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ تین رکعت کے بعد سلام پھیر کر گھر تشریف لے گئے اور وہاں سے تشریف لائے، اس عرصہ میں قبلہ کی جانب سے منہ بھی پھرا، گفتگو بھی ہوئی اور بہت زیادہ چلنا ہوا، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے از سر نو نماز نہیں پڑھی بلکہ صرف ایک رکعت جو پڑھنے سے رہ گئی تھی پڑھی، لہٰذا یہ افعال سہواً ہونے کے باوجود (بھی حنفیہ کے مسلک میں چونکہ مفسد نماز ہیں اس لئے حنفیہ کی جانب سے اس حدیث کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ نماز میں گفتگو کی طرح یہ بھی منسوخ ہے یعنی یہ افعال و کلام پہلے نماز میں جائز تھے پھر بعد میں منسوخ ہو گئے۔ اور یہ واقعہ جواز کے منسوخ ہونے سے پہلے کا ہے۔

"خرباق" انہیں ذوالیدینؓ کا نام ہے جن کی حدیث اس سے پہلے (نمبر ۴) گزر چکی ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور وہ واقعہ جو حدیث نمبر ۴ میں ذکر کیا گیا ہے دونوں ایک ہی ہیں لیکن اس حدیث اور حدیث نمبر ۴ میں چونکہ بعض باتوں میں باہم تضاد ہے اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ دنوں ایک ہی واقعہ نہیں ہیں بلکہ الگ الگ واقعے ہیں اور دونوں واقعوں میں آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرنے والے حضرت ذوالیدینؓ ہی تھے۔

اس حدیث کے آخری جملوں سے یہ بات بصراحت معلوم ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے سلام پھیرا پھر سجدہ سہو کیا، اس کے بعد سلام پھیر کر نماز پوری کی، چنانچہ علامہ طیبیؒ نے کہا ہے کہ یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہے کہ ان کے یہاں سلام کے بعد سہو کے دو سجدے زیادتی اور نقصان کے پیش نظر کئے جاتے ہیں اس کے بعد تشہد پڑھا جاتا ہے اور سلام پھیرا جاتا ہے۔

نماز میں کمی کا شک واقع ہو جانے کی صورت میں کیا کیا جائے

(۹) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى صَلَاةً يَشُكُّ فِي النُّقْصَانِ فَلْيُصَلِّ حَتّٰى يَشُكَّ فِي الزِّيَادَةِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ[1] فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس شخص کو نماز پڑھتے ہوئے کمی کا شک ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اور پڑھ لے تاکہ زیادتی کا شک ہو جائے۔" (احمدؒ)

تشریح: مطلب یہی ہے کہ شک واقع ہو جانے کی صورت میں اگر کسی ایک جانب غالب گمان نہ ہو اور شک بھی کمی میں واقع ہو مثلاً چار رکعت والی نماز میں شک ہو جائے کہ نہ معلوم تین پڑھی ہیں یا چار تو ایسے شخص کو چاہئے کہ زیادتی میں شک کرے یعنی کم تر عدد کو اختیار کرے جیسے صورت مذکورہ میں تین رکعت کو اختیار کر کے ایک رکعت اور پڑھ لے تاکہ اب کمی کے شک کے بجائے زیادتی کا شک ہو جائے کہ نہ معلوم چار رکعتیں پڑھی ہیں یا پانچ رکعتیں۔

آنحضرت ﷺ سے نماز میں کتنی جگہوں پر سہو ہوا تھا: نماز میں آنحضرت ﷺ سے چند مواقع پر سہو ہوا تھا۔ ایک قعدہ اول میں سہوا ہوا تھا جیسا کہ عبداللہ ابن بحینہؓ کی روایت نمبر ۵ میں مذکور ہوا۔ دوسرا سہو آخری دونوں رکعتوں میں ہوا تھا۔ جیسا کہ حضرت ذوالیدینؓ کے واقعہ حدیث نمبر ۴ سے معلوم ہوا۔ تیسرا سہو آخری رکعت میں ہوا تھا جیسا کہ خرباقؓ والی حدیث نمبر ۸ میں گذرا اور چوتھا سہو آپ ﷺ کو پانچویں رکعت کی زیادتی میں ہوا تھا جیسا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث نمبر ۳ سے معلوم ہوا۔ لہٰذا علماء مجتہدین نے آنحضرت ﷺ کے عمل پر قیاس کرتے ہوئے یہ کلیہ بنایا کہ اگر نماز میں کسی شخص سے نماز کے واجبات میں سے کسی واجب میں سہو

---

[1] نام عبدالرحمٰن اور کنیت ابومحمد ہے قریش کی ایک شاخ بنو زہرہ میں پیدا ہوئے جن دس صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی ان میں ایک ہیں۔ غزوہ تبوک میں حضورؐ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی ۳۲ھ میں بہتر سال کی عمر میں وفات پائی ۱۲۔

ہو جائے تو اس پر سہو کا سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں جتنی احادیث گزری ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے سہو ہو جانے کی صورت میں بعض موقعوں پر تو سجدہ سہو سلام سے پہلے کیا اور بعض مواقع پر سلام پھیرنے کے بعد کیا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کا عمل چونکہ دونوں طرح تھا اس لئے یہی کہا جائے گا کہ دونوں طریقے جائز ہیں لیکن ائمہ نے اس سلسلہ میں اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق الگ الگ صورت کو مقرر کر دیا ہے۔

سجدہ سہو کے وقت کے بارے میں ائمہ کے مسلک: چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہر موقع پر سجدہ سہو سلام سے پہلے کرنا چاہئے۔ اس طرح وہ ان احادیث کو کہ جن سے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنا ثابت ہوتا ہے ان احادیث پر کہ جن سے سلام کے بعد سجدہ سہو کرنا ثابت ہوتا ہے ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ تمام مواقع پر سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا چاہئے کیونکہ اس کے ثبوت میں بہت زیادہ صحیح احادیث وارد ہیں۔ نیز یہ کہ ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، احمدؒ، اور عبدالرزاقؒ نے ثوبانؓ کی یہ روایت نقل کی ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ہر سہو کے لئے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے ہیں" لہٰذا جب آنحضرت ﷺ کا عمل متضاد مروی ہے کہ کبھی تو آپ ﷺ نے سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کیا ہے اور کبھی سلام پھیرنے کے بعد۔ تو ایسی صورت میں امام اعظمؒ نے آنحضرت ﷺ کے قول کو بطور دلیل اختیار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک قول فعل سے قوی ہے جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس موقع پر آنحضرت ﷺ نے سلام سے پہلے سجدہ کیا ہے اس موقع پر سلام سے پہلے ہی سجدہ کرنا چاہئے اور جس موقع پر آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کیا ہے اس موقع پر سلام پھیر کر ہی سجدہ کیا جائے علماء لکھتے ہیں کہ حضرت امام احمدؒ کا یہ قول سب سے قوی اور بہتر ہے۔

اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ سجدہ سہو کے بارے میں یہ تمام اختلافات کہ سجدہ سلام کے بعد کرنا چاہئے یا پہلے محض فضیلت سے متعلق ہیں یعنی بعض ائمہ کے نزدیک سلام کے بعد سجدہ کرنا زیادہ افضل ہے اور بعض کے نزدیک سلام سے پہلے افضل ہے لیکن جہاں تک جواز کا تعلق ہے تو جیسا کہ ائمہ اربعہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے اس بات پر سب متفق ہیں کہ جائز دونوں طرح ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ "صحیح تر یہ ہے کہ دونوں طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا چاہئے۔

بَابُ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ

قرآن کے سجدوں کا بیان

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق قرآن مجید میں چودہ آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے خواہ سننا قصداً نہ ہو ایک سجدہ واجب ہوتا ہے۔ ان آیتوں کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔ دیگر ائمہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سُنّت ہے۔ سجدہ تلاوت صرف ایک مرتبہ دو تکبیروں کے درمیان (یعنی ایک تکبیر سجدہ میں جاتے وقت اور دوسری تکبیر سجدہ سے اٹھتے وقت) کیا جاتا ہے اس سجدہ کے لئے رفع یدین، تشہد اور سلام کی ضرورت نہیں پڑتی۔

سجدہ تلاوت صحیح ہونے کی وہی سب شرطیں ہیں جو نماز کے صحیح ہونے کی ہیں یعنی طہارت، ستر کی پردہ پوشی، نیت، اور استقبال قبلہ تحریمہ اس میں شرط نہیں۔ اس کی نیت میں آیت کی تعیین شرط نہیں ہے کہ یہ سجدہ فلاں آیت کے سبب سے ہے۔ اور اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھی جائے اور فوراً سجدہ کیا جائے تو نیت بھی شرط نہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

سورۂ نجم کا سجدہ

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ۔ (رواه البخاری)

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "سرور کونین ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں جنوں اور سب آدمیوں نے (بھی) سجدہ کیا۔" (بخاریؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ سورۂ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ "فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا" "سجدہ کرو اللہ کا اور عبادت کرو۔" پر پہنچے تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی فرمانبرداری کی غرض سے سجدہ کیا جب آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو تمام مسلمانوں نے بھی آپ ﷺ کی متابعت میں سجدہ کیا، اسی طرح مشرکین نے بھی جب اپنے بتوں یعنی لات و منات اور عزی کے نام سنے تو انہوں نے بھی سجدہ کیا، یا پھر مشرکوں کے سجدہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں مسجد الحرام کے اندر جب سورۂ نجم کی ان آیتوں۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى۔

"یعنی: بھلا تم لوگوں نے لات و عزی کو دیکھا اور تیسرے منات کو (کہ یہ بت کہیں خدا ہو سکتے ہیں مشرکو!) کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور خدا کے لئے بیٹیاں۔"

کو پڑھنے لگے تو شیطان ملعون نے اپنی آواز کو آنحضرت ﷺ کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ پڑھا

تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔

"یعنی: یہ بت بلند مرغابیاں ہیں اور بیشک ان کی شفاعت امید بخش ہے۔"

مشرکین یہ سمجھے کہ (نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ نے ہمارے بتوں کی تعریف کی ہے اس سے وہ بہت زیادہ خوش ہوئے چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی سجدہ کر ڈالا۔"

بعض مفسرین نے اس موقع پر یہ تفسیر کی ہے کہ یہ الفاظ شیطان نے ادا نہیں کئے تھے بلکہ نعوذ باللہ خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سہواً نکل گئے تھے۔ یہ قول بالکل غلط اور محض ذہنی اختراع ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ شیطان ملعون نے اپنی آواز کو آنحضرت ﷺ کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ الفاظ ادا کر دیئے جس سے مشرکین یہ سمجھ بیٹھے کو خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ الفاظ ادا کر رہے ہیں۔

حدیث میں "مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور سب آدمیوں" سے مراد وہ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت موجود تھے۔ لفظ "اِنْسٌ" تعمیم بعد تخصیص ہے۔

سورۂ انشقاق اور سورۂ علق کے سجدے

② وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔

(رواه مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے سرور کونین ﷺ کے ساتھ (سورۂ انشقاق یعنی اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور (سورۂ علق یعنی) اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں سجدہ کیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا رد ہوتا ہے کہ مفصل میں سجدہ نہیں ہے

سجدہ تلاوت واجب ہے

③ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَا يَجِدُ اَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعًا يَسْجُدُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ سجدہ (کی کوئی آیت) پڑھتے اور ہم آپ ﷺ کے قریب ہوتے تھے تو جب آنحضرت ﷺ سجدہ کرتے ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے اور (اس وقت) ہم لوگوں کا اس قدر اژدحام ہوتا تھا کہ ہم میں سے بعض کو تو اپنی پیشانی ٹیک کر سجدہ کرنے کی جگہ بھی نہیں ملتی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سجدہ کی کوئی آیت تلاوت فرماتے تو اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کے لئے اتنے زیادہ لوگوں کا ہجوم ہو جاتا تھا کہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے بعض لوگوں کو تو آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنا بھی نصیب نہ ہوتا تھا اور وہ پھر بعد میں سجدہ کرتے تھے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہے کیونکہ تلاوت کا سجدہ واجب نہ ہوتا تو لوگ اتنا زیادہ اہتمام، اژدحام کیوں کرتے۔

ایسے موقع پر جب کہ تلاوت کرنے والے کے پاس لوگ بیٹھے ہوں اور اس کی تلاوت سن رہے ہوں تو سجدہ کی کوئی آیت پڑھنے کے بعد سجدہ کرنے کے سلسلے میں سُنّت یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا شخص آگے ہو جائے اور تلاوت سننے والے اس کے پیچھے ہو کر صف باندھیں اس طرح سب لوگ سجدہ کرلیں۔ یہ اقتداء صورۃً ہے حقیقۃً اقتداء نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کا سورۂ نجم میں سجدہ نہ کرنا

④ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت زید ابن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کے سامنے سورۂ نجم تلاوت کی اور آپ ﷺ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کی جانب سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر سورۂ نجم میں سجدہ بیان جواز کے لئے نہیں کیا، حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ مفصّل میں سجدہ نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ نے سجدہ نہیں کیا اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف سے اس حدیث کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر سجدہ یا تو اس لئے نہیں کیا کہ اس وقت آپ ﷺ باوضو نہیں تھے، یا یہ کہ وہ وقت کراہت تھا، یا پھر آپ ﷺ نے سجدہ اس لئے ترک کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سجدہ تلاوت فرض نہیں ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ سجدہ تلاوت فی الفور واجب نہیں ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت تو سجدہ نہ کیا ہو البتہ بعد میں کسی وقت کرلیا ہو۔ لہٰذا اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ سورۂ نجم کا سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ گذر چکا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے اور دوسرے لوگوں نے بھی سورۂ نجم کا سجدہ کیا تھا۔

سورۂ صٓ کا سجدہ

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجْدَةُ صٓ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيْهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَأَسْجُدُ فِيْ صٓ فَقَرَأَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ حَتّٰى اَتٰى فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ اُمِرَ اَنْ يَّقْتَدِيَ بِهِمْ۔ (رواه البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "سورہ ص کا سجدہ بہت تاکیدی سجدوں میں سے نہیں ہے اور میں نے سرور کونین ﷺ کو اس سورۃ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مجاہدؒ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ "کیا میں سورہ ص میں سجدہ کروں" حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ سے فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ پڑھی اور فرمایا "تمہارے نبی ﷺ بھی انھی لوگوں میں سے ہیں جنہیں پہلے نبیوں کی اتباع کا حکم تھا۔" (بخاریؒ)

تشریح: لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ بہت تاکیدی سجدوں میں سے نہیں) کا مطلب فقہ حنفی کی رو سے یہ ہے کہ یہ سجدہ فرائض میں سے نہیں ہے بلکہ واجبات تلاوت میں سے ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ سورۂ ص میں آنحضرت ﷺ کا سجدہ کرنا حضرت داؤد علیہ السلام کی موافقت اور ان کی توبہ کی قبولیت کے شکر کے طور پر تھا۔

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت مجاہدؒ کے سوال کے جواب میں پہلے آیت پڑھی جس سے اس بات کی دلیل دینا مقصود تھا کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں میں سے ہیں کہ جنہیں سابقہ انبیاء کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا حضرت ابن عباسؓ کے جواب کے مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے تو تمہیں بطریق اولیٰ ان کی پیروی کرنی چاہئے یعنی جب حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا اور آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی موافقت و پیروی میں سجدہ کیا تو ہم کو چاہئے کہ ہم بھی سجدہ کریں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

قرآن میں کل کتنے سجدے ہیں؟

⑥ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَقْرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِي الْقُرْاٰنِ مِنْهَا ثَلَاثٌ فِي الْمُفَصَّلِ وَفِيْ سُوْرَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ۔ (رواه ابوداؤد و ابن ماجة)

"حضرت عمرو ابن العاصؓ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے انہیں (یعنی عمرو ابن العاص کو) قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین تو مفصل (سورتوں میں ہیں اور دو سجدے سورہ حج میں ہیں۔" (ابو داؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: مشکوۃ کے بعض نسخوں میں لفظ اقراء کے بجائے لفظ اقراء نی ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے سامنے پڑھوں۔ اس حدیث کے مطابق قرآن کریم کی پندرہ آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے ایک سجدہ واجب ہوتا ہے۔ آیتوں کی تفصیل یہ ہے:

❶ سورہ اعراف کے آخر میں یہ آیت:

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ۔

"بیشک[1] جو لوگ (یعنی فرشتے) تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے غرور اور انکار نہیں کرتے اور اس کا سجدہ کرتے ہیں۔"

❷ سورۂ رعد کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔

"وہ تمام[2] چیزیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں خوشی سے، کوئی ناخوشی سے اور ان کے سایہ صبح و شام۔"

❸ سورۂ نحل کے پانچویں رکوع کے آخر کی یہ آیت:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔

"اور تمام[3] جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب خدا کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی، اور وہ ذرا بھی غرور نہیں کرتے اور اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں نیز انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔"

❹ سورۂ بنی اسرائیل کے بارھویں رکوع میں یہ آیت:

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۔

"اور وہ[4] منہ کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اس سے ان کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے (یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ سے پہلے ایماندار لوگ تھے)۔"

❺ سورۂ مریم کے چوتھے رکوع میں یہ آیت:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا۔

"جب[5] پڑھی جاتی ہیں ان پر رحمٰن کی آیتیں تو گرتے ہیں وہ سجدہ کرنے کے لئے روتے ہوئے (یہ انبیاء اور ان کے اصحاب کا حال بیان کیا گیا ہے)۔"

❻ سورۂ حج کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۔

"کیا تم[6] نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے آدمی ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے اور جس شخص کو خدا ذلیل کرے اس کو کوئی

---

[1] اس آیت میں وله يسجدون پر سجدہ ہے۔
[2] اس آیت میں بالغدو والاصال پر سجدہ ہے۔
[3] اس آیت میں ويفعلون ما يؤمرون پر سجدہ ہے۔
[4] اس آیت میں ويزيدهم خشوعا پر سجدہ ہے۔
[5] اس آیت میں سجّدا وبكيا پر سجدہ ہے۔
[6] اس آیت میں يسجد له پر سجدہ ہے مگر پوری آیت پڑھنے کے بعد سجدہ ہے۔

عزت دینے والا نہیں، بے شک خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

❼ سورۂ حج کے آخری رکوع کی یہ آیت:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

"اے[1] ایمان والو! رکوع کرتے اور سجدہ کرتے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور نیک کام کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

❽ سورۂ فرقان کے پانچویں رکوع کی یہ آیت:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا۔

"اور جب[2] ان (عرب کے کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ سجدہ کرو رحمٰن کا تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے۔ کیا ہم سجدہ کرلیں اس کو جس کو تم کہتے ہو اور ہم کو نفرت بڑھتی ہے۔"

❾ سورۂ نمل کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۞ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔

"اور[3] نہیں سمجھتے کہ خدا کو جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور تمہارے پوشیدہ وظاہر اعمال کو جانتا ہے کیوں سجدہ نہ کریں؟ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔"

❿ سورۂ الم تنزیل السجدہ کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔

"ہماری آیتوں[4] پر وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں کہ جب انہیں وہ آیتیں یاد دلائی جائیں تو سجدہ کرنے کے لئے گر جائیں اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کریں اور یہ لوگ غرور نہیں کرتے۔"

⓫ سورۂ ص کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ۔

"اور[5] (داؤد علیہ السلام) گر پڑے سجدہ کے لئے اور توبہ کی۔ پس ہم نے ان کو بخش دیا اور بے شک ہمارے یہاں ان کا تقرب ہے اور عمدہ مقام ہے۔"

⓬ سورۂ حم سجدہ کے پانچویں رکوع میں یہ آیت:

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ۔

---

[1] اس آیت میں لعلکم تفلحون پر سجدہ ہے۔
[2] اس آیت میں وزادھم نفورا پر سجدہ ہے۔
[3] اس آیت میں حضرت سلیمان کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور یہاں رب العرش العظیم اور بعض کے نزدیک لعلکم تغلبون پر سجدہ ہے۔
[4] اس آیت میں لا یستکبرون پر سجدہ ہے۔
[5] اس آیت میں وحسن ماب پر سجدہ ہے۔

"اگر یہ[1] لوگ سرکشی کریں تو (خدا کو بھی ان کی پرواہ نہیں) جو (فرشتے) تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور کبھی تھکتے ہی نہیں۔"

⑬ سورہ نجم کے آخر میں یہ آیت:

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا۔

"سجدہ[2] کرو اللہ کا اور عبادت کرو۔"

⑭ سورۂ انشقت میں یہ آیت:

فَمَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ۔

"تو ان[3] لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔"

⑮ سورۂ اقرأ میں یہ آیت:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔

"(اے محمدؐ!) سجدہ[4] کیجئے اور اللہ سے نزدیک ہو جائیے۔"

ائمہ کے ہاں سجدوں کی تعداد: ائمہ کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں کل کتنی آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے یا سننے سے ایک سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت امام احمدؒ نے اس حدیث کے مطابق کہا ہے کہ ایسی آیتیں پندرہ ہیں جن کی تفصیل اوپر کی گئی چنانچہ انہوں نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے یہاں آیت سجدہ کی تعداد چودہ ہے۔ اس طرح کہ سورۂ حج میں تو دو سجدے ہیں اور سورۂ ص میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے یہاں آیت سجدہ کی تعداد گیارہ ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ سورۂ ص، سورۂ نجم، سورۂ انشقت اور سورۂ اقرأ میں سجدہ نہیں ہے حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کل سجدوں کی تعداد چودہ ہے اس طرح کہ سورۂ حج میں دو سجدے نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سجدہ ہے جو دوسرے رکوع میں ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو ابن العاص کی یہ حدیث جس سے سجدوں کی تعداد پندرہ ثابت ہوتی ہے ضعیف ہے اور اس کو دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس کے بعض راوی مجہول ہیں۔

نماز میں بھی سجدۂ تلاوت کرنا چاہئے: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز فرض اور نماز نفل میں اگر کوئی آیت سجدہ کی قرأت کی جائے تو نماز ہی میں سجدہ کیا جائے یعنی جو سجدۂ تلاوت نماز میں واجب ہوا سے خارج نماز میں ادا نہ کیا جائے۔ آیت سجدہ اگر فرض نماز میں پڑھی جائے تو اس کے سجدہ میں نماز کے سجدہ کی طرح سبحان ربی الاعلی کہنا ہی بہتر ہے اور اگر نفل نماز میں یا خارج نماز میں پڑھی جائے تو اس کے سجدہ میں اختیار ہے کہ سبحان ربی الاعلی کہا جائے یا اور تسبیحیں جو احادیث میں وارد ہوئی پڑھی جائیں مثلاً یہ تسبیح:

---

[1] اس آیت میں لا یسئمون پر سجدہ ہے یا تعبدون پر ہے۔
[2] اس آیت میں واعبدوا پر سجدہ ہے۔
[3] اس آیت میں لا یسجدون پر سجدہ ہے۔
[4] اس آیت میں واقترب پر سجدہ ہے۔

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

"میرے منہ نے اس ذات کا سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا جس نے اسی کو بنایا اور اس میں کان و آنکھ پیدا کیں اپنی طاقت اور قوت سے پس بزرگ ہے اللہ اچھا پیدا کرنے والا ہے۔"

نماز میں آخر سورۃ میں سجدہ کی آیت آجانے کا مسئلہ: بعض علماء کا یہ قول ہے کہ نماز میں سجدہ کی جو آیت آخر سورۃ میں آجائے تو رکوع کرنا ہی سجدہ کے لئے کافی ہو جاتا ہے یعنی رکوع کرنے میں سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو جاتا ہے۔ یہ قول حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ہے اور یہی مسلک حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ اگر آیت سجدہ نماز میں پڑھی جائے اور فوراً رکوع کیا جائے یا آیت سجدہ کے بعد دو تین آیتیں پڑھ کر رکوع کر لیا جائے اور اس رکوع میں جھکتے وقت سجدۂ تلاوت کی بھی نیت کر لی جائے تو سجدہ ادا ہو جائے گا اور اگر اسی طرح آیت سجدہ پڑھنے کے بعد نماز کا سجدہ کیا تب بھی سجدہ ادا ہو جائے گا اور اس میں نیت کی بھی ضرورت نہ ہوگی مگر شرط یہی ہے کہ ہر دو صورت میں آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ قرأت نہ کی گئی ہو کیونکہ تین آیتوں کے پڑھنے میں تو اختلاف بھی ہے مگر یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ تین سے زیادہ آیتیں پڑھنے کی صورت میں نماز کے رکوع یا سجود میں سجدۂ تلاوت ادا نہیں ہوگا بلکہ الگ سے سجدۂ تلاوت کرنا ضروری ہوگا۔

دو سجدوں کی وجہ سے سورۂ حج کی فضیلت

(۷) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فُضِّلَتْ سُوْرَةُ الْحَجِّ بِاَنَّ فِيْهَا سَجْدَتَيْنِ قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ هُمَا فَلَا يَقْرَأْهُمَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَفِي الْمَصَابِيْحِ فَلَا يَقْرَأْهَا كَمَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔ (رواہ ابوداؤد، والترمذی)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! سورۂ حج کو اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! جو شخص دونوں سجدے نہ کرے تو وہ ان دونوں سجدوں کی آیتوں کو نہ پڑھے۔" (ابوداؤد" ترمذی") امام ترمذی" فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے اور مصابیح میں مثل شرح السنۃ کے فلا یقراھما (تو وہ دونوں سجدوں کی آیتوں کو نہ پڑھے) کے بجائے فَلَا يَقْرَأْهَا (تو وہ اس سورۃ کو نہ پڑھے) کے الفاظ ہیں۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص سجدے کی ان دونوں آیتوں کو نہ پڑھے تو اسے وہ آیتیں ہی نہ پڑھنی چاہئیں تاکہ وہ ترک واجب کا گنہگار نہ ہو یعنی قرآن کریم پڑھنے والے کے حق میں سجدہ کی آیت کی تلاوت کی وجہ سے ایک سجدہ مشروع ہوا ہے اور سجدۂ تلاوت کرنا تلاوت کے حقوق میں سے ہے لہٰذا اگر کوئی شخص سجدۂ تلاوت کو ترک کرنے کے درپے ہو تو اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ ان آیتوں ہی کو نہ پڑھے جن کی وجہ سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے کیونکہ سجدہ واجب ہے اور اس کو چھوڑنے والا گنہگار ہوتا ہے اس لئے ترک سجدہ سے ترک تلاوت اولیٰ ہے۔

مشکوٰۃ کے ایک دوسرے صحیح نسخہ میں بجائے فَلَا يَقْرَأْهُمَا کے فَلَمْ يَقْرَأْهَا کے الفاظ ہیں اس طرح آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے وہ دونوں سجدے نہ کئے گویا اس نے انہیں پڑھا ہی نہیں یعنی جب اس نے اس آیت کے تقاضا پر عمل نہ کیا تو اس کا پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سورۂ حج کا دوسرا سجدہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ" کے نزدیک واجب نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ سجدہ نماز کا ہے کیونکہ وہاں لفظ "ارکعوا" کا مذکور ہونا اس بات کا قرینہ ہے۔

امام ترمذیؒ نے آخر میں ھٰذَا حَدِیْثٌ لَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِالْقَوِیِّ کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

سورۂ الم تنزیل السجدہ کا سجدہ

⑧ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِیْ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ ثُمَّ قَامَ فَرَکَعَ فَرَأَوْا اَنَّہٗ قَرَأَ تَنْزِیْلَ السَّجْدَۃِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کونین ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا اور کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا اور لوگوں کو یہ گمان تھا کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ آلم تنزیل السجدہ پڑھی ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: صحابہؓ نے محض سجدے سے معلوم نہیں کیا تھا کہ آپ ﷺ نے سورہ آلم تنزیل السجدہ پڑھی ہے بلکہ سورت کی ایک آیت آنحضرت ﷺ سے سنی ہوگی اس سے انہیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ آپ ﷺ یہ سورہ پڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ (آہستہ آواز سے پڑھی جانے والی نمازوں میں) کبھی کبھی ایک آیت باآواز بلند بھی پڑھ دیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں سورۃ کی قرأت ہو رہی ہے یا یہ کہ انتہائی شوق اور حضور قلب کی وجہ سے بے اختیار آپ ﷺ کی لسان مقدس سے کوئی آیت باآواز بلند جاری ہو جاتی تھی۔

بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے آیت سجدہ پڑھ کر جب سجدہ کیا اور سجدہ سے اٹھے تو بقیہ سورۃ پوری نہیں کی بلکہ رکوع میں چلے گئے چنانچہ یہ جائز ہے اگرچہ افضل یہی ہے کہ سجدے سے اٹھ کر بقیہ سورۂ پوری کی جائے اس کے بعد رکوع کیا جائے لہٰذا یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا بیان جواز کی خاطر کیا ہو باوجودیکہ نص سے بصراحت تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے بقیہ سورہ پوری نہیں کی اور رکوع میں چلے گئے تاہم بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے محض رکوع پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مستقلاً سجدہ کیا جیسا کہ حنفیہ کے یہاں ایسی صورت میں رکوع ہی میں سجد ادا ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ افضل اور اولیٰ چونکہ سجدہ کر لینا ہی ہے اسلئے آپ ﷺ نے افضل طریقہ کو اختیار فرمایا۔

سجدۂ تلاوت قاری اور سامع دونوں پر واجب ہوتا ہے

⑨ وَعَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ عَلَیْنَا الْقُرْاٰنَ فَاِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَۃِ کَبَّرَ وَسَجَدْنَا مَعَہٗ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ ہمارے سامنے قرآن کریم پڑھتے اور جب آیت سجدہ کی کسی آیت پر پہنچتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے تھے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوگئی کہ سجدۂ تلاوت قاری (یعنی قرآن کریم پڑھنے والے) اور سامع (یعنی تلاوت سننے والے) دونوں پر واجب ہے۔

صرف سجدہ کے وقت تکبیر کہنی چاہئے: یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سجدۂ تلاوت کے لئے تکبیر صرف سجدہ میں جاتے وقت کہنی چاہئے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا اسی پر عمل ہے۔

البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ جب کوئی شخص سجدۂ تلاوت کرے تو اسے پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہنی چاہئے اس کے بعد سجدہ کے لئے دوسری تکبیر کہے حضرت عائشہؓ کی ایک روایت کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ سجدۂ تلاوت کے وقت پہلے کھڑے ہونا اور اس کے بعد سجدہ میں جانا مستحب ہے۔

⑩ وَعَنْهُ اَنَّهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَعَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْهُمُ الرَّاكِبُ وَالسَّاجِدُ عَلَى الْاَرْضِ حَتّٰى اَنَّ الرَّاكِبَ لَيَسْجُدُ عَلٰى يَدِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فتح مکہ کے سال (کوئی) آیت سجدہ پڑھی چنانچہ تمام لوگوں نے (آنحضرت ﷺ کے ساتھ) سجدۂ تلاوت کیا سجدہ کرنے والوں میں بعض تو سواریوں پر تھے اور بعض زمین پر تھے سواریوں والے اپنے ہاتھ ہی پر سجدہ کرتے تھے۔" (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے یا تو آیت سجدہ کے ساتھ کچھ اور آیتیں بھی ملا کر پڑھی ہوں گی یا پھر محض آیت سجدہ بیان جواز کے لئے پڑھی ہوگی، کیونکہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق صرف آیت سجدہ کی تلاوت کرنا خلاف استحباب ہے۔

"سواریوں والے اپنے ہاتھ ہی پر سجدہ کرتے تھے" کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی سواریوں مثلاً گھوڑے وغیرہ پر بیٹھے ہوئے تھے وہ اپنے ہاتھوں کو زین وغیرہ پر رکھ کر ان پر سجدہ کرتے تھے اس طرح انہیں حالت سجدہ میں زمین کی سی سختی حاصل ہو جاتی تھی۔

حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص گردن جھکا کر اپنے ہاتھوں پر سجدہ کرے تو اس کا سجدہ جائز ہو جائے گا اور یہی قول حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ہے البتہ حضرت امام شافعیؒ کا یہ قول نہیں ہے۔

ابن ملکؒ نے حضرت امام اعظمؒ کا جو یہ قول ذکر کیا ہے یہ ان کے مسلک میں غیر مشہور ہے چنانچہ شرح منیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ہجوم و اژدہام کی وجہ سے اپنی ران پر سجدہ کرلے تو جائز ہوگا اسی طرح ران کے علاوہ کسی دوسرے عضو پر بھی سجدہ کرنا جائز ہے جب کہ اسے کوئی ایسا عذر پیش ہو جو سجدہ کرنے سے مانع ہو، بغیر عذر ایسا کرنا جائز نہ ہوگا نیز اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر اس پر سجدہ کر لے تو اگرچہ اسے کوئی عذر نہ ہو یہ جائز ہے مگر مکروہ ہوگا۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو سجدہ کی کوئی آیت پڑھے اور سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے سجدہ کا اشارہ کر لینا کافی ہوگا۔

آنحضرت کا مفصل سورتوں میں سجدہ نہ کرنا

⑪ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْجُدْ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ مدینہ تشریف لانے کے بعد مفصل سورتوں میں سے کسی سورۃ میں سجدہ نہیں کیا۔" (ابوداؤد)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مکہ میں تو مفصل سورتوں میں سجدۂ تلاوت کیا اور ان کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی کیا مگر جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو یہاں مفصل سورتوں میں سجدۂ تلاوت نہیں کیا۔

ابوہریرہؓ کی حدیث سے تعارض: اس حدیث سے تو بصراحت یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں مفصل سورتوں میں سجدۂ تلاوت نہیں کیا حالانکہ اس سے پہلے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نمبر ایک گزر چکی ہے کہ جس میں ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ میں سجدہ کیا ہے لہٰذا اب جب کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض پیدا ہو گیا تو ان میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینا ہوگا اور راجح حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہوگی کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ مدینہ میں سات ہجری میں اسلام لائے اور ظاہر ہے کہ ان کی روایت کا تعلق مدینہ ہی سے ہے اور فنی طور پر بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت صحیح تر ہے پھر یہ کہ ان کے علاوہ بہت زیادہ صحابہؓ کی روایت ہے کہ مفصل سورتوں میں سجدہ ہے نیز اصول ہے کہ مثبت پہلو منفی پہلو پر فوقیت رکھتا

ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے منفی پہلو ثابت ہوتا ہے جب کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت مثبت پہلو کو ظاہر کر رہی ہے۔

لہٰذا حاصل یہ نکلا کہ مفصّل سورتوں میں آنحضرت ﷺ کا سجدہ کرنا ثابت ہے اس لئے ان سورتوں میں سجدہ کی جو آیتیں ہیں ان کی تلاوت یا سماعت پر سجدہ کرنا چاہئے۔

مفصّل چھوٹی سورتوں کو کہتے ہیں کہ وہ سورہ حجرات سے آخر تک ہیں۔

سجدۂ تلاوت کی تسبیح

⑫ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ رات کو قرآن کے سجدوں میں یہ تسبیح پڑھتے تھے۔ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ میرے منہ نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اپنی قوت وقدرت سے کان اور آنکھیں بنائیں (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اور حضرت امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ "حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: رات کی قید اتفاقی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ تسبیح رات ہی میں سنی ہوگی چنانچہ اسی کو بیان کیا ورنہ تو رات یا دن کی قید کے بغیر مطلقاً طور پر بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ تسبیح سجدۂ تلاوت میں پڑھتے تھے نیز بعض روایات میں یہ تسبیح بھی منقول ہے۔

رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ۔

"میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا مجھے بخش دے۔"

حنفیہ کا صحیح مسلک یہ ہے سجدۂ تلاوت میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا کافی ہے جیسا کہ نماز کے سجدوں میں پڑھتے ہیں لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ سجدۂ تلاوت کے جو تسبیحیں ثابت ہوئی ہیں ان کا پڑھنا اولیٰ ہے۔

⑬ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْتُنِي اللَّيْلَةَ وَاَنَا نَائِمٌ كَاَنِّيْ اُصَلِّيْ خَلْفَ شَجَرَةٍ فَسَجَدْتُ فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُوْدِيْ فَسَمِعْتُهَا تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَرَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجْدَةً ثُمَّ سَجَدَ فَسَمِعْتُهٗ وَهُوَ يَقُوْلُ مِثْلَ مَا اَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَتَقَبَّلْهَا كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔ (ترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک شخص سرور کونین ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آج رات خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ گویا ایک درخت کے نیچے میں نماز پڑھ رہا ہوں اور یہ بھی دیکھا کہ جب میں نے سجدۂ تلاوت کیا تو اس درخت نے بھی میرے ساتھ سجدے کے وقت سجدہ کیا تو میں نے یہ سنا کہ وہ درخت یہ دعا پڑھتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ اے اللہ! میرے لئے اس سجدے کا ثواب اپنے پاس رکھ اور اس کیوجہ سے میرے گناہ معاف فرما اور اس سجدے کو میرے واسطے خیر بنا کر اپنے پاس رکھ اور میرے اس سجدہ کو ایسا قبول کر جیسا اپنے بندے داؤد سے قبول کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعا پڑھنے کی غرض سے اسی مجلس میں یا بعد میں سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدۂ تلاوت کیا اور میں نے آپ ﷺ کو (دعا کے) وہی کلمات کہتے ہوئے

نے جو اس آدمی نے درخت سے نقل کئے تھے یعنی آپ ﷺ نے وہی دعا پڑھی۔" (ترمذی)

اس روایت کو ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے مگر ان کی روایت میں وَّتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ کے الفاظ نہیں ہیں نیز امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے سورۂ صٓ کے سجدہ کی آیت پڑھی ہوگی اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں ہے کہ آپ ﷺ نے بھی یا تو سورۂ صٓ ہی کے سجدہ کی آیت پڑھی ہوگی یا پھر سورۂ سجدہ کی تلاوت کی ہوگی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

سورۂ والنجم کا سجدہ

⑭ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ وَالنَّجْمِ فَسَجَدَ فِيْهَا وَسَجَدَ مَنْ كَانَ مَعَهٗ غَيْرَ اَنَّ شَيْخًا مِنْ قُرَيْشٍ اَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى اَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰى جَبْهَتِهٖ وَقَالَ يَكْفِيْنِيْ هٰذَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ وَهُوَ اُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ۔

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ایک روز سورۂ والنجم کی تلاوت فرمائی اور اس میں سجدہ کیا آپ ﷺ کے پاس جو لوگ تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا۔ مگر قریش کے ایک بوڑھے نے کنکریاں یا مٹی کی ایک مٹھی لے کر اپنی پیشانی پر لگالی اور بولا کہ میرے لئے یہی کافی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کے بعد دیکھا کہ وہ شخص کفر کی حالت میں مارا گیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ) اور بخاریؒ نے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "وہ بوڑھا امیہ بن خلف تھا۔"

تشریح: یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے امیہ بن خلف قریش کا ایک معزز سردار اور ذی اثر فرد تھا اسلام اور آنحضرت ﷺ کے خلاف کی جانے والی تمام سازشوں میں اس کا پارٹ بڑا اہم ہوتا تھا اسے اپنی بڑائی پر بڑا ناز تھا، چنانچہ اس موقع پر جب کہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مجلس میں موجود تمام ہی اشخاص نے کیا مسلمان اور کیا کفار جب آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سجدہ کیا تو اس شخص نے ازراہ غرور و تکبر سجدہ نہیں کیا بلکہ یہ حرکت کی کہ کنکری یا مٹی کی ایک مٹھی لے کر اسے پیشانی سے لگالیا۔

سورۂ صٓ کا سجدہ

⑮ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِيْ صٓ وَقَالَ سَجَدَهَا دَاوٗدُ تَوْبَةً وَنَسْجُدُهَا شُكْرًا۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے سورۂ صٓ میں سجدہ کیا اور فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سورۂ صٓ کا یہ سجدہ توبہ کی قبولیت کے لئے کیا تھا (جس کی تفصیل سورۂ صٓ میں مذکور ہے) اور ہم یہ سجدہ (ان کی قبولیت پر) شکر گزاری کے لئے کرتے ہیں۔" (نسائیؒ)

بَابُ اَوْقَاتِ النَّهْيِ

ان اوقات کا بیان جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے

اس باب کے تحت وہ احادیث نقل کی جائیں گی جو اوقات نہی کو ظاہر کرتی ہیں یعنی جن اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ لہٰذا یہ باب

ان تینوں اوقات کو شامل ہے جن میں نماز حرام ہے جیسے طلوع آفتاب کا وقت، غروب آفتاب کا وقت اور استواء کا وقت یعنی نصف النہار کا وقت اور ان اوقات کو بھی شامل ہے جیسے فجر[1] اور عصر کی نماز کے بعد کا وقت۔

حنفیہ کے مسلک میں یہ نہی فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے چنانچہ پہلے تینوں اوقات یعنی طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور استواء کے وقت نماز جائز نہیں ہے خواہ ادا ہو یا قضا البتہ اسی دن کے عصر کی نماز جائز ہے اسی طرح نہ جنازہ کی نماز جائز ہے اور نہ تلاوت کا سجدہ جائز ہے ہاں اس جنازہ کی نماز جائز ہوگی جو انہیں اوقات میں لایا گیا ہو اسی طرح وہ سجدہ تلاوت جائز ہوگا جب آیت سجدہ انہیں اوقات میں پڑھی گئی ہو۔ تاہم ان اوقات سے مؤخر کرنا اولیٰ ہوگا۔

نماز جنازہ سجدہ تلاوت اور قضا نماز فجر کے پورے وقت میں اور عصر کی نماز کے بعد بھی جائز ہے نفل نماز ان اوقات میں بھی مکروہ ہے اگر کوئی شخص ان اوقات میں نفل نماز شروع کر دے گا وہ لازم ہو جائے گی یعنی اس وقت سے اسے نماز توڑ دینی چاہئے اور پھر وقت مکروہ کے نکل جانے کے بعد اس کی قضا پڑھنی چاہئے اور اگر کوئی شخص نماز توڑے نہیں بلکہ اسی وقت پوری کرے تو وہ اس سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے مگر نماز توڑ دینا ہی افضل ہے۔

حضرت امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ان اوقات میں قضا نماز اور اس جنازہ کی نماز جو اسی وقت لایا گیا ہو جائز ہے نیز تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنی بھی جائز ہے اگر اتفاق سے مسجد میں داخل ہو جائے اور اگر کوئی شخص قصداً تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنے کی خاطر مسجد میں ان اوقات میں آئے یا قضا نماز میں تاخیر اس مقصد سے کرے کہ انہیں اوقات میں پڑھے تو اس صورت میں جائز نہیں کیونکہ ان اوقات میں قصداً یہ نمازیں پڑھنا حدیث کے بموجب ممنوع ہے اسی طرح ان کے نزدیک ان اوقات میں کسوف کی نماز وضو کے بعد کی دو رکعت نماز اور احرام و طواف کی دو رکعت نماز نیز سجدہ تلاوت جس کی آیت انہیں اوقات میں پڑھی جائے جائز ہے۔

ان اوقات میں نماز پڑھنے کی کراہت حنفیہ کے نزدیک ہر زمانہ اور ہر جگہ ہے لیکن حضرت امام شافعی اور ان علماء کے نزدیک جو حضرت امام شافعی کے ساتھ ہیں جمعہ کے روز استواء یعنی نصف النہار کے وقت نماز جائز ہے نیز ان اوقات میں مکہ معظمہ میں بھی نماز جائز ہے۔

اتنی بات سمجھ لیجئے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک اس سلسلہ میں احوط (یعنی احتیاط پسندی پر مبنی) ہے کیونکہ جب کسی چیز کے بارے میں مباح اور حرام دونوں کے دلائل متعارض ہوں تو حرمت کے پہلو کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَحَرَّىٰ اَحَدُكُمْ فَيُصَلِّيْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلَاةَ حَتّٰى تَبْرُزَ فَاِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى تَغِيْبَ وَلَا تَحَيَّنُوْا بِصَلٰوتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطٰنِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص آفتاب کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت نماز پڑھنے کا قصد نہ کرے۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو نماز چھوڑ دو یہاں تک کہ سورج خوب

---

[1] طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک فجر کے پورے وقت میں فجر کی دو سنتوں کے علاوہ دوسرے نوافل مکروہ ہیں البتہ فرض و واجب کی قضا پڑھی جا سکتی ہے مگر عصر کا پورا وقت مکروہ نہیں بلکہ فرض نماز کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے البتہ فرض و واجب کی قضا فرض عصر کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ظاہر ہو جائے یعنی (ایک نیزہ کے بقدر بلند ہو جائے) نیز جب سورج کا کنارہ ڈوب جائے تو مطلقاً کوئی بھی نماز خواہ فرض ہو یا نفل چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ بالکل غروب ہو جائے اور آفتاب کے طلوع ہونے و غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرو اس لئے کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ "قصد نہ کرے" سے حضرت امام شافعیؒ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان اوقات میں قصداً تحیۃ المسجد اور قضا کی نماز پڑھے گا تو اس حدیث کی رو سے خلاف کرے گا ہاں اگر کوئی شخص اتفاقاً پڑھ لے تو جائز ہو گا لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث کا مقصد مطلق طور پر ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کرنا ہے اس میں قصداً یا اتفاقاً کی قید لگانا حدیث کے منشاء کے خلاف ہے۔

شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان آفتاب نکلنے کا مطلب: "شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان آفتاب نکلنے کا مطلب اس کے سر کے دونوں جانبوں کے درمیان آفتاب کا نکلنا ہے یعنی شیطان طلوع آفتاب کے وقت آفتاب کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ آفتاب اس کے سر کے دونوں جانبوں کے درمیان نکلے اور اس حرکت سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ آفتاب کو پوجتے ہیں شیطان ان کا قبلہ بن جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے تاکہ خدا کے ان باغیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔"

وہ تین اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے

(۲) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا اَنْ نُصَلِّيَ فِيْهِنَّ اَوْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ وَحِيْنَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ تین وقتوں میں نماز پڑھنے اور اپنے مردوں کو دفن کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اول آفتاب نکلنے کے وقت یہاں تک کہ بلند ہو جائے، دوسرے دوپہر کا سایہ قائم ہونے "یعنی نصف النہار" کے وقت یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جائے اور تیسرے اس وقت جبکہ آفتاب ڈوبنے لگے یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "مردوں کو دفن کرنے" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان اوقات میں مردے دفن نہ کئے جائیں بلکہ اس کا مطلب جنازہ کی نماز سے منع کرنا ہے کیونکہ مردے ہر وقت دفن کئے جا سکتے ہیں۔

فجر و عصر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھنی چاہئے

(۳) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا صبح (کی نماز) کے بعد اس وقت تک کہ (بقدر نیزہ) آفتاب بلند نہ ہو جائے کوئی نماز نہیں اور عصر کی نماز کے بعد اس وقت تک کہ آفتاب چھپ نہ جائے کوئی نماز نہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: یہاں نفی سے مراد نماز کے کمال کی نفی ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنا حرام نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔

نماز کے اوقات

(۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ فَقَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ صَلِّ صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حِيْنَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ

لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَإِذَا اَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَالْوُضُوْءَ حَدِّثْنِيْ عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ يُقَرِّبُ وَضُوْءَهُ فَيُمَضْمِضُ وَيَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَنْثِرُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ وَفِيْهِ وَخَيَاشِيْمِهٖ ثُمَّ اِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ مِنْ اَطْرَافِ لِحْيَتِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهٗ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهٖ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ فَإِنْ هُوَ قَامَ فَصَلّٰى فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَمَجَّدَهٗ بِالَّذِيْ هُوَ لَهٗ اَهْلٌ وَفَرَّغَ قَلْبَهٗ لِلّٰهِ اِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرو ابن عبسہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں بھی مدینہ آیا اور آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یہ یارسول اللہ مجھے نماز کے اوقات بتا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "صبح کی نماز پڑھو اور پھر نماز سے رک جاؤ جب تک کہ آفتاب طلوع ہو کر بلند نہ ہو جائے اس لئے کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے اور اس وقت کافر (یعنی سورج کو پوجنے والے) اس کو سجدہ کرتے ہیں پھر (اشراق کی) نماز پڑھو کیونکہ اس وقت کی نماز مشہودہ ہے (یعنی فرشتے نمازی کی گواہی دیتے ہیں) اور اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں یہاں تک کہ (جب) سایہ نیزہ پر چڑھ جائے اور زمین پر نہ پڑے (یعنی ٹھیک دوپہر ہو جائے) تو نماز سے رک جاؤ کیونکہ اس وقت دوزخ جھونکی جاتی ہے، پھر جب سایہ ڈھل جائے تو (ظہر کے فرض اور جو چاہو نفل) نماز پڑھو کیونکہ یہ وقت فرشتوں کے شہادت دینے اور حاضری کا ہے یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھ لو پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے کیونکہ آفتاب شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کفار (یعنی آفتاب کو پوجنے والے) اس کی طرف سجدہ کرتے ہیں" حضرت عمرو ابن عبسہ فرماتے ہیں کہ میں نے (پھر) عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! وضو (کی فضیلت) کے متعلق (بھی) بتا دیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جو شخص وضو کا پانی لے اور (نیت کرنے، اور بسم اللہ پڑھنے اور دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھونے کے بعد) کلی کرے اور ناک میں پانی دے کر اس کے چہرے (کے اندر) کے منہ کے اور ناک کے نتھنوں کے (صغیرہ) گناہ جھڑ جاتے ہیں پھر جب وہ اپنے چہرے کو خدا کے حکم کے مطابق دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے گناہ اس کی داڑھی کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور جب وہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھوں کے گناہ اس کی انگلیوں کے سرے سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور جب وہ اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوتا ہے تو اس کے دونوں پیروں کے گناہ اس کی انگلیوں کے سرے سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور پھر (وضو سے فارغ ہو کر) جب وہ کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے نیز (نماز کے بعد) اللہ کی تعریف کرتا ہے ثنا بیان کرتا ہے (یعنی ذکر اللہ بہت زیادہ کرتا ہے) اور اسے اس بزرگی کے ساتھ جس کا وہ لائق ہے یاد کرتا ہے اور اپنے دل کو اللہ کے لئے فارغ (یعنی اس کی طرف متوجہ) کرتا ہے تو وہ (نماز کے بعد) گناہوں سے ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے گویا اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے الفاظ "جب سایہ نیزہ پر چڑھ جائے اور زمین پر نہ پڑے" کا تعلق مکہ و مدینہ اور ان کے گرد و نواح سے ہے کیونکہ ان مقامات پر بڑے دنوں میں عین نصف النہار کے وقت سایہ زمین پر بالکل نہیں پڑتا۔

حدیث کے آخری الفاظ سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں گناہ بخش دئے جاتے ہیں تو اس سلسلہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ صغیرہ گناہ تو ضرور ہی بخش دیتے ہیں البتہ کبیرہ گناہوں کی بخشش کا انحصار حق تعالیٰ کی مشیت اور اس کی مرضی پر ہے کہ چاہے تو وہ کبیرہ گناہ بھی اپنے فضل و کرم سے بخش سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا

⑤ وَعَنْ كُرَيْبٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الْاَزْهَرِ اَرْسَلُوْهُ اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالُوْا اقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَبَلَّغْتُهَا مَا اَرْسَلُوْنِي فَقَالَتْ سَلْ اُمَّ سَلَمَةَ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِمْ فَرَدُّوْنِي اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْهُمَا ثُمَّ رَاَيْتُهُ يُصَلِّيْهِمَا ثُمَّ دَخَلَ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُوْلِي لَهُ تَقُوْلُ اُمُّ سَلَمَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُكَ تَنْهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ وَاَرَاكَ تُصَلِّيْهِمَا قَالَ يَا ابْنَتَ اَبِي اُمَيَّةَ سَاَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَاِنَّهُ اَتَانِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِالْقَيْسِ فَشَغَلُوْنِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت کریبؓ (حضرت ابن عباسؓ کے خادم) راوی ہیں کہ حضرت ابن عباس، مسور ابن مخرمہ اور عبدالرحمن ابن ازہرؓ نے انہیں (یعنی کریبؓ کو) حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا اور ان سے ان تینوں نے کہا کہ (ہماری طرف سے) حضرت عائشہؓ کی خدمت میں سلام پیش کر کے ان سے عصر کے بعد دو رکعت نماز کے بارے میں پوچھنا کریب کہتے ہیں کہ "میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان تینوں نے جس پیغام کو پہنچانے کے لئے مجھے بھیجا تھا میں نے وہ پیغام ان تک پہنچا دیا" حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "حضرت ام سلمہؓ (کے پاس جاؤ اور ان) سے پوچھو" میں (یہ جواب سن کر) ان تینوں صحابہؓ کے پاس واپس لوٹ آیا، انہوں نے مجھے (پھر) حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا، حضرت ام سلمہؓ نے (میرا سوال سن کر) فرمایا کہ "میں نے سرور کونین ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ ان دونوں رکعتوں (کے پڑھنے) سے منع فرمایا کرتے تھے۔ پھر میں نے (ایک دن) دیکھا کہ آپ ﷺ ان دونوں رکعتوں کو پڑھتے ہیں۔ جب آپ ﷺ (ان دونوں رکعتوں کو مسجد میں پڑھ کر گھر میں یا باہر صحن میں پڑھ کر مکان کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئے تو میں نے خادمہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اس سے کہا کہ تم آنحضرت ﷺ سے جا کر کہو کہ ام سلمہ کہتی ہے کہ یا رسول اللہ میں نے آپ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ ان دونوں رکعتوں (کے پڑھنے) سے منع فرماتے تھے اور (اب) میں نے آپ ﷺ کو دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے (اس کی کیا وجہ ہے؟) آنحضرت ﷺ نے (خادمہ سے کہا کہ اُمّ سلمہ سے جا کر کہو کہ) ابی امیہ کی بیٹی! تم نے عصر کے بعد دو رکعتوں کے (پڑھنے کے) بارے میں پوچھا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگ (اسلامی تعلیمات اور احکام سیکھنے کی غرض سے) میرے پاس آئے تھے چنانچہ (انہیں دینی احکامات بتانے کی مشغولیت میں) ظہر کے بعد کی میری دونوں رکعتیں رہ گئی تھیں انہیں کو میں نے عصر کے بعد پڑھا ہے۔"

(متفق علیہ)

تشریح: سائلین کا مطلب یہ تھا کہ جب آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز کے بعد نفل وغیرہ پڑھنے سے منع فرمایا تھا تو خود عصر کے بعد دو رکعت نماز کیوں پڑھی تھی چنانچہ انہوں نے حضرت کریب کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا تا کہ وہ اس کی تحقیق کریں اور حضرت عائشہ سے حقیقت حال معلوم کریں حضرت عائشہؓ نے حضرت کریب کو حضرت ام سلمہؓ کا حوالہ دیا کہ ان سے معلوم کیا جائے، کیونکہ حضرت ام سلمہؓ اس بارے میں پوری طرح واقفیت رکھتی تھیں اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے آپ ﷺ کے اس عمل کے بارے میں پہلے ہی تحقیق کر لی تھی، حضرت عائشہؓ نے جب حضرت کریب کو حضرت ام سلمہؓ کے پاس جانے کو کہا تو انہیں قاعدہ میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس ہی جانا چاہئے تھا لیکن وہ بپاس ادب پہلے ان تینوں صحابیوں کے پاس آئے جن کے پیغامبر بن کر وہ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے تھے، جب ان صحابیوں نے انہیں حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا تب وہ ان کے پاس گئے اور ان تینوں صحابیوں کا پیغام انہیں پہنچا کر حقیقت حال سے مطلع ہوئے۔

حضرت ام سلمہؓ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ عصر کے بعد جو دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے تو ان دو رکعتوں سے

آپ کی مراد مطلقاً نفل نماز پڑھنا تھا اور اسی کے ضمن میں ان دونوں رکعتوں کی نہی بھی شامل تھی۔ لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں رکعتوں ہی کے پڑھنے سے منع فرمایا ہو۔

ابوامیہ حضرت ام سلمہ کے والد کا نام تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے خادمہ سے فرمایا کہ ام سلمہؓ سے اس سوال کا جواب اس طرح دینا یا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے براہ راست حضرت ام سلمہؓ کو جواب دیتے ہوئے ابوامیہ کی بیٹی! کہہ کر مخاطب فرمایا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم دین کی تعلیم احکام شریعت کی تبلیغ اور مخلوق خدا کی ہدایت کرنا نماز نفل پر مقدم ہے اگرچہ سنت غیر مؤکدہ ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی فرض نماز کے بعد کی سنتوں کو موخر کیا اور پہلے وفد عبدالقیس کو دینی مسائل اور احکام شریعت کی تعلیم دی۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر نوافل وقتیہ فوت ہو جائیں تو انہیں دوسرے وقت قضا پڑھ لینا چاہئے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک میں نوافل وقتیہ کو صرف انہیں کے اوقات میں پڑھنا چاہئے غیر وقت میں ان کی قضاء نہیں ہے چنانچہ ان کی جانب سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی فرض نماز کے بعد ہی سنت کی دونوں رکعتیں پڑھنی شروع کر دی گئی ہوں گی مگر وفد عبدالقیس کو علم دین کی تعلیم دینے کی ضرورت کی وجہ سے آپ ﷺ نے نماز توڑ دی ہوگی اس وجہ سے آپ ﷺ نے ان دونوں رکعتوں کی قضا عصر کی نماز کے بعد پڑھی۔

اس موقعہ پر اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ نے عصر کے بعد جو دو رکعت نماز پڑھی تھی وہ دراصل ظہر کے فرض کے بعد کی سنتیں تھیں جو وفد عبدالقیس کے ساتھ تعلیم دین کی مشغولی کی بناء پر پڑھنے سے رہ گئی تھیں لیکن ان احادیث کا کیا جواب ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ تو ہمیشہ ہی عصر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "اس خدا کی قسم جس نے آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے اٹھایا آپ ﷺ نے عصر کے بعد کی دو رکعتیں پڑھنا نہ چھوڑیں یہاں تک کہ آپ ﷺ نے پروردگار سے ملاقات کی۔" اس قسم کی دیگر روایتیں بھی منقول ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ عصر کی فرض نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنا مکروہ ہے چنانچہ جمہور علماء کی بھی یہی رائے نیز امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں بھی ثابت ہے کہ وہ عصر کی فرض نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ ایسے لوگوں کو مارتے بھی تھے جو عصر کے بعد نفل وغیرہ پڑھتے تھے۔

لہٰذا۔ اب یہی کہا جائے گا کہ اس ممانعت کے باوجود آنحضرت ﷺ کا عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا دراصل آپ ﷺ کے خصائص میں سے تھا جیسا کہ آپ ﷺ صوم وصال (پے درپے روزے) رکھتے تھے مگر دوسروں کو اس سے منع فرماتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

فجر کی سنتوں کی قضا کا مسئلہ

(٦) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ قَیْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَاٰی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً یُصَلِّی بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ رَكْعَتَیْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ رَكْعَتَیْنِ رَكْعَتَیْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّی لَمْ اَكُنْ صَلَّیْتُ الرَّكْعَتَیْنِ اللَّتَیْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّیْتُهُمَا الْاٰنَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد وَرَوَی التِّرمِذِیُّ نَحْوَهٗ وَقَالَ اِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِیْثِ لَیْسَ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ مُحَمَّدَ ابْنَ اِبْرَاهِیْمَ لَمْ یَسْمَعْ مِنْ قَیْسِ بْنِ عَمْرٍو وَفِی شَرْحِ السُّنَّةِ وَنُسَخِ الْمَصَابِیْحِ عَنْ قَیْسِ بْنِ فَهْدٍ نَحْوَهٗ۔

"حضرت محمد ابن ابراہیم، قیس ابن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) سرور کونین ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فجر کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھ رہا ہے، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "صبح کی نماز دو رکعت (پھر فرمایا کہ دو رکعت ہی پڑھو)" اس شخص نے عرض کیا کہ "فجر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں (سنت) میں نے نہیں پڑھی تھیں انہیں کو میں نے اس وقت پڑھا ہے۔" آنحضرت ﷺ (یہ سن کر) خاموش ہوگئے۔ (ابوداؤد) امام ترمذیؒ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد متصل نہیں ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم کا قیس ابن عمرو سے سننا ثابت نہیں ہے، نیز شرح السنہ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قیس ابن قہد سے اسی طرح منقول ہے۔"

تشریح: حدیث کے جملہ صَلٰوۃُ الصُّبْحِ رَکْعَتَیْنِ سے پہلے ایک لفظ مقدر ہے یعنی یہ عبارت پوری طرح یوں ہے اجْعَلُوْا صَلٰوۃَ الصُّبْحِ رَکْعَتَیْنِ۔ لفظ رَکْعَتَیْنِ نفی زیادتی کی تاکید کے لئے مکرر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فجر کی فرض دو ہی رکعتیں پڑھو اس کے بعد اور کوئی نماز نہ پڑھو۔

آنحضرت ﷺ نمازی کا جواب سن کر خاموش رہے۔ محدثین کی اصطلاح میں اس خاموشی کو تقریر کہا جاتا ہے آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی عمل کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس پر سکوت فرمایا گویا آپ ﷺ اس عمل سے راضی ہوئے۔ لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فجر کی فرض نماز سے پہلے کی دو سنتیں نہ پڑھی جا سکیں تو فرض پڑھنے کے بعد ان کی قضا پڑھنی چاہئے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ فجر کی سنتوں کی قضا نہ تو طلوع آفتاب سے پہلے ہے اور نہ طلوع آفتاب کے بعد ہے لیکن سنتیں اگر فرض کے ساتھ فوت ہوں گی تو وہ بھی فرض کے ساتھ زوال آفتاب سے پہلے پہلے قضا پڑھی جائیں گی۔

حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ محض سنتوں کی بھی قضا پڑھی جا سکتی ہے مگر طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب تک۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ سنتوں میں اصل عدم قضا ہے اور قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے اور حدیث جو سنتوں کے قضا کے اثبات میں وارد ہے وہ ان سنتوں کے بارے میں ہے جو فرض کے ساتھ فوت ہوگئی ہوں بقیہ سنتیں اپنی اصل (عدم قضا) پر رہیں گی یعنی ان کی قضا نہیں کی جائے گی جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو محمد ابن ابراہیم کی یہ حدیث چونکہ ضعیف ہے اس لئے اسے کسی مسلک کی بنیاد اور دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے۔

اسی طرح دوسرے اوقات کی سنتوں کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ وقت کے بعد تنہا ان کی قضا نہ کی جائے البتہ وہ سنتیں جو فرض کے ساتھ فوت ہوگئی ہوں فرض کے ساتھ ان کی قضا کے بارے میں اختلاف ہے۔

خانہ کعبہ کا طواف ہر وقت کیا جا سکتا ہے

(۷) وَعَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا بَنِی عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ بِھٰذَا الْبَیْتِ وَصَلّٰی اَیَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَیْلٍ اَوْنَھَارٍ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "اے عبد مناف کی اولاد! کسی کو اس گھر (خانہ کعبہ) کا طواف کرنے سے نہ روکو! اور رات دن میں جس وقت کوئی چاہئے اسے نماز پڑھنے دو۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: خانہ کعبہ کی خدمت عبد مناف کی اولاد کے سپرد تھی اور وہاں کے انتظامات و نگرانی انہیں کے ذمہ تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انہیں حکم فرمایا کہ رات و دن کے کسی بھی حصہ میں کوئی خانہ کعبہ کا طواف کرنا چاہے تو اسے نہ روکو بلکہ اسے طواف کرنے دو، چنانچہ رات

ودن کے ہر حصہ میں خواہ آفتاب کے طلوع کا وقت ہو یا استواء (نصف النہار) کا وقت ہو تمام علماء کے نزدیک خانہ کعبہ کا طواف کیا جاسکتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

خانہ کعبہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کا مسئلہ: البتہ اس بارے میں علماء کا یہاں اختلاف ہے کہ خانہ کعبہ میں رات ودن کے کسی بھی حصہ میں خواہ اوقات مکروہہ کیوں نہ ہوں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس حدیث کی بناء پر خانہ کعبہ میں ہر وقت کوئی بھی نماز خواہ وہ طواف کی دو رکعتیں ہوں یا دوسری نماز ہو پڑھی جاسکتی ہے۔

حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں صرف طواف کی دو رکعتیں کسی وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک خانہ کعبہ کے اندر اوقات مکروہہ میں کوئی بھی نماز جائز نہیں ہے اوقات کی حرمت اور کراہت کے سلسلے میں مکہ کا حکم بھی دیگر شہروں کی طرح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوقات کی حرمت وکراہت کا حکم اور ان میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے سلسلہ میں جو احادیث منقول ہیں وہ سب عام ہیں ان میں کسی جگہ اور کسی شہر کی کوئی تخصیص نہیں ہے کہ فلاں جگہ تو ان اوقات میں نماز پڑھنی جائز ہے اور فلاں جگہ نا جائز ہے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں جس وقت چاہے نماز پڑھی جاسکتی البتہ اوقات مکروہہ میں وہاں بھی نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ اس تاویل سے تمام احادیث میں موافقت اور مطابقت بھی ہو جاتی ہے جو ایک ضروری چیز ہے۔

جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کا مسئلہ

⑧ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ الشافعی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک کہ آفتاب ڈھل نہ جائے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے البتہ جمعہ کے دن (جائز ہے)۔" (شافعیؒ)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کا تو یہی مسلک ہے کہ جمعہ کے روز ٹھیک دوپہر کے وقت بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے روز بھی نصف النہار کے وقت نماز پڑھنی درست نہیں ہے[1] اس لئے کہ وہ احادیث جن میں مطلقاً نہی ثابت ہے اس حدیث کے مقابلہ میں زیادہ مشہور ہیں اور یہ حدیث ضعیف ہے جو ان احادیث کا مقابلہ نہیں کرسکتی یا پھر یہ کہا جائے گا کہ قاعدہ کے مطابق کسی چیز کے بارے میں حرام اور مباح دونوں کے دلائل ہوں تو حرام کے دلائل کو ترجیح دی جائے گی۔

⑨ وَعَنْ اَبِی الْخَلِيْلِ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرِهَ الصَّلَاةَ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ اِنَّ جَهَنَّمَ تُسَجَّرُ اِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ اَبُو الْخَلِيْلِ لَمْ يَلْقَ اَبَا قَتَادَةَ۔

"اور حضرت ابوالخلیلؒ حضرت ابوقتادہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ "سرور کونین ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک کہ سورج نہ ڈھل جائے نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے علاوہ جمعہ کے دن کے۔ نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "علاوہ جمعہ" کے دن کے روزانہ (دوپہر کے وقت) دوزخ جھونکی جاتی ہے۔" اس روایت کو امام ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابوقتادہؓ سے ابوالخلیلؒ کی ملاقات ثابت نہیں ہے (لہٰذا اس حدیث کی اسناد متصل نہیں ہے)۔"

---

[1] امام اعظمؒ کا مسلک تو یہی ہے جو یہاں نقل کیا گیا مگر ابویوسفؒ کا قول صحیح اور معتمد ہے کذا فی الاشباہ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اوقات مکروہہ

⑩ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ الصُّنَابِحِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَھَا قَرْنُ الشَّیْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَھَا ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَھَا فَاِذَا زَالَتْ فَارَقَھَا فَاِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَھَا فَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَھَا وَنَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاۃِ فِیْ تِلْکَ السَّاعَاتِ۔ (رواہ مالک و احمد والنسائی)

"حضرت عبداللہ صنابحیؒ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا" جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے پھر جب وہ بلند ہو جاتا ہے تو وہ الگ ہو جاتا ہے پھر جب دوپہر ہوتی ہے تو شیطان آفتاب کے قریب آجاتا ہے اور جب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو شیطان اس کے قریب آجاتا ہے اور جب آفتاب غائب (یعنی غروب) ہو جاتا ہے تو شیطان اس سے جدا ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان اوقات میں (یعنی آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت اور ٹھیک دوپہر کے وقت) نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔"

(مالکؒ' احمدؒ' نسائیؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے نماز خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً جیسے نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت اور امام مالکؒ نے باوجودیکہ یہ روایت خود نقل کی ہے مگر وہ ٹھیک دوپہر کے وقت نماز کے حرام ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ "ہم نے اہل فضل کو دیکھا ہے کہ وہ کوشش کرتے تھے اور دوپہر میں نماز ادا کرتے تھے۔"

نماز عصر کے بعد کوئی نماز جائز نہیں

⑪ وَعَنْ اَبِیْ بَصْرَۃَ الْغِفَارِیِّ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْمُخَمَّصِ صَلَاۃَ الْعَصْرِ فَقَالَ اِنَّ ھٰذِہٖ صَلَاۃٌ عُرِضَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَضَیَّعُوْھَا فَمَنْ حَافَظَ عَلَیْھَا کَانَ لَہٗ اَجْرُہٗ مَرَّتَیْنِ وَلَا صَلَاۃَ بَعْدَھَا حَتّٰی یَطْلُعَ الشَّاھِدُ وَالشَّاھِدُ النَّجْمُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوبصرہ غفاریؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ نے مقام مخمص میں ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اور پھر فرمایا کہ یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر لازم کی گئی تھی لیکن انہوں نے ضائع کر دیا (یعنی نہ تو انہوں نے اس کی مداومت کی اور نہ اس کے حقوق ادا کئے) لہٰذا جو شخص اس نماز کی حفاظت کرے گا (یعنی اس کو ہمیشہ پڑھتا اور اس کے حقوق ادا کرتا رہے گا) اس کو دوگنا ثواب ملے گا اور (آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ) عصر کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ شاہد نہ نکلے اور شاہد ستارہ ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "دوگنا ثواب" کا مطلب یہ ہے کہ ایک ثواب تو اس لئے ملے گا کہ یہ (یعنی نماز پڑھنا) نیک عمل ہے اور ہر نیک عمل پر ثواب ملتا ہے اور دوسرا ثواب اس نماز کی محافظت کرنے کی وجہ سے ملے گا برخلاف پچھلی قوموں کے کہ انہوں نے اس کی محافظت نہیں کی، اس لئے وہ مستحق عذاب ہوئے۔

ستارہ کو شاہد اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ رات کو حاضر ہوتا ہے یعنی طلوع ہوتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک غروب نہ ہو جائے عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔

عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کی ممانعت

⑫ وَعَنْ مُعَاوِیَۃَ قَالَ اِنَّکُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلَاۃً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَا رَاَیْنَاہُ یُصَلِّیْھِمَا وَلَقَدْ

نَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت معاویہؓ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ تم لوگ نماز پڑھتے ہو اور ہم سرور کونین ﷺ کی صحبت میں رہے لیکن ہم نے آپ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ آپ نے تو ان کو یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: دیگر روایات میں تو صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے لیکن یہاں حضرت معاویہؓ اس سے انکار کر رہے ہیں لہٰذا اس حدیث کی تاویل یہ کی جائے گی کہ حضرت معاویہؓ کے ارشاد کی مراد آپ ﷺ یہ دو رکعتیں باہر لوگوں کے سامنے تو پڑھتے نہیں تھے۔ البتہ گھر میں عام لوگوں کی نگاہوں سے الگ ہو کر پڑھتے ہوں گے تاکہ دوسرے لوگ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کی پیروی نہ کریں کیونکہ عصر کے بعد یہ دو رکعتیں صرف آنحضرت ﷺ ہی کو پڑھنی درست تھیں دوسرے لوگوں کے لئے جائز نہیں تھیں۔ حضرت امام طحاویؒ اس مسئلہ میں کہ آیا عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا جائز ہیں یا نہیں؟ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے متواتر احادیث ثابت ہیں کہ آپ ﷺ نے عصر کی فرض نماز پڑھ لینے کے بعد کوئی دوسری نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے نیز صحابہؓ کا عمل بھی اسی پر رہا ہے اس واسطے یہ کسی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کا خلاف کرے یعنی عصر کے بعد نماز پڑھنے کو جائز قرار دے۔

(۱۳) وَعَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ وَقَدْ صَعِدَ عَلٰى دَرَجَةِ الْكَعْبَةِ مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنِي فَاَنَا جُنْدُبٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَ لَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ۔ (رواہ احمد ورزین)

"اور حضرت ابوذرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے کعبہ کے زینے پر چڑھ کر فرمایا کہ جس شخص نے مجھے پہچانا (یعنی میرا نام جان لیا) اس نے مجھے (یعنی میری سچائی کو) پہچان لیا اور جس نے مجھ کو نہیں پہچانا تو (میں اس کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ "میں جندبؓ ہوں" میں نے سرور کونین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد جب تک آفتاب طلوع نہ ہو جائے کوئی نماز نہیں ہے اور نہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز ہے جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے مگر مکہ میں "مگر مکہ میں" مگر مکہ میں۔" (احمد، رزین)

تشریح: خانہ کعبہ کا دروازہ چونکہ بلند ہے اس لئے اس پر چڑھنے کے لئے زینہ تھا، چنانچہ اب بھی ایک چوبی زینہ منبر کی شکل میں ہے، جو خانہ کعبہ کے سامنے چاہ زمزم کے پاس رکھا رہتا ہے جب خانہ کعبہ کے اندر داخلہ ہوتا ہے تو اس کو دروازہ کے سامنے لگا دیتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس زینہ کو وہاں سے ہٹا کر اپنی جگہ رکھ دیتے ہیں لہٰذا احتمال ہے کہ اس وقت بھی اس قسم کا یا کسی دوسری طرح کا زینہ ہوگا جس کے ذریعہ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوتے ہوں گے۔

بہر حال حضرت ابوذرؓ نے کہ جن کا نام جندبؓ تھا۔ خانہ کعبہ کے زینہ پر چڑھ کر یہ بات کہی تاکہ لوگ ان کی صداقت شعاری اور سچائی کی بناء پر حدیث کو صحیح جانیں۔ اس طرح حضرت ابوذرؓ نے گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ ابوذرؓ سے زیادہ کسی راست گو اور سچے انسان پر نہ تو آسمان نے سایہ کیا اور نہ زمین نے اپنے اوپر اٹھایا۔

مکہ مکرمہ میں اوقات مکروہہ میں نماز کے جائز ہونے کے مسئلہ کو اس سے پہلے حدیث نمبر سات میں بتایا جا چکا ہے اس موقعہ پر تو صرف اتنی بات جان لیجئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

بَابُ الْجَمَاعَةِ وَفَضْلِهَا

جماعت اور اس کی فضیلت کا بیان

جماعت کی فضیلت اور تاکید میں صحیح احادیث اس کثرت سے وارد ہیں کہ اگر سب کو یکجا کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے اس باب

کے تحت اسی قسم کی احادیث نقل کی جائیں گی جن سے جماعت کی فضیلت وتاکید اور اس کے احکام و مسائل کا علم حاصل ہوگا۔ ان احادیث کو دیکھنے کے بعد یقینی طور پر آپ یہی نتیجہ اخذ کریں گے کہ جماعت نماز کی تکمیل میں ایک اعلیٰ درجہ کی شرط ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کبھی جماعت کو ترک نہیں فرمایا حتی کہ حالت مرض میں جبکہ آپ ﷺ کے لئے خود چل کر مسجد میں پہنچنا ممکن نہ تھا دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد تشریف لے گئے اور جماعت سے نماز پڑھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت محمدیہ میں جماعت کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ نماز جیسی عظیم عبادت کی شان اسی کی متقاضی تھی کہ جس چیز سے اس کی تکمیل ہو اسے اعلیٰ درجہ پر پہنچایا جائے۔

جماعت فرض وواجب ہے یا نہیں؟: اس بارے میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ آیا جماعت سنت ہے یا واجب اور یا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ چنانچہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جماعت فرض عین ہے الا کسی عذر کی وجہ سے، یہ قول امام احمدؒ، داؤدؒ، عطاءؒ، اور ابوثورؒ کا ہے بعض علماء کا قول یہ ہے کہ جو کوئی نماز کے لئے اذان سنے اور مسجد میں حاضر نہ ہو تو اس کی نماز درست نہیں، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کا مسلک یہ ہے کہ جماعت سنت مؤکدہ واجب کے قریب ہے لیکن فقہ کی کتابوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت کے بارے میں حنفی فقہاء کے دو قول ہیں، بعض کتابوں میں جماعت کو واجب لکھا گیا ہے اور بعض میں سنت مؤکدہ اور وجوب ہی کا قول راجح اور اکثر محققین حنفیہ کا مسلک بیان کیا گیا ہے چنانچہ مشہور محقق حضرت ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ کا مسلک یہی ہے جماعت واجب ہے لیکن اس کو سنت کس لئے کہا جاتا ہے کہ جماعت کا ثبوت سنت یعنی حدیث سے ہے نہ یہ کہ خود جماعت سنت ہے جیسا کہ نماز عیدین، وہ واجب ہے مگر اسے سنت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے۔

جماعت کے احکام و مسائل: کتاب بدائع میں لکھا ہے کہ جماعت کے لئے مسجد میں حاضر ہونا ہر عاقل بالغ غیر معذور پر واجب اور اگر ایک مسجد میں جماعت نہ ملے تو دوسری مسجدوں میں پھرنا واجب نہیں ہے البتہ جماعت کی سعادت حاصل کرنے کی خاطر اگر دوسری مسجدوں میں جائے تو یہ اچھی ہی بات ہوگی، قدوری نے لکھا ہے کہ اس صورت میں کہ اگر مسجد میں جماعت نہ ملے، تو چاہئے کہ اہل وعیال کو جمع کر کے گھر ہی میں جماعت سے نماز پڑھ لی جائے۔

اس مسئلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ محلہ کی مسجد میں جماعت افضل ہے یا جامع مسجد میں، اگر ایک محلہ میں دو مسجدیں ہوں تو ان میں سے قدیم مسجد کو اختیار کرنا چاہئے اور اگر دونوں برابر ہوں تو پھر جو مسجد قریب ہو اسے اختیار کیا جائے، جماعت نماز تراویح میں اگرچہ ایک قرآن مجید جماعت کے ساتھ ہو چکا ہو اور نماز کسوف کے لئے سنت مؤکدہ ہے، رمضان کے وتر میں جماعت مستحب ہے رمضان کے علاوہ اور کسی زمانہ کے وتر میں جماعت مکروہ تنزیہی ہے مگر اس کے مکروہ ہونے میں یہ شرط ہے کہ مواظبت کی جائے اگر مواظبت نہ کی جائے بلکہ کبھی کبھی دو تین آدمی جماعت سے پڑھ لیں تو مکروہ نہیں۔

نماز خسوف میں اور تمام نوافل میں جماعت مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ نوافل اس اہتمام سے ادا کئے جائیں جس اہتمام سے فرائض کی جماعت ہوتی ہے یعنی اذان واقامت کے ساتھ یا کسی اور طریقہ سے لوگوں کو جمع کر کے، ہاں اگر بے اذان و اقامت کے اور بے بلائے ہوئے دو تین آدمی جمع ہو کر کسی نفل کو جماعت سے پڑھ لیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

جماعت کی حکمتیں اور فائدے: جماعت کی حکمتیں کیا ہیں؟ اور اس کے کیا فائدے مرتب ہوتے ہیں، اس موضوع پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس سلسلہ میں امام الکبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جو لطیف و جامع بات کہی ہے وہ کہیں نظر نہیں آتی چنانچہ اس موقع پر انہیں کی تقریر نقل کی جاتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

❶ کوئی چیز اس سے زیادہ سود مند نہیں کہ کوئی عبادت اس طرح رسم عام کر دی جائے کہ وہ عبادت ایک ضروری عادت ہو جائے کہ اس کو

چھوڑنا کسی عادت کو ترک کرنے کی طرح ناممکن ہو جائے اور تمام عبادتوں میں نماز سے زیادہ عظیم و شاندار کوئی عبادت نہیں کہ اس کے ساتھ یہ خاص اہتمام کیا جائے

❷ مذہب میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں جاہل بھی عالم بھی، لہٰذا یہ بڑی مصلحت کی بات ہے کہ سب لوگ جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے اس عبادت کو ادا کریں کہ اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو دوسرا اسے بتادے گویا اللہ کی عبادت ایک زیور ہوئی کہ تمام پرکھنے والے اسے دیکھتے ہیں جو خرابی اس میں ہوتی بتلادیتے ہیں اور جو عمدگی ہوتی ہے اسے پسند کرتے ہیں پس نماز کی تکمیل کا یہ ایک ذریعہ ہوگا۔

❸ جو لوگ بے نمازی ہوں گے ان کا بھی اس سے حال کھل جائے گا اور ان کے وعظ و نصیحت کا موقع ملے گا۔

❹ چند مسلمانوں کا مل کر اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے دعا مانگنا حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور قبولیت کے لئے ایک عجیب خاصیت رکھتا ہے۔

❺ اس امت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ اس کے نام کا کلمہ بلند ہو اور کلمۂ کفر پست ہو اور روئے زمین پر کوئی اسلام سے غالب نہ رہے اور یہ بات جب ہی ہو سکتی ہے کہ یہ طریقہ مقرر کیا جائے کہ تمام مسلمان خواہ وہ کسی درجہ اور کسی طبقہ کے ہوں، عام و خاص مسافر اور مقیم، چھوٹے اور بڑے سب ہی اپنی کسی بڑی اور مشہور عبادت کے لئے جمع ہوں اور اسلام کی شان و شوکت اور اس کی ترغیب دی گئی اور اس کے چھوڑنے کی ممانعت کی گئی۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

❻ جماعت میں یہ فائدہ بھی ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حال پر اطلاع ہوتی رہے گی، اور ایک کے درد و مصیبت میں شریک ہو سکیں گے جس سے دینی اخوت اور ایمانی محبت کا پورا اظہار و استحکام ہوگا جو اس شریعت کا ایک بڑا مقصود ہے اور جس کی تاکید و فضیلت جا بجا قرآن عظیم اور احادیث نبی کریم ﷺ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ (علم الفقہ)

موجودہ زمانہ کی نظریاتی دوڑ کے مطابق دیکھا جائے تو جماعت اسلام کے نظریۂ مساوات کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے دن میں پانچ مرتبہ خدا کے تمام بندے جو دنیاوی اعتبار سے کسی بھی منصب و مرتبہ کے ہوتے ہیں اپنی تمام برتری و فوقیت اور اپنے دنیاوی جاہ و جلال کو بالائے طاق رکھ کر خدا کے حضور میں تمام عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر سربسجود ہو جاتے ہیں اور زبان حال سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز ‏ ‏ ‏ ‏ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

ترک جماعت کے عذر: جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ہر عاقل بالغ غیر معذور پر جماعت واجب ہے لیکن اگر ایسا کوئی شخص ہو یعنی اسے ایسا عذر لاحق ہو جس کی وجہ سے وہ مسجد میں جا کر جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا تو اس کے لئے جماعت واجب نہیں رہتی، چنانچہ فقہاء نے ترک جماعت کے پندرہ عذر (ماخوذ از علم الفقہ) بیان کئے ہیں۔

❶ نماز کے صحیح ہونے کی شرط مثلاً طہارت یا ستر عورت وغیرہ کا نہ پایا جانا۔

❷ پانی کا بہت زوروں کے ساتھ برسنا، اس سلسلہ میں حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب موطا میں لکھا ہے کہ اگرچہ شدید بارش کی صورت میں جماعت کے لئے نہ جانا جائز ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ جا کر جماعت سے نماز پڑھی جائے۔

❸ مسجد کے راستے میں سخت کیچڑ کا ہونا۔

❹ سردی اتنی سخت ہو کہ باہر نکلنے میں یا مسجد تک جانے میں کسی بیماری کے پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو۔

❺ مسجد تک جانے میں مال و اسباب کے چوری ہو جانے کا خوف ہو۔

❻ مسجد جانے میں کسی دشمن کے مل جانے کا خوف ہو۔

❼ مسجد جانے میں کسی قرض خواہ کے ملنے کا اور اس سے تکلیف پہنچنے کا خوف ہو بشرطیکہ اس کے قرض کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اگر قادر

ہو تو وہ ظالم سمجھا جائے گا اور اس کو ترک جماعت کی اجازت نہ ہوگی۔

⑧ رات اس قدر اندھیری ہو کہ راستہ نہ دکھائی دیتا ہو ایسی حالت میں یہ ضروری نہیں کہ لالٹین وغیرہ ساتھ لے کر جائے۔

⑨ رات کا وقت ہو اور آندھی بہت سخت چلتی ہو۔

⑩ کسی مریض کی تیمارداری کرنا ہو کہ اس کے جماعت میں چلے جانے سے اس مریض کی تکلیف یا وحشت کا خوف ہو۔

⑪ پیشاب یا پاخانہ معلوم ہوتا ہو۔

⑫ سفر کا ارادہ رکھتا ہو اور خوف ہو کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں دیر ہو جائے گی اور قافلہ نکل جائے گا، ریل کا مسئلہ بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے مگر فرق اس قدر کہ وہاں ایک قافلہ کے بعد دوسرا قافلہ بہت دنوں کے بعد ملتا ہے اور یہاں ریل ایک دن میں کئی بار جاتی ہے اگر ایک وقت کی ریل نہ ملی تو دوسرے وقت جاسکتا ہے ہاں اگر ایسا ہی سخت حرج ہو! ہو تو جماعت چھوڑ دینے میں مضائقہ نہیں۔

⑬ فقہ وغیرہ پڑھنے یا پڑھانے میں ایسا مشغول رہتا ہو کہ بالکل فرصت نہ ملتی ہو۔

⑭ کوئی ایسی بیماری مثلاً فالج وغیرہ ہو یا اتنا ضعیف ہو کہ چلنے پر قادر نہ ہو یا نابینا ہو اگرچہ اس کو مسجد تک پہنچا دینے والا کوئی مل سکے یا لنگڑا ہو یا دونوں طرف سے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں۔

⑮ کھانا تیار یا تیاری کے قریب ہو اور ایسی بھوک لگی ہو کہ نماز میں جی نہ لگنے کا خوف ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

جماعت کی نماز کا ثواب

① عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جماعت کی نماز تنہا نماز سے (ثواب میں) ستائیس درجہ زیادہ ہوتی ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت سے تو جماعت کی نماز کے ثواب کی زیادتی ستائیس درجہ معلوم ہوتی ہے مگر دوسری روایتوں میں پچیس درجہ زیادتی مذکور ہے چنانچہ علماء محدثین لکھتے ہیں کہ اکثر روایتوں میں یہی ثابت ہے کہ جماعت کی نماز کا ثواب تنہا نماز کے ثواب سے پچیس درجہ زیادہ ہوتا ہے حضرت عمرؓ ہی کی ایک ایسی روایت ہے کہ جس میں ستائیس درجہ کا ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا اس حدیث اور ان احادیث میں یہ تطبیق پیدا کی جائے گی کہ پہلے وحی کے ذریعہ پچیس ہی درجہ ثواب کی زیادتی معلوم ہوئی ہوگی پھر بعد میں حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ستائیس درجہ ثواب کی زیادتی کا اعلان فرمایا ہوگا۔

یا تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ یہ کہا جائے کہ درجات کا اختلاف نمازی کے احوال کے تفاوت کی بناء پر ہے یعنی کسی نمازی کے جماعت کی نماز کا ثواب اس کے اپنے احوال کی بناء پر ستائیس گنا ملتا ہے اور کسی نمازی کے جماعت کی نماز کا ثواب اس کے اپنے احوال کی بناء پر پچیس گنا ملتا ہے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ ثواب کی زیادتی کی یہ فضیلت اس جماعت کی نماز کے ساتھ مختص ہے جو مسجد میں ادا کی جائے گی یا اس جماعت کی نماز کے لئے بھی ہے جو مسجد میں نہیں بلکہ گھر وغیرہ میں ادا کی جائے چنانچہ کچھ علماء کی رائے تو یہ ہے کہ یہ فضیلت مسجد کی جماعت کے ساتھ مختص ہے مگر دوسرے بعض علماء کا قول ہے کہ یہ فضیلت عمومی طور پر ہر جماعت کی نماز کے لئے ہے خواہ مسجد میں ادا کی

جانے والی جماعت ہو یا مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ۔

ترک جماعت پر وعید

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبَ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰى رِجَالٍ وَفِیْ رِوَايَةٍ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ فَاُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّهٗ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا اَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ۔ (رواہ البخاری ولمسلم نحوہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا کہ (کسی خادم کو) لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور جب لکڑیاں جمع ہو جائیں تو (عشاء) کی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دوں اور جب اذان ہو جائے تو لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے کسی شخص کو مامور کروں اور پھر میں ان لوگوں کی طرف جاوں (جو بغیر کسی عذر کے نماز کے لئے جماعت میں نہیں آتے اور ان کو اچانک پکڑوں) ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ (آپ ﷺ نے یہ فرمایا) ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو جلا دوں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (جو لوگ نماز کے لئے جماعت میں شریک نہیں ہوتے ان میں سے) اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ (مسجد میں) گوشت کی فربہ ہڈی بلکہ گائے یا بکری کے دو اچھے کھر مل جائیں گے تو عشاء کی نماز میں حاضر ہوں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے جماعت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ جماعت کے لئے مسجدوں میں نہیں آتے ان لوگوں کو عذاب خداوندی میں گرفتار ہونے کی وعید کس مبالغہ کے ساتھ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بذات خود ارادہ فرمایا کہ جماعت ترک کر دیں اور ان لوگوں کو جماعت میں حاضر نہ ہونے کے جرم کی سزا دیں۔

آخر حدیث میں ایسے لوگوں کی ذہنی افتاد اور طبعی کمزوری کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ انہیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مسجد میں دنیا کی ایسی حقیر شئی بھی مل جائے گی تو وہ نماز میں شریک ہونے کے لئے بھاگے ہوئے آئیں مگر آخر کی سعادت و ثواب اور حق جل شانہ، کا قرب عظیم و غیر فانی چیز کے حصول کی طرف ان کا میلان نہیں ہوتا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی عذر کی بناء پر کسی کو اپنا قائم مقام بنا دے اور خود اپنی ضرورت کی وجہ سے چلا جائے۔

نابینا شخص کو بھی جماعت میں شریک ہونے کی تاکید

(۳) وَعَنْهُ قَالَ اَتَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ اَعْمٰى فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَيْسَ لِیْ قَائِدٌ يَقُوْدُنِیْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَسَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّرَخِّصَ لَهٗ فَيُصَلِّیَ فِیْ بَيْتِهٖ فَرَخَّصَ لَهٗ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجِبْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا شخص (حضرت عبداللہ ابن مکتومؓ) سرور کونین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے لئے ایسا کوئی راہبر نہیں ہے جو مجھے مسجد میں لے جائے۔ پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں گھر میں نماز پڑھ لینے کی رخصت (یعنی اجازت) دے دی جائے، آنحضرت ﷺ نے انہیں اجازت دے دی (اس کے بعد) جب وہ (مجلس نبوی ﷺ سے) واپس لوٹے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں (پھر) بلایا اور ان سے فرمایا کہ کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو؟ انہوں نے کہا

کہ ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے مسجد میں حاضر ہونا ضروری ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: صحیحین کی حدیث میں منقول ہے کہ "جب حضرت عتبان ابن مالکؓ نے اپنی بینائی کا شکوہ کیا (کہ اس کی وجہ سے میں مسجد میں حاضری سے معذور ہوں) تو آنحضرت ﷺ نے انہیں اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کریں۔" لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ نابینا شخص کو جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے مگر جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مکتوم کو جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں دی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فضلائے مہاجرین میں سے تھے ان کی شان کے لائق یہی بات تھی کہ وہ اولیٰ پر عمل کریں یعنی جماعت میں حاضر ہوا کریں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انہیں پہلے تو اجازت دے دی مگر پھر وحی آجانے یا اجتہاد کے بدل جانے کی وجہ سے آپ ﷺ نے اجازت واپس لے لی، اس حدیث میں اذان سننے کے بعد مسجد میں حاضری کی ضرورت و اہمیت کو کمال مبالغہ کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

سخت سردی و بارش کی وجہ سے جماعت چھوڑ دینا جائز ہے

(۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِیْ لَیْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِیْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا کَانَتْ لَیْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَّمَطَرٍ یَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک رات میں جبکہ (سخت) سردی اور ہوا تھی نماز کے لئے اذان دی، اور (اذان سے فارغ ہو کر لوگوں سے) کہا کہ خبردار! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو" پھر فرمایا کہ سرور کونین ﷺ اس رات میں جبکہ (سخت) سردی اور بارش ہوتی موذن کو حکم دیتے تھے۔ کہ وہ (اذان سننے کے بعد لوگوں سے پکار کر یہ بھی) کہہ دے کہ "خبردار! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سخت سردی اور بارش بھی ترک جماعت کے لئے عذر ہے ایسے اوقات میں جماعت چھوڑ کر اپنے گھر میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

حضرت ابن ہمامؒ حضرت ابو یوسفؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ؟ میں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ کیچڑ وغیرہ کی حالت میں جماعت کے لئے آپ کیا حکم دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ "جماعت کو چھوڑ دینا مجھے پسند نہیں۔"

کھانا سامنے آجائے تو کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھنی چاہئے

(۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ عَشَاءُ اَحَدِکُمْ وَاُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَؤُا بِالْعَشَاءِ وَلَا یَعْجَلُ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْهُ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَلَا یَاْتِیْهَا حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْهُ وَاِنَّهٗ لَیَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کے سامنے رات کا کھانا رکھا جائے اور (اسی وقت) نماز کی تکبیر کہی جائے تو وہ کھانا شروع کر دے اور کھانا کھانے میں جلدی نہ کرے بلکہ اس سے اطمینان کے ساتھ فارغ ہو۔" اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور نماز شروع ہو جاتی تو نماز کے لئے اس وقت تک نہ آتے جب تک کہ کھانے سے فارغ نہ ہو لیتے اور امام کی قرأت سنتے رہتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ظاہر ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ نماز پڑھنے والا بھوکا ہو اور وہ جانتا ہو کہ اس بھوک کی حالت میں نماز پڑھوں گا تو دھیان کھانے ہی میں لگا رہے گا اور نماز دل جمعی اور سکون کے ساتھ ادا نہیں کر سکوں گا تو اس کے لئے یہی اولیٰ ہو گا کہ وہ پہلے کھانا کھالے

اس کے بعد نماز پڑھے بشرطیکہ وقت میں وسعت ہو یعنی اتنا وقت ہو کہ وہ کھانے سے فراغت کے بعد باطمینان نماز پڑھ سکتا ہو۔"

بول براز کی حاجت کے وقت نماز نہ پڑھنی چاہئے

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ اِنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کھانا سامنے ہونے کی صورت میں نماز کامل نہیں ہوتی اور نہ اس حالت میں (نماز پوری ہوتی ہے) جب کہ دو خبیث (یعنی پیشاب و پاخانہ) اس (کی نماز میں حضوری قلب) کو ختم کریں۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے سامنے کھانا آگیا ہو یا اسے پیشاب و پاخانہ کی حاجت ہو تو اسے اس وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ بلکہ وہ ان چیزوں سے فارغ ہو کر نماز پڑھے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ "جب کسی کے سامنے کھانا آجائے اور اسے کھانے کی خواہش ہو یا اسی طرح بول و براز کا تقاضا ہو تو ایسی صورت میں اسے نماز پڑھنی مکروہ ہے اور ریح وقے بھی اسی حکم میں ہے یعنی ان کو روک کر نماز پڑھے کیونکہ ان کی وجہ سے نماز میں حضوری قلب اور خشوع و خضوع باقی نہ رہے گا جس کی وجہ سے نماز کامل طور پر ادا نہ ہوگی۔ مگر ان سب صورتوں میں وسعت وقت کی شرط ہے اگر وقت تنگ ہو تو بہر صورت نماز پہلے پڑھنی چاہئے۔

فرض نماز کی تکبیر ہو جانے پر دوسری نماز نہیں پڑھنی چاہئے

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جب نماز کھڑی ہو جائے (یعنی فرض نماز کے لئے تکبیر کہی جائے) تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہ پڑھنی چاہئے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مؤذن کے تکبیر کہنے کے بعد فجر کی سنتیں بھی نہ پڑھنی چاہئیں بلکہ امام کے ساتھ فرض نماز میں شریک ہو جانا چاہئے چنانچہ امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر فجر کی سنتیں پڑھنے میں فرض کی ایک رکعت بھی ہاتھ لگ جانے کا یقین ہو تو سنتیں پڑھ لی جائیں اس کے بعد جماعت میں شریک ہو جائے تاکہ سنتوں کا ثواب بھی ہاتھ سے نہ جائے اور جماعت کا ثواب بھی مل جائے۔ لیکن اس صورت میں سنتیں صف سے الگ ایک طرف پڑھنی چاہئیں ہاں اگر سنتیں پڑھنے میں فرض نماز کی دونوں رکعتیں فوت ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اس صورت میں سنتیں چھوڑ دیں۔

حضرت ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ "اس حدیث میں جو حکم ذکر کیا گیا ہے فجر کی سنتیں اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

صلوھا وان طردتکم الخیل۔

"فجر کی سنتیں (ضرور) پڑھو اگرچہ تمہیں لشکر ہانکے۔"

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں کو پڑھنے کی بڑی تاکید ہے انہیں چھوڑنا نہیں چاہئے۔

حضرت علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ "فجر کی سنتیں تمام سنتوں میں سب سے زیادہ اہم اور قوی تر ہیں یہاں تک کہ حسنؒ کی

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت ہے کہ "فجر کی سنتوں کو بلاعذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔

عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت

⑧ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَأْذَنَتِ امْرَأَةُ اَحَدِكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعَنَّهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا" جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو اس کو منع مت کرو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ "یہ نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانا جائز ہیں لیکن موجودہ دور میں فتنہ کے خوف سے عورتوں کو مسجد میں جانا مکروہ ہے چنانچہ اس کی مؤید بخاریؒ و مسلمؒ کی یہ روایت ہے کہ "حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا "اگر آنحضرت ﷺ اس چیز کو دیکھتے جو عورتوں نے پیدا کی ہے تو بے شک آپ ﷺ ان کو (مسجد جانے سے) منع کر دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔"

نیز حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عورتوں کو (مسجد میں) جانے سے منع فرمایا مگر بوڑھی عورتوں کو (اجازت دی وہ بھی) کاروبار کے (یعنی میلے اور پرانے) کپڑوں میں۔"

اس کا حال یہ ہے کہ اگر بوڑھی عورتیں بغیر بناؤ سنگار اور خوشبو لگائے بغیر مسجد میں جانا چاہیں تو ان کے لئے ایک حد تک اجازت ہے۔ مگر جوان عورتوں کو تو مسجد میں جانے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ پھر یہ کہ اس زمانہ میں عورتیں مسجدوں میں دینی مسائل و احکام سیکھنے کی خاطر جایا کرتی تھیں لیکن اب تو اس کی بھی احتیاج نہیں کیوں کہ دینی مسائل و احکام اتنے مشہور و واضح ہو چکے ہیں کہ گھر میں بیٹھی عورتوں کو بآسانی معلوم ہو جاتے ہیں۔"

عورتیں خوشبو لگا کر مسجد میں نہ جائیں

⑨ وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيْبًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی زوجہ مطہرہ حضرت زینبؓ کہتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی (عورت) مسجد میں جائے تو وہ خوشبو نہ لگائے۔" (مسلمؒ)

⑩ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ اَصَابَتْ بَخُوْرًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جو عورت بخور (یعنی خوشبو) لگائے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: خوشبودار چیز کا دھواں لینے کو بخور کہتے ہیں جیسے اگر وغیرہ۔ اس حدیث میں خاص طور پر عشاء کے وقت کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ اندھیرے کا وقت ہوتا ہے اس میں کسی فتنہ و شر کے پیدا ہونے کا زیادہ خوف رہتا ہے۔ ویسے اوپر والی حدیث میں گزر ہی چکا ہے کہ آپ ﷺ نے مطلقاً خوشبو لگا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عورتوں کو گھر ہی میں نماز پڑھنا بہتر ہے

(۱۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَ کُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُیُوْتُھُنَّ خَیْرٌ لَّھُنَّ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "تم اپنی عورتوں کو مسجدوں (میں آنے) سے نہ روکو لیکن (نماز پڑھنے کے لئے) ان کی گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔" (ابوداؤد)

عورت کو کس جگہ نماز پڑھنا افضل ہے

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَاۃُ الْمَرْاَۃِ فِیْ بَیْتِھَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِھَا فِیْ حُجْرَتِھَا وَصَلَاتُھَا فِیْ مَخْدَعِھَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِھَا فِیْ بَیْتِھَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "عورت کا گھر کے اندر (یعنی دالان میں) نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھری میں نماز پڑھنا کھلے ہوئے مکان میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت جتنا پوشیدہ اور باپردہ ہو کر نماز پڑھے اس کے لئے افضل اور بہتر ہے کیونکہ اس کا سارا دارو مدار پردہ کے اوپر ہے، یہی وجہ ہے کہ عورتوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نِعْمَ الصِّھْرُ الْقَبْرُ (یعنی اچھی سسرال قبر ہے۔)

بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو نماز پڑھنے کے لئے جس قدر پردہ زیادہ ہو بہتر ہے۔

خوشبو لگا کر مسجد میں جانے والی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۱۳) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ حِبِّیْ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُقْبَلُ صَلَاۃُ امْرَاَۃٍ تَطَیَّبَتْ لِلْمَسْجِدِ حَتّٰی تَغْتَسِلَ غُسْلَھَا مِنَ الْجَنَابَۃِ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوٰی اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ نَحْوَہٗ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اس عورت کی نماز قبول نہیں کی جاتی جو مسجد جانے کے لئے خوشبو لگائے یہاں تک کہ وہ اگر خوشبو لگائے ہوئے ہو تو اچھی طرح غسل نہ کرے جیسا کہ ناپاکی کا غسل کیا جاتا ہے۔" (ابوداؤدؒ، احمدؒ، نسائیؒ)

تشریح: اس حدیث میں بھی اسی بات سے شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے کہ کوئی عورت خوشبو لگا کر مسجد میں جانے کی جرأت نہ کرے یہاں تک کہ اگر کسی نے خوشبو لگا رکھی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ مسجد جاتے وقت غسل کر لے یعنی اگر اس نے پورے بدن پر خوشبو لگا رکھی ہے تو سارا بدن پانی سے دھوڈالے تاکہ اس کے بدن سے خوشبو جاتی رہے اور اگر بدن کے کسی خاص حصہ پر خوشبو لگی ہوئی ہو تو صرف اسی حصہ کو دھوڈالے اور اگر خوشبو کپڑوں پر لگی ہوئی ہو تو اس صورت میں وہ کپڑے تبدیل کر دیئے جائیں۔

خوشبو لگے ہوئے بدن کو دھونے یا کپڑے کو بدلنے کا یہ حکم اسی صورت میں ہے جب کہ مسجد میں جانے کا ارادہ کرلے۔ اگر مسجد میں جانے کا ارادہ نہ ہو بلکہ گھر ہی میں نماز پڑھنی ہو تو پھر اس حکم پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔

حضرت ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم خوشبو لگا کر مسجد جانے والی عورتوں کو زجر میں مبالغہ کے طور پر ہے کیونکہ اس صورت میں فتنہ و شر زیادہ پیدا ہوتا ہے معطر عورت کی طرف لوگوں کی رغبت زیادہ ہوتی ہے۔

خوشبو لگا کر باہر نکلنے والی عورتوں کے بارے میں وعید

⑭ وَعَنْ اَبِی مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ عَیْنٍ زَانِیَۃٌ وَاِنَّ الْمَرْأَۃَ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَھِیَ کَذَا وَکَذَا یَعْنِی زَانِیَۃٌ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَلِاَبِیْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِیِّ نَحْوُہٗ۔

"اور حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے (جب کہ وہ کسی غیر عورت کی طرف بری نظر سے دیکھے کیونکہ اجنبی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے) اور جو عورت خوشبو لگا کر (مردوں کی) مجلس سے گزرے (اور چاہے کہ لوگ اس کی طرف دیکھیں تو وہ ایسی ہے ایسی ہے یعنی زانیہ ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: جس عورت نے خوشبو لگا کر مردوں کی مجلس میں اپنے آپ کو جلوہ گاہ بنایا تو وہ زانیہ ہے کیونکہ اس نے خوشبو لگا کر غیر مردوں کو اس بات کی رغبت دلائی کہ وہ اس کی طرف دیکھیں اور جب انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ آنکھوں کے زنا میں مبتلا ہوئے اور چونکہ یہ عورت اس فتنہ کا خود باعث بنی اس لئے گو اسی نے زنا کے فعل کا ارتکاب کیا۔

فجر اور عشاء کی نمازوں کی فضیلت

⑮ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاھِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اَشَاھِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ ھَاتَیْنِ الصَّلَاتَیْنِ اَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَافِیْھِمَا لَاَتَیْتُمُوْھُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَی الرُّکَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ عَلٰی مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِکَۃِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَافَضِیْلَتُہٗ لَابْتَدَرْتُمُوْہُ وَاِنَّ صَلَاۃَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْکٰی مِنْ صَلَاتِہٖ وَحْدَہٗ وَصَلَاتُہٗ مَعَ الرَّجُلَیْنِ اَزْکٰی مِنْ صَلَاتِہٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا کَثُرَ فَھُوَ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی)

"اور حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کونین ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی جب آپ ﷺ سلام پھیر چکے تو (ایک شخص کا نام لے کر اس کے بارے میں) فرمایا کہ فلاں شخص حاضر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں! آپ ﷺ نے (ایک دوسرے شخص کا نام لے کر اس کے بارے میں) فرمایا کہ فلاں شخص حاضر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں! (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا "تمام نمازوں میں یہ دونوں (یعنی فجر و عشاء کی) نمازیں منافقین پر بہت گراں گزرتی ہیں، اگر تم جان لیتے کہ ان دونوں نمازوں کا کتنا ثواب ہے، تو تم (دوڑ کر اور) گھٹنوں کے بل (یعنی افتاں و خیزاں) آتے اور (ثواب و فضیلت نیز تقرب الی اللہ کے سلسلہ میں) پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح ہے اگر تم پہلی صف کی فضیلت جان لو تو اس میں شامل ہونے کے لئے جلدی پہنچنے کی کوشش کرنے لگو اور آدمی کا اکیلے نماز پڑھنے سے دوسرے آدمی کے ساتھ مل کر پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہے اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب کا باعث ہے اور جس قدر زیادہ (نمازی ایک ساتھ یعنی جماعت سے نماز پڑھتے) ہوں اللہ کے نزدیک یہ سب سے محبوب ہے۔"

(ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: منافق کا ہر عمل ریا پر مبنی ہوتا ہے اور اس کی ہر عبادت نمائش کی خاطر ہوتی ہے چنانچہ فجر و عشاء کے علاوہ دوسری نمازیں تو منافقین پر زیادہ گراں نہیں گزرتیں کیونکہ ان نمازوں میں نہ صرف یہ کہ زیادہ کسل و سستی نہیں ہوتی بلکہ ریا و نمائش بھی خوب ہو جاتی ہے برخلاف اس کے کہ فجر و عشاء کی نماز میں چونکہ محنت زیادہ پڑتی ہے، کسل بھی ہوتا ہے اور پھر یہ ہے کہ ریا و نمائش کا زیادہ موقع نہیں ملتا اس لئے یہ دونوں نمازیں ان پر بڑی گراں گزرتی ہیں۔ اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ فرمایا گیا ہے اور اس کے بعد ان دونوں نمازوں کی فضیلت کو ظاہر کر دیا گیا ہے تاکہ مخلص و صادق مسلمان ان نمازوں کی سعادت سے کسی بھی وجہ سے محروم نہ رہیں۔

جماعت سے نماز پڑھنے والوں پر شیطان غالب نہیں ہوتا

(۱۶) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ ثَلَاثَۃٍ فِی قَرْیَۃٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِیْہِمُ الصَّلٰوۃُ اِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَیْہِمُ الشَّیْطَانُ فَعَلَیْکَ بِالْجَمَاعَۃِ فَاِنَّمَا یَاکُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِیَۃَ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی)

"اور حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جس بستی اور جنگل میں تین آدمی ہوں اور جماعت سے نماز نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان غالب رہتا ہے لہٰذا تم جماعت کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ اس بکری کو بھیڑیا کھاجاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو (کر تنہارہ) جاتی ہے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: اجتماعیت میں فلاح و کامیابی ہے اور انفرادیت میں خسران و ناکامی، چنانچہ اسلام اپنے متبعین کو اجتماعیت کی تعلیم بڑی اہمیت کے ساتھ دیتا ہے اور اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ اگر اپنی قوم و ملی شان و شوکت کو برقرار رکھنا ہے اور اپنی امتیازی حیثیت کو پوری طاقت کے ساتھ دنیا سے منوانا ہے تو پھر اجتماعیت کے راستہ سے کبھی انحراف نہ کرنا، یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اکثر و بیشتر عبادات شان اجتماعیت کی حامل ہیں۔

یہ تو دنیا کی دیکھی بات ہے کہ جو شخص تن تنہا رہتا ہے نہ تو اس کی کوئی حیثیت و وقعت ہوتی ہے اور نہ اس کی کسی بات میں کوئی طاقت ہوتی ہے جب کوئی چاہتا ہے بڑی آسانی کے ساتھ اس پر قابو پالیتا ہے لیکن جو افراد اجتماعیت کے ساتھ رہتے ہیں نہ صرف یہ کہ ان کی ہر بات میں ایک وزن ہوتا ہے بلکہ ان کی قوت و طاقت سے سب ہی لوگ مرعوب رہتے ہیں۔ یہی حالت شیطان کی ہے کہ کسی تنہا مسلمان پر اس کا اثر بہت جلدی ہوجاتا ہے مگر اس کے برخلاف مسلمانوں کی کسی جماعت پر اس کے مکر و فریب کا جادو نہیں چلتا۔

چنانچہ اس حدیث میں یہی بتایا جارہا ہے کہ اگر کسی بستی یا کسی جنگل میں تین اشخاص رہتے ہوں اور اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ جس طرح ایک بھیڑیا بکریوں کے کسی ریوڑ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا مگر جب کوئی بکری ریوڑ سے الگ ہو کر بالکل تنہا رہ جاتی ہے تو بھیڑیا اسے آن واحد میں اپنی غذا بنالیتا ہے۔

بغیر عذر جماعت میں شریک نہ ہونے والے نمازی کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِیَ فَلَمْ یَمْنَعْہُ مِنِ اتِّبَاعِہٖ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ اَوْمَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْہُ الصَّلٰوۃُ الَّتِی صَلّٰی۔ (رواہ ابوداؤد و الدار قطنی)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جو شخص اذان کہنے والے (یعنی مؤذن) کی اذان سنے اور مؤذن کی تابعداری (یعنی مسجد پہنچ کر جماعت میں شریک ہونے) سے اسے کوئی عذر نہ روکے، لوگوں نے پوچھا کہ عذر کیا ہے؟ فرمایا کہ "(دشمن سے) ڈرنا، بیماری" تو اس کی نماز جو بغیر جماعت (اگرچہ مسجد ہی میں) پڑھے قبول نہیں کی جاتی۔" (ابوداؤدؒ، دارقطنیؒ)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ یہ حدیث بیان فرمارہے تھے کہ لوگوں نے درمیان میں پوچھا کہ وہ کیا عذر ہے جو جماعت سے روک سکتا ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ڈر، خواہ کسی دشمن سے جان کا ہو یا مال و آبرو کا، یا کوئی سخت بیماری ہو" حضرت ابن مالکؒ نے "ڈر" کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ڈر خواہ تو کسی کے ظلم کا شکار ہوجانے کا ہو یا ڈر کسی قرضدار کا ہو ایسی صورت میں کہ وہ اپنی مفلسی کی وجہ سے قرض ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔ ان اعذار کے علاوہ اس سے پہلے بقیہ عذر ذکر کئے جاچکے ہیں، مثلاً سخت سردی و بارش یا کھانا سامنے آچکا ہو، یا استنجے کی حاجت ہو یہ سب چیزیں ترک جماعت کے حق میں معقول عذر ہیں۔ اسی طرح بیماری بھی عذر ہے، مگر ایسی بیماری جس کی وجہ سے مسجد میں پہنچنا ممکن نہ ہو۔

بہرحال اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص مؤذن کی اذان سنے اور پھر مؤذن کی تابعداری کرے یعنی جماعت میں بلاعذر شریک نہ ہو تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی عذر کی بنا پر جماعت میں شریک نہ ہو تو اس کی نماز قبول ہو جائے گی لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہاں "قبول نہ ہونے" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی نماز سرے سے ادا نہیں ہوگی بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ اس کے ذمہ سے نماز کی فرضیت تو ساقط ہو جائے گی مگر اسے نماز کا ثواب نہیں ملے گا۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص غصب کی گئی زمین پر نماز پڑھے تو اس کے ذمہ سے نماز کی فرضیت تو ساقط ہو جاتی ہے مگر اسے نماز کا ثواب نہیں ملتا یا اسی طرح اگر کوئی شخص حرام مال سے حج کرے تو اس کے ذمہ سے فرض تو اتر جاتا ہے مگر اسے ثواب نہیں ملتا۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث اور اس سے پہلے گزرنے والی حدیث کے پیش نظر کسی شخص کے لئے قصداً بلاعذر جماعت ترک کرنے کی مطلقاً اجازت نہیں ہے۔

جماعت کھڑی ہو جائے اور استنجے کی حاجت ہو تو پہلے استنجے سے فارغ ہو جانا چاہئے

(۱۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ وَوَجَدَ اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ۔ (رواہ الترمذی وروی مالک و ابوداؤد و النسائی نحوہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اگر نماز (کے لئے) جماعت کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو پاخانہ کی حاجت ہو تو اسے چاہئے کہ وہ پہلے پاخانہ کو چلا جائے (اگرچہ جماعت ترک ہو جائے)۔"

(ترمذیؒ، مالکؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تین چیزوں کی ممانعت

(۱۹) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَفْعَلَهُنَّ لَا يَؤُمَّنَّ رَجُلٌ قَوْمًا فَيَخُصَّ نَفْسَهُ بِالدُّعَاءِ دُوْنَهُمْ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يَنْظُرْ فِي قَعْرِ بَيْتٍ قَبْلَ اَنْ يَسْتَأْذِنَ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يُصَلِّ وَهُوَ حَقِنٌ حَتّٰى يَتَخَفَّفَ۔ (رواہ ابوداؤد و للترمذی نحوہ)

"اور حضرت ثوبان راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "تین چیزیں ایسی ہیں جن کا کرنا کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔ اول تو یہ کہ کوئی شخص کبھی جماعت کا امام بنے اور دعاء میں جماعت کو شریک کئے بغیر اپنی ذات کو مخصوص کرے اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے جماعت کے ساتھ خیانت کی۔

دوم یہ کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں اجازت حاصل کئے بغیر نظر نہ ڈالے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے گھر والوں کے ساتھ خیانت کی۔

سوم یہ کہ کوئی شخص ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب یا پاخانہ تو کئے ہوئے ہو یہاں تک کہ وہ (استنجے سے فارغ ہو کر) ہلکا ہو جائے۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

کھانے کی وجہ سے نماز میں تاخیر کی ممانعت

(۲۰) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُؤَخِّرُوا الصَّلٰوةَ لِطَعَامٍ وَلَا لِغَيْرِهٖ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے (صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ "کھانے کے لئے یا کسی اور وجہ سے نماز کو (اس کے وقت سے) مؤخر نہ کرو۔" (شرح السنۃ)

تشریح: اس سے پہلے ایک حدیث نمبر ۶ گزر چکی ہے جس سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ (جب کھانا سامنے آجائے تو) پہلے کھانا کھا لیا جائے اور

اس کے بعد نماز پڑھی جائے اور یہاں یہ فرمایا جارہا ہے کہ کھانے وغیرہ کی خاطر نماز کو مؤخر نہ کیا جائے، چونکہ ان دونوں احادیث میں تعارض واقع ہو رہا ہے اس لئے سمجھ لیجئے کہ یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ اگر کھانا کھانے کی صورت میں نماز کا وقت ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پھر یہی حکم ہے کہ نماز کو مؤخر نہ کیا جائے۔

اور حدیث نمبر ۶ کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ وقت میں وسعت ہو اور کھانا سامنے آچکا ہو نیز کھانے کی خواہش بھی ہو تو یہ حکم ہو گا کہ پہلے کھانا کھالیا جائے اس کے بعد نماز پڑھی جائے۔ اس تشریح سے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

جماعت سے نماز پڑھنے کی تاکید

(۲۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهٗ اَوْ مَرِيْضٌ اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَاتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى اَلصَّلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰذِهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَلَوْ اَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ اِلٰى مَسْجِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا حَسَنَةً وَرَفَعَهٗ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهَا يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ نماز باجماعت سے صرف وہی منافق لوگ پیچھے رہ جاتے تھے جن کا نفاق معلوم اور کھلا ہوا تھا (یعنی جن لوگوں کا نفاق پوشیدہ تھا وہ بھی جماعت میں حاضر ہوتے تھے) یا بیمار رہ جاتے تھے (یعنی جس مریض کو مسجد آنے کی کچھ نہ کچھ طاقت ہوتی تھی وہ بھی جماعت میں آتا تھا چنانچہ "جو مریض دو آدمیوں کے درمیان (یعنی ان کے سہارے سے) چل سکتا تھا وہ بھی نماز میں آتا تھا۔ (اس کے بعد) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا "بے شک سرور کونین ﷺ نے ہمیں ہدایت کے طریقے سکھائے ہیں اور ہدایت کے ان طریقوں میں سے (ایک طریقہ) اس مسجد میں (جماعت سے) نماز پڑھنا ہے جس میں اذان دی جاتی ہو۔" ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا "جس شخص کے لئے یہ بات خوش کن ہو کہ وہ کل کے دن خدا سے کامل مسلمان کی حیثیت سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ان پانچوں نمازوں کی اس جگہ حفاظت کرے جہاں ان نمازوں کے لئے اذان دی جاتی ہو (یعنی مسجد میں ان پانچوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ پابندی سے ادا کرتا رہے) کیونکہ اللہ جل شانہ نے تمہارے نبی کریم ﷺ کے لئے ہدایت کے (تمام) طریقے مقرر کر دیئے تھے اور ان پانچوں نمازوں کو جماعت سے پڑھنا بھی ہدایت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ اگر تم اپنی نماز کو اپنے گھروں میں (اگرچہ جماعت سے) پڑھو گے جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا (یعنی منافق) نماز پڑھتا ہے تو "سمجھ لو کہ" تم اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑنے والے ہو گے اور اگر اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دو گے تو بیشک گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور جو شخص پاک ہو کر اچھی طرح وضو کرتا ہے (یعنی وضو کے پورے حقوق و آداب کا لحاظ رکھتا ہے اور اس کے تمام واجبات و سنن کو ادا کرتا ہے" اور پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد میں جاتا ہے تو خداوند قدوس اس کے ہر قدم کے بدلہ جو وہ (مسجد کی راہ میں" رکھتا ہے ایک نیکی لکھتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک برائی کو اس سے دور کر دیتا ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ کھلے ہوئے منافق کے علاوہ کوئی

شخص جماعت سے پیچھے نہ رہتا تھا (یعنی جماعت ترک نہ کرتا تھا) یہاں تک کہ بیمار آدمی اس حالت میں نماز میں لایا جاتا کہ وہ (انتہائی ضعف و کمزوری کی وجہ سے دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوئے ہوتا اور اس کو صف میں لا کھڑا کر دیا جاتا تھا۔" (مسلمؒ)

تشریح: سنن الھدی (ہدایت کے طریقے) ان طریقوں اور راستوں کو کہتے ہیں جن پر عمل کرنا ہدایت کا موجب اور حق تعالیٰ جل شانہ کے قرب اور اس کی رضاء کا باعث ہو۔

آنحضرت ﷺ کے افعال کی قسمیں! آنحضرت ﷺ کے افعال دو نوعیت کے ہوتے تھے! ایک قسم کے افعال تو وہ تھے۔ جنہیں آنحضرت ﷺ بطور عبادت کرتے تھے۔ دوسرے قسم کے افعال وہ تھے جو آپ ﷺ بطریق عادت کرتے تھے۔ جن افعال کو آپ ﷺ بطریق عادت کرتے تھے انہیں "سنن زوائد" کہا جاتا ہے اور جن افعال کو آپ ﷺ بطریق عبادت کرتے تھے انہیں "سنن ہدیٰ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

پھر سنن ہدیٰ کی دو قسمیں ہیں ① سنن مؤکدہ۔ ② سنن غیر مؤکدہ۔

سنن مؤکدہ۔ وہ افعال ہیں جنہیں آپ ﷺ نے بطریق مواظبت کے کیا اور لوگوں کو ان افعال کے کرنے کی تاکید فرمائی۔

سنن غیر مؤکدہ۔ وہ افعال ہیں جو نہ تو آپ ﷺ سے بطریق مواظبت کے صادر ہوتے تھے اور نہ ان پر عمل کرنے کے لئے لوگوں کو تاکید فرماتے تھے۔

اس حدیث میں جس سنن ہدیٰ کا ذکر فرمایا گیا ہے اس سے مراد "سنن مؤکدہ" ہیں۔ جو حضرات جماعت کو واجب قرار دیتے ہیں یہ تعریف ان کے نقطہ نظر کے بھی منافی نہیں ہے کیونکہ لغۃً واجب بھی سنن ہدیٰ کی تعریف میں داخل ہے۔

احمدؒ اور طبرانیؒ نے آنحضرت ﷺ سے مرفوعاً یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ظلم پورا ظلم، کفر اور نفاق (کا حامل) وہ (شخص) ہے کہ اللہ کے پکارنے والے کو سنا کہ وہ مسجد کی طرف (نماز کی جماعت میں شریک ہونے کے لئے) پکارتا ہے مگر اس (شخص نے) جواب نہیں دیا (یعنی مسجد میں پہنچ کر جماعت میں شریک نہیں ہوا) اس روایت کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے بارے میں جو مسجد میں ہونے والی جماعت کو ترک کرتے ہیں آنحضرت ﷺ کی یہ سخت ترین وعید ہے۔

کما یصلی ھذا المتخلف فی بیتہ (جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا شخص اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے) بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی خاص شخص تھا جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتا تھا چنانچہ ابن مسعودؓ نے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح یہ شخص جماعت کی سعادت سے اپنے آپ کو محروم کر کے گھر میں نماز پڑھ لیتا، اسی طرح اگر تم لوگ بھی اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے تو یہ سمجھ لو کہ اس شخص کی طرح تمہارا بھی یہ فعل آنحضرت ﷺ کی سنت کو چھوڑنے کے مرادف ہوگا اور ظاہر ہے کہ سنت کو ترک کرنے والا شخص ضلالت و گمراہی کی تباہ کن کھائی میں گرتا ہے۔

جماعت کو چھوڑنے والا سخت گناہ گار ہوتا ہے

㉒ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَا مَافِی الْبُیُوْتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالذُّرِّیَّةِ اَقَمْتُ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ وَاَمَرْتُ فِتْیَانِی یُحَرِّقُوْنَ مَافِی الْبُیُوْتِ بِالنَّارِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "اگر گھر میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز قائم کر کے خادموں کو حکم دیتا کہ (جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوئے ان کے) گھر بار آگ میں جلا دیئے جائیں۔" (احمدؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا چونکہ واجب نہیں ہے اس لئے ان کو بچانے کا خیال ضروری ہے کہ یہ بے خطا دوسروں کی سزا میں تکلیف نہ پا جائیں۔ اگر عورتیں اور بچے گھروں میں نہ ہوتے تو عشاء کی نماز قائم کرنے

کا حکم دیتا اور صحابہؓ سے کہتا کہ جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوئے ہیں ان کو اُن کے گھر کے اسباب کو آگ کے شعلوں میں جھونک دیا جائے تاکہ انہیں احساس ہو کہ جماعت کو ترک کرنے کی سزا کیا ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ جماعت چھوڑنے والا سخت گناہ گار ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسے جلانے کا قصد فرمایا۔

اذان ہو جانے کے بعد بغیر نماز پڑھے مسجد سے نہ نکلنے کا حکم

(۲۳) وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَلَا يَخْرُجْ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّيَ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ تم مسجد میں موجود ہو اور نماز کے لئے اذان ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص بغیر نماز پڑھے مسجد سے نہ نکلے۔" (احمدؒ)

تشریح: علماء حنفیہ کے نزدیک اذان کے بعد مسجد سے نہ نکلنے کا یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو کسی دوسری جماعت کا منتظم نہ ہو یعنی اگر کوئی شخص کسی دوسری مسجد کا امام ہو تو اذان کے بعد مسجد سے جا سکتا ہے اگر کوئی شخص دوسری مسجد کا امام نہ ہو یا جا کر واپس آنے کا قصد نہ کرے تو اس کو اذان سن کر مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص نماز پڑھ چکا ہے تو اس کے لئے مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں لیکن ظہر اور عشاء میں نماز میں اگر مؤذن تکبیر کہنی شروع کر دے تو اسے بھی نماز پڑھ لینے کے باوجود جماعت میں شریک ہونا چاہئے تاکہ ترک جماعت کا الزام نہ آئے دوسرے آئمہ کے نزدیک ایسی صورت میں ہر نماز میں شریک ہو جانا چاہئے۔ ان کے یہاں ظہر و عشاء کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

(۲۴) وَعَنْ اَبِي الشَّعْثَاءِ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ مَا اُذِّنَ فِيْهِ فَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوشعثاء فرماتے ہیں کہ (ایک دن) اذان ہو جانے کے بعد ایک شخص مسجد سے نکلا تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ "اس شخص نے ابوالقاسم (یعنی رسول اللہ) ﷺ کی نافرمانی کی۔" (مسلمؒ)

(۲۵) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَهُ الْاَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَّهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت عثمان ابن عفانؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے پھر وہ بغیر کسی ضرورت کے مسجد سے چلا جائے اور (جماعت میں شریک ہونے کے لئے) واپس آنے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: اگر کوئی شخص مسجد میں موجود ہو اور اذان ہو جائے اور پھر وہ جماعت کی سعادت سے منہ موڑ کر مسجد سے چلا جائے تو یہ بڑی بد بختی کی بات ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ ایسا شخص ترک جماعت کا گناہ گار ہونے کی وجہ سے منافق کی طرح ہوتا ہے۔

زبان و عمل سے اذان کا جواب نہ دینے والے کی نماز کامل نہیں ہوتی

(۲۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَا صَلَاةَ لَهٗ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ۔ (رواہ الدارقطنی)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے اذان سنی اور اس کا جواب نہ دیا تو اس کی نماز (کامل یا قبول) نہیں ہوتی مگر کسی عذر کی وجہ سے (ایسا کیا تو مضائقہ نہیں۔" (دار قطنیؒ)

تشریح: اذان کا جواب دینا ایک تو زبان سے ہوتا ہے جیسے مؤذن کلمات اذان کہے تو سننے والا ان کلمات کو دہرائے اور ایک جواب عمل سے ہوتا ہے چنانچہ جو شخص مؤذن کی اذان سن کر مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے آتا ہے وہ اپنے عمل سے مؤذن کی اذان کا جواب دیتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زبان و عمل دونوں کے جواب پر نماز کی قبولیت اور نماز کی تکمیل موقوف ہے یعنی جس شخص نے اذان سن کر اس کا جواب نہ تو زبان سے دیا اور نہ مسجد میں آکر عمل سے دیا تو اس کی نماز پایۂ تکمیل اور رباب قبولیت کو نہیں پہنچتی اتنی بات سمجھ لیجئے کہ اصل جواب عمل یعنی مسجد میں آنا ہی ہے اور اس کی زیادہ تاکید ہے۔

نابینا شخص کو بھی جماعت نہ چھوڑنی چاہئے

(۲۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ اُمِّ مَکْتُوْمٍ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الْمَدِیْنَۃَ کَثِیْرَۃُ الْھَوَامِ وَالسِّبَاعِ وَاَنَا ضَرِیْرُ الْبَصَرِ فَھَلْ تَجِدُلِی مِنْ رُخْصَۃٍ فَقَالَ ھَلْ تَسْمَعُ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَے الْفَلَاحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَیَّ ھَلًا وَلَمْ یُرَخِّصْ۔

(رواہ ابوداؤد و النسائی)

"اور حضرت عبداللہ ابن مکتوم فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مدینہ میں موذی جانور اور درندے بہت ہیں اور میں نابینا ہوں (اس عذر کی وجہ سے) کیا آپ ﷺ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں جماعت میں نہ آؤں اور اپنی نماز گھر پڑھ لوں) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن) کر فرمایا کیا تم حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح سنتے ہو؟ میں نے عرض کیا "جی ہاں" فرمایا "جماعت میں آیا کرو" اور انہیں جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے خاص طور پر حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کا ذکر کیا کیونکہ ان الفاظ میں نماز کی طرف بلانا اور ترغیب ہے۔

(۲۸) وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ اَبُوالدَّرْدَاءِ وَھُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَکَ قَالَ وَاللّٰہِ مَا اَعْرِفُ مِنْ اَمْرِ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا اِلَّا اَنَّھُمْ یُصَلُّوْنَ جَمِیْعًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ام درداء فرماتی ہیں کہ (ایک روز میرے خاوند) حضرت ابودرداء میرے پاس غصہ میں بھرے ہوئے آئے (ان کی حالت دیکھ کر) میں نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو غضبناک بنایا؟ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! سرور کونین ﷺ کی امت کے بارے میں (پہلی جیسی) ایک یہی بات جانتا تھا کہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں (مگر اب اسے بھی چھوڑ دیتے ہیں)۔" (بخاری)

فجر کی نماز جماعت سے پڑھنا رات بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے

(۲۹) وَعَنْ اَبِی بَکْرِ بْنِ سُلَیْمَانَ بْنِ اَبِی حَثْمَۃَ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَیْمَانَ بْنَ اَبِی حَثْمَۃَ فِی صَلَاۃِ الصُّبْحِ وَاِنَّ عُمَرَ غَدَا اِلَے السُّوْقِ وَمَسْکَنُ سُلَیْمَانَ بَیْنَ الْمَسْجِدِ وَالسُّوْقِ فَمَرَّ عَلَی الشِّفَاءِ اُمِّ سُلَیْمَانَ فَقَالَ لَھَا لَمْ اَرَ سُلَیْمَانَ فِی الصُّبْحِ فَقَالَتْ اِنَّہٗ بَاتَ یُصَلِّی فَغَلَبَتْہُ عَیْنَاہُ فَقَالَ عُمَرُ لَاَنْ اَشْھَدَ صَلَاۃَ الصُّبْحِ فِی جَمَاعَۃٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقُوْمَ لَیْلَۃً۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت ابوبکر ابن سلیمان ابن ابی حثمہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) حضرت عمر فاروق نے فجر کی نماز میں (میرے والد) حضرت سلیمان ابن ابی حثمہ کو نہیں پایا۔ حضرت عمر جب صبح کو بازار جانے لگے تو سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا اس لئے وہ سلیمان کی والدہ شفاء کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ "(کیا بات ہے) آج میں نے سلیمان کو فجر کی نماز میں نہیں دیکھا؟ سلیمان کی والدہ کہنے لگیں (کہ بات یہ ہوئی) کہ سلیمان نے آج پوری رات نماز پڑھنے میں گزاری اور (صبح ہوتے ہوتے) ان کی آنکھ لگ گئی (اس لئے وہ نماز فجر میں حاضر نہ

ہو سکے، حضرت عمرؓ نے فرمایا "میں صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لینا رات بھر (عبادت کے لئے) کھڑے رہنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔" (مالکؒ)

تشریح: اس حدیث سے نماز فجر با جماعت پڑھنے کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ لگایئے کہ حضرت سلیمانؓ رات بھر عبادت خداوندی میں مصروف رہے اور نماز پڑھتے رہے مگر صبح ہوتے ہوتے آنکھ لگ جانے کی وجہ سے چونکہ وہ فجر کی جماعت میں شریک نہ ہو سکے تو حضرت عمرؓ نے ان کی والدہ سے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ افضل نہیں ہے کہ رات بھر عبادت کی جائے مگر فجر کی جماعت چھوڑ دی جائے اگر کوئی شخص رات بھر عبادت خداوندی میں مشغول رہنے کے باوجود فجر کی جماعت میں شامل ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے افضل کوئی بات ہی نہیں ہے۔ مگر رات بھر عبادت خداوندی میں مصروف رہنے اور پھر بعد میں بتقاضائے بشریت آنکھ وغیرہ لگ جانے کی وجہ سے فجر کی جماعت ترک ہو جائے تو میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔ یہ بہتر ہے کہ رات بھر آرام کیا جائے اور فجر کی جماعت میں پابندی سے شرکت کی جائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات میں عبادت کرنے اور تہجد کی نماز پڑھنے سے فجر کی جماعت میں شریک ہونا زیادہ فضیلت کی بات ہے۔

دو آدمیوں کی جماعت ہو جاتی ہے

(۳۰) وَعَنْ اَبِی مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "دو شخص ہوں یا دو سے زیادہ ہوں، ان سے جماعت (ہو سکتی) ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جماعت کے انعقاد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ بہت بڑی تعداد میں لوگ ہوں یا کم سے کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے بلکہ اگر صرف دو آدمی ہوں اور ان میں سے ایک امام بن جائے اور دوسرا مقتدی، اس طرح دونوں مل کر نماز پڑھ لیں تو جماعت ہو جاتی ہے اور دونوں کو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔

عورتوں کے مسجد جانے کا مسئلہ

(۳۱) وَعَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا النِّسَآءَ حُظُوْظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِذَا اسْتَاْذَنَّكُمْ فَقَالَ بِلَالٌ وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ لَهُ عَبْدُاللّٰهِ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ اَنْتَ لَنَمْنَعُهُنَّ وَفِیْ رِوَایَةِ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ فَاَقْبَلَ عَلَیْهِ عَبْدُاللّٰهِ فَسَبَّهُ سَبًّا مَا سَمِعْتُ سَبَّهُ مِثْلَهُ قَطُّ وَقَالَ اُخْبِرُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت بلال ابن عبداللہؓ اپنے والد مکرم (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ایک روز) کہا کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا کہ "جب عورتیں تم سے مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو تم انہیں (روک کر) ان کو مساجد کے حصہ سے محروم نہ کرو (یعنی مسجد میں جانے کا ثواب انہیں ملتا ہے تو انہیں مسجدوں میں جانے سے روک کر اس ثواب کے حاصل کرنے سے نہ روکو) بلالؓ نے کہا کہ "خدا کی قسم ہم تو انہیں ضرور منع کریں گے" حضرت عبداللہؓ نے بلالؓ سے فرمایا کہ "میں تو کہہ رہا ہوں کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے اور تم کہتے ہو کہ ہم تو انہیں ضرور منع کریں گے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت سالم نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ "پھر (اس کے بعد) حضرت عبداللہؓ بلالؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اس قدر برا بھلا کہا کہ میں نے تو کبھی حضرت عبداللہؓ کی زبان سے انہیں اس قدر برا بھلا کہتے نہیں سنا اور پھر کہا کہ "میں تو کہتا ہوں یہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اور تم کہتے ہو کہ ہم انہیں ضرور منع کریں گے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بلالؓ سے اس لئے ناراض ہوئے اور انہیں برا بھلا کہا کہ انہوں نے بظاہر ایسے الفاظ سے جواب دیا جن سے اپنی رائے کے ساتھ حدیث کا مقابلہ کرنا معلوم ہوتا تھا۔ اگر بلالؓ اس کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے کہتے کہ اب اس زمانہ میں عورتوں کا مسجد میں جانا مناسب نہیں ہے تو حضرت عبداللہؓ ناراض نہ ہوتے، یہی وجہ ہے کہ علماء نے ماحول کی نزاکت کے پیش نظر عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ "ہمارے زمانہ میں امام عورتوں کی نیت نہ کرے۔

اس سلسلہ میں پہلے بھی بتایا جاچکا ہے کہ موجودہ دور کے تمام علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اب اس زمانہ میں جب کہ فتنہ وشر کا دور دورہ ہے عورتوں کے لئے مسجد میں جانا مکروہ ہے۔

(۳۲) وَعَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلٌ اَهْلَهُ اَنْ يَاْتُوا الْمَسَاجِدَ فَقَالَ ابْنٌ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَاِنَّا نَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ هٰذَا قَالَ فَمَا كَلَّمَهُ عَبْدُ اللّٰهِ حَتّٰى مَاتَ۔ (رواہ احمد)

"حضرت مجاہد حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "کوئی شخص اپنے اہل (یعنی اپنی بیوی) کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرے۔" (یہ سن کر) حضرت عبداللہؓ کے ایک صاحبزادہ (بلال) نے کہا کہ "ہم تو انہیں منع کریں گے۔" حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ "میں تو آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم یہ کہہ رہے ہو۔" راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت عبداللہؓ نے اپنے بیٹے سے (آخر عمر تک) گفتگو نہیں کی یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔" (احمدؒ)

تشریح: اس حدیث کی وضاحت وہی ہے جو پہلے کی جاچکی ہے کہ اپنے صاحبزادے سے حضرت عبداللہؓ کی اس قدر شدید ناراضگی کہ آخر عمر تک ان سے گفتگو نہیں کی محض اس بناء پر تھی کہ ان کے صاحبزادے نے اپنے مافی الضمیر کو اس انداز سے ظاہر کیا جو حدیث نبوی کے مقابل معلوم ہوتا تھا۔ بہرحال اس حدیث سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی شخص کی اولاد سنت کو ترک کردے یا سنت کے خلاف اپنی رائے کو غلط انداز میں پیش کرے تو اس سے ترک کلام کیا جاسکتا ہے۔

اس باب کی چونکہ یہ آخری حدیث ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے حاصل کرنے کے بعض طریقے اور مسائل جن کا جاننا ضروری ہے نقل کردیئے جائیں۔

جماعت کے بعض مسائل

اگر کوئی شخص[1] اپنے محلہ یا مکان کے قریب مسجد میں ایسے وقت پر پہنچا کہ وہاں جماعت ہوچکی تھی تو اس کو مستحب ہے کہ دوسری مسجد میں دوبارے جماعت کے لئے جائے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے گھر واپس آکر آدمیوں کو جمع کرکے جماعت کرلے۔

اگر کوئی شخص نفل نماز شروع کرچکا ہو اور فرض جماعت ہونے لگے تو اس کو چاہئے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیردے اگرچہ چار رکعت نفل کی نیت کی ہو۔ یہی حکم ظہر اور جمعہ کی سنت مؤکدہ کا ہے کہ اگر شروع کرچکا ہو اور فرض ہونے لگے تو دو ہی رکعت پڑھ کر سلام پھیردے اور پھر ان سنتوں کو فرض کے بعد پڑھ لے۔ ظہر کی سنتیں ان سنتوں کے بعد پڑھی جائیں جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

اگر فرض نماز ہو رہی ہو تو پھر سنت وغیرہ شروع نہ کی جائے بشرطیکہ کسی رکعت کے چلے جانے کا خوف ہو ہاں اگر یقین یا گمان غالب ہو کہ کوئی رکعت نہ جانے پائے گی تو پڑھ لے۔ مثلاً ظہر کے وقت جب فرض شروع ہوجائے اور خوف ہو کہ سنت پڑھنے سے کوئی رکعت جاتی رہے گی تو پھر مؤکدہ سنتیں جو فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں چھوڑدے اور فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھ کر ان سنتوں کو پڑھ لے مگر فجر کی سنتیں چونکہ زیادہ مؤکدہ ہیں لہٰذا ان کے لئے حکم ہے کہ اگر فرض شروع ہوچکا ہو تب بھی ادا کرلی جائیں، بشرطیکہ قعدۂ اخیرہ

[1] ماخوذ از علم الفقہ ۱۲۔

مل جانے کی امید ہو اور اگر قعدہ اخیرہ کے بھی نہ ملنے کا خوف ہو تو پھر نہ پڑھے۔

اگر یہ خوف ہو کہ فجر کی سنت اگر نماز سنن و مستحبات وغیرہ کی پابندی سے ادا کی جائے تو جماعت نہ ملے گی تو ایسی حالت میں چاہئے کہ صرف فرائض اور واجبات پر اختصار کرے اور سنن وغیرہ چھوڑ دے۔ فرض شروع ہو جانے کی صورت میں جو سنتیں پڑھی جائیں خواہ فجر کی ہوں یا کسی اور وقت کی تو وہ ایسے مقام پر پڑھی جائیں جو مسجد سے علیحدہ ہو اس لئے کہ جہاں فرض نماز ہوتی ہو تو پھر کوئی دوسری نماز وہاں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو صف سے علیحدہ مسجد کے کسی گوشہ میں پڑھ لے اور یہ بھی نہ ہو تو نہ پڑھے۔ اگر جماعت کا قعدہ مل جائے اور رکعتیں نہ ملیں تب بھی جماعت کا ثواب مل جائے گا اگرچہ اصطلاح فقہاء میں اس کو جماعت کی نماز نہیں کہتے۔ جماعت سے ادا کرنا جب ہی کہا جائے گا کہ جب کل رکعتیں مل جائیں۔ یا اکثر رکعتیں مل جائیں مثلاً چار رکعت والی نماز کی تین رکعت مل جائیں یا تین رکعت والی نماز کی دو رکعت مل جائیں اگرچہ بعض فقہا کے نزدیک جب تک کل رکعتیں نہ ملیں جماعت میں شمار نہیں ہوتا۔

جس رکعت کا رکوع امام کے ساتھ مل جائے گا تو سمجھا جائے گا کہ وہ رکعت مل گئی۔ ہاں اگر رکوع نہ ملے تو پھر اس رکعت کا شمار ملنے میں نہ ہوگا۔

بَابُ تَسْوِيَةِ الصَّفِّ

صفوں کے برابر کرنے کا بیان

صفوں کو برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ نماز کے لئے جماعت میں کھڑے ہوں تو صف بندی اس طرح کریں کہ آپس میں بالکل مل کر کھڑے ہوں تاکہ ایک دوسرے کے درمیان خلا نہ رہے اور آگے پیچھے ہٹ کر کھڑے نہ ہوں بلکہ برابر کھڑے رہیں اگر کئی صفیں ہوں تو وہ اس طرح قائم کی جائیں کہ ایک دوسری صف کے درمیان شروع سے لے کر آخر تک یکساں فرق رہے ایسا نہ ہو کہ کسی جگہ سے تو دونوں صفوں کا درمیانی فاصلہ کم ہو اور کسی جگہ سے زیادہ۔ اس باب کے تحت جو احادیث نقل کی جائیں گی ان سے صفوں کو برابر کرنے کی اہمیت و تاکید معلوم ہوگی اور صف بندی کے جو مسائل و احکام ہیں وہ واضح ہوں گے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

صف برابر رکھنے کا حکم

① عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ اَنْ يُكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْلَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت نعمان ابن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہماری صفیں (اس طرح) برابر (سیدھی) کیا کرتے تھے کہ گویا تیر بھی ان صفوں سے سیدھا کیا جاسکتا تھا یہاں تک کہ ہم بھی آپ ﷺ سے (صفوں کی برابر کرنے کی اہمیت) سمجھ گئے۔ ایک دن آنحضرت ﷺ (مکان سے نکل کر) تشریف لائے اور (نماز کے لئے) کھڑے ہوگئے اور تکبیر (تحریمہ) کہنے ہی کو تھے کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے کچھ نکلا ہوا آپ ﷺ نے دیکھ لیا چنانچہ (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔" (مسلم)

تشریح: عرب میں تیر کی ہمواری اور سیدھا پن اس قدر مشہور تھا کہ دوسری چیزوں کے سیدھے پن اور ہمواری کو بھی تیر سے تشبیہ دیا

کرتے تھے اس طرح گویا تیر بھی ان صفوں سے سیدھا کیا جاتا تھا۔" یہ جملہ کسی چیز کی ہمواری اور سیدھے پن کے لئے مثل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ تیروں کے ذریعہ دوسری چیزوں کو سیدھا اور برابر کرتے ہیں اور یہاں یہ مبالغہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے کہ صفیں اس قدر سیدھی اور ہموار ہوتی تھیں کہ تیر بھی ان کے ذریعہ سیدھے کئے جاسکتے تھے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ عبارت اپنے عکس پر محمول ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا صفیں تیروں کے ذریعہ برابر کرتے تھے" حدیث کے آخری جملہ کا مطلب مولانا مظہر نے یہ بیان کیا ہے کہ ظاہری ادب و فرمانبرداری نہیں کرو گے تو تمہاری یہ ظاہری نافرمانی تمہارے باطن یعنی دلوں کے اختلاف کی طرف تمہیں پہنچائے گی۔ جو آگے چل کر آپس کے بغض و عناد اور کدورت و عداوت کا سبب بن جائے گی اور پھر قلوب کے یہ اختلاف اور یہ باطنی بری خصلتیں تمہاری ظاہری زندگی میں بھی اس طرح سرایت کر جائیں گی کہ تمہارے درمیان بغض و عداوت پیدا ہو جائے گی چنانچہ تم میں سے ہر شخص ایک دوسرے سے اعراض کرے گا اور کسی کے دل میں کسی کے لئے ہمدردی کا کوئی جذبہ باقی نہ رہ جائے گا بہرحال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صفوں کو سیدھا اور ہموار رکھنے کی بڑی اہمیت ہے جب جماعت کھڑی ہو تو ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو صف کے برابر کرلے اور ایک دوسرے سے آگے پیچھے نہ کھڑا ہونا چاہئے، اگر صف کو سیدھا کرنے کے اس حکم کی پیروی نہیں کی جائے گی تو جان لو کہ خداوند قدوس اس کی سزا تمہیں یہ دے گا کہ تمہارے درمیان بغض و نفرت پیدا ہو جائے گی جس سے تمہاری معاشرتی و سماجی امن و سکون کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔

جب تک ایک صف پوری نہ ہو دوسری صف قائم نہ کی جائے

(۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قَالَ اَتِمُّوا الصُّفُوْفَ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ۔

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز جب) نماز کھڑی ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "اپنی صفیں سیدھی کرو، اور آپس میں مل کر کھڑے ہو، بیشک میں اپنی پشت کے پیچھے سے بھی تمہیں دیکھ سکتا ہوں (یعنی نماز کی حالت میں مکاشفہ کے ذریعہ نمازیوں کے احوال پر مطلع رہتا ہوں) اس روایت کو بخاری نے نقل کیا ہے اور بخاری و مسلم دونوں کی روایت یہ ہے کہ "(آنحضرت نے فرمایا) "صفوں کو پورا کر لیا کرو، میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔"

تشریح: دوسری روایت کے الفاظ "صفوں کو پورا کر لیا کرو" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ایک صف پوری نہ ہو جائے دوسری صف قائم نہ کرو ایسا نہ ہونا چاہئے کہ آگے کی صف میں جگہ خالی ہو اور اس میں مزید نمازیوں کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہو لیکن اس کے باوجود پیچھے دوسری صف قائم کر لی جائے ایسا کرنا غلط ہے۔

صف برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلَاةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ۔

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی صفوں کو برابر رکھا کرو کیونکہ صفوں کو برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں ہے۔"

(بخاری) مسلم کی روایت من اقامۃ الصلوۃ کے بجائے من تمام الصلوۃ کے الفاظ ہیں)

تشریح: قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے اقیموا الصلوۃ یعنی نماز تعدیل ارکان، سنن و آداب کی رعایت کے ساتھ پڑھو لہٰذا یہاں حدیث میں

الفاظ اقامۃ الصلوۃ سے اسی آیت کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ صفوں کو برابر کرنا بھی اقیموا الصلاۃ کے حکم میں داخل ہے۔

صف برابر نہ رکھنے سے قلوب میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے

④ وَعَنْ اَبِی مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ مَنَاکِبَنَا فِی الصَّلَاۃِ وَیَقُوْلُ اسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُکُمْ لِیَلِیَنِیْ مِنْکُمْ اُولُو الْاَحْلَامِ وَ النُّھٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ قَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ فَاَنْتُمُ الْیَوْمَ اَشَدُّ اِخْتِلَافًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (جب نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو) ہمارے مونڈھوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرماتے تھے کہ "برابر برابر رہو مختلف (یعنی آگے پیچھے کھڑے) نہ ہو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور تم میں سے جو لوگ عاقل و بالغ ہوں وہ میرے قریب رہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں اور پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔" حضرت ابو مسعودؓ نے (لوگوں کے سامنے یہ حدیث بیان کر کے) فرمایا کہ آج تم لوگوں میں اختلاف بہت زیادہ ہے۔" (مسلم)

تشریح: "مختلف نہ ہو" کا مطلب یہ ہے کہ جب صف بندی کر کے نماز کے لئے کھڑے ہو تو اس بات کا بطور خاص خیال رکھو کہ سب کے بدن برابر رہیں ایک دوسرے سے آگے پیچھے ہو کر کھڑے نہ ہو اور اپنے بدن کا کوئی عضو صف سے باہر نہ نکالو اور اگر تم لوگ صف میں اپنے بدن کے ظاہری اعضاء کو غیر برابر اور ناہموار رکھو گے تو اس کا اثر باطنی طور پر یہ ہو گا کہ تمہارے قلوب میں اختلاف پیدا ہو جائے گا کیونکہ بدن کے ظاہری اعضاء اور قلب کے درمیان بڑا لطیف تعلق ہے اور ایک دوسرے کی تاثیر بڑی عجیب ہے اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جیسے ظاہری اعضاء کی ٹھنڈک باطنی اعضاء پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور باطنی اعضاء کی ٹھنڈک ظاہری اعضاء کو متاثر کرتی ہے اسی طرح صف میں ظاہری بدن کو غیر برابر رکھنا قلوب پر اثر انداز ہوتا ہے جس کا خاصہ ہے کہ دلوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

صف کی ترتیب

حدیث کے دوسرے جزو میں صف کی ترتیب یہ بتائی گی ہے کہ میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو صاحب عقل فہم اور بالغ ہوں، یعنی پہلی صف میں ان لوگوں کو کھڑا ہونا چاہئے جو بالغ اور عقل و فہم کے مالک ہوں تا کہ وہ نماز کی کیفیت اور اس کے احکام دیکھیں اور یاد کریں اور پھر امت کے دوسرے لوگوں کو ان کی تعلیم دیں، پھر دوسری صف میں وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں یعنی مراہق (جو بالغ ہونے کے قریب ہوں) اور لڑکے، اور پھر تیسری صف میں وہ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں یعنی مخنث (جن میں مرد و عورت دونوں کی علامتیں پائی جائیں) پھر ان سب کے بعد آخر میں عورتوں کی صف قائم کی جائے یہاں حدیث میں عورتوں کی صف کے بارے میں ذکر نہیں کیا گیا ہے کیونکہ یہ متعین ہے آخر میں عورتوں ہی کی صف ہوتی ہے۔

آخر میں حضرت ابو مسعودؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ "آج تمہارے اندر افتراق و انتشار پیدا ہو گیا ہے اور آپس میں تم لوگ جو اتنا اختلاف کرتے ہو نیز فتنوں کی جو بھرمار ہو رہی ہے ان سب کی وجہ یہی ہے کہ تم لوگ اگر ان فتنوں اور اختلاف سے بچنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے ظاہری اختلاف کو ختم کر ڈالو یعنی صفوں کو برابر رکھو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے باطنی اختلاف کو بھی ختم کر دے گا۔

مساجد میں شور و غل نہ مچانا چاہئے

⑤ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَلِیَنِیْ مِنْکُمْ اُولُوا الْاِحْلَامِ وَالنُّھٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثَلَاثًا وَاِیَّاکُمْ وَھَیْشَاتِ الْاَسْوَاقِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جو لوگ صاحب عقل اور بالغ ہوں وہ (نماز میں) میرے

قریب کھڑے ہوں پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں۔" یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین بار فرمائے اور تم (مساجد میں) بازاروں کی طرح شور و غل مچانے سے بچو۔" (مسلم)

تشریح: پہلی حدیث میں عورتوں کی صف کا ذکر نہ پیش نظر تھا اس لئے وہاں ثم الذین یلونھم کے الفاظ دو مرتبہ ذکر فرمائے گئے اور یہاں چونکہ عورتوں کی صف کا ذکر بھی پیش نظر تھا اس لئے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے گئے اس طرح صف کے چار درجے ہو گئے، یعنی پہلی صف میں بالغ اور صاحب عقل و فہم لوگ کھڑے ہوں اس کے بعد کی صفوں میں مراہق اور لڑکے کھڑے ہوں۔ اس کے بعد صفوں میں مخنث کھڑے ہوں اور پھر آخر میں عورتوں کی صف قائم کی جائے۔

⑥ وَعَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَصْحَابِہٖ تَاَخُّرًا فَقَالَ لَھُمْ تَقَدَّمُوْا وَاْتَمُّوْا بِیْ وَلْیَاْتَمَّ بِکُمْ مَنْ بَعْدَکُمْ لَا یَزَالُ قَوْمٌ یَتَاَخَّرُوْنَ حَتّٰی یُؤَخِّرَھُمُ اللّٰہُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (جب) دیکھا کہ صحابہ (پہلی صف میں آنے میں) تاخیر کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "آگے بڑھو! اور میری اقتداء کرو تاکہ وہ لوگ جو تمہارے پیچھے کھڑے ہوں تمہاری اقتداء کریں (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) ایک جماعت ہمیشہ (پہلی صف میں کھڑے ہونے میں) تاخیر کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بھی (اپنی فضل اور رحمت میں) انہیں پیچھے ڈال دے گا۔" (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جب صحابہ کو دیکھا کہ وہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کی کوشش نہیں کرتے تو ان سے فرمایا کہ آگے بڑھو اور پہلی صف میں کھڑے ہو کر میری اقتداء کرو یعنی میرے پیچھے مجھ سے قریب ہو کر کھڑے رہو تاکہ میرے افعال دیکھتے رہو اسی طرح جو لوگ تم سے پیچھے کھڑے ہوں وہ تمہاری متابعت کریں کیونکہ پچھلی صف کے لوگ اگلی صف کے لوگوں کی متابعت بایں طور کرتے ہیں کہ نماز کے جو افعال اگلی صف والے کرتے ہیں وہی افعال پچھلی صف والے کرتے رہتے ہیں لہٰذا یہ متابعت اور اقتداء ظاہر کے اعتبار سے ہے ورنہ تو حقیقت میں سب نمازی امام ہی کے تابع ہوتے ہیں۔

صفیں پوری اور برابر رکھنی چاہئیں

⑦ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَاٰنَا حَلَقًا فَقَالَ مَالِیْ اَرَاکُمْ عِزِیْنَ ثُمَّ خَرَجَ عَلَیْنَا فَقَالَ اَلَا تَصُفُّوْنَ کَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِکَۃُ عِنْدَ رَبِّھَا فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِکَۃُ عِنْدَ رَبِّھَا قَالَ یُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰی وَیَتَرَاصُّوْنَ فِی الصَّفِّ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے اور ہمیں مختلف حلقوں میں بیٹھے دیکھ کر فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورت میں (بیٹھے ہوئے) دیکھ رہا ہوں (یعنی اس طرح الگ الگ جماعت کر کے نہ بیٹھا کرو کیونکہ یہ نااتفاقی اور انتشار کی علامت ہے) پھر اسی طرح (ایک روز) آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے اور فرمایا کہ تم لوگ (نماز میں) اس طرح صف کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے خدا کے حضور میں (بندگی کے لئے کھڑے ہونے کے واسطے) صف باندھتے ہیں۔" ہم نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ فرشتے اپنے پروردگار کے حضور میں کس طرح صف باندھتے ہیں؟ فرمایا "پہلی صفوں کو پوری کرتے ہیں اور صف میں بالکل (برابر، برابر) کھڑے ہوتے ہیں۔" (مسلم)

مرد اور عورت کی بہترین صف کون سی ہے؟

⑧ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُھَا وَشَرُّھَا اٰخِرُھَا وَخَیْرُ

صُفُوْفِ النِّسَاءِ اٰخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین صف پچھلی صف ہے عورتوں کی بہترین صف پچھلی صف ہے اور بدترین صف پہلی صف ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: بہترین سے مراد ثواب کی زیادتی ہے یعنی پہلی صف والے دوسری صف والوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ثواب کے حق دار ہوتے ہیں۔

مردوں کے لئے بہترین صف پہلی صف کو اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اس صورت میں وہ امام سے قریب ہوتے ہیں اور عورتوں سے دور اور پچھلی صف بدترین اس لئے ہوتی ہے کہ اس شکل میں امام سے دوری ہو جاتی ہے اور عورتوں سے نزدیکی۔ اس طرح عورتوں کے لئے پہلی صف اس لئے بدترین ہے کہ وہ پہلی صف میں کھڑی ہونے سے مردوں سے نزدیک ہو جاتی ہیں پچھلی صف ان کے لئے اس وجہ سے بہترین ہے کہ اس صورت میں وہ مردوں سے دور رہتی ہیں۔

بہر حال حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو تو پہلی صف میں کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہئے اور عورتوں کو آخری صف میں شامل ہونے کی سعی کرنی چاہئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

صفوں میں خلاء رکھنا چاہئے

⑨ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ اِنِّیْ لَاَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَاَنَّهَا الْحَذَفُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اپنی صفیں ملی ہوئی رکھو (یعنی آپس میں خوب مل کر کھڑے ہو) اور صفوں کے درمیان قرب رکھو (یعنی آپس میں خوب مل کر کھڑے ہو) اور صفوں کے درمیان قرب رکھو (یعنی دو صفوں کے درمیان اس قدر فاصلہ نہ ہو کہ ایک صف اور کھڑی ہو سکے) نیز اپنی گردنیں برابر رکھو (یعنی صف میں تم میں سے کوئی بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو بلکہ ہموار جگہ پر کھڑا ہو تاکہ سب کی گردنیں برابر رہیں) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں شیطان کو بکری کے کالے بچہ کی طرح تمہاری صفوں کی کشادگی میں گھستے دیکھتا ہوں۔" (ابوداؤدؒ)

صفیں پوری کرو

⑩ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِیْ يَلِيْهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِی الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "پہلی صف کو پوری کرو پھر جو اس کے قریب (یعنی اس کے بعد) ہو اسے پوری کرو اور صف میں جو کمی رہے تو وہ سب سے پچھلی صف میں ہونی چاہئے۔" (ابوداؤدؒ)

پہلی صفوں کی فضیلت

⑪ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ يَلُوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰى وَمَا مِنْ خَطْوَةٍ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ خَطْوَةٍ يَمْشِيْهَا يَصِلُ بِهَا صَفًّا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت براء ابن عازبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو لوگ پہلی صفوں کے قریب ہوتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدم سے زیادہ محبوب کوئی قدم نہیں ہے جو چل کر صف میں ملے (یعنی اگر صف میں جگہ خالی رہ گئی ہو تو وہاں جا کر کھڑا ہو جائے)۔" (ابوداؤد)

تشریح: چونکہ دوسری صف کو بھی ان صفوں پر جو اس کے بعد ہوتی ہیں فضیلت حاصل ہے اس لئے جب آنحضرت ﷺ نے پہلی صف کی بہت زیادہ فضیلت بیان فرمائی تو "پہلی صفوں" کے اور دوسری صف کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔

صف میں دائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے

⑫ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "صفوں کے دائیں طرف والے لوگوں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔" (ابوداؤد)

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ صف میں امام کے دائیں طرف کھڑا ہونا خواہ امام سے دور ہی کیوں نہ ہو بائیں طرف کھڑے ہونے سے خواہ امام سے کتنا ہی نزدیک کیوں نہ ہو افضل ہے ہاں اگر صف میں بائیں طرف جگہ خالی ہو تو پھر صف کی دونوں جانب کو برابر کرنے کے پیش نظر بائیں طرف ہی کھڑا ہونا افضل ہوگا۔

آنحضرت ﷺ صفوں کو برابر کرنے کے بعد نماز شروع کرتے تھے

⑬ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا اِذَا اُقِيْمَتْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت نعمان ابن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ "جب ہم لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو (پہلے) نبی کریم ﷺ ہماری صفوں کو (زبان یا ہاتھ سے) برابر فرماتے چنانچہ جب صفیں برابر ہو جاتیں تو آپ تکبیر تحریمہ کہتے۔" (ابوداؤد)

⑭ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَنْ يَمِيْنِهٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَعَنْ يَسَارِهٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (جب نماز شروع کرتے تو پہلے) اپنے دائیں طرف (متوجہ ہو کر) فرمایا کرتے تھے "سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفیں برابر کر لو" پھر بائیں طرف (بھی متوجہ ہو کر یہی) فرماتے تھے کہ "سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفیں برابر کر لو۔" (ابوداؤد)

نماز میں نرم مونڈھے والے بہتر ہیں

⑮ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِيَارُكُمْ اَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِي الصَّلَاةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کے مونڈھے نماز میں بہت نرم رہیں۔" (ابوداؤد)

تشریح: نماز نرم مونڈھے کو توضیح و تشریح میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے اس کے کئی معنی ہیں چنانچہ اس کے ایک معنے تو یہ ہیں کہ "اگر کوئی

شخص جماعت میں اس طرح کھڑا ہو کہ صف برابر نہ ہوئی ہو اور پیچھے سے آکر کوئی شخص اس کا مونڈھا پکڑ کر اسے سیدھا کھڑا ہو جانے کے لئے کہے تو وہ ضد و ہٹ دھرمی اور تکبر نہ کرے بلکہ اس شخص کا کہنا مان لے اور سیدھا کھڑا ہو کر صف برابر کر لے۔
دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص صف میں آکر کھڑا ہونا چاہے اور جبکہ صف میں جگہ بھی ہو تو اسے منع نہ کرے صف میں کھڑا ہو جانے دے، اس کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ "مونڈھوں کو نرم رکھنا" نماز میں خشوع و خضوع اور سکون و وقار کے لئے کنایہ ہے۔ یعنی نماز میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو نہایت خاطر جمعی، حضوری قلب اور اطمینان و وقار کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اسْتَوُوْا اسْتَوُوْا، اِسْتَوُوْا فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِيْ كَمَا اَرَاكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ تم (نماز میں) برابر کھڑے ہوا کرو، برابر کھڑے ہوا کرو، برابر کھڑے ہوا کرو، اور قسم ہے اس ذات کی جس قبضہ میں میری جان ہے میں جس طرح اپنے سامنے سے تمہیں دیکھتا ہوں اسی طرح (مشاہدہ اور مکاشفہ کے ذریعہ) اپنے پیچھے سے بھی تمہیں دیکھتا ہوں۔" (ابوداؤدؒ)

پہلی صف کے مقابلہ میں دوسری صف کی فضیلت کم ہے

(۱۷) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ وَعَلَى الثَّانِيْ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَحَاذُوْا بَيْنَ مَنَاكِبِكُمْ وَلِيْنُوْا فِيْ اَيْدِيْ اِخْوَانِكُمْ وَسُدُّوا الْخَلَلَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ فِيْمَا بَيْنَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَذَفِ يَعْنِيْ اَوْلَادَ الضَّانِ الصِّغَارَ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف (والوں) پر رحمت بھیجتے ہیں" (یہ سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! دوسری صف (والوں) پر بھی (یعنی اس طرح فرمائیے کہ پہلی اور دوسری صف پر رحمت بھیجتے ہیں مگر آنحضرت ﷺ نے (اس مرتبہ بھی دوسری صف کا ذکر نہیں کیا بلکہ) فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں" صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور دوسری صف پر بھی فرمائیے آنحضرت ﷺ نے (پھر بھی) فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں۔" صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اور دوسری صف پر بھی فرمائیے۔" آپ ﷺ نے فرمایا اور دوسری صف پر بھی (اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں) پھر آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ "اپنی صفوں کو برابر کرو، اپنے مونڈھوں کو ہموار رکھو (یعنی ایک سطح اور ہموار جگہ پر کھڑے ہو اور اونچا نیچا ہو کر مت کھڑے ہو) اور اپنے بھائیوں کے ہاتھ کے آگے نرم رہو۔ (یعنی اگر کوئی شخص مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر تمہیں صف میں برابر کرے تو اس سے انکار نہ کرو بلکہ برابر ہو جاؤ، نیز صفوں میں خلا پیدا نہ کرو کیونکہ شیطان خذف یعنی بھیڑ کا چھوٹا بچہ بن کر تمہارے درمیان گھس جاتا ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: صحابہؓ کے قول وعلی الثانی میں جو عطف ہے اسے عطف تلقین کہتے ہیں یعنی صحابہؓ کا مطلب یہ تھا کہ پہلی صف کی فضیلت تو آپ ﷺ نے بیان فرما دی دوسری صف کی فضیلت بھی بیان فرما دیجئے کہ دوسری صف پر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تیسری مرتبہ دوسری صف کو بھی پہلی صف کی صفت مذکورہ میں شامل فرما دیا جس سے معلوم ہو کہ فضیلت

کے اعتبار سے دوسری صف کا درجہ پہلی صف سے کم تر ہے۔

(۱۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ وَلِيْنُوْا بِاَيْدِيْ اِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوْا فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ وَّصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهُ قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ مِنْهُ قَوْلَهُ مَنْ وَّصَلَ صَفًّا اِلٰى اٰخِرِهٖ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "صفوں کو سیدھی کرو، اپنے مونڈھوں کے درمیان ہمواری رکھو، صفوں کے خلاء کو پر کرو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو (یعنی اگر کوئی شخص تمہیں ہاتھوں سے پکڑ کر صف میں برابر کرے تو اس کو کہنا مانو) اور صفوں میں شیطان کے لئے خلا نہ چھوڑو اور (فرمایا) جس شخص نے صف کو ملایا (یعنی صف میں خالی جگہ پر جا کھڑا ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ اسے (اپنے فضل اور اپنی رحمت سے) ملادے گا اور (یاد رکھو) جو شخص صف کو توڑے گا تو اللہ تعالیٰ اسے توڑ ڈالے گے (یعنی مقام قرب سے دور پھینک دے گا)۔" (ابوداؤد) نسائی نے اس حدیث کو من وصل صفا سے آخر تک نقل کیا ہے (یعنی نسائی کی روایت میں من وصل صفا سے پہلے عبارت نہیں ہے)

امام کو بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے

(۱۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَسَّطُوا الْاِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "امام کو بیچ میں رکھو (یعنی صف بندی اس طرح کرو کہ امام دائیں اور بائیں آدمی برابر ہوں) اور (صف کے) خلا کو بند کرو۔" (ابوداؤدؒ)

پہلی صف میں شمولیت نہ کرنے پر وعید

(۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَّتَاَخَّرُوْنَ عَنِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ نے فرمایا "کچھ لوگ ہمیشہ پہلی صف سے پیچھے ہٹتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ میں پیچھے ڈالے رکھے گا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح : حی یوخر اللّٰہ فی النار کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ "(جو لوگ پہلی صف میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کریں گے اور برابر پیچھے کی صفوں میں شامل ہوتے رہیں گے تو) اللہ تعالیٰ انہیں آخر الامر دوزخ میں داخل کرے گا یا دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں پیچھے رہنے والا کرے گا۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ پہلی صف میں شامل ہونے کی کوشش کرتے مگر انہوں نے چونکہ اپنی تساہلی اور کاہلی کی بناء پر ہمیشہ پچھلی صفوں میں کھڑا رہ کر اپنے آپ کو اس ثواب سے محروم رکھا اس لئے اس کے بدلہ میں وہ یہ سزا پائیں گے۔

صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہونے والے کا حکم

(۲۱) وَعَنْ وَابِصَةَ ابْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّيْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّعِيْدَ الصَّلٰوةَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

"اور حضرت وابصہ ابن معبدؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے تنہا (کھڑا ہوا) نماز پڑھ رہا

تھا چنانچہ آپ ﷺ نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔" (ابوداؤد، ترمذی) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: چونکہ پہلی صف میں جگہ خالی تھی اس کے باوجود وہ شخص صف کے پیچھے تنہا کھڑا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسے بطور استحباب دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا یعنی پچھلی صف میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا نمازی نہیں ہوگا۔ تو امام احمدؒ کے مسلک کے مطابق اس کی نماز نہیں ہوگی۔ مگر حضرت امام اعظمؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام مالکؒ ان تینوں ائمہ کے نزدیک صف کے پیچھے تنہا پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے۔ تاہم ان حضرات کا قول بھی یہ ہے کہ صف کے پیچھے تنہا نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

بَابُ الْمَوْقِفِ

امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِيْ بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِيَدِيْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهٖ فَعَدَلَنِي كَذٰلِكَ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهٖ اِلَى الشِّقِّ الْاَيْمَنِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے اپنی خالہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے یہاں رات گزاری چنانچہ (جب) نبی کریم ﷺ (تہجد) نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ ﷺ کے بائیں طرف جا کر کھڑے ہو گیا آنحضرت ﷺ نے اپنے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑ کر اس طرح پھیرا (کہ) مجھے اپنے پیچھے کی جانب سے لا کر دائیں طرف کھڑا کر لیا۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے کئی مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔

① نفل نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہے۔ ② اگر جماعت صرف دو آدمیوں کی ہو یعنی ایک امام ہو اور ایک مقتدی۔ تو مقتدی کو امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے۔ ③ نماز میں تھوڑا سا عمل جائز ہے۔ ④ مقتدی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ امام سے آگے ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو آگے کی جانب سے پھیرنے کی بجائے اپنے پیچھے سے پھیر کر دائیں طرف لا کھڑا کیا۔ ⑤ ایسے شخص کے پیچھے اقتداء جائز ہے جس نے شروع سے امام کی نیت نہ کر رکھی ہو۔

ہدایہ میں لکھا ہے کہ "صورت مذکورہ میں اگر تنہا مقتدی امام کے پیچھے یا بائیں طرف نماز پڑھے تو جائز ہے لیکن مناسب نہیں ہے۔

تین آدمیوں کی جماعت

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ فَجِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَاَدَارَنِيْ حَتّٰى اَقَامَنِي عَنْ يَمِيْنِهٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰى اَقَامَنَا خَلْفَهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آکر آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا آنحضرت ﷺ نے (اپنے پیچھے سے) میرا (داہنا) ہاتھ پکڑا اور (اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے لا کر) اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ پھر

جبارؓ ابن صخر آئے اور آنحضرت ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہوگئے آنحضرت ﷺ نے ہمارے دونوں کے ہاتھ اکٹھا پکڑے (یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے ایک کا بایاں ہاتھ پکڑا اور اپنے بائیں ہاتھ سے دوسرے کا دایاں ہاتھ پکڑا) اور ہمیں (اپنی اپنی جگہ سے) ہٹا کر اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہو جائے اور اگر ایک سے زیادہ مقتدی ہوں تو پھر سب امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

قاضیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھوں کو ایک مرتبہ یا بغیر وقفہ سے دو مرتبہ حرکت میں لانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

مقتدی مرد و عورت کس طرح کھڑے ہوں

③ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَيَتِيْمٌ فِيْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اور یتیم نے اپنے مکان میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز (جماعت سے) پڑھی اور اُم سلیم ہمارے پیچھے تھیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: ام سلیم حضرت انسؓ کی والدہ محترمہ کا نام تھا اور یتیم ان کے بھائی کا نام تھا۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یتیم ہی ان کا نام تھا لیکن کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ ان کا نام ضمیرہ تھا۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر امام کے پیچھے مرد و عورت دونوں مقتدی کی حیثیت سے نماز میں شامل ہوں تو مردوں کو اپنی صف آگے قائم کرنی چاہئے۔ اور عورتوں کی صف پیچھے رکھنی چاہئے۔

④ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهٖ وَبِاُمِّهٖ اَوْ خَالَتِهٖ قَالَ فَاَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَاَقَامَ الْمَرْاَةَ خَلْفَنَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے ان کے (یعنی حضرت انسؓ کے) اور ان کی والدہ (ام سلیم) یا ان کی خالہ کے ہمراہ نماز پڑھی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (اس موقع پر) آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اپنے دائیں طرف اور عورت (یعنی ان کی والدہ یا خالہ) کو اپنے پیچھے کھڑا کیا۔" (مسلمؒ)

⑤ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّهٗ اِنْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشٰى اِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوبکرہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ (ایک مرتبہ نماز میں شامل ہونے کے لئے) آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے جب کہ آپ ﷺ رکوع میں تھے وہ (اس بات کے پیش نظر کہ رکوع ہاتھ سے چلا نہ جائے نیت اور تکبیر تحریمہ کے بعد) صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے پھر آہستہ آہستہ چل کر صف میں شامل ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ (اطاعت اور نیک کام کے بارہ میں) تمہاری حرص اور زیادہ کرے۔ لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا۔" (بخاریؒ)

تشریح: جس وقت حضرت ابوبکرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور آپ ﷺ رکوع میں جا چکے تھے یہ بجائے اس کے کہ صف میں شامل ہو کر نیت اور تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع میں جاتے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی نیت اور تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع میں چلے گئے اور پھر وہاں سے دو قدموں کے برابر یا دو قدموں سے بھی زیادہ مگر غیر متوالیہ یعنی قدم پے درپے رکھتے

ہوئے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر قدم رکھتے ہوئے چلے اور صف میں شامل ہوگئے چنانچہ دو ایک قدم چلنے سے نماز کا اعادہ لازم نہیں آتا لیکن اولیٰ یہی ہے کہ اس سے بھی احتراز کیا جائے۔

حدیث کے آخری لفظ "لاتعد" کئی طرح منقول ہے ① ایک تو اسی طرح جیسا کہ یہاں حدیث میں نقل کیا گیا ہے کہ یعنی تا کے زبر اور عین کے پیش کے ساتھ جو عود سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں آئندہ ایسا نہ کرنا۔ ② دوسرے عین کے سکون اور دال کے پیش کے ساتھ لا تعد جو عدوم دوڑنا سے ماخوذ ہے۔ اس طرح اس لفظ کا مطلب یہ ہوگا کہ آئندہ نماز کے لئے چلنے میں اس طرح جلد نہ کرنا بلکہ صبر و سکون اور اطمینان و وقار کے ساتھ چلو۔ یہاں تک کہ صف میں شامل ہو جاؤ پھر اس کے بعد نماز شروع کرو ③ تیسرے تا کہ پیش اور عین کے زبر کے ساتھ یعنی لاتعد جو اعادۃ (لوٹنا) سے ماخوذ ہے۔ اس شکل میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے "جو نماز تم پڑھ چکے ہو اسے لوٹاؤ نہیں۔"

بہر حال: ان سب میں پہلا قول یعنی لاتعد (آئندہ نہ کرنا) ہی عقل و نقل کی روشنی میں سب سے زیادہ صحیح اور اولیٰ ہے یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا نماز کو باطل نہیں کرتا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرہؓ سے نماز لوٹانے کے لئے نہیں فرمایا۔ ہاں کراہت بلاشبہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

تین آدمیوں کی جماعت ہو تو ان میں سے ایک امام بن جائے

⑥ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنَّا ثَلَاثَةً اَنْ یَّتَقَدَّمَنَا اَحَدُنَا۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت سمرۃ ابن جندبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ جب ہم تین آدمی (نماز پڑھنے والے) ہوں تو ہم میں سے ایک آدمی (جو ہم میں بہتر ہو) ہمارے آگے ہو جائے (یعنی ہمارا امام بن جائے)۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث سے تو تین آدمیوں کی جماعت کے بارہ میں معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک آدمی جو امامت کا مستحق ہو۔ آگے ہو جائے اور امامت کا فریضہ انجام دے۔ یہی حکم دو آدمیوں کی جماعت کا بھی ہے کہ ایک آدمی امام بن جائے اور دوسرا مقتدی، مگر دو آدمیوں کی جماعت کی صورت میں امام آگے نہیں ہوگا بلکہ دونوں برابر برابر کھڑے ہوں گے یعنی امام بائیں جانب رہے اور مقتدی دائیں طرف۔

امام کے لئے تنہا جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے

⑦ وَعَنْ عَمَّارٍ اَنَّهٗ اَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَائِنِ وَقَامَ عَلٰی دُكَّانٍ یُصَلِّیْ وَالنَّاسُ اَسْفَلَ مِنْهُ فَتَقَدَّمَ حُذَیْفَةُ فَلَمَّا فَرَغَ عَمَّارٌ مِنْ صَلَاتِهٖ قَالَ لَهٗ حُذَیْفَةُ اَلَمْ تَسْمَعْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا اَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا یَقُمْ فِیْ مَقَامٍ اَرْفَعَ مِنْ مِقَامِهِمْ اَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِذٰلِكَ اتَّبَعْتُكَ حِیْنَ اَخَذْتَ عَلٰی یَدِیْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمارؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے (ایک روز) مدائن میں (جو کوفہ کے نزدیک ایک شہر ہے) لوگوں کی امامت کی چنانچہ وہ نماز پڑھنے کے لئے ایک چبوترہ پر کھڑے ہوئے۔ مقتدی ان سے نیچے کھڑے تھے (یہ دیکھ کر) حضرت حذیفہؓ "صف سے نکل کر" آگے بڑھے اور عمار کے دونوں ہاتھ پکڑے (اور انہیں نیچے کی طرف کھینچا تاکہ وہ چبوترہ سے اتر کر مقتدیوں کے برابر کھڑے ہوں) حضرت عمارؓ نے حضرت حذیفہؓ سے کوئی تعارض نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت حذیفہؓ نے انہیں (چبوترہ سے) نیچے اتار لیا۔ حضرت عمارؓ جب نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے تو حضرت حذیفہؓ نے ان سے کہا کہ "کیا آپ نے یہ نہیں سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی جماعت کا امام بنے تو وہ اس جگہ پر نہ کھڑا ہو جو مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے بلند ہو۔" یا اس کے مانند الفاظ فرمائے حضرت عمارؓ نے جواب

دیا کہ "اسی لئے تو جب آپ نے میرے ہاتھ پکڑے تو میں نے آپ کا اتباع کیا۔ (اور کوئی تعارض نہیں کیا یعنی آپ کا کہنا مان کر نیچے اتر آیا۔"

(ابوداؤد)

تشریح: صورت مذکورہ میں مسئلہ یہ ہے کہ امام تنہا بلند مقام پر اس طرح کھڑا ہو کہ کچھ مقتدی تو اس کے ساتھ اسی بلند جگہ پر ہوں اور کچھ نیچے ہوں تو یہ مکروہ نہیں ہے البتہ اگر امام تنہا بلند مقام پر کھڑا ہو اور تمام مقتدی نیچے ہوں تو یہ مکروہ ہوگا چنانچہ حضرت عمارؓ اس طرح کھڑے ہوئے کہ وہ تنہا بلند جگہ پر تھے ان کے ساتھ کچھ مقتدی نہیں تھے اور اس لئے حضرت حذیفہؓ نے انہیں نیچے اتار کر کھڑا کیا۔

اگر امام نیچے اور مقتدی بلند جگہ پر ہوں تو کیا حکم ہے

صورت تو یہ ہے کہ امام بلند جگہ پر ہو اور مقتدی نیچے ہوں، اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی امام تو نیچے کھڑا ہو اور مقتدی بلند مقام پر ہوں تو مسئلہ میں مشائخ کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ اس طرح اہل کتاب (یعنی غیر مسلموں) کے ساتھ مشابہت نہیں ہوتی کیونکہ ان کے یہاں امام کو بطور خاص بلند جگہ پر کھڑا کیا جاتا تھا لہٰذا امام کو تنہا بلند جگہ پر کھڑا ہونا تو ان کی مشابہت کے پیش نظر مکروہ ہو سکتا ہے لیکن امام کا نیچی جگہ پر اور مقتدیوں کا اونچی جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہو سکتا ہے۔

لیکن جب تک ظاہری روایات اور عقلی تقاضہ کا تعلق ہے تو یہ بھی مکروہ ہے کیونکہ اس طرح امام کی حقارت لازم آتی ہے اور اس کی عظمت پر حرف آتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس بلندی پر امام کو تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے اس کی حد کیا ہے؟ یعنی وہ کتنی بلند جگہ ہو کہ اس پر امام تنہا کھڑا نہ ہو؟ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ بقدر قد آدمی بلندی پر امام کے لئے تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے لیکن دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ بلندی کی حد ایک ہاتھ ہے یعنی اگر ایک ہاتھ اونچی جگہ پر بھی امام کھڑا ہو گا تو یہ مکروہ ہو گا اور اسی قول پر فتویٰ ہے یہ تو مسئلہ کی وضاحت تھی اب حدیث کی طرف آیئے!

حدیث کے الفاظ وقام علی دکان یصلی سے ظاہری طور پر یہ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ جس وقت حضرت حذیفہؓ نے حضرت عمارؓ کو ٹوکا اور انہیں نیچے اتارا اس وقت حضرت عمارؓ حقیقۃً نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے تھے یعنی نیت باندھ چکے تھے یا انہوں نے صرف نماز پڑھنے کا ارادہ ہی کیا تھا اور کھڑے ہی ہو رہے تھے کہ حضرت حذیفہؓ نے انہیں نیچے اتارا؟

ظاہری طور پر یہی ہے کہ حضرت عمارؓ نے اس وقت تک نیت نہیں باندھی تھی بلکہ نماز کے لئے کھڑے ہو ہی رہے تھے اور نیت باندھنے والے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا۔

اَوْنَحْوَ ذَالِكَ حضرت حذیفہؓ نے آنحضرت ﷺ کی حدیث جب بیان فرمائی تو آخر میں یہ الفاظ فرمائے کیونکہ انہیں حدیث کے الفاظ بعینہٖ یاد نہیں رہے تھے۔ لہٰذا انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے یا تو بعینہٖ یہی الفاظ فرمائے تھے یا اس کے مانند دوسرے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ کو یہ مسئلہ معلوم تھا اور وہ آنحضرت ﷺ سے یہ سن چکے تھے کہ امام کو تنہا بلند جگہ پر نہ کھڑا ہونا چاہئے، لہٰذا یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب حضرت عمارؓ ارشاد نبوت پر مطلع تھے اور انہیں یہ مسئلہ معلوم تھا تو انہوں نے اس کے خلاف کیوں کیا؟

اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ حضرت عمارؓ کو یہ مسئلہ معلوم تھا اور وہ آنحضرت ﷺ سے اس کی ممانعت سن بھی چکے تھے مگر اس وقت ان کے ذہن میں نہ یہ حدیث رہی اور نہ انہیں یہ مسئلہ یاد آیا۔ ہاں جب حضرت حذیفہؓ نے تعارض کیا اور انہیں نیچے اتارا تو یہ

مسئلہ ان کو یاد آیا اور ایک صادق سچے فرمانبردار ہونے کے ناطے انہوں نے فوراً اس پر عمل کیا۔

تعلیم کے پیش نظر امام تنہا او نچی جگہ کھڑا ہو سکتا ہے

⑧ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ اَنَّهُ سُئِلَ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ فَقَالَ هُوَ مِنْ اَثْلِ الْغَابَةِ عَمِلَهُ فُلَانٌ مَوْلٰى فُلَانَةٍ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عَمِلَ وَوُضِعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَكَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ فَقَرَأَ وَرَكَعَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ عَادَ اِلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى حَتّٰى سَجَدَ بِالْاَرْضِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ نَحْوُهُ وَقَالَ فِيْ اٰخِرِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَاْتَمُّوْا بِيْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ۔

"اور حضرت سہل ابن سعد ساعدیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے (ایک روز) پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کا منبر کس چیز (یعنی کس لکڑی) کا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ "وہ جنگلی جھاؤ کی لکڑی کا تھا۔ جسے فلاں شخص نے جو فلاں عورت کا آزاد کردہ غلام تھا۔ آنحضرت ﷺ کے لئے بنایا تھا۔ چنانچہ جب وہ تیار ہو گیا اور (مسجد میں) رکھا گیا تو آنحضرت ﷺ (اس پر کھڑے ہوئے اور) قبلہ رو ہو کر (نماز کے لئے) تکبیر تحریمہ کی اور سب لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوگئے آنحضرت ﷺ نے "منبرپر" قرأت فرمائی اور رکوع کیا، اور دوسرے لوگوں نے بھی آنحضرت ﷺ کے پیچھے رکوع کیا، پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے سر مبارک رکوع سے اٹھایا اور پچھلے پاؤں ہٹ کر (یعنی منبر سے اتر کر) زمین پر سجدہ کیا۔" یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور بخاری و مسلم کی متفقہ روایت بھی اسی طرح ہے اس حدیث کے راوی نے حدیث کے آخر میں یہ (بھی) کہا ہے کہ "(جب نماز سے) آنحضرت ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ "یہ میں نے اس لئے کیا ہے تاکہ تم لوگ میری پیروی کرو اور میری نماز (کی کیفیات اور اس کے احکام و مسائل) سیکھ لو۔"

تشریح: مدینہ منورہ سے نوکوس کے فاصلہ پر ایک جنگل ہے وہاں درخت بہت کثرت سے تھے وہیں کے جھاؤ کی لکڑی سے آنحضرت ﷺ کے لئے منبر بنایا گیا تھا۔

فلاں شخص سے مراد "یاقوم رومی" ہیں اور "فلاں عورت سے عائشہ انصاریہ" کی ذات مراد ہے۔

مولانا مظہرؒ نے لکھا ہے کہ "اس منبر پر چڑھنے اترنے کے لئے تین سیڑھیاں تھیں جو بہت قریب قریب بنائی گئی تھیں ان کے ذریعہ سے منبر پر ایک یا دو قدم کے ساتھ چڑھنا بہت آسان تھا۔ لہٰذا اس وجہ سے فعل کثیر لازم نہیں آیا کہ آپ ﷺ کی نماز باطل ہوتی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر امام اس بات کا ارادہ کرے کہ اس کی نماز کی حرکات و سکنات اور اس کی کیفیات کو دور و نزدیک کھڑے ہوئے سب ہی نمازی دیکھیں اور اس کے ذریعہ نماز کے احکام و مسائل سیکھیں تو اس کے لئے بلند جگہ پر تنہا کھڑا ہونا جائز ہے۔

ھذا الفظ البخاری (یہ الفاظ بخاری کے ہیں) کہ الفاظ اور اس کے بعد عبارت نقل کر کے مصنف مشکوٰۃ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث چونکہ بخاری و مسلم دونوں ہی نے نقل کی ہے اس لئے اس کو پہلی فصل میں ذکر کرنا چاہئے تھا لیکن اس حدیث کو اس فصل میں اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ صاحب مصابیح نے اس کو حسان میں (بخاری و مسلم کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث کی روایتوں کے ساتھ) نقل کیا تھا اس لئے صاحب مصابیح کی اتباع میں ہم نے بھی اس فصل میں نقل کرنا مناسب سمجھا۔

اعتکاف میں آنحضرت ﷺ کی امامت

⑨ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُجْرَتِهٖ وَالنَّاسُ يَأْتَمُّوْنَ بِهٖ مِنْ وَرَاءِ الْحُجْرَةِ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ نے اپنے حجرہ کے اندر نماز پڑھی اور لوگوں نے حجرہ کے باہر آپ ﷺ کی اقتدا کی۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا تعلق رمضان شریف سے ہے آنحضرت ﷺ نے مسجد کے ایک حصہ میں اعتکاف کے لئے بوریہ کا ایک حجرہ سا بنالیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس حجرہ میں چند شب تراویح کی نماز پڑھی چنانچہ صحابہ اس موقع پر حجرہ سے باہر کھڑے ہو کر آپ ﷺ کی اقتداُ کرتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

صف بندی کا طریقہ

⑩ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِنِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُکُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَفَّ الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰی بِهِمْ فَذَكَرَ صَلَاتَهٗ ثُمَّ قَالَ هٰکَذَا صَلٰوةُ قَالَ عَبْدُ الْاَعْلٰی لَا اَحْسِبُهٗ اِلَّا قَالَ اُمَّتِیْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابومالک اشعریؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے (لوگوں سے) کہا کہ "کیا میں تمہیں نبی کریم ﷺ کی نماز (کی کیفیت) سے آگاہ نہ کروں؟ (تو سنو کہ) آنحضرت ﷺ نے نماز (کے لئے لوگوں) کو کھڑا کر کے (اول) مردوں کی صف قائم کی پھر ان کے پیچھے لڑکوں کی صف باندھی اور انہیں نماز پڑھائی۔" ابومالکؓ نے آنحضرت ﷺ کی نماز (کی کیفیت) بیان کی (اور کہا کہ) آنحضرت ﷺ نے (نماز پڑھ کر) فرمایا "نماز اسی طرح پڑھنی چاہئے۔ عبد الاعلیٰ (جنہوں نے یہ روایت ابومالک سے نقل کی ہے) کہتے ہیں کہ "میرا خیال ہے کہ ابومالکؓ نے "میری امت کی" (بھی) کہا ہے یعنی ابومالکؓ نے حدیث کے آخری الفاظ اس طرح نقل کئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا هٰکَذَا صَلٰوةُ اُمَّتِیْ (یعنی میری) امت کی نماز اسی طرح ہونی چاہئے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ "میری امت کے لوگوں کو چاہئے کہ نماز کی جو کیفیت مجھ سے نقل کی گئی ہے اسی طرح نمازیں پڑھیں نیز اس سے یہ تنبیہ بھی مقصود ہے کہ جو لوگ اس طریقہ سے یعنی سنت نبوی کے مطابق نماز نہیں پڑھیں گے وہ اپنے اس عمل سے یہ ظاہر کریں گے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی تابعدار امت میں سے نہیں ہیں۔

⑪ وَعَنْ قَیْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ بَیْنَا اَنَا فِی الْمَسْجِدِ فِی الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ فَجَبَذَنِیْ رَجُلٌ مِنْ خَلْفِیْ جَبْذَةً فَنَحَّانِیْ وَقَامَ مَقَامِیْ فَوَاللّٰهِ مَا عَقَلْتُ صَلَاتِیْ فَلَمَّا انْصَرَفَ اِذَا هُوَ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ فَقَالَ یَا فَتٰی لَا یَسُوْءُكَ اللّٰهُ اِنَّ هٰذَا عَهْدٌ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْنَا اَنْ نَلِیَهٗ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَقَالَ هَلَكَ اَهْلُ الْعُقَدِ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ مَا عَلَیْهِمْ اٰسٰی وَلٰکِنْ اٰسٰی عَلٰی مَنْ اَضَلُّوْا قُلْتُ یَا اَبَا یَعْقُوْبَ مَا تَعْنِیْ بِاَهْلِ الْعُقَدِ قَالَ الْاُمَرَاءُ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت قیس ابن عبادؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں مسجد میں پہلی صف میں کھڑا (نماز پڑھ رہا) تھا۔ ایک شخص نے پیچھے سے مجھے کھینچا اور مجھ کو ایک طرف کر کے خود میری جگہ کھڑا ہو گیا خدا کی قسم! (اس غصہ کی وجہ سے کہ اس نے مجھے پہلی صف سے جو افضل ہے کھینچ لیا باوجودیکہ میں وہاں پہلے سے کھڑا تھا) مجھے اپنی نماز کا بھی ہوش نہ رہا۔ (کہ میں نماز کس طرح ادا کر رہا ہوں اور کتنی رکعتیں پڑھ رہا ہوں) جب وہ شخص نماز پڑھ چکا (اور میں نے بھی نماز پڑھنے کے بعد دیکھا) تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابی بن کعبؓ تھے (مجھے غصہ کی حالت میں دیکھ کر) انہوں نے فرمایا کہ "اے جوان (اس وقت میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں غمگین نہ کرے۔ (چونکہ) ہمارے لئے آنحضرت ﷺ کی یہ وصیت ہے کہ ہم آپ کے پاس کھڑے ہوا کریں (اس لئے آپ کے بعد اب ہم امام کے قریب

کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں) پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ فرمایا "رب کعبہ کی قسم! اہل عقد (یعنی سردار) ہلاک ہوگئے! اور فرمایا خدا کی قسم! مجھے سرداروں کا کوئی غم نہیں ہے، غم تو ان لوگوں (یعنی رعایا) کا ہے جنہیں سردار گمراہ کرتے ہیں (باایں طور کہ جو کام سردار کرتے ہیں وہی کام ان کی رعایا کرتی ہے) قیس ابن عباد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی ابن کعب سے عرض کیا کہ "ابو یعقوب! اہل عقد سے آپ کی کیا مراد ہے؟ فرمایا "امراء (یعنی سردار و حکام)۔" (نسائی)

تشریح: حضرت ابن بن کعب کے الفاظ اِنَّ ھٰذَا عَھْدٌ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الخ سے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔

لِیَلِنِی مِنْکُمْ اُولُو الْاَحْلَامِ وَالنُّھٰی۔

"یعنی (نماز میں) تم میں سے صاحب عقل و بالغ میرے نزدیک کھڑے ہوا کریں۔"

اس ارشاد کا حاصل چونکہ یہ تھا کہ جو لوگ صاحب عقل و فہم اور بالغ ہوں وہ امام کے قریب کھڑے ہوا کریں اور قیس ابن عباد اس زمرہ میں آتے نہیں تھے۔ اس لئے حضرت ابی بن کعبؓ نے انہیں وہاں سے ہٹا دیا اور خود وہاں کھڑے ہوگئے۔

ھَلَكَ اَھْلُ الْعَقْدِ (اہل عقد یعنی سردار و حکام ہلاک ہوگئے) اس کا مطلب یہ ہے کہ رعایا کے اعمال و کردار اور ان کے دینی و دنیاوی احکام و افعال یہاں تک صف بندی کی رعایت اور نگہداشت حکام و سرداروں کے ذمہ ہے لیکن وہ حکام و سردار جو اپنی رعایا کے دینی و دنیوی کاموں کے نگہبان و سربراہ ہونے کی حیثیت سے لوگوں کے افعال و کردار پر نظر رکھتے تھے اور انہیں سنت نبوی پر چلاتے تھے ختم ہوگئے۔ اس لئے نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کا دینی کاموں میں سُست رفتاری بے راہ روی، اور غلط انداز عمل و انداز فکر پیدا ہوگیا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت کعبؓ نے اپنے زمانہ کے حاکم پر طعن کیا ہے مگر حضرت کعبؓ کا انتقال چونکہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہوا ہے اس لئے یہ کہا جائے گا کہ ان الفاظ کا محمل خود خلیفہ کی ذات نہیں ہے بلکہ حضرت کعبؓ کے پیش نظر حضرت عثمان کے وہ بعض حکام ہوں گے جو اپنے فرائض کو پورے طور سے انجام نہیں دیتے تھے۔

بَابُ الْاِمَامَةِ

امامت کا بیان

شریعت میں نماز کی امامت کا بڑا اہم اور عظیم الشان کام ہے تمام مقتدیوں کی نمازوں کا ذمہ دار ہونے کی وجہ سے امام مقرر کرنے کے سلسلہ میں شریعت نے کچھ شرائط مقرر کی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ اس اہم اور عظیم الشان منصب کا حامل کون شخص ہو سکتا ہے، اس باب کے تحت اس قسم کی احادیث نقل کی جائیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ امام مقرر کرنے کے وقت کن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور یہ کہ امامت کا استحقاق کن لوگوں کو حاصل ہے۔

اس سلسلہ میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ مقتدیوں کے چاہئے کہ حاضر نمازیوں میں جس شخص میں امامت کے لائق زیادہ اوصاف ہوں اس کو امام بنائیں اگر کئی شخص ایسے ہوں جن میں امامت کی لیاقت ہو تو کثرت رائے پر عمل کیا جائے یعنی جس شخص کی طرف زیادہ لوگوں کی رائیں ہوں اسی کو امام بنایا جائے اگر کسی ایسے شخص کی موجودگی میں جو امامت کا مستحق اور لائق ہو کسی غیر مستحق اور نالائق شخص کو امام بنایا جائے گا تو سب نمازی ترک سنت کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔

① امامت کا سب سے زیادہ مستحق اس شخص کو ہے جو نماز کے مسائل خوب جانتا ہو بشرطیکہ ظاہری طور پر اس میں کوئی فسق وغیرہ نہ ہو اور کم سے کم بقدر قرأت مسنون اسے قرآن یاد ہو۔ ② پھر وہ شخص جو قرآن مجید اچھا یعنی عمدہ آواز سے قرأت کے قاعدہ کے موافق پڑھتا

ہو۔ ③ پھر وہ شخص جو سب سے زیادہ خوبصورت ہو ④ پھر وہ شخص جو سب میں عمر زیادہ رکھتا ہوں ⑤ پھر وہ شخص جو سب میں زیادہ خلیق ہو ⑥ پھر وہ شخص جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو ⑦ پھر وہ شخص جو سب میں عمدہ لباس پہنے ہو ⑧ پھر وہ شخص جس کا سر سب سے زیادہ بڑا ہو ⑨ پھر وہ شخص جو مقیم ہو بہ نسبت مسافروں کے ⑩ پھر وہ شخص جو اصلی آزاد ہو ⑪ پھر وہ شخص جس نے حدث اصغر سے تیمم کیا ہو بنسبت اس شخص کے جس نے حدث اکبر سے تیمم کیا ہو۔

جس شخص میں دو وصف پائے جائیں وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اس شخص کے جس میں ایک ہی وصف پایا جاتا ہو۔ مثلاً وہ شخص جو نماز کے مسائل بھی جانتا ہو اور قرآن مجید بھی اچھی طرح پڑھتا ہو امامت کا زیادہ مستحق اور اہل ہے بہ نسبت اس شخص کے جو صرف نماز کے مسائل جانتا ہو قرآن مجید اچھی طرح نہ پڑھتا ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

امامت کا مستحق کون ہے؟

① عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ فَاِنْ کَانُوْا فِی الْقِرَاءَۃِ سَوَاءً فَاَعْلَمُھُمْ بِالسُّنَّۃِ فَاِنْ کَانُوْا فِی السُّنَّۃِ سَوَآءً فَاَقْدَمُھُمْ ھِجْرَۃً فَاِنْ کَانُوْا فِی الْھِجْرَۃِ سَوَاءً فَاَقْدَمُھُمْ سِنًّا وَلَا یُؤَمَّنَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ سُلْطَانِہٖ وَلَا یَقْعُدُ فِیْ بَیْتِہٖ عَلٰی تَکْرِمَتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِہٖ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَہٗ وَلَا یَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ اَھْلِہٖ۔

"حضرت ابو مسعودؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قوم کی امامت وہ شخص کرے جو "نماز کے احکام و مسائل جاننے کے ساتھ" قرآن مجید سب سے اچھا پڑھتا ہو (یعنی تجوید سے واقف ہو۔ اور حاضرین میں سب سے اچھا قاری ہو) اگر قرآن مجید اچھا پڑھنے میں سب برابر ہوں۔ تو وہ شخص امامت کرے جو (قرأت مسنونہ اچھی طرح پڑھنے کے ساتھ) سنت کا علم سب سے زیادہ جانتا ہو۔ اگر (قرآن مجید اچھی پڑھنے اور) سنت کا علم جاننے میں سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو (مدینہ میں) سب سے پہلے ہجرت کر کے آیا ہو اگر (علم قرأت اور) ہجرت میں سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو عمر میں سب سے بڑا ہو! اور کوئی دوسرے کے علاقہ میں امامت نہ کرے (یعنی دوسرے مقررہ امام کی جگہ امامت نہ کرے) اور کسی کے گھر میں اس کی مسند پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔" (مسلم) اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "(آپ ﷺ نے فرمایا) کہ کوئی شخص دوسرے کے گھر میں (اس کی اجازت کے بغیر اگرچہ وہ صاحب خانہ سے افضل ہی کیوں نہ ہو) امامت نہ کرے۔"

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ فَاَعْلَمُھُمْ بِالسُّنَّۃِ میں سنت سے مراد آنحضرت ﷺ کی احادیث ہیں عہد صحابہؓ میں جو شخص احادیث زیادہ جانتا تھا وہ بڑا فقیہ مانا جاتا تھا حضرت امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا عمل اسی حدیث پر ہے، یعنی ان حضرات کے نزدیک امامت کے سلسلہ میں قاری عالم پر مقدم ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ حضرت امام محمدؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ زیادہ علم جاننے والا اور فقیہ امامت کے سلسلہ میں بڑے قاری پر مقدم ہے کیونکہ علم قرأت کی ضرورت تو نماز کے صرف ایک ہی رکن میں (یعنی قرأت کے وقت ہوتی ہے، برخلاف اس کے کہ علم کی ضرورت نماز کے تمام ارکان میں پڑتی ہے)

جن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم پر سب سے اچھا قرآن پڑھنے والا مقدم ہے اس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو لوگ قاری ہوتے تھے وہی سب سے زیادہ علم والے بھی ہوتے تھے کیونکہ وہ لوگ

قرآن کریم مع احکام کے سیکھتے تھے اسی وجہ سے احادیث میں قاری کو عالم پر مقدم رکھا گیا ہے، اور اب ہمارے زمانہ میں چونکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اکثر قاری مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لئے ہم عالم کو قاری پر مقدم رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان حضرات کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرض الموت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لوگوں کو نماز پڑھوائی باوجودیکہ وہ قاری نہ تھے بلکہ سب سے زیادہ علم والے تھے حالانکہ اس وقت ان سے زیادہ بڑے بڑے موجود تھے۔ فاقدمهم هجرة کے بارے میں ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ آج کل ہجرت چونکہ متروک ہے اس لئے اب یہاں حقیقی ہجرت کے بجائے معنوی ہجرت (یعنی گناہوں اور برائیوں سے ترک) کا اعتبار ہوگا یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے علم اور قرأت میں برابری کے بعد پرہیز گار کو مقدم رکھا ہے یعنی اگر دو شخص ایسے جمع ہوں جو عالم بھی ہوں اور قاری بھی ہوں تو ان دونوں میں امامت کا مستحق وہ شخص ہوگا جو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ پرہیزگاری کے وصف کے حامل ہو۔

اس حدیث میں امامت کے صرف اتنے ہی مراتب ذکر کئے گئے ہیں لیکن علماء نے کچھ اور مراتب ذکر کئے ہیں چنانچہ اگر عمر میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو اگر اخلاق میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو اچھے چہرے والا ہو یعنی خوبصورت ہو اگر خوبصورتی میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو سب سے عمدہ لباس پہنے ہوئے ہو یا سب سے زیادہ شریف النسب ہو اگر تمام اوصاف میں سب برابر ہوں تو اس صورت میں بہتر شکل یہ ہے کہ قرعہ ڈالی جائے جس کا نام نکل آئے وہ امامت کرے یا پھر قوم جسے چاہئے اپنا امام مقرر کرے اور اس کے پیچھے نماز پڑھے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی سلطنت وعلاقہ میں امامت نہ کرے اسی طرح ایسی جگہ بھی امامت نہ کرے جس کا مالک کوئی دوسرا شخص ہو جیسا کہ دوسری روایت کے الفاظ فی اهله سے ثابت ہوا۔

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مقام پر حاکم وقت امامت کرتا ہے یا حاکم وقت کی جانب سے مقررشدہ اسی کا نائب جو امیر اور خلیفہ کے ہی حکم میں ہوتا ہے امامت کے فرائض انجام دیتا ہے تو کسی دوسرے شخص کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ سبقت کر کے امامت کرے خاص طور پر عیدین اور جمعہ کی نماز میں تو یہ بالکل ہی مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح جس مسجد میں امام مقرر ہو یا کسی مکان میں صاحب خانہ کی موجودگی میں مقررہ امام اور صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر امامت کی طرف سبقت کرنا کسی دوسرے شخص کا حق نہیں ہے کیونکہ اس طرح امور سلطنت میں انحطاط آپس میں بغض و عناد ترک ملاقات، افتراق و اختلاف اور فتنہ فساد کا دروازہ کھلتا ہے اور جب کہ جماعت کی مشروعیت ہی انہیں غیر اخلاقی چیزوں کے سدباب کے لئے ہوئی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ کا یہ رویہ قابل تقلید ہے کہ وہ اپنے فضل و شرف اور علم و تقوی کے باوجود حجاج بن یوسف جیسے ظالم و فاسق کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

(۲) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانُوْا ثَلَاثَةً فَلْيَؤُمَّهُمْ اَحَدُهُمْ وَاَحَقُّهُمْ بِالْاِمَامَةِ اَقْرَأُهُمْ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم (نماز پڑھنے کے لئے) تین آدمی (جمع) ہوں تو ان میں سے ایک امام بن جائے اور ان میں امامت کا زیادہ مستحق وہ ہے جو زیادہ تعلیم یافتہ ہو۔" (مسلم)

تشریح: "تین آدمیوں" کی قید اتفاقی ہے تین سے کم یا زیادہ ہونے کی شکل میں بھی یہی حکم ہے کہ ان میں سے ایک امام بن جائے اور باقی مقتدی علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ کے اکثر صحابہؓ عمر کا ایک بڑا حصہ طے کر چکے تھے جب اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئے اس وجہ سے وہ لوگ قرآن پڑھنے سے پہلے علم دین سیکھتے تھے لیکن بعد میں یہ صورت نہ رہی بلکہ اب تو لوگ عمر کے ابتدائی حصہ ہی میں علم دین حاصل کرنے سے پہلے قرآن کریم پڑھنا سیکھ لیتے ہیں۔

بہر حال۔ امامت کے سلسلہ میں اچھے قاری پر اس فقیہ اور عالم کو اولیت حاصل ہوگی جو نماز کے احکام و مسائل کا علم جانتا ہو معاملات کا زیادہ علم رکھنے والا قاری پر مقدم نہیں ہو سکتا۔

وَذُكِرَ حَدِيثُ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ فِي بَابِ فَضْلِ الْأَذَانِ اور مالک بن حویرث کی روایت باب فضل الاذان کے بعد کے باب میں ذکر کی جا چکی ہے (یعنی اس حدیث کو صاحب مصابیح نے یہاں ذکر کیا تھا مگر ہم نے اسے وہاں نقل کر دیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

③ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ قُرَّاءُكُمْ۔ (رواه ابوداؤد)

"حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو لوگ بہتر ہیں انہیں اذان دینی چاہئے اور تم میں جو لوگ خوب تعلیم یافتہ ہوں انہیں تمہاری امامت کرنی چاہئے۔" (ابوداؤد)

تشریح: نماز و روزہ کے اوقات کی ذمہ داری مؤذنوں پر ہی ہوتی ہے نیز جب مؤذن بلند جگہ پر کھڑے ہو کر آذان دیتا ہے تو بسا اوقات اس کی نظر لوگوں کے گھروں پر پڑتی ہے لہٰذا مؤذن اگر صاحب دیانت اور دیندار متقی ہوگا تو وہ نماز روزے کے اوقات کی بھی رعایت کرے گا اور اپنی نظر کو نامحرم پر پڑنے سے بھی بچائے گا۔

④ وَعَنْ أَبِي عَطِيَّةَ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ يَأْتِينَا إِلَى مُصَلَّانَا يَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ يَوْمًا قَالَ أَبُو عَطِيَّةَ فَقُلْنَا لَهُ تَقَدَّمْ فَصَلِّهِ قَالَ لَنَا قَدِّمُوا رَجُلًا مِنْكُمْ يُصَلِّي بِكُمْ وَسَأُحَدِّثُكُمْ لِمَ لَا أُصَلِّي بِكُمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يَؤُمَّهُمْ وَلْيَؤُمَّهُمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ إِلَّا أَنَّهُ اقْتَصَرَ عَلَى لَفْظِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

"اور حضرت ابوعطیہ عقیلیؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت مالک ابن حویرثؓ (صحابی) ہماری مسجد میں آیا کرتے تھے اور (ہمارے سامنے آنحضرت ﷺ کی) حدیث بیان کرتے (اور بات چیت کرتے رہتے) تھے ایک دن (جب کہ وہ ہمارے درمیان مسجد میں موجود تھے) نماز کا وقت ہو گیا۔ ابوعطیہؒ کہتے ہیں کہ ہم نے مالکؓ سے (ان کی شان صحابیت کی عظمت و فضیلت کے پیش نظر) کہا کہ آگے ہو جائیے اور ہمیں نماز پڑھائیے حضرت مالکؓ نے فرمایا کہ "تم اپنے ہی میں سے کسی کو آگے کرو تاکہ وہ تمہیں نماز پڑھائے اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نماز کیوں نہیں پڑھاتا (تو سنو کہ) میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "جو شخص کسی قوم سے ملاقات کرے تو وہ ان کی امامت نہ کرے (بلکہ) ان میں سے کسی شخص کو ان کی امامت کرنی چاہئے۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ) نسائی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے مگر انہوں نے صرف آنحضرت ﷺ ذکر نہیں کیا بلکہ صرف آنحضرت ﷺ کے الفاظ پر اکتفاء کیا ہے یعنی انہوں نے اپنی روایت میں حضرت مالکؓ کے مسجد میں آنے کا واقعہ اور ان کا امامت سے انکار کرنا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف آنحضرت ﷺ کے الفاظ "من زاد" سے آخر تک نقل کیا ہے)

تشریح: حضرت مالکؓ نے اپنی فضیلت و بڑائی اور ان لوگوں کی اجازت کے باوجود امامت کا فریضہ انجام نہیں دیا کیونکہ ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کا یہ اشارہ تھا کہ انہوں نے بظاہر حدیث پر عمل کرنا ہی اپنے حق میں بہتر سمجھا۔

نابینا کی امامت جائز ہے

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ يَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ أَعْمٰى۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور وہ

نابینا تھا۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نابینا کی امامت بلا کراہت جائز ہے اس سلسلہ میں حنفی مسلک میں یہ فقہی روایتیں بھی وارد ہیں کہ اگر نابینا قوم کا سردار ہو تو اس کی امامت جائز ہے بلکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر نابینا بہت زیادہ علم کا حامل ہو تو امامت کے سلسلہ میں وہ اولیٰ ہے۔ (شرح کنز، اشباہ والنظائر)

ناپسندیدہ امام کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۶) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَۃٌ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُھُمْ اٰذَانَھُمُ الْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰی یَرْجِعَ وَامْرَاَۃٌ بَاتَتْ وَزَوْجُھَا عَلَیْھَا سَاخِطٌ وَاِمَامُ قَوْمٍ وَھُمْ لَہٗ کَارِھُوْنَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز ان کے کانوں سے بلند نہیں ہوتی (یعنی درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی) ایک تو اپنے مالک کے یہاں سے بھاگا ہوا غلام جب تک کہ وہ (اپنے مالک کے پاس) واپس نہ آجائے دوسرے وہ عورت جو اس حالت میں رات گزار دے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو تیسرے وہ امام جسے اس کی قوم پسند نہ کرتی ہو۔" (امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: غلام کے حکم میں باندی بھی داخل ہے یعنی اگر باندی بھی اپنے آقا کے یہاں سے بھاگ جائے تو اس کا بھی یہی حال ہوگا کہ جب تک وہ اپنے آقا کے پاس واپس نہ آجائے گی اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

عورت کے بارہ میں جو فرمایا گیا ہے تو یہ اس شکل میں ہے جب کہ عورت بد خلق ہو اور اس کا خاوند اس کی بد خلقی، نافرمانبرداری اور بے ادبی کی وجہ سے اس سے ناراض ہو، اور اگر خاوند ہی بد خلق ہو اور اپنی بیوی سے ناحق ناراض وخفا ہے تو عورت گنہگار نہیں ہوگی بلکہ مرد ہی گنہگار ہوگا۔

امام کے بارہ میں حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ امام پر یہ گناہ اس وقت ہوگا جب کہ اس کی بدعت اور اس کے فسق یا اس کے جہل کی وجہ سے اس کے مقتدی اس سے ناراض ہوں اور اگر مقتدی کسی دینوی غرض کے تحت اس سے کراہت وعداوت رکھتے ہوں تو امام مطلقاً گنہگار نہیں ہوگا اور نہ ایسے امام کے حق میں حدیث کا مذکورہ بالا حکم ہے بلکہ مقتدی ہی گنہگار ہوں گے۔

اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث میں مذکورہ امام سے نماز کا امام بھی ہے اور حاکم وخلیفہ بھی یعنی اگر کسی حاکم اور خلیفہ سے اس کی رعایا اس کی بد اعمالیوں اور غلط کاریوں کی وجہ سے ناخوش ہوگی تو وہ بھی ایسا ہی گنہگار ہوگا۔

تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَۃٌ لَا تُقْبَلُ مِنْھُمْ صَلَاتُھُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَھُمْ لَہٗ کَارِھُوْنَ وَرَجُلٌ اَتَی الصَّلٰوۃَ دِبَارًا وَالدِّبَارُ اَنْ یَاْتِیَھَا بَعْدَ اَنْ تَفُوْتَہٗ وَرَجُلٌ اعْتَبَدَ مُحَرَّرَہٗ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی (یعنی انہیں نماز کا ثواب نہیں ملتا) ایک تو وہ شخص جو کسی قوم کا امام ہو اور قوم اس سے خوش نہ ہو دوسرا شخص جو نماز میں پیچھے آئے اور پیچھے کا مطلب یہ ہے کہ نمازوں کا (مستحب) وقت نکل جانے کے بعد آئے، اور تیسرا وہ شخص جو آزاد کو غلام سمجھے۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اعتبد محررۃ (آزاد کو غلام سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ غلام کو آزاد کر دے اور پھر بعد میں زبردستی اس سے خدمت لینے لگے، یا غلام کو آزاد کر دیا مگر اس کی آزادی کو خود اس غلام سے چھپائے یا کسی آزاد شخص کے بارہ میں دعوی کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور اس کے

ساتھ غلاموں جیسا سلوک بھی کرے۔ یا بردہ (غلام) مول لے کر اس پر مالکانہ تصرف کرے مگر حقیقت میں اس کی خریداری شرعی طور نہ ہوئی ہو جیسا کہ لوگ غیر شرعی طور پر غلام اور لونڈی مول لیتے ہیں۔

شرعی غلام اور لونڈی کی تفصیل فقہاء اس طرح لکھتے ہیں کہ "اگر مسلمانوں کی جماعت دارالاسلام سے دارالحرب جاکر غلبہ حاصل کرے اور زبردستی حربی کافر کو خواہ مرد ہوں یا عورت یا خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے غلام اور لونڈی بنا کر دارالاسلام میں لائے یا۔ اسی طرح کسی ملک کے حربی کفار دوسرے ملک کے حربی کفار پر غلبہ حاصل کر کے انہیں زبردستی لے آئیں تو ان دونوں صورتوں میں غلام اور لونڈی بنانے والے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر ان غلام اور لونڈیوں کے مالک ہوتے ہیں ان غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت کرنا ان کو رہن رکھنا ان کا ہبہ کرنا۔ لونڈیوں کے ساتھ بغیر نکاح کے ہم بستری کرنا اور اسی طرح ان پر تمام مالکانہ تصرفات کرنے جائز ہیں نیز اس صورت میں لونڈی کی اولاد بھی ان ہی کا حکم رکھتی ہے بشرطیکہ وہ مالک یا ذی رحم مالک سے پیدا نہ ہو اور اگر ان میں سے کسی سے پیدا ہوگی تو وہ آزاد ہوگی بہر حال فقہاء نے بردے کی یہ دونوں قسمیں لکھ کر مزید قسمیں بھی لکھی ہیں اور ان میں سے بعض کے بارے میں کہا ہے کہ ان صورتوں میں شرعی بردے نہیں ہوتے اور بعض کے بارہ میں اختلاف کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ مذکورہ بالا دونوں قسموں کے علاوہ اور کسی صورت میں شرعی بردے نہیں ہوتے اور نہ ان کی خرید و فروخت شرعی طور پا جائز ہوتی ہے۔

لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ وہ غلام اور لونڈی کے بارہ میں احتیاط سے کام لیں اگر شرعی لونڈی ہو تو اسے خدمت میں لائیں ورنہ ایسا نہ کریں کہ جس پر بھی لونڈی ہو جانے کا داغ لگ جائے اگر وہ شرعی لونڈی نہ ہو جانوروں کی طرح اندھا دھند اس سے صحبت نہ کرنے لگیں کہ در حقیقت ایسا کرنا حرام کاری اور زنا میں مبتلا ہونا ہے اسی طرح اس کے ساتھ دیگر مالکانہ تصرفات بھی نہ کئے جائیں۔

امامت سے عام گریز قیامت کی علامت ہے

⑧ وَعَنْ سَلَامَةَ بِنْتِ الْحُرِّ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَتَدَافَعَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ لَا يَجِدُوْنَ اِمَامًا يُصَلِّي بِهِمْ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت سلامہ بنت حرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے (ایک علامت یہ ہے کہ مسجد کے لوگ امامت کو دفع کریں گے یعنی امام بننے سے گریز کریں گے) اور کوئی نماز پڑھانے والا ان کو نہ ملے گا۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: یہ دراصل آخری زمانہ کے عام جہل و فسق سے کنایہ ہے کہ قیامت کے قریب جہل و فسق عمومی طور پر اس طرح پھیل جائے گا۔ اور لوگ اتنے جاہل و نااہل پیدا ہوں گے کہ کوئی شخص امامت کا اہل نہیں ہوگا تمام لوگ اپنی نااہلی و جہالت کے پیش نظر امامت سے گریز کرنے لگیں گے اور آس پاس میں ایک دوسرے سے نماز پڑھانے کے لئے کہیں گے مگر ہر شخص امام بننے سے انکار کرے گا۔

ہاں اگر کوئی شخص کسی کو اپنے سے افضل سمجھ کر خود امامت سے گریز کرے اور اس سے نماز پڑھانے کے لئے کہے تو اس کا تعلق اس حدیث سے نہیں ہوگا کیونکہ دوسرے کو افضل اور اپنے سے بہتر سمجھ کر خود کو امامت سے گریز کرنا اور اس افضل کو امامت کے لئے کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فاسق کی امامت جائز ہے

⑨ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ اَمِيْرٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے اوپر جہاد ہر سردار کے ہمراہ خواہ وہ نیک ہو یا بد واجب ہے اگرچہ وہ (سردار) گناہ کبیرہ کرتا ہو اور تم پر نماز ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے خواہ وہ (نماز پڑھانے والا) نیک ہو یا بد واجب ہے اگرچہ گناہ کبیرہ کرتا ہو اور نماز جنازہ ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ نیک ہو یا بد اگرچہ گناہ کبیرہ کرتا ہو۔" (ابوداؤد)

تشریح: جہاد واجب ہے کا مطلب یہ ہے کہ بعض صورتوں میں تو جہاد فرض عین ہے اور بعض صورتوں میں فرض کفایہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اس کا فسق کفر کی حد تک نہ پہنچ چکا ہو فاسق کے پیچھے نماز ادا تو ہو جاتی ہے لیکن اس کے پیچھے نماز پڑھنا بہر حال مکروہ ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ نیک بخت کی موجودگی میں فاسق کو امامت نہ کرنی چاہئے۔

"نماز جنازہ کے واجب ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر جنازہ کی نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

نابالغ کی امامت کا مسئلہ

⑩ عَنْ عَمْرِو ابْنِ سَلِمَةَ قَالَ كُنَّا بِمَاءٍ مَمَرَّ النَّاسِ يَمُرُّ بِنَا الرُّكْبَانُ نَسْأَلُهُمْ مَالِلنَّاسِ؟ مَالِلنَّاسِ؟ مَاهٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُوْنَ يَزْعَمُ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَهٗ اَوْحٰى اِلَيْهِ اَوْحٰى اِلَيْهِ كَذَا فَكُنْتُ اَحْفَظُ ذٰلِكَ الْكَلَامَ فَكَاَنَّمَا يَغْرٰى فِيْ صَدْرِيْ وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِاِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ فَيَقُوْلُوْنَ اتْرُكُوْهُ وَقَوْمَهٗ فَاِنَّهٗ اِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِاِسْلَامِهِمْ وَبَدَرَ اَبِيْ قَوْمِيْ بِاِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَاللّٰهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوْا صَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا وَصَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ اَحَدُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْثَرُكُمْ قُرْاٰنًا فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَكْثَرَ قُرْاٰنًا مِنِّيْ لِمَا كُنْتُ اَتَلَقّٰى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُوْنِيْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَاَنَا ابْنُ سِتٍّ اَوْسَبْعِ سِنِيْنَ وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّيْ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِنَ الْحَيِّ اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوْا لِيْ قَمِيْصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَيْءٍ فَرَحِيْ بِذٰلِكَ الْقَمِيْصِ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت عمرو ابن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ ہم پانی کے کنارے رہتے تھے جو لوگوں کی گزرگاہ تھا قافلے ہمارے پاس سے گزرتے ہم ان سے پوچھتے تھے کہ لوگوں کے واسطے (ایک شخص یعنی آنحضرت ﷺ نے جو دین نکالا ہے وہ) کیا ہے؟ اور اس شخص (یعنی حضرت محمد ﷺ) کی صفات کیا ہیں؟ وہ لوگ ہم سے بیان کرتے کہ وہ (رسول ﷺ) دعوی کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں (اپنا نبی برحق بنا کر) بھیجا ہے اور (قافلہ کے لوگ قرآن کی آیتیں سنا کر کہا کرتے تھے کہ یہ) ان کے پاس وحی آتی ہے (اس طرح) ان کے پاس وحی آتی ہے چنانچہ میں (آنحضرت ﷺ کے اوصاف کو جو قافلے والے بیان کرتے تھے اور کلام کو) یعنی قافلے والے جو آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے ان کو اس طرح یاد کر لیتا تھا گویا وہ میرے سینے میں جم جاتی تھیں (یعنی قرآن کی آیتیں مجھے خود یاد ہو جایا کرتی تھیں) اہل عرب (آنحضرت ﷺ کی جماعت کے علاوہ) اسلام لانے کے سلسلہ میں مکہ کے فتح ہونے کا انتظار کر رہے تھے (یعنی یہ کہتے تھے کہ اگر مکہ فتح ہو گیا تو ہم اسلام لائیں گے اور یہ) کہا کرتے تھے کہا ان (رسول ﷺ) کو ان کی قوم پر چھوڑ دو اگر وہ اپنے لوگوں پر غالب آگئے (اور مکہ کو فتح کر لیا) تو سمجھو کہ وہ سچے نبی ہیں (کیونکہ ان کی اس ظاہری بے سروسامانی اور مادی کمزوری کے باوجود اہل عرب پر غالب آجانا اور مکہ کو فتح کر لینا ان کا معجزہ ہوگا اور معجزہ صرف سچے نبی ہی سے صادر ہو سکتا ہے چنانچہ جب خدا نے اپنے دین کا بول بالا کیا اور) مکہ فتح ہو گیا تو لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے میرے والد نے اپنی قوم پر پہل کی اور (سب سے پہلے) اسلام لے آئے جب وہ (یعنی میرے والد) لوٹ کر آئے تو اپنی قوم سے) کہنے

لگے کہ "خدا کی قسم! میں سچے نبی (ﷺ) کے پاس سے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فلاں وقت میں ایسی (اور اتنی) نماز پڑھو اور فلاں وقت میں ایسی (اور اتنی) نماز پڑھو (یعنی آپ نے نماز کی کیفیات اور اوقات بیان کئے) اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور تم میں جو شخص قرآن سب سے زیادہ جاننے والا ہو وہ تمہاری امامت کرے چنانچہ جب نماز کا وقت آیا اور جماعت کی تیاری ہوئی تو لوگوں نے آپس میں دیکھا (کہ امام کسے بنایا جائے!) مجھ سے زیادہ کوئی قرآن کا جاننے والا نہیں تھا کیونکہ میں (تو پہلے ہی سے) قافلہ والوں سے قرآن سیکھ رہا تھا چنانچہ لوگوں نے مجھے آگے کر دیا (اور نماز میں میری اقتداء کی) اس وقت میری عمر چھ یا سات سال کی تھی اور میرے بدن پر فقط ایک چادر تھی چنانچہ جب میں سجدہ کرتا تو وہ چادر میرے بدن سے سرک جاتی تھی (اور کولھے کھل جاتے تھے) قوم میں سے ایک عورت نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ ہمارے سامنے سے تم لوگ اپنے امام کی شرم گاہ کیوں نہیں ڈھانکتے؟ تب قوم نے کپڑا خریدا اور میرے لئے کرتہ بنوایا دیا اس کرتہ کی وجہ سے مجھے جیسی خوشی ہوئی ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی تھی۔" (بخاریؒ)

تشریح: عام طور پر "سلمہ (لام کے زبر کے ساتھ ہے مگر یہ عمرو جو قوم کے امام بنے تھے ان کے والد کے نام "سلمہ" میں لام زیر کے ساتھ ہے۔

اس کے بارہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ عمرو ابن سلمہ بھی اپنے والد کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے گئے یا نہیں؟ اسی وجہ سے اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ آیا یہ صحابی ہیں یا نہیں؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد تنہا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گئے تھے یہ ان کے ساتھ نہیں گئے تھے۔

حضرت امام شافعیؒ لڑکے کی امامت کے جواز میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ لڑکے کی امامت جائز ہے البتہ جمعہ کی نماز میں نابالغ لڑکے کی امامت کے سلسلہ میں امام شافعی کے دو قول ہیں ایک قول سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جمعہ کی نماز میں بھی لڑکے کی امامت کے جواز کے قائل ہیں اور دوسرے قول سے عدم جواز کا اثبات ہوتا ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمدؒ کہتے ہیں کہ نابالغ کی امامت جائز نہیں ہے البتہ نفل نماز کے سلسلہ میں علماء حنفیہ کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ بلخ کے مشائخ نماز میں نابالغ لڑکے کی امامت کے جواز کے قائل ہیں اور اسی پر ان کا عمل ہے نیز مصر اور شام میں بھی اس پر عمل کیا جاتا ہے ان کے علاوہ دیگر علماء نے نفل نماز میں بھی نابالغ لڑکے کی امامت کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ علماء ماوراء النہر کا عمل اسی پر ہے۔

زیلعیؒ نے شرح کنز میں اس مسئلہ کے متعلق کہا ہے کہ "امام شافعیؒ نے اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکے کی امامت جائز ہے حضرت عمرو ابن سلمہ کے اس قول فقدمونی الخ سے استدلال کیا ہے لیکن ہمارے (یعنی حنفیہ کے) نزدیک حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول کی روشنی میں کہ "وہ لڑکا جس پر حدود واجب نہیں ہوئی ہیں امامت نہ کرے" نابالغ لڑکے کی امامت جائز نہیں ہے اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے کہ "لڑکا جب تک محتلم (یعنی بالغ) نہ ہو جائے امامت نہ کرے۔"

لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ فرض نماز پڑھنے والا نابالغ لڑکے کی اقتداء کرے جہاں تک عمرو ابن سلمہ کی امامت کا تعلق ہے تو اس کے بارہ میں یہ کہا جائے گا کہ ان کی امامت آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی بنا پر نہیں تھی بلکہ یہ ان کی قوم کے لوگوں کا اپنے اجتہاد تھا کہ عمرو چونکہ قافلہ کے لوگوں سے قرآن کریم سیکھ چکے تھے اس لئے ان کو امام بنا دیا۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ حضرات شوافع حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال سے تو استدلال نہیں کرتے۔ ایک نابالغ لڑکے (عمرو ابن سلمہ) کے فعل کو مستدل بناتے ہیں۔

آزاد کردہ غلام کی امامت

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ الْمَدِيْنَةَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلٰى اَبِىْ حُذَيْفَةَ وَفِيْهِمْ عُمَرُ

وَاَبُوْسَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الْاَسَدِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں پہلے آنے والے مہاجرین آئے تو ابی حذیفہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ انہیں نماز پڑھاتے تھے اور ان (مقتدیوں) میں حضرت عمرؓ، حضرت ابوسلمہؓ ابن عبدالاسد (بھی) ہوتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت سالمؓ حذیفہ کے آزاد کردہ غلام اور بہت اچھے قاری تھے ان کا شمار نہایت بزرگ اور اونچے درجہ کے قراء صحابہ میں ہوتا تھا آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ "قرآن کریم چار لوگوں سے حاصل کرو اور ان چار لوگوں میں حضرت سالمؓ کا نام بھی شمار کیا تھا۔

حضرت عمرؓ حضرت ابوسلمہ ابن عبدالاسد اور ان جیسے دوسرے جلیل القدر اور باعظمت و فضیلت صحابہؓ کی موجودگی میں حضرت سالمؓ کے امام مقرر ہونے کی وجہ یا تو یہ تھی کہ یہ بہت اچھے قاری تھے یا پھر اس میں کوئی اور مصلحت ہوگی۔

وہ لوگ جن کی نماز قبول نہیں ہوتی

⑫ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَۃٌ لَا تُرْفَعُ لَھُمْ صَلَاتُھُمْ فَوْقَ رُؤُوْسِھِمْ شِبْرًا رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَھُمْ لَہٗ کَارِھُوْنَ وَامْرَأَۃٌ بَاتَتْ وَزَوْجُھَا عَلَیْھَا سَاخِطٌ وَّاَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین لوگ ایسے ہیں جن کی نماز ان کے سر سے بالشت بھر (بھی) بلند نہیں ہوتی (یعنی درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی) ایک تو وہ شخص جو قوم کا امام ہو اور قوم اس سے (دینی امور میں) ناخوش ہو۔ دوسرے وہ عورت جو اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا خاوند (اس کی نافرمانی یا اس کی جانب سے اپنے حق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے) خفا ہو تیسرے ایسے دو بھائی جو آپس میں ناخوش ہوں۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے دو بھائیوں کی بھی نماز قبول نہیں ہوتی جو آپس میں ناخوش و ناراض ہوں اور تین دن سے زیادہ سلام وغیرہ ترک کئے رہیں۔

باب ما علی الامام

امام پر لازم چیزوں کا بیان

اس باب کے تحت وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ مقتدیوں کی رعایت کے سلسلہ میں امام کے لئے کیا چیزیں ضروری ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نماز کو بھاری نہ بنانا چاہیے

① عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَاصَلَّیْتُ وَرَاءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلَاۃٍ وَلَا اَتَمَّ صَلَاۃٍ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنْ کَانَ لَیَسْمَعُ بُکَاءَ الصَّبِیِّ فَیُخَفِّفُ مُخَافَۃَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّہٗ۔ (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی نماز سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز کسی امام کے پیچھے نہیں پڑھی اور آپ ﷺ کی (عادت یہ تھی کہ) جب آپ (نماز میں) کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس اندیشہ سے کہ اس کی ماں کہیں فکر مند نہ ہو جائے نماز کو ہلکا کر دیتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے اول جز کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نماز باوجود پورے کمال و اتمام کے بہت ہلکی ہوتی تھی اور ہلکی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ قرأت اور تسبیحات حد سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور قرأت میں بے محل مد و شد نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کی قرأت بے تکلف اور ترتیل کے ساتھ ہوتی تھی اور یہ تو آنحضرت ﷺ کی قرأت کی خاصیت تھی کہ اگرچہ وہ طویل ہوتی تھی مگر لوگوں کو ہلکی معلوم ہوتی تھی۔

حاصل یہ کہ آپ ﷺ کی قرأت ہلکی ہوتی تھی اور رکوع و سجود نیز تعدیل ارکان وغیرہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔

حنفی مسلک میں یہ مسئلہ ہے کہ امام کے لئے مناسب نہیں ہے کہ تسبیحات وغیرہ کو اتنا طویل کرے کہ لوگ ملول ہوں کیونکہ نماز کو زیادہ طویل کرنا نماز کی طرف سے لوگوں کو بے توجہ بنانا ہے اور یہ مکروہ ہے ہاں اگر مقتدیوں ہی کی یہ خواہش ہو کہ قرأت و تسبیحات وغیرہ طویل ہوں تو پھر ان میں امام زیادتی کر سکتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس طرح امام کو یہ بھی نہ چاہئے کہ مقتدیوں کو خوش کرنے کی غرض سے قرأت اور تسبیحات میں اس درجہ سے بھی کمی کر دے جو سب سے کم مسنون درجہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز میں کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو نماز ہلکی کر دیا کرتے تھے۔ تاکہ اس بچے کی ماں جو جماعت میں شامل ہوتی، بچے کی طرف سے فکر میں نہ پڑ جائے اور جس کی وجہ سے اس کی نماز کا حضور اور خشوع و خضوع ختم ہو جائے۔

خطابیؒ نے اس جملہ کی تشریح میں کہا ہے کہ "اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ امام رکوع میں ہونے کی حالت میں اگر آہٹ پائے کہ کوئی شخص نماز میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ رکوع میں اس شخص کا انتظار کرے تاکہ وہ شخص رکعت حاصل کرے مگر بعض حضرات نے اسے مکروہ قرار دیا ہے بلکہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ ایسا کرنے والے کے بارہ میں یہ خوف ہے کہ وہ کہیں شرک کی حد تک پہنچ جائے گا۔ چنانچہ یہی مسلک حضرت امام مالک کا بھی ہے۔ حنفی مسلک یہ ہے کہ امام اگر رکوع کو تقرب الی اللہ کی نیت سے نہیں بلکہ اس مقصد سے طویل کرے گا کہ کوئی آنے والا شخص رکوع میں شامل ہو کر رکعت پالے تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی بڑے گناہ کے مرتکب ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے تاہم کفر و شرک کی حد تک نہیں پہنچے گا کیونکہ اس سے اس کی نیت غیر اللہ کی عبادت بہر حال نہیں ہوگی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر امام آنے والے کو پہچانتا نہیں ہے تو اس شکل میں رکوع کو طویل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کا ترک اولیٰ ہے ہاں اگر کوئی امام تقرب الی اللہ کی نیت سے رکوع کو طویل کرے اور اس پاک جذبہ کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسی حالت کا ہونا چونکہ نادر ہے اور پھر یہ کہ اس مسئلہ کا نام ہی "مسئلہ الریا" ہے اس لئے اس سلسلہ میں کمال احتیاط ہی اولیٰ ہے۔

(۲) وَعَنْ اَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي لَاَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَاَنَا اُرِيْدُ اِطَالَتَهَا فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ اُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت قتادہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو نماز کو طویل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر جب بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو یہ جان کر کہ بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں سخت فکر مند ہوگی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں۔" (بخاری)

(۳) وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ لِلنَّاس فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ السَّقِيْمَ وَالضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَاِذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہئے کہ نماز کو ہلکی کرے کیوں کہ مقتدیوں میں بیمار کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں (اور ان کی رعایت ضروری ہے) اور جب تم میں سے کوئی شخص تنہا اپنی نماز پڑھے تو اسے اختیار ہے کہ جس قدر چاہے نماز کو طویل کرے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں امام کے لئے یہ ہدایت دے دی گئی ہے کہ وہ نماز پڑھاتے وقت مقتدیوں کی رعایت ضرور کرے اس بات کا لحاظ رکھے کہ مقتدیوں میں بیمار بوڑھے اور کمزور لاغر لوگ بھی ہوں گے جو نماز کی طوالت سے تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پریشانی اور تکلیف سے بچنے کی خاطر جماعت میں شریک ہونا ہی چھوڑ دیں اس لئے ان کی رعایت کے پیش نظر نماز ہلکی ہی پڑھانی چاہئے ہاں اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اسے اختیار ہے کہ جس قدر چاہے طویل نماز پڑھے۔

اسی طرح اگر تمام مقتدی حضور قلب کے حامل ہوں اور نماز کی طوالت سے گھبراتے نہ ہوں نیز مذکورہ بالا لوگوں میں سے یعنی بیمار و ضعیف وغیرہ نہ ہوں تو اس شکل میں بھی امام جس قدر چاہے طویل نماز پڑھائے۔

④ وَعَنْ قَيْسِ بن اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْمَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ وَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي لَاَتَاَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَوْعِظَةٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَاَيُّكُمْ مَاصَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَ ذَالْحَاجَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت قیس ابن ابی حازم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے مجھ سے فرمایا کہ (ایک دن) ایک شخص نے (نبی کریم ﷺ) کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر) کہا کہ یا رسول اللہ! میں صبح کی نماز سے اس لئے پیچھے رہ جاتا ہوں کہ فلاں آدمی ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے ابو مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو نصیحت کرنے کے بارہ میں اس دن جیسا غصہ میں بھرے ہوئے کبھی نہیں دیکھا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سے بعض لوگ (طویل نماز پڑھا کر جماعت سے) لوگوں کو نفرت دلانے والے ہیں (خبردار) تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہئے کہ وہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور، بوڑھے اور حاجت مند لوگ بھی ہوتے ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

غلط نماز پڑھانے والا امام اپنی غلطی کا خمیازہ خود بھگتے گا

⑤ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلُّوْنَ لَكُمْ فَاِنْ اَصَابُوْا فَلَكُمْ وَاِنْ اَخْطَاُوْا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہیں امام نماز پڑھائیں گے چنانچہ اگر وہ نماز اچھی پڑھائیں گے تو اس کا فائدہ تمہارے لئے ہے (اور ان کے لئے بھی ہے) اور اگر انہوں نے خطا کی (بے طرح نماز پڑھائی) تو تمہیں (پھر بھی) ثواب ملے گا اور اس کا گناہ ان پر ہوگا۔" (بخاریؒ)

تشریح: اگر امام اچھی طرح اور شرعی و مسنون طریقہ سے پڑھائے گا تو ظاہر ہے کہ اس کا ثواب امام اور مقتدی دونوں ہی کو ملے گا اور اگر امام نماز بے قاعدہ اور غیر شرعی وغیر مسنون طریقہ سے پڑھائے گا تو اس کی ذمہ داری مقتدیوں پر نہیں ہے مقتدیوں کو تو اس صورت میں بھی ثواب ملے گا کیونکہ انہوں نے تو نماز اچھی طرح ادا کی اور جماعت میں شریک ہونے کی نیت کی البتہ امام اپنی غلطی اور خطا کا خمیازہ خود بھگتے گا کیونکہ اس نے نماز پڑھانے میں تقصیر کی ہے۔

اس حدیث کے ذریعہ دراصل آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو وصیت فرمائی ہے کہ بعد میں جب برے اور غلط کار حاکم پیدا ہوں گے اور امامت کریں گے تو وہ امامت کی ادائیگی میں احکام و آداب کی رعایت نہیں کریں گے۔ لہٰذا اس وقت تم کو چاہئے کہ اپنی نماز درست اور صحیح طریقہ پر ادا کرو۔ اگر امام اچھی طرح نماز پڑھائے گا تو اس کا فائدہ امام اور مقتدی دونوں کو ہوگا ورنہ غلط نماز پڑھانے کی شکل میں مقتدیوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا غلط نماز پڑھانے کی ذمہ داری تنہا امام پر ہوگی اور نقصان اسی کو ہوگا۔

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِي

اور اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

بوڑھے اور بیمار مقتدیوں کی رعایت امام کے لئے ضروری ہے

Ⓥ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ اٰخِرُ مَا عَهِدَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَمْتَ قَوْمًا فَاَخِفَّ بِهِمُ الصَّلٰوةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ اُمَّ قَوْمَكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اَجِدُ فِي نَفْسِي شَيْئًا قَالَ اُدْنُهْ فَاَجْلَسَنِي بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهٗ فِي صَدْرِي بَيْنَ ثَدْيَيَّ ثُمَّ قَالَ تَحَوَّلْ فَوَضَعَ فِي ظَهْرِي بَيْنَ كَتِفَيَّ ثُمَّ قَالَ اُمَّ قَوْمَكَ وَمَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الْكَبِيْرَ وَاِنَّ فِيْهِمُ الْمَرِيْضَ وَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَاِنَّ فِيْهِمْ ذَا الْحَاجَةِ فَاِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ وَحْدَهٗ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ۔

"حضرت عثمان ابن ابی العاص فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ "جب تم لوگوں کی امامت کرو تو انہیں ہلکی نماز پڑھاؤ۔" (مسلم) "مسلم" کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو۔" حضرت عثمان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اپنے دل میں کچھ کھٹک محسوس ہوتی ہے آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔" (جب میں آپ ﷺ کے قریب آگیا تو) آپ ﷺ نے مجھے اپنے آگے بٹھایا اور میرے سینہ پر دونوں چھاتیوں کے درمیان اپنا دست مبارک رکھا پھر فرمایا کہ پشت پھیرو (میں نے اپنی پشت آپ کی جانب کر دی) چنانچہ آپ ﷺ نے میری پشت پر دونوں منڈھوں کے درمیان اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا کہ "جاؤ اور) اپنی قوم کی امامت کرو اور (یہ یاد رکھو کہ) جب کوئی شخص کسی قوم کا امام بنے تو اسے چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان میں بوڑھے بھی ہیں اور بیمار بھی ان میں کمزور لوگ بھی ہوتے ہیں اور حاجتمند بھی ہاں جب کوئی تنہا نماز پڑھے تو اسے اختیار جس طرح چاہئے پڑھے۔"

تشریح: حضرت عثمان کے ارشاد انی اجدفی نفسی شئیا (یعنی مجھے اپنے دل میں کچھ کھٹک محسوس ہوتی ہے) کا مطلب یہ تھا کہ میں امامت کے حقوق کی ادائیگی سے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوں یا کچھ وسوسے اور شبہات ہیں جو دل میں آتے ہیں یا یہ کہ امامت کے وقت میرے دل کے اندر ایک قسم کی برتری اور غرور کی سی کیفیت محسوس ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کیفیات کے دفعیہ کے لئے ان کے سینے اور پشت پر اپنا دست مبارک پھیرا جس کی برکت سے ان کے دل کی وہ کھٹک جاتی رہی جس کی موجودگی انہیں امامت پر آمادہ نہ ہونے دیتی تھی۔

فاذا صلی احد کم الخ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تنہا نماز پڑھنے والا اپنی نماز کے معاملہ میں مختار ہے چاہے تو وہ طویل نماز پڑھے چاہے مختصر لیکن علماء لکھتے ہیں کہ تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ طویل نماز پڑھے۔

اس زمانہ کے ائمہ کا معاملہ بڑا عجیب ہے جب وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں تو بہت زیادہ طوالت سے کام لیتے ہیں مگر جب تنہا نماز پڑھتے ہیں تو صرف اتنے ہی اختصار پر اکتفا کرتے ہیں جس سے نماز ادا ہو جائے۔ ائمہ کو اس طریق کار کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

Ⓩ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنَا بِالتَّخْفِيْفِ وَيَؤُمُّنَا بِالصَّافَّاتِ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ "نبی کریم ﷺ ہمیں ہلکی نماز (پڑھانے) کا حکم دیا کرتے تھے اور آپ ہمیں نماز پڑھاتے تو سورہ صافات کی قرأت کرتے۔" (نسائی)

تشریح: حدیث کے دونوں جز میں بظاہر تو تعارض نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو آپ ہلکی نماز پڑھانے کا حکم دیتے تھے اور دوسری طرف خود امامت کرتے وقت سورہ صافات کی قرأت فرماتے جو ایک طویل سورت ہے، اس تعارض کو دفع کرنے کے لئے علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ لمبی لمبی سورتیں اور بہت زیادہ آیتیں بہت کم عرصہ میں پڑھ لیتے تھے جس سے لوگوں کو کوئی گرانی اور اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی اور یہ خصوصیت دوسروں کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس طرح دونوں جزئیں کوئی تعارض نہیں رہا۔

بَابُ مَا عَلَى الْمَامُوْمِ مِنَ الْمُتَابِعَةِ وَحُكْمِ الْمَسْبُوْقِ

مقتدی کے لئے امام کی تابعداری کے لزوم اور مسبوق کا بیان

اس باب کے تحت وہ احادیث ذکر کی جائیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ مقتدی کیلئے امام کی تابعداری کتنی ضروری اور لازم ہے اور یہ کہ مقتدی کو امام کی متابعت کن چیزوں میں اور کس طرح کرنی چاہئے۔

نیز اس باب میں وہ احادیث بھی نقل کی جائیں گی جن سے مسبوق کا حکم معلوم ہوگا کہ وہ اپنی نماز کس طرح پوری کرے اور اسے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ گذشتہ صفحات میں کسی موقع پر مسبوق کی تعریف کی جا چکی ہے یعنی مسبوق اس نمازی کو کہتے ہیں جو ابتداء سے جماعت میں شریک نہ ہو بلکہ ایک رکعت یا اس سے زیادہ ہو جانے کی بعد جماعت میں آکر شریک ہوا ہو۔

امام کی متابعت کے سلسلہ میں آنے والی احادیث کے ضمن میں حسب موقع مسائل کی وضاحت کی جائے گی تاہم اس موقع پر اجمالی طور پر اتنی بات جانتے چلئے کہ نماز کے ان ارکان میں جو فرض یا واجب ہیں تمام مقتدیوں کو امام کی متابعت و موافقت کرنا واجب ہے ہاں ان ارکان میں جو سنت وغیرہ ہیں مقتدیوں کے لئے امام کی متابعت ضروری نہیں چنانچہ اگر امام، شافعی المذہب ہو اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرے یعنی دونوں ہاتھوں کو اٹھائے تو حنفی مقتدی کو ہاتھوں کا اٹھانا ضروری نہیں ہے کیونکہ ان دونوں موقعوں پر رفع یدین ان کے نزدیک سنت ہے اس طرح فجر کی نماز میں شافعی المذہب امام قنوت پڑھے تو حنفی مقتدیوں کے لئے قنوت پڑھنا واجب نہیں ہاں رات میں قنوت پڑھنا واجب ہے لہٰذا اسی طرح شافعی المذہب امام اگر اپنے مذہب کے موافق قنوت رکوع کے بعد پڑھے تو حنفی مقتدیوں کو بھی امام کی متابعت و موافقت کے پیش نظر رکوع کے بعد ہی قنوت پڑھنا چاہئے۔ (علم الفقہ)

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

امام کی متابعت

① عَنْ بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ اَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتّٰى يَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْاَرْضِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ آپ جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو جب تک آنحضرت ﷺ (سجدہ کیلئے) اپنی جبین مبارک زمین پر نہیں رکھتے تھے ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ جھکاتا (بھی) نہیں تھا" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت براءؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہم رکوع سے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی سجدہ میں نہیں چلے جاتے تھے بلکہ کھڑے رہتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ زمین پر اپنی پیشانی رکھ لیتے تو ہم سجدہ میں جاتے۔ مولانا مظہرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مقتدی کے لئے یہ سنت ہے کہ وہ اپنی نماز کے ارکان امام کی نماز کے ارکان کے اس قدر بعد ادا کرے اور اگر

امام کے افعال وصلوٰۃ اور مقتدی کے افعال صلوٰۃ کے درمیان ادائیگی کا اتنا وقفہ نہ ہو تو بھی جائز ہے مگر تکبیر تحریمہ کے وقت مقتدی کے لئے اتنا توقف کرنا ضروری ہے کہ جب امام تکبیر تحریمہ کہہ کر فارغ ہو تو مقتدی تکبیر تحریمہ کہیں۔

مگر حنفی فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ مقتدی کے لئے امام کی متابعت بطریق مواصلت واجب ہے یعنی مقتدیوں کو ہر رکن امام کے ساتھ ہی بلا تاخیر ادا کرنا چاہئے، تحریمہ بھی امام کی تحریمہ کے ساتھ کریں، رکوع بھی امام کے رکوع کے ساتھ، قومہ بھی امام کے قومہ کے ساتھ، سجدہ بھی امام کے سجدہ کے ساتھ غرض کہ ہر فعل امام کے ہر فعل کے ساتھ کریں۔ ہاں اگر قعدہ اولی میں امام اس سے پہلے کھڑا ہو جائے کہ مقتدی التحیات پوری کریں تو مقتدیوں کو چاہئے کہ التحیات پوری کر کے سلام پھیریں۔ ہاں رکوع و سجود میں اگر مقتدیوں نے تسبیح تین مرتبہ بھی نہ پڑھی ہوں اور امام سر اٹھائے تو صحیح مسئلہ یہی ہے کہ مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ تسبیح پڑھے بغیر ہی امام کے ساتھ کھڑے ہو جائیں، اگر مقتدی رکوع یا سجدہ سے اپنے سر امام کے سر اٹھانے سے پہلے اٹھاویں تو ان کو چاہئے کہ وہ دوبارہ رکوع یا سجدہ میں چلے جائیں اور پھر امام کے ساتھ ہی اپنا سر اٹھائیں اس طرح یہ رکوع یا سجدے دو نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی شمار ہوں گے۔

مقتدی امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کریں

(۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ اِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِىْ بِالرُّكُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْاِنْصِرَافِ فَاِنِّىْ اَرَاكُمْ مِنْ اَمَامِىْ وَمِنْ خَلْفِىْ۔ (رواه مسلم)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ نماز پڑھا چکے تو اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ لوگو! میں تمہارا امام ہوں! لہٰذا تم رکوع کرنے، سجدہ کرنے کھڑے ہونے اور پھرنے (یعنی نماز سے فارغ ہونے) میں مجھ سے جلدی نہ کیا کرو میں تمہیں اپنے آگے اور (بذریعہ مکاشفہ یا بطور معجزہ یا بذریعہ مشاہدہ) اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔" (مسلمؒ)

(۳) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَادِرُوْا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ الْبُخَارِىَّ لَمْ يَذْكُرْ وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّيْنَ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم اپنے امام پر پہل نہ کیا کرو۔ جب امام تکبیر کہے تو تم (بھی اس کے ساتھ ہی) تکبیر کہو جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو جب امام رکوع کرے تو تم رکوع میں جاؤ اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللہم ربنا لک الحمد (اے اللہ اے ہمارے رب تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں) کہو۔" اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے مگر بخاری نے اپنی روایات میں وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّيْنَ کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔"

تشریح: "فقولوا آمین" کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جب امام سورہ فاتحہ پڑھے تو مقتدی خاموش کھڑے رہ کر اسے سنیں اور سورہ فاتحہ کی قرأت نہ کریں۔

حدیث کے آخری جزو سے یہ معلوم ہوا کہ امام جب رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو مقتدی ربنا لک الحمد کہیں جیسا کہ امام اعظمؒ کا مسئلہ ہے۔

امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں یا کھڑے ہو کر

(۴) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْاَيْمَنُ فَصَلّٰى صَلَاةً

مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُوْدًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا صَلّٰى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ۔ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ: قَوْلُهٗ اِذَا صَلّٰى جُلُوْسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا هُوَ فِيْ مَرَضِهِ الْقَدِيْمِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهٗ قِيَامٌ لَمْ يَاْمُرْهُمْ بِالْقُعُوْدِ وَاِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَاتَّفَقَ مُسْلِمٌ اِلٰى اَجْمَعُوْنَ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا۔

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ کسی سفر کے دوران) نبی کریم ﷺ گھوڑے پر سوار تھے کہ (اتفاقاً) آپ ﷺ نیچے گر پڑے اس کی وجہ سے آپ ﷺ کی داہنی کروٹ (ایسی) چھل گئی (کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر آپ ﷺ قادر نہ رہے) چنانچہ آپ ﷺ نے (ان پانچ فرض) نمازوں میں سے کوئی نماز ہمیں بیٹھ کر پڑھائی ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھ کر (ہی) نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہو گئے تو (ہم سے مخاطب ہو کر) فرمایا کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا جب امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو جب وہ رکوع کرے تو تم (بھی) رکوع کرو اور جب وہ رکوع سے اٹھے تو تم (بھی) رکوع سے اٹھو، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو ربنا لک الحمد کہو اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔" حمیدیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔" آپ ﷺ کی پہلی بیماری میں تھا اور اس کے بعد (مرض الموت میں انتقال سے ایک دن پہلے) آنحضرت ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی تو لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور آپ ﷺ نے انہیں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا اور آنحضرت ﷺ کے اسی فعل پر عمل کیا جاتا ہے جو آخری ہے (یعنی پہلا فعل منسوخ اور دوسرا فعل ناسخ ہوتا ہے)۔" یہ الفاظ بخاریؒ کے ہیں اور مسلمؒ بھی لفظ اجمعون تک بخاریؒ کے موافق ہیں (یعنی روایت کو اس لفظ تک بخاری اور مسلم دونوں نے نقل کیا ہے) اور ایک دوسری روایت میں مسلمؒ نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ (آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا) کہ امام کے خلاف نہ کرو اور جب وہ (امام) سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔"

تشریح: اس روایت کے آخر میں جن حمیدی کا قول نقل کیا گیا ہے یہ وہ حمیدی نہیں جو جمع بین الصحیحین کے مؤلف ہیں بلکہ یہ بخاریؒ کے استاذ حمیدی ہیں بہرحال اکثر ائمہ کا مسلک حمیدی کے قول کے مطابق ہی ہے کہ اگر امام کسی عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر پڑھیں انہیں بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

آنحضرت کی علالت اور حضرت ابوبکرؓ کی امامت کا واقعہ

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهٗ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَصَلّٰى اَبُوْ بَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً فَقَامَ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْاَرْضِ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمَّا سَمِعَ اَبُوْبَكْرٍ حِسَّهٗ ذَهَبَ يَتَاَخَّرُ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا يَتَاَخَّرَ فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَّسَارِ اَبِيْ بَكْرٍ فَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّيْ قَائِمًا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَاعِدًا يَقْتَدِيْ اَبُوْبَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يَقْتَدُوْنَ بِصَلَاةِ اَبِيْ بَكْرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا يُسْمِعُ اَبُوْبَكْرٍ النَّاسَ التَّكْبِيْرَ۔

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ بہت زیادہ بیمار تھے تو (ایک دن) حضرت بلالؓ آپ ﷺ کو نماز کے لئے بلانے آئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو ان

دنوں میں سترہ نماز پڑھائیں پھر جب (ایک دن) آنحضرت ﷺ نے اپنی طبیعت کچھ ہلکی محسوس فرمائی تو آپ ﷺ (نماز کے لئے مسجد کو) دو آدمیوں کا سہارا لے کر (اس طرح) آئے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے صحابہؓ کے مونڈھوں پر ٹیک رکھے ہوئے تھے اور (ضعف و کمزوری کے سبب) آپ ﷺ کے پیر مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کی آمد کی آہٹ محسوس کی اور پیچھے ہٹنا شروع کیا (تاکہ آنحضرت ﷺ ان کی جگہ کھڑے ہو جائیں اور امامت کریں) آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کیا کہ پیچھے نہ ہٹو پھر آپ ﷺ (آگے) بڑھے اور حضرت ابوبکرؓ کے بائیں طرف بیٹھ گئے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہے اور آنحضرت ﷺ "ضعف و کمزوری کی بناء پر) بیٹھ کر نماز پڑھتے رہے حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد "ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت ﷺ کے بعد تمام لوگوں میں افضل ہیں نیز یہ کہ تمام لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ ہی آنحضرت ﷺ کی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق اور سب سے اولیٰ ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کی جانب سے حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے اس عظیم اور سب سے اہم منصب کا اہل و اولیٰ قرار دیئے جانے کی پیش نظر ہی بعض جلیل القدر صحابہ کا یہ ارشاد بالکل حقیقت پسندانہ اور منشاء رسالت کے عین مطابق تھا کہ "آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو ہمارے دین (کی پیشوائی) کے لئے پسند فرمایا تو کیا ہم انہیں اپنی دنیا (کی رہبری) کے لئے پسند نہ کریں؟ یعنی جب آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنی زندگی میں دین کا سب سے بڑا اور اہم منصب امامت عنایت فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا تھا کہ میرے بعد ابوبکرؓ ہی کی وہ شخصیت ہو سکتی ہے جو مسلمانوں کی دینی پیشوائی اور رہبری کو انجام دے سکے تو حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کی دینوی رہبری اور پیشوائی کے بدرجہ اولیٰ مستحق ہوئے لہٰذا خلافت جیسے عظیم الشان منصب کے سب سے زیادہ اہل وہی ہیں۔

رَجُلَیْنِ (دو صحابہؓ) سے مراد حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی ذات گرامی ہے یعنی آپ ﷺ اپنی کمزوری و ناتوانی کے سبب حجرہ مبارک سے مسجد نبوی تک ان دونوں جلیل القدر صحابہؓ کے مونڈھوں پر سہارا دیکر تشریف لائے۔

حدیث کے الفاظ والناس یقتدون بصلوۃ ابی بکرؓ (اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے) کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چونکہ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے پہلوئے مبارک میں کھڑے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ جو فعل کرتے حضرت ابوبکرؓ بھی اسی طرح کرتے تھے اور جو فعل حضرت ابوبکرؓ کرتے تھے دوسرے مقتدی بھی اسی طرح کرتے جاتے تھے۔ لہٰذا یہاں اقتداء کے یہی معنی ہیں یہ معنی مراد نہیں ہیں کہ آنحضرت ﷺ تو حضرت ابوبکرؓ کے امام تھے اور حضرت ابوبکرؓ دوسرے مقتدیوں کے امام تھے کیونکہ مقتدی کی اقتداء کرنا جائز نہیں۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ امام آنحضرت ﷺ ہی تھے حضرت ابوبکرؓ بھی آپ ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور دوسرے لوگ بھی آپ ﷺ ہی کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔

کیا نماز کے دوران امامت میں تغیر جائز ہے

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نماز کے دوران امامت میں تغیر جائز ہے؟ یعنی نماز شروع ہو چکی ہے ایک امام لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہے ایک دوسرا شخص آتا ہے اور شروع سے نماز پڑھانے والے امام کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے اور امامت شروع کر دیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ جیسا کہ واقعہ مذکورہ میں صورت پیش آئی کہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھانی شروع کر دی تھی کہ آنحضرت ﷺ بعد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ کی جگہ لوگوں کی امامت شروع فرما دی! تو اس سلسلہ میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں

اجماع ہے کہ صورت مذکور میں آنحضرت ﷺ کا یہ فعل آپ ﷺ کے خصائص میں تھا، یعنی دوسروں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس طرح امامت میں تغیر کیا جائے۔

لیکن حضرت امام شافعیؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ مذکورہ بالا صورت کی طرح امامت اور اقتداء جائز ہے (ملاحظہ فرمایئے مرقاۃ شرح مشکوۃ)

اس سلسلہ میں بعض علماء حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ حضرت ابوبکرؓ نماز شروع کر چکے تھے یعنی حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت نماز شروع نہیں کی تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور امامت شروع فرمادی۔ واللہ اعلم

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا کہ اگر امام کسی عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھیں چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جائے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ، عیدین، نیز زیادہ نمازی ہونے کی صورت میں عام نمازوں میں بھی مؤذنوں کے لئے جائز ہے کہ وہ امام کے ساتھ تکبیرات باآواز بلند کہتے جائیں تا کہ جو مقتدی امام سے فاصلہ پر ہوں وہ بھی تکبیرات سن لیں۔

امام سے پہلے سر اٹھانے پر وعید

(۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا يَخْشَى الَّذِیْ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ يُحَوِّلَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ رَاْسَ حِمَارٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جو امام سے پہلے (رکوع و سجود سے) سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ جل شانہ اس کے سر کو بدل کر گدھے جیسا سر کر دے گا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: جو شخص نماز کے ارکان امام کے ساتھ ادا نہیں کرتا بلکہ امام سے پہلے ہی ادا کر لیتا ہے مثلاً رکوع و سجود سے امام کے سر اٹھانے سے پہلے اپنا سر اٹھا لیتا ہے تو ایسے شخص کے بارہ میں مذکورہ بالا حدیث سخت ترین وعید ہے۔

گو علماء لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے گدھے کے مانند کم فہم و عقل کر دے گا کیونکہ تمام جانوروں میں گدھا ہی سب سے زیادہ کم فہم ہوتا ہے لہٰذا یہ مسخ حقیقی نہیں ہو گا بلکہ مسخ معنوی ہو گا۔

تاہم علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کو اپنے حقیقی معنیٰ پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس امت میں بھی مسخ ممکن ہے جیسا کہ "باب اشراط الساعۃ" میں مذکور ہے اور اس کے مؤید ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ان یحول اللّٰہ صورتہ صورۃ حمار یعنی اللہ تعالیٰ اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کی صورت کو گدھے جیسی صورت کر دے۔

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ "اس امت میں بھی مسخ جائز ہے لہٰذا اس حدیث کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرنا جائز ہے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسخ خاص ہے اور امت کے لئے جو مسخ ممتنع ہے وہ مسخ عام ہے چنانچہ احادیث صحیحہ سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

مسخ صورت کی ایک عبرت ناک مثال

علامہ ابن حجرؒ کے مذکورہ بالا قول کی تائید ایک عبرتناک واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو ایک جلیل القدر محدث سے منقول ہے کہ وہ طلب علم اور حصول حدیث کی خاطر دمشق کے ایک عالم کے پاس پہنچے جو اپنے علم و فضل کی بناء پر بہت مشہور تھا انہوں نے اس عالم سے درس لینا شروع کیا مگر حصول علم کے دوران یہ واقعہ طالب علم کے لئے بڑا حیرتناک بنا رہا کہ استاد پوری مدت میں کبھی بھی ان کے سامنے نہیں آیا درس کے وقت استاد اور شاگرد کے درمیان ایک پردہ حائل رہتا تھا، ان کو اس کی بڑی خواہش تھی کہ کم سے کم ایک مرتبہ اپنے استاد کے

چہرے کی زیارت تو کریں، چنانچہ جب انہیں اس عالم کی خدمت میں رہتے ہوئے بہت کافی عرصہ گذر گیا تو اس نے یہ محسوس کر لیا کہ طالب علم حصول حدیث کے شوق اور تعلق شیخ کے بھرپور جذبات کا پوری طرح حامل ہے تو استاد نے ایک دن درمیان میں حائل پردہ کو اٹھایا ان کے حیرت اور تعجب کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ جو جلیل القدر عالم اور ان کا استاد جس کے علم و فضل کی شہرت چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اپنے انسانی چہرہ سے محروم ہے بلکہ اس کا منہ گدھے جیسا ہے استاد نے شاگرد کی حیرت اور تعجب کو دیکھتے ہوئے جو بات کہی اسے سنئے اور اس سے عبرت حاصل کیجئے۔ اس نے کہا:

اے میرے بیٹے! نماز کے ارکان ادا کرنے کے سلسلہ میں امام پر پہل کرنے سے بچنا! میں نے جب یہ حدیث سنی کہ "کیا وہ شخص جو امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ جل شانہ اس کے سر کو بدل کر گدھے جیسا سر کر دے گا۔" تو مجھے بہت تعجب ہوا اور میں نے اسے بعید از امکان تصور کیا چنانچہ (یہ میری بدقسمتی کہ میں نے تجربہ کے طور پر) نماز کے ارکان ادا کرنے کے سلسلہ میں امام پر پہل کی جس کا نتیجہ میرے بیٹے اس وقت تمہارے سامنے ہے کہ میرا چہرہ واقعی گدھے کے چہرے جیسا ہو گیا۔

بہر حال ملا علی قاری اس کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد دراصل شدید تہدید اور انتہائی وعید کے طور پر ہے یا یہ کہ ایسے شخص کو برزخ یا دوزخ میں اس عذاب کے اندر مبتلا کیا جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

امام کی موافقت کرنے کا حکم

⑦ وَعَنْ عَلِيٍّ وَمُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتٰى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلٰى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"حضرت علیؓ اور حضرت معاذ ابن جبلؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص (جماعت میں شریک ہونے کے لئے) نماز میں آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو جو کچھ امام کر رہا ہے وہی اسے کرنا چاہئے۔" اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ افعال نماز میں اس شخص کو امام کی اقتداء کرنی چاہئے اور اسے ارکان نماز کی ادائیگی کے سلسلہ میں امام سے مقدم یا مؤخر نہ ہونا چاہئے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام جس حالت میں بھی ہو اس کی موافقت اسے کرنی چاہئے، یعنی جماعت شروع ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص بعد میں شریک ہونے کے لئے آئے تو امام جس حالت میں ہو اسے اس کی موافقت کرنی چاہئے اگر امام حالت قیام میں ہو تو اسے بھی وہی حالت اختیار کرنی چاہئے اگر وہ رکوع میں ہو تو اسے بھی رکوع میں چلے جانا چاہئے اگر سجدہ میں ہو تو اسے بھی سجدہ میں چلے جانا چاہئے دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ جماعت شروع ہو جانے کے بعد یوں ہی کھڑے رہتے ہیں یا باتوں میں مصروف رہتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں کہ جب امام رکوع میں جائے تو جا کر نماز میں شریک ہوں یہ طریقہ بہت غلط اور غیر شرعی ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے تاہم علماء کا اس حدیث پر عمل ہے اور نوویؒ نے بھی کہا ہے کہ حدیث کی اسناد ضعیف ہے لیکن جس حدیث پر علماء کا عمل ہوتا تھا اسے امام ترمذیؒ صحیح قرار دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ حدیث کی صحت علماء کے عمل سے ثابت ہو جائے جیسا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث پہنچی کہ جو شخص لا الہ الا اللہ ستر

ہزار مرتبہ پڑھے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اسی طرح جس شخص کے لئے پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے چنانچہ میں اس کلمہ کو روایت کردہ عدد کے مطابق خاص طور سے کسی کے لئے نیت کئے بغیر پڑھا کرتا تھا اتفاق سے ایک دن میں ایک جگہ دعوت میں گیا وہاں میرے چند رفیق بھی تھے ان میں سے ایک شخص جوان تھا جو کشف کے سلسلے میں بہت مشہور تھا کھانے کے دوران اچانک وہ رونے لگا میں نے حیرت زدہ ہو کر اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں (کشف کے ذریعہ) دیکھ رہا ہوں کہ میری ماں عذاب میں مبتلا ہے یہ سنتے ہی میں نے کلمہ مذکورہ کا ثواب دل ہی دل میں اس کی ماں کے لئے بخش دیا اب وہ ہنسنے لگا اور اس نے کہا کہ "اب میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔"

اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا کہ اس شخص کے کشف کے صحیح ہونے سے میں نے اس حدیث کو صحیح جانا اور اس حدیث کے صحیح ہونے سے اس شخص کے کشف کو صحیح مانا"

رکوع میں شریک ہو جانے سے پوری رکعت ہو جاتی ہے

⑧ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهُ شَیْئًا وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلَاةَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم (جماعت میں شریک ہونے کے لئے) نماز میں آؤ اور ہمیں سجدہ کی حالت میں پاؤ تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ اور اس سجدہ کو کسی حساب میں نہ لگاؤ، ہاں جس شخص نے (امام کے ساتھ) رکوع پالیا تو اس نے پوری رکعت پالی۔" (ابوداؤد)

تشریح: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت میں آکر اس حال میں شریک ہو کہ امام سجدہ میں ہو اور وہ بھی سجدہ میں چلا جائے تو اس کی پوری رکعت نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی شخص اس حال میں شریک ہو کہ امام رکوع میں ہو اور اسے رکوع مل جائے تو اس کی پوری رکعت ادا ہو جاتی ہے چنانچہ اس حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت میں اس وقت شریک ہو جب امام سجدہ میں ہو تو وہ سجدہ میں چلا جائے۔ مگر اس سجدہ کی وجہ سے وہ اس رکعت کا ادا کرنا نہ سمجھے کیونکہ جس طرح رکوع میں شریک ہو جانے سے پوری رکعت مل جاتی ہے اسی طرح سجدہ میں شریک ہونے سے پوری رکعت نہیں ملتی۔

دوسرے جزء کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں ① حدیث میں لفظ "رکعۃ" سے رکوع مراد ہے اور "صلوٰۃ" سے رکعت یعنی جس نے امام کو رکوع میں پایا اور وہ رکوع اس نے بھی پالیا تو اس کو پوری رکعت مل گئی ② رکعۃ اور صلوٰۃ دونوں اپنے حقیقی معنی میں استعمال کئے گئے ہیں اس طرح حدیث کے اس جزء کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص نے جماعت میں ایک رکعت بھی پالی تو اس نے امام کے ساتھ پوری نماز کو پالیا لہٰذا اسے نماز باجماعت کا ثواب بھی ملے گا اور جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہوگی۔

چالیس روز تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے والے کے لئے بشارت

⑨ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَةٍ یُدْرِكُ التَّكْبِیْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص چالیس روز تک اللہ تعالیٰ کے لئے جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ وہ تکبیر اولیٰ بھی پائے تو اس کے لئے دو قسم کی نجات لکھی جاتی ہے ایک تو دوزخ سے نجات اور دوسری نفاق سے نجات۔"

(ترمذیؒ)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو مسلسل چالیس روز تک یہ سعادت حاصل ہو جائے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضاء کی خاطر جماعت سے نماز اس طرح پڑھے کہ اس کی تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو یعنی وہ ابتداء سے نماز میں شریک رہے کہ جب امام تکبیر تحریمہ کہے تو وہ بھی تکبیر کہے یا بعض علماء کے قول کے مطابق زیادہ سے زیادہ امام کے سبحانک اللہم پڑھنے تک جماعت میں شریک ہو جائے تو اس کے لئے بارگاہ رب العزت سے دو چیزوں سے نجات کا پروانہ عنایت فرمادیا جاتا ہے ایک تو دوزخ سے کہ اسے انشاء اللہ دوزخ کی آگ دیکھنا نصیب نہیں ہوگی اور دوسرے نفاق سے۔

نفاق سے نجات کا مطلب

نفاق سے نجات کا پروانہ دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مرد مؤمن کو اس بات سے اپنے حفظ و امان میں رکھے گا کہ اس سے منافقوں جیسے عمل سرزد ہوں جیسے نماز میں کسل و سستی اور ریا، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی وغیرہ وغیرہ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اہل حق اور اہل اخلاص کے سے عمل کرنے کی توفیق دے گا اور آخرت میں اسے اس عذاب سے کہ جس میں منافقین کو مبتلا کیا جائے گا۔ بچائے گا نیز میدان حشر میں اس کے بارے میں یہ گواہی دی جائے گی کہ یہ بندہ منافق نہیں ہے بلکہ بندہ مومن و صادق ہے اور رحم و کرم کی یہ بارشیں محض اس وجہ سے ہوں گی کہ یہ شخص نماز میں اس قدر پہلے آیا کہ تکبیر اولیٰ میں شریک ہو سکے نیز دل کے پورے خلوص اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو کر اپنے رب کی خوشنودی اور رضامندی کو حاصل کیا۔ حق تعالیٰ ہم سب کو اس سعادت سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔

جماعت کی نیت سے مسجد میں جانے والے کو جماعت نہ ملنے کی صورت میں بھی ثواب ملتا ہے

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلُّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلاَّهَا وَحَضَرَهَا لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے وضو کیا اور اچھا (یعنی پورے شرائط و آداب اور حضور دل کے ساتھ) وضو کیا اور پھر (مسجد میں) گیا اور وہاں دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے اس نمازی کے برابر ثواب عنایت فرمادیتا ہے جس نے وہاں جماعت میں حاضر ہو کر نماز پڑھی تھی اور اس کا ثواب دینے سے دوسرے (یعنی جماعت میں حاضر ہونے والوں) کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرتا۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت میں شریک ہونے کی نیت سے مسجد میں آئے اور اتفاق سے اسے جماعت نہ مل سکے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جماعت میں شریک ہونے والوں کے برابر ہی ثواب عنایت فرماتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ قصداً دیر کر کے جماعت میں شریک ہونے سے نہ رہ جائے بلکہ اتفاقاً یا کسی عذر کی بناء پر اس کی جماعت جاتی رہے اگر کوئی شخص قصداً جماعت کے وقت حاضر نہ ہو بلکہ جماعت ہو جانے کی بعد آئے تو اسے یہ ثواب نہیں ملے گا۔

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ اسے یہ ثواب ان نمازیوں کے ثواب میں سے جو جماعت میں حاضر تھے کم کر کے نہیں ملے گا کہ جس کی وجہ سے ان کے ثواب میں کمی ہو جائے بلکہ ان نمازیوں کو تو اپنے فعل یعنی جماعت میں شریک ہونے کا بھرپور اجر ملے گا اور اسے جماعت کی نیت اور جماعت کے حاصل کرنے کے غلبۂ شوق کی بناء پر ثواب دیا جائے گا۔

جماعت کی فضیلت

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَ قَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَا رَجُلٌ یَتَصَدَّقُ عَلٰی هٰذَا

فَيُصَلِّي مَعَهُ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلّٰى مَعَهُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز مسجد میں) ایک شخص ایسے وقت پہنچا جب کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ چکے تھے آپ نے (اس شخص کو دیکھ کر) فرمایا کہ "کیا کوئی شخص ایسا نہیں جو اسے خدا کی راہ میں دے۔" چنانچہ ایک شخص (آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) کھڑا ہوا اور اس نے اس شخص کے ساتھ نماز پڑھی۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: یتصدق (خدا کی راہ میں دے) کا مطلب یہ تھا کہ کیا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس شخص کے ساتھ بایں طور احسان کرے کہ وہ اس کے ساتھ نماز پڑھے تاکہ اسے جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو نیک راہ بتائے یا اس کے نیک راستہ اختیار کرنے کا باعث بنے تو اسے وہی اجر و ثواب ملے گا جو خدا کی راہ میں بخشش کا ثواب ملتا ہے۔

مولانا مظہرؒ فرماتے ہیں کہ آنے والے شخص کے ساتھ نماز پڑھنے کو صدقہ (خدا کی راہ میں دینے) سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ اس شخص کے ساتھ نماز پڑھنے والے نے اس کو چھبیس گنا زیادہ ثواب صدقہ کیا کیونکہ اگر وہ اس شخص کے ساتھ نماز نہ پڑھتا تو جماعت نہ ہونے اور تنہا نماز پڑھنے کی وجہ سے ایک ہی نماز کا ثواب ملتا اور اس شخص کے باعث جماعت حاصل ہونے کی وجہ سے اسے ستائیس نمازوں کا ثواب ملا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کے مرض موت میں ابوبکرؓ کی امامت کا واقعہ

(۱۲) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ اَلَا تُحَدِّثِيْنِي عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بَلٰى ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ فَقَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالنَّاسُ عُكُوْفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ بِاَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَاَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُكَ اَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَكَانَ رَجُلًا رَقِيْقًا يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اَنْتَ اَحَقُّ بِذٰلِكَ فَصَلّٰى اَبُوْبَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً وَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ وَاَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فَلَمَّا رَاٰهُ اَبُوْبَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَاَخَّرَ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنْ لَا يَتَاَخَّرَ قَالَ اَجْلِسَانِيْ اِلٰى جَنْبِهٖ فَاَجْلَسَاهُ اِلٰى جَنْبِ اَبِيْ بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهٗ اَلَا اَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيْثَهَا فَمَا اَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ اَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِيْ كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِيٌّ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عبید اللہ ابن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ "کیا آپ مجھ سے نبی کریم ﷺ کی بیماری کا حال (کہ جس میں آپ آخری مرتبہ نماز پڑھانے کے لئے مسجد تشریف لے گئے تھے) بیان فرمائیں گی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "ہاں (کیوں نہیں! تو سنو کہ جب) آنحضرت ﷺ زیادہ بیمار ہوئے تو (نماز کے وقت) پوچھا کہ "کیا

لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟" ہم نے کہا کہ "ابھی نہیں یا رسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "(اچھا) میرے لئے لگن (طشت) میں پانی رکھو۔" حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "ہم نے لگن میں پانی رکھ دیا" چنانچہ آپ نے غسل کیا اور چاہا کہ کھڑے ہوں مگر "کمزوری کی وجہ سے آپ کو غش آ گیا اور) بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو پھر فرمایا کہ "کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟" ہم نے کہا کہ "ابھی نہیں، لوگ آپ کے منتظر ہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا" لگن میں پانی رکھ۔" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (جب ہم لگن میں پانی رکھ دیا تو) آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور چاہا کہ کھڑے ہوں مگر بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو پھر پوچھا کہ "کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟" ہم نے عرض کیا کہ ابھی نہیں لوگ آپ کے منتظر ہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا "لگن میں پانی رکھو۔" (جب ہم نے پانی رکھ دیا تو) آپ بیٹھے اور غسل کیا اور پھر جب اٹھنا چاہا تو بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو فرمایا کہ "کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟" ہم نے عرض کیا کہ "نہیں لوگ آپ (ﷺ) کے منتظر ہیں یا رسول اللہ! اور لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے عشاء کی نماز کے لئے آنحضرت ﷺ کا انتظار کر رہے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے کسی کو (یعنی حضرت بلال کو) حضرت ابوبکرؓ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، چنانچہ قاصد (یعنی حضرت بلالؓ) ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے لئے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں! حضرت ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی تھے (یہ سن کر) حضرت عمرؓ سے کہنے لگے کہ عمرؓ تم ہی لوگوں کو نماز پڑھا دو (کیونکہ میں تو آنحضرت ﷺ کی جگہ کھڑے ہونے کا متحمل نہیں ہو سکتا) لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اس عظیم مرتبہ) کے سب سے زیادہ اہل آپ ہیں! چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ان دنوں میں (یعنی آنحضرت کے ایام مرض میں سترہ نمازیں لوگوں کو پڑھائیں۔" جب (ایک روز) آنحضرت ﷺ اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس فرمائی تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر ان میں سے ایک حضرت عباسؓ تھے نماز ظہر کے لئے (مسجد میں) تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں اشارہ کے ذریعہ پیچھے ہٹنے سے منع فرما دیا اور ان دونوں سے (جن کا سہارا لے کر آپ ﷺ مسجد آئے تھے) فرمایا کہ "مجھے ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھا دو!" چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھا دیا اور آپ ﷺ بیٹھے (نماز پڑھاتے) رہے حضرت عبداللہ (اس حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ میں (حضرت عائشہ سے یہ حدیث سن کر) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ کیا میں آپ رضؓ سے وہ حدیث نہ بیان کر دوں جو میں نے حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کی بیماری کے بارہ میں سنی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "ہاں بیان کرو! چنانچہ میں نے ان کے سامنے حضرت عائشہؓ کی حدیث بیان کی حضرت ابن عباسؓ نے اس میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا البتہ یہ فرمایا کہ کیا حضرت عائشہؓ نے تم سے اس شخص کا نام بیان کیا ہے جو حضرت عباسؓ کے ساتھ تھے؟ میں نے کہا کہ نہیں "حضرت ابن عباسؓ" نے فرمایا کہ وہ حضرت علیؓ تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت عائشہؓ نے حضرت عباسؓ کا نام تو لے لیا مگر دوسرے شخص کا نام نہیں لیا جو ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو سہارا دے کر مسجد لے گئے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے ایک طرف تو حضرت عباسؓ مستقل طور آپ ﷺ کو سہارا دیئے ہوئے تھے مگر دوسری طرف ایک ہی شخص مقرر نہ تھا بلکہ نوبت بہ نوبت بدلتے جاتے تھے کبھی تو حضرت علیؓ سہارا دیتے کبھی حضرت اسامہؓ یا فضل ابن عباسؓ یہی وجہ ہے کہ ایک دوسری طرف روایت میں حضرت عائشہؓ کے الفاظ کچھ اس طرح منقول ہیں جو بطریق احتمال سب ناموں کو شامل ہیں چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں کہ "آپ ﷺ کے دوسری طرف اہل بیت میں سے ایک شخص (سہارا دیئے ہوئے) تھے۔

سورہ فاتحہ نہ پڑھنے سے ادھورا ثواب ملتا ہے

(۱۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ السَّجْدَةَ وَمَنْ فَاتَتْهُ قِرَاءَةُ اُمِّ الْقُرْاٰنِ فَقَدْ فَاتَهٗ خَیْرٌ كَثِیْرٌ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے جس نے رکوع پایا اسے پوری رکعت مل گئی اور جو شخص سورہ فاتحہ پڑھنے سے رہ گیا وہ بہت سارے ثواب سے (بھی محروم) رہ گیا۔" (مالکؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس نے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی تو چونکہ وہ اس وجہ سے بہت زیادہ ثواب سے محروم رہ گیا اس لئے اس کی نماز کا ثواب ناقص ہے۔

اس حدیث سے بین طریقہ پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے کیونکہ اگر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے کمی و نقصان نہیں ہوتا بلکہ نماز نہ ہونے کی وجہ سے سرے سے ثواب ملتا ہی نہیں۔

امام پر پہل کرنے کی وعید

⑭ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ الَّذِیْ یَرْفَعُ رَأْسَهٗ وَیَخْفِضُهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ فَاِنَّمَا نَاصِیَتُهٗ بِیَدِ الشَّیْطَانِ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ (یہ بھی) فرماتے تھے کہ "جو شخص (رکوع و سجود میں) اپنے سر کو امام سے پہلے اٹھائے یا جھکائے تو (سمجھو کہ) اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔" (مالکؒ)

بَابُ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً مَرَّتَیْنِ
دو مرتبہ نماز پڑھنے والے شخص کا بیان

اگر کوئی شخص ایک ہی نماز دو مرتبہ خواہ حقیقۃً خواہ صورۃً پڑھتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا دونوں مرتبہ کی نمازیں ایک ہی قسم سے ادا ہوں گی یا ان کی حیثیت میں فرق ہو جائے گا؟ یعنی دونوں مرتبہ فرض ادا ہوں گے یا ایک مرتبہ فرض اور دوسری مرتبہ نفل؟ یہی باتیں بتانے کے لئے یہ باب قائم کیا گیا ہے اور انہیں مضامین پر مشتمل احادیث اس باب کے تحت نقل کی جائیں گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حضرت معاذؓ کے دو مرتبہ نماز پڑھنے کی حقیقت

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ یُصَلِّی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یَاتِی قَوْمَهٗ فَیُصَلِّی بِهِمْ۔ (متفق علیہ)

"حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ (پہلے تو) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے اور پھر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں نماز پڑھاتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت معاذ ابن جبلؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ عشاء کی سنتیں یا نفل آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پڑھتے تھے تاکہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت و سعادت حاصل ہو جائے اور آنحضرت ﷺ سے نماز پڑھنے کا طریقہ بھی معلوم ہو جائے پھر وہاں سے اپنی قوم میں آکر لوگوں کو فرض نماز پڑھایا کرتے تھے۔

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ مُعَاذٌ یُصَلِّی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی قَوْمِہٖ فَیُصَلِّی بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِیَ لَهٗ نَافِلَةٌ۔ (رواہ البیہقی و البخاری)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ عشاء کی نماز (پہلے تو) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے اور ان کو

عشاء کی نماز پڑھاتے اور وہ ان کے لئے نفل ہوتی۔"

تشریح: حضرت معاذؓ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پہلے تو عشاء کی نماز پڑھتے وقت عشاء کی سُنّت کی نیت کرتے ہوں گے یا نفل نماز کی نیت کر لیتے ہوں گے پھر اپنی قوم کے پاس آکر ان کی امامت کرتے اور اس وقت فرض نماز پڑھتے تھے۔

حدیث کے آخری الفاظ وَهِيَ لَهُ نَافِلَةٌ کا مطلب سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ دو مرتبہ نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ ایک شخص نے اپنے مکان میں تنہا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اس کے بعد مسجد آیا تو دیکھا کہ وہاں اسی نماز کی جماعت ہو رہی ہے جو پہلے پڑھ چکا ہے۔ وہ مسجد میں جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے جماعت میں شریک ہو کر دوبارہ نماز پڑھ لیتا ہے اس صورت میں فرض نماز کی ادائیگی چونکہ پہلے ہو چکی ہے اس لئے یہ جماعت کی نماز اس کے لئے نفل ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے وہ اپنی مسجد میں نماز پڑھانے سے پہلے کسی خاص موقعہ پر یا کسی خاص شخص کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے بہ نیت نفل نماز پڑھ لیتا ہے پھر اس کے بعد اپنی مسجد میں آکر لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے ایسی صورت میں بعد کی نماز فرض ادا ہو گی اور پہلی نماز نفل ہو جائے گی۔

اس تفصیل کو سمجھنے کے بعد اس جملہ کا مطلب آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ وہ دوسری نماز جو جماعت کے ساتھ فرض یا نفل ادا ہوتی ہے یا پہلی نماز دو مرتبہ پڑھنے والے کے حق میں نافلہ یعنی خیر و بھلائی کی زیادتی اور ثواب کی کثرت کا باعث ہوتی ہے۔

جن لوگوں نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "وہ دوسری نماز جو حضرت معاذؓ قوم کے ہمراہ پڑھتے تھے حضرت معاذؓ کی نفل نماز اور ان کی قوم کی عشاء کی فرض نماز ہوتی تھے۔" حقیقت سے دور ہے کیونکہ یہ بات تو اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب کی اس مطلب کو بیان کرنے والے حضرت معاذؓ کا کوئی ایسا قول بھی پیش کریں جس میں حضرت معاذؓ خود یہ بتائیں کہ ان کی نیت دونوں مرتبہ کیا ہوتی تھی کیونکہ نیت کی حقیقت تو اس وقت تک معلوم نہیں ہوتی جب تک کی نیت کرنے والا اپنی نیت کے بارے میں خود نہ بتائے کہ اس کی نیت کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت معاذؓ نماز پڑھتے وقت نیت دل میں کرتے ہوں گے زبان سے اظہار نہیں کرتے ہوں گے جیسا کہ ابن ہمامؒ نے نقل کیا ہے کہ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ زبان سے نیت کرتے تھے پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ جملہ "وہی نافلہ" حدیث کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ اضافہ ہے جو صحیح روایتوں میں موجود نہیں ہے چنانچہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے اپنے اجتہاد و مسلک کے مطابق اس کا اضافہ کیا ہے پھر یہ مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں یہ جگہ خالی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ نے سنن کے کسی بھی طریق سے یہ جملہ نہیں پایا۔

علامہ تور پشتیؒ فرماتے ہیں کہ "علماء حدیث کا یہ قول ہے کہ "وھی لہ نافلۃ" حدیث جابرؓ میں غیر محفوظ ہے۔

نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا جو اختلاف ہے اسے پوری وضاحت کے ساتھ مظاہر حق جدید کی قسط ۹ میں "باب القراۃ فی الصلوٰۃ" کی حدیث نمبر ۱۰ کی تشریح کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

جماعت کے ساتھ دوبارے نماز پڑھنے کا حکم

(۴) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِيْ مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ وَانْحَرَفَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِيْ اٰخِرِ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهُ قَالَ عَلَيَّ بِهِمَا فَجِيْءَ بِهِمَا تَرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ مَامَنَعَكُمَا اَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِيْ رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا اِذَا

صَلَّيْتُمَا فِي رِحَالِكُمَا ثُمَّ اَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ فَاِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی)

"حضرت یزید ابن اسودؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حج (حجۃ الوداع) میں شریک تھا چنانچہ (اس موقع پر ایک دن میں نے آپ ﷺ کے ہمراہ مسجد خیف میں صبح کی نماز پڑھی جب آپ ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو شخص جماعت کے آخر میں بیٹھے ہوئے ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی آنحضرت ﷺ نے (انہیں دیکھ کر لوگوں سے) فرمایا کہ "ان دونوں کو میرے پاس لاؤ!" وہ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس حال میں حاضر کئے گئے کہ (آنحضرت ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے) ان کے مونڈھوں کا گوشت تھر تھر رہا تھا آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روک دیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے مکان میں نماز پڑھ چکے تھے۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "آئندہ ایسا نہ کرنا، اگر تم اپنے مکان میں نماز پڑھ چکو اور اس مسجد میں آؤ جہاں جماعت ہو رہی ہو تو لوگوں کے ساتھ (بھی) نماز پڑھ لو، یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔"

(ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آخر میں پڑھی جانے والی نماز نفل ہو جائے گی خواہ پہلی نماز جماعت سے پڑھی ہو یا تنہا پڑھی ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

④ عَنْ بُسْرِ بْنِ مِحْجَنٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ كَانَ فِيْ مَجْلِسٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُذِّنَ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَرَجَعَ وَمِحْجَنٌ فِيْ مَجْلِسِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ اَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَقَالَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلٰكِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ اَهْلِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتَ الْمَسْجِدَ وَكُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ فَاُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ۔ (رواہ مالک و النسائی)

"حضرت بسر ابن محجن اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ان کے والد محترم حضرت محجن) ایک مجلس میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ نماز کیلئے اذان ہوگئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے نماز پڑھ کر جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو دیکھا محجنؓ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے روک دیا تھا کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہاں میں مسلمان ہوں لیکن (بات یہ ہوئی کہ) میں اپنے گھر والوں کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تم مسجد میں آؤ اور نماز (اپنے گھر میں) پڑھ چکے ہو اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو تو لوگوں کے ساتھ (دوبارہ) نماز پڑھ لو اگرچہ تم نماز پڑھ چکے ہو۔" (مالکؒ، نسائیؒ)

دوبارہ نماز پڑھنا باعث ثواب ہے

⑤ وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ اَسَدِ بْنِ خُزَيْمَةَ اَنَّهٗ سَاَلَ اَبَا اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ يُصَلِّيْ اَحَدُنَا فِيْ مَنْزِلِهِ الصَّلَاةَ ثُمَّ يَاتِي الْمَسْجِدَ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَاُصَلِّيْ مَعَهُمْ فَاَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَبُوْ اَيُّوْبَ سَاَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذٰلِكَ لَهٗ سَهْمُ جَمْعٍ۔ (رواہ مالک و ابوداؤد)

"اور قبیلہ اسد ابن خزیمہ کے ایک شخص کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے حضرت ابوایوب انصاریؓ سے پوچھا کہ "ہم میں سے کوئی شخص (اپنے گھر میں) نماز پڑھ لیتا ہے پھر وہ مسجد میں آتا ہے اور (دیکھتا ہے کہ) وہاں نماز پڑھی جا رہی ہے تو کیا میں نے ان کے ساتھ (دوبارہ)

نماز پڑھ لوں؟ میں اپنے دل میں ایک کھٹک محسوس کرتا ہوں (یعنی میرے دل میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا دوبارہ نماز پڑھنا میرے لئے بہتر ہے یا نہیں؟) حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ "میں نے (بھی اس مسئلہ کو) آنحضرت ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ (دوبارہ نماز پڑھنا) اس کے لئے جماعت کا نصیبہ ہے۔" (مالکؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: فذلک لہ سھم جمع کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ مکان میں فرض نماز پڑھ لینے کے بعد پھر دوبارہ مسجد میں جماعت کے ساتھ وہی نماز پڑھتا ہے تو اس کے حق میں سراسر سعادت کی بات ہے کیونکہ اس طرح اسے جماعت کی فضیلت اور اس کا ثواب ہاتھ لگتا ہے لہٰذا اس سلسلہ میں دل کے اندر کوئی وسوسہ وشبہ پیدا نہ کرنا چاہئے۔

دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم

⑥ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَجَلَسْتُ وَلَمْ اَدْخُلْ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَآنِيْ جَالِسًا فَقَالَ اَلَمْ تُسْلِمْ يَا يَزِيْدُ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَسْلَمْتُ قَالَ وَمَا مَنَعَكَ اَنْ تَدْخُلَ مَعَ النَّاسِ فِيْ صَلَاتِهِمْ قَالَ اِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ مَنْزِلِيْ اَحْسَبُ اَنْ قَدْ صَلَّيْتُمْ فَقَالَ اِذَا جِئْتَ الصَّلَاةَ فَوَجَدْتَ النَّاسَ يُصَلُّوْنَ فَصَلِّ مَعَهُمْ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ تَكُنْ لَكَ نَافِلَةً وَهٰذِهٖ مَكْتُوْبَةٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت یزید ابن عامرؓ فرماتے ہیں (ایک روز) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور آپ ﷺ اس وقت (لوگوں کے ہمراہ) نماز پڑھ رہے تھے میں (ایک طرف) بیٹھ گیا اور ان لوگوں کے ساتھ جماعت میں شامل نہیں ہوا جب آنحضرت ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے اور مجھے (ایک طرف) بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ "یزید کیا تم مسلمان نہیں ہو کہ نماز نہیں پڑھی؟ میں نے عرض کیا "ہاں رسول اللہ! بیشک میں مسلمان ہوں!" آپؐ نے فرمایا تو پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے تمہیں کس چیز نے روک دیا تھا؟ میں نے عرض کیا میں اپنے مکان میں نماز پڑھ چکا تھا اور (اب آتے وقت) یہ خیال تھا کہ آپ (ﷺ) بھی نماز سے فارغ ہو چکے ہوں گے پھر فرمایا۔" جب تم نماز کو آؤ اور لوگوں کو (نماز پڑھتے ہوئے) پاؤ تو تم بھی ان کے ہمراہ نماز میں شامل ہو جاؤ اگرچہ تم (پہلے وہ) نماز پڑھ چکے ہو اور یہ (دوسری مرتبہ کی نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی اور وہ (پہلی نماز) فرض ادا ہوگئی۔" (ابوداؤدؒ)

⑦ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَهٗ فَقَالَ اِنِّيْ اُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ ثُمَّ اُدْرِكُ الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الْاِمَامِ اَفَاُصَلِّيْ مَعَهٗ قَالَ لَهٗ نَعَمْ قَالَ الرَّجُلُ اَيَّتَهُمَا اَجْعَلُ صَلَاتِيْ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَذٰلِكَ اِلَيْكَ اِنَّمَا ذٰلِكَ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَجْعَلُ اَيَّتَهُمَا شَاءَ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا "میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہوں پھر مسجد میں (ایسے وقت پہنچتا ہوں کہ) لوگ امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوتے ہیں تو کیا میں بھی اس امام کے پیچھے نماز پڑھوں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ہاں! پھر اس شخص نے پوچھا کہ (ان میں سے) اپنی (فرض) نماز کسے قرار دوں؟ (پہلی یا دوسری کو) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا (کیا یہ تمہارا کام ہے؟ (یعنی ان میں سے کسی ایک کو فرض نماز مقرر کرنا تمہارا کام نہیں ہے) یہ تو اللہ بزرگ و برتر کے اختیار میں ہے کہ وہ جسے چاہے تمہاری (فرض) نماز قرار دے۔" (مالکؒ)

تشریح: یہ حدیث بعض شوافع اور غزالیؒ کے اس قول کی تائید کرتی ہے کہ ان دونوں نمازوں میں ایک نماز بلا تعین فرض ادا ہوتی ہے خواہ پہلی نماز ہو یا دوسری۔

لیکن اکثر احادیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں میں پہلی نماز فرض ادا ہوتی ہے اور دوسری نماز نفل ہو جاتی ہے

اور یہی بات قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ کوئی شخص کسی ایسے کام کو جو اس کے لئے ایک وقت میں ایک مرتبہ کرنا ضروری ہو اگر دو مرتبہ کرے تو ظاہر ہے کہ وہ بری الذمہ پہلی مرتبہ ہوتا ہے نہ کہ دوسری مرتبہ، اسی طرح نماز فرض کی ادائیگی پہلی مرتبہ ہوتی ہے اور دوسری مرتبہ کی نماز اس کے حق میں نفل کی صورت میں فضیلت و سعادت کا سرمایہ بن جاتی ہے۔

ایک نماز کو دوبارہ نہ پڑھنے کا حکم

⑧ وَعَنْ سُلَيْمَانَ مَوْلٰى مَيْمُوْنَةَ قَالَ اَتَيْنَا ابْنَ عُمَرَ عَلَى الْبَلَاطِ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ فَقُلْتُ اَلَا تُصَلِّي مَعَهُمْ قَالَ قَدْ صَلَّيْتُ وَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُصَلُّوْا صَلَاةً فِيْ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ "(ایک روز) ہم حضرت ابن عمرؓ کے پاس مقام بلاط میں آئے لوگ اس وقت (مسجد میں) نماز پڑھ رہے تھے میں نے ابن عمرؓ سے عرض کیا کہ آپ لوگوں کے ہمراہ نماز نہیں پڑھتے؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا "میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تم ایک دن (یعنی ایک وقت میں) ایک نماز دو مرتبہ نہ پڑھو۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ، احمدؒ)

تشریح: "بلاط" مدینہ منورہ میں ایک جگہ کا نام ہے جسے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد سے باہر اس مقصد کے لئے بنایا تھا کہ لوگوں کو باتیں وغیرہ کرنی ہوں تو مسجد سے باہر اس جگہ کیا کریں اور مسجد میں دنیاوی امور پر مشتمل بات چیت نہ ہو۔"

دوبارہ نماز پڑھنے کے حکم کی تطبیق گزشتہ احادیث سے

بظاہر یہ حدیث گذشتہ احادیث سے متعارض نظر آتی ہے جو ایک نماز کو دوبارہ پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا اس حدیث کے حکم و گذشتہ احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ دراصل اس حدیث کے حکم کا تعلق اس شخص سے ہے جو پہلی مرتبہ جماعت سے نماز پڑھ چکا ہو اور گزشتہ احادیث کا تعلق اس شخص سے ہے جس نے پہلی مرتبہ نماز جماعت سے نہیں بلکہ تنہا پڑھی ہو جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ یا۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دوسری مرتبہ نماز بطریق فرضیت نہ پڑھو یعنی دوسری نماز اگر نفل جان کر اور نفل کی نیت سے پڑھو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس وضاحت کی روشنی میں حضرت ابن عمرؓ کے الفاظ قد صلیت (میں نماز پڑھ چکا ہوں) کی یہ تشریح کی جائے گی کہ حضرت ابن عمرؓ شاید جماعت سے نماز پڑھ چکے ہوں گے اس لئے وہ دوبارہ نماز میں شریک نہیں ہوئے یا یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے۔ وہ فجر یا عصر و مغرب کا وقت ہو گا۔ کہ ان اوقات میں دوبارہ نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

آخر میں اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ اس سلسلہ میں اکثر حدیثیں عام ہیں یعنی ان احادیث سے بظاہر معلوم یہی ہوتا ہے کہ یہ حکم کہ اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ کر مسجد میں آئے اور وہاں جماعت ہو رہی ہو تو وہ جماعت میں شریک ہو جائے اور دوبارہ نماز پڑھ لے تمام اوقات کی نمازوں سے متعلق ہے لیکن مجتہدین اور علماء نے ان احادیث پر بھی نظر رکھی ہے جن سے بعض اوقات میں دوبارہ نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے لہٰذا ان احادیث کے پیش نظر انہوں نے ان اوقات کو متعین کر دیا ہے جن میں دوبارہ نماز پڑھ لینی چاہئے اور ان اوقات کو بھی مختص کر دیا ہے جن میں دوبارہ نماز نہ پڑھنی چاہئے چنانچہ اگلی حدیث میں یہ تخصیص مذکور ہے۔

وہ اوقات جن میں دوبارہ نماز پڑھنا ممنوع ہے

⑨ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ اَوِ الصُّبْحَ ثُمَّ اَدْرَكَهُمَا مَعَ الْاِمَامِ فَلَا يُعِدْ لَهُمَا۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت نافع" راوی ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مغرب یا فجر کی نماز (تنہا) پڑھ لی اور پھر ان نمازوں کو امام کے ساتھ پایا (یعنی جہاں جماعت ہو رہی تھی وہاں پہنچ گیا) تو وہ ان کو دوبارہ نہ پڑھے۔" (مالک")

تشریح: یہ حدیث حضرت امام مالکؒ کے مسلک کی تائید کرتی ہے کیونکہ ان کے یہاں صرف مغرب اور فجر کی نمازوں کا اعادہ ممنوع ہے مگر حنفیہ کے یہاں عصر کی نماز بھی اس حکم میں ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تمام نمازوں میں اعادہ ہو سکتا ہے اس حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا حکم اس شخص کے بارہ میں ہے جس نے پہلی مرتبہ جماعت سے نہیں بلکہ تنہا پڑھی ہو لہٰذا پہلی مرتبہ جماعت سے نماز پڑھ لینے کی شکل میں تو بطریق اولیٰ دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے۔

بَابُ السُّنَنِ وَفَضَائِلِهَا

سنتوں اور اس کی فضیلتوں کا بیان

شریعت اسلامی میں نماز چونکہ سب سے عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے نیز دوسری عبادتوں کے مقابلہ میں اس کی بڑی اہمیت اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں سب سے زیادہ محبوب ہے اس لئے اس عبادت میں جتنی زیادہ کثرت اور زیادتی اختیار کی جاتی ہے اسی قدر نہ صرف یہ کہ بندہ کی سعادت و بھلائی بے پناہ رفعتیں اور عروج پاتی ہیں بلکہ وہ اپنی پوری پوری عبودیت اور خداوند عالم کی حاکمیت و کبریائی کا اظہار بھی کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت میں دوسری عبادتوں کو جہاں صرف فرائض تک محدود رکھا ہے وہاں اس عبادت کو فرائض و واجبات کے علاوہ سنن سے بھی نوازا ہے چنانچہ ہر فرض نماز کی ساتھ کچھ سنتیں بھی مقرر کی گئی ہیں تاکہ نہ صرف یہ کہ وہ فرض کے ساتھ آسانی سے ادا ہو جائیں بلکہ فرض نماز کی ادائیگی میں جو نقصان و کوتاہی واقع ہو گئی ہو وہ پوری ہو جائے۔

سنتیں یعنی وہ نماز جو دن و رات میں فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

1. رواتب یہ وہ سُنّت نمازیں کہلاتی ہیں جن پر آنحضرت ﷺ نے مداومت اختیار فرمائی۔
2. غیر رواتب یہ وہ سُنّت نمازیں کہلاتی ہیں جن پر آنحضرت ﷺ نے مداومت اختیار نہیں فرمائی جیسے عصر کے وقت کی سنتیں۔

سنتیں پڑھنے کا بھی وہی طریقہ ہے جو فرض نماز پڑھنے کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ فرض نماز کی صرف دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت بھی پڑھنے کا حکم ہے اور سُنّت نماز کی سب رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت بھی پڑھی جاتی ہے اور سُنّت نماز کی رکعتوں میں جو سورتیں پڑھی جاتی ہیں ان کا برابر نہ ہونا خلاف سُنّت نہیں ہے نیز سُنّت نمازیں دن میں دو رکعت تک اور رات میں چار رکعت تک ایک ہی سلام سے پڑھی جا سکتی ہیں مگر دو رکعت کے بعد التحیات پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ (علم الفقہ)

یہ بات بھی جان لیجئے کہ سُنّت نفل تطوع، مندوب، مستحب، مرغوب فیہ اور حسن یہ تمام الفاظ مترادف ہیں ان سب کے معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی وہ نماز جس کے پڑھنے کو شارع نے نہ پڑھنے پر ترجیح دی ہے اگرچہ ان نمازوں میں بعض ایسی ہیں جو دوسرے بعض کے مقابلہ میں سُنّت مؤکدہ ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

سنتوں کی تعداد اور ان کی پڑھنے کی فضیلت

(۱) عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فِيْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ

فِي الْجَنَّةِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ هَا وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّي لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ اِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اَوْ اِلَّا بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ۔

"حضرت اُمّ حبیبہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص دن ورات میں بارہ رکعتیں نماز پڑھے تو اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے (اور وہ بارہ رکعتیں یہ ہیں) چار رکعت ظہر (کی فرض نماز سے پہلے) اور دو رکعت اس کے بعد، دو رکعت مغرب (کی فرض نماز) کے بعد، دو رکعت عشاء (کی فرض نماز) کے بعد اور دو رکعت فجر کی (فرض) نماز سے پہلے۔" (ترمذیؒ)

"اور مسلمؒ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ام حبیبہ نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بندہ مسلمان ہر دن میں اللہ جل شانہ کے لئے فرض نمازوں کے علاوہ بارہ رکعتیں (سنت) پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے یا یہ فرمایا کہ "اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔"

تشریح: حدیث میں دن ورات کی سنتوں کی جو تعداد مذکورہ تفصیل کے ساتھ بتائی گئی ہے وہ تمام سنتیں مؤکدہ ہیں اور فجر کی دونوں سُنّت رکعتیں سب سے زیادہ مؤکدہ ہیں حتی کہ حضرت امام حسن بصریؒ اور بعض حنفیہ حضرات نے ان کو واجب تک کہا ہے امام حسنؒ نے تو مغرب کی دونوں سنتوں کو بھی واجب کہا ہے لیکن اس حدیث کے پیش نظر ان کے قول کی تردید کی گئی ہے کہ وہ واجب نہیں بلکہ سُنّت ہیں۔

(۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهٖ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَ وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ظہر (کی فرض نماز) سے پہلے دو رکعتیں، اس کے بعد دو رکعتیں اور آپ ﷺ کے گھر (یعنی حضرت حفصہؓ جو ابن عمرؓ کی بہن تھیں کے حجرہ) میں مغرب (کی فرض نماز) کے بعد دو رکعتیں پڑھی ہیں نیز حضرت ابن عمر نے فرمایا۔ کہ حضرت حفصہؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ دو ہلکی رکعتیں اس وقت پڑھا کرتے تھے جب فجر طلوع ہوتی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ نے ظہر سے پہلے کی سنتوں کے لئے "رکعتین کا استعمال فرمایا ہے جس کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں لیکن اہل علم کا قول ہے کہ تثنیہ (دو) جمع (چار) کے منافی نہیں ہے یعنی اگر یہاں "رکعتین" کے معنی بجائے دو رکعت کے چار رکعت مراد لئے جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس توجیہ کے ذریعہ اس حدیث میں اور اس حدیث میں کہ جس سے ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت سنتیں ثابت ہوتی ہیں تطبیق ہو جاتی ہیں۔ (ملا علی قاریؒ)

حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کی مستدل ہے کیونکہ ان کے نزدیک ظہر کی نماز فرض سے پہلے سُنّت دو رکعتیں مگر حنفیہ کے نزدیک چار رکعتیں ہیں حنفیہ مسلک کی مستدل بھی بہت سی احادیث مروی ہیں جو حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمّ حبیبہؓ وغیرہ سے منقول ہیں نیز حضرت امام ترمذیؒ نے حنفیہ مسلک کے حق میں فرمایا ہے کہ اسی مسلک پر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ میں سے اکثر اہل علم کا عمل ہے اور یہی قول سفیان ثوریؒ، ابن المبارکؒ اور اسحٰق کا بھی ہے نیز حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا قول بھی چار رکعتوں ہی کے بارہ میں منقول ہے لیکن اس طرح کہ چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ پڑھی جائیں حضرت

ابن عمرؓ کے اس ارشاد کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی چار رکعت سنتیں گھر میں پڑھا کرتے تھے لہٰذا ازواج مطہرات نے چار رکعتوں ہی کے بارہ میں ذکر کیا اور جب آپ ﷺ فرض نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تو وہاں تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھتے تھے اس لئے تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کو حضرت ابن عمرؓ نے ظہر کی سنتیں سمجھ کر فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کے ہمراہ ظہر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعت سُنّت پڑھی ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے یہاں ظہر، مغرب، اور عشاء کی سنتوں کا تذکرہ کیا ہے فجر کی سنتوں کا تذکرہ نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز نہیں پڑھتے تھے اس لئے فجر کی سنتیں خود ذکر نہیں کیں بلکہ حضرت حفصہؓ کی روایت کر دی تاکہ ان نمازوں کے ساتھ فجر کی سنتیں بھی معلوم ہو جائیں۔

جمعہ کی سنتیں

(۳) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ (گھر میں) واپس تشریف لاتے اور مکان میں دو رکعتیں پڑھتے۔" (بخاری)

تشریح: حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں رکعتین سے جمعہ کی سنتیں مراد ہیں چنانچہ ایک قول کے مطابق حضرت امام شافعیؒ کا عمل اسی حدیث پر ہے کہ جمعہ کی سُنّت ظہر ہی کی سُنّت کی طرح یعنی دو رکعتیں ہیں دیگر صحیح احادیث میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز سے پہلے بھی اور جمعہ کی نماز کے بعد بھی چار چار رکعت سنتیں پڑھتے تھے چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد چھ رکعتیں سُنّت پڑھنی چاہئیں۔

جیسا کہ پہلے کسی موقعہ پر بتایا جا چکا ہے کہ نوافل نماز گھر میں پڑھنی افضل ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ جمعہ کے بعد کی سنتیں گھر ہی میں پڑھا کرتے تھے۔

آنحضرت کے نوافل کی تعداد

(۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهٖ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتِيْ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ فِيْهِنَّ الْوِتْرُ وَكَانَ يُصَلِّيْ لَيْلًا طَوِيْلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيْلًا قَاعِدًا وَكَانَ إِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَإِذَا قَرَأَ قَاعِدًا رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ وَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَزَادَ أَبُوْدَاوُدَ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْفَجْرِ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نبی کریم ﷺ کی نفل نمازوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ "آنحضرت ﷺ پہلے میرے گھر میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھتے پھر (مسجد) تشریف لے جاتے (اور وہاں) لوگوں کے ہمراہ (ظہر کی فرض) نماز پڑھتے پھر آپ ﷺ (گھر میں) تشریف لاتے اور دو رکعتیں نماز پڑھتے۔ (اسی طرح) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز لوگوں کے ہمراہ (مسجد میں) ادا فرماتے اور پھر (گھر میں) تشریف لاکر دو رکعتیں نماز پڑھتے۔ نیز آپ ﷺ عشاء کی نماز لوگوں کے ہمراہ (مسجد میں) پڑھتے اور پھر میرے گھر تشریف لاکر دو رکعتیں نماز پڑھتے اور آپ ﷺ رات میں (تہجد کی نماز (کبھی) نو رکعت پڑھا کرتے تھے ان میں وتر (کی نماز بھی) شامل ہوتی اور رات میں دیر تک کھڑے ہو کر اور دیر تک بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور جس وقت آپ ﷺ

کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تو کھڑے ہی کھڑے رکوع و سجود میں چلے جایا کرتے تھے اور جب بیٹھ کر نماز پڑھتے تو بیٹھے ہی ہوئے رکوع و سجود میں جایا کرتے تھے اور جب صبح صادق ہوتی تو دو رکعت فجر کی سُنّت پڑھ لیتے تھے۔" (مسلم) ابوداؤد نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ "(فجر کی دو سنتیں پڑھ کر) پھر آپ ﷺ (مسجد) تشریف لے جاتے اور وہاں لوگوں کے ہمراہ فجر کی فرض نماز ادا فرماتے۔"

تشریح: یہ حدیث اس بات کی صریحی طور پر دلیل ہے کہ سنتیں گھر میں ہی پڑھنا افضل ہیں "فِيهِنَّ الْوِتْرُ" کا مطلب یہ ہے "جب آنحضرت ﷺ تہجد کی نماز ادا فرماتے تو اس کے ساتھ وتر بھی تین رکعت (جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے) یا ایک رکعت (جیسا دیگر ائمہ کا مسلک ہے) پڑھ لیا کرتے تھے۔"

رات میں آنحضرت ﷺ کی نماز پڑھنے کے سلسلہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں کہ کبھی رکعتین پڑھتے کبھی آٹھ اور کبھی نو اسی طرح کبھی دس کبھی گیارہ اور کبھی تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت آپ ﷺ تہجد کی نماز کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے تو آپ حالت قیام ہی سے رکوع و سجود میں جایا کرتے تھے یہ نہیں ہوتا تھا کہ قرأت تو کھڑے ہو کر کرتے ہوں اور رکوع و سجدہ بیٹھ کر کرتے ہوں اسی طرح جب آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے تو رکوع و سجود بھی بیٹھے ہوئے ہی کرتے تھے تاہم اس صورت کے بارہ میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ رکوع و سجود میں کھڑے ہو کر جایا کرتے تھے یعنی قرأت تو بیٹھ کر کرتے پھر کھڑے ہوتے اور تھوڑی سی قرأت کر کے تب رکوع و سجود میں جاتے تھے۔

بہر حال تمام احادیث کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ تہجد کی نماز تین طرح سے پڑھتے تھے۔

1. پوری نماز کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔
2. پوری نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔
3. قرأت بیٹھ کر کرتے پھر کھڑے ہوتے اور رکوع و سجود میں جاتے۔

اس تیسری صورت کا عکس نہیں فرماتے تھے۔ یعنی اس طرح نماز نہیں پڑھتے تھے کہ قرأت تو کھڑے ہو کر کرتے ہوں اور پھر بیٹھ کر رکوع و سجود میں جاتے ہوں جیسا کہ یہ حدیث اس کی نفی کر رہی ہے۔

فجر کی سنتوں کی تاکید

(۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ (متفق علیہ)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ نے نوافل کے پڑھنے میں کسی کی ایسی محافظت اور مداومت نہیں فرماتے تھے جیسی کہ فجر کی (سُنّت کی) دو رکعت کے پڑھنے پر مداومت اور محافظت فرماتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ فجر اس کی سنتیں اتنی زیادہ اہم اور مؤکدہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کسی بھی حال میں خواہ سفر میں ہوتے یا حضر میں انہیں پڑھنا نہیں چھوڑتے تھے۔

فجر کی سنتوں کی اہمیت و عظمت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ بغیر کسی عذر کے فجر کی سنتوں کو بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہے۔

فجر کی سنتوں کی فضیلت

(۶) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فجر کی سنتوں کی دو رکعتیں دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ بہتر ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: فجر کی سنتوں کو دنیا اور دنیا کی چیزوں پر یہ فضیلت اس صورت میں دی گئی ہے کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دی جائیں تب بھی فجر کی سنتیں ہی افضل ہوں گی کیونکہ دنیا کی چیزوں میں بخل کرنے اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے میں اچھائی کب ہے کہ فجر کی سنتوں کو ان سے افضل کہا جاتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ سب سے زیادہ مؤکدہ سنتیں فجر کی ہیں اس کے بعد مغرب کی سنتیں اور اس کے بعد ظہر کی فرض نماز کے بعد کی سنتیں اس کے بعد عشاء کی فرض نماز کے بعد کی سنتیں اور پھر سب کے بعد ظہر کی فرض نماز سے پہلے کی سنتیں۔

مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا حکم

⑦ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ صَلُّوْا قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ اَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مغفلؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مغرب کی فرض نماز سے پہلے (دو رکعتیں) نماز پڑھو (آپ نے یہ الفاظ دو مرتبہ فرمائے اور پھر) بوجہ اس بات کے مکروہ سمجھنے کے کہ لوگ انہیں سُنّت نہ قرار دے دیں تیسری مرتبہ یہ فرمایا کہ "جو چاہے (پڑھ لیا کرے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: دو مرتبہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ مغرب کی فرض نماز پڑھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ لیا کرو مگر پھر یہ جان لو کہ لوگ دونوں رکعتوں کو سُنّت مؤکدہ کا درجہ دے دیں گے "لمن شاء" (جو چاہے) کہہ کر اس بات کی آگاہی دے دی کہ یہ دو رکعتیں سُنّت نہیں ہیں بلکہ ان کا درجہ زیادہ سے زیادہ استحباب تک ہے اگر کوئی شخص انہیں پڑھ لے گا تو اسے ثواب ملے گا۔ اور جو شخص نہیں پڑھے گا اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں نفل پڑھنے کے سلسلہ میں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اکثر فقہاء نے انہیں پڑھنے سے منع کیا ہے چنانچہ باب "فضل الاذان" کی حدیث نمبر ۹ کے ضمن میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اور اس باب کی تیسری فصل میں بھی اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جائے گی۔

جمعہ کے بعد چار رکعت سنتیں پڑھنی چاہیے

⑧ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ اَرْبَعًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ اُخْرٰى لَهُ قَالَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعًا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جو شخص جمعہ (کی فرض نماز) کے بعد نماز پڑھنے والا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ چار رکعت پڑھے۔ مسلمؒ اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کی نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے بعد چار رکعت سنتیں بھی پڑھے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

ظہر کی سنتیں پڑھنے کی فضیلت

⑨ عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَافَظَ عَلٰى اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ

اَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ۔ (رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ)

"حضرت اُمّ حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ظہر (کی فرض نماز) سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد چار رکعت کی محافظت کرتا ہے (یعنی انہیں پابندی سے بلاناغہ پڑھتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس پر (دوزخ کی) آگ حرام کر دیتا ہے (بایں طور کے اس کو مطلقاً دوزخ میں نہیں ڈالے گا یا یہ کہ اسے دوزخ میں ابدی طور پر نہیں رکھے گا)۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: اس روایت سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کے بعد چار رکعت نماز ایک ہی سلام سے پڑھی جائے جب کہ دوسری روایت میں منقول ہے کہ ظہر کے بعد کی چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ ادا کی جائیں، بہر حال اس موقع پر یہ بحث ہے کہ ظہر کی یہ چار رکعتیں جن کے بارہ میں حدیث میں ذکر کیا جا رہا ہے آیا سُنّت کی دو رکعتوں کے علاوہ ہیں یا سُنّت کی وہ دونوں رکعتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ تو ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار رکعتیں سُنّت کی ان دونوں رکعتوں کے علاوہ ہیں جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہیں لیکن ملا علی قاریؒ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چار رکعتوں میں سُنّت کی وہ دونوں رکعتیں بھی شامل ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ان چار رکعتوں میں دو رکعت سُنّت مؤکدہ ہیں اور دو رکعت مستحب اور اولیٰ یہ ہے کہ یہ چار رکعت دو سلام کے ساتھ ادا کی جائیں۔

ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنے کی فضیلت

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ اَبْوَابُ السَّمَاءِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوایوب انصاریؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ظہر سے پہلے کی وہ چار رکعتیں کہ جن (کے درمیان) میں سلام نہیں پھیرا جاتا (یعنی ان چار رکعتوں کے پڑھنے کے سلسلہ میں افضل یہی ہے کہ چار رکعتیں پوری کر کے آخر میں سلام پھیرا جائے) ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: ظہر سے پہلے پڑھی جانے والی چار رکعتوں کی فضیلت ظاہر فرمائی جا رہی ہے کہ جب وہ پڑھی جاتی ہیں تو ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یعنی وہ بارگاہ رب العزت میں پہنچ کر قبولیت کا درجہ پاتی ہیں اور ان کے سبب سے رحمت الٰہی کے انوار نازل ہوتے ہیں۔

ان چار رکعتوں کے بارہ میں بھی اختلاف ہے آیا ان سے مراد سُنّت راتبہ کی وہی چار رکعتیں ہیں جو ظہر کے فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں یا ان کے علاوہ ہیں جن کو نماز فی الزوال کہتے ہیں۔ چنانچہ مختار قول یہی ہے کہ یہ غیر رواتب یعنی فجر کے فرض سے پہلے کی سُنّت مؤکدہ کے علاوہ نماز فی الزوال کی چار رکعتیں ہیں۔

نماز فی الزوال کی فضیلت

(۱۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ اِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيْهَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ فَاُحِبُّ اَنْ يَّصْعَدَ لِیْ فِيْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ ابن سائبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے (فی الزوال کی) چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "یہ ایسا وقت ہے جس میں (نیک اعمال کے اوپر جانے کے لئے) آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں لہٰذا میں اسے محبوب رکھتا ہوں کہ اس وقت میرا نیک عمل اوپر جائے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد کا وقت ساعت قبولیت ہے اس وقت جو بھی نیک عمل کیا جائے گا وہ بارگاہ رب

العزت میں مقبولیت کا درجہ پائے گا اور ظاہر ہے کہ تمام نیک اعمال میں نماز سب سے افضل ہے اس لئے اس وقت نماز پڑھنا افضل ہوگا۔

عصر کی سنتیں

⑫ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا۔ (رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت نازل فرمائے جو عصر (کی فرض نماز) سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتا ہے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

عصر کی سنتیں دو رکعت ہیں یا چار رکعت

⑬ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ۔ (رواه الترمذی)

"اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور ان کے درمیان مقرب فرشتوں اور ان کے بعد میں جو مسلمان اور مؤمنین ہیں سب پر سلام بھیج کر فرق کرتے تھے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: یہاں "تسلیم" (سلام بھیجنے) سے مراد التحیات پڑھنا ہے، یعنی آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھتے تھے اور پھر چار رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے۔

عصر کی سنتیں دو ہیں یا چار ہیں

⑭ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ۔ (رواه ابوداؤد)

"امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: عصر کی سنتوں کے بارہ میں متعدد روایتیں منقول ہیں بعض سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عصر سے پہلے دو رکعتیں سُنّت کی پڑھا کرتے تھے اور بعض روایتوں سے چار رکعت کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ نمازی کو اختیار ہے چاہے تو وہ دو رکعت پڑھے اور چاہے تو چار رکعت، تاہم افضل چار ہی رکعت پڑھنا ہے۔

صلوۃ الاوابین کی فضیلت

⑮ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكْعَاتٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْمَا بَيْنَهُنَّ بِسُوْءٍ عُدِلْنَ لَهٗ بِعِبَادَةِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عُمَرَ بْنِ اَبِيْ خَثْعَمٍ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِيْلَ يَقُوْلُ هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ وَضَعَّفَهٗ جِدًّا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مغرب کی نماز پڑھ کر چھ رکعت (نفل اس طرح) پڑھے کے ان کے درمیاں کوئی فحش گفتگو نہ کرے تو ان رکعتوں کا ثواب اس کے لئے بارہ سال کی عبادت کے ثواب کے برابر ہو جائے گا۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم یہ حدیث صرف عمر ابن خثعم کی سند کے (اور کسی سند سے) نہیں جانتے اور میں نے محمد ابن اسمٰعیل بخاریؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ یہ (عمر ابن خثعم) منکر الحدیث ہے نیز انہوں نے اس حدیث کو بہت ضعیف کہا ہے۔"

تشریح: مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعت نماز نفل تین سلام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اسے صلوٰۃ الاوابین کہتے ہیں یہ نماز سنت ہے اور اس نماز کا نام "صلوٰۃ الاوابین" حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اس نماز کی بہت زیادہ فضیلت ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔

حدیث سے بظاہر تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مغرب کے بعد جو دو رکعت معمولی سُنّت پڑھی جاتی ہے وہ بھی ان چھ رکعتوں میں شامل ہے، نیز اگلی حدیث میں صلوٰۃ الاوابین کی جو بیس رکعتیں ذکر کی جارہی ہیں ان میں بھی یہ دونوں رکعتیں داخل ہیں۔

علامہ یحییٰؒ نے فرمایا ہے کہ "پہلے دو رکعتیں سُنّت کی الگ سے پڑھ لی جائیں اس کے بعد میں اختیار ہے کہ چاہے کوئی چاروں رکعت پڑھ لے، چاہے دو ہی پڑھے۔

اس حدیث کو اگرچہ امام ترمذی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے مگر فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے پھر اس کے علاوہ اس حدیث کو ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں اور ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے، نیز میرکؒ کا قول یہ ہے کہ حضرت عمار ابن یاسرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے نیز انہوں نے فرمایا ہے کہ "میں نے اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتا ہے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ (گناہ) دریا کے جھاگ کے مانند ہوں۔ (طبرانیؒ)

حضرت مولانا شاہ اسحٰق محدث دہلوی کا قول ہے کہ "ہماری تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث میں صلوٰۃ الاوابین کی جو چھ رکعت ذکر کی گئی ہیں یا اسی طرح اگلی حدیث میں جو بیس رکعتیں ذکر کی جائیں گے یہ دونوں تعداد مغرب کے بعد کی سُنّت مؤکدہ کی دو رکعت کے علاوہ ہے۔

صلوٰۃ الاوابین کی انتہائی تعداد بیس رکعت ہے

(۱۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مغرب کے بعد بیس رکعتیں (صلوٰۃ الاوابین) کی پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہشت میں گھر بناتا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: گو محدثین نے اس حدیث کو بھی ضعیف قرار دیا ہے لیکن علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں ایک حدیث اور منقول ہے کہ "نبی کریم ﷺ اس نماز کی بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے یہ صلوٰۃ الاوابین ہے لہٰذا جس شخص نے یہ نماز پڑھی تو (سمجھو کہ) اس کی مغفرت کر دی گئی۔" چنانچہ اکثر علماء سلف اور صلحائے امت اسے پڑھنا اپنی سعادت جو خوش بختی تصور کرتے تھے اور اسے پڑھتے تھے۔

علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ صلوٰۃ الاوابین کی رکعت کی تعداد کے سلسلے میں مختلف احادیث منقول ہیں چنانچہ ایک حدیث تو اس سے پہلے ہی گذر چکی ہے جس میں چھ رکعت ذکر کی گئی ہے ایک حدیث یہ ہے جس میں بیس رکعت منقول ہے اسی طرح بعض روایتوں میں دو رکعت اور بعض روایتوں میں چار رکعت بھی منقول ہے۔ لہٰذا ان تمام احادیث کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ صلوٰۃ الاوابین کی کم سے کم دو رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعت جو شخص دو سے لے کر بیس تک جتنی زیادہ رکعتیں پڑھ گا اس کے حق میں اسی قدر بہتری و بھلائی ہوگی۔

عشاء کی سنتیں

(۱۷) وَعَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ صَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ اَوْسِتَّ

رَكَعَاتٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ جب بھی (مسجد میں) عشاء (کی فرض) نماز پڑھ کر میرے پاس آتے تھے تو (سُنّت کی) چار رکعت یا چھ رکعت ضرور پڑھتے تھے۔" (ابوداؤد)

تشریح: عشاء کے بعد سنتوں کے سلسلہ میں جتنی بھی مشہور روایتیں منقول ہیں ان میں یا تو دو رکعت پڑھنا منقول ہے یا چار رکعت، صرف یہی ایک ایسی حدیث ہے جس میں چھ رکعت پڑھنے کا ذکر کیا جارہا ہے جن احادیث میں دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے ان میں سے کچھ پہلے بھی گزر چکی ہیں جن روایتوں سے چار رکعت پڑھنا معلوم ہوتا ہے ان میں سے منجملہ ایک حدیث یہ بھی ہے جس کو سعید ابن منصور نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عشاء سے پہلے چار رکعت نماز پڑھی تو گویا اس نے اس رات میں تہجد (کی نماز) پڑھی اور جس شخص نے عشاء کے بعد چار رکعت نماز پڑھی تو گویا اس نے لیلۃ القدر میں چار رکعت نماز پڑھی۔

بہر حال۔ اس روایت کی وضاحت یہ ہے کہ آپ عشاء کے بعد جو چار رکعتیں پڑھتے تھے اس میں سے دو رکعت تو سُنّت مؤکدہ ہوتی تھیں اور دو رکعت مستحب۔ البتہ "او ست رکعات" میں حرف او کے بارہ میں دو احتمال ہیں یا تو یہ شک کے لئے ہے یا پھر تنویع کے لئے ہے۔

ارشادِ باری ادبار النجوم اور ادبار السجود سے فجر اور مغرب کی سنتیں مراد ہیں

⑱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَاِدْبَارِ السُّجُوْدِ الرَّكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (تسبیح) اور ادبار النجوم سے فجر سے پہلے کی دو رکعتیں (یعنی فجر کی سنتیں) مراد ہیں اور (تسبیح) ادبار السجود سے مغرب کے بعد کی دو رکعتیں (یعنی مغرب کی سنتیں) مراد ہیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: قرآن کریم کی سورۂ طور کے آخر میں یہ آیت ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝۔ (الطور ۵۲: ۴۹)

"جب تم اٹھا کرو تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیا کرو اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور ستارون کے پیٹھ پھیرنے (یعنی ڈوبنے) کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کرو۔"

اس آیت کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ادبار النجوم ستاروں کے پیٹھ پھیرنے کے وقت پر پروردگار کی پاکی بیان کرنے سے فجر کی سنتیں پڑھنی مراد ہیں کہ وہ ستاروں کے چھپنے کے وقت یعنی صبح صادق کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

اس طرح قرآن کریم کی سورۂ ق کی یہ آیت ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝۔ (ق ۵۰: ۳۹، ۴۰)

"اور آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرو، اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور سجود کے بعد بھی اس کی پاکی بیان کرو۔"

حدیث کے دوسرے جزء میں آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ "اس میں "سجود" سے مراد مغرب کی تین رکعت فرض ہیں اور "ادبار السجود" یعنی سجود کے بعد پاکی بیان کرنے سے مغرب کے فرض کے بعد کی دو رکعت سنتیں پڑھنی مراد ہیں۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنے کا ثواب

(۱۹) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ تُحْسَبُ بِمِثْلِهِنَّ فِي صَلَاةِ السَّحَرِ وَمَامِنْ شَيْئٍ اِلَّا وَهُوَ يُسَبِّحُ اللّٰهَ تِلْكَ السَّاعَةَ ثُمَّ قَرَأَ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دَاخِرُوْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ظہر سے پہلے اور سورج ڈھلنے کے بعد (ظہر کی سُنّت یا فی الزوال کی) چار رکعت نماز (ثواب اور فضیلت میں) تہجد کے وقت چار رکعت نماز پڑھنے کے برابر ہوتی ہیں اور اس وقت (یعنی ظہر سے پہلے اور سورج ڈھلنے کے بعد) تمام چیزیں اللہ رب العزت کی پاکی کی تسبیح کرتی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "يَتَفَيَّؤُ ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دَاخِرُوْنَ" "تمام چیزوں کے سائے دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے اللہ جل شانہ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے جھکتے ہیں اور وہ سب حقیر ہیں۔" (ترمذی، بیہقی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس وقت نماز پڑھنے کی ترغیب دلانے کے لئے اپنے ارشاد کی دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی آیت میں سجدے سے مراد تابعداری ہے خواہ وہ طبعاً ہو یا اختیاراً۔ اور اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں جس چیز کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اس مقصد کی تکمیل ہی در حقیقت پروردگار کی تابعداری ہے۔

عصر کے بعد دو رکعت نماز کا ذکر

(۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَاتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِيْ قَطُّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَتْ وَالَّذِيْ ذَهَبَ بِهٖ مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ۔

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی میرے نزدیک (یعنی میرے گھر میں) عصر کے بعد دو رکعت (نماز پڑھنی) نہیں چھوڑی۔ (بخاری و مسلمؒ) اور بخاریؒ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک قبض کی، آپ ﷺ نے یہ دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑیں یہاں تک کہ وصال حق فرمایا۔

تشریح: گزشتہ صفحات میں کسی موقعہ پر عصر کے بعد نماز پڑھنے کی سلسلہ میں بتایا جا چکا ہے یہ دو رکعت پڑھنی آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی اور صرف آنحضرت ﷺ کے لئے جائز تھی، دوسرے لوگوں کو عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس کی مخالفت میں بہت زیادہ احادیث منقول ہیں۔

غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ

(۲۱) وَعَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ كَانَ عُمَرُ يَضْرِبُ الْاَيْدِيَ عَلٰى صَلَاةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكُنَّا نُصَلِّيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْتُ لَهٗ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا قَالَ كَانَ يَرَانَا يُصَلِّيْهِمَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت مختار ابن فلفل فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک دن) حضرت انسؓ سے عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے بارہ پوچھا تو انہوں نے

فرمایا کہ (اس معاملہ میں) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ (کا تو اتنا سخت رویہ تھا کہ وہ) عصر کے بعد نفل نماز کی نیت باندھنے والے کے ہاتھ پر مارتے تھے (یعنی انتہائی سختی اور شدت سے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے) اور ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں آفتاب غروب ہونے کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں (نفل نماز کی) پڑھا کرتے تھے۔ (یہ سن کر) میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ بھی یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا آپ ﷺ ہمیں نماز پڑھتے دیکھتے تھے لیکن ہمیں اس کے پڑھنے کا نہ تو حکم ہی دیتے تھے اور نہ ہمیں اس کے پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت انسؓ نے اپنے قول نہ تو ہمیں حکم ہی دیتے تھے اور نہ منع فرماتے تھے، سے آنحضرت ﷺ کی تقریر ثابت کی یعنی آپ ﷺ اس وقت نماز پڑھنے کو درست سمجھتے تھے کیونکہ اگر آپ ﷺ کے نزدیک اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہوتا تو آپ ﷺ اس سے ضرور منع فرماتے، لیکن خلفائے راشدین کے بارہ میں ثابت ہے کہ وہ حضرات اس وقت نماز پڑھنے کو درست نہیں سمجھتے تھے لہٰذا اس سلسلہ میں خلفائے راشدین کی اقتداء کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء نے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں مغرب کی نماز کی تاخیر لازم آتی ہے۔

(۲۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ فَاِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ ابْتَدَرُوا السَّوَارِيَ فَرَكَعُوا رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى اِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيْبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيَحْسَبُ اَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صُلِّيَتْ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ يُصَلِّيْهِمَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے (اس وقت یہ حال تھا کہ) جب موذن مغرب کی اذان دیتا تو (بعض صحابہؓ یا تابعینؒ) مسجد کے ستونوں کی طرف دوڑتے اور دو دو رکعت نماز پڑھنے لگتے، یہاں تک کہ کوئی مسافر شخص اگر مسجد میں آتا تو اکثر لوگوں کو (تنہا تنہا) دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر یہ گمان کرتا کہ نماز ہو چکی ہے (اور اب لوگ سنتیں پڑھ رہے ہیں)۔" (مسلمؒ)

تشریح: علامہ طیبی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز کے اثبات کی یہ حدیث ظاہری دلیل ہے۔ اس سلسلہ میں ملا علی قاری حنفیؒ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ یہ حدیث اس وجہ سے ان دونوں رکعتوں کے اثبات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ اس طریقہ کے نادر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ عمومی طور پر مغرب کی نماز کی ادائیگی میں جلدی فرماتے تھے جب کہ ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے سے نہ صرف یہ کہ مغرب کی ادائیگی میں تاخیر لازم آتی ہے بلکہ بعض علماء کے قول کے مطابق تو نماز کا اپنے وقت سے خروج ہی لازم آجاتا ہے۔

لہٰذا اس حدیث کی تاویل یا تو یہ کی جائے گی کہ حضرت انسؓ یہ ہمیشہ کا طریقہ نقل نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی ایک دن بعض لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا ہو کہ مغرب کی اذان سنتے ہی مسجد آگئے ہوں اور وہاں نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھ لی ہو یا پھر اس کی سب سے بہتر تاویل جیسا کہ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ پہلے یہ نماز پڑھی جاتی تھی مگر پھر بعد میں اسے چھوڑ دیا گیا، لہٰذا اب اس نماز کا پڑھنا مکروہ ہے۔

(۲۳) وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ اَتَيْتُ عُقْبَةَ الْجُهَنِيَّ فَقُلْتُ اَلَا اُعَجِّبُكَ مِنْ اَبِيْ تَمِيْمٍ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ اِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ فَمَا يَمْنَعُكَ الْاٰنَ قَالَ الشُّغْلُ۔

(رواہ البخاری)

"اور حضرت مرثد ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ جہنیؓ (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ کیا میں آپ کو ابوتمیم (تابعی) کا ایک تعجب انگیز فعل نہ بتاؤں؟ (وہ یہ کہ) ابوتمیمؒ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز (نفل) پڑھتے ہیں؟ حضرت عقبہؓ نے فرمایا کہ یہ نماز تو ہم (میں سے بعض صحابہؓ کبھی کبھی) آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی پڑھا کرتے تھے، جب میں نے پوچھا کہ پھر یہ نماز

پڑھنے سے آپ کو کس چیز نے روک رکھا ہے؟ تو فرمایا کہ دنیا کی مشغولیت[1] نے۔" (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے کم سے کم اتنی بات تو ثابت ہو ہی گئی کہ یہ نماز سُنّت نہیں ہے بلکہ مباح ہے کیونکہ اگر مسنون ہوتی تو حضرت عقبہؓ کو جو صحابیت جیسے عظیم مرتبہ پر فائز تھے دنیا کی مشغولیت سُنّت کی ادائیگی یعنی اس نماز کے پڑھنے سے نہ روکتی۔

نوافل گھروں میں ادا کئے جائیں

(۲۴) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى مَسْجِدَ بَنِي عَبْدِالْأَشْهَلِ فَصَلَّى فِيْهِ الْمَغْرِبَ فَلَمَّا قَضَوْا صَلَاتَهُمْ رَآهُمْ يُسَبِّحُوْنَ بَعْدَهَا فَقَالَ هٰذِهِ صَلَاةُ الْبُيُوْتِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ قَامَ نَاسٌ يُصَلُّوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فِي الْبُيُوْتِ۔

"اور حضرت کعب ابن عجرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم ﷺ (انصار کے ایک قبیلہ) بنی عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف لائے اور وہاں مغرب کی (فرض اور سنت) نماز پڑھی، جب (بعض) لوگ (اپنی فرض) نماز پڑھ چکے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ وہ فرض نماز ادا کرنے کے بعد نفل نماز (یعنی مغرب کی سنتیں بھی وہیں) پڑھ رہے ہیں آنحضرت ﷺ نے (دیکھ کر) فرمایا کہ یہ (یعنی مغرب کی سُنّت یا مطلقاً نفل نماز) گھر میں پڑھنے کی ہے۔" (ابوداؤد) ترمذیؒ و نسائیؒ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب لوگ (فرض نماز کے بعد) نفل پڑھنے کھڑے ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم پر لازم ہے کہ یہ نماز (اپنے اپنے) گھروں میں پڑھو۔

تشریح: حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ نفل نماز خواہ وہ سُنّت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ گھر میں پڑھنی افضل ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ گھر میں نوافل نماز پڑھنے والا ریا و نمائش سے دور اور اخلاص و صدق کے قریب تر ہوتا ہے بلکہ اس سے گھروں میں رحمت خداوندی اور برکت کا نزول ہوتا ہے۔

ویسے جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر مسجد میں نفل نماز پڑھنی مکروہ نہیں ہے مسجد اور گھر کے پڑھنے میں صرف افضلیت اور غیر افضلیت کا فرق ہے۔

لیکن اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ گھروں میں نفل نماز پڑھنے کا یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو فرض نماز کی ادائیگی کے بعد گھروں کو واپس ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں جو لوگ فرض کی ادائیگی کے بعد گھر نہیں جاتے جیسے مسجد کے اندر اعتکاف میں بیٹھنے والے تو وہ مسجد ہی میں نوافل پڑھ لیں۔

بہر حال فرض نماز کے علاوہ نفل نمازیں گھر جا کر پڑھنی افضل ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کا معمول یہی تھا کہ آپ فرض مسجد میں پڑھ کر حجرۂ مبارک میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں نوافل پڑھتے تھے۔ ہاں کسی خاص عذر اور سبب کی بات تو الگ ہے کہ ایسے موقع پر مسجد ہی میں نوافل بھی پڑھ لیتے تھے۔ پھر بھی مغرب کی سنتیں گھر میں پڑھنے کا اہتمام تو آپ ﷺ بطور خاص فرماتے تھے اور اکثر گھر ہی میں پڑھتے تھے یہی وجہ ہے کہ مغرب کی سنتوں کے بارہ میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مغرب کی نماز سُنّت مسجد میں پڑھے تو وہ مسنون ادا نہیں ہوتی بلکہ بعض علماء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھنے والا گنہ گار ہوتا ہے۔ مگر جمہور علماء کی رائے ہے کہ گنہگار نہیں ہوتا کیونکہ انہیں گھر میں ادا کرنے کا حکم امر وجوبی نہیں ہے بلکہ امر استحبابی ہے۔

ہدایہ کے حاشیہ میں جامع صغیر سے منقول ہے کہ کوئی شخص مغرب کی نماز مسجد میں پڑھے اور اس کو یہ خوف ہو کہ اگر گھر میں گیا تو کسی مشغولیت کی بناء پر سُنّت وہاں نہیں پڑھ سکوں گا تو اسے چاہیے کہ وہ مغرب کی سُنّت بھی مسجد کے صحن میں پڑھ لے اور اگر گھر پہنچ کر کسی

---

[1] مشغولیت زیادہ ہو تو نوافل کو دوسرے وقت پر چھوڑا جا سکتا ہے۔

کام میں مشغول ہو جانے کا خوف نہ ہو تو افضل یہی ہے کہ وہ گھر جا کر نماز سُنت پڑھے۔

مغرب کی سنتوں میں طویل قرأت

(۲۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيْلُ الْقِرَاءَةَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى يَتَفَرَّقَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مغرب (کی فرض نماز) کے بعد دو رکعت (سُنّت میں کبھی اتنی) طویل قرأت فرماتے تھے کہ مسجد کے لوگ (اپنی اپنی نمازوں سے فارغ ہو کر) چلے جاتے تھے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھتے تھے لہٰذا اس سلسلہ میں کئی احتمال ہیں اول تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کو کوئی ایسا عذر پیش آگیا ہو گا جس کی وجہ سے وہ حجرۂ مبارک میں تشریف نہیں لے جاسکے ہوں گے اس لئے سنتیں مسجد ہی میں پڑھ لیں۔

دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ اس وقت اعتکاف میں ہوں گے اس لئے سنتیں پڑھنے کے لئے حجرۂ مبارک میں نہیں گئے۔

چہارم احتمال یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سنتیں مسجد میں پڑھی ہی نہ ہوں بلکہ اپنے حجرۂ مبارک میں پڑھی ہوں جو مسجد سے بالکل ملا ہوا تھا اور اس کا دروازہ بھی مسجد ہی کی طرف تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے سامنے سے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہو اور اسی کو یہاں بیان کیا ہو۔

جہاں تک حدیث کے اس جزء کا تعلق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مغرب کی سنتوں میں طویل قرأت کی تو اس کے بارہ میں بھی ظاہری احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کسی دن اتنی طویل قرأت کی ہوگی ورنہ تو مغرب کی سنتوں میں آپ ﷺ اکثر چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے چنانچہ یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ مغرب کی سُنت میں قل یٰایھا الکافرون اور قل ھو اللّٰہ کی قرأت کیا کرتے تھے۔

مغرب کے بعد نفل پڑھنے کی فضیلت

(۲۶) وَعَنْ مَكْحُوْلٍ يَبْلُغُ بِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ قَبْلَ اَنْ يَتَكَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ وَفِىْ رِوَايَةٍ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ رُفِعَتْ صَلَاتُهٗ فِىْ عِلِّيِّيْنَ مُرْسَلاً۔

"اور حضرت مکحولؒ (تابعی) اس روایت کو آنحضرت ﷺ تک پہنچاتے ہیں (یعنی آنحضرت سے بطریق ارسال روایت کرتے ہیں) کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص مغرب (کی فرض یا سُنّت مؤکدہ) نماز پڑھ کر (دنیاوی) گفتگو کرنے سے پہلے دو رکعت اور ایک روایت میں ہے کہ چار رکعت نماز پڑھے تو اس کی یہ نماز علیین میں پہنچائی جاتی ہے۔"

تشریح: "دو رکعت" سے سُنّت بھی مراد ہو سکتی ہے اور اس کے علاوہ بھی اسی طرح چار رکعت میں دو رکعت سُنت اور دو رکعت اس کے علاوہ یا چاروں کی چاروں ہی سُنت کے علاوہ مراد لی جاسکتی ہیں۔

بہرحال یہ دو رکعت یا چار رکعت جو سُنت کے علاوہ ہوں صلوٰۃ الاوابین کہی جاتی ہیں اس نماز کی فضیلت اس سے پہلے بھی نقل کی جاچکی ہے یہاں بھی اس کی فضیلت و عظمت بیان کی جارہی ہے کہ اس نفل نماز کے پڑھنے والے شخص کی یہ نماز یا اس نماز کے ساتھ اس کی فرض نماز بھی مقام علیین میں پہنچائی جاتی ہے یعنی اس کی نمازیں قبولیت کے انتہائی مرتبہ پر پہنچتی ہیں اور اس شخص کو بے پناہ اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

علّیین کیا ہے؟

ساتویں آسمان پر ایک مقام کا نام علیین ہے جہاں مؤمنین کی روحیں پہنچائی جاتی ہیں اور وہاں ان کے عمل لکھے جاتے ہیں۔

(۲۷) وَعَنْ حُذَيْفَةَ نَحْوَهُ وَزَادَ فَكَانَ يَقُوْلُ عَجِّلُوا الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فَإِنَّهُمَا تُرْفَعَانِ مَعَ الْمَكْتُوْبَةِ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ الزِّيَادَةَ عَنْهُ نَحْوَهَا فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ۔

"اور حضرت حذیفہؓ سے (بھی) اسی طرح (یعنی اوپر والی حدیث) مروی ہے لیکن ان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ تم لوگ مغرب کے بعد دو رکعت (سنتیں) جلدی پڑھ لیا کرو کیونکہ وہ (دونوں رکعتیں) فرضوں کے ساتھ اوپر (علیین میں) پہنچائی جاتی ہیں، یہ دونوں روایتیں رزینؒ نے نقل کی ہیں اور بیہقیؒ نے حذیفہؓ کے زائد الفاظ کو اسی طرح شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں رکعتیں چونکہ فرض نماز کے ساتھ مقام علیین میں پہنچائی جاتی ہیں اس لئے ان کو فرض نماز کے بعد زیادہ تاخیر کر کے نہ پڑھو تاکہ وہ فرشتے جو اعمال کو علیین تک پہنچاتے ہیں منتظر نہ رہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ ان اوراد و اذکار کو جنہیں فرض کے بعد جلدی پڑھنا ثابت ہو چکا ہے ان دونوں رکعتوں کے بعد پڑھنا۔ اس تعجیل (جو احادیث میں فرض کے فوراً بعد اوراد و اذکار کے پڑھنے کے سلسلہ میں ثابت ہے) کے منافی نہیں ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ ان اوراد و اذکار کو ان دونوں کے رکعتوں کے بعد پڑھنا بعدیت (یعنی حدیث کے اس حکم کہ فرض نماز کے بعد اوراد و اذکار پڑھے جائیں) کا منافی نہیں ہے اس بات کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ پیچھے باب الذکر بعد الصلوۃ میں وہ احادیث گزر چکی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فرض نماز کے فوراً بعد اوراد و اذکار (جن کی تفصیل ان احادیث میں مذکور ہے) پڑھے جائیں۔

تو اب اگر ان اوراد و اذکار کو فرض نماز کے بعد پڑھنے کے بجائے اس حدیث کی فضیلت کے پیش نظر دو رکعت سنتوں کے بعد پڑھے جائیں تو ان احادیث سے ثابت شدہ تعجیل و بعدیت (یعنی اوراد و اذکار کو فرض نماز کے فوراً بعد پڑھنے کے حکم) کے خلاف نہیں ہوگا۔

لیکن اس بات کے علاوہ یہاں ایک اور اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ ان دونوں رکعتوں کو گھر میں پڑھنے کی فضیلت بھی احادیث ہی سے ثابت ہے لہٰذا اگر کوئی شخص ان دونوں رکعتوں کو گھر میں پڑھے اور اس کا گھر بھی مسجد سے دور ہو تو ظاہر ہے کہ اس حدیث کے پیش نظر ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے میں جلدی نہیں ہوسکتی۔ تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔ آیا ان احادیث کے پیش نظر ان دونوں رکعتوں کو گھر ہی جا کر پڑھا جائے تاکہ گھر میں پڑھنے کی فضیلت حاصل ہو۔ یا اس حدیث کے پیش نظر مسجد ہی میں پڑھا جائے تاکہ ان کو جلدی پڑھ لینے کی فضیلت حاصل ہو جائے؟۔

اس سلسلہ میں علماء لکھتے ہیں کہ نوافل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت چونکہ بہت زیادہ ہے اور پھر یہ کہ اس کی تاکید بھی بہت زیادہ کی گئی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ سنتوں کو گھر ہی میں پڑھا جائے۔ واللہ اعلم۔

فرض و نوافل کے درمیان فرق کرنا چاہیے

(۲۸) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ إِنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ أَرْسَلَهُ إِلَى السَّائِبِ يَسْئَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَآهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةُ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ نَعَمْ صَلَّيْتُ مَعَهُ الْجُمُعَةَ فِي الْمَقْصُوْرَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَقَالَ لَا تَعُدْ لِمَا فَعَلْتَ إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلَاةٍ حَتّٰى تَتَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِذٰلِكَ أَنْ لَا نُوْصِلَ بِصَلَاةٍ حَتّٰى نَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرو ابن عطاؒ (تابعی) کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں (یعنی عمرو) کو حضرت نافع ابن جبیرؒ (تابعی) نے حضرت سائب

(صحابی) کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان سے وہ چیزیں پوچھیں جو حضرت امیر معاویہؓ نے انہیں نماز میں کرتے ہوئے دیکھا تھا (اور اس سے انہیں منع کیا تھا چنانچہ حضرت عمرو حضرت سائب کے پاس گئے اور ان سے اس چیز کی تفصیل معلوم کی تو) انہوں نے فرمایا کہ ہاں (ایک مرتبہ) میں نے حضرت امیر معاویہؓ کے ہمراہ مقصورہ میں جمعہ کی نماز پڑھی جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی جگہ (جہاں جمعہ کی نماز پڑھی تھی) کھڑا ہو گیا اور (فرض و سُنّت میں کوئی امتیاز کئے بغیر جمعہ کی سنت) نماز پڑھنے لگا، جب حضرت امیر معاویہؓ (نماز سے فراغت کے بعد) اپنے مکان پر چلے گئے تو میرے پاس ایک شخص کو یہ کہلا بھیجا کہ اس وقت تم نے جو کچھ کیا ہے آئندہ ایسا نہ کرنا، (یعنی جس جگہ نماز پڑھو اسی جگہ امتیاز پیدا کئے بغیر نفل نماز نہ پڑھنا چنانچہ) جب تم جمعہ کی نماز پڑھو تو اس (جمعہ کی فرض نماز) کو کسی (دوسری یعنی نفل یا قضا) نماز سے نہ ملاؤ تاوقتیکہ تم کوئی گفتگو نہ کر لو یا (مسجد سے) باہر نہ نکل جاؤ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ نہ ملائیں تاوقتیکہ (درمیان میں) بات چیت نہ کر لیں یا (مسجد سے) باہر نہ چلے جائیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: پچھلے زمانہ میں جب کہ سلاطین و امراء نمازیں پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے تھے تو ان کی امتیازی حیثیت و شان کے پیش نظر ان کے لئے مسجد کے اندر ایک مخصوص جگہ بنادی جاتی تھی جسے مقصورہ کہا جاتا تھا، بادشاہ یا خلیفہ مسجد میں آکر اسی جگہ نماز پڑھتا تھا۔

حدیث کے الفاظ اذا صلیت الجمعة میں جمعہ کی قید اتفاقی اور مثال کے طور پر ہے کیونکہ جمعہ کے علاوہ بھی تمام نمازوں کا یہی حکم ہے کہ فرض کے ساتھ نوافل نماز ملا کر نہ پڑھی جائیں چنانچہ اس کی تائید حضرت امیر معاویہؓ کی روایت کردہ حدیث کر رہی ہے جس میں کسی خاص نماز کے بارہ میں نہیں فرمایا گیا ہے بلکہ ہر نماز کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب فرض نماز پڑھ لی جائے تو نوافل پڑھنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے فرض اور نوافل میں فرق و امتیاز پیدا ہو جائے مثلاً جس جگہ فرض نماز پڑھی گئی ہے اسی جگہ (خواہ سُنّت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ) نہ پڑھی جائے بلکہ اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ کھڑے ہو کر پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازوں کے درمیان امتیاز پیدا ہو سکے اور اس سے فرض و نفل کے درمیان التباس پیدا نہ ہو۔

چنانچہ حدیث کے الفاظ او نخرج سے اسی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے اب او نخرج سے مسجد سے حقیقۃً نکلنا بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی فرض پڑھ کر مسجد سے نکل کر گھر وغیرہ آجائے اور وہاں نوافل پڑھے جائیں اور حکماً نکلنا بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی جس جگہ فرض نماز پڑھی ہے اس جگہ سے ہٹ کر نوافل دوسری جگہ پڑھے جائیں۔

فرض و نوافل کے درمیان نمازوں کے درمیان فرق و امتیاز پیدا کرنے کی ایک اور صورت ہے اور وہ یہ کہ جب فرض نماز پڑھ لی جائے تو اس کے بعد کسی دوسرے شخص سے کوئی گفتگو کر لی جائے تاکہ اس سے ان دونوں نمازوں کے درمیان فرق و امتیاز پیدا ہو جائے چنانچہ حتی نتکلم سے یہی بتایا جا رہا ہے۔

اتنی بات ملحوظ رہے کہ فرض و نوافل کے درمیان جس فرق و امتیاز کے لئے کہا جا رہا ہے وہ دنیاوی بات چیت اور گفتگو ہی سے حاصل ہوتا ہے ذکر اللہ وغیرہ سے وہ فرق حاصل نہیں ہوتا۔

(۲۹) وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى الْجُمْعَةَ بِمَكَّةَ تَقَدَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُصَلِّي أَرْبَعًا وَإِذَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ صَلَّى الْجُمْعَةَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيْلَ لَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلَّى بَعْدَ الْجُمْعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَالِكَ أَرْبَعًا۔

"اور حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب مکہ میں جمعہ کی نماز پڑھ چکتے تو (جس جگہ فرض نماز پڑھتے اس سے) آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھتے اس کے بعد پھر آگے بڑھتے اور چار رکعت نماز پڑھتے اور جب آپ مدینہ میں ہوا کرتے تو (یہ معمول تھا کہ) جمعہ کی (فرض) نماز پڑھ کر اپنے مکان تشریف لاتے اور گھر میں دو رکعت نماز پڑھتے مسجد میں (فرض کے علاوہ کوئی نماز) نہیں پڑھتے تھے، جب ان سے

اس (گھر میں پڑھنے اور مسجد میں نہ پڑھنے) کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ (اس لئے کہ) نبی کریم ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔" (ابوداؤد) اور ترمذیؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عطاء نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا ہے کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھ کر پھر چار رکعت پڑھتے تھے۔

تشریح: حضرت ابن عمرؓ کا فرض پڑھ کر سُنّت پڑھنے کے لئے آگے بڑھ جانا بمنزلہ مسجد سے نکلنے کے تھا جیسا کہ حضرت امیر معاویہؓ کے ارشاد میں مذکور ہوا۔

علماء نے لکھا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے معمول کے درمیان فرق غالباً اس لئے تھا کہ مدینہ میں حضرت ابن عمرؓ کا مکان مسجد کے قریب تھا اور مکہ میں چونکہ مسافر ہوتے تھے اور قیام گاہ حرم سے فاصلہ پر ہوتی تھی اس لئے مدینہ میں تو آپ کا معمول یہ ہوتا تھا کہ فرض پڑھ کر مکان پر تشریف لے جاتے تھے اور وہاں سنتیں پڑھتے تھے مگر مکہ میں مکان کے دور ہونے کی وجہ سے سنتیں بھی مسجد ہی میں پڑھ لیتے تھے مگر جگہ بدل کر دونوں نمازوں کے درمیان فرق کرتے رہتے تھے۔ اور اس طرح آگے بڑھنے کو گھر کے قائم مقام کر لیتے تھے۔

مکہ اور مدینہ کے معمول کے درمیان دوسرا فرق یہ تھا کہ مکہ میں تو آپ جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھا کرتے تھے اور مدینہ میں دو ہی رکعت پڑھتے تھے چنانچہ مکہ میں اس زیادتی کی وجہ یہ تھی کہ حرم میں چونکہ نماز پڑھنے کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہاں زیادہ نماز پڑھتے تھے۔

چونکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنتیں چار رکعت ہیں اس لئے ملا علی قاریؒ نے حدیث کے الفاظ کہ حضرت ابن عمرؓ جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھتے پھر اس کے بعد (آگے بڑھ کر) چار رکعت پڑھتے تھے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ پہلے جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اس کے بعد انہوں نے چار رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں یعنی ان دو رکعتوں میں جو ان کے نزدیک احادیث سے ثابت تھیں اور جنہیں آپ پہلے پڑھا کرتے تھے دو رکعتوں کا اور اضافہ کر دیا اس طرح بعد میں چار رکعت پڑھنے لگے۔

صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنتیں چھ رکعتیں ہی ہیں یعنی وہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی فرض نماز پڑھ کر پہلے چار رکعت سُنّت پڑھی جائے پھر اس کے بعد دو رکعت سُنّت اور پڑھی جائے۔

فقہ حنفیہ میں سنتوں کی تفصیلی تعداد

چونکہ یہ بات ختم ہو رہی ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس موقع پر تمام نمازوں کی سنتوں کی تفصیلی تعداد ذکر کر دی جائے تاکہ وہ ذہن میں محفوظ رہیں۔ فجر کے وقت فرض سے پہلے دو رکعت سُنّت مؤکدہ ہیں ان کی تاکید تمام مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے یہاں تک کہ بعض روایات میں امام ابوحنیفہؒ سے ان کا وجوب منقول ہے اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کے انکار سے کفر کا خوف رہتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ فجر کی سنتیں نہ چھوڑو چاہے تمہیں گھوڑے کچل ڈالیں یعنی جان جانے کا خوف ہو تب بھی نہ چھوڑو، اس سے مقصود صرف تاکید اور ترغیب ہے ورنہ جان کے خوف سے تو فرائض کا چھوڑنا بھی جائز ہے۔

ظہر کے وقت فرض سے پہلے چار رکعت ایک سلام سے اور فرض کے بعد دو رکعت سُنّت مؤکدہ ہیں۔

جمعہ کے وقت فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے سُنّت مؤکدہ ہیں اور فرض کے بعد بھی ایک ہی سلام سے چار رکعتیں سُنّت ہیں۔

عصر کے وقت کوئی سُنّت مؤکدہ نہیں، ہاں فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں۔

مغرب کے وقت فرض کے بعد دو رکعت سُنّت مؤکدہ ہیں۔

عشاء کے وقت فرض کے بعد دو رکعت سُنّت مؤکدہ ہیں اور فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں۔

وتر کے بعد بھی دو رکعتیں نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں لہٰذا وتر کے بعد دو رکعت مستحب ہیں۔

بَابُ صَلٰوةِ اللَّيْلِ
رات کی نماز کا بیان

"رات کی نماز" یعنی تہجد وغیرہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے جو روایات ان کے پڑھنے کے طریقے وغیرہ کے بارے میں منقول ہیں وہ اس باب کے تحت نقل کی جائیں گی۔

رات میں نماز پڑھنے کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے مختلف روایتیں منقول ہیں ان میں سے جس روایت کے مطابق بھی نماز پڑھی جائے گی اتباع نبوی کی فضیلت اور سُنّت کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوگی ہاں اگر تمام روایات کی اتباع کے پیش نظر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ کبھی تو کسی روایت کے مطابق پڑھی جائے اور کبھی کسی روایت کے مطابق، تو یہ طریقہ نہ صرف یہ کہ انتہائی مناسب اور بہتر بلکہ سُنّت کے عین مطابق ہوگا۔

رات میں آنحضرت ﷺ کی نماز کی رکعتوں کی تعداد کے بارہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں، چنانچہ تیرہ، گیارہ، نو، اور سات رکعتیں منقول ہیں، بعض علماء نے پانچ رکعتیں بھی روایت کی ہیں، تاہم تیرہ سے زیادہ ثابت نہیں ہے، پھر یہ کہ بعض علماء نے یہ تعداد فجر کی سُنّت کے ساتھ ذکر کی ہے اور بعض نے فجر کی سُنّت کے علاوہ اور صحیح قول یہی ہے، اسی طرح وتر کی تعداد کے بارہ میں بھی مختلف روایتیں ہیں، بعض روایتوں میں تو وتر ایک رکعت کے ساتھ منقول ہے اور بعض میں تین رکعتوں کے ساتھ، نیز بعض روایات میں وتر کی رکعت کو بھی نماز تہجد کی رکعتوں میں شامل کر کے انہیں شمار کیا گیا ہے اور بعض روایات میں وتر کی رکعتوں کو ان سے الگ شمار کیا گیا ہے اسی طرح بعض روایات میں وتر کا اطلاق ایک رکعت پر کیا گیا ہے اور بعض میں تین، پانچ اور سات تک پر کیا گیا ہے بلکہ بعض روایات میں تو رات کی تمام نماز کو وتر کہا گیا ہے، انہیں تمام روایات کو آپ تفصیل کے ساتھ اس باب میں پڑھیں گے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
عشاء و فجر کے درمیان گیارہ رکعت

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى الْفَجْرِ إِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ اَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ اٰيَةً قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهُ فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْاِقَامَةِ فَيَخْرُجُ۔ (متفق علیہ)

"ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نماز عشاء سے فارغ ہو کر نماز فجر تک (اکثر) گیارہ رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور (پھر آخر میں) ایک رکعت کے ساتھ وتر کر لیا کرتے تھے اور اس رکعت میں اتنا طویل سجدہ کرتے جتنی دیر میں کوئی شخص اپنا سر اٹھانے سے پہلے پچاس آیتیں پڑھ لے پھر جب مؤذن فجر کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور فجر طلوع ہو جاتی یعنی صبح کی روشنی پھیلنے لگتی تو آپ ﷺ کھڑے ہوتے اور دو رکعتیں ہلکی (یعنی فجر کی سنتیں) پڑھتے اور (اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے) اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے تھے یہاں تک کہ مؤذن تکبیر کے لئے (یعنی تکبیر کہنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے) آپ ﷺ کے پاس آتا تو آپ ﷺ نماز کے لئے (مسجد) تشریف لے جاتے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ ویوتر بواحدة کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ﷺ وتر کے لئے ایک رکعت علیحدہ پڑھتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے

کہ آپ ﷺ گیارہ رکعتیں اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ آخری دونوں رکعتوں یعنی نویں اور دسویں کے ساتھ ایک رکعت بڑھا کر تینوں کو وتر بنا دیا کرتے تھے۔

ابن حجر شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، اوّل یہ کہ وتر کی کم سے کم ایک رکعت ہے یعنی وتر کی ایک رکعت علیحدہ سے پڑھی جاسکتی ہے، دوم یہ کہ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت پر سلام پھیر دینا چاہیے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔

فیسجد السجدة الخ سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رکعت کا سجدہ بقدر رند کورہ طویل کرتے تھے لیکن اس کا مفہوم یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ صرف وتر کے سجدوں میں سے ایک سجدہ یا وتر کے سب سجدے بقدر رند کور طویل کرتے تھے۔

بعض مقامات پر کچھ لوگ وتر کے بعد کیفیت معروفہ کے ساتھ دو سجدے کرتے ہیں اور بعض ضعیف فقہی روایات میں ان کی فضیلت بھی مذکور ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ احادیث سے ان دونوں سجدوں کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ فقہ کی وہ روایت جو معتمد و مختار ہیں ان میں ان کا کوئی ذکر ہے۔ نیز حرمین شریفین بلکہ پورے عرب میں کہیں بھی یہ سجدے نہیں کئے جاتے۔

اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی منقول ہے جس میں ان سجدوں کو "اختراع محض" کا درجہ دیا گیا ہے پھر یہ کہ چاروں ائمہ میں سے کوئی بھی امام اس کے نہ مسنون ہونے کا قائل ہے اور نہ ہی مستحب ہونے کا بلکہ بلاد عرب کے اکثر حنفیہ تو اسے جانتے بھی نہیں اور بعض علماء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، بہر حال اگر کسی جگہ یہ طریقہ رائج ہے تو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

رکعتین خفیفتین یعنی فجر کی سنتیں ہلکی پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سُنّت کی دونوں رکعتوں میں قل یاایھا الکافرون اور قل ھواللہ پڑھا کرتے تھے اور یہی مستحب ہے مگر لازم نہیں ہے۔

فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے آپ ﷺ اس لئے لیٹ جاتے تھے تاکہ تمام رات عبادت خداوندی اور نماز میں مشغول رہنے کی وجہ سے جو تکان وغیرہ پیدا ہو جاتا تھا وہ تھوڑی دیر آرام کر لینے سے ختم ہو جائے اور فرض پوری چستی اور بشاشت کے ساتھ ادا ہوں، لہٰذا مختار یہ ہے کہ جو شخص رات میں عبادت الٰہی اور ذکر اللہ وغیرہ میں مشغول رہے اس کے لئے فجر کی سنتیں پڑھ کر تھوڑی دیر کے لئے بغرض استراحت لیٹ جانا مستحب ہے۔

فجر کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان بات چیت کرنا

(۲) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى رَكْعَتَى الْفَجْرِ فَاِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِيْ وَاِلَّا اضْطَجَعَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تو اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے بات چیت میں مشغول ہو جاتے اور اگر میں سوتی ہوئی ہوتی تو (آپ ﷺ بھی) لیٹ جاتے۔" (مسلم)

تشریح: حضرت ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ فجر کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان فرق کرنا جائز ہے نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس وقت (یعنی فجر کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان) اپنے اہل خانہ سے بات چیت میں مشغول ہونا مستحب ہے، گویا حضرت ابن مالکؒ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ "فرض اور سُنّت نمازوں کے درمیان گفتگو کرنا نماز کو یا اس کے ثواب کو ختم کر دیتا ہے" یہ قول غلط ہے لیکن پھر بھی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا محور دنیا نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ ﷺ کی گفتگو دینی اور اخروی موضوع سے متعلق ہوتی تھی، اس لئے اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ فرض و سُنّت نمازوں کے درمیان دنیاوی گفتگو میں مشغول ہونا خلاف اولیٰ ہے۔ کیونکہ سُنّت نمازوں کی مشروعیت کی حکمت ہی یہ ہے کہ فرض نماز پڑھنے والا شخص

پہلے سے کچھ نمازیں پڑھ کر "حالت کمال" کے لئے تیار ہو اور اس سے غفلت و سستی دور ہو جائے تاکہ فرض نماز میں پورے خشوع و خضوع کمال حضور اور عبادت خداوندی کے حقیقی و پر لطف جذبہ کے ساتھ شامل ہو سکے اور اس کا دل و دماغ دنیا سے پوری طرح یکسو ہو کر توجہ الی اللہ میں پوری طرح مستغرق ہو جائے، بر خلاف اس کے سُنّت نماز پڑھ کر فرض شروع کرنے سے پہلے دنیاوی گفتگو میں مشغول ہونا اس حکمت کے خلاف ہے کیونکہ اس طرح دل و دماغ شوق و حضوری سے الگ ہو کر دنیا کی باتوں کے چکر میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ وغیرہ میں سے بعض علماء نے طلوع فجر کے بعد نماز فجر ادا کرنے سے پہلے کسی دنیاوی گفتگو میں مشغول ہونے کو مکروہ کہا ہے ہاں ذکر اللہ یا ایسا دنیاوی کلام جس کی حقیقت میں اس وقت ضرورت ہو اس سے مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ احمدؒ، اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

لہٰذا اس حدیث کے بارہ میں کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ فجر کی سُنّت پڑھ کر حضرت عائشہؓ سے جو کلام کرتے تھے یا تو وہ دینی اور اخروی ہوتا تھا یا پھر کسی حاجت اور ضرورت کی بنا پر آپ ﷺ ان سے گفتگو میں مشغول ہوتے تھے، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ اِنْ کَانَتْ لَهُ اِلَيَّ حَاجَةٌ كَلَّمَنِيْ (اگر آپ ﷺ کو کوئی ضرورت مجھ سے متعلق ہوتی تو آپ ﷺ مجھ سے گفتگو کرتے) بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

فجر کی سنتوں کے بعد استراحت!

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ فجر کی دو رکعت سنتیں پڑھ کر اپنی داہنی کروٹ پر (یعنی رو بقبلہ) لیٹ جاتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

(۴) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً مِّنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں نماز پڑھتے تھے ان میں وتر (کی تین رکعتیں) اور فجر کی سُنّت کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتیں۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ رات میں جو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے ان میں وتر کی تین رکعتیں اور فجر کی سُنّت کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں، گو حدیث کے الفاظ میں وتر کے ساتھ "تین رکعت" کا ذکر نہیں ہے لیکن تمام علماء کے نزدیک چونکہ وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا افضل ہے اس لئے "تین رکعت" کی قید لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ پھر یہ کہ دوسری روایات میں تین رکعت کی صراحت بھی ہے۔ چنانچہ ترمذیؒ نے شمائل میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ثم یصلی ثلثا (پھر آپ ﷺ تین رکعتیں پڑھتے تھے) اسی طرح مسلمؒ کی روایت ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ (یعنی پھر آپ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے) کے الفاظ منقول ہیں۔

اس حدیث میں "رکعتوں کی تعداد" تیرہ اس طرح نقل کی گئی ہے کہ فجر کی سُنّت کی دو رکعتوں کو بھی ان میں شمار کیا گیا ہے ورنہ تو آنحضرت ﷺ رات میں مع وتر کے کل گیارہ رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے جیسا کہ دوسری روایتوں میں مذکور ہے چونکہ تہجد کی نماز پڑھنے اور فجر کی سنتیں پڑھنے کا درمیانی وقفہ زیادہ نہیں ہوتا تھا بلکہ تقریباً دونوں نمازیں ساتھ ہی پڑھتے تھے اس لئے ان دونوں رکعتوں کو بھی ان میں شمار کر لیا گیا ہے۔

(۵) وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَّتِسْعٌ وَاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت مسروقؒ کہتے ہیں کہ میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سرور کائنات کی رات کی نماز کے بارہ میں دریافت کیا (کہ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟) تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی تو آپ ﷺ سات رکعتیں پڑھتے تھے کبھی نو رکعتیں اور کبھی گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے علاوہ فجر کی سنتوں کے۔" (بخاری)

تشریح: ظاہر یہ ہے کہ "علاوہ فجر کی سنتوں کے" کا تعلق احدی عشرۃ رکعۃ (گیارہ رکعتوں سے) ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جن روایات میں تیرہ رکعتیں منقول ہیں ان میں دو رکعت فجر کی سُنّت کی بھی شامل ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں جو یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے رات میں پندرہ رکعتیں بھی پڑھی ہیں تو اس کا محمول یہ ہے کہ پندرہ میں فجر کی سُنّت کی دو رکعتیں بھی شمار کی گئی ہیں، یعنی تیرہ رکعت تہجد کی اور دو رکعت فجر کی سُنّت کی لیکن اس احتمال سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ بارہ رکعتیں تو آپ ﷺ نے تہجد کی پڑھی ہوں اور تین رکعتیں وتر کی۔ چنانچہ اس کی دلیل ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ جس روز آنحضرت ﷺ پر نیند کا غلبہ ہو جاتا تھا اور آپ ﷺ تہجد پڑھے بغیر سو جاتے تھے تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔

تہجد کی ابتدائی دو رکعتوں کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ اِفْتَتَحَ صَلَاتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب رات میں (تہجد کی) نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اپنی نماز کی ابتداء دو ہلکی رکعتوں سے فرماتے تھے۔"

تشریح: "کتاب ازہار" میں لکھا ہے کہ "دو ہلکی رکعتیں" وضو کی دو رکعتیں ہیں کہ ان میں تخفیف یعنی ان کو مختصر پڑھنا ہی مستحب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں رکعتیں تہجد کی ہوتی تھیں جو تحیۃ الوضو کے قائم مقام تھیں اور آپ ﷺ اس وقت وضو کے لئے علیحدہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

⑦ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحِ الصَّلَاةَ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص رات میں (نماز پڑھنے کے لئے نیند سے اٹھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی نماز کی ابتداء دو ہلکی رکعتوں سے کرے)۔" (مسلم)

⑧ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتْ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً وَّالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فَتَحَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَهْلِهٖ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ اَوْ بَعْضُهٗ قَعَدَ فَنَظَرَ اِلَى السَّمَآءِ فَقَرَأَ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ اِلَى الْقِرْبَةِ فَاَطْلَقَ شِنَاقَهَا ثُمَّ صَبَّ فِي الْجَفْنَةِ ثُمَّ تَوَضَّاَ وُضُوْءً حَسَنًا بَيْنَ الْوُضُوْئَيْنِ لَمْ يُكْثِرْ وَقَدْ اَبْلَغَ فَقَامَ فَصَلّٰى فَقُمْتُ وَتَوَضَّاْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَّسَارِهٖ فَاَخَذَ بِاُذُنِيْ فَاَدَارَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَتَتَامَّتْ صَلَاتُهٗ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ وَكَانَ اِذَا نَامَ نَفَخَ فَاٰذَنَهٗ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَكَانَ فِيْ دُعَآئِهٖ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّسَارِيْ نُوْرًا وَّفَوْقِيْ نُوْرًا وَّتَحْتِيْ نُوْرًا وَّاَمَامِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا وَّزَادَ بَعْضُهُمْ وَفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّذَكَرَ وَعَصَبِيْ وَلَحْمِيْ وَدَمِيْ وَشَعْرِيْ وَبَشَرِيْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا

وَاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّفِیْ اُخْرٰی لِمُسْلِمٍ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا۔

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے اپنی خالہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے یہاں ایک رات گزاری، آنحضرت ﷺ (بھی اس رات کو) انہیں کے یہاں تھے (یعنی اس رات کو حضرت میمونہ کے یہاں کی باری تھی) کچھ رات گئے تک آپ ﷺ اپنی زوجہ (حضرت میمونہؓ) سے باتیں کرتے رہے پھر سوگئے، جب تہائی یا اس سے بھی کچھ رات باقی رہ گئی تو آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات و دن کے اختلاف (یعنی کبھی) اندھیرا، کبھی اجالا، کبھی گرمی، کبھی جاڑا، کبھی درازی، کبھی کمی) میں بے شک عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں) آپ ﷺ نے پوری سورۃ پڑھی، پھر اٹھ کر مشک کے پاس گئے اور اس کا بند کھول کر پیالہ میں پانی ڈالا، پھر اچھا درمیانہ وضو کیا (یعنی نہ تو پانی اتنا زیادہ بہایا کہ حد اسراف کو پہنچ جاتا اور نہ اتنا کم ڈالا کہ عضاء وضو بھی تر نہ ہوتے، بلکہ درمیانہ درجہ کا اچھا وضو کیا چنانچہ حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ درمیانہ وضو کا مطلب یہ ہے کہ) بہت زیادہ پانی نہیں بہایا بلکہ (جن اعضاء کا دھونا فرض ہے) پانی ان اعضاء تک پہنچایا، پھر آپ ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے (یہ دیکھ کر) میں بھی اٹھا اور (جس طرح آنحضرت ﷺ نے وضو کیا تھا) میں بھی اسی طرح وضو کر کے آنحضرت کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آنحضرت ﷺ نے میرا کان پکڑ کر اپنی بائیں طرف سے مجھے گھما کر اپنی دائیں طرف مجھے کھڑا کر دیا جب آپ ﷺ کی تیرہ رکعت نماز پوری ہو گئی تو لیٹ گئے، چونکہ آپ ﷺ سوتے وقت خراٹے لیتے تھے اس لئے سو کر خراٹے لینے لگے، اتنے میں حضرت بلالؓ نے آکر نماز کا وقت شروع ہو جانے اور جماعت کے تیار ہونے کی اطلاع کی، چنانچہ آپ ﷺ نے وضو کئے بغیر (سنت) نماز پڑھی اور آپ ﷺ (فرض و سُنّت کے درمیان) دعا میں یہ پڑھتے تھے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا (اے اللہ! میرے دل میں، میری آنکھوں میں، میرے کانوں میں، میرے دائیں، میرے بائیں، میرے اوپر، میرے نیچے، میرے آگے، میرے پیچھے، نور عطا کر اور میرے لئے نور ہی نور پیدا کر دے) اور بعض راویوں نے یہ الفاظ بھی نقل کئے وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا (یعنی میری زبان میں نور پیدا کر دے) بعض راویوں نے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں۔ وَعَصَبِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَشَعْرِیْ وَبَشَرِیْ یعنی میرے اعصاب میں، میرے گوشت میں، میرے خون میں، میرے بالوں میں، اور میری جلد میں نور پیدا کر دے (بخاری و مسلم) اور بخاری و مسلم ہی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں وَاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا یعنی اے اللہ! میری جان میں نور پیدا کر دے اور میرے لئے نور میں بڑائی دے۔ مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا یعنی اے اللہ! مجھے نور عطا فرما۔"

تشریح: جب حضرت بلالؓ نے آکر آنحضرت ﷺ کو نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دی اور آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے۔ تو بغیر وضو کئے ہی فجر کی سنتیں پڑھ لیں اس موقع پر یہ اشکال پیدا نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے وضو کئے بغیر نماز کیسے پڑھ لی؟ کیونکہ علماء لکھتے ہیں کہ سو جانے کے باوجود آنحضرت ﷺ نے وضو اس لئے نہیں کیا کہ فقط سو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ نیند سے بیداری کے بعد نماز پڑھنے کے لئے وضو اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ نیند میں وضو ٹوٹ جانے کا احتمال رہتا ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کا دل چونکہ ہمیشہ بیدار رہتا تھا یہاں تک کہ نیند کی حالت میں بھی آپ ﷺ کے دل پر کوئی غفلت طاری نہیں ہوتی تھی اس لئے آپ ﷺ کے سونے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ آپ ﷺ کا وضو ٹوٹ گیا ہو، اور آپ ﷺ کو معلوم نہ ہوا ہو۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد ایسی بات چیت جس کا موضوع دین و آخرت اور وعظ و نصیحت ہو یا اپنے اہل خانہ سے بطریق اختلاط ہو تو وہ مکروہ نہیں ہے۔

یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی گزشتہ حدیث کے مخالف نظر آتی ہے کیونکہ یہاں حضرت ابن عباسؓ کے قول سے تو معلوم ہوتا ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے رات میں جو تیرہ رکعتیں پڑھیں ان میں وتر کی تین رکعت تو شامل تھیں لیکن فجر کی سُنّت کی دو رکعتیں ان میں شامل نہیں تھیں۔ جب کہ عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرہ رکعتوں میں وتر کے ساتھ ساتھ فجر کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔

لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں اس تاویل سے مطابقت پیدا کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی تو تیرہ رکعت اس طرح پڑھتے تھے کہ ان میں فجر کی دو سنتیں بھی شامل ہوتی تھیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے ذکر کیا ہے اور کبھی اس طرح پڑھتے تھے کہ ان میں فجر کی دو سنتیں شامل نہیں ہوتی تھیں جیسے کہ یہاں حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ سے مفہوم ہوا۔

حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نیند کی حالت میں خراٹے لیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ خراٹے لینا سانس کی نالیوں کی کشادگی اور قوائے جسمانی کی صفائی اور صحت کی علامت ہے اور اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ صرف یہ کہ روحانی اور باطنی طور پر کامل و اکمل تھے بلکہ جسمانی طور پر بھی انتہائی صحت مند، قوی اور مضبوط و صاف اعضاء جسم کے مالک تھے۔

حدیث میں مذکورہ دعاء "دعائے طویل" کہلاتی ہے یہ دعا اکثر مشائخ کے معمول میں داخل ہے اسے تہجد کے بعد بھی پڑھنا ثابت ہے۔ اس دعا کی بڑی عظمت و فضیلت اور برکت ہے چنانچہ حضرت شیخ امام شہاب الدین سہروردیؒ نے "عوارف" میں لکھا ہے کہ جس شخص کو بھی میں نے اس دعا پر مواظبت و مداومت کرتے دیکھا ہے اس کے پاس ایک برکت محسوس ہوئی ہے۔

وتر کی تین رکعتیں ہیں

(۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقَظَ وَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكْعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَاۤءِ الْاٰيَاتِ ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ (ایک رات) سرور کائنات ﷺ کے ہاں سوئے چنانچہ (انہوں نے بیان کیا کہ) آپ ﷺ رات میں بیدار ہوئے، مسواک کی اور وضو کیا پھر یہ آیت پڑھی اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آخر سورہ تک، اس کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام، رکوع اور سجود کو طویل کیا پھر (دو رکعت نماز سے) فارغ ہو کر سو گئے اور خراٹے لینے لگے، تین مرتبہ آپ ﷺ نے اسی طرح کیا (یعنی دو رکعت مذکورہ طریقہ پر پڑھ کر لیٹ جاتے پھر اٹھ کر دو رکعت پڑھتے اور پھر لیٹ جاتے) اس طرح آپ ﷺ نے تین مرتبہ میں چھ رکعتیں پڑھیں اور تینوں مرتبہ میں سے ہر بار آپ ﷺ مسواک بھی کرتے وضو بھی کرتے اور آیتیں بھی پڑھتے تھے۔ پھر آخر میں آپ ﷺ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں۔" (مسلم)

تشریح: یہ حدیث بصراحت اس بات کی دلیل ہے کہ وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے۔ گو حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہو سکتی ہے لیکن اس حد تک تو وہ بھی حنفیہ ہی کے ساتھ ہیں کہ ان کے نزدیک بھی وتر کے لئے صرف ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت

(۱۰) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ اَنَّهٗ قَالَ لَاَرْمُقَنَّ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً

رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَاَفْرَادِهٖ مِنْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَمُوَطَّأ مَالِكٍ وَسُنَنِ اَبِيْ دَاوُدَ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ۔

"اور حضرت زید بن خالد جہنیؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ میں نے ارادہ کیا کہ) میں آج کی رات سرور کائنات ﷺ کی نماز کو دیکھتا رہوں گا چنانچہ (میں نے دیکھا کہ) پہلے آپ ﷺ نے دو رکعتیں ہلکی پڑھیں پھر دو رکعتیں طویل طویل سی پڑھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں جو ان دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں جو آپ ﷺ نے ان سے پہلے پڑھی تھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی جانے والی دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے وتر پڑھے اور یہ سب تیرہ رکعتیں ہو گئیں (مسلم) اور زید کا یہ قول کہ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں سے کم تھیں، صحیح مسلم میں حمیدی کی کتاب میں کہ جس میں انہوں نے فقط مسلمؒ کی ہی روایتیں نقل کی ہیں اور موطا امام مالکؒ، سنن ابی داؤد، نیز جامع الاصول سب میں چار مرتبہ منقول ہے۔"

تشریح: اس حدیث سے صریحی طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھی تھیں یا ایک ہی رکعت پڑھی تھی، کیونکہ اگر دو رکعتیں ہلکی اس نماز میں شمار نہ کی جائیں تو وتر کی تین رکعتیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر ان دونوں رکعتوں کو بھی اس نماز میں شامل کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وتر کی ایک ہی رکعت پڑھی گئی تھی۔ تاہم صحیح اور ظاہر یہی ہے کہ دونوں ہلکی رکعتیں اس نماز میں شامل نہیں تھیں اس طرح آپ ﷺ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں۔

حمیدی کی کتاب "جمع بین الصحیحین" میں تین قسم کی احادیث منقول ہیں۔ ① متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم دونوں کی روایتیں۔ ② افراد بخاری یعنی وہ روایتیں جنہیں صرف بخاریؒ نے نقل کیا ہے۔ ③ افراد مسلم۔ یعنی وہ روایتیں جنہیں صرف مسلمؒ نے نقل کیا ہے۔ لہٰذا روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا متن صحیح مسلم میں چار مرتبہ منقول ہے اسی طرح کتاب حمیدی کہ جس میں صرف مسلم کی روایات منقول ہیں۔ موطا، امام مالکؒ، سنن ابی داؤد اور جامع الاصول میں بھی چار ہی مرتبہ منقول ہے۔ مؤلف مشکوۃ نے اس چیز کو یہاں اتنی شد و مد اور مبالغہ کے ساتھ اس لئے بیان کیا ہے کہ صاحب مصابیح کا رد ہو جائے کہ انہوں نے اس عبارت کو تین مرتبہ نقل کیا ہے جس کی بنا پر رکعتوں کی تعداد گیارہ رہ جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ آخر عمر میں نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے

⑪ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَدَّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَقُلَ كَانَ اَكْثَرُ صَلَاتِهٖ جَالِسًا۔ (متفق علیہ)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب عمر کے آخری حصّہ میں پہنچے اور (بڑھاپے کی وجہ سے) بدن بھاری ہو گیا تو آپ ﷺ اکثر نفل نمازیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

نماز تہجد میں آنحضرت ﷺ کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟

⑫ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِيْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرِنُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عِشْرِيْنَ سُوْرَةً مِّنْ اَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلٰى تَالِيْفِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ سُوْرَتَيْنِ فِيْ رَكْعَةٍ اٰخِرُهُنَّ حٰمٓ الدُّخَانُ وَعَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو سورتیں آپس میں ہم مثل ہیں اور سرور کائنات ﷺ جنہیں جمع کرتے تھے میں انہیں جانتا ہوں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی ترتیب کے مطابق بیس سورتیں جو مفصل کے اول میں ہیں گن کر بتائیں۔ آنحضرت ﷺ ان

سورتوں کو اس طرح جمع کرتے تھے کہ ایک ایک رکعت میں دو دو سورتیں پڑھا کرتے تھے اور (ان بیس سورتوں میں) آخری دو سورتیں حٰمٓ الدُّخَانُ اور عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "آپس میں ہم مثل سورتوں" سے مراد وہ سورتیں ہیں جو طوالت و اختصار میں آپس میں برابر ہیں۔ مفصّل کا مطلب باب القراء ۃ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ قول مشہور کے مطابق سورۂ حجرات سے آخر تک کی سورتوں کو "مفصّل" کہتے ہیں۔ وہ سورتیں جو آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترتیب کے مطابق کہ جنہوں نے کلام اللہ کو جمع کیا تھا، یکجا کیا تھا، ان بیس سورتوں کی تفصیل ابوداؤد میں اس طرح مذکور ہے:

آنحضرت ﷺ ایک ایک رکعت میں دو، دو سورتیں (اس طرح) پڑھا کرتے تھے کہ سورۂ رحمن اور سورۂ نجم ایک رکعت میں، اقتربت الساعة اور الحاقه ایک رکعت میں، طور اور ذاریات ایک رکعت میں، اذا وقعت الواقعة اور سورۂ نون ایک رکعت میں، سال سائل اور والنازعات ایک رکعت میں، ویل للمطففین اور عبس ایک رکعت میں، مدثر اور مزمل ایک رکعت میں، هل اتی اور لا اقسم بیوم القیامة ایک رکعت میں، عم یتساءلون اور مرسلات ایک رکعت میں، دخان اور اذا الشمس کورت ایک رکعت میں، ابوداؤد نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ ترتیب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جمع کرنے کے مطابق ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ طریقہ کے مطابق آنحضرت ﷺ سورۂ دخان اور عم یتساءلون ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں سورتیں نہ صرف یہ کہ ہم مثل اور آپس میں برابر نہیں ہیں بلکہ اس طرح حدیث کے اس آخری جزء اور حدیث کے ظاہری معنی و مفہوم میں مطابقت نہیں رہے گی، چنانچہ اس جزء کی توضیح یہ کی جائے گی کہ حدیث کے ان الفاظ کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ "ان بیس سورتوں میں کی آخری سورتیں حم الدخان اور اس کے ہم مثل یعنی اذا الشمس کورت اور عم یتساءلون اور اس کے ہم مثل یعنی والمرسلات ہیں"۔ اس کا مطلب اب یہ ہو جائے گا کہ آپ ﷺ ایک رکعت میں حم الدخان اور اذا الشمس کورت پڑھتے تھے جو ہم مثل اور برابر کی سورتیں ہیں اسی طرح ایک رکعت میں عم یتساءلون اور والمرسلات پڑھتے تھے جو ہم مثل اور برابر کی سورتیں ہیں۔

قرآن پڑھنے کی ترتیب: علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ قرآن کریم اسی ترتیب کے مطابق پڑھا جائے جو اب مروج ہے کسی دوسری ترتیب کے مطابق نہ پڑھا جائے، ہاں بچوں کو ضرورتاً یعنی تعلیم وغیرہ کی وجہ سے آخر کی طرف سے بھی پڑھا دینا جائز ہے اور اگر نماز میں خلاف ترتیب قرآن پڑھا جائے گا تو یہ خلاف اولیٰ ہوگا بلکہ بعض علماء کے نزدیک تو یہ مکروہ ہے چنانچہ حضرت امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے۔

پہلی رکعت میں سورۂ والناس پڑھ لینے کا مسئلہ: اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی رکعت میں سورۂ والناس پڑھ لے تو دوسری میں کیا پڑھے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس شکل میں دوسری رکعت میں بھی سورۂ والناس ہی پڑھنی چاہیے، لیکن حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر پہلی رکعت میں سورۂ والناس پڑھی گئی ہے تو دوسری رکعت میں سورۂ بقرہ شروع کر دی جائے اس طرح کہ الٓمٓ سے لے کر مفلحون تک کی آیتیں پڑھی جائیں، ایک روایت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی یہی منقول ہے بلکہ یہی قول زیادہ اولیٰ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت

⑬ عَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ فَكَانَ یَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلَاثًا ذُوالْمَلَكُوْتِ

وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظْمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهٗ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهٗ نَحْوًا مِّنْ رُكُوْعِهٖ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهٗ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِّنْ سُجُوْدِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَاٰلِ عِمْرَانَ وَالنِّسَآءَ وَالْمَائِدَةَ اَوِ الْاَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت حذیفہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے سرور کائنات ﷺ کو رات میں (تہجد کی) نماز پڑھتے دیکھا ہے چنانچہ (ان کا بیان ہے کہ) آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر یہ کہا ذوالملکوت والجبروت والکبریاء والعظمۃ (اللہ تعالیٰ، ملک، غلبہ، بڑائی اور بزرگی کا مالک ہے) اس کے بعد آپ ﷺ نے سبحانک اللھم پڑھ کر سورۂ بقرہ کی قرأت فرمائی اور اس کے بعد رکوع کیا آپ ﷺ کا رکوع (تقریباً) قیام کے برابر تھا، رکوع میں آپ نے سبحان ربی العظیم کہا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور آپ ﷺ کا کھڑا ہونا یعنی قومہ (تقریباً) آپ ﷺ کے رکوع کے برابر تھا اور (رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد) آپ ﷺ کہتے لِرَبِّيَ الْحَمْدُ (میرے پروردگار ہی کے لئے ساری تعریف ہے) پھر سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے سجدہ کی مقدار آپ کے قومہ کے برابر تھی اور سجدہ میں آپ ﷺ کہتے سبحان ربی الاعلی پھر آپ ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور آپ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان (یعنی جلسہ میں) اپنے سجدے کے برابر بیٹھتے اور یہ کہتے رب اغفر لی رب اغفر لی (اے میرے رب میری بخشش کر اے میرے رب مجھے بخش دے) اسی طرح آپ ﷺ نے چار رکعتیں پڑھیں۔ اور ان (چاروں رکعتوں میں) سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ یا سورۂ انعام پڑھیں (حدیث کے راوی شعبہؒ کو شک واقع ہو گیا ہے (کہ حدیث میں آخری سورۃ مائدہ کا ذکر کیا گیا تھا یا انعام کا)۔"

تشریح: "آپ کا رکوع قیام کے برابر تھا" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حقیقۃً آپ ﷺ کا رکوع تقریباً قیام کے برابر تھا، یا یہ کہ آپ ﷺ رکوع میں اتنی ہی دیر تک رہتے تھے جتنی دیر تک قیام کرتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ نے معمول سے کچھ زیادہ قیام کو طویل کیا تھا اسی طرح رکوع کو بھی مقدار معمول سے زیادہ دراز کیا، ہاں کبھی دونوں یعنی قیام اور رکوع برابر بھی ہوتے تھے جیسا کہ نسائیؒ نے حضرت عوف بن مالکؓ کی روایت نقل کی ہے۔

"رب اغفرلی" دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اس سلسلہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ ﷺ رب اغفرلی دو مرتبہ کہتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے احتمال دو سے زائد بہت مرتبہ کہنا ہو۔ واللہ اعلم۔

نماز تہجد میں زیادہ قیام کی فضیلت

(۱۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَامَ بِعَشْرِ اٰيَاتٍ لَّمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِاَلْفِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص دس آیتوں کے (پڑھنے کے) ساتھ قیام کرے تو وہ غافلین میں شمار نہیں کیا جاتا (یعنی اس کا نام صحیفہ غافلین میں نہیں لکھا جاتا) اور جو شخص سو آیتوں کے (پڑھنے کے) ساتھ قیام کرے تو اس کا نام فرمانبرداروں میں لکھا جاتا ہے اور جو شخص ہزار آیتوں کے (پڑھنے کے) ساتھ قیام کرے تو اس کا نام بہت زیادہ ثواب پانے والوں میں لکھا جاتا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص تہجد کی نماز میں دس، سو یا ہزار آیتوں کی قراءت ترتیل اور اطمینان کے ساتھ کرے تو اسے مذکورہ بالا ثواب اور سعادت کی فضیلت حاصل ہوگی اور اگر کوئی شخص اپنی نماز میں دس آیتیں پڑھے گا تو فضیلت و ثواب کے اعتبار سے وہ آدمی اس

سے کمتر ہوگا جو سو آیتیں اپنی نماز میں پڑھے گا، اسی طرح جو شخص سو آیتیں اپنی نماز میں پڑھے گا تو وہ فضیلت و سعادت کے اعتبار سے اس شخص سے کم تر ہوگا جو اپنی نماز میں ایک ہزار آیتوں کی قراءت کرے گا۔

اس موقع پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اوّل تو یہ کہ آیتوں کی مذکورہ تعداد ایک رکعت میں پڑھنے کا اعتبار ہوگا یا ایک سے زائد رکعت میں یہ تعداد پڑھی جائے۔

دوم یہ کہ یہ تعداد سورۂ فاتحہ کی آیتوں کو شامل ہے یا اس کے علاوہ ہے۔

پہلے سوال کے متعلق علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آیتوں کی مذکورہ تعداد دو یا دو سے زیادہ رکعتوں میں پڑھی جائے۔

دوسرے سوال کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ تو یہی مراد بتاتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ دس آیتیں ہوں لیکن صحیح اور ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں مذکورہ ثواب اس شکل میں بھی حاصل ہوتا ہے کہ مذکورہ تعداد سورۂ فاتحہ کو شامل کر کے پڑھی جائے بایں طور کہ سات آیتیں تو سورۂ فاتحہ کی ہو جائیں گی اور تین آیتیں مزید کہ جو نماز کی قراءت کا ادنیٰ درجہ ہے۔

قانتین کے معنی ہیں اطاعت پر مواظبت اور مداومت کرنے والے یا عبادت خداوندی میں قیام (یعنی کھڑے ہونے) کو طویل کرنے والے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نماز میں سو آیتیں پڑھتے ہیں ان کا نام اطاعت خداوندی پر مواظبت و مداومت کرنے والوں میں لکھا جاتا ہے۔ یا عبادت خداوندی میں قیام کو طویل کرنے والوں کی جماعت میں لکھا جاتا ہے جو انتہائی سعادت اور خوش بختی کی بات ہے۔

علامہ طیبی کے الفاظ سے جو اس حدیث کی تشریح میں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے، دن یا رات کے ساتھ مقید نہیں ہے یعنی خواہ کوئی سی بھی نماز ہو، دن کی ہو یا رات کی ہو جس نماز میں بھی آیتوں کی مذکورہ تعداد پڑھی جائے گی، ثواب حاصل ہوگا، تاہم علامہ بغوی نے اس حدیث کو کامل ترین موقعہ پر یعنی باب "صلاۃ اللیل" میں نقل کر کے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ رات میں یعنی تہجد کی نماز میں مذکورہ تعداد میں جو آیتیں پڑھی جائیں گی تو اس کا ثواب بہت زیادہ حاصل ہوگا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ "قیام کرنا" اس بات سے کنایہ ہے کہ مذکورہ تعداد میں آیتیں یاد کی جائیں اور انہیں ہر وقت پڑھا جائے نیز یہ کہ ان کے معنی و مقاصد میں غور و فکر اور ان پر عمل کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

نماز تہجد میں آنحضرت ﷺ کی قراءت کا طریقہ

⑮ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَتْ قِرَآءَۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاللَّیْلِ یَرْفَعُ طَوْرًا وَیَخْفِضُ طَوْرًا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رات کی نماز میں سرور کائنات ﷺ کی قراءت مختلف ہوتی تھی۔ کبھی تو آپ ﷺ بلند آواز سے قراءت فرماتے اور کبھی پست آواز سے۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جیسا وقت اور موقع دیکھتے اسی کے مطابق قراءت فرماتے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر آپ ﷺ تنہا ہوتے، اور دوسروں کی نیند خراب ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ باآواز بلند قراءت فرماتے تھے اور اگر آس پاس کوئی سویا ہوا ہوتا تو پھر آپ ﷺ اس کی نیند اچاٹ ہونے کے خوف سے قراءت پست آواز سے فرماتے تھے۔

⑯ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَتْ قِرَآءَۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی قَدْرِ مَا یَسْمَعُہٗ مَنْ فِی الْحُجْرَۃِ وَھُوَ فِی الْبَیْتِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ اتنی آواز سے قراءت فرماتے تھے کہ اگر آپ ﷺ حجرہ کے اندر پڑھتے ہوتے تو باہر صحن میں موجود شخص سن لیتا تھا۔" (ابوداؤد)

تشریح: یعنی نہ تو آپ بہت زیادہ بلند آواز سے قراءت کرتے تھے اور نہ بالکل ہی پست آواز سے کہ کوئی سن بھی نہ سکے، بلکہ اتنی آواز سے

پڑھا کرتے تھے کہ اگر آپ ﷺ حجرہ کے اندر نماز پڑھتے ہوئے ہوتے تو وہ لوگ جو باہر صحن میں موجود ہوتے تھے آپ ﷺ کی قراءت سن لیتے تھے۔

اتنی بات جان لیجئے کہ قراءت کے سلسلے میں یہ جو کچھ بیان کیا جارہا ہے اس کا تعلق رات یعنی تہجد کی نماز سے ہے کیونکہ جب آپ ﷺ مسجد میں نماز پڑھتے تھے تو رات کی نماز کی بہ نسبت زیادہ بلند آواز سے قراءت فرماتے تھے۔

تہجد کی قراءت میں ابوبکرؓ و عمرؓ کا طریقہ

⑰ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ بِاَبِیْ بَكْرٍ يُصَلِّیْ وَيَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّیْ رَافِعًا صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَابَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَّاجَيْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَابَكْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اِخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا۔ (رواہ ابوداؤد وروی الترمذی نحوہ)

"اور حضرت ابوقتادہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرور کائنات ﷺ رات میں باہر نکلے تو ناگہاں حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے گزرے جو نماز میں پست آواز سے (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے، پھر آپ ﷺ حضرت عمرؓ کے پاس سے گزرے جو نماز میں بلند آواز سے (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے، ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ جب (صبح کو) حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یکجا (حاضر) ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ، ابوبکرؓ! (آج کی رات) ہم تمہارے پاس سے گزرے تو تم نماز میں پست آواز سے (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی یارسول اللہ! میں جس سے مناجات کر رہا تھا اسے ہی سنا رہا تھا (یعنی میں اپنے پروردگار کی مناجات میں مشغول تھا اور وہ سننے کے لئے بلند آواز کا محتاج نہیں ہے وہ ہر طرح سے سنتا ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ، عمرؓ! (آج کی رات) ہم تمہارے پاس سے (بھی) گزرے تھے تم نماز میں باآواز بلند (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! میں (باآواز بلند قرآن کریم پڑھ کر ان) سوئے ہوئے لوگوں کو جگاتا تھا (جو عبادت خداوندی یعنی تہجد کے وقت اٹھنا تو چاہتے ہیں مگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے ان کی آنکھیں کھل نہیں پاتیں) اور شیطان کو بھگاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے (دونوں کی باتیں سن کر حضرت ابوبکرؓ سے) فرمایا کہ، ابوبکر! تم اپنی آواز کو کچھ اور بلند کرو اور (حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ) عمرؓ! تم اپنی آواز کو پست کرو یعنی اس طرح آنحضرت ﷺ نے حد اعتدال کی طرف دونوں کی راہنمائی فرمائی۔" (ابوداؤد، ترمذی)

آنحضرت ﷺ ایک آیت پڑھتے ہوئے تمام رات کھڑے رہے

⑱ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَصْبَحَ بِاٰيَةٍ وَالْاٰيَةُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (رواہ النسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک رات نماز تہجد میں) سرور کائنات ﷺ صبح تک کھڑے رہے اور یہ آیت پڑھتے رہے۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اگر تو انہیں بخش دے تو بڑا حکمت والا ہے۔" (نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن باری تعالیٰ کے حضور اپنی اُمت کے حق میں یہ آیت عرض کریں گے اور رحمت دو عالم شافع محشر، سرکار دو عالم ﷺ نے تہجد کے وقت اپنی اُمت کے حسب حال یہ آیت پڑھی یعنی پروردگار کے حضور آپ ﷺ نے اپنی

اُمت کا حال عرض کیا اور خدا کی بخشش کے طلب گار ہوئے، صدقہ جایئے سرکار ﷺ کے (آپ ﷺ پر میری جان قربان) کہ نماز تہجد میں کھڑے ہونے کے وقت سے لے کر صبح تک بار بار یہی دعا آپ ﷺ پڑھتے اور اپنی اُمت کی مغفرت و بخشش چاہتے رہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم الف الف صلوٰۃ۔

فجر کی سنتیں پڑھ کر داہنی کروٹ پر لیٹنا چاہئے

⑲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَلْیَضْطَجِعْ عَلٰی یَمِیْنِهٖ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی سُنّت کی دو رکعتیں پڑھ لے تو اسے چاہئے کہ جماعت شروع ہونے تک اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ رہے۔" (ترمذی و ابوداؤد)

تشریح: فجر کی سنتیں پڑھ کر جماعت شروع ہونے تک داہنی کروٹ پر لیٹ رہنے کی توجیہ بعض حنفی علماء نے یہ بیان کی ہے کہ نماز تہجد اور رات میں عبادت خداوندی میں مشغول رہنے کی وجہ سے چونکہ سستی اور طبیعت میں گرانی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے فجر کی سنتیں پڑھ کر تھوڑی دیر لیٹ رہنے کا حکم دیا تاکہ کسل و سستی ختم ہو جائے اور کچھ راحت و سکون حاصل ہو جائے جس کی وجہ سے فرض نماز اطمینان و سکون اور قلب و دماغ کی بشاشت و فرحت کے ساتھ ادا ہو۔

ابن مالک فرماتے ہیں کہ جو شخص رات میں خدا کی عبادت میں مشغول رہتا ہے اور نماز تہجد پڑھتا ہے اس شخص کے حق میں یہ (یعنی فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد داہنی کروٹ پر لیٹ جانے کا حکم) امر استحباب ہے۔

حضرت سید زکریاؒ جن کا شمار حنفیہ کے یہاں علم حدیث کے مشائخ میں ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ لائق اور بہتر یہ ہے کہ یہ طریقہ (یعنی سُنّت پڑھ کر داہنی کروٹ پر لیٹنا) پوشیدہ طور پر اختیار کرے یعنی گھر میں ایسا کرے۔ مسجد میں لوگوں کے سامنے نہ کرے، نیز یہ کہ یہ لیٹنا محض لیٹنے کی حد تک رہے اور اپنے آپ کو نیند سے بچائے، ایسا نہ ہو کہ لیٹ کر سو جائے اور اٹھ کر جماعت میں شریک ہو اور اس طرح فرض نماز بغیر وضو پڑھ لے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

مداومت عمل

⑳ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ اَیُّ الْعَمَلِ کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الدَّائِمُ قُلْتُ فَاَیَّ حِیْنٍ کَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ قَالَتْ کَانَ یَقُوْمُ اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ میں نے اُم المؤمنین عائشہؓ سے دریافت کیا کہ سرور کونین ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون سا عمل تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مداومت عمل۔ میں نے پھر (یہ) پوچھا کہ رات میں تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے آپ ﷺ کس وقت کھڑے ہوتے تھے؟ فرمایا کہ آپ ﷺ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مرغ کی آواز سنتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "مداومت عمل" کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیک اور بامقصد عمل جس کو کرنے والا ہمیشہ پابندی کے ساتھ کرتا رہے اور جیسا کہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ اگرچہ وہ عمل قلیل ہی کیوں نہ ہو۔

ہمارے اطراف میں تو عام طور پر مرغ رات کے بالکل آخری حصہ یعنی صبح کے قریب بولتے ہیں مگر عرب میں عمومی طور پر آدھی رات

کے بعد مرغ بولتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ مرغ کے بولنے کی آواز سن کر اٹھتے تھے اور اس وقت تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کا رات کا معمول

(۲۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا كُنَّا نَشَآءُ اَنْ نَّرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَأَيْنَاهُ وَلَا نَشَآءُ اَنْ نَّرَاهُ نَائِمًا اِلَّا رَأَيْنَاهُ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں، اگر ہم چاہتے کہ سرور کونین ﷺ کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں تو آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے ہی دیکھتے تھے اور اگر یہ چاہتے کہ آنحضرت ﷺ کو سوتے ہوئے دیکھیں تو آپ ﷺ کو سوتے ہوئے ہی دیکھتے تھے۔" (نسائی)

تشریح: حضرت انسؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ رات میں تہجد وغیرہ پڑھنے کے سلسلہ میں معتدل رویہ اختیار فرماتے تھے، نہ تو تمام رات تہجد وغیرہ ہی میں گزار دیتے تھے اور نہ تمام رات سوتے ہی رہتے تھے بلکہ آپ ﷺ ہر رات میں سوتے بھی تھے اور تہجد وغیرہ کی نماز بھی پڑھتے تھے۔

لہٰذا آپ ﷺ چونکہ نماز تہجد وغیرہ کے لئے نہ تو تمام رات بیدار ہی رہتے تھے اور نہ تمام رات سوتے ہی رہتے تھے اس لئے آپ ﷺ رات میں نماز تہجد وغیرہ میں مشغول بھی دیکھے جاتے تھے اور سوتے ہوئے بھی آپ ﷺ کو دیکھا جاتا تھا۔

(۲۲) وَعَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ وَاَنَا فِيْ سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَاَرْقُبَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ حَتّٰى اَرٰى فِعْلَهٗ فَلَمَّا صَلّٰى صَلٰوةَ الْعِشَآءِ وَهِيَ الْعَتَمَةُ اضْطَجَعَ هَوِيًّا مِنَ اللَّيْلِ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَنَظَرَ فِي الْاُفُقِ فَقَالَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا حَتّٰى بَلَغَ اِلٰى اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ثُمَّ اَهْوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاسْتَلَّ مِنْهُ سِوَاكًا ثُمَّ اَفْرَغَ فِيْ قَدَحٍ مِّنْ اِدَاوَةٍ عِنْدَهٗ مَاءً فَاسْتَنَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى حَتّٰى قُلْتُ قَدْ صَلّٰى قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى قُلْتُ قَدْ نَامَ قَدْرَ مَا صَلّٰى ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ كَمَا فَعَلَ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ الْفَجْرِ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت حمید بن عبدالرحمن بن عوفؒ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ کے ایک صحابی نے بیان کیا کہ (ایک مرتبہ) جب کہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھا تو (اپنے دل میں یا اپنے بعض احباب سے) کہا کہ خدا کی قسم! آنحضرت ﷺ (جب تہجد کے لئے اٹھیں گے تو آپ ﷺ) کو میں نماز کے وقت دیکھتا رہوں گا تاکہ میں آپ ﷺ کے افعال دیکھوں (اور پھر اسی کے مطابق عمل کروں) چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے عشاء کی نماز کہ جسے عتمہ کہتے ہیں پڑھ لی تو لیٹ گئے (اور کچھ دیر آرام کیا، پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ آیت رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا پڑھی یہاں تک کہ آپ ﷺ اس آیت تک پہنچے اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ بے شک تو وعدہ سے پھرا نہیں کرتا۔ پھر آپ ﷺ اپنے بستر کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں سے مسواک نکالی، اس کے بعد ایک چھاگل میں سے جو آپ ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھی (وضو کرنے یا مسواک تر کرنے کے لئے) پیالہ میں پانی نکالا پھر مسواک کرنے کے بعد (وضو کر کے یا پہلے کئے ہوئے وضو کے ساتھ نماز پڑھنے) کھڑے ہوگئے اور (جب) آپ ﷺ نے نماز پڑھ لی، میں نے (دل میں) کہا کہ جتنی دیر آپ سوئے تھے اتنی ہی دیر اب آپ ﷺ نے نماز پڑھی پھر آپ ﷺ لیٹ گئے اور میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ جتنی دیر آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی اتنی ہی دیر سوئے، پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے اور جو کچھ پہلے کیا تھا وہی اب کیا یعنی مسواک وغیرہ کی اور جو کچھ (یعنی آیت مذکورہ) پہلے پڑھا تھا وہی اب پڑھا، آنحضرت ﷺ نے نماز فجر سے پہلے اسی طرح تین مرتبہ کیا۔" (نسائی)

تشریح: آیت پڑھنے کے سلسلہ میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس رات میں مذکورہ آیت اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ

الْمِيْعَادَ تک ہی پڑھی ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ نے یہ آیتیں آخر سورہ تک پڑھی ہوں گی مگر سننے والے نے انک لاتخلف المیعاد کے بعد کی آیتیں نہیں سنی ہوں گی۔

اسی طرح اس حدیث میں اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث نمبر آٹھ میں تطبیق بھی پیدا ہو جائے گی جس سے معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آخر سورۃ تک تلاوت کی تھی۔

(۲۳) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُمَلَّكٍ اَنَّهُ سَأَلَ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِرَآءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَاتِهِ فَقَالَتْ وَمَا لَكُمْ وَصَلَاتِهِ كَانَ يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰى ثُمَّ يُصَلِّي قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰى ثُمَّ يُصَلِّي قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰى حَتّٰى يُصْبِحَ ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَآءَتَهُ فَاِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَآءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

"اور حضرت یعلی بن مملک کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) حضرت اُمّ سلمہؓ زوجہ مطہرہ سرور کونین ﷺ سے آنحضرت ﷺ کی قراءت اور نماز کے بارہ میں پوچھا (جو آپ ﷺ رات میں پڑھتے تھے) انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی نماز (اور قراءت بیان کرنے) سے تمہیں کیا (حاصل ہو گا تم میں اتنی قوت کہاں کہ آپ ﷺ کے برابر قراءت کر سکو اور آپ ﷺ کی طرح نماز پڑھ سکو، اور اگر سننا ہی چاہتے ہو تو سنو کہ) آپ نماز پڑھتے، پھر جتنی دیر تک آپ ﷺ نماز پڑھتے اتنی ہی دیر تک سوتے، پھر (اٹھ کر) اتنی ہی دیر تک نماز پڑھتے جتنی دیر تک سو چکے ہوتے پھر جتنی دیر تک آپ ﷺ نماز پڑھتے اتنی ہی دیر تک سوتے یہاں تک کہ (یہ سلسلہ جاری رہتا اور) صبح ہو جاتی، اس کے بعد حضرت اُمّ سلمہؓ نے آپ ﷺ کی قراءت بیان کی یہاں تک کہ انہوں نے خوب واضح اور ایک ایک حرف قراءت کا بیان کیا۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ)

بَابُ مَا يَقُوْلُ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ

آنحضرت ﷺ رات کی نماز میں جو کچھ پڑھتے تھے اس کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نماز تہجد میں آنحضرت ﷺ کی دعا

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاءُكَ حَقٌّ وَّقَوْلُكَ حَقٌّ وَّالْجَنَّةُ حَقٌّ وَّالنَّارُ حَقٌّ وَّالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَّمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب رات میں تہجد (کی نماز) پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو یہ (دعا) پڑھتے اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ

اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَّقَوْلُكَ حَقٌّ وَّالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَّمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِیْ مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُكَ (اے میرے رب تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں تو ہی آسمانوں اور زمین کو قائم رکھنے والا ہے اور اس چیز کو جو ان کے درمیان ہے اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو ہی زمین و آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہیں سب کو روشن کرنے والا ہے اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں اور تو ہی زمین و آسمانوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا بادشاہ ہے اور سب تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو ہی حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیری ملاقات حق ہے تیرا کلام حق ہے بہشت حق ہے، دوزخ حق ہے، تمام نبی حق ہیں، محمد ﷺ حق ہیں اور قیامت حق ہے، اے پروردگار! میں تیرا تابعدار ہوں، میں نے تیرے تمام احکامات قبول کئے، میں تجھ پر ایمان لایا اور تجھی پر بھروسہ کیا، تیری طرف میں نے رجوع کیا، تیری ہی مدد سے میں (دین کے) دشمنوں سے جھگڑتا ہوں اور تیرے ہی پاس اپنی فریاد لایا ہوں، پس تو میرے ان گناہوں کو بھی بخش دے جو میں نے پہلے کئے ہیں اور ان گناہوں کو بھی جو بعد میں مجھ سے سرزد ہوں گے نیز ان گناہوں کو بھی (بخش دے) جو میں نے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر کئے اور جو کچھ میری خطائیں ہیں جنہیں تو ہی مجھ سے بہتر جانتا ہے (سب کو معاف کردے) اور تو ہی (جسے چاہے) آگے کرنے والا اور پیچھے ڈال دینے والا ہے تو ہی معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"
(بخاری و مسلم)

تشریح: ظاہر تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ دعا افتتاح یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد یا رکوع کے بعد قومہ میں پڑھتے تھے جیسا کہ بعض روایتوں میں اس کی تصریح ہے۔

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ اِفْتَتَحَ صَلَاتَهٗ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِیْلَ وَمِیْكَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب رات میں کھڑے ہوتے اور (تہجد کی) نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِیْلَ وَمِیْكَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اے اللہ! اے پروردگار جبریل، میکائیل، اسرافیل کے! اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے اور اے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اس چیز میں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں فیصلہ کرے گا، اے اللہ امر حق میں جو اختلاف کیا گیا ہے اس میں میری راہنمائی کر، کیونکہ جسے تو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔" (مسلم)

نیند سے بیدار ہونے کے بعد کی تسبیح اور اس کی فضیلت

(۳) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّیْلِ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ اَوْقَالَ ثُمَّ دَعَا اُسْتُجِیْبَ لَهٗ فَاِنْ تَوَضَّأَ وَصَلّٰى قُبِلَتْ صَلَاتُهٗ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جو شخص رات میں بیدار ہو تو یہ تسبیح پڑھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ

وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس کے لئے بادشاہت ہے اور اس کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور پاک ہے اللہ، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اور گناہوں سے بچنا اور عبادت کی قوت اللہ کی مدد سے ہے) اور اس کے بعد یہ کہے رَبِّ اغْفِرْلِیْ (اے میرے رب بخش دے) یا فرمایا کہ پھر دعا کرے (یعنی راوی کو شک واقع ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خاص طور پر رَبِّ اغْفِرْلِیْ پڑھنے کو فرمایا یہ فرمایا کہ جو دعا چاہے پڑھے) اس کی دعا قبول کی جائے گی، پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔" (بخاری)

تشریح: "تعار" کے معنی بعض نے نیند سے بیدار ہونے اور بعض نے کروٹ لینے کے لکھے ہیں اور ابن مالکؒ نے اس کے معنی آواز کے ساتھ جاگنے کے لکھے ہیں جیسا کہ بیدار ہونے کے وقت منہ سے آواز نکلتی ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اسے پسند اور بہتر قرار دیا ہے کہ جاگنے کے بعد جو آواز منہ سے نکلے وہ تسبیح وغیرہ کی آواز ہو چنانچہ اللہ سے تعلق رکھنے والے جب نیند سے بیدار ہوتے ہیں تو ان کے منہ سے کلمہ یا اسی قسم کی تسبیح و دعا کی آواز نکلتی ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس دعا کو جو نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے "درھم الکیس" کہتے ہیں یعنی جس طرح کوئی شخص درہم و روپیہ تھیلی میں رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے اس میں سے نکالتا ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اسی طرح یہ دعا ہے جو مؤمن کے قلب و دماغ میں محفوظ رہتی ہے جب وہ نیند سے بیدار ہوتا ہے اور یہ دعا اس کے منہ سے نکلتی ہے تو وہ بارگاہ رب العزت میں قبولیت کا درجہ پاتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

جاگنے کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَیْقَظَ مِنَ اللَّیْلِ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَاَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب رات میں (نیند سے) بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَاَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، اے اللہ! میں تیری تعریف کے ساتھ تیری تسبیح کرتا ہوں، اپنے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا طلبگار ہوں۔ اے اللہ! میرے علم میں زیادتی عطا فرما اور مجھے ہدایت یافتہ بنانے کے بعد (حق سے باطل کی طرف) میرے دل میں کجروی پیدا نہ ہونے دے اور اپنے پاس سے میرے لئے (ایمان و ہدایت پر ثابت قدمی اور دینی توفیق کی) رحمت عطا فرما بے شک تو ہی بخشنے والا ہے۔"

رات میں بیداری کے بعد ذکر اللہ کی فضیلت

(۵) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُّسْلِمٍ یَبِیْتُ عَلٰی ذِکْرٍ طَاهِرًا فَیَتَعَارُّ مِنَ اللَّیْلِ فَیَسْأَلَ اللّٰهَ خَیْرًا اِلَّآ اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِیَّاهُ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت معاذ بن جبلؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا، جو بھی مسلمان رات میں پاکی کی حالت میں (یعنی وضو یا تیمّم کر کے) ذکر

اللہ کرتا ہوا سو جائے اور پھر رات میں بیدار ہونے کے بعد خدا سے بھلائی کی دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے (دنیا یا آخرت میں ضرور ہی) بھلائی دیتا ہے۔" (احمد، ابوداؤد)

نماز تہجد سے پہلے آنحضرت ﷺ کی تسبیح و دعا

⑥ وَعَنْ شَرِيْقِ الْهَوْزَنِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَسَأَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ اِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَتْ سَأَلْتَنِيْ عَنْ شَيْءٍ مَا سَأَلَنِيْ عَنْهُ اَحَدٌ قَبْلَكَ كَانَ اِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْرًا وَّحَمِدَ اللّٰهَ عَشْرًا وَّقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَشْرًا وَّقَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ عَشْرًا وَّاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ عَشْرًا وَّهَلَّلَ اللّٰهَ عَشْرًا ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَشْرًا ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت شریق الہوزنی فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ان سے پوچھا کہ سرور کونین ﷺ رات میں بیدار ہونے کے بعد (عبادت) کس چیز سے شروع کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ تم، نے مجھ سے (آج) وہ چیز پوچھی ہے جو تم سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھی (تو سنو کہ) آنحضرت ﷺ جب رات میں بیدار ہوتے تو (پہلے) اللہ اکبر دس مرتبہ الحمد للہ دس مرتبہ، سبحان اللہ وبحمدہ دس مرتبہ، سبحان الملک القدوس دس مرتبہ کہتے، دس مرتبہ استغفار کرتے، لا الہ الا اللہ دس مرتبہ کہتے اور دس مرتبہ یہ کہتے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (اے پروردگار! میں تجھ سے دنیا کی تنگی (یعنی سختیوں) اور آخرت کی تنگی سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نماز تہجد شروع فرماتے)" (ابوداؤد)

تشریح: صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے یہاں دس تسبیحات ہیں جو سات سات مرتبہ پڑھی جاتی ہیں اور جنہیں ان کی اصطلاح میں "مسبعات عشرہ" کہتے ہیں، اس حدیث میں سات تسبیحات ہیں جنہیں دس دس مرتبہ پڑھنا ذکر کیا گیا۔ چنانچہ صوفیاء کی اصطلاح "مسبعات عشرہ" کے مقابلہ میں محدثین کرام رحمہم اللہ کے یہاں اس حدیث میں مذکورہ تسبیحات اور ان کے اعداد کو "معشرات سبعہ" کہتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑦ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ، رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ اَبُوْدَاوُدَ بَعْدَ قَوْلِهٖ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثَلَاثًا وَفِيْ اٰخِرِ الْحَدِيْثِ ثُمَّ يَقْرَأُ۔

"حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب رات میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر یہ پڑھتے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ (اے اللہ تو پاک ہے ہم تیری حمد کرتے ہیں تیرا نام بابرکت ہے تیری بزرگی بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے) پھر اللہ اکبر کبیرا (اللہ بہت بڑا ہے بڑا) کہتے اور یہ دعا پڑھتے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ (میں اللہ سننے والے، جاننے والے کی شیطان مردود سے، اس کے وسوسے سے، اس کے تکبر سے اور اس کے برے شعر سکھانے سے پناہ مانگتا ہوں، (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) ابوداؤد نے اپنی روایت میں حدیث کے الفاظ ولا الہ غیرک کے بعد یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ پھر آپ ﷺ لا الہ الا اللہ تین مرتبہ کہتے اور آخر حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ پھر پڑھتے، یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ الخ پڑھنے کے بعد قراءت فرماتے۔"

⑧ وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبِ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ عِنْدَ حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ اَسْمَعُهٗ اِذَا قَامَ

مِنَ اللَّيْلِ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الْهُوِيَّ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ الْهُوِيَّ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهٗ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت ربیعہؓ بن کعب اسلمیؓ فرماتے ہیں کہ میں سرور کونین ﷺ کے حجرۂ مبارک کے قریب ہی رات بسر کیا کرتا تھا، چنانچہ میں آپ ﷺ کی آواز سنا کرتا تھا کہ جب آپ ﷺ رات میں (تہجد کی) نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دیر تک سُبْحَانَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (تمام عالم کا پروردگار پاک ہے) کہا کرتے تھے، پھر دیر تک کہتے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ (اللہ پاک ہے میں اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہوں) (نسائیؒ) ترمذیؒ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

بَابُ التَّحْرِيْضِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ

رات کے قیام پر رغبت دلانے کا بیان

قیام اللیل (رات کا قیام) کا مطلب ہے "رات میں عبادت خداوندی مثلاً نماز تہجد اور ذکر اللہ وغیرہ میں مشغول رہنا" اسی مناسبت سے "قائم اللیل" ان خوش نصیب اور باسعادت لوگوں کو کہا جاتا ہے جو راتوں کو اٹھ کر اپنے پروردگار کی عبادت اور اس کے ذکر و یاد میں مشغول رہتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

رات میں عبادت خداوندی سے روکنے کے لئے شیطان کی مکاریاں

① عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰى قَافِيَةِ رَأْسِ اَحَدِكُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ يَضْرِبُ عَلٰى كُلِّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِيْطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِيْثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا۔ "جب تم میں سے کوئی شخص (رات میں) سوتا ہے تو شیطا نمردود اس کے سر کی گدی پر تین گرہ لگاتا ہے۔ ہر گرہ پر (یہ کہہ کر) مارتا ہے (یعنی اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے) کہ "ابھی بہت رات باقی ہے سوتا رہ" لہٰذا اگر کوئی شخص (شیطان کے اس مکر میں نہیں آتا اور عبادت الٰہی کے لئے) جاگتا ہے اور (دل میں ہی یا زبان سے) اللہ کو یاد کرتا ہے تو (غفلت و سستی کی) ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر جب وہ وضو کرتا ہے تو (نجاست کی) دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اس کے بعد جب نماز پڑھتا ہے تو (کسالت و بطالت کی) تیسری گرہ (بھی کھل جاتی ہے چنانچہ ایسا شخص شاداں اور پاک نفس صبح کرتا ہے ورنہ تو (جو شخص نہ جاگتا ہے نہ ذکر کرتا ہے اور نہ وضو کر کے نماز ہی پڑھتا ہے تو وہ) کاہل اور پلید نفس صبح کر دیتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "گرہ" کے معنی و مراد کے تعین میں اختلاف ہے ابن مالکؒ کا قول یہ ہے کہ "گرہ" سے مراد "کسل و سستی کی گرہ" ہے یعنی شیطان اپنی مکاریوں کے ساتھ رات میں عبادت خداوندی کے لئے اٹھنے والوں کے کسل و سستی کا باعث ہوتا ہے۔

میرکؒ کے قول کے مطابق بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ "یہ حقیقت پر محمول ہے یعنی شیطان مردود واقعی سونے والے کی گدی پر گرہ لگا دیتا ہے جیسا کہ جادوگر جادو کرتے وقت کسی پر گرہ لگاتے ہیں اس کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جو مرقات میں منقول ہے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ مجاز پر محمول ہے، گویا گرہ لگانا جو ساحر کا فعل ہے کہ وہ اس کے ذریعہ مسحور کو اس کی مراد سے روک دیتا ہے

اس کے ساتھ سونے والے کو رات میں نماز پڑھنے اور ذکر اللہ میں مشغول ہونے سے شیطان کے روکنے کو مشابہت دی گئی ہے۔ یعنی جس طرح ایک ساحر سحر کے وقت کسی پر گرہ لگا کر اس کو اس کے مقاصد سے روک دیتے ہیں بایں طور کہ مسحور کی عملی قوتیں مفلوج ہو جاتی ہیں اسی طرح شیطان بھی رات میں سونے والوں کو اپنی مکاریوں کے ذریعہ ذکر اللہ اور نماز میں مشغول ہونے کے لئے اٹھنے سے روک دیتا ہے۔

کچھ علماء کا قول یہ ہے کہ "اس سے مراد دل کی گرہ اور شیطان کی طرف سے سونے والے کو ایک چیز پر مصمم اور قائم کرنا ہے یعنی شیطان سونے والے کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے اور اس بات کا اسے یقین دلاتا ہے کہ ابھی رات بہت باقی ہے، سو تارہ، لہٰذا شیطان کی فریب کاریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بیدار ہو کر نماز پڑھنے سے رک جاتا ہے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص رات میں شیطان کے مکر و فریب میں نہیں پھنستا اور اس کے بہکاوے میں نہیں آتا بلکہ وہ وقت پر اٹھ کر نماز تہجد اور ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس کے لئے صبح اپنی جلو میں شادمانی و خوش نصیبی اور پاک نفسی و پاکیزگی کی سعادتیں لئے ہوئے آتی ہے جس کی وجہ سے وہ تمام دن خدا کی رحمتوں کے سایہ میں رہتا ہے اور اس کے دل و دماغ ہر قسم کے خوف و خطر سے لاپرواہ ہو کر دین و دنیا کے امور میں اطمینان سے لگا رہتا ہے۔

اس کے برخلاف جو شخص رات میں شیطان کی عیاریوں کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے مکر کے جال میں پھنس جاتا ہے جس کی وجہ سے نہ تو وہ رات میں اٹھ کر ذکر اللہ کرتا ہے اور نہ ہی نماز تہجد میں مشغول ہوتا ہے بلکہ سویا رہتا ہے تو اس کے لئے صبح اپنے دامن میں کسالت و بطالت و غفلت و پلید نفسی کے غلیظ ڈھیر لے کر آتی ہے جس کی وجہ سے وہ تمام دن پلید نفس، غمگین دل، متفکر اور اپنے امور کی انجام دہی میں حیران و پریشان اور کسل مندر رہتا ہے یعنی سستی و غفلت کی وجہ سے وہ اپنے جس کام کو بھی کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس میں ناکام اور بددل رہتا ہے کیونکہ وہ شیطان کے مکر و فریب کے جال میں مقید اور قرب خداوندی کی رحمتوں سے دور ہوتا ہے۔

آنحضرت کی کثرت عبادت اداء شکر کے لئے ہوتی تھی

(۲) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے رات میں (نماز پڑھنے کے لئے) اس قدر قیام کیا (یعنی اتنی دیر تک کھڑے رہے) کہ آپ ﷺ کے مبارک پاؤں پر ورم آگیا (یہ حال دیکھ کر) آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں آپ ﷺ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "کیا میں اللہ کا شکر ادا کرنے والا بندہ نہ بنوں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے تمام گناہ بخش دیئے ہیں اور مجھے دین و دنیا کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہے تو کیا میرا حق یہی ہے کہ میں عبادت کی محنت و مشقت اٹھا کر اس خدا کا جس نے مجھے اپنی بیشمار رحمتوں اور نعمتوں سے سرفراز کیا ہے شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ نہیں بلکہ خدا نے مغفرت و بخشش کی جو نعمت مجھے عطا فرمائی ہے۔ اور اپنی جس لامحدود بے انتہا نعمتوں سے مجھے نوازا ہے اس کے پیش نظر میرا فرض ہے کہ میں اس کی خوشنودی و رضا حاصل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ محنت و مشقت اٹھاؤں اور زیادہ سے زیادہ عبادت کروں تاکہ اس کا شکر ادا کرنے والا بندہ بن جاؤں۔

عبادت کے بارہ میں حضرت علیؓ کا مقولہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات علم و فضل، ذہانت و فراست اور عقل و دانش کے اعتبار سے پوری اُمت میں امتیازی مقام کی حامل ہے عبادت کے بارہ میں انہوں نے جو تجزیہ فرمایا ہے اور جو رائے قائم کی ہے اسے سنئے اور اپنے

لئے مشعل راہ قرار دیجئے فرمایا:

"جن لوگوں نے (نعمتوں کی) طلب (یعنی جنّت کی آرزو اور ثواب کی تمنّا) میں عبادت کی تو ایسی عبادت سوداگروں کی عبادت ہے۔"

"جن لوگوں نے (عذاب خداوندی اور دوزخ کے) ڈر سے عبادت کی تو وہ غلاموں کی عبادت ہے۔"

اور "جن لوگوں نے اپنے مولی کی دی ہوئی نعمتوں کی ادائیگی شکر کے لئے عبادت کی تو وہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے" (اور یہی عبادت سب سے اونچے درجے کی عبادت ہے)

رات میں خداوند کی عبادت کے لئے نہ اٹھنے والے کی برائی

(۳) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقِيْلَ لَهُ مَا زَالَ نَائِمًا حَتّٰى اَصْبَحَ مَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ ذٰلِكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطَانُ فِيْ اُذُنِهٖ اَوْقَالَ فِي اُذُنَيْهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر آیا، چنانچہ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ وہ شخص صبح تک سویا رہتا ہے نماز کے لئے نہیں اٹھتا" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "وہ ایسا شخص ہے کہ اس کے کان میں یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے دونوں کانوں میں شیطان پیشاب کرتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "نماز" سے مراد تہجد کی نماز بھی ہو سکتی ہے اور فجر کی نماز بھی یعنی یا تو یہ شخص تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھتا ہو گا یا یہ کہ فجر کی نماز اس کی قضا ہو جاتی ہو گی۔

بہرحال شیطان کے پیشاب کرنے کے بارہ میں بعض علماء نے کہا ہے کہ حقیقۃً ایسا ہوتا ہے چنانچہ بعض صالحین کے بارہ میں منقول ہے کہ (کسی دن) ان کی آنکھ نہ کھلی جس کی وجہ سے (تہجد یا فجر کی فرض) نماز وہ نہ پڑھ سکے چنانچہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص جو سیاہ رنگ کا تھا آیا اور اس نے اپنا پیر اٹھا کر ان کے کان میں پیشاب کر دیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ "شیطان کا پیشاب کرنا" اس بات سے کنایہ ہے کہ شیطان ایسے آدمی کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کو حقیر و کمتر سمجھتا ہے تو اس پر پیشاب کر دیتا ہے۔

عورتوں کے لئے نماز تہجد کا ذکر

(۴) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتِ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَزِعًا يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا ذَآ اُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَآئِنِ وَمَا ذَآ اُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُّوْقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيْدُ اَزْوَاجَهٗ لِكَيْ يُصَلِّيْنَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْاٰخِرَةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رات میں سرور کونین ﷺ گھبرا کر یہ کہتے ہوئے بیدار ہو گئے کہ سبحان اللہ! آج کی رات کس قدر خزانے اتارے گئے ہیں اور کس قدر فتنے نازل کئے گئے ہیں، ہے کوئی جو ان حجروں والیوں کو اٹھا دے، آپ ﷺ کی مراد ازواج مطہرات سے تھی کہ وہ (اٹھ کر) نماز پڑھیں (تاکہ رحمت خداوندی حاصل کر سکیں اور عذاب و فتنوں سے بچ سکیں کیونکہ) اکثر عورتیں دنیا میں (تو کپڑے پہننے والی ہیں لیکن آخرت میں ننگی ہوں گی۔" (بخاری)

تشریح: حدیث کے پہلے جز کا مطلب یہ ہے کہ جو خزانے اور مال آنحضرت ﷺ کی اُمت میں مقدر ہو چکے تھے کہ کس اُمتی کو کتنا مال و زر ملے گا اور کسی اُمتی کی قسمت میں کتنی دولت لکھی ہے اس رات میں ان کا اترنا آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا اس طرح اس رات میں جتنے فتنے مقدر ہو چکے تھے وہ بھی اس رات میں آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی سے معلوم ہو گئے تھے۔

ملا علی قاریؒ اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ حدیث میں "خزانے) سے مراد رحمت خداوندی اور "فتنے) سے مراد اس کا عذاب ہے۔

عورتوں کے لئے وعید: حدیث کے آخری جز کے کئی مطلب ہیں اول یہ کہ اکثر عورتیں دنیا میں تو طرح طرح کے اور عمدہ سے عمدہ کپڑے پہنیں اور ان پر فخر و مباہات کریں گی حالانکہ ان کی حالت یہ ہوگی کہ حکم خداوندی کو نہ ماننے کی وجہ سے وہ آخرت میں نیک اور اچھے اعمال سے خالی ہوں گی۔ دوم یہ کہ اکثر عورتیں دنیا میں نیند کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی یعنی نیند کی غفلت کی وجہ سے خدا کی یاد سے غافل ہونگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت میں اچھے درجات اور برائیوں سے خالی ہوں گی، سوم یہ کہ اکثر عورتیں جسم کو ظاہر کرنے والے ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی کہ وہ دنیا میں لباس پوش ہوں گی مگر آخرت کے حکم کے اعتبار سے ننگی ہوں گی، یعنی جو کپڑے دیکھنے میں عمدہ خوبصورت اور باریک معلوم ہوتے ہیں کہ جیسے جالی اور نائیلون وغیرہ کے کپڑے کہ جن کا عورتوں کے لئے استعمال کرنا از روئے شرع ممنوع ہے ایسے کپڑے والی عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔

اس حدیث سے ان عورتوں کو خاص طور پر عبرت حاصل کرنی چاہئے جو آج کے فیشن زدہ دور میں کپڑوں کے معاملہ میں انتہائی بے راہ روی اور غیر شرعی طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور ایسے ایسے کپڑے استعمال کرتی ہیں جو خدا اور خدا کے رسول کی مرضی کے خلاف اور آخرت کے عذاب کا موجب ہیں۔

مائیں اور بہنیں کان کھول کر سن لیں کہ دنیا چاہے جتنی فیشن زدہ ہو جائے، تہذیب و تمدن چاہے جتنے عروج پر پہنچ جائیں اور انسان کی ذہنی و فکری اور عملی جولانیاں چاہے چاند کو مسخر کرلیں، اسلام اور پیغمبر اسلام کے وہ فرمان جو آج سے چودہ سو سال پہلے جاری ہوئے تھے آج بھی پوری طرح موجود ہیں، ان کی اہمیت اور ان پر عمل کرنے کی شدت کسی حال میں بھی ختم نہیں ہو سکتی، اسلامی اور شرعی احکام کا دقیانوسیت کے الفاظ سے مذاق اڑا کر، فیشن کا نام لے کر آج بھلے کوئی عورت اپنی ظاہری زندگی کو اور دنیا کی نظروں میں جاذب نظر دیدہ زیب اور ماڈرن معزز بنا لے مگر اسے یاد رکھ لینا چاہئے کہ دنیا کی اس چند روزہ زندگی اور موجودہ فیشن کے فانی رنگ و روپ کو ختم کر کے ایک دن اسے اس خدا کی بارگاہ میں پہنچنا ہے جو غفار رحیم ہونے کے ساتھ ساتھ جبار و قہار بھی ہے اور پھر انہیں وہاں اپنی بد عملیوں کا جواب دینا ہوگا۔

رحمت خداوندی کے نزول کا وقت

⑤ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی کُلَّ لَیْلَةٍ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْآخِرِ وَیَقُوْلُ مَنْ یَّدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِیْبُ لَهٗ مَنْ یَّسْأَلُنِیْ فَاُعْطِیَهٗ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُ لَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ ثُمَّ یَبْسُطُ یَدَیْهِ یَقُوْلُ مَنْ یُّقْرِضُ غَیْرَ عَدُوْمٍ وَلَا ظَلُوْمٍ حَتّٰی یَنْفَجِرَ الْفَجْرُ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "ہر رات میں آخر تہائی رات کے وقت ہمارا بزرگ و برتر پروردگار دنیا کے آسمان (یعنی نیچے کے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اسے قبولیت بخشوں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت کا طلبگار ہو اور میں اسے بخشوں؟ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر اللہ جل شانہ اپنے (لطف و رحمت کے) دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے کہ کون ہے جو ایسے کو قرض دے جو نہ فقیر ہے اور نہ ظلم کرنے والا ہے اور صبح تک یہی فرماتا رہتا ہے۔"

تشریح: یَنْزِلُ رَبُّنَا (ہمارا رب نزول فرماتا ہے) کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ جل شانہ خود آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے کیونکہ وہ جسم کی ثقالت و کثافت سے پاک و صاف ہے اور ایسا نور ہے جو ہمہ وقت کائنات کے ذرہ ذرہ پر محیط و حاوی ہے اور کسی خاص مقام و کسی وقت کا پابند نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابن حجرؒ اور امام مالک نے اس کی تاویل کرتے ہوئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ "اللہ جل شانہ کا فرمان، اس کی رحمت یا اس کے ملائکہ اس وقت آسمان دنیا پر اترتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ اعلان کرتے ہیں) چنانچہ اس کی تائید ایک حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے جو مرقات میں مذکور ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ ارشاد متشابہات میں سے ہے جس کے حقیقی معنی و مطلب اللہ جل شانہ ہی جانتا ہیں۔

مَنْ یَّدْعُوْنِیْ دعا کے معنی ہیں پکارنا جیسا کہ بندہ کہے "یارب" اس کے مقابلہ پر اجابت اور قبولیت ہوتی ہے جیسے کہ پروردگار بندہ کے اس پکارنے کے جواب میں کہے "لبیک عبدی"

مَنْ یَّسْاَلُنِیْ سوال کے معنی ہیں "کسی کا مانگنا اور اس کا طلب کرنا" اور اس کے مقابلہ میں سوال کا پورا کرنا ہے یعنی جو چیز طلب کی جائے اور مانگی جائے اس کا دینا۔

یہ حدیث اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں منقول ہے کہ "اللہ جل شانہ (آسمان دنیا پر) اس وقت نزول فرماتا ہے جب اوّل تہائی رات گذر جاتی ہے" نیز اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں منقول ہے کہ "اس وقت نزول فرماتا ہے جب آدھی رات یا دو تہائی رات گذرتی ہے" کیونکہ احتمال ہے کہ بعض صورتوں میں تو نزول آخری تہائی رات کے وقت، بعض راتوں میں اوّل تہائی رات کے گذرنے کے بعد اور بعض راتوں میں آدھی یا دو تہائی رات گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔

مَنْ یُّقْرِضُ کون ہے جو قرض دے)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کون ہے جو بطریق قرض اور جزا لینے کے لئے بدنی اور مالی عبادت اللہ جل شانہ کو دے جو نہ تو فقیر ہے اور نہ عطا و بخشش سے عاجز ہے نیز یہ کہ نہ ظلم کرنے والا ہے کہ اپنے عہد کو پورا نہ کرے یا ناقص ثواب دے۔ یعنی اس پیرایہ سے مسلمانوں کو دنیا میں نیک و صالح عمل کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ وہ کون خوش نصیب اور باسعادت مسلمان ہے جو آخرت کی سعادتوں و راحتوں اور وہاں کے ثواب کی امید میں اس غنی پروردگار کے لئے دنیا میں نیک عمل کرے جو اس کے حق یعنی آخرت میں دنیا کے نیک عمل کا ثواب دینے میں عاجز نہیں ہے اور کون خوش نصیب و سعادت مند مؤمن ہے جو اس عادل اللہ کے لئے دنیا میں نیک عمل کرتا ہے تو اللہ جل شانہ اس کا ثواب اس کے عمل سے بھی کئی گنا زیادہ کر کے دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بطور خاص قابل غور ہے کہ یہاں اللہ جل شانہ کی تعریف بایں طور کی گئی ہے کہ اس کی پاک ذات سے ان دونوں صفت یعنی فقر اور ظلم کی نفی کی گئی ہے کیونکہ قرض کی واپسی کے سلسلہ میں یہی دونوں صفتیں حائل ہوتی ہیں۔ اگر کوئی عاجز و فقیر ہوتا ہے تو وہ قرض کی واپسی سے معذور ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ظالم ہوتا ہے تو اپنے ظلم کی بنا پر قرض کی پوری ادائیگی نہیں کرتا بلکہ اس میں کمی و نقصان کر کے واپس کر دیتا ہے اور اللہ جل شانہ کی ذات ان دونوں صفتوں سے پاک ہے۔

نہ تو وہ ظالم ہے اور نہ عاجز فقیر ہے بلکہ عادل ہے اور غنی ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دنیا میں بھلائی کرے گا اور نیک عمل کرے گا وہ اللہ جل شانہ کے پاس عقبیٰ میں کامل جزاء اور ثواب پائے گا۔

ہر رات میں قبولیت کی ایک ساعت ہوتی ہے

(۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ فِی اللَّیْلِ لَسَاعَۃً لَا یُوَافِقُھَا رَجُلٌ مُّسْلِمٌ یَسْاَلُ اللّٰہَ فِیْھَا خَیْرًا مِّنْ اَمْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِلَّا اَعْطَاہُ اِیَّاہُ وَذٰلِکَ کُلَّ لَیْلَۃٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات میں ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جو مسلمان اسے پاتا ہے اور اس میں اللہ جل شانہ سے دنیا یا آخرت کی کسی بھلائی کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے (ضرور) پورا فرماتا ہے اور (قبولیت کی) یہ ساعت ہر رات میں آتی ہے۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہر شب میں ایک گھڑی ضرور آتی ہے جو قبولیت کی بشارت اپنے دامن میں لئے ہوئی آتی ہے جس باسعادت و خوش نصیب مسلمان کو وہ ساعت اور وہ گھڑی نصیب ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس میں جل شانہ کے سامنے اپنی جس دنیاوی یا اخروی بھلائی کے لئے درخواست پیش کرتا ہے بامراد و کامیاب ہوتا ہے اور اس کی درخواست بارگاہ رب العزت سے قبولیت کا درجہ پاتی ہے ہاں وہ قبولیت اللہ جل شانہ کی طرف سے عطاو بخشش حکماً بھی ہو سکتی ہے اور حقیقۃً بھی۔

ساعت قبولیت کے تعین کے بارہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ ساعت مبہم ہے جیسے لیلۃ القدر اور ساعت جمعہ کہ ان میں کسی خاص وقت کے بارہ میں تعین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ ساعت فلاں وقت اور فلاں ٹائم آتی ہے اسی طرح ہر رات میں بھی قبولیت کی ساعت کا کوئی خاص وقت اور ٹائم مقرر نہیں ہے بلکہ کسی بھی وقت آجاتی ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ نصف شب کا وقت ساعت قبولیت ہے واللہ اعلم۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور روزے

(۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الصَّلَاۃِ اِلَی اللّٰہِ صَلَاۃُ دَاوٗدَ وَاَحَبُّ الصِّیَامِ اِلَی اللّٰہِ صِیَامُ دَاوٗدَ کَانَ یَنَامُ نِصْفَ اللَّیْلِ وَیَقُوْمُ ثُلُثَہٗ وَیَنَامُ سُدُسَہٗ وَیَصُوْمُ یَوْمًا وَّیُفْطِرُ یَوْمًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کو تمام نمازوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز زیادہ پسند اور تمام روزوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے زیادہ پسند ہیں (ان کی نماز کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ) وہ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے (یعنی نماز پڑھتے) اور پھر رات کے چھٹے حصہ میں سوتے اور وہ (روزہ اس طرح رکھتے تھے کہ) ایک دن تو روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور ان کے روزے کا یہ طریقہ بہت پسند تھا اس لئے اس طریقہ کے مطابق پڑھی جانے والی نفل نماز اور رکھے جانے والے نفل روزے اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔

مذکورہ بالا طریقہ سے رات میں پڑھی جانے والی نماز اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اس لئے ہے کہ جب کوئی شخص رات کے دو تہائی حصے سوئے گا اور اس کا نفس اتنی دیر تک آرام کرلے گا تو اس کی عبادت پوری فرحت بشاشت اور قلب و دماغ کے پورے نشاط کے ساتھ ادا ہوگی۔

اس طرح مذکورہ بالا طریقہ سے رکھے جانے والے روزے بھی اس لئے پسندیدہ ہیں کہ اس میں نفس کو بہت زیادہ محنت و مشقت ہوتی ہے جو حاصل عبادت ہے۔

رات کی عبادت میں آنحضرت ﷺ کا معمول

(۸) وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ تعنی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنَامُ اَوَّلَ اللَّیْلِ وَیُحْیِیْ اٰخِرَہٗ ثُمَّ اِنْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ اِلٰی اَھْلِہٖ قَضٰی حَاجَتَہٗ ثُمَّ یَنَامُ فَاِنْ کَانَ عِنْدَ النِّدَآءِ الْاَوَّلِ جُنُبًا وَثَبَ فَاَفَاضَ عَلَیْہِ الْمَاءَ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ جُنُبًا تَوَضَّأَ لِلصَّلٰوۃِ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ۔ (متفق علیہ)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ (رات اس طرح بسر کرتے تھے کہ) آپ ﷺ رات کے ابتدائی حصہ میں تو سوتے تھے اور رات کے آخری حصہ کو زندہ رکھتے (یعنی بیدار رہتے اور عبادت کرتے) تھے پھر اگر آپ کو اپنی زوجہ مطہرہ سے (ہم بستری کی) ضرورت ہوتی تو اپنی ضرورت پوری کرتے اور سو جاتے، چنانچہ اگر آپ (فجر کی) پہلی اذان کے وقت حالت ناپاکی میں ہوتے تو اٹھتے اور

اپنے بدن پر پانی ڈالتے (یعنی نہاتے) اور اگر ناپاکی کی حالت میں نہ سوتے تو نماز کے لئے وضو کرتے اور پھر فجر کی سُنّت کی دو رکعتیں پڑھتے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: شمائل میں حضرت عائشہؓ سے یہ روایت تفصیلی طور پر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا "آنحضرت ﷺ رات کے ابتدائی حصّہ میں (یعنی عشاء کی نماز کے بعد سے آدھی رات تک) سوتے پھر سدس رابع وخامس یعنی چوتھے وپانچویں وچھٹے حصّہ میں تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے جب سحر کا وقت ہوتا تو وتر پڑھتے پھر بستر پر (آرام فرمانے کے لئے) تشریف لے آتے (کیونکہ نماز تہجد وغیرہ سے فراغت کے بعد اور نماز فجر سے پہلے کچھ دیر تک آرام کرنا مستحب ہے تاکہ فجر کی نماز اور اس کے بعد کے اوراد وظائف کی ادائیگی کے لئے بشاشت وقوت حاصل ہو سکے) پھر اگر (کسی دن) آپ کو اپنی زوجہ مطہرہ سے ہم بستری کی ضرورت ہوتی تو اسے پوری کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ (فجر کی) اذان سن کر اٹھتے اور اگر حالت ناپاکی میں ہوتے تو اپنے بدن پر پانی ڈالتے یعنی نہاتے) اور اگر حالت ناپاکی میں نہ ہوتے تو وضو کرتے اور (فجر کی سُنّت کی دونوں رکعتیں گھر ہی میں پڑھ کر) نماز کے لئے باہر (مسجد میں) تشریف لے جاتے۔

اس تفصیل کی روشنی میں حدیث بالا کے ابتدائی جز "رات کے ابتدائی حصّہ میں سوتے اور رات کے آخری حصّہ کو زندہ رکھتے تھے" کے معنی واضح ہو گئے ہیں۔

بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ وظیفہ زوجیت سے فراغت کے بعد وضو کرتے ہوں گے، اس کے بعد پھر سوتے ہوں گے۔

"ندا اول" (پہلی اذان) سے مراد اذان متعارف ہے اور "دوسری اذان" تکبیر کو کہتے ہیں۔

حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ آدھی رات تو سوتے تھے اور آدھی رات اپنے پروردگار کی عبادت میں گذارتے تھے، کیونکہ اول سدس یعنی رات کے ابتدائی چھٹے حصّہ میں عشاء تک جاگتے تھے پھر عشاء کے بعد دوسرے تیسرے سدس میں آرام فرماتے تھے پھر چوتھے اور پانچویں سدس میں بیدار رہتے اور چھٹے سدس میں سوجاتے اس طرح تین سدس تو آپ ﷺ سوتے اور تین سدس بیدار رہتے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

نماز تہجد پڑھنے کی تاکید وفضیلت

⑨ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ وَمُكَفِّرَةٌ لِّلسَّيِّاٰتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "قیام لیل (یعنی نماز تہجد پڑھنے کو) ضروری جانو کیونکہ (اول تو) یہ طریقہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا ہے اور پھر (دوسرے یہ کہ) قیام لیل تمہارے لئے پروردگار کی نزدیکی اور گناہوں کے دور ہونے کا سبب ہے، نیز یہ کہ تمہیں گناہوں سے باز رکھنے والا ہے۔" (ترمذی)

تشریح: "نیک لوگوں" سے مراد پہلے زمانے کے انبیاء اور اولیاء ہیں گویا اس طرح آنحضرت ﷺ اپنی اُمت کے لوگوں کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ تمہیں تو یہ نماز بطریق اولی پڑھنی چاہئے کیونکہ تم تو پہلے کی تمام امتوں سے بہتر اور اعلیٰ ہو۔

یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ جو لوگ تمام فرائض کی نماز تو پڑھتے ہیں لیکن تہجد کی نماز نہیں پڑھتے تو وہ صالحین کاملین کے زمرہ میں داخل نہیں ہیں بلکہ ان کا درجہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ظاہری طور پر زکوٰۃ دینے والوں کا درجہ ہوتا ہے ان لوگوں کے مقابلہ پر جو پوشیدہ

طور پر زکوٰۃ دیتے ہیں۔

نماز تہجد پڑھنے والوں کی خوش بختی

⑩ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَۃٌ یَضْحَکُ اللّٰہُ اِلَیْھِمُ الرَّجُلُ اِذَا قَامَ بِاللَّیْلِ یُصَلِّیْ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِی الصَّلٰوۃِ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِیْ قِتَالِ الْعَدُوِّ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "تین (قسم کے) لوگ ایسے ہیں جن کی طرف (دیکھ کر) اللہ جل شانہ ہنستا ہے (یعنی ان سے بے حد خوش ہوتا ہے اور ان کی طرف اپنی رحمت و عنایت کی نظر فرماتا ہے) ① وہ شخص جو رات میں تہجد کی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے ② وہ لوگ جو نماز پڑھنے کے لئے اپنی صفوں کو درست کرتے ہیں ③ وہ لوگ جو دشمنوں سے لڑنے کے لئے (یعنی جہاد کے وقت) صف بندی کرتے ہیں۔" (شرح السنۃ)

آخری شب میں ذکر کی فضیلت

⑪ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَنْبَسَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَکُوْنَ مِمَّنْ یَّذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ تِلْکَ السَّاعَۃِ فَکُنْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔

"اور حضرت عمرو بن عنبسہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "پروردگار اپنے بندہ سے سب سے زیادہ قریب آخری شب میں ہوتا ہے لہٰذا اگر تم بھی اس وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں ہوسکتے ہو تو ضرور ہو (یعنی اس بات کی کوشش کرو کہ تم بھی ان خوش نصیب مسلمانوں میں شمار کئے جاؤ جو اس وقت اپنے پروردگار کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اور سعادت و خوش بختی کے خزانے اپنے دامن میں سمیٹ کر پروردگار کی رضا و خوشنودی کو اپنے قریب تر پاتے ہیں) امام ترمذیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور سند کی وجہ سے غریب ہے۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کا آخری حصہ بایں طور افضل و اشرف ہے کہ وہ اپنے دامن میں پروردگار کی رحمتوں اور اس کی عنایتوں کے خزانے سمیٹے ہوئے ہوتا ہے، اب یہ قسمت اور مقدر والوں کی بات ہے کہ کون اس خزانے سے مستفید ہوتا ہے اور کون محروم رہ جاتا ہے۔

چنانچہ جن کی طبیعت سعادت مند ہوتی ہے وہ رات کے اس حصہ میں اٹھ کر رحمت خداوندی کے خزانے سے اپنے دامن کو بھرتے ہیں اور جو حرماں نصیب ہوتے ہیں وہ شیطان کی لوریاں کھا کھا کر نہ صرف اپنے دل و دماغ اور جسم کو نیند کے حوالے کئے ہوتے ہیں بلکہ ان کی سعادت اور ان کی خوش بختی بھی غفلت و سستی کی نذر ہو جاتی ہے۔

بہر حال پروردگار کا اپنے بندہ سے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی رضا و خوشنودی بندہ سے قریب تر ہوتی ہے اور اس کی رحمتوں کا سایہ بندہ کے اوپر ہوتا ہے

آخری نصف رات سے رات کا وہ حصہ مراد ہے جس کی ابتداء ثلث آخر (یعنی آخری تہائی) سے ہوتی ہے اور وہی وقت تہجد کی نماز کے لئے اٹھنے کا ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن عنبسہ جنہیں لسان نبوت سے حدیث میں مذکورہ سعادت حاصل کرنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے حضرت حق جل مجدہ کی درگاہ کبریائی کے ایک مجذوب اور دربار رسالت (ﷺ) کے ایک مقرب اور ذی شان خادم تھے ان کی بہت زیادہ عظمت اور فضیلت ہے

ابتداء ظہور نبوت میں جبکہ آنحضرت ﷺ مکہ میں کفر و شرک سے اکڑی ہوئی گردنوں کو خداء واحد کے حضور میں جھکانے کی سعی میں مصروف تھے اور آپ ﷺ کی تبلیغ کی ابتداء ہو چکی تھی تو حضرت عمرو بن عنبسہؓ اپنے وطن میں تھے یکایک ان کے دل میں نور توحید ضوفشاں ہوا اور شرک و بت پرستی کی کراہیت و نفرت نے بے چین کر دیا، جب ہی سنا کہ ایک شخص مکہ میں پیدا ہوا ہے جو لوگوں کو توحید کی طرف بلاتا ہے اور بتوں کی عبادت سے منع کرتا ہے، یہ سنتے ہی قلب مضطر نے فوراً ہی مکہ پہنچنے پر مجبور کر دیا، انہوں نے مکہ پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے بارہ میں دریافت کیا، آنحضرت (فداہ روحی) اس زمانہ میں کفار کی شدید مخالفت اور دشمنان دین کی بے پناہ سختیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے دشمنوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر خدا کے دین کی تبلیغ اور اس کی عبادت میں مصروف تھے، حضرت عمرو بن عنبسہ نے لوگوں سے پوچھا کہ "تم میں کون شخص پیدا ہوا ہے جو تمہاری روش اور تمہارے راستہ سے ہٹ کر دوسرے دین کی طرف دنیا کو بلاتا ہے"؟ لوگوں نے کہا کہ "ہاں ایک دیوانہ ہے (آپ ﷺ کی عقل و دانش پر دونوں جہان قربان) جس نے اپنے باپ دادا کا طریقہ اور راستہ چھوڑ دیا ہے! اور ایک نئی رسم نکالی ہے

دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند   دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی

انہوں نے پوچھا کہ "اچھا وہ کہاں ملیں گے"؟ لوگوں نے کہا کہ "وہ شخص آدھی رات کو باہر نکلتا ہے اور اس خانہ کعبہ کے ارد گرد گھومتا ہے۔"

حضرت عمرو بن عنبسہ آدھی رات کے وقت حرم شریف میں آئے اور کعبۃ اللہ کے پردہ مبارک میں چھپ کر کھڑے ہو گئے اچانک دیکھا کہ ایک شخص ظلمتوں کے پردوں کو چیرتا ہوا نور کی ایک دنیا اپنے جلو میں لئے نمودار ہوا، اس شخص کی سراپا کشش، شخصیت اور نورانی چہرہ و جسم کا یہ عالم کہ مہر و ماہ اس کے سامنے شرمندہ اور دنیا کے تمام لوگ اس کے پاک آستانے کی خاک (ﷺ) عمرو فوراً پردہ سے نکل کر باہر آئے اور نمودار ہونے والے شخص کو سلام کیا اور پوچھا کہ "آپ کون ہیں اور آپ کا دین کیا ہے؟" انہوں نے فرمایا کہ "میں خدا کا رسول ہوں (ﷺ) اور میرا دین لا الہ الا اللہ ہے" یہ خوشی سے جھوم اٹھے اور فوراً بولے کہ "میں بھی اس دین کو پسند کرتا ہوں" چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے جبھی ایمان لائے، اس طرح حضرت عمرو بن عنبسہ تیسرے یا چوتھے مسلمان ہیں یعنی ان سے پہلے صرف دو یا تین آدمی ہی اسلام کی دولت سے مشرف ہو سکے تھے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں رخصت کیا اور فرمایا کہ "میرے پروردگار نے مجھ سے ایک وعدہ کیا ہے۔ جب وہ وعدہ پورا ہو گا تو میرے پاس آنا" چنانچہ آنحضرت ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے عمرو بن عنبسہ آپ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچ گئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل کی اور نگاہ نبوت کی کرشمہ سازی نے آپ ﷺ کو درجہ کمال پر پہنچا دیا۔

عبادت میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے

(۱۴) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰہُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلّٰی وَاَیْقَظَ امْرَأَتَہٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِیْ وَجْھِھَا الْمَآءَ رَحِمَ اللّٰہُ امْرَأَۃً قَامَتْ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلَّتْ وَاَیْقَظَتْ زَوْجَھَا فَصَلّٰی فَاِنْ اَبٰی نَضَحَتْ فِیْ وَجْھِہِ الْمَآءَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو رات میں اٹھ کر (خود بھی تہجد کی) نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھے اور اگر بیوی (نیند کے غلبہ اور کثرت غفلت و سستی کی وجہ سے) نہ جاگے تو (اس کی نیند ختم کرنے کے لئے) اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو رات میں اٹھ کر (خود بھی تہجد کی) نماز پڑھے اور اپنے خاوند کو جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھے اور اگر شوہر (غلبہ نیند و سستی کی وجہ سے) نہ جاگے تو وہ اس کے منہ

پر پانی کے چھینٹے ڈالے۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: "رات میں اٹھ کر نماز پڑھنے" سے مراد تہجد کی ہی نماز ہے لیکن اگر مرد و عورت کسی کی بھی کوئی نماز قضا ہو گئی ہو اور اس وقت اس کے ذمہ قضا ہو تو قضا نماز کا پڑھنا ہی اس وقت اولیٰ ہو گا۔

"منہ پر پانی کے چھینٹے دینے" کا مطلب یہ ہے کہ اس کو نماز پڑھنے اور پروردگار کی عبادت کے لئے بیدار کرنے کے واسطے جس طرح بھی ممکن ہو، سعی و کوشش کرے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خاوند و بیوی جس طرح سماجی زندگی اور دنیاوی امور میں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہوتے ہیں اسی طرح انہیں دینی امور، طاعت الٰہی اور عبادت خداوندی کے بارہ میں بھی ایک دوسرے کا مددگار و معاون بننا چاہئے اور اگر کسی وقت بیوی نماز نہ پڑھے تو شوہر کا حق ہے کہ وہ اسے جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھنے پر مجبور کرے۔ اسی طرح اگر خاوند نماز پڑھنے میں تساہل و سستی کرے یا کسی ایسی وجہ سے نماز پڑھنے سے رک جائے جو نماز کی ادائیگی میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے تو بیوی کا حق ہے کہ وہ اسے پوری قوت سے نماز پڑھنے کے لئے کہے اور جو چیز اس کے نماز پڑھنے میں رکاوٹ بن رہی ہے اسے ختم کرے۔ مثلاً اگر میاں بیوی دونوں میں سے کوئی ایک اس طرح غفلت میں پڑا ہوا ہے کہ اس کی نماز خواہ فرض نماز ہو یا تہجد وغیرہ کی نماز رہی جاتی ہو تو دونوں میں سے جو بھی بیدار ہو وہ دوسرے کو بھی نیند سے اٹھائے اگر وہ نہ اٹھے تو ایسی ترکیب کرے جس سے اس کی نیند ختم ہو جائے اور وہ اٹھ کر نماز پڑھ سکے۔

اسی طرح کسی ایک جگہ اجتماعی طور پر رہنے والے لوگوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں اور رفیقوں میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن کر رہیں اور ایک دوسرے کو نماز پڑھنے اور عبادت خداوندی میں مشغول و مصروف رکھنے کی کوشش کریں۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ کسی شخص پر بھلائی کے معاملہ میں جبر کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

قبولیت دعا کا وقت

⑬ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الدُّعَآءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّیْلِ الْاٰخِرُ وَ دُبُرَ الصَّلٰوةِ الْمَکْتُوْبَاتِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ سے پوچھا گیا کہ "یارسول اللہ! کس وقت کی دعا بہت زیادہ مقبول ہوتی ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "آخری تہائی رات میں اور فرض نمازوں کے بعد۔" (ترمذی)

اعمال صالحہ کرنے والوں کے لئے بشارت

⑭ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ غُرَفًا یُّرٰی ظَاھِرُھَا مِنْ بَاطِنِھَا وَ بَاطِنُھَا مِنْ ظَاھِرِھَا اَعَدَّھَا اللّٰہُ لِمَنْ اَلَانَ الْکَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّیَامَ وَصَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ عَنْ عَلِیٍّ نَحْوَہٗ وَفِیْ رِوَایَتِہٖ لِمَنْ اَطَابَ الْکَلَامَ۔

"اور حضرت ابومالک اشعریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کے باہر کی چیزیں اندر اور اندر کی چیزیں باہر دکھائی دیتی ہیں اور یہ بالاخانے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کئے جو دوسرے لوگوں سے نرمی سے بات کرتے ہیں (غریب و ناداروں کو) کھانا کھلاتے ہیں، پے درپے (یعنی اکثر) نفل روزے رکھتے ہیں اور رات میں ایسے وقت (تہجد کی) نماز پڑھتے ہیں جب کہ (اکثر) لوگ نیند کی آغوش میں ہوتے ہیں۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔ نیز ترمذیؒ نے بھی اس طرح کی روایت حضرت علیؓ سے نقل کی ہے مگر ان کی روایت میں لمن اطاب الکلام کے الفاظ ہیں (اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں)۔"

تشریح: بعض علماء فرماتے ہیں کہ حدیث میں پے در پے نفل روزے رکھنے کے بارہ میں جو فرمایا گیا ہے تو اس کا آخری درجہ یہ ہے کہ ہر مہینے میں کم سے کم تین روزے بہ نیت نفل رکھے جائیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

نماز تہجد کو ترک کرنے کی ممانعت

⑮ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَاللّٰهِ لَا تَكُنْ مِّثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے (ایک روز) مجھ سے فرمایا کہ "عبداللہ (دیکھو) فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا کہ وہ رات میں قیام کرتا تھا (یعنی تہجد کی نماز پڑھتا تھا) پھر بعد میں رات کے قیام کو اس نے چھوڑ دیا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: کوئی صحابی ہوں گے جو پہلے تو تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے مگر پھر بعد میں بغیر کسی عذر کے محض نفس کی خواہش میں مبتلا ہو کر اس عظیم سعادت سے کنارہ کشی کر بیٹھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو متنبہ فرمایا کہ دیکھو کہیں تم بھی انہیں کی طرح نماز تہجد کو چھوڑ کر فریب نفس میں مبتلا نہ ہو جانا کیونکہ ایسے لوگ جو نیک عمل کی عادت اور اپنے معمولات دینی کو بغیر کسی عذر و مجبوری کے چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں وہ ان لوگوں کے سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں جن کے بارہ میں صحیح فیصلہ یہی ہے کہ تَارِكُ الْوِرْدِ مَلْعُوْنٌ (یعنی معمولات دینی کو چھوڑنے والا ملعون ہے)

گویا اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ عبادت خداوندی کو ترک کر دینا اور عادت یعنی نفسانیت کے غلط راستہ کی طرف لوٹنا درحقیقت سعادت مندی اور صلاح و فلاح میں زیادتی کے بعد نقصان کا واقع ہو جانا ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے بایں طور پناہ مانگی ہے کہ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور (یعنی ہم زیادتی کے بعد نقصان کے واقع ہو جانے سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

لہٰذا راہ طریقت و شریعت کے سالک کو چاہئے کہ نہ صرف کہ وہ اپنی عبادت خداوندی اور ذکر اللہ کی عادت کو ترک نہ کرے اور اس میں کمی نہ اختیار کرے بلکہ ان میں زیادتی ہی کا طالب رہے کیونکہ یہ کہا گیا ہے "جو شخص زیادتی کا طالب نہیں ہے وہ نقصان کے راستہ پر ہے۔"

رات میں حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت اور ساعت قبولیت

⑯ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ كَانَ لِدَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ يُّوْقِظُ فِيْهَا اَهْلَهٗ يَقُوْلُ يَا اٰلَ دَاوٗدَ قُوْمُوْا فَصَلُّوْا فَاِنَّ هٰذِهٖ سَاعَةٌ يَسْتَجِيْبُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْهَا الدُّعَآءَ اِلَّا لِسَاحِرٍ اَوْ عَشَّارٍ۔

(رواہ احمد)

"اور حضرت عثمان بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے رات (کے آخری نصف حصہ) میں ایک وقت (مقرر) تھا جس میں وہ اپنے اہل خانہ کو جگاتے اور فرماتے کہ "اے آل داؤد! اٹھو اور نماز پڑھو کیونکہ یہ ایسا وقت ہے جس میں اللہ بزرگ و برتر دعا کو قبول فرماتا ہے سوائے جادوگر اور عشار (کی دعا) کے (یعنی ان دونوں کی دعا اس وقت بھی قبول نہیں ہوتی)۔" (احمدؒ)

تشریح: عشار سے چوکیدار قسم کے وہ راہزن مراد ہیں جو راستوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور لوگوں کے مال از راہ ظلم لے لیتے ہیں، اس سے وہ

عمال بھی مراد لئے جاسکتے ہیں جو محصول وغیرہ کی وصولیابی کے لئے مقرر ہوتے ہیں اور ناجائز و غلط طریقہ پر لوگوں سے ان کے مال و اسباب غصب کرتے ہیں۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ اس مقدس ساعت اور رحمت خداوندی کے عام فیضان کے اس بابرکت موقع پر بھی ساحر یعنی جادوگر اور عشار کی دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ ان لوگوں سے مخلوق خدا کو بہت تکلیف پہنچتی ہے اور پروردگار عالم ان لوگوں کے ساتھ کبھی بھی بہتر معاملہ نہیں فرماتا جو اس کی مخلوق کے لئے ایذا رسانی اور تکلیف و مصیبت کا سبب بنتے ہیں، اسی وجہ سے بعض عارفین کا یہ عارفانہ ارشاد ہے کہ "کمال عبودیت یعنی پوری طرح اللہ کا بندہ ہو جانا چاہئے کہ حکم خداوندی کی تعظیم کی جائے اور مخلوق خدا کے ساتھ شفقت و مہربانی کا برتاؤ کیا جائے۔

نماز تہجد کی فضیلت

(۱۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلَاةٌ فِیْ جَوْفِ اللَّيْلِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی (یعنی تہجد کی) نماز ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: حضرت میرکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابی اسحٰق مروزی شافعیؒ کے اس قول کی دلیل ہے کہ تہجد کی نماز سنن رواتب سے افضل ہے جبکہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ سنن رواتب افضل ہیں، چنانچہ ابو اسحٰق مروزیؒ ہی کا قول قوی تر ہے کیونکہ یہ حدیث صراحت کے ساتھ ان کے قول کی تائید کر رہی ہے۔

بہر حال اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ نماز تہجد بایں طور افضل ہے کہ اس نماز میں نفس بہت زیادہ مشقت میں مبتلا ہوتا ہے اور اس نماز کو پڑھنے والا ریا و نمائش سے بعید ہوتا ہے اور سنن رواتب بایں جہت افضل ہیں کہ فرض نمازوں کے ساتھ ان کے پڑھنے کی بہت تاکید کی گئی ہے نیز یہ کہ سنن رواتب فرض نمازوں کے لئے متمم ہیں یعنی ان کے ذریعہ فرض نمازیں درجہ کمال و اتمام کو پہنچتی ہیں، لہٰذا اس طرح دونوں کی افضلیت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے اور دونوں اقوال میں کوئی منافات نہیں ہے، یا پھر رات کی نماز کی فضیلت کے بارہ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رات کی نماز اس لئے افضل ہے کہ یہ وتر پر بھی مشتمل ہے اور وتر واجب ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے بارہ میں منقول ہے کہ انتقال کے بعد انہیں کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ پروردگار نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ:

تاهت العبادات وفنيت الاشارات ومانفعنا الا ركعات صلينا ها في جوف الليل۔

"وہ باتیں جو میں حقائق و معارف کے بیان میں کہتا تھا جاتی رہیں اور وہ نکات جو میں بیان کیا کرتا تھا ختم ہو گئے مجھے تو صرف نماز کی ان چند رکعتوں نے فائدہ دیا جو نصف شب میں پڑھا کرتا تھا۔"

گویا طالبین راہ حقیقت و شریعت اور سالکین راہ طریقت کو ترغیب دلائی گئی کہ تصوف و طریقت کے حکمات و نکات کے پیچھے نہ پڑو اور گفتار کے نہیں کردار کے غازی بنو، عملی زندگی کو سنوارنے اور خدا کی بندگی کی راہ پر لگانے کی پوری پوری کوشش کرو اور عبادت و ریاضت کا پورا پورا اہتمام کرو کیونکہ اسی میں دنیا کی بھی بھلائی ہے اور آخرت کی بھی۔

کارکن کار، بگزر از گفتار کاندریں راہ کار دارد کار

تہجد کی نماز برائی سے روکتی ہے

⑱ وَعَنْهُ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يُصَلِّي بِاللَّيْلِ فَاِذَا اَصْبَحَ سَرَقَ فَقَالَ اِنَّهُ سَيَنْهَاهُ مَا تَقُوْلُ۔ (رواہ احمد و البیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص سرور کونین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو تو نماز پڑھتا ہے مگر صبح اٹھ کر چوری کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا "عنقریب اس کی نماز اسے اس چیز سے روک دے گی جو تم کہہ رہے ہو۔" (احمدؒ، بیہقیؒ)

تشریح: نماز کی خاصیت ہے کہ وہ انسان کو برائی کے راستہ سے روکتی ہے اور نیکی کے راستہ پر گامزن کرتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔

"نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے سامنے جب ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو رات میں تو عبادت خداوندی یعنی نماز تہجد میں مشغول رہتا ہے اور صبح اٹھ کر چوری جیسے برے فعل کا مرتکب ہوتا تھا تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ اگر وہ خلوص نیت اور جذبہ خالص کے تحت رات کی نماز پر مداومت کرتا ہے تو انشاء اللہ جلد ہی اللہ تعالیٰ اس نماز کی برکت سے اسے اس فعل قبیح سے توبہ کی توفیق عطا فرما دے گا اور اپنے قلب و دماغ میں نماز کی برکت و نورانیت کے اثر کی وجہ سے وہ چوری سے باز رہے گا۔

اہل خانہ کے ہمراہ نماز تہجد پڑھنے کی فضیلت

⑲ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَيْقَظَ الرَّجُلُ اَهْلَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّيَا اَوْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ جَمِيْعًا كُتِبَا فِي الذَّاكِرِيْنَ وَالذَّاكِرَاتِ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوسعید خدری و حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "اگر کوئی شخص رات میں بیوی کو جگائے اور وہ دونوں نماز پڑھیں، یا یہ فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک دو رکعتیں اکٹھی پڑھیں تو وہ (دونوں) ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں (کے زمرہ) میں لکھے جاتے ہیں۔" (ابوداؤدؒ و ابن ماجہ)

تشریح: حدیث میں لفظ "اہل" سے مراد صرف بیوی بھی لی جا سکتی ہے اور بیوی اولاد، غلام اور لونڈیاں بھی مراد لی جا سکتی ہیں۔ درمیان روایت راوی کو شک واقع ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لفظ فَصَلَّيَا (یعنی اور وہ دونوں نماز پڑھیں) فرمایا ہے، یا لفظ صلی (یعنی ہر ایک دو رکعتیں اکٹھی پڑھیں) فرمایا ہے۔ بہرکیف یہ صرف لفظی اختلاف ہے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں سے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔

"اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے مرد اور عورتیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور بہت زیادہ ثواب (کا اجر و انعام) تیار کر رکھا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ جو شخص رات میں خود بھی اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھے گا اور ذکر اللہ میں مشغول رہے گا اور اپنی بیوی و دیگر اہل خانہ کو بھی جگا کر خدا کی عبادت میں مشغول رکھے گا تو ان سب کا شمار ان نیک و باسعادت مرد و عورتوں میں ہو گا جن کی فضیلت اس آیت میں بیان کی جا رہی ہے۔

اُمّت میں بلند مرتبہ کون لوگ ہیں

(۲۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَۃُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّیْلِ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "میری اُمّت کے اشراف یعنی بلند مرتبہ لوگ قرآن اٹھانے والے (اور رات (میں اٹھنے) والے ہیں۔" (بیہقیؒ)

تشریح: "قرآن اٹھانے والے" سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم یاد کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں بایں طور کہ قرآن نے جن امور کو کرنے کا حکم دیا ہے ان کو کرتے ہیں اور جن امور سے منع کیا ہے ان سے بچتے ہیں، آنحضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ایسے ہی لوگ میری اُمّت کے بلند مرتبہ اور باسعادت افراد ہیں، چنانچہ قرآن حفظ کرنے والے اور اس کے احکام کے پابند لوگوں کی فضیلت ایک دوسری روایت میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ "جس شخص نے قرآن حفظ کیا تو بیشک اس پر فیضان نبوت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں مگر اس کے پاس وحی (یعنی وحی جلی) نہیں آتی، البتہ وحی خفی اس کے پاس آتی ہے (یعنی وحی جلی کے مطالب و معارف کا فیضان اس کے قلب و دماغ پر ہوتا ہے) مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم حفظ کرنے والا شخص اس وجہ سے بہت زیادہ فضیلت و سعادت کا پیکر مانا جاتا ہے کہ اس کے قلب کے اندر قرآن کے الفاظ کی شکل میں نور نبوت ودیعت فرمادیا جاتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وحی خفی یعنی قرآن کے ظاہری الفاظ کے مطالب و معارف کا فیضان اس کے قلب و دماغ کو منور کر دیتا ہے اور قرآن کے الفاظ کے نور کی برکت سے وحی جلی پر جو کہ انبیاء کا مخصوص حصہ ہے اس کا ایمان و ایقان قوی تر ہو جاتا ہے۔

علامہ یحییٰؒ کہتے ہیں کہ "قرآن حفظ کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن یاد کرے اور اپنی عملی زندگی کو اس کے سانچے میں ڈھالے، بایں طور کہ قرآن نے جو احکام دیے ہیں ان پر پورے قلبی خلوص اور مداومت کے ساتھ عمل کرے ورنہ تو محض قرآن یاد کرنے والا اور اس پر عمل کرنے والا ان لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جن کے بارہ میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ:

کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔

"یعنی (جو لوگ حافظ قرآن ہوں مگر عامل قرآن نہ ہوں تو) وہ ایسے ہیں جیسے کہ گدھے پر کتابیں لاد دی جائیں۔"

یعنی جس طرح کہ گدھے پر کتابیں لاد دینے سے گدھے کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں پہنچتا بالکل اسی طرح قرآن پر عمل نہ کرنے والے حافظ کو بھی قرآن حفظ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور وہ سعادت و مرتبہ کے اعتبار سے کسی بھی حیثیت میں نہیں ہوتا۔

اَصْحَابُ اللَّیْلِ (رات والے) سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز و قرآن پڑھنے کے لئے شب بیداری پر مداومت کرتے ہیں یعنی پابندی کے ساتھ روزانہ رات میں اٹھتے ہیں اور عبادت خداوندی و ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں ایسے لوگ خدا اور خدا کے رسول کی نظروں میں بڑی فضیلت کے حامل ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق اُمّت مرحومہ کے بلند مرتبہ افراد میں شمار کئے جاتے ہیں۔

رات کی عبادت کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا معمول

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ اَبَاہُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ مَاشَآءَ اللّٰہُ حَتّٰی اِذَا کَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ اَیْقَظَ اَھْلَہٗ لِلصَّلٰوۃِ یَقُوْلُ لَھُمُ الصَّلٰوۃُ ثُمَّ یَتْلُوْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا لَا نَسْأَلُکَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُکَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلتَّقْوٰی۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کے پدر بزرگوار حضرت عمر بن خطابؓ رات میں جس قدر اللہ چاہتا نماز پڑھتے رہتے اور رات

جب آخر ہوتی تو اپنی زوجہ محترمہ کو نماز پڑھنے کے لئے اٹھاتے اور فرماتے کہ "نماز پڑھو، پھر یہ آیت پڑھتے وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى (اور اے محمد ﷺ) اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس (کی مشقتوں) پر صبر کیجئے ہم آپ (ﷺ) سے رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ (ﷺ) کو دیتے ہیں اور آخرت (کی بھلائی) تو پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے)۔" (مالک)

تشریح: آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے متعلقین اور اہل خانہ کو نماز پڑھنے کی ہدایت کرتے رہیے اور خود بھی نماز پڑھنے کی مشقتوں محنتوں پر صبر کیجئے اور اس سلسلہ میں آپ ﷺ کے متعلقین کو بھی جو محنت و مشقت اٹھانی پڑے اسے بھی برداشت کیجئے اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں مشغول رہئے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کیجئے، اسی سے ظاہری و باطنی غناء کے لئے مدد کے طلبگار رہئے اپنے رزق اور معاش کی فکر نہ کیجئے اور دیکھئے ہم آپ (ﷺ) سے رزق نہیں مانگتے کہ اپنے رزق اور اسباب معیشت کے حصول اور دوسروں کے لئے رزق کی ذمہ داری آپ کو جدوجہد اور محنت و سعی کے ایسے بندھنوں میں باندھ دے جو آپ (ﷺ) کے لئے ادائیگی نماز میں رکاوٹ بن جائے جس طرح ہم دوسروں کو رزق دیتے ہیں اسی طرح آپ (ﷺ) کو بھی رزق بخشتے ہیں، آپ (ﷺ) کا کام تو صرف یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کے امور سے منہ موڑ کر اپنے قلب و دماغ کو صرف آخرت کی بھلائی اور اپنے متعلقین کی اصلاح میں مصروف رکھئے اور یہ جان لیجئے کہ عاقبت محمودہ یعنی دنیا اور آخرت دونوں جگہ انجام کار بخیر ہونا صرف متقیوں اور خدا کے نیک بندوں ہی کے لئے ہے۔

بَابُ الْقَصْدِ فِي الْعَمَلِ

اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جس طرح دنیاوی امور میں افراط و تفریط یعنی حد سے زیادہ زیادتی اور حد سے زیادہ کمی غیر نفع بخش ہے اسی طرح دینی امور یعنی اعمال نفل میں بھی افراط و تفریط مطلوب نہیں ہے بلکہ اس راستہ پر بھی میانہ روی اور ان میں اعتدال اختیار کرنا ہی ضروری ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يَصُوْمَ مِنْهُ وَيَصُوْمُ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَكَانَ لَا تَشَاءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْتَهُ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَيْتَهُ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ مہینہ (کے اکثر ایام) میں (نفل) روزہ نہ رکھتے، یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ آپ ﷺ اس مہینہ میں روزہ نہیں رکھیں گے اور آپ ﷺ (اسی مہینہ یا دوسرے مہینہ کے اکثر ایام میں) روزہ رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ اب (اس مہینہ کا) کوئی دن بھی آپ ﷺ بغیر روزہ نہیں چھوڑیں گے اور اگر آپ ﷺ کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے تم دیکھنا چاہتے تو نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھ لیتے اور اگر آپ ﷺ کو رات میں سوتے ہوئے تم دیکھنا چاہتے تو سوتے ہی ہوئے دیکھ لیتے۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اعمال نفل میں اعتدال کی راہ اختیار فرماتے تھے چنانچہ نہ تو آپ ﷺ ہمیشہ روزہ ہی رکھتے تھے کہ افراط یعنی زیادتی لازم آتی اور نہ ہمیشہ بغیر روزہ کے رہتے تھے کہ تفریط یعنی کمی لازم آتی، بلکہ آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ ہر مہینہ میں کچھ دن تو آپ ﷺ روزہ سے رہا کرتے تھے اور کچھ دن بغیر روزہ کے۔

اسی طرح نفل نماز کے سلسلہ میں بھی آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ رات میں آپ ﷺ سوتے بھی تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے، نہ تو

تمام رات سوتے ہی تھے اور نہ تمام رات نماز ہی میں گزارتے تھے۔ غرضکہ تمام امور میں آپ ﷺ کا عمل اوسط درجہ کا تھا، نہ زیادہ تھا اور نہ کم تھا۔

مداومت عمل کی فضیلت

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا" (بندوں کے نیک اعمال میں) خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ عمل ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ "اہل تصوف و طریقت اسی حدیث کے پیش نظر اوراد و وظائف کو ترک کرنا ایسا ہی برا جانتے ہیں جیسا کہ فرائض کے ترک کو، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ ترک اولیٰ ہے یعنی فرائض کے ترک اور اوراد و وظائف کے ترک میں فرق ہے، فرائض کا ترک گناہ کبیرہ ہے جبکہ اوراد و وظائف کا ترک اولیٰ کا ترک کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اولیٰ کا ترک کرنا فرائض کے ترک کرنے کے درجہ میں نہیں آسکتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب بندہ نے طاعت بغیر ضرورت کے ترک کی تو گویا اس نے مولیٰ کی عبادت سے اعراض کیا لہٰذا وہ عتاب کا مستحق ہوا، بخلاف مداومت کرنے والے کے کہ وہ اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ پروردگار کا محبوب ہو۔

وَاِنْ قَلَّ (اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو) کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑا عمل اگر اس پر مداومت و مواظبت اختیار کی جائے تو وہ زیادہ عمل سے جب کہ اس کے آداب و شرائط کی رعایت نہ ہوتی ہو اور ہمیشہ نہ کیا جاتا ہو، بہتر ہے۔

بساط سے باہر عبادت نہ کرنی چاہئے

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا" تم اسی قدر عمل کیا کرو جتنی کہ (ہمیشہ) کرنے کی طاقت رکھتے ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ (ثواب دینے میں) تنگی نہیں کرتا یہاں تک کہ تم خود تنگی نہ کرو (یعنی تنگ آکر عبادت ہی نہ چھوڑ دو)۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے اتنی زیادہ عبادت ضروری قرار نہ دے دو جسے تم ہمیشہ نباہنے کی طاقت نہ رکھتے ہو بلکہ اسی قدر عبادت کرو کہ جتنی تم ہمیشہ پابندی کے ساتھ کر سکو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے میں تنگی نہیں کرتا یعنی ثواب دینا ترک نہیں کرتا یہاں تک کہ تم خود عبادت کی زیادتی سے پریشان ہو کر سرے سے عبادت ہی نہ چھوڑ دو۔

حاصل یہ کہ اللہ جل شانہ عبادت کرنے والے کو ثواب دیئے جاتا ہے ہاں اگر کوئی شخص زیادتی کے سبب تھک کر عبادت چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ثواب دینا بھی چھوڑ دیتا ہے لہٰذا عبادت کے معاملہ میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے تاکہ ہمیشہ عبادت جاری رہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے ثواب کا سلسلہ بھی قائم رہے۔

اس وقت تک عبادت کرنی چاہے جب تک دل لگے

(۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّ اَحَدُكُمْ نَشَاطَهٗ وَاِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا" تمہیں چاہئے کہ اسی وقت تک نماز پڑھو جب تک کہ خوش دلی رہے، اور جب طبیعت سست ہو جائے تو بیٹھ جاؤ۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آخرت کی راہ سعادت اور بھلائی اختیار کرنے والے کو چاہئے کہ عبادت میں اپنی بساط اور طاقت کے مطابق کوشش کرے طاعت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرے اور تنگ دلی و انقباض کے ساتھ عبادت کرنے سے احتراز کرے۔ عبادت اسی وقت تک کرے جب تک کہ بشاشت قلبی اور سکون و اطمینان حاصل رہے۔ جب طبیعت سست ہو جائے تو عبادت ترک کر دے، اگر کوئی شخص عبادت کرتے کرتے تھک جائے اور سست ہو جائے، نیز عبادت چھوڑ کر اس خیال سے کسی امر مباح میں مشغول ہو جائے مثلاً سو جائے یا گفتگو وغیرہ میں لگ جائے تاکہ آئندہ عبادت کے لئے مزید بشاشت و خوشی اور اطمینان و سکون حاصل ہو سکے تو اس کی یہ مشغولیت عبادت و طاعت ہی میں شمار کی جاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ "عالم کی نیند (بھی) عبادت ہے"

کسالت و ملالت اور طبیعت کی تنگی کے وقت نفل اعمال کو ترک کر دینے کے سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ایسے موقعہ پر جبکہ طبیعت میں اضمحلال اور سستی پیدا ہو جائے نفل اعمال کو ترک کر دینے کی اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ عمل کا نفس پر گراں ہونا آخر کار عمل کے بالکل چھوٹ جانے یا اس میں نقصان واقع ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ نفس کو بہت زیادہ عبادت کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے تاکہ طبیعت عبادت کی مشقت و ریاضت کی خوگر ہو جائے، کاہل طبیعت، آرام طلب اور سست مزاج لوگوں کی طرح نہ ہو جانا چاہئے جو کہ مختصر سی عبادت اور تھوڑے سے عمل میں بھی تھک جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عبادت اور ریاضت و مجاہدہ کو ادھورا چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں لیکن بہت زیادہ عبادت کرنے کی اگر عادت پڑ جاتی ہے تو زیادہ سے زیادہ عبادت طبیعت پر گراں نہیں ہوتی، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو پہلے دو رکعت نماز پڑھنی اور قرآن کے ایک پارے کی تلاوت بھی گراں گذرتی تھی اور اس کی وجہ سے ان کی طبیعت میں سستی و اضمحلال پیدا ہو جاتا تھا انہوں نے ہی جب زیادہ عبادات اور ریاضت و مجاہدہ کی عادت پیدا کر لی اور اپنے نفس اور اپنی طبیعت کو راہ خداوندی کی سعادتوں کے حصول کی خاطر مشقت و محنت کا عادی بنا لیا تو انہیں سو رکعت نماز پڑھنی اور قرآن کے دس پاروں کی تلاوت بھی آسان معلوم ہونے لگی۔

اونگھنے کی حالت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کی حالت میں اونگھنے لگے تو اسے چاہئے کہ سو رہے یہاں تک کہ نیند جاتی رہے کیونکہ جب تم میں سے کوئی اونگھتا ہوا نماز پڑھتا ہے تو نیند کے غلبہ کی وجہ سے اسے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ وہ تو مغفرت کا طالب ہو مگر (اونگھنے کی وجہ سے) اپنے نفس کے لئے (اس کی زبان سے) بددعا نکل جائے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ نیند کے غلبہ اور اونگھنے کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ ایسے وقت نہ تو دل و دماغ حاضر رہتے ہیں اور نہ زبان ہی قابو میں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں انسان کہنا کچھ چاہتا ہے مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اس پر نیند کا غلبہ ہے اور وہ اونگھ رہا ہے جس کی وجہ سے اس کے دل و دماغ اور زبان پر غفلت و سستی کا قبضہ ہے اب وہ اس حالت میں کہنا چاہتا ہے

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ۔ —— "اے اللہ میری مغفرت فرما۔"

مگر نیند کی غفلت اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا کر رہی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اعْفِرْلِیْ۔ —— "اے اللہ مجھے خاک آلود کر دے۔"

دیکھا آپ نے؟ نیند کی غفلت سے صرف ایک نقطہ کے فرق نے کیا گل کھلا دیا" کہاں تو اپنی مغفرت اور آخرت میں اپنی عزت و کامیابی کی دعا مانگنا چاہتا تھا اور کہاں اپنے نفس کے لئے بددعا کے الفاظ نکال کر ذلت و خواری کا سامان کر بیٹھا، اسی لئے منع کیا جا رہا ہے کہ جب نیند کا غلبہ ہو اور اونگھ کا تسلط ہو تو ایسے وقت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے۔

دین آسان چیز ہے اسے اپنے عمل سے سخت اور ہیبت ناک نہ بناؤ

⑥ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَّلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَیْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا" بیشک دین آسان ہے لیکن جو شخص دین میں سختی کرتا ہے دین اس پر غالب آجاتا ہے لہٰذا (دینی امور میں) میانہ روی اور اپنی طاقت کے مطابق عمل اختیار کرو اور (جنت و سلامتی نیز اللہ رب العزت کے انعامات و اکرامات کے ساتھ) خوش رہو (کیونکہ اللہ رب العزت تو تھوڑے ہی سے عمل پر) اگر وہ مداومت اور خلوص نیت کے ساتھ ہو تو بہت زیادہ ثواب دیتا ہے) اور صبح کے وقت شام کے وقت نیز کچھ رات کے آخری حصہ میں بھی اللہ رب العزت سے مدد مانگو۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث میں صفائی کے ساتھ اعلان کیا جا رہا ہے کہ دین بہت آسان ہے انسانی مزاج و فطرت کے عین مطابق ہے اور انسان کی ذہنی، فکری، عملی قوتیں بڑے سکون کے ساتھ اس کی ہمنوا بن سکتی ہیں۔ ہاں اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں کہ کوئی شخص اپنی طرف سے بے جا پابندیاں عائد کر کے اعمال کی زیادتی کرے اور دین و شریعت میں اپنی طرف سے باتیں بڑھا کر خود ہی اپنے اوپر مشکلات و تنگیوں کو مسلّط کرے۔

چنانچہ یہاں صراحت کے ساتھ حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ دین کے احکام بہت آسان مقرر کئے ہیں اس لئے رہبانیت کے طور پر ان احکام کو اپنے لئے سخت و ہیبت ناک نہ بناؤ۔

"دین اس پر غالب آجاتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر غیر واجب باتیں واجب کر لیتا ہے اور مشکل طریقوں سے عبادت کی مشغولیت اختیار کر لیتا ہے تو دین اس پر غالب آجاتا ہے یعنی وہ بعد میں دین کے حق کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہے اس طرح وہ مغلوب اور دین غالب ہو جاتا ہے۔

قَارِبُوْا کا مطلب یہ ہے کہ سہولت اور آسانیوں کے ساتھ دینی امور کے قریب ہو جاؤ اور اپنے اوپر بے جا پابندیوں کو عائد کر کے اور سختی و مشکلات میں اپنے آپ کو مبتلا کر کے دین سے بعد اختیار نہ کرو۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ قَارِبُوْا دراصل سَدِّدُوْا (یعنی میانہ روی اختیار کرو) کی تاکید ہے لہٰذا جو معنی "سَدِّدُوْا" کے ہیں وہی معنی "قَارِبُوْا" کے ہیں بعض حضرات نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ "اللہ جل شانہ، کا قرب ڈھونڈو۔"

بہرحال حدیث کا اصل یہ ہے کہ بہت زیادہ عبادت نہ کرو کہ ہر وقت اپنے آپ کو عبادت کی محنت و مشقت ہی میں مبتلا رکھو بلکہ ان تین اوقات میں عبادت کر لینے ہی کو غنیمت جانو یعنی دن کے ابتدائی حصہ میں، دن کے آخری حصہ میں اور رات کے آخری حصہ میں، یہ تہجد کی نماز کی طرف اشارہ ہے۔

رات کے بقیہ اوراد و وظائف کو دن میں پڑھ لینا چاہئے

⑦ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْعَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ فَقَرَاَهٗ فِیْمَا بَیْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَاَهٗ مِنَ اللَّیْلِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "(جو شخص رات میں) پورا وظیفہ پڑھے بغیر سو رہا یا وظیفہ کا کچھ حصہ پڑھنے سے رہ گیا اور پھر اس نے اس کو نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو اس کے لئے یہی لکھا جائے گا کہ گویا اس نے رات ہی کو پڑھا۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے کلام اللہ، نماز اور اوراد و اذکار کی قسم سے کچھ وظیفہ مقرر کر رکھا ہے جسے وہ رات میں پڑھتا ہے مگر کسی دن وہ سو گیا اور اس کا پورا وظیفہ یا اس وظیفہ کا کچھ حصہ رات میں پڑھنے سے رہ گیا اور اس نے نماز فجر، اور نماز ظہر کے درمیان یعنی زوال سے پہلے پڑھ لیا تو اس کے لئے رات ہی میں پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

اسی طرح دن کے وظیفہ کا حکم ہے کہ اگر دن میں وظیفہ پڑھنے سے رہ گیا اور پھر اس رات میں پڑھ لیا تو اس کے لئے دن ہی میں پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے رات دن آپس میں ایک دوسرے کے خلیفہ ہیں۔

حدیث میں صرف رات کے وظیفہ ہی کے بارہ میں اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اکثر و بیشتر رات ہی کا وظیفہ رہ جاتا ہے یعنی نیند کے غلبہ کی وجہ سے نماز تہجد اور اوراد و اذکار فوت ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

معذوری کی حالت میں بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم

(۸) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عمران بن حصینؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اور اگر (کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر) قادر نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی) قادر نہ ہو سکو تو (پھر) کروٹ پر پڑھو۔" (بخاریؒ)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی عذر شدید مثلاً سخت بیماری وغیرہ کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر اپنی نماز ادا کرے اور اگر عذر اتنا شدید ہو کہ بیٹھ کر بھی قدرت سے باہر ہو تو پھر آخری مرحلہ یہ ہے کہ (لیٹے لیٹے) کروٹ سے بقبلہ ہو کر پڑھ لے پھر اس میں بھی اتنی آسانی کہ اگر کوئی شخص قبلہ کی طرف منہ نہ کر سکے یا یہ کہ کوئی شخص ایسا پاس موجود نہ ہو جو معذور کا منہ قبلہ کی طرف کر سکے تو جس طرف بھی منہ ہو ادھر ہی کی طرف نماز پڑھ لے، ایسے موقع پر کسی بھی سمت منہ کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ لیٹ کر نماز پڑھنے کے سلسلہ میں افضل یہ ہے کہ رو بقبلہ ہو کر چت لیٹے مونڈھے کے نیچے تکیہ رکھ کر سر کو اونچا کرے اور اشاروں سے نماز پڑھے۔ چنانچہ دار قطنیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے چت لیٹ کر ہی نماز پڑھنے کا اثبات ہوتا ہے یہاں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کے بارہ میں حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے یہ حکم بطور خاص حضرت عمرانؓ کے لئے فرمایا تھا کیونکہ وہ بواسیر کے مرض میں مبتلا تھے اور چت نہیں لیٹ سکتے تھے لہٰذا یہ حدیث دوسروں کے لئے حجت نہیں ہو سکتی۔

آخر میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم فرض نماز کے لئے ارشاد فرمایا ہے اس لئے نفل نمازوں میں یہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

بغیر عذر بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے والے کو آدھا ثواب ملتا ہے

(۹) وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا قَالَ اِنْ صَلّٰى قَآئِمًا فَهُوَ اَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰى قَاعِدًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلّٰى نَآئِمًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَاعِدِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عمران بن حصینؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس شخص کے بارہ میں پوچھا جو (کھڑے ہونے کی طاقت رکھنے کے باوجود نفل نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تو بہتر تو وہی ہے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھے لیکن جو شخص (نفل)

نماز (بغیر عذر) کے بیٹھ کر پڑھے گا تو اسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت نصف ثواب ملے گا۔" (بخاری)

تشریح: یہ حدیث نفل نماز پر محمول ہے کیونکہ فرض نماز تو بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا درست ہی نہیں ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو تو قیام ساقط ہو جاتا ہے اور معذور بیٹھ کر فرض نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنے والے کو نماز کا پورا ثواب نہیں ملتا بلکہ جتنا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کو ملتا ہے اس کا نصف ثواب اسے ملتا ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو کہ کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو تو پھر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت آدھا ثواب نہیں ملے گا بلکہ اسے بھی پورا ثواب ملے گا۔

بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں: حضرت علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "جو شخص کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نفل نماز پڑھ سکتا ہے اور اسے قیام و قعود کی قدرت نہیں ہے تو آیا اس شخص کے لئے نفل نماز لیٹ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں چنانچہ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے مگر علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔

نیز اس جماعت کا یہ قول بھی ہے کہ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنے والے کو بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت آدھا ثواب ملتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ حسن بصریؒ کا قول بھی یہی ہے اور حدیث سے ثابت ہونے کی وجہ سے یہی قول صحیح تر اور اولیٰ ہے۔

مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے اور اس حدیث کے بارہ میں ان کی طرف سے کہا گیا ہے کہ یہ حدیث فرض نماز کے بارہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص اس درجہ بیمار ہو کہ مرض کی زیادتی اور شدت کے باوجود کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنا اس کے لئے ممکن ہو تو اسے لیٹ کر نماز پڑھنے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت آدھا ثواب ملے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

نیند آتے تک باوضو ذکر اللہ میں مشغولیت

⑩ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ اَوٰی اِلٰی فِرَاشِهٖ طَاهِرًا وَّذَكَرَ اللّٰهَ حَتّٰی یُدْرِكَهُ النُّعَاسُ لَمْ یَتَقَلَّبْ سَاعَةً مِّنَ اللَّیْلِ یُسْاَلُ اللّٰهَ فِیْهَا خَیْرًا مِّنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ ذَكَرَ النَّوَوِیُّ فِیْ كِتَابِ الْاَذْكَارِ بِرِوَایَةِ ابْنِ السُّنِّیِّ۔

"حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص (وضو یا تیمم کے ذریعہ نجاستوں سے یا یہ کہ گناہوں سے) پاک ہو کر اپنے بستر پر لیٹے اور نیند آنے تک (زبان سے یا دل سے) ذکر اللہ میں مشغول رہے تو وہ رات میں جب بھی اس حال میں کروٹ بدلے کہ اللہ جل شانہ سے دنیا اور آخرت کی کسی بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ بھلائی ضرور دیتا ہے، (یہ حدیث نووی نے کتاب الاذکار میں ابن السنی کی روایت سے نقل کی ہے۔"

وہ دو خوش نصیب جن سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے

⑪ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ رَّجُلَیْنِ رَجُلٌ ثَارَ عَنْ وِطَائِهٖ وَلِحَافِهٖ مِنْ بَیْنِ حِبِّهٖ وَاَهْلِهٖ اِلٰی صَلَاتِهٖ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهٖ اُنْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ ثَارَ عَنْ فِرَاشِهٖ وَوِطَائِهٖ مِنْ بَیْنِ حِبِّهٖ وَاَهْلِهٖ اِلٰی صَلٰوتِهٖ رَغْبَةً فِیْمَا عِنْدِیْ وَشَفَقًا مِّمَّا عِنْدِیْ وَرَجُلٌ غَزَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَانْهَزَمَ مَعَ اَصْحَابِهٖ فَعَلِمَ مَا عَلَیْهِ

فِي الْاِنْهِزَامِ وَمَالَهُ فِي الرُّجُوْعِ فَرَجَعَ حَتّٰى هُرِيْقَ دَمُهُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهٖ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ رَجَعَ رَغْبَةً فِيْمَا عِنْدِيْ وَشَفَقًا مِمَّا عِنْدِيْ حَتّٰى هُرِيْقَ دَمُهُ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ "سرور کونین ﷺ نے فرمایا" ہمارا رب دو آدمیوں سے بہت خوش ہوتا ہے ایک تو وہ آدمی جو رات میں اپنے نرم بستر و لحاف سے اور اپنی محبوبہ اور بیوی کے پاس سے (تہجد کی) نماز کے لئے اٹھتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے "میرے بندہ کی طرف دیکھو جو میرے پاس کی چیزوں (یعنی جنّت اور ثواب) کے شوق سے اور میرے پاس کی چیزوں (یعنی دوزخ اور عذاب) کے ڈر کی وجہ سے اپنے فرش و نرم بستر اور اپنی محبوبہ اور بیوی کو چھوڑ کر اپنی نماز پڑھنے کے لئے اٹھا۔ اور دوسرا وہ آدمی جس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور (بغیر کسی شدید عذر کے) اپنے ساتھیوں سمیت (میدان چھوڑ کر) بھاگ نکلا، مگر جب اسے (بلا عذر میدان جہاد سے) بھاگ نکلنے کی سزا، اور پھر (جنگ میں) واپس آجانے کا ثواب یاد آیا تو (میدان کارزار میں) واپس آگیا اور (خدا کے دشمنوں سے) اس قدر لڑا کہ جام شہادت نوش کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ "میرے بندہ کی طرف (بنظر تعجب) دیکھو جو میرے پاس کی چیزوں (یعنی جنّت و ثواب) کے شوق میں اور میرے پاس کی چیزوں (یعنی دوزخ و عذاب) کے خوف سے (میدان جنگ میں) لوٹ آیا (اور راہ خدا میں) یہاں تک (لڑا) کہ اپنی جان بھی دیدی۔" (شرح السنہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رات کے پر سکون ماحول اور آرام میں کسی شخص کے لئے نرم بستر، آرام دہ لحاف اور محبوب بیوی کا قرب ہی سب سے زیادہ پسندیدہ اور پیاری چیزیں ہوتی ہیں مگر اس کے باجود وہ شخص اپنے رب کی عبادت اور اس کی جزاء و انعام کے شوق میں ان سب چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے اور پروردگار کے حضور میں اپنی بندگی و عبودیت کا نذرانہ پیش کرنے لگتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دنیا کی تمام پسندیدہ چیزیں دنیا میں تو قلب و دماغ کے سکون اور انسانی عیش و مسرت کا سامان بن سکتی ہیں مگر نہ تو یہ قبر میں نفع پہنچائیں گی اور نہ حشر میں کامیابی و سرخروئی کی ضامن ہوں گی۔ قبر اور حشر میں تو صرف پروردگار کی اطاعت اور اس کی عبادت ہی کام آئے گی اور وہی سعادت و کامیابی کی منزل سے ہم کنار کریں گی۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے واسطے عبادت کرنا اور اس پر ثواب کی امید رکھنا اخلاص اور کمال کے منافی نہیں ہے اگرچہ یہ اکمل درجہ کے منافی ہے کیونکہ عبادت کے سلسلہ میں اکمل درجہ یہی ہے کہ عبادت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لئے کی جائے اور اس سے کوئی غرض مثلاً ثواب کا حصول یا عذاب کا خوف وابستہ نہ ہو لیکن ہاں کوئی شخص اگر عبادت محض ثواب کے واسطے یا عذاب کے خوف سے کرتا ہے تو اسے یہ نہ جان لینا چاہئے کہ اس کی یہ عبادت، عبادت نہیں صرف تضیع اوقات ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حُدِّثْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلَاةِ قَالَ فَاَتَيْتُهُ فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰى رَأْسِهٖ فَقَالَ مَالَكَ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو قُلْتُ حُدِّثْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ قُلْتَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلٰى نِصْفِ الصَّلٰوةِ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ قَاعِدًا قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "(بغیر عذر) بیٹھ کر (نفل) نماز پڑھنے والے کی نماز (کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھی ہوتی ہے" حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ "میں (ایک دن) آنحضرت ﷺ خدمت اقدس میں حاضر ہوا (تو اتفاق سے) آنحضرت ﷺ اس وقت بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے (جب نماز سے فارغ ہوئے تو) میں نے

آپ ﷺ کے سر مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "عبداللہ بن عمرو! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا" یا رسول اللہ! مجھے تو یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز آدھی ہوتی ہے اور اب آپ ﷺ ہی بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں ایسا ہی ہے (یعنی تم نے جو کچھ سنا ہے) صحیح ہے لیکن میں تم جیسا تو نہیں ہوں۔" (مسلم)

تشریح: اہل عرب کی عادت ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے کوئی تعجب کی بات دیکھتا ہے تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتا ہے اور ان کے نزدیک ایسا کرنا کوئی خلاف ادب نہیں ہے، بلکہ یہ کمال محبت اور انتہائی بے تکلفی کے سبب سے ہوتا ہے چونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو کو آنحضرت ﷺ سے انتہا درجہ کی محبت اور بے تکلفی تھی اس لئے جب آپ ﷺ نے نماز پڑھ لی تو انہوں نے بھی ازراہ تعجب اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے سر مبارک پر رکھا اور انہیں تعجب اس بات پر ہوا کہ آنحضرت ﷺ تو افضل بات پر عمل کیا کرتے تھے پھر آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز کیوں پڑھی۔

آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ نہ تو دوسروں پر مجھے اور نہ مجھ پر دوسروں کو قیاس کرو کیونکہ یہ تو صرف میری خصوصیت ہے کہ بیٹھ کر بھی نماز پڑھتا ہوں تو میری نماز ناقص نہیں ہوتی، میں چاہے جس طرح بھی نماز پڑھوں میری نماز پوری ادا ہوتی ہے۔

نماز میں راحت و سکون ہے

⑬ وَعَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ خُزَاعَةَ لَيْتَنِيْ صَلَّيْتُ فَاسْتَرَحْتُ فَكَاَنَّهُمْ عَابُوْا ذٰلِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَقِمِ الصَّلٰوةَ يَا بِلَالُ اَرِحْنَا بِهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سالم بن ابی الجعد فرماتے ہیں کہ (ایک دن) قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی کہنے لگا کہ "کاش میں نماز پڑھتا اور راحت پاتا" جب لوگوں نے اس کے اس کہنے کو برا سمجھا تو اس نے کہا کہ "میں نے سرور کونین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے (حضرت بلال ؓ سے) فرمایا کہ "بلال! نماز کے لئے تکبیر کہو تاکہ ہم اس کے ذریعہ راحت حاصل کریں۔" (ابوداؤد)

تشریح: نماز کی تاثیر انسانی راحت و اطمینان اور قلبی سکون ہے جو شخص خلوص قلب کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اسے ایک عجیب قسم کی راحت ملتی ہے اور اس کے دل و دماغ میں سکون و اطمینان کے خزانے بھر جاتے ہیں چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے مذکورہ شخص کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز پڑھوں اور پھر اپنے پروردگار کی عبادت، اس کی مناجات اور حمد اور اس کے کلام پاک کے پڑھنے کی لذت سے راحت و سکون حاصل کروں۔

لوگوں نے اس کے کہنے کو جو برا سمجھا تو ایک وجہ تھی وہ یہ کہ اس کے قول کے دو معنی محتمل تھے اوّل تو یہ کہ "نماز کے ذریعہ راحت پاؤں" دوسرے یہ کہ "نماز سے راحت پاؤں" یعنی نماز پڑھ کر آرام سے بیٹھ جاؤں۔ اس کی مراد تو اوّل معنی تھے لیکن لوگوں نے دوسرے معنی مراد لئے جو انہیں پسند نہیں تھے اس لئے اس نے لوگوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اور مراد کو واضح کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد جو آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا تھا نقل کیا کہ "اے بلال تکبیر اقامت کہو تاکہ ہم اس کے ذریعہ راحت حال کریں" کیونکہ آپ ﷺ کے لئے تو بس خدا کی عبادت ہی میں راحت تھی اور نماز میں مشغول رہنا ہی آپ ﷺ کے لئے آرام و سکون کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ نماز ہی کے اندر اپنے پروردگار کی بڑائی اور اپنے خالق کی مناجات و حمد بیان کی جاتی ہے کہ ایک کامل و اکمل بندے کا اپنے پروردگار کی مناجات میں مشغول رہنا ہی اس کے لئے سب سے بڑی راحت ہے اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ۔

"مجھے تو نماز (ہی) میں راحت ملتی ہے۔"

بَابُ الْوِتْرِ
نماز وتر کا بیان

وتر[1] ہر اس نماز کو کہہ سکتے ہیں جس میں طاق رکعتیں ہوں مگر فقہا کے یہاں وتر اسی خاص نماز کو کہتے ہیں جس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے جو عام طور پر عشاء کے فوراً بعد ہی پڑھی جاتی ہے اور اس باب میں اسی نماز وتر کا بیان ہوگا۔

نماز وتر واجب ہے یا سنت

نماز وتر کے سلسلہ میں ائمہ کے یہاں دو چیزوں میں اختلاف پایا جاتا ہے پہلی چیز تو یہ کہ آیا نماز وتر واجب ہے یا سنت؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز واجب ہے حضرت امام شافعی ؒ اور حضرت قاضی ابویوسف ؒ فرماتے ہیں کہ سُنّت ہے۔

نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین رکعتیں

علماء کے نزدیک دوسرا اختلاف یہ ہے کہ نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین؟ حنفیہ کے یہاں وتر کی تین رکعتیں ہیں جب کہ اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز وتر صرف ایک ہی رکعت ہے تاہم ان حضرات کے نزدیک بھی وتر کے لئے صرف ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے بلکہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا جائے اس کے بعد ایک وتر پڑھی جائے۔

نماز وتر کا طریقہ

وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح (حنفیہ کے مسلک کے مطابق) تین رکعت پڑھی جاتی ہے، اس کے پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو فرض نمازوں کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ فرض کی محض دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت ملائی جاتی ہے جب کہ وتر کی نماز میں تینوں رکعتوں میں دوسری سورت پڑھنے کا حکم ہے اور تیسری رکعت میں دوسری سورت کے بعد دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ کانوں تک اٹھا کر (جس طرح کہ تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھاتے ہیں) پھر باندھے جائیں اور بآواز آہستہ دعا قنوت پڑھی جائے، دعا قنوت یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَھْدِیْکَ وَ نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَ نُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَنَشْکُرُکَ وَ لَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ ط اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَ نَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ۔

"اے اللہ! تجھی سے مدد مانگتے ہیں، تجھی سے ہدایت کے طالب ہیں، تجھی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں ہم تیرے ہی سامنے توبہ کرتے ہیں، تیرے ہی اوپر ایمان لاتے ہیں، تیری ہی (اچھی تعریفیں بیان کرتے ہیں، ہم تیرا ہی شکر ادا کرتے ہیں ناشکری نہیں کرتے اور جو شخص تیری ناشکری کو نافرمانی کرے ہم اس کو چھوڑتے ہیں۔ اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیری ہی نماز پڑھتے ہیں تجھی کو سجدہ کرتے ہیں، تیری ہی طرف دوڑتے آتے ہی، تیری ہی عبادت میں جلد مستغرق ہو جاتے ہیں، تیری رحمت کے امیدوار ہیں ہم تیرے ہی عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرا عذاب کافروں پر نازل ہونے والا ہے۔"

اگر اس کے بعد یہ دعا بھی پڑھ لی جائے تو بہتر ہے۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْ مَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَ بَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّمَا

[1] لفظ وتر میں واؤ کو زیر اور زبر دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں مگر زیر کے ساتھ پڑھنا زیادہ مشہور ہے۔

قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِىْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔

"اے اللہ! ان لوگوں کے ساتھ مجھے ہدایت دے جنہیں تونے ہدایت بخشی، مجھے ان لوگوں کے ساتھ مصیبتوں اور آفتوں سے بچا جنہیں تو نے بچایا ہے، ان لوگوں کے ساتھ مجھ سے محبت کر جن سے تونے محبت کی اور جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور مجھے ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہوں بے شک تو حاکم ہے محکوم نہیں اور جس سے تو محبت کرے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس سے تجھ کو عداوت ہو وہ عزّت نہیں پاسکتا، اے اللہ تیری ذات بزرگ و برتر ہے۔"

اگر کسی کو دعاء قنوت یاد نہ ہو تو وہ بجائے دعا قنوت کے یہ پڑھ لے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ "اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آرام دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔"

اور اگر کوئی اس کے پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ یا یَارَبِّ تین مرتبہ کہہ لے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نماز وتر کی رکعتوں کا مسئلہ

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ (ایک رکعت) پہلی پڑھی ہوئی نماز کو طاق کر دے گی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ رات میں پڑھی جانے والی نفل نمازیں دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ افضل یہی ہے کہ رات میں نفل نمازیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں۔ حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ رات میں نماز میں مشغول رہنے والا شخص جب یہ دیکھے کہ رات ختم ہو رہی ہے اور صبح نمودار ہونے والی ہے تو وہ ان نمازوں کے بعد ایک رکعت پڑھ لے تاکہ یہ ایک رکعت پہلی پڑھی ہوی نمازوں کو طاق کر دے، اس طرح یہ حدیث امام شافعیؒ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

امام طحاوی حنفیؒ نے صلی رکعة واحدة الخ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "ایک رکعت اس طرح پڑھے کہ اس سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے تاکہ یہ رکعت شفع یعنی اس ایک رکعت سے پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں کو طاق کر دے۔ گویا ایک رکعت علیحدہ نہ پڑھی جائے بلکہ دو رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ "اس حدیث سے تو یہ کہیں ثابت ہی نہیں ہوتا کہ وتر کی ایک رکعت علیحدہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ پڑھی جائے" لہٰذا اس کے ذریعہ وتر کی ایک رکعت ہونے پر استدلال کرنا درست ہی نہیں ہے۔

پھر وتر کی تین ہی رکعتیں ہونے کے سلسلہ میں حنفیہ کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صلوۃ بتیرا یعنی تنہا ایک رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

جہاں تک صحابہ اور سلف کے عمل کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اکثر فقہا صحابہ اور سلف کا معمول وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے ان کو تو اس سلسلہ میں بہت زیادہ اہتمام تھا

انہوں نے ایک مرتبہ حضرت سعید بن مسیبؓ کو وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ "کیسی ناقص نماز پڑھتے ہو؟ دو رکعت اور پڑھو ورنہ تمہیں سزا دوں گا" (نہایہ)

ترمذیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وتر کی تین رکعتیں نقل کی ہیں اور اسی کو عمران بن حصینؓ، حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، اور ابوایوب کی طرف منسوب کیا ہے اور آخر میں انہوں نے صراحت کر دی ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت اسی طرف ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں مؤطا امام محمد میں مذکور ہے کہ ان کے نزدیک بھی وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں۔ حضرت امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ سلف کا اسی پر معمول تھا۔ (ہدایہ)

تین رکعت کی وتر صحابہ میں مشہور تھی، ایک رکعت کی وتر تو عام طور پر لوگ جانتے بھی نہ تھے چنانچہ حضرت معاویہؓ کو ابن عباسؓ کے مولی نے ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کو بہت تعجب ہوا انہوں نے حضرت عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کی وحشت و حیرت یہ کہہ کر ختم کر دی کہ معاویہ فقیہ ہیں۔ رسول اللہ کی صحبت سے مشرف ہو چکے ہیں ان پر اعتراض نہ کرو۔ (بخاریؒ)

بہر حال ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں جن احادیث سے وتر کی ایک رکعت ثابت ہوتی ہے وہ سب قابل تاویل ہیں جو انشاء اللہ حسب موقع بیان کی جائیں گی۔

یا یہ کہ ان میں آنحضرت ﷺ کی پہلی حالتوں کا ذکر ہے آخر فعل آپ ﷺ کا بھی تین ہی رکعت پر تھا جو صحابہ میں مشہور ہوا اور ظاہر ہے کہ اُمت کے لئے آپ کا وہی فعل حجت اور دلیل بن سکتا ہے جس پر آپ ﷺ نے آخر میں عمل اختیار فرمایا ہو۔

(۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار کونین ﷺ نے فرمایا "آخری رات میں وتر (پڑھنا افضل ہے اور اس کی ایک رکعت ہے)۔" (مسلمؒ)

تشریح: الوتر رکعة کا مطلب یہ ہے کہ "پہلے پڑھی گئی دو رکعتوں کے ساتھ ملی ہوئی وتر کی ایک رکعت ہے" گویا کہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ وتر سے ہٹ کر تاویل کا راستہ اختیار کرتے ہوئے یہ معنی اس لئے بیان کئے گئے ہیں تاکہ ان حدیث میں جن سے وتر کے لئے تین رکعتیں پڑھنا ثابت ہے اور ان احادیث میں جن سے وتر کی ایک رکعت کا اثبات ہوتا ہے تطبیق پیدا ہو جائے اور حدیث کے حقیقی معنے و مفہوم میں کوئی تعارض پیدا نہ ہو۔

وتر کے پڑھنے کا مختار اور افضل وقت آخری رات ہے جب کہ تہجد وغیرہ کی نماز پڑھ لی جائے لیکن عام طور سے چونکہ لوگ رات میں تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھتے اس لئے عشاء کی نماز کے فوراً بعد ہی وتر بھی پڑھ لئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔ جن احادیث سے وتر کی تین رکعتیں پڑھنا ثابت ہے وہ آگے ذکر کی جائیں گی۔

ایک تشہد کے ساتھ پانچ رکعت پڑھنے کا مسئلہ

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَا يَجْلِسُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ رات میں (تہجد کے وقت) تیرہ رکعت پڑھتے تھے جن میں سے پانچ رکعتوں میں وتر پڑھتے اور ان میں سوائے آخری رکعت کے کسی میں بھی، (تشہد کے لئے) نہیں بیٹھتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: رات میں آنحضرت ﷺ کی نماز کئی طریقوں سے ذکر کی گئی ہے ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ پہلے آپ ﷺ آٹھ رکعتیں

چار سلام کے ساتھ یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھتے تھے اور پھر آخر میں پانچ رکعتیں ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ اس طرح پڑھتے تھے کہ اسی میں وتر کی نیت بھی کر لیتے تھے یعنی وتر کی نماز بھی انہیں پانچ رکعتوں میں شامل ہوتی تھی اور ان پانچ رکعتوں میں سے کسی ایک رکعت میں بھی نہ تو تشہد کے لئے بیٹھتے تھے اور نہ سلام پھیرتے تھے بلکہ آخری رکعت میں تشہد کے لئے بیٹھتے اور سلام پھیرتے۔

لہٰذا یہ حدیث صریح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ پانچ رکعتیں اس طرح ملا کر پڑھنا کہ ان میں سے کسی ایک رکعت میں بھی تشہد کے لئے نہ بیٹھا جائے بلکہ صرف آخری یعنی پانچویں رکعت کے بعد قعدہ کیا جائے جائز ہے لیکن فقہا کے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے چنانچہ جن حضرات کے یہاں یہ جائز نہیں ہے وہ عدم جلوس کی تاویل عدم سلام سے کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک لا یجلس فی شی الا فی اخرھا کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ان پانچ رکعتوں میں صرف آخری رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے درمیان میں کسی بھی رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے چنانچہ بعض روایتوں میں مذکور بھی ہے کہ لم یسلم الا فی اخرین بعض حضرات نے یہ تاویل بھی کی ہے کہ ان پانچ رکعتوں میں سوائے آخری رکعت کے کسی میں بھی جلوس دراز نہیں کرتے تھے یعنی طویل قعدہ نہیں کرتے تھے صرف آخری رکعت میں آپ ﷺ کا قعدہ طویل ہوتا تھا۔

بہر حال چار سے زیادہ رکعتوں کو ملا کر ایک سلام کے ساتھ پڑھنا متفقہ طور پر تمام علماء کے یہاں جائز ہے لیکن حنفیہ کے یہاں اتنا فرق ہے کہ ان کے نزدیک آٹھ رکعت تک ملا کر ایک سلام کے ساتھ پڑھنا تو بلا کراہت جائز ہے مگر آٹھ رکعتوں کے بعد کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد و نماز وتر

④ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ انْطَلَقْتُ اِلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْبِئِيْنِيْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ بَلٰى قَالَتْ فَاِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْاٰنُ قُلْتُ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْبِئِيْنِيْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنَّا نُعِدُّ لَهٗ سِوَاكَهٗ وَطَهُوْرَهٗ فَيَبْعَثُهُ اللّٰهُ مَاشَاءَ اَنْ يَّبْعَثَهٗ مِنَ اللَّيْلِ فَيَتَسَوَّكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيْ تِسْعَ رَكْعَاتٍ لَا يَجْلِسُ فِيْهَا اِلَّا فِي الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةَ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا يُسْمِعُنَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَتِلْكَ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يَا بُنَيَّ فَلَمَّا اَسَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَخَذَ اللَّحْمُ اَوْتَرَ بِسَبْعٍ وَّصَنَعَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيْعِهٖ فِي الْاُوْلٰى فَتِلْكَ تِسْعٌ يَا بُنَيَّ وَكَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى صَلَاةً اَحَبَّ اَنْ يُّدَاوِمَ عَلَيْهَا وَكَانَ اِذَا غَلَبَهٗ نَوْمٌ اَوْ وَجَعٌ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً وَّلَا اَعْلَمُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ فِيْ لَيْلَةٍ وَّلَا صَلّٰى لَيْلَةً اِلَى الصُّبْحِ وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَ رَمَضَانَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "اُمّ المؤمنین! مجھے سرور کونین ﷺ کے خلق کے بارے میں بتلایئے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا "کیا تم نے قرآن کریم نہیں پڑھا ہے"؟ میں نے عرض کیا "جی ہاں! پڑھا ہے" ! فرمایا "آنحضرت ﷺ کا خلق قرآن ہی تھا (یعنی قرآن کریم میں جتنے بھی اخلاق کریمہ اور صفات حمیدہ مذکور ہیں آنحضرت ﷺ نے ان سب کو اپنی ذات میں سمو لیا تھا۔ گویا! آنحضرت کی اخلاقی زندگی قرآن حکیم کا عملی نمونہ تھی) پھر میں نے عرض کی "ام المؤمنین! اچھا آنحضرت ﷺ کے وتر کے بارے میں مجھے بتایئے (کہ آپ ﷺ وتر کس وقت اور کس طرح نیز کتنی رکعت پڑھا کرتے تھے) "حضرت عائشہ ﷺ نے فرمایا "میں (پہلے ہی سے) آنحضرت کی مسواک اور وضو کے لئے پانی کا انتظام کئے رہتی تھی، اور جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو رات میں اٹھانا چاہتا تھا، اٹھاتا، چنانچہ (آپ بیدار ہو کر پہلے) مسواک کرتے، پھر وضو کرتے اور نو رکعت نماز پڑھتے اور

سوائے آٹھویں رکعت کے اور کسی رکعت میں نہ بیٹھتے، جب آٹھویں رکعت پڑھ لیتے تو (تشہد میں) بیٹھتے اور خدا کا ذکر کرتے، اس کی تعریف بیان کرتے اور دعا مانگتے (یعنی التحیات پڑھتے کہ اس میں خدا کا ذکر، حمد اور دعا سب ہی کچھ ہے) پھر سلام پھیرے بغیر نویں رکعت پڑھنے کھڑے ہو جاتے، پھر نویں رکعت پوری کر کے تشہد میں) بیٹھتے اور اللہ کا ذکر کرتے، اس کی تعریف بیان کرتے اور اس سے دعا مانگتے (یعنی التحیات پڑھ کر جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ دعا پڑھتے) پھر ہمیں سناتے ہوئے باآواز بلند) سلام پھیرتے، پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے اور اے میرے بچے، یہ کل گیارہ رکعتیں ہوگئیں اور جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی اور (بڑھاپے کی وجہ سے بدن پر گوشت چڑھ گیا تو سات رکعت مع وتر کے پڑھنے لگے اور دو رکعت پہلے ہی جیسے (یعنی بیٹھ کر) پڑھتے رہے۔ اے میرے بچے یہ کل نو رکعتیں ہوئیں اور آنحضرت ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو اس بات کو پسند کرتے کہ اسے ہمیشہ پڑھے جائیں اور جب (کسی دن) آپ ﷺ کو نیند زیادہ آجاتی یا کوئی اور تکلیف پیش آجاتی جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے لئے رات میں کھڑے ہونا ممکن نہ ہوتا) تو آپ ﷺ دن کے پہلے حصہ میں (یعنی زوال سے پہلے) بارہ رکعت پڑھ لیتے اور میں نہیں جانتی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی ایک رات میں پورا قرآن مجید پڑھا یا صبح تک (یعنی شروع رات سے آخر رات تک، نماز پڑھی ہو اور نہ آپ ﷺ کبھی سوائے رمضان کے پورے مہینے روزے رکھے۔" (مسلم)

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ مداومت عمل کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی نفل نماز پڑھتے یا اسی طرح کوئی بھی نفل عبادت کرتے تو اس پر دوام اختیار فرماتے۔ ہاں اگر کوئی عذر پیش آجاتا یا بیان جواز کا اظہار مقصود ہوتا تو کبھی ترک بھی فرما دیتے تھے۔

یہاں تو حضرت عائشہ فرما رہی ہیں کہ آنحضرت رمضان کے علاوہ کسی بھی مہینہ میں پورے مہینے روزے نہیں رکھتے تھے جب کہ ان کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ شعبان میں پورے مہینہ روزے رکھتے تھے۔ لہٰذا حضرت عائشہؓ کی ان دونوں روایتوں کے ظاہری تعارض کو خود انہیں کی ایک تیسری روایت نے ختم کر دیا ہے جس میں انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ "آنحضرت ﷺ شعبان (میں پورے مہینہ نہیں بلکہ اس) کے اکثر دنوں میں روزے رکھتے تھے۔

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا مسئلہ

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا اثبات نہ صرف یہ کہ اسی روایت سے ہوتا ہے بلکہ اور بھی بہت سی روایتیں وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے وتر پڑھنے کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھی جا سکتی ہے لیکن ابھی اس کے بعد ہی ایک روایت آرہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ اجعلوا اخر صلاتکم باللیل وترا (اپنی رات کی نماز میں آخری نماز وتر کو رکھو) لہٰذا بظاہر ان تمام روایتوں میں بڑا سخت تعارض نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے علماء کو بڑی محنت کرنی پڑی ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے تو سرے سے اس حدیث کا انکار کر دیا ہے جس سے وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

حضرت امام احمدؒ نے درمیانی راہ نکالنے کی کوشش کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ وتر کے بعد دو رکعت نماز نہ تو میں خود پڑھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کو پڑھنے سے منع کرتا ہوں۔

جمہور علماء کا کہنا ہے کہ چونکہ وتر کے بعد دو رکعت نفل کا پڑھنا بہر حال حدیث صحیح سے ثابت ہے اس لئے اس سے بالکل صرف نظر بھی نہیں کیا جا سکتا لہٰذا یہ حضرات دونوں رکعتوں کے پڑھنے کے قائل ہیں جہاں تک احادیث کے باہم تعارض کو رفع کرنے کا سوال ہے تو ان حضرات کی جانب سے ان احادیث میں دو طرح کی تطبیق پیدا کی گئی ہے۔

ایک تو یہ کہ اجعلوا اخر صلاتکم باللیل وترا میں صلوٰۃ سے مراد ان دو رکعتوں کے علاوہ دوسری نوافل ہیں اس طرح اس

حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ رات میں وتر پڑھ لینے کے بعد ان دونوں رکعتوں کے علاوہ دوسرے نوافل نہ پڑھو۔

دوسری تطبیق جمہور علماء کی طرف سے یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ کبھی تو وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھ لی جائیں اور کبھی نہ پڑھی جائیں تاکہ دونوں احادیث پر عمل ہوتا رہے۔ گویا یوں کہنا چاہئے کہ حدیث اجعلوا اخر صلوٰ تک الخ استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر یعنی اس میں جو حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے وجوب کے طور پر نہیں ہے۔

اس کے بعد یہ بات بھی اختلافی ہے کہ آیا نبی کریم ﷺ وتر کے بعد دو رکعت اس صورت میں پڑھتے تھے جب کہ آپ ﷺ وتر رات کے ابتدائی حصہ میں ہی یعنی عشاء کے بعد ادا کرتے تھے یا اس شکل میں پڑھتے تھے جب کہ آپ ﷺ وتر آخری رات میں تہجد کے بعد ادا کرتے تھے؟ چنانچہ اس سلسلہ میں ابوامامہؓ کہ جو حدیث منقول ہے وہ تو مطلق ہے اس میں صرف اتناہی مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ یہ کچھ ذکر نہیں ہے کہ اول شب میں پڑھتے تھے یا آخری شب میں مگر ثوبانؓ سے جو حدیث منقول ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ کا وتر کے بعد دو رکعت کا پڑھنا اس صورت میں تھا جب کہ آپ ﷺ اول شب میں وتر ادا کرتے تھے یہ دونوں حدیثیں اسی باب کے آخر میں آرہی ہیں۔

بخاریؒ و مسلمؒ اور موطا کی روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قیام لیل کی صورت میں تھا یعنی آپ ﷺ رات میں تہجد کی نماز پڑھتے تو وتر کے بعد دو رکعت بھی پڑھا کرتے تھے اور یہی صحیح بھی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ دونوں رکعتیں وتر کے ملحق ہیں اور وتر کی سنتوں کے قائم مقام ہیں۔ یعنی جس طرح فرض نماز کی سنتیں ہوتی ہیں کہ وہ فرض نماز سے پہلے یا بعد میں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح یہ دونوں رکعتیں وتر کی سنتوں کے قائم مقام ہیں جو وتر کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

وتر رات کی آخری نماز ہونی چاہئے

⑤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "اپنی رات کی نماز میں آخری نماز وتر کو قرار دو۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے بارے میں اوپر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاچکا ہے مگر اس موقع پر بھی ایک مرتبہ پھر جان لیجئے کہ اس حدیث میں جو حکم دیا جارہا ہے وہ وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ استحباب کے طور پر ہے۔

⑥ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "صبح (کے آثار نمایاں ہونے پر) وتر میں جلدی کرو۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لیا کرو حنفیہ کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لئے ہے اگر رات میں وتر کی نماز رہ جائے تو دن میں اس کی قضا پڑھنا واجب ہے۔

وتر کے اوقات

⑦ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ اٰخِرَهٗ فَلْيُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلَاةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَّذٰلِكَ اَفْضَلُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو اس بات کا خوف ہو کہ آخر رات میں وتر پڑھنے کے لئے) نہ اٹھ سکوں گا تو اسے چاہئے کہ وہ شروع رات ہی میں (یعنی عشاء کے فوراً بعد) وتر پڑھ لے، اور جس شخص کو آخر رات میں اٹھنے کی امید ہو تو وہ آخر رات ہی میں وتر پڑھے کیونکہ آخر رات کی نماز مشہودہ ہے (یعنی) اس وقت رحمت کے فرشتوں اور انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے اور یہ

(یعنی آخر رات میں وتر پڑھنا) افضل ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: آخر رات کی فضیلت و برکات کے بارے میں آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں رات کے اس حصہ میں جو بھی عبادت کی جائے گی وہ ثواب و سعادت کے اعتبار سے بہت زیادہ افضل ہوگی۔ اسی لئے آخر رات میں وتر کی نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ اس افضل وقت میں وتر کی ادائیگی ہوتی ہے بلکہ اس وقت رحمت کے فرشتوں اور حق تعالیٰ کے انوار و برکات کے نزول کی وجہ سے ثواب بھی بہت زیادہ ملتا ہے۔

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَاَوْسَطِهٖ وَاٰخِرِهٖ وَانْتَهٰى وِتْرُهٗ اِلَى السَّحَرِ۔ (متفق علیہ)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں وتر کی نماز پڑھی ہے یعنی ابتدائی رات میں بھی (یعنی عشاء کی نماز کے فوراً بعد) رات کے درمیانی حصہ میں بھی اور آخر رات میں بھی مگر آخر عمر میں آپ ﷺ نے وتر کے لئے سحر کا وقت یعنی رات کا چھٹا حصہ) مقرر کر لیا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

آنحضرت ﷺ کی طرف سے حضرت ابوہریرہؓ کو تین باتوں کی وصیت

⑨ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ بِثَلَاثٍ صِيَامِ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میرے دوست یعنی سرور کونین ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی ایک تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کی دوسرے دو رکعت ضحٰی کی نماز پڑھنے کی اور تیسرے یہ کہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "ہر مہینہ کے تین روزے" کے تعین میں مختلف اقوال ہیں چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ مہینہ کے تین روزے سے ایام بیض یعنی ہر مہینہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کے روزے مراد ہیں۔ بعض حضرات کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ ایک روزہ ابتدائی مہینہ میں ایک روزہ درمیان میں اور ایک روزہ آخر مہینہ میں رکھا جائے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ مطلق ہے، یعنی اختیار ہے کہ پورے مہینہ میں جب چاہے تین روزے رکھ لے۔

"ضحٰی کی دو رکعتوں سے" نماز اشراق یا نماز چاشت مراد ہے جو آفتاب بلند ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے ان نمازوں کا ادنیٰ درجہ دو رکعت ہے، مگر اشراق کی نماز کا اکثر درجہ چھ رکعت اور چاشت کی نماز کا بارہ رکعت ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کو اول شب میں وتر پڑھ لینے کے لئے اس وجہ سے فرمایا کہ وہ رات کے ابتدائی حصّہ میں آنحضرت ﷺ کی احادیث کو یاد کرنے اور ان کی تکرار میں مشغول رہتے تھے جس کا سلسلہ رات گئے تک جاری رہتا تھا اس وجہ سے ان کے لئے آخر رات میں اٹھنا بہت مشکل تھا چنانچہ اسی مشغولیت علم کی وجہ سے انہیں اشراق یا چاشت کی بھی دو ہی رکعتیں پڑھنے کے لئے فرمایا۔ لہٰذا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علم دین کے حصول اور اس کی ترویج و اشاعت میں مشغول رہنا نفل عبادت کی مشغولیت سے بہتر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

آنحضرت ﷺ شروع رات میں بھی وتر پڑھتے تھے

⑩ عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَرَاَيْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ

فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ اَمْ فِیْ اٰخِرِہٖ قَالَتْ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِیْ اٰخِرِہٖ قُلْتُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَۃً قُلْتُ کَانَ یُوْتِرُ فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ اَمْ فِیْ اٰخِرِہٖ قَالَتْ رُبَّمَا اَوْتَرَ فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ وَرُبَّمَا اَوْتَرَ فِیْ اٰخِرِہٖ قُلْتُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَۃً قُلْتُ کَانَ یَجْھَرُ بِالْقِرَاءَۃِ اَمْ یَخْفِتُ قَالَتْ رُبَّمَا جَھَرَ بِہٖ وَرُبَّمَا خَفَتَ قُلْتُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَۃً رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَی ابْنُ مَاجَۃَ الْفَصْلَ الْاَخِیْرَ۔

"حضرت غضیف ابن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ سرور کونین ﷺ غسل جنابت شروع رات میں کرتے تھے یا آخر رات میں؟ یعنی آپ ﷺ جماع سے فارغ ہوتے ہی نہا لیتے تھے یا اس وقت تو سو رہتے اور جب تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے تو نہاتے) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "کبھی تو آپ ﷺ (جماع سے فارغ ہوتے ہی) شروع رات ہی میں نہا لیتے تھے اور کبھی آخر میں غسل فرماتے" میں نے کہا "اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس نے دینی امور میں آسانی عطا فرمائی" اور پھر پوچھا کہ "آپ ﷺ وتر کی نماز شروع رات میں (عشاء کے فوراً بعد ہی) پڑھ لیتے تھے یا آخر شب میں پڑھتے تھے"؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "کبھی تو شروع رات ہی میں پڑھ لیتے تھے اور کبھی آخر رات میں پڑھتے تھے" میں نے کہا "اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس نے دینی امور میں آسانی عطا فرمائی" اور پھر پوچھا کہ "آپ ﷺ تہجد کی نماز میں یا مطلقاً کسی بھی نماز میں) قرأت با آواز بلند فرماتے تھے یا آہستہ آواز سے؟ انہوں نے فرمایا "کبھی تو با آواز بلند قرأت فرماتے تھے اور کبھی آہستہ آواز سے" میں نے کہا "اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس نے دینی امور میں آسانی عطا فرمائی" ابوداؤد، ابن ماجہؒ نے اس روایت کا صرف آخری فقرہ (جس میں قرأت کا ذکر ہے) نقل کیا ہے۔"

نماز تہجد و وتر کی رکعتوں کی تعداد

(۱۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَۃَ بِکَمْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْتِرُ قَالَتْ کَانَ یُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَّثَلَاثٍ وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ وَّثَمَانٍ وَّثَلَاثٍ وَّعَشْرٍ وَّثَلَاثٍ وَّلَمْ یَکُنْ یُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَّلَا بِاَکْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَۃَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ بن ابی قیس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا سرور کونین ﷺ کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔ "حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "آنحضرت ﷺ کبھی چار اور تین (یعنی سات) کبھی چھ اور تین (یعنی نو) رکعتوں کے ساتھ، کبھی آٹھ اور تین (یعنی گیارہ) رکعتوں کے ساتھ اور کبھی دس اور تین (یعنی تیرہ) رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور آپ ﷺ سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ رکعتوں کے ساتھ کبھی وتر نہیں پڑھتے تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: چار اور تین رکعتوں کے ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ چار رکعت تو تہجد کی ہوتی تھی اور تین رکعت وتر کی، اس طرح مجموعی طور پر سات رکعتیں ہو گئیں۔ گویا پہلی چار رکعتوں کو بھی مجازاً وتر ہی میں شمار کیا اسی طرح چھ رکعت تہجد کی اور تین وتر کی ان کی مجموعی تعداد نو رکعت ہوئی، آٹھ رکعت تہجد کی اور تین رکعت وتر کی ان کی مجموعی تعداد گیارہ رکعت ہوئی اور دس تہجد کی اور تین رکعت وتر کی، ان کی مجموعی تعداد تیرہ رکعت ہوئی۔

بہرحال یہ حدیث صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ وتر کی ایک رکعت نہیں بلکہ تین رکعت ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی وتر کی نماز سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ رکعت کے ساتھ نہیں پڑھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اکثر آپ ﷺ سات رکعت سے کم کے ساتھ وتر نہیں پڑھتے، چنانچہ آپ ﷺ سے پانچ رکعتیں بھی ثابت ہیں۔ اسی طرح اکثر آپ ﷺ تیرہ رکعت سے زیادہ کے ساتھ وتر نہیں پڑھتے تھے چنانچہ پندرہ رکعتیں بھی آپ ﷺ سے پڑھنی ثابت ہیں

نماز وتر واجب ہے

⑫ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِثَلَاثٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْیَفْعَلْ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوایوب راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا وتر (کی نماز) ہر مسلمان پر حق (یعنی لازم) ہے لہٰذا جو شخص وتر پانچ رکعت پڑھنا چاہے وہ پانچ رکعت پڑھ لے، جو شخص تین رکعت پڑھنا چاہے وہ تین رکعت پڑھ لے اور جو شخص ایک ہی رکعت پڑھنا چاہے وہ ایک ہی رکعت پڑھ لے۔" (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: "حق" کے معنی ہیں واجب اور ثابت، لہٰذا حضرت امام ابوحنیفہ "توحق کے معنی واجب مراد لیتے ہیں، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز واجب ہے، حضرت امام شافعی "حق کے معنی ثابت مراد لیتے ہیں یعنی وتر کی نماز سُنّت سے ثابت ہے لہٰذا وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز سُنّت ہے چونکہ اس حدیث میں وتر کی رکعتوں کی تعداد پانچ بھی ثابت ہے اور تین اور ایک بھی، اس لئے حضرت سفیان ثوری " اور دیگر ائمہ نے تو پانچ کے عدد کو اختیار کیا ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ " نے تین کے عدد کو قبول کیا ہے اور حضرت امام شافعی " نے ایک کے عدد کو اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

وتر کی فضیلت

⑬ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ یُّحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا یَآ اَهْلَ الْقُرْاٰنِ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ "اللہ تعالیٰ وتر ہے، وتر کو دوست رکھتا ہے، لہٰذا اے اہل قرآن وتر پڑھو۔"

(ترمذی"، ابوداؤد"، نسائی")

تشریح: "اللہ تعالیٰ وتر ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے، تنہا ہے اس کا کوئی مثل نہیں ہے اسی طرح اپنے افعال میں بھی وہ یکتا ہے کہ کوئی اس کا مددگار اور شریک نہیں ہے۔

"وتر کو دوست رکھتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ وتر کی نماز پڑھنے والے کو بہت زیادہ ثواب سے نوازتا ہے اور اس کی اس نماز کو قبول فرماتا ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ، چونکہ اپنی ذات و صفات اور اپنے افعال میں یکتا و تنہا ہے کہ کوئی اس کا مثل، شریک اور مددگار نہیں اس لئے وہ طاق عدد کو پسند فرماتا ہے اور چونکہ وتر بھی طاق ہے اس لئے اس کو بھی پسند کرتا ہے اور اس کے پڑھنے والے کو بہت زیادہ ثواب کی سعادت سے نوازتا ہے۔

⑭ وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَدَّکُمْ بِصَلٰوةٍ هِیَ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ اَلْوِتْرُ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَکُمْ فِیْمَا بَیْنَ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اِلٰی اَنْ یَّطْلَعَ الْفَجْرُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت خارجہ بن حذافہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ "اللہ جل شانہ، نے ایک (ایسی) نماز سے تمہاری امداد کی ہے (یعنی نماز پنج گانہ سے ایک اور زیادہ نماز تمہیں دی ہے) جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ وتر (کی نماز) ہے اور تمہارے لئے یہ نماز عشاء کی نماز کے بعد سے فجر نکلنے تک کے درمیان مقرر کی گئی ہے (یعنی اس کا وقت ان اوقات کے درمیان ہے جب چاہو پڑھو۔" (ترمذی"، ابوداؤد")

تشریح: چونکہ عرب میں سرخ اونٹ بہت قیمتی ہوتے ہیں اور عرب والوں کے لئے اموال میں یہ سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے رغبت دلانے کے لئے فرمایا کہ وتر کی نماز سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے گویا مراد یہ ہے کہ وتر کی نماز دنیا کی تمام متاع

سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے اور اس کو عشاء کی نماز سے پہلے پڑھنا جائز نہیں ہے۔

وتر کی قضا کا حکم

(۱۵) وَعَنْ زَيْدِبْنِ اَسْلَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهٖ فَلْيُصَلِّ اِذَآ اَصْبَحَ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ مُرْسَلاً۔

"اور حضرت زید بن اسلمؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص وتر سے غافل ہو کر (یعنی وتر پڑھے بغیر) سو جائے تو اسے چاہئے کہ صبح ہو تو پڑھ لے" اس روایت کو ترمذیؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔"

تشریح: اگر کسی ایسے شخص کی وتر کی نماز رات میں پڑھنے سے رہ جائے جو صاحب ترتیب ہے تو صبح اٹھ کر اگر اس کے لئے ممکن ہو تا یعنی اتنا وقت ہو کہ وتر پڑھ سکے تو فجر کی فرض نماز سے پہلے وتر کی قضا پڑھ لے۔ اور اگر فجر کے فرض سے پہلے اس کا پڑھنا ممکن نہ ہو یعنی اتنا وقت نہ ہو تو پھر فجر کی فرض نماز پڑھنے کے بعد پڑھے۔

ہاں اگر ایسے شخص کے وتر رہ گئے ہوں جو صاحب ترتیب نہیں ہے تو اسے اختیار ہے چاہے تو نماز فجر سے پہلے پڑھ لے اور چاہے نماز فرض کے بعد پڑھے۔

آنحضرت وتر میں کون کونسی سورتیں پڑھتے تھے

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَآئِشَةَ بِاَىِّ شَىْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِى الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِى الثَّانِيَةِ بِقُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِى الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَّالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ النَّسَآئِىُّ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰى وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اُبَىِّ بْنِ كَعْبٍ وَالدَّارِمِىُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَمْ يَذْكُرَا وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔

"اور حضرت عبدالعزیز بن جریجؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ سرور کونین ﷺ وتر میں کون کون سے سورتیں پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "آپ ﷺ پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى دوسری رکعت میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری رکعت میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھا کرتے تھے (ترمذیؒ و ابوداؤدؒ) اور اس روایت کو امام نسائیؒ نے حضرت عبدالرحمن بن ابزیؒ سے، امام احمدؒ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے اور امام دارمیؒ نے حضرت عباسؓ سے نقل کیا مگر امام دارمیؒ نے اپنی روایت میں لفظ معوذتین ذکر نہیں کیا ہے یعنی انہوں نے محض یہ نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ وتر کی تیسری رکعت میں صرف قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھتے تھے۔"

تشریح: محقق علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ "حنفیہ نے آخری روایت یعنی دارمیؒ کی نقل کردہ روایت پر عمل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی تیسری رکعت میں قل ھو اللہ پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ حنفی حضرات وتر کی تیسری رکعت میں صرف قل ھو اللہ ہی پڑھتے ہیں۔ حنفی حضرات کے پیش نظر صرف یہی روایت نہیں بلکہ حضرت عائشہؓ ہی کی ایک دوسری روایت بھی ان کے مسلک کی دلیل ہے جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ تیسری رکعت میں قل ھو اللہ ہی پڑھتے تھے۔

جہاں تک حضرت عائشہؓ کی اس روایت کا تعلق ہے جو یہاں نقل کی گئی ہے اور جس سے وتر کی تیسری رکعت میں قل ھو اللہ کے علاوہ معوذتین (یعنی قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس) کا پڑھنا بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس پر حنفیہ اس لئے عمل نہیں کرتے کہ اول تو اس روایت کی سند میں ضعف ہے، دوسرے یہ کہ اس میں جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے وہ آنحضرت ﷺ کی عادت کے خلاف معلوم ہوتا ہے

کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں تو یہ صراحت سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ بعد کی رکعت کو پہلی رکعتوں کی بنسبت مختصر کرتے تھے جب کہ اس روایت کے پیش نظر تیسری رکعت میں پہلی دونوں رکعتوں کی بنسبت کہیں زیادہ طویل ہو جاتی ہے ملا علی قاری نے اس سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور حنفیہ کی طرف سے اور بھی دلائل پیش کئے ہیں جسے اہل علم ان کی کتاب "مرقاۃ" میں دیکھ سکتے ہیں۔

یہ حدیث بصراحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی تینوں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھتے تھے۔

وتر میں پڑھی جانے والی دعا

(۱۷) وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِي قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَآ اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے ہیں تاکہ میں انہیں وتر کی دعا قنوت میں پڑھا کروں (اور وہ کلمات دعا یہ ہیں) اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَآ اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ اے اللہ! مجھے ہدایت کر ان لوگوں کے ساتھ (یعنی انبیاء و اولیاء کے ساتھ) جن کو تو نے ہدایت کی مجھے دنیا اور آخرت کی مصیبتوں اور آفتوں سے بچا اور ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے بچایا اور مجھ سے محبت کر ان لوگوں کے ساتھ جن سے تو نے محبت کی اور جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا ہے (یعنی عمر، مال، علم اور نیک اعمال) ان میں برکت عطا فرما اور مجھے ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہوں، بے شک تو جو چاہتا ہے وہ حکم کرتا ہے اور تجھے کوئی حکم نہیں کرتا (یعنی تو حاکم مطلق ہے محکوم نہیں ہے اور جسے تو دوست رکھتا ہے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اے ہمارے رب تو بابرکت ہے (یعنی دارین پر تیرا خیر ہی خیر محیط ہے) اور تیری ذات بلند و برتر ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: حضرت حسنؓ کے الفاظ اقولھن فی قنوت الوتر (تاکہ میں وتر کی دعا قنوت میں پڑھا کروں) سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قنوت الوتر کو مطلقاً ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دعا تمام سال یعنی تمام دنوں میں پڑھنی مراد ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے مگر حضرات شوافع دعائے قنوت کو رمضان کے آخری نصف ایام میں وتر کے ساتھ مقید کرتے ہیں گویا کہ شافعیؒ حضرات کے یہاں تو صرف رمضان کے نصف آخری ایام میں وتر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے جب کہ حنفی حضرات تمام دنوں میں نماز وتر میں دعاء قنوت پڑھتے ہیں۔

اللھم اھدنی اے اللہ! مجھے ہدایت کر یعنی ہدایت کے راستہ پر مجھے ثابت قدم رکھ۔ یا ہدایت کے اسباب و ذرائع زیادہ سے زیادہ مجھے عطا فرما تاکہ ان کو اختیار کر کے میں اعلیٰ مرتبہ اور اعلیٰ درجہ پر پہنچ سکوں۔

اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ (جسے تو دوست رکھتا ہے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا) کا مطلب یہ ہے کہ جسے تو نے اپنا دوست بنالیا بایں طور کہ اسے نیک راستہ پر چلنے اور صالح اعمال اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما کر سعادت و خوش بختی کے مرتبہ پر فائز کیا وہ آخرت میں ذلیل و شرمسار نہیں ہو سکتا۔ پھر یہاں مطلقاً ذلت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بندہ جسے وہ محبوب رکھتا ہے، نہ آخرت میں نادم شرمسار ہو سکتا ہے اور نہ ہی دنیا میں ذلت و رسوائی اس کے پاس پھٹک سکتی ہے۔ اگرچہ بظاہر دنیا کی نظروں میں وہ کسی بلا و مصیبت میں گرفتار ہو یا کوئی شخص اسے ذلیل و خوار کرے مگر حقیقت میں وہ اللہ کے نزدیک باعظمت و باعزت ہی ہوتا ہے جیسا کہ دنیا کے لوگوں نے اللہ کے پیغمبر اور نبی حضرت زکریا علیہ السلام کو آرے سے چیرا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ذبح کیا۔ لہٰذا ان جلیل القدر پیغمبروں کو ظلم و ستم کے اس اسٹیج سے اس لئے

گزرنا نہیں پڑا کہ معاذ اللہ وہ خدا کے محبوب اور دوست نہیں تھے بلکہ درحقیقت ان کو امتحان و آزمائش میں ڈالا گیا۔ غرضیکہ دنیا والوں کے ذلیل کرنے سے خدا کے نیک و محبوب بندے ذلیل نہیں ہوتے اللہ کے نزدیک وہ عزت والے ہی ہوتے ہیں۔

بعض روایتوں میں اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ کے بعد وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ (اور جس سے تجھ کو عداوت ہو وہ عزت نہیں پا سکتا) کے الفاظ بھی منقول ہیں۔ اسی طرح بعض روایتوں میں وَ تَعَالَيْتَ کے بعد نَسْتَغْفِرُكَ وَ نَتُوْبُ اِلَيْكَ (اے اللہ ہم اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور تیرے ہی سامنے توبہ کرتے ہیں) اور بعض روایتوں میں اس کے بعد کے الفاظ مزید نقل کئے گئے ہیں۔

بہر حال حضرات شوافع کی دعا قنوت یہ ہے وہ حضرات اسی دعا کو وتر اور فجر نماز میں پڑھتے ہیں حنفی حضرات کے یہاں وتر کی نماز میں جو دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے وہ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ الخ ہے جو ہم شروع باب میں نقل کر چکے ہیں۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ وتر کی نماز میں اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ الخ اور اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ الخ دونوں دعائیں پڑھنا افضل ہے جیسا کہ شروع باب میں ہم نے دونوں دعائیں نقل کی ہیں۔

دعائے قنوت کے سلسلہ میں ائمہ کے یہاں مختلف فیہ چیزیں

محقق علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دعا قنوت کے سلسلہ میں ائمہ کے یہاں تین باتیں مختلف فیہ ہیں ایک تو یہ کہ دعا قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟ دوسری بات یہ کہ دعاء قنوت وتر کی نماز میں تمام دنوں میں پڑھی جائے یا صرف رمضان کے آخری نصف حصہ میں؟ تیسری چیز یہ کہ دعا قنوت وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں پڑھی جائے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں کہ دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے مگر حضرات امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دلیل بہت زیادہ قوی ہے اس سلسلہ میں اہل علم اور محققین حضرات مرقاۃ میں پوری تفصیل دیکھ سکتے ہیں جہاں تک دوسری اور تیسری مختلف باتوں کا تعلق ہے تو ہم انشاء اللہ ان دونوں مسلوں کو آگے آنے والے باب "باب القنوت" میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

نماز وتر کے سلام کے بعد کی تسبیح

(۱۸) وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ فِي الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يُطِيْلُ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّلنَّسَآئِيِّ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ثَلَاثًا وَّيَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالثَّالِثَةِ۔

"اور حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب وتر کی نماز میں سلام پھیرتے تو یہ کہتے سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ (یعنی پاک ہے بادشاہ نہایت پاک) (ابوداؤد و "نسائی") نسائی نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ " آپ ﷺ یہ (تسبیح) تین مرتبہ کہتے تھے اور تیسری مرتبہ میں آواز بلند فرماتے تھے، نیز نسائیؒ نے ایک روایت عبدالرحمٰن بن ابزی سے نقل کی ہے جس میں وہ (عبدالرحمٰن) اپنے والد مکرم سے نقل کرتے (ہوئے کہتے) ہیں کہ (آنحضرت ﷺ جب سلام پھیر لیتے تو تین مرتبہ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ کہتے اور تیسری مرتبہ میں باآواز بلند فرماتے۔"

تشریح: دار قطنیؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ کے الفاظ بھی مذکور ہیں، گویا پوری تسبیح یوں ہے سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ۔

نماز وتر میں آنحضرت ﷺ کی دعا

(۱۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ اٰخِرِ وِتْرِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ بِمُعَافَاتِكَ

مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَآ اُحْصِيْ ثَنَآءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ اپنی نماز وتر کے آخر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَآئِكَ مِنْ سَخَطِكَ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَآ اُحْصِيْ ثَنَآءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ اے اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری رضا و خوشنودی کے ذریعہ تیرے غضب سے اور تیری عافیت کے ذریعہ تیرے عذاب سے اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے ذریعہ تیرے آثار صفات (یعنی تیرے غضب و غصہ سے (مجھ میں طاقت نہیں کہ تیری تعریف کر سکوں کیونکہ) تیری تعریف کا شمار نہیں تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف کی۔" (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: آنحضرت ﷺ یہ دعا وتر کی تیسری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھا کرتے تھے چنانچہ حضرت امام مالک نے اس کو اختیار کیا ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعا سلام کے بعد پڑھتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ سلام سے پہلے التحیات میں پڑھتے تھے اسی طرح بعض محققین کا کہنا ہے کہ آپ یہ دعا سجود میں پڑھا کرتے تھے۔

نسائی نے ایک روایت اور نقل کی ہے جس میں صراحت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب اپنی نماز سے فارغ ہو جاتے اور بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ واللہ اعلم

مستقل طور پر کسی خاص دعا قنوت کو مقرر کر لینے کا مسئلہ

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ "علماء کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ دعائے قنوت کے سلسلہ میں توقیف نہ کی جائے یعنی ایک ہی دعا کو پڑھنے کے لئے بطور خاص مقرر نہ کر لیا جائے کیونکہ کسی دعا کو مقرر کر لینے اور پھر اسی کو مستقل طور پر پڑھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دعا زبان پر باایں طور جاری ہو جاتی ہے کہ قلب زبان کی ہمنوائی سے محروم ہوتا ہے۔ یعنی اس دعا کے پڑھنے کے وقت عادت کے مطابق صرف زبان ہی کام کرتی ہے دل میں نہ تو دعا کے مقصود کی لگن ہوتی ہے اور نہ اس کی طرف رغبت کا احساس ہوتا ہے لہٰذا دعا کا جو مقصود اور مطلوب ہوتا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ دعا تو وہی کام کرتی ہے جو قلب کی گہرائیوں سے نکلتی ہے اور جو احساس و شعور اور دلی رغبت زبان کی ہمنوا ہوتی ہے۔

لیکن بعض دوسرے علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ الخ کے علاوہ دوسری دعاؤں کے بارے میں ہے یعنی اس دعا کو بطور خاص مستقل طور پر پڑھنے کے لئے مقرر کر لینا منع نہیں ہے البتہ اس کے علاوہ دوسری دعاؤں کو مستقل طور پر اختیار نہ کیا جائے بلکہ کبھی کوئی دعا پڑھ لی جائے اور کبھی کوئی کیونکہ صحابہؓ نے اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ الخ کے پڑھنے پر اتفاق کیا ہے اور یہی دعا مستقل طور پر پڑھتے تھے اگرچہ اس کے علاوہ دوسری دعائے قنوت بھی جائز ہے۔ اسی طرح "محیط" میں اللھم اھدنی الخ کو بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے یعنی اس دعا کی توقیف بھی ممنوع نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت معاویہؓ کا ایک رکعت وتر پڑھنا

(۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيْلَ لَهٗ هَلْ لَّكَ فِيْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مُعَاوِيَةَ مَا اَوْتَرَ اِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ اَصَابَ اِنَّهٗ فَقِيْهٌ وَّفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ اَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَآءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهٗ مَوْلًى لِّابْنِ عَبَّاسٍ فَاَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ دَعْهُ فَاِنَّهٗ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ "امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو وتر کی ایک رکعت میں پڑھتے ہیں؟ حضرت عباسؓ نے فرمایا "وہ فقیہ ہیں (جو کچھ کرتے ہیں) اچھا کرتے ہیں" ایک دوسری روایت میں حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے عشاء کی نماز کے بعد وتر کی ایک رکعت پڑھی، ان کے پاس ہی حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام بھی موجود تھے (جب انہوں نے یہ دیکھا تو) وہ حضرت ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں بتایا (کہ حضرت معاویہؓ نے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "ان کے بارے میں کچھ نہ کہو، انہیں آنحضرت ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے (ہوسکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا کوئی ایسا عمل دیکھا ہو جو دوسرے نہ دیکھ سکے ہوں)۔" (بخاریؒ)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے وتر کی ایک ہی رکعت پڑھی ہوگی جس پر دیکھنے والوں کو تعجب ہوا ہو کہ جب دوسرے صحابہؓ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے ہیں تو یہ ایک ہی رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ اور پھر انہوں نے اس کا تذکرہ حضرت ابن عباس سے کیا لیکن یہ بھی، احتمال ہوسکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے پہلے پڑھی گئی دو رکعت سے ملی ہوئی وتر کی رکعت پڑھی ہو، اس صورت میں دیکھنے والوں نے اس لئے اعتراض کیا کہ حضرت معاویہؓ نے صرف وتر ہی پر اکتفا کیا ہوگا اور عشاء کی نماز یا تہجد کی نماز چھوڑ دی ہوگی۔

وتر پڑھنے کی تاکید

(۲۱) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "وتر حق (یعنی واجب) ہے لہٰذا جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے (یعنی ہمارے تابعداروں میں سے) نہیں ہے، وتر حق ہے لہٰذا جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: وتر کی اہمیت اور اس کی حقیقت کو اس انداز سے بار بار بیان کرنا اور پھر اس کے نہ پڑھنے والے کے بارے میں یہ کہنا کہ جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہمارے تابعداروں میں سے نہیں ہے اس بات پر صریح دلیل ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

وتر کی قضاء پڑھنی چاہئے

(۲۲) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَّامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْنَسِيَهٗ فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَ وَاِذَا اسْتَيْقَظَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا اسے پڑھنا بھول جائے تو اسے چاہئے کہ جب بھی اسے یاد آئے یا نیند سے بیدار ہو تو (اس کی قضا) پڑھ لے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے کیونکہ اگر واجب نہ ہوتی تو اس کی قضا پڑھنے کا حکم نہ دیا جاتا۔

نماز وتر واجب ہے یا سنت

(۲۳) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْوِتْرِ اَوَاجِبٌ هُوَ؟ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَدْ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ وَعَبْدُاللّٰهِ يَقُوْلُ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ۔ (رواہ فی الموطا)

"اور حضرت امام مالکؒ کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ "ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ

"وتر کی نماز واجب ہے (یا سُنّت ہے) حضرت عبداللہؓ نے (کوئی صریح جواب دینے کی بجائے) فرمایا کہ "وتر کی نماز آنحضرت ﷺ نے بھی پڑھی ہے! وہ شخص بار بار یہی سوال کرتا تھا اور حضرت ابن عمرؓ یہی کہے جاتے تھے کہ "وتر کی نماز آنحضرت ﷺ نے بھی پڑھی ہے اور دوسرے مسلمانوں نے بھی پڑھی ہے۔" (موطا)

تشریح: کسی سوال کے جواب دینے کا ایک بلیغ طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر مدلول (اصل جواب) کا ذکر نہ کیا جائے اور صرف دلیل بیان کر دی جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب ایک شخص نے وتر کی نماز کے وجوب یا سُنّت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مدلول کے بجائے صرف دلیل پر اکتفا کیا گو ان کا مطلب یہ تھا کہ وتر کی نماز واجب ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا مستقل طور پر بطریق مواظبت وتر کی نماز پڑھنا اور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہونا اس بات کی دلیل ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ جب سائل حضرت ابن عمرؓ سے صریح جواب چاہنے کے لئے ان سے بار بار سوال کرتا تھا تو انہوں نے صاف طریقہ سے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ وتر کی نماز واجب ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے انداز بیان اور جواب کا یہ طریقہ احتیاط کے پیش نظر اختیار کیا کیونکہ انہوں نے اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے کوئی صریح بات نہیں سنی تھی اس لئے انہوں نے بھی صریح جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔

نماز وتر کی قرأت

(۲۴) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِيْهِنَّ بِتِسْعِ سُوَرٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثِ سُوَرٍ اٰخِرُهُنَّ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ (رواہ الترمذی)

"اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھا کرتے تھے جن میں آپ ﷺ مفصّل کی نو سورتیں (اس طرح) پڑھا کرتے تھے (کہ) ہر رکعت میں تین تین سورتیں پڑھتے اور آخر سورت قل ہو اللہ ہوا کرتی تھی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: بعض روایتوں میں اس اجمال کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلی رکعت میں اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ، اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ اور اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ پڑھتے، دوسری رکعت میں وَالْعَصْرِ۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ اور اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ پڑھتے اور تیسری رکعت میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، تَبَّتْ يَدَا اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ

(۲۵) وَعَنْ نَّافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ وَالسَّمَآءُ مُغِيْمَةٌ فَخَشِيَ الصُّبْحَ فَاَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ انْكَشَفَ فَرَاٰى اَنَّ عَلَيْهِ لَيْلًا فَشَفَعَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ اَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ہمراہ مکہ معظمہ میں تھا اور (اس دن رات میں) آسمان ابر آلود تھا، جب حضرت ابن عمرؓ کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے ایک رکعت وتر کی پڑھ لی، پھر ابر صاف ہو گیا اور انہوں نے دیکھا کہ ابھی رات (کافی باقی) ہے، چنانچہ انہوں نے ایک رکعت اور پڑھ کر (پہلی رکعت کے ساتھ ملا کر اسے) دوگانہ کر دیا اور اس کے بعد دو دو رکعت (نفل کی) پڑھتے رہے، جب پھر صبح ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے وتر کی ایک رکعت پڑھ لی" (مالکؒ)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ایک اور طریقہ

(۲۶) وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَآءَتِهٖ قَدْرَ مَا يَكُوْنُ ثَلَاثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اٰيَةً قَامَ وَقَرَاَ وَهُوَ قَآئِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ (آخر عمر میں دن یا رات میں اس طرح بھی) بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے (طویل قرأت کی وجہ سے) بیٹھے بیٹھے قرأت فرماتے اور جب قرأت تیس یا چالیس آیتیں باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہو جاتے اور انہیں کھڑے کھڑے پڑھتے پھر رکوع کرتے اور سجدہ میں جاتے اسی طرح دوسری رکعت میں بھی پڑھتے۔" (مسلم)

تشریح: اس طرح نماز پڑھنی بالاتفاق جائز ہے لیکن اس کا عکس جائز نہیں چنانچہ اس کی تفصیل "باب السنن" میں بیان کی جا چکی ہے۔
بظاہر اس باب سے اس حدیث کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں چونکہ شفع (دوگانہ) کا ذکر ہے جو وتر کا مقدمہ ہے اس لئے اسے اس باب میں نقل کیا گیا ہے۔

وتر کے بعد کی دو رکعتیں

(۲۷) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَکْعَتَیْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَزَادَ ابْنُ مَاجَةَ خَفِیْفَتَیْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔

"اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کے بعد کی دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔" (ترمذیؒ) ابن ماجہؒ نے اس روایت میں خَفِیْفَتَیْنِ وَهُوَ جَالِسٌ کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں یعنی آنحضرت وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ یَرْکَعُ رَکْعَتَیْنِ یَقْرَأُ فِیْهِمَا وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّرْکَعَ قَامَ فَرَکَعَ۔ (رواه ابن ماجة)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کی ایک رکعت پڑھتے پھر دو رکعتیں (نفل کی) پڑھتے جن میں آپ ﷺ بیٹھے بیٹھے قرأت فرماتے اور جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہوتے اور رکوع کرتے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پہلی حدیث کے منافی ہے کیونکہ کبھی تو آپ ﷺ وتر کے بعد کی دونوں رکعتیں کھڑے ہوئے بغیر مطلقاً بیٹھے بیٹھے پڑھتے اور کبھی اس طرح بیٹھ کر قرأت کے بعد جب رکوع میں جانے کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے اور رکوع کرتے۔

وتروں کے بعد دو رکعتوں کی فضیلت

(۲۹) وَعَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ هٰذَا السَّهَرَ جُهْدٌ وَّثِقْلٌ فَاِذَا اَوْتَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ فَاِنْ قَامَ مِنَ اللَّیْلِ وَاِلَّا کَانَتَا لَهٗ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ سرکار کونین ﷺ نے فرمایا (تہجد کے لئے) رات میں بیدار ہونا مشکل اور گراں ہوتا ہے اس لئے جب تم میں سے کوئی شخص (رات کے آخری حصہ میں جاگنے) کا یقین نہ رکھتا ہو اور سونے سے پہلے یعنی عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھتے تو اسے چاہئے کہ دو رکعتیں پڑھ لے، اگر وہ نماز تہجد کے لئے رات میں اٹھ گیا تو بہتر ہے اور اگر نہ اٹھ سکا تو پھر دو رکعتیں کافی ہوں گی (یعنی ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے کی وجہ سے اسے نماز تہجد کا ثواب مل جائے گا۔" (ترمذیؒ، دارمیؒ)

وتروں کے بعد کی دونوں رکعتوں کی قرأت

(۳۰) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْهِمَا بَعْدَ الْوِتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ یَقْرَأُ فِیْهِمَا اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ وَقُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ۔ (رواه احمد)

"اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے اور ان میں اذا زلزلت الارض اور قل یا ایھا الکافرون پڑھتے تھے۔" (ترمذیؒ، دارمیؒ)

بَابُ الْقُنُوْتِ
قنوت کا بیان

لغوی طور پر قنوت کے کئی معنی ہیں۔ ① طاعت کرنا ② نماز میں کھڑے ہونا ③ اللہ تعالیٰ کے سامنے خاکساری کرنا، اسی طرح "دعا" کو بھی قنوت کہتے ہیں، اصطلاحاً "دعاء مخصوص" کو کہتے ہیں جو یہاں مراد ہے، چنانچہ شوافع کے یہاں دعاء قنوت اللھم اھدنی الخ ہے۔

حضرات حنفیہ کے نزدیک دعاء قنوت اللھم انانستعینکَ الخ ہے (دونوں دعائیں مکمل طور پر پچھلے باب میں نقل کی جا چکی ہیں) جسے حنفی علماء صحیح سند و طریق کے ساتھ طبرانی وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔

نیز محقق علامہ حضرت ابن ہمامؒ نے ابوداؤدؒ سے نقل کیا ہے کہ "آنحضرت ﷺ (ایک روز) قبیلہ مضر کے لوگوں کے (ظلم و ستم اور ان کی دہشت و بربریت کے پیش نظر ان) کے لئے بددعا فرما رہے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ ﷺ کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کر کے فرمایا کہ:

یا محمد (ﷺ) ان اللّٰہ لم یبعثکَ سبابا و لا لعانا انما بعثکَ رحمۃ۔

"اے محمد (ﷺ) آپ (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ نے برا کہنے والا اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا ہے بلکہ آپ ﷺ کو تو (دونوں جہان کے لئے) رحمت کا باعث بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ (یعنی اس چیز میں آپ ﷺ کا کوئی دخل نہیں ہے) بعد ازاں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو یہ دعا اللھم انانستعینک الخ سکھائی "شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اپنی کتاب "در منثور" میں اس دعا کو کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
رحمت عالم ﷺ کو بددعا کی ممانعت

① عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّدْعُوَ عَلٰى اَحَدٍ اَوْيَدْعُوَ لِاَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَرُبَّمَا قَالَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ ابْنَ الْوَلِيْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَّ عَيَّاشَ بْنَ اَبِيْ رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ يَجْهَرُ بِذٰلِكَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلَاتِهٖ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا لِاَحْيَآءٍ مِنَ الْعَرَبِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ الاٰیۃ۔

(متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب کسی کو بددعا دیتے یا کسی کے لئے دعا کرنے کا ارادہ فرماتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے، چنانچہ بعض وقت جب کہ آپ ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ ربنالک الحمد کہہ لیتے تو یہ دعا کرتے اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ ابْنَ الْوَلِيْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَّعَيَّاشَ بْنَ اَبِيْ رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ (اے اللہ! ولید بن ولید کو

سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے اور اے اللہ! قوم مضر پر تو اپنا سخت عذاب نازل کر اور اس عذاب کو ان پر قحط کی صورت میں مسلّط کر، ایسا قحط جو یوسف ؑ کے قحط کی مانند ہو (یعنی قوم مضر پر تو اپنا عذاب اس قحط کی شکل میں مسلّط کر جو حضرت یوسف ؑ کے زمانہ میں قوم پر مسلط کیا گیا تھا) یہ دعا آپ ﷺ باآواز بلند کرتے تھے اور کسی نماز میں آپ ﷺ عرب کے (ان) قبائل کے لئے جو کافر تھے) اس طرح بددعا فرماتے اَللّٰھُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا (اے اللہ! فلاں فلاں پر لعنت فرما) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الایة" (اس معاملہ میں آپ ﷺ کا کچھ دخل نہیں ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: بعض صحابہ کرامؓ جو کفار کی قید میں تھے اور ان کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے ان کی رہائی و نجات کے لئے آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے اور عرب کے وہ قبائل جو مسلمانوں کا قافیہ تنگ کئے رہتے تھے ان کے لئے بددعا فرماتے تھے، چنانچہ ولید ابن الولید قریشی مخزومی جو اسلام کے مایہ ناز فرزند اور اسلامی فوج کے کمانڈر انچیف حضرت خالد بن ولیدؓ کے بھائی تھے، جنگ بدر کے موقع پر کفار مکہ کی جانب سے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، ان کے بھائی خالد اور ہشام دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور اسیر بھائی کی طرف سے چار ہزار درہم بطور فدیہ دے کر ان کو رہا کرایا اور مکہ لے گئے۔ ولید جب رہا ہو کر مکہ پہنچے تو وہاں اسلام کی مقدس روشنی نے ان کے قلب و دماغ کو منور کیا اور وہ مسلمان ہوگئے، لوگوں نے ان سے کہا کہ جب تم مسلمانوں کے پاس مدینہ میں قید تھے تو اسی وقت فدیہ دینے سے پہلے ہی مسلمان کیوں نہیں ہوگئے کیونکہ وہاں مسلمان ہو جانے کی شکل میں چار ہزار درہم جو فدیہ میں دیئے وہ بھی بچ جاتے اور مسلمان بھی ہو جاتے؟

انہوں نے کہا کہ "مجھے یہ کچھ اچھا نہیں لگا کہ لوگ یہ کہیں کہ قید سے گھبرا کر اسلام لے آیا۔"

مکہ کے کفار اور قبیلہ کے لوگوں کو یہ کیسے گوارا ہوتا کہ ولید اسلام لے آئیں اور اس کی سزا انہیں نہ ملے چنانچہ بھائیوں نے انہیں قید میں ڈال دیا اور جتنا بھی ظلم ان پر ہو سکتا تھا کیا گیا، آنحضرت ﷺ کو جب ان کی حالت مظلومیت کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے پروردگار کی بارگاہ میں ان کی رہائی اور نجات کے لئے دعا مانگی، اس طرح وہ کفار مکہ کے چنگل سے بچ کر مدینہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آگئے۔

سلمہ بن ہشامؓ، ابوجہل کے بھائی تھے اور بالکل ابتدائی دور میں اسلام لے آئے تھے، کفار مکہ نے انہیں بھی قید کر رکھا تھا اور ان پر انتہائی ظلم و جور کرتے تھے، یہ بھی ان کے ہاتھوں سے نکل کر مدینہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آگئے۔

عیاشؓ بن ابی ربیعہ بھی ابوجہل کے ماں کی طرف سے اخیافی بھائی تھے، قدیم الاسلام ہیں؛ ابتدائی دور میں اسلام کی دولت سے مشرف ہو کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ جب مدینہ آئے اور ان سے کہا کہ تمہاری ماں تمہارے لئے سخت بے چین ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہیں دیکھ نہیں لے گی، سایہ میں نہیں بیٹھے گی۔

عیاشؓ کو ماں کی محبت ابوجہل جیسے ظالم شخص کے پاس کھینچ لائی۔ مکہ پہنچ کر ابوجہل نے انہیں باندھ کر قید میں ڈال دیا اور ان پر ظلم کر کے اپنے جذبہ وحشت و بربریت کی تسکین حاصل کرتا رہا تا آنکہ یہ بھی اس قید سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ آگئے۔ آخر میں معرکہ تبوک کے موقع پر کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ وہ خوش نصیب اصحاب تھے جن کی رہائی و نجات کے لئے آنحضرت ﷺ کی لسان مقدس دعا میں مشغول ہوتی تھی، گویا حدیث کی پہلی دعا اللھم انج الخ اس بات کی مثال ہے کہ آنحضرت ﷺ قنوت میں مؤمنین کے لئے دعا فرماتے تھے۔ حدیث کی دوسری دعا اللھم اشدد الخ اس بات کی مثال ہے کہ آپ ﷺ قنوت میں ظلم و ستم کے پیکر کفار کے لئے بددعا فرماتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کی بددعا کا اثر یہ ہوا کہ اہل مکہ سات سال تک مسلسل قحط میں گرفتار رہے یہاں تک کہ انہوں نے مردار کی ہڈیاں کھا کر زندگی کے وہ سخت دن پورے کئے۔

آیت لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شان رحمت کے مناسب چونکہ یہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ کسی

کے لئے بد دعا فرمائیں اس لئے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے منع فرمادیا گیا کہ کسی شخص کے لئے اس کا نام لے کر آپ ﷺ بد دعا نہ فرمائیں چنانچہ شروع باب میں اس کی تفصیل ذکر کی جاچکی ہے۔

کسی آفت و بلا کے وقت دعا قنوت فرضی نمازوں میں پڑھنی چاہیئے: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے مثلاً دشمن حملہ آور ہو، قحط اپنی لپیٹ میں لے لے، کوئی وبا پھیل جائے، خشک سالی ہو جائے، یا اس قسم کی کوئی بھی صورت پیش آجائے جس سے مسلمان مصیبت و تکلیف میں مبتلا ہو جائیں تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ تمام فرض نمازوں میں دعاء قنوت پڑھنے کا اہتمام کریں۔

چنانچہ حضرات حنفیہ کے یہاں بھی کسی حادثہ اور وبا کے وقت فرض نمازوں میں دعا قنوت پڑھنا جائز ہے۔

دعاء قنوت پڑھنے کا وقت

(۲) وَعَنْ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فِي الصَّلَاةِ كَانَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْ بَعْدَهُ قَالَ قَبْلَهُ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا اِنَّهُ كَانَ بَعَثَ اُنَاسًا يُّقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِيْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا يَدْعُوْا عَلَيْهِمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عاصم احول کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے دعا قنوت کے بارے میں پوچھا کہ (صبح کی نماز میں یا وتر کی یا کسی حادثہ کی یا وبا پھیلنے کے وقت ہر فرض) نماز میں وہ رکوع سے پہلے پڑھی جاتی تھی یا رکوع کے بعد؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رکوع سے پہلے (اور فرمایا کہ) آنحضرت ﷺ نے (صبح کی نماز میں یا سب نمازوں میں) رکوع کے بعد دعا قنوت صرف ایک مرتبہ پڑھی تھی (اور وہ بھی) اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے چند صحابہؓ کو جنہیں قراء کہتے تھے اور تعداد میں ستر تھے (تبلیغ کے لئے کہیں) بھیجا تھا (وہاں کے لوگوں نے) انہیں شہید کر دیا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایک مہینہ تک رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھ کر قراء کو شہید کرنے والوں کے لئے بد دعا کی۔"

(بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رکوع کے بعد دعاء قنوت کا پڑھنا منسوخ ہو گیا ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔

قراء سبعون کی شہادت کا واقعہ: قراء سبعون یعنی ستر قاری اصحاب صفہ میں سے تھے انہیں قراء اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ قرآن کریم بہت زیادہ پڑھتے اور بہت یاد کرتے تھے۔ حالانکہ یہ حضرات بہت زیادہ غریب اور زاہد تھے اور ان کا کام صرف یہ تھا کہ صفہ میں ہر وقت قرآن اور علم کے سیکھنے میں مشغول رہتے تھے لیکن اس کے باوجود جب بھی مسلمان کسی حادثہ میں مبتلا ہوتے تو یہ حضرات پوری شجاعت اور بہادری کے ساتھ حادثہ کا مقابلہ کرتے اور مسلمانوں کی مدد کرتے۔

ان میں سے بعض حضرات تو ایسے تھے جو دن بھر جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے لاتے اور انہیں بیچ کر اہل صفہ کے لئے کھانا خریدتے تھے اور رات میں قرآن کریم کی تلاوت و درود میں مشغول رہتے تھے۔

ان خوش نصیب صحابہؓ کو آنحضرت ﷺ نے اہل نجد کی طرف بھیجا تھا تاکہ یہ وہاں پہنچ کر ان قبائل کو اسلام کی طرف بلائیں اور ان کے سامنے قرآن کریم پڑھیں جو کفر و شرک اور ظلم و جہل میں پھنس کر تباہی و بربادی کے راستہ پر لگے ہوئے ہیں جب یہ لوگ بیر معونہ پر جو مکہ اور عسفان کے درمیان ایک موضع ہے، اترے تو عامر بن طفیل، رعل، ذکوان اور قارہ نے ان قراء صحابہ پر بڑی بے دردی سے حملہ کیا اور پوری جماعت کو شہید کر ڈالا، ان میں سے صرف ایک صحابی حضرت کعب بن زید انصاری بچ گئے وہ بھی اس طرح کے جب یہ زخمی ہو کر گر گئے اور جسم بالکل نڈھال ہو گیا، تو ان بد بختوں نے یہ سمجھ کر کہ ان کی روح نے بھی جسم کا ساتھ چھوڑ دیا ان سے الگ ہوئے مگر خوش قسمتی سے ابھی ان میں زندگی کے آثار موجود تھے چنانچہ وہ کسی نہ کسی طرح بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوئے اور خدا نے ان کو صحت و

تندرستی عطا فرمائی یہاں تک کہ غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔

بہر حال جب سرور دو عالم ﷺ کو اس عظیم حادثہ اور ظالم کفار ظلم و بربریت کا علم ہوا تو آپ ﷺ کو بے حد غم ہوا، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کو کسی کے لئے اتنا غمگین نہیں دیکھا جتنا کہ آپ ﷺ ان مظلوم صحابہؓ کے لئے غمگین ہوئے چنانچہ آپ ﷺ مسلسل ایک مہینہ تک قنوت میں ان بد بخت کفار کے لئے بد دعا کرتے رہے، یہ واقعہ ۴ھ میں پیش آیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دعاء قنوت کس وقت پڑھنی چاہئے؟

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا مُتَتَابِعًا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَاةِ الصُّبْحِ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ يَدْعُوْ عَلٰى اَحْيَاءٍ مِّنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ عَلٰى رَعْلٍ وَذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ وَيُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مسلسل ایک مہینہ تک (یعنی ہر روز) ظہر، عصر، مغرب، عشاء، اور فجر کی نمازوں کی آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد قنوت پڑھی ہے جس میں آپ ﷺ بنی سلیم کے چند قبیلوں رعل، ذکوان اور عصیہ کے لئے بد دعا کرتے تھے اور پیچھے کے لوگ (یعنی مقتدی) آمین کہتے تھے۔" (ابوداؤد)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہمیشہ فرض نمازوں میں دعا قنوت نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ جب مسلمانوں کے لئے کوئی حادثہ پیش آجائے مثلاً کوئی دشمن حملہ کر دے، قحط پڑ جائے یا کوئی وبا پھیل جائے تو ایسے وقت میں فرض نمازوں میں دعا قنوت پڑھی جائے۔

(۴) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ایک مہینہ تک (رکوع کے بعد) دعا قنوت پڑھی ہے پھر آپ ﷺ نے (مطلقاً فرض نمازوں میں یا یہ کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کو ترک کر دیا۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اکثر اہل علم یہی فرماتے ہیں کہ دعا قنوت نہ تو فجر کی نماز میں مشروع ہے اور نہ وتر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں، چنانچہ یہ حضرات اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث بھی ہیں جو فرض نمازوں میں ترک قنوت پر دلالت کرتی ہیں، اہل علم اور محققین اس کی تفصیل مرقاۃ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز میں تو دعاء قنوت ہمیشہ پڑھنی چاہئے اور نمازوں میں کسی حادثہ اور وبا کے وقت پڑھی جائے۔

(۵) وَعَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ يَا اَبَتِ اِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ هٰهُنَا بِالْكُوْفَةِ نَحْوًا مِّنْ خَمْسِ سِنِيْنَ اَكَانُوْا يَقْنُتُوْنَ قَالَ اَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ۔

(رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابو مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم سے دریافت کیا کہ ابا جان! آپ نے سرور کونین ﷺ کے پیچھے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر، حضرت عثمانؓ کے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیچھے یہیں کوفہ میں تقریباً پانچ سال تک نماز پڑھی ہے کیا یہ

حضرات دعاقنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ "میرے بیٹے! قنوت بدعت ہے۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت ابومالکؒ اپنے والد محترم سے یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اور خلفاء رابعہؓ بھی فجر کی نماز میں اور دیگر نمازوں میں قنوت پڑھتے تھے جیسا کہ اب بعض لوگ ان نمازوں میں قنوت پڑھتے ہیں؟

اس کا جواب ان کے والد نے یہ دیا کہ جو لوگ فجر کی اور دوسری نمازوں میں مستقل طریقہ سے یعنی ہمیشہ دعاقنوت پڑھتے ہیں وہ بدعت میں مبتلا ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تو وتر کے علاوہ فجر کی نماز میں صرف ایک مہینہ تک قنوت پڑھی ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے ترک کر دیا تھا جیسا کہ ابھی پچھلی حدیث میں ذکر کیا گیا، گویا یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے۔

حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں نماز فجر کے اندر قنوت نہ پڑھنا ذکر کیا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں لیکن ملا علی قاریؒ نے اس قول کا جواب بہت معقول اور مدلل طریقے سے دیا۔ نیز انہوں نے خلفاء اربعہ سے بھی اسی طرح کی روایتیں نقل کی ہیں اس بحث کی تفصیل ان کی شرح میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آخری نصف رمضان میں اور رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا مسئلہ

(٦) عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ فَکَانَ یُصَلِّیْ لَھُمْ عِشْرِیْنَ لَیْلَۃً وَّلَا یَقْنُتُ بِھِمْ اِلَّا فِی النِّصْفِ الْبَاقِیْ فَاِذَا کَانَتِ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ تَخَلَّفَ فَصَلّٰی فِیْ بَیْتِہٖ فَکَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اَبَقَ اُبَیٌّ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَسُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَبْلَ الرُّکُوْعِ وَبَعْدَہٗ۔

(رواہ ابن ماجۃ)

"حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ نے لوگوں کو رمضان میں نماز تراویح کے لئے) جمع کیا اور حضرت ابی بن کعبؓ کو امام بنایا، حضرت ابی بن کعبؓ نے ان کو بیس رات تک نماز پڑھائی اور انہوں نے لوگوں کے ساتھ دعاقنوت سواء آخری نصف رمضان کے اور دنوں میں نہیں پڑھی اور جب آخر کے دس روزے رہ گئے حضرت ابی بن کعبؓ مسجد میں نہ آئے بلکہ (وتر کی) نماز اپنے گھر میں پڑھنے لگے، لوگ کہتے کہ "ابی بھاگ گئے" (ابوداؤد) اور حضرت انس بن مالکؓ سے کسی نے دعاقنوت کے بارے میں پوچھا کہ (رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟) تو انہوں نے فرمایا کہ "آنحضرت ﷺ نے دعاقنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے" ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ "آپ ﷺ نے دعاقنوت کبھی رکوع سے پہلے اور کبھی رکوع کے بعد پڑھی ہے۔"

تشریح: حضرت ابی بن کعبؓ ایک جلیل القدر اور بڑی عظمت و شان کے مالک صحابی تھے، جہاں ان کی اور بہت سی امتیازی خصوصیات تھی وہیں آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی میں پورا قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔

نیز یہ کہ صحابہ میں بڑے اونچے درجہ کے قاری مانے جاتے تھے، اسی وجہ سے آپ کو "سید القراء" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کی انہیں خصوصیات کی بنا پر انہیں رمضان میں تراویح کی نماز کے لئے امام مقرر فرمایا تاکہ لوگ ان کی اقتدا میں نماز تروایح پڑھیں۔

یہ دونوں حدیثیں جو حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہیں حضرات شوافع کی مستدل ہیں۔

پہلی حدیث تو اس بات کی دلیل ہے کہ "دعاء قنوت صرف رمضان کے آخری نصف حصہ میں پڑھی جائے" علماء احناف فرماتے ہیں کہ اول تو مطلقاً وتر میں دعاقنوت کا پڑھنا مشروع ہوا ہے اور چونکہ وتر کی نماز ہمیشہ پڑھی جاتی ہے اس لئے دعاقنوت بھی ہمیشہ پڑھی جائے گی۔

دوسرے یہ کہ زیادہ ایسی ہی احادیث وارد ہیں جن میں بلا تخصیص رمضان، وتر کی نماز میں دعا قنوت پڑھنا ثابت ہوتا ہے لہٰذا اس اعتبار سے بھی ہمیشہ وتر کی نماز میں دعا قنوت کا پڑھنا اولیٰ اور ارجح ہوگا۔

دوسری حدیث شوافع کے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ "دعا قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے" اس کا جواب حنفی علماء کی جانب سے یہ دیا جاتا ہے کہ رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھنے کے سلسلہ میں احادیث زیادہ تعداد میں منقول ہیں، پھر یہ کہ صحابہؓ کا عمل بھی انہیں احادیث کے مطابق نقل کیا گیا ہے اس لئے انہیں احادیث پر عمل کرنا چاہئے۔

جہاں تک ان احادیث کا تعلّق ہے جن سے رکوع کے بعد دعا قنوت پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ ان احادیث کا تعلق صرف ایک مہینہ سے ہے جب کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی ہے۔ مستقل طریقہ سے رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھنے سے اس کا تعلّق نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رمضان کے آخری نصف حصّہ میں خدا کے رسول ﷺ کے باغیوں کے لئے بد دعا کرنے کی وجہ سے دعاء قنوت پڑھتے ہوں گے کیونکہ صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ سے منقول ہے کہ:

"جب آدھا رمضان گذر جائے تو (رمضان کے آخری نصف حصّہ میں) وتر میں کفار پر لعنت بھیجنا سُنّت ہے"

اَبَقَ اُبَیٌّ کے الفاظ کہہ کر لوگوں نے حضرت ابی کو بھاگنے والے غلام کے ساتھ تشبیہ دی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کی نظر میں حضرت ابی کا یہ عمل کہ "آخری دس دنوں میں مسجد نہیں آئے" مکروہ معلوم ہوا۔ حالانکہ حضرت ابی کسی عذر کی بنا پر ہی رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد نہیں آئے ہوں گے۔

اور عذر یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ان ایام میں خلوت اختیار کرتے تھے تاکہ عبادت کا وہ کمال خلوت میں حاصل ہو جائے جو جلوت میں حاصل نہیں ہوتا۔

حدیث کے الفاظ "آنحضرت ﷺ نے دعا قنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے" سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صرف ایک مہینہ تک (فجر کی نماز میں) رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھی ہے اور اس پر دلیل بخاریؒ و مسلمؒ کی وہ روایت ہے جو عاصم احولؒ سے منقول ہے (ملاحظہ فرمائے اسی باب کی حدیث نمبر۲)

آخری روایت کا مفہوم یہ ہے کہ "کبھی (یعنی وتر میں) تو آپ ﷺ دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے اور کبھی (یعنی کسی حادثہ و وباء کے وقت) رکوع کے بعد پڑھتے تھے"

اس مفہوم سے ان تمام احادیث میں تطبیق ہو جائے گی جن میں سے بعض روایات تو رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور بعض روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "آپ ﷺ رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑتے تھے۔"

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

ماہ رمضان میں قیام کا بیان

ماہ رمضان میں قیام سے مراد ہے اس بابرکت مہینہ کی مقدس راتوں میں عبادت خداوندی کے لئے یعنی نماز تراویح اور تلاوت قرآن وغیرہ کے لئے جاگتے رہنا۔

نماز تراویح: یہاں اس باب کے تحت زیادہ تراویح سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی اور اس نماز کی فضیلت اور اس کے احکام و مسائل بیان کئے جائیں گے اس موقع پر نماز تراویح کا چند احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

❶ رمضان میں نماز تراویح مرد و عورت دونوں کے لئے سُنّت مؤکدہ ہے۔

❷ جس رات کو رمضان کا چاند دیکھا جائے اسی رات سے تراویح شروع کی جائے اور جب عید کا چاند دیکھا جائے چھوڑ دی جائے۔

❸ نماز تراویح روزہ کی تابع نہیں ہے جو لوگ کسی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکیں ان کو بھی تراویح کا پڑھنا سُنّت ہے اگر نہ پڑھیں گے تو ترک سُنّت کا گناہ ان پر ہوگا۔

❹ نماز تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے اور عشاء کی نماز کے بعد تراویح پڑھ چکا ہو اور اس کے بعد معلوم ہو کہ عشاء کی نماز میں کچھ سہو ہو گیا جس کی وجہ سے عشاء کی نماز نہیں ہوئی تو اس عشاء کی نماز کے بعد تراویح کا اعادہ بھی کرنا چاہئے۔

❺ اگر عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھی گئی ہو تو تراویح بھی جماعت سے نہ پڑھی جائے اس لئے کہ تراویح عشاء کی تابع ہے ہاں جو لوگ جماعت سے عشاء کی نماز پڑھ کر تراویح جماعت سے پڑھ رہے ہوں ان کے ساتھ شریک ہو کر اس شخص کو بھی تراویح کا جماعت سے پڑھ لینا درست ہو جائے گا۔ جس نے عشاء کی نماز بغیر جماعت کے پڑھی ہے اس لئے کہ وہ ان لوگوں کا تابع سمجھا جائے گا جن کی جماعت درست ہے۔

❻ اگر کوئی مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشاء کی نماز ہو چکی ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے پھر تراویح میں شریک ہو اور اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جائیں تو ان کو وتر پڑھنے کے بعد پڑھ لے۔

❼ مہینہ میں ایک مرتبہ قرآن مجید کا ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سُنّت مؤکدہ ہے لوگوں کا کاہلی یا سستی کی وجہ سے اس کو ترک نہ کرنا چاہیے ہاں اگر یہ اندیشہ ہو کہ پورا قرآن مجید پڑھا جائے گا تو لوگ نماز میں نہ آئیں گے اور جماعت ٹوٹ جائے یا ان کو بہت ناگوار ہو گا تو بہتر ہے کہ جس قدر لوگوں کو گراں نہ گذرے اسی قدر پڑھا جائے۔ باقی الم ترکیف سے آخر تک کی دس سورتیں پڑھ دی جائیں۔ ہر رکعت میں ایک سورت پھر جب دس رکعتیں ہو جائیں تو انہیں سورتوں کو دوبارہ پڑھ دے یا اور جو سورتیں چاہے پڑھے۔

❽ ایک قرآن مجید سے زیادہ نہ پڑھا جائے تاوقتیکہ کہ لوگوں کا شوق نہ معلوم ہو جائے۔

❾ ایک رات میں پورے قرآن مجید کا پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ کہ لوگ شوقین ہوں کہ انہیں گراں نہ گذرے اگر گراں گذرے اور ناگوار ہو تو مکروہ ہے۔

❿ تراویح میں کسی سورت کے شروع پر ایک مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھ دینا چاہئے اس لئے کہ بسم اللہ بھی قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔ اگرچہ کسی سورت کا جز نہیں، پس اگر بسم اللہ بالکل نہ پڑھی جائے تو مقتدیوں کا قرآن مجید پورا نہ ہوگا۔

⓫ تراویح کا رمضان کے پورے مہینے میں پڑھنا سُنّت ہے اگرچہ قرآن مجید مہینہ پورا ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے مثلاً پندرہ روز میں یا بیس روز میں پورا قرآن مجید پڑھ دیا جائے تو بقیہ پندرہ یا دس روز میں تراویح کا پڑھنا سُنّت موکدہ ہے۔

⓬ صحیح یہ ہے کہ تراویح میں قل ہو اللہ کا تین مرتبہ پڑھنا جیسا کہ آجکل دستور ہے مکروہ ہے۔

⓭ نماز تراویح کی نیت اس طرح کی جائے نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ رَکْعَتَی صَلٰوۃِ التَّرَاوِیحِ سُنَّۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِہٖ میں دو رکعت نماز تراویح پڑھنے کی نیت کرتا ہوں جو نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کی سُنّت ہے۔

⓮ نماز تراویح پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو دیگر نمازوں کا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

باجماعت نماز تراویح سُنّت ہے

① عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَۃً فِی الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِیْرٍ فَصَلّٰی فِیْهَا لَیَالِیَ حَتّٰی

اجْتَمَعَ عَلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوْا صَوْتَهُ لَيْلَةً وَظَنُّوْا اَنَّهُ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ مَا زَالَ بِكُمُ الَّذِيْ رَاَيْتُ مِنْ صَنِيْعِكُمْ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهٖ فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلٰوةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت زید ابن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے (رمضان میں) مسجد میں بوریئے کا ایک حجرہ بنایا اور کئی راتیں اس میں (تراویح کے علاوہ نفل) نماز پڑھی (جب لوگ جمع ہو جاتے تو آنحضرت ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لاتے اور فرائض و تراویح جماعت کے ساتھ پڑھتے) یہاں تک کہ (ایک روز بہت زیادہ) لوگ جمع ہو گئے (آنحضرت ﷺ چونکہ فرض نماز پڑھ کر حجرہ میں تشریف لے جا چکے تھے اور جیسا کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کچھ دیر کے بعد باہر تشریف نہ لائے اس لئے لوگوں نے آپ کی کوئی آہٹ محسوس نہیں کی چنانچہ وہ یہ سمجھے کہ آپ ﷺ سو گئے اور لوگوں نے کھنکارنا شروع کیا تاکہ آپ ﷺ (بیدار ہو جائیں اور نماز تراویح کے لئے) باہر تشریف لے آئیں (جیسا کہ آپ ﷺ گذشتہ راتوں تشریف لاتے تھے) آنحضرت ﷺ نے (حجرہ سے باہر نکل کر یا اندر ہی سے) فرمایا کہ "تمہارا کام جو میں دیکھ رہا ہوں برابر جاری رہے (یعنی جماعت سے تراویح پڑھنے کا شوق اور عبادت کے معاملہ میں تمہارا یہ جذبہ ہمیشہ رہے اور پھر فرمایا) لیکن مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے (یعنی اگر میں ہمیشہ نماز تراویح جماعت سے پڑھتا تو یہ نماز تم پر فرض ہو جاتی) اور اگر یہ نماز فرض ہو جاتی تو تم اس کی ادائیگی سے قاصر رہتے، لہٰذا اے لوگو! تم اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو کیونکہ انسان کی بہترین نماز وہی ہے جسے اس نے اپنے گھر میں پڑھا ہو سوائے فرض نماز کے (کہ اسے مسجد میں ہی پڑھنا افضل ہے۔" (بخاری و مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی میں اعتکاف کے لئے بوریئے کا ایک حجرہ سا بنالیا تھا۔ اسی میں آپ ﷺ رمضان کی بابرکت اور مقدس ساعتوں میں عبادت خداوندی اور ذکر اللہ میں مشغول رہا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں بوریئے کا یا اسی قسم کی کسی دوسری چیز کا معتکف بنالینا جائز ہے لیکن یہ شرط ہے کہ اپنی حاجت و ضرورت سے زیادہ جگہ نہ روکی جائے ورنہ تو بصورت دیگر حرام ہوگا کیونکہ زیادہ جگہ گھیرنے سے دوسرے نمازیوں کو تنگی ہوگی بشرطیکہ جگہ ایسی ہو جس کی لوگوں کو احتیاج اور ضرورت ہو اگرچہ کبھی کبھی ہی ضرورت ہو ہاں اگر کوئی شخص قرینہ سے جانتا ہو کہ اگر لوگ بہت تعداد میں بھی مسجد میں آجائیں گے تب بھی معتکف کے لئے گھیری ہوئی جگہ کی انہیں احتیاج نہیں ہوگی تو ایسی صورت میں ضرورت سے زیادہ بھی جگہ گھیر لینا حرام نہیں ہوگا یہ تفصیل اس بات پر بصراحت دلالت کرتی ہے کہ ایام حج میں مسجد حرام کے اندر لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرنا حرام ہے۔

یہ حدیث جہاں آنحضرت ﷺ کی اُمت کے حق میں انتہائی شان رحمت کی غمازی کر رہی ہے کہ آپ نے نماز تراویح کی جماعت پر اس لئے مداومت نہیں فرمائی کہ کہیں یہ نماز اُمت کے لئے فرض ہی قرار نہ دیدی جائے جس سے اُمت کے لوگ تنگی و پریشانی میں مبتلا ہو جائیں۔ وہیں یہ حدیث اس بات کی بھی صریح دلیل ہے کہ تراویح کی نماز با جماعت پڑھنا سُنّت ہے۔

فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ الخ (لہٰذا، اے لوگو! تم اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو) میں امر استحبابی ہے یعنی آپ ﷺ نے یہ حکم وجوب اور لزوم کے طور پر نہیں دیا بلکہ مقصد یہ ہے کہ فرض نماز کے علاوہ دیگر سنن و نوافل گھروں میں پڑھنے بہتر اور مناسب ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عام نگاہوں سے بچ کر گھروں میں سُنّت و نفل نماز پڑھنے میں ریاء و نمائش کا کوئی ادنیٰ سا جذبہ بھی ظاہر نہیں ہو جو ظاہر ہے کہ عبادت کے سلسلہ میں انتہائی مستحسن اور مطلوب ہے۔

فَاِنَّ اَفْضَلَ الصَّلٰوةِ الخ (انسان کی بہترین نماز وہی ہے جسے اس نے اپنے گھر میں پڑھا ہو) یہ حکم تمام سنن و نوافل نمازوں کے بارے میں ہے کہ کوئی بھی سُنّت یا نفل نماز ہو سب سے بہتر وہی نماز ہے جسے نمازی نے عام نگاہوں سے بچ کر اپنے گھر میں پڑھا ہو مگر وہ نوافل اس حکم میں شامل نہیں ہیں جو شعار اسلام میں سے ہیں مثلاً نماز کسوف، نماز استسقاء اور نماز عیدین کیونکہ ان نمازوں کو مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے۔

نیز مسافروں کے لئے کعبہ اور مسجد نبوی بھی ان احکام میں شامل نہیں ہیں یعنی اگر کسی خوش نصیب کو کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کی زیارت کا شرف حاصل ہو اور وہ مسافر ہو تو اس کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ فرض نمازوں کے ساتھ سنن و نوافل بھی مسجد حرام یا مسجد نبوی میں ہی پڑھے کیونکہ مسافروں کو یہ موقعہ کبھی کبھی نصیب ہوتا ہے کہ وہ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کر سکیں اس لئے مسافر اس موقعہ کو غنیمت جانے اور زیادہ سے زیادہ نمازیں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں پڑھے۔

اور یہ (یعنی مسجد حرام اور مسجد نبوی کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دینا) اس بات پر قیاس کیا جاتا ہے کہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ مسافروں کے لئے کعبۃ اللہ کا طواف نفل نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ واللہ اعلم

رمضان کی راتوں میں عبادت کرنے کی فضیلت

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُرَغِّبُ فِیْ قِیَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّأْمُرَ هُمْ فِیْهِ بِعَزِیْمَةٍ فَیَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰی ذٰلِكَ ثُمَّ کَانَ الْاَمْرُ عَلٰی ذٰلِكَ فِیْ خِلَافَةِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰی ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ قیام رمضان (یعنی نماز تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے لیکن تاکید کے ساتھ صحابہؓ کو کوئی حکم نہیں دیا کرتے تھے چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ حصول ثواب کے لئے (یعنی ریاء و نمائش کے جذبہ کے ساتھ نہیں بلکہ محض اللہ جل شانہ کی رضاء و خوشنودی کے لئے رمضان میں قیام کرتا ہے اس کے پہلے گناہ صغیرہ بخش دیئے جاتے ہیں" آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور قیام رمضان کا معاملہ اسی طرح رہا (یعنی نماز تراویح کے لئے جماعت مقرر نہیں تھی بلکہ جو جانتا تھا حصول ثواب کے لئے پڑھ لیتا تھا) پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں بھی یہی صورت رہی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی ایام میں بھی یہی معمول رہا (اور حضرت عمرؓ نے نماز تراویح کے لئے جماعت کا حکم دیا اور اس کا التزام کیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "صحیح اعتقاد اور حصول ثواب کے لئے رمضان میں قیام کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ "رمضان کی مقدس و بابرکت راتوں میں عبادت خداوندی کے لئے شب بیداری کرنا" یا اس سے یہ بھی مراد ہے کہ "جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ نماز تراویح پڑھے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان رکھتا ہو اور اس بات کو سچ جانتا ہو کہ رمضان کی راتوں میں عبادت خداوندی میں مشغول ہونا مثلاً نماز تراویح وغیرہ کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے قریب اور اس کی رضا و خوشنودی کا باعث ہے تو اس کے وہ گناہ صغیرہ جو اس سے سر زد ہو چکے ہیں معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

سُنّت و نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت اور اس کے اثرات

(۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَضٰی اَحَدُکُمُ الصَّلَاةَ فِیْ مَسْجِدِهٖ فَلْیَجْعَلْ لِبَیْتِهٖ نَصِیْبًا مِنْ صَلَاتِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِیْ بَیْتِهٖ مِنْ صَلَاتِهٖ خَیْرًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرتاج (دو عالم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص اپنی (فرض) نماز مسجد میں پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز کا کچھ حصہ اپنے گھر کے لئے بھی رکھ لے (یعنی سُنّت و نوافل بلکہ قضاء بھی گھر میں پڑھے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز کے سبب اس کے گھر میں بھلائی پیدا کرتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ گھروں میں سنن و نوافل پڑھنے کی فضیلت اور گھر میں ان نمازوں کے پڑھنے کے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کو بتایا جا رہا ہے چنانچہ فرمایا کہ جو شخص فرض نماز مسجد میں پڑھتا ہے اور سُنّت و نفل گھر میں پڑھتا ہے اس کے گھر میں اللہ تعالیٰ اس نماز

کے سبب سے بھلائی پیدا فرماتا ہے یعنی گھر والوں کو نیک توفیق دیتا ہے اور مکینوں کے رزق و عمر میں برکت عطا فرماتا ہے۔

نماز تراویح اس حکم میں شامل نہیں ہے کیونکہ بالاتفاق یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز تراویح کے مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ اور صحابہؓ کا بھی اس پر اجماع تھا۔

اس حدیث کو جو بظاہر اس باب سے متعلق نہیں ہے اس باب میں نقل کر کے گویا (اس طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ رمضان میں بھی کچھ نمازیں گھر میں بھی پڑھنی چاہئیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں آنحضرت ﷺ کی عبادت

④ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ اَهْلَهٗ وَنِسَاءَهٗ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِيْنَا اَنْ يَفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السُّحُوْرُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ اِلَّا اَنَّ التِّرْمِذِيَّ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ۔

"حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے (رمضان میں) سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ روزے رکھے، آپ ﷺ نے مہینے کے اکثر ایام میں ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا (یعنی آپ ﷺ نے رمضان کی راتوں میں ہمارے ساتھ فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں پڑھی) یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں (یعنی تئیسویں شب آئی) تو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ تہائی رات تک قیام (یعنی ہمیں نماز تراویح پڑھائی) جب چھ راتیں باقی رہ گئیں (یعنی پچیسویں شب آئی) تو آپ نے ہمارے ساتھ آدھی رات تک قیام کیا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کاش آج کی رات قیام اور زیادہ کرتے (یعنی اگر آپ ﷺ آدھی رات سے بھی زیادہ تک ہمیں نماز پڑھاتے رہتے تو بہتر ہوتا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب کوئی شخص (فرض) نماز امام کے ساتھ پڑھتا ہے تو اس سے فارغ ہو کر واپس جاتا ہے تو اس کے لئے پوری رات کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے (یعنی عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی وجہ سے اسے پوری رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے نیز یہ کہ نوافل کا اسی وقت پڑھتے رہنا مناسب اور بہتر جب تک دل لگے) جب چار راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چھبیسویں شب آئی) تو ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا یہاں تک کہ تہائی رات باقی رہ گئی (اور ہم اسی انتظار میں لگے رہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں) جب تین راتیں باقی رہ گئیں (یعنی ستائیسویں شب آئی) تو آنحضرت ﷺ نے اپنے گھر والوں، اپنی عورتوں اور سب لوگوں کو جمع کیا اور ہمارے ساتھ قیام کیا (یعنی تمام رات میں نماز پڑھتے رہے) یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں فلاح فوت نہ ہو جائے" راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا "فلاح کیا ہے"؟ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ (فلاح سے مراد) سحر کا کھانا (ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے ہمارے ساتھ مہینہ کا باقی دنوں میں (یعنی اٹھائیسویں اور انتیسویں شب میں) قیام نہیں کیا" ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ،) ابن ماجہ نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے نیز ترمذی نے اپنی روایت میں ثم لم یقم بنا بقیۃ الشھر (یعنی آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ مہینہ کے باقی دنوں میں قیام نہیں کیا، کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان کے پہلے دو عشروں میں تراویح کی نماز صحابہؓ کو نہیں پڑھائی اس کا

سبب وہی ہے جو پہلی حدیث میں گذر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "مجھے اندیشہ ہے کہ یہ نماز فرض نہ ہو جائے" حدیث کے الفاظ حتی بقی سبع الخ (یعنی یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں) کے بارہ میں علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ حساب باعتبار یقین کے ہے یعنی انتیس دن کا مہینہ یقینی ہے اسی پر حساب لگایا ہے جیسا کہ ترجمہ کے دوران قوسین میں اس کی وضاحت کر کے اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

"سحر کھانے" کو "فلاح" اس لئے کہا ہے کہ اس کے ذریعہ روزہ رکھنے کی قوت و طاقت حاصل ہوتی ہے جو درحقیقت فلاح کا سبب ہے۔ آخری راتوں میں قیام کا تفاوت فضیلت کے تفاوت کے اعتبار سے تھا یعنی جن راتوں کی فضیلت کم تھی ان راتوں میں قیام کم کیا اور جن راتوں کی فضیلت زیادہ تھی ان میں فضیلت کی اسی زیادتی کے مطابق قیام بھی زیادہ کیا یہاں تک کہ ستائیسویں شب میں آپ ﷺ نے تمام رات قیام کیا۔ کیونکہ اکثر علماء کے قول کے مطابق "لیلۃ القدر" ستائیسویں ہی شب ہے یہی وجہ کہ آپ ﷺ نے اس رات میں اپنے گھر والوں، عورتوں کو جمع کیا اور سب کے ساتھ پوری رات عبادت خداوندی میں مشغول رہے۔

ماہ شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ اَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي ظَنَنْتُ اَنَّكَ اَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِاَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ رَزِيْنٌ مِمَّنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يُضَعِّفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ۔

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک (مرتبہ اپنی باری میں) رات کو میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو بستر پر نہیں پایا (جب میں نے تلاش کیا تو) یکایک کیا دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ بقیع میں موجود ہیں (مجھے دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تمہیں اس بات کا خوف تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے"؟ میں نے عرض کیا کہ: "یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے خیال ہوا تھا کہ آپ ﷺ اپنی کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نصف ماہ شعبان کی رات (یعنی شعبان کی پندرہویں شب) میں آسمان دنیا (یعنی پہلے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ بنو کلب (کی بکریوں) کے ریوڑ کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں گناہ بخشتا ہے اور رزینؒ نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "مؤمنین میں سے) جو لوگ دوزخ کے مستحق ہو چکے ہیں انہیں بخشتا ہے" امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ "میں نے محمد یعنی امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "یہ حدیث ضعیف" ہے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "بقیع" مدینہ منورہ میں ایک قبرستان کا نام ہے اسی کو جنت البقیع بھی کہتے ہیں۔

یہاں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ اسی واقعہ کو ذرا تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان فرماتی ہیں کہ "جب میں نے آنحضرت ﷺ کو (رات کو اپنی باری کے موقعہ پر) بستر پر نہیں پایا تو میں نے اپنے بدن پر اپنے کپڑے لپیٹے اور آپ ﷺ کے نقش قدم ڈھونڈتی ہوئی باہر نکل گئی اچانک میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بقیع میں سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں اور سجدہ بھی آپ ﷺ نے اتنا دراز کیا کہ مجھے تو یہ شبہ ہوا کہ (خدانخواستہ) آپ ﷺ کا وصال ہو گیا ہے جب آپ ﷺ (بہت دیر کے بعد سجدہ سے اٹھ کر) سلام پھیر چکے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم ڈرتی تھیں کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے ساتھ ظلم کا معاملہ کریں گے، یعنی تمہیں یہ خیال ہو گیا تھا کہ میں تمہاری باری چھوڑ کر کسی اور بیوی کے یہاں چلا گیا ہوں"؟ (اس جملہ میں "اللہ" کا ذکر زینت اور حسن کلام کے لئے ہے)

اس کے بعد حضرت عائشہؓ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ "یا رسول اللہ! میں نے یہ گمان نہیں کیا کہ (نعوذ باللہ) خدا اور خدا کے

رسول ﷺ نے میرے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا ہے بلکہ مجھے تو خیال ہو گیا تھا کہ یا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یا اپنے ہی اجتہاد سے میرے پاس سے اٹھ کر کسی دوسری بیوی کے یہاں چلے گئے ہیں۔

حضرت علامہ ابن حجرؒ حضرت عائشہؓ کے اس جواب کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ "خدانخواستہ اگر حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے جواب میں نعم (جی ہاں) فرمادیتیں تو معاملہ اتنا نازک تھا کہ حضرت عائشہؓ کا یہ جواب کفر شمار ہوتا مگر حضرت عائشہؓ اپنی فراست اور ذہانت سے صورت حال سمجھ گئیں اس لئے جواب انہوں نے اس پیرایہ سے دیا کہ اپنی پریشانی و حیرانی کا عذر بیان کیا پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے پاس سے اٹھ آنے کا عذر بیان کیا کہ "شعبان کی پندرہویں شب میں اللہ جل شانہ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے یعنی اپنی رحمت کاملہ کا فیضان اس بیکراں طور پر ہوتا ہے۔ کہ قبیلہ بنو کلب کے ریوڑ کے جتنے بال ہیں ان سے بھی زیادہ لوگوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ وقت چونکہ برکات ربانی اور تجلیات رحمانی کے اترنے کا تھا اس لئے میں نے چاہا کہ ایسے بابرکت اور مقدس وقت میں اپنی اُمت کے لوگوں کے بخشش کی دعا کروں چنانچہ میں جنت البقیع میں پہنچ کر اپنے پروردگار کی مناجات اور اس سے دعا مانگنے میں مشغول ہو گیا۔

یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ آخر روایت میں حضرت امام ترمذیؒ کے قول سے معلوم ہوا۔ لیکن جیسا کہ پہلے بھی کئی جگہ بتایا جا چکا ہے کہ فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف احادیث پر عمل کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

یہ حدیث اگرچہ اس باب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی لیکن معنوی طور پر اس حدیث کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب بھی اپنی فضیلت و برکت کی زیادتی کی بناء پر قیام رمضان کے مقدمہ کی مانند ہے۔ واللہ اعلم۔

نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت

(۶) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهٖ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت زید ابن ثابتؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا" آدمی کی اپنے گھر میں پڑھی ہوئی نماز اس نماز سے بہتر ہے جو میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں پڑھی جائے علاوہ فرض کے (کہ فرض نماز مسجد ہی میں پڑھنی بہتر ہے)۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: باوجود یہ کہ مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب ہزار نماز کے ثواب کے برابر ہوتا ہے لیکن نفل نمازوں کو گھروں میں ہی پڑھنا مسجد نبوی میں نفل نماز پڑھنے سے افضل قرار دیا گیا ہے کیونکہ گھروں میں پڑھی گئی نماز ریا و نمائش کے جذبہ سے بالکل پاک و صاف ہوتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد اس وقت کا ہے جب کہ آپ ﷺ نے رمضان میں چند شب کا قیام ترک کر دیا تھا اور اس کا عذر بیان کرتے ہوئے گھروں میں نماز پڑھنے کی فضیلت بیان کی اور پھر فرمایا کہ جاؤ اپنے گھروں میں نماز پڑھو!

نماز تراویح گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں: اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے حضرت امام ملکؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ اور بعض شوافع نے یہ کہا ہے کہ نماز تراویح کے سلسلہ میں افضل یہ ہے کہ یہ نماز گھر میں تنہا پڑھی جائے جہاں تک آنحضرت ﷺ کے عمل کا سوال ہے کہ آپ نے نماز تراویح مسجد میں پڑھی ہے تو اس بارہ میں ان حضرات کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد میں نماز تراویح بیان جواز کے خاطر پڑھی تھی۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ معتکف تھے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، شوافع علماء کی اکثریت اور بعض مالکیہ حضرات کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ نماز تراویح کا مسجد میں پڑھنا ہی افضل ہے جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ اور اس کے بعد کے دوسرے صحابہؓ نے اس نماز کو مسجد ہی میں پڑھنا مقرر کیا اور پھر اسی پر تمام مسلمانوں کا ہمیشہ عمل رہا، کیونکہ نماز تراویح شعار دین ہے۔ اور نماز عیدین کے مشابہ ہے۔ فقہ کی

کتابوں میں اس مسئلہ میں مختار اور بہتر طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی ایسا آدمی ہو جو مسلمانوں کی پیشوائی و رہبری کے مرتبہ پر فائز ہو اور اس کی وجہ سے جماعت میں کثرت ہوتی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ نماز تراویح مسجد میں پڑھے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر جائز ہے کہ گھر ہی میں پڑھ لی جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت عمرؓ کا نماز تراویح کے لئے جماعت مقرر کرنا

⑦ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِالْقَارِيِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّي لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِي تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِي تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ۔

(رواہ البخاری)

"حضرت عبدالرحمٰن ابن عبدالقاریؒ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ رمضان کی) رات میں حضرت عمر فاروقؓ کے ہمراہ مسجد میں گیا وہاں ہم نے کیا دیکھا کہ لوگ متفرق اور بکھرے ہوئے تھے (یعنی) کوئی تو (عشاء کی نماز کے بعد نفل) نماز تنہا پڑھ رہا تھا اور کوئی اس طرح پڑھ رہا تھا کہ چند آدمی اور بھی اس کے ساتھ تھے (گویا کچھ لوگ تو الگ الگ تراویح کی نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ جماعت کے ساتھ پڑھ رہے تھے یہ صورت حال دیکھ کر) حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا "اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو بہتر ہوگا" چنانچہ انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا اور سب لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے جمع کر دیا (یعنی انہیں نماز تراویح کے لئے لوگوں کا امام مقرر کر دیا) حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ "(پھر اس کے بعد) میں ایک رات حضرت عمرؓ کے ہمراہ مسجد میں گیا، وہاں سب لوگ اپنے امام یعنی حضرت ابی ابن کعبؓ) کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے (یہ دیکھ کر) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اچھی بدعت ہے" اور (تراویح کی) اس وقت کی نماز جب کہ تم سوتے رہتے ہو اس وقت کی نماز سے بہتر ہے" اس سے حضرت عمرؓ کی مراد آخری رات تھی (یعنی حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ تراویح کی نماز رات کے آخری حصہ میں پڑھنی رات کے اول وقت پڑھنے سے بہتر ہے کیونکہ) اس وقت لوگ تراویح کی نماز اول وقت پڑھ لیا کرتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: نعمت البدعة (یہ اچھی بدعت ہے) کا مطلب یہ ہے کہ یہ جماعت کا مقرر ہونا اچھی بدعت ہے کہ اصل جماعت گویا حضرت عمرؓ نے تقرر جماعت کو اچھی بدعت کہا نہ کہ اچھی بدعت سے ان کی مراد اصل جماعت تھی کیونکہ جماعت تو آنحضرت ﷺ کے عمل سے ثابت ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ نے کئی مرتبہ تراویح کی نماز جماعت سے پڑھی جیسا کہ پچھلی حدیثوں میں گذر چکا ہے ویسے اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تقریر جماعت بھی "اچھی بدعت" سے آگے بڑھ کر سُنّت کے درجہ میں آجاتا ہے کیونکہ خلفاء راشدین کے قائم کئے ہوئے طریقے بھی سُنّت ہی ہیں۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ یہاں "بدعت" کے لغوی معنی کا اعتبار ہے نہ کہ ان معنی کا جو فقہا کی اصطلاح میں مفہوم ہوتا ہے۔

تراویح کی رکعتوں کی تعداد

⑧ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمًا الدَّارِيَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً فَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِيْنَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعَصَاءِ مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ فَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ اِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ۔

(رواہ مالک)

"اور حضرت سائب ابن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ رمضان (کی راتوں) میں لوگوں کو (تراویح کی) گیارہ رکعت نماز پڑھائیں اور (اس وقت) امام (تراویح میں) وہ سورتیں پڑھا کرتا تھا جن میں سے ہر ایک میں ایک سو سے زیادہ آیتیں ہیں، چنانچہ قیام کے طویل ہونے کی وجہ سے ہم اپنے عصاء کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے اور فجر کے قریب نماز سے فارغ ہوتے تھے۔" (مالکؒ)

تشریح: حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ دونوں کو امامت کے حکم کا مطلب یہ تھا کہ کبھی وہ امام بنیں اور کبھی وہ، لہٰذا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دونوں کو باری باری نماز پڑھانے کا اس طرح حکم دیا ہو کہ کچھ رکعتیں حضرت ابی بن کعبؓ پڑھائیں اور کچھ رکعتیں تمیم داریؓ پڑھائیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ دونوں کو الگ الگ راتوں میں امامت کا حکم دیا ہو بایں طور کہ کچھ راتوں میں ایک امامت کرے اور کچھ راتوں میں دوسرا۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی گیارہ ہی رکعتیں ہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا، حالانکہ علماء لکھتے ہیں کہ یہ بات پایہ ثبوت کو صحت کے ساتھ پہنچ چکی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں تراویح کی بیس رکعتیں پڑھ جاتی تھی لہٰذا اس حدیث کے بارہ میں یہی کہا جائے گا کہ حضرت عمرؓ کبھی تو بیس رکعتیں پڑھتے ہونگے اور کبھی گیارہ رکعتوں پر ہی اکتفا کرتے ہوں گے۔ یا یہ کہ آنحضرت ﷺ سے چونکہ تراویح کی گیارہ رکعتیں پڑھنی ثابت ہوتی ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ کے عمل مبارک سے مشابہت کے قصد سے حضرت عمرؓ نے بعض راتوں میں گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا پھر اس کے بعد تراویح کی بیس رکعتیں ہی مستقل طور پر مقرر کی گئیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے بھی ایک روایت تیس رکعتیں پڑھنی منقول ہوئی ہیں جن میں تین رکعتیں وتر کی شامل ہیں۔

نفل نماز میں سہارا لینا جائز ہے: حدیث کے الفاظ کنا نعتمد علی العصاء کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تراویح میں اتنی طویل قرأت کی جاتی تھی کہ ہم لوگ قیام میں کھڑے کھڑے تھک جاتے تھے جس کی وجہ سے اپنے عصاء سے ٹیک لگا کر کھڑے ہونے پر ہم لوگ مجبور ہوتے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ نفل نمازوں میں یوں تو عام طور پر بھی لیکن خاص طور پر ضعف کی حالت میں ٹیک لگانا یا کسی چیز کا سہارا لے لینا جائز ہے۔

⑨ وَعَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ مَا اَدْرَكْنَا النَّاسَ اِلَّا وَ هُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ سُوْرَةَ بَقَرَةَ فِيْ ثَمَانِيْ رَكْعَاتٍ فَاِذَا قَامَ بِهَا فِيْ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً رَأَى النَّاسُ اَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ۔ (رواہ مالکؒ)

"اور حضرت اعرجؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ "ہم نے ہمیشہ لوگوں کو دیکھا کہ وہ رمضان (کے روزوں) میں کفار پر لعنت بھیجا کرتے تھے اور (اس زمانہ میں) قاری (یعنی نماز تراویح کا امام) سورہ بقرہ کو آٹھ رکعتوں میں پڑھا کرتا تھا اور جو (کبھی) سورہ بقرہ کو بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ نماز ہلکی پڑھ گئی ہے۔" (مالکؒ)

تشریح: گو حدیث سے بصراحت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کفار پر لعنت پورے رمضان کے وتروں کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس طرح تمام حدیثوں میں تطبیق پیدا ہو جائے گی چنانچہ اس مفہوم کو اختیار کرنے کے بعد یہ حدیث حضرت عمرؓ کی اس حدیث کے منافی نہیں ہوگی جس سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب رمضان کا نصف حصہ گذر جائے تو وتروں میں کفار پر لعنت بھیجنا سُنّت ہے۔

کفار پر لعنت بھیجنے کا سبب یہ تھا کہ جب کفار نے اس بابرکت اور مقدس و باعظمت مہینہ کی تعظیم نہ کی جس کی عظمت و بزرگی خود باری تعالیٰ عزاسمہ نے بیان فرمائی ہے اور سرچشمہ ہدایت و فیضان کلام اللہ سے ذرہ برابر بھی ہدایت حاصل نہیں کی جو اسی باعظمت مہینہ میں نازل ہوا ہے تو وہ اس بات کے مستحق ہوئے کہ ان پر لعنت بھیجی جائے۔

نماز تراویح کی رکعتوں کی تعداد کے بارہ میں ابھی پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے ایک مرتبہ پھر سمجھ لیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز تراویح کی

رکعتوں کی کوئی تعداد متعین نہیں فرمائی تھی بلکہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا عمل مختلف رہا ہے۔ آپ ﷺ سے آٹھ رکعتیں بھی مسنون ہیں اور یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے گیارہ رکعتیں پڑھی ہیں۔ اسی طرح تیرہ اور بیس رکعتیں بھی آپ ﷺ سے پڑھنی منقول ہیں مگر حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں تراویح کی بیس رکعتیں متعین فرمادیں اس کے بعد تمام صحابہؓ کا اسی پر عمل رہا حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی اپنے اپنے زمانہ خلافت میں اس کا انتظام رکھا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میری سُنّت اور میرے خلفاء راشدین کی سُنّت اپنے اوپر لازم قرار دو، اسے اپنے دانتوں سے پکڑو"

لہٰذا اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے اس حکم کی موجودگی میں تراویح بیس رکعتوں کے اس لئے قائل نہیں ہوتا کہ ان کا ثبوت قطعی آنحضرت ﷺ سے نہیں ہے تو اس کے بارہ میں سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ منشاء نبوت اور حقیقت سُنّت کی صریح خلاف ورزی کررہا ہے۔

نماز تراویح کا انتہائی وقت

(۱۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اُبَیًّا یَقُوْلُ کُنَّا نَنْصَرِفُ فِیْ رَمَضَانَ مِنَ الْقِیَامِ فَنَسْتَعْجِلُ الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ مَخَافَةَ فَوْتِ السُّحُوْرِ وَفِیْ اُخْرٰی مَخَافَةَ الْفَجْرِ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت عبداللہ ابن ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے حضرت ابی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم رمضان مبارک میں جب قیام (یعنی نماز تراویح) سے فارغ ہوتے تھے تو خادموں سے اس خوف سے کہ کہیں سحری کا وقت ختم نہ ہوجائے جلد کھانے کے لئے کہتے تھے" ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "فجر ہوجانے کے خوف سے (ہم خادموں کو جلد کھانے کے لئے کہتے تھے)۔" (مالکؒ)

پندرھویں شعبان کی شب میں بنی آدم کی پیدائش وموت لکھی جاتی ہے

(۱۱) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَدْرِیْنَ مَافِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ یَعْنِی لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ مَا فِیْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ فِیْهَا اَنْ یُکْتَبَ کُلُّ مَوْلُوْدٍ بَنِیْ اٰدَمَ فِیْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِیْهَا اَنْ یُکْتَبَ کُلُّ هَالِكٍ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ فِیْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَ فِیْهَا تُرْفَعُ اَعْمَالُهُمْ وَفِیْهَا تُنْزَلُ اَرْزَاقُهُمْ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَقَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی ثَلَاثًا قُلْتُ وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَضَعَ یَدَهٗ عَلٰی هَامَتِهٖ فَقَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ یَقُوْلُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوٰتِ الْکَبِیْرِ۔

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے (مجھ سے) سے فرمایا کہ "کیا تم جانتی ہو کہ اس شب میں یعنی پندرھویں شعبان کی شب میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ مجھے تو معلوم نہیں آپ ﷺ ہی بتائیے کہ) کیا ہوتا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "بنی آدم میں کا ہر وہ شخص جو اس سال میں پیدا ہونے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھا جاتا ہے، بنی آدم میں کا ہر وہ شخص جو اس سال مرنے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھا جاتا ہے اس رات میں بندوں کے اعمال (اوپر) اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات میں بندوں کے رزق اترتے ہیں" حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر بہشت میں داخل نہیں ہوسکتا" آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے میں نے عرض کیا "اور نہ آپ یا رسول اللہ (ﷺ) (یعنی آپ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنّت میں داخل نہیں ہونگے؟) آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک اپنے سر مبارک پر رکھا اور فرمایا "اور نہ میں! (یعنی میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنّت میں داخل نہیں ہوں گا) مگر یہ کہ اللہ جل شانہ، (اپنے فضل وکرم کے صدقہ میں) مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے" یہ الفاظ بھی آپ ﷺ نے تین بار فرمائے (بیہقی نے یہ روایت دعوات کبیر میں نقل کی ہے)۔"

تشریح: دنیا میں جتنے بھی انسان پیدا ہونگے یا وفات پائیں گے ان سب کی پیدائش و موت کے بارہ میں، بہت پہلے ہی عمومی طور پر لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے مگر شعبان کی پندرہویں شب میں پھر دوبارہ ان لوگوں کی پیدائش اور موت کا وقت لکھ دیا جاتا ہے جو اس سال پیدا ہونے والے یا مرنے والے ہوتے ہیں۔

"اعمال اٹھائے جاتے ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ "اس سال میں بندہ سے جو بھی نیک و صالح اعمال سرزد ہونے والے ہونگے وہ اس رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں جو ہر روز سرزد ہونے کے بعد بارگاہ رب العزت میں اٹھائے جائیں گے۔

"رزق اترنے" سے مراد رزق کا لکھا جانا ہے یعنی اس سال جس بندہ کے حصّہ میں جتنا رزق آئے گا اس کی تفصیل اس شب میں لکھی جاتی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں منقول ہے کہ "اس شب میں موت اور رزق لکھے جاتے ہیں اور اس سال میں حج کرنے والے کا نام (بھی) اس شب میں لکھا جاتا ہے۔"

جب حضرت عائشہؓ نے سنا کہ وہ اعمال صالحہ جو سال بھر میں بندہ سے سرزد ہونے والے ہوتے ہیں کرنے سے پہلے ہی لکھ دیئے جاتے ہیں تو سمجھیں کہ جنّت میں داخل ہونے کا دارومدار محض تقدیر اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہے، دخول جنّت عمل پر موقوف نہیں ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَامَنْ یَدْخُلُ الخ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بے شک جنّت میں داخل ہونا تو محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم ہی پر موقوف ہے وہ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے جنّت میں داخل کرے اور جسے چاہے نہ داخل کرے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی قرآن کریم کی اس آیت:

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

"یہ جنّت وہ جو تمہیں اس چیز کے بدلہ میں دی گئی ہے جو تم کرتے تھے۔ (یعنی دنیا میں نیک اعمال کرتے تھے)۔"

کے معارض نہیں ہے کیونکہ نیک اعمال تو جنّت میں داخل ہونے کا ظاہری سبب ہیں مگر دخول جنّت کا حقیقی سبب تو اللہ جل شانہ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت ہی ہے نہ کہ اعمال نیک پھر یہ کہ نیک اعمال بھی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں۔ اگر کسی بندے کے ساتھ خدا کی توفیق شامل حال نہ ہو اور اس کے فضل و کرم اور اس کی رحمت کا سایہ اس پر نہ ہو تو وہ نیک اعمال کیسے کر سکتا ہے نیک وصالح اعمال تو بندہ جب ہی کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی رحمت بندہ کی رہنمائی کرتی ہے۔ لہٰذا اس طرح بھی یہی کہا جائے گا کہ جنّت میں داخل ہونا تو محض پروردگار کی رحمت پر موقوف ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ "جنّت میں داخل ہونا تو محض پروردگا کی رحمت کے سبب ہے اور جنّت میں درجات کا تفاوت اعمال کے تفاوت پر موقوف ہے یعنی بندہ جنّت میں داخل تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہوگا ہاں اعمال کی کارفرمائی اس درجہ کی ہوگی جس بندہ کے نیک اعمال جس درجہ کے ہونگے جنّت میں اسے اس کے مطابق درجہ ملے گا۔

شب برات میں کینہ توز اور مشرک، پروردگار کی عام بخشش سے محروم ہوتا ہے

(۱۲) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ وَ فِیْ رِوَایَتِهٖ اِلَّا اثْنَیْنِ مُشَاحِنٌ وَقَاتِلُ نَفْسٍ۔

"اور حضرت موسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالمؐ نے فرمایا "اللہ جل شانہ، نصف شعبان کی رات کو (یعنی شب برات میں دنیا والوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور مشرک اور کینہ رکھنے والے کے علاوہ اپنی تمام مخلوق کی بخشش فرماتا ہے" (ابن ماجہؒ)، امام احمدؒ نے اس روایت کی عبداللہ ابن عمروؓ ابن العاصؓ سے نقل کیا اور ان کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ کینہ رکھنے والے اور (ناحق کی کسی کی) زندگی ختم کر دینے والے (کے علاوہ اللہ تعالیٰ اس شب میں تمام مخلوق کی بخشش فرماتا ہے)۔"

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اس بابرکت اور مقدس رات میں اپنی رحمت کاملہ کے ساتھ دنیا والوں پر متوجہ ہوتا ہے تو اس کا دریائے رحمت اتنے جوش میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کو بھی معاف کر دیتا ہے اور اپنی بندگی و عبادت اور اطاعت و فرمانبرداری میں سرزد ہوئی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرما دیتا ہے۔ مگر کفر اور حقوق العباد (بندوں کے حق) کو معاف نہیں فرماتا اور ان کے معاملہ میں اتنی مہلت دیتا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کی جائے اور اگر توبہ نہ کریں اور اپنی بداعتقادی اور بدعملی سے باز نہ آئیں تو انہیں عذاب مین مبتلا کیا جائے۔

کینہ توز (کپٹ رکھنے والے) سے مراد وہ شخص ہے جو شرعی جہت سے نہیں بلکہ نفس امارہ کی فریب کاریوں میں مبتلا ہو کر خواہ مخواہ دوسروں کے لئے اپنے سینہ میں بغض و حسد کی آگ جلائے رکھتا ہے ایسا بدباطن شخص بھی اس بابرکت رات میں پروردگار کی عام بخشش سے کوئی حصہ نہیں پاتا شب برات میں جو بدبخت رحمت الٰہی کے سایہ میں نہیں ہوتا بایں طور کہ ان کی بخشش نہیں ہوتی ان کی تفصیل مختلف روایتوں میں مذکور ہے چنانچہ یہاں تو کفر کرنے والے، کینہ توز اور ناحق کسی کی جان لینے والے کا ذکر کیا گیا ہے۔

بعض روایتوں میں اتنا اور منقول ہے کہ ناتا کاٹنے والے (یعنی رشتہ داری اور بھائی بندی کو منقطع کرنے اور کرانے والے، کو بھی اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا۔ اسی طرح بعض روایتوں میں ازار لٹکانے والوں یعنی ٹخنوں سے نیچا پائجامہ، لنگی لٹکانے والوں، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں، ہمیشہ شراب پینے والوں، بعض روایتوں میں زنا کرنے والوں، بعض روایتوں میں عشار یعنی ظلم کے ساتھ محصول لینے والوں، جادو کرنے والوں، کاہن، عریف یا غیب کی باتیں بتانے والوں اور صاحب عرطبہ یعنی باجا بجانے والوں کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ وہ بدبخت لوگ ہیں جو اس مقدس شب میں پروردگار کی عام رحمت سے محروم رہتے ہیں۔

پندرہویں شعبان کے روزے اور شب برات کی عبادت کا حکم

(۱۴) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَهٗ اَلَا مُبْتَلًى فَاُعَافِيَهٗ اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ "جب نصف شعبان کی رات ہو (یعنی شب برات) تو اس رات میں نماز پڑھو اور اس کے دن میں (یعنی پندرہویں کو) روزہ رکھو، کیونکہ اللہ جل شانہ، اس رات میں آفتاب چھپنے کے وقت آسمان دنیا (یعنی نیچے کے آسمان) پر نزول فرماتا ہے (یعنی اپنی رحمت عام کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے) اور (دنیا والوں سے) فرماتا ہے کہ "آگاہ! ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ میں اسے بخشوں؟ آگاہ! ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق دوں؟ آگاہ! ہے کوئی گرفتار مصیبت کہ میں اسے عافیت بخشوں؟ آگاہ! ہے کوئی ایسا اور ایسا (یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر ضرورت اور ہر تکلیف کا نام لے کر اپنے بندوں کو پکارتا رہتا ہے مثلاً فرماتا ہے مثلاً کوئی مانگنے والا ہے کہ میں عطا کروں؟ ہے کوئی غمگین کہ میں اسے خوشی و مسرت کے خزانے بخشوں؟ وغیرہ وغیرہ) یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: شب برات کی عظمتوں اور فضیلتوں کا کیا ٹھکانہ؟ یہی وہ مقدس شب ہے کہ پروردگار عالم اپنی رحمت کاملہ اور رحمت عامہ کے ساتھ اہل دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے دنیا والوں کو اپنی رحمت کی طرف لاتا ہے، ان کے دامن مین رحمت و بخشش اور عطاء کے خزانے بھرتا ہے۔

بشارت ہو ان نفوس قدسیہ کو اور ان خوش بختوں کو جو اس مقدس شب میں اپنے پرودگار کی رحمت کا سایہ ڈھونڈھتے ہیں عبادت و بندگی کرتے ہیں، اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کی درخواست پیش کرتے ہیں اور مولیٰ ان کی درخواستوں کو اپنی

رحمت کاملہ کے صدقہ قبول فرماتا ہے۔

واحسر تا! ان حرماں نصیبوں پر، جو اس بابرکت وباعظمت شب کی تقدیس کا استقبال لہو ولعب سے کرتے ہیں، آتش بازی جیسے قبیح فعل میں مبتلا ہو کر اپنی نیک بختی وسعادت کو بھسم کرتے ہیں، کھیل کود اور حلوے مانڈے کے چکر میں پڑ کر رحمت خداوندی سے بعد اختیار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم شب برات کی عظمت وفضیلت کا احساس کریں۔ اس رات کی تقدیس کا احترام کریں اور عبادت وبندگی کا مخلصانہ نذرانہ پروردگار کی بارگاہ میں پیش کر کے اس کی رحمت عامہ سے اپنے دین ودنیا کی سعادتوں اور کامرانیوں کو حاصل کریں اکثر صحابہؓ مثلاً حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہما سے منقول ہے کہ وہ اس رات میں یہ دعا بطور خاص پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنَا اَشْقِیَاءَ فَامْحُہٗ وَاکْتُبْنَا سعداءَ وَ اِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنَا سُعَدَاءَ فَاَثْبِتْنَا فَاِنَّکَ تَمْحُوْ مَنْ تَشَاءُ وَتُثْبِتُ عِنْدَکَ اُمُّ الْکِتَابُ۔

"اے پروردگار! اگر تو نے (لوح محفوظ) ہمیں شقی لکھ رکھا ہے تو اسے مٹا دے اور ہمیں سعید ونیک بخت لکھ دے اور اگر تو نے (لوح محفوظ میں) ہمیں سعید ونیک بخت لکھ رکھا ہے تو اسے قائم رکھ، بیشک جسے تو چاہے مٹائے اور جسے چاہے قائم رکھے اور تیرے ہی پاس اُم الکتاب (لوح محفوظ) ہے۔

پندرہویں شعبان کی شب میں اس دعا کا پڑھنا حدیث میں منقول ہے لیکن وہ حدیث قوی نہیں ہے اس دعا کے الفاظ ان کنت کتبنا اشقیاء میں کتابت سے مراد "کتابت معلقہ" ہے کہ اس میں تغیر وتبدل ممکن ہے یہاں "کتابت محکمہ" مراد نہیں ہے۔ کیونکہ لوح محفوظ میں آخری طور پر جو بات محکم لکھ دی گئی ہے اس میں تغیر وتبدل ممکن نہیں۔"

پندرہویں شعبان کی شب میں نماز الفیہ پڑھنے کی حقیقت: کتاب الآلی میں لکھا ہے کہ "اس رات میں نماز الفیہ یعنی سو رکعتیں نفل نماز اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر رکعت میں دس دس قل کی قرأت ہو جیسا کہ دیلمی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔" لیکن یہ روایت موضوع ہے چنانچہ اس سلسلہ میں بعض رسائل میں لکھا ہے کہ علی بن ابراہیمؒ نے فرمایا کہ یہ "جو طریقہ رائج کیا گیا ہے کہ پندرہویں شعبان کی شب میں نماز الفیہ پڑھی جاتی ہے۔ (یعنی سو رکعتیں اس طرح پڑھتے ہیں کہ ہر رکعت میں دس دس قل کی قرأت ہوتی ہے اور اس کو جماعت سے ادا کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ اس میں نماز جمعہ وعیدین سے بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں اس کے بارہ میں نہ کوئی صحیح حدیث ہی ثابت ہے نہ کسی صحابی وتابعی کا کوئی مضبوط ارشاد ہی منقول ہے الایہ کہ اس سلسلہ میں ضعیف اور موضوع روایتیں ضرور نقل کی جاتی ہیں لہٰذا کوئی شخص صاحب قوت القلوب اور صاحب اخبار وغیرہما کے منقولات سے اس سلسلہ میں غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے (یعنی یہ نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ) عوام اس نماز کی وجہ سے زیادہ فتنوں میں مبتلا ہو چکے ہیں، یہاں تک کہ اس نماز کی ادائیگی کے وقت روشنی وچراغاں کو ضروری قرار دیدیا گیا تھا جس کی وجہ سے اکثر فسق وفجور کے کام صادر ہونے لگے۔

چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ ان امور کی وجہ سے ڈرے کہ کہیں خدا کا کوئی ادبار وعذاب نازل نہ ہو جائے چنانچہ وہ اتنے زیادہ خوف زدہ اور پریشان ہوئے کہ وہ آبادیوں کو چھوڑ کر اور عبادت خداوندی کی آڑ میں ہونے والے فسق وفجور سے منہ موڑ کر جنگلوں میں چلے گئے اس نماز کی ابتدا کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ اول اول یہ نماز بیت المقدس میں ۴۴۸ھ میں شروع ہوئی اور اس طریقہ کے رائج ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ کے جاہل اور اقتدار طلب آئمہ مساجد نے اپنے جذبہ اقتدار وجاہ طلبی کی تسکین کے لئے اور عوام کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اپنے ارد گرد جمع کرنے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا چنانچہ اس طرح انہوں نے بہت سے فائدے بھی حاصل کئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نیک وصالح آئمہ کو پیدا کیا، انہوں نے اس بدعت کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ چنانچہ اللہ کے ان نیک بندوں کی سعی و

کوشش سے یہ طریقہ ختم ہوا یہاں تک کہ ۸۰۰ھ کے اوائل میں مصر و شام کے شہروں میں یہ بدعت بالکل ہی ختم ہو گئی۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا مضمون نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ۔"اس سلسلہ میں میں یہ کہتا ہوں (اتنی بات تو طے ہے کہ نماز الفیہ کے سلسلہ میں حدیث ضعیف منقول ہے اور نفل اعمال کے سلسلہ میں، ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے علماء نے اس نماز کے پڑھنے سے جو منع کیا ہے وہ اس لئے کے اس کے ساتھ بہت زیادہ منکرات (مثلاً چراغاں وغیرہ) کا اجتماع ہو گیا تھا لہٰذا اگر کوئی شخص تنہا اور مذکورہ بالا منکرات کے بغیر اس نماز کو پڑھنا چاہے تو جائز ہے پڑھ سکتا ہے

اس نماز کے وقت چراغاں کی ابتدا اور اس کی وجہ کے بارہ میں منقول ہے کہ "اول اول چراغا کا رواج قوم برامکہ میں ہوا۔ کیونکہ یہ قوم پہلے آتش پرست تھی جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو چونکہ ان کے قلب کی گہرائیوں نے ایمان اور اسلام کو پوری طرح قبول نہیں کیا تھا اور ان کے دل میں اپنے قدیم مذہب کی کسی نہ کسی حیثیت محبت باقی تھی اس لئے انہوں نے ایک ایسی چیز کو اسلام میں داخل کیا جو اس وہم میں مبتلا کر دے کہ یہ سُنّت اور شعار دین میں سے ہے۔ یعنی اس نماز کے وقت چراغاں کرنے لگے جس سے دراصل ان کا مقصد آگ کی عبادت کرنا تھا کیونکہ وہ عام مسلمانوں کے ساتھ اس (چراغ کی شکل میں) آگ کی طرف رکوع و سجدہ کرتے تھے۔

کسی بھی عمل کے وقت چراغاں کرنا مستحب نہیں ہے: کسی دوسری ضرورت و حاجت کے وقت کسی بھی جگہ چراغاں کرنا شریعت میں مستحب نہیں ہے چنانچہ بعض حاجی جو پڑھے لکھے نہیں ہوتے جبل عرفات مشعر حرام اور منی میں چراغ وغیرہ جلاتے ہیں اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ یہ اختراع محض ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

تراویح کی ختم رات میں نمائشی اجتماع بدعت ہے: علامہ طرطوسی کی تحقیق یہ ہے کہ "جس رات میں تراویح ختم ہوتی ہے اس موقع پر (محض ختم میں شرکت کے لئے) عوام کا اجتماع یا منبر وغیرہ نصب کرنا (یا چراغاں کرنا) بدعت ہے۔

ملا علی قاریؒ علامہ طرطوسی کی اس تحقیق کے بارہ میں کہتے ہیں۔ کہ "اللہ تعالیٰ طرطوسیؒ پر اپنی رحمت نازل فرمائے انہوں نے کیا (عمدہ) تحقیق کی ہے اور (بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ) اس غلط طریقہ کو اہل حرمین شریفین نے اختیار کیا ہوا ہے چنانچہ وہاں جس رات میں تراویح ختم ہوتی ہے اس موقع پر مردوں، عورتوں، لڑکوں اور غلاموں کا اس قدر (اور اتنے اہتمام کے ساتھ) اجتماع ہوتا ہے کہ نماز عیدین، نماز جمعہ اور نماز کسوف میں بھی اتنے زیادہ لوگ جمع نہیں ہوتے۔ اس اجتماع کے موقع پر بہت زیادہ نئے نئے منکرات اور غلط اور فاسد اعمال اور افعال کا صدور ہوتا ہے لوگ چراغوں کی طرف منہ کرتے ہیں اور بیت اللہ شریف کی طرف پیٹھ کرتے ہیں اور مطاف کے بیچ میں بالکل آتش پرستوں کی طرح اس ازدہام کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں کہ وہاں کی جگہ طواف کرنے والوں کے لئے تنگ اور پریشان کن ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس وقت طواف کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے والے نمازی اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے بہت زیادہ تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں فَنَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْغُفْرَانَ وَالرِّضْوَانَ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

بابُ صلٰوۃ الضُّحٰی
نمازِ ضحیٰ کا بیان

"ضحیٰ" مشتق ہے الضَحو و الضَحوۃ سے جس کے معنی ہیں "آفتاب کا بلند ہونا، دن کا چڑھنا، چاشت کا وقت، چنانچہ آفتاب بلند ہونے کے بعد پڑھی جانے والی نماز کو "نماز ضحیٰ" کہتے ہیں۔

ضحیٰ کی دو نمازیں ہیں نماز اشراق اور نماز چاشت: ضحیٰ کی دو نمازیں ہیں ایک نماز کو "اشراق" کہتے ہیں اور دوسری نماز "نماز چاشت" کہلاتی ہے یعنی بقدر ایک یا دو نیزہ آفتاب بلند ہونے کے بعد، جب کہ وقت مکروہ ختم ہو جاتا ہے اور نماز پڑھنے کا وقت شروع

ہو جاتا ہے تو پہلے پہر تک ضحیٰ کی جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے اصطلاح میں "نماز اشراق" کہتے ہیں اور جب آفتاب خوب بلند ہو جائے، فضاء میں اچھی طرح گرمی پیدا ہو جائے اور دھوپ اتنی زیادہ پھیل جائے کہ دوسرا پہر شروع ہو جائے تو زوال سے پہلے پہلے ضحیٰ کی نماز پڑھی جاتی ہے وہ اصطلاح میں "نماز چاشت" کہلاتی ہے عربی میں ان دونوں نمازوں کو ضحوۃ صغریٰ اور ضحوۃ کبریٰ کہتے ہیں۔

نسائی نے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "جب آفتاب مشرق کی جانب ایسا ہوتا ہے جیسا کہ عصر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو آنحضرت ﷺ دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور جب آفتاب مشرق کی جانب ایسا ہوتا جیسا کہ ظہر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو آپ ﷺ چار رکعت نماز پڑھتے۔"

اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ ضحیٰ کی دو نمازیں ہیں۔

نماز اشراق کی کم از کم دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ چھ رکعتیں۔ اسی طرح نماز چاشت کی کم سے کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں لیکن علماء کے نزدیک مختار چار رکعتیں ہی پڑھنا ہے کیونکہ جن احادیث سے آنحضرت ﷺ کا چار رکعتیں پڑھنا ثابت ہے وہ احادیث زیادہ صحیح ہیں پھر یہ کہ زیادہ احادیث و آثار چار رکعتوں ہی کے بارے میں منقول ہیں۔

نماز ضحیٰ کی بہت زیادہ فضیلت منقول ہے یہ نماز اکثر علماء کے قول کے مطابق مستحب ہے یہ نماز اس نیت سے پڑھی جاتی ہے۔

نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ اَرْبَعَ رَکْعَاتِ صَلٰوۃِ الضُّحٰی سُنَّۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

"میں نے یہ ارادہ کیا کہ چار رکعت نماز ضحیٰ جو نبی کریم ﷺ کی سُنّت ہے پڑھوں۔"

شیخ ولی الدین ابن عراقیؒ فرماتے ہیں کہ "صلوٰۃ ضحیٰ کے بارہ میں صحیح اور مشہور حدیثیں بہت زیادہ منقول ہیں یہاں تک کہ محمد ابن جریر طبرانی نے کہا ہے کہ اس بارہ میں جو احادیث منقول ہیں وہ درجہ تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں۔

قاضی ابوبکرؒ فرماتے ہیں کہ "یہ نماز پچھلے انبیاء اور رسولوں کی نماز ہے۔"

علامہ سیوطیؒ نے دیلمیؒ سے حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ "نماز ضحیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی اکثر نماز ہے۔"

ابن بخارؒ نے حضرت ثوبان کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ "نماز ضحیٰ وہ نماز ہے جسے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں

① عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰى ثَمَانِيَ رَكْعَاتٍ فَلَمْ اَرَ صَلَاةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهٗ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَذٰلِكَ ضُحًى۔ (متفق علیہ)

"حضرت اُمّ ہانیؓ فرماتی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب فتح مکہ کے دن میرے مکان میں تشریف لائے تو (پہلے) آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور (اس کے بعد) آٹھ رکعت نماز پڑھی میں نے اس سے پہلے آپ ﷺ کی اس سے ہلکی کوئی نماز نہیں دیکھی لیکن آپ رکوع و سجود پورا کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت میں انہوں نے فرمایا کہ "یہ نماز چاشت تھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت اُمّ ہانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بہن ہیں۔ ان کا نام فاختہ تھا یہ بڑی عظمت و فضیلت کی مالک صحابیہ ہیں مکہ میں آنحضرت ﷺ کی زیادہ تر تبلیغی جدوجہد کا مرکز انہیں کا مکان تھا۔

چاشت کی نماز آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں یا تو دو سلام کے ساتھ یعنی چار چار رکعت کر کے پڑھی ہوں گی یا یہ بھی احتمال ہے کہ چار سلام

کے ساتھ یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھی ہوں بہر حال "ہلکی نماز" کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت آپ ﷺ نے زیادہ طویل سورتوں کی قرأت نہیں فرمائی اسی طرح تسبیحات وغیرہ بھی زیادہ نہیں پڑھیں۔

نماز ضحیٰ میں آنحضرت ﷺ کی نماز کی رکعتوں کی تعداد

② وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاةَ الضُّحٰى قَالَتْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَيَزِيْدُ مَاشَاءَ اللّٰهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت معاذہ فرماتی ہیں کہ میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ سرتاج دو عالم ﷺ نماز ضحیٰ کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ "آپ چار رکعتیں پڑھتے تھے اور اس سے زیادہ بھی جس قدر اللہ چاہتا تھا پڑھتے تھے۔" (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ و یزید ماشاء اللہ کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ نماز ضحیٰ کی آپ ﷺ زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت پڑھتے تھے بارہ سے زیادہ کی تعداد کسی حدیث میں منقول نہیں ہے۔

یہ حدیث دونوں وقت کی نماز کو محتمل ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں مذکورہ سوال و جواب کا تعلق نماز اشراق سے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نماز چاشت سے ہو۔

کتاب احبار میں لکھا ہے کہ "بہتر یہ ہے کہ ان نمازوں میں سورہ والشمس، سورہ واللیل، سورہ والضحیٰ اور الم نشرح کی قرأت کی جائے۔

نماز ضحیٰ کی فضیلت

③ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَ اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "صبح ہوتے ہی تمہاری ہر ہڈی پر صدقہ لازم ہو جاتا ہے لہٰذا ہر تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تحمید یعنی الحمد للہ کہنا صدقہ ہے ہر تحلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ اور ان سب کے بدلہ میں نماز ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھ لینا کافی ہوتا ہے۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب انسان صبح کرتا ہے اور اس کے جسم کی ایک ایک ہڈی اور ایک ایک جوڑ آفت و بلا سے صحیح و سالم ہوتا ہے۔ تو اس کی وجہ سے وہ کاروبار اور دنیا کی دیگر مصروفیات میں مشغول رہنے کے قابل رہتا ہے لہٰذا اس عظیم نعمت پر ادائیگی شکر کے لئے ایک ایک ہڈی کے عوض اسے صدقہ دینا لازم ہوتا ہے اور یہ صدقہ صرف چند کلمات ہیں جن کو پڑھنے سے ایک ایک ہڈی اور ایک ایک جوڑ کی طرف سے صدقہ ادا ہو جاتا ہے اور وہ کلمات بھی بھاری بھر کم نہیں ہیں، زیادہ طویل اور سخت نہیں ہیں بلکہ نہایت آسان اور بلا تکلف ادا ہونے والے ہیں یعنی سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر۔

وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ کا مطلب یہ ہے کہ ان کلمات کے کہنے کی بجائے اگر ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھ لی جائیں تو شکرانہ ادا ہو جاتا ہے ان کلمات کے کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ نماز تو پورے بدن اور تمام اعضا جسمانی کا عمل ہے جس کے ذریعہ بدن کا ایک ایک عضو مصروف عبادت ہو کر اپنا اپنا شکرانہ ادا کرتا ہے لہٰذا مناسب اور بہتر یہ ہے کہ اس نماز کو ہمیشہ پڑھنا چاہئے۔

نماز چاشت کا بہتر وقت

④ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّهُ رَاٰى قَوْمًا يُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰى فَقَالَ لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ الصَّلَاةَ فِيْ غَيْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ اَفْضَلُ اِنَّ

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاۃُ الْاَوَّابِیْنَ حِیْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت زید ابن ارقمؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو ضحیٰ کے وقت (چاشت کی) نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ لوگ (احادیث کے ذریعہ) جانتے ہیں کہ اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں نماز پڑھنا بہتر ہے (یعنی اس وقت زیادہ۔ ثواب ملتا ہے چنانچہ) سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اللہ جل شانہ کی جانب کامل توجہ رکھنے والوں کی نماز کا وقت وہ ہے۔ جب کہ اونٹوں کے بچے (یعنی ان کے پیر) گرم ہونے لگیں۔" (مسلم)

تشریح: جب حضرت زیدؓ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے نماز چاشت کے مختار اور بہتر وقت کا انتظار نہیں کیا بلکہ اول وقت ہی نماز پڑھنے لگے تو انہیں بہت تعجب ہوا اور ان کے بارہ میں فرمایا کہ اگرچہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی حدیث سن چکے ہیں اور انہیں علم ہے کہ یہ وقت نماز چاشت کا افضل وقت نہیں ہے بلکہ افضل اور بہتر وقت تو اس کے بعد شروع ہوگا اس کے باوجود یہ لوگ اس وقت نماز نہ معلوم کیوں پڑھ رہے ہیں؟ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں بتایا کہ نماز چاشت کا بہتر اور افضل وقت وہ ہے جب کہ اونٹوں کے بچے گرم ہونے لگیں یعنی آفتاب بلند ہو جائے اور دھوپ اتنی پھیل جائے کہ گرمی کی شدت سے زمین گرم ہو جائے جس کی وجہ سے اونٹوں کے پیر جلنے لگیں اور دھوپ و گرمی میں اتنی شدت تقریباً ڈیڑھ پہر گذرنے پر آتی ہے۔

بہر حال اس حدیث سے صریح طور پر معلوم ہو گیا کہ نماز چاشت کا وقت یہ ہے کہ آفتاب خوب بلند ہو جائے، دھوپ اچھی طرح پھیل جائے اور ایک پہر ختم ہونے کے بعد دوسرا پہر شروع ہو جائے اس طرح اس نماز کا آخری وقت دوپہر یعنی زوال سے پہلے پہلے تک ہوگا۔

نماز چاشت کا مذکورہ وقت افضل اس لئے ہے کہ اس وقت عام طور پر طبیعت میں کسل و سستی پیدا ہو جاتی ہے اور جی یہی چاہتا ہے کہ آرام کیا جائے لہٰذا ایسے وقت میں آرام اور طبیعت کے تقاضہ کو پس پشت ڈال کر وہی بندگان خدا نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جو بارگاہ رب العزت کی طرف کامل رجوع اور توجہ رکھتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

نماز چاشت کی برکت

⑤ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ وَاَبِی ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ اللّٰہِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَنَّہٗ قَالَ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِرْکَعْ لِیْ اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ مِنْ اَوَّلِ النَّھَارِ اَکْفِكَ اٰخِرَہٗ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ عَنْ نُعَیْمِ بْنِ ھَمَّارٍ الْغَطْفَانِیِّ وَاَحْمَدُ عَنْھُمْ۔

"حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابوذرؓ (دونوں) روایت کرتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو دن کے شروع حصہ میں چار رکعت نماز خالص طور پر میرے لئے (یعنی جذبہ نمائش وریاء سے پاک ہو کر) پڑھ! میں تجھ کو اس دن کی شام تک کفایت کروں گا۔" (ترمذیؒ) ابوداؤدؒ، و دارمیؒ نے نعیم ابن ہمار غطفانی سے اور امام احمدؒ نے ان سب سے یہ روایت نقل کی ہے۔"

تشریح: خداوند قدوس کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ "اے بندے! تو دن کے ابتدائی حصہ میں محض میری رضا اور خوشنودی کی خاطر چار رکعت نماز پڑھ لیا کر جس کے بدلہ میں میں دن کے آخری حصہ یعنی شام تک تیری حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرتا رہوں گا۔ اور تیرے دل میں جو کچھ برائی یعنی پریشانی اور تنگی ہے میں اسے ختم کروں گا گویا دن کے ابتدائی حصہ میں میری عبادت کے لئے اپنا دل فارغ رکھ میں دن کے آخری حصہ تک تیری حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کر کے تیرے دل کو اطمینان و فراغت بخشوں گا۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

(یعنی جو کچھ شخص خدا کا ہو جاتا ہے خدا اس کا ہو جاتا ہے)

"دن کے شروع حصہ میں چار رکعت نماز" سے نماز اشراق بھی مراد لی جاسکتی ہے اور نماز چاشت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

نماز اشراق کی فضیلت

⑥ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي الْاِنْسَانِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّ سِتُّوْنَ مَفْصِلاً فَعَلَيْهِ اَنْ يَتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مَفْصِلٍ مِنْهُ بِصَدَقَةٍ قَالُوْا وَ مَنْ يُطِيْقُ ذٰلِكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ النُّخَاعَةُ فِي الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا وَالشَّيْئُ تُنَحِّيْهِ عَنِ الطَّرِيْقِ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فَرَكْعَتَا الضُّحٰى تُجْزِءُكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "انسان (کے جسم) میں تین سو ساٹھ بند (جوڑ) ہیں لہٰذا ہر انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے (جسم کے) ہر جوڑ کے بدلہ میں صدقہ دے" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟ (کہ اپنے جسم کے ہر ہر جوڑ کے بدلہ میں صدقہ دے) آپ ﷺ نے فرمایا "مسجد میں پڑے ہوئے تھوک کو دفن کر دینا (صدقہ ہی دینا ہے) راستہ سے کسی (تکلیف دہ) چیز (مثلاً نجاست کانٹے، پتھر) کو ہٹا دینا (بھی ایک صدقہ ہے) اور اگر تو (تین سو ساٹھ جوڑوں کی طرف سے صدقہ دینے والی کوئی چیز) نہ پاؤ تو ضحیٰ (یعنی اشراق) کی دو رکعتیں پڑھ لینا تمہارے لئے کافی ہے۔" (اس کے بعد کسی دوسرے صدقہ کی ضرورت نہیں ہے)۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "لازم" سے مراد وجوب شرعی نہیں ہے کہ جس کو چھوڑنے والا گنہ گار ہوتا ہے بلکہ تاکید مراد ہے کیونکہ نہ تو ضحیٰ کی دو رکعتوں کو خواہ وہ نماز اشراق ہو یا نماز چاشت کسی بھی امام اور عالم نے واجب کہا ہے اور نہ کسی کے نزدیک مذکورہ بالا دونوں صدقے ہی واجب ہیں۔ اگرچہ نہ صرف یہ کہ شریعت کی رو سے بلکہ عقلاً بھی دیکھا جائے تو فیصلہ یہی کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت پر اجمالی اور تفصیلی دونوں طریقوں سے شکر ادا کرنا ہر انسان پر واجب ہے۔

⑦ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الضُّحٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهٗ قَصْرًا مِنْ ذَهَبٍ فِي الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص ضحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بناتا ہے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم بجز اسی سند کے (یعنی جو ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے) اور کسی سند سے اسے نہیں جانتے۔"

⑧ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ فِيْ مُصَلَّاهُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُسَبِّحَ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى لَا يَقُوْلُ اِلَّا خَيْرًا غُفِرَ لَهٗ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ اَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت معاذ ابن انس جہنیؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص فجر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ (برابر) بیٹھا رہے یہاں تک کہ (آفتاب طلوع اور بلند ہونے کے بعد) ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھے اور ان دونوں یعنی نماز فجر و نماز ضحیٰ کے درمیان) نیک کلام کے علاوہ دوسری بات نہ کرے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ دریا کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حدیث کے پہلے جز "من قعد الخ" کی تشریح میں ملا علی قاریؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ "اگر کوئی شخص فجر کی نماز پڑھ کر ذکر و فکر میں مشغول اور نیک کاموں مثلاً علم کے سیکھنے سکھانے، وعظ و نصیحت اور بیت اللہ کے طواف میں مصروف رہے اور جب سورج طلوع ہو کر بلند ہو جاتا ہے تو خواہ گھر میں خواہ مسجد میں نماز ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھ لے اور یہ کہ نماز فجر اور نماز

ضحیٰ کے درمیان سوائے نیک اور صالح کلام کے کوئی اور گفتگو و کلام نہ کرے تو اس کے صغیرہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ جل شانہ، اپنے فضل و کرم کے صدقہ میں گناہ کبیرہ بھی بخش دے"

لہٰذا ملا علی قاریؒ کی اس تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ ارشاد گرامی "من قعد" (جو شخص بیٹھا رہے) بطور تمثیل کے فرمایا گیا ہے ورنہ تو یہاں ذکر اللہ اور نیک کاموں میں مشغول رہنا مراد ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ کہ "یہاں ضحیٰ کی نماز سے اشراق کی نماز مراد ہے جب کہ دوسری احادیث میں ضحیٰ سے اشراق اور چاشت دونوں نمازیں متحمل ہوتی ہیں اور بظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "یہ ثواب اسی شخص کو ملتا ہے جو نماز فجر سے فارغ ہو کر اسی جگہ بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے اور کوئی شخص اس جگہ سے اٹھ کر خلوت میں جاکر بیٹھ گیا اور وہاں ذکر اللہ و عبادت میں مشغول رہا تو اسے مذکورہ ثواب نہیں ملے گا۔ اگرچہ بعض علما نے لکھا ہے کہ اگر پریشانی کا ڈر ہو یا یہ کہ ریا و نمائش کا وسوسہ پیدا ہو جانے کا شوق ہم تو ایسی صورت میں خلوت میں جاکر عبادت و ذکر اللہ میں مشغولیت اختیار کی جائے علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسے موقع پر قبلہ رخ بیٹھنے کو ضروری سمجھا جائے اور اگر نیند کا غلبہ ہونے لگے تو اسے دفع کیا جائے۔

شیخ الاسلام شہاب الدین سہروردیؒ نے کہا ہے کہ "ایسا عمل جس کی جزا دنیا ہی میں فی الوقت باطن کی نورانیت کی شکل میں حاصل ہوتی ہے، یہی عمل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلٰى شُفْعَةِ الضُّحٰى غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

"حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا جو شخص ضحیٰ کی دو رکعتوں پر محافظت کرتا ہے (یعنی ہمیشہ پڑھتا ہے) تو اس کے تمام (صغیرہ) گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ وہ دریا کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

حضرت عائشہؓ اور نماز ضحیٰ

(۱۰) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّي الضُّحٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ تَقُوْلُ لَوْ نُشِرَ لِيْ اَبَوَايَ مَا تَرَكْتُهَا۔ (رواہ مالک)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ نماز ضحیٰ کی آٹھ رکعتیں پڑھا کرتی تھیں فرماتیں کہ میرے لئے میرے ماں باپ بھی زندہ کر دیئے جائیں تو بھی میں اس نماز کو نہ چھوڑوں۔" (امام مالکؒ)

تشریح: حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد مبالغہ کے لئے تعلیق بالمحال ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس نماز کو پڑھ کر اتنی زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے اور اتنا سرور ہوتا ہے کہ اگر میرے ماں باپ بھی زندہ ہو جائیں باوجودیکہ ان کا زندہ ہونا محال ہے تو ان سے ملاقات کی خوشی اور مسرت بھی مجھے اس نماز سے نہیں روک سکتی۔ گویا حضرت عائشہؓ نے اس کے ذریعہ لوگوں کو ترغیب دلائی ہے کہ اس نماز کو ہمیشہ باقاعدگی کے ساتھ پڑھا جائے۔

نماز ضحیٰ کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کا معمول

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُصَلِّيْهَا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ (جب) ضحیٰ کی نماز پڑھتے تو ہم کہتے کہ اب آپ اس نماز کو چھوڑیں گے نہیں اور جب (کبھی) چھوڑتے تو ہم کہتے کہ اب آپ اس نماز کو نہ پڑھیں گے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: جیسا کہ نفل اعمال کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کوئی بھی نفل عمل ہمیشہ نہیں کرتے تھے تاکہ اس التزام کی وجہ سے وہ عمل فرض نہ ہو جائے۔ اسی طرح نماز ضحیٰ کے بارہ میں بھی آپ ﷺ کا یہی معمول تھا کہ آپ ﷺ اُمت کے حق میں انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، اس نماز کو کبھی کبھی ترک فرمادیتے تھے تاکہ التزام کے طور پر ہمیشہ اس نماز کو پڑھنے سے اس کی فرضیت کا حکم نازل نہ ہو جائے جس سے اُمت کے لوگ تنگی میں مبتلا ہو جائیں۔

اس موقعہ پر اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہ آنحضرت ﷺ ہی کی خصوصیت تھی کوئی بھی فعل آنحضرت ﷺ کے التزام کی وجہ سے فرض ہو جاتا تھا اگر اُمت کے لوگ کوئی فعل التزام کے ساتھ کریں تو فرض نہیں ہوگا۔ لہٰذا اب تمام مسلمان التزام کے ساتھ نماز ضحیٰ ہمیشہ پڑھیں گے تو یہ نماز فرض نہیں ہوگی بلکہ مستحب ہی رہے گی۔

(۱۴) وَعَنْ مُوَرِّقٍ الْعِجْلِيِّ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ تُصَلِّي الضُّحٰى قَالَ لَا قُلْتُ فَعُمَرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَاَبُوْ بَكْرٍ قَالَ لَا قُلْتُ فَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اِخَالُهُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت مورق عجلی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ "کیا آپ ضحیٰ کی نماز پڑھتے ہیں" انہوں نے فرمایا کہ "نہیں" میں نے کہا کہ "حضرت عمرؓ؟ انہوں فرمایا کہ "وہ بھی نہیں پڑھتے تھے" پھر میں نے پوچھا کہ "حضرت ابوبکرؓ"؟ انہوں نے فرمایا کہ "وہ بھی نہیں پڑھتے تھے۔" پھر میں نے پوچھا کہ "اچھا آنحضرت ﷺ"؟ انہوں نے فرمایا کہ "میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ بھی نہیں پڑھتے۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے بارہ میں نماز ضحیٰ پڑھنے کی جو نفی فرمائی اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ انکار اس بات پر مبنی ہے کہ آپ مسجد میں ضحیٰ کی نماز نہیں پڑھتے تھے یا حضرت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کے عمل مبارک اور اس نماز کے پڑھنے کے بارہ میں آپ ﷺ کے ارشاد پر مطلع نہیں ہونگے یا پھر یہ کہ حضرت ابن عمرؓ نے مطلقاً نفی نہیں فرمائی۔ بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ اس نماز کو مستقل طریقہ سے ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے تاکہ یہ نماز فرض قرار نہ دیدی جائے۔

بہرحال اس نماز کا آنحضرت ﷺ سے پڑھنا اور دوسروں کے لئے اس کے پڑھنے پر تاکید کرنا بہت روایتوں سے ثابت ہے۔ اس لئے اس نماز کے ثبوت میں اس روایت سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

ملا حنفیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد اس نماز کے فرض ہو جانے کا کوئی اندیشہ نہیں رہا اس لئے یہ کہنا زیادہ مناسب اور بہتر ہے کہ تمام مسلمانوں کو اس نماز پر مداومت یعنی ہمیشہ پابندی کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔ چنانچہ اکثر علما اور مشائخ کا یہ مسلک ہے۔

بَابُ التَّطَوُّعِ
نفل نماز کا بیان

"تطوع" طوع وطاعت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "انقیاد اور فرمانبرداری کرنا" نافلہ عبادت کو تطوع اور نافلہ کرنے والے کو "مُتَطَوِّع" کہتے ہیں لہٰذا اس باب کے تحت اس نمازوں سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی جو نفل ہیں۔

یوں تو فرض وواجب کے سوا ہر نماز کو نفل کہتے ہیں خواہ سُنت ہو یا مستحب لیکن "تطوع" کا اطلاق اکثر ان نمازوں پر ہوتا ہے جو غیر رواتب یعنی غیر سُنت مؤکدہ ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

تحیۃ الوضو کی فضیلت

① وَعَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلَاۃِ الْفَجْرِ یَا بِلَالُ حَدِّثْنِیْ بِاَرْجٰی عَمَلٍ عَمِلْتَہٗ فِی الْاِسْلَامِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْکَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّۃِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰی عِنْدِیْ اَنِّیْ لَمْ اَتَطَھَّرْ طَھُوْرًا فِیْ سَاعَۃٍ مِنْ لَیْلٍ وَلَا نَھَارٍ اِلَّا صَلَّیْتُ بِذٰلِکَ الطُّھُوْرِ مَا کُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ) ایک دن سرتاج دو عالم ﷺ نے نماز فجر کے وقت حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ بلال ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے حالت اسلام میں کون سا عمل کیا ہے جس سے تمہیں ثواب کی بہت زیادہ امید ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی ہے۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا "میں نے ایسی زیادہ امید کا کوئی عمل نہیں کیا سوائے اس کے کہ رات دن میں جب بھی میں پاکی حاصل کرتا ہوں تو اس پاکی سے جس قدر میرے مقدر میں ہے میں نماز ضرور پڑھتا ہوں۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا جنت میں اپنے آگے حضرت بلالؓ کے قدموں کی آواز سننا بذریعہ مکاشفہ تھا کہ عالم غیب سے آپ ﷺ پر نیند کی حالت میں یا حالت بیداری میں یہ ظاہر کیا گیا یا پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں جنت میں اپنے آگے حضرت بلالؓ کے جوتوں کی آواز سنی ہوگی۔

حضرت بلالؓ کا آنحضرت کے آگے چلنا (جیسا کہ آپ ﷺ نے ان کے جوتوں کی آواز سنی) اسی درجہ میں تھا جس درجہ میں کہ خدام کا مخدوم کے آگے چلنا ہوتا ہے۔

"پاکی" سے مراد وضو بھی ہو سکتا ہے اور غسل و تیمم بھی۔ اسی طرح یہ تینوں بھی اس سے مراد لئے جا سکتے ہیں۔

اس حدیث میں جس نماز کی فضیلت کا بیان کیا گیا ہے وہ نماز وہ ہے جو وضو کرنے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس نماز کو اصطلاح میں تحیۃ الوضو یا شکر وضو کہتے ہیں۔

استخارہ کی نماز و دعا

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَۃَ فِی الْاُمُوْرِ کَمَا یُعَلِّمُنَا السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْاٰنِ یَقُوْلُ اِذَا ھَمَّ اَحَدُکُمْ بِالْاَمْرِ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ مِنْ غَیْرِ الْفَرِیْضَۃِ ثُمَّ لِیَقُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْاَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ اَوْقَالَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ اَوْ قَالَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ قَالَ وَیُسَمِّیْ حَاجَتَہٗ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ ہمارے تمام کاموں کے لئے دعائے استخارہ اس طرح سکھاتے تھے۔ جیسے قرآن کریم کی کوئی سورۃ سکھاتے تھے (یعنی آپ ﷺ اس دعا کی تعلیم کا بہت اہتمام رکھتے تھے) چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ "جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ فرض نماز کے علاوہ دو رکعت (نفل) پڑھے پھر یہ دعا پڑھے۔"

اے اللہ! میں تیرے علم کے وسیلہ سے تجھ سے بھلائی مانگتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطہ سے (نیک عمل کرنے کی) تجھ سے قدرت مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں کیونکہ تو ہی (ہر چیز پر) قادر ہے میں (تیری مرضی کے بغیر کسی چیز پر) قادر نہیں ہوں، تو

(سب چیزوں کو) جانتا ہے میں کچھ نہیں جانتا اور تو پوشیدہ باتوں کو بھی جاننے والا ہے، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (یعنی مقصد) میرے لئے میرے دین میں، میری دنیا میں، میری زندگی اور میری آخرت میں، یا فرمایا، اس جہان (یعنی دنیا) میں اور اس جہان (آخرت) میں بہتر ہے تو اسے میرے لئے مہیا فرمادے اور اسے میرے لئے آسان فرمادے، پھر اس میں میرے واسطے برکت دے اور اگر تو اس امر (یعنی میرے مقصد اور میری مراد) کو میرے دین، میری زندگی اور میری آخرت میں، یا فرمایا، اس جہان اور اس جہان میں برا جانتا ہے تو مجھے اس سے اور اسے مجھ سے پھیر دے اور میرے لئے جہاں بھلائی ہو وہ مہیا فرما پھر اس کے ساتھ مجھے راضی کر۔" (بخاریؒ) راوی کہتے ہیں کہ (لفظ ہذا الامر کی جگہ) اپنی حاجت کا نام لینا چاہئے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اگر ایسے کام کا ارادہ کیا جائے جو مباح ہو اور اس کی کامیابی و بھلائی میں شک و تردد ہو مثلاً سفر کا ارادہ ہو، تجارت شروع کرنے کا خیال ہو، نکاح کرنا چاہتا ہو یا اسی قسم کے دوسرے مباح کام تو ایسے موقع پر مناسب اور بہتر یہ ہے کہ استخارہ کو اپنا راہبر و مشیر بنایا جائے۔ کھانے پینے یا اسی قسم کے دوسرے مقرر و متعین کاموں کے لئے استخارہ نہیں کرنا چاہئے اگر کوئی کام خیر محض ہو تو اس میں استخارہ نہ کیا جائے استخارہ کی برکت یہ ہے کہ کام شروع کرنے والے کے حق میں جو بات بھی بہتر ہوتی ہے وہ اس کے دل میں جگہ لے لیتی ہے اور دل اپنے حق میں بہتر بات ہی کا فیصلہ کرتا ہے۔

استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ باوضو ہو کر کسی بھی وقت علاوہ اوقات مکروہ کے استخارہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے اور اس کے بعد مذکورہ دعا پڑھی جائے۔ اگر سُنت کی، تحیۃ الوضو کی یا تحیۃ المسجد کی پڑھی جانے والی نمازوں میں سے ہی دو رکعت پڑھنے کے بعد دعاء استخارہ پڑھ لی جائے تو بھی جائز ہے لیکن اولیٰ یہی ہے کہ علیحدہ سے دو رکعت نماز بطور خاص استخارہ کی نیت ہی سے پڑھنی چاہئے۔ اس نماز میں جو بھی سورت پڑھنی چاہے پڑھ سکتا ہے کسی خاص سورۃ کا تعین نہیں ہے تاہم بعض روایتوں میں کہ قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ پڑھنا بہتر ہے۔

دعا کے الفاظ "او عاجل امری" میں صرف اور صرف راوی کے شک کو ظاہر کر رہا ہے، یعنی راوی کو شک واقع ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فی دینی و معاشی و عاقبۃ امری فرمایا ہے یا ان تینوں الفاظ کی جگہ عاجل امری و اجلہ فرمایا۔ بہر حال افضل یہ ہے کہ اس دعا میں یہ دونوں جملے پڑھے جائیں۔

حدیث کے آخری الفاظ ویسمی حاجتہ کا مطلب یہ ہے کہ دعا میں لفظ ھذا الامر بطریق عموم واقع ہے استخارہ کرنے والا اپنی دعا میں اس جگہ اپنا مقصد اور اپنی مراد ظاہر کرے مثلاً "ھذا الامر" کی بجائے یوں کہے "ھذا السفر یا ھذا الاقامۃ" یا اسی طرح جو بھی مقصد ہو ذکر کرے نیز یہ بھی جائز ہے کہ پہلے ھذا الامر کہہ لے اس کے بعد اپنا مقصد اور اپنی مراد کا ذکر کرے۔

ایک اور روایت میں یہ مختصر استخارہ بھی منقول ہے کہ "اگر کسی شخص کو جلدی ہو اور کوئی وقتی و ہنگامی کام ہو تو اسے چاہئے کہ وہ صرف یہ پڑھ لے۔

اَللّٰھُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْلِیْ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی اِخْتِیَارِیْ۔

"اے اللہ! (میرے حق میں تیرے نزدیک جو بہتر اور مناسب ہو اسے) میرے لئے پسند اور میرے لئے اختیار فرما اور مجھے میرے اختیار کا پابند نہ بنا۔

حضرت انسؓ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ "انس! جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے سات مرتبہ استخارہ کرو، پھر اس کے بعد (اس کا نتیجہ) دیکھو، تمہارے دل میں جو کچھ ڈالا جائے (یعنی استخارہ کے نتیجہ میں بارگاہ حق کی جانب سے، جو چیز القاء کی جائے اسی کو اختیار کرو کہ تمہارے لئے وہی بہتر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

نماز توبہ کا بیان

④ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ حَدَّثَنِی اَبُوْبَکْرٍ وَصَدَقَ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَامِنْ رَجُلٍ یُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ یَقُوْمُ فَیَتَطَھَّرُ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اِلاَّ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ اِلاَّ اَنَّ ابْنَ مَاجَۃَ لَمْ یَذْکُرِ الْآیَۃَ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ۔

"امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھ سے فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ نے بالکل سچ فرمایا کہ میں نے سرتاج دوعالم ﷺ سے یہ ارشاد گرامی سنا ہے کہ "جو شخص گناہ کرتا ہے اور گناہ پر ندامت ہونے کی وجہ سے، اٹھ کر وضو کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور پروردگار سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ معاف فرما دیتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔" اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گذرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو (یعنی اس کے عذاب کو) یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔ اس روایت کو ترمذیؒ اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے مگر ابن ماجہؒ نے آیت ذکر نہیں کی ہے۔"

تشریح: صدق ابوبکر (حضرت ابوبکرؓ نے بالکل سچ فرمایا) یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے جس کے ذریعہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بزرگی ان کی عظمت اور ان کے انتہائی سچے ہونے کو ظاہر فرمایا ہے جن کی سچائی اور صداقت اس پایہ کی تھی کہ خود آنحضرت ﷺ نے انہیں "صدیق" کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

حضرت علیؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کی عادت تھی کہ وہ کسی بھی روای کی نقل کردہ حدیث کو اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ راوی سے وہ قسم نہ کھلوا لیتے تھے چنانچہ جب راوی ان سے کہتا کہ "میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث اسی طرح سنی ہے تو آپ اسے قبول فرماتے لیکن جب کوئی حدیث حضرت ابوبکرؓ سے سنتے تو بغیر قسم کے قبول کر لیتے تھے۔

فَیَتَطَھَّرُ کا مطلب تو یہی ہے کہ گناہ کرنے والا وضو کر کے نماز پڑھے لیکن افضل غسل کرنا ہے نہ صرف یہ بلکہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا سب سے زیادہ افضل ہے۔

یُصَلِّیْ کا مطلب یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھے جس میں سے ایک رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قل یا ایھا الکافرون پڑھی جائے۔ اور دوسری رکعت میں قل ہو اللہ کی قرأت کی جائے اس نماز کو نماز توبہ کہا جاتا ہے۔

حدیث کے الفاظ ثم یستغفر اللّٰہ (پھر پروردگار کی بارگاہ میں توبہ مانگتا ہے اور نہ صرف یہ کہ اس گناہ کو چھوڑ دیتا ہے بلکہ آئندہ کبھی گناہ میں مبتلا نہ ہونے کا پختہ عزم کرتا ہے اور اس عزم پر ثابت قدم رہتا ہے پھر یہ کہ اگر اس کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہوتا ہے تو اس کا تدارک کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشاد کے بعد بطور دلیل کے آیت کی تلاوت فرمائی کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہی خداوند کریم بھی فرماتا ہے لِذُنُوْبِھِمْ کے بعد آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے۔

وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلاَّ اللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَافَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ، اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ۔ (اٰل عمران ۳: ۱۳۵، ۱۳۶)

"اور ہے کون؟ جو گناہوں کو بخشتا ہو، اور یہ لوگ اپنے فعل (گناہ) پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں، ان لوگوں کی جزاء بخشش ہے۔ ان

کے رب کی طرف سے اور ایسے باغ ہیں کہ ان کے نیچے سے نہریں چلتی ہونگی (اور) وہ ان میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔"

اس آیت کا شان نزول بعض مفسرین کی روایت کے مطابق ایک مخصوص واقعہ ہے۔ ایک صحابیؓ سے بتقاضائے بشریت ایک لغزش ہوگئی مگروہ فوراً متنبہ ہوگئے جس سے وہ انتہائی نادم اور شرمندہ ہوئے ان کی ندامت و شرمندگی اور رب العزت کی بارگاہ میں اس لغزش سے ان کی صدق دل سے توبہ و استغفار کے پیش نظر یہ آیت نازل فرمائی گئی۔

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں لفظ "والذین" مبتداء ہے، دوسری آیت میں "اولئک" خبر ہے یعنی پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان خدا سے ڈرنے والے اور اس کے ثواب وعذاب پر یقین رکھنے والے جب بتقاضائے بشریت کسی خطا و لغزش اور گناہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو ایمان ویقین سے بھرپور ان کا ضمیر انہیں فوراً متنبہ کرتا ہے وہ ایسے موقع پر اپنے خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کی عبادت وبندگی کرکے اس سے اپنی لغزش کی معافی چاہتے ہیں اپنی خطا و گناہ پر شرمندگی و ندامت کا اظہار کرکے توبہ مانگتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ کسی گناہ پر ڈھٹائی کے ساتھ عمل پیرا نہیں رہتے۔ بلکہ آئندہ کے لئے کسی گناہ میں مبتلا نہ ہونے کا عزم کرتے ہیں اور اپنے پختہ عزم پر قائم رہتے ہیں۔

دوسری آیت میں ایسے لوگوں کی جزاء بیان کی جارہی ہے کہ خداوند کریم اپنی رحمت کے صدقہ میں ان لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے ان کی غلطی سے درگزر کرتا ہے اور چونکہ یہ گناہوں سے صدق دل کے ساتھ معافی کے خواستگار ہوتے ہیں اس لئے ان کی بخشش فرماتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں جنّت اور جنّت کی نعمتوں کے حقدار ہوتے ہیں۔

مصیبت کے وقت نماز نفل

④ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ "سرتاج دوعالم ﷺ جب کسی مصیبت سے دوچار ہوتے تو (نفل) نماز پڑھتے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ کو جب کوئی رنج وغم ہوتا یا کوئی مصیبت رونما ہوتی تو آپ ﷺ رنج وغم اور مصیبت سے چھٹکارا پاتے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے طور پر نماز پڑھتے کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔

"اے اہل ایمان! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد مانگو۔"

علماء لکھتے ہیں کسی رنج اور مصیبت کے وقت نماز نفل پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ جب انسان نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے سامنے عالم ربوبیت کھل جاتا ہے اور جب اس پر عالم ربوبیت منکشف ہوجاتا ہے تو دنیا از خود اس کی نظروں میں بالکل حقیر وبے وقعت ہوجاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کے دل میں دنیا کے ہونے (یعنی دنیا کی راحت وآسائش) اور دنیا کے نہ ہونے (یعنی دنیا کی تکلیف و مصیبت) کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں رہتا۔ لہٰذا اگر دنیا اسے نہیں ملتی بایں طور کہ وہ دنیا کے رنج وغم اور تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو متوحش اور پریشان نہیں ہوتا اور اگر دنیا اسے ملتی ہے بایں طور کہ دنیا کی راحت وچین اور آرام وآسائش اسے حاصل ہوتی ہے تو وہ خوش نہیں ہوتا جیسا کہ یہ عارفانہ مقولہ کہا گیا۔ "اگر ہے تو خوشی نہیں اور اگر نہیں تو غم نہیں۔"

تحیۃ الوضو کی فضیلت

⑤ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ أَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِي إِلَى الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ

الجَنَّةَ قَطُّ اِلاَّ سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ اَمَامِي قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَذَّنْتُ قَطُّ اِلاَّ صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَمَا اَصَابَنِي حَدَثٌ قَطُّ اِلاَّ تَوَضَّاتُ عِنْدَهٗ وَرَاَيْتُ اَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمَا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرتاج دوعالم ﷺ نے صبح کے وقت فجر کی نماز کے بعد حضرت بلالؓ کو طلب کیا اور (جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "کس عمل کے ذریعہ تم نے جنت میں مجھ سے پیش روی اختیار کی ہے (کیونکہ) میں جب بھی جنت میں داخل ہوا تو اپنے آگے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی؟ انہوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! میں نے جب بھی اذان دی ہے تو اس کے بعد دو رکعت نماز (ضرور) پڑھی ہے اور جب بھی میرا وضو ٹوٹا ہے میں نے اسی وقت وضو کر لیا ہے اور میں نے خدا کے واسطے دو رکعت نماز پڑھنی ضروری سمجھا ہے۔ (یعنی ہر وضو کے بعد پابندی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنی میں نے اپنے اوپر لازم قرار دے رکھی ہے) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "اسی وجہ سے تم اس (عظیم) درجہ کو پہنچے ہو۔" (ترمذیؒ)

تشریح: حدیث میں مذکورہ مضمون کی وضاحت اس باب کے شروع میں پہلی حدیث کی تشریح کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ چنانچہ وہاں یہ بتایا جا چکا ہے کہ جنت میں حضرت بلالؓ کا آنحضرت ﷺ کے آگے آگے ہونا خادم کی حیثیت سے تھا۔ جو خود ایک بہت بڑا درجہ اور بڑی فضیلت کی بات ہے چنانچہ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم آخر وہ کون سا عمل کرتے ہو جس کی وجہ سے تمہیں خدمت خاص کا یہ عظیم مرتبہ حاصل ہوا؟ حدیث کے حقیقی معنی یہی ہیں۔ اس کے ظاہری معنی و مفہوم مراد لے کر کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے۔ کہ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت بلالؓ کو آنحضرت پر بھی اس موقع پر فضیلت حاصل تھی کہ وہ آپ ﷺ سے پہلے جنت میں داخل ہوئے کیونکہ یہ مرتبہ تو کسی نبی اور پیغمبر کو بھی حاصل نہیں ہو گا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے پہلے جنت میں داخل ہو جائے چہ جائیکہ آپ کی اُمت کے ایک فرد کو یہ امتیاز حاصل ہو جائے کہ ان دو چیزوں یعنی ہمیشہ باوضو رہنے اور نماز تحیۃ الوضو پڑھنے کی وجہ سے آپ ﷺ سے پہلے وہ جنت میں داخل ہو۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

نماز حاجت

(۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي اَوْفٰي قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَى اللّٰهِ اَوْ اِلٰي اَحَدٍ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ فَلْيَتَوَضَّاْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰي وَيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْاَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلاَّ غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلاَّ فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًي اِلاَّ قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ یا کسی آدمی کی طرف کوئی حاجت ہو (یعنی خواہ دینی حاجت) تو اسے چاہئے کہ (پہلے) وضو کرے اور اچھا وضو (یعنی پورے آداب کی رعایت کے ساتھ) کرے اور دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کر کے اور نبی ﷺ پر درود بھیج کر یہ دعا پڑھے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ چشم پوشی اور بخشش کرنے والے کے پاک ہے اللہ جو مالک ہے عرش عظیم کا، اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سارے جہان کا پروردگار ہے، اے اللہ میں تجھ سے ان چیزوں کو مانگتا ہوں جن پر رحمت ہوتی ہے اور جو تیری بخشش کا سبب ہوتی ہیں اور مانگتا ہوں اپنا حصہ ہر نیکی سے اور بچنا چاہتا ہوں ہر گناہ سے، اے اللہ! میرے کسی گناہ کو بے بخشے ہوئے اور کسی غم کو بے دور کئے ہوئے اور کسی حاجت کو جو تیرے نزدیک پسند ہو، بے پورا کئے ہوئے نہ چھوڑ اے، بہت رحم کرنے والے رحم کرنے والوں سے۔" (امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: جب کسی کو کوئی حاجت یا ضرورت پیش آئے تو خواہ وہ حاجت بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے ہو یا بالواسطہ کسی بندے سے متعلق ہو مثلاً کسی کو نوکری کی خواہش ہو، یا کسی سے نکاح کرنا چاہتا ہو، یا ایسی کوئی اور ضرورت ہو، جسے کسی شخص سے پورا کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی تعریف و بڑائی بیان کر کے درود شریف پڑھے جو نماز میں التحیات کے بعد پڑھا جاتا ہے اس کے بعد حدیث میں مذکورہ دعا پڑھے۔ دعا کے بعد اس کی جو حاجت و ضرورت ہو، اسے پروردگار کی بارگاہ میں پیش کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصد بر آری کے لئے دعا کرے۔

حاجت روائی اور مقصد بر آری کے لئے یہ نماز کہ جسے اصطلاح میں "صلوٰۃ الحاجت" یعنی نماز حاجت کہتے ہیں بہت مجرب ہے بعض بزرگوں کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اپنی ضرورتوں میں اس طریقہ سے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت بیان کی، اللہ تعالیٰ نے ان کے مقصد اور ان کی حاجت کو پورا فرمایا۔ (علم الفقہ)

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حاجب مند کو اپنی حاجت روائی اور اس نماز و دعا کو پڑھنے کے لئے شنبہ کے دن صبح کے وقت اختیار کرنا چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص شنبہ کے دن صبح کے وقت (نماز حاجت اور اس کی دعا پڑھ کر اپنی حلال و جائز حاجت کو طلب کرے تو میں اس کی حاجت روائی کا ضامن ہوں۔" (ملا علی قاریؒ)

یوں تو یہ نماز اور یہ دعا تمام حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے ہے لیکن قوت حافظہ کی اگر حاجت ہو تو اس کے لئے بطور خاص الگ نماز ہے جس کو صلوٰۃ الحافظ (حافظ کی نماز) کہتے ہیں جو حصن حصین میں مذکور ہے اس کی اردو شرح میں اس نماز کی روایت با تفصیل لکھی گئی ہے وہاں ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ التَّسْبِيْحِ
نماز تسبیح کا بیان

نماز تسبیح مستحب ہے جس کے بے شمار اجر و ثواب ہے اس کی چار رکعتیں پڑھنی آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں بہتر یہ ہے کہ چاروں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھی جائیں۔ اگر دو سلام سے پڑھی جائیں تب بھی درست ہیں۔ ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ تسبیح کہنا چاہئے اور پوری نماز میں تین سو مرتبہ۔

نماز تسبیح پڑھنے کا طریقہ: نماز تسبیح کی نیت اس طرح کی جائے:

نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ اَرْبَعَ رَکَعَاتِ صَلٰوةَ التَّسْبِيْحِ۔

"میں نے چار رکعت نماز تسبیح پڑھنے کا ارادہ کیا۔"

اس نیت کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھے جائیں اور سبحانک اللھم پڑھ کر پندرہ مرتبہ یہ تسبیح کہی جائے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر الحمد اور سورۃ پڑھی جائے اس کے بعد دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھی جائے پھر رکوع میں اور رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ و ربنا لک الحمد کہہ کر دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھی جائے پھر سجدہ میں جا کر اور دونوں سجدوں میں سبحان ربی الاعلی کے بعد اور دونوں سجدوں کے درمیان دس دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھی جائے پھر دوسری رکعت میں الحمد سے پہلے پندرہ مرتبہ الحمد اور دوسری سورت کے بعد دس مرتبہ رکوع اور قومہ، دونوں سجدوں اور درمیان میں دس دس مرتبہ اسی تسبیح کو پڑھا جائے اسی طرح تیسری اور چوتھی رکعت پڑھی جائے اور ان میں یہی تسبیح اس تعداد میں پڑھی جائے۔

نماز تسبیح کی فضیلت

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ یَا عَبَّاسُ یَا عَمَّاہُ اَلَا اُعْطِیْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اُخْبِرُكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰہُ لَكَ ذَنْبَكَ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ قَدِیْمَہٗ وَحَدِیْثَہٗ خَطَأَہٗ وَعَمْدَہٗ صَغِیْرَہٗ وَكَبِیْرَہٗ سِرَّہٗ وَعَلَانِیَتَہٗ اَنْ تُصَلِّیَ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ تَقْرَأُ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِیْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُھَا وَاَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرَّكُوْعِ فَتَقُوْلُھَا عَشْرًا ثُمَّ تَھْوِیْ سَاجِدًا فَتَقُوْلُھَا وَاَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُھَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُھَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُوْلُھَا عَشْرًا فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَسَبْعُوْنَ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِیْ اَرْبَعِ رَكْعَاتٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّیَھَا فِیْ كُلِّ یَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِیْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِیْ كُلِّ شَھْرٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِیْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِیْ عُمْرِكَ مَرَّةً رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْھَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِیْرِ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ نَحْوَہٗ۔

"حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے حضرت عباس ابن عبد المطلبؓ سے فرمایا کہ اے عباس! اے میرے چچا کیا نہ دوں میں آپ کو؟ کیا نہ دوں میں آپ کو؟ کیا نہ بتاؤں میں آپ کو؟ کیا آپ کو دس خصلتوں کا مالک نہ بناؤں؟ کہ اگر آپ ان کو اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، قصدًا اور سہوًا، چھوٹے اور بڑے، پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے (تو سنئے کہ) آپ چار رکعت نماز (اس طرح) پڑھئے کہ ہر رکعت سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھے۔ جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو کھڑے ہی کھڑے پندرہ مرتبہ (یہ تسبیح) کہئے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَكْبَرُ پھر رکوع میں جائیے اور (رکوع کی تسبیح سبحان ربی العظیم کہنے کے بعد) رکوع میں یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر رکوع سے سر اٹھائیے اور (سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر سجدہ میں جائیے اور (سبحان ربی الاعلی کہنے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر سجدہ میں سر اٹھائیے اور تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر (دوسرے) سجدہ میں جائیے اور (سجدہ کی تسبیح کہنے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے۔ پھر اپنا سر سجدہ سے اٹھائیے اور یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے یہ سب پچھتر تسبیحات ہوئیں ہر رکعت میں اسی طرح چاروں رکعت میں کیجئے (یعنی مذکورہ طریقہ سے یہ تسبیح پچھتر مرتبہ ہر رکعت میں پڑھئے) اگر آپ اس نماز کو روزانہ پڑھنے پر قدرت رکھتے ہوں تو روزانہ پڑھئے۔ اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھئے۔ اگر ہر ہفتہ نہ پڑھ سکیں تو مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھئے اگر ہر مہینہ نہ پڑھ سکیں تو سال میں ایک مرتبہ پڑھئے اور اگر ہر سال نہ پڑھ سکیں تو کم سے کم پوری عمر میں ایک مرتبہ (تو ضرور ہی) پڑھ لیجئے۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، بیہقیؒ، فی دعوات الکبیر) امام ترمذیؒ نے اسی طرح کی روایت حضرت ابورافعؓ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: "کیا آپ کو دس خصلتوں کا مالک نہ بناؤں"؟ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ایسی چیز بتائے دیتا ہوں جس کو آپ اگر اختیار کریں گے تو آپ دس قسم کے گناہ (جو حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں) بخش دیئے جائیں گے۔

بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ "دس خصلتوں" سے مراد اس نماز میں حالت قیام کی پندرہ مرتبہ تسبیح کہنے کے علاوہ بقیہ حالتوں میں دس دس مرتبہ تسبیح کہنا ہے۔

حدیث میں لفظ عَلَانِیَتَہٗ کے بعد عَشْرَ خِصَالٍ کے الفاظ یہاں مشکوٰۃ میں ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔ لیکن "اصول" میں موجود ہیں۔ چنانچہ "حصن حصین" میں بھی یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں اسی لئے طیبیؒ نے لکھا ہے کہ سیاق حدیث کے پیش نظر یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ دس خصلتوں سے مراد یہ چیزیں ہیں۔

① چار رکعت نماز پڑھنا۔ ② ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔ ③ سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور صورت پڑھنا۔ ④ حالت قیام میں پندرہ مرتبہ مذکورہ تسبیحات کا کہنا۔ ⑤ ان تسبیحات کا رکوع میں دس مرتبہ کہنا۔ ⑥ ان تسبیحات کا دس مرتبہ قومہ میں کہنا۔ ⑦ ان تسبیحات کا دس مرتبہ سجدہ میں کہنا۔ ⑧ ان تسبیحات کا دس مرتبہ جلسہ میں کہنا۔ ⑨ ان تسبیحات کا دس مرتبہ سجدوں میں کہنا۔ ⑩ ان تسبیحات کا دس مرتبہ جلسہ استراحت میں کہنا۔

اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیام میں قرأت کے بعد پندرہ مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جائے اسی طرح اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے سجدہ سے اٹھ کر بھی یہ تسبیح پڑھی جائے جب کہ ہم نے ابتداء باب میں یہ طریقہ نقل کیا ہے کہ حالت قیام میں سبحانک اللھم کے بعد پندرہ مرتبہ تسبیح پڑھی جائے پھر قرأت کے بعد دس مرتبہ تسبیح پڑھی جائے اور دوسرے سجدے سے اٹھنے کے بعد تسبیح پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ تو یہ دونوں طریقے الگ الگ روایتوں میں مذکور ہیں پھر یہ کہ ان دونوں طریقوں میں تسبیح کی تعداد میں کوئی فرق نہیں ہے صرف پڑھنے کے مواقع میں فرق ہے اس لئے اختیار ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے جس طریقہ کو چاہے اختیار کیا جائے اور بہتر یہ ہے کہ کبھی اس طریقہ کے مطابق عمل کیا جائے اور کبھی اس طریقہ کے مطابق تسبیحات پڑھی جائیں تاکہ قعدوں میں یہ تسبیحات بخلاف اور ارکان کے التحیات کے پہلے پڑھی جائیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ اس نماز میں یہ سورتیں پڑھی جائیں اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ۔ وَالْعَصْرِ، قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ بعض روایتوں میں اذازلزلت، والعادیات، اذاجاء اور سورۂ اخلاص کا پڑھنا بھی منقول ہے۔

جلال الدین سیوطیؒ نے امام احمدؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ نماز تسبیح میں سلام پھیرنے سے پہلے یہ دعا بھی پڑھنی چاہئے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ تَوْفِیْقَ اَھْلِ الْھُدٰی وَاَعْمَالَ اَھْلِ الْیَقِیْنِ وَمُنَا صِحَۃَ اَھْلِ التَّوْبَۃِ وَعَزْمَ اَھْلِ الصَّبْرِ وَجَدَّ اَھْلِ الْخَشْیَۃِ وَطَلَبَ اَھْلِ الرَّغْبَۃِ وَتَعَبُّدَ اَھْلِ الْوَرْعِ وَعِرْفَانَ اَھْلِ الْعِلْمِ حَتّٰی اَخَافَکَ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ مَخَافَۃً تَحْجِزُنِی عَنْ مَعَاصِیْکَ وَحَتّٰی اَعْمَلَ بِطَاعَتِکَ عَمَلاً اَسْتَحِقُّ بِہٖ رِضَاکَ وَحَتّٰی اُنَاصِحُکَ بِالتَّوْبَۃِ خَوْفًا مِنْکَ وَحَتّٰی اُخْلِصَ لَکَ النَّصِیْحَۃَ حَیَاءً مِنْکَ وَحَتّٰی اَتَوَکَّلَ عَلَیْکَ فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَحُسْنَ ظَنٍّ بِکَ سُبْحَانَ خَالِقِ النُّوْرِ۔

"اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اہل ہدایت کی سی توفیق اہل یقین (یعنی راسخ العقیدہ اور راسخ العمل لوگوں) کے سے اعمال، اہل توبہ کی سی خالص توبہ، اہل صبر کی سی پختگی، اہل خشیت کی سخت کوشش، طالبین حق کی سی طلب، پرہیزگاروں کی سی عبادت اور اہل علم کی سی معرفت، یہاں تک کہ میں تیری ہی ذات سے ڈرنے لگوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے (تیرے) خوف کا طلبگار ہوں جو مجھے تیری نافرمانیوں سے روک دے تاکہ میں تیری نافرمانبرداری وخوشنودی کا وہ عمل کرنے لگوں جو مجھے تیری رضا کا مستحق گردانے تیرے خوف سے سچی توبہ کرنے لگوں یہاں تک کہ تیری ذات پر اچھا گمان رکھتے ہوئے تمام امور میں تیری ذات پر بھروسہ کرنے لگوں اور اے نور کے پیدا کرنیوالے آپ ہر عیب اور برائی سے پاک ہیں۔"

اس نماز کی فضیلت کے بارے میں عبد العزیزؒ ابن داؤدؒ لکھتے ہیں کہ جو شخص جنّت میں داخل ہونا چاہے تو وہ نماز تسبیح کو اپنے اوپر لازم قرار دے لے۔

ابو عثمان زاہدؒ نے فرمایا ہے کہ مصیبت وپریشانی کے دفیعہ اور غم وحزن کو دور کرنے کے لئے اس نماز کے علاوہ میں نے کوئی اور چیز نہیں پائی۔ یعنی نماز تسبیح پڑھنے سے یہ چیزیں جاتی رہتی ہیں۔

اس نماز کی انہیں عظیم فضیلتوں کے پیش نظر اکثر آئمہ ومشائخ اور بزرگ اس نماز کو پڑھتے رہے ہیں۔ جمعہ کے روز دوپہر ڈھلنے کے بعد اس نماز کا پڑھنا مستحب ہے اگر اس نماز میں سجدہ سہو کی ضرورت پڑ جائے تو سجدہ سہو کے اندر یہ تسبیحات نہ پڑھی جائیں کیونکہ اس طرح تسبیحات کی مقدار تین سو سے آگے بڑھ جائے گی۔

جن مسلمانوں کو خدا نے اپنی عبادت واطاعت کی توفیق دی ہے اور انہیں زیادہ سے زیادہ عمل خیر کرنے کی سعادت سے نوازا ہے ان کیلئے اس نماز کے پڑھنے کے سلسلہ میں درجہ اعتدال یہ ہے کہ یہ نماز ہر جمعہ کو پڑھی جائے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا اسی پر عمل تھا کہ وہ ہر جمعہ کے روز زوال کے بعد اس نماز کو پڑھتے تھے اور انہیں سورتوں کی قرأت کرتے تھے جو ابھی اوپر ان سے نقل کی گئی ہیں۔

قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کی پرسش ہوگی

④ وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَايُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلَاتُهٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهٖ شَيْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهٖ عَلٰى ذٰلِكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ الزَّكَاةُ مِثْلُ ذٰلِكَ ثُمَّ تُؤْخَذُ الْاَعْمَالُ عَلٰى حَسَبِ ذٰلِكَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ رَجُلٍ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز بندہ کے اعمال میں سب سے پہلے جس عمل کے بارے میں محاسبہ کیا جائے گا وہ اس کی نماز ہوگی، لہٰذا اگر اس کی نماز درست ہوگی (یعنی اس نے نماز کو صحیح ادا کیا ہوگا۔ یا یہ کہ اس کی نماز مقبول ہوئی ہوگی) تو وہ فلاح اور کامیابی پائے گا اور اگر نماز فاسد ہوگی (یعنی نماز ادا نہ کی گئی یا ادا تو کی گئی مگر غیر صحیح اور غیر مقبول) تو وہ ثواب سے ناامید ہوگا اور (عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے) خسارے میں رہے گا۔ ہاں اگر (کسی کی) فرض نماز میں کچھ کمی رہ گئی (یعنی نماز کے فرض، واجب اور سُنّت مؤکدہ ارکان میں سے کوئی رکن رہ گیا اور نماز مکمل ہوگئی) تو اللہ بزرگ و برتر (فرشتوں سے) فرمائے گا کہ دیکھو میرے بندے کے پاس (یعنی اس کے نامہ اعمال میں) کچھ سُنّت یا نفل نماز بھی ہے؟ لہٰذا اگر اس کے نامہ اعمال میں سُنّت و نفل نماز ہوگی تو اس کے ذریعے سے اس کی فرض نماز کی کمی پوری کی جائے گی، پھر اسی طرح بندہ کے دوسرے اعمال کا حساب ہوگا۔ ایک دوسری روایت میں (آخری الفاظ) یوں ہیں پھر ایسے ہی زکوٰۃ کا حساب ہوگا اور پھر بقیہ اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔ یہ روایت ابوداؤدؒ نے نقل کی ہے اور امام احمدؒ نے یہ روایت ایک (دوسرے) شخص سے نقل کی ہے۔"

تشریح: ایک دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز بندہ سے سب سے پہلے جس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا وہ خون ہوگا اور یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ سب سے پہلے "نماز" کا محاسبہ ہوگا۔ لہٰذا ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے تو سب سے پہلے نماز کا مواخذہ ہوگا اور بندوں کے حقوق میں سب سے پہلے "خون" کا حساب لیا جائے گا۔

حدیث کے آخری الفاظ "پھر اسی طرح بندہ کے دوسرے اعمال کا حساب ہوگا" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح فرض نماز کی کوئی کمی سُنّت و نفل نماز سے پوری کی جائے گی اسی طرح دوسرے فرض اعمال بھی کوئی کوتاہی ہوگی تو اسے نفل اعمال کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔ مثلاً اگر فرض روزوں میں کوئی نقصان واقع ہوگا تو وہ نقصان نفل روزے سے پورا کیا جائے گا اگر زکوٰۃ میں کچھ نقصان ہوگا تو صدقہ نفل سے اسے پورا کیا جائے گا۔ اگر فرض حج میں کوئی کمی رہ گئی ہوگی تو نفل حج یا عمرہ سے پوری کی جائے گی اور اگر کسی پر کسی کا کوئی حق (مطالبہ) ہوگا تو اس کے نامہ اعمال صالحہ سے اس مطالبہ کی بقدر حصّہ لے کر صاحب مطالبہ کو دیدیا جائے گا اسی طرح تمام اعمال کے بارے میں پورا پورا محاسبہ کیا جائے گا۔

نماز اور نمازی کی عظمت و فضیلت

③ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِعَبْدٍ فِیْ شَیْءٍ اَفْضَلَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ يُصَلِّيْهِمَا وَاِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ عَلٰى رَأْسِ الْعَبْدِ مَادَامَ فِیْ صَلَاتِهٖ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ اِلَى اللّٰهِ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْهُ يَعْنِی الْقُرْآنَ۔
(رواہ احمد والترمذی)

"اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ اللہ جل شانہ، بندہ کے کسی عمل پر اپنی رحمت کے ساتھ اتنا زیادہ متوجہ نہیں ہوتا جتنا کہ اس کی پڑھی ہوئی دو رکعت نماز پر (چونکہ تمام اعمال میں نماز سب سے زیادہ افضل ہے اس لئے بندے پر اس کے اور اعمال کی بنسبت نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عنایت، بہت زیادہ ہوتی ہے) اور بندہ جب تک نماز میں مشغول رہتا ہے اور اس کے سر پر نیکی و بھلائی چھڑکی جاتی ہے (یعنی اس کے اوپر رحمت و ثواب کا جو نیکی کا نتیجہ ہے جو نزول ہوتا ہے) اور بندہ خدا کا تقرب حاصل کرنے میں جس قدر اس سے نکلے ہوئے سرچشمہ ہدایت یعنی قرآن کریم سے فائدہ اٹھاتا ہے اتنا کسی چیز سے نہیں (یعنی خدا کا قرب جتنا زیادہ قرآن کریم پڑھنے سے ہوگا اتنا اور کسی چیز سے حاصل نہیں ہوگا۔" (احمدؒ، ترمذیؒ)

بَابُ صَلٰوۃِ السَّفَرِ

نماز سفر کا بیان

مسافر جب اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی سے باہر نکل جائے تو اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعت والی فرض نماز کی دو رکعتیں ہی پڑھنا واجب ہے اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں جب کہ اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعت پڑھے گا تو گنہگار ہوگا اور دو واجب کو چھوڑنے والا ہوگا یعنی ایک واجب تو قصر کا ترک ہوگا اور دوسرے قعدۂ اخیرہ کے بعد فوراً اسلام پھیرنا، کیونکہ مسافر کے حق میں پہلا قعدہ ہی قعدۂ اخیرہ ہوتا ہے اس کے بعد اسے فوراً اسلام پھیر دینا چاہئے تھا اور اس نے نہیں پھیرا بلکہ کھڑا ہوگیا اس طرح اس نے دوسرے واجب کو ترک کیا۔

اس موقع پر اتنی بات بھی جانتے چلئے کہ مسافر کے لئے قصر کے جواز میں کسی بھی عالم اور کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے صرف اتنی بات ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو قصر واجب ہے لیکن امام شافعیؒ کے یہاں قصر اولیٰ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسافر قصر نہیں کرے گا تو وہ امام صاحب کے مسلک کی رو سے گنہگار ہوگا، مگر حضرت شافعیؒ کا مسلک اسے گنہگار نہیں قرار دے گا۔ بلکہ اولیٰ و افضل چیز کو ترک کرنے والا کہلائے گا۔

مسافت قصر: قصر اتنی مسافت کے لئے واجب ہوتا ہے جو متوسط چال سے تین دن سے کم میں طے نہیں ہوسکتی۔ متوسط چال سے مراد آدمی یا اونٹ کی متوسط رفتار ہے تین دن کی مسافت سے یہ مراد ہے کہ صبح سے دوپہر تک چلے نہ یہ کہ صبح سے شام تک، اسی لئے فقہاء نے موجودہ زمانہ میں اس مسافت کا اندازہ اڑتالیس میل کیا ہے گویا اگر کوئی شخص اڑتالیس میل (تقریباً ۷۸ کلو میٹر) کی مسافت کے لئے اپنے گھر سے سفر پر نکلے تو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی سے باہر نکلتے ہی اس پر قصر واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص مسافت قصر (یعنی ۴۸ میل یا ۷۸ کلو میٹر) کو کسی تیز سواری مثلاً گھوڑے یا ریل وغیرہ کے ذریعے تین دن سے کم میں طے کرے تب بھی وہ مسافر سمجھا جائے گا اسے بھی قصر نماز پڑھنی چاہئے۔

مدت قصر: مسافر کو اس وقت تک قصر کرنا چاہئے۔ جب تک کہ اپنے وطن اصلی نہ پہنچ جائے یا کسی مقام پر کم سے کم پندرہ دن ٹھہرنے کا قصد نہ کرے بشرطیکہ وہ مقام ٹھہرنے کے لائق ہو اگر کوئی شخص دریا میں ٹھہرنے کی نیت کرے یا دار الحرب میں یا اسی طرح جنگل میں تو اس نیت کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ ہاں خانہ بدوش لوگ اگر جنگل میں بھی پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کریں تو یہ نیت صحیح ہو جائے گی اس لئے کہ وہ جنگلوں میں ہی رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔

اگر کوئی شخص اس مقدار مسافت کو قطع کرنے سے قبل کہ جس کا سفر میں اعتبار کیا گیا ہے کسی مقام پر ٹھہرنے کی یا اپنے وطن لوٹ جانے کی نیت کرے تو وہ مقیم ہو جائے گا۔ اگرچہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہو اب یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے سفر کے ارادہ کو ختم کر دیا

ہے۔

قصر کے کچھ مسائل:

❶ مندرجہ ذیل صورتوں میں اگر کوئی مسافر مسافت سفر پوری کرنے کے بعد پندرہ دن سے بھی زیادہ ٹھہر جائے تو وہ مقیم نہ ہوگا اور اس پر قصر کرنا واجب رہے گا۔

(الف)— پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو مگر کسی وجہ سے بلاقصد وارادہ زیادہ ٹھہرنے کا اتفاق ہو جائے۔

(ب)— کچھ نیت ہی نہ کی ہو، بلکہ امروز، فردا میں اس کا ارادہ وہاں سے چلے جانے کا ہو مگر وہ اسی پس و پیش میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہر جائے۔

(ج)— پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے مگر وہ مقام قابل سکونت نہ ہو۔ (د) پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے مگر دو مقام پر، بشرطیکہ ان دونوں مقامات میں اس قدر فاصلہ ہو کہ ایک مقام کی اذان کی آواز دوسرے مقام میں نہ جا سکتی ہو، مثلاً دس روز مکہ معظمہ میں رہنے کا ارادہ کرے اور پانچ روز منٰی میں مکہ سے منٰی تین میل کے فاصلے پر ہے اور اگر رات کو تو ایک مقام میں رہنے کی نیت کرے اور دن کو دوسرے مقام میں تو جس موضع میں رات کو ٹھہرنے کی نیت کرلی ہے وہ اس کا وطن اقامت ہو جائے گا وہاں اس کو قصر کی اجازت نہ ہوگی اب دوسرا مقام جہاں وہ دن میں رہتا ہے اگر اس پہلے مقام سے سفر کی مسافت پر ہے تو وہاں جانے سے مسافر ہو جائے گا ورنہ مقیم رہے گا اور اگر ایک مقام دوسرے مقام سے اس قدر قریب ہو کہ ایک جگہ کی اذان کی آواز دوسری جگہ جا سکتی ہے تو وہ دونوں مقام ایک ہی سمجھے جائیں گے اور دونوں جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کے ارادہ سے مقیم ہو جائے گا۔

❷ مقیم کی اقتداء مسافر کے پیچھے ہر حال میں درست ہے کہ خواہ اداء نماز ہو یا قضا، مسافر امام جب دو رکعتیں پڑھ کے سلام پھیر دے تو مقیم مقتدی کو چاہئے کہ اٹھ کر اپنی نماز پوری کرلے اور اس میں قرأت نہ کرے بلکہ چپ کھڑا رہے اس لئے کہ وہ لاحق ہے اور قعدہ اولیٰ اس مقتدی پر بھی فرض ہوگا مسافر امام کو مستحب ہے کہ سلام پھیرنے کے فوراً بعد مقتدیوں کو اپنے مسافر ہونے کی اطلاع یہ کہہ کر دے کہ "میں مسافر ہوں، مقتدی اپنی نماز پوری کرلیں"۔

مسافر بھی مقیم کی اقتداء کر سکتا ہے مگر وقت کے اندر، وقت کے بعد نہیں۔ اس لئے کہ مسافر جب مقیم کی اقتداء کرے گا تو امام کی اتباع میں چار رکعت یہ بھی پڑھے گا اور امام کا قعدۂ اولیٰ نفل ہوگا اور اس کا فرض، امام کی تحریمہ قعدۂ اولیٰ کے نفل ہونے کے ساتھ ہوگی اور مسافر مقتدی کی اس کی فرضیت کے ساتھ پس فرض نماز پڑھنے والے کی اقتداء نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے ہوئی اور یہ درست نہیں۔

مسافر فجر کی سنتوں کو ترک نہ کرے اور مغرب کی سُنّت کو بھی ترک کرنا بہتر نہیں ہے اور باقی سنتوں کے ترک کا اختیار ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اگر چل رہا ہو اور اطمینان نہ ہو تو نہ پڑھے ورنہ پڑھ لے۔ (علم الفقہ)

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کی قصر نماز

① عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَصَلَّى الْعَصْرَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں سرتاج دو عالم ﷺ نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی اور ذی الحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی۔"

(بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے سفر کا حال بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حج کے لئے مکہ کے سفر کا ارادہ فرمایا تو مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی پھر جب مدینہ سے نکلے اور ذوالحلیفہ پہنچے۔ تو وہاں قصر فرمایا اور عصر کی نماز دو رکعت پڑھی ذوالحلیفہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جب مسافر شرعی اپنے شہر یا گاؤں کے مکانات سے باہر نکل جائے تو قصر کی نماز پڑھنے لگے۔

(۲) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبِ الْخُزَاعِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ اَكْثَرُ مَا كُنَّا قَطُّ وَاٰمَنُهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت حارثہ ابن وہب خزاعیؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے ہمیں منیٰ میں دو رکعتیں پڑھائیں اور اس موقعہ پر ہم اتنی تعداد میں تھے کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھے اور امن کی حالت میں تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ حجۃ الوداع کا ذکر ہے اس موقع پر چونکہ اسلام کی حقانیت وصداقت اکثر دلوں میں اپنا گھر کر چکی تھی اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہؓ جتنی زیادہ تعداد میں تھے اس سے پہلے کسی موقع پر نہ تھے۔

"امن کی حالت میں تھے" کا مطلب یہ ہے کہ کفار کے کسی حملہ اور ان سے کسی جنگ وغیرہ کا کوئی خوف نہیں تھا۔ بلکہ بہت اطمینان اور سکون کی حالت میں تھے اس کا ذکر بطور خاص اس لئے کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ قصر کی مشروعیت کفار کے فتنوں کے خوف پر موقوف نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت سے ظاہری طور پر مفہوم ہوتا ہے بلکہ سفر میں بہر صورت قصر کرنا چاہئے چنانچہ اگلی حدیث میں اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

آیت قصر میں خوف کی قید اور اس کی وضاحت

(۳) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اِنَّمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَقَدْ اَمِنَ النَّاسُ قَالَ عُمَرُ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت یعلی ابن امیہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد یہ ہے کہ "کم نماز پڑھو (یعنی قصر کرو) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے"۔ تو اب جب کہ لوگ امن میں ہیں (اور کافروں کے ستانے کا خوف جاتا رہا ہے تو قصر کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جس پر تمہیں تعجب ہے اسی پر مجھے بھی تعجب ہوا تھا چنانچہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (نماز میں قصر) اللہ تعالیٰ کا ایک احسان ہے جو تم پر کیا گیا ہے لہٰذا تم اس کا صدقہ (یعنی احسان) قبول کرو۔" (مسلمؒ)

تشریح: مسافر کے لئے نماز میں قصر کی اجازت کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی تھی اور جس کا ایک جزیہاں حدیث میں نقل کیا گیا ہے وہ پوری یوں ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔

"اور (مسلمانو!) جب تم کہیں سفر کرو، تو تمہارے لئے یہ گناہ نہیں ہے کہ کم (یعنی قصر) نماز پڑھو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔"

اس آیت سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حالت سفر میں قصر کی اجازت اسی وقت دی ہوگی جب کہ کافروں کے ستانے اور ان کے پریشان کرنے کا خطرہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آیت میں خوف کی قید عادت اور اغلب کے اعتبار سے لگائی گئی ہے کہ اکثر مسافروں کو خوف ہوتا ہے خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ کافر ہر وقت اور ہر موقع پر درپے آزار ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فاقبلو اصدقتہ فرما کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ حالت سفر میں قصر نماز پڑھنے کا حکم صرف کافروں کے خوف کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ بلکہ یہ آسانی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان تمام بندوں پر جو حالت سفر میں ہوتے ہیں۔ ایک احسان ہے جس سے ہر مسافر فیضیاب ہوسکتا ہے خواہ کسی بھی قسم کا کوئی خوف ہو یا نہ ہو۔

"فاقبلوا" میں حکم وجوب کے لئے ہے یعنی ہر شرعی مسافر کے لئے قصر کرنا واجب اور ضروری ہے چنانچہ اس سے حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ حالت سفر میں قصر واجب ہے اور قصر نہ کرنا یعنی پوری نماز پڑھنا غیر پسندیدہ ہے۔

مدت اقامت

④ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ قِيْلَ لَهُ اَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ اَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر مدینہ سے مکہ گئے اور آپ ﷺ نے (چار رکعت والی نماز کی) دو دو رکعتیں پڑھیں یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آئے۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ مکہ میں کچھ دن ٹھہرے تھے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ (ہاں) ہم لوگ مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے رفقاء صحابہؓ کا قیام مکہ میں دس دن اس طرح رہا کہ آپ ﷺ مکہ میں ذی الحجہ کی چار تاریخ کو پہنچے تھے اور ارکان حج وغیرہ سے فراغت کے بعد چودھویں ذی الحجہ کی صبح کو وہاں سے مدینہ کے لئے روانہ ہوگئے۔

بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت سفر میں کسی جگہ دس دن ٹھہرنے سے کوئی شخص مقیم نہیں ہوتا اس کے لئے قصر نماز پڑھنی جائز ہے جب کہ یہ حدیث بظاہر حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص کہیں چار دن سے زیادہ ٹھہر جائے گا تو پھر اس کے لئے قصر جائز نہیں ہوگا بلکہ اسے پوری نماز پڑھنی ضروری ہوگی اس کی پوری تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَاَقَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّي فِيْمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَاِذَا اَقَمْنَا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ صَلَّيْنَا اَرْبَعًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرتاج دو عالم ﷺ (کہیں) سفر میں تشریف لے گئے اور وہاں انیس دن قیام فرمایا (دوران قیام) آپ ﷺ دو دو رکعتیں نماز پڑھتے رہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ بھی جب مکہ اور اپنے (یعنی مدینہ) کے درمیان کہیں انیس دن قیام کرتے ہیں تو دو دو رکعتیں نماز پڑھتے ہیں اور جب اس سے زیادہ ٹھہرتے ہیں تو چار رکعت نماز پڑھتے ہیں۔" (بخاریؒ)

تشریح: فاقام تسعۃ عشر یوما کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ انیس دن بغیر نیت اقامت کے اس طرح ٹھہرے کہ امروز فردا میں وہاں سے روانہ ہوجانے کا ارادہ فرماتے رہے مگر بلا قصد و ارادہ آپ ﷺ کا قیام وہاں انیس دن ہوگیا۔ مگر اس سے حضرت ابن عباسؓ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر کوئی شخص حالت سفر میں کہیں انیس دن ٹھہر جائے تو وہ قصر نماز پڑھ سکتا ہے۔ ہاں انیس دن بعد اس کے لئے

قصر جائز نہیں ہوگا اس مسئلہ میں حضرت ابن عباسؓ منفرد ہیں اور کسی کا بھی یہ مسلک نہیں ہے۔

مدت اقامت کے سلسلہ میں ابتداء باب میں تفصیل کے ساتھ مسئلہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس موقع پر پھر جان لیجئے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حالت سفر میں کسی جگہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اس کے لئے قصر جائز نہیں ہے بلکہ وہ پوری نماز پڑھے اور اگر کوئی شخص پندرہ دن یا پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو قصر نماز پڑھے بلکہ اگر وہ اقامت کی نیت نہ کرے اور آج کل میں وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتا رہے اور اس طرح بلا قصد ارادہ اس کے قیام کا سلسلہ برسوں تک بھی دراز ہو جائے تب بھی وہ قصر نماز پڑھتا رہے امام طحاویؒ نے یہی مسئلہ جلیل القدر صحابہؓ مثلاً حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

حضرت امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ آزربائیجان میں چھ مہینے اس طرح ٹھہرے رہے کہ آج کل میں وہاں سے چلنے کا ارادہ کرتے رہے مگر بلا قصد وارادہ ان کا قیام اس قدر طویل ہو گیا چنانچہ وہ اس مدت میں برابر قصر نماز پڑھتے رہے اس موقع پر دیگر صحابہؓ بھی ان کے ہمراہ تھے اسی طرح حضرت انسؓ بھی مروان کے بیٹے عبدالملک کے ہمراہ شام میں دو مہینے تک بلا قصد ارادہ ٹھہرے رہے اور وہاں دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔

اس مسئلے میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جگہ علاوہ دو دن آنے اور جانے کے چار روز سے زیادہ قیام کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ مقیم ہو جاتا ہے اس کے لئے قصر جائز نہیں ہے وہ پوری نماز پڑھے اسی طرح اقامت کی نیت کے بغیر امروز و فردا میں چلنے کا ارادہ کرتے کرتے بلا قصد وارادہ اٹھارہ دن سے زیادہ ٹھہر جائے تو تب بھی اس کے لئے قصر جائز نہیں ہوگا وہ پوری نماز پڑھے امام شافعیؒ کے فقہ میں یہی معتمد اور صحیح قول ہے۔

مسافر حالت سفر میں اگر نفل نہ پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں

(۶) وَعَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ رَحْلَهٗ وَجَلَسَ فَرَأَى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هٰؤُلَاءِ قُلْتُ يُسَبِّحُوْنَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلَاتِيْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت حفص ابن عاصم فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) مکہ اور مدینہ کے درمیان راستہ میں مجھے حضرت ابن عمرؓ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا (جب وقت ہو گیا تو) انہوں نے ہمیں ظہر کی نماز دو رکعت پڑھائیں اور اس کے بعد جب وہ اپنے خیمے میں واپس آئے تو دیکھا کہ لوگ کھڑے ہوئے ہیں انہوں نے پوچھا کہ لوگ یہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفلیں پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھے نفل نماز پڑھنی ہوتی تو میں اپنی فرض نماز پوری نہ پڑھتا (یعنی اگر یہ موقع نفل نماز پڑھنے کا ہوتا تو فرض نمازیں پوری پڑھنی زیادہ اہم ہوتیں مگر جب آسانی کے پیش نظر فرض نماز کو قصر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تو نفل نماز کو ترک کرنا ہی اولیٰ ہوگا کیونکہ فرض کو ادا کرنا نفل پڑھنے سے اولیٰ ہے) مجھے سرتاج دو عالم ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہے آپ ﷺ سفر کی حالت میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، نیز مجھے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی رفاقت کا شرف بھی حاصل ہے ان حضرات کا بھی یہی معمول تھا (کہ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔"

تشریح: حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ حالت سفر میں نفل نہ پڑھے جائیں۔ سنت راتبہ نمازوں کا حکم دوسری فصل میں انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

جمع بین الصلوتین

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ

سَیْرٍ وَیَجْمَعُ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھتے تھے اور (اسی طرح) مغرب وعشاء کی نماز (بھی) ایک ساتھ پڑھتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرات شوافع نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم کو اپنا مستدل بناتے ہوئے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ سفر کی حالت میں جمع بین الصلوٰتین یعنی ظہر وعصر کی نماز ایک ہی وقت میں ایک ساتھ پڑھ لینا جائز ہے خواہ عصر کی نماز ظہر کے وقت پڑھ لی جائے خواہ ظہر کی عصر کے وقت اسی طرح مغرب وعشاء کی نمازوں کو بھی ایک ساتھ پڑھ لینا جائز ہے چاہے مغرب کے وقت عشاء کی نماز پڑھ لی جائے اور چاہے عشاء کی نماز مغرب کے وقت۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں ہے اس لئے ان کی طرف سے اس حدیث کی جو شوافع کی سب سے بڑی مستدل ہے یہ تاویل کی جاتی ہے کہ یہ حدیث جمع صوری پر محمول ہے یعنی آنحضرت ﷺ ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ اس طرح پڑھتے تھے کہ ظہر کو تو اس کے بالکل آخری وقت پڑھتے اور عصر کی نماز اس کے بالکل ابتدائی وقت میں ادا فرماتے۔ لہٰذا ظاہری صورت کے اعتبار سے تو یہ جمع بین الصلوٰتین ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھیں لیکن حقیقت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی جاتی تھیں اسی طرح مغرب کی نماز تاخیر سے بالکل آخری وقت میں پڑھتے اور عشاء کی نماز ابتدائی وقت میں ادا فرماتے۔

سواری پر نماز پڑھنے کا مسئلہ

⑧ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِئُ اِيْمَاءً صَلَاةَ اللَّيْلِ اِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو رات کی نماز علاوہ فرض نماز کے اپنی سواری پر اشارہ سے پڑھتے اور سواری کا منہ جس سمت ہوتا اسی سمت آپ ﷺ کا بھی منہ ہوتا نیز نماز وتر بھی آپ ﷺ سواری ہی پر پڑھ لیتے تھے۔"

(بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ کا مطلب یہ ہے کہ جدھر سواری کا منہ ہوتا (ادھر ہی کو آپ ﷺ بھی منہ کئے ہوئے نماز پڑھتے رہتے تھے لیکن تکبیر تحریمہ کے وقت اپنا روئے مبارک بہرصورت قبلہ ہی کی طرف رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوگا اشارہ سے نماز پڑھنے" کا مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرتے تھے نیز یہ کہ آپ ﷺ سجدہ کا جو اشارہ کرتے وہ رکوع کے اشارے سے پست ہوتا تھا۔

اس حدیث سے دو مسئلے مستنبط ہوتے ہیں اول تو یہ کہ سواری پر نفل نماز پڑھنی جائز ہے لیکن فرض نہیں اس حدیث میں اگرچہ رات کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دوسری روایتوں میں عام نفل نمازوں کا ذکر موجود ہے لہٰذا یہ حکم سُنّت مؤکدہ اور اس کے علاوہ دیگر سنن ونوافل نمازوں کو بھی شامل ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت میں ثابت ہے کہ فجر کی سنتوں کے لئے سواری سے اتر جانا مستحب ہے بلکہ ایک دوسری روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتوں کو سواری سے اتر کو پڑھنا واجب ہے۔ اسی لئے اس نماز کو بغیر کسی عذر کے بیٹھے بیٹھے پڑھنا جائز نہیں ہے فرض نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن مندرجہ ذیل اعذار کی صورت میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھ لینا جائز ہے۔

① کوئی شخص جنگل میں ہو اور اپنے مال یا اپنی جان کی ہلاکت کا خوف غالب ہو مثلاً یہ ڈر ہو کہ اگر سواری سے اتر کر نماز پڑھنے لگوں گا تو کوئی چور یا راہزن مال واسباب لے کر چلتا بنے گا یا کوئی درندہ نقصان پہنچائے گا یا قافلہ سے بچھڑ جاؤں گا یا راستہ بھول جاؤں گا۔ ②

سواری میں کوئی ایسا سرکش جانور ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس پر اترنے کے بعد پھر چڑھنا ممکن نہ ہو۔ ③ نماز پڑھنے والا اتنا ضعیف اور بڈھا ہو کہ خود سے نہ تو سواری سے اتر سکتا ہو اور نہ سواری پر چڑھنے پر قادر ہو اور نہ کوئی ایسا شخص پاس موجود ہو جو سواری سے اتار سکے اور اس پر چڑھا سکے۔ ④ زمین پر اتنی کیچڑ ہو کہ اس پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو۔ ⑤ یا بارش کا عذر ہو۔

بہر حال ان صورتوں میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھی جا سکتی ہے کیونکہ اعذار اور ضرورتیں شرعی وقواعد وقوانین سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس عمل کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ وتر کی نماز بھی سواری پر پڑھ لیتے تھے تو اس کے بارے میں امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلے نماز وتر کے حکم کی تاکید کے پیش نظر اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے سواری پر وتر کی نماز پڑھ لیتے تھے مگر جب لوگوں کے ذہن میں اس نماز کی تاکید واہمیت بیٹھ گئی اور اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کی اتنی تاکید فرمادی کہ اس کے چھوڑنے کو روا نہیں رکھا تو بعد میں آپ ﷺ وتر کی نماز بھی سواری سے اتر کر زمین پر پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اسی طرح کرتے تھے حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب "موطا" میں صحابہؓ وتابعینؒ کے ایسے بہت آثار نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات وتر کی نماز پڑھنے کے لئے اپنی سواریوں سے اتر جاتے تھے۔

علامہ شمنیؒ فرماتے ہیں کہ "نماز فرض کی طرح جنازہ کی نماز، منت مانی ہوئی نماز نذر اور وہ سجدہ تلاوت کہ جس کی آیت سجدہ کی تلاوت زمین پر کی گئی ہو سواری پر جائز نہیں ہے۔

حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ مستنبط ہوتا ہے کہ سواری پر نماز پڑھنا سفر کے ساتھ مشروط ہے چنانچہ آئمہ جمہور کا یہی مسلک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ و حضرت امام ابویوسفؒ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کا محقق اور صحیح مسلک یہ ہے کہ "سواری پر نماز کا جواز نمازی کے شہر سے باہر ہونے کے ساتھ مشروط ہے خواہ مسافر ہو یا مسافر نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی مسافر بھی شہر کے اندر ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے لئے سواری پر نفل نماز پڑھنی جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے اگرچہ مکروہ ان کے نزدیک بھی ہے حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ مسافر شہر کے اندر بھی سواری پر نفل پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اب اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ شہر سے کتنے فاصلے پر ہونے کی صورت میں سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک کم سے کم دو فرسخ (چھ میل) شہر سے باہر ہونا ضروری ہے بعض حضرات نے تین فرسخ اور بعض حضرات نے ایک کوس متعین کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ شہر وآبادی کے مکانات سے باہر ہوتے ہی سواری پر نماز نفل پڑھنا جائز ہے جیسا کہ قصر نماز کے جواز کے سلسلے میں قاعدہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

آنحضرت ﷺ کا نماز قصر نہ پڑھنا

⑨ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُلُّ ذَالِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلَاةَ وَاَتَمَّ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے سب کچھ کیا ہے آپ ﷺ نے (سفر کی حالت میں) کم رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور پوری بھی پڑھی ہیں۔" (شرح السنۃ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ حالت سفر میں دونوں طریقوں پر عمل فرماتے تھے یعنی چار رکعت والی نماز کی دو رکعت بھی پڑھتے تھے اور پوری چار رکعت بھی پڑھتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا عمل اسی حدیث پر ہے وہ فرماتے ہیں کہ سفر میں قصر کرنا بھی جائز ہے اور پوری نماز پڑھنا بھی جائز ہے جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سفر میں پوری نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص قصر نہیں کرے

گا بلکہ پوری نماز پڑھے گا تو وہ گنہگار ہو گا۔

یہ حدیث اگرچہ امام شافعیؒ کی دلیل ہے لیکن اہل نظر کا کہنا ہے کہ اس حدیث کے سلسلہ روایت میں ابراہیم بن یحیٰی کا نام بھی آتا ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف قرار دی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرتبہ صحت کو پہنچی ہوئی نہیں ہے اور سفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ سے پوری نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے اور دار قطنیؒ اور بیہقیؒ وغیرہ نے جو روایت نقل کی ہے جس سے حالت سفر میں اتمام اور قصر دونوں کا جواز ثابت ہوتا ہے بلکہ دار قطنیؒ نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ اس کی سند صحیح ہے تو اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا تعلق حکم اول سے ہو گا یعنی ابتداء میں تو اتمام اور قصر دونوں جائز تھے۔ مگر بعد کو قصر ہی کو ضروری قرار دیدیا گیا۔

یہاں حضرت عائشہؓ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حدیث کے پہلے جز کا تعلق تو ان نمازوں سے ہے جن میں قصر کیا جاتا ہے مثلاً چار رکعت والی نماز اور دوسرے جز کا تعلق ان نمازوں سے ہے جن میں قصر ہوتا ہی نہیں جیسے تین یا دو رکعت والی نماز یعنی آپ ﷺ چار رکعت والی نماز میں تو قصر کرتے تھے اور تین رکعت و دو رکعت والی نماز کو پوری پڑھتے تھے اسی مفہوم کو مراد لینے سے ظاہری معنی و مفہوم سے زیادہ دور جانا نہیں پڑتا کیونکہ قصر و اتمام دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مفہوم ہو جاتے ہیں اور یہ توجیہہ بہت مناسب اور قریب از حقیقت ہے۔

بلا قصد و ارادہ پندرہ دن سے زیادہ قیام کی صورت میں قصر جائز ہے

(۱۰) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَهِدْتُ مَعَهُ الْفَتْحَ فَاَقَامَ بِمَكَّةَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً لَا يُصَلِّي اِلَّا رَكْعَتَيْنِ يَقُوْلُ يَا اَهْلَ الْبَلَدِ صَلُّوْا اَرْبَعًا فَاِنَّا سَفْرٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمران ابن حصینؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ غزوات میں شامل ہوا ہوں چنانچہ فتح مکہ میں (بھی) میں آپ ﷺ کے ہمراہ موجود تھا۔ آپ ﷺ (اس موقع پر) مکہ میں اٹھارہ راتیں مقیم رہے اور (چار رکعت والی نماز) دو رکعت پڑھتے رہے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل شہر تم لوگ چار رکعت نماز پڑھو میں مسافر ہوں۔" (بخاریؒ)

تشریح: پہلے بتایا جا چکا ہے کہ کسی جگہ بلا قصد و ارادہ پندرہ روز سے زیادہ بھی قیام کی صورت میں مسافر نماز قصر پڑھ سکتا ہے چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں آپ ﷺ کا قیام اٹھارہ راتیں رہا۔ آپ ﷺ آج کل میں وہاں سے روانگی کا پروگرام بناتے رہے مگر قیام بغیر قصد و ارادہ اتنا طویل ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ قصر نماز پڑھتے رہے چونکہ مکہ کے قیام کے دوران آپ ﷺ ہی امامت فرماتے تھے۔ اس لئے آپ اپنی دو رکعتیں پوری کر کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کو فرمادیا کرتے تھے کہ اہل شہر چار رکعت نماز پوری کریں میں مسافر ہوں چنانچہ مسافر امام کے لئے مقیم مقتدیوں کو اس طرح مطلع کر دینا مستحب ہے۔

اسی حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اگر مقیم مسافر کی اقتداء کرے تو اس کے لئے چار رکعت نماز پوری پڑھنی ضروری ہے امام کی متابعت میں دو رکعتیں ہی پڑھنی جائز نہیں ہے ہاں اگر مسافر مقیم کی اقتداء کرے تو اس کو متابعت کے پیش نظر چار رکعتیں ہی پڑھنی چاہئے۔

قصر صرف چار رکعت والی نماز ہی میں جائز ہے

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ اَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكْعَاتٍ وَلَا يَنْقُصُ فِيْ حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وِتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سفر کی حالت میں سرتاج دوعالم ﷺ کے ہمراہ ظہر کی دو رکعتیں اور اس کے بعد (یعنی سُنّت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں نے سرتاج دوعالم ﷺ کے ہمراہ سفر میں بھی نماز پڑھی ہے اور شہر (یعنی حضر) میں بھی، چنانچہ میں نے شہر میں تو آپ ﷺ کے ہمراہ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد (سُنّت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں آپ ﷺ اس نماز میں سفر و شہر میں کوئی (زیادتی) نہیں کرتے تھے اور مغرب ہی کی نماز دن کے وتر (کہلاتے) ہیں اور اس کے بعد (سُنّت کی) دو رکعتیں پڑھتے تھے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوئی کہ سفر کی حالت میں قصر ان ہی نمازوں میں جائز ہے جو چار رکعت والی ہیں جیسے ظہر، عصر اور عشاء جو نماز چار رکعت والی نہیں ہیں جیسے مغرب اور فجر اور ان میں قصر جائز نہیں ہے۔ یہ نمازیں جس طرح حضر میں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح انہیں سفر میں پڑھنی چاہئے۔

وھی وتر النھار کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نماز وتر رات کے وتر ہیں اسی طرح مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں گویا اس قول سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ وتر کی نماز ایک سلام کے ساتھ تین رکعتیں ہیں۔

ابن ملک نے فرمایا ہے کہ "یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سُنّت مؤکدہ حضر کی طرح سفر میں بھی پڑھنی چاہئے۔ مگر حنفیہ کے یہاں معتمد اور صحیح قول یہ ہے کہ جب مسافر کسی جگہ منزل کرے تو وہاں سنتیں پڑھ لے مگر راستہ میں چھوڑ دے نہ پڑھے۔

جمع بین الصلوٰتین

⑫ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَنْزِلَ الْعَصْرَ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلَ ذَالِكَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ غزوۂ تبوک میں (اسی طرح عمل فرماتے تھے کہ) جب کوچ کرنے سے پہلے دوپہر ڈھل جاتی تو آپ ﷺ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھ لیتے تھے اور جب آپ ﷺ دوپہر ڈھلنے سے پہلے ہی کوچ فرماتے تو ظہر کی نماز میں تاخیر فرماتے اور عصر کے لئے اترتے (یعنی ظہر و عصر دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے) مغرب کی نماز میں بھی آپ ﷺ اسی طرح کرتے تھے کہ اگر آفتاب آپ ﷺ کے کوچ کرنے سے پہلے غروب ہو جاتا تو مغرب و عشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے اور اگر آفتاب غروب ہونے سے پہلے ہی کوچ فرماتے تو نماز مغرب میں تاخیر فرماتے یہاں تک کہ عشاء کی نماز کے لئے اترتے اور (اس وقت) دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث سے شوافع نے جمع بین الصلوٰتین کے سلسلے میں جمع تقدیم و جمع تاخیر ثابت کی ہے اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ ان کے نزدیک سفر میں دو نمازوں کو ایک ایک ساتھ پڑھ لینا جائز ہے اور ان دونوں نمازوں کو ان میں سے کسی ایک وقت بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

حنفیہ کے یہاں چونکہ جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں ہے اس لئے وہ اس سلسلے میں ابوداؤد کا قول نقل کرتے ہیں کہ "وقت سے پہلے ہی نماز پڑھ لینے کے سلسلے میں کوئی بھی حدیث قوی ثابت نہیں ہے"۔

گویا ابوداؤدؒ کا یہ قول اس حدیث کے ضعیف ہونے پر دلیل ہے پھر یہ کہ حنفیہ کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے جو حضرات عبداللہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ "میں نے آنحضرت ﷺ کو کوئی بھی نماز غیر مقررہ وقت میں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہے"۔ لہٰذا ان دونوں حدیثوں کے تعارض کی شکل میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہ حدیث ہی راجح ہوگی۔ کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں اس

سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے تفقہ اور علم کی زیادتی اور روایت حدیث کے سلسلے میں احتیاط پسندی میں سب سے ممتاز ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی روایت کردہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور معتمد ہوگی۔

سواری پر نماز پڑھنا

(۱۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ وَاَرَادَ اَنْ يَتَطَوَّعَ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهٖ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰى حَيْثُ وَجَّهَهٗ رِكَابُهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انس فرماتے ہیں سرتاج دو عالم ﷺ جب سفر کرتے (یعنی شہر سے باہر نکلتے خواہ مسافر ہوتے یا مقیم) اور نماز نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنی اونٹنی کا منہ قبلہ کی طرف کرتے اور تکبیر تحریمہ کہتے، پھر جس طرف سواری منہ کرتی آپ ﷺ اسی طرف نماز پڑھتے رہتے۔" (ابوداؤد)

تشریح: امام شافعی کے نزدیک مذکورہ شکل میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک فرض نماز میں تو شرط ہے مگر نفل نماز میں شرط نہیں ہے یعنی جو عذر (حدیث نمبر۸ میں) ذکر کئے جا چکے ہیں ان کی وجہ سے اگر سواری پر فرض نماز پڑھی جائے تو قبلہ رو ہو کر تکبیر تحریمہ کہنی ضروری ہے۔

(۱۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَاجَةٍ فَجِئْتُ وَهُوَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَيَجْعَلُ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابر فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے مجھے کسی کام سے (کہیں) بھیجا۔ جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر مشرق کی طرف منہ کئے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ رکوع سے پست تر کرتے تھے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آپ رکوع و سجدہ دونوں اشارہ سے کرتے تھے، چنانچہ سجدہ کے لئے تو زیادہ اور رکوع کے لئے کم جھکتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت عثمان کا منیٰ میں قصر نہ کرنا

(۱۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَاَبُوْبَكْرٍ بَعْدَهٗ وَعُمَرُ بَعْدَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهٖ ثُمَّ اِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰى بَعْدُ اَرْبَعًا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ صَلّٰى اَرْبَعًا وَاِذَا صَلَّاهَا وَحْدَهٗ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے منیٰ میں (چار رکعت والی نماز کی) دو رکعت پڑھی ہے آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے بھی دو رکعت نماز پڑھی ہے ان کے بعد حضرت عمر فاروق نے بھی دو رکعت نماز پڑھی ہے حضرت عثمان غنی نے بھی ابتدائے خلافت میں تو دو ہی رکعت پڑھی ہے لیکن بعد میں چار رکعت پڑھنے لگے تھے۔ حضرت ابن عمر کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جب امام (یعنی حضرت عثمان کے ساتھ) نماز پڑھتے تھے تو چار رکعت پڑھتے تھے اور جب اکیلے (یعنی سفر میں) نماز پڑھتے تو دو رکعت ہی پڑھتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ اور اپنے زمانہ خلافت میں حضرت ابوبکر و عمر فاروق جب حج کے لئے سفر کرتے اور منیٰ میں پہنچتے

تو وہاں بھی مسافرانہ نماز (یعنی قصر نماز) پڑھتے تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں تو دو ہی رکعت نماز پڑھی ہے مگر بعد میں وہ چار رکعت نماز پڑھنے لگے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے اس عمل کے بارے میں کئی سبب نقل کئے جاتے ہیں چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ وہ مکہ میں متاہل تھے اس کی تائید امام احمدؒ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ "حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں تو لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا، انہوں نے فرمایا کہ لوگو! میں مکہ میں متاہل یعنی قبیلہ دار ہوں اور میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص کسی شہر میں متاہل ہو تو وہ مقیم کی طرح نماز پڑھے"۔ حضرت عثمانؓ کے اس عمل پر لوگوں کی حیرت اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر میں پوری نماز نہیں پڑھتے تھے اور یہ کہ حالت سفر میں قصر لازم ہے ورنہ تو لوگ حیرت کا اظہار کیوں کرتے۔

حضرت عثمانؓ کے اس عمل کی ایک دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موسم حج میں بہت زیادہ مسلمان منیٰ میں جمع ہوتے تھے اور ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو نو مسلم تھے اور دین کے احکام پوری طرح نہیں جانتے تھے اس لئے حضرت عثمانؓ ان کو دکھانے کے لئے چار رکعتیں پڑھتے تھے تاکہ ناواقف مسلمان جان لیں کہ نماز کی چار رکعتیں ہیں اگر قصر کرتے اور دو رکعت پڑھتے تو وہ لوگ یہ جانتے کہ دو ہی رکعتیں فرض ہیں۔

یا پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آخر میں حضرت عثمانؓ کا عمل حضرت عائشہؓ کی رائے کے مطابق ہو گیا تھا کیونکہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک سفر میں قصر اور اتمام دونوں ہی جائز تھے۔

قصر رخصت سے زیادہ عزیمت ہے

(۱۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُرِضَتْ اَرْبَعًا وَتُرِكَتْ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْاُوْلٰى قَالَ الزُّهْرِيُّ قُلْتُ لِعُرْوَةَ مَابَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَاَوَّلَتْ كَمَا تَاَوَّلَ عُثْمَانُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا (ابتداء سفر و حضر میں) نماز کی دو ہی رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر سرتاج دو عالم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو (مقیم کے لئے) چار رکعتیں فرض قرار دیدی گئیں اور حالت سفر میں پہلی ہی دو رکعتیں فرض رہیں۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عروہؒ سے عرض کیا کہ حضرت عائشہؓ کو کیا ہوا کہ وہ سفر میں پوری (چار رکعت) نماز پڑھتی ہیں۔ انہوں نے فرمایا وہ بھی ایسی تاویل کرتی ہیں جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے تاویل کی ہے۔" (بخاری و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں نماز کی دو دو رکعتیں فرض کی گئی تھیں لیکن بعد میں ظہر، عصر و عشاء کی چار چار رکعت فرض قرار دیدی گئیں۔ البتہ مغرب کی نماز کو پہلے ہی حکم پر قائم رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر کی حالت میں چار رکعت والی نماز کی دو رکعت پڑھنا چار رکعت مشروع ہونے کے بعد رخصت نہیں ہے بلکہ اصل میں مشروع ہی ہے چونکہ دو رکعتیں ہیں اس لئے قصر عزیمت یعنی لازم ہے نہ کہ رخصت جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کا جی چاہے قصر کرے اور جس کا جی چاہے پوری نماز پڑھے۔ چنانچہ اس سے حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے لہٰذا اگر کوئی حالت سفر میں جب کہ اس پر قصر لازم ہو۔ پوری چار رکعت پڑھے گا اور پہلے قعدہ میں بیٹھے گا تو وہ برا کرے گا اور اس کی زائد دو رکعت نفل ہو جائیں گی اور اگر کوئی شخص چار رکعت اس طرح پڑھے گا کہ پہلے قعدہ میں نہ بیٹھے گا کہ حکماً وہی قعدۂ اخیر ہے تو اس کی فرض نماز باطل ہو جائے گی۔

حدیث کے آخری الفاظ تاولت کما تاول عثمان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت عثمانؓ سفر کی حالت میں چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور اپنے اس عمل کی تاویل کرتے تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی سفر میں چار رکعت نماز پڑھتی تھیں اور اپنے اس عمل کی تاویل کرتی

تھیں اب سوال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اور انہیں کی طرح حضرت عائشہؓ کی تاویل کیا تھی؟
تو علماء لکھتے ہیں کہ اس تاویل کے بارے میں صحیح قول یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ و حضرت عائشہؓ دونوں ہی سفر کی حالت میں قصر و اتمام دونوں جائز رکھتے تھے۔

قصر خدا کا حکم ہے

⑰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلَاةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ، نے تمہارے نبی سرتاج دو عالم ﷺ کی زبانی حضر میں چار رکعت فرض کی ہیں۔ اور سفر میں دو رکعت اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔" (مسلم)

تشریح: وفي السفر ركعتين حنفیہ کے مسلک کی صریح دلیل ہے کہ سفر کی حالت میں دو ہی رکعتیں پڑھی جائیں پوری نماز نہ پڑھنی چاہئے۔

وفي الخوف ركعة (خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض ہے) اس کے ظاہری مفہوم پر علماء سلف میں سے ایک جماعت نے عمل کیا ہے جس میں حسن بصریؒ اور اسحٰقؒ بھی شامل ہیں لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ نماز کی رکعتوں کے اعتبار سے امن اور خوف کی نماز میں کوئی فرق نہیں ہے جتنی رکعتیں حالت امن میں پڑھی جاتی ہیں اتنی ہی رکعتیں خوف کی حالت میں بھی پڑھنی چاہئیں ان کی طرف سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوگانہ حقیقی یا حکمی امام کے ساتھ پڑھنے کے سلسلے میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ ایک رکعت تو امام کے ساتھ پڑھی جائے اور ایک رکعت تنہا پڑھی جائے جیسا کہ خوف کی حالت میں آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ سے نماز پڑھنے کا طریقہ احادیث صحیحہ میں ثابت ہے۔ اور شہر میں مطلقاً خوف کی حالت میں چار رکعتیں اور تین رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی جائیں اور بقیہ تنہا پڑھی جائیں۔ اس کی تفصیل صلوٰۃ الخوف کے باب میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

قصر قرآن و سُنّت سے ثابت ہے

⑱ وَعَنْهُ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وُهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَالْوَتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے سفر کی نماز کے لئے دو رکعتیں مقرر کی ہیں اور وہ ناقص نہیں ہیں پوری ہیں اور سفر میں وتر سُنّت ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: سفر کی حالت میں قصر نماز پڑھنا تو قرآن کریم سے ثابت ہے لہٰذا حدیث کے الفاظ آنحضرت ﷺ نے اسے اپنے قول و فعل سے واضح کیا ہے۔

وُهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ (اور وہ ناقص نہیں ہیں پوری ہیں) کا مطلب یہ ہے کہ سفر کی نماز کے لئے مشروع ہی دو رکعتیں ہیں نہ یہ کہ پہلے چار رکعتیں مشروع تھیں پھر بعد میں دو رکعتیں کم کر دی گئی ہیں۔

اور وتر سفر میں سُنّت ہے۔ یعنی سفر میں نماز وتر پڑھنا سُنّت سے ثابت ہے یا یہ کہ سفر کی حالت میں نماز وتر پڑھنا اسلام کی سنتوں میں سے ایک سُنّت ہے یہ مفہوم وجوب وتر کے منافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ نماز وتر جس طرح حضر میں واجب ہے اسی طرح سفر میں بھی واجب ہے۔

مسافت قصر کی حد

(۱۹) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ فِيْ مِثْلِ مَايَكُوْنَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِيْ مِثْلِ مَابَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِيْ مِثْلِ مَابَيْنَ مَكَّةَ وَجَدَّةَ قَالَ مَالِكٌ وَذٰلِكَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ۔ (رواہ فی الموطا)

"اور حضرت امام مالکؒ راوی ہیں کہ ان کو حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں پہنچی ہے کہ وہ (یعنی حضرت ابن عباسؓ) اس مسافت کے دوران جو مکہ اور طائف مکہ اور عسفان، مکہ اور جدہ کے درمیان ہے قصر نماز پڑھتے تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسافت چار برید ہے۔" (موطا)

تشریح: چار برید سولہ فرسخ کے برابر ہے، ایک فرسخ تین میل کو کہتے ہیں اور ایک میل (محدّثین کے یہاں) چار ہزار ہاتھ کی مسافت کو کہتے ہیں۔ اس طرح چار برید اڑتالیس میل کی مسافت ہوئی۔ اگر ایک منزل کو بارہ میل کی مسافت مانی جائے تو چار برید کی چار منزلیں ہوئیں۔

بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جن تین مسافت کا ذکر کیا گیا ہے وہ یکساں ہوں یعنی جتنی مسافت مکہ اور طائف کے درمیان ہو اتنی ہی مسافت مکہ اور عسفان کے درمیان ہو اسی طرح جتنی مسافت ان دونوں کی الگ الگ ہو اتنی ہی مسافت مکہ اور جدہ کے درمیان ہو۔ حالانکہ حقیقت میں یہ تینوں مسافت برابر نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ حضرت امام مالکؒ کے قول ذلک اربعۃ برید (یہ مسافت چار برید ہے) کا تعلق آخری مسافت یعنی مکہ اور جدہ کے درمیان کی مسافت سے ہے کہ مکہ اور جدہ کا درمیانی فاصلہ چار برید ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے مذکورہ بالا فعل کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں مسافت قصر کی کوئی حد بیان نہیں کی گئی ہے بلکہ مطلقاً سفر ذکر کیا گیا ہے قصر نماز کے باب کی احادیث پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں جہاں بھی قصر نماز کا ذکر کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کے قصر نماز پڑھنے کو بیان کیا گیا ہے ان تمام مواقع کی مسافت میں فرق ہے بعض مسافت کم ہے اور بعض مسافت زیادہ ہے آپ ﷺ کے بعد صحابہؓ، تابعین اور آئمہ وعلماء اُمّت کی آسانی کے لئے اپنے اپنے اجتہاد کے ذریعہ اور غور وفکر کے ساتھ مسافت قصر کی حد مقرر کی ہے کہ اس حد سے کم مسافت میں نماز قصر نہیں ہوگی بلکہ پوری ہی پڑھی جائے گی اور اس مسافت یا اس سے زائد مسافت کی صورت میں قصر واجب ہوگا۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے ایک روایت کے مطابق ایک روز کی مسافت اور دوسری روایت کے مطابق دو روز کی مسافت کو مقرر کیا ہے لیکن ان کے مسلک کی کتاب "حاوی" میں سولہ فرسخ کا تعیّن کیا گیا ہے اور یہی مسلک حضرت امام مالک وحضرت امام احمدؒ کا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے مسافت قصر کے سلسلے میں تین منزل کی حد مقرر کی ہے اور ایک منزل اتنی مسافت پر ہو کہ چھوٹے دنوں میں قافلہ صبح کو چل کر دوپہر کے بعد منزل پر پہنچ جائے۔

حضرت امام ابویوسفؒ نے دو روز اور تیسرے روز کے اکثر حصّہ کی مسافت کو مسافت قصر قرار دیا ہے۔

اصحاب ظواہر (وہ جماعت جو صرف حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل پیرا ہوتی ہے) نے مطلقاً سفر کا اعتبار کیا ہے یعنی ان کے نزدیک مسافت قصر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے خواہ سفر لمبا ہو یا چھوٹا ہو ہر صورت میں نماز قصر ادا کی جائے گی۔

اس سلسلہ میں اگر چاروں آئمہ کے مسلک کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت اور نتیجہ کے اعتبار سے سب کا یکساں ہی مسلک ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک مشہور مسلک کے مطابق مسافت قصر (۴۸) میل مقرر ہے، حاوی کے قول کے مطابق شوافع کے یہاں سولہ فرسخ مقرر ہے اور سولہ فرسخ حساب کے اعتبار سے (۴۸) میل کے برابر ہے اسی طرح حضرت امام مالکؒ وحضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔

لہٰذا چاروں مسلک میں مسافت قصر (۴۸) میل ہوئی۔ واللہ اعلم

سفر میں نماز پڑھنے کا بیان

(۲۰) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَمَانِیَۃَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَاَیْتُہٗ تَرَکَ رَکْعَتَیْنِ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّہْرِ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ہٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ مجھے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ اٹھارہ دن میں سفر کا شرف حاصل رہا ہے میں نے اس دوران میں یہ کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے زوال آفتاب کے بعد نماز ظہر سے پہلے دو رکعتیں چھوڑی ہوں۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ زوال آفتاب کے بعد اور نماز ظہر سے پہلے دو رکعتیں فرض سے پہلے کی سنتیں پڑھتے ہوں گے اور سفر کی وجہ سے چار رکعت پر اکتفا کرتے ہوں گے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضو کی ہوں۔

(۲۱) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَاللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ کَانَ یَرٰی ابْنَہٗ عُبَیْدَ اللّٰہِ یَتَنَفَّلُ فِی السَّفَرِ فَلَا یُنْکِرُ عَلَیْہِ۔ (رواہ مالک)

"اور حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اپنے صاحبزادے حضرت عبید اللہؒ کو سفر کی حالت میں نفل نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے اور منع نہیں کرتے تھے۔" (مالکؒ)

تشریح: ہو سکتا ہے کہ حضرت عبید اللہؒ سنت مؤکدہ پڑھتے ہوں گے۔ یا یہ کہ وہ اس اعتقاد کے باوجود کہ سفر کی حالت میں نفل نماز کو چھوڑ دینا جائز ہے۔ اگر وقت میں وسعت دیکھتے ہوں گے، تو دوسرے نوافل پڑھنے لگتے ہوں گے۔ لہٰذا اس مفہوم کی صورت میں حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں اس روایت کو جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے قافلہ کے لوگوں کو سفر میں نفل نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۶۰) اس بات پر محمول کیا جائے کہ انہوں نے وہاں یا تو ان لوگوں کو اس لئے منع کر دیا تھا کہ وہ دوسرے نوافل تنگ وقت میں پڑھ رہے تھے۔ یا یہ کہ وقت میں تو وسعت تھی۔ مگر انہوں نے یہ گمان کیا ہوگا، کہ وظائف مثلاً نوافل وغیرہ اس قدر لازم ہیں کہ انہیں سفر کی حالت میں بھی نہ چھوڑنا چاہئے۔ حالانکہ ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔ اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے ان کو نوافل پڑھنے سے روک کر ان کے اس گمان وخیال کی تردید فرمائی۔ کیونکہ اللہ جل شانہ تو اپنے فضل و کرم سے مسافر بندہ کے نامہ اعمال میں اس عمل کا ثواب بھی لکھتا ہے جو وہ از قسم عبادت حضر ہو یعنی اپنے گھر میں کرتا تھا۔ ورنہ تو جہاں تک نفس نماز کا تعلق ہے اس سے بہتر کون سی مشغولیت ہو سکتی ہے اور بغیر کسی وجہ کے اس کے پڑھنے سے کون روک سکتا ہے۔ جب کہ حضرت ابن عمرؓ خود جانتے تھے کہ نماز سے روکنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْہٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی۔

"بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے (یعنی) ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے؟"

بَابُ الْجُمُعَۃِ

جمعہ کا بیان

لفظ "جمعہ" جو ہفتہ کے ایک دن کا نام ہے فصیح زبان ولغت کے اعتبار سے جیم اور میم دونوں کے پیش کے ساتھ ہے لیکن جیم کے پیش اور میم کے سکون کے ساتھ بھی مستعمل ہوا ہے۔

اس دن کو جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمع اور پوری کی گئی تھی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس

دن کو جمعہ کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب بہشت سے دنیا میں اتارے گئے تو اسی دن زمین پر وہ حضرت حوا کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ علماء نے اور بھی وجہ تسمیہ بیان کئے ہیں چنانچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس دن چونکہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں اس لئے اسے یوم الجمعہ کہا جاتا ہے۔

جمعہ اسلامی نام ہے زمانہ جاہلیت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا۔ لیکن بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ عروبہ بہت قدیم نام تھا مگر زمانہ جاہلیت ہی میں یہ نام بدل دیا گیا تھا اور اس دن کو جمعہ کہا جانے لگا تھا۔

جمعہ کا روز نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی ایک امتیازی اور شرف وفضیلت کا دن مانا جاتا تھا مگر اسلام نے اس دن کو اس کی حقیقی عظمت وفضیلت کے پیش نظر بہت ہی زیادہ باعظمت وبافضیلت دن قرار دیا۔

گذشتہ صفحات میں یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نماز سے زیادہ اور کوئی عبادت پسند نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بندوں پر اللہ جل شانہ کی طرف سے جو بے انتہا نعمتوں کی بارش ہوتی ہے اور جن کا سلسلہ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک ہے۔ بلکہ پیدائش سے قبل اور موت کے بعد بھی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہمکنار رہتا ہے اس کے ادائے شکر کے لئے ہر دن میں پانچ وقت نماز مقرر کی اور جمعہ کے دن چونکہ تمام دنوں سے زیادہ نعمتیں بندوں پر نازل ہوتی ہیں اس لئے اس دن ایک خاص نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ جماعت کے باب میں جماعت کی حکمتیں اور اس کے فائدے بیان کئے جاچکے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوچکا ہے کہ جماعت میں جتنی زیادہ کثرت ہوگی اور مسلمان جتنی بڑی تعداد میں نماز کے لئے جمع ہوں گے اسی قدر ان فوائد کا زیادہ ظہور ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے۔ جب کہ محلوں کے مسلمان اور اس مقام کے اکثر لوگ ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھیں چونکہ ہر روز پانچوں وقت اس قدر اجتماع لوگوں کی پریشانی وتکلیف کے پیش نظر ممکن نہ ہوتا اس لئے شریعت نے ہفتہ میں ایک دن ایسا مقرر فرما دیا جس میں مختلف محلوں اور گاؤں کے مسلمان آپس میں ایک جگہ جمع ہو کر اس عبادت کو اداء کریں اور چونکہ جمعہ کا دن تمام دنوں میں افضل واشرف تھا لہٰذا یہ تخصیص اسی دن کے لئے کی گئی۔

اگلی امتوں کو بھی خدائے تعالیٰ نے اس دن عبادت کا حکم فرمایا تھا مگر انہوں نے اپنے تمرد وسرکشی اور اپنی بدنصیبی کی بناء پر اس میں اختلاف کیا اور ان کی اس سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس عظیم سعادت سے محروم رہے اور یہ فضیلت وسعادت بھی اسی اُمت مرحومہ کے حصہ میں پڑی۔ یہود نے سنیچر کا دن مقرر کر لیا اس خیال سے کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا۔ عیسائیوں نے اتوار کا دن مقرر کیا اس خیال سے کہ یہ دن ابتدائے آفرینش کا ہے۔

چنانچہ اب تک یہ دونوں فرقے ان دنوں میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں، اپنے تمام کام کاج چھوڑ کر اس دن چرچ وعبادت گاہوں میں ضرور جاتے ہیں۔ عیسائی حکومتوں میں اتوار کے دن اسی سبب سے تمام دفاتر وتعلیم گاہوں میں تعطیل ہوتی ہے۔ بعض مسلم حکومتوں کی یہ مرعوبیت اور بدنصیبی ہے کہ وہ بھی عیسائی حکومتوں کے اس خالص مذہبی طرز عمل کو بدل نہ سکیں اور اپنے ملکوں میں بجائے جمعہ کے اتوار کے دن عام تعطیل کرنے پر مجبور ہیں۔

نماز جمعہ کی فرضیت: نماز جمعہ فرض عین ہے، قرآن مجید، احادیث متواترہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے اور اسلام کے شعائر اعظم میں سے ہے نماز جمعہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر اور اس کو بلاعذر چھوڑنے والا فاسق ہے، نماز جمعہ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝

"اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لئے اذان کہی جائے تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے "ذکر" سے مراد نماز جمعہ اور اس کا خطبہ ہے۔ "دوڑنے" سے مراد اس نماز کے لئے نہایت اہتمام کے ساتھ جانا۔ نماز جمعہ کی فرضیت آنحضرت ﷺ کو مکہ ہی میں معلوم ہو گئی تھی، مگر غلبہ کفر کے سبب اس کے ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی آپ نے نماز جمعہ شروع کر دی۔

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے حضرت اسعد ابن زرارہؓ نے اپنے اجتہاد صائب اور کشف صادق سے جمعہ کی نماز شروع کر دی تھی۔ (علم الفقہ)

نماز جمعہ کے بارے میں یہاں چند باتیں عرض کر دی گئی ہیں آئندہ ابواب میں حسب موقع نماز جمعہ کے احکام و مسائل اور اس کے فضائل کو بیان کیا جاتا رہے گا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

جمعہ کی فضیلت سے یہود و نصاریٰ کا اعراض

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بَیْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَاُوْتِیْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ هٰذَا یَوْمُهُمُ الَّذِیْ فُرِضَ عَلَیْهِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاخْتَلَفُوْا فِیْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهُ وَالنَّاسُ لَنَا فِیْهِ تَبَعٌ اَلْیَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارٰی بَعْدَ غَدٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَنَحْنُ اَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ بَیْدَ اَنَّهُمْ وَذَكَرَ نَحْوَهٗ اِلٰی اٰخِرِهٖ وَفِیْ اُخْرٰی لَهٗ عَنْهُ وَعَنْ حُذَیْفَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اٰخِرِ الْحَدِیْثِ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْیَا وَالْاَوَّلُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ الْمُقْضِیُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ۔

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ہم دنیا میں بعد میں آئے ہیں اور قیامت کے دن شرف و مرتبہ میں سب سے آگے ہوں گے علاوہ ازیں اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) کو اللہ کی طرف سے ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور ہمیں بعد میں کتاب ملی ہے پھر یہ دن یعنی جمعہ کا دن ان (اہل کتاب) پر فرض کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دن (یعنی جمعہ) کے بارے میں ہماری ہدایت فرمائی بایں طور کہ ہم نے خدا کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس دن کو خدا کی عبادت کے لئے اختیار کیا۔ اور لوگ یعنی یہود و نصاریٰ نہ صرف شرف و فضیلت بلکہ دن کے اعتبار سے بھی ہمارے تابع ہیں۔ یہود نے کل (یعنی جمعہ کے بعد کے دن سنیچر) کو اختیار کیا اور نصاریٰ نے پرسوں (یعنی سنیچر کے بعد کا دن اتوار) اختیار کیا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلمؒ ہی کی ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ و حضرت حذیفہؓ سے یوں منقول ہے کہ دونوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے حدیث کے آخر میں فرمایا۔ (دنیا میں آنے کے اعتبار سے) ہم سب سے پیچھے ہیں اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے کہ ساری مخلوقات سے پہلے ہمارے لئے (حساب کا اور جنت میں داخل ہونے کا) حکم کیا جائے گا۔"

تشریح: حدیث کے الفاظ "ہمیں بعد میں کتاب ملی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ گذشتہ امتوں کے پاس خدائے تعالیٰ کی کتاب پہلے نازل ہوئی ہے اور پھر سب سے بعد میں ہماری اُمت کو قرآن کریم سے نوازا گیا ہے مگر درحقیقت یہی چیز ہماری اُمت کے لئے تمام امتوں کے مقابلہ میں شرف و فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ اصولی بات ہے کہ جو کتاب بعد میں آتی ہے وہ پہلی کتاب کو منسوخ قرار دے دیتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو کتاب پہلی کتاب کو منسوخ قرار دے گی وہ اپنی عظمت و فضیلت کے اعتبار سے تمام کتابوں پر حاوی ہو گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا قول نحن الاخرون بھی اُمت محمدی کی فضیلت و عظمت کے بیان کے لئے ہے۔

ارشاد گرامی فاختلفوا فیہ کی وضاحت و تشریح میں شارحین حدیث کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہود و نصاریٰ پر جمعہ کے روز کو فرض کرنے سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کہ اہل کتاب نے اس میں کیا اختلاف کیا؟

چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں پر جمعہ کی نماز فرض کی ہے بعینہ اسی طرح اہل کتاب پر بھی جمعہ کے روز عبادت کرنا فرض قرار دیا تھا اور انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اسی روز عبادت خداوندی کے لئے آپس میں جمع ہوا کریں جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے مگر انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اسی معاملہ میں بھی خدا کے حکم سے اعراض کیا اور اپنی سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا جمعہ کو فرض کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں تمہارے لئے ایک ایسا دن فرض قرار دیا ہے جس میں تم اپنے دنیوی امور سے فارغ ہو کر اور تمام کام کاج چھوڑ کر خدا کی عبادت اور ذکر میں مشغول رہو لہٰذا تم اپنی اجتہاد اور فکری قوت سے کام لیتے ہوئے اس دن کو متعین کر لو کہ وہ کونسا دن ہے؟ گویا اس طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ اہل کتاب کے اجتہاد و فکر کا امتحان تھا کہ آیا یہ حق اور صحیح بات دریافت کر لینے اور اس پر مطلع ہو جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ یہود نے تو سنیچر کے دن کو متعین کیا اور کہا کہ یہی دن عبادت خداوندی میں اجتماعیت کے ساتھ مشغول ہونے کا دن ہے اور اسی دن کی سب سے زیادہ فضیلت ہے کیونکہ اسی دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اس دن دنیا کے کاروبار سے فراغت حاصل کر کے عبادت میں مشغول رہیں۔

نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کیا انہوں نے اس دن کو بایں طور تمام دنوں سے زیادہ افضل و بابرکت جانا کہ یہی دن ابتدائے آفرینش کا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ مبداء کمالات و انعامات ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ مخلوق پر اپنے فیض اور اپنی نعمتوں کے ساتھ متوجہ ہوا۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و پرستش بہت زیادہ کی جائے اور بندے دنیا کی مصروفیتوں سے منہ موڑ کر اپنے پیدا کرنے والے اور اپنے پالنہار کی بندگی میں مصروف رہیں یہی دن سب سے زیادہ مناسب اور بہتر ہو سکتا ہے۔

لیکن یہود و نصاریٰ دونوں اپنے اجتہاد اور اپنی رائے میں ناکام رہے ان کی طبیعت اور ان کے مزاج میں چونکہ تمرد و سرکشی کا مادہ زیادہ تھا۔ سعادت و بھلائی کے نور سے ان کے قلوب پوری طرح مستفید نہ تھے اس لئے وہ اصل مقصد اور اصل دن جو خدا کے علم میں تھا اس کو تو پہچان نہ سکے بلکہ اپنی اپنی دلیلوں کا سہارا لے کر دوسرے دنوں کو اختیار کر بیٹھے۔

برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ نے اُمّت محمدیہ ﷺ کو ہدایت سے نوازا اور اپنے فضل و کرم سے اصل دن یعنی جمعہ کی معرفت عطا فرمائی چنانچہ جب اللہ جل شانہ نے اس آیت یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کے ذریعے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جمعہ کو خدا کی عبادت کی جائے تو اس کے ساتھ انہیں اس حکم کی بجا آوری کی توفیق بھی عطا فرمائی اور اس اُمّت کو اس مرحلے پر بھی تمرد و سرکشی اور خود ساختہ دلیلوں کے ذریعے گمراہ نہیں کیا چنانچہ مسلمانوں نے خدا کے اس حکم کے آگے گردن اطاعت جھکا دی اور ایک سچی فرمانبردار اُمّت ہونے کے ناطے جمعہ ہی کے دن کو خدا کی عبادت و بندگی کے لئے اختیار کر لیا۔

"لوگ ہمارے تابع ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کا روز چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا دن ہونے کی وجہ سے نسل انسانی کے لئے مبداء اور انسانی زندگی کا سب سے پہلا دن ہے اس لئے اس دن عبادت کرنے والے عبادت کے اعتبار سے متبوع اور اس کے بعد کے دو دن یعنی سنیچر و اتوار کو عبادت کرنے والے تابع ہوئے۔

اسی بنا پر یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ شرعاً اور اصولاً جمعہ کا دن ہی ہفتہ کا پہلا دن ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ عرف عام اس کے برخلاف ہے۔

جمعہ کے دن کی فضیلت

(۴) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْہِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ

آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ان دنوں کا جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ (یعنی ان کی تخلیق مکمل ہوئی) اسی دن وہ بہشت میں داخل ہوئے اور اسی دن انہیں بہشت سے نکالا گیا (اور زمین پر اتارا گیا) اور قیامت بھی جمعہ ہی کے روز قائم ہوگی۔" (مسلم)

تشریح: حدیث کے پہلے جملہ کے ذریعہ بطور مبالغہ جمعہ کے دن کی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام دنوں میں سب سے زیادہ افضل دن جمعہ ہے کیونکہ ایسا کوئی بھی دن نہیں ہے جس میں آفتاب طلوع نہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہونے کی وجہ سے جمعہ کے دن کی فضیلت تو ظاہر ہے لیکن بہشت سے نکلنے کا دن ہونے کی وجہ سے جمعہ کی فضیلت اس لئے ہے کہ دراصل حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکل کر زمین پر آنا انبیاء اور اولیاء کی پیدائش کا سبب اور ان کی مقدس زندگیوں سے بے شمار احسنات کے ظہور کا باعث ہوا۔ ایسے ہی حضرت آدم علیہ السلام کی موت بارگاہ رب العزت میں ان کی حاضری کا سبب ہوئی اسی طرح قیامت کا قائم ہونا جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے جس میں پرہیزگاروں اور نیکوکاروں سے اللہ تعالیٰ کے کئے گئے وعدے ظاہر ہوں گے۔

"قیامت قائم ہونے" سے مراد یا تو پہلا صور ہے کہ جس کی آواز سے زمین و آسمان فنا ہو جائیں گے اور پوری دنیا موت کی آغوش میں پہنچ جائے گی یا دوسرا صور بھی مراد لیا جاسکتا ہے جو تمام مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنے اور انہیں احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حساب کے لئے پیش کرنے کے واسطے پھونکا جائے گا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ تمام دنوں میں عرفہ کا دن افضل ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ جمعہ کا روز افضل ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ اختلاف و تضاد اس صورت میں ہے جب کہ مطلقاً یہ کہا جائے کہ دنوں میں سب سے افضل دن عرفہ ہے یا اسی طرح کہا جائے کہ جمعہ کا دن سب سے افضل دن ہے اور اگر دونوں اقوال کا مفہوم اس طرح لیا جائے کہ جو حضرات عرفہ کی افضلیت کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ سال میں سب سے افضل دن عرفہ ہے اور جو حضرات کہتے ہیں کہ جمعہ سب سے افضل دن ہے ان کی مراد یہ ہے کہ ہفتہ کے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے۔

اس طرح نہ صرف یہ کہ دونوں اقوال میں کسی تطبیق اور تاویل کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ دونوں اقوال اپنی اپنی جگہ صحیح اور قابل قبول ہوں گے ہاں اگر حسن اتفاق سے عرفہ (یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ) جمعہ کے روز ہو جائے تو نور علی نور کہ یہ دن مطلقاً تمام دنوں میں سب سے زیادہ افضل ہوگا اور اس دن کیا جانے والا عمل تمام اعمال میں افضل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ خوش قسمتی سے اگر حج جمعہ کے روز ہوتا ہے تو اس کو حج اکبر کہتے ہیں۔ کیونکہ جو حج جمعہ کے دن ہوتا ہے وہ فضیلت و مرتبہ کے اعتبار سے جمعہ کے علاوہ دوسرے ایام میں ادا ہونے والے ستر حجوں پر بھاری ہوتا ہے۔

جمعہ کی فضیلت و عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابن مسیبؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ نفل حج سے زیادہ محبوب ہے۔

جامع صغیر میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت مرفوعاً منقول ہے کہ "جمعہ حج المساکین ہے"۔

جمعہ کے دن ساعت قبولیت

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيهَا خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَ وَهِيَ سَاعَةٌ خَفِيفَةٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللّٰهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا۔ جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندہ مؤمن پائے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو خدا اس کو وہ بھلائی عطا کر دیتا ہے۔ (یعنی اس ساعت میں مانگی جانے والی دعا ضرور مقبول ہوتی ہے) بخاریؒ و مسلمؒ ایک روایت میں مسلمؒ نے یہ الفاظ مزید نقل کئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ ساعت بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اور بخاری و مسلمؒ کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا بلاشک وشبہ جمعہ کے روز ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندۂ مؤمن جو نماز کے لئے کھڑا ہو پالے اور خدا سے بھلائی کے لئے دعا کرے تو اس کو خدا وہ بھلائی ضرور عطا فرما دیتا ہے۔"

تشریح: جمعہ کے روز ایک خاص ساعت ہے جس میں بندہ کی جانب سے پروردگار میں پیش کی جانے والی ہر درخواست منظور ہوتی ہے مگر وہ ساعت متعین اور ظاہر نہیں ہے بلکہ اسے پوشیدہ رکھا گیا ہے یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ ساعت کب آتی ہے اور اسے پوشیدہ رکھنے سے حکمت یہ ہے کہ لوگ اس ساعت کی امید میں پورے دن عبادت میں مشغول رہیں اور جب وہ ساعت آئے تو ان کی عبادت و دعا اس خاص ساعت میں واقع ہو۔

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ "قبولیت کی جو ساعت منقول ہیں ان سب میں جمعہ کے روز کی ساعت قبولیت میں مطلب بر آری اور دعا کے قبول ہونے کی امید بہت زیادہ ہوتی ہے۔

اعطاہ ایاہ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ بندہ اس مقبول ساعت میں دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے بایں طور پر کہ اس کا مقصد دنیا ہی میں پورا کر دیتا ہے یا قبولیت دعا کی یہ صورت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصلحت اور بندہ کی بہتری ہی کے لئے دنیا میں تو اس کی دعا کا کوئی اجر ظاہر نہیں فرماتا بلکہ وہ اس کے لئے ذخیرۂ آخرت ہو جاتی ہے کہ وہاں اس کا ثواب اسے دیا جائے گا۔

لفظ قائم یصلی کے معنی یہ ہیں کہ "نماز پابندی اور مداومت کے ساتھ پڑھتا ہو" یا یہ معنی ہیں کہ دعا پر مواظبت و مزاولت کرتا ہو، یا یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ "نماز کا انتظار کرتا ہو"۔ یہ تاویلات اس لئے کی گئی ہیں تاکہ تمام روایات میں مطابقت ہو جائے۔

جمعہ کے دن ساعت قبولیت کب آتی ہے

④ وَعَنْ اَبِی بُرْدَۃَ بْنِ اَبِی مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ اَبِی یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ شَأْنِ سَاعَۃِ الْجُمُعَۃِ مَابَیْنَ اَنْ یَجْلِسَ الْاِمَامُ اِلٰی اَنْ تُقْضَی الصَّلٰوۃُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابی بردہ ابن ابی موسیٰ راوی ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم (حضرت ابوموسیٰؓ) سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو جمعہ (کے دن) کی ساعت قبولیت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ ساعت (خطبہ کے لئے) امام کے منبر پر بیٹھنے اور نماز پڑھی جانے تک کا درمیانی عرصہ ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: جمعہ کے روز قبولیت دعا کی ساعت منقول ہے۔ اور اس کی حقیقت میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہے لیکن علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ ساعت کونسی ہے؟ یعنی وہ کونسا وقت ہے جس میں ساعت قبولیت آتی ہے؟ چنانچہ بعض علماء کی تحقیق تو یہ ہے کہ شب قدر کی ساعت قبولیت اور اسم اعظم کی طرح جمعہ کے روز کی ساعت قبولیت بھی مبہم یعنی غیر معلوم ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ ساعت ہر جمعہ کو بدلتی رہتی ہے کسی جمعہ کو تو دن کے ابتدائی حصے میں آتی ہے اور کسی جمعہ کو درمیانی حصے میں اور اسی طرح کسی جمعے کو دن کے آخری حصے میں آتی ہے لیکن اکثر علماء کا کہنا یہ ہے کہ وہ ساعت متعین اور معلوم ہے لیکن اس میں بھی اختلاف ہے کہ اگر وہ ساعت متعین اور معلوم ہے تو کونسی ساعت ہے۔ اور وہ کونسا وقت ہے جس میں یہ عظیم و مقدس ساعت پوشیدہ ہے۔ اس بارے میں پینتیس اقوال منقول ہیں۔

① جمعہ کے روز فجر کی نماز کے لئے مؤذن کے اذان دینے کا وقت۔
② فجر کے طلوع ہونے سے آفتاب کے طلوع ہونے تک کا وقت۔
③ عصر سے آفتاب غروب ہونے تک کا وقت۔
④ خطبہ کے بعد امام کے منبر سے اترنے سے تکبیر تحریمہ کہے جانے تک کا وقت۔
⑤ آفتاب نکلنے کے فوراً بعد کی ساعت۔
⑥ طلوع آفتاب کا وقت۔
⑦ ایک پہر باقی دن کی آخری ساعت۔
⑧ زوال شروع ہونے سے آدھا سایہ ہو جانے تک کا وقت۔
⑨ زوال شروع ہونے سے ایک ہاتھ سایہ آجانے تک کا وقت۔
⑩ ایک بالشت آفتاب ڈھلنے کے بعد سے ایک ہاتھ آفتاب ڈھل جانے تک کا وقت۔
⑪ عین زوال کا وقت۔
⑫ جمعہ کی نماز کے لئے موذن جب اذان کہے وہ وقت۔
⑬ زوال شروع ہونے سے نماز جمعہ میں شامل ہونے تک کا وقت۔
⑭ زوال شروع ہونے سے امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا وقت۔
⑮ زوال آفتاب تک کا وقت۔
⑯ خطبہ کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے سے نماز جمعہ شروع ہونے تک کا وقت۔
⑰ امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا وقت۔
⑱ خطبہ کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے اور ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت۔
⑲ اذان سے ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت۔
⑳ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز پوری ہو جانے تک کا وقت۔
㉑ خرید و فروخت کے حرام ہونے اور ان کے حلال ہونے کے درمیان کا وقت یعنی اذان کے وقت سے نماز جمعہ ختم ہو جانے تک۔
㉒ اذان کے قریب کا وقت۔
㉓ امام کے خطبہ شروع کرنے اور خطبہ ختم کرنے تک کا وقت۔
㉔ خطبہ کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے اور خطبہ شروع کرنے کا درمیانی وقت۔
㉕ دونوں خطبوں کے درمیان امام کے بیٹھنے کا وقت۔
㉖ خطبہ سے فراغت کے بعد امام کے منبر سے اترنے کا وقت۔
㉗ نماز کے لئے تکبیر شروع ہونے سے امام کے مصلّٰی پر کھڑے ہونے تک کا وقت۔
㉘ تکبیر شروع ہونے سے اختتام نماز تک کا وقت۔
㉙ جمعہ کی نماز سے فراغت کے فوراً بعد کا وقت۔
㉚ عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کا وقت۔
㉛ نماز عصر کے درمیان کا وقت۔

(۳۲) عصر کی نماز سے (غروب آفتاب سے پہلے) نماز کا آخری وقت مستحب رہنے تک کا وقت۔
(۳۳) مطلقاً نماز عصر کے بعد کا وقت۔
(۳۴) نماز عصر کے بعد کی آخری ساعت۔
(۳۵) اور وہ وقت جب کہ آفتاب ڈوبنے لگے۔

منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت فاطمہ زہراؓ اور تمام اہل بیت نبوت رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے خادموں کو متعین کرتے تھے کہ وہ ہر جمعہ کے روز آخری گھڑی کا خیال رکھیں اور اس وقت سب کو یاد دلائیں تاکہ وہ سب اس گھڑی میں پروردگار کی عبادت، اس کے فکر اور اس سے دعا مانگنے میں مشغول ہو جائیں۔

یہاں جو حدیث نقل کی گئی ہے اس کے متعلق بلقینیؒ سے پوچھا گیا کہ خطبہ کے وقت دعا کیونکر مانگی جائے کیونکہ یہ حکم ہے کہ جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت خاموشی اختیار کی جائے۔

اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ "دعا کے لئے تلفظ شرط نہیں ہے بلکہ اپنے مقصود و مطلوب کا دل میں دھیان رکھنا کافی ہے یعنی دعا کے لئے یہی ضروری نہیں ہے کہ دعا کے الفاظ زبان سے ادا کئے جائیں بلکہ یہ بھی کافی ہے کہ دل ہی دل میں دعا مانگ لی جائے اس طرح مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور خطبہ کے وقت خاموش رہنے کے شرعی حکم کے خلاف بھی نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "یہ بات مجھے معلوم ہوئی ہے کہ جمعہ کی شب میں بھی مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

جمعہ کی فضیلت اور ساعت قبولیت

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ اِلَی الطُّوْرِ فَلَقِیْتُ کَعْبَ الْاَحْبَارِ فَجَلَسْتُ مَعَهٗ فَحَدَّثَنِیْ عَنِ التَّوْرَاةِ وَحَدَّثْتُهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَکَانَ فِیْمَا حَدَّثْتُهٗ اَنْ قُلْتُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِیْهِ اُھْبِطَ وَفِیْهِ تِیْبَ عَلَیْهِ وَفِیْهِ مَاتَ وَفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَامِنْ دَابَّةٍ اِلَّا وَھِیَ مُصِیْخَةٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِیْنَ تُصْبِحُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ اِلَّا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ وَفِیْهِ سَاعَةٌ لَا یُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَھُوَ یُصَلِّیْ یَسْأَلُ اللّٰهَ شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ قَالَ کَعْبٌ ذَالِكَ فِیْ کُلِّ سَنَةٍ یَوْمٌ فَقُلْتُ بَلْ فِیْ کُلِّ جُمُعَةٍ فَقَرَأَ کَعْبٌ التَّوْرَاةَ فَقَالَ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْھُرَیْرَةَ لَقِیْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ فَحَدَّثْتُهٗ بِمَجْلِسِیْ مَعَ کَعْبِ الْاَحْبَارِ وَمَا حَدَّثْتُهٗ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ لَهٗ قَالَ کَعْبٌ ذَالِكَ فِیْ کُلِّ سَنَةٍ یَوْمٌ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ کَذَبَ کَعْبٌ فَقُلْتُ لَهٗ ثُمَّ قَرَأَ کَعْبٌ التَّوْرَاةَ فَقَالَ بَلْ ھِیَ فِیْ کُلِّ جُمُعَةٍ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ صَدَقَ کَعْبٌ ثُمَّ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَدْ عَلِمْتُ اَیَّةَ سَاعَةٍ ھِیَ قَالَ اَبُوْھُرَیْرَةَ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِیْ بِھَا وَلَا تَضِنَّ عَلَیَّ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ ھِیَ اٰخِرُ سَاعَةٍ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ اَبُوْھُرَیْرَةَ فَقُلْتُ وَکَیْفَ تَکُوْنُ اٰخِرُ سَاعَةٍ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُصَادِفُھَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَھُوَ یُصَلِّیْ فِیْھَا فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ اَلَمْ یَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا یَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ فَھُوَ فِیْ صَلَاةٍ حَتّٰی یُصَلِّیَ قَالَ اَبُوْھُرَیْرَةَ فَقُلْتُ بَلٰی قَالَ فَھُوَ ذَالِكَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَرَوٰی اَحْمَدُ اِلٰی قَوْلِهٖ صَدَقَ کَعْبٌ)

"حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں کوہ طور کی طرف گیا، اور وہاں کعب احبار سے ملاقات کی میں ان کے پاس بیٹھ گیا انہوں نے

میرے سامنے تورات کی کچھ باتیں کیں اور میں نے ان کے سامنے سرتاج دو عالم ﷺ کی حدیثیں بیان کیں میں نے ان کے سامنے جو احادیث بیان کیں ان میں سے ایک حدیث یہ بھی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دنوں میں جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ کا ہے، جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی روز وہ جنت سے (زمین پر) اتارے گئے، اسی دن (یعنی جس جمعہ کو جنت سے اتارے گئے) اسی جمعہ کو آخری گھڑی میں یا یہ کہ دوسرے جمعہ کے دن ان کی توبہ قبول کی گئی، اسی دن ان کی وفات ہوئی اور جمعہ ہی کے دن قیامت قائم ہوگی اور ایسا کوئی چوپایہ نہیں ہے جو جمعہ کے دن طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک قیامت قائم ہونے کا منتظر نہ رہتا ہو (یعنی چوپاؤں کو بھی یہ معلوم ہے کہ قیامت جمعہ کے روز آئے گی) اس لئے وہ ہر جمعہ کو دن بھر اس خوف میں مبتلا رہتے ہیں کہ کہیں آج ہی قیامت قائم نہ ہو جائے، علاوہ جنات اور انسانوں کے (یعنی جن وانس کو اس انتظار سے غافل رکھا گیا ہے تاکہ اس ہولناکی سے انسانی زندگی کا شیرازہ منتشر نہ ہو جائے) اور جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے کوئی بندہ مسلمان کہ وہ (حکماً یا حقیقتاً) نماز پڑھتا ہوا ہو۔ (یعنی نماز کا انتظار کرتا ہوا ہو یا دعا مانگتا ہوا ہو) اسے پالے اور اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اسے وہ چیز ضرور دی جاتی ہے (یعنی وہ اس وقت جو دعا مانگتا ہے قبول ہوتی ہے) کعب احبار نے (یہ سن کر) کہا کہ یہ دن (جو ساعت قبولیت کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے) سال میں ایک مرتبہ آتا ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں! یہ دن تو ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ آتا ہے۔ کعب نے (اسی بات کی تصدیق کے لئے) تورات پڑھی اور (اس کے بعد) کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ کہا ہے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (اس کے بعد پھر) میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے ملا اور ان سے کعب سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا اور جمعہ کے بارے میں کعب سے میں نے جو حدیث بیان کی تھی وہ بھی بتائی پھر میں نے عبداللہ ابن سلام سے یہ بھی کہا کہ کعب کہتے تھے کہ یہ دن سال میں ایک مرتبہ آتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا کہ کعب نے غلط کہا۔ پھر میں نے کہا کہ لیکن کعب نے بعد میں تورات پڑھی اور کہا کہ (رسول اللہ ﷺ کا کہنا ٹھیک ہی ہے کہ) یہ ساعت ہر جمعہ کے روز آتی ہے۔ عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا کہ کعب نے یہ سچ کہا۔ اور پھر کہنے لگے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ کونسی ساعت ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ پھر مجھ کو بتلایئے اور بخل سے کام نہ لیجئے۔ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا کہ وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔ میں نے کہا کہ وہ ساعت جمعہ کے دن کی آخری گھڑی کیونکر ہو سکتی ہے جب کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو بندۂ مؤمن اس ساعت کو پائے اور وہ اس میں نماز پڑھتا ہوا ہو؟ اور آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ ساعت جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے اس وقت تو نماز نہیں پڑھی جاتی کیونکہ مکروہ ہے؟ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا (یہ تو صحیح ہے لیکن) کیا یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے؟ کہ جو شخص نماز کی انتظار میں اپنی جگہ بیٹھا رہے تو وہ حکماً نماز ہی کے حکم میں ہے یہاں تک کہ وہ حقیقتاً نماز پڑھے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے (یہ سن کر) کہا کہ ہاں! آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا۔ بس نماز سے مراد نماز کا انتظار کرنا ہے۔ (اور دن کے آخری حصہ میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا ممنوع نہیں ہے اس وقت اگر کوئی دعا مانگے تو وہ قبول ہوگی) مالکؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور امام احمدؒ نے بھی یہ روایت صدق کعب تک نقل کی ہے۔"

تشریح: حدیث کے الفاظ حین تصبح حتی تطلع الشمس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت چونکہ جمعہ کے روز طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کے درمیانی عرصہ میں ہی قائم ہوگی اس لئے چوپائے ہر جمعہ کے روز اس عرصہ میں قیامت کے قائم ہونے کے منتظر رہتے ہیں۔ لہٰذا اس پورے وقت میں جب حیوان قیامت کا خیال رکھتے ہیں اور اس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ تو انسانوں کو بطریق اولیٰ یہ چاہئے کہ وہ جمعہ کے روز دن بھر خدا کی عبادت اور اس کے ذکر میں مشغول رہیں اور اس چیز سے جو پیش آنے والی ہے (یعنی قیامت سے) ڈرتے رہیں۔

یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی ایک اعجازی شان کی غمازی کر رہی ہے کہ آپ ﷺ نے امی ہونے کے باوجود اس عظیم الشان چیز کی خبر دی جو یہود میں توراۃ کے ایک بڑے عالم سے بھی پوشیدہ تھی حالانکہ توراۃ میں اس کا ذکر موجود تھا۔ گویا توراۃ کا عالم توراۃ میں ذکر کی گئی چیز

سے بے خبر اور آپ ﷺ جو امی تھے اس سے پوری طرح باخبر در حقیقت یہ بڑا زبر دست معجزہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بظاہر تو امی تھے مگر خدا نے آپ ﷺ کے سینہ میں علوم و معرفت کا بحر بیکراں موجزن کر رکھا تھا۔

کعب احبار یہودیوں میں ایک بڑے پایہ کے عالم اور بہت دانشمند مانے جاتے تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ تو پایا ہے لیکن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے تھے بعد میں حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانہ میں اسلام کی نعمت سے مشرف ہوئے۔

حضرت عبداللہ ابن سلامؓ بھی یہودیوں کے ایک بڑے عالم تھے یہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ ہی میں اسلام لا کر صحابیت کے شرق عظیم سے مشرف ہوگئے تھے رضی اللہ عنہ۔

⑥ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْتَمِسُوا السَّاعَةَ الَّتِىْ تُرْجٰى فِىْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلٰى غَيْبُوْبَةِ الشَّمْسِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا، جمعہ کے دن کی اس ساعت کو کہ جس میں قبولیت دعا کی امید ہے کہ عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک تلاش کرو۔" (ترمذیؒ)

فضائل جمعہ

⑦ وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ والدارمی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

"حضرت اوس بن اوسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ جمعہ کا دن تمہارے لئے بہترین دنوں میں سے ہے۔ (کیونکہ) اس دن آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن (دوسرا) صور پھونکا جائے گا۔ (جس کی آواز سے مردے زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہوں گے)۔ اسی دن (پہلا) صور پھونکا جائے گا (جس کی آواز سے قیامت قائم ہوگی اور تمام مخلوق فنا کے گھاٹ اتر جائے گی) لہٰذا اس دن تم لوگ مجھ پر زیادہ درود بھیجو کیونکہ تمہارے درود میرے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے درود آپ (ﷺ) کے سامنے کس طرح پیش کئے جائیں گے۔ جب کہ (ہمارے درود بھیجنے کے وقت) آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ راوی کہتے ہیں کہ لفظ ارمت سے صحابہؓ کی مراد لفظ بلیت تھی یعنی آپ ﷺ کا جسد مبارک بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے جسم حرام کر دیئے ہیں۔ (یعنی انبیاء کے جسم زمین فنا نہیں کرتی۔"

(ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ، بیہقیؒ)

تشریح: ارشاد گرامی ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یا تو عرفہ کا دن سب دنوں میں افضل ہے یا پھر عرفہ اور جمعہ دونوں دن فضیلت کے اعتبار سے مساوی ہیں۔

جمعہ کے دن، بہت زیادہ درود بھیجنے کے لئے آپ ﷺ نے اس لئے حکم دیا ہے کہ درود افضل عبادات سے ہے اور چونکہ جمعہ کے دن ہر نیکی کا ثواب ستر درجہ زیادہ ملتا ہے اس لئے جمعہ کے دن درود پڑھنا اولیٰ ہوگا۔ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کے وقت، بہت زیادہ فضائل دوسری احادیث سے بھی ثابت ہیں اس لئے مسلمانوں کے لئے یہ حق تعالیٰ کی جانب سے ایک عظیم الشان نعمت ہے لہٰذا جمعہ کے دن اور جمعہ کی شب میں آنحضرت ﷺ پر بہت زیادہ درود بھیجا جائے اور اس سے غافل نہ رہا جائے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح زمین دوسرے مردوں کے ساتھ معاملہ کرتی ہے کہ چند ہی دنوں کے بعد ان کے اجسام زمین کی نذر ہو جاتے ہیں اور گل سڑ جاتے ہیں ایسا معاملہ انبیاء کے مبارک اجسام کے ساتھ نہیں ہوتا نہ تو ان کے اجسام فنا ہوتے ہیں نہ گلتے سڑتے ہیں۔ بلکہ وہ جوں کے توں قبروں میں دنیا کی طرح زندہ رہتے ہیں اور حق تعالیٰ کی جانب سے انہیں وہاں حیات جسمانی حقیقی عنایت فرمائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ بالکل صاف اور واضح ہے اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور انہیں بالکل دنیا کی طرح حقیقی جسمانی حیات حاصل ہے نہ کہ انہیں حیات معنوی روحانی حاصل ہے جیسا کہ شہداء کو حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ شہداء کے علاوہ دوسرے مردے بھی اپنی قبروں میں سلام کلام سنتے ہیں اور بعض ایام میں ان کے اقرباء کے اعمال بھی ان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْیَوْمُ الْمَوْعُوْدُ یَوْمُ الْقِیَامَةِ وَالْیَوْمُ الْمَشْهُوْدُ یَوْمُ عَرَفَةَ وَ الشَّاهِدُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ وَمَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰی یَوْمٍ اَفْضَلَ مِنْهُ فِیْهِ سَاعَةٌ لَا یُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُؤْمِنٌ یَدْعُوا اللّٰهَ بِخَیْرٍ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ وَلَا یَسْتَعِیْذُ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا اَعَاذَهٗ مِنْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَا یُعْرَفُ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ مُوْسٰی ابْنِ عُبَیْدَةَ وَهُوَ یُضَعَّفُ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا دن موعود قیامت کا دن ہے مشہود عرفہ کا دن ہے اور شاہد جمعہ کا دن ہے۔ آفتاب کسی ایسے دن طلوع و غروب نہیں ہوتا جو جمعہ کے دن سے افضل ہو (یعنی جمعہ کا دن سب سے افضل ہے) اس دن ایک ایسی ساعت آتی ہے جسے اگر کوئی بندۂ مؤمن پالے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور بھلائی دیتا ہے یا جس چیز سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پناہ دیتا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ایک شخص موسیٰ بن عبیدہ کے اور کسی سے (اس کا نقل ہونا) معلوم نہیں ہوتا اور یہ (موسیٰ محدثین کے یہاں روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔" (احمدؒ و ترمذیؒ)

تشریح: سورۂ بروج کی آیت ہے:

وَالْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ۔

"اور قسم ہے اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور حاضر ہونے والے کی اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے اس کی۔"

اس آیت کی تفسیر یہ حدیث یہاں کر رہی ہے کہ "یوم موعود" سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے آنے کی خبر دی ہے اور مؤمنوں سے اس دن کے آنے کے بعد بہشت کی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے۔

"شاہد" سے مراد جمعہ کا دن ہے کہ جو مخلوق کے پاس حاضر ہوتا ہے اور ہر ہفتہ آتا رہتا ہے۔

"مشہود" سے مراد عرفہ کا دن ہے کہ تمام عالم سے مسلمان اور ملائکۃ اللہ اس دن حاضر ہوتے ہیں اور ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اگرچہ امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی موسیٰ کو روایت حدیث کے سلسلے میں ضعیف کہا جاتا ہے لیکن یہ حدیث اپنی جگہ پر اس لئے قابل اسناد و قابل قبول ہے کہ اس متون کی دوسری حدیثیں جو دوسرے راویوں سے مروی ہیں اس حدیث کو تقویت دیتی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

جمعہ کی فضیلت

(۹) عَنْ اَبِیْ لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ سَیِّدُ الْاَیَّامِ وَاَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَهُوَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ یَوْمِ الْاَضْحٰی وَیَوْمِ الْفِطْرِ فِیْهِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللّٰهُ فِیْهِ اٰدَمَ وَاَهْبَطَ اللّٰهُ فِیْهِ اٰدَمَ

اِلَی الْاَرْضِ وَفِیْهِ تَوَفَّی اللّٰهُ اٰدَمَ وَفِیْهِ سَاعَةٌ لَا یَسْئَلُ الْعَبْدُ فِیْهَا شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ مَالَمْ یَسْأَلْ حَرَامًا وَفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ مَامِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلَا سَمَاءٍ وَلَا اَرْضٍ وَلَا رِیَاحٍ وَلَا جِبَالٍ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَی اَحْمَدُ عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنَا عَنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ مَاذَا فِیْهِ مِنَ الْخَیْرِ قَالَ فِیْهِ خَمْسُ خِلَالٍ وَسَاقَ اِلَی آخِرِ الْحَدِیْثِ۔

"حضرت ابولبابہ ابن عبدالمنذرؓ راوی ہیں سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنوں کا سردار ہے اور تمام دنوں کا سردار ہے اور تمام دنوں میں سب سے زیادہ باعظمت ہے اور خدا کے نزدیک جمعہ کے دن کی عظمت عید اور بقر عید کے دن سے بھی زیادہ ہے اور اس دن کی پانچ باتیں ہیں۔ (جو اس کی عظمت وفضیلت کی دلیل ہیں) ① اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی ② اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا ③ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وفات دی ④ اسی دن ایک ساعت آتی ہے کہ اس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے حرام چیز کے سوا جو کچھ بھی مانگتا ہے اللہ تعالیٰ ضرور عنایت فرماتا ہے یعنی حرام چیز مانگنا مقبول نہیں ہے ⑤ اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ تمام مقرب فرشتے آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور دریا سب جمعہ کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ قیامت جمعہ کے دن آنی ہے نہ معلوم کس وقت آجائے (ابن ماجہؒ) اور امام احمدؒ نے حضرت سعدؓ ابن معاذ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک انصاری صحابیؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے جمعہ کے بارے میں بتائیے کہ اس دن کی کیا خوبیاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن کی پانچ باتیں ہیں باقی حدیث آخر تک اسی طرح نقل کی ہے (جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: حدیث کے الفاظ وھو اعظم عند اللّٰہ من یوم الاضحی ویوم الفطر سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو عرفہ کا دن جمعہ سے افضل ہے یا فضیلت کے اعتبار سے یہ دونوں دن مساوی ہیں لیکن حضرت رزینؒ کی نقل کردہ روایت میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ تمام دنوں میں سب سے افضل دن عرفہ کا دن ہے۔

وفیہ خمس (اور اس دن کی پانچ باتیں ہیں) جمعہ کے فضائل کے بیان میں تحدید اور حصر کے لئے نہیں فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ جمعہ کے دن کی صرف یہی پانچ باتیں فضیلت کی ہیں بلکہ اس دن کی اور بھی ایسی باتیں ہیں جو فضیلت وعظمت کے اعتبار سے جمعہ کو تمام دنوں میں امتیاز بخشتی ہیں مثلاً منقول ہے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شرف بھی جمعہ کے دن حاصل ہوا کرے گا یا اسی طرح اور دوسری باتیں منقول ہیں۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

⑩ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قِیْلَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَیِّ شَیْءٍ سُمِّیَ یَوْمُ الْجُمُعَةِ قَالَ لِاَنَّ فِیْهَا طُبِعَتْ طِیْنَةُ اَبِیْكَ اٰدَمَ وَفِیْهَا الصَّعْقَةُ وَالْبَعْثَةُ وَفِیْهَا الْبَطْشَةُ وَفِیْ اٰخِرِ ثَلَاثِ سَاعَاتٍ مِنْهَا سَاعَةٌ مَنْ دَعَا اللّٰهَ فِیْهَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ۔

(رواہ احمد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کا نام جمعہ کس سبب سے رکھا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس وجہ سے کہ اس دن تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی مٹی جمع کی گئی اور اس کا خمیر بنایا گیا۔ اس دن (پہلا) صور پھونکا جائے گا (کہ اس کی آواز سے تمام دنیا والے مرجائیں گے) اور (دوسرا) صور پھونکا جائے گا (کہ اس کی آواز سے تمام مردے دوبارہ زندہ ہوجائیں گے) اور اس دن (قیامت کی) سخت دارو گیر ہوگی نیز اس دن کے آخر کی تین ساعتوں میں ایک ایسی ساعت ہے (یعنی جمعہ کی آخری ساعت) کہ اس وقت جو کوئی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوگی۔" (احمدؒ)

تشریح: علامہ یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس دن کا نام جمعہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ مذکورہ بالا ایسی عظیم الشان چیزیں اس دن میں جمع کر دی گئی ہیں۔

لیکن یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ قطع نظر اس بات کے کہ یہ تمام باتیں بہ ہیئت مجموعی "جمعہ" کی وجہ تسمیہ کو ظاہر کرتی ہیں ان میں سے ہر ایک خود بھی اپنی اپنی جگہ جمعیت اور اجتماعیت کے مفہوم پر حاوی ہیں۔

جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا چاہئے

⑪ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثِرُوا الصَّلَاۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَشْھُوْدٌ یَشْھَدُہُ الْمَلَائِکَۃُ وَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلاَّ عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلَاتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ جمعہ کا دن مشہود (یعنی حاضر کیا گیا) ہے اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود میرے سامنے (بذریعہ مکاشفہ یا بذریعہ ملائکہ) پیش کیا جاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہوتا ہے۔ ابودرداء کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر) عرض کیا کہ مرنے کے بعد بھی درود آپ ﷺ کے سامنے پیش کئے جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام کیا ہے چنانچہ خدا کے نبی (اپنی اپنی قبر میں بالکل دنیا کی حقیقی زندگی کی طرح) زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔" (ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تائید کرتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ (آیت کریمہ وَالْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاھِدٍ وَّمَشْھُوْدٍ میں) مَشْھُوْدٍ سے مراد جمعہ کا دن ہے جب کہ پہلے گزرنے والی حدیث نمبر ۸ حضرت علیؓ کی تفسیر کی موید ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اگرچہ یہاں بھی "مشہود" سے یوم جمعہ مراد لینا باین اعتبار کہ اسی دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی تفسیر کے منافی نہیں ہے تاہم یہ احتمال بھی قوی تر ہے کہ حدیث کے الفاظ میں "فَاِنَّہٗ" کی ضمیر جمعہ کی طرف نہیں بلکہ کثرت درود کی طرف راجع ہے جو کہ لفظ "اکثروا" سے مفہوم ہوتا ہے اس طرح حدیث کے معنی یہ ہوں گے جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ کثرت درود مشہودہ (یعنی فرشتوں کے حاضر ہونے کا سبب) ہے۔

عُرِضَتْ صَلٰوتُہٗ کا مطلب یہ ہے کہ یوں تو ہمیشہ ہی جب مجھ کوئی شخص درود بھیجتا ہے۔ تو اس کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے مگر جمعہ کا دن چونکہ سب سے افضل دن ہے اس لئے جمعہ کے دن بھیجا جانے والا درود بطریق اولیٰ میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اگرچہ درود بھیجنے کی مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو چنانچہ حَتّٰی یَفْرُغَ فرما کر اس طرف فرمادیا گیا ہے کہ جب تک درود پڑھنے والا خود ہی فارغ نہ ہو جائے یا درود پڑھنا ترک نہ کر دے اس وقت تک پوری مدت کے درود برابر میرے سامنے پیش کئے جاتے رہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت ابودرداء یہ سمجھے کہ شاید یہ حکم ظاہری حالت یعنی آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی ہی سے متعلق ہے چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں جب سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمین پر انبیاء کے اجسام کھانا حرام ہے یعنی جس طرح دوسرے مردوں کے جسم قبر میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح انبیاء کے جسم قبر میں فنا نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنی اصلی حالت میں موجود رہتے ہیں اس لئے انبیاء کے لئے فنا حالت یعنی دنیا کی ظاہری زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح وہ یہاں ہیں اسی طرح وہاں ہیں اسی لئے کہا گیا ہے۔

اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ وَلٰکِنْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ۔

"اللہ کے دوست اور حقیقی بندے مرتے نہیں وہ تو صرف ایک مکان سے دوسرے مکان کو منتقل ہو جاتے ہیں۔"

لہٰذا جس طرح یہاں دنیا کی زندگی میں میرے سامنے درود پیش کئے جاتے ہیں اسی طرح میری قبر میں بھی میرے سامنے درود پیش کئے جاتے رہیں گے۔

حدیث کے آخری الفاظ حَتّٰی یرزق کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کو اپنی اپنی قبروں میں حق تعالیٰ کی طرف سے معنوی رزق دیا جاتا ہے اور "رزق" سے رزق حسی مراد لیا جائے تو یہ حقیقت کے منافی نہیں ہوگا بلکہ صحیح ہی ہوگا۔ کیونکہ جب شہداء کی ارواح کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جنت کے میوے کھاتی ہیں تو انبیاء شہداء سے بھی اشرف و اعلیٰ ہیں اس لئے ان کے لئے بھی یہ بات بطریق اولیٰ ثابت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی قبروں میں رزق حسی دیئے جاتے ہوں۔

جمعہ کو مرنے والے مؤمن کے لئے بشارت

⑫ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓو راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ایسا کوئی مسلمان نہیں ہے جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں انتقال کرے اور اللہ تعالیٰ اسے فتنہ (یعنی قبر کے سوال اور قبر کے عذاب) سے نہ بچائے۔ (احمدؒ، ترمذیؒ) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد متصل نہیں ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی خوش قسمت مسلمان کا جمعہ کے روز یا جمعہ کی شب میں انتقال کرنا در حقیقت اس کی سعادت اور آخرت کی بھلائی کی دلیل ہے کیونکہ جمعہ کی مقدس ساعتوں میں انتقال کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمتوں اور اس کی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے چنانچہ جمعہ کو انتقال کرنے والے مسلمانوں کے حق میں بہت زیادہ بشارتیں منقول ہیں۔

مثلاً ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جو مسلمان جمعہ کے دن مرتا ہے وہ عذاب قبر سے نجات دیا جاتا ہے اور وہ قیامت کے دن اس حال میں (میدان حشر میں) آئے گا کہ اس کے اوپر شہیدوں کی مہر ہوگی۔

یا ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص جمعہ کے دن مرتا ہے اس کے لئے شہید کا اجر و ثواب لکھا جاتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ سے بچایا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "جس مسلمان مرد یا عورت کا انتقال جمعہ کے روز یا جمعہ کی شب میں ہوتا ہے اور اسے فتنہ قبر اور عذاب قبر سے بچایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات اس حال میں ہوگی کہ قیامت کے دن میں اس سے کوئی محاسبہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کے ساتھ گواہ ہوں گے جو اس کی (سعادت و بھلائی) کی گواہی دیں گے یا اس پر شہداء کی مہر ہوگی۔

جمعہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے

⑬ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَرَأَ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الْاٰيَةَ وَعِنْدَهٗ يَهُوْدِيٌّ قَالَ لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَاهَا عِيْدًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدَيْنِ فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ وَيَوْمِ عَرَفَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے (ایک دن) یہ آیت پڑھی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الایۃ جس کا مضمون یہ ہے کہ آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا تمہارے اوپر اپنی تمام نعمتیں پوری کر دیں اور ہم نے تمہارے لئے

از روئے دین اسلام کو پسند کیا ہے) ان کے پاس (اس وقت) ایک یہودی (بیٹھا ہوا) تھا اس نے (ابن عباسؓ سے یہ آیت سن کر) کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کو (یعنی اس دن کو جس میں یہ آیت نازل ہوئی تھی) عید قرار دیتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر، جمعہ اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: یہودی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو اتنی عظیم الشان نعمت کی خوشی اور اس کے شکرانے کے طور پر ہم اس کو بڑی عید کا دن مناتے۔ مگر تعجب ہے کہ مسلمانوں نے اس دن کو یادگار اور عید کا دن قرار نہیں دیا؟ اس کے جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس آیت کو ایک ایسے دن نازل فرمایا جو ایک نہیں دو عیدوں پر حاوی تھا تو پھر ہمیں اس دن کو یادگار دن قرار دینے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے جو آخری حج ادا فرمایا تھا وہ جمعہ کے دن تھا۔ گویا ایک تو جمعہ ہونے کی وجہ سے خود وہ دن افضل و اشرف تھا دوسرے دن عرفہ (یعنی حج) ہونے کے سبب سے اس کی فضیلت و عظمت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا اور اسی دن یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر ہے کہ اپنی عظمت و فضیلت کے اعتبار سے مسلمانوں کے لئے اس سے بڑا عید کا دن اور کون سا ہو سکتا ہے۔

جمعہ کی رات روشن رات اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے

(۱۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ يَقُوْلُ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ لَيْلَةٌ اَغَرُّ وَيَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ اَزْهَرُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب رجب کا مہینہ آتا تو سرتاج دو عالم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! رجب اور شعبان کے مہینے (کی ہماری اطاعت و عبادات) میں ہمیں برکت دے اور ہمیں رمضان تک پہنچا نیز حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے۔" (بیہقیؒ)

تشریح: "اور ہمیں رمضان تک پہنچا" کا مطلب یہ ہے کہ "اے خدایا! ہمیں یہ سعادت بخش کہ پورا رمضان پائیں اور رمضان کے تمام دنوں میں ہمیں روزے رکھنے اور نماز تراویح پڑھنے کی توفیق ہو"۔

جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کی نورانیت معنوی یا تو بالذات ہوتی ہے یا پھر یہ کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں جو عبادت کی جاتی ہے اس کی برکت اور اس کے سبب سے معنوی نورانیت پیدا ہوتی ہے۔

بَابُ وُجُوْبِهَا

جمعہ کے واجب ہونے کا بیان

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جمعہ کی نماز فرض عین ہے چنانچہ یہاں "وجوب" سے مراد فرض ہے۔

علامہ یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ فریضہ محکمہ ہے جو قرآن کریم، احادیث رسول اور اجماع اُمّت سے ثابت ہے۔ نماز جمعہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے قرآن کریم کی جس آیت سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے اس کے الفاظ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ میں ذکر سے مراد جمعہ کی نماز اور اس کا خطبہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نماز جمعہ ترک کرنے کی وعید

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلٰى اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں راوی ہیں کہ ہم نے سرتاج دو عالم ﷺ کو اپنے منبر کی لکڑی (یعنی اس کی سیڑھیوں پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ نماز جمعہ کو چھوڑنے سے باز رہیں ورنہ تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور وہ غافلوں میں شمار ہونے لگیں گے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں سے ایک چیز مقرر ہے یا تو نماز جمعہ کو نہ چھوڑنا، یا دلوں پر مہر لگ جانا، اگر لوگ نماز جمعہ نہیں چھوڑیں گے تو ان کے دلوں پر مہر نہ لگے گی اور اگر چھوڑ دیں گے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی جائے گی۔

"دلوں پر مہر لگانا" اس بات سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے بدبخت لوگوں کے دلوں کو انتہائی غفلت میں مبتلا کر دے گا اور انہیں نصیحت و بھلائی قبول کرنے سے باز رکھے گا۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ان کے حق میں یہی نکلے گا کہ ایسے لوگ خدا کے سخت عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

② عَنْ اَبِی الْجَعْدِ الضُّمَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ وَاَحْمَدُ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ۔

"حضرت ابی الجعد ضمیریؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص محض سستی و کاہلی کی بنا پر تین جمعے چھوڑ دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ اور امام مالکؒ نے اس روایت کو صفوان ابن سلیم سے اور امام احمدؒ نے ابی قتادہ سے نقل کیا ہے)

بغیر عذر نماز جمعہ چھوڑنے کی صورت میں صدقہ دینا چاہئے

③ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِيْنَارٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِيْنَارٍ۔ (رواہ احمد والبوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت سمرۃ ابن جندبؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص بغیر کسی عذر کے جمعہ چھوڑ دے تو چاہئے کہ ایک دینار صدقہ دے اور اگر ایک دینار میسر نہ ہو تو آدھا دینار دے۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

جمعہ کی اذان سننے والے پر نماز جمعہ واجب ہے

④ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص (جمعہ کی) اذان سنے اس پر جمعہ کی نماز واجب ہو جاتی

ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص جمعہ کی اذان سنے تو اس کے لئے جمعہ کی تیاری کرنا اور جمعہ کی نماز کے لئے جانا واجب ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو علی الاطلاق اس کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے گا تو اس سے بڑے اشکالات پیدا ہونگے اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہ لیا جائے کہ جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو کسی ایسی جگہ ہو جہاں اس کے اور شہر کے درمیان بقدر آواز پہنچنے کا فاصلہ ہو یعنی اگر کوئی شہر میں پکارے تو جہاں وہ ہے وہاں آواز پہنچ جائے۔

شرح منیہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ "جمعہ اس شخص پر لازم ہے جو شہر کے اطراف میں کسی ایسی جگہ ہو کہ اس کے اور شہر کے درمیان فاصلہ نہ ہو بلکہ ملے ہوئے مکانات ہوں (اگرچہ وہ اذان کی آواز نہ سنے) اور اگر اس کے اور شہر کے درمیان کھیت اور چراگاہ وغیرہ حائل ہونے کی وجہ سے فاصلہ ہو تو اس پر جمعہ واجب نہیں اگرچہ وہ اذان سنے۔ مگر امام محمد سے منقول ہے کہ اگر وہ اذان کی آواز سنے تو اس پر جمعہ واجب ہوگا۔ فتویٰ حضرت امام محمد کے قول ہی پر ہے۔

(۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ اٰوَاهُ اللَّيْلُ اِلٰى اَهْلِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جمعہ کی نماز اس شخص پر فرض ہے جو رات اپنے گھر بسر کر سکے"۔ (امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے)۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جمعہ ایسے شخص پر واجب ہے جس کی جائے سکونت اور اس مقام کے درمیان کہ جہاں نماز جمعہ پڑھی جاتی ہے اتنا فاصلہ ہو کہ نماز جمعہ کے بعد بآسانی رات ہونے سے پہلے پہلے اپنے گھر لوٹ کر آسکے اور رات اپنے اہل و عیال کے ساتھ گزار سکے۔

وہ لوگ جن پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے

(۶) وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ اَوِامْرَاَةٍ اَوْصَبِيٍّ اَوْمَرِيْضٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ وَائِلٍ۔

"اور حضرت طارق ابن شہاب راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جمعہ حق ہے اور جماعت کے ساتھ ہر مسلمان پر واجب ہے علاوہ چار آدمیوں کے، غلام جو کسی کی ملک میں ہو عورت، بچہ اور مریض (کہ ان پر جمعہ واجب نہیں ہے)۔" (ابوداؤد)

تشریح: "جمعہ حق ہے" یعنی جمعہ کی فرضیت کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ثابت ہے اسی طرح "واجب ہے" کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر علاوہ مذکورہ اشخاص کے جمعہ کی نماز باجماعت فرض ہے۔

مذکورہ لوگوں پر جمعہ کیوں واجب نہیں: غلام چونکہ دوسرے کی ملکیت اور تصرف میں ہوتا ہے اس لئے اس پر جمعہ فرض نہیں کیا گیا۔ عورت پر جمعہ اس لئے فرض نہیں ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس کے ذمہ خاوند کے حقوق اتنے زیادہ متعلق ہیں کہ نماز جمعہ میں شمولیت ان کی ادائیگی سے مانع ہوگی، بلکہ جمعہ کی نماز میں چونکہ مردوں کا ہجوم زیادہ ہوتا ہے اس لئے نماز جمعہ میں عورتوں کی شمولیت بہت سے فتنہ فساد کا موجب بن سکتی ہے۔ بچہ چونکہ غیر مکلف ہے اس لئے اس پر جمعہ فرض نہیں۔ اسی طرح مریض پر اس کے ضعف و ناتوانی اور دفع ضرر کے سبب جمعہ فرض نہیں ہے لیکن مریض سے مراد وہ مریض ہے جو کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ جس کی وجہ سے جمعہ میں حاضر ہونا دشوار و

مشکل ہو۔

ان کے علاوہ دوسری احادیث سے جن لوگوں پر جمعہ کا فرض نہ ہونا ثابت ہے ان میں دیوانہ بھی ہے جو بچہ کے حکم میں ہے ایسے ہی مسافر، اندھے اور لنگڑے پر بھی جمعہ فرض نہیں ہے ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ ایسا بوڑھا جس کو ضعف وناتوانی لاحق ہو بیمار کے حکم میں ہے اس لئے اس پر اور اس معذور پر بھی جو اپنے پیروں پر چل سکنے پر قادر نہ ہو جمعہ فرض نہیں نیز ایسے تیمار دار پر بھی جمعہ فرض نہیں جس کے جمعہ میں چلے جانے کی وجہ سے بیمار کی تکلیف و وحشت بڑھ جانے یا اس کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑦ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلاً يُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحَرِّقَ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے ان لوگوں کے بارہ میں جو نماز جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں (یعنی نماز جمعہ نہیں پڑھتے) فرمایا کہ میں سوچتا ہوں کہ میں کسی شخص سے کہوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور پھر میں (جاکر) ان لوگوں کے گھر بار جلا دوں جو (بغیر عذر کے) جمعہ چھوڑ دیتے ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید ہے، جو بلا کسی عذر اور مجبوری کے نماز جمعہ نہیں پڑھتے ایسے لوگوں کو چاہیے کہ اس حدیث سے عبرت حاصل کریں اور نماز جمعہ کبھی بھی نہ چھوڑیں۔

⑧ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِيْ كِتَابٍ لَا يُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ وَفِيْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ ثَلاَثًا۔ (رواہ الشافعی)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص بغیر کسی عذر کے نماز جمعہ چھوڑ دیتا ہے وہ ایسی کتاب میں منافق لکھا جاتا ہے جو نہ کبھی مٹائی جاتی ہے اور نہ تبدیل کی جاتی ہے" اور بعض روایات میں یہ ہے کہ "جو شخص تین جمعہ چھوڑ دے" (یہ وعید اس کے لئے ہے)۔" (شافعیؒ)

تشریح: من غیر ضرورۃ کا مطلب یہ ہے کہ ترک جماعت کے جو عذر ہیں مثلاً کسی ظالم اور دشمن کا خوف، پانی برسنا، برف پڑنا یا راستہ میں کیچڑ وغیرہ کا ہونا وغیرہ وغیرہ اگر ان میں سے کسی عذر کی بنا پر جمعہ کی نماز میں نہ جائے تو وہ منافق نہیں لکھا جائے گا ہاں بغیر کسی عذر اور مجبوری کے جمعہ چھوڑنے والا منافق لکھا جائے گا۔

فی کتاب لا یمحی ولا یبدل میں کتاب سے مراد "نامہ اعمال" ہے حاصل یہ ہے کہ نماز جمعہ چھوڑنے والا اپنے نامہ اعمال میں کہ جس میں نہ تنسیخ ممکن ہے اور نہ تغیر و تبدل، منافق لکھ دیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ نفاق جیسی ملعون صفت ہمیشہ کے لئے چپک کر رہ جاتی ہے تاکہ آخرت میں یا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے عذاب میں مبتلا کر دے یا اپنے فضل و کرم سے درگزر فرماتے ہوئے اسے بخش دے غور و فکر کا مقام ہے کہ نماز جمعہ چھوڑنے کی کتنی شدید وعید ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھے۔

نماز جمعہ چھوڑنے والا کچھ اپنا ہی کھوتا ہے

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا مَرِيْضٌ اَوْ مُسَافِرٌ اَوِ امْرَاَةٌ اَوْ صَبِيٌّ اَوْ مَمْلُوْكٌ فَمَنِ اسْتَغْنٰى بِلَهْوٍ اَوْ تِجَارَةٍ اسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ

حَمِيْدٌ۔ (رواہ الدار قطنی)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ فرض ہے علاوہ مریض مسافر، عورت بچہ اور غلام کے (کہ ان پر نماز جمعہ فرض نہیں ہے (لہٰذا جو شخص کھیل کود اور تجارت وغیرہ میں مشغول ہو کر نماز جمعہ سے بے پروائی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہ ہے اور اللہ بے پرواہ اور تعریف کیا گیا ہے۔" (دار قطنیؒ)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کھیل کود، تجارت اور دنیا کی دوسری مشغولیتوں میں منہمک ہو کر نماز جمعہ کی پرواہ نہیں کرتا اور نماز جمعہ چھوڑنے کا اسے کوئی احساس نہیں ہوتا تو وہ اپنا ہی کچھ کھوتا ہے اور اپنا ہی کچھ نقصان کرتا ہے کیونکہ ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی بے پروائی اختیار کر لیتا ہے اور اس پر اپنی عنایت و مہربانی اور کرم نہیں کرتا اور جس بد نصیب پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی مہربانی نہ ہو دین و دنیا دونوں جگہ اس کی تباہی و بربادی کے بارہ میں کس کم بخت کو شبہ ہو سکتا ہے؟

بَابُ التَّنْظِيْفِ وَالتَّبْكِيْرِ

پاکی حاصل کرنے اور جمعہ کے لئے سویرے جانے کا بیان

"پاکی حاصل کرنے" سے مراد ہے غسل کے ذریعہ بدن پاک کرنا اور لبوں (مونچھوں) کا کتروانا، ناخن کٹوانا، زیر ناف کے بال صاف کرنا بغل کے بال دور کرنا، کپڑوں کا پاک کرنا اور خوشبو استعمال کرنا، جمعہ کے دن یہ تمام چیزیں سُنّت ہیں اس کی تفصیل کتاب الطہارت میں مسواک کے بیان میں گزر چکی ہے۔

"جمعہ کے لئے سویرے جانے" سے مراد ہے مسجد یا جہاں نماز ادا کی جاتی ہو وہاں نماز جمعہ کے لئے نماز کے اول وقت پہنچ جانا۔ اگر کوئی شخص نماز جمعہ کے لئے مسجد میں دن کے اول وقت میں ہی پہنچ جائے تو یہ افضل ہے چنانچہ امام غزالیؒ نے بعض علماء سلف سے یہ معمول نقل کیا ہے کہ وہ عبادت کی طرف پیش روی اختیار کرنے کے جذبہ سے نماز جمعہ کے لئے جمعہ کے دن صبح ہی سے مسجد پہنچ جایا کرتے تھے۔ مگر اتنی بات ذہن نشین رہنی چاہئے۔ کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والوں نے جو یہ معمول بنایا ہے کہ وہ جمعہ کے روز صبح سویرے ہی مسجد مقدس میں جگہ روکنے کے لئے اپنے اپنے مصلّی بچھا دیتے ہیں مگر وہاں بیٹھتے نہیں بلکہ چلے جاتے ہیں اور پھر نماز کے وقت آجاتے ہیں۔ تو اس کے بارہ میں علماء نے لکھا ہے کہ اگر ایسے لوگ وہاں بیٹھ کر ذکر فکر میں مشغول رہیں تو بہتر ہے ورنہ محض جگہ روکنے کی خاطر مصلّی بچھا کر چلے جانا مناسب نہیں کیونکہ اس سے لوگوں کو تنگی پیدا ہوتی ہے۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ جامع مسجد میں جگہ روکنے کے لئے اول وقت پہنچ کر اپنے اپنے کپڑے بچھا دینا اور پھر وہاں سے کھانا وغیرہ کھانے کے لئے گھر چلے جانا مناسب نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نماز جمعہ کے آداب

① عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ اَوْيَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهٖ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهٗ ثُمَّ يُنْصِتُ اِذَا تَكَلَّمَ

الاِمَامُ اِلاَّ غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى۔ (رواہ البخاری)

"حضرت سلمانؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا۔ "جو شخص جمعہ کے دن نہائے اور جس قدر ہوسکے پاکی حاصل کرے اور اپنے پاس سے (یعنی گھر میں جو بلا تکلف میسر ہوسکے) تیل ڈالے اور اپنے گھر سے عطر لگائے اور پھر مسجد کے لئے نکلے اور (مسجد پہنچ کر) دو آدمیوں کے درمیان فرق نہ کرے اور پھر جتنی بھی اس کے مقدر میں ہو (یعنی جمعہ کی سُنّت نوافل یا قضاء نماز پڑھے اور امام کے خطبہ پڑھتے وقت خاموش رہے تو اس جمعہ اور گذشتہ جمعہ کے درمیان کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔" (بخاریؒ)

تشریح: "اور جس قدر ہوسکے پاکی اختیار کرے" کا مطلب یہ ہے کہ لبیں کتروائے، ناخن کٹوائے، زیر ناف کے بال صاف کرے بغلوں کے بال دور کرے اور پاک وصاف کپڑے پہنے۔

"دو آدمیوں کے درمیان فرق نہ کرے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد میں باپ بیٹا یا ایسے دو آدمی جو آپس میں محبت و تعلق رکھتے ہوں ایک جگہ پاس بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان نہ بیٹھے یا دو آدمیوں کے درمیان اگر جگہ نہ ہو تو وہاں نہ بیٹھے کہ انہیں تکلیف ہوگی ہاں اگر جگہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

یا "فرق نہ کرنے" سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو پھلانگتا ہوا، صفوں کو چیرتا پھاڑتا آگے کی صفوں میں نہ جائے بلکہ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے اور اگر بغیر پھلانگے اور بغیر صفوں کے چیرے پھاڑے پہلی صف میں پہنچ سکتا ہے تو پھر آگے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں یہ حکم اس صورت کا ہے جب کہ آگے کی صفوں میں جگہ نہ ہو۔ ہاں اگر یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں آگے کی صفوں میں جاؤں گا تو لوگ مجھے وہاں بیٹھنے کی جگہ دیدیں گے یا یہ کہ اگلی صفوں میں جگہ خالی پڑی ہو تو پھر صفوں کو چیر پھاڑ کر بھی آگے جانا درست ہوگا کیونکہ یہ پچھلی صفوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا قصور ہے کہ وہ آگے بڑھ کر پہلی صفوں میں کیوں نہیں بیٹھتے اور خالی جگہ کو پر کیوں نہیں کرتے۔

در حقیقت یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ نماز جمعہ کے لئے اول وقت مسجد پہنچ جانا چاہے۔ تاکہ وہاں "فرق نہ کرنے" اور صفوں کو چیرنے پھاڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَصَلّٰى مَا قُدِرَ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ يُصَلِّىْ مَعَهٗ غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے غسل کیا پھر جمعہ میں آیا اور جس قدر کہ اس کے نصیب میں تھی نماز پڑھی پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی تو اس جمعہ سے گذشتہ جمعہ تک بلکہ اس سے تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔" (بخاریؒ)

تشریح: "تین دن کی زیادتی" اس لئے ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا زیادہ ہوتا ہے لہٰذا جمعہ سے جمعہ تک تو سات دن ہوئے اور تین دن کا اسی میں اور اضافہ کر دیا گیا تاکہ دہائی پوری ہو جائے۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَاَنْصَتَ غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصٰى فَقَدْ لَغَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا (یعنی آداب وضو کی رعایت کے ساتھ) پھر جمعہ میں آیا اور (اگر نزدیک تھا تو) خطبہ سنا اور (اگر دور تھا اور خطبہ نہ سن سکتا تھا تو) خاموش رہا تو اس (جمعہ) کے اور گذشتہ جمعہ کے درمیان بلکہ اس سے بھی تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے کنکریوں کو چھوا اس نے لغو کیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "کنکریوں کو چھوا" یعنی نماز میں کنکریوں سے شغل کیا بایں طور کہ سجدے کی جگہ برابر کرنے کے لئے انہیں ایک مرتبہ سے زیادہ

برابر کیا" بعض حضرات کہتے ہیں کہ "اس سے مراد یہ ہے کہ خطبہ کے وقت کنکریوں سے کھیلتا رہا"
"لغو" کے معنی باطل اور بے فائدہ بات" لہٰذا نمازی کے کنکریوں سے کھیلنے یا کنکریوں کو چھونے کو لغو" کے ساتھ مشابہت اس لئے دی گئی ہے کہ یہ فعل خطبہ سننے سے مانع ہوتا ہے۔

جمعہ میں اول وقت آنے والے کی فضیلت

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر آکھڑے ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص مسجد میں اول وقت) آتا ہے پہلے وہ اس کا نام لکھتے ہیں پھر اس کے بعد پہلے آنے والوں کا نام لکھتے ہیں اور جو شخص مسجد میں اول (وقت) جمعہ میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی شخص مکہ میں قربانی کے لئے اونٹ بھیجتا ہے۔ (کہ جس کا بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے) پھر اس کے بعد جو شخص جمعہ میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص مکہ میں قربانی کے لئے گائے بھیجتا ہے۔ پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص دنبہ بھیجتا ہے پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی صدقہ میں مرغی دیتا ہے پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے وہ صدقہ میں انڈا دینے والے کی مانند ہوتا ہے اور جب امام (خطبہ کے لئے منبر پر) آتا ہے تو وہ اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے ابتدائی حصہ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن یا تو صبح ہی سے یا طلوع آفتاب یا پھر (جیسا کہ بہتر اور راجح قول ہے۔) زوال کے وقت سے مسجد کے دروازے پر فرشتے آکر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور جس ترتیب سے نمازی آتے ہیں اسی ترتیب سے ان کا نام لکھتے رہتے ہیں اس طرح جو لوگ اول وقت مسجد میں آتے ہیں ان کا نام سب سے پہلے ہوتا ہے گویا وہ سب سے افضل ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ بعد میں آتے ہیں ان کا نام بعد میں لکھا جاتا ہے اس طرح وہ لوگ اول وقت آنے والوں کی بہ نسبت کم فضیلت والے شمار کئے جاتے ہیں۔ اور یہ فرشتے ان فرشتوں کے علاوہ ہوتے ہیں۔ جو بندوں کے اعمال لکھنے پر مأمور ہیں۔

خطبہ کے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ممنوع ہے

⑤ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جمعہ کے دن جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو اگر تم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے یہ بھی کہا "چپ رہو" تو تم نے بھی لغو کام کیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: خطبہ کے وقت چونکہ کسی بھی قسم کے کلام اور گفتگو کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے اس وقت ایسے شخص کو جو گفتگو کر رہا ہو خاموش ہوجانے کے لئے کہنا بھی اس حدیث کے مطابق "لغو" ہے اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت مطلقاً کلام اور گفتگو ممنوع ہے اگرچہ وہ کلام و گفتگو امر بالمعروف (اچھی بات کے کرنے) اور نہی عن المنکر (بری بات سے روکنے ہی سے متعلق کیوں نہ ہو۔ ہاں اس وقت یہ فریضہ اشارہ کے ذریعہ ادا کیا جاسکتا ہے لیکن زبان سے کہنے کی اجازت نہیں ہے۔

خطبہ کے وقت خاموشی اختیار کرنے کا مسئلہ: جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت خاموش رہنا اکثر علماء کے نزدیک واجب ہے امام

ابوحنیفہؒ بھی انہیں میں شامل ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے چنانچہ امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے لیکن مذاہب اربعہ" میں لکھا ہے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول وجوب کا ہے اور دوسرا استحباب کا، امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس وقت امام خطبہ کے لئے چلے اس وقت بھی نماز شروع کرنا یا کلام کرنا دونوں ممنوع ہیں اگر کوئی شخص نماز (مثلاً سُنت وغیرہ) پڑھ رہا ہو اور امام خطبہ شروع کر دے تو اس شخص کو دو رکعت پوری کر کے نماز توڑ دینی چاہئے۔ مگر حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک امام کے خطبہ کے لئے چلنے اور خطبہ شروع کرنے کے درمیان اسی طرح اس کے خطبہ ختم کرنے کے بعد سے تکبیر تحریمہ شروع ہو جانے تک کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ کراہیت کلام اس وجہ سے ہے کہ کلام میں مشغول رہنے والا شخص خطبہ نہیں سن سکتا اور ظاہر ہے کہ یہ مواقع خطبہ سننے کے نہیں ہیں اس لئے ایسے اوقات میں کلام کرنا جائز ہے۔

مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ ان دونوں کی ممانعت کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حدیث ہے اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام (جب امام خطبہ کے لئے چلے تو اس وقت نہ نماز جائز ہے اور نہ کلام) نیز صحابہؓ کے اقوال بھی اسی طرح ہیں۔ اور صحابیؓ کے قول کو حجت اور دلیل قرار دینے میں نہ صرف یہ کہ کوئی شک وشبہ نہیں ہے بلکہ قول صحابیؓ کی تقلید و پیروی واجب ہے علماء نے لکھا ہے کہ خطبہ کے وقت صاحب ترتیب کے لئے قضا نماز پڑھنی مکروہ نہیں ہے۔

اس شخص کے بارہ میں جو امام سے دور ہو اور خطبہ کی آواز اس تک نہ پہنچ رہی ہو علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن صحیح اور مختار قول یہ ہے کہ وہ شخص بھی گفتگو و کلام نہ کرے بلکہ اس کے لئے بھی خاموش رہنا واجب ہے۔

خطبہ کے وقت کے آداب: علماء نے صراحت کی ہے کہ جس وقت امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت کھانا پینا یا کتابت وغیرہ دنیوی امور میں مشغول ہونا حرام ہے سلام اور چھینک کا جواب دینا بھی مکروہ ہے اس سلسلہ میں در مختار میں ایک کلمہ لکھا گیا ہے۔ كُلُّ شَيْءٍ حُرِّمَ فِي الصَّلٰوةِ حُرِّمَ فِي الْخُطْبَةِ یعنی جو چیزیں نماز میں حرام ہیں وہ خطبہ کے وقت بھی حرام ہیں۔ خطبہ کے وقت درود بھی زبان سے نہیں بلکہ دل میں کہہ لیا جائے۔ خطبہ کے وقت کسی شخص کو اس کی خلاف شرع حرکت سے روکنا زبان سے تو مکروہ ہے لیکن ہاتھ یا آنکھ کے اشارے سے اسے منع کر دینا مکروہ نہیں ہے۔

بہر حال اس حدیث کی باب سے وجہ مناسبت یہ ہے کہ اس باب کا مقتضی یہ ہے کہ جمعہ میں سویرے سے جانا ثواب کی زیادتی کا باعث ہے اور کوئی شخص سویرے سے مسجد پہنچ گیا مگر اس نے وہاں امام کے خطبہ پڑھتے وقت کسی کو زبان سے نصیحت کی تو گویا اس سے ایک لغو کام صادر ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سویرے سے مسجد میں پہنچ جانے کا ثواب جاتا رہا۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں سویرے سے پہنچ جائے اور وہاں ایسی کوئی حرکت نہ کی جائے جس سے ثواب جاتا رہے۔

مسجد میں کسی کو اس کی جگہ سے نہ ہٹانا چاہئے

(۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقِيْمَنَّ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ يُخَالِفُ اِلٰى مَقْعَدِهٖ فَيَقْعُدُ فِيْهِ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ اِفْسَحُوْا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن (جامع مسجد میں پہنچ کر) اپنے مسلمان بھائی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے اور وہاں خود بیٹھنے کا ارادہ نہ کرے۔ ہاں (لوگوں سے) یہ کہہ دے کہ (بھائیو) جگہ کشادہ کر دو۔" (مسلم)

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کو ہٹا کر اس کی جگہ پر اس کی رضاء کے بغیر بیٹھنا حرام ہے اور اگر رضا حاصل ہو تو وہ بھی حقیقۃً ہونی چاہئے۔ نہ کہ کسی خوف و حیا کی وجہ سے ہو اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو پہلے سے مسجد میں بھیج دے تاکہ وہ وہاں اس کے لئے جگہ روک لے تو اس شخص کو بھی اس جگہ سے اٹھانا حرام ہے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی محض کسی کو بھیج کر جگہ رکوا لینے سے مسجد وغیرہ جیسی مقدس

جگہوں کا حقدار نہیں ہوتا۔ بلکہ جو شخص جس جگہ بیٹھا ہوا ہے وہ اس جگہ پہلے پہنچ جانے کی وجہ سے اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے اگرچہ وہاں پہنچنے پر اس کی یہی نیت کیوں نہ ہو کہ جس شخص نے مجھے بھیجا ہے اس کے لئے میں جگہ روک رہا ہوں اور یہاں وہی شخص آکر بیٹھے گا چنانچہ خود اس شخص کے لئے اپنی جگہ سے اپنے بھیجنے والے کے لئے اٹھنا اور اس کے ساتھ اس سلسلہ میں ایثار کا معاملہ کرنا مکروہ ہے۔ بشرطیکہ وہ شخص اس سے فضیلت میں کم درجہ کا ہو یعنی اگر کوئی اس سے زیادہ افضل ہو تو اس کے ساتھ ایثار کا معاملہ کرنا مکروہ نہیں ہے اور اس کے لئے وہاں سے اٹھنا مکروہ اس لئے ہے کہ عبادات میں بلاعذر مکروہ ہے۔

جہاں تک اس آیت وَالَّذِيْنَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ کا تعلق ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ایثار کرنے والوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے تو اس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہاں وہ ایثار مراد ہے جس کا تعلق حظ نفس (یعنی طبعی ضروریات و خواہشات) سے ہو۔

اب تو غالباً کہیں یہ دستور نہیں ہے مگر پہلے زمانہ میں بعض اصحاب ثروت و دولت جن کی زندگی کا بنیادی مقصد دوسروں پر ظلم کرنا تھا اپنے خادموں اور ملازموں کو جامع مسجد میں بھیجتے تھے اور وہاں پہنچ کر پہلے سے بیٹھے ہوئے کمزور و غریب لوگوں کو مار مار کر اور دھکے دے دے کر اٹھا دیتے تھے اور اپنے آقاؤں کے لئے جگہ بنا لیتے تھے اسی زمانہ کے کسی عارف سے اس غلط طریقہ کے بارے میں جب کہا گیا تو انہوں نے نہایت تاسف کے ساتھ یہ عارفانہ مقولہ ارشاد فرمایا کہ "جب ان کی عبادت کا یہ حال ہے تو ان کے ظلم و گناہ کا کیا عالم ہوگا؟

افسحوا (جگہ کشادہ کرو) اس طرح اس وقت کہنا چاہے جب کہ جگہ میں کشادگی کی گنجائش ہو ورنہ بصورت دیگر یہ بھی نہ کہنا چاہے اور نہ لوگوں کو تنگ کرنا چاہے بلکہ جہاں بھی جگہ مل جائے وہیں نماز پڑھ لے اگرچہ مسجد کے دروازوں ہی میں جگہ کیوں نہ ملے۔

باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ رغبت دلائی جا رہی ہے کہ نماز پڑھنے والا جامع مسجد میں سویرے سے پہنچ جائے تاکہ کسی کو اٹھانے ہٹانے کی ضرورت نہ پڑے۔

جمعہ کے روز عمدہ لباس زیب تن کرنا چاہئے

⑦ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ وَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِيَابِهٖ وَمَسَّ مِنْ طِيْبٍ اِنْ كَانَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلّٰى مَاكَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ اِمَامُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهٖ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ جُمُعَتِهِ الَّتِىْ قَبْلَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے عمدہ لباس پہنے اور اگر میسر ہو تو خوشبو لگائے پھر جمعہ میں آئے اور وہاں لوگوں کی گردنوں پر نہ پھلانگے پھر جتنی اللہ نے اس کے مقدر میں لکھ رکھی ہو نماز پڑھے اور جب امام (خطبہ کے لئے) چلے تو خاموشی اختیار کرے یہاں تک کہ نماز سے فراغت حاصل کرے تو یہ اس کے اس جمعہ اور اس پہلے جمعہ کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔" (ابوداؤد)

تشریح: "عمدہ لباس" سے مراد سفید کپڑے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو سفید ہی کپڑے پسند تھے۔

جامع مسجد پیدل جانا افضل ہے

⑧ وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنَا مِنَ الْاِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ اَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا۔

(رواہ الترمذی، وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت اوس بن اوسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص جمعہ کے دن نہلائے اور خود نہائے، سویرے سے (جامع

مسجد) جائے (تاکہ) شروع سے خطبہ پالے اور پیدل جائے، سوار نہ ہو اور امام کے قریب بیٹھے اور خطبہ سنے نیز یہ کہ کوئی بیہودہ بات زبان سے نہ نکالے تو اس کے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور رات میں عبادت کرنے کا ثواب لکھا جائے گا۔"

(ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: غَسَّلَ (نہلانے) کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی کو نہلائے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی بیوی سے صحبت کرے تاکہ اس کے نہانے کا باعث ہو یا یہ مراد ہے کہ اپنے کپڑے صاف کرائے اور دھلوائے یا اپنا سر خطمی وغیرہ سے دھوئے جمعہ کے روز اپنی بیوی سے ہم بستری بہتر اس لئے ہے کہ اس سے زنا کا خطرہ دل میں پیدا نہیں ہوتا اور نماز میں حضور قلب حاصل ہوتا ہے۔

اس حدیث میں لفظ "مشی" کے بعد "لم یرکب" کی قید کا مقصد اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ تمام راستہ پاپیادہ چلے بالکل سوار نہ ہو۔ چونکہ لفظ "مشی" اپنے عمومی مفہوم میں تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ خواہ تمام راستہ پیدل چلے یا تھوڑی تھوڑی دور پیدل چل کر پھر سوار ہو جائے۔ اس لئے "لم یرکب" ذکر کر کے اس بات کی تاکید فرما دی گئی کہ جامع مسجد جانے کے لئے سواری بالکل استعمال نہ کی جائے بلکہ تمام راستہ پیدل چل کر جامع مسجد پہنچے۔

جمعہ کے لئے بطور خاص اچھے کپڑے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے

(۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ اَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَىْ مِهْنَتِهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن سلامؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جسے مقدور ہو اگر وہ نماز جمعہ کے لئے علاوہ کاروبار کے کپڑوں کے دو کپڑے اور بنالے تو کوئی مضائقہ نہیں (ابن ماجہؒ) اور امام مالکؒ نے یہ روایت یحیٰی ابن سعد سے نقل کی ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو سہولت و آسانی کے ساتھ یہ میسر ہو کہ وہ ان کپڑوں کے علاوہ جنہیں وہ ہمیشہ پہنتا ہے اور ان کپڑوں میں گھر باہر کا کاروبار کرتا ہے نماز جمعہ کے لئے دو مزید کپڑے بنالے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بطور خاص جمعہ اور عیدین کے لئے اچھے کپڑے بنائے تو یہ زہد و تقوی کے منافی نہیں ہو گا چنانچہ خود سرکار دو عالم ﷺ کے بارہ میں ثابت ہے کہ آپ کے پاس دو ایسے کپڑے تھے جنہیں آپ ﷺ بطور خاص جمعہ ہی کے روز زیب تن فرماتے تھے۔

امام کے قریب بیٹھ کر خطبہ سنو

(۱۰) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحْضُرُوا الذِّكْرَ وَادْنُوْا مِنَ الْاِمَامِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتّٰى يُؤَخَّرَ فِى الْجَنَّةِ وَاِنْ دَخَلَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سمرۃ بن جندبؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ "خطبہ کے وقت جلد حاضر ہوا کرو اور امام کے قریب بیٹھا کرو، کیونکہ آدمی (بھلائیوں کی جگہ سے بلا عذر) جتنا دور ہوتا جاتا ہے جنت کے داخل ہونے میں پیچھے رہے گا۔ اگرچہ جنت میں داخل ہو بھی جائے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ اس بات کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ ہمیشہ اعلیٰ امور اختیار کئے جائیں اور ادنی چیزوں پر قناعت نہ کی جائے۔

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

گردنوں کو پھلانگنے کی وعید

⑪ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسِ الْجُهَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اتُّخِذَ جِسْرًا اِلٰى جَهَنَّمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت معاذؓ ابن انس جہنیؓ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص جمعہ کے دن (جامع مسجد میں جگہ حاصل کرنے کے لئے) لوگوں کی گردنیں پھلانگے گا وہ جہنم کی طرف پل بنایا جائے گا" ترمذیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: سیدؒ نے کہا ہے حدیث کی اسناد عن معاذ ابن انس عن ابیہ سہواً نقل ہوگئی ہے کیونکہ معاذ کے والد انس کو نہ شرف روایت حاصل ہے اور نہ فیض صحبت ہی میسر ہوا ہے لہٰذا صحیح اسناد اس طرح ہے عَنْ سَهْلِ ابْنِ مَعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ (سہل ابن معاذ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں) جیسا کہ ترمذیؒ میں منقول ہے۔

حدیث کے الفاظ "جہنم کی طرف پل بنایا جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص کو اپنے فعل کی مثل بدلہ ملے گا یعنی جس طرح اس نے گردنوں کو پھلانگ کر لوگوں کو اپنی گذر گاہ بنایا اس طرح اس کو جہنم کی طرف پل بنا کر لوگوں کے لئے گذر گاہ بنایا جائے گا۔

خطبہ کے وقت بیٹھنے کا ایک ممنوع طریقہ

⑫ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْحَبْوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت معاذ ابن انسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے جمعہ کے دن جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو "گوٹ مارنے سے منع فرمایا ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: "گوٹ مارنا" ایک خاص نشست اور بیٹھنے کے ایک مخصوص طریقے کو کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اکڑوں بیٹھ کر سرین کو زمین پر ٹیک کر کپڑے یا ہاتھوں کے ذریعے دونوں گھٹنے اور رانیں پیٹ کے ساتھ ملالی جاتی ہیں۔

خطبہ کے وقت اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ ایسی حالت میں نیند آجاتی ہے جس کی وجہ سے خطبہ کی سماعت نہیں ہوسکتی بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس طرح بیٹھنے والا غنودگی کے عالم میں ایک پہلو پر گر جاتا ہے یا بیٹھے ہی بیٹھے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اسے احساس بھی نہیں ہوتا۔

اونگھ آنے کی صورت میں جگہ بدل دینی چاہئے

⑬ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن (مسجد میں بیٹھے اونگھنے لگے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی جگہ بدل دے (یعنی جس جگہ بیٹھا ہے وہاں سے اٹھ جائے اور دوسری جگہ جاکر بیٹھ جائے اس طرح نیند کا غلبہ کم ہو جائے گا۔" (ترمذیؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھاؤ

⑭ عَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّقِيْمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهٖ وَيَجْلِسُ فِيْهِ قِيْلَ لِنَافِعٍ فِى الْجُمُعَةِ قَالَ فِى الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا۔ (متفق علیہ)

"حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "سرتاج دو عالم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں بیٹھ جائے" نافع سے پوچھا گیا کہ "کیا یہ ممانعت جمعہ کے لئے ہے"؟ انہوں نے فرمایا کہ "جمعہ کے لئے بھی اور جمعہ کے علاوہ بھی۔" (بخاری و مسلمؒ)

تشریح: چونکہ اس طرز عمل سے منع فرمایا گیا ہے کہ اس سے ایک مسلمان بھائی کو تکلیف پہنچتی ہے لہٰذا یہ ممانعت کیا جمعہ اور کیا غیر جمعہ ہر موقع سے متعلق ہے۔

آداب جمعہ کی رعایت کرنے والے کے لئے بشارت

⑮ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْضُرُ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِلَغْوٍ فَذَالِكَ حَظُّهٗ مِنْهَا وَ رَجُلٌ حَضَرَهَا بِدُعَاءٍ فَهُوَ رَجُلٌ دَعَا اللّٰهَ اِنْ شَاءَ اَعْطَاهُ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهٗ وَ رَجُلٌ حَضَرَهَا بِاِنْصَاتٍ وَسُكُوْتٍ وَلَمْ يَتَخَطَّ رَقَبَةَ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُؤْذِ اَحَدًا فَهِىَ كَفَّارَةٌ اِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِىْ تَلِيْهَا وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ وَ ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ (رواہ ابوداؤدؒ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جمعہ (کی نماز) میں تین طرح کے لوگ آتے ہیں ایک وہ شخص جو لغو کلام اور بیکار کام کے ساتھ آتا ہے (یعنی وہ خطبہ کے وقت لغو بیہودہ کلام اور بیکار کام میں مشغول ہوتا ہے) چنانچہ جمعہ کی حاضری میں اس کا یہی حصہ ہے (یعنی وہ جمعہ کے ثواب سے محروم رہتا ہے اور لغو کلام و فعل کا وبال اس کے حصہ میں آتا ہے) دوسرا وہ شخص ہے جو جمعہ میں دعا کے لئے آتا ہے (چنانچہ وہ خطبہ کے وقت دعا میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی دعا اسے خطبہ سننے یا خطبہ کے کمال ثواب سے باز رکھتی ہے) پس وہ دعا مانگتا ہے خواہ اللہ تعالیٰ (اپنے فضل و کرم کے صدقہ میں) اس کی دعا کو قبول فرمائے یا نہ قبول فرمائے تیسرا وہ شخص جمعہ میں آتا ہے جو (اگر خطبہ کے وقت امام کے قریب ہوتا ہے تو خطبہ سننے کے لئے) خاموش رہتا ہے اور (اگر امام سے دور ہوتا ہے اور خطبہ کی آواز اس تک نہیں پہنچتی تب بھی خطبہ کے احترام میں وہ) سکوت اختیار کرتا ہے نیز نہ تو وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے اور نہ کسی کو ایذا پہنچاتا ہے لہٰذا اس کے واسطے یہ جمعہ اس (یعنی پہلے) جمعہ تک جو اس سے ملا ہوا ہے بلکہ اور تین دن زیادہ تک کا کفارہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا یعنی جو ایک نیکی کرے گا۔ اس کو اس نیکی کا دس گنا ثواب دیا جائے گا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: ان شاء اعطاہ و ان شاء منعہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص چونکہ خلاف ادب اور خلاف حکم اس وقت دعا میں مشغول رہتا ہے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو محض اپنے فضل و کرم کے صدقہ میں اس کی دعا کو قبول فرمالے گا ورنہ تو از راہ عدل اس کے اس فعل بد کی وجہ سے کہ وہ دعا میں مشغول رہ کر خطبہ سننے سے غافل رہا اس کی دعا قبول نہیں فرمائے گا خطبہ کے وقت دعا میں مشغول ہونا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے جب کہ دوسرے علماء کے یہاں حرام ہے۔ مشکوٰۃ کے ایک دوسرے نسخہ میں لفظ یَلْغُوْا صیغہ مضارع کے ساتھ نقل کیا گیا ہے لیکن صحیح بِلَغْوٍ ہی جیسا کہ یہاں نقل کیا گیا ہے کیونکہ یہ اگلے جملوں کے مطابق ہے۔

ولم یوذ احد کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں آکر اس نے کسی شخص کو ایذا اور تکلیف نہیں پہنچائی بایں طور کہ مثلاً نہ تو کسی کو اس کی

جگہ سے اٹھایا نہ کسی دوسرے کے جسم کے کسی عضو پر چڑھ کر بیٹھا یا اسی طرح نہ تو کسی کے مصلّی پر اس کی مرضی کے بغیر بیٹھا اور نہ لہسن و پیاز جیسی اشیاء کی بدبو سے کسی کو تکلیف پہنچائی۔

خطبہ کے وقت بات چیت کرنے والوں کے لئے وعید

⑯ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَکَلَّمَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَھُوَ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا وَالَّذِیْ یَقُوْلُ لَہٗ اَنْصِتْ لَیْسَ لَہٗ جُمُعَۃٌ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص جمعہ کے دن اس حالت میں جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو بات چیت میں مشغول ہو تو وہ گدھے کی مانند ہے کہ جس پر کتابیں لاد دی گئیں ہوں اور جو شخص اس (بات چیت میں مشغول رہنے والے) سے کہے "چپ رہو" تو اس کے لئے جمعہ کا ثواب نہیں ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: کمثل الحمار کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اس گدھے کی طرح ہے جس کی پشت پر کتابیں لاد دی جائیں یہ دراصل عالم کے علم پر عمل نہ کرنے سے کنایہ ہے نیز اس بات سے کنایہ ہے کہ اس شخص نے انتہائی محنت و مشقت برداشت کرکے علم حاصل کیا مگر اس علم سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

جو شخص مشغول گفتگو کو خاموش ہونے کے لئے کہے اس کو بھی جمعہ کا ثواب اس لئے نہیں ملتا کہ اس سے ایسا لغو اور بے فائدہ کلام صادر ہوا جس کی ممانعت ثابت ہو چکی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل حضرت ابوہریرہؓ کی راویت نمبر۵ میں بیان کی جاچکی ہے۔

خطبہ کے وقت آنحضرت ﷺ کا کلام اور اس کی وضاحت: ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز جب کہ آنحضرت ﷺ خطبہ دے رہے تھے ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا "یارسول اللہ! میرا مال تباہ و برباد ہوگیا، میرے اہل و عیال بھوکے ہیں ہمارے لئے دعا کیجئے! آنحضرت ﷺ نے اسی حالت میں اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی" یا اسی طرح بعض روایتوں میں آنحضرت ﷺ سے خطبہ کی حالت میں بات چیت کرنا ثابت ہے تو ان روایتوں کے بارہ میں کئی احتمال ہیں اول تو یہ کہ آپ ﷺ کا دعا میں مشغول ہونا یا بات چیت کرنا خطبہ کی حالت میں نہیں تھا بلکہ یا تو خطبہ شروع ہونے سے پہلے یا خطبہ شروع ہونے کے بعد آپ ﷺ دعا یا بات چیت میں مشغول ہوئے ایک احتمال یہ ہے کہ ان روایتوں کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب کہ خطبہ کی حالت میں اس قسم کی مشغولیت ممنوع نہیں تھی یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

مسلمانوں کے لئے جمعہ عید ہے

⑰ وَعَنْ عُبَیْدِ بْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ جُمُعَۃٍ مِنَ الْجُمَعِ یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اِنَّ ھٰذَا یَوْمٌ جَعَلَہُ اللّٰہُ عِیْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ کَانَ عِنْدَہٗ طِیْبٌ فَلَا یَضُرُّہٗ اَنْ یَمَسَّ مِنْہُ وَعَلَیْکُمْ بِالسِّوَاکِ رَوَاہُ مَالِکٌ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ عَنْہُ وَھُوَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مُتَّصِلًا۔

"اور حضرت عبید اللہؒ ابن سباق بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "اے مسلمانوں کی جماعت! یہ (جمعہ) کا وہ دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے (مسلمانوں کی) عید قرار دیا ہے۔ لہٰذا (اس دن غسل) کرو اور جس شخص کو خوشبو میسر ہو اگر وہ اسے استعمال کرے تو کوئی حرج نہیں نیز تم مسواک ضرور کیا کرو" (مالکؒ) ابن ماجہؒ نے بھی یہ حدیث عبید اللہ ابن سباق سے انہوں نے ابن عباس سے متصل نقل کی ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جمعہ کا دن عید یعنی فقراء و مساکین اور اولیاء اللہ و صالحین کے لئے خوشی و مسرت اور زیب و زینت کرنے کا دن

ہے اس دن نہاؤ یعنی خوب اچھی طرح طہارت اور ستھرائی حاصل کرو۔ اور خوشبو استعمال کرو خوشبو ایسی ہونی چاہئے کہ جس میں خوشبو تو ہو مگر رنگ نہ ہو جیسے عطر وغیرہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ خوشبوؤں میں سب سے افضل خوشبو ایسا مشک ہے جس میں گلاب کی آمیزش ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ اکثر و بیشتر مشک ہی کا استعمال فرماتے تھے۔

حدیث کے الفاظ و من کان عندہ طیب فلا یضرہ ان یمس کے بارہ میں اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ یہ پیرایہ بیان وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں کسی گناہ کا گمان ہوتا ہے لیکن خوشبو استعمال کرنا اور خاص طور پر جمعہ کے دن سُنّت موکدہ ہے لہٰذا اس موقعہ پر یہ پیرایہ بیان کیوں اختیار کیا گیا؟ تو جواب یہ ہو گا کہ بعض مسلمان یہ گمان کرتے تھے کہ خوشبو چونکہ عورتوں کے استعمال میں زیادہ آتی ہے اور عورتیں زیادہ تر اس کے استعمال کی عادی ہوتی ہیں اس لئے مردوں کے لئے اس کا استعمال مناسب نہ ہو گا چنانچہ اس گمان اور گناہ کی نفی اس پیرایہ بیان سے کی گئی ہے جیسا کہ طواف یعنی صفا و مروہ کی سعی ارکان حج میں سے ہے اور واجب ہے لیکن اس کے باوجود اس بارہ میں حق تعالیٰ نے یہ پیرایہ بیان اختیار فرمایا لَاجُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (یعنی اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ صفا و مروہ کی سعی کی جائے) حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن اور خاص طور پر غسل و وضو کے وقت مسواک ضرور استعمال کرنی چاہئے۔

جمعہ کے دن غسل کرنے اور خوشبو لگانے کی اہمیت

(۱۸) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ يَّغْتَسِلُوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلْيَمَسَّ اَحَدُهُمْ مِنْ طِيْبِ اَهْلِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَالْمَاءُ لَهٗ طِيْبٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

"اور حضرت براءؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا مسلمانوں پر جمعہ کے دن نہانا واجب ہے نیز مسلمانوں کو چاہیے کہ ان میں کا ہر شخص اپنے گھر میں سے خوشبو لیکر استعمال کرے اور اگر کسی کو خوشبو میسر نہ ہو تو اس کے لئے پانی ہی خوشبو ہے" یہ روایت احمدؒ، ترمذیؒ نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے)۔"

تشریح: "من طیب اهله" اس لئے فرمایا گیا ہے کہ عورتیں اکثر خوشبو رکھتی ہیں اس سے گویا اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی کے پاس خوشبو نہ ہو تو وہ اپنی بیوی سے مانگ لے لیکن خوشبو زنانی یعنی ایسی نہ ہو کہ اس میں رنگ کی آمیزش ہو۔ فَالْمَاءُ لَهٗ طِيْبٌ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس خوشبو نہ ہو اور اس کے گھر میں بھی بیوی وغیرہ کے پاس نہ ملے تو وہ پانی سے نہالے کہ پانی بمنزلہ خوشبو کے ہے کیونکہ پانی پاکیزگی اور ستھرائی کا سبب ہے اور بدن کی بدبو اس سے جاتی رہتی ہے۔

یہ حدیث اور اوپر کی حدیث حضرت امام مالکؒ کے مسلک کی مؤید ہے کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک چونکہ جمعہ کے دن غسل واجب نہیں لہٰذا ان حضرات نے احادیث کو سُنّت پر محمول کیا ہے کیونکہ ان کے علاوہ دوسری اور بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے دن غسل واجب نہیں ہے تاہم علماء لکھتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل نہ کرنا مکروہ ہے۔

بَابُ الْخُطْبَةِ وَالصَّلٰوةِ

خطبہ اور جمعہ کی نماز کا بیان

لغت میں خطبہ مطلقاً تقریر، گفتگو اور اس کلام کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہو، لیکن شریعت کی اصطلاح میں "خطبہ" اس کلام اور مجموعہ الفاظ کو کہتے ہیں جو پند و نصائح، ذکر و ارشاد، درود و سلام اور شہادتین پر مشتمل ہو۔

نمازِ جمعہ میں خطبہ فرض اور شرط ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک خطبہ کی کم سے کم مقدار سبحان اللہ یا الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ کہہ دینا ہے۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ سے طویل خطبہ منقول ہے لیکن طویل خطبہ واجب یا سُنّت ہے شرط اور فرض نہیں ہے کہ بغیر طویل خطبہ کے جمعہ کی نماز درست نہ ہوتی ہو۔ مگر حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ طویل ذکر اور پند و نصیحت کہ جسے عرف عام میں خطبہ کہا جاتا ہے ضروری ہے محض سبحان اللہ یا الحمد للہ کہہ لینے کو خطبہ نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک دو خطبے نہ پڑھے جائیں خطبہ جائز ہی نہیں ہوتا۔ ان تمام ائمہ کے دلائل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نمازِ جمعہ کا وقت

① عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی الْجُمُعَۃَ حِیْنَ تَمِیْلُ الشَّمْسُ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کہ آفتاب ڈھل جاتا۔" (بخاریؒ)

تشریح: نمازِ جمعہ پڑھنے کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب سردی کا موسم ہوتا تھا تو آپ ﷺ آفتاب ڈھلتے ہی جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تھے مگر شدید گرمی کے دنوں میں ٹھنڈے وقت پڑھتے تھے جیسا کہ آگے حضرت انسؓ کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوگا۔

② وَعَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَاکُنَّا نُقِیْلُ وَلَا نَتَغَدّٰی اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَۃِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سہل ابن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر قیلولہ کرتے تھے اور کھانا کھاتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: دوپہر میں استراحت کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں خواہ سویا جائے یا نہ سویا جائے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہم جمعہ کے روز دوپہر کے کھانے اور قیلولہ میں مشغول نہ رہتے تھے بلکہ سویرے سے نمازِ جمعہ کے لئے چلے جاتے تھے نماز کے بعد کھانا کھاتے اور قیلولہ کرتے تھے۔

③ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَکَّرَ بِالصَّلٰوۃِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوۃِ یَعْنِی الْجُمُعَۃَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ سخت سردی کے موسم میں جمعہ کی نماز سویرے سے پڑھ لیتے تھے اور جب شدید گرمی کے دن ہوتے تو دیر سے پڑھتے تھے۔" (بخاریؒ)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان نہیں ہوتی تھی

④ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کَانَ النِّدَاءُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اَوَّلُہٗ اِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ عَلَی الْمِنْبَرِ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ فَلَمَّا کَانَ عُثْمَانُ وَکَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَی الزَّوْرَاءِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سائبؓ ابن یزید فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمرؓ کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان وہ ہوتی تھی جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی تھی مگر جب عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی کثرت ہوگئی تو تیسری اذان کا اضافہ کیا گیا جو زوراء میں دی جاتی تھی۔" (بخاریؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں جمعہ کی اذان کے سلسلے میں معمول یہ تھا کہ جب آپ نمازِ جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور منبر پر بیٹھتے تو اذان کہی جاتی تھی۔ جمعہ کی پہلی اذان جو نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد کہی جاتی ہے اس وقت مقرر نہیں تھی۔ زمانہ

رسالت کے بعد حضرت ابوبکر و عمرؓ کے زمانہ خلافت میں بھی یہی معمول رہا۔ مگر جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں مسلمان تعداد میں کم تھے اور یہ بھی کہ مسجد کے قریب ہی سکونت پذیر تھے بلکہ اکثر مسلمان تو ہمہ وقت بارگاہ رسالت ہی میں حاضر رہتے تھے اور اب نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے بلکہ اکثر مسلمان مسجد سے دور دراز علاقوں میں سکونت پذیر ہیں اور اپنے اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں تو انہوں نے یہ مناسب جانا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہی جائے تاکہ جو لوگ دور دراز علاقوں میں رہتے ہیں وہ بھی خطبہ میں حاضر ہو جائیں۔ اسی طرح اسی وقت سے اذان اول کہی جانے لگی۔ لہٰذا "تیسری اذان" سے مراد یہی پہلی اذان ہے کہ حدیث میں اس کو "تیسری اذان" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگرچہ یہ اذان وقوع کے اعتبار سے اول ہے کہ سب سے پہلے کہی جاتی ہے مگر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چونکہ مقرر شدہ دو اذانوں (یعنی ایک تو وہ اذان جو خطبہ کے وقت کہی جاتی ہے اور دوسری تکبیر) کے بعد یہ اذان مقرر ہوئی ہے اس لئے اسے "تیسری اذان" کہا جاتا ہے۔

بہر حال وہ اذان جو نماز جمعہ کے لئے سب سے پہلی کہی جاتی ہے حضرت عثمانؓ نے مقرر کی ہے اور وہ بھی سُنّت ہے اسے بدعت نہیں کہا جائے گا کیونکہ حضرات خلفاء راشدینؓ کا فعل اور ان کا مقرر کردہ طریقہ بھی سُنّت ہی میں شمار ہوتا ہے۔

اب تو غالباً کسی بھی جگہ طریقہ رائج نہیں ہے مگر پہلے بعض مقامات پر یہ معمول تھا کہ سنتیں پڑھنے کے وقت مزید ایک اذان کہی جاتی تھی جو نہ تو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مقرر تھی اور نہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں مقرر ہوئی اور نہ اکثر مسلم ممالک و بلاد میں اس وقت اذان کہی جاتی تھی نہ معلوم کس شخص نے یہ بدعت جاری کی تھی۔

علماء نے لکھا ہے کہ جو نماز جمعہ کے لئے پہلی اذان ہو جانے کے بعد خرید و فروخت (یا کوئی بھی دنیاوی مشغولیت) حرام ہو جاتی ہے اور نماز جمعہ میں جلدی پہنچنے کے لئے اس کی تیاریوں اور اہتمام میں مشغول ہو جانا واجب ہو جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ دو خطبے پڑھتے تھے اور دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے

⑤ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلَاتُهُ قَصْدًا وَّ خُطْبَتُهُ قَصْدًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ دو خطبے پڑھا کرتے تھے اور دونوں (خطبوں) کے درمیان بیٹھتے تھے، ان خطبوں میں آپ قرآن کریم پڑھتے تھے اور لوگوں کو پند و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ نیز آپ ﷺ کی نماز بھی اوسط درجہ کی ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی اوسط درجہ کا ہوتا تھا نہ بہت زیادہ طویل ہوتا تھا اور نہ بالکل ہی مختصر۔" (مسلم)

تشریح: آپ دونوں خطبوں کے درمیان اس قدر بیٹھا کرتے تھے کہ جسم مبارک کا ہر ہر عضو اپنی اپنی جگہ پر آجاتا تھا۔ چنانچہ فقہاء نے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا صرف اتنا عرصہ مقرر کیا ہے کہ جس میں تین مرتبہ "سبحان اللہ" کہا جا سکے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا واجب نہیں ہے بلکہ سُنّت ہے۔ یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ صحیح طور پر یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھ کر کوئی دعا پڑھتے تھے۔

مختصر مگر پر تاثیر خطبہ خطیب کی دانائی کی علامت ہے

⑥ وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهٖ فَاَطِيْلُوْا الصَّلٰوةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ وَاِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "لمبی نماز پڑھنی اور مختصر خطبہ پڑھنا آدمی کی دانائی کی

علامت ہے۔ لہٰذا تم نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرو کیونکہ بعض بیان سحر (کی تاثیر لئے ہوئے ہوتا) ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: خطبہ کی حالت میں لوگوں کی توجہ مخلوق (یعنی خطبہ پڑھنے والے) کی طرف ہوتی ہے جب کہ نماز کی حالت میں توجہ کا مرکز خالق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی ذات ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث بالا بڑے ہی بلیغ انداز میں یہ بتانا چاہتی ہے کہ انسان کی سمجھ داری اور اس کی دانائی کا تقاضہ یہ ہونا چاہیے کہ اس حالت کو زیادہ دراز اور طویل کیا جائے جس میں بندہ کی توجہ اپنے خالق کی طرف ہو اور اس حالت کو مختصر کیا جائے جس میں توجہ مخلوق کی طرف منعطف ہو رہی ہو۔ لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہاں نماز طویل کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز سُنّت کے موافق ہو۔ یعنی نماز پڑھنے کے سلسلہ میں جو درجہ آنحضرت ﷺ سے منقول اور ثابت ہے نہ تو اس سے طویل ہو اور نہ اس سے مختصر ہی ہو۔ اس طرح اس حدیث میں اور اوپر والی حدیث میں مطابقت پیدا ہو جائے گی۔

وَاِنَّ مِنَ الْبیان سحرًا (کیونکہ بعض بیان سحر ہے) گویا یہ خطبہ کو مختصر کرنے کے سلسلہ میں دلیل بیان کی جا رہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ ایسا پڑھنا چاہیے جو "قَلَّ وَ دَلَّ" کا پورا پورا مصداق ہو۔ یعنی اس کے الفاظ مختصر ہوں مگر حقائق و معنی کے دریا اپنے اندر سموئے ہوئے ہو۔ کیونکہ جس طرح سحر کے مختصر ترین الفاظ میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے اسی طرح اس بیان اور اس تقریر میں بھی جو الفاظ کے معنی کے اعتبار سے جامع و مانع ہو، ایک عظیم تاثیر ہوتی ہے جس کی وجہ سے سامعین کے قلوب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف مائل و منتقل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کے ان الفاظ میں بیان و تقریر کی تعریف بھی ہے اور مذمت بھی بایں طور کہ اگر کوئی بیان سامعین کے قلوب و دماغ کو برائی کی طرف سے نیکی کی طرف مائل کر دے تو وہ اچھا ہے اور جو بیان سامعین کے ذہن و فکر کو نیکی کے راستہ سے ہٹا کر برائی کے راستہ پر موڑ دینے والا ہو وہ برا ہے۔

خطبہ ارشاد فرماتے وقت آنحضرت ﷺ کی کیفیت

(۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَ عَلَا صَوْتُهٗ وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ حَتّٰى كَاَنَّهٗ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَا تَيْنِ وَيَقْرُنُ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب (جمعہ کا یا کوئی اور) خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی اور غصہ تیز ہو جاتا تھا یہاں تک کہ (ایسا محسوس ہوتا) گویا آپ لوگوں کو (دشمن کے لشکر سے) ڈرا رہے ہوں اور فرما رہے ہوں کہ صبح و شام میں تم پر (دشمن کا لشکر) ڈاکہ ڈالنے والا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے اور قیامت کو اس طرح ساتھ ساتھ بھیجا گیا ہے" یہ کہہ کر آپ اپنی دو انگلیوں یعنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملاتے۔" (مسلمؒ)

تشریح: انوار جلال کبریائی کی تجلی اور اُمت مرحومہ کی تقصیرات کے مشاہدہ کی وجہ سے خطبہ کے وقت آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں اسی طرح اپنی اُمت کے غم و فکر کی وجہ سے یا یہ کہ سامعین کے کانوں تک اپنے الفاظ پہنچانے کے لئے آپ کی آواز بلند ہوتی تھیں تاکہ لوگوں کے قلوب متأثر ہوں۔ نیز اس وقت آپ کا غصہ اُمت کی اعتقادی و عملی بے راہ روی کے پیش نظر تیز ہو جاتا تھا۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ جس طرح اپنی قوم اور اپنے لشکر کی غفلت شعاریوں اور کوتاہیوں کو دیکھ کر اس کو دشمن کے خطرناک ارادوں اور منصوبوں سے ڈرانے والا اپنی آواز کو بلند کرتا ہے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور غصہ تیز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اپنی اُمت کی غفلت شعاریوں کے پیش نظر خطبہ کے وقت آنحضرت ﷺ کی یہ کیفیت و حالت ہوتی تھی۔

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ "جس طرح بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے تھوڑی سی بڑھی ہوئی ہے اسی طرح میں بھی قیامت سے بس تھوڑا ہی پہلے دنیا میں آیا ہوں۔ قیامت کے آنے کا وقت میری بعثت کے وقت سے متصل ہی ہے میرے بعد جلد ہی

قیامت آنے والی ہے۔

خطبہ میں آنحضرت قرآن کی آیتیں پڑھا کرتے تھے

⑧ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت یعلیٰؓ ابن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے سرتاج دوعالم ﷺ کو منبر پر یہ (آیت) پڑھتے ہوا سنا ہے یَامَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ اے سردار! تو اپنے پروردگار سے کہہ کہ وہ ہمارا کام تمام کرے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس آیت میں دوزخیوں اور دوزخ کے سردار کے سوال و جواب کا بیان ہے کہ دوزخی دوزخ کے عذاب کی شدت سے گھبرا کر سردار یعنی داروغہ دوزخ سے کہیں گے کہ اے سردار تم اپنے پروردگار سے عرض کرو کہ وہ ہمارا کام تمام کرے یعنی ہمیں موت دیدے تاکہ اس عذاب سے ہمیں چھٹکارا ہے" اس کے آگے داروغہ دوزخ کا جواب بھی مذکور ہے وہ کہے گا کہ إِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ یعنی موت اور اس عذاب سے چھٹکارا کی تمہاری تمام تمنائیں باطل اور بیکار ہیں تو تم ہمیشہ ہمیشہ اس آگ ہی میں جلتے اور اسی طرح عذاب میں مبتلا رہو گے"۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ لوگوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈرانے کے لئے یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

⑨ وَعَنْ أُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ قَالَتْ مَا أَخَذْتُ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُهَا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا خَطَبَ النَّاسَ۔ (رواہ مسلم)

"حارثہ ابن نعمان کی بیٹی حضرت ام ہشامؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سورہ "قٓ والقران المجید" سرتاج دوعالم ﷺ کی زبان مبارک سے صرف اس طرح سیکھی ہے کہ آپ ہر جمعہ منبر پر جب لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرماتے تو یہ سورۃ پڑھا کرتے تھے (اور میں سن سن کر یاد کر لیتی تھی)۔" (مسلمؒ)

تشریح: چونکہ خطبہ میں یکبارگی آنحضرت ﷺ سے پوری سورۃ کا پڑھنا ثابت نہیں ہے اس لئے اس حدیث کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر جمعہ کے روز خطبہ میں اس سورۃ کے تھوڑے تھوڑے حصے تلاوت فرماتے ہوں گے۔ اسی طرح ام ہشام نے آپ سے ہر جمعہ میں تھوڑا تھوڑا سن کر پوری سورت یاد کر لی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

عمامہ باندھ کر خطبہ پڑھنا

⑩ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ أَرْخَى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرو ابن حریثؓ کہتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے جمعہ کے روز اس حال میں خطبہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا جس کے دونوں کنارے آپ نے اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑ رکھے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: ایک ضعیف حدیث میں منقول ہے کہ عمامہ باندھ کر پڑھی گئی نماز ان ستر نمازوں سے بہتر ہے جو بغیر عمامہ پڑھی گئی ہوں" بہر حال علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث بالا سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے روز زیبائش اختیار کرنا، اچھے اور عمدہ لباس زیب تن کرنا، سیاہ عمامہ باندھنا اور عمامہ کے دونوں کناروں کو دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکانا سُنّت ہے" میرکؒ کا قول اس حدیث کے بارہ میں یہ ہے کہ جس خطبہ کے بارے میں یہاں بتایا جا رہا ہے یہ خطبہ آپ ﷺ نے مرض موت میں ارشاد فرمایا تھا۔ زیلعیؒ کا کہنا ہے کہ سیاہ کپڑے کا استعمال کرنا سُنّت ہے۔ صاحب مدخل نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا عمامہ سات ہاتھ کا تھا۔ سیوطی نے ایسے صحابہ اور تابعین کا ذکر کیا

ہے جو سیاہ عمامہ باندھتے تھے ان میں انس ابن مالکؓ، عمار ابن یاسرؓ، معاویہؓ، ابودرداؓ، براءؓ، عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، واثلہؓ، سعید ابن مسیبؒ، حسن بصریؒ، اور سعید ابن جبیرؒ وغیرہ شامل ہیں۔

نوویؒ نے لکھا ہے کہ عمامہ دونوں طریقوں سے باندھنا جائز ہے خواہ شملہ چھوڑا جائے یا نہ چھوڑا جائے۔ ان میں سے کوئی طریقہ مکروہ نہیں ہے۔

خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کا مسئلہ

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ إِذَا جَآءَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے روز (مسجد میں آئے) اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو دو رکعتیں پڑھ لے مگر دونوں رکعتیں ہلکی (یعنی مختصر) پڑھے۔" (مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ نے اس روایت کو "تحیۃ المسجد" پر محمول کیا ہے۔ ان کے نزدیک تحیۃ المسجد کی نماز واجب ہے اگرچہ امام خطبہ ہی کیوں نہ پڑھ رہا ہو۔ یہی مسلک امام احمدؒ کا بھی ہے۔ یہ دونوں حضرات اس حدیث کو اپنی دلیل بناتے ہیں کہ تحیۃ المسجد واجب ہے جب ہی تو آپ ﷺ نے خطبہ کے دوران بھی اس کے پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک تحیۃ المسجد جب کہ خطبہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں ہی واجب نہیں ہے تو خطبہ کے دوران بطریق اولیٰ واجب نہیں ہوگی چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ نیز جمہور صحابہؓ اور تابعینؒ ان کے ہم نوا ہیں۔

ان حضرات کی طرف سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہاں خطبہ سے مراد خطبہ کا ارادہ ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ دو رکعتیں اس وقت بھی پڑھی جا سکتی ہیں جب کہ امام خطبہ کے لئے اٹھ جائے اور خطبہ پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہو نہ یہ کہ بالفعل خطبہ پڑھ ہی رہا ہو۔ اس تاویل کی بنیاد وہ قرائن اور صحیح احادیث ہیں جن سے خطبہ کے وقت حرمت نماز ثابت ہو چکی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ "جب امام (خطبہ کے لئے) نکلے (یعنی خطبہ پڑھنے کے لئے منبر کی طرف چلے) تو اس وقت نہ بات چیت درست ہے اور نہ نماز ہی درست ہے" نہ صرف یہ ارشاد نبوی ہے۔ بلکہ علیؓ اور حضرت عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ بھی امام کے نکلنے کے بعد کلام اور نماز دونوں کو مکروہ جانتے تھے۔ لہٰذا قول صحابہؓ بھی حجت ہے اور ہمارے نزدیک اس کی تقلید واجب ہے اگر سنت سے منقول کوئی چیز اس کے معارض نہ ہو۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے جو یہ روایت متعدد طرق سے منقول ہے کہ "ایک شخص مسجد میں اس وقت داخل ہوا جب کہ آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اس شخص نے پوچھا کہ اے فلاں شخص! تم نے (تحیۃ المسجد کی) نماز پڑھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ "نہیں" آپ نے اس سے فرمایا کہ دو رکعت، نماز پڑھ لو اور مختصر پڑھو" تو اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا تھا جب کہ خطبہ کے وقت نماز کی ممانعت نہیں ہوئی تھی، یا یہ کہ یہ اجازت صرف اسی شخص کے لئے مخصوص تھی، بعض حضرات کی تحقیق تو یہ ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے پیش آیا تھا۔

حضرت شیخ ابن ہمامؒ نے اس سلسلہ میں جو بات فرمائی ہے وہ زیادہ مناسب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اور ان احادیث میں جن سے خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت ہوئی ہے کوئی معارضہ اور اختلاف ہی لازم نہیں آتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ شخص مسجد میں داخل ہوا اور آپ ﷺ نے اس سے نماز پڑھنے کے لئے فرمایا تو آپ نے خطبہ روک دیا ہوگا۔ جب وہ شخص نماز سے فارغ ہو گیا ہوگا تب آپ ﷺ نے خطبہ مکمل فرمایا"

حضرت ابن ہمامؒ کی یہ بات محض قیاسی اور تاویل کے درجہ تک محدود نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صورت حال یہی ہوئی تھی چنانچہ دار قطنیؒ کی روایت نے بالکل واضح الفاظ میں یہ صراحت کی ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھو، پھر جب تک وہ شخص نماز سے فارغ نہیں ہوا آپ خاموش رہے (نماز سے فراغت کے بعد آپ نے پھر خطبہ مکمل فرمایا)۔

جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی اس نے پوری نماز پالی

⑫ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلَاةَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس شخص نے نماز کی ایک رکعت امام کے ساتھ پائی اس نے نماز پالی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ حکم عام طور پر تمام نمازوں کے لئے ہے جمعہ ہی کے لئے مخصوص نہیں چنانچہ قسط نمبر ۴ میں کتاب الصلوۃ کے باب ماعلی الماموم میں تقریباً اسی مضمون کی یہ حدیث گذر چکی ہے کہ من ادرک رکعة فقد ادرک الصلوۃ اس کی وضاحت وہاں بھی کی جاچکی ہے۔ لیکن اس حدیث کو جو یہاں نقل کی جارہی ہے امام شافعیؒ نے جمعہ کی نماز کے ساتھ مخصوص و مقید کیا ہے اور اس کی بنیاد انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت پر رکھی ہے جو اسی باب کے آخر میں آرہی ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں لکھا ہے کہ "جس شخص کو جمعہ کی نماز میں امام کے ساتھ نماز کا جو حصہ بھی ملے اسے امام کے ساتھ ادا کرے اور اس حصہ پر جمعہ کی بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لے" اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ مَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا یعنی نماز کا جو حصہ امام کے ساتھ پاؤ اسے ادا کرو اور جو کچھ رہ جائے اسے پورا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز میں بالکل آخر میں اس حال میں شریک ہوا کہ امام التحیات میں تھا یا سجدہ سہو میں تھا تو اسے چاہیے کہ وہ اسی حالت میں جماعت میں شریک ہو جائے اور امام کے ساتھ اسے نماز جمعہ کا جو بھی حصہ ہاتھ لگا ہے اسی پر جمعہ کی بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام ابویوسف رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ جمعہ کی دوسری رکعت کا اکثر حصہ پائے تو اسے اس حصہ پر جمعہ کی بناء کرنی چاہئے۔ لیکن جس شخص کو دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہ ملے تو وہ اس پر جمعہ کی بناء نہ کرے بلکہ ظہر کی بناء کرے۔

دوسری رکعت کا اکثر حصہ پانے سے مراد دوسری رکعت کا رکوع پانا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص دوسری رکعت کے رکوع میں بھی شریک ہو گیا تو اسے اکثر حصہ مل گیا اور اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد وہ جماعت میں شریک ہوا تو اسے اکثر حصہ پانا نہیں کہیں گے۔

شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ نے اپنے مذکورہ بالا مسلک کی بنیاد جس حدیث پر رکھی ہے وہ حدیث بھی مطلق ہے جمعہ کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

آنحضرت ﷺ کے خطبہ پڑھنے کا طریقہ

⑬ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ خُطْبَتَیْنِ كَانَ یَجْلِسُ اِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰی یَفْرُغَ اَرَاهُ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ یَقُوْمُ فَیَخْطُبُ ثُمَّ یَجْلِسُ وَلَا یَتَكَلَّمُ ثُمَّ یَقُوْمُ یَخْطُبُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ دو خطبے اس طرح پڑھا کرتے تھے (کہ) جب آپ منبر پر چڑھتے تو (پہلے) بیٹھتے یہاں تک کہ فارغ ہوتا، راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ کہا تھا کہ "یہاں تک کہ موذن فارغ ہوتا" پھر آپ اٹھتے اور (پہلا) خطبہ ارشاد فرماتے، پھر تھوڑی سی دیر) بیٹھتے (لیکن اس بیٹھنے کے درمیان) کوئی کلام نہ کرتے، پھر کھڑے ہوتے اور (دوسرا) خطبہ ارشاد فرماتے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے الفاظ اذا صعد المنبر کے پیش نظر علماء نے کہا ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا مستحب ہے۔ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار کے بارہ میں علامہ ابن حجرؒ کا ارشاد ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ سورہ اخلاص پڑھنے کے بقدر بیٹھنا چاہئے "کوئی کلام نہ کرتے" کا مطلب یہ ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے عرصہ میں نہ تو آپ ﷺ دعا کرتے تھے اور نہ کچھ پڑھتے تھے۔

مسئلہ یہ ہے کہ دوسرے خطبہ میں نبی کریم ﷺ کے آل و اصحاب و ازواج مطہرات خصوصاً خلفاء راشدین اور حضرت حمزہؓ و عباسؓ کے لئے دعا کرنا مستحب ہے، بادشاہ وقت کے لئے بھی دعا کرنا جائز ہے۔ لیکن "شرح منیہ" میں لکھا ہے کہ بادشاہوں کی ایسی تعریف کرنا جو غلط ہو اور ان کے ایسے اوصاف بیان کرنا جن سے وہ متصف نہ ہوں اشد مکروہ (یعنی مکروہ تحریمی) ہے کیونکہ اس طرح عبادت کے ساتھ گناہ یعنی جھوٹ کو ملانا لازم آتا ہے۔ اس مسئلہ کی شدت اس سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ہمارے بعض ائمہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہمارے زمانہ کے بادشاہوں کو عادل کہنا حدود کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔

حدیث میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ "آنحضرت ﷺ دونوں خطبوں کے درمیان کلام نہ کرتے تھے" تو اس کے بارہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تو وہی تشریح کی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ لیکن ملا علی قاریؒ نے شرح طیبی سے نقل کیا ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان قرآن کی آیتیں پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ حضرت ابن حبان کی ایک روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتے تو کتاب اللہ کی آیتیں پڑھا کرتے تھے چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس عرصہ میں سورۂ اخلاص پڑھنا مستحب ہے۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے اس جملہ کی تشریح کے وقت حضرت شیخ عبدالحق کے سامنے یہ روایت نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

خطبہ کے وقت نمازی خطیب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں

(۱۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَوٰى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوْهِنَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ ابْنِ الْفَضْلِ وَهُوَ ضَعِيْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب (خطبہ کے وقت) منبر پر تشریف فرما ہوتے تو ہم اپنے منہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ کر لیتے" امام ترمذیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کو ہم بجز محمد ابن فضل کی سند کے اور کسی سند سے نہیں جانتے اور وہ ضعیف ہیں انہیں حدیث یاد نہیں رہتی تھی۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ خطبہ کے وقت خطبہ سننے کے لئے اپنے منہ خطیب کی طرف کر کے بیٹھیں۔ اسی طرح خطیب بھی لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ پڑھے۔

حنفیہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ جب خطیب خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھے تو لوگوں کو سلام نہ کرے مگر حضرت امام شافعیؒ و امام احمدؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے

⑮ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّاكَ اَنَّهٗ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ فَقَدْ وَاللّٰهِ صَلَّيْتُ مَعَهٗ اَكْثَرَ مِنْ اَلْفَيْ صَلَاةٍ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت جابرؓ ابن سمرہ کہتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ کھڑے ہو کر (پہلا) خطبہ ارشاد فرماتے پھر بیٹھتے، پھر (دوسرا) خطبہ (بھی) کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے لہٰذا تم سے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو بلاشبہ وہ شخص جھوٹا ہے خدا کی قسم! میں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: "دو ہزار سے زائد نمازوں" سے صرف جمعہ کی نمازیں مراد نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جمعہ اور جمعہ کے علاوہ دوسری دو ہزار سے زائد نمازیں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پڑھی ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے سب سے پہلا جمعہ مدینہ میں آکر پڑھا ہے اور مدینہ میں آپ کی کل مدت اقامت دس سال تھی لہٰذا اس طرح آپ ﷺ کی حیات میں تمام جمعوں کی تعداد پانچ سو سے زائد نہیں ہوتی بہرحال حضرت جابرؓ کا مقصد آنحضرت ﷺ کے ساتھ معیت و رفاقت کی کثرت بیان کرنا ہے۔

شرح منیہ میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ جو شہر جنگ و جدل سے اور بذریعہ تلوار فتح ہوا ہو جیسا کہ مکہ فتح ہوا تھا تو وہاں خطیب تلوار کے ساتھ خطبہ پڑھے اور جس شہر کے باشندے بخوشی حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں جیسے مدینہ تو وہاں بغیر تلوار کے خطبہ پڑھنا چاہیے۔ ینابیع میں لکھا ہے کہ دوسرا خطبہ پہلے خطبہ کی بہ نسبت کم آواز سے پڑھنا چاہیے۔

⑯ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ انْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عجرہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ (ایک مرتبہ جمعہ کے روز) مسجد میں (اس وقت) داخل ہوئے جب کہ عبدالرحمٰن ابن ام الحکم (جو بنی امیہ میں سے تھا بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا تھا، کعب ابن عجرہ نے کہا کہ (ذرا) اس خبیث کی طرف دیکھو بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا یعنی جب لوگوں سوداگری یا کھیل دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور آپ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: سرکار دو عالم ﷺ کے مقدس زمانہ میں ایک مرتبہ مدینہ میں سخت قحط پڑا، اہل مدینہ سخت پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہوئے، انہیں دنوں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کے روز منبر پر کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ناگہاں ایک قافلہ تجارت شام سے مدینہ میں داخل ہوا۔ صحابہ کرام جو فاقہ کشی اور بھوک سے بے حد بے حال و لاغر ہو رہے تھے خطبہ نبی کے دوران ہی اس قافلہ کو دیکھنے کے لئے اضطرارًا مسجد سے باہر چلے گئے کچھ صحابہ جن کی تعداد بارہ تھی بدستور مسجد میں بیٹھے خطبہ سنتے رہے جب ہی آیت بالا نازل ہوئی حضرت کعبؓ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اللہ جل شانہ، کے اس قول سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے اور صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ اس کے باوجود جو یہ شخص بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے تو اس کے خبث باطن میں کیا شک ہے۔

بہرحال آیت بالا کے الفاظ "آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں" سے یہ بات واضح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا خطبہ کی شرط ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک سُنّت ہے۔

جمعہ اور خطبہ کے اوقات: جمعہ کی صحیح ادائیگی کے شرائط میں سے ایک شرط وقت ہے چنانچہ جمعہ کی نماز وقت کے بعد بخلاف دوسری

نمازوں کے صحیح نہیں ہوتی۔ جمعہ کا وقت وقت ظہر ہے چنانچہ جمعہ کی نماز وقت سے پہلے جائز نہیں ہے مگر حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کے نزدیک درست ہے۔ اسی طرح عصر کا وقت شروع ہو جانے کے بعد بھی نماز جمعہ جائز نہیں ہے مگر حضرت امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے۔

حدیث بالا اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ حرام یا مکروہ چیزوں کے ارتکاب کرنے والے پر سختی کرنا یا اس کے ساتھ غصہ کا معاملہ کرنا جائز ہے اس لئے کہ اس چیز کے خلاف عمل کرنا جس کی مداومت آنحضرت ﷺ سے ثابت ہو چکی ہے خبث باطن کی نشانی ہے۔

خطبہ کے وقت ہاتھوں کو بلند نہ کرنا چاہئے

(۱۷) وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ اَنَّهٗ رَاٰی بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَی الْمِنْبَرِ رَافِعًا یَدَیْہِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰہُ ھَاتَیْنِ الْیَدَیْنِ لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَزِیْدُ عَلٰی اَنْ یَّقُوْلَ بِیَدِہٖ ھٰکَذَا وَاَشَارَ بِاَصْبَعِہِ الْمُسَبِّحَۃِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمارہ ابن رویبہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) بشر ابن مروان کو منبر پر (خطبہ کے وقت) اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے دیکھا (جیسا کہ آجکل مقررین و واعظین دوران تقریر جوش خطابت میں اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہیں) تو فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کا ستیاناس کرے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے اس سے زیادہ اشارہ نہیں کرتے تھے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت عمارہ نے جب بشر کو دیکھا کہ وہ طریقہ سُنّت کے خلاف اپنے ہاتھوں کو زیادہ بلند کر رہا ہے تو انہیں بہت زیادہ ناگواری ہوئی جس کا انہوں نے ان الفاظ میں اظہار فرمایا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے بتایا کہ آنحضرت ﷺ صرف اس قدر اشارہ کرتے تھے اور وہ بھی اس لئے کرتے تھے تاکہ لوگ پوری دل جمعی کے ساتھ مخاطب ہوں اور خطبہ سننے کی طرف راغب ہوں۔ نیز خطبہ کے فرمودات پر عمل پیرا ہونے کا ولولہ اور جذبہ پیدا ہو۔

آنحضرت ﷺ کا خطبہ کے وقت منبر پر کھڑے ہو کر ابن مسعودؓ کو مسجد میں بلانا

(۱۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ عَلَی الْمِنْبَرِ قَالَ اجْلِسُوْا فَسَمِعَ ذٰلِکَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَجَلَسَ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَاٰہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَ یَا عَبْدَاللّٰہِ بْنَ مَسْعُوْدٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ (ایک مرتبہ) جمعہ کے روز (خطبہ کے لئے) منبر پر کھڑے ہوئے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ (خطبہ سننے کے لئے بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے جب یہ ارشاد سنا تو وہ مسجد کے دروازہ ہی پر بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ عبداللہ ابن مسعود یہاں آجاؤ۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ منبر پر خطبہ کے لئے کھڑے ہونے کی صورت میں کلام کرنا جائز ہے مگر حنفیہ کے نزدیک خطیب کے لئے خطبہ کی حالت میں کلام کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ کلام امر بالمعروف کے طور پر نہ ہو (مگر خطیب کو چاہئے کہ امر بالمعروف کے سلسلہ میں اگر کسی سے کچھ کہے تو عربی زبان میں کہے اگر کسی اور زبان میں کہے گا تو مکروہ ہوگا)

حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب خطبہ کے لئے منبر پر کھڑے ہوتے تو آپ ﷺ نے حاضرین میں سے کسی کو اس وقت نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتے دیکھ لیا چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو بیٹھنے کا حکم فرمایا کیونکہ خطبہ کے لئے منبر پر خطیب کے بیٹھنے کے وقت، نماز پڑھنی حرام ہے جیسا کہ تمام علما کا متفقہ مسلک ہے۔

جمعہ کی نماز نہ ملنے کی صورت میں ظہر کی نماز پڑھ لینے کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْیُصَلِّ اِلَیْهَا اُخْرٰی وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْیُصَلِّ اَرْبَعًا اَوْقَالَ الظُّهْرَ۔ (رواہ الدار قطنی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو جمعہ کی ایک رکعت (امام کے ساتھ مل جائے تو وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملائے (یعنی دوسری رکعت تنہا کھڑا ہو کر پوری کرے) اور جس شخص کو دونوں رکعتیں نہ ملیں تو اسے چاہئے کہ وہ چار رکعت پڑھے یا فرمایا کہ ظہر پڑھے۔" (دار قطنیؒ)

تشریح: اگرچہ نوویؒ نے وضاحت کی ہے کہ یہ حدیث ضعف سے خالی نہیں ہے تاہم اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم بھی کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص کو جمعہ کی دونوں رکعتوں سے مطلقاً کچھ بھی ہاتھ نہ لگے تو وہ ظہر کی چار رکعت پڑھ لے۔ اس مسئلہ کی وضاحت حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کی تشریح کے ضمن میں جو اس باب کے پہلی فصل کے آخر میں گذری ہے بیان کی جا چکی ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

نماز خوف کا بیان

کفار کے خوف اور دشمن کے مقابل ہونے کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے نماز خوف کہتے۔ خوف کی نماز کتاب و سُنّت سے ثابت ہے۔ نیز اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد یہ نماز باقی اور ثابت ہے اگرچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ نماز خوف صرف آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک ہی کے ساتھ مخصوص تھی۔ نیز بعض حضرات مثلاً حضرت امام مالکؒ کے نزدیک یہ نماز حالت سفر کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ نماز سفر و حضر دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

بحسب اختلاف زمانہ و مقام یہ نماز متعدد طریقوں پر روایت کی گئی ہے چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ سولہ طریقوں سے منقول ہے۔ بعض حضرات نے اس سے زائد اور بعض نے اس سے کم کہا ہے لیکن علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث میں جتنے بھی طریقے منقول ہیں تمام کے تمام معتبر ہیں علماء کے یہاں اختلاف صرف ترجیح اور فوقیت کے بارہ میں ہے کہ کسی نے کسی طریقے کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل کیا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے۔

علامہ شمنیؒ نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز خوف چار جگہ پڑھی ہے۔ ذات الرقاع، بطن نخل، عسفان اور ذی قرد۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ نماز خوف تھی تو حالت سفر میں مگر فقہاء نے اس پر قیاس کرتے ہوئے اس نماز کو حضر میں بھی جائز رکھا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

دشمن کے مدمقابل ہونے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کی نماز اور جماعت

(۱) عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَیْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَّعَهٗ وَاَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَی الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَّعَهٗ وَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِیْ لَمْ تُصَلِّ فَجَاءُوْا فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَّاحِدٍ مِّنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهٖ رَكْعَةً

وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَرَوٰى نَافِعٌ نَحْوَهٗ وَزَادَ فَاِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ اَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ صَلُّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلٰى اَقْدَامِهِمْ اَوْرُكْبَانًا مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ اَوْغَيْرِ مُسْتَقْبِلِيْهَا قَالَ نَافِعٌ لَا اَرٰى ابْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذٰلِكَ اِلَّا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رواہ البخاری)

"حضرت سالم ابن عبداللہ ابن عمرؓ اپنے والد (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (ایک مرتبہ) سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ نجد کی طرف جہاد کے لئے گئے (جب) ہم دشمنوں کے سامنے ہوئے تو ہم نے ان (سے مقابل) ہونے کے لئے صفیں باندھ لیں، آنحضرت ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک جماعت آپ کے ساتھ (نماز کے لئے) کھڑی ہوئی اور دوسری جماعت دشمن کے مدمقابل کھڑی رہی، آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ جو آپ ﷺ کے ہمراہ (نماز کی جماعت میں) شریک تھے ایک رکوع کیا اور دو سجدے کئے پھر وہ لوگ (جو آپ ﷺ کے ہمراہ نماز میں تھے) ان لوگوں کی جگہ چلے گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی (اور دشمن کے مدمقابل کھڑے تھے) جن لوگوں نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آئے (اور آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز میں شریک ہوگئے) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے ہمراہ ایک رکوع اور دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔ اور یہ لوگ کھڑے ہوگئے اور ہر ایک نے اپنا اپنا ایک ایک رکوع اور دو دو سجدے کرلئے"۔ نافعؒ نے بھی اسی طرح روایت بیان کی ہے۔ مگر انہوں نے اتنا اور زیادہ بیان کیا ہے کہ "اگر (عین جنگ کی حالت ہو اور) خوف اس سے بھی زیادہ ہو (کہ مذکورہ بالا طریقہ سے نماز پڑھنا ممکن نہ ہو) تو لوگ پیادہ کھڑے کھڑے یا (پیادہ نہ ہوسکیں تو) سواری پر (اگر ممکن ہو تو) قبلہ کی طرف (اور اگر ممکن نہ ہو تو) کسی بھی طرح رخ کرکے نماز پڑھ لیں" حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ الفاظ آنحضرت ﷺ سے ہی نقل کئے ہوں گے۔" (بخاری)

تشریح: "نجد" بلند زمین کو کہتے ہیں یہاں نجد سے مراد نجد حجاز ہے۔ نجد یمن مراد نہیں ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تعدد جماعت یعنی کئی کئی مرتبہ جماعت کرنا مکروہ ہے خصوصاً جب کہ تمام نمازی حاضر ہوں۔ ایسے ہی یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ فرض نماز نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں ہوتی ورنہ تو آنحضرت ﷺ دونوں جماعتوں کو الگ الگ دو دو مرتبہ نماز پڑھاتے نیز جماعت کے واجب ہونے کی بھی یہ حدیث دلیل ہے کہ ایسی حالت میں بھی جب کہ دشمن کا لشکر مدمقابل ہو جماعت نہ چھوڑی جائے۔

حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا طریقہ سے نماز خوف کی ادائیگی اس وقت ضروری ہوتی ہے جب کہ سب لوگ ایک ہی شخص کو امام بنانے پر مصر ہوں۔ اگر ایسی صورت حال نہ ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ ایک امام ایک جماعت کو پوری نماز پڑھائے اور دوسرا امام دوسری جماعت کو پوری نماز پڑھائے۔

حدیث کے الفاظ فقام کل واحد منھم (اور یہ لوگ کھڑے ہوگئے الخ) کی تفصیل و تشریح علماء حنفیہ میں سے بعض شارحین نے یہ بیان کی ہے کہ یہ جماعت جو بعد میں آکر نماز میں شریک ہوئی تھی آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد دشمن کی مقابلہ پر چلی گئی اور پہلی جماعت جو پہلی رکعت میں شریک ہوئی تھی وہاں سے اپنی جگہ یعنی نماز پڑھنے آگئی اور تنہا تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کی اور سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی اس کے بعد پھر دوسری جماعت یہاں آگئی اور اس نے بھی تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کی اور سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء سے یہی تفصیل اور طریقہ منقول ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اگرچہ یہ تفصیل حدیث میں وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کی گئی ہے اور نہ صراحت کے ساتھ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کا ایک جز ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ پہلی جماعت ایک رکعت پڑھ کر چلی جائے اور دوسری جماعت دوسری رکعت میں آکر امام کے ساتھ شریک ہو اور اس دوسری جماعت کی موجودگی میں امام اپنی نماز پوری کر

کے سلام پھیر دے۔ البتہ حضرت امام اعظمؒ کا پورا مسلک اور ان کا نقل کردہ پورا طریقہ ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے جو حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک اور ان کی روایت حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب الآثار میں نقل کی ہے۔

اس سلسلہ میں اتنی بات سمجھ لینا چاہئے کہ نماز خوف کے بارہ میں حضرت امام اعظمؒ کا جو مسلک ہے اور انہوں نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ حدیث موقوف سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں عقل کو کوئی دخل نہیں لہٰذا حدیث موقوف بھی حدیث مرفوع کے درجہ میں ہوگی۔

اور پھر یہ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ بھی ہے کہ صورت مذکورہ میں پہلی جماعت اپنی نماز بغیر قرات کے لاحق کی طرح پوری کرے اور دوسری جماعت قرات کے ساتھ پوری کرے جیسا کہ مسبوق اپنی نماز قرات کے ساتھ پوری کرتے ہیں لیکن یہ صورت اس وقت کی ہے جب کہ نماز حالت سفر میں پڑھی جا رہی ہو اور امام مسافر ہو یا نماز دو رکعت والی نماز ہو اور اگر امام مقیم ہو اور نماز چار رکعت والی ہو تو دونوں جماعتوں سے ہر ایک جماعت امام کے ساتھ دو دو رکعت پڑھے گی۔ لیکن نماز اگر تین رکعت والی ہو جیسے مغرب کی تو خواہ سفر ہو یا حضر دونوں صورتوں میں پہلی جماعت امام کے ساتھ دو رکعت پڑھے گی اور دوسری جماعت ایک رکعت اور ہر جماعت اپنی اپنی نماز مذکورہ بالا طریقہ سے پوری کرے گی۔

حدیث کے آخری الفاظ قیاما علی اقدامھم سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نمازی رکوع اور سجدہ ترک کر دیں۔ یعنی مذکورہ بالا صورت میں جب کہ لوگ پیادہ کھڑے کھڑے یا سواری پر نماز پڑھیں تو رکوع اور سجدہ سر کے اشارہ سے کر لیں نماز خوف کے سلسلہ میں مذکورہ بالا طریقہ اگرچہ خلاف قیاس ہے کیونکہ خود حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چلنا، سوار ہونا اور لڑنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ پھر یہ کہ اس صورت میں نہ صرف کہ عمل کثیر بہت ہوتا ہے بلکہ قبلہ سے بھی انحراف ہوتا ہے لیکن چونکہ قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی احادیث صحیحہ میں نماز خوف اور اس کا طریقہ وارد ہو گیا ہے۔ اس لئے اسے مشروع رکھا گیا ہے۔

نماز خوف کا ایک اور طریقہ

(۲) وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ صَلَّى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ اَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهٗ وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ فَصَلّٰى بِالَّتِيْ مَعَهٗ رَكْعَةً ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَ اَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَصَفُّوْا وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِيْ بَقِيَتْ مِنْ صَلَاتِهٖ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَ اَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ بِطَرِيْقٍ اٰخَرَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ صَالِحِ ابْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

"اور حضرت یزید ابن رومان حضرت صالح ابن خوات سے اور وہ اس شخص سے جس نے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ ذات الرقاع کے دن نماز خوف پڑھی تھی (نماز خوف کا یہ طریقہ) نقل کرتے ہیں کہ (اس دن) ایک جماعت نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ (نماز کے لئے) صف بندی کی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل صف آرا ہو گئی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس جماعت کے ہمراہ جو آپ ﷺ کے ساتھ تھی ایک رکعت نماز پڑھ کر آنحضرت ﷺ کھڑے رہے اور اس جماعت نے خود اپنی نماز پوری کی (یعنی دوسری رکعت جماعت نے خود تنہا پڑھی) پھر اس کے بعد یہ جماعت (نماز سے فارغ ہو کر) واپس ہوئی اور دشمن کے مقابل صف آرا ہو گئی اور وہ جماعت جو دشمن کے مقابل صف آرا تھی (نماز کے لئے) آئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وہ دوسری رکعت جو باقی رہ گئی تھی اس جماعت کے ساتھ پڑھی اور (التحیات میں) بیٹھے رہے اور پھر اس جماعت نے اپنی وہ پہلی رکعت جو باقی تھی تنہا ادا کی اور التحیات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ شریک ہو گئی پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ) بخاریؒ نے اس روایت کو ایک اور سند کے ساتھ نقل کیا ہے یعنی،

طرح کہ "قاسم صالح ابن خوات" سے اور وہ حضرت سہل ابن ابی حثمہ سے اور وہ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: "ذات الرقاع" کے دن جس شخص نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی تھی ان کا نام سہل ابن ابی حثمہ ہے کیونکہ محمد ابن قاسم نے صلوٰۃ الخوف کی حدیث صالح ابن خوات سے اور انہوں نے حضرت سہل ابن ابی حثمہ سے نقل کی ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں بیان کیا گیا ہے۔

"ذات الرقاع" ایک غزوہ کا نام ہے جو ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کفار کے مقابلہ کے لئے گئے مگر بغیر جنگ کئے ہوئے واپسی ہوئی۔ اسی موقع پر یہ نماز پڑھی گئی تھی۔

اس غزوہ کو "ذات الرقاع" اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس وقت جو مسلمان غزوہ میں شریک ہونے کے لئے میدان جہاد کی طرف گئے تھے وہ ننگے پاؤں تھے جس کی وجہ سے ان کے پاؤں میں سوراخ ہو گئے تھے اور ناخن ٹوٹ گئے تھے چنانچہ ان مجاہدین نے اپنے پیروں پر رقاع یعنی چیتھڑے لپیٹ لئے تھے اسی مناسبت سے یہ غزوہ "ذات الرقاع" (یعنی چیتھڑوں والا) کے نام سے مشہور ہوا۔

اس حدیث میں نماز خوف کا جو طریقہ نقل کیا گیا ہے یہ ایک اور طریقہ ہے اس میں بھی ہر جماعت نے ایک ایک رکعت آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پڑھی اور ایک ایک رکعت تنہا پوری کی۔ لیکن یہاں فرق یہ ہے کہ ہر ایک جماعت نے جو ایک ایک رکعت تنہا پڑھی وہ آنحضرت ﷺ کے نماز میں رہنے کے دوران ہی پڑھی جب کہ پہلے طریقہ میں ہر ایک جماعت نے اپنی اپنی ایک رکعت نماز آنحضرت ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی تھی۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ نے اسی طریقہ پر عمل کیا ہے جو اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا حلم

(۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا عَلٰى شَجَرَةٍ ظَلِيْلَةٍ تَرَكْنَاهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَلَّقٌ بِشَجَرَةٍ فَاَخَذَ سَيْفَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرَطَهٗ فَقَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَخَافُنِيْ قَالَ لَا قَالَ فَمَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اللّٰهُ يَمْنَعُنِيْ مِنْكَ قَالَ فَتَهَدَّدَهٗ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَمَدَ السَّيْفَ وَعَلَّقَهٗ قَالَ فَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَاَخَّرُوْا وَصَلّٰى بِالطَّائِفَةِ الْاُخْرٰى رَكْعَتَيْنِ قَالَ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعُ رَكَعَاتٍ وَلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ (جہاد کے لئے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ہم ذات الرقاع پہنچے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ہمارا قاعدہ یہ تھا کہ) جب ہمیں کوئی سایہ دار درخت ملتا تو ہم اسے آنحضرت ﷺ کے واسطے چھوڑ دیتے تھے۔ (تاکہ آپ ﷺ اس سایہ میں استراحت فرمائیں چنانچہ ذات الرقاع میں ایسا ہی ہوا کہ آنحضرت ﷺ ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے کہ) ایک مشرک آیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کی تلوار جو درخت سے لٹکی ہوئی تھی اتار کر نیام سے کھینچ لی (آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر نہیں ہوئی کیونکہ یا تو آپ سو رہے تھے یا اس کی طرف سے غافل تھے) اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ "کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو؟" آنحضرت نے فرمایا کہ "نہیں" (میں تجھ سے کیوں ڈرنے لگا کیونکہ میرے رب کے سوا دوسرا کوئی نہ مجھے نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان) اس نے کہا کہ "پھر تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے تجھ سے اللہ بچائے گا" جابرؓ کہتے ہیں کہ صحابہ نے (جب یہ دیکھا تو) اس کو دھمکایا، اس نے تلوار نیام میں رکھ کر اسے درخت سے لٹکا دیا" حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ پھر (ظہر یا عصر کی) نماز کے لئے اذان (اور تکبیر) کہی گئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے (پہلے) ایک جماعت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور وہ جماعت (دو رکعت نماز پڑھ

کر دشمن کے مقابلہ کے ارادہ سے) پیچھے ہٹ گئی، پھر آپ نے دوسری جماعت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں" جابرؓ کہتے ہیں کہ (اس طرح) آنحضرت ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور لوگوں کی دو دو رکعتیں ہوئیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نہ صرف یہ کہ نہایت شجاع تھے بلکہ کفار کی جانب سے پہنچائی جانے والی ایذا پر صبر کرتے تھے اور جاہل کفار اگر آپ کے ساتھ بے تمیزی کا کوئی معاملہ کرتے تھے تو آپ اسے انتہائی حلم کے ساتھ برداشت فرماتے تھے۔

واقدیؒ نے ذکر کیا ہے کہ جب اس مشرک نے غلط ارادہ کے ساتھ تلوار نکالی تو اس کی پیٹھ میں شدید درد شروع ہو گیا جس سے وہ بوکھلا گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔ وہ یہ حالت دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور اس کی وجہ سے بہت زیادہ مخلوق نے ہدایت پائی۔ لیکن ابوعوانہؒ نے نقل کیا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا مگر اس نے یہ عہد کیا کہ کبھی بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں لڑوں گا۔

بہر حال آنحضرت ﷺ نے اس کی اس بد تمیزی پر اسے کوئی سزا نہیں دی۔ اس کی وجہ یا تو اس کی تالیف قلب تھی یا کوئی اور وجہ رہی ہوگی کہ آپ ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔

اس روایت کے بارہ میں مولانا مظہرؒ کا قول یہ ہے کہ اس سے پہلے نقل کی گئی روایت اور اس روایت میں اختلاف ہے باوجودیکہ دونوں روایتوں کا تعلق ایک ہی جگہ یعنی غزوہ ذات الرقاع سے ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دونوں روایتیں ایک ہی جگہ سے متعلق ہیں مگر اوقات میں فرق و اختلاف ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں روایتوں کا محمول یہ ہوگا کہ غزوۂ ذات الرقاع میں اس جگہ آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ نماز پڑھی ہے۔ ایک مرتبہ تو اس طریقہ کے مطابق جو سہلؓ ابن ابی حثمہ نے بیان کیا ہے اور ایک مرتبہ اس طریقہ کے مطابق جو حضرت جابرؓ بیان کر رہے ہیں۔ لہٰذا حضرت سہلؓ کی روایت صبح کی نماز پر محمول کی جائے گی اور حضرت جابرؓ کی اس روایت کا محمول ظہر یا عصر کی نماز ہوگی۔ یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں روایتیں تعدد غزوات پر محمول کی جائیں گی۔

جیسا کہ حضرت جابرؓ کے ارشاد سے ثابت ہو رہا ہے اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے چار رکعتیں پڑھیں اور دوسرے لوگوں کی دو ہی رکعتیں ہوئیں، تو علماء نے اس کی کئی توجیہیں بیان کی ہیں ان میں سب سے صحیح اور بہتر توجیہ یہ ہے کہ یا تو یہ واقعہ آیت قصر کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے یا پھر یہ کہ جس جگہ یہ نماز پڑھی گئی تھی وہاں قصر واجب نہیں ہوتا تھا چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور علماء نے حدیث کے الفاظ للقوم رکعتان کی مراد یہ بیان کی ہے کہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھیں اور باقی دو دو رکعتیں تنہا تنہا پوری کیں۔ واللہ اعلم

نماز خوف کا ایک طریقہ

④ وَعَنْهُ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْخَوْفِ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ صَفَّيْنِ وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَبَّرْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُوْدَ وَقَامَ الصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ ثُمَّ قَامُوْا ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ وَتَأَخَّرَ الْمُقَدَّمُ ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ الَّذِيْ كَانَ مُؤَخَّرًا فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُوْدَ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدُوْا ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمْنَا جَمِيْعًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے ہمیں (ایک مرتبہ) نماز خوف پڑھائی، چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے دو صفیں باندھ لیں اور دشمن ہمارے اور ہمارے قبلہ کے درمیان تھا آپ نے تکبیر کہی ہم سب نے بھی (یعنی دونوں صفوں نے) تکبیر کہی، جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے (دونوں صفوں نے) بھی (اپنے سر رکوع سے) اٹھائے، پھر سجدہ کے لئے اس صف کے ساتھ جھکے جو آپ ﷺ کے قریب تھی (یعنی پہلی صف) اور دوسری صف دشمن کے مقابلہ (قومہ ہی میں) کھڑی رہی پھر جب آپ ﷺ سجدہ کر چکے اور آپ ﷺ کے ساتھ وہ صف کھڑی ہوگئی (جو آپ ﷺ کے قریب تھی یعنی پہلی صف) تو پچھلی صف والے سجدہ میں چلے گئے۔ پھر یہ کھڑے ہوگئے۔ اس کے بعد اگلی صف پیچھے ہٹ آئی اور (پچھلی صف آگے بڑھ گئی پھر آنحضرت ﷺ نے قیام میں قرات کی اور) رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی رکوع سے سر اٹھایا۔ پھر آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے اور صف جو آپ ﷺ کے قریب تھی اور پہلی رکعت میں پیچھے تھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ میں چلی گئی اور پچھلی صف (جو پہلی رکعت میں آگے تھے) دشمن کے مقابلہ میں کھڑی رہی۔ پھر جب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے قریب کی صف کے سب لوگ سجدہ سے فارغ ہوگئے تو پچھلی صف نے سجدہ کیا۔ پھر اس کے بعد آپ نے اور ہم سب نے (یعنی دونوں صفوں نے التحیات پڑھ کر) سلام پھیرا۔" (مسلمؒ)

تشریح: نماز خوف کا یہ ایک اور طریقہ ہے آنحضرت ﷺ جیسا وقت اور جیسا موقع دیکھتے اسی کے مطابق نماز خوف پڑھتے تھے۔ چنانچہ یہاں چونکہ دشمن سامنے ہی قبلہ کی طرف تھا اس لئے اسلامی لشکر ایک ہی جگہ اس طرح نماز پڑھتا رہا کہ دشمن کا لشکر مدمقابل رہا چنانچہ کسی جماعت کو کسی اور طرف بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، پورا لشکر رکوع تک تو متفق رہا اس کے بعد صرف اتنا فرق ہوا کہ جب ایک صف سجدہ میں گئی تو دوسری صف کھڑی رہی اور جب دوسری صف سجدہ میں گئی تو پہلی صف کھڑی رہی۔ جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ یہ نماز آنحضرت ﷺ نے عسفان میں ادا فرمائی تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

نماز خوف کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ایک ہی طریقہ

⑤ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الظُّهْرِ فِی الْخَوْفِ بِبَطْنِ نَخْلٍ فَصَلّٰی بِطَآئِفَةٍ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ جَآءَ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی فَصَلّٰی بِهِمْ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے مقام "بطن نخل" میں خوف کے وقت ظہر کی نماز پڑھی چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو اس طرح نماز پڑھائی کہ ایک جماعت کو دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ پھر جب دوسری جماعت آئی تو اسے بھی دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا۔" (شرح السنۃ)

تشریح: "بطن نخل" مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قصر کی نماز پڑھی۔ یعنی آپ ﷺ نے چار رکعت کے بجائے دو رکعت نماز ادا فرمائی اس کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھی۔ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والا اقتدا کر سکتا ہے۔

حنفی مسلک کے مطابق اس حدیث کی تشریح بظاہر ایک سخت مسئلہ ہے کیونکہ اگر اسے سفر پر حمل کیا جائے تو نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والے کی اقتدا لازم آتی ہے اور حنفیہ کے یہاں یہ درست نہیں ہے لہٰذا یہ سفر کی نماز تو قرار نہیں دی جا سکتی۔ اب اگر اس حدیث کا محمول حضر کی نماز قرار دی جائے تو پھر ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا لازم آتا ہے جو نماز کے منافی ہے لہٰذا اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ یہ کہا جائے کہ نماز تو حالت حضر ہی میں پڑھی گئی تھی البتہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا یہ صرف آپ ﷺ کی خصوصیات میں

سے تھا جو دوسروں کے لئے جائز نہیں ہے چنانچہ لوگوں نے اپنی بقیہ دو دو رکعتیں آپ کے سلام پھیرنے کے بعد بطور خود پوری کیں اس طرح ان کی بھی چار رکعتیں ہو گئیں۔

اس سلسلہ میں حضرت امام طحاویؒ نے جو تحقیق پیش کی ہے وہ بہت مناسب معلوم ہوتی ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ ایک فرض نماز دو مرتبہ پڑھی جاسکتی تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

نماز خوف کا ایک اور طریقہ

⑥ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ بَیْنَ ضَجْنَانَ وَعُسْفَانَ فَقَالَ الْمُشْرِکُوْنَ لِهٰؤُلَآءِ صَلَاةٌ هِیَ اَحَبُّ اِلَیْهِمْ مِنْ اٰبَآءِ هِمْ وَهِیَ الْعَصْرُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَکُمْ فَتَمِیْلُوْا عَلَیْهِمْ مَیْلَةً وَاحِدَةً وَاِنَّ جِبْرِیْلَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهٗ اَنْ یُقَسِّمَ اَصْحَابَهٗ شَطْرَیْنِ فَیُصَلِّی بِهِمْ وَتَقُوْمُ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی وَرَآءَ هُمْ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ فَتَکُوْنُ لَهُمْ رَکْعَةٌ وَلِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَکْعَتَانِ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ (جہاد کے لئے) ضجنان اور عسفان کے درمیان اترے تو مشرک (آپس میں) کہنے لگے کہ مسلمانوں کی ایک نماز ہے جو ان کے نزدیک ان کے باپ اور بیٹے سے بھی زیادہ محبوب ہے اور وہ نماز عصر ہے چنانچہ تم اپنے مقصد (یعنی جنگ) کے لئے تیار ہو جاؤ اور جب مسلمان اس نماز میں مصروف ہوں تو) ان پر یکبارگی حملہ کر دو۔ جب ہی آپ ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ "آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ ایک حصہ کو تو نماز پڑھائیں اور دوسرا حصہ ان کے پیچھے دشمن کے خطرناک ارادوں کا جواب دینے کے لئے) کھڑا رہے (اسی طرح دوسرے حصہ کو نماز پڑھائیں تو پہلا حصہ دشمن کے مدمقابل رہے نیز تمام نمازیوں کو) چاہئے کہ اپنے دفاع کا سامان یعنی سپر و ہتھیار وغیرہ اپنے پاس رکھیں۔ اس طرح لوگوں کی تو (امام کے ساتھ) ایک ایک رکعت ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی دو رکعتیں۔" (ترمذیؒ و نسائیؒ)

تشریح: ضجنان ایک پہاڑ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے اور عسفان ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْعِیْدَیْنِ

عیدین کی نماز کا بیان

شوال کے مہینہ کی پہلی تاریخ کو عید الفطر (عید) اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عید الاضحیٰ (بقر عید) اور دونوں کے مجموعہ کو "عیدین" کہتے ہیں۔ یہ دونوں تاریخیں اسلام میں عید اور خوشی کے دن ہیں جس میں دو دو رکعت نماز بطور شکر کے پڑھی جاتی ہے۔ عیدین کی نماز حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں واجب ہیں جب کہ حضرت امام شافعیؒ اور دوسرے علماء عیدین کی نماز کو سنت موکدہ کہتے ہیں۔

"عید" لفظ "عود" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "بار بار آنا" چنانچہ اس دن کو عید اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ دن بار بار یعنی ہر برس آتا ہے۔ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس دن کا نام "عید" اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ عود کرتا ہے یعنی بندوں پر اپنی رحمت اور

بخشش کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے عید کے بارہ میں یہ عارفانہ جملے بیان کئے جاتے ہیں کہ:

لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجَدِیْدَ اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ اٰمَنَ مِنَ الْوَعِیْدِ، لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ تَنَجَّرَ بِالْعُوْدِ اِنَّمَا الْعِیْدُ لِلتَّائِبِ الَّذِیْ لَا یَعُوْدُ لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ تَزَیَّنَ بِزِیْنَةِ الدُّنْیَا اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ تَزَوَّدَ بِزَادِ التَّقْوٰی۔ لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ رَکِبَ الْمَطَایَا اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ تَرَكَ الْخَطَایَا لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ بَسَطَ الْبِسَاطَ اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ جَاوَزَ الصِّرَاطَ۔

"عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو نئے کپڑے پہنے بلکہ اس کے لئے ہے جو عید سے امن میں (یعنی برے کاموں سے بچتا رہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا مستحق ہو اور اس کے عتاب سے امن میں رہے) عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو عود کی خوشبو سے معطر ہو بلکہ اس کے لئے ہے جو توبہ کرنے والا ہو کہ پھر گناہ نہ کرے عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو آرائش دنیا کی زینت اختیار کرے بلکہ اس کے لئے ہے جو تقوی (پرہیزگاری) کو آخرت کے لئے زاد راہ بنائے۔ عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو سواریوں پر سوار ہو بلکہ اس کے لئے ہے جو گناہوں کو ترک کرے۔ اور عید اس شخص کے لئے نہیں جو (آرائش و زیبائش کے) فرش بچھائے بلکہ اس کے لئے ہے جو پل صراط سے گذر جائے گا۔"

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عیدین کی نماز

① عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَ الْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی فَاَوَّلُ شَیْءٍ یَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةَ ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَیَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِهِمْ فَیَعِظُهُمْ وَ یُوْصِیْهِمْ وَیَاْمُرُهُمْ وَاِنْ کَانَ یُرِیْدُ اَنْ یَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْیَاْمُرُهُمْ بِشَیْءٍ اَمَرَ بِهٖ ثُمَّ یَنْصَرِفُ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ (جب) عید الفطر اور عید الاضحی (کی نماز) کے لئے تشریف لاتے تو (وہاں) سب سے پہلا یہ کام فرماتے کہ (خطبہ سے پہلے) نماز ادا فرماتے، پھر نماز سے فارغ ہوتے اور لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں پر بیٹھے رہتے چنانچہ آپ ﷺ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے، وصیت کرتے اور احکام صادر فرماتے، اگر (جہاد کے لئے) کہیں کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو اس کی روانگی کا حکم فرماتے اس طرح اگر (لوگوں کے معاملات و مقدمات کے بارہ میں کوئی حکم دینا ہوتا تو حکم صادر فرماتے پھر (گھر) واپس تشریف لے آتے۔" (بخاریؒ، و مسلمؒ)

تشریح: مدینہ منورہ کی عید گاہ شہر سے باہر ہے، جس کا فاصلہ کہتے ہیں کہ حجرہ شریف سے ایک ہزار قدم ہے۔ وہ جگہ انتہائی متبرک اور مقدس ہے۔ اب اس کے ارد گرد چار دیواری بنا دی گئی ہے۔

بہر حال شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ امام وقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ عیدین کی نماز کے لئے عید گاہ جائے۔ ہاں اگر کوئی عذر مانع ہو تو پھر شہر کی مسجد ہی میں نماز پڑھائے ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ امام وقت کے لئے مسنون ہے کہ وہ خود تو عید کی نماز کے لئے عید گاہ جائے اور کسی ایسے شخص کو اپنا قائم مقام بنا دے جو شہر میں ضعیفوں کو نماز پڑھائے لیکن حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ عید گاہ جانے کا مسئلہ مسجد حرام اور بیت المقدس کے علاوہ دوسری جگہوں کے لئے ہے کیونکہ نہ صرف ان دونوں مقدس مسجدوں کی عظمت و تقدس کے پیش نظر بلکہ صحابہؓ اور تابعینؒ کی اتباع میں بھی مسجدوں میں تمام ہی نمازیں پڑھنی افضل ہیں۔

فیقوم کا مطلب یہ ہے کہ آپ نماز سے فراغت کے بعد خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے لوگوں کے سامنے زمین پر کھڑے ہوتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں عید گاہ میں منبر نہیں تھا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو عید گاہ میں

منبر کا انتظام کیا گیا اس لئے کہ منبر پر کھڑے ہو کر پڑھے گئے خطبہ کی آواز دور دور تک پہنچتی ہے۔

"نصیحت کرتے" یعنی مسلمانوں کو آپ اس موقع پر دنیا سے زہد اختیار کرنے اور آخرت کے طرف دھیان رکھنے کی نصیحت فرماتے، نیز آپ ﷺ لوگوں کے سامنے ثواب کی عظمت و فضائل بیان کرتے اور گناہوں سے ڈراتے تاکہ لوگ اس دن کی خوشیوں اور مسرتوں میں مشغول ہو کر اطاعت سے غافل اور گناہوں میں مبتلا نہ ہو جائیں جیسا کہ آجکل لوگوں کا حال ہے۔ اور "وصیت کرتے" یعنی لوگوں کو تقوی یعنی پرہیزگاری اختیار کرنے کی وصیت فرماتے۔ تقوی کے تین درجے ہیں۔ ادنی درجہ یہ ہے کہ شرک سے بچا جائے۔ وسط درجہ یہ ہے کہ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے اور ممنوع چیزوں سے بچا جائے۔ اور اعلی درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ وقت حضور قلوب کے ساتھ متوجہ اور ماسوا اللہ سے بے غرض رہا جائے۔ "احکام صادر فرماتے" یعنی لوگوں کے معاملات کے بارہ میں جو احکام دینے ہوتے تھے وہ صادر فرماتے نیز عید الفطر میں فطرہ کے احکام اور عید الاضحی میں قربانی کے احکام بیان فرماتے۔

(۲) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ عید و بقر عید کی نماز بغیر اذان و تکبیر کے ایک دو مرتبہ نہیں (بلکہ بہت مرتبہ) پڑھی ہے۔" (مسلم)

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے اکثر اہل علم کا یہی مسلک تھا کہ عید و بقر عید کی نماز میں نہ تو اذان مشروع ہے اور نہ تکبیر، اسی طرح دوسرے نوافل میں بھی اذان و تکبیر نہیں ہے بلکہ کتاب ازہار میں تو یہ لکھا ہے کہ مکروہ ہے۔

عیدین کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے

(۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ حضرت ابوبکر ابن منذرؒ کا قول ہے کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عید کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے۔"

تشریح: ابن منذرؒ کا قول ہے کہ فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عید و بقر عید کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے۔ نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی شخص نے نماز سے پہلے ہی خطبہ پڑھ لیا تو تمام علماء کے نزدیک نماز جائز ہو جائے گی منقول ہے کہ مروان ابن حکم جب مدینہ کا حاکم ہوا اور اس نے خطبہ نماز سے پہلے پڑھا تو اس کے اس فعل کو صحابہؓ نے بہت برا جانا۔

عیدین کی نماز کے لئے اذان و تکبیر مشروع نہیں ہے

(۴) وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَشَهِدْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَ؟ قَالَ نَعَمْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ اَذَانًا وَّلَا اِقَامَةً ثُمَّ اَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَاَيْتُهُنَّ يُهْوِيْنَ اِلٰى اٰذَانِهِنَّ وَحُلُوْقِهِنَّ يَدْفَعْنَ اِلٰى بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ اِلٰى بَيْتِهٖ۔ (متفق علیہ)

"(مروی ہے کہ ایک مرتبہ) حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ عید میں شریک ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ "ہاں" (پھر آپ نے یہ تفصیل بیان کی کہ) آنحضرت ﷺ (عید گاہ) تشریف لے گئے چنانچہ آپ ﷺ نے وہاں عید کی نماز پڑھی پھر خطبہ ارشاد فرمایا" حضرت ابن عباسؓ نے (آنحضرت ﷺ کی نماز تفصیل سے بیان کرنے کے دوران) تکبیر و اذان کا ذکر نہیں کیا" (پھر انہوں نے فرمایا کہ) اس کے بعد آپ ﷺ عورتوں کی جماعت کی طرف آئے، ساتھ میں حضرت بلالؓ بھی تھے، ان عورتوں کو

نصیحت فرمائی، دین کے احکام یاد کرائے۔ ثواب و عذاب کے بارہ میں بتایا اور ان کو صدقہ (یعنی فطرہ و زکوٰۃ یا محض اللہ کے نام پر) دینے کا حکم فرمایا، چنانچہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ اپنے کانوں اور گلوں کی طرف (زیور اتارنے کے لئے) بڑھاتی تھیں اور کانوں اور گلوں کے زیور (اتار اتار کر) حضرت بلالؓ کے حوالہ کر رہی تھیں (تاکہ وہ ان کی طرف سے فقراء و مساکین کو تقسیم کر دیں) پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور حضرت بلالؓ اپنے گھر تشریف لے آئے۔" (بخاریؒ)

تشریح: جیسا کہ حضرت جابر ابن سمرہؓ نے بھی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس روایت سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ نماز عید و بقر عید کے لئے اذان و تکبیر مشروع نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آپ ﷺ کے حکم سے عورتیں بھی نماز عید و بقر عید میں عید گاہ جاتی تھیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ مردوں کو وعظ و نصیحت فرما چکے تو علیحدہ سے عورتوں کے پاس بھی انہیں پند و نصیحت کرنے کے لئے تشریف لے گئے کیونکہ عورتیں مردوں سے الگ ایک طرف بیٹھی ہوئی تھیں اس لئے جب آپ مردوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آواز ان تک اچھی طرح نہیں پہنچتی تھی۔

نماز عیدین سے پہلے یا بعد میں نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عید الفطر کے دن (نماز عید کی) دو رکعتیں پڑھیں نہ تو آپ ﷺ نے ان سے پہلے (نفل) نماز پڑھی اور نہ بعد میں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ نفی عید گاہ سے متعلق ہے کیونکہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز عید سے پہلے (نفل) نماز نہیں پڑھتے تھے ہاں جب (عید گاہ سے) اپنے گھر تشریف لے جاتے تو دو رکعتیں پڑھتے" چنانچہ در مختار میں لکھا ہے کہ نماز عید سے پہلے نفل نماز پڑھنی مطلقاً مکروہ ہے یعنی عید گاہ میں بھی مکروہ ہے اور گھر میں بھی۔ البتہ نماز عید کے بعد عید گاہ میں نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے مگر گھر میں جائز ہے۔

عید گاہ میں عورتوں کے جانے کا مسئلہ

⑥ وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ اُمِرْنَا اَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتْ اِمْرَاَةٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت اُمّ عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم عید و بقر عید کے دن ان عورتوں کی (بھی) جو ایام والی ہوں (یعنی جو ایام سے ہوں یا یہ کہ جو بالغ ہوں) اور ان عورتوں کو (بھی جو پردہ نشین ہوں (گویا تمام عورتوں کو) عید گاہ لے چلیں اور یہ سب مسلمانوں کی جماعت اور دعا میں شریک ہوں۔ نیز جو عورتیں ایام سے ہوں وہ نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ رہیں" ایک عورت نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہم میں سے جس کے پاس چادر نہیں (وہ کیا کرے؟)" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اسے ساتھ والی چادر اڑھا دے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: خطابیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے تمام عورتوں کو عید گاہ جانے کا حکم فرمایا تاکہ جن عورتوں کو کوئی عذر نہیں ہے وہ تو نماز پڑھیں اور جن عورتوں کو کوئی عذر ہے انہیں نماز اور دعا کی برکت پہنچے" گویا اس طرح لوگوں کو ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ وہ نمازوں میں

شریک ہوں۔ وعظ و ذکر کی مجالس میں حاضر ہوں اور علماء و صلحا کا قرب حاصل کریں تاکہ انہیں خدا کے ان نیک و مقدس بندوں کی برکت حاصل ہو" اگرچہ آنحضرت ﷺ کے مقدس زمانہ میں عورتوں کے لئے عید گاہ جانا ممنوع نہیں تھا مگر آجکل کے زمانہ میں فتنہ و فساد کے خوف سے عورتوں کے لئے عید گاہ جانا مستحب نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کے عید گاہ جانے کی توجیہہ امام طحاویؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ اس وقت اسلام کا ابتدائی دور تھا مسلمان بہت کم تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کا یہ مقصد تھا کہ اگر تمام عورتیں بھی عید گاہ جائیں گی تو مسلمانوں کی تعداد زیادہ معلوم ہوگی جس سے کفار پر رعب پڑے گا۔ لہٰذا آجکل نہ صرف اس کی ضرورت　　　ہے بلکہ عورتوں کی موجودگی چونکہ بہت زیادہ محرمات و مکروہات کا ذریعہ بن سکتی ہے اس لئے علماء نے عورتوں کو عید گاہ جانے سے روک دیا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے پاس ایسی کوئی چادر اور کوئی کپڑا نہ ہو جسے اوڑھ کر وہ عید گاہ جاسکے تو اس کی ساتھ والی کو چاہئے کہ یا تو اس کے پاس کئی چادریں ہوں تو ایک چادر عاریتاً اس عورت کو دے دے جسے وہ بعد میں واپس کر دے گی یا پھر یہ کہ اگر اس کے پاس کئی نہیں بلکہ ایک ہی چادر ہے تو اپنی چادر کا ایک حصّہ اس کو اڑھادے اور دونوں ایک جگہ بیٹھ جائیں۔

نغمہ و سرور کا مسئلہ

(۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِيْ اَيَّامِ مِنٰى تُدَفِّفَانِ وَ تَضْرِبَانِ وَفِيْ رِوَايَةٍ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْاَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهٖ فَانْتَهَرَهُمَا اَبُوْبَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا اَبَا بَكْرٍ فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَا اَبَا بَكْرٍ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا۔ (متفق علیہ)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "ایام منی میں (یعنی جس دنوں میں حجاج منی میں قیام کرتے ہیں اور جو ایام تشریق کہلاتے ہیں انہیں میں سے بقر عید کے دن یا اس کے بعد کے دنوں میں) حضرت ابوبکر صدیقؓ میرے پاس تشریف لائے جب کہ اس وقت میرے پاس (انصار کی لڑکیوں میں سے) دو چھوکریاں بیٹھی ہوئی دف بجا رہی تھیں" ایک دوسری روایت میں ان الفاظ کی بجائے یا یہ کہ مزید) یہ الفاظ ہیں کہ "چھوکریاں (وہ اشعار) گا رہی تھیں جو انصار نے بعاث (کی جنگ کے متعلق) کہے تھے اور آنحضرت ﷺ (اس وقت) منہ پر کپڑا ڈالے ہوئے (لیٹے) ہوئے تھے حضرت ابوبکرؓ ان چھوکریوں کو دھمکانے لگے (یعنی انہیں گانے بجانے سے منع فرمایا) آنحضرت ﷺ نے اپنا منہ کھولا اور فرمایا کہ "ابوبکرؓ انہیں چھوڑ دو (کچھ نہ کہو) کیونکہ یہ عید (یعنی خوشی) کے دن ہیں" ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے یہ ہماری عید ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: لفظ تضربان گویا تدفعان کی تاکید کے لئے استعمال کیا گیا ہے لیکن بعض حضرات نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ "وہ لڑکیاں اچھلتی کودتی تھیں اور دف بجاتی تھیں"

دف بجانے کا مسئلہ: دف باجے کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ دف بجانا مطلقاً مباح ہے یعنی کسی بھی وقت اور کسی بھی موقعہ پر بجایا جاسکتا ہے اس کے برخلاف دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً حرام ہے۔ اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ بعض مواقع پر مثلاً نکاح، ولیمہ یا اس قسم کی دوسری تقریبات میں کہ جو انہیں دونوں کے حکم میں ہوں، نیز عیدین میں دف بجانا مباح ہے۔ پھر علماء نے دف میں فرق کیا ہے یعنی اگر دف جھانجدار ہے تو اس کا بجانا مکروہ ہے اور اگر جھانجدار نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اگرچہ جھاندار دف کے بارہ میں بھی علماء نے اختلاف کیا ہے۔

حدیث کے الفاظ تُغَنِّيَانِ (گا رہی تھیں) کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جن میں شجاعت و بہادری کے مضمون مذکور

تھے اور جو انصار نے "بعاث" پر چڑھائی اور وہاں کی جنگ کے متعلق کہے تھے جیسا کہ بہادروں کی عادت ہے کہ جنگ کے وقت اپنی شجاعت و بہادری پر مشتمل اشعار بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہیں "بعاث" ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بعض حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں انصار کے دو قبیلوں "اوس اور خزرج" کے درمیان سخت جنگ ہوئی تھی جس میں قبیلہ اوس کامیاب رہا تھا اسی جنگ کو "جنگ بعاث" کہا جاتا ہے۔

بہرحال لڑکیاں جو اشعار گا رہی تھیں وہ فواحش اور حسن و عشق کے ان مضامین کے حامل نہیں تھے جن کا پڑھنا معیوب اور ممنوع ہے بلکہ وہ اشعار جنگ و جدل کے کارناموں، معرکہ آرائیوں کی پر شجاعت داستانوں اور میدان جنگ کی گرم کہانیوں پر مشتمل تھے جن کے پڑھنے سے اشاعت دین میں مدد ملتی تھی بایں طور کہ وہ کفار سے جہاد کرنے کے لئے مؤمنین کو ترغیب دلاتے تھے ورنہ ان لڑکیوں کی کیا مجال کہ عائشہ صدیقہؓ کی موجودگی میں اور سرکار دوعالم ﷺ کے سامنے وہ برے اور معیوب اشعار کی جرات بھی کرتیں۔

چنانچہ بخاریؒ کی ایک روایت میں لفظ "تغنیان" کے بعد یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ ولیستا بمغنیتین یعنی لڑکیاں اشعار گا رہی تھیں اور گانا ان لڑکیوں کا کسب و پیشہ نہیں تھا کہ کوئی زیادہ اچھا گاتی ہوں اور گانے بجانے کے فن میں مشہور ہوں یا یہ کہ وہ اپنے اشعار کے ذریعہ خیالات فاحشہ و خواہشات نفسانی کے ہیجان و اشتیاق کا سبب بنتی ہوں جو فتنہ و فساد کا باعث ہوتا بلکہ وہ بالکل اسی انداز میں اشعار پڑھ رہی ہیں جیسا کہ اکثر شریف زادیاں اپنے گھروں میں پاکیزہ خیالات کا حامل اشعار گنگنایا کرتی ہیں۔

فانتہرھا ابوبکر (حضرت ابوبکر ان چھوکریوں کو دھمکانے لگے) یعنی جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ "حضرت ابوبکرؓ نے ان لڑکیوں سے کہا کہ "سرکار دوعالم ﷺ کے قریب مزمار شیطان (یعنی شیطانی باجا) بجاتی ہو؟ گویا حضرت ابوبکرؓ نے انہیں تنبیہ کی اور اس فعل سے منع فرمایا" اصطلاحاً مزمار ہر اس باجے کو کہتے ہیں جو گویے بجاتے ہیں مثلاً بانسری، دف رباب (سارنگی) حضرت ابوبکرؓ نے لڑکیوں کے باجے کو شیطانی باجا اس لئے کہا کہ جس طرح شیطان اپنی ذات سے انسانوں کی عملی زندگی کو نیک کاموں سے ہٹا کر برے کاموں میں مشغول کر دیتا ہے اسی طرح باجا بھی انسانی قلوب کو یاد الٰہی کے مقدس راستہ سے ہٹا کر لہو و لعب و ناجائز خواہشات کے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح گذشتہ امتوں اور غیر مسلموں کے یہاں خوشی و مسرت اور عید کا ایک خاص دن ہوتا ہے جیسے قوم مجوس کے یہاں "نوروز" ایک خاص دن ہے جس میں وہ اپنی عید مناتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے لئے بھی خوشی و مسرت اور شادمانی کے دو دن ہیں اور وہ عید و بقر عید کے دن ہیں۔

یہ مشابہت صرف تمثیل کی حد تک ہے ان کے معتقدات و افعال کے ساتھ مشابہت مقصود نہیں ہے یعنی اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ جس طرح غیر مسلم اپنے خوشی و تہواروں کے دن غلط کام کرتے ہیں اسی طرح غلط کام مسلمان بھی ان دنوں میں کر سکتے ہیں۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ عید و بقر عید کے دن غیر مسلموں کے تہوار کی مشابہت اختیار کرنا کفر ہے مثلاً غیر شرعی اور غیر مناسب زیبائش و آرائش کرنا، انڈے لڑانا، مردوں کا مہندی لگانا، ناچ گانوں میں مشغول ہونا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث سے اہل سماع کا غلط استدلال: اس حدیث سے اہل سماع کو بڑی زبردست غلط فہمی ہوگئی ہے۔ ان لوگوں نے اس حدیث کی بنیاد پر ڈھولک و ہارمونیم جیسے ساز کے ساتھ قوالی کے مباح ہونے اور اس کے سننے کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ اس حدیث کا قطعی طور پر وہ مفہوم و مطلب نہیں ہے جو اہل سماع نے مراد لیا ہے بلکہ بنظر انصاف اور بغیر کسی تعصب و ہٹ دھرمی کے اگر معقولیت پسند قلب و دماغ کے ساتھ اس حدیث کے حقیقی مفہوم کو دیکھا جائے تو وہ پوری وضاحت کے ساتھ یہ ہے کہ "حضرت ابوبکرؓ نے ان لڑکیوں کو گانے اور دف بجانے سے اس لئے منع کیا اور انہیں دھمکایا کہ ان کے نزدیک گانا بجانا مطلقاً معیوب و ممنوع تھا۔ نیز انہوں نے یہ گمان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان لڑکیوں کو ان کے گانے بجانے سے اس لئے منع نہیں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ ﷺ نے اس دن

بہت معمولی طریقہ پر اشعار پڑھنے کی اجازت دے دی تھی جس کا شمار حقیقی گانے بجانے اور لہو ولعب میں نہیں تھا۔
حاصل یہ کہ حضرت ابوبکرؓ کو اس فرق اور تفصیل کا علم نہیں تھا اس لئے انہوں نے لڑکیوں کو اشعار پڑھنے سے روکا جس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ وہ لڑکیوں کو کچھ نہ کہیں۔ لہٰذا اس حدیث سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ عید کے روز یا ایسے کسی موقع پر جہاں خوشی منانی مباح ہے شریعت کی حدود کی اندر رہتے ہوئے کچھ اشعار پڑھ لینا مباح ہے پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اس واقعہ کا تعلق ایک مخصوص جگہ اور مخصوص وقت سے ہے جس سے گانے بجانے کا مطلقاً مباح ہونا لازم نہیں آتا۔
بعض حضرات نے کہا ہے کہ "اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی خاص موقع پر ایک آدھ مرتبہ دف بجانا اور سماع ممنوع نہیں ہے لیکن اس پر مداومت کرنا مکروہ ہے کیونکہ مستقل طور پر گانا بجانا وصف تقوی اوز اخلاق فاضلہ کو ختم کر دیتا ہے جس کی وجہ سے ایسا شخص شریعت کی نظر میں اپنا اعتماد کھودیتا ہے۔
ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ دف جائز ہے جب کہ اس میں چھانج نہ ہو اور کبھی کبھی ایک آدھ دفعہ بجایا جائے۔ نیز ایسے اشعار پڑھنے جائز ہیں جس میں کسی کی برائی وذمت نہ بیان کی گئی ہو اور جو فحش مضامین پر مشتمل نہ ہوں۔ فتاوی قاضیخاں میں لکھا ہے کہ "باجوں کا سننا گناہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "باجوں کا سننا گناہ، اس کی مجلس میں شرکت فسق اور اس سے لطف اندوز ہونا شعار کفر سے ہے۔
نیز مسئلہ یہ ہے کہ اگر غیر اختیاری طور پر باجے کی آواز کان میں پڑ جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ باجوں کی آواز سے حتی الامکان بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ایسے موقعہ پر آپ ﷺ کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے۔
علماء لکھتے ہیں کہ "زمانہ جاہلیت کے ایسے عربی اشعار پڑھنا کہ جن میں فحش مضامین مثلاً شراب وکباب اور حسن وعشق کے تذکرے ہوں مکروہ ہے۔
ایک جلیل القدر محدث نے اس حدیث کی تشریح میں سماع وغنا کا مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اس موقعہ پر اس کا خلاصہ نقل کر دینا مناسب ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ:
اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دف بجانا اور گانا ممنوع ہے ہاں کچھ مواقع پر مثلاً عید میں یا اسی قسم کی دوسری خوشی کی تقریب میں یعنی نکاح وغیرہ میں اس کی ایک حد تک اجازت ہے، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ صحابہ میں سب سے زیادہ فضیلت مآب ہیں۔ انہیں احکام دین خوب اچھی طرح معلوم تھے انہوں نے گانے کو "مزمار شیطان" کہا آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر جواباً انہیں منع فرمایا تو اس بات سے منع نہیں فرمایا تھا کہ گانے کو "مزمار شیطان" کہا۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں عید کے دن کے لئے منع فرمایا کہ آج کے دن اتنی شدت اختیار نہ کرو۔ گویا آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مقصد گانے بجانے کی ممانعت کے سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ کے قول کی تردید نہیں تھا بلکہ مراد یہ تھی کہ گانے بجانے کا صرف اتنا معمولی درجہ کہ جس میں یہ لڑکیاں مشغول ہیں آج کے دن ممانعت کے حکم سے مستثنیٰ ہے اگر لڑکیاں شرعی و اخلاقی حدود میں رہ کر شجاعت و بہادری کی تعریف و توصیف پر مشتمل اشعار ترنم کے ساتھ پڑھ رہی ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے صرف یہ کہ خود لڑکیوں کے اس فعل سے کوئی دلچسپی نہیں لی (جیسا کہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ اس وقت سو رہے تھے" بلکہ حضرت ابوبکرؓ کو بھی اس کی ترغیب نہیں دلائی بلکہ آپ ﷺ نے ایک طرح اس سے لاپروائی بھی برتی، گویا آپ ﷺ نے اپنے اس فعل کے ذریعہ بھی اس دن اس کے ناجائز ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔
لہٰذا یہ حدیث مطلق طور پر سماع وغنا اور گانے بجانے کی اباحت کی دلیل قرار نہیں دی جا سکتی۔ جیسا کہ بعض حضرات اس حدیث کے در از حقیقت مفہوم کا سہارا لے کر سماع وغنا کے مطلقاً جواز کو ثابت کرتے ہیں۔

سماع کی حرمت و کراہت: یہ تو حدیث کی وضاحت اور اس کی تشریح تھی۔ اب اصل مسئلہ کی طرف آیئے اور دیکھئے کہ اس بارہ میں

سلف کی رائے کیا ہے۔ سماع و غنا کا مسئلہ ہمیشہ سے علماء و فقہا کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے۔ صحابہؓ و تابعینؒ کی بھی اس سلسلہ میں مختلف رائیں تھی۔ لیکن جلیل القدر صحابہؓ اس کی حرمت و کراہت کے قائل تھے۔ چنانچہ انہوں نے آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ کی مراد غنا (نغمہ و سرور) بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباس و حضرت ابن مسعودؓ تو اس مراد کے تعین کے سلسلہ میں قسم تک کھاتے اور کہا کرتے تھے کہ یہاں "غنا" مراد ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ کے نزدیک آیت کریمہ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ میں شیطان کی آواز سے مراد "غنا" ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ گانے سے اور گانا سننے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد منقول ہے کہ "اگر کوئی ایسا شخص مرجائے جس کے پاس گائن (گانے والی عورت) ہو تو اس کی نماز جنازہ مت پڑھو۔

حضرت ابو امامہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "گائن (گانے والی عورت) کی نہ تو خرید و فروخت کرو اور نہ انہیں تعلیم دو (یعنی ان سے مکمل مقاطعہ رکھو) اس ارشاد گرامی کے مثل یہ آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسَ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَالْحَدِيْثِ نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے بعض علماء کہتے ہیں کہ جو احادیث نغمہ سرور کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں ان کا تعلق اس ممانعت سے قبل کے زمانہ سے ہے۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی اور غنا کی ممانعت واضح ہوئی تو احادیث منسوخ قرار دے دی گئیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے یہ ارشاد منقول ہے کہ "غنا نفاق کو اسی طرح اگاتا ہے جیسے پانی سبزہ کو اگاتا ہے"۔

حضرت جابرؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ "جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے یوں ہی غنا نفاق کو اگاتا ہے"

حضرت انسؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ "غناء اور لہو و لعب دل میں نفاق کو اس طرح اگاتے ہیں جیسے پانی گھاس کو اگاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ "غنا کی محبت دل میں نفاق کو اس طرح اگاتی ہے جیسے پانی گھاس کو اگاتا ہے" ان ارشادات میں نفاق سے مراد وہ عملی نفاق ہے جو ظاہری احوال کے برخلاف گناہ کی خواہش کو پوشید رکھتا ہو۔ حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ "غنا زنا کا منتر ہے"

بہرحال۔ اس سلسلہ میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے اس قسم کے اور بہت سے ارشادات منقول ہیں۔ جہاں تک فقہاء کا تعلق ہے انہوں نے بھی اس کی حرمت اور کراہت کو بہت زیادہ شدت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ چاروں اماموں کا متفقہ طور پر جو مشہور اور صحیح قول ہے وہ یہ ہے کہ "غنا مکروہ ہے" اگرچہ اس کی حرمت کا اطلاق بھی منقول ہے۔

چنانچہ قاضی ابو لطیفؒ نے شعبیؒ، سفیان ثوریؒ، حمادؒ، نخعیؒ اور فاکہیؒ سے اس کا حرام ہونا نقل کیا ہے۔ علامہ بغویؒ نے بھی تفسیر معالم التنزیل میں یہی لکھا کہ "چاروں ائمہ کے یہاں غنا حرام ہے"

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ غنا کی حرمت کے بارہ میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ وہ لہو و لعب کے قبیل سے ہے جو متفقہ طور پر سب کے یہاں مذموم ہے۔ ہاں جو غنا محرمات سے محفوظ ہو وہ تھوڑا بہت شادی بیاہ، عید اور اسی قسم کی دوسری تقریبات میں جائز ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا رجحان غنا کی اباحت کی طرف ہے۔

اس سلسلہ میں اتنی بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہاں جس غنا اور نغمہ اور سرور کے بارہ میں بحث کی جا رہی ہے اور جو حرمت و اباحت کا محل اختلاف ہے وہ اس قسم کا غنا ہے جسے گویے اور گلوکار بطور فن اور پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں چنانچہ وہ صرف لوگوں کی طبیعتوں میں انتشار و ہیجان اور کیف و نشاط پیدا کرنے کے لئے ایسے اشعار گاتے ہیں جو محض محرمات کے ذکر پر مشتمل ہوتے ہیں! ہاں وہ غنا مباح ہیں جو ایسے پاکیزہ اشعار پر مشتمل ہوں جن سے قلوب روحانی استنباط محسوس کریں اور جو محرمات و مکروہات کے ذکر پر مشتمل نہ ہوں مثلاً خدا تعالیٰ کی حمد، رسول اکرم ﷺ کی نعت، حرمین شریفین یا دوسری مقدس چیزوں کی منقبت، جہاد اور میدان جہاد کے اوصاف جیسے حدا

نصب، رکبانی بچوں کو خوش کرنے یا انہیں سلانے کے لئے ماؤں بہنوں کی لوریاں، بزرگان دین کی جائز توصیف و تعریف، قطع مسافت کے لئے مسافروں کی وابستگی، خوشی و مسرت کے اظہار اور اسی قسم کے دوسرے مضامین کے حامل اشعار ترنم کے ساتھ پڑھنا یہ ناجائز نہیں ہے بلکہ ایک حد تک یہ مستحب ہے کیونکہ یہ نیک و با مقصد اعمال کے لئے موجب نشاط ہے"

جو لوگ غنا کی اباحت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ غنا اور سماع اکثر صحابہ، تابعین، محدثین اور علماء دین سے جو اصحاب زہد و تقوی ہیں، سے منقول ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ غنا کی حرمت و کراہت کے سلسلہ میں ائمہ یا بعض اکابر سے جو سخت الفاظ منقول ہیں وہ دراصل اس غنا پر محمول ہیں جس میں فحش مضامین یا ان سے غیر شرعی چیزوں مثلاً مزامیر وغیرہ کا ارتباط ہوتا ہو۔ یہ بات ان حضرات کی جانب سے اسی لئے کہی جاتی ہے تاکہ ائمہ اور علماء کے قول و فعل میں تطبیق ہو جائے کیونکہ ان سے بھی غنا کا سننا منقول ہے۔

پہلے زمانہ کے بزرگوں اور مشائخ اور بعد کے بزرگوں اور مشائخ کے اقوال و افعال کے درمیان بھی اختلاف ہے چنانچہ پہلے زمانہ کے مشائخ جو راہ طریقت کے پیش رو اور راہنما ہیں اس سے اجتناب کرتے تھے مگر بعد کے بعض مشائخ سے سماع کی ابتدا ہوئی ہے اس سلسلہ میں پہلے زمانہ کے مشائخ کے قول و فعل کے بارہ میں اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ حماد دیاس جو اپنے وقت کے امام طریقت اور سلسلہ قادریہ کے ایک جلیل القدر شیخ تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے جا رہے تھے کہ راستہ میں اچانک ان کے کان میں گانے کی آواز پہنچی، فوراً رک گئے اور فرمایا کہ آج مجھ سے کون سا ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جس کی سزا میں مجھے اس میں مبتلا کیا گیا ہے؟ بہت دیر تک غور کرتے رہے مگر ایسی کوئی بات محسوس نہیں ہوئی جس سے یہ سمجھتے کہ فلاں گناہ ہوا ہے۔ جب گھر واپس آئے تو پھر تحقیق شروع کی۔ بہت دیر کے بعد معلوم ہوا کہ ایک تصویر دار پیالہ خرید لیا تھا۔ فرمایا یہی سبب ہے جس کی وجہ سے میں اس سزا میں گرفتار ہوا (کہ گانے کی آواز میرے کان میں پہنچی)

حضرت غوث الاعظمؒ کے قول و ارشادات دیکھنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوفؒ بھی اس کو مکروہ جانتے تھے

حضرت شبلیؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ ان سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ "غنا جائز ہے؟" انہوں نے پوچھا کہ "کیا غنا حق ہے؟" (یعنی اس میں غیر شرعی و غیر اخلاقی مضامین مذکور نہیں ہیں) لوگوں نے کہا کہ "نہیں!" فرمایا کہ "اگر وہ حق نہیں ہے تو پھر گمراہی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ اس کے مکروہ ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ اس کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ طبیعت میں انتشار، خواہشات نفسانی میں ہیجان اور عورتوں کی طرف میلان ہوتا ہے بلکہ اس میں نفس امارہ کی رعونت و خوشی، عقل کی سبکی اور دنائت کا اظہار بھی ہے۔ البتہ خدا کے ذکر اور اس کی یاد میں مشغول ہو جانا ہر اس شخص کے لئے جو خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا ہے سب سے بہتر ہے"

حضرت شیخ ابو الحسن شاذلیؒ جو سلسلہ شاذلیہ کے امام اور پیشوا ہیں فرماتے ہیں کہ "جو لوگ سماع میں مشغول ہوتے ہیں اور ظالموں کے یہاں کھانا کھاتے ہیں ان میں یہودیت کا ایک حصہ شامل ہے جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ سماع کے کئی درجہ ہیں۔ ① نوجوانوں کے لئے حرام محض ہے کیونکہ نوجوانوں کے مزاج و طبیعت پر خواہشات نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے سماع ان کے لئے بجائے کوئی اچھا اثر مرتب کرنے کے ان کی خواہشات نفسانی میں اور زیادہ انتشار و ہیجان پیدا کرتا ہے۔ ② اس شخص کے لئے مکروہ ہے جو اکثر اوقات بطریق لہو و لعب کے سماع میں مشغول رہے۔ ③ اس شخص کے لئے مباح ہے جو محض ترنم اور خوش گلوئی سے دلچسپی رکھتا ہے۔ ④ اس شخص کے لئے مندوب ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہو اور سماع اس کے لئے صرف اچھے اثرات مرتب کرے

مشائخ چشتیہ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ سماع سے دلچسپی رکھتے تھے مگر ان کی دلچسپی آداب و شرائط کے حدود کے اندر ہوتی تھی چنانچہ وہ حضرات اکثر و بیشتر خلوت میں سماع سنتے تھے جہاں نہ تو غیر ہوتے تھے اور نہ نامحرم۔ حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے

بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی سماع سنتے تھے لیکن ان کی مجلس سماع مزامیر و قوالی جیسی لغویات سے پاک ہوتی تھی۔" بہرحال مطلب یہ ہے کہ جو صوفیہ سماع کے قائل ہیں ان کے یہاں یہ کلیہ مقرر ہے کہ سماع صرف "اہل دل" کے لئے مباح ہے۔ چنانچہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ سماع کے آداب و شرائط مقرر کئے ہیں بلکہ یہ بھی بتادیا ہے کہ سماع سننے کا اہل کسے کہا جاسکتا ہے۔ اور ایسے ہی سماع کی ممانعت کے سلسلہ میں فقہاء اور اکابر اولیاء اللہ کے جو الفاظ منقول ہیں ان کا تعلق اس نغمہ سرور سے ہے جس کے ساتھ غیر مشروع چیزیں مثلاً مزامیر وغیرہ کی آمیزش ہو اور جس کی بنیاد محض خواہشات نفسانی اور لہو ولعب ہو ورنہ توفی نفسہ خوش گلوئی ممنوع نہیں ہے کیونکہ وہ مباح الاصل ہے۔

پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس طرح خوش گلوئی کے اندر مفاسد ہیں اسی طرح مصالح خیر بھی ہیں مثلاً نغمہ و ترنم سخت دل کو نرم کرتا ہے اور عبادت میں ذوق و شوق اور حلاوت و خشوع پیدا کرتا ہے تاہم اس کے باوجود نغمہ و ترنم پر مداومت اکابر سلف کے طریقہ اتباع سے بعید ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جو شخص اس پر مداومت کرے گا وہ اس کی دلچسپی کو عبادت و ریاضت پر ترجیح دینے لگے گا اور شیطان کا مکروفریب اسے اس راستہ سے اپنے جال میں پھنسا کر اطاعت و شریعت کی اہمیت کو اس کی نظر میں کم کردے گا جس کی وجہ سے وہ غلط راستہ پر بھٹکنے لگے گا۔ لہٰذا سماع بذاتہ تو مباح ہے لیکن غلط عوارض جیسے عورت و شراب کے ذکر، نامحرم عورتوں اور امرد کے گانے، مزامیر یعنی ڈھول وہار مونیم وغیرہ کی آمیزش، نفسانی خواہشات، سماع کی نا اہلیت اور اس پر مداومت کی وجہ سے ممنوع ہے۔

چنانچہ یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ جو لوگ معرفت و حقیقت اور محبت و حال کے مدعی ہو کر اپنے ایک خاص جذبہ کی تسکین کی خاطر سماع میں مشغول ہو کر حقیقی ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریم وغیرہ سے محروم رہتے ہیں وہ اپنے نفس کے دھوکہ اور شیطان کے فریب میں مبتلا ہیں کہ وہ در حقیقت راہ راست سے ہٹ کر غلط راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے وہ روز بروز راہ دین و شریعت سے دور تر ہوتے جارہے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ دیگر عبادات میں کیا مشغول رہتے کہ ان کی نمازیں بھی بے روح ہو کر محض "نشست و برخاست" کا ایک مجموعہ بن کررہ گئی ہیں۔ اور نمازیں بھی جبرًا اور ریاء کی وجہ سے یا مخلوق خدا کی نظروں میں بظاہر اپنی دینی و مذہبی زندگی کو نمایاں کرنے کے لئے پڑھتے ہیں۔ کاش انہیں سماع سے اس قدر دلچسپی نہ ہوتی صرف وہ نماز روزہ اور دیگر فرائض خلوص نیت کے ساتھ ادا کرتے تو ان کا دین تو کم سے کم بنا رہتا۔ اس سلسلہ میں یہ صورت بھی ہے کہ آجکل جو لوگ سماع کے قائل ہیں ان کا مطمح نظر یہ ہے کہ فلاں بزرگ سماع سنتے تھے یا ہمارے فلاں پیشوا اس کے قائل تھے لہٰذا جب انہوں نے اسے اختیار کیا تو ہم بھی ان کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی اتباع میں سماع کو جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ بھی محض فریب نفس ہے کیونکہ اگر بزرگوں نے سماع کو اختیار کیا اور اس سے دلچسپی رکھی تو وہ ان کی حالت بے خودی اور غلبہ حال تھا، انہوں نے اگر سماع سنا ہے تو اس پر مداومت کی ہے بلکہ کبھی کبھی مصلحت کے پیش نظر سنا ہے۔ پھر یہ کہ ان کے یہاں مجالس سماع کی یہ جلوہ نگاری نہیں تھی بلکہ انہوں نے خلوت میں اور خلوص نیت کے ساتھ سنا ہے نیز انہوں نے ضروری قرار دے کر کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا ہے کہ بہرصورت اس پر عمل کیا جائے۔ پھر یہ کہ کہاں ان بزرگوں کا جذبہ حال و بے خودی اور اخلاص نیت اور کہاں ہمارے دور کی دنیاوی و نفسانی خواہشات اور فریب نفس؟ اب تو ان بزرگوں کی صرف اس بات کی تقلید ہے نہ ان کے صالح افکار کی اطاعت ہے اور ان کے نیک اعمال و مقدس زندگیوں کی پیروی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ "بدنام کنندہ نکونامے چند"۔

حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں سے نہ تو ان لوگوں کو کوئی حقیقی نسبت ہے اور نہ ان بزرگوں کا کوئی ان سے تعلق ہے۔ اور جو لوگ ان امور کو باپ دادا کی روایت سمجھ کر بغیر اہلیت کے اختیار کئے ہوئے ہیں ان کے حال پر یہ آیت کریمہ صادق آتی ہے کہ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ فَهُمْ عَلٰى اٰثَارِهِمْ يُهْرَعُوْنَ۔

حاصل یہ ہے کہ آجکل جو یہ طریقہ رائج ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر عرس کے نام پر محض نمود و نمائش اور حب جاہ و شہرت کے

جذبہ سے جشن منایا جاتا ہے مجالس رقص و سرور منعقد ہوتی ہیں، قوالوں اور گویوں کی جماعت اپنی قوالی اور ساز و سامان کے ساتھ بلائے اور بغیر بلائے صرف شہرت اور مال حاصل کرنے کے لئے آتی ہے۔ حاشاللہ! کہ پہلے زمانہ کے کسی بزرگ کا یہ طریقہ رہا ہوا اور کسی بزرگ نے آجکل کی طرح یہ ڈھونگ رچائے ہوں؟؟

اور پھر غضب یہ کہ ان چیزوں کو مشائخ کے عرسوں میں قرب خدا کا ذریعہ سمجھا جانے لگا ہے ایسے لوگ غور کریں کہ انہوں نے گمراہی و ضلالت کا کیسا راستہ اختیار کر رکھا ہے یہ کون سی مذہبی اور دینی زندگی ہے؟ کاش یہ لوگ اپنے آپ کو متقی و پرہیزگار اور بزرگان دین کے شیدائی نہ کہتے اور اپنے جسم آزاد پر نام نہاد زہد و تقویٰ کا یہ جامہ تنگ مزین نہ کرتے۔

خوب اچھی طرح جان لیجئے کہ ایسے لوگوں کی شرعًا و دیانۃً نہ تو اطاعت واجب ہے اور نہ ان کی تعظیم ضروری ہے اس لئے کہ اگر ان لوگوں کی عزت و توقیر کی جائے گی تو اس طرح ان کے ان اعمال و افعال کی تائید و مدد ہوگی۔ خدا ہم سب کو بھی اسی راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جو اس نے اپنے پیغمبر رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ ہمیں دکھایا ہے۔ آمین۔

آنحضرت ﷺ عید گاہ جانے سے پہلے کھجور تناول فرماتے تھے

⑧ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ وَيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ کھجوریں تناول فرمائے بغیر عید گاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے اور کھجوریں طاق کھاتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آپ ﷺ عید کے روز عید گاہ جانے سے بیشتر کھجوریں نوش فرما کر گویا کھانے میں جلدی کرتے تھے تاکہ پہلے دنوں یعنی ایام رمضان میں امتیاز پیدا ہو جائے کیونکہ جس طرح رمضان میں نہ کھانا واجب ہے اسی طرح عید کے روز کھانا واجب ہے۔

آپ ﷺ کھجوریں طاق یعنی تین، پانچ، سات یا اس سے کم اور زیادہ تناول فرماتے تھے چونکہ ہر کام میں "طاق" کی رعایت رکھنا بہتر ہے اس لئے آپ ﷺ اس معاملہ میں بھی طاق کا لحاظ فرماتے تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ یعنی اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے۔

عید کے روز آپ ﷺ کھجوریں اس لئے نوش فرماتے تھے کہ وہی اس وقت موجود ہوتی تھیں۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ کھجوریں کھانے میں حکمت یہ تھی کہ وہ شیریں ہوتی ہے اور شیرینی تقویت بصر کا ذریعہ بنتی ہے خاص طور پر خلو معدہ کے وقت تو نگاہوں کی تقویت کے لئے یہ بڑی زود اثر ہوتی ہے لہٰذا روزوں کی وجہ سے جو ضعف ہو جاتا تھا کھجوریں اپنے اثرات سے اسے ختم کرتی تھیں۔ پھر یہ کہ شیرینی مقتضاء ایمان کے موافق ہے۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جو شخص خواب میں شیرینی کھاتے دیکھے اسے حلاوت ایمان نصیب ہوگی۔ نیز شیرینی دل کو نرم کرتی ہے اس سبب سے شیرینی کے ساتھ افطار کرنا افضل ہے۔

آنحضرت ﷺ عید گاہ ایک راستہ سے جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس آتے

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب عید کا روز ہوتا تو سرتاج دو عالم ﷺ راستوں میں فرق کرتے۔" (بخاریؒ)

تشریح: یعنی عید گاہ ایک راستہ سے تشریف لے جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس آتے اور اس کی حکمت یہ تھی تاکہ دونوں راستے اور دونوں راستوں پر رہنے والے جن و انس عبادت کی گواہی دیں۔ اس کے علاوہ اور کئی وجوہ بھی علماء نے لکھی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ

یہ سب احتمال کے درجہ میں ہیں۔ علماء نے اپنے اپنے فہم کے مطابق اس کی وجہیں بیان کی ہیں۔ اصل حقیقت اور وجہ کیا تھی؟ یہ اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔

قربانی کا وقت

(۱۰) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَأُبِهِ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا نُصَلِّي ثُمَّ تَرْجِعَ فَنَنْحر فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهُ لِاَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت براءؓ راوی ہیں سرتاج دو عالم ﷺ نے یوم النحر (یعنی بقر عید کے دن) ہمارے سامنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ "اس دن سب سے پہلا کام جو ہمیں کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہم (عید الاضحیٰ کی) نماز پڑھیں پھر گھر واپس جائیں اور قربانی کریں، لہٰذا جس شخص نے اس طرح عمل کیا (کہ قربانی سے پہلے نماز و خطبہ سے فراغت حاصل کرلی) اس نے ہماری سُنّت کو اختیار کیا اور جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کرلی وہ قربانی نہیں ہے بلکہ وہ گوشت والی بکری ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے لئے جلدی ذبح کر لیا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے قربانی کر لینے سے قربانی کا ثواب نہیں ملتا بلکہ اس کا شمار اس گوشت میں ہو جاتا ہے جو روزانہ گھر والے کھاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مشروع یہ ہے کہ پہلے عید قربانی کی نماز پڑھی جائے اس کے بعد خطبہ پڑھا جائے اور سنا جائے پھر قربانی کی جائے چونکہ حدیث بالا میں قربانی کا وقت پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس لئے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عید قرباں کے دن طلوع فجر سے پہلے قربانی جائز نہیں۔ البتہ طلوع فجر کے بعد قربانی کا وقت شروع ہونے کے سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ جب آفتاب بقدر نیزہ بلند ہو جائے اور اس کے بعد کم از کم دو رکعت نماز اور دو مختصر خطبے کی بقدر وقت گزر جائے تو قربانی کا وقت شروع ہوتا ہے اس کے بعد قربانی کرنا جائز ہے خواہ بقر عید کی نماز ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس وقت سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے خواہ قربانی کرنے والا شہر میں رہتا ہو یا دیہات کا رہنا والا ہو، نیز امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی کا وقت تیرہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قربانی کا وقت شہر والوں کے لئے عید قربان کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے اور دیہات والوں کے لئے طلوع فجر کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ان کے یہاں قربانی کا آخری وقت بارہویں تاریخ کے آخر تک رہتا ہے۔

قربانی واجب ہے یا سنت: حضرت امام شافعیؒ کے یہاں قربانی واجب نہیں ہے بلکہ سُنّت ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے اگرچہ نصاب نامی نہ ہو۔

(۱۱) وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جندب ابن عبداللہ بجلیؒ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "جو شخص (قربانی کا جانور) عید قربان کی نماز سے پہلے ذبح کردے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے بدلے (قربانی کیلئے) دوسرا جانور ذبح کرے اور جو شخص نماز پڑھنے تک ذبح نہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ (نماز کے بعد) اللہ تعالیٰ کے نام پر (قربانی کا جانور) ذبح کردے" (یہ قربانی درست ہوگی جس کا ثواب اسے ملے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۱۲) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَاِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَاَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت براءؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے (قربانی کا جانور) نماز سے پہلے ذبح کیا تو گویا اس نے اپنے (محض کھانے کے) واسطے ذبح کیا (اس لئے اسے قربانی کا ثواب حاصل نہیں ہوا) جس شخص نے نماز کے بعد ذبح کیا تو بلاشبہ اس کی قربانی ادا ہوگئی اور (اس طرح) اس نے مسلمانوں کے طریقے کو اپنایا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: جمہور علماء کا مسلک یہی ہے مگر تعجب ہے کہ اتنی واضح اور صحیح احادیث کے باوجود حضرت امام شافعیؒ نے نہ معلوم کیوں جمہور علماء کے مسلک کے خلاف یہ کہا کہ قربانی کا وقت شروع ہو جانے کی بعد قربانی کر لینی جائز ہے۔ خواہ نماز ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو جیسا کہ ابھی پیچھے ان کا مسلک نقل کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ عید گاہ میں قربانی کرتے تھے

⑬ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ عید گاہ میں ذبح اور نحر کرتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: بکری، دنبہ بھیڑ، گائے بھینس اور اونٹ یہ جانور خواہ نر ہوں یا مادہ، ان کے علاوہ دوسرے جانوروں کی قربانی جائز نہیں، اونٹ کے علاوہ بقیہ جانوروں کے حلال کرنے کو "ذبح" کہتے ہیں، اور اونٹ کے حلال کرنے کو "نحر" کہتے ہیں نحر کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اس کے سینہ میں نیزہ مارا جاتا ہے جس سے وہ گر پڑتا ہے۔ اگرچہ اونٹ کو ذبح کرنا بھی جائز ہے لیکن نحر افضل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

مسلمانوں کے لئے خوشی کے دو دن

⑭ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ نے دو دن مقرر کر رکھے تھے جن میں وہ لہو ولعب کرتے (اور خوشیاں مناتے) تھے، آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ "یہ دو دن کیسے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ "ان دونوں دنوں میں ہم زمانہ جاہلیت میں کھیلا کودا کرتے تھے"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دونوں دنوں کے بدلے ان سے بہتر دو دن مقرر کر دیئے ہیں اور وہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن ہیں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں اہل مدینہ کے لئے دو دن مقرر تھے جن میں وہ لہو ولعب میں مشغول ہوتے تھے اور خوشیاں منایا کرتے تھے ان میں سے ایک دن "نوروز" تھا اور دوسرا دن "مہرجان"۔ نوروز کے دن آفتاب برج حمل میں جاتا ہے اور مہرجان کے دن برج میزان میں داخل ہوتا ہے۔ چونکہ ان دونوں دنوں میں آب و ہوا معتدل ہوتی ہے۔ اور رات برابر ہوتے ہیں اس لئے ان دنوں کو حکما نے خوشی منانے کی لئے مقرر کر لیا تھا چنانچہ وہی رسم لوگوں میں چلی آتی تھی۔ یہاں تک کہ جب اہل مدینہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو شروع میں پرانی عادت کے مطابق ان دنوں میں پہلے زمانہ کی طرح خوشی منایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جب ان دنوں کی حقیقت دریافت فرمائی تو وہ اس کی کوئی حقیقت بیان نہ کر سکے صرف اتنا بتا سکے کہ پرانے زمانے سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے اور ان دنوں میں ہم اسی طرح خوشی مناتے چلے آتے ہیں، تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دنوں سے تمہیں اب کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دنوں

سے بہتر تمہیں عیدین کے دو دن عنایت فرمادیئے ہیں تم ان بابرکت دنوں میں خوشی مناسکتے ہو۔ گویا اس طرح آپ ﷺ نے ایک طرف تو یہ اشارہ فرمایا کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ حقیقی عید اور خوشی عبادت کے دن منائے۔ لہٰذا اس حدیث میں عیدین کے دن لہو و لعب میں مشغول ہونے کی ممانعت ہے۔ دوسری طرف یہ اشارہ خفی ہے کہ عیدین میں بہت معمولی طریقہ پر کھیل کود اور اس انداز اور اس طریقہ سے خوشی منانا کہ جس میں حدود شریعت سے تجاوز اور فحاشی نہ ہو جائز ہے۔

یہ حدیث نہایت لطیف انداز میں یہ بتا رہی ہے کہ غیر مسلموں کے تہوار کی تعظیم کرنا اور ان میں خوشی منانا، نیز ان کی رسموں کو اپنانا ممنوع ہے نیز یہ حدیث غیر مسلموں کی عید و تہوار میں شرکت و حاضری کی ممانعت کو بھی ظاہر کر رہی ہے۔ بعض علماء نے تو اسے اتنا سخت جانا ہے کہ اس عمل پر کفر کا حکم لگایا ہے چنانچہ ابوحفص کبیر حنفی فرماتے ہیں کہ جو شخص نوروز کی عظمت و توقیر کے پیش نظر اس دن مشرکوں کو تحفہ میں انڈا بھیجے (جیسا کہ اس روز مشرکین کا طریقہ ہے) تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کے تمام اعمال نابود ہو جاتے ہیں۔

حضرت قاضی ابوالمحاسن ابن منصور حنفی کا قول ہے کہ "اگر کوئی اس دن وہ چیزیں خریدے جو دوسرے دنوں میں نہیں خریدتا ہے (جیسا کہ ہمارے یہاں دیوالی کے روز کھیلیں اور مٹھائی کے بنے ہوئے کھلونے وغیر خریدے جاتے ہیں) یا اس دن کسی کو تحفہ بھیجتا ہے اور اس سے اس کا مقصد اس دن کی تعظیم ہو جیسا کہ مشرک اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ شخص کافر ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی شخص محض اپنے استعمال اور فائدہ اٹھانے یا حسب عادت کسی کو ہدیہ بھیجنے کی نیت سے خریدتا ہے۔ تو کافر نہیں ہوتا لیکن یہ بھی مکروہ ہے لیکن اس طرح کافروں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اس لئے اس سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔

اس طرح اگر کوئی شخص عاشورہ کے دن خوشی مناتا ہے تو خوارج کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور اگر اس دن غم و الم ظاہر کرنے والی چیزیں اختیار کرتا ہے تو روافض کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے لہٰذا ان دونوں باتوں سے بچنا چاہئے۔ یہ بات بھی جان لیجئے کہ نوروز کی عظمت و توقیر کے سلسلہ میں روافض مجوسیوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ اسی دن حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت منعقد ہوئی تھی۔

فتاوی ذخیرہ میں لکھا ہے کہ جو شخص ہولی اور دیوالی دیکھنے کے لئے بطور خاص نکلتا ہے وہ حدود کفر سے قریب ہو جاتا ہے کیونکہ اسی میں اعلان کفر ہوتا ہے لہٰذا ایسا شخص گویا اپنے عمل سے کفر کی مدد کرتا ہے اسی پر "نوروز" دیکھنے کے لئے نکلنے کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بعض مسلمان ایسا کرتے ہیں۔ یہ بھی موجب کفر ہے۔

"تجنیس" میں مذکور ہے کہ ہمارے مشائخ اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جس شخص نے اہل کفار کے معتقدات و معاملات میں سے کسی چیز کے اچھا ہونے کا اعتقاد رکھا تو وہ حدود کفر میں داخل ہو جائے گا۔ اسی پر اس مسئلہ کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے اہل ہوا و ہوس انسان مثلاً شریعت کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرنے والے نام نہاد صوفیا کے کسی کلام یا کسی قول کے بارہ میں اچھا خیال رکھے اور یہ کہے کہ یہ کلام معنوی ہے یا یہ کہے کہ فلاں قول ایسا ہے جس کے معنی صحیح ہیں تو اگر حقیقت میں وہ کلام و قول کفر آمیز ہو تو اس کے بارہ میں اچھا عقیدہ رکھنے والا اور اسے صحیح کہنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح "نوادر الفتاوی" میں منقول ہے کہ جو شخص غیر مسلموں کی رسومات کو اچھا جانے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ "عمدۃ الاسلام" میں لکھا ہے کہ جو شخص کافروں کی رسومات ادا کرے مثلاً نئے مکان میں بیل اور گائے اور گھوڑے کو زرد و سرخ رنگ کرے یا بندھن دار باندھے تو کافر ہو جاتا ہے۔"

حاصل یہ کہ ان معتقدات و رسومات سے قطعاً احتراز کرنا چاہیے جن سے اسلام اور شریعت کا دور کا بھی واسطہ نہ ہو بلکہ ان کی بنیاد خالص غیر اسلامی و غیر شرعی چیزوں پر ہے۔

عید میں نماز سے پہلے اور بقر عید میں نماز کے بعد کھانا پینا چاہئے

(۱۵) وَعَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰی یَطْعَمَ وَلَا یُطْعَمُ یَوْمَ الْاَضْحٰی حَتّٰی

يُصَلِّي۔ (رواه الترمذی و ابن ماجۃ و الدارمی)

"اور حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ عید کے دن بغیر کچھ کھائے پیئے عید گاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ اور بقر عید کے دن بغیر نماز پڑھے کچھ نہیں کھاتے پیتے تھے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: عید کے روز نماز سے پہلے کھانے پینے کا سبب گذشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے۔ بقر عید کے روز آپ غرباء و مساکین کا ساتھ دینے اور ان کی دلجوئی کی خاطر بقر عید کی نماز کے بعد ہی کچھ تناول فرماتے تھے۔ کیونکہ غرباء و مساکین کو تو کچھ کھانا پینا اسی وقت نصیب ہوتا تھا جب قربانی ہوجاتی اور اس کا گوشت ان لوگوں میں تقسیم ہوجاتا اس لئے آپ ان کی وجہ سے خود بھی کھانے پینے میں تاخیر فرماتے تھے۔

تکبیرات عیدین

(۱۶) وَعَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيْدَيْنِ فِي الْاُوْلٰى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔ (رواه الترمذی و ابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت کثیر ابن عبداللہ اپنے والد سے اور وہ کثیر کے دادا سے (یعنی اپنے والد مکرم) سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرات سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں قرات سے پہلے تحریمہ اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ سات تکبیریں کہیں۔ اسی طرح دوسری رکعت میں قیام اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ پانچ تکبیریں کہیں۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا اسی پر عمل ہے اس سلسلہ میں مفصل بحث آگے آرہی ہے۔

(۱۷) وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَبَّرُوْا فِي الْعِيْدَيْنِ وَالْاِسْتِسْقَاءِ سَبْعًا وَخَمْسًا وَصَلَّوْا قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَجَهَرُوْا بِالْقِرَاءَةِ۔ (رواه الشافعی)

"اور حضرت جعفر ابن محمد مرسلا روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ عیدین اور استسقاء کی نماز میں سات اور پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے اور (عیدین و استسقاء کی) نماز خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے، نیز قرات بآواز بلند پڑھتے تھے۔" (شافعیؒ)

تشریح: "جعفر" سے مراد امام جعفرؒ صادق ابن محمد باقرؒ ابن علی یعنی امام زین العابدین ابن حضرت امام حسینؓ ابن حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ سات اور پانچ کی وضاحت حدیث بالا تاکید کی ہے کہ پہلی رکعت میں قرات سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرات سے پہلے پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے، یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

(۱۸) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا مُوْسٰى وَحُذَيْفَةَ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ؟ فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰى كَانَ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا تَكْبِيْرَهٗ عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ صَدَقَ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت سعید ابن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسی و حضرت حذیفہؓ سے سوال کیا کہ رسول کریم ﷺ عید و بقر عید کی نماز میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیؓ نے جواب دیا کہ "جس طرح آپ ﷺ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے تھے" حضرت حذیفہؓ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "ابوموسیؓ نے سچ کہا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حضرت ابوموسیؓ کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ نماز جنازہ میں پڑھتے وقت چار تکبیریں کہا کرتے تھے اسی طرح آپ ﷺ عیدین کی نماز میں بھی ہر رکعت میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اس طرح کہ پہلی رکعت میں تو قرات سے پہلے تکبیر تحریمہ سمیت چار تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں قرات کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔

اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہئے کہ تکبیرات عید کے سلسلہ میں متضاد احادیث منقول ہیں اسی وجہ سے ائمہ کے مسلک میں بھی اختلاف ظاہر ہوا ہے چنانچہ تینوں اماموں کے نزدیک عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے ہاں تو پہلی رکعت میں سات تکبیریں مع تکبیر تحریمہ کے ہیں اور اسی طرح دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام سمیت ہیں جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قیام کے علاوہ ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ تین تکبیریں پہلی رکعت میں اور تکبیر رکوع کے علاوہ تین تکبیریں دوسری رکعت میں ہیں جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز اسی کو حضرت ابن مسعودؓ نے بھی اختیار کیا ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق حضرت ابن عباسؓ کا مسلک ہے یہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن سے حضرت امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں تو ان کی صحت و ضعف اور ان کی اسناد و طرق کے بارہ میں بہت زیادہ اعتراضات ہیں جس کو یہاں نقل کرنے کا موقع نہیں ہے۔ علماء حنفیہ اپنے مسلک کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ تکبیرات عیدین کے سلسلہ میں جب متضاد و مختلف احادیث سامنے آئیں تو ہم نے ان میں سے ان احادیث کو اپنا معمول بہ قرار دیا جن میں تکبیرات کی تعداد کم منقول تھی کیونکہ عیدین کی زائد تکبیریں اور رفع یدین بہرحال خلاف معمول ہیں اس لئے کم تعداد کا اختیار کرنا ہی اولیٰ ہوگا۔

امام خطبہ دیتے وقت عصا وغیرہ کا سہارا لے لے

(۱۹) وَعَنِ الْبَرَاءِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُوْوِلَ یَوْمَ الْعِیْدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَیْہِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت براءؓ راوی ہیں کہ عید کے دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کمان پیش کی گئی چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا سہارا لے کر خطبہ ارشاد فرمایا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح عصاء وغیرہ ٹیک کر خطبہ پڑھا جاتا ہے اسی طرح آپ ﷺ نے عصاء کی بجائے کمان ٹیک کر اس کے سہارے خطبہ ارشاد فرمایا۔

(۲۰) وَعَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا خَطَبَ یَعْتَمِدُ عَلٰی عَنَزَتِہٖ اِعْتِمَادًا۔ (رواہ الشافعی)

"اور حضرت عطاء بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو اپنے نیزے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے۔" (شافعیؒ)

(۲۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ شَھِدْتُ الصَّلَاۃَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ یَوْمِ عِیْدٍ فَبَدَأَ بِالصَّلٰوۃِ قَبْلَ الْخُطْبَۃِ بِغَیْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَۃٍ فَلَمَّا قَضَی الصَّلٰوۃَ قَامَ مُتَّکِئًا عَلٰی بِلَالٍ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَکَّرَھُمْ وَحَثَّھُمْ عَلٰی طَاعَتِہٖ وَمَضٰی اِلَی النِّسَآءِ وَمَعَہٗ بِلَالٌ فَاَمَرَھُنَّ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَوَعَظَھُنَّ وَذَکَّرَھُنَّ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ عید کے دن نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز میں شریک ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے اذان و تکبیر کے بغیر خطبہ سے پہلے نماز شروع فرمائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو (خطبہ کے لئے) حضرت بلال کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف بیان فرمائی۔ لوگوں کو نصیحت کی اور انہیں عذاب و ثواب (کے احکام یاد دلائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کی ترغیب دلائی۔ پھر آپ ﷺ عورتوں کی جماعت کی طرف متوجہ ہوئے حضرت بلالؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے (وہاں بھی) آپ ﷺ نے عورتوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا، ان کو نصیحت کی اور انہیں عذاب و ثواب (کے احکام) یاد دلائے۔" (نسائیؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطیب کے لئے مناسب ہے کہ وہ خطبہ دیتے وقت کسی چیز مثلاً تلوار، کمان برچھی، عصا یا کسی آدمی کا

سہارا لے کر کھڑا ہو۔

عید گاہ جانے کا طریقہ

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ فِيْ طَرِيْقٍ رَجَعَ فِيْ غَيْرِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب عید کے دن (عید گاہ) ایک راستہ سے تشریف لے جاتے تو واپس دوسرے راستہ سے ہوتے تھے۔" (ترمذیؒ، دارمیؒ)

تشریح: عید گاہ جانے کے لئے ایک راستہ اختیار کرنا اور واپسی کے لئے دوسرا راستہ اختیار کرنا مسنون ہے، اس کی حکمت اسی باب کی فصل میں ایک حدیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کی جاچکی ہے۔

عید گاہ جاتے ہوئے۔ راستہ میں یعنی اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ۔ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد پڑھتے رہنا چاہئے۔ صاحبین کے نزدیک تو عید و بقر عید دونوں موقع پر راستہ میں یہ تکبیر بلند آواز سے پڑھنی چاہئے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عید میں تو یہ تکبیر آہستہ آواز سے۔ اور بقر عید میں بلند آواز سے پڑھنا چاہئے۔

عذر کی وجہ سے عیدین کی نماز شہر کی مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے

(۲۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِیْ يَوْمِ عِيْدٍ فَصَلّٰى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِيْدِ فِی الْمَسْجِدِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) عید کے دن بارش ہونے لگی تو نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کو مسجد میں نماز پڑھائی۔"

(ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ عیدین کی نماز شہر سے باہر جنگل میں ادا فرماتے تھے مگر جب بارش ہوتی تو آپ ﷺ مسجد نبوی ہی میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ عیدین کی نماز جنگل میں (یعنی عید گاہ میں) ادا کرنا افضل ہے۔ ہاں کوئی عذر پیش آجائے تو پھر شہر کی مسجد میں ادا کی جاسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں اہل مکہ کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ وہ عیدین کی نماز مسجد حرام ہی میں ادا کریں جیسا کہ آجکل عمل ہے اسی طرح اہل مدینہ بھی عیدین کی نماز مسجد نبوی ہی میں پڑھتے ہیں۔

عیدین کی نماز تاخیر سے اور بقر عید کی نماز جلدی پڑھ لینی چاہئے

(۲۴) وَعَنْ اَبِی الْحُوَيْرِثِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَهُوَ بِنَجْرَانَ عَجِّلِ الْاَضْحٰى وَاَخِّرِ الْفِطْرَ وَذَكِّرِ النَّاسَ۔ (رواہ الشافعی)

"اور حضرت ابی الحویرثؒ راوی ہیں کہ رسول کریم نے حضرت عمروؓ بن حزم کو جو نجران میں تھے یہ (حکم لکھ کر بھیجا کہ بقر عید کی نماز جلدی اور عید کی نماز تاخیر سے ادا کرو نیز (خطبہ میں) لوگوں کو پند و نصیحت کرو۔" (شافعیؒ)

تشریح: نجران ایک شہر کا نام ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو ابن حزمؓ کو وہاں کا عامل بنا کر بھیجا تھا جب کہ ان کی عمر صرف سترہ سال تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ احکام لکھ کر بھیجے تھے تاکہ وہ اس پر عمل کریں۔ بقر عید کی نماز جلدی ادا کر لینے کے لئے اس واسطے فرمایا تاکہ لوگ نماز سے جلدی فارغ ہو کر قربانی وغیرہ میں مشغول ہو جائیں۔ اسی طرح عید کی نماز تاخیر سے ادا کرنے کے لئے اس واسطے فرمایا تاکہ لوگ نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کرلیں۔

چاند کی شہادت زوال کے بعد آئے تو عید کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے

(۲۵) وَعَنْ اَبِیْ عُمَیْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَکْبًا جَاءُوْا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَشْهَدُوْنَ اَنَّهُمْ رَءُوا الْهِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَهُمْ اَنْ یُّفْطِرُوْا وَاِذَا اَصْبَحُوْا اَنْ یَّغْدُوْا اِلٰی مُصَلَّاهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی)

"اور حضرت عمیر بن انس اپنے چچاؤں سے جو نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، نقل کرتے ہیں کہ "ایک قافلہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ شہادت دی کہ انہوں نے کل عید کا چاند دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو افطار کا حکم دیا اور فرمایا کہ صبح عید گاہ جائیں۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: رمضان کی تیسویں شب یعنی انتیس تاریخ کو اہل مدینہ نے عید کا چاند نہیں دیکھا چنانچہ انہوں نے تیس تاریخ کو روزہ رکھا۔ اتفاق سے اسی روز ایک قافلہ باہر سے مدینہ آیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اس بات کی شہادت دی کہ ہم نے کل چاند دیکھا۔ آپ ﷺ نے اس قافلہ کی شہادت کو مانتے ہوئے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کر دیں۔ اور چونکہ چاند ہونے کی یہ شہادت زوال آفتاب کے بعد آئی تھی اور نماز عید کا وقت نہ رہا تھا۔ جیسا کہ ایک روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ انهم قدموا اخر النهار (یعنی قافلہ دن کے آخری حصّہ میں مدینہ پہنچا تھا) آپ ﷺ نے نماز عید کے بارہ میں یہ حکم دیا کہ کل صبح ادا کی جائے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا اسی پر عمل ہے کہ آفتاب بلند ہونے کے بعد نماز عید کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور زوال آفتاب تک رہتا ہے۔

شرح منیہ میں لکھا کہ "اگر کوئی ایسا عذر پیش آجائے جو عید الفطر کے روز زوال آفتاب سے پہلے نماز عید کی ادائیگی کے لئے مانع ہو تو عید کی نماز اس روز پڑھنے کی بجائے دوسرے روز زوال آفتاب سے پہلے ادا کر لی جائے۔ اگر دوسرے دن بھی کوئی عذر نماز کی ادائیگی کے لئے مانع ہو تو پھر نماز نہ پڑھی جائے۔

بخلاف بقر عید کی نماز کے کہ اگر اس کی ادائیگی کے لئے کوئی عذر پہلے اور دوسرے روز مانع ہو تو تیسرے روز بھی اس کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ ویسے بقر عید کی نماز میں بلا عذر بھی دوسرے یا تیسرے دن تک تاخیر جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عیدین کی نماز میں اذان و تکبیر نہیں ہے

(۲۶) عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَا لَمْ یَکُنْ یُؤَذَّنُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا یَوْمَ الْاَضْحٰی ثُمَّ سَاَلْتُهُ یَعْنِیْ عَطَاءً بَعْدَ حِیْنٍ عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَنِیْ قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنْ لَا اَذَانَ لِلصَّلٰوةِ یَوْمَ الْفِطْرِ حِیْنَ یَخْرُجُ الْاِمَامُ وَلَا بَعْدَ مَا یَخْرُجُ وَلَا اِقَامَةَ وَلَا نِدَاءَ وَلَا شَیْءَ لَا نِدَاءَ یَوْمَئِذٍ وَلَا اِقَامَةَ۔ (رواہ مسلم)

"ابن جریج" کہتے ہیں کہ عطاء" نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابر ابن عبداللہؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ "نہ تو عید کے دن (نماز عید کے لئے) اذان دی جاتی تھی اور نہ بقر عید کے دن" ابن جریج کہتے ہیں کہ "کچھ مدت کے بعد پھر میں نے دوبارہ عطاء سے یہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ "مجھے حضرت جابر ابن عبداللہ نے بتایا ہے کہ عید کے دن نماز عید کے لئے اذان نہیں ہے نہ تو امام کے باہر آنے کے وقت اور نہ امام کے باہر آجانے پر، اور نہ تکبیر ہے اور نہ نداء ہے اور نہ کچھ اور، اس دن نہ نداء ہے نہ تکبیر۔" (مسلمؒ)

تشریح: ابن جریج نے یا تو عطاء سے دوبارہ اس مسئلہ کی تفصیل معلوم کی ہوگی یا بعینہٖ وہی مسئلہ پوچھا ہوگا۔ بہر حال عطاء نے دوسری مرتبہ

کے جواب میں صرف عید الفطر کا ذکر کیا عید الاضحیٰ کا نہیں، وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ یہ سمجھے کہ صرف عید الفطر کا ذکر کر دینا ہی کافی ہے سائل عید الفطر پر عید الاضحیٰ کو بھی قیاس کر لے گا۔

"نداء" سے "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" یا اس طرح کہ دوسرے الفاظ جو نماز کی اطلاع دینے کے لئے استعمال کئے جائیں کہنا مراد ہے "لانداء" کے بعد لفظ "لاشئ" لانداء کی تاکید کہ لئے لایا گیا ہے، پھر اس کے بعد حدیث کے آخری الفاظ لانداء یو مئذ و لا اقامۃ بھی تاکید کے لئے دوبارہ استعمال کئے گئے ہیں۔ (شیخ عبد الحق)

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ لفظ "لانداء" اول سے آخر تک پہلے جملہ کی تاکید ہے اور مناسب یہ ہے کہ لفظ نداء سے اذان مراد لی جائے کیونکہ عیدین کے موقع پر اذان و تکبیر کی بجائے الصلوٰۃ جامعۃ پکار کر کہنا تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ گویا حضرت شیخ عبد الحقؒ کے قول کے مطابق حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عیدین کی نماز کے لئے جس طرح اذان و تکبیر مشروع نہیں ہے اسی طرح نماز کی اطلاع کے لئے کوئی اور لفظ مثلاً "الصلوٰۃ جامعہ" پکارنا بھی مشروع نہیں ہے جب کہ حضرت ملا علی قاریؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عیدین کی نماز میں اذان و تکبیر تو مشروع نہیں ہاں نماز کی اطلاع دینے کے لئے نداء یعنی "الصلوٰۃ جامعۃ" پکار کر کہنا مستحب ہے۔

لہٰذا ان دونوں اقوال کے باہم اختلاف و تضاد کو اس تطبیق کے ذریعہ ختم کیا جائے حضرت شیخ نے نداء کی جو نفی کی ہے وہ عید گاہ کے اندر بطریق التزام کے ہے یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ اول تو عید گاہ کے اندر اور دوسرے بطریق التزام نداء نہ دی جائے اور حضرت ملا علی قاریؒ نے نداء کو جو مستحب لکھا ہے تو اس کا تعلق عید گاہ سے باہر اور کبھی کبھی کہنے سے ہے یعنی "الصلوٰۃ جامعۃ" عید گاہ سے باہر اور کبھی کبھی پکار کر کہنا مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔

عیدین میں خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے

(۲۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْاَضْحٰی وَ یَوْمَ الْفِطْرِ فَیَبْدَأُ بِالصَّلَاۃِ فَاِذَا صَلّٰی صَلَاتَہٗ قَامَ فَاَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ وَھُمْ جُلُوْسٌ فِیْ مُصَلَّاھُمْ فَاِنْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ بِبَعْثٍ ذَکَرَہٗ لِلنَّاسِ اَوْکَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ بِغَیْرِ ذٰلِکَ اَمَرَھُمْ بِھَا وَکَانَ یَقُوْلُ تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا وَکَانَ اَکْثَرَ مَنْ یَتَصَدَّقُ النِّسَاءُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَلَمْ یَزَلْ کَذٰلِکَ حَتّٰی کَانَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَکَمِ فَخَرَجْتُ مُخَاصِرًا مَرْوَانَ حَتّٰی اَتَیْنَا الْمُصَلّٰی فَاِذَا کَثِیْرُبْنُ الصَّلْتِ قَدْ بَنٰی مِنْبَرًا مِنْ طِیْنٍ وَلَبِنٍ فَاِذَا مَرْوَانُ یُنَازِعُنِیْ یَدَہٗ کَاَنَّہٗ یَجُرُّنِیْ نَحْوَ الْمِنْبَرِ وَ اَنَا اَجُرُّہٗ نَحْوَ الصَّلٰوۃِ فَلَمَّا رَاَیْتُ ذٰلِکَ مِنْہُ قُلْتُ اَیْنَ الْاِبْتِدَاءُ بِالصَّلَاۃِ فَقَالَ لَا یَا اَبَاسَعِیْدٍ قَدْ تُرِکَ مَا تَعْلَمُ قُلْتُ کَلَّا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَاْتُوْنَ بِخَیْرٍ مِمَّا اَعْلَمُ ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ انْصَرَفَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور بقر عید کے دن (عید گاہ) جاتے تو (پہلے) نماز شروع کرتے جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو (خطبہ کے لئے) کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے، لوگ اپنی نماز کی جگہ بیٹھے رہتے چنانچہ اگر آپ ﷺ کو کہیں لشکر بھیجنا ہوتا تو (اس وقت) لوگوں کے سامنے اس کا ذکر فرماتے (اور لشکر بھیجتے) یا لوگوں کی کوئی اور حاجت ہوتی (یعنی مسلمانوں کے فائدہ کی کوئی بات ہوئی) تو اس کے بارہ میں حکم فرماتے اور آنحضرت ﷺ (اپنے خطبہ کے دوران) یہ فرمایا کرتے تھے صدقہ دو، صدقہ دو، صدقہ دو، چنانچہ عورتیں زیادہ صدقہ و خیرات دیا کرتیں تھیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ اپنے مکان واپس تشریف لاتے (آپ ﷺ کے مبارک زمانہ اور آپ ﷺ کے بعد چاروں خلفاء کے دور خلافت میں نیز اس کے بعد تک بھی) یہی معمول جاری رہا (کہ خطبہ نماز کے بعد ہوتا اور خطبہ منبر پر نہیں بلکہ زمین ہی پر کھڑے ہو کر پڑھا جاتا رہا) یہاں تک کہ (امیر معاویہؓ کی جانب سے مدینہ کا حکم) مروان ابن حکم مقرر ہوا (ایک مرتبہ عید کے دن) میں مروان ابن حکم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے عید گاہ آیا (جب ہم عید گاہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ) وہاں کثیر ابن صلت نے

مٹی اور کچی اینٹ کا منبر بنا رکھا تھا۔ اچانک مروان مجھے اپنے ہاتھ کے سامنے کھینچنے لگا گویا وہ مجھے منبر کی طرف کھینچ رہا تھا (تاکہ نماز سے پہلے خطبہ پڑھے) اور میں اس کو نماز کی طرف کھینچ رہا تھا (تاکہ وہ پہلے نماز پھر خطبہ پڑھے) جب میں نے یہ دیکھا (کہ وہ پہلے خطبہ پڑھنے پر مصر ہے) تو میں نے کہا کہ عید کی نماز پہلے پڑھنے کا وہ فعل کہاں ہے؟ (جس پر آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ سے عمل ہوتا چلا آیا ہے) مروان نے کہا کہ "ابوسعیدؓ! جھگڑا نہ کرو، جس بات کو تم جانتے ہو اب وہ متروک ہے (یعنی میں نے مصلحت کے پیش نظر خطبہ سے پہلے نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور مصلحت یہ ہے کہ اگر خطبہ نماز کے بعد پڑھا جائے گا تو لوگ اٹھ اٹھ کر جانے لگیں گے) میں نے کہا کہ ہرگز نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جو چیز میں جانتا ہوں تم اس سے بہتر چیز لا ہی نہیں سکتے" میں نے یہ بات تین مرتبہ اس سے کہی۔ پھر (مروان کے اس فعل کی وجہ سے) ابوسعیدؓ (عید گاہ سے) چلے گئے (اور جماعت میں شریک نہیں ہوئے۔" (مسلم)

تشریح: صدقہ و خیرات یعنی اللہ کے نام پر اپنا مال خرچ کرنے کی جو اہمیت و فضیلت ہے اس کے پیش نظر آپ ﷺ اپنے خطبہ میں لفظ تصدقوا تین مرتبہ تاکیداً فرمایا کرتے تھے، یا یہ کہ تین مرتبہ فرمانا تین حالتوں کی طرف اشارہ ہے ① صدقہ دو اپنی زندگی کے واسطہ۔ ② صدقہ دو اپنی موت کے لئے۔ ③ اور صدقہ دو اپنی آخرت کے لئے۔

"مخاصر" دو شخصوں کے اس طرح باہم ہاتھ پکڑے ہوئے چلنے کو کہتے ہیں کہ ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کے کولھے کے قریب ہو۔

مروان ابن حکم ۲ھ میں پیدا ہوا تھا مگر اسے آنحضرت ﷺ سے شرف زیارت حاصل نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح کثیر ابن صلت کے بارہ میں بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش بھی آنحضرت ﷺ ہی کے زمانہ مبارک ہی میں ہوئی تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے صاحب جامع الاصول نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے جب کہ بعض محققین نے انہیں تابعی کہا ہے۔ ان کا مکان عید گاہ کے قریب تھا انہوں نے ہی عید گاہ میں منبر بنایا تھا تاکہ عیدین کا خطبہ اس پر کھڑے ہو کر پڑھا جائے جیسا کہ جمعہ کا خطبہ منبر پر کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے۔ لہٰذا ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مروان ابن حکم نے عید گاہ میں منبر بنوایا ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ ثم انصرف کے یہ معنی بھی محتمل ہو سکتے ہیں کہ مروان منبر کی طرف آیا تاکہ خطبہ پڑھے اور اس نے حضرت ابوسعیدؓ کی یہ بات نہ مانی کہ پہلے نماز پڑھی جائے پھر خطبہ پڑھا جائے۔

عیدین کی نماز کا طریقہ: عیدین کی نماز دو رکعت ہے جس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا نیت کر کے اور تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لے پھر سبحانک اللھم پڑھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہے اور ہر مرتبہ مثل تکبیر تحریمہ کے دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور تکبیر کے بعد لٹکا دے اور ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر توقف کرے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں۔ تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے بلکہ ہاتھ باندھ لے اور اعوذ باللہ، بسم اللہ، پڑھ کر سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھ کر رکوع و سجدہ کر کے کھڑا ہو۔ پھر دوسری رکعت میں پہلے سورۃ فاتحہ اور دوسری سورۃ پڑھ لے اس کے بعد تین تکبیریں اس طرح کہے جس طرح پہلی رکعت میں سبحانک اللھم پڑھ کر کہی تھی۔ لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ لٹکائے رکھے اور پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے اور نماز پوری کرے۔ نماز کے بعد امام کو چاہئے کہ وہ منبر پر کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھے۔ عید الفطر کے خطبہ میں صدقہ فطر کے احکام و مسائل بیان کرے اور عید الاضحیٰ کے خطبہ میں قربانی اور تکبیر تشریق کے احکام بیان کرے۔

تکبیر تشریق یعنی ہر فرض نماز کے بعد فرض نماز پڑھنے والے کے لئے ایک مرتبہ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد کہنا واجب ہے۔ یہ تکبیر عرفہ یعنی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کی فجر سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک کہنا چاہئے۔ یہ تکبیر عورت اور مسافر پر واجب نہیں۔ ہاں اگر یہ لوگ کسی ایسے شخص کی مقتدی ہوں جن پر تکبیر کہنا واجب ہے تو ان پر بھی تکبیر واجب ہو جائے گی۔ (علم الفقہ)

بَابٌ فِي الْاُضْحِيَةِ

قربانی کا بیان

حنفی مسلک میں قربانی ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو مقیم اور غنی ہو یعنی نصاب کا مالک ہو اگرچہ نصاب نامی نہ ہو حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی سُنّت موکدہ ہے حضرت امام احمدؒ کا بھی مشہور اور مختار قول یہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہئے

① عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِکَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَقْرَنَیْنِ ذَبَحَهُمَا بِیَدِهٖ وَسَمّٰی وَکَبَّرَ قَالَ رَاَیْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰی صِفَاحِهِمَا وَیَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ۔ (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے دو دنبوں کی جو سینگوں والے (یعنی جن کے سینگ لمبے تھے یا یہ کہ سینگ ٹوٹے ہوئے نہ تھے) اور ابلق (یعنی سیاہ رنگ کے) تھے قربانی کی۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر (خود) اپنے ہاتھ سے انہیں ذبح کیا" حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ان کے پہلو (یا کلّے) پر پاؤں رکھے ہوئے تھے اور بسم اللہ واللہ اکبر کہتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ اگر وہ ذبح کے آداب جانتا ہو تو قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے ورنہ بصورت دیگر اپنی طرف سے کسی دوسرے شخص سے ذبح کرائے اور خود وہاں موجود رہے۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا (یعنی بسم اللہ کہنا) حنفیہ کے نزدیک شرط ہے اور تکبیر کہنی (یعنی واللہ اکبر کہنا) تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ ویقول بسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر میں اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ واللہ اکبر واو کے ساتھ کہنا افضل ہے۔ ذبح کے وقت درود پڑھنا جمہور علماء کے نزدیک مکروہ ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک سُنّت ہے۔

قربانی کے دنبہ کی صفات

② وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِکَبْشٍ اَقْرَنَ یَطَأُ فِیْ سَوَادٍ وَیَبْرُكُ فِیْ سَوَادٍ وَیَنْظُرُ فِیْ سَوَادٍ فَاُتِیَ بِهٖ لِیُضَحِّیَ بِهٖ قَالَ یَا عَائِشَةُ هَلُمِّی الْمُدْیَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِیْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْکَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰی بِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (قربانی کے لئے) ایک ایسے سینگ دار دنبہ کے لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو (یعنی اس کے پاؤں سیاہ ہوں) سیاہی میں بیٹھتا ہو (یعنی اس کا پیٹ اور سینہ سیاہ ہو) اور سیاہی میں دیکھتا ہو (یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی ہو) چنانچہ (جب) آپ کے لئے قربانی کے واسطے ایسا دنبہ لایا گیا (تو) فرمایا کہ "عائشہ! چھری لاؤ (جب چھری لائی تو) پھر فرمایا کہ اسے پتھر پر (رگڑ کر) تیز کرو، میں نے چھری تیز کی، آپ ﷺ نے چھری لی اور دنبہ کو پکڑ کر اسے لٹایا پھر جب اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو یہ فرمایا کہ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ (یعنی اے اللہ! اے محمد (ﷺ)، آل محمد (ﷺ) اور اُمّت محمد (ﷺ) کی طرف سے قبول فرما) پھر اسے ذبح کر دیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: جب جانور کو ذبح کیا جا رہا ہو اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں

نے ایک ایسے شخص کو درے سے مارا تھا جس نے ایسا کیا تھا۔ اسی طرح ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔
آنحضرت ﷺ نے ذبح کرتے وقت جو الفاظ ارشاد فرمائے اس سے مراد صرف ثواب میں اُمّت کو شریک کرنا تھا نہ یہ کہ آپ ﷺ نے سب کی طرف سے قربانی کی تھی کیونکہ ایک دنبہ یا ایک بکری کی قربانی کئی آدمیوں کی طرف سے درست نہیں ہے۔

کس عمر کے جانور کی قربانی کرنی چاہئے؟

(۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "تم (قربانی میں صرف) مسنّہ جانور ذبح کرو، ہاں اگر مسنّہ نہ پاؤ تو پھر دنبہ بھیڑ کا جزعہ ذبح کر لو۔" (مسلم)

تشریح: مسنہ یا جزعہ کسی خاص جانور کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک اصطلاح ہے جو قربانی کے جانور کی عمر کے سلسلہ میں مستعمل ہوتی ہے۔ چنانچہ حنفی مسلک کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے کہ اونٹوں میں وہ اونٹ مسنّہ کہلاتا ہے جو پورے پانچ سال کی عمر کا ہو اور چھٹے برس میں داخل ہو چکا ہو۔ گائے، بھینس اور بیل میں مسنہ اسے کہتے ہیں جو پورا دو سال کی عمر کا ہو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ بھیڑ اور دنبہ میں مسنہ وہ ہے جو اپنی عمر کا پورا ایک سال گزار کر دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ لہٰذا ان جانوروں میں قربانی کے لئے جانور کا مسنّہ ہونا ضروری ہے۔ ہاں دنبہ اور بھیڑ کا اگر جزعہ بھی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ جزعہ بھیڑ یا دنبہ کا وہ بچہ کہلاتا ہے جس کی عمر ایک برس سے تو کم ہو مگر چھ مہینہ سے زیادہ ہو۔
بعض حضرات کہتے ہیں کہ جزعہ کی قربانی اس صورت میں جائز ہوگی جب کہ وہ اتنا فربہ ہو کہ اگر اسے مسنّہ کے ساتھ کھڑا کر دیا جائے تو دور سے دیکھنے والا اسے بھی مسنّہ گمان کرے اگر وہ فربہ نہ ہو بلکہ چھوٹا ہو اور دبلا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔
بظاہر حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مسنّہ بہم نہ پہنچے یا اس کی قیمت میسر نہ ہو تو جزعہ کی قربانی درست ہے ورنہ بصورت دیگر اس کی قربانی درست نہیں ہوگی۔ بلکہ فقہاء کہتے ہیں کہ یہ استحباب پر محمول ہے یعنی مستحب تو یہی ہے کہ اگر مسنّہ مل جائے اور اس کے خریدنے کی استطاعت ہو تو جزعہ کی قربانی نہ کرے۔ ویسے اگر مسنّہ ہوتے ہوتے بھی کوئی جزعہ کی قربانی کرے گا تو درست ہوگی۔"

بکری کے بچہ کی قربانی

(۴) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلٰى صَحَابَتِهٖ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُوْدٌ فَذَكَرَهٗ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهٖ اَنْتَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَصَابَنِيْ جَذَعٌ قَالَ ضَحِّ بِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عقبہؓ ابن عامر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دیا تاکہ وہ اسے صحابہ میں بطریق قربانی کے تقسیم کر دیں چنانچہ (انہوں نے تقسیم کر دیا) تقسیم کے بعد بکری کا ایک بچہ باقی رہ گیا، انہوں نے اس کے بارہ میں آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس کی قربانی تم کر لو" ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے دنبہ کا ایک بچہ ملا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس کی قربانی کر لو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "عتود" بکری کے اس بچہ کو کہتے ہیں جو موٹا تازہ ہو اور ایک سال کی عمر کا ہو۔ لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کے ایک سال کے بچہ کی قربانی جائز ہے چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ "عتود" بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں جو چھ مہینہ سے زیادہ کا ہو اس صورت میں یہ حکم صرف عقبہ ابن عامر کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ دوسروں کے لئے عتود کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ "جزعہ" کے بارہ میں پہلے بھی بتایا جاچکا ہے۔ یعنی دنبہ کا وہ بچہ جو چھ مہینے سے زیادہ کا ہو۔"

عید گاہ میں قربانی افضل ہے۔

⑤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید گاہ میں قربانی کے جانور کو ذبح اور نحر کیا کرتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: باب صلوٰۃ العیدین کی پہلی فصل کے آخر میں ذبح اور نحر کے معنی اور ان کے باہم فرق کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاچکا ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ عید گاہ میں قربانی کرنا افضل ہے۔

قربانی کے حصے

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ۔ (رواہ مسلم و ابوداؤد و اللفظ لہ)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "قربانی کے لئے) ایک گائے اور ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔" (مسلمؒ ابوداؤدؒ)

قربانی کرنے والے کے لئے کچھ ہدایتیں

⑦ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَ اَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُضَحِّيَ وَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَبَشَرِهٖ شَيْئًا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَاْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفُرًا وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ رَاٰى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَاْخُذْ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہوجائے تو تم میں سے جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے وہ (اس وقت تک کہ قربانی نہ کرے) اپنے بال اور ناخن بالکل نہ کتروائے۔" ایک روایت میں یوں ہے کہ "نہ بال کٹوائے اور نہ ناخن کتروائے۔" ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "جو شخص بقر عید کا چاند دیکھے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ (قربانی کرلینے تک) اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے۔" (مسلمؒ)

تشریح: بقر عید کا چاند دیکھ لینے کے بعد قربانی کرلینے تک بال وغیرہ کٹوانے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے تاکہ احرام والوں کی مشابہت حاصل ہوجائے۔ لیکن یہ ممانعت تنزیہی ہے لہٰذا بال وغیرہ کا نہ کٹوانا مستحب ہے اور اس کے خلاف عمل کرنا ترک اولیٰ ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔"

عشرہ ذی الحجہ کے نیک اعمال کی فضیلت

⑧ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ اَيَّامٍ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "دنوں میں کوئی دن نہیں ہے جس میں نیک عمل کرنا خدا کے نزدیک ان

دس دنوں (ذی الحجہ کے پہلے عشرہ) سے زیادہ محبوب ہو۔" صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا (ان ایام کے علاوہ دوسرے دنوں میں) خدا کی راہ میں جہاد کرنا بھی (ان دنوں کے نیک اعمال کے برابر) نہیں ہے؟ فرمایا ہاں! اس شخص کا جہاد جو اپنی جان و مال کے ساتھ (خدا کی راہ میں لڑنے) نکلا اور پھر واپس نہ ہوا (ان دنوں کے نیک اعمال سے بھی زیادہ افضل ہے)۔" (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر جہاد ایسا ہو جس میں مال و جان سب خدا کی راہ میں قربان ہو جائے اور جہاد کرنے والا مرتبہ شہادت پا جائے تو وہ جہاد البتہ خدا کے نزدیک ان دس دنوں کے نیک اعمال سے بھی زیادہ محبوب ہے کیونکہ ثواب نفس کشی و مشقت کے بقدر ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی جان اور اپنا مال قربان کر دینے سے زیادہ نفس کشی اور مشقت کیا ہو سکتی ہے؟

چونکہ رمضان کے نیک اعمال کی بھی بہت زیادہ فضیلت و عظمت بیان کی گئی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کی مراد یہ ہو کہ ان دنوں کے نیک اعمال ایام رمضان کے نیک اعمال کے علاوہ دوسرے دنوں کے نیک اعمال سے زیادہ محبوب ہیں یا رمضان کے نیک اعمال اس حیثیت سے سب سے زیادہ محبوب ہیں کہ ان دنوں میں فرض روزے رکھے جاتے ہیں۔ اور بہت زیادہ برگزیدہ و مقدس ترین شب یعنی لیلتہ القدر بھی رمضان ہی میں آتی ہے اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کے اعمال اس اعتبار سے سب سے زیادہ محبوب ہیں کہ بہت زیادہ برگزیدہ اور باعظمت و فضیلت دن یعنی "عرفہ" انہیں دنوں میں آتا ہے۔ اور اعمال حج بھی انہیں ایام میں ہوتے ہیں۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

قربانی کے وقت کی دعا

(۹) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الذَّبْحِ کَبْشَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ مَوْجُوْئَیْنِ فَلَمَّا وَجَّھَھُمَا قَالَ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّۃِ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّاُمَّتِہٖ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِاَحْمَدَ وَاَبِیْ دَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیِّ ذَبَحَ بِیَدِہٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَّمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ۔

"حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ذبح کے دن (یعنی عید قرباں کے دن) دو دنبے جو سینگ دار، ابلق اور خصی تھے ذبح کرنے چاہے تو ان کو قبلہ رخ کیا اور یہ پڑھا۔ یعنی میں اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس حال میں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں جو توحید کو ماننے والے تھے اور میں بھی مشرکین میں سے نہیں ہوں بلاشبہ میری نماز، میری تمام عبادتیں، میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں اے اللہ! یہ قربانی تیری عطاء سے ہے اور خالص تیری ہی رضا کے لئے ہے تو اس کو محمد ﷺ اور اس کی اُمت کی جانب سے قبول فرما ساتھ نام اللہ کے اور اللہ بہت بڑا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ذبح کیا۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ) نیز احمدؒ ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے (دونوں دنبے) اپنے ہاتھ سے ذبح کئے ہیں کہا بسم اللہ و اللہ اکبر، اے اللہ! یہ قربانی میری جانب سے ہے اور میری اُمت کے ہر اس فرد کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔"

تشریح: خصی سے مراد وہ ہے جس کے بیضے کوٹ کر اس کی شہوت ختم کر دی جاتی ہے اس کی قربانی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ایسا خصی فربہ ہوتا ہے اور اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔

وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں) اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آنحضرت ﷺ نبوت ملنے

سے پہلے کس شریعت کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے؟ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبوت ملنے سے پہلے آپ ﷺ کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق ہوتی تھی، بعض علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق اور بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق آپ عبادت کیا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں صحیح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی بھی شریعت کے مطابق عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی فہم اور اپنے وجدان کے موافق آپ ﷺ اپنی عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ البتہ یہ بات بالکل اجمالی طور پر محقق اور ثابت ہے کہ آپ ﷺ زندگی کے کسی بھی دور میں بت پرستی کی نجاست میں ملوث نہیں ہوئے۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عبادت کس نوع اور کس طریقہ کی تھی؟ تو اس کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ وہ غیر معلوم ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ ﷺ اس وقت کس طرح عبادت کرتے تھے؟

عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهٖ میں مشارکت یا تو ثواب پر محمول ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے ذبح کے وقت یہ الفاظ فرما کر اپنی قربانی کے ثواب میں اپنی اُمت کو بھی شریک فرمالیا۔ یا اسے حقیقت پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے مگر اس صورت میں کہا جائے گا یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ "اس سلسلہ میں واضح ترین بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دنبہ تو اپنی طرف سے قربان کیا اور دوسرے دنبہ کی قربانی اُمت کی طرف سے کی۔"

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر قربانی کرنے والا ذبح کرنے پر قادر ہو تو اس کے لئے اپنے ہاتھ سے قربانی کا جانور ذبح کرنا مستحب ہے اگرچہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔"

میت کی طرف سے قربانی جائز ہے

(۱۰) وَعَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهٗ مَاهٰذَا! فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ۔ (رواہ ابوداؤد وروی الترمذی نحوہ)

"اور حضرت حنش فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دو دنبے قربانی کرتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ یہ کیا؟ (یعنی جب ایک دنبہ کی قربانی کافی ہے تو دو دنبوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟) انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ (ان کے وصال کے بعد) میں ان کی طرف سے قربانی کروں لہٰذا میں ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔" (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: اس سلسلہ میں دونوں ہی احتمال ہیں یا تو حضرت علیؓ اپنی قربانی کے علاوہ دو دنبے آنحضرت ﷺ کی طرف سے قربان کرتے ہوں گے جیسا کہ آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں دو دنبوں کی قربانی کرتے تھے، یا پھر یہ کہ حضرت علیؓ ایک دنبہ کی قربانی تو اپنی طرف سے کرتے ہوں گے اور ایک دنبہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کا یہ ہمیشہ کا معمول تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہر سال قربانی کرتے تھے۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اگرچہ بعض علماء نے اسے جائز نہیں کہا ہے۔ ابن مبارکؒ کا قول یہ ہے کہ "میں اسے پسند کرتا ہوں کہ میت کی طرف سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اس کی طرف سے قربانی نہ کی جائے، ہاں اگر میت کی طرف سے قربانی کی ہی جائے تو اسکا گوشت بالکل نہ کھایا جائے بلکہ سب کا سب اللہ کے نام پر تقسیم کردیا جائے

عیب دار جانور کی قربانی نہ کرنی چاہیے

(۱۱) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ وَاَنْ لَّا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَلَا مُدَابَرَةٍ وَّلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ اِلٰى قَوْلِهٖ

وَالاذُنَ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم (قربانی کے جانور کے) آنکھ اور کان کو خوب اچھی طرح دیکھ لیں (کہ کوئی ایسا عیب اور نقصان نہ ہو جس کی وجہ سے قربانی درست نہ ہو اور یہ حکم بھی دیا ہے کہ) ہم اس جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان اگلی طرف سے یا پچھلی طرف سے کٹا ہوا ہو اور نہ اس جانور کی جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے اور گولائی میں پھٹے ہوئے ہوں" یہ روایت ترمذی ابوداؤد، نسائی، دارمی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے لیکن ابن ماجہ کی روایت لفظ "والاذن" پر ختم ہو گئی ہے۔"

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس بکری کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا کان تھوڑا سا بھی کٹا ہوا ہو جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اگر کان آدھے سے کم کٹا ہوا ہو۔"

حضرت امام طحاوی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت امام شافعیؒ کا عمل اس حدیث پر ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے جو بہت جامع ہے کیونکہ اس مسلک سے اس حدیث میں اور قتادہؓ کی حدیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "حضرت قتادہ حضرت ابن کلیب سے یہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عضبائے قرن واذن (کی قربانی) سے منع فرمایا ہے۔" قتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید ابن مسیبؓ سے پوچھا کہ "یہ عضبائے اذن کیا ہے؟" تو انہوں نے فرمایا کہ جس کا کان آدھا یا آدھے سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔

حنفیہ کے نزدیک کیسے جانور کی قربانی جائز نہیں؟: اس مسئلہ میں حنفیہؒ کا مسلک ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ "ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔ ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں ہے جس کے کان پیدائشی نہ ہوں، اسی طرح ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں جس کی دم اور ناک تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹی ہوئی ہو، جو جانور اندھا یا کانا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو تو اس کی قربانی بھی جائز نہیں ہے، جس جانور کے تھن خشک ہو گئے ہوں اس کی قربانی بھی درست نہیں اور ایسے جانور کی بھی درست نہیں جس میں مغز نہ رہا ہو اور نہ ایسے لنگڑے کی جو قربانی کی جگہ تک نہ جا سکے اور نہ ایسے بیمار کا جو گھاس نہ کھا سکے نہ ایسے جانور کی جس کے خارش ہو، نہ بغیر دانت کے جانور کی جو گھاس نہ کھا سکتا ہو اور نہ نجاست خور جانور کی، ہاں ایسے جانور کی قربانی درست ہے جس کا کان لمبائی میں یا اس کے منہ کی طرف سے پھٹ جائے اور لٹکا ہوا ہو یا پیچھے کی طرف پھٹا ہوا، اس صورت میں کہا جائے گا یہ حدیث کہ جس سے ایسے جانور کی قربانی کی ممانعت معلوم ہو رہی ہے نہی تنزیہی پر محمول ہے۔

⑫ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ہم ایسے جانور کی قربانی کریں جس کے سینگ ٹوٹے ہوئے اور کان کٹے ہوئے ہوں۔" (ابن ماجہ)

تشریح: حنفی مسلک میں ایسے جانور کی قربانی جائز و درست ہے جس کے پیدائش ہی سے سینگ نہ ہوں یا ٹوٹے ہوئے ہوں یا ان کا خول اتر گیا ہے لہٰذا یہ حدیث نہی تنزیہی پر محمول کی جائے گی۔ البتہ ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہو گی جس کے سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں۔

⑬ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَا تُنْقِيْ۔

(رواہ مالک و احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت براء ابن عاب ؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیسے جانور کی قربانی لائق نہیں؟ تو آپ نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ چار طرح کے جانور قربانی کے قابل نہیں۔ ① لنگڑا۔ جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو یعنی جو چل نہ سکے۔ ② کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو یعنی ایک آنکھ سے بالکل دکھائی نہ دیتا ہو یا تہائی یا تہائی سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو۔ ③ بیمار۔ جس کی بیماری ظاہر ہو یعنی جو بیماری کی وجہ سے گھاس نہ کھا سکے۔ ④ ایسا دبلا کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔" (مالکؒ، احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

فربہ جانور کی قربانی بہتر ہے

⑭ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُضَحِّیْ بِکَبْشٍ اَقْرَنَ فَحِیْلٍ یَنْظُرُ فِیْ سَوَادٍ وَّیَاْکُلُ فِیْ سَوَادٍ وَّیَمْشِیْ فِیْ سَوَادٍ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ایسے سینگ دار فربہ دنبہ کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھتا تھا یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی، سیاہی میں کھاتا تھا یعنی اس کا منہ بھی سیاہ تھا اور سیاہی میں چلتا تھا یعنی اس کے پاؤں بھی سیاہ تھے۔"

(ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی کرنا جو بہت فربہ اور موٹا ہو مستحب ہے۔ چنانچہ ایک فربہ بکری کی قربانی دو دبلی بکریوں کی قربانی سے افضل ہے۔ ایسے ہی زیادہ گوشت والی بکری کی قربانی کم گوشت والی بکری کی قربانی سے افضل ہے بشرطیکہ گوشت خراب نہ ہو یعنی زیادہ گوشت والی بکری کا گوشت خراب ہو تو پھر اس کی قربانی افضل نہیں ہے۔

جذع کی قربانی

⑮ وَعَنْ مُجَاشِعٍ مِنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اِنَّ الْجَذَعَ یُوَفِّیْ مِمَّا یُوَفِّیْ مِنْهُ الثَّنِیُّ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ)

"قبیلہ بنی سلیم کے (ایک فرد) حضرت مجاشعؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جذع (یعنی وہ دنبہ یا بھیڑ جس کی عمر چھ مہینے سے زیادہ ہو) کافی ہے اس چیز سے کہ کفایت کرتا ہے اس کو "ثنی"۔" (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ اس بکری کی قربانی جائز ہے جو ایک سال سے زیادہ کی ہو اسی طرح جزع کی قربانی بھی جائز ہے۔

"ثنی" بھی ایک اصطلاحی لفظ ہے جو قربانی کے جانور کی عمر کے سلسلہ میں استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ بکری میں "ثنی" وہ بکری کہلاتی ہے جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ بیل اور گائے میں "ثنی" وہ ہے جو دو سال کر کے تیسرے سال میں ہو، اونٹ میں "ثنی" وہ ہے جو پانچ سال پورے کرنا کے بعد چھٹے سال میں داخل ہو چکا ہو۔

⑯ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ نِعْمَةُ الْاُضْحِیَّةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دنبہ کے جزع (یعنی چھ ماہ کے بچہ) کی قربانی بہتر ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: دنبہ کی جزع کے قربانی کی تعریف سے دراصل لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ دنبہ کے چھ مہینہ کے بچہ کی قربانی جائز ہے بخلاف بکری کے جزع کے کہ اس کی قربانی درست نہیں۔"

قربانی میں شرکت

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَفِي الْبَعِيْرِ عَشَرَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم (ایک) سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ عید قربان آگئی، چنانچہ گائے (کی قربانی) میں ہم سات آدمی اور اونٹ (کی قربانی) میں دس آدمی شریک ہوئے (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے"

تشریح: اسحق ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے لئے ایک اونٹ میں دس آدمیوں کو شریک ہو جانا چاہئے بلکہ تمام علماء کے نزدیک یہ اس حدیث کے ذریعہ منسوخ قرار دے دی گئی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ جس طرح گائے کی قربانی سات آدمیوں سے درست ہے اسی طرح اونٹ کی قربانی بھی سات ہی آدمیوں کی طرف سے کی جا سکتی ہے۔"

قربانی کی فضیلت

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "ابن آدم کا نحر (یعنی قربانی کے دن) ایسا کوئی عمل نہیں جو خدا کے نزدیک خون بہانے (یعنی قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب ہو، اور (قربانی کا) وہ ذبح کیا ہوا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون قبل اس کے کہ زمین پر گرے (یعنی ذبح کرنے کے ارادہ کے وقت ہی) بارگاہ خداوندی میں قبول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم اس کی وجہ سے (یعنی قربانی کر کے) اپنے نفس کو خوش کرو۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: زین العرب فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بقرعید کے دن سب سے افضل عبادت قربانی کے جانور کا خون بہانا ہے اور قربانی کا جانور قیامت کے روز اسی طرح آئے گا جس طرح کے دنیا میں قربانی سے پہلے بغیر کسی عیب کے تھا تاکہ وہ قربانی کرنے والے کے ہر ہر عضو کی طرف سے نعم البدل اور پل صراط پر اس کی سواری ہو۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی قبول کرتا ہے اور اس کے بدلہ میں تمہیں بہت زیادہ ثواب سے نوازتا ہے تو قربانی کرنے کی وجہ سے تمہارے اندر کسی قسم کی کوئی تنگی یا کراہت پیدا نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ اس عظیم بشارت کی وجہ سے تمہارے نفس کو مطمئن اور تمہارے دل کو خوش ہونا چاہئے۔"

عشرہ ذی الحجہ کی عبادتوں کی فضیلت

(۱۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ اَنْ يُّتَعَبَّدَ لَهٗ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِّنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "ایسا کوئی دن نہیں ہے کہ جس میں عبادت کرنا عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ افضل ہو اس میں سے ہر دن کے روزے ایک سال کے روزوں کے برابر قرار دیئے جاتے ہیں اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کی

عبادت کے برابر قرار دی جاتی ہے (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔"

تشریح: طلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک ان دنوں میں عبادت کرنا دوسرے دنوں میں عبادت کرنے سے زیادہ محبوب ہے خصوصاً قربانی کرنا دوسرے اعمال سے زیادہ افضل اور محبوب ہے۔ اور عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت کے سلسلہ میں پوری وضاحت پہلی فصل میں گذر چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

بقر عید کی نماز سے پہلے قربانی درست نہیں

(۲۰) عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ الْاَضْحٰی يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعْدُ اَنْ صَلّٰى وَفَرَغَ مِنْ صَلَاتِهٖ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ يَرٰى لَحْمَ اَضَاحِيَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ اَوْ نُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ اُخْرٰى مَكَانَهَا وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت جندبؓ ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) عید قرباں میں جو نحر یعنی قربانی کا دن ہے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (عید گاہ) حاضر ہوا، ابھی آپ نے نماز اور خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا) کہ کیا دیکھتے ہیں کہ قربانی کا گوشت رکھا ہے اور نماز پڑھنے سے پہلے ہی قربانی ہو گئی ہے، آپ نے فرمایا کہ جس نے قبل اس کے کہ نماز پڑھے، یا یہ فرمایا کہ قبل اس کے کہ ہم نماز پڑھیں (قربانی کا جانور) ذبح کر دیا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس کے بدلہ میں دوسرا جانور) ذبح کرے" ایک اور روایت میں ہے کہ "حضرت جندبؓ نے فرمایا" آنحضرت ﷺ نے بقر عید کے روز نماز اور خطبہ ارشاد فرمایا پھر (قربانی کا جانور) ذبح کیا اور فرمایا کہ جو شخص قبل اس کے کہ نماز پڑھے، یا فرمایا کہ قبل اس کے کہ ہم نماز پڑھیں ذبح کیا تو اسے چاہئے کہ (نماز کے بعد قربانی کا جانور) اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کر دے۔" (بخاریؒ، و مسلمؒ)

ایام قربانی

(۲۱) وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ الْاَضْحٰی يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْاَضْحٰی رَوَاهُ مَالِكٌ وَقَالَ بَلَغَنِيْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ مِثْلَهٗ۔

"اور حضرت نافعؒ راوی ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا "بقر عید کے دن کے بعد قربانی کے دو دن ہیں۔" امام مالکؒ نے یہ روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "مجھے حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، سے بھی اس قسم کی روایت پہنچی ہے۔"

تشریح: حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ تینوں ائمہ کا عمل اسی حدیث پر ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قربانی کا آخری وقت ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آخری وقت تیرہویں تاریخ تک رہتا ہے۔ یہ حدیث تینوں ائمہ کی مستدل اور حضرت امام شافعی پر حجت ہے۔

آنحضرت ﷺ ہمیشہ قربانی کرتے تھے

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرما رہے اور (ہر سال قربانی) کرتے تھے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: قربانی واجب ہونے کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس پر مداومت فرمائی اور ہمیشہ قربانی کرتے رہے۔"

قربانی حضرت ابراہیمؑ کی سُنّت ہے

(۲۳) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِيُّ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ۔ (رواہ احمد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت زیدؓ ابن ارقم راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے اصحاب نے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ (یعنی ان کی سنت) ہے۔" صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! پھر اس میں ہمارے لئے کیا ثواب ہے؟" فرمایا "گائے اور بکری کی قربانی کرنے میں کہ جن کے بال ہوتے ہیں) ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ہے (انہوں نے عرض کیا کہ "صوف" (یعنی دنبہ، بھیڑ اور اونٹ کی اون اور اس کے بدلہ میں کیا ثواب ملتا ہے؟)" فرمایا "اون کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی۔" (احمدؒ ابن ماجہ)

بَابُ الْعَتِيْرَةِ

عتیرہ کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فرع اور عتیرہ کا ممانعت

(۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيْرَةَ قَالَ وَالْفَرَعُ اَوَّلُ نِتَاجٍ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوْا يَذْبَحُوْنَهُ لِطَوَاغِيْتِهِمْ وَالْعَتِيْرَةُ فِيْ رَجَبَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "فرع اور عتیرہ (کی) اسلام میں (کوئی حقیقت) نہیں۔" ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ "فرع جانور کا وہ پہلا بچہ ہے جو کافروں کے یہاں پیدا ہوتا ہے تو وہ اسے اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ایام جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ کسی کے ہاں جب جانور کے پہلا بچہ پیدا ہوتا تھا تو وہ اسے بتوں کے نام پر ذبح کرتا تھا۔ ابتداء اسلام میں بھی یہ طریقہ جاری رہا کہ مسلمان اس بچہ کو اللہ کے نام پر ذبح کر دیتے تھے مگر بعد میں اس طریقہ کو منسوخ قرار دے دیا گیا اور کفار کی مشابہت کے پیش نظر مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔

عتیرہ کسے کہتے ہیں؟: نیز ایام جاہلیت میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ لوگ ماہ رجب کے پہلے عشرہ میں اپنے معبود کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ایک بکری ذبح کرتے تھے اسی کو عتیرہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ابتداء اسلام میں مسلمان بھی ایسا کرتے تھے مگر کافر تو اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور مسلمان اسے تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھ کر اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے پھر بعد میں اسے بھی منسوخ قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ممانعت اسی لئے تھی کہ وہ اسے اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن صحیح مسئلہ یہی ہے کہ بت پرستوں کی مشابہت سے بچنے کے لئے یہ ممانعت عام ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۱) عَنْ مِخْنَفِ بْنِ سُلَیْمٍ قَالَ کُنَّا وُقُوْفًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَۃَ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ یَاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ عَلٰی کُلِّ اَھْلِ بَیْتٍ فِیْ کُلِّ عَامٍ اُضْحِیَۃً وَّعَتِیْرَۃً ھَلْ تَدْرُوْنَ مَالْعَتِیْرَۃُ ھِیَ الَّتِیْ تُسَمُّوْنَھَا الرَّجَبِیَّۃُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ ضَعِیْفُ الْاِسْنَادِ وَقَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَالْعَتِیْرَۃُ مَنْسُوْخَۃٌ۔

"حضرت مخنف ابن سلیم فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ (ایک حج کے موقعہ پر) عرفات میں کھڑے ہوئے تھے کہ میں نے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے۔ "لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا اور عتیرہ کرنا واجب ہے اور تم جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ عتیرہ وہ ہے جسے تم رجبیہ کہتے ہو (ترمذی"، ابوداؤد"، نسائی"، ابن ماجہ") امام ترمذی" نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب اور ضعیف الاسناد ہے نیز حضرت ابوداؤد" فرماتے ہیں کہ عتیرہ منسوخ قرار دیا جا چکا ہے۔ (یہ اب جائز نہیں ہے۔)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تنگ دست پر قربانی واجب نہیں

(۳) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِیَوْمِ الْاَضْحٰی عِیْدًا جَعَلَہُ اللّٰہُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ قَالَ لَہٗ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَأَیْتَ اِنْ لَّمْ اَجِدْ اِلَّا مَنِیْحَۃً اُنْثٰی اَفَاُضَحِّیْ بِھَا قَالَ لَا وَلٰکِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِکَ وَاَظْفَارِکَ وَتَقُصُّ شَارِبَکَ وَتَحْلِقُ عَانَتَکَ فَذَالِکَ تَمَامُ اُضْحِیَّتِکَ عِنْدَ اللّٰہِ۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی)

"حضرت عبداللہ! ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بقر عید کے دن کو عید قرار دوں اور اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اس اُمّت کے لئے عید مقرر فرمایا ہے۔" ایک شخص نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مجھے یہ بتائیے کہ اگر مجھے مادہ منیحہ کے علاوہ اور (جانور) میسر نہ ہو تو کیا میں اسی کو قربانی کر لوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! ہاں تم اپنے بال بنوالو اپنے ناخن ترشوالو، لبوں کے بال کتروالو اور زیر ناف کے بال صاف کر لو، خدا کے نزدیک تمہاری یہی قربانی ہو جائے گی یعنی تمہیں قربانی کی مانند ثواب مل جائے گا۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: "منیحہ" منح سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "عطاء و بخشش، اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ ازراہِ ہمدردی و احسان اپنی کوئی دودھ والی اونٹنی محتاجوں کو دے دیا کرتے تھے تاکہ وہ اس کے دودھ، اون اور اس کے بچوں سے اپنی ضرورت و احتیاج کے وقت تک فائدہ اٹھائے اور جب ان کی ضرورت و حاجت پوری ہو جائے تو اسے واپس کر دیں۔ چنانچہ ان صحابی کے پاس اسی قسم کا کوئی جانور تھا جو انہیں کسی نے ضرورت و حاجت کے پیش نظر دیا تھا انہوں نے بقر عید میں اسی جانور کی قربانی کی اجازت چاہی تو آنحضرت ﷺ نے منع فرما دیا۔ کیونکہ اول تو قاعدہ کے مطابق اپنی ضرورت کے بعد وہ جانور انہیں اصل مالک کو واپس کرنا تھا۔ دوسرے اس جانور کے علاوہ ان کے پاس ایسا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کرتے۔ لہٰذا حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قربانی تنگ دست و غریب پر واجب ہے۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ تنگدست کے لئے قربانی کرنا مستحب ہے، مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ" فرماتے ہیں کہ قربانی صرف اس شخص پر واجب ہے جو نصاب کا مالک ہو۔"

بَابُ صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ

نماز خسوف کا بیان

مشہور اہل لغت اہل علم کا قول یہ ہے کہ "خسوف" چاند گرہن کو کہتے ہیں اور "کسوف" سورج گرہن کو۔ اس باب میں جتنی احادیث نقل کی جائیں گی سب کی سب سورج گرہن سے متعلق ہیں۔ ہاں صرف ایک حدیث جو پہلی فصل کی دوسری حدیث ہے اس کے بارہ میں احتمال ہے کہ وہ "چاند گرہن" سے متعلق ہے لہٰذا مؤلف مشکوٰۃ کے لئے بہتر یہ تھا کہ وہ اس باب کا نام "باب صلوٰۃ الخسوف" کی بجائے "باب صلوٰۃ الکسوف" رکھتے۔

بعض علماء نے لفظ کسوف دونوں جگہ استعمال کیا ہے سورج گرہن میں بھی چاند گرہن میں بھی، اسی طرح بعض حضرات نے لفظ خسوف کو بھی دونوں جگہ استعمال کیا ہے۔

سورج گرہن کی نماز بالاتفاق جمہور علماء کے نزدیک مسنون ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز دو رکعت با جماعت بغیر خطبہ کے ہے۔ چاند گرہن کی نماز بھی دو رکعت ہے مگر اس میں جماعت نہیں ہے بلکہ ہر شخص الگ الگ یہ نماز پڑھے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں میں جماعت اور خطبہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

سورج گرہن کے وقت آنحضرتؐ کی نماز

(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ مُنَادِيًا اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ فِىْ رَكْعَتَيْنِ وَاَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا رَكَعْتُ رُكُوْعًا قَطُّ وَلَا سَجَدْتُ سُجُوْدًا قَطُّ كَانَ اَطْوَلَ مِنْهُ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں (ہجرت کے بعد ایک مرتبہ) سورج گرہن ہوا چنانچہ آپ ﷺ نے ایک منادی والے کو (لوگوں کے درمیان) بھیجا کہ وہ یہ منادی کردے کہ "الصلوٰۃ جامعۃ" یعنی نماز جمع کرنے والی ہے چنانچہ (جب لوگ جمع ہوگئے تو) آپ ﷺ آگے بڑھے اور دو رکعت نماز پڑھائی جن میں چار رکوع کئے اور چار سجدے کئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "(جتنے طویل رکوع اور سجدے میں نے اس دن نماز خسوف میں کئے) اس سے زیادہ طویل میں نے نہ کبھی رکوع کیا اور نہ کبھی سجدہ کیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: نماز خسوف میں لوگوں کو جمع کرنے کے لئے "الصلوٰۃ جامعۃ" پکار کر کہنا سنت ہے خاص طور پر جب کہ لوگ اس نماز کے لئے جمع نہ ہوئے ہوں۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ نماز جماعت کے ساتھ جامع مسجد میں یا عید گاہ میں پڑھی جائے نیز یہ نماز اوقات مکروہہ میں نہ پڑھی جائے۔

فصلی اربع رکعات الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے چار رکوع اور چار سجدے کئے یعنی ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے کئے لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک میں دوسری نمازوں کی طرح اس نماز میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن سے ایک ہی رکوع کرنا ثابت ہے بلکہ اس باب میں ایک حدیث قولی بھی منقول ہے اور یہ کلیہ ہے کہ جہاں قول اور فعل ثابت ہوتے ہیں تو فعل پر قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔

نماز خسوف کی قراءت

(۲) وَعَنْهَا قَالَتْ جَهَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلَاةِ الْخُسُوْفِ بِقِرَاءَتِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز خسوف یعنی چاند گرہن کی نماز میں قراءت باآواز بلند پڑھی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

سورج گرہن کا حقیقی سبب

(۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ. اِنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَاَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُهٗ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَرَاَيْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ اَفْظَعَ وَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَاءَ فَقَالُوْا بِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيْلَ يَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدٰهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا، آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ (اس طرح) نماز پڑھی کہ سورہ بقرہ کی قرأت کی بقدر طویل قیام فرمایا (یعنی اتنی دیر تک قیام میں کھڑے رہے جتنی دیر تک سورہ بقرہ پڑھی جاسکتی ہے) پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا، رکوع بھی اتنا طویل تھا، رکوع سے سر اٹھایا اور بڑی دیر تک کھڑے رہے لیکن یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا، پھر (دوبارہ) رکوع کیا، یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ کیا، پھر (دوسری رکعت کے لئے) کھڑے ہوئے اور بہت طویل قیام کیا مگر یہ قیام پہلی رکعت کے قیام سے کم تھا، پھر رکوع میں گئے یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے ہوئے اور دیر تک کھڑے رہے مگر یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر (دوبارہ) رکوع کیا یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ کیا اس کے بعد (یعنی التحیات اور سلام کے بعد) نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا سورج اور چاند خدا کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں! یہ نہ کسی مرنے کی وجہ سے گرہن ہوتے ہیں اور نہ کسی کے پیدا ہونے کی وجہ سے جب تم یہ دیکھو کہ (یہ گرہن میں آگئے ہیں) تو خدا کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! (نماز کے دوران) ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنی جگہ سے کسی چیز کے لینے کا ارادہ کیا پھر ہم نے آپ ﷺ کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا؟ آپ نے فرمایا" (جب تم نے مجھے کسی چیز کے لینے کے لئے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تھا اس وقت) میں نے جنت کو دیکھا تھا اور اس میں سے خوشہ انگور لینے کا ارادہ کیا تھا، اگر میں خوشہ انگور لے لیتا تو بلاشبہ تم اسے رہتی دنیا تک کھاتے اور جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تھا (اس وقت) میں نے دوزخ دیکھی تھی (اس کی گرمی کے پہنچنے کے ڈر سے پیچھے ہٹ گیا تھا) چنانچہ آج کے دن کی طرح کسی دن میں نے ایسی ہولناک جگہ کبھی نہیں دیکھی اور دوزخ میں میں نے زیادہ عورتیں ہی دیکھی ہیں۔" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! کس وجہ سے؟" آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان کے کفر کی وجہ سے" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "کیا عورتیں اللہ کے کفر میں مبتلا ہیں۔"؟ فرمایا "نہیں" بلکہ وہ شوہروں کی نعمتوں اور احسان کا کفران

کرتی ہیں (یعنی شوہروں کی ناشکری و نافرمانی کرتی ہیں اور کسی کا احسان نہیں مانتیں) چنانچہ تم ان میں سے کسی کے ساتھ مدتوں تک بھلائی کرتے رہو مگر جب کبھی وہ کسی چیز کو اپنی مرضی کے خلاف پائے گی تو یہی کہے گی کہ میں نے کبھی بھی تمہارے یہاں بھلائی نہیں دیکھی۔"
(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ایتان من ایت اللّٰہ کا مطلب یہ ہے کہ "سورج و چاند" خدا کی الوہیت اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے اس بات کی دو نشانیاں ہیں کہ یہ دونوں خداوند قدوس کے تابعدار اور فرمانبردار پیدا کئے گئے ہیں انہیں اپنی طرف سے کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت تو کیا ہوتی ان میں اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے اندر کسی قسم کے پیدا ہوئے نقصان اور عیب کو ختم کر سکیں۔ لہٰذا کیسے بد عقل و کند فہم اور کور بخت ہیں وہ لوگ جو اس چیز کا مشاہدہ کرتے ہوئے بھی چاند و سورج کو معبود قرار دیتے ہیں ان کے سامنے اپنی پیشانی جھکاتے ہیں؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے اہل جاہلیت کے اس عقیدہ کو ختم فرمایا کہ کسی عظیم حادثہ مثلاً کسی بڑی شخصیت کے مرنے اور وباء عام یعنی قحط وغیرہ کی وجہ سے سورج و چاند گرہن میں آتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے آگاہ فرمایا کہ یہ خیالات باطل اور اعتقادات فاسد ہیں حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خدا ان دونوں کو گرہن میں مبتلا کر کے صرف اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔

فاذکروا اللّٰہ کا مطلب یہ ہے کہ چاند و سورج گرہن کے وقت اگر نماز کے وقت مکروہہ نہ ہوں تو کسوف و خسوف کی نماز پڑھو اور اگر اوقات مکروہہ ہوں تو پھر نماز نہ پڑھو بلکہ پروردگار کی تسبیح و تہلیل اور تکبیر نیز استغفار میں مشغول ہو جاؤ۔ لیکن یہ بات جان لو کہ یہ حکم "امر استحبابی" کے طور پر ہے وجوب کے طور پر نہیں ہے کیونکہ نماز کسوف و خسوف واجب نہیں ہے۔ بلکہ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک سُنّت ہے۔

"رہتی دنیا تک کھاتے" یعنی جیسا کہ بہشت کے میووں کی خاصیت ہے، انگور کے اس خوشہ میں سے جو دانہ کھاتے اس کی جگہ دوسرا دانہ پیدا ہو جاتا اسی طرح وہ خوشہ رہتی دنیا تک چلتا رہتا۔

جنّت کے اس خوشۂ انگور کو آنحضرت ﷺ کے نہ لینے کا سبب یہ تھا کہ اگر آپ اسے لے لیتے اور لوگ اسے دیکھ لیتے تو ایمان بالغیب کی کوئی حقیقت و اہمیت باقی نہ رہ جاتی۔

④ وَعَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِانْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَامِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَّزْنِيَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِيَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ سے (بھی) حضرت ابن عباس کی مذکورہ بالا روایت کی طرح روایت منقول ہے چنانچہ انہوں نے یہ (بھی) فرمایا ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے تو بڑا طویل سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہوئے تو (آفتاب) روشن ہو چکا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے (لوگوں کے سامنے) خطبہ ارشاد فرمایا، چنانچہ (پہلے) آپ نے خدا کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے انہیں گرہن لگتا ہے۔ اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے چنانچہ جب تم گرہن دیکھو تو خدا سے دعا مانگو، تکبیر کہو اور نماز پڑھو نیز اللہ کی راہ میں خیرات کرو۔ پھر فرمایا کہ اے اُمت محمد (ﷺ) قسم ہے پروردگار کی اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے۔ جب کہ اس کا کوئی بندہ زنا کرتا ہے یا اس کی کوئی بندی زنا میں مبتلاء ہوتی ہے اور اے امت محمد (ﷺ) قسم ہے خدا کی، اگر تم لوگ وہ چیز جان لو جو میں جانتا ہوں (یعنی یوم آخرت کی ہولناکی اور پروردگار کا غضب) تو اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا ہنسا کم اور تمہارا رونا زیادہ ہو جائے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس روایت میں سجدہ کی طوالت، خطبہ، دعا، تکبیر، نماز اور خیرات کرنے کا ذکر و حکم اور حدیث کے آخری الفاظ مزید منقول ہیں جب کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

"غیرت" کے اصل معنی ہیں "اپنے حق میں کسی غیر کی شرکت کو برا جاننا۔" اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا مطلب ہے "اپنے احکام میں بندوں کی نافرمانی اور امرونہی کے خلاف کرنے کو برا جاننا۔" ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ خدا کا کوئی بندہ یا اس کی کوئی بندی جب زنا میں مبتلا ہوتی ہے تو اس معاملہ میں تمہیں جتنی غیرت محسوس ہوتی ہے اور ان دونوں سے تمہیں جتنی نفرت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی غیرت اس سے کہیں زیادہ شدید اور اس کی نفرت تمہاری نفرت سے کہیں زیادہ سخت ہوتی ہے۔

گرہن کے وقت آنحضرت ﷺ کی کیفیت

⑤ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَزِعًا یَّخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَةُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَّرُکُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ مَا رَاَیْتُہٗ قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَقَالَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰہُ لَا تَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیَاتِہٖ وَلٰکِنْ یُّخَوِّفُ اللّٰہُ بِھَا عِبَادَہٗ فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئًا ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِہٖ وَدُعَائِہٖ وَاسْتِغْفَارِہٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں کہ (جب) سورج گرہن ہوا تو نبی کریم ﷺ گھبرائے ہوئے کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ پر ایسا خوف طاری ہوا جیسے قیامت ہو گئی ہو۔ چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور طویل قیام ورکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھی، میں نے اس طرح کبھی آپ ﷺ کو (اتنا طویل قیام ورکوع اور سجود) کرتے ہوئے نہیں دیکھا پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ نشانیاں جو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔ نہ تو کسی کے مرنے کے سبب سے (ظاہر ہوتی) ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے، ہاں اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، لہٰذا جب تم ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھو تو خدا سے ڈرتے ہوئے اس کا ذکر کرنے، اس سے دعا مانگنے اور استغفار کرنے میں مصروف ہو جاؤ۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: الفاظ یخشی ان تکون الساعة دراصل راوی نے بطریق تمثیل استعمال کئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اس موقع پر اس طرح گھبرائے ہوئے اور خوف زدہ تھے جیسا کہ کوئی شخص قیامت شروع ہو جانے پر گھبرا جائے اور خوف زدہ ہو جائے۔ آپ ﷺ کا یہ خوف اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ ﷺ یہ سمجھے ہوں کہ قیامت شروع ہو گئی ہے کیونکہ آپ ﷺ پوری طرح جانتے تھے کہ جب تک میں لوگوں میں موجود ہوں قیامت نہیں آسکتی۔

بہر حال، آنحضرت ﷺ خدا کی نشانیوں کے ظہور مثلاً سورج و چاند گرہن، زلزلے، آندھی و طوفان اور چمک و کڑک کے وقت جو گھبراتے اور ڈرتے تھے تو اس میں صرف زمین کے اوپر بسنے والے انسانوں کی شفقت کا جذبہ کارفرما ہوتا تھا چنانچہ آپ ﷺ اپنی ذات کی طرف سے نہیں بلکہ دنیا والوں کی طرف سے خوف زدہ ہو جایا کرتے تھے کہ کہیں یہ اپنے دامن میں دنیا والوں کی تباہی و بربادی کا پیغام نہ لئے ہو اور اس صورت میں لوگوں پر خدا کا عذاب نازل نہ ہو جائے۔

وقال ھذہ الایات کا مطلب یہ ہے کہ چاند و سورج کا گرہن ہونا، زلزلوں اور آندھی و طوفان کا آنا اور بجلی کی کڑک وغیرہ یہ سب خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اور انسانوں کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ دیکھو میں تغیر حالت، قسمت کے چھین لینے اور عذاب نازل کرنے پر کیسا قادر ہوں؟

نماز کسوف میں رکوع و سجود کی تعداد

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنْکَسَفَتِ الشَّمْسُ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ مَاتَ اِبْرٰھِیْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی بِالنَّاسِ سِتَّ رَکْعَاتٍ بِاَرْبَعِ سَجَدَاتٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں جس دن آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا سورج گرہن ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو چھ رکوع اور چار سجدے کے ساتھ نماز پڑھائی۔" (مسلم)

تشریح: حضرت ابراہیم آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے تھے جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۰ھ میں حالت شیر خوارگی میں وفات پا گئے تھے، ان کی عمر صرف اٹھارہ مہینے یا اس سے کچھ زیادہ ہوئی تھی۔ جس دن ان کا انتقال ہوا اس دن سورج کو گرہن لگا۔ چنانچہ لوگوں نے کہا کہ سورج گرہن ان کی وفات ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ جس کی آنحضرت ﷺ نے تردید فرمائی جیسا کہ گذشتہ روایتوں سے معلوم ہو چکا ہے۔

"چھ رکوع اور چار سجدے کے ساتھ" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں تین تین رکوع اور دو دو سجدے کئے۔ جیسا کہ اس باب کی احادیث میں اس نماز کے رکوع کی تعداد مختلف بیان ہوئی ہے۔ لہٰذا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ان احادیث کو ترجیح دی ہے جن میں ہر رکعت میں صرف ایک رکوع کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ اصل یہی ہے کہ ہر رکعت میں ایک رکوع ہو بلکہ اس بارہ میں قولی اور فعلی دونوں طرح کی احادیث منقول ہیں۔ پھر یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مستدل روایت کے علاوہ دوسری روایتیں مضطرب ہیں جن میں کسی ایک تعداد کا تعین بڑا مشکل ہے حضرت امام شافعیؒ نے دو رکوع والی حدیث کو ترجیح دی ہے، حضرت امام شافعیؒ اور دوسرے اکثر اہل علم حضرات کے یہاں یہ بھی مسئلہ ہے کہ اگر گرہن دیر تک رہے تو یہ جائز ہے کہ ہر رکعت میں تین یا چار یا پانچ رکوع بھی کئے جا سکتے ہیں۔

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ فِيْ اَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَعَنْ عَلِيٍّ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سورج گرہن کے وقت دو رکعت نماز آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ (اس طرح) پڑھائی (کہ ہر رکعت میں چار چار رکوع اور دو دو سجدے کئے) اور اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے۔" (مسلم)

تشریح: وعن علی مثل ذلک کا مطلب یہ ہے کہ یا تو حضرت علیؓ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس طرح نماز ادا فرمائی یا پھر یہ کہ حضرت علیؓ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ انہوں نے بھی اس طرح نماز ادا فرمائی۔

سورج گرہن کے وقت آنحضرت ﷺ کا طریقہ

(۸) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ اَرْتَمِيْ بِاَسْهُمٍ لِيْ بِالْمَدِيْنَةِ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰى مَا حَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَاَتَيْتُهُ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلَاةِ رَافِعٌ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ وَيَدْعُوْ حَتّٰى حُسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَ عَنْهَا قَرَاَ سُوْرَتَيْنِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهٖ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِيْ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ۔

"اور حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے زمانہ حیات میں مدینہ میں اپنے تیروں سے تیراندازی کیا کرتا تھا (چنانچہ ایک دن میں تیراندازی میں مشغول تھا) کہ سورج گرہن ہوا، میں نے تیروں کو پھینک دیا اور (دل میں) کہا کہ خدا کی قسم میں یہ ضرور دیکھوں گا کہ سورج گرہن ہونے سے آنحضرت ﷺ کی کیا حالت ہوتی ہے (یعنی یہ دیکھوں گا کہ آپ ﷺ اس وقت کیا کرتے ہیں؟) حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ "(یہ سوچ کر) میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (میں نے سنا کہ) آپ ﷺ سبحان اللہ لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھنے اور دعا مانگنے لگے، یہاں تک کہ سورج گرہن سے نکل آیا۔ جب سورج سے ظلمت دور ہوئی تو آپ ﷺ

نے دو سورتیں پڑھیں اور دو رکعت نماز اد فرمائی (یعنی آپ ﷺ نے نماز کی دو رکعتیں پڑھیں جن میں دو سورتوں کی قرأت کی)"۔ یہ حدیث مسلمؒ نے اپنی صحیح مسلم میں عبدالرحمٰن ابن سمرہ سے نقل کی ہے، نیز شرح السنۃ میں بھی (یہ روایت) اسی طرح (عبدالرحمٰن ابن سمرہ سے) منقول ہے اور مصابیح کے نسخوں میں یہ روایت جابر ابن سمرہ سے نقل کی گئی ہے۔"

تشریح: وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلٰوةِ کا مطلب یہ ہے کہ "آپ ﷺ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے نماز کے سے انداز میں قبلہ کی طرف رخ کئے ہوئے کھڑے تھے اور لوگ صف باندھے کھڑے تھے۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ یہاں "صلوٰۃ" یعنی نماز سے مراد "دعا" ہے۔ یہ تاویل اس لئے کی جاتی ہے کہ یہ کسی بھی مسلک سے معلوم نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ سورج گرہن کے وقت حالت نماز میں اذکار کے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔"

جیسا کہ پہلے بھی بتایا جاچکا ہے، نماز کسوف کے رکوع کی تعداد کے بارہ میں مختلف احادیث مروی ہیں چنانچہ جن روایتوں سے ہر رکعت میں کئی کئی رکوع کا اثبات ہوتا ہے۔ وہ سب مضطرب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارہ میں خود راوی بھی مضطرب ہیں کہ بعض نے تین تین رکوع بیان کئے ہیں، بعض نے چار چار رکوع اور بعض نے پانچ رکوع تک کی تعداد روایت کی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اضطراب موجب ضعف ہوتا ہے لہٰذا ان روایتوں کا ترک کرنا واجب ہوا جو تعدد رکوع کو ثابت کرتی ہیں اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ نے انہیں روایات کو اپنا مستدل قرار دیا ہے۔ جن سے ہر رکعت میں ایک ایک رکوع کرنا ثابت ہے۔

سورج گرہن میں غلام آزاد کرنا چاہئے

(۹) وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ لَقَدْ اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِتَاقَةِ فِیْ کُسُوْفِ الشَّمْسِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورج گرہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔" (بخاریؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

نماز کسوف کی قرأت بآواز بلند ہو یا آہستہ آواز سے؟

(۱۰) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ کُسُوْفٍ لَا نَسْمَعُ لَهٗ صَوْتًا۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ)

"حضرت سمرہؓ ابن جندب فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں سورج گرہن کے وقت (اس طرح) نماز پڑھائی (کہ) ہم آپ ﷺ کی آواز نہیں سنتے تھے۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث اور اسی قسم کی اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کسوف میں امام بآواز بلند قرأت نہ کرے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے۔ بخاری و مسلم نیز دوسری کتابوں میں ایسی روایات بھی منقول ہیں کہ جن سے نماز کسوف کی قرأت کا باآواز بلند ہونا ثابت ہوتا ہے۔ روایات کے اس تعارض کے پیش نظر حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ جب روایتوں میں تعارض پیدا ہوا تو ان روایتوں کو ترجیح دینا ضروری ہوا جن سے قرأت کا باآواز آہستہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ دن کی نماز میں قرأت کا باآواز آہستہ ہونا اصل ہے۔

کرشمہ خداوندی کے ظہور کے وقت سجدہ

(۱۱) وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاتَتْ فُلَانَةُ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّ سَاجِدًا فَقِيْلَ لَهٗ

تَسْجُدُ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمْ اٰيَةً فَاسْجُدُوْا وَاَيُّ اٰيَةٍ اَعْظَمُ مِنْ ذِهَابِ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

"اور حضرت عکرمہؒ راوی ہیں کہ (جب) حضرت ابن عباسؓ سے یہ کہا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے فلاں زوجہ مطہرہ (یعنی حضرت صفیہ) انتقال فرما گئیں (تو) وہ (اس عظیم حادثہ کی خبر سنتے ہی) سجدہ میں گر پڑے (یا یہ کہ انہوں نے نماز پڑھی) ان سے پوچھا گیا آپ اس وقت سجدہ (کیوں) کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ "جب تم کوئی نشانی (یعنی کرشمہ خداوندی) دیکھو تو سجدہ کرو، اور آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کی دائمی جدائی سے زیادہ بڑی نشانی اور کیا ہو سکتی ہے؟" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ سے لوگوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ اس وقت بلا سبب سجدہ کیوں کرتے ہیں جب کہ بلاوجہ سجدہ کرنا ممنوع ہے؟ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "جب تم بلاؤں اور مصیبتوں کے آنے کی صورت میں خدا کے کرشموں میں سے جن کہ ذریعہ خدا اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کوئی کرشمہ دیکھو تو بارگاہ خداوندی میں فوراً سجدہ ریز ہو جاؤ، اور ظاہر ہے کہ خدا کا کون سا کرشمہ اس سے زیادہ ڈرانے والا عظیم اور سخت تر ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات اس دنیا سے رخصت ہو جائیں، کیونکہ ان مقدس ماؤں کو آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں ہونے اور آپ ﷺ سے انتہائی ارتباط و اختلاط کی وجہ سے جو عظمت و فضیلت حاصل تھی دوسروں کو حاصل نہیں تھی۔ لہٰذا جس طرح ان کی حیات دنیا اور دنیا والوں کے لئے امن و برکت کا سبب اور نیکی و بھلائی کا باعث تھی اس طرح ان کی وفات دنیا اور اہل دنیا کے لئے امن و برکت اور بھلائی کے اٹھ جانے کا سبب اور انسانوں کے عذاب خداوندی میں مبتلا ہو جانے کے خوف کا باعث ہے اس لے ان کی برکت کے منقطع ہو جانے کے وقت اللہ کی یاد میں مشغول اور بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہو جانا ہی بہتر ہے کہ خدا کے ذکر اور سجدہ کی برکت سے عذاب خداوندی دفع ہو جائے۔"

علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی "فاسجدوا" (سجدہ کرو) کا مطلب یہ ہے کہ "نماز پڑھو" جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے صرف سجدہ کرنا ہی مراد ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "ارشاد نبوی میں لفظ "ایۃ" مطلق ہے اس لئے اس کو اگر چاند و سورج گرہن پر محمول کیا جائے تو سجدہ سے نماز مراد ہوگی اگر اس کے علاوہ دوسری نشانیوں مثلاً طوفان آندھی یا زلزلہ وغیرہ پر اطلاق کیا جائے تو پھر سجدہ سے سجدہ ہی مراد ہوگا اگرچہ اس صورت میں بھی نماز مراد لی جا سکتی ہے کیونکہ یہ منقول ہے کہ جب ایسی کوئی صورت پیش آتی تو آنحضرت ﷺ نماز پڑھنے لگتے تھے۔

حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ منقول ہے کہ سخت طوفان، آندھی اور ظلمت چھا جانے کے وقت نماز پڑھنا ہی اچھا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں بھی مروی ہے کہ انہوں نے بصرہ میں زلزلہ کے وقت نماز پڑھی تھی۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

نماز کسوف کے رکوع و سجدہ اور تلاوت

⑫ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِهِمْ فَقَرَأَ بِسُوْرَةٍ مِنَ الطُّوَلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ اِلَى الثَّانِيَةِ فَقَرَأَ بِسُوْرَةٍ مِنَ الطُّوَلِ ثُمَّ رَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ يَدْعُوْ حَتّٰى انْجَلٰى كُسُوْفُهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابیؓ ابن کعب فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانۂ مبارک میں سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی جس میں آپ ﷺ نے (پہلی رکعت میں) طویل سورتوں میں سے ایک سورۃ کی قرأت فرمائی اور پانچ رکوع و دو سجدے کئے۔ پھر دوسری

رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو (اس میں بھی) طویل سورتوں میں سے ایک سورۃ کی قرأت فرمائی اور پانچ رکوع و دو سجدے کئے پھر اسی طرح (یعنی بہیئت نماز) قبلہ رخ بیٹھے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا۔" (ابوداؤد)

حنفیہ کی مستدل حدیث

⑬ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَيَسْأَلُ عَنْهَا حَتّٰى انْجَلَتِ الشَّمْسُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى حِيْنَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ مِثْلَ صَلَاتِنَا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَلَهٗ فِيْ اُخْرٰى اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلًا اِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدِ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى حَتَّى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِيْمٍ مِنْ عُظَمَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ وَاِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا خَلِيْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ يُحْدِثُ اللّٰهُ فِيْ خَلْقِهٖ مَاشَاءَ فَاَيُّهُمَا انْخَسَفَتْ فَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ اَوْ يُحْدِثَ اللّٰهُ اَمْرًا۔

"اور حضرت نعمانؓ ابن بشیر فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے دو دو رکعت نماز پڑھنی شروع کی) یعنی دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھتے اگر گرہن ختم نہ ہوتا تو پھر دو دو رکعت نماز پڑھتے اسی طرح گرہن تک نماز پڑھتے رہے) اور (اللہ تعالیٰ سے یہ دعا) مانگتے (کہ خدایا آفتاب روشن کردے یا یہ کہ ہر دو رکعت کے بعد لوگوں سے گرہن کے بارہ میں پوچھتے کہ گرہن ختم ہوا یا نہیں؟ اگر لوگ کہتے کہ ابھی گرہن باقی ہے تو پھر نماز میں مشغول ہو جاتے) یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا۔" (ابوداؤد) اور نسائیؒ کی روایت ہے کہ "جب سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی جس میں رکوع و سجدہ کرتے تھے" نسائیؒ کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "ایک روز جب کہ سورج کو گرہن ہوا تھا آنحضرت ﷺ عجلت کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ زمین پر رہنے والے بڑے آدمیوں میں سے کسی بڑے آدمی کے مر جانے کی وجہ سے سورج اور چاند کو گرہن لگتا ہے، حالانکہ (حقیقت یہ ہے کہ) سورج و چاند نہ تو کسی کے مر جانے کی وجہ سے گرہن میں آتے ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے۔ یہ دونوں محض اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں، خدا جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تغیر (مثلاً گرہن، روشنی اور اندھیرا) پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا جب ان میں سے کوئی گرہن میں آئے تو تم نماز پڑھنی شروع کرو یہاں تک کہ وہ روشن ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ظاہر ہو جائے (یعنی عذاب آجائے یا قیامت شروع ہو جائے)۔" (نسائیؒ)

تشریح: حدیث کے الفاظ "ہماری نماز کی طرح" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کسوف کی ہر رکعت میں کئی کئی رکوع نہیں کئے بلکہ جس طرح کہ ہم روز مرہ نماز پڑھتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ نے بھی اس وقت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں ایک ایک رکوع اور دو دو سجدے کئے۔" یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہیں اس کے علاوہ اور احادیث بھی منقول ہیں جو اس مسئلہ میں حنفیہ کے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔

بَابُ فِيْ سُجُوْدِ الشُّكْرِ

سجدۂ شکر کا بیان

علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ خارج از نماز صرف سجدہ کرنا جائز مسنون اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں صرف سجدہ کرنا بدعت محض اور حرام ہے اور شریعت میں اس کی کوئی

شکر مشروع ہے جب کہ دوسرے علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے اور حدیث کے مفہوم کے بارہ میں کہا ہے کہ یہاں دراصل "سجدہ" سے مراد نماز ہے ان کی اس تاویل کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چاشت کے وقت دو رکعت نماز پڑھی جب کہ آپ ﷺ کو جنگ میں فتح کی خوشخبری دی گئی یا یہ کہ ابوجہل کا سر کاٹ کر لایا گیا۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر بندہ ہر نئی حاصل ہونے والی نعمت پر سجدہ کو لازم قرار دے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک پل بھی سجدہ سے خالی نہ ہو کیونکہ انسانی زندگی کا کوئی بھی پل ایسا نہیں آتا جو اپنے دامن میں اللہ تعالیٰ کی نعمت نہ لئے ہوئے ہو۔ پھر یہ کہ انسان کی زندگی خود اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ ہر سانس کا باہر آنا اور اندر جانا اور آنے والا ہر لمحہ اور ہر پل ایک نعمت ہے، چونکہ اس طرح نہ صرف یہ کہ لوگ بہت زیادہ مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائیں گے بلکہ انسانی زندگی کا پورا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا اس لئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدۂ شکر سُنّت نہیں ہے۔

کسی مبتلائے بلا کو دیکھ کر اپنی عافیت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے

(۲) وَعَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَأٰی رَجُلًا مِنَ النَّغَاشِیِّیْنَ فَخَرَّ سَاجِدًا رَوَاهُ الدَّارُقُطْنِیُّ مُرْسَلًا وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ۔

"اور حضرت ابوجعفرؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بونے (پست قد آدمی) کو دیکھا تو سجدہ میں گر پڑے۔" دار قطنی نے یہ روایت بطریق ارسال نقل کی ہے اور شرح السنہ میں مصابیح کے الفاظ میں (منقول ہے)۔"

تشریح: نغاش اور نغاشی اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت ہی پستہ قد، ناقص الخلقت اور ضعیف الحرکت ہو ایسے ہی ایک شخص کو جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہو گئے۔

مظہرؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسنون ہے کہ جب کسی ایسے شخص کو دیکھا جائے جو مبتلائے بلا ہو تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سجدۂ شکر کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بلا سے محفوظ رکھا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ خاص ادب ہے کہ یہ سجدۂ شکر پوشید طور پر کیا جائے تاکہ وہ مبتلائے بلا رنجیدہ نہ ہو۔ لیکن کسی فاسق کو دیکھ کر اس بات کا سجدۂ شکر کرنا کہ خدا نے مجھے اس فسق سے محفوظ رکھا ہے علانیہ طور پر فاسق کے سامنے ہی ہونا چاہئے تاکہ اسے ندامت اور شرمندگی ہو اور وہ اپنے فسق سے باز آجائے۔ چنانچہ حضرت شبلیؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے جب ایک ایسے شخص کو دیکھا جو دنیا کی لذتوں میں اپنے آپ کو گم کر چکا تھا تو اس کے سامنے ہی فرمایا کہ الحمدللہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ یعنی اس خدا کے لئے تعریف ہے جس نے مجھے اس بلا سے محفوظ رکھا جس میں تم مبتلا ہو۔

امت کے حق میں آنحضرت ﷺ کی شفقت

(۳) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَّکَّةَ نُرِیْدُ الْمَدِیْنَةَ فَلَمَّا کُنَّا قَرِیْبًا مِّنْ عَزْوَزَاءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْهِ فَدَعَا اللّٰهَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَکَثَ طَوِیْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ یَدَیْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَکَثَ طَوِیْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ یَدَیْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا قَالَ اِنِّیْ سَاَلْتُ رَبِّیْ وَشَفَعْتُ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ شُکْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ شُکْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ الثُّلُثَ الْاٰخَرَ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ شُکْرًا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ مدینہ کے ارادہ سے مکہ سے روانہ ہوئے، جب ہم عزوزا کے قریب (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) پہنچے تو آنحضرت ﷺ (اونٹنی سے) اترے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر تھوڑی دیر تک اپنے

حقیقت نہیں ہے۔ اسی بنا پر نماز وتر کے بعد کے دونوں سجدوں کی حرمت بیان کی جاتی ہے۔ دوسرے حضرات کے نزدیک جائز اور کراہت کے ساتھ مشروع ہے۔

اس مسئلہ کی حقیقت اور تفصیل یہ ہے کہ خارج از نماز سجدہ کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو سجدۂ سہو ہے یہ نماز ہی کے حکم میں ہے اس کے بارہ میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ دوسرا سجدۂ تلاوت ہے ظاہر ہے کہ اس کے بارہ میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تیسرا سجدۂ مناجات ہے جو خارج از نماز ہے اس کے بارہ میں اکثر علماء کے ظاہری اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سجدہ مکروہ ہے چوتھا سجدۂ شکر ہے جو حصول نعمت اور خاتمہ مصیبت وبلا پر کیا جاتا ہے۔

اس سجدہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے یہاں یہ سجدہ سُنّت ہے۔ حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کا بھی یہی قول ہے اس مسلک کی تائید میں آثار و احادیث بھی بکثرت منقول ہیں حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے یہاں یہ سجدہ مکروہ ہے۔ یہ حضرات اپنی دلیل کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ان گنت ہیں جن کا شمار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ بندہ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر ہر نعمت کا شکر بھی ادا کرسکے اس لئے اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کے حصول پر سجدۂ شکر کا حکم دینا اسے ایسی تکلیف و مشقت میں مبتلا کر دینا ہے جسے برداشت کرنا اس کی طاقت سے باہر ہے۔

لیکن جو حضرات سجدۂ شکر کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ "نعمتوں" سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو نئی ہوں کہ کبھی کبھی حاصل ہوتی ہوں وہ نعمتیں مراد نہیں ہیں جو مستقل اور دائمی، ہوں جیسے خود انسان کا وجود اس کے توابع اور اس کے لوازمات کہ یہ بھی در حقیقت خدا کی عظیم نعمتیں ہیں جو بندہ کو مستقل طور پر حاصل ہیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کو ابوجہل لعین کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے سجدۂ شکر کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے مسیلمہ کذاب کے مرنے کی خبر سن کر سجدہ کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں بتایا جاتا ہے کہ جب ذی الثدیہ خارجی قتل کر دیا گیا تو انہوں نے سجدۂ شکر کیا۔ اسی طرح مشہور صحابی حضرت کعبؓ ابن مالک کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے قبول توبہ کی بشارت کے وقت سجدۂ شکر کیا۔"

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ وَالثَّالِثِ
اور اس باب میں پہلی فصل اور تیسری فصل نہیں ہے

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

خوشی کے وقت آنحضرت ﷺ کا سجدۂ شکر

① وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَهُ اَمْرٌ سُرُوْرًا اَوْيُسَرُّبِهٖ خَرَّ سَاجِدًا شَاكِرًا لِلّٰهِ تَعَالٰى رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو جب خوشی کا امر پیش آتا۔ یا راوی نے لفظ "سُرُوْرٌ" کی بجائے یُسَرُّبِهٖ کہا ہے یعنی آنحضرت ﷺ کو جب کوئی ایسا امر پیش آتا جس سے آپ خوش ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑتے۔" اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے حدیث کے ظاہری مفہوم کو دیکھتے ہوئے کہا ہے کہ حصول نعمت پر سجدۂ

دونوں ہاتھ اٹھائے (دعا مانگتے) رہے، پھر سجدہ میں گر پڑے۔ اور دیر تک سجدہ میں رہے پھر کھڑے ہوئے اور تھوڑی دیر تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے (دعا مانگتے) رہے۔ پھر سجدہ میں گر پڑے۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا "میں نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور اپنی اُمت (کے گناہوں کی بخشش، عیوب کی پردہ پوشی اور بلندی درجات) کے لئے شفاعت کی، چنانچہ مجھے تہائی اُمت (کی مغفرت) عطا فرمادی گئی، میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا، پھر میں نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی اُمت کے لئے (اس کی رضا اور مغفرت کی) درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تہائی اُمت (کی مغفرت) عطا فرمادی میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا، پھر میں نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی اُمت کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے باقی تہائی اُمت (کی بھی مغفرت) عطا فرمادی، چنانچہ میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا۔" (احمدؒ، ابوداؤد)

تشریح: پہلی مرتبہ میں سابقین یعنی ان لوگوں کی مغفرت عطا فرمائی گئی جو بھلائی کرنے میں سبقت اور پیش روی کرتے ہیں اور اعمال میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کرتے، دوسری مرتبہ میں مقتصدین یعنی اوسط درجہ والوں کی مغفرت عطا فرمائی گئی۔ اور تیسری مرتبہ میں ان لوگوں کی بھی مغفرت عطا فرمادی گئی جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں یعنی معصیت و گناہ میں مبتلا رہتے ہیں۔

اس موقع پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کتنی آیات اور احادیث سے تو یہ ثابت ہو چکا ہے جو لوگ گناہ کبیرہ میں مبتلا رہتے ہیں انہیں آخرت میں عذاب دیا جائے گا لیکن یہاں اس حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ان لوگوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ تمام ہی اُمت کی مغفرت عطا فرمادی گئی ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دعا، شفاعت اور حق تعالیٰ کی جانب سے مغفرت سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا و سفارش سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اُمت کو خسف و مسخ اور ان جیسے دوسرے عذابوں سے پروانہ امن دے دیا ہے کہ جس طرح پہلی امتوں کے لوگ اپنی بدکرداری اور بداعمالی کی وجہ سے ان جیسے ہولناک عذاب میں اس دنیا میں مبتلا کر دئے جاتے تھے امت محمدی کو اس دنیا میں ان عذاب سے دوچار نہیں کیا جائے گا لہٰذا۔ یہاں مغفرت کا تعلق آخرت کے اس عذاب سے نہیں ہے جو ہر گنہگار کو اس کی بدعملی و بدکرداری کی مناسبت سے دیا جائے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ "یہاں مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا اور سفارش سے اُمت مرحومہ کو دائمی عذاب سے پروانہ امن دے دیا گیا ہے کہ امت کے گناہگار و بدکردار لوگ دائمی طور پر دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ بلکہ اپنے اپنے جرم کی مناسبت سے سزا پا کر آنحضرت ﷺ کی سفارش سے دوزخ سے نکال لئے جائیں گے اور پھر دائمی طور پر جنت میں داخل کر دئے جائیں گے۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْاِسْتِسْقَاءِ

نماز استسقاء کا بیان

"استسقا" کے لغوی معنی ہیں "پانی طلب کرنا" اور اصطلاح شریعت میں اس کا مطلب ہے "قحط اور خشک سالی میں طلب بارش کے لئے بتائے گئے طریقوں کے مطابق نماز پڑھنا اور دعا کرنا۔"

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کی نماز استسقاء

① عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ اِلَی الْمُصَلّٰی یَسْتَسْقِیْ فَصَلّٰی بِہِمْ

رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَآءَهُ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عبداللہ ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ لوگوں کے ہمراہ طلب بارش لے لئے عید گاہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وہاں دو رکعت نماز پڑھائی جس میں بلند آواز سے قرأت فرمائی اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی نیز آپ ﷺ نے (دعا کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے اور قبلہ رخ ہوتے وقت اپنی چادر پھیر دی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اور صاحبین (حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمدؒ) کے نزدیک استسقاء کی نماز عید کی نماز کی طرح ہے اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ استسقاء کی دو رکعت نماز اسی طرح پڑھی جائے جیسا کہ دوسری نماز پڑھی جاتی ہے۔

نماز استسقاء کے بارہ میں حنفیہ کا مسلک

نماز استسقاء کے سلسلہ میں خود حنفیہ کے یہاں دو قول ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ استسقاء نماز نہیں ہے بلکہ دعا و استغفار ہے وہ فرماتے ہیں کہ جن اکثر احادیث میں استسقاء کا ذکر آیا ہے ان میں نماز مذکور نہیں ہے بلکہ صرف دعا کرنا مذکور ہے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ کے بارہ میں صحیح روایت منقول ہے کہ انھوں نے استسقاء کے لئے صرف دعا و استغفار پر اکتفا فرمایا نماز نہیں پڑھی، اگر اس سلسلہ میں نماز مسنون ہوتی تو وہ ترک نہ کرتے۔ اور ایسے ضروری مشہور واقعات کا انہیں معلوم نہ ہونا جب کہ زمانہ نبوت کو بھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے بعید ہے اور معلوم ہونے کی صورت میں اسے ترک کرنا حضرت عمرؓ کی شان سے بعید تر ہے۔

صاحبین کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ ان حضرات کے نزدیک نہ صرف یہ کہ استسقاء کے لئے نماز منقول اور مسنون ہے بلکہ اس نماز میں جماعت اور خطبہ بھی مشروع ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول لاصلوٰۃ فی الاستسقاء (یعنی استسقاء کے لئے نماز نہیں ہے) کی مراد یہ ہے کہ اس نماز کے لئے جماعت خطبہ اور خصوصیت سُنّت و شرط نہیں، اگر ہر شخص الگ الگ نفل نماز پڑھے اور دعا و استغفار کرے تو بہتر ہے۔ اس وقت حنفیہ کے یہاں فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے کیونکہ نماز استسقاء آنحضرت ﷺ سے ثابت اور منقول ہے جس کا ایک واضح ثبوت مذکورہ بالا حدیث ہے۔

نماز استسقاء کے سلسلہ میں یہ افضل ہے کہ اس کی دونوں رکعتوں میں سے پہلی رکعت "سورہ ق" یا "سبح اسم ربک الاعلی" اور دوسری رکعت میں "اقتربت الساعۃ" یا "سورۃ غاشیہ" کی قرأت کی جائے۔

"چادر پھیرنا" دراصل تغیر حالت کے لئے اچھا شگون لینے کے درجہ میں ہے جس طرح چادر الٹ پلٹ دی گئی ہے اسی طرح موجودہ حالت میں بھی تبدیلی اور تغیر ہو جائے بایں طور کہ قحط کے بدلہ ارزانی ہو جائے اور خشک سالی کی بجائے باران رحمت سے دنیا سیراب ہو جائے۔

چادر پھیرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے لے جا کر دائیں ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے نیچے کا کونا پکڑا جائے اور بائیں ہاتھ سے چادر کی دائیں جانب کے نیچے کا کونا پکڑ لیا جائے پھر دونوں ہاتھوں کو پیٹھ کے پیچھے اس طرح پھیرا اور پلٹا جائے کہ دائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کونا دائیں مونڈھے پر آجائے اور بائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کونا بائیں مونڈھے پر آجائے اس طریقہ سے چادر کا دایاں کونا تو بائیں ہو جائے گا اور بایاں کونا دائیں ہو جائے گا۔ نیز اوپر کا حصہ نیچے پہنچ جائے گا اور نیچے کا حصہ اوپر آجائے گا۔

آنحضرت ﷺ کی چادر کے بارہ میں کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی چادر چار ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ ایک بالشت چوڑی تھی۔

آنحضرت ﷺ نماز استسقاء میں دعا کے وقت ہاتھ زیادہ بلند کرتے تھے

(۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ دُعَائِهِ اِلَّا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ فَاِنَّهُ يَرْفَعُ حَتّٰى

يُرٰى بَيَاضُ اِبِطَيْهِ۔ متفق عليه۔

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے علاوہ اور کسی موقع پر دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے چنانچہ (استسقاء کے لئے دعا کے وقت) آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ اتنے (زیادہ) بلند کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت انسؓ کے ارشاد کی مراد استسقاء کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر دعا کے وقت بالکل اٹھانے کی نفی نہیں ہے کیونکہ استسقاء کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی دعا کے وقت آنحضرت ﷺ سے دونوں ہاتھوں کا بلند کرنا ثابت ہو چکا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ دوسرے مواقع پر بھی دعا کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا زیادہ اور سر سے اونچا بلند نہیں کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی مبارک بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی۔ ہاں استسقاء کے موقع پر دعا کے لئے آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ اتنے زیادہ اٹھاتے تھے کہ اگر کوئی کپڑا نہ اوڑھے ہوتے تھے تو بغلوں کی سفیدی تک نظر آنے لگتی تھی۔ علماء لکھتے ہیں کہ جس مقصد اور مراد کے لئے دعا مانگی جارہی ہو وہ مقصد جتنا زیادہ اہم اور عظیم ہو دعا کے وقت دونوں ہاتھ بھی اتنے زیادہ اوپر اٹھانے چاہئیں۔

دعا کے وقت ہاتھوں کی ہیئت

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَسْقٰى فَاَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّيْهِ اِلَى السَّمَاءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے طلب بارش کے لئے دعا مانگی تو اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کر لی۔" (مسلمؒ)

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ بارش کے لئے دعا مانگتے وقت ہتھیلیوں کی پشت کو آسمان کی طرف کر دینا بھی اچھا شگون لینے کے درجہ میں ہے جیسا کہ چادر پلٹ کر اچھا شگون لیا جاتا ہے۔ ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کرنا دراصل اس طرف اشارہ ہے کہ خدا کرے اسی طرح بادلوں کے پیٹ بھی زمین کی طرف ہو جائیں اور وہ اپنے اندر کے ذخیرہ آب کو زمین پر انڈیل دیں۔

دعا کے وقت اٹھتے ہوئے ہاتھوں کی ہیئت کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جو شخص بلاء مثلاً قحط وغیرہ کے دور ہونے کی دعا مانگے تو وہ اپنے ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے کسی نعمت کی طلب کے لئے دعا کرے تو وہ ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرے۔"

بارش کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاَى الْمَطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَّافِعًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب بارش دیکھتے تو یہ دعا مانگتے اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَّافِعًا یعنی اے اللہ! نفع دینے والی بارش خوب برسا۔" (بخاریؒ)

بارش کے وقت آنحضرت ﷺ کا عمل

(۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَهٗ حَتّٰى اَصَابَهٗ مِنَ الْمَطَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا قَالَ لِاَنَّهٗ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِرَبِّهٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ

"آپ ﷺ نے (اپنے سر سے یا پیٹھ سے) کپڑا اتار لیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے (سر مبارک یا پیٹھ کے) اوپر بارش کا پانی گرنے لگا۔" ہم نے (یہ دیکھ کر) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) نے ایسا کیوں کیا"؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اس لئے کہ یہ پانی اپنے پروردگار کے پاس سے ابھی ابھی آیا ہے۔" (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ یہ پانی اپنے رَبّ کے حکم سے ابھی ابھی اوپر سے اترا ہے اور اس عالم کثیف کے اجزاء سے ابھی تک آلودہ نہیں ہوا ہے نہ ہی اس تک ابھی گناہگاروں کے ہاتھ پہنچ پائے ہیں اس لئے یہ پانی متبرک ہے جس کا کچھ حصہ میں اپنے بدن پر لے رہا ہوں۔" علماء لکھتے ہیں کہ بارش کے وقت (اپنے کسی بھی مطلب اور مقصد کے لئے) دعا مانگنا سُنّت ہے کیونکہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے کیونکہ اس وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

استسقاء میں چادر پھیرنے کا بیان

⑥ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقٰى وَحَوَّلَ رِدَاءَهٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْسَرِ وَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْسَرَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ دَعَا اللّٰهَ۔

(رواہ ابوداؤد)

"حضرت عبداللہ ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عید گاہ تشریف لے گئے اور وہاں بارش مانگی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ قبلہ رخ ہوئے تو اپنی چادر کا دایاں کونا گھما کر اپنے بائیں مونڈھے پر لائے اور چادر کا بایاں کونا گھما کر اپنے دائیں مونڈھے پر لائے پھر اللہ تعالیٰ سے (بارش کے لئے) دعا مانگی۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث میں استسقاء کے لئے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے صرف دعا کا ذکر کیا گیا ہے۔

⑦ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اسْتَسْقٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمِيْصَةٌ لَهٗ سَوْدَآءُ فَاَرَادَ اَنْ يَّاْخُذَ اَسْفَلَهَا فَيَجْعَلَهٗ اَعْلَاهَا فَلَمَّا ثَقُلَتْ قَلَبَهَا عَلٰى عَاتِقَيْهِ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے بارش طلب (کرنے کے لئے دعا) کی تو اس وقت آپ ﷺ کے جسم مبارک پر سیاہ رنگ کی چادر تھی، آپ ﷺ نے یہ ارادہ کیا کہ چادر کے نیچے کا کونا پلٹ کر اسے اوپر کی جانب لائیں (جیسا کہ چادر پھیرنے کا طریقہ ہے) مگر اس میں جب آپ ﷺ کو وقت پیش آئی تو آپ ﷺ نے اپنے ہی مونڈھے پر چادر پلٹ لی۔" (احمد و ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق جب چادر پھیرنے میں دقت محسوس ہوئی تو آپ ﷺ نے صرف یہ کیا کہ چادر کا دایاں کونا بائیں مونڈھے پر کر لیا اور بایاں کونا دائیں مونڈھے پر۔ آپ ﷺ نے چادر مبارک دوسرے خطبہ میں پھیری تھی کیونکہ چادر پھیرنے کا وقت اور موقع وہی ہے۔

⑧ وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلٰى اٰبِي اللَّحْمِ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِيْ عِنْدَ اَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيْبًا مِّنَ الزَّوْرَاءِ قَائِمًا يَدْعُوْ يَسْتَسْقِيْ رَافِعًا يَدَيْهِ قِبَلَ وَجْهِهٖ لَا يُجَاوِزُ بِهِمَا رَاْسَهٗ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمیرؓ سے جو ابی اللحم کے آزاد کردہ غلام تھے، روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو "احجار الزیت" کے پاس جو "زوراء"

کے قریب ہے، بارش مانگتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ کھڑے ہوئے طلب بارش کے لئے دعا مانگ رہے تھے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ کی طرف اٹھائے ہوئے تھے جو سر سے اونچے نہیں تھے۔ "ترمذیؒ" اور نسائیؒ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "احجار الزیت" مدینہ میں ایک جگہ کا نام تھا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہاں سیاہ پتھر تھے جو اتنے چمک دار تھے جن کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا کہ گویا ان پتھر پر روغن زیتون ملا ہوا ہے۔ "زوراء" بھی مدینہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام تھا۔ اس حدیث میں دعا کے وقت اٹھے ہوئے ہاتھوں کی یہ ہیئت بیان کی جارہی ہے کہ آپ ﷺ کی دونوں ہتھیلیاں منہ کی طرف یعنی اوپر کی جانب تھیں۔ بنابریں یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت آپ ﷺ اپنے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین کی طرف رکھتے تھے کیونکہ کبھی تو آپ ﷺ اس طرح سے دعا مانگتے کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوتی تھیں جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا۔ اور کبھی اس طرح خدا کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرتے تھے کہ ہتھیلیاں زمین کی طرف ہوتی تھیں جیسا کہ گذشتہ روایت سے معلوم ہوا۔ اسی طرح یہاں اس روایت میں یہ بتایا جارہا ہے کہ آپ ﷺ کے اٹھے ہوئے ہاتھ سر مبارک سے اونچے نہیں ہوتے تھے۔ لہٰذا یہ بھی حضرت انسؓ کی اس روایت کے منافی نہیں ہے جس سے معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ طلب بارش کے لئے دعا مانگتے وقت اپنے ہاتھ بہت زیادہ بلند کرتے تھے، یہاں بھی یہی بات ہے کہ کبھی تو آپ ﷺ اپنے ہاتھ بہت زیادہ بلند کرتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ نے بیان کیا ہے اور کبھی بہت زیادہ بلند نہیں کرتے تھے جیسا کہ یہاں عمیر بیان کر رہے ہیں۔

استسقاء کے وقت آنحضرت ﷺ خشوع و خضوع اور تضرع اختیار کرتے تھے

(۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِىْ فِى الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا۔ (رواہ الترمذی والبوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ استسقاء کے لئے باہر نکلے اور اس وقت آپ ﷺ کی کیفیت یہ تھی کہ (ظاہر میں تو) آپ ﷺ زینت ترک کئے ہوئے اور متواضع تھے (باطن میں) عاجزی و بیچارگی اور (ذکر اللہ میں زبان کی مشغولیت کے ساتھ) تضرع اختیار کئے ہوئے تھے۔" (نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: بارش کے لئے دعا کرنے اور پروردگار سے رحمت مانگنے کے لئے جب آپ ﷺ باہر نکلتے تھے تو آپ ﷺ کا ظاہر و باطن اور زبان و دل گویا پورا وجود مبارک انتہائی بے چارگی اور عجز اختیار کئے ہوئے ہوتا تھا، چنانچہ نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ اس موقع پر بندہ کی انتہائی محتاجی و بیچارگی اور عاجزی کے اظہار کے لئے آپ ﷺ ظاہری طور پر زیب و زینت (یعنی لباس وغیرہ میں خوش سلیقگی، ترک کر کے سراپا عجز و انکسار ہوتے تھے بلکہ باطنی طور پر بھی آپ ﷺ کا قلب مبارک خوف خدا سے لرزاں اور زبان مبارک تضرع و زاری میں مشغول ہوتی تھی۔

بارش کی دعا

(۱۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّه قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَسْقٰى قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ۔ (رواہ مالک والبوداؤد)

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہؓ صحابی سے) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "نبی کریم ﷺ جب بارش مانگتے تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ یعنی اے اللہ اپنے بندوں اور اپنے جانوروں کو پانی سے سیراب فرمادے اپنی رحمت پھیلادے، اور اپنی مردہ (یعنی خشک) زمینوں کو زندگی (یعنی شادابی و سر

سبزی) عطا فرما۔" (ابوداؤد)

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوَاكِئُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مُرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ قَالَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ (استسقاء کے لئے) ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے اور یہ دعا فرما رہے تھے اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مُرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ یعنی اے اللہ؟ تو ہمیں بارش سے سیراب فرما جو فریاد رسی کرے اور جس کا انجام بہتر ہو اور جو ارزانی کرنے والی اور نفع پہنچانے والی ہو اور جلد آنے والی ہو دیر میں آنے والی نہ ہو۔" حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (اس دعا کے بعد) آسمان ابر آلود ہو گیا۔" (ابوداؤد)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَى النَّاسُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَاَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهٗ فِي الْمُصَلّٰى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ اِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِئْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ اِبَّانِ زَمَانِهٖ عَنْكُمْ وَقَدْ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ فُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ اِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ اِلَى النَّاسِ ظَهْرَهٗ وَقَلَّبَ اَوْ حَوَّلَ رِدَاءَهٗ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَنْشَاَ اللّٰهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَلَمْ يَاْتِ مَسْجِدَهٗ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ فَلَمَّا رَاٰى سُرْعَتَهُمْ اِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ عید گاہ میں منبر رکھا جائے چنانچہ جب عید گاہ میں منبر رکھ دیا گیا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے ایک دن کے بارہ میں طے کیا کہ اس دن سب لوگ عید گاہ چلیں گے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (متعین دن کو) آنحضرت ﷺ سورج کا کنارہ ظاہر ہوتے ہی (عید گاہ) تشریف لے گئے، اور منبر پر بیٹھ کر تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا کہ "تم نے (اللہ اور اس کے رسول سے) اپنے شہروں کی قحط سالی اور بارش کے اپنے وقت پر نہ برسنے کی شکایت کی تھی، اب اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اس سے (بارش کے لئے دعا) مانگو اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ تمہاری دعا قبول ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا "تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے مہربان اور بخشش کرنے والا ہے اور یوم جزاء کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے اللہ! تو معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو غنی (بے پرواہ) ہے اور ہم فقیر و محتاج ہیں۔ ہم پر بارش برسا اور جو چیز کہ تو نازل کرے (یعنی بارش) اس کو ایک مدت دراز تک ہماری مدت اور (اس کے ذریعہ اپنے اپنے مقاصد و منافع تک) پہنچنے کا سبب بنا۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اتنے بلند اٹھائے کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، پھر اپنی پشت مبارک لوگوں کی طرف پھیر کر اپنی چادر الٹی یا یہ کہ پھیری اور اپنے ہاتھ یوں ہی اٹھائے رہے پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے (منبر سے) نیچے تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی۔" جب ہی اللہ تعالیٰ نے بادل ظاہر فرمائے جو گرجنے لگے اور بجلی چمکنے لگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش شروع ہو گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنی مسجد تک نہ آنے پائے تھے کہ نالے بہنے لگے، جب آپ ﷺ نے لوگوں کو سایہ (یعنی بارش سے بچنے کے لئے محفوظ مقام) ڈھونڈھنے میں جلدی کرتے دیکھا

تو ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی کچلیاں ظاہر ہوگئیں پھر فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔" (ابوداؤد)

تشریح: حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نماز استسقاء کے بعد دو خطبے پڑھنا سُنّت ہے اور خطبہ کی ابتداء استغفار کے ساتھ کرنی چاہئے جیسے کہ عیدین کے خطبہ کی ابتداء تکبیر کے ساتھ ہوتی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ کے نزدیک خطبہ مشروع نہیں ہے صرف دعا واستغفار پر اکتفا کرنا چاہئے۔

حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب سنن اربعہ نے حضرت اسحٰق ابن عبداللہ ابن کنانہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (استسقاء کے لئے) عید گاہ جاکر تمہاری طرح خطبہ نہیں پڑھا بلکہ آپ ﷺ برابر دعا کرتے گریہ وزاری کرتے اور اللہ کی عظمت وبڑائی بیان کرتے رہے نیز آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی جیسا کہ عید میں پڑھتے تھے۔"

وسیلہ سے بارش کے لئے دعا

(۱۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ اِذَا قَحِطُوا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ۔ (رواہ البخاری)

اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب (بارش نہ ہونے کے وجہ سے) قحط سالی ہوتی تو امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطابؓ حضرت عباس ابن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش کے لئے دعا فرماتے تھے چنانچہ وہ فرماتے "اے اللہ! ہم تیرے نبی ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے دعا کرتے تھے پس تو ہمیں سیراب کرتا تھا اب ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں پس تو ہمیں سیراب کر۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (اس دعا سے) بارش ہو جاتی تھی۔" (بخاریؒ)

تشریح: منقول ہے کہ جب حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ جو ان کے ہمراہ ہوتے تھے حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تو حضرت عباسؓ فرماتے کہ "اے پروردگار! تیرے پیغمبر کی اُمت نے میرا وسیلہ اختیار کیا ہے۔ خداوندا! تو میرے اس بڑھاپے کو رسوا مت کر اور مجھے ان کے سامنے شرمندہ نہ کر۔" چنانچہ حضرت عمرؓ ودیگر صحابہ کی دعا اور حضرت عباسؓ کے ان الفاظ میں اتنی تاثیر ہوتی کہ جب ہی بارش شروع ہو جاتی تھی۔

استسقاء کے سلسلہ میں ایک نبی کا واقعہ

(۱۴) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَرَجَ نَبِيٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِىْ فَاِذَا هُوَ بِنَمْلَةٍ رَافِعَةٍ بَعْضَ قَوَائِمِهَا اِلَى السَّمَآءِ فَقَالَ ارْجِعُوْا فَقَدِ اسْتُجِيْبَ لَكُمْ مِّنْ اَجْلِ هٰذِهِ النَّمْلَةِ۔ (رواہ الدار قطنی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کے ہمراہ استسقاء کے لئے نکلے پس اس نبی نے اچانک ایک چیونٹی کو دیکھا جو اپنے کچھ پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے (کھڑی) تھی (یہ دیکھ کر) نبی نے فرمایا کہ "واپس چلو! اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کر لی گئی۔" (دار قطنیؒ)

تشریح: منقول ہے کہ یہ نبی حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ واقعہ سے مقصود درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کا اظہار ہے اور یہ بتانا ہے کہ نہ صرف یہ کہ پروردگار کی رحمت تمام مخلوقات پر یکساں ہیں بلکہ اس کا علم تمام موجودات کے احوال وکوائف کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مسبب الاسباب اور قاضی الحاجات ہے۔

اس واقعہ کے سلسلہ میں یہ بھی منقول ہے کہ وہ چیونٹی یہ دعاء کرتی تھی اَللّٰھُمَّ اِنَّا خَلْقٌ مِّنْ خَلْقِكَ لَاغِنٰی بِنَا عَنْ رِزْقِكَ فَلَا تُھْلِكْنَا بِذُنُوْبِ بَنِیْ اٰدَمَ یعنی اے پروردگار! تیری مخلوقات میں سے ہم ایک مخلوق ہیں تیرے رزق سے ہم مستغنی نہیں ہیں سو تو ہمیں انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کر۔"

باب فی الریاح والمطر

ہواؤں کا بیان

مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں یہاں صرف لفظ "باب" لکھا ہوا ہے جیسا کہ مؤلف مشکوٰۃ کی عادت ہے کہ وہ بعض مواقع پر صرف لفظ باب لکھ کر ایک باب قائم کرتے ہیں جو در حقیقت کوئی الگ سے اور مستقل باب نہیں ہوتا بلکہ بیان کردہ پہلے باب کے لواحق اور متممات پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن ایک صحیح نسخہ میں اس موقع پر "باب فی الریاح" اور اسی طرح ایک دوسرے نسخہ میں "باب الریاح" لکھا ہوا ہے جس کا مطلب ہے "ہواؤں کا بیان" گویا اس باب میں ہواؤں سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

ہوا رحمت بھی ہے اور عذاب بھی

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "پروا ہوا کے ذریعے میری مدد کی گئی اور قوم عاد پچھوا ہوا کے ذریعہ ہلاک کی گئی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: غزوہ خندق کے موقع پر جب کفار نے اپنی پوری قہرمانی طاقتوں کے ساتھ مدینہ کا بڑا شدید محاصرہ کیا تو منجانب اللہ مسلمانوں کی اس طرح مدد کی گئی کہ پروا ہوا نہایت تیز و تند چلنی شروع ہوگئی جس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اس نے لشکر کفار کے خیمے اکھاڑ ڈالے۔ ان کی ہانڈیاں اوندھا دیں اور ان کے منہ پر کنکروں کی بارش کر دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رعب و دہشت کی ایسی ہیبت ناک لہر دوڑا دی کہ وہ حواس باختہ ہوگئے اور شکست کا منہ دیکھ کر میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ گویا یہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا فضل اور آنحضرت ﷺ کا ایک عظیم معجزہ تھا

"قوم عاد" گذشتہ امتوں میں ایک بڑی سرکش اُمت گذری ہے اس امت کے لوگوں کے قد بارہ بارہ گز کے تھے۔ جب اس قوم کی سرکشی و بدکرداری نے حد سے تجاوز کر کے خدا کے عذاب کو دعوت دی تو بڑی زبردست پچھم کی ہوا چلی جس نے ان کو اس طرح زمین پر دے مارا کہ ان کے سر چکنا چور ہوگئے، پیٹ پھٹ گئے اور آنتیں باہر نکل پڑیں۔

لہٰذا اس ارشاد گرامی سے آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ بتانا تھا کہ ہوا اللہ تعالیٰ کی تابعدار ہے کبھی تو وہ خدا کے حکم سے رحمت خداوندی کی شکل میں مدد و نصرت بن کر آتی ہے اور کبھی وہی ہوا اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے عذاب الٰہی کی صورت میں کسی قوم کے لئے ہلاکت و بربادی کا پیغام لے کر آتی ہے۔

ابر و ہوا دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی کیفیت

② وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَاَيْتُ رَسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ فَكَانَ

اِذَا رَاَی غَیْمًا اَوْرِیْحًا عُرِفَ فِیْ وَجْھِہٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کبھی بھی اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ مجھے آپ ﷺ کا کوا نظر آیا ہو۔ آپ صرف تبسم فرماتے تھے اور جب ابر یا ہوا دیکھتے تو آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کا تغیر (صاف) پہچانا جاتا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جب ابر یا ہوا دیکھتے تو متفکر ہو جاتے تھے اور چہرۂ مبارک پر اس ڈر اور خوف کے آثار صاف پہچانے جاتے کہ کہیں یہ ابر یا ہوا اپنے دامن میں لوگوں کے لئے نقصان و ضرر کا سامان نہ لئے ہو۔

اس روایت میں حضرت عائشہؓ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یوں تو آنحضرت ﷺ "شہود" یعنی جلال کبریائی کے مشاہدہ کی وجہ سے ہمیشہ ہی خائف و لرزاں رہا کرتے تھے اور کسی بھی وقت آپ ﷺ کا قلب مبارک خوف و خشیت سے خالی نہیں رہتا تھا۔ مگر خاص طور پر جب ابر یا ہوا دیکھتے تو اور زیادہ متفکر اور متردد ہو جاتے تھے۔

تیز ہوا کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

(۳) وَعَنْھَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّیْحُ قَالَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَافِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّمَا فِیْھَا وَشَرِّمَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاِذَا تَخَیَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَیَّرَ لَوْنُہٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَاَقْبَلَ وَاَدْبَرَ فَاِذَا مَطَرَتْ سُرِّیَ عَنْہُ فَعَرَفَتْ ذٰلِکَ عَائِشَۃُ فَسَأَلَتْہُ فَقَالَ لَعَلَّہٗ یَا عَائِشَۃُ کَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَاَوْہُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِھِمْ قَالُوْا ھٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَیَقُوْلُ اِذَا رَاَی الْمَطَرَ رَحْمَۃً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب شدت کی ہوا چلتی تو آنحضرت ﷺ یہ دعا فرماتے "اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی جو اس (ہوا) کی ذات میں ہے اور بھلائی اس چیز کی جو اس میں ہے (یعنی اس کے منافع) اور بھلائی اس چیز کی جس کے لئے یہ ہوا بھیجی گئی ہے (یعنی اس کی مدد) اور پناہ مانگتا ہوں تیرے ذریعہ اس کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو اس میں ہے (یعنی یہ عذاب کا باعث نہ ہو)۔ اور جب آسمان ابر آلود ہوتا تو آنحضرت ﷺ (کے چہرہ مبارک) کا رنگ بدل جاتا چنانچہ (اضطراب و گھبراہٹ کی وجہ سے ایک جگہ نہ رہتے بلکہ) کبھی گھر سے باہر نکلتے اور کبھی باہر سے اندر آتے اس طرح پھر آتے اور پھر جاتے۔ جب بارش شروع ہو جاتی تو آپ ﷺ کا خوف و اضطراب ختم ہو جاتا (ایک مرتبہ) حضرت عائشہؓ نے جب یہ (تغیر و اضطراب) محسوس کیا تو آنحضرت ﷺ سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "عائشہ" کیا! خبر یہ ابر ویسا ہی ہو جس کی نسبت قوم عاد نے کہا تھا کہ "یہ ابر ہے جو ہم پر برسے گا۔" چنانچہ اس آیت میں قوم عاد کا حال بیان کیا گیا ہے کہ "جب انہوں نے ابر کو اپنے نالوں اور وادیوں پر آتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر برسے گا۔" اور ایک روایت میں بجائے (فَاِذَا مُطِرَتْ سُرِّیَ عَنْہُ) یہ الفاظ ہیں کہ "جب آپ ﷺ بارش کو دیکھتے تو یہ فرماتے کہ یہ بارش باعث رحمت ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مذکورہ بالا آیت میں قوم عاد کی ہلاکت کی ابتداء کا ذکر کیا گیا ہے کہ عذاب خداوندی جب ابر کی شکل میں ان پر نمودار ہوا تو وہ اسی خوش فہمی میں رہے کہ یہ ابر ہمارے اوپر بارش برسائے گا، مگر حق تعالیٰ نے ان کی اس خوش فہمی کو جلد ہی ہلاکت و تباہی میں بدل دیا جس کا اظہار اسی آیت کے دوسرے الفاظ بَلْ ھُوَمَا اسْتَعْجَلْتُمْ الایہ کے ذریعہ بایں طور کیا گیا ہے کہ (نہیں) بلکہ (یہ) وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں دکھ دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے (جو) ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے تباہ کئے دیتی ہے پھر وہ کل کو ایسے رہ گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، گنہگار لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

پس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب ابر دیکھتے تو پڑھتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح قوم عاد نے ابر دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ ہم پر بارش ہو گی اور پھر وہ ابر ان پر بارش تو کیا برساتا بلکہ ایسی تند و تیز آندھی آئی جس نے آن واحد میں پوری قوم کو ہلاکت کی وادی میں

پھینک دیا اسی لئے ہمارے لئے بھی یہ ابر ہلاکت و بربادی کا باعث نہ ہو؟۔

غیب کے پانچ خزانے

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الاٰيه۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "غیب کے خزانے پانچ ہیں" پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: غیب کے پانچ خزانے ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ کوئی دوسرا ان پر مطلع نہیں ہے۔ انہیں پانچ خزانوں کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَافِى الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَّمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ یعنی بلاشبہ اللہ ہی کو قیامت قائم ہونے اور بارش برسانے کا علم ہے اور وہی جانتا ہے کہ (ماں کے) پیٹ میں کیا ہے (یعنی لڑکا ہے یا لڑکی، گورا ہے یا کالا اور پورا ہے یا ادھورا وغیرہ وغیرہ) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا (یعنی دنیا میں بھلائی کرے گا یا برائی اور آخرت میں ثواب پائے گا یا عذاب) اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کون سی زمین پر مرے گا، بیشک اللہ ہی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔ یہ غیب کی وہ پانچ چیزیں ہیں جن کی کلیات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہاں خدا کے بعض برگزیدہ و نیک بندے ان میں سے کسی بعض جزئیات کو جان جاتے ہیں (مگر وہ بھی اسی وقت جب کہ اللہ اپنے کسی ذریعہ سے بتا دیتا ہے)۔

سخت قحط کیا ہے؟

⑤ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَتِ السَّنَةُ بِاَنْ لَّا تُمْطَرُوْا وَلٰكِنَّ السَّنَةَ اَنْ تُمْطَرُوْا وَلَا تُنْبِتُ الْاَرْضُ شَيْئًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سخت قحط اس کا نام نہیں ہے کہ تم پر بارش نہ ہو بلکہ سخت قحط یہ ہے کہ تم پر بارش ہو مگر زمین کچھ نہ اگائے۔" (مسلمؒ)

تشریح: قاضی نے کہا کہ جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا شدید اور سخت قحط سالی یہ نہیں ہے کہ بارش نہ ہو اور سوکھا پڑ جائے بلکہ شدید اور سخت قحط سالی اس کا نام ہے کہ بارش تو ہو مگر زمین کی پیداوار بالکل بند ہو جائے کیونکہ فائدہ اور بھلائی کی امید اور توقع اور پھر اس کے اسباب و وسائل کے ظاہر ہو جانے کے بعد غیر متوقع طریقہ پر نقصان و ضرر پہلے سے متوقع نقصان و مایوسی سے کہیں زیادہ سخت اور شدید ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِىْ

ہوا کو برا کہنے کی ممانعت

⑥ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرِّيْحُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ تَاْتِىْ بِالرَّحْمَةِ وَبِالْعَذَابِ فَلَا تَسُبُّوْهَا وَسَلُوا اللّٰهَ مِنْ خَيْرِهَا وَعُوْذُوْا بِهٖ مِنْ شَرِّهَا۔ رَوَاهُ الشَّافِعِىُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِىُّ فِى الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ہوا خدا کی رحمت ہے، وہ رحمت بھی لاتی ہے اور عذاب بھی۔ پس تم (اگر تمہیں اس سے کوئی نقصان پہنچے تو) اسے برا نہ کہو ہاں تم خدا سے اس کی بھلائی طلب کرو اور اللہ سے اس کے نقصان سے پناہ مانگو۔" (شافعیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، بیہقیؒ)

تشریح: سخت ہوا اور آندھی جو خدا کے سرکش اور نافرمانبردار بندوں کے لئے عذاب کا ذریعہ بن کر آتی ہے وہ بھی حقیقت میں رحمت ہی ہے کیونکہ خدا کے نیک و فرمانبردار بندے اس کی تباہی سے محفوظ رہتے ہیں۔

⑦ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيْحَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَلْعَنُوا الرِّيْحَ فَاِنَّهَا مَاْمُوْرَةٌ وَاِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِاَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص نے کسی ایسی چیز پر لعنت کی جو لعنت کی مستحق نہ تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ تو (رحمت یا عذاب کے لئے) خدا کی جانب سے مامور ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرتا ہے جو لعنت کی مستحق نہیں ہوتی تو وہ لعنت اسی لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔" یہ روایت امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ لعنت کا باعث تین ہی چیزیں ہوا کرتی ہیں۔ ① کفر ② بدعت ③ فسق، اور ظاہر ہے کہ ہوا میں ان تین چیزوں میں سے کوئی بھی چیز نہیں پائی جاتی اس لئے آنحضرت ﷺ نے ہوا کو لعنت دینے سے منع فرمایا۔

⑧ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الرِّيْحَ فَاِذَا رَاَيْتُمْ مَّا تَكْرَهُوْنَ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَخَيْرِ مَا اُمِرَتْ بِهٖ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُمِرَتْ بِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابی ابن کعبؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہوا کو برا نہ کہو، ہاں جب تم یہ دیکھو کہ (اس کے جھلسا دینے والے جھونکوں یا اس کی ٹھنڈی لہروں کی وجہ سے) تمہیں وہ ناگوار محسوس ہو رہی ہے (یا اس کی تیز و تندی کی وجہ سے تمہیں تکلیف یا نقصان ہو رہا ہے) دعا کرو کہ "اللہ! ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی بھلائی اور جس چیز کے لئے یہ مامور کی گئی ہے اس کی بھلائی مانگتے ہیں اور ہم تجھ سے اس ہوا کی برائی سے اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی برائی سے اور جس چیز کے لئے یہ مامور کی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتے ہیں۔" (ترمذیؒ)

تیز ہوا کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

⑨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا هَبَّتْ رِيْحٌ قَطُّ اِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَلَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا وَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ وَاَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے کہ جب بھی (تیز) ہوا چلتی تو نبی کریم ﷺ (اللہ کے سامنے عجز و انکساری کے اظہار) اُمت کی طرف سے خوف اور تعلیم کے پیش نظر کہ دوسرے لوگ بھی ایسا ہی کریں) دوزانوں ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور یہ دعا فرماتے۔ "اے اللہ! اس ہوا کو ریاح (یعنی رحمت) بنا، ریح (یعنی عذاب) نہ بنا۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیات کریمہ ہیں (جن کا ترجمہ یہ ہے) کہ "اور بھیجی ہم نے ان پر تیز و تند ہوا۔" اور بھیجی ہم نے ان پر بانجھ ہوا (یعنی ایسی ہوا جو درختوں کو ثمر آور نہیں ہونے دیتی تھی)" اور

بھیجیں ہم نے مینہ لانے والی ہوائیں۔" اور یہ کہ بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ (بارش کی) خوشخبری لانے والی ہوائیں۔" (شافعیؒ، بیہقیؒ)

تشریح: مشہور اور صحیح یہ ہے کہ لفظ "ریح" جو مفرد ہے عذاب کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ اس روایت میں ذکر کردہ پہلی دونوں آیتوں سے معلوم ہوا، اور لفظ "ریاح" جو جمع ہے رحمت کے موقع پر مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ آخر کی دونوں آیتوں سے ثابت ہوا۔

پس حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں مذکورہ دعا میں "ریاح" سے مراد رحمت اور "ریح" سے مراد "عذاب" ہے لیکن ابوجعفر طحاویؒ نے اس میں اشکال ظاہر کیا ہے کیونکہ قرآن کریم ہی میں یہ بھی ارشاد ہے کہ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "ریح" رحمت و بھلائی کے لئے مستعمل ہے۔

اسی طرح بعض احادیث میں بھی لفظ "ریح" جو مفرد ہے خیرو شر دونوں موقعوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابوہریرہؓ گذشتہ روایت (نمبر۶) کے الفاظ الریح من روح اللّٰہ الخ کو دیکھ لیجئے۔ لہٰذا اس اشکال کے پیش نظر خطابیؒ نے اس حدیث کی توجیہہ یہ کی ہے کہ جب بہت ساری ہوائیں آتی ہیں تو وہ ابر و بارش لاتی ہیں اور کھیتوں میں نمو پیدا کرتی ہیں۔ جب کہ ایک ہوا میں یہ تاثیر کم ہوتی ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ "اے اللہ! اس ہوا کو ریاح بنا، ریح نہ بنا۔"

ابر کے وقت کی دعا

(۱۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَبْصَرْنَا شَيْئًا مِنَ السَّمَآءِ تَعْنِي السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَافِيْهِ فَاِنْ كَشَفَهُ اللّٰهُ حَمِدَ اللّٰهَ وَ اِنْ مَطَرَتْ قَالَ اَللّٰهُمَّ سَقْيًانَا فِعًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالشَّافِعِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ۔

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب آسمان سے گھٹا اٹھتی دیکھتے تو (مباح) کام کاج چھوڑ کر ادھر متوجہ ہو جاتے اور یہ دعا فرماتے "اے اللہ! جو کچھ اس میں برائی ہو میں اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ (بغیر برسائے) آسمان کو صاف کر دیتا تو آپ ﷺ اللہ کی حمد بیان فرماتے اور اگر بارش شروع ہو جاتی تو یہ دعا فرماتے کہ "اللہ! نفع دینے والا پانی برسا۔" ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، الفاظ شافعیؒ کے ہیں۔"

گرج کے وقت کی دعا

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب گرج کی آواز سنتے یا آپ ﷺ کو بجلی کا گرنا معلوم ہوتا تو یہ دعا فرماتے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے نہ مار اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور ہمیں عافیت میں رکھ (یعنی ہمیں عافیت کی موت دے) پہلے اس کے (کہ تیرا عذاب نازل ہو)" احمدؒ ترمذیؒ، اور امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّهُ كَانَ اِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ تَرَكَ الْحَدِيْثَ وَقَالَ سُبْحَانَكَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ۔ (رواہ مالک)

"حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ جب گرج کی آواز سنتے تو بات چیت چھوڑ دیتے تھے اور یہ پڑھنے لگتے۔ "پاک

وہ ذات جس کی "رعد" تسبیح کرتا ہے اس کی تعریف کے ساتھ، اور فرشتے اس کے خوف سے۔" (مالک)

تشریح: "رعد" فرشتے کا نام ہے جو بادل ہنکانے پر مقرر ہے۔ چنانچہ گرج در حقیقت اس کی تسبیح کی آواز ہے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت عمرؓ کے ہمراہ سفر میں تھے کہ گرج، بجلی کی چمک اور سردی نے ہمیں آلیا، حضرت کعبؓ نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ جو شخص گرج کی آواز سن کر تین مرتبہ یہ پڑھے سُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهٖ تو وہ ان چیزوں سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔ چنانچہ ہم نے یہ پڑھنا شروع کیا اور خدا تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے موقع پر جب کہ بادل کی چمک و گرج اور بجلی کی تڑپ و کڑک، خوف و اضطرب کی لہر پیدا کردے ان مقدس الفاظ کا ورد سکونِ قلب اور حفاظت کے لئے بہت موثر ہے۔

لِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر و احسان کہ آج مورخہ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ بروز بدھ بوقت ۱۲½ بجے شب "مظاہر حق جلد اول" کی ترتیب و تسوید سے فراغت ہوئی۔ خداوند قدوس اپنے ایک ناچیز کوتاہ عمل بندہ کی اس خدمت کو قبول و مقبول فرمائے۔ آمین

عبد اللہ جاوید

حدیث ایک مقدس فن ہے جس کی نسبت ایک زندۂ جاوید شخصیت کی طرف ہے۔ کرۂ ارض پر جب تک انسان نامی مخلوق موجود ہے اس وقت تک یہ فن اسی تابندگی اور شادابی کے ساتھ باقی رہے گا۔ کتابتِ حدیث اور ترتیب وتدوینِ حدیث کا وہ سلسلہ جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک سے شروع ہوا تھا بتدریج تبع وتابعین کے دور میں اپنی تکمیل کو پہنچا۔ کتبِ حدیث کی تصنیف وتالیف باقاعدہ شروع ہوئی محدثین نے جانفشانی اور محنت سے عظیم الشان کتب تصنیف کیں جو آج ہمارے درمیان علم و عرفان کا مینارۂ نور بنی ہوئی ہیں جن سے طالبانِ حدیث اکتسابِ فیض کرتے ہیں۔ ''مشکوٰۃ المصابیح'' جودراصل ''مصابیح السنۃ'' کی مکمل ومدون شکل ہے انہی عظیم الشان کتب میں سے ایک ہے جس میں کتبِ ستہ اور دیگر موثوق بہا کتبِ احادیث سے ۵۹۴۵ احادیث کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ حدیث کی یہ بنیادی کتاب اپنے ابتداء عہد سے آج تک عربی مدارس میں داخلِ نصاب رہی ہے۔

''مظاہرحق جدید'' اردو زبان میں مشکوٰہ شریف کی مستند، قابلِ اعتماد اور مقبول شرح ہے جو ابتداء تالیف سے علماء، طلباء اور عوام وخواص سب ہی کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ قدیم نسخے کی زبان و بیان کی قدامت اور انداز کے نامانوس اور ناقابلِ فہم ہونے کے باعث کتاب سے استفادہ سخت مشکل تھا اسی احساس کے پیشِ نظر فاضل دارالعلوم دیوبند جناب مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری مدظلہم نے اس عظیم کتاب کی ادق زبان اور قدیم اسلوب کو دورِ حاضر کی مہذب، شگفتہ اور سلیس زبان میں تبدیل کیا۔ بامحاورہ وسلیس ترجمہ، تسہیل، قوسین میں تشریح، اضافۂ عنوانات، احادیث کے نمبر شمار اور پیراگراف قائم کرکے اساتذہ وطلباء کے لئے اسے نہایت سہل ومفید بنا دیا۔ درسِ حدیث اور اپنے دامنِ علم کو احادیثِ نبوی ﷺ کے گراں قدر موتیوں سے مالا مال کرنے کے لئے بے مثال کتاب۔

دارالاشاعت کراچی سے جدید تقاضوں کے مطابق کمپیوٹر کتابت، طباعت، کاغذ اور جلد بندی کے اعلیٰ معیار اور اس کے شایانِ شان طریقے پر شائع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لئے ذریعہ نجات اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

E-mail: ishaat@pk.netsolir.com
ishaat@cyber.net.pk